Copied 4 you

دل، دیا، دہلیز

رفعت سراج

9-4-2008

www.parsociety.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ہر دنیا میں ہر متحرک انسانی وجود ایک کہانی ہے۔

دل، دیا، دہلیز کو ایک آئیڈیل "لوا سٹوری" کا سرٹیفکیٹ (قارئین کی طرف سے) ایشو ہوا۔ 48 ماہ تک یہ ناول قسط وار شائع ہوا۔

اس دوران مجھ سے اس کے نام کے معنی و مقصد دریافت کیا جاتا رہا.....

جہاں دل ہے وہاں انتظار کی کیفیت سے گزرنا اس کی قسمت ہے..... دل

کھلنے کا انتظار دہلیز پر ساعت ٹھہری رہتی ہے..... کسی کے قدموں کی آہٹ پر کان لگے رہتے

ہیں دہلیز پر جلتا ہوا دیا اس بات کا غماز ہے کہ اندر کوئی جاگ رہا ہے۔ اندھیری دہلیز سے تو یہ

خوشہ ہے آنے والا یہ سمجھ کر واپس نہ پلٹ جائے کہ انتظار کرنے والے سو چکے ہیں۔

محبت کو اندیشے دھڑکے بہت رہتے ہیں..... ہر آن کوئی تسلی کی تھپکی چاہئے ہوتی

ہے جلتا ہوا دیا..... اندیشوں میں سہارا ہے..... کہیں دور سے آنے والے کیلئے خوش اُمیدی

کی کرن ہے..... اس کی روشنی میں وصال کی آس ہے۔

یہ دل کی کہانی ہے۔ دل والوں کی کہانی ہے۔ پھول کھلنے کی کہانی ہے۔ آگ

لگنے کی کہانی ہے وہ آگ جو دل میں سلگتی رہے تو محبت کہلائے۔

بھڑک اُٹھے تو سب کچھ بھسم کر ڈالے۔ اس آگ کا نام ہے۔ حسد انتقام

www.Paksociety.com

یہ وہ بہتی کیفیات ہیں جو اول سے انسان کو زنجیر کرتی آ رہی ہیں
انسانوں کے سوا اور رویے بناتی ہیں ... جن سے واقعات جنم لیتے ہیں جن کو مرتب کر دیں
تو کہانی کہلائے بے ترتیب رہنے دیں تو صرف مسائل کا انبار ہوں۔

میں نے دل کی کہانی لکھی ہے ...

دل والوں نے بڑے پیار سے پڑھی ہے اور انشاء اللہ پڑھتے رہیں گے ...

جزیشن خواہ کوئی ہو۔

دل تو سب کا ہے
سب کے پاس ہے
اس خوف سے کہ
آنے والا اندھیرا دیکھ کر
پلٹ نہ جائے ...
بے وفائی کے اندیشوں کے
گھنے جنگل میں بھٹک جائے
دل کی دہلیز پہ
اک دیا جلا رکھا ہے

آپ کی

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

وے بول سانول وے بول سانول
نہ روئیں سانوں نہ روئیں سانوں
دکھیں کنیاں دے دکھ نہ تو لیں سانوں
دکھوی اے راوی دکھ ساں سہیاں۔ ساں سہیاں
تیرا ڈھولا بلا سوہنا جیویں سیاں کھیڈیاں

"روحی آپا۔ آپ کو بابا صاحب بلا رہے ہیں"۔ خانساماں کے کان میں بولی تھی۔

ڈھول کی تھاپ یکدم رک گئی۔ اور اس کی سانس بھی۔

"لائبریری میں ہیں؟"۔ وہ کہہ کر روبوٹ کی طرح نکل گئی۔

روحی نے اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی لڑکیوں کو اس طرح دیکھا۔ جیسے ان میں سے کوئی آنے والے وقت کی پیشگوئی کرے گی۔

وہ بدقت تمام اٹھی اور ڈرے ڈرے انداز میں پبلک لائبریری کے دروازے پر آ کر رک گئی اور بہت مشکل سے پہلے دستک دی۔

"آجاؤ۔ بابا صاحب کی خشک اور بے تاثر آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ اندر داخل ہو کر بھی آنے کا سبب نہ بتا سکی۔

بابا صاحب نے کتاب میز کے سامنے کی ہوئی کرسی کو دیکھ کر روحی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ایک لمحہ کو روحی کو ان کی آنکھوں میں حائل پا کر جیسے اس کے خوف میں کمی واقع ہو گئی تھی۔

"اتنی دیر تک کون بجا رہا تھا؟"۔ بابا صاحب کی سرد آواز سے جیسے وہ چونک پڑی۔

www.Paksociety.com

''مم.....میں.....بھاری تھی بابا صاحب''۔

''کیوں؟''۔

''ظفری بھائی کی شادی جو ہے''اس نے بمشکل تھوک نگلا۔

''اور یہ شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟''لہجہ ہنوز پتھریلا تھا۔

روشی نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔

''جھومر کے ساتھ بابا صاحب''۔اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

''جھومر کون ہے؟''وہ برہمی سے پوچھ رہے تھے۔

اللہ۔(معاملہ کیا ہے آخر؟)اب خوف کی جگہ پریشانی نے لے لی۔

''کاکا جان کے شوفر عنایت علی کی بیٹی ہے بابا صاحب''۔اس نے اس بار قدرے سنبھل کر جواب دیا۔

''بے وقوف لڑکی۔یہ بات جو چند افراد کے علاوہ کسی کو پتا نہیں۔تم ڈھول پیٹ کر گویا اعلان کی صورت بتا رہی ہو''۔وہ گرجے۔

روشی کی تو ٹانگیں کانپنے لگیں۔

''بابا صاحب!باہر کی تو کوئی بھی لڑکی نہیں ہے۔ہماری تینوں چاروں نوکرانیاں ہیں اور میں۔زری آپا'مونا باجی'گلو آپا' حنا'ثانیہ'لالی'روبی'مریم'شنو آپا'بیہ'سونی۔کوئی بھی تو نہیں گا رہا تھا۔تو''۔

''اس لئے کہ وہ تمہاری طرح بے وقوف اور کم عقل نہیں ہیں۔اور تمہارا اس قدر حرج ہو رہا تھا کہ خادماؤں کو لیکر بیٹھ گئیں''۔

ان کی پرجلال آواز پر روشی کی رہی سہی طاقت بھی جواب دے گئی۔

''جو وقت کالج میں اور تصویریں بنانے میں گزارتی ہو'گنواتی ہو۔کسی سمجھدار لڑکی کے ساتھ گھر میں مصروف رہا کرو۔شاید تھوڑی بہت عقل آجائے''۔

بڑی زبردست لتاڑ تھی۔اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔مگر بابا صاحب کو چہرے دیکھنے کی نہ عادت تھی نہ فرصت۔

''جاؤ۔اور آئندہ دھیان رکھنا۔جو کچھ آج ہوا اس پر غور کرنا۔غور وفکر کرنے سے بھی عقل میں اضافہ ہوتا ہے''۔

کس قدر رکھائی تھی اس جملے میں

اتنی سخت ست پر اس کا دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

وہ نیم تاریک راہداری میں نکل آئی۔کس جوش ولولے سے وہ گا رہی تھی۔کیا بے چارے ظفری بھائی انسان نہیں؟ کیا ان کا دل نہیں؟ کتنے پتھر ہیں بابا صاحب۔میں نے تو کلو کو بھیجا ہوا تھا کہ وہ ظفری بھائی کو بلا لائے۔وہ کتنا خوش ہوں گے۔ ہائے۔کاش بچپن میں انہیں خرکار اٹھا کر لے جاتے۔کم از کم ان کی شادی پر سارے بیگار کیمپ میں شادی والی رونق تو ہوتی۔

روشی نے اپنی سمجھ عقل کے مطابق تسلی کی۔

''ادھر اندھیرے میں کہاں جا رہی ہیں؟''وہ کیونکہ سوچوں میں غلطاں تھی۔چونک کر بولی بغیر سمجھے ہاں کہہ دی۔

''جہنم میں بھی جا رہی ہوں تو۔تم سے مطلب؟''وہ بھوکی شیرنی کی طرح غرائی۔

''میں تو پوچھ رہا تھا۔''وہ خفیف سا ہو کر گویا ہوا تھا۔

''کس قدر شوق ہے تمہیں پوچھنے کا۔کسی روز تمہیں پوچھ لیا ناں تو پتہ لگ جائے گا''۔وہ غصے میں کہتی ہوئی اس کے پاس سے گزر گئی۔

''ارے ہم تو عاجز ہیں بالکل آپ کے نوکر جیسے۔دبے دبائے سے۔کیوں بلا وجہ اپنی انرجی ضائع کرتی ہیں''وہ عجیب سی تلخی سے ہنسا اور آگے موڑ پر گم ہو گیا۔

''لو۔ہر بات دل پر لے لیتے ہیں۔حالانکہ یہ حضرت جانتے ہیں سارے گھر میں سب سے زیادہ نرم گوشہ کسی ہوں ان کیلئے''۔

''اب بھی ان کی قسمت ایسی ہے تو میرا کیا قصور ہے اس میں''۔اب وہ نئے سرے سے کڑھ رہی تھی۔

''اے۔شی!''مونا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور سب کو کھڑکی کی سمت آنے کا اشارہ بھی ساتھ ہی کیا۔

وہ سب کرتی پڑتی کھڑکی کی سمت بڑھی تھیں سوائے روشی کے۔وہ اسی طرح بیڈ پر سر جھکائے پاؤں کے ناخنوں پر سے کیوٹکس کھرچ رہی تھی۔

''اے روشی آؤ ناں''۔گلو آپا نے جیسے اس کے خفا خفا بیٹھے رہنے پر تعجب کا اظہار بھی کیا تھا۔

روشی اسی طرح بہری گونگی بنی بیٹھی رہی۔

گلو آپا نے جیسے بیزار کن انداز میں شانے جھٹک دیئے تھے اور دوسری لڑکیوں کی سمت بڑھ گئی تھیں۔

''دوپہر سے تو ڈھول پھاڑے جا رہے تھے اور اب حرکت بھی دشوار ہے''۔وہ بڑبڑائی تھیں۔

''یہ ظفری بھائی کو گاڑی میں کون بٹھا رہا ہے؟''سونی کی آواز کمرے میں ابھری۔

''چھوٹے چچا ہیں''۔مونا نے جواب دیا تھا۔

''بابا صاحب نظر نہیں آ رہے؟''بیہ نے ذرا دور تک تاک جھانک کی۔

''ان کی طبیعت دیر ہوئی۔روانہ ہو چکی''۔مریم نے اطلاع بہم پہنچائی۔

''وہ ساتھ کیوں نہیں گئے؟''بیہ نے حیرت سے پوچھا۔

''آئیں گے تو پوچھ لینا''۔زری آپی نے جیسے ڈانٹا تھا۔

''لو بابا۔ان سے کون پوچھ سکتا ہے''۔بیہ نے کانوں کو ہاتھوں سے چھوا۔

www.paksociety.com
www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"تو پھر پھپھو ہو"۔ مریم کو جیسے بے تحاشہ ہنسی آ رہی تھی۔

"اوے بڑی امی کہا جاتا ہے"۔ حنا کی تصحیح پر آور روشی کے کانوں میں بالی۔

"لو تو کیا وہ نہیں جانتی اپنے اور جنم نظر باب ای جان آفتاب کے حق میں ہیں"۔ وہ بے لچک انداز میں جواب دیا تھا۔

"اللہ کتنا دل جلا رہا ہے نظری بھائی کے چہرے کے تاثرات دیکھیے گا"۔ عظیمہ بڑی بے بسی سے گویا تھا کر رہی تھی۔

"چلو دیکھ آؤ۔ ابھی سر پر سے ٹلا نہیں۔ بابا صاحب تو بڑے ہولی ہارٹ ہے"۔ مجھ آپی نے جیسے اس کی بے بسی سب سے زیادہ محسوس کی تھی اسی لئے فوراً حل بھی بتایا تھا۔

"مگر مجھ آپی۔ اس وقت بیٹھے بھی لوگ پریشانی میں گھرے ہیں۔ سب تقریباً بابا صاحب جیسے ہی ہیں۔ کوئی کم کوئی زیادہ"۔ عظیمہ نے خاصی تلخی سے جواب دیا۔

"تو بھئی بڑی شروع"۔ رویے کن انکھیوں سے نظارہ بے زار روشی کی طرف دیکھ کر تنک گئی تھی۔

"آج تو نظری بھائی بہت خوش ہوں گے"۔ بے ساختہ سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"لو۔ ایسے۔ ایسے۔ اور تالیوں نے سب کی شادیوں پر"۔ روبی شروع کر چکی تھی۔ ایش بھیا کا سوا نہیں ہونا تھا۔

اسی دن تو بابا صاحب نے دعوہ کیا تھا کہ ان سے کہ ان کی شادی بھی بہت جلد کریں گے"۔

روبی جواب تک بڑی خاموشی سے تمام کارروائی دیکھ رہی تھی۔ بڑی تفصیل سے شروع ہوئی تھی۔

"مگر ہائے بے چاری مجھ۔ اس کے بھی تو۔ خواب ہوں گے۔ کچھ ارمان ہوں گے۔ ماما بی تاڑ رہی تھی کہ بہت حسین ہے"۔

روبی کی معلومات واقعی وسیع تھیں۔

"لو۔ ماما بی کو کیسے پتا"۔ نذری آپی نے تنک کر جھوٹ پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

"جب بھیجی آپا اس دارفانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ تو کاما جان نہیں لے گئے تھے ماما بی کو"۔ روبی تو "تنک" مزے پر تھوڑا تھا۔ (ہوں یہ ہر ایک کو بھوتنی سمجھتی ہیں)

"اوہ۔ ہاں۔ اس کا تو مجھے دھیان ہی نہیں آیا۔ بے چارے کرنال تھی ماما بی سراسے"۔

"اور ابھی کے بعد سینکڑوں قصے بھی سنائے تھے۔ سراسے نے"۔ نذری آپی کو یاد آ گیا۔

روبی کا موڈ خاصا آف ہو چکا تھا اس لئے کی قسم کے تاثرات دینا مناسب نہ سمجھا۔

"چلو۔ تو روبی تم تعارف کرا رہی تھیں۔ مجھو بہت حسین ہے"۔ نذری آپی کا اشتیاق دیدنی تھا۔

"اس نے تو دیکھا"۔ روبی نے اسی گئے گزرے انداز میں کہا۔

"کیا قسم کھا کر کہہ رہی ہو۔ تم نے بھی تو دیکھا ہے"۔ روبی کے طنز پر وہ تنک کر بولی تھی۔

نذری آپی نے ان دونوں کو (ہوں میں) روبی کو اور کھلا چھوڑ دیا۔

"نظری بھائی کی شادی کب تک ہو گی"۔

"پتا نہیں۔ ابھی کب تک ہو گی"۔

"ان کی دلہن بھی شروع ہو گئی۔ ابھی تو آپا صفیہ بھی بیٹھی ہیں"۔ روبی تنک گئی تھی۔

"اچھا اب چھوڑ بھائی آ گئی تو کیا ہو گیا سب سو گئے ہوں گے"۔ سونا بھی گھوڑا بیچ کر سو رہی تھی۔

"بابا صاحب نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ آپ لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کروں کہ مجھے بھی اشتیاق ہو۔ مگر معلوم ہوا آپ لوگوں کا تو یہ حال ہے"۔ روبی نے سخت ناراضی سے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا حال ہے ہمارا"۔ سونا کو واقعی بات بری لگی تھی۔

"یہ مسترد ہو جانا ہے بھول آپی"۔ روبی کے لب و لہجہ میں آپا کی تضحیک کرنا شروع کر دیا تھا۔

"لو بھئی۔ یہاں تو ہر چیز علی "مسترد" ہے یہ صرف بھوپ کا نام ہی بھول گئی ہیں"۔ نذری آپی نے ہنس کر سونا کو چھیڑا تھا۔

"مجھے تو ان سب کی باتوں کی سمجھ نہیں آ رہی"۔ رویے اپنی مشکل بیان کی۔

"ہم تمہیں لیا بیت باتوں کے سلجھانا پڑ رہا ہے کہ جن باتوں سے یہ واقف ہے ان باتوں سے وہ واقف نہیں آ رہی ہے۔ پچھلے پڑے چاک سے بس یہ بھی تجسس طبع میں پھیلا دی جائے گی۔ اسے اس طرف کبھی بھی نہیں آنے دیں گے سمجھیں"۔

"ہائے مجھو آپا آپ کتنی بے درد ہیں۔ ایسی بھی تمہاری آپ کو ترس نہیں آ رہا مجھو پر"۔

سونا نے خاصی اونچی چھلانگ لگائی۔

مجھو آپا نے اپنی حسین آنکھیں ایک لمحے کو سونا کی آنکھوں میں ڈالیں اور کھڑی ہو گئیں۔

"بہت ہی ہمدرد ہو سونا"۔ وہ مسکرائی تھیں۔

"کہاں جا رہی ہیں مجھو"۔ نذری بھی اب بور ہونے لگی تھیں۔

"نیچے آرہی ہے سونا چاہتی ہوں"۔

"اچھی ہے"۔

"ہاں۔ اگر موڈ پائی تو پھر دو دن تک اوپر نہیں آئے گی۔ ابھی کبھی بھی آ جائے تو"۔

وہ مسکراتی ہوئی انداز میں کہتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔

"نظری بھائی کو ذرا سا تو ہلا ہو گا ان کی"۔ "یہ کہ کچھ تم بھی کچھ کہا کرو"۔

"ہاں۔ ظاہر ہے آخر اکلوتے بیٹے کی ان کے۔" مصطفیٰ نے بھرپور انداز میں شرکت کی۔

"آپ کو ایسے نہیں کہنا چاہیے۔" روبی نے مصطفیٰ کو ٹوکا۔

"تم بس اپنی حد میں رہا کرو۔ بڑی آئیں خوش ہونے والی۔" مصطفیٰ تو آگ ہی ہو گئے۔

روبی بے چاری سے شانے جھٹک کر باہر نکل گئی۔

"اے۔ بی بی کی چاہ ہے۔" موٹے کھڑکی میں کھڑے کھڑے ان سب کو مخاطب کیا۔

"ہاں کیا اسے۔ اسے تو عادت ہی پڑ گئی ہے۔ ہماری بے بارے انتظامیہ کے تفریحی کی سہولت دینے کی" بی بی کی نہیں۔ غیر ضروری مراعات دے کر خود سر بنا دیا ہے ان میں سے بچ بچانے کے لیے ہم ہی کام آئیں گے۔" روبی بس کر رہ گئی تھی۔

"پھر بھی مجھ تو یہ چلے گا۔"

"ہاں بھائی۔ شش۔ ادھر آ گیا۔ ہمارے کمرے میں۔" موٹے کھڑکی سے پیغام رسانی شروع کی۔

"کرے۔ کیں ہاں۔" وہ ویسے ہی کی پیغام رسانی پر جھکا۔

"سب ہیں اور سب تو ہمیشہ سے ہی ہیں۔ آج کیا نئی ہے۔ جلدی سے آ گیں۔" موٹا کہہ کر کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا اور جلدی سے دروازے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"توبہ کتنے نخرے ہیں۔ جلدی سے آ گیں۔ ہمارے بھی ریٹ کارڈ پر بیٹھن دیں آپ لوگ"

"السلام علیکم" وہ چند لمحے گزرنے کے بعد نمودار ہو چکا تھا۔

"وعلیکم السلام" سب نے کورس کے انداز میں جواب دیا سوائے روبی کے۔

"فرمائیے" وہ شستہ لہجے میں ہاتھ باندھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"ہم نے نہیں فرمانا۔ اس وقت تو آپ نے فرمانا ہے۔ آپ نے فرمانا ہے۔ حاضرین سوالات کی بارش فرمائیے"۔ مہتاب شرارت بھرے انداز میں اس کے مقابل میں آ کر بولی۔

"جی۔ میں کیا فرما سکتا ہوں آپ لوگ" وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"ابھی پتہ چل جائے گا۔ آپ کیا فرما سکتے ہیں اور کیا نہیں۔ پہلے تشریف تو رکھیے" سوئی نے موڑھا اس کے سامنے کیا۔

"مجھے کہاں ہے؟" وہ بیٹھنا گیا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"نعوذ باللہ۔ نیات الستعلین نما گھاب ایں" ڈری چیخ کیں۔

"ارواح کی فریاد ان ہے"۔

"اوئی!" روبی چیخ مار کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"دماغ میں گھس گیا۔ اوئی" وہ دونوں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"ہاں بیٹھیں۔ میں ہوں نا۔ میں آپ کی ہر طرح سے مدد کروں گا۔"

"وہ کیا خاطر ہیں۔"

"پیچ" سوئی نے مصطفیٰ کے پاؤں میں ہاں کی ایک ٹھوکر رسید کی۔

"آپ نے تو خود ہاں بلایا ہے" ہماری مہمان نوازی کا جذبہ عروج پر تھا۔

"ہاں تو پھر۔ میں نے آپ کو ہاں بلایا ہی کب تھا۔ آپ خود ہی آ گئے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" روبی مصطفیٰ کے پیچھے کھڑے ہونے کی وجہ سے نہیں دیکھ سکی تھی۔

"تم نے تو خود مجھے بلایا ہے۔ میں نے تو نہیں بلایا۔ تم نے ہی بلایا ہے۔" مصطفیٰ نے بھی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر اپنی پوزیشن واضح کر لی۔

روبی نے جھٹکا سر اٹھا کر ہماری کی سمت دیکھا۔

وہ ایسی طرح سے ہنس رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لے کر اپنی ہنسی کو اپنے اندر ہی دبا لیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ میں یہاں کس مقصد سے آیا ہوں؟" ہماری نے ہاں کی سمت دیکھا۔

"نہیں نہیں زحمت نہ کریں۔ ہمیں پتا ہے۔" مہتاب شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"ہماری۔ کیا تمہیں علم ہے۔ ہاں جناب کب تک کب تک آپ یہاں رہیں گے؟" روبی اپنی جگہ سے اٹھ کر ہماری سے سوال کیا تھا۔

"لیجیے۔ یہ آپ لوگوں کے پروگرام مجھے کیوں معلوم ہونے لگے۔" وہ جیسے ان کی سادگی پر ہنس دیا۔

"اچھا جناب۔ بات تو سنائے ہی گی ہے ہاں" روبی آپی اب انداز میں کہنے لگی تھیں۔

"جی یہ بات تو اچھی طرح معلوم ہے کہ بات (اس نے بات پر زور دیتے ہوئے) سنانے ہی گی ہے۔ وہ مجھے کا راستہ ہے۔ سنا ہے وہ لوگ یہاں سے گئے ہیں۔ ہاں کچھ ہی دیر میں ہوں گے۔" وہ جناب کہتے ہی ہنس پڑے تھے۔

"ہاں۔ یہ تو ہے۔ وہاں کون سا مہمان نواز ہے گا۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا تھا۔

"وہاں نہ سہی۔ وہ کا یہاں تو ان کے لیے کچھ نہ کچھ تو کیجیے۔"

"تو کیا ایک بیٹے کا جائیں۔" ہماری نے یہ بات ہی ہنسی میں اڑا دی۔

"یہ بات کی ایک صحیح بھی ہوتی ہے" مصطفیٰ نے یاد دلایا۔

"اوہوں۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ جانے دیں اب۔" مہتاب نے کہا۔

"ظہری بھائی تو بہت خوش ہوں گے۔ ہے ناں ہماری بھائی" عریبہ نے بھی کہا۔

"بہت۔ میں تو ابھی روشنی میں ان کا چہرہ تک نہ دیکھ سکا۔" ہماری نے کسی حد تک مایوسی سے کہا تھا۔

"اچھا۔ اب یہ باتیں ہی ہوتی رہیں گی۔" مصطفیٰ نے کہا۔ ہماری نے سر ہلا دیا۔

www.Paksociety.com
www.urdunovels.net

"کیا سوچا ہے حاشر؟"

"کیں؟"۔

"تم ہر پھولوں کے ہار ہی پہنو گے؟" نیلو نے کہا۔

"صرف ایک ہی تھا"۔ وہ جھینپ گیا ہو۔

"اس کی بھی کیا ضرورت تھی۔ اس سے زیادہ پھول تو لوگ قبر پر ڈال دیتے ہیں"۔ وہ بڑی آزردگی سے گویا ہوئی۔

"ساتھ لے گئے ہوں گے۔ لاوارث ہی ایک پتنگ ہارتی تھی"۔ حبیبہ کی زہریلی بھی آواز نے کمرے میں سکوت طاری کر دیا۔

"کون کون گیا ہے؟" بالآخر حنا نے خاموشی توڑی۔

"بابا صاحب ہیں۔ بڑے ماموں۔ چھوٹے ماموں۔ کبیر ماموں۔ عباد چھوٹے۔ منجھلے پھوپھا۔ حسین پھوپھا۔ اکبر میاں صاحب۔ چھوٹے بھیا۔ قمر۔ جواد۔ فرحان۔ احمر۔ حماد۔ مسعود۔ سلمان۔ مظاہر۔ طلحہ۔ وہاج ۔۔۔۔"

"یوں کہیں نہیں بچتے کہ سب گئے ہیں"۔ حبیبہ نے زچ ہو کر اسے درمیان میں ٹوک دیا۔

"سب نہیں گئے۔ زوالفا ماموں۔ بابا اور چچا اور ندیم نہیں گئے۔ بڑی امی کے علاوہ کوئی خاتون نہیں گئیں۔ اب مجھے اجازت؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہم اجازت دیں گے تو جاؤ گے۔ مانگتے کیوں ہو؟" حبیبہ نے خاص تحکمرانہ انداز سے اس کی سمت دیکھا۔

سیٹ پر خاموش بیٹھی روحی نے باری کی طرف بڑی جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

ایک فکر کی لہر تھکے تھکے چہرے کو ابھری تھی اور فوراً ہی معدوم ہو گئی تھی۔

"جائیے باری بھائی۔ اس بچی پر چھوڑا تھا" حنا نے جیسے اس کی جان چھڑائی۔

"بیچارے دو۔ اس بہانے کچھ آرام ہی مل رہا ہوگا"۔ معیز ہنسی۔

"ارے نہیں۔ نہیں بس جاؤ تم" کوری نے بھی جیسے اس پر ترس کھایا۔

"تھینک یو"۔ وہ بے تاثر مسکراہٹ پھینک کر چلا گیا۔

"کچھ یاد دہانی نہیں ہو گئی"۔ حبیبہ نے نخوت سے ناک سکیڑ کر زری آپا کی سمت دیکھا۔

"کیوں خوامخواہ وہم پالتی ہو۔ وہ کیا کر سکتا ہے بے چارا۔ بس دیکھو۔ زری آپا نے حبیبہ کو جیسے اس کے بے رحم رویے کی جانب توجہ دلائی تھی۔

"اور ہمکی لڑکیو! چلو اپنے اپنے ٹھکانے پر۔ میں تو تھکن سے چور ہو رہی ہوں۔ ماما بلو بھی غائب پا کر خود بھی بستر میں غائب ہو چکی ہوگی"۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائیں۔

چہلقدمی کے بعد کمرا مستعار محفل کو منتشر کرنے لگا۔ یا قاعدہ وہ نظر بند تھی۔

[illegible]

وہ بھی اسی طرح ساعت فراغت میں تھی۔

"جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے ہی ہوا کرتی ہوں"۔

"اس لئے اپنے گھر میں۔ اپنی ماں سے دور ہو"

اس کی آواز بھرا گئی۔

"سوری بھی ہے تمہیں مجھ سے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ تمہیں تو پتا ہے۔ تمہیں تو پتا ہے نا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے"

روحی۔

"ڈاکٹر کے پاس لے گئی"۔ بڑی حمیرا نے کچھ سوچ کر اس کے چہرے کے قریب ہاتھ لہرایا۔

"ڈاکٹر۔ ڈاکٹر۔ ڈاکٹر۔ ڈاکٹر۔ وہ کہہ رہے ہیں ہیں کہ بچہ نارمل ہے"۔ وہ چیخ پڑی۔

بچے پر مرگی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے جھک کر بچے کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا لیا۔

دن بھر ہوں دن کی کلیاں اٹھائے وہ بچے پھولوں کی طرح ہلکا تھا۔

"کیسی ہو بچہ کیل"۔ اس نے بچی کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر کو۔ برقعہ لے کر آتی ہوں۔ ہاں۔ وہ اچھی طرح بند کر لیجئے"۔ اس نے بچے کی ناک کو کر کے کہا۔

اور وہ اپنی بچی کی بات کہہ گئی۔

"اور دیکھیں۔ یہاں کوئی کہہ کر کہلانے کی کوشش کیجئے گا۔ ہاں وہ بھی ٹھکرا دیتے ہیں"۔

"یہ کیوں نہ کہہ دوں کہ چچا ماموں آ جائیے۔ وہ وہ ہاں اگر بیٹھے کہ روحی کو نہیں تو انہیں شاید ہی"۔ وہ بچے

آواز میں ہنس کر بولی۔

برقعہ پہنتی زبیدہ نے اپنی سراسیمگی میں اس کا مفہوم نہیں سنا۔ خاوند اور بچے کے پیچھے بیوی سے لگ گئی۔

اگر جنسی کی وجہ سے حسرتوں تو جلتی ہوگی مگر ساتھ ہی دواؤں کی فہرست بھی اس کے ہاتھ میں تھما دی گئی۔ وہ شش و

دواؤں کی فہرست اور قیمت کا اندازہ لگا رہا تھا۔ زبیدہ نے فہرست تھما کر اپنے بچے کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

وہ کتنے غور و انداز میں ہاسپٹل کے بچھونے آ کر بیٹھ گیا تھا۔

حبیبہ نے جو رقم دی تھی وہ تو پچھلے تین دنوں میں دواؤں اور تحفہ کے اخراجات میں اٹھ گئی تھی۔

ایک سوال نشان اب دل پر مرتسم تھا۔

خالی کشکول نظر آ جاتا ہے۔ خالی جیب خالی پیٹ نظر نہیں آتا۔ آنکھوں کی ویرانی کہاں دکھائی دیتی ہے۔ جیب خالی نہیں

ہوتی۔

ایک دولت ادا ہے

www.paksociety.com

ایک وادث حیرت ہے

کیا کماؤں؟

کیا کھاؤں؟

صبح کا سورج کہاں سا ہو گا؟

جان کھو دوں اتنی مشقت کروں۔

یہ پیچھے رہ جانے والوں کا کیا ہو گا۔

ہر طرف اندھیرا سا ہے۔

کوئی تجارت کروں۔ ہاتھ خالی کے خالی۔ اداسی ہو وہ دو آنکھیں بے قیمت موتیوں سے چھلکنے لگیں۔

"اندھیرے میں رہائی ڈھونڈتے ہو؟" اچانک اس کے قریب سے ایک آواز آئی۔

وہ چونک پڑا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آواز کی سمت دیکھنے لگا۔

"بھائی! میں یہاں ہوں۔ ابھی تمہارے اوپر ہی ہوں۔" آواز پھر آئی۔

ذرا سا آگے بڑھ کر اسے پاس ہی ایک وجود کا ہالہ نظر آ گیا۔

"تم بہالا... یہاں بھی اس طرح کیوں بیٹھے ہو... [illegible] کیوں نہیں آتے؟ تم تو بیکار لگا پڑتے ہو۔" وہ اس کے قریب ہوا تو مخاطب کی حالت قدرے واضح ہو گئی۔

"ابھی خاموش... پھر گفتگو جاری ہیں... [illegible] ہے۔" مسلسل ہنسی۔ [illegible] احتیاط سے پھر گفتگو پر کھو گئی اور بیٹھی زلفوں سے ہوا میں گی... ہا ہا ہا"

"کیا تم سے بھی زیادہ بدنصیب ہو؟" "تم تو ابھی تک اتنا خود مار نہیں ہوا۔"

وہ حیرتگی سے اس کے قریب ہو گیا۔

"ہو جاؤ گے۔ ہر بات کا آغاز بھی ہوتا ہے یا نہیں۔"

"مت رو بھائی! تم پھر کوئی بھی بات... [illegible] اس طرف اس کا آیا۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

جس کی جیب خالی اور... سوچ سے نہیں بھر کرتی۔" وہ اجنبی [illegible] سے بولا۔

"کیا کرتے ہو؟"

"مجھے یاد ہو ہوں اولاد کو ایک ایک کر کے چار بھوکے ہیں۔ سوتوں بھی کافی نہیں۔ مزدوری کرتا ہوں اور کوئی بہتر نہیں ملتا۔" وہ لاچار انداز میں بولا۔

"بھلا وہ... تو ان پالتے ہو؟ اصل؟" اجنبی نے [illegible] اٹھا کر سوال کیا۔

"بھلا کیا مطلب؟" میں واقعی نہیں سمجھا۔

"ہاں تمہاری زندگی میں سوال ہے۔ [illegible] میں خون کے [illegible] ہوتے ہیں کہ [illegible]

عجیب سے انداز میں ہو... [illegible] اصل [illegible] آتا ہے۔ پیدا کیا، [illegible]

اٹھاتے ہے۔"

"اب سمجھ میں ہی بات کرو... [illegible] کے دنوں [illegible] سمجھ میں آ رہا۔"

"اب سمجھ کی بات... [illegible] ایک [illegible] بات [illegible] ہے۔ [illegible]

اور گویا [illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ ہاں [illegible]

ہوتے۔"

"سوال [illegible] اس نے [illegible] کی گفتگو پر [illegible] کی۔

"[illegible] سمجھ [illegible] ہے۔ [illegible]"

"سوال [illegible] کی [illegible] ہوتی [illegible] کرے گی۔"

"اور قرآن میں [illegible] انسان کے [illegible] ہیں۔ [illegible]"

[illegible] ہیں... [illegible] کرے گی... [illegible] ہو گا نہیں۔"

"[illegible] کرنے والے [illegible] انسان کی مدد کو آئے۔ اس نے [illegible] میں [illegible]

ہونے کا [illegible] دیا۔

"[illegible] کوئی [illegible] ہے۔ یہ [illegible] حقیقت [illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible] بچوں [illegible] میں [illegible] انسان [illegible] ہیں۔ [illegible]

شور مچاتی ہیں۔"

"چلو! [illegible] سمت [illegible] ہو [illegible] کسی [illegible] تو [illegible]

اب تو ٹھیک ہے۔" اجنبی نے اندھیرے میں اس کے [illegible] کی کوشش کی۔

"کیا کرتے [illegible] پھیل [illegible] ہیں؟" اس کے [illegible]

چکا تھا۔

"[illegible] وہ یہاں بھی آیا تھا۔ [illegible] اب آ جاتی ہے۔ [illegible]

ذرا کچھ [illegible] ہو گیا تھا۔

"اتنا آسان [illegible] تو میں [illegible] ہو سکتی۔ [illegible]

ہو۔" وہ بیٹھے [illegible] کہا۔

"[illegible] گھر [illegible] میں [illegible]"

"بھائی! تمہارا نام کیا ہے؟"

www.paksociety.com

"تم ہو کیا چیز"۔ وہاں سے واقعی زور جواب آیا۔

"ابھی تو کرتے ہو بات، جانے کیا کیا کرو گے"۔

"جس طرح کامیابی کا نشہ ہوتا ہے اسی طرح ناکامی کا بھی ایک نشہ ہوتا ہے۔ عادت ہو جانے کی دیر ہے۔ فرق نے پوچھا ہے کیا کرتے ہو؟ اور بتایا۔

آپ کی نظر آنکھوں کی حرم
میری مے خواری ابھی تک یاد ہے

وہ جھلی جھلی لہجے میں ٹوٹی پھوٹی کوشش کر رہا تھا۔

"بڑے کچے بھی لگتے ہو"۔ اسے حیرت بھی ہوئی تھی اور ترس بھی آیا تھا۔

"لگتا تو جانے کیا کیا ہوں۔ پر وہ نہیں لگتا جو ہوں"۔ اچھی پھر پرانی قوت لگا کر بولا۔

محراب دوسرے مرحلے میں تھا۔ توجہ تقسیم ہو چکی تھی۔

"بھائی! کہاں کھڑے ہو کر اعلان کروں کہ میرا خون ہے تو"۔ ایک بیماری سوال پیدا ہوا تو اس کے قدموں کی حرکت خود بخود رک گئی۔

"اعلان کرنے کی کیا ضرورت۔ پیسے خود بولتے ہیں۔ ابھی تک تو رشتوں کی جو چیخیں نکلی ہوں گی۔ اب ذرا باہر کی جوتوں کا تماشہ دیکھو۔ اور تھوڑی دیر بعد ہی کی طرف چلے جاؤ۔ لال مفلر پہنے ایک موٹی سی جو لگ سنائی دے رہی ہو گی۔ کہنا مارف نے بھیجا ہے"۔

"اچھا"

"اور ہیں تو ٹرک"۔ اچھی بھاگ گیا۔ بڑی امی، ہاں وہ لال مفلر کی اور بھیجنا"۔

"کتنے پیسے دے گا وہ؟"

"کہا تو ہے مت مار۔ آمدنی وہ چھانے گا تو کمیشن بھی لگے گا۔ یہ بھائی ہاتھ کر گیا ہو گا۔ پہلے تاسف دیا ہوں"۔

"سمجھ گیا"۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

"بھائی! راستہ"۔ اچھی نے پھر اس کے بڑھتے قدموں کو روکا۔

"اب کیا ہے؟" وہ جھلایا۔ مجھے اچھا خاصہ دوا کے انتظام میں ہے۔ جلدی کہو"۔

"لفظ ہاتھ جوڑنے کے انداز میں ملنے لگے۔ شکریہ ادا کرنے لگے۔ بھائی میں ایک شعر سنا تھا، وہ کہتا ہے کہ

زمانے بھر کے غموں کو ہے عشرت آزار
کہ اک جام ہی سب کا جواب ہے ساقی
کمال اک عشرت نیاگی سرور مستی کی
عشرت دونوں تو غم سے خراب ہے ساقی

بڑی امی کچھلے پاؤں میں سر رکھ کھڑی تھا سے اندر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

"اوں۔ تو لمبی گوٹیاں کھا جا۔ ہو گا۔ ہو گا۔ وہ تو صفدر کی نہیں ہے۔ ابھی پھل کھڑی ہے"۔

وہ چونک گئی۔ بڑی امی کی نظر سب سے پہلے اس کے رکھنے ہی پر پڑی تھی۔ اس نے بھی پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ ہوئے اور اندر گھر میں اندھیرا سا ہو گیا۔ پھر بھیجے جانے کے ساتھ وہ بھی اپنے پاؤں

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

ابی اماں کو لے کر گئی تھیں۔

وہ بے خبر سو رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔ عجیب سا احساس تھا اس کے دل میں۔ کوئی محبت یا کوئی سوہ ہے۔ یہ محسوس کرنے کی اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔

اداس کی کالی رات میں آنسوؤں کی پھواروں میں بھیگتے اسے خیال تک نہ آیا تھا کہ چار سو کس قدر اندھیرا ہے۔ خوف سے کچھ سوجھائی نہ دیتی تھی کہ اپنے ماحول پر غور کرتی۔ ستاروں کی روشنی اس کے دل کو اجالی تھی بس۔

مگر اب صورتحال خاصی مختلف تھی۔ انتظار میں بیٹھا نہ آیا تھا۔ تجسس گراں تھی۔

"نہیں نہیں۔ میں ہوں باری"۔

اس کے کانوں میں باری کی آواز گونجی آنکھیں مستقل اندھیرے کو ٹٹولنے لگیں۔

"یہ۔ تم کیا میری ہو گئے پھر سے؟" وہ بڑبڑائی۔

"آپ ان کو اتنا کمزور نہ سمجھیں۔ بابا صاحب جس وقت جہاز سے اتر رہے تھے۔ میں نے آپ کو کھڑکی میں کھڑا دیکھ لیا تھا۔ قدرتی امر ہے آپ کو دیکھ کر بھاگتے پاؤں تو پھر پیچھے چلا آیا۔ یہ بے قراری کیوں؟ آپ بھی اس طرح کیوں نہیں سوچ جاتیں جیسے اس گھر کے سارے مکین سو رہے ہیں؟"

"سارے کہاں سو رہے ہیں۔ عزیمہ تو جاگ رہے ہیں"۔ وہ طنز کر بولی۔

"آپ کو ملا کر اکہتر بن گئے ہیں"۔

"تم آدمی ہو یا جن رات کو بھی آرام نہیں کرتے؟" وہ زچ ہو کر بولی۔

"پری زاد کہہ لیں آپ سے بھی لیکن ہو جائیگی"۔

"وہ اپنا لاگ ہوا کرو جو تمہارے منصب کے لحاظ سے سوٹ کریں"۔ وہ آگ بگولہ ہو گئی۔

"آہستہ روی بی بی۔ آہستہ۔ میں تو آپ کی مدد کو حاضر ہوا ہوں"۔

"کیسی مدد۔ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ جاؤ تم یہاں سے۔" وہ کمال سے گویا ہوئی۔

"لیکن دیکھے بغیر تو آپ کو نیند نہیں آئیگی۔ آپ فکر نہ کریں جیسے ہی سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے جائینگے۔ میں لالٹین گل کر دیکھ کر آپ کو لے جاؤں گا۔ مگر گھر کے سارے مکین جیسے کو جانتے ہیں جانتے ہیں"۔

"آپ کلثوم کے کمرے سے لے جاؤں گا۔ اس کا تو جاگ گئے تو آپ اور بیٹے کو نہیں راحت کو خدا حافظ کہتا ہے"۔

"کلثوم جاگ رہی ہے؟" وہ اداس ہو گئی۔

"بابا صاحب کے ذاتی خدمت گار ان کا وقت بھی نہیں سوتے جب تک بابا صاحب سو نہ جائیں"۔

"جیسے؟" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

جگنو کا بلب گویا سا ہو گیا۔ پھر وہ تلخی سے گویا ہوا۔

"جی۔ بچے ہیں"۔

"بچے نہیں۔ بچے تو جیسے ہی کہہ رہی تھی"۔ کہتے کہتے جانے کیوں اس کا گلا رندھ گیا۔

"باری۔ کلثوم کہاں ہے؟ بابا صاحب سے کہو مجھے ان سے ملنا ہے"۔

"اگر ہی نہ کریں۔ یہ بہتر ہے آپ کے لئے"۔

"؟ ہے۔ آپ بیٹے کے کمرے میں ہم سو جائیں"۔

وہ بے کی طرف دو قدم بڑھی۔ باری اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

اسے پیچھے پیچھے آتے پا کر وہ حیران ہوئی۔ کیا باری کی طرف سے کوئی خطرہ ہو سکتا ہے؟ کیا محسوس کرتی ہے؟"۔

اس نے گردن موڑ کر گہری نیند سوئی ہوئی راحت کو دیکھا۔

"کیا یہ لوگ ہمیں اس طرح کی قید میں رکھیں گے۔ ہم کب تک یہاں رہیں گے۔ یہ سوال میرے ذہن میں کیوں نہیں سوال جاگتے ہیں۔ ان سب کی طرح کیوں نہیں ہوں میں۔ مجھے کیا محسوس ہے؟ میں بے عمل اور بے حس ہو گئی ہوں"۔

وہ انگلیاں پانی کی لہروں کے جال میں الجھی ہوئی تھی۔

"کچھ آیا۔ سوچا باری۔ یہ لوگ بھی کتنی عجیب چیز ہیں۔ کتنے عجیب بے حس ہیں۔ کسی بات پر چونکتے ہی نہیں۔ کسی بات کا اثر ہی نہیں لیتے"۔

"اور بابا صاحب کہتے ہیں میں بے وقوف ہوں۔ بتائیں کیا محسوس ہے کسی کو کہتے ہیں"۔

"لگتا ہے۔ باری واقعی بھول گیا؟"

وہ دوبارہ کمرے سے باہر آئی۔ چین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"اس گھر میں کیا چھپایا جاتا ہے۔ میں جاننا چاہتی ہوں"۔ وہ جیسے خود سے الجھی۔

"روشنی!" اسے محسوس ہوا جیسے کسی نے پکارا ہو۔ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ داہنی جانب باری موجود تھا۔

"آ جائیں۔ آرام سے بالکل"۔ وہ مسکرا دیا۔

"اب کیا پاؤں سر پہ رکھوں؟" تلخی آواز تھی۔

وہ جھجکی۔ طویل انتظار نے جان جلا کر رکھ دی تھی۔

باری آگے آگے چلنے لگا اور وہ اس کے پیچھے۔

طویل راہداری سے گزر کر جہاں سے بائیں طرف بابا صاحب کا کمرہ تھا۔ ان کے کمرے کے کھلے دروازے سے گزر کر بائیں۔

"آ جاؤ صاحب جی۔ وہ رہا کھلا ہے"۔

www.Paksociety.com

کھوکھر کی بیٹے سے ہوئی تھی۔ ہادی نے اسے بتایا تھا۔ اس کی بیٹی کی شادی ہوئی تھی۔ ہادی نے کھوکھر کو اپنے پیچھے آنے کا کہا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ ان کی طرف آیا تھا۔ ہادی نے اس کا تو نہیں لیکن کھوکھر کے ساتھ ہاتھ ملایا تھا۔

جمعدار سے بچ کر نکلنے کی کوشش میں ہادی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے باپ سے ہادی کا تعارف کھوکھر نے کروایا تھا۔ پولیس والے کو اپنے سامنے گھڑے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

"سلام بابا جی۔"

"چلو بھئی اسلام۔ جلدی جلدی ہادی۔" اس نے جلدی سے کہا۔ جیپ اور پولیس والے سامنے سے ہٹ گئے۔ وہ گھر سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔ کھوکھر کے کہنے پر وہ ہادی کے پیچھے پیدل چلنے لگے۔

روشنی کا دائرہ اچھل کر حویلی میں آ گیا۔ اس نے بے اختیار ہادی کا بازو زور سے تھام لیا۔ اسے یاد تھا وقت سے بھوکی شروع کروایا تھا۔ روشنی پر لرزہ طاری ہو گیا۔

"ہادی!" وہ گھگھیائی۔

ہادی نے اسے بازو کے گھیرے میں تھام لیا۔

"گھبرائیں نہیں۔ کچھ نہیں ہے۔" وہ اسے تسلی دینے لگا۔

"مجھے کتوں کے بھونکنے سے بہت وحشت ہوتی ہے۔ لگتا ہے جیسے پولیس فوج کو اب گئے کر رہے ہیں۔"

"صدمہ ہو گیا۔ آپ تو واقعی کانپ رہی ہیں۔" وہ اس کی بغیر ہادی طور پر اسے خود سے قریب کر گیا۔ ایسا بھی روشنی کو بھی کسی لمحے محسوس نہیں ہوا تھا۔ حویلی سے باہر آتے ہی روشنی اپنے حواسوں میں آ گئی اور جیسے تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی۔

"یہ کیا وقت تھی بھلا؟" اور اس میں غضب بھی تھی اور جلال بھی۔

"یہ صرف ہادی کی وقت تھی۔ اتنی کالی رات میں اکیلی گھر والی سے۔" وہ بے تاثر سا چہرہ بنائے خاصا سنجیدہ بھی۔

"عجیب کباب ہے۔ لوگوں کو بھی نہیں پہچانتا۔" اس کے بگڑے موڈ میں ذرا سا توقف سے ٹک چھا گئی۔

"اس کا مالک کھوکھر ہے۔" اس نے بتایا تھا۔

"کھوکھر کو بھلا کیا پالی لے گئے پالے کی۔ ہے لڑکے اس میں یہاں۔" اس نے توقف سے ٹک چھا گئی۔

ہادی خاموش ہو گیا تھا۔ وہ اسے لے کر حویلی کے پچھلے حصے میں لے کر داخل ہو گیا۔

یہ حصہ خاصا اس اور حصے کے مکین کسی کی زیر حکمی میں بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ وہ حال یہ حصہ آباد تھا۔ اس کی آبادی سے مکین کا اندازہ لگانے میں دقت ہوئی تھی اور روشنی اس بات کو لے کر ہادی سے الجھ رہی تھی۔ مگر کے اثرات آس پاس بہت پھیلے تھے مگر پچھلے حصے کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے اس طرح کترا رہے تھے جیسے

ہونے کا احساس۔ کیا پولیس کی طرف سے کی جانے والی کارروائی کا؟

"آپ نے۔" وہ ایک دم سے اس کے سامنے آ گیا۔ "آپ نے کیا سوچا تھا؟"

"کیا؟" وہ الجھی۔

"یہی کہ میں آپ کو اکیلا چھوڑ دوں گا؟" وہ بھڑکا۔

"نہیں۔ وہ میں اس لئے۔ بلکہ میں تو خود ہی آپ کو کہنے والی تھی۔" وہ گھبرا گئی۔

"پولیس اس لئے آئی تھی کہ آپ کو ڈھونڈ رہی ہیں۔" وہ بولا۔

"کیا؟" وہ اچھلی۔

"جی۔ آپ کی فیملی نے آپ کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروائی ہے۔ آپ کے شوہر نے۔" ہادی کا موڈ بگڑا۔

"میرے شوہر بھی یہاں آ گئے ہیں؟" وہ گھبرا گئی۔

"یہ تو پتا نہیں آپ کا کام ہے۔" وہ بھڑکا۔

"ہمارے گھر تک تو نہیں آئے نا؟" وہ گھبرائی۔

"اتنی وقت آ گیا ہے۔ ایک بات کی بات ہے۔ پتا نہیں۔ دیکھیے وہ کہاں آ پہنچے ہیں۔ کیا تصور کرتا ہے؟" وہ بیزار ہو کر بولا۔

"پتا نہیں۔ مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"ہاں ہاں۔ مجھے پتا ہے۔ گاڑی سے اتر کر بھاگ گئی تھیں آپ۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"دیکھیے۔ اگر ہمارا ارادہ نہیں بگڑا تو میں رات تک واپس آ جاؤں گی۔ پہلے سے تو نہیں دے رہی ہوں۔" اس سے پہلے وہ کچھ بولتا وہ بولی تھی۔ "اور اگر ہمارا ارادہ بگڑ گیا تو پھر واپس نہیں جانا ہے گا۔ وہ جن کو ڈھونڈ رہے ہیں کہ یہاں کی تو تم ہو گی۔"

"ہائے اللہ۔ اتنی دیر تک نہیں رہنا ہے۔" وہ بولا۔

"جتنی دیر کی تو نہیں تمہاری وجہ سے پہلے ہی ہے۔ تمہاری تھی چار بجے والیاں تم نے پہلے استقبال کا موجود تھیں۔" غیب الحمد نے تبصرہ کیا۔

"اچھا جب میں جاؤں گی تو کیا وہ سب غائب ہو جائیں گے؟"

"یہ تم اچھا خاصا قابل قبول حلیہ بنا کر کس طرح رہی ہو؟ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے کہ ہی ہو۔ جیسے پھر بھی ہو۔"

"اوہ۔ اچھا۔ آپ بھی چلیں نا۔"

"اللہ کی پناہ۔ مجھے یاد آیا اس حلیہ میں تو آپ کو دیکھ کر بھی ہو گئی تھیں۔ وہ تو بھی ہو گئی تھیں۔"

تو" اس نے ہاں سے کہا تھا کہ کھانے کے دوران کے سامنے پیا تھا۔

"اچھا یہ مت کریں۔ مجھے خلی ہونے لگتی ہے"۔ اس نے حیدر کی طرف پھیر لیا۔

"تم بھی پیتے ہو۔ کوئی حرج نہیں۔ ابھی تو ہو۔ اس دن تم تمہاری دادی میں"۔ حیدر احمد نے نعمان احمد کو جو اس کے کھلے فرمانبردار جملے سے مخاطب کیا۔

"سوائیں ان پاپا۔ پھر کبھی"۔ اس نے شاید انداز میں دادی کو جواب دیا۔

"ممکن ہے نہیں اور شاید ہی آج کل یہاں آ سکوں"۔

"پھر تو آپ مجھے آج ہی دعا کر دیں۔ دونوں کے بچے جب اکٹھے ہوں گے تو۔ اللہ بھری ہوتی ہے۔ لگتا ہے یہ گھر اس انہیں خیر خیر نہیں۔ جنگل میں رہتے ہیں"۔

"بری بات بیٹا۔ وہ بچے ہیں۔ اس بچے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں"۔

مائیں منہ کر بیٹھ گئی۔

نعمان کمرے سے باہر چلا گیا۔

"مائی۔ بیٹا ادھر آؤ میرے قریب"۔ حیدر احمد نے اسے محبت سے اپنے پاس بلایا۔

ہی ادا سے جھجکتی سے اٹھ کر ان کے قریب چل آئی۔

"دیکھو بیٹا! تمہاری بھابی زین کا سسرال دو حصوں میں بٹا ہوا ہے"۔

"دو حصوں میں" مائیں نے حیرت سے حیدر احمد کے سفید ریش سے آراستہ چہرے کی سمت دیکھا۔

"ہاں۔ تمہاری بھابی کے دادا سر بہادر علی خان کو انگریز سرکار نے جنگ عظیم اول میں شاندار کارکردگی پیش کرنے پر جاگیریں عطا کی تھیں۔ ابھی وہ جنگ میں ہی تھے کہ انگریز سرکار نے بہادر علی خان اور ان کے بیٹے، بھائی کے نام جاگیر عطا کرنے کا اعلان کیا تھا۔ وہ انگریز کی خوشی کی انتہا تھی۔

ایک چھوٹی سی جاگیر تمہاری بھابی کے سسر دلاور علی خان حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کا نام ہے پاکستی ہے۔ دوسری ان کے دو چچاؤں کے پاس ہے۔ جو پاکستی سے ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اسے یہ لوگ سرائے کہتے ہیں۔ وہ بھی چھوٹے چھوٹے دو تین دیہاتوں پر مشتمل ہے۔

مگر بہادر علی کی وفات کے بعد پاکستی والے کیا حیثیت رکھتے ہیں؟"

"اماں ان سے رشتہ برقرار ہے نا۔ زین کے دو بچے وہاں موجود ہیں۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا" دوسرا اس سے بڑا ہے نا"۔

"تم پھر؟" وہ بولی۔

"تو کیا ہوا کہ تم ان کی خالہ ہو حقیقی خالہ"۔

"آپ بھی تو ہیں۔ آپ کیوں نہیں جاتے؟"

"میں بھی جاؤں گا"۔

"پہلے آپ کبھی وہاں گئے ہیں؟" مائیں کے ذہن میں ایک سوال چبھا۔

"ہاں۔ ایک بار۔ اس وقت میرے بھائی کی شادی ہوئی تھی۔ ہم سب گئے تھے۔ ہمارا ایک ہفتہ وہاں رہے۔ ہم نے بھی کچھ دن وہاں گزارے تھے۔ اس وقت تمہاری بھابی کی عمر سات سال تھی"۔

"پھر کیا۔ وہ دن بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ اس مضافات کے ساتھ کہ ہمارے سے بھاگتی۔

وہ وہاں کے اقبال کی طرح لگی گئی۔ اس مضافات کے ساتھ کہ ہمارے سے بھاگتی۔

مجھے ہی سمجھ میں نہ آ سکا۔ کیا بیماری تھی۔ سات سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی تھی۔ لیاقت، اشرف، خان اور صحت تھی۔ بڑے نے حسن بہت دیا تھا۔ اپنی کمی کی کمی تھی۔ ہم دلاور علی خان کی اپیل پر بلا کر ابا قدیم کی کمزوری میں اس کی شادی کے لئے ہی لیتے تھے۔ مگر بھی ان کے سامنے کچھ بولتی رہی گی۔ تمہاری اس بھی رشتے بہت خوش نہیں ہوئی کرتی تھیں اس کی تو شکل ہمارے بچوں جیسی ہے۔ اس لئے بڑے نے سب کیا ہے اس کی شادی اسی کی جگہ پر مناسب ہے۔

دولت اللہ اور سوچ خدا ہم نے ایسے ہی خواب دیکھے تھے اپنی بیٹی کے لیے"۔

"ان لوگوں نے فی الفور شادی مانگی۔ وہ بہت کمزور سے وارث ہوئی اور ہم نے شادی کر دی"۔

"وہ خوش نہیں؟" مائیں نے رکھے اندازے سوال کیا۔

"تمہاری ماں کے بقول بہت خوش۔ وہ تو ہمیں کہہ رہی تھی اسے وہ جو کی طرح ہاں بھیجنے کی۔ کون ہی ہمیں بھیجتی ہے"۔

"اور ان کے دادا کیسے تھے؟"

"اللہ اسے سلامت رکھے۔ سوجود ہے۔ تم خود دیکھ لینا"۔

"اچھا۔ وہ دور پاکستی رہتی تھیں یا سرائے"

"یاد کرو وہ دور پاکستی گئی تھی۔ بعد میں جو اس کے خدا آئے تھے۔ ان پاکستی سرائے کا فاصلہ بہت تھا۔ کس سے کیا ملاقی پڑتا ہے وہ ان جاگیروں کا ہی کی ہیں"۔

"جی"

"تم کیا سوچ رہے ہیں؟" حیدر احمد نے مائیں کے چہرے کے تاثرات سے بھانپ لیا۔

"کیا وہ کبھی یہ گھر نہیں آتیں؟"

"نہیں۔ کبھی کبھی کرتی تھی کہ وہ ان کے یاد کو جاگیر کے کھیڑوں سے فرصت کہاں ملتی۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ ہم نے بھی کبھی نہیں دیا۔ بھی وہ اپنے گھر خوش تھی۔ ہمیں اور کیا چاہیے تھا؟"

"کیوں؟"

"جی۔ مگر ذہنی دولت اضطراب کے ہوتے ہوئے ہی کیا۔ اس کے بھر گئی ان کیلئے کوئی سکتہ رقعہ ہے۔ ہم نے بھی ہمیں کہا اپنی رسموں کو بھر گئی آ گئی"۔

"سوچنے کی حد تک تو یہ بہت آسان ہے"۔ طیب احمد نے۔

"آپ ان کے انتقال پر آئے تو کیا وہ تنہا تھی؟ کسی کزن یا سہیلی کے ہاں گئی ہوئی تھی؟"

"مجھے افسوس ہے۔ ہوا یہ کہ جب میں واپس آیا تو وہ اور علی خان خود ہی ہمارے پاس آ گئے۔ تعزیت کیلئے"۔

"وہ خود کیوں آئے گئے۔ جاگیر کا وارث نہیں تھا؟" وہ الجھ کر گویا ہوئی۔

"اتفاق سے وہ شہر آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنے کاموں کے سلسلے میں شہر آتے ہی رہتے تھے۔ یہ کوئی اتنی بات نہیں تھی"۔

"ہمیں خبر ہوتی تو آ جاتے۔ ویسے آپ کو جانا تو چاہیے تھا ناں؟"

"ہماری سات پشتوں میں کوئی وکیل نہیں گزرا۔ پھر یہ بتاؤ تم میں کہاں سے آ گئی؟"

وہ مسکرا کر بھی اور دیکھنے لگے۔

"دیکھیے جی! میں تو اس جاگیردارانہ نظام کے ہی سخت خلاف ہوں۔ یہاں انسانیت نہیں ملتی۔ آپ نے سب سے بڑی اور پہلی غلطی یہ کی کہ بنی جاگیر ادھر سے بیاہی۔ دوسری یہ کہ پلٹ کر خبر نہیں لی۔ تیسری یہ کہ بنی کو ماموں کیلئے ان پڑھ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ چوتھی یہ کہ ان کی خاتون کی قبر پر جائے نہیں گئے۔

"آپ ہم سب سے اتنا پیار کرتے ہیں تو کیا بھی سے آپ کو محبت نہیں تھی؟"

وہ قدرے غصے سے گویا ہوئی۔

"وہ لوگ اور طرح کے جاگیردار ہیں۔ وہ نہیں جو تم فلموں' کہانیوں میں دیکھتی یا پڑھتی ہو۔ میری ان جیسے بڑی میں سرے لیدر کی قائل ہم ہوا ہے۔ اس میں ناز کے سارے غلط موجود ہیں۔ پڑھا لو۔ وہ تو ان میں اس طرح مدغم ہو گئی تھی کہ بنی کا حصہ ان گئی تھی۔ بنی کا پھپھا نہ کر رکھا ہوا تھا۔ دلاور علی خان اور ان کی اہلیہ نے۔ ایک مرتبہ جب ہم وطن آئے تو وہ ہمارے ہاں ہی رہتی ان دنوں کیلئے آئی۔ بنی کو زچہ گھنٹوں میں پریشان ہو گئی۔ خود خاتون گھر کے اپنی ذاتی ملازمہ کو بلوایا۔ حالانکہ جواد کی آیا ساتھ تھی جو اس کے بھی سارے کام کرتی تھی۔ اس کے بال بہت حسین تھے۔ بہت لانبے۔ جنہیں اس کی ملازمہ دھوتی تھی اور جلی سنوارتی تھی۔ اس قدر وہ بنی کی مزاج ہو گئی تھی کہ اسے معمولی سی زحمت دینے کے خیال سے گھبرا جاتی تھی۔ لاہور جانے سے پہلے اس نے سامان سمیٹ لیا تھا کہ بنی کو پہلی فلائٹ کی صبح سے پہلے نہیں آتی۔ اس کا بس چلتا تو وہ بنی کو ساتھ ہی لے جاتی۔ سمجھ رہے ہیں اب تمہاری سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہم اسے بلانے پر اصرار کیوں کر رہے تھے"۔

طیب احمد پائپ میں تمباکو بھرنے لگے۔

"بنی کو کہاں کے انتقال کی خبر بہت جلدی میں آئی تھی۔ اس لئے دلاور علی خان صاحب سے ملاقات پر دیا سستی جانے کا خیال موقوف کر دیا۔ پھر وہاں تمہاری امی ہسپتال میں داخل تھیں۔ یہ بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو شادی اور ولادت کے موقعے پر بھی محبت نہیں ہوتی؟"

"بہرحال۔ آپ ان کی شادی اور بچے سے ہونے کے موقعے پر تو ضرور جانا چاہیے تھا۔ ناں؟"

"ہمارے ہاں تو ایسے موقعوں پر بلایا جاتا ہے۔ ہم تو کبھی نہیں گئے۔ ہاں البتہ میں جا کر وہاں تعارف اس طرح کراؤں گی"۔

"مجھے بتائیں۔ میں ضرور کیجئے گا۔ میں آپ کی ہونے والی بہو ہوں۔ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ میں آپ کی بیٹی

"اچھا بیٹی اب تم تیاری کرو۔ میں ذرا اسٹی طرح کی باتوں سے تمہارے بھتیجے کو بہلاتی ہوں۔"

"آپ کیوں نہیں چل رہے ہیں؟"

"میں بھی دو چار دن میں آجاؤں گا۔ پھر تمہیں ساتھ لے کر ہی واپس ہوں گا۔ ابھی ذرا یہاں کام ہے۔"

"بہت اچھا۔ میں تھوڑی دیر سو جاؤں پھر پیکنگ کروں گی۔ ٹھیک ہے امی جان؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔ اس پارسل کو ریسٹ واچ تو تمہاری امی کے کمرے میں رکھ آتا ہوں۔ باقی کام تم کل شام تک پہلے نمٹا لینا۔ پھر اطمینان سے تمہارے پاس تو اب شاپنگ کا کام تمام کا۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ لیجئے۔"

وہ آنکھ کی تیاری کے خیال سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت صبری اذان میں مصروف تھیں اور اس کے کان سجدے میں پڑے تھے۔

وہ بے دھڑک کمرے میں داخل ہوئی تھی

پیچھے ہاتھ کر کے اس نے دروازہ آہستگی سے بند کر دیا تھا اور وہیں کھڑی ہو کر کمرے میں نظر دوڑانے لگی۔

سامنے سے فرنیچر سے آراستہ کمرا کسی طور بھی لڑکیوں کا کمرا نہیں لگ رہا تھا۔

اس قسم کی سجاوٹ تو ابا حضور سے تو نہیں ہے مگر بڑی امی۔ وہ تو جانتی ہیں کہ نظری بھائی کس قدر حساس ہیں۔

سامنے سنہری ساڑھی سوٹ میں ملبوس گھونگھٹ نکالے دلہن بنی عائشہ روکے منتظر تھی۔ وہ آگے بڑھی اور جھکنے سے کترا کر؟ کہ دلہن سوٹ خراب کرنے کی پریشان کرنے پر سکون ہو جائے۔ اس نے قدرے جھک کر گھونگھٹ الٹ دیا۔

گویا بجلی کا شاٹ لگا تھا۔ وہ حسن کو لے حیران دیکھتی رہ گئی تھی۔

اس قدر ۔۔۔ ہوشربا حسن آج سے پہلے اس حویلی میں نہیں تھا۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ۔ ہلکا پھلکا میک اپ اور سرخ پھول ۔۔۔ سے سجا سنورا وہ اول از ذری تھی۔

وہ ہم تو دیکھتی رہ گئی تھی۔

حسن دیکھنے والے کے لیئے بجائے خود ایک الوہی قوت ہے۔ ایک آسمانی ساتھ ہے جو دیکھنے والے کو فیضیاب ہونے والے کو یا سے بے ساختہ کر دینے والی عطا ہے۔

اس نے خیرہ چشم آنکھوں کی پلکوں کو جھپکنا نہ گرتیں۔

"آپ!" اس نے کسی خواب سے جاگ کر اسے مخاطب کیا۔

بلکہ وہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ میرے سامنے ہے۔ بدقت تمام لب وا ہوئے۔

بلا بھاگ سا سنسناتا خیال مارنے لگا۔

وہ بھی نے ادب کو سجدہ کرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا

"آپ ہماری بڑی آفت کی حالت میں آئے ہیں آپ کے دیدار کے طفیل نے اس قدر حواس باختہ کر دیا تھا کہ بالکل کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ بہر حال"

اس نے سر کے کچھ اپنی طرف سے ہلکا سا جھکا لیا۔ اس کا انداز ہم ایک لمحے میں ہی اس کا گرویدہ کر گیا تھا۔

"آپ کوئی بات نہیں کریں گی؟ ہمارا کیا ہے تو ساری زندگی آپ کے ہی دیدار کریں گے۔ یہ کہہ کر نظری بھائی کی کی کی کی کی ۔۔۔ دے پر ٹک گئی۔ خفت کا ہلکا سا سایہ وہ جیسے یک دم جاگی میں آگئی۔

"اف کون آیا؟ نظری بھائی تو دستک دے کر آتے ہیں۔ یہ تو دیوار سے"

وہ کانپتے قدموں سے دروازے کی سمت آئی تھی۔ دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔

اس نے گھبرا کر خوف کی تکوار پر پاؤں رکھ کر دروازہ کھولا۔

"اوہ" ۔۔۔ دیر سے رکی سانس واپس آئی تو خوشی ہوئی۔

"تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ میں سمجھی ۔۔۔ خوف سے ۔۔۔ پانی کے بھنور کی طرح ۔۔۔ ہو گیا تھا۔

"خیر تفصیل بعد میں" ۔۔۔ وہ مجھ میں ۔۔۔ سے ۔۔۔ ہوئے ۔۔۔ صاحب حسن کے پاس آتے ہیں۔

"میں!" ۔۔۔ وہ ہر بات دوہرائی تھی دروازہ بند کیئے بغیر ہی واپس پلٹ گئی تھی۔

ایک منٹ میں ہی ساری بات اسے سمجھا دی اور ہاتھ بڑھا کر اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ گھوم کر دروازے سے اندر آگئی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ برہمی سے کہہ ہی تھی۔ کہ کسی بھی طرح اس کا ہاتھ چھڑا لے۔

"یہ جو آپ دیوار پر تلواریں لگا رہی ہیں اس میں کوئی تک نہیں آپ دیوار کے مقابلے میں دو تلواریں پوری طاقت سے ضرور پھینکیں گی آپ ضرور غور فرمائیں۔ پس ذرا اپنے یہ تلوار ہاتھ میں لے لیں۔ پھر ہم آگے ۔۔۔ سارے کھلونے گولی لگے ہیں۔ ۔۔۔ تک ۔۔۔ سر"

وہ بھی چکرا کر بولا تھا

"ٹھیک ابھی آپ نے گھوم گھوم کر کہتے ہوئے ابھی سنا ہے"

لڑکی اپنے ہاتھ کو سہلا رہی تھی۔

www.Paksociety.com

"پاگل ہی سمجھ لو آج کی اور سے کہنے کی کیا تک تھی۔ اتنا وہم ہے"۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھر گیا۔

"آئی ایم سوری، رئیلی ایم سوری۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ اس عمارت میں چاروں طرف کمزوریاں ہیں۔ آپ کو تو شاید یہاں کے نقائص دیکھ عمارت مل جائے مگر آپ کو میرے پاؤں میں پڑی زنجیروں کی آواز نہیں آتی؟"

اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"صدیوں پہلے ان زنجیروں کو بنانے والے لوہار کا ہاتھ اس نے رخسار تک آجانے والا اکلوتا آنسو پلکوں سے صاف کیا۔

"اوہ آپ تو رو پڑیں"۔ وہ اس بوکھلا اٹھا اس بزم میں ہنگامہ ہوا۔

دوڑتا آتے پیچھے کھڑے کھڑے کو اندر آتی داخل ہوتے وہ ابھی تک بستر پر بیٹھا تھا۔

انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ڈیوٹی پر تو نہیں ہوں"۔ "بابا جی کھڑے کھڑے کو لاجب تھا"۔

"نہیں سر کار"۔

"تب، آپ یہیں ٹھہریں"۔ وہ شی نے جھجکتی سے چاروں طرف دیکھا۔

"وہ جو آپ بہت ارجنٹ کہہ رہی تھیں ناں تو میں اسے استعمال پر لا چکا ہوں"۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔!" وہ ہلکا سا ہنسے اس کے کوارٹر سے باہر آ گئی۔

"بابا جی! تم کھڑکی کو احتیاط سے گرا دینا ضرور، مگر ویسے بابا صاحب کو ویسے ہی لگھے سے نکالیت رہتی ہے"۔ اس نے پلٹ کر بابا جی کو ہدایت کی۔

وہ خاموش رہا۔

"کواب کیوں نہیں اسے ہے؟" وہ جھلائی۔

"آپ نے حکم دیا میں نے سن لیا"۔

"رات بہت ہو گئی ہے ورنہ پوچھتی نہیں"۔

"ان ہی تو آپ لاکھ نہیں پوچھیں نہ کتاب پوچھ لیا ہے"۔ وہ مسکرایا۔

"مت ہے"۔

"تھینک یو۔۔۔ ایجنٹ شیر"۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"بابا!"

"جی اماں!"

"دیکھ شیر سے باپ کو ہوتا ہوا کیسے بہت ہاتھ سے اچھی طرح بھر لیا"۔

"کیا ہے اماں"۔

"کیا ہے۔۔۔ وہی گھر کو ہوا کرنے کو ہوا کرنے کو ہوا کرنے

www.Paksociety.com

"کیا ہے پاپا؟"

"ہم کیلئے ایک گلاس لسی لے آؤ۔"

"ابھی لائی۔"

اس نے پلٹ کر پکارا۔

"ماں! ابو کیلئے لسی لے آؤ۔"

پھر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی ماں نے اس کی بات سن لی تھی۔ وہ اس کی خاطر کیلئے لسی لے آئی۔ اس نے گلاس لے کر باپ کی طرف بڑھایا۔

"لیں ابو!"

باپ نے گلاس لے کر ایک طرف رکھ دیا۔

"ابھی نہیں۔ ابھی میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"ابو! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں ٹھیک ہوں۔ آج دھوپ بہت تیز تھی۔ شاید اس لئے۔"

"ابو! آپ کو کچھ ہوا تو نہیں؟"

"نہیں بیٹا! کچھ نہیں ہوا۔ بس ذرا سر چکرا گیا تھا۔"

"ابو! آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانا چاہئے۔"

"نہیں بیٹا! ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"ابو! آپ کو آرام کرنا چاہئے۔"

"ہاں بیٹا! آرام کروں گا۔"

"ابو! آپ کو کچھ چاہئے تو نہیں؟"

"نہیں بیٹا! کچھ نہیں چاہئے۔"

"ابو! میں جاؤں؟"

"ہاں بیٹا! جاؤ۔"

وہ اٹھ کر چلی

www.Paksociety.com

یا خدا ہر حبیب کے پچھلے دروازے کو کھولی کرانہوں نے سوت کمرے کو کر پلٹ کر دیکھا۔

"تو یہ سامان ہے یا بیت خانہ۔ اپنے کمرے میں کھلی ہر کوئی چیز انہوں نے دراز کر دیا ہے۔"

وہ ان کے ارد گرد بیٹھی کر سامنی درست کرنے لگی۔

انہوں نے دیپ کا بھاری دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیت پر بیٹھ کر ان کا چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔ بائیں طرف دیکھنے کی وجہ سے اور دروازہ کھلنے کے باعث روشنی کا رخ بھی بدل گیا تھا۔ اب دائیں طرف کی دیوار پر لگی تصویر صاف دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے بھی اسی تصویر کو دیکھا۔ ان کی نظریں بھی اسی تصویر پر جم گئیں۔ مدتوں کے بعد اپنی تصویر پر توجہ کی نگاہ ڈالی۔ ایک ہی تصویر میں کئی تصویریں سمٹ آئی تھیں۔ ہر تصویر سے ایک ہی چہرہ جھانک رہا تھا۔ ہر چہرے پر ایک ہی تاثر تھا۔ ہر تصویر میں کچھ نہ کچھ کھویا ہوا تھا۔ ہر تصویر میں کچھ نہ کچھ پایا تھا۔ ہر تصویر میں کچھ نہ کچھ ایسا تھا جو کسی اور تصویر میں نہیں تھا۔ ہر تصویر میں کچھ نہ کچھ ایسا تھا جو کسی اور تصویر میں نہیں تھا۔

پھولدار سے اونچا قد، قامت، جاگیرداروں کی طرح بانکی مونچھیں۔ تکبر و غرور کا مرکز طرز کی نہیں تھیں۔ آنکھوں کی اداسی ہر تصویر میں کچھ نہ کچھ سنجیدگی بالوں کی تراش خراش اور ان کی سیاہی سفیدی ہر تصویر میں مختلف تھی۔ ایک تصویر میں خوبصورت بالی جس میں گہری بالی پن کے گھنے بال ہر تصویر میں بکھرے ہوئے تھے۔ ایک تصویر میں سفید سیاہ آدھے آدھے بال کی طرح دمک رہے تھے۔

"کچھ پہچانتی ہے۔" انہوں نے غور سے دیکھا۔

"اگر یہ دائیں ہاتھ کی طرف اور ملنے والے دائیں بھائی ہوتے تو بڑی شان سے خاندان کی تعریف کرتے۔ ہر تصویر میں موجود چہرے کو غور سے دیکھا۔"

انہوں نے شانے اچکائے۔

"کیا سمجھ نہیں سکے نہیں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"آپ خاندانی بہت جلدی ہیں۔" بالآخر وہ بولی۔

وہ گاؤں کے نظام سے بڑی اچھی طرح واقف تھی۔ کوئی جواب نہ دیا۔ وہ قریب ہی کرسی پر بیٹھ گئی۔

چند لمحوں کے بعد دیپ ایک شاندار کھانا دسترخوان پر لگوانے لگی۔

"آپ سے آنکھیں بہت اہم نوع کی ہیں۔ محبت لمبے راستے طے ہو جاتی ہیں۔" ان کی بھاری بھاری آواز نے جھنجھنا دیا۔ وہ جھکی تھی نرمی تسلی سے کہہ رہی تھی۔

"آپ کیسے ہیں۔ میرا مطلب ہے بچے کیسے آئے؟" اس نے قدرے احتیاط سے گفتگو شروع کی۔

یاور علی خان نے قدرے گہرائی سے کرسی کی طرف دیکھا۔

ہلکی سی بزرگانہ انداز میں اس نے بچوں کی بات ادا فرمائی تھی۔

"شاید انہیں پتا نہیں ہوگا۔ میں زمینوں سے واپس آیا تو پتا چلا۔" آپ تشریف لا رہی ہیں۔ مجھے اس لئے لاری آیا کہ میرے علاوہ شاید کوئی دوسرا آپ کو آسانی سے نہ پہچان پائے۔"

"وہ سمجھ گئے ہوں گے۔" بھولی تھی۔ "اب وہ اس کے انسان ہوں گے۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ آپ سے ملنے کے بعد ہی میں ان سے ملوں گا۔"

"ہاں یاد آیا۔" وہ مسکرائی۔

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں آپ سے ملنے آئی ہوں۔"

"میں نے آپ کو بتایا تھا۔ میں نے آپ کی آنکھوں میں پڑھ لیا تھا۔"

خاموش کر دی تھی۔

"جی؟"

"جی بابا صاحب!"

"وہ ملازم سے دوا لا کر مہمان کیلئے صاف ہو گیا؟"

"جی بابا صاحب! ابھی کر آئی ہوں۔" اس نے مودبانہ کہا۔

"ہوں۔" انہوں نے گہری سوچ کے زیر اثر "ہوں" کہہ کر گردن اپنے حسب معمول کا اظہار کیا۔

"دیکھو! ان کا بچہ ابھی ابھی باہر سے بخار کرا کر آیا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے بھی ہو۔ اس لئے ان کے مہمان کے پاس زیادہ نہ جانا۔"

"جی بہتر۔"

"مہمان رہنے والے بڑی زبان کے مہمان کے پاس زیادہ نہ جانا۔"

"جی۔"

"خاص طور پر روشانے۔"

"جی۔"

"یہ مہمان کہاں سے آ رہی ہیں بابا صاحب؟" اس نے عام سے انداز میں سوال کیا۔

"کراچی سے۔ ماہین ہم ہے۔ روشانے کی سگی خالہ ہیں۔"

"اوہ! چچی کی سگی بہن۔"

"ہاں۔"

"مگر میں نے کبھی کوثر بہن۔" اس نے گویا کوئی لاینحل ترکیب ڈھونڈنا شروع کیا۔

"تمہاری بڑی امی اور بڑے بابا کو اطلاع ہے۔"

"انہوں نے سختی سے جواب دیا۔"

بابا صاحب نے جتنی اصیل اور عنایت باری کو دے رکھی تھی وہ گھر میں اور کسی کو حاصل نہیں تھی۔ بس بڑے گھر والوں کو بہت تجمل تھا۔ اسے ان کے معتمد خاص کی حیثیت حاصل تھی۔

"دیکھو! جیسے کل بابا صاحب کو کھانا گھر میں ہی کھانا ہوں۔ سیدھے میرے پاس لے کر چلے آنا۔ ماہی کو تاکید کر دینا۔ مہمان سے پہلے وہ کھانا نہ کھائے گی۔ نہ جانے وہ کس وقت آئیں۔ کھانا بابا جی پر بھاری ہو گا۔"

"کیوں۔"

"جی بابا"

"اور اسے کہنا کہ کھانے سے پہلے مہمان کیلئے دودھ لے جائے۔ دودھ ضروری ہے۔ ضروری نہیں تھی اتنی چائے

[illegible] سے کہہ کر [illegible]

"جیسے آپ کا حکم۔" اس نے بابا صاحب کو [illegible]

[illegible] ہو گئے ہو۔"

[illegible] کے [illegible] چلا گیا۔

"اور [illegible] کے [illegible] کے [illegible] کے

www.Paksociety.com

"یہ آپ کی کیا لگتی ہیں؟ بہن؟" "نہیں بیوی ہے۔" انھوں نے بے تکلفی سے کہا۔

"ہیں؟ آپ کی بیوی؟ آپ سے عمر میں بڑی ہیں؟" "ہاں بڑی ہیں۔ آپ کو اس میں کوئی اعتراض ہے؟" "نہیں مجھے آپا کی خالہ زاد سے بہت محبت ہے۔ اور پھر ان کا گھر اس کوٹھی سے قریب ہے اور اس کوٹھی کی مالکن بہت ظالم ہے۔ اس لیے ہم اکثر ان کے گھر جاتے ہیں۔ ایک دوست بن گئی ہے۔"

"مجھے بلایا کرو کبھی ایک تو تمہیں دے جھولے اور لالٹین۔" وہ ہنسا تو وہ خفا ہو کر بولی۔

"دیکھیے کیوں عمر بڑی ہے اپنی عمر بڑی ہو اس سے۔"

"ان کی عمر تو وصال دو آپ سے قریب پائے گی اور عمر بڑی ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔" "ہوتا کیوں نہیں ہوتا ہے۔ عمر بڑی ہونے سے عقل بھی آجاتی ہے۔ اس خوش فہمی میں اس کی ہم عمر لڑکیاں اور بھی تھیں۔ کوئی اس کا عہدہ پہنچا ہے؟" گلو آپا نے تو اپنی تحقیق شروع کر دی۔

"جو بات جاننا چاہیں وہ تو کوئی بات بتانے کی کوشش نہیں کرتا۔ تو گلو اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں۔ اس کا یہ حاصل وصول۔" وہ ایک دم چپ ہو گئی۔

"تم نے دیکھا ہے بادی کو بھابی نہیں کہتی۔" وہ ہنسی نے بچوں کی طرح اٹھلایا۔

"یہ تو ہے۔"

"میں نے تو بہتیرا کہا بھابی کہو مگر وہ کہتی ہیں وہ بھائیوں کے منہ لگتے ہیں۔"

"اچھا کل ذرا سے بھابی کہہ کر ہمارے سامنے بلانا۔ اگر کوئی بات نہیں۔ جھینپ گئے تو ہم ان سے اپنا حساب چکا لیں گے۔" "میں اسے بتا چکی ہوں کہ وہ بھابی کہنے کو تیار ہوں اگر آپ برا نہ مانیں۔ مگر بھائی نہیں کہوں گی۔ اب تو تمہاری بات رکھنے کو ہے۔" وہ ہنسنے لگی۔

اور گلو آپا تیز نظروں سے بھابی کہنے پر گھورنے لگے۔

"خیر وہ تو تمہارے ساتھ کی ایسے کا تعلق مذاق میں بھی جوڑا۔"

"چلیں اس سے شادی کروں؟ اس سے لاکھ درجے کنواری عمر ہاں!"

"ارے جھوٹ مذاق ہے۔" گلو آپا نے بیچ بچاؤ کرایا۔

"ارے نہیں یہ ہونگی وہ تیزی کرتی ہے۔" جھینپ کا فلسفہ اور کس نے بتایا تھا۔

"کوئی بات بھولی ہے۔" وہ صاحب بولے۔ "جھینپ نے اسے مرچ کھا رکھا ہے۔" "جھینپ کے انداز شدید ہو گئے۔

"جھوٹ جھوٹ اگر بھی کم ہے اور عقل بھی اور دل کی دوا کرو۔ ایسا ناراض کی بات ہے۔ یہ بے چاری اول تو کسی کو کچھ کہتی بھی نہیں ہے۔"

گلو آپا نے ماحول میں خوشگوار کرنے کی کوششوں کے لیے کچھ شرارتی بھی بھر گیا۔

"واللہ تو بہ اللہ کی شروع ہو گیا۔ کتنا اچھا پروگرام بنا ہے تم لوگ سے ہمیں ایسا ہوا ہے کہ بابا صاحب

نے سب کو کہا ہے کہ بچی ہوئی ہے اسے کوئی نہ چھیڑے۔ "ہاں ہاں ہم نے سنا ہے۔" "اور ہم نے تو یہ بھی سنا ہے کہ بابا صاحب نے کہا ہے کہ اس کی شادی ہو گی تو اس کے ساتھ ہی ہو گی۔"

"آپ کتنی بیویوں کو رکھتے ہیں؟" ... "اپنی بیوی کو کتنے دن میں ایک بار ... "

"ہنسی آگئی ... سب پوچھیں گے ... مگر اسے ہے ... وہ بھی نہیں ... کہ ... ہم کس کی طرف کریں گے ... کہ ... کا ہوگا ..."

"ہوا اچھی تو ہر شکل ہی ہے" ... نے ہوا کی بات کاٹ دی۔

"کیا لڑکوں میں سے بھی کوئی جائے گا؟" ... کی نظریں ... والی ... پر ٹھہریں۔ مگر بہر حال وہ ... رات ہی شامل تھی۔

"ان تجربے کاروں کو گھر کے اندر والی جگہ میں ... دینے کی اجازت نہیں ... گی۔ خاتون کی اجازت تو ... ہی ضرور ملے گی" ... ہوا نے اخوت ... انداز میں ... کی طرف دیکھا۔

"اماں تو بہت سیدھی ... ہیں شاید ... ہی ... بابا صاحب" ... نے ہوا کو ... ہوئے کہا۔

"مگر ... خواتین سے ڈرتی ہے ... ہیں بھیجیں گے ہی تو ... ہیں جائیں گے" ... ہوا نے تجویز کیا۔ ظاہر ہے ... ان کی حمایتی بن گئی۔

"مگر ... کسی مرد کے ... صاحب ... جائے کیسے دیں گے؟" ... بہت دیر سے خاموش بیٹھی تھی۔ اس نے سب سے زیادہ ... کرنے کی بات کی تھی۔

"شاید خواتین میں سے کسی کو بھیج دیں۔ کراچی میں وہ ... تو ویسے ہی موجود ہیں" ... نے ... کیا ... ہوسکتا ہے"۔

"شاید ہماری بھابی کو بھیج دیں" ... بھی اعتراض میں شریک ہوئی۔

"کبھی بھی نہیں ... بابا صاحب کا ان ... سوا کے بغیر ایک پل ... گزارا نہیں ... وہ بھی ... سے عرصے کے لئے" ... ہوا نے فوراً اختلاف کیا۔

"ہوسکتا ہے بھیج بھی دیں۔ بابا صاحب کی طرف سے اجازت ہو سکتی ہے" ... روشی نے ... کی طویل خاموشی کے بعد ... کہا۔

"کبھی بھی نہیں ... ہرگز نہیں ... ایسا ہو ہی نہیں سکتا" ... نے فوراً اختلاف کیا۔

"اگر ایسا ہو گیا؟" ... نے ... کی ... سے پوچھا۔

"تو میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی۔ آئی ہے یا اس گھر کا؟ ... ہے" ... ہوا نے ... کہا۔

ایک ... قہقہہ پڑا تھا جس میں روشی نے حصہ نہیں لیا تھا۔

"پھر چلے وہ کوئی بھی جائے۔ اصل بات ... ہے کہ ہمیں خوشی سے کیا جا رہا ہے" ... ہوا نے ... کہا۔

... نے صبح نظری بھابی کو دیکھا تھا جب ... بابا صاحب کے ... سے لگے تھے ... نے ... حاضر پایا تھا ... وہ ... کہا۔

... سے ... خوش نظر آ رہے تھے ... نے ... کے ... کی ... گواہی دی۔

... اس کا مطلب ہے ... ہوا کی ... نے کھل کر ... کا ارادہ ... کر لیا۔

"پھر کیوں نہیں ... تی ... ہوا کی بات ... میں ... نہ ... کا" ... روشی نے ... سے ... کیا۔

... نے ... کہہ ... ہوئے ... پوچھا تھا۔

روشی ... سوچ ہو گئی ... ہوا نے ... کی تھی۔

اس کی ... کے ... روشی نے ... اپنے ... ہوا۔

"کوئی بات ہے ضرور ... تم نے دیکھا ہے"

"میں ... کچھ نہیں ہوں" ... ہوا نے ... کرتے ہوئے ... ہوں۔

"مگر جس ... میں ... ہوئی تھیں ... اس سے ... صاف ... رہا ہے کہ ... کچھ ہوا"۔

"ہاں ... میں نے ... ٹوپی ... کر ... سب کی ... میں ... ہوئی تھی"۔

اس نے ... کی بات کاٹ کر ... کیا۔

"پھر ... نے ... کے ... سے ... کیا؟" ... کو ... تھا۔

"... کچھ نہیں کہا ... ہی تھی"۔

"مگر ... کی ... اس ... میں ... کی جاتی" ... طرح ... کی ہے"۔

"... مجھے صاف کرنے" ... ہی کہا تھا" ... روشی نے ... ہو کر ... ہوا۔

وہ ... انداز ... خاموش ... گئی۔

روشی نے ... سکون کا ... کیا۔

... چکا تھا ... سے ... ہوئے ... لوگوں کے ... حال کی ... میں ... کر رہے تھے ... شام کو ... ختم ہو کر رات کے ... میں ... ہو چکا تھا۔

... نے ... ہونے کی ... کی تھی۔ وہ ... کی ... سے ... لگا کر ... ہوا ... کے ... میں ... تھی۔ ... جانے ... اسے ... آ رہی تھی۔ اس وقت وہ ... کھل کر ... چاہتی تھی۔ جب اس کے ... پر ... کی ... محسوس کی۔ وہ ... کا ... ہو رہے تھے۔

"... آپ ... کیسی ... پر ... آرام سے سو جائیں"

"جیسا" ... وہ ... اس ... کر ... بھی ... گئی ... نے ... کے ... سے ... کی ... تھی۔

"... تم ..." ... نے ... سے ... کہا۔

"... ہاں ... بلکہ ... گی" ... ان کے ... ... ہے ... تھے۔ ... کوئی ... ... "... ہوا کہ ... ...

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

"آپ کی بیٹی کا کیا نام ہے؟" اس نے ان کا دھیان بٹانے کو پوچھ لیا۔

"مجھے یاد ہے۔" انہوں نے ایک جھرجھری لے کر ایک لمبا سانس لیا۔

"بچپن سے اس کے پیٹ کی پوزیشن ایسی تھی۔ آپریشن کرنا پڑا۔"

"آپ بھی کسی حد تک کر پائے ہیں۔" اس نے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"کیا ہم ایک سیلفی لے سکتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں ضرور ہوں۔"

"شاید ہوں۔۔۔ یا ہاں کا ہندسہ ہوں۔۔۔ ہاں کے پاؤں کا گھنگھرو ہے۔ ایک میں بھلا ہے دوسرے میں سزا کی کھنک۔"

"کیا ہوا؟"

"آپ تو آئے ہیں دیکھنے ہوں گے؟"

"کوئی نہیں آئی تھیں اس طرف؟"

وہ خاموش رہے جیسے اس کا سوال نہ سنا ہو۔

وہ قیاس کی ہوگی۔ سوال کرنے والے کو جواب میں خاموشی ملے تو اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کھیلنے کی اپنی نظروں میں ہی لہو لہان ہو جاتے ہیں۔

"آپ کو کب جانا ہوتا ہے؟" اب کی بار اس نے خود کو روک لیا۔

"ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کچھ ہے۔"

"یہ سامنے والی نظر آ رہی ہیں۔۔۔ بس جب دل کرے گا۔ چلے جائیں گے۔"

وہ بھی خاموش ہو گیا۔ ایک جھجکتے سے کہ وہ اس شور کے سامنے بے بس ہو گیا۔

"بابا جی!"

"جی۔"

"میں بھی واپس جانے سے پہلے کچھ میں جاری ہوں۔"

"اب کیا ہے؟" اس نے چونک کر روشنی کی صورت دیکھی۔

"ہے تو نہیں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں کر کے کوئی چاہ رہا ہے۔" وہ سادگی سے گویا ہوئی۔

"بھلائی ہے آپ کا؟" "۔۔۔ مجھے کیا پتا۔" "مجھے نہیں پتا آپ خود ہی کر لیں۔"

"آپ۔۔۔ کتنے ہو تم۔۔۔ میں یہ تو نہیں کہہ رہی کہ تم مجھے لے کر چلو۔ کوئی یہ پوچھے تو کہ تم رہتے کہاں ہو؟ کس کے پاس

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔" کہتے ہوئے۔

وہ اس کے پیچھے سے اٹھ کر اس کے سامنے آ گئی۔

"پھر کب جا رہی ہیں؟"

وہ اس کی سادگی پہ مسکرا دی۔

"اگر تھوڑی دیر اور ہوتی تو بھی یاد نہ آتا۔ کوئی ضروری کام تھا؟" اس نے تعجب سے اسے دیکھا۔ جس کے ذہن سے وہ محو ہو گئی تھی۔

"اللہ نہ کرے آپ تو شرمندہ کر رہی ہیں۔" وہ ہنس دی۔

روشی بھی اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

"بھابی! ظفری بھائی مجھ سے بہت بڑے ہیں۔ آپ بھی انہیں بھائی ہی کہیں۔ میں تو آپ کی بھی بہن ہوں۔ روشانے نام ہے میرا۔ اب مجھے روشی کہتے ہیں۔ آپ بھی مجھے روشی ہی کہا کریں۔"

اس نے جھومر کو شانوں سے پکڑ کر پیار سے کہا۔

"اچھا یہ تو بتائیں ظفری بھائی نے آپ سے کیا کہا تھا بس؟"

"کچھ نہیں ? ? ? ? ? ? ? ?" اسے جھجکتی سے روشی کی ہمت دیکھا۔

"جھومر! مطلب ہے اشاروں کی زبان کی۔" اس نے ترجمہ دیتے ہوئے بھی وضاحت کی۔

"اچھی بھلی ان کے اشارے سمجھ میں آتے۔" جھومر نے نظریں جھکا کر کہا۔

"محبت کے اشارے بھی سمجھتی!" روشی نے شرارت سے جھومر کو چھیڑا۔ وہ مزید سمٹ گئی۔

شرم سے جھومر کے چہرے پہ لالی پھیلنے لگی۔

"بھابی! ظفری بھائی آپ کو بہت چاہتے ہیں گے یقین کیجئے۔ آپ ان کی معذوری کو نہیں ان کی محبت کو دیکھیے گا۔"

"کیسے نہ کروں گی وہ دن کیسے کہیں گے؟" اس نے ایک سرد آہ بھری۔

"مجھے بھی بتائیے کچھ۔ کیا کہا تھا۔" روشی نے اس کی توجہ بٹانا چاہی۔

"کچھ نہیں بس وہ ہمارے ہیں۔ ظفری نہیں چاہتا۔"

"اسے کہاں دل نہیں چاہتا۔ آج ہی شام تبدیل کیا کریں۔ ظفری بھائی بہت خوش ہوں گے۔"

"وہ تو ویسے بھی بہت خوش ہیں۔" اس کے لہجے میں یاسیت تھی۔

روشی خاموش ہو گئی۔ جھومر کی طرح خاموش جیسے دعا کر رہی ہو کہ جھومر یا جو بھی ہے۔ اسے بتا کر جائے کہ آخر وہ اشتعال کر دینے والی بات کون سی تھی۔ ایک شک سا تھا جو اسے ہو رہا تھا۔ اس کا بھائی جیسا "جھومر" کے۔

"میں خوش ہوں۔ میرے ساتھ کسی سے زیادتی نہیں کی۔ یہ میری قسمت ہے۔ ظفری معذور ہیں تو کیا ہوا میں ان کے لیے کسی تکلیف دہ نہیں ہوں اور اس بات پہ خوش ہوں کہ مجھے سے ٹوٹ کے محبت کی وہ واحد وجہ ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اس کے علاوہ ان کی معذوری کا احساس۔ اسے جتایا جائے کہ وہ اپنے حواسِ خمسہ قوتِ گویائی کے علاوہ کسی چیز سے محروم ہیں۔ یہ بھی ایک اذیت ہے۔ جس انداز میں ظفری کی زندگی ہے اور اس کی اپنی خوشی کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

"بھابی! آپ جانتی ہیں۔ جھومر محبت ہے آپ سے یہ بات بھی ہے۔ وہ اپنی محبت سے کچھ نہیں مانگے گی۔ وہ صرف دینا جانتی ہے۔"

"میں بھی جھومر کو بہت پیار کرتی ہوں۔ اسی لیے تو یہ بات کہی تھی۔" اس نے وضاحت پیش کی۔

"جی؟" ... "آپ کی بھی ہے۔"

"میرا خیال ہے جھومر کو ہمارے ساتھ آج کچھ وقت اکیلے گزارنا چاہیے۔ ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ ہمیں کی ضرورت ہے۔ ہمیں کی ضرورت ہے۔"

"کیا آپ کو ایسا لگتا ہے؟"

"جی ... مجھے ایسا لگتا ہے۔ وہ ہمارے لیے قربانیاں دیتی رہی ہے۔" جھومر نے سر جھکا لیا۔

"آپ کی اور بھی بہنیں ہیں؟"

"جی ... تین بھائی ہیں۔ دو بڑے اور ایک چھوٹا۔ میں سب سے بڑی ہوں۔ دو بھائی اور ہیں۔ ایک بھائی آج کل ملک سے باہر ہے۔ دوسرا بھائی اور بہنیں آج ہی آئی ہیں۔ سب کو ایک ساتھ دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ مجھے ان کی یاد بہت ستاتی تھی۔ کوئی خط بھی نہیں لکھتا۔ ایک فون کر لیتا تو کیا ہو جاتا۔"

"پاگل ... وہ یہاں کیوں نہیں آتیں؟"

روشی نے جیسے جھومر کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"وہ ... وہ ... ہمارے گھر جاتے ہیں۔"

"ہاں ... ہاں

"میں کچھ کہہ جائے تو اظہر، وہ کچھ بھی سوال لیتے ہیں۔ میرے ہنستے بستے گھر کو نہ جانے کس کی نظر کھا گئی۔ کچھ کھو جانے کا خوف نہیں۔"

اس نے بات کے اختتام پر گہری سانس لی۔

"اور خواتین بھی تو ہوں گی اپی کے علاوہ یہاں آتی ہیں؟ آپ سے نہیں ملیں؟"

روشی کسی خیال سے چونک کر پوچھے گی۔

"نہیں میرے پاس بڑی اپی کے علاوہ اور کوئی نہیں آتا۔" بھوری نے کہا۔

(حالانکہ میرے علم میں ہے اور محمد چچی اور بڑی پھپھو بھی باقاعدگی سے یہاں آتی ہیں)

"روشی! مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے۔ کبھی بھی کوئی نظر نہ آئے خالی آوازیں آئیں تو کیا تم یقین کرو گی؟ کیسی آوازیں؟"

"کیا وہ تمہیں کچھ کہتی ہیں؟ کیا کہتی ہیں؟"

روشی کے دل پر ایک دھکا سا لگا۔

(وہ یہی... اور کون ہو سکتا ہے؟) "آپ کو یقین ہے؟" اس نے ڈر کر پوچھا۔

"آپ کا گھر ہے آپ کو نہیں پتا؟" اسے اچنبھا ہوا کہ لاڈلی امر تھا۔

"یہ گھر نہیں ہے بھائی ابا صاحب کی سلطنت ہے۔"

"تم یہاں کیا کرتی ہو؟ معاملے پیچھے سے بڑی امی کی بارعب آواز سنائی دی۔

ایک لمحے کو وہ چکرا کر رہ گئی پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے خوف آیا۔

وہ خود ہی سامنے آ گئیں ان کی آنکھیں اس کی ریڑھ کی ہڈی میں کپکپاہٹ پیدا کر رہی تھیں۔

ساتھ ہی تیز روشنی بھی عیاں تھی۔

"تم یہاں کس طرح آ گئیں؟ وہ بھی اتنی رات کو۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟ تم سمجھتی کیا ہو اپنے آپ کو۔ یہاں وہاں اپنی من مانی کرتی ہو۔ تمہیں احساس نہیں کہ ساری مصیبت مجھ پر آتی ہے۔ یہاں میرے کرانے دان ہیں۔ تمہیں یا کسی اور کو کیوں دلچسپی ہو؟" چیختے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی۔

"یہاں سکون ملتا ہے۔ رشتے داری نہیں ہو جاتی یہاں سے آ جانے پر تم نہ ہوتیں تو میں کہاں کہاں جاتی یہاں سے۔" وہ بے بسی کے لہجے میں وضاحت کر رہی تھی۔

روشی تو وہاں سے سخت بھاگ کھڑی ہوئی۔

"اف میرے خدا"۔ اس نے کھوکھر کے کوارٹر میں جا کر گہرے گہرے سانس کھینچے۔

کھوکھر اپی بی کو حقہ پلا رہا تھا۔ اسے نہایت قریب سے ہاری کی آواز آئی۔

"ہاری امی تمہیں شرف دیں گی۔ حیات کی طرح ہم اپنا بنا لیں گے۔"

"صدقے اس لڑکی کے۔ کیا نصیب پایا ہے۔ ہمارے سکندر بھی تو ہیں۔ اگر تمہیں آپا کی طرف سے کوئی اعتراض نہ ہو تو میں بات کروں۔"

"خان! سکندر آج بھوکا ہے۔ کھوکھر کہاری کی مصنوعات کھانے کی پابند ہو گا۔"

"تمہیں اسے عادی بنانا ہے کھوکھر۔ اپنا تو ہاتھ ہلتا نہیں ہے۔"

"بے فکر خان! کھوکھر بانو تمہیں مایوس نہیں کرے گی۔"

"کوئی لڑکی دیکھا ہو تو اس کے بارے میں بتاؤ۔" وہ بے تکلفی سے ہاری کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے مسکرایا۔

"یہ بھی کوئی ہے؟" روشی نے لاڈلہ امتحان کی بے جا سی سوال تھا۔

"بھئی گھوڑی آلی ہے۔ اصطبل میں کوئی اعتراض؟" وہ ہاری کی جانب بڑھا تھا۔

وہ کھسیا کر رہ گئی۔ اس پر مختار ہاری کی مسکراہٹ اور تمسخر۔

مجھ کو اس رات کی تنہائی میں آواز دینا

آواز دینا

"ہوں! ابا صاحب کا بچہ" وہ بڑبڑاتی ہوئی واپس آ گئی۔ کھوکھر کی بیوی سے چوری کی محفل میں پلی کھوکھر نے پیچھے پیچھے آئی تھی۔

آج ہم نے بھی جہر سے غسل کر
بیٹے والوں کی طلب اتری ہے

"بھائی اوہاں کہاں ہے بے ہم ادھر"۔ اس نے اندھیرے میں موجودگی سے آتی مارف کی آواز سنی۔

"بھائی تو کتنا اچھا ہے، کمر پر ہاتھ رکھتا ہے"۔ وہ اس کے لہجے پر چونک گیا۔

"اور کیا حال ہیں تمہارے؟" اس نے کھلے کھلے انداز میں مارف کا حال پوچھا۔

کہتے ہیں کہ ہر وقت کسی کو فکر نہیں
جا میکدے سے میری چوٹی اٹھا کے لا

"کیا حال ہونا ہے یار!" وہ اپنی مخصوص زہریلی ہنسی ہنسا۔

"میں تیرے واسطے بھی پریشان تھا۔ تیری لڑکے سے یہ حالت ہوئی ہے یا خود ہی پیچھے سے؟"

وہ مارف کی سمت گھومتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہمارے متعلق نہ سوچا کر تیرے اپنے کمرے گم ہو گئے ہیں؟" مارف بالکل چپ ہو گیا۔ وہ بے تحاشا ہنسا تھا۔ پھر بے تحاشا ہنسنے لگا۔ چڑھائی ہوئی تھی اور لگے بیٹے پر اتھا۔ وہ بھی ہنسنے لگا۔ وہ ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

"سنو" تمام کا تعارف بھی اختصار سے کرایا۔

"عارف یار — لال خان بہت مزے کرتا ہے"۔

"پہ ست نہیں کرتا یار؟" عارف نے تاسف سے بات کاٹ لی۔

"ہاں بھائی"۔

"یہ تو ہے اس دھندے میں بلکہ ہر دھندے میں سالی گرہن لگی ہوئی ہر کوئی نظر لگتا ہے — بات کروں گا میں سے"۔

"ابھی کر لو یار آج مجھے بھگتا کیا تھا۔ سیٹھ نے پیسے نہیں دیئے واپس گھر جا رہا ہوں"۔

"کوئی مجھلی ویلی کھایا کرو بے تو نہیں لگے گا"۔

"کہاں سے کھاؤں؟" ابھی کچھ پتا ہی نہیں"۔

"ابھی بھی نہیں پتا؟ کیا سونے کے نوالے کھلا رہا ہے لالہ تجھے؟" وہ بے ساختہ اعتراض میں بولا۔

"ابھی وہ پوری اجازت دیتا ہی کب ہے۔ یہ سارا ابھی اپنے سیٹھ ہی جیسا ہے۔ قسمت ہی خراب ہے"۔

"پھر بھی کچھ تو دیتا ہوگا؟"

"کوٹے کی دوائیاں بڑی مہنگی ہیں پھر پچھلا ادھار بھی تھا"۔

"دو دن میں تو حالات نہیں بدلیں گے۔ ذرا انتظار کر۔ ہمارے جیسے مزدور منڈی سے تھوڑا ان کے دماغ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں"۔

انہیں اپنی صورت پہ آپ ناز کب تھا
مرے عشق رسوا کو اثر دعا دیکھا

"تو پھر چل رہے ہو؟" اس نے عارف کی سمت بہت امید سے دیکھا

"پہلے سرکار بولے تو کنڈی بھی کھڑکائیں گے پر ذرا کام گڑبڑ میں ہے ہیں۔ ذرا یہ ہاتھ تمام کر لیا کرو بھائی"۔

"یار تم سے تو اچھا حال ہے پھر تمہاری اتنی چلتی کیسے ہے؟" اسے حیرانی ہوئی۔

"زہر زہر کو مارتا ہے سنا نہیں؟ ہوا بلبے کو کاٹتا ہے ذرا بھی ہوا؟ ہاں تو پوری کرنی ہے۔ ایک آدھ چالی رکھنی پڑتی ہے جیب میں"۔

اس نے جیب سے سگریٹ اور ماچس کی ڈبیا نکالتے ہوئے بڑی تفصیل سے جواب دیا۔

"اب تم سگریٹ پیا کرو گے؟" اسے جتنی حیرانی تھی عارف اتنی ہی ریلیکس تھا۔

"کہو گے تو آدھا بیڑی میں کے ساتھ یہ ہے بھائی منہ لگائے بغیر اپنی گاڑی موڑ نہیں لیتی"

"ویسے لڑکا اب پہلے سے بہتر ہے تم تو یار بڑے گبھرو جوان ہو گئے ہو۔ کوئی لڑکی ویڑکی تاڑ رکھی ہے یا ابھی وہ بھی نہیں"۔ اس کے لہجے میں

شوخی تھی۔

"ہاں بھائی اب گھر سے نکلے تو کسی کے کام کے بھی نکلے نہ"۔ وہ ہنسا تو عارف بھی ہنسنے لگا۔ "وہ بات تو ہو گئی ہے کھانی شروع ہو گی۔

بڑی مشکل سے کھائی تھی۔ جیسی ہو بڑی مزے کھاتی ہے"۔ اس نے ہونٹوں کو ایسے ظاہر کیا تھا۔

"وہ کر بھی رہی ہے زندگی ہو رہی ہے۔ پہلی سے آگے نہیں ہوتی"۔ وہ بھوٹے پن سے بولا۔

"وہ کون؟"

"پھر بتائیں گے یہ ابھی سلام"۔

پھپ گئے وہ سارا اپنی پچھلی
اب تو بس آواز ہی آواز ہے

"بیوی تھی وہ تمہاری؟" وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ یوں کہا کر بھی اسے احترام سے کیا جاتا ہے بدھو؟" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

"تم تو بیوی والے ہو کر بھی بے تکلفی سے کام لیتے ہو تم بھی کیا کرو تمہاری زندگی میں ابھی ایک آئی ہی بیوی ہے پھر بھی پہلے ملتے تو ہم معذرت کرتے کہ معاف کیجئے بیوی نہیں لائے"۔

"یہ اصطلاحات ہے معاشرہ کسی اور سے اداری کسی اور سے"۔

"بھائی تیری باتیں اپنے کھانے میں نہیں لگتے۔ چل یار دیر نہ کر"۔

"ذرا سہارا دو"۔ عارف فشل اٹھنے سے مدد کا طالب ہوا۔

اس نے ولی جان سے سہارا دیا اور اسے قدمے ہوتے ہوئے دیوار کی طرف آیا۔

"لال خان!" اس نے پوری قوت مجتمع کر کے آواز دی جو پھر بھی ہوائی رہی۔

لال خان ایک پاؤں لٹکائے برآمدے میں بیٹھا بڑے مزے سے دونوں کا منظر دیکھ رہا تھا۔

عارف کی آواز سن کر وہ اچھا آیا۔

"یار ادھر کمرے میں تیرے والوں میں سے بھی کوئی آئی تھی؟ اس نے اب بھی دیکھا تھا تجھے؟" عارف کی لہجہ آواز میں گویا یہ علامت تھی۔

"کیا کھلی ہو گئی ہوگی؟؟"

"اس کا بھروسا نہیں ہوتا ہے آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔ ہاں کر دے تو اسے بھی بھیج دیتے ہیں؟"

"وہ بھی آسامی ہے میرے سے بڑا پاگل نہیں اور کوئی"۔ عارف اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

"اس کی بیوی ہے ناں کہ بچے کو دیکھ رہا ہے۔ جانے کے بعد کوئی نخرا ان ہاتھ سے آیا ہاتھ سے جائے گا تو پاگل ہو جائے گا"۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

بلال خان نے کسی اصول کی مانند عارف کے حکم کی تعمیل کی۔ بلقیس ہوا کے جھونکے بلائے جا رہے تھے۔ اسے عارف کے رویے پر حد سے حیرانی ہوئی۔

"دیکھو رہے تھے یہ نکاح اور یہ پھول اوپر سے — خوشی؟"

"مہربانی تمہاری۔" وہ اتنی آسانی سے کام ہوتا دیکھ کر نہال ہو گیا۔

"صبح تو بے ہوش جائیں گی تھوڑی بہت آسانی ہے ورنہ بیٹا رے ہو جائیں گے فیلڈ میں رشتوں کا الیژ وارث جیسے بھرا کل ہی کرنا ہے۔"

"اچھا!" اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ "اب میں جاؤں؟"

"بھائی! مجھے بھی ذرا رکنے کرائے میری ماں میرے حصے کا بھی رو چکی ہو گی۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر ہلتے ہوئے بے نیازی سے ماں کا دکھ بیان کیا۔

"ماں کو نہیں رلانے عارف بھائی!" وہ اسے تمام کر باہر کی سمت بڑھا۔

"یہاں بھی غریب ہوتی ہے۔ موت ہو تب بھی روتی ہے نہ ہو تب بھی روتی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"جو ہمت اس نے تمہیں دودھ میں پلائی ہے نا بلقیس کے تو رو دے گی نہیں؟"

وہ اس کی ماں کا دکھ محسوس کر کے اداس ہو گیا۔

"اس ہمت دھارے سے نہ جانے ہم نے کتنی زندگیوں کو گھلا دیا ہے۔ پھول کی طرح میرے یار اسوہ کے ساتھ اصل گھلا دیا ہے۔" — اس کی ہنسی میں غم تھا۔

اس نے عارف کی سمت دیکھا اس کی آنکھوں کے دونوں گوشوں سے آنسوؤں کی چمک ظاہر تھی۔

"روشی" — وہ لاؤنج کی طرف جا رہی تھی کہ بڑی امی کی آواز آئی۔ وہ وہیں رک گئی۔

"جی امی!" اس نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔

"میرے کمرے میں آؤ۔" وہ بائیں طرف بنی طویل راہداری کی سمت بڑھ گئیں۔

وہ دل ہی دل میں اللہ کی پناہ مانگتی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

وہ ایک دروازے پر جا کر ٹھہر گئیں اور مڑ کر دیکھا کہ وہ ان کے پیچھے آ رہی ہے یا نہیں اور دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گئیں اور ان کے پیچھے روشی بھی بند لمحوں کے توقف کے بعد کمرے میں داخل ہو گئی۔

بڑی امی ایک طرف پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"بیٹھو!" انہوں نے قریب پڑی دوسری کرسی کی سمت اشارہ کیا۔ وہ بے یقینی سے بیٹھ گئی۔

"تم بچپن سے کی طرف کیا کرتی تھی؟" انہوں نے بیٹھتے ہی سوال کیا۔

"ایسے ہی۔" اس کے منہ سے نکل گیا۔

"یا ایسے ہی کیا ہوتا ہے؟" وہ ناراض ہو کر پوچھنے لگیں۔

"مجھے یاد نہیں۔" وہ سر جھکا کر بولی۔

"تمہیں آگی روکنے کو کہا ہے؟ گھر کے بچوں میں سب سے زیادہ وفاداری تمہاری سننے کو ملی ہے۔ اس طرح بھاگنا کہاں ہیں تم اس طرح کیوں نہیں رہتیں کیا تکلیف ہے تمہیں؟" ان کے لہجے میں برہمی کا سوال تھا۔

"کوئی تکلیف نہیں ہے میں تو مجھ رہی تھی۔"

"کوئی تکلیف نہیں ہے کسی کو مجھ رہے تھے تم تمہیں پتا ہے بڑے خان نے تمہیں سے ملنے کی خواہش کی ہے کوئی اطلاع نہیں جانے کا تو تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟" انہوں نے غصہ بار نگاہوں سے اسے گھورا۔

"جی سمجھ گئی تھی۔" اس نے بڑی عاجزی سے کہہ دیا۔

"خبردار! کوئی ضرورت نہیں تمہاری وفاداری کی کوئی چیز ادھر نہیں ہے اگر تم نے آئندہ یہ حرکت کی تو اچھا نہیں ہو گا۔"

"بڑی امی! اظفری بھائی کی مہر سے شادی ہوئی ہے اب وہ ہمارے گھرانے میں شامل ہے۔" اس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ہمیں یہ بات معلوم نہیں۔ ہم ہیں لگاوی گی ہیں ان کے لفظ ہوئے —"

"اور —" وہ والہانہ انداز میں ان کی سمت دیکھنے لگی۔

"ہم تمہیں سزا دے بھلوا دیں گے پھر بھی تم یہاں قدم نہیں رکھو گی۔ سن لیا؟" اب تم جاؤ اور آئندہ خیال رکھنا۔ بڑے خان کو پتا چل گیا تو میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکوں گی۔" وہ اٹھ کر باہر دیکھنے لگیں۔

اس نے طمانیت بھرا گہرا سانس لیا اور اٹھ کر باہر آ گئی۔

"اس کا مطلب ہے یہ والی وفاداری بڑی امی ابھی بابا صاحب سے نہیں کریں گی۔"

وہ اب دوبارہ لاؤنج کی طرف ہو گئی۔ اسی دم پورچ میں جیپ کی ہیڈ لائٹس چمکیں۔ اس نے کھڑکی میں بندگی گھڑی کی سمت دیکھا۔ وہ رونق کر رہی تھی۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے دیکھا اس کے ہیا وہ علی خان جیپ سے اتر رہے تھے۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

☆ ☆ ☆ ☆

...تک کر رہ گئی۔ بے پناہ چمک دمک کا لان کے جدید فیشن کے لباس میں۔ دوسری جانب سے بڑی کیوٹ سی لڑکی اتری تھی۔ وہ بڑے اشتیاق سے لان کا فوٹو گرافی کر رہا تھا۔ اس کی ہمت دیکھ کر وہیں رکی رہی۔

سلیم اور علی خان کی نظر بیٹی کی سمت اٹھی۔ ان کے سر و چہرے کے تاثرات فوراً بدل گئے۔

"آؤ بیٹا۔ وہاں کیوں کھڑی ہو؟" انہوں نے اسے بلایا۔

"ماہین ہے۔ یہ وشائے ہے۔"

"اور یہ آپ کی خالہ جان ہیں۔" انہوں نے روایتی انداز میں تعارف کرایا۔

"اوہ... تو" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

اپنی پوری زندگی میں اتنی حسین تتلی کا تو خواب بھی نہ آیا تھا۔ اس نے غور سے ماہین کی شکل دیکھی۔ واقعی وہ خالہ ہر لحاظ سے بڑھ چڑھ کر تھی۔

وہ بڑی دلکش تھی۔

لبوں پہ ملگجی مسکراہٹ۔

سب سے بڑھ کر بال اور بھی دلکش تھے۔ اس کے بال گھنگھریالے تھے۔ اس کی امی کے بال سیدھے تھے۔ اس نے اپنے بال بھی بنائے تھے۔ مگر ان کی بات ہی اور تھی۔ ان کے بال گھنگھریالے تھے۔

"السلام علیکم"۔

"وعلیکم السلام۔ صرف سلام کرو گی۔ کچھ بولو گی نہیں۔" سلیم نے کہا تو وہ گڑبڑا گئی۔ اس کے ہونٹ ہلے۔ کچھ کہا۔

"جی۔ آپ کہاں سے آئے ہیں خالہ؟" وہ بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ سے ملوانے میں لائی تھی۔ میں نے جا رہی ہوں خالہ جان کو۔ وہاں سب ہوں گے۔ وہیں سب سے تعارف ہو جائے گا۔"

ہمارے خوشی کے وقتی سے تھے۔ ہر ہر لمحہ یادگار بن رہا تھا۔

"یہ... ابھی وہاں نہیں جانا ہے۔ بابا صاحب انتظار کر رہے ہیں۔ پہلے ان سے ملاقات ہو گی۔ آپ ماہین اور روشنی کی سمت دیکھے تھے۔ ماہین سے کہو۔ بابا صاحب کی طرف کی سمت قدم بڑھائے۔"

ماہین نے روشنی کا ہاتھ تھام لیا۔ "تم بھی آؤ روشنی"۔

"روشنی کو بعد میں۔ اس وقت بابا صاحب سے صرف آپ ملیں گی۔ چلیے"۔

یاور علی خان نے رک کر ماہین کو ٹوک دیا۔

ماہین نے تھوڑے ہچکچاتے ہوئے روشنی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اب بہت ہی گھبرائی ہوئی تھی۔

اسے باپ سے بے حد ڈر لگتا تھا۔ بچپن کی یادیں تھیں۔ ایک ہول کا سا اٹھا تھا۔

وہ ہولے ہولے قدم بڑھانے لگی۔ مسلسل اس کے ساتھ چلتے ہوئے۔ علی خان وہاں سے ماہین اور یاور علی خان گزر کر ایک موڑ پر بنے شامیانے کے نیچے بچھے صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"کیا بچہ اسٹاپ (STOP) کہہ کر غائب ہو گئے؟" غائب دماغی سے یہ بڑبڑاہٹ کی آواز تھی۔

اس نے اسی کیفیت میں گردن موڑ کر باری کی سمت دیکھا۔

"خالہ آئی ہیں"۔ اس نے باری کو مطلع کیا جیسے خود کو یقین دلا رہی ہو۔

"جی کہ کے"۔ "جی کا میزبان تو آگے ہوتا ہے"۔

"جاؤ تم یہاں سے تمہارا تو کوئی فائدہ ہی نہیں"۔ ماہین کے اس طرح ہٹ جانے کے بعد وہ خود کو بہت بے یار و مددگار محسوس کر رہی تھی۔

"قریب بیٹھو۔ تم کمرا بند کرا رہے تھے۔ میں سب پتا تھا"۔ وہ خود کو باری پر بوجھ نہیں بنانا چاہتی تھی۔

"جانے کیا سمجھ رہی ہیں آپ مجھے۔ میں صرف حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ خود دیکھے تعمیرات غائب ہو جائیں تو کیسی شرمندگی ہوتا ہے اس سے۔" وہ شائستہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

www.Parsociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.parsociety.com

"باری!" اس نے بے ساختہ پکارا۔

"جی۔ ارشاد" وہ وہیں بیٹھا۔

"بھوکتیں ہو؟" وہ بہت اچھی لگی تھی۔

"اتنی جلدی۔ پہلے اپنی مرضی سے چار باقاب آپ کے حکم ہے" وہ مسکرایا۔

"اچھا۔ یہ تم اتنا خوش کیوں رہتے ہو" وہ اسے مسکراتے دیکھ کر بولی۔

"وہ جو پریشان ہوں۔ وہ دوسروں کا تو حلق بند ہو جاتا ہے کوں کر" وہ ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اسے گھورتے گھورتے اس سے زیادہ سے زیادہ چلے تھے۔ سوا اس کے یاور علی خان کو بابا صاحب کے کمرے سے باہر آتے دیکھا۔ "خالہ جانی کو کیوں روکا ہوا ہے بابا صاحب نے" اسے فکر ہوئی۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو" یاور علی اس کے قریب آ کر گویا ہوئے۔

"جی۔ میں خالہ جانی کا انتظار کر رہی ہوں"۔

"اب تم ان سے صبح ملو گی" انہوں نے بے تاثر اور دھیمی آواز میں اسے بتایا۔

"کیوں؟"

"یہ تمہارے پاس بہت سے کپڑے کہاں سے آئے؟"

"میں ان سے ابھی کیوں نہیں مل سکتی؟"

"ابھی وہ کھانا کھائیں گی بابا صاحب اور حور کے ساتھ"۔

"تو میں بھی ویسے ہی بیٹھ جاؤں گی؟" اس نے ضد کی۔

"نہیں۔ بتایا ہے نہ۔ جاؤ اپنے کمرے میں" وہ سختی سے بولے۔

"جاؤ۔ جواد بھائی بھی تو ہوں گے"۔

"بابا صاحب کا حکم نہیں ہے" انہوں نے قدرے نرمی سے سمجھایا۔

"ضد کرے میں اپنی اس کے پاس چلی جاؤں یہاں تو کوئی بھی مجھ سے بات نہیں کرتا" اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا گئے۔

یاور علی خان کے دل کو کچھ ہوا۔ مگر وہ خود پر قابو پا کر اس وقت بڑھے جہاں جواد کی موجودگی کا امکان تھا۔

وہ کافی دیر سے ایک جگہ ساکن کھڑا تھا۔ کافی دیر تو وہ غصے سے اور پھر آنسو بہاتی رہی۔ "لال مظر" نے اسے انتظار کرنے کو کہا تھا۔ سامنے سے باہر ہریالی ہری گھاس پر اسے عارف لیٹا نظر آ گیا۔ وہ انتظار کی حد سے بچنے کیلئے اس کے پاس چلا آیا۔ عارف نے اسے دیکھتے ہی آنکھ ماری۔

"یہ تیز دھار کب رکھے تم نے" اس نے اپنے ہاتھ سے خونی رنگ کو صاف کیا اور کان سے اس طرح اگایا جیسے

حقیقت میں کان ان کا ہو۔

"بھائی تمہیں کیا کہہ رہا ہوں کہ تم بے فکر ہو جاؤ۔ ہر طرح کی فکر سے آزاد"۔

"اور یہ خدا کا پیارا سے بھی کبھی فراغت ہوتی ہے کہ نہیں؟ کان پر رکھ کر بھول گئے ہے عرش کے راستے تک تیا"۔

"کیا بات آسانی سے ملاقات نہیں ہوئی؟" اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

"کہہ رہا ہے۔ ابھی بچے گئے کا کہ پہچان کب ہے۔ اگلی تو بے چارے سے "سنیئے" بھی پھینا کھا رہے"۔

اس نے اپنی فکر معاش سے سنگری آنکھیں حیرت سے شکار کرتے جانے والوں پر مرکوز کر دیں۔ صبح کا وقت تھا۔ اپنی اپنی کی جو سے خلقت خدا کا ایک ہجوم بے کراں تھا جو حیرت پھیلا رہا تھا۔

"تم پریشان سے لگ رہے ہو بھائی"۔

"نہیں۔ یہ اکثر ہی بے بھاماں گھرنے لگی ہوگی۔ بار بار میں آ گیا تھا" وہ ہنس پڑا۔

یہ اس کی بڑی بری عادت تھی اپنے مذاق پر سب سے پہلے خود ہی قہقہہ لگاتا تھا۔ اس نے قدرے پریشان کر عارف کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب یہ تھا کہ اتنی شہر میں رہتے ہو شروع سے اس کے پریشان ذہن کو مذاق سے بہلا لیتی ہوتی تھی۔ اب کوئی دلچسپ مشغلہ کیا ہے کہ "سے موقع مزاج آشنائی پیدا کرتا ہے"۔

"بھائی صاحب۔ جنے شہروں کی خاک چھان رکھی ہے۔ تھیلی سونگھ کے تو دنوں تھک جاتے تھے۔ میں بھی۔ تم بھی"۔

"گویا سونگھ کے بڑی اچھی آواز ہے میری" وہ جیسے سے محظوظ ہوا تھا۔

"میں نے کبھی گایا نہیں ہنا۔ خود اور کان میں پڑ جاتے "دوسری بات ہے"۔ اس کا ان بڑا سے میں ہلکا سا قہقہہ جہاں سے "لال مظر" نے طلوع ہوتا تھا۔

"میں گا رہا ہوں۔ تمہارے کان میں خود بخود پڑ جائے گا۔ بولے سے اٹھا نہیں پڑے گا" وہ پھر سے قہقہے میں ہلکا ہو گیا۔

وہ چپ رہا۔ وہ بہر حال اس کا محسن تھا۔ وہ ایک حد تک ہی اس پر ہنس ہو سکتا تھا۔

چمر کے خدا چمر کے صنم چمر کے ہی انساں پائے ہیں
تم ہو حیرت کہتے ہیں ہم جان بچا کر آئے ہیں

وہ گنگنانے لگا۔

"رہنے دو یار۔ یہ گانا"۔

اس کے اعصاب پھر سے اس کو اس بے وقت کی راگنی سے چڑ سی ہونے لگی۔ جس کی وجہ سے وہ اس وقت مرگ بنا تھا۔ اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔

www.Paksociety.com

"کچھ مریض ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر کی بیماری کا علاج نہیں ہوتا۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر کی بیماری کا علاج ہو جاتا ہے

"بابا صاحب۔ بی بی جی"۔

"وہ۔ اگر وقت اس کی نس نس میں ڈوب گیا۔ رات کا سناٹا گہرا ہوں میں گم ہو گیا۔ وہ جاگ رہے تھے اور بیداری کی باتیں کر رہے تھے۔ ہی تھی مگر بابا صاحب نے سوچنے ہی نہیں دیا۔ ایک کلف لگی لٹھا میں ایک گھنٹے سے ایک صدی کے برابر لگا تھا۔ یاور علی خان بھی بہت بے چین تھے۔ گویا وہ جلدی سے ہوں۔ کھانے کے وہ ان لوگوں میں تھیں کی تھیں۔ اس سفر کا مقصد بھی کا حال احوال دریافت کیا تھا۔

"اچھا"۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے دروازے کی سمت بڑھی۔ "بابا صاحب سے کہا بی بی کہ ہیں کہ روشی اور جواد کو بھیج لیں۔ میں ان سے باتیں کرتا چاہتی ہوں"۔

خادمہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اس نے بلیک کلر کا سوٹ نکالا۔ اسے بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر کہ اس کے لئے استری شدہ سوٹ وارڈ روب میں لٹکے رہے تھے۔ رات اس نے یہ کپڑے سوٹ کیس سے نکال کر صوفے پر ڈال دیئے تھے۔

یہ سوٹ جدید فیشن کا تھا۔ جس پر سرخ اور زرد رنگ سے کڑھائی کی گئی تھی۔

اس نے قمیص کے بال سنوارنے کا تردد نہیں کیا۔ ویسے ہی سنوار کر کھلے چھوڑ دیئے۔ نہ ہی کسی قسم کے میک اپ کا اہتمام کیا۔

جدید فیشن کو لڈے مشرقیت کا رنگ دینے کیلئے اس نے کڑھائی سے پر جمال سیاہ دوپٹہ سر پر ڈال لیا۔ پھر چند لمحے بعد خادمہ سے لینے آ گئی۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے بابا صاحب کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔

بھاری بھرکم صوفے پر سامنے ہی بابا صاحب بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے یاور علی خان اور لمبی چھدری ڈاڑھی تھی۔ دائیں جانب صوفے کے سنگل سیٹ پر یاور علی خان تازہ اخبار لئے بیٹھے تھے۔ سعدیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

اخبار ایک سمت سے پھٹا تھا۔ یاور علی خان اسے بڑی پھٹتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے مارے گھبراہٹ کے ہونٹ چبا لئے۔ اور بمشکل سلام کیا۔

نظر کا ایسا ستم تھا کہ اس کی خود اعتمادی کا آئینہ چکنا چور ہو گیا تھا۔

وہ میز کے قریب پڑی ایک خوبصورت کرسی پر بیٹھ گئی۔

"روشی اور جواد نہیں آئے؟" اس نے بڑی ہمت کر کے بابا صاحب اور یاور علی خان کو باری باری دیکھا۔

یاور علی خان نے اخبار کو لپیٹ کر صوفے پر تبدیل کیا پھر انہیں اس کی آواز نہ پہنچی ہو۔

"روشی کالج گئی ہوئی ہے اور جواد ضروری کام سے دوستوں پر گیا ہے"۔

بابا صاحب نے جواب دینے کے ساتھ خادمہ کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ سر جھکا کر تعمیل کرنے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"سب کیسے آتی ہے؟" اس نے بابا صاحب سے پوچھا۔

"بیٹا نے بتایا تھا۔ بابا سے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا"۔

وہ ان کی سمت دیکھے گئی۔

"اور ہاں بھی بہت سے باتیں کرنے ہیں۔ سب دوپہر کا کھانا ایک ہے اور رات کا کھانا آٹھ بجے تک ہو جائے"۔

"آپ نے یہ رسم کی کیوں"۔ وہ بڑبڑائی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ تم ہماری مہمان ہو۔ ہمیں احساس ہے کہ رات بہت تھکا دینے والا ہے۔ آج تم ایسی تھیں جیسے یہاں کے معمول کے مطابق سب کچھ ہو جائے گا۔ ان کے لہجے آواز میں بہت دھیما پن تھا۔

جس سے وہ ان کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا پا رہی تھی۔

"بابا جی! مجھے صرف ایک بات کہنی ہے"۔

"کیا بات کرنا تھا؟" بابا صاحب نے یاور علی خان سے دریافت کیا۔

"جی!" انہوں نے نظریں ایک لمحے کو جھکا کر بابا کی سمت دیکھا۔

"مہمان کا انتظار نہیں کیا؟" انہوں نے حیرت سے یاور علی خان کی سمت دیکھا۔

"یہ ہمارے مہمان ہیں۔ اس لئے دعوت نہیں دی کہ ہمارے ہاں تو خواتین کی اپنی الگ دعوتیں ہوتی ہیں"۔ انہوں نے وضاحت کی۔

"یہ ہمارے مہمان ضرور ہیں مگر خصوصیت کے ساتھ تمہاری مہمان ہیں"۔ یاور علی خان کے تاثرات سمجھنے سے قاصر رہی۔

"بابا جی! آپ کو یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں کہ میں خصوصیت سے آپ کی مہمان ہوں"۔

اس نے پھر سے سر جھکا کر یاور علی خان کی طرف دیکھا۔ جو بابا جی سے کافی کی پیالی لے رہے تھے۔ سفید شلوار سوٹ اور اخبار کے سلائے کی جوڑے "ہری فریم کی چمکتے لگائے ہوئے وہ رات سے مختلف دکھائی دے رہے تھے۔ اب اخبار ان کی گود میں اور پیالی ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے یاور علی خان کی جانب سے اپنی سمت دیکھتا پا کر خوری نگاہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"اگر تم پیچھے سے نہیں بتایا ہے اور یہ کرنے کی کوشش میں ہو تو کوئی ناراضگی نہیں اس لئے کہ جب ہم بارات لے کر تمہارے ہاں"۔

"آپ نے بڑا تماشا بنا دیا ہے"۔ اس دم بارہی خراب تھی۔ میں داخل ہوا۔

ماتھے پر بل اور یاور علی خان کی گرفت میں لیتے والی نگاہوں میں غور کر پا گر حواس باختہ سی ہو گئی تھی۔ ایک دم حالات سمجھ میں آ گئی۔ اس نے تو دار فریم کو دیکھا۔

"یہ تو شکل کی خالہ ہیں بابا جی"۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

"اور یہ بھی ہمارا بچہ ہے۔" انہوں نے تعارف کرایا۔

"یہ بھی۔۔۔ وہ بھی کھوئی کھوئی نظروں سے بولی۔ "یہ بھی آپ کی کیا لگتی ہے؟"

"بیٹھ جاؤ باری۔۔۔ شاباش بچے۔"

"جی بابا صاحب۔"

"دیکھو یہ باری خاص مہمان ہیں۔ جن کا تذکرہ میں نے تم سے کیا تھا۔" بابا جی نے نئے سرے سے اس کی تفصیلی نقاب کشائی سے ماورائے غیر شعوری۔

"جی۔"

"ان کا خیال رکھنا۔ کوئی شکایت نہ ہو۔"

"کیا یہ داور علی خان کے لڑکے ہیں۔ اتنی علالت کی موجودگی کے باوجود بھی کیوں میرا خیال رکھیں گے؟" وہ بولی۔

"بابا! یہ بی بی کون ہے؟"

"جی خان!" وہ مودبانہ انداز میں اٹھ کر ان کے سامنے رکھے ہوئے تکیے پر بیٹھ گئی۔

"بابا۔ بی بی کو کھانے کا حلوہ دو۔ وہ ہے ہاں باشتے کی خاص چیز۔"

"باشتہ۔ ناشتے کے نام پر پورے "باشتہ" کا سا سماں تھا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ حلوہ کھانے کے ارادے سے لیا۔ مگر واقعی بہت عمدہ ذائقہ تھا۔

"یہ تو بہت مزے کا ہے۔ میں اس کی ترکیب سیکھ کر جاؤں گی۔" اس نے بے ساختہ تعریف کی۔

"کبھی انھیں میں پڑنے کی بھلا کیا ضرورت۔ ہم آپ کے ہاں دعوت پر بھیج دیا کریں گے۔ کراچی تو بابا آباد ہی رہتا ہے۔ ہمارے بندوں کا بھی اور ہوا بھی۔"

وہ بڑی نخوت سے اپنی فیاض طبع کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

وہ اس دریا دلی پر محجوب سی ہو گئی۔

"آپ کیسے ہیں؟" اس نے باور علی خان کی صحت پوچھی۔ وہ بائیں ہاتھ سے فیڈ کر رہے تھے۔ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"شکریہ اس وقت میں صرف کافی سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔"

مائیں ان کی سرخ آنکھوں کی تاب نہ لا کر ایک دم باری کی سمت مڑ گئی۔

"آپ کیسے ہیں۔"

"جی بس شکریہ۔"

"لے باری۔" بابا صاحب نے بھی اس سے

حلوہ لے کر ایک چمچ منہ میں ڈالا۔ اور پھر ساتھ کھانے لگے۔

"آپ معالج وغیرہ بھی کرتے ہیں؟" اب اس نے معصومیت سے پوچھا۔ وہ ان سرخ آنکھوں سے بالکل خائف نہیں ہو رہی تھی۔

"آپ بتائیے اور کیا کروں؟" وہ گل خان کو مسلسل ہدایات دیتے ہوئے شائستہ سے پوچھ رہے تھے۔ وہ خاصا دلچسپ خان خاصا باری دلدار محسوس کر رہے تھے۔

"میرا مطلب ہے۔"

وہ ان کے غیر متوقع انداز پر گڑبڑا سی گئی۔

"پیر ہی ہوتے ہیں سر کے ایک طبی نہیں۔"

مائیں بابا کو گھور کر ان کی سمت دیکھنے لگی۔ باری بھی اس تلخ کو ایسا نہ ہو۔ اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

سے بے حد سرت ہوئی۔

"پھر آپ اپنی پریکٹس میں آج" وہ اب پہلے سے زیادہ خوش نظر آ رہی تھی۔

"آج کل آرام کر رہے ہیں۔"

"آپ کیسے ہوتے ہیں؟ بابا" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

داور علی خان ناشتہ کر رہے تھے۔

"ہم تو بہت چاہتے تھے کہ یہ دوسری شادی کر لیں۔ مگر۔۔۔" انہوں نے ایک جلتی نظر بیٹے پر ڈالی۔

"آپ تو بور ہوتے ہوں گے بہت۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ داور اتنا دلچسپ ہے۔ ہاں میں مرضی گزار خدمت گزار سمجھے سارے لوگوں کی نہ حاضر ہونے والی عرضداشتیں۔ وہاں تو خالی وقت غنا شوار ہے۔"

"پتا نے تو آپ کی پیشانی کا شیشہ مجھے نہیں بتائی۔" وہ حیران تھی۔

"انہوں نے سول سروس کا امتحان شادی کے بعد دیا تھا۔" اس بار بھی جواب داور علی خان نے دیا تھا۔

"آپ اگر اسلام آباد سے آتیں تو راستہ بہت شارٹ کٹ ہو جاتا۔" باری ابھی تک اس بات پر حیران تھا کہ وہ پشاور سے کیوں آئی۔

دراصل اسلام آباد میں فلائٹس کی وہ مسئلہ نہیں کر رہی تھی۔ وہ ایک فلائٹس پر فوری سیٹ نہیں مل رہی تھی اور مجھ بہت جلدی تھی۔ کیسی بہت تھوڑے عرصہ کیلئے ملتی آئی ہوں۔"

"کیا ابھی پڑھ رہی ہو؟" باباصاحب نے سوال کیا۔

"جی۔۔۔ ایم فل کر رہی ہوں۔"

"بہت خوب!" وہ خوش ہوئے۔

"السلام علیکم۔" دعا کی پرتکلف آواز دروازے کی سمت سے آئی۔

www.Paksociety.com
www.pksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

"السلام علیکم! آپ کا ہی انتظار ہو رہا ہے۔"

باری باری سے خاندان کے ہر فرد نے آنے والی خاتون کو سلام کیا۔

یاور علی خان نے بھی سلام کیا تھا۔

باری کو دیکھ کر وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ادب سے آداب کیا تھا۔

وہ آسمانی رنگ کی شلوار سوٹ میں ملبوس تھیں۔ ہم رنگ نفیس شال کو انہوں نے سر پر اچھی طرح جما کر لپیٹ رکھا تھا۔ ہاتھوں میں دو دو سونے کی چوڑیاں اور گلے میں چین تھی۔ رنگت بالکل گوری تھی۔ ان کے لمبے سیاہ گھنے بالوں میں سیاہ گرگابیاں اس قدر نمایاں ہو رہی تھیں کہ چند لمحوں کیلئے تو اس کی نظریں ان کے بالوں پر جم کر رہ گئیں۔ شاید وہ بالوں کی بہتات سے خاصا اکتا گئی تھیں۔

"یہ ہماری سب سے بڑی پھپھی اور اس گھر کی سب سے بڑی بہو ہیں۔ یہاں سب بچے انہیں بڑی امی کہتے ہیں۔"

"عالم تاب ایسا ہی ہیں..... وزنی کی بات سے جھول گئیں۔" بابا صاحب نے تعارف مکمل کیا۔

"کوئی بات نہیں تائے ابو بھی میں پہچان لیتی۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا۔

عالم تاب کے کانوں میں پڑی موتیے کے پھولوں کی بالیاں۔ اس کے مسام جاں کو معطر کر گئیں۔ "سب سے اوپر تمہاری تھکن کا خیال تھا۔"

"سفر تو آرام سے گزرا؟"

"جی۔" اسے جانے کیا یاد آیا کہ اس نے ایک نظر یاور علی خان کو دیکھا تھا۔

"باتیں کرو۔ ٹھیک ہے۔ یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔" انہوں نے اس کے شانے پر محبت سے ہاتھ رکھ کر گویا اصرار کیا۔

"جی۔ بس کر لیا ہے۔"

"بی بی۔ آپ چائے میں دودھ کم لیتی ہیں؟" مائی اس کی چائے تیار کر رہی تھی۔

"اوہ۔" اس نے بڑے تشکر کے ساتھ مائی کو دیکھا۔

"شکر ہے بڑی کو ایک نیک خاتون ملی ہے۔ چائے کے نام پر زہر دیتی تو مزہ آ جاتا۔" اسے معلوم ہوا تھا کہ دیہاتوں میں چائے کو بھی طغیان صحت کے مترادف سمجھتے ہیں۔ چائے کا مطلب ہے پانی ابال کر اس میں پتی، شکر اور تھوڑا سا دودھ ڈال کر پی لینا۔ لہٰذا اکثر شہر سے ان کے ان مہمانوں کا واسطہ پڑتا ہے جو اس کی عادت میں شمار ہوتی ہے۔ اسے چائے کا استعمال کرنے والوں سے آج تک عالیہ یہ سوال کبھی نہیں کیا گیا۔ کہ آخر اس رسمی کارروائی کی ضرورت ہی کیا ہے۔

مائی نے بہت محنتی آنچل میں ڈھکی خوبصورت سی رنگت کی چائے پیش کی تو اس کا جی خوش ہو گیا۔ اب یہ اطمینان تو اسے ہو گیا کہ وہ جب بھی چائے طلب کریں گے تو بڑی اچھی چائے ملے گی۔ اس نے ممنونیت سے مائی پر ایک نگاہ ڈالی۔

"یاور! تم کب تک ہو؟" عالم تاب نے پوچھ لیا تھا۔

"میں کل تک ہوں یہاں۔ فجر ہے۔"

"کیا نہیں..... وہ بھی پوچھ لیتی تھی۔" وہ بھی ہنس پڑے تھے۔

"آج آپ کے کاموں میں لگی ہیں۔ ماں بی بی کو وہاں کھڑا چھوڑ کر کسی کے ساتھ جا نہیں سکتی۔" یاور علی خان نے بھائی کی سمت سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"یہاں تو عالم تاب اور بابا ہی انہیں سپورٹ کرتے ہیں۔ کیا کہانی ہے بھابھی؟"

"جی..... مگر مجھے برسوں ایوں ہی ہوتا ہے۔ ای آئی سی سے بہت ضروری میٹنگ ہے۔"

"مگر میں اور بھی تو رک سکتا ہوں کچھ دن۔"

"آپ نے ٹھیک کہا ہے۔ مائی بی بی اگر ہوں تو حوصلہ رہتا ہے۔ یہاں سب ہی ان کو بہت مانتے ہیں۔ آزاد اور اشعل بھی یہیں ہوتے ہیں۔ ان کی دوستیں خوار ہوتی ہیں۔" عالم تاب نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر میں جاؤں گا تو ساتھ ہی جاؤں گا۔ اس کی دوستیں خوار ہوتی ہیں۔ اس نے دخل دیا۔

"اشعل..... کہاں ہیں..... مگر ہوں گی۔ آج کل بہت مصروف ہے امتحان کی تیاری کر رہی ہے۔ ایک سال کا گیپ ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی کچھ ایسی ہی کہانی تھی۔"

"جو بھی ہے۔ ماشاء اللہ یہاں اتنے لوگ ہیں۔ میں نے جانا ہے۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے مائی بی بی۔"

مائی کی پریشانی کی کیسی گہری ہو گئی۔ انہوں نے تھوڑے لگے انداز میں اس کی سمت دیکھا تھا۔ ان کے سامنے بھی کوئی دوسری بات نہیں ہوئی تھی۔ صرف ایک بات ہوئی تھی اور وہ بھی ان کی اپنی زبان سے نکلی ہوئی۔

"مگر آپ بڑی ہیں اور سب کی ذمہ داری۔ اس لئے یاور اور بابا ہی یہ اختیار رکھتے ہیں۔ ان میں سے آپ کس کے ساتھ ہوں گی تو مجھے بہت اطمینان رہے گا۔"

مائی کی سمجھ میں "اور" والی بات تو آ سکتی تھی مگر باری۔ اس نے چہرہ موڑ کر اپنے پیچھے کی سمت دیکھا۔ سلیقہ کا ان کے کھلے شوہ سوٹ میں ملبوس وہ ایک صفدر نوجوان نکلا تھا۔ مجھی الطاف کا حامل اور وہ بھی محترم بھرپور مردانگی کا احساس دلاتی شخصیت۔ وہ بھی بے اختیار اس کی سمت متوجہ ہوئی تھی۔ پھر اسے بے ساختہ یاد آیا تھا۔ اس کی مادگی۔

"یہ کون ہے؟" اس کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا۔ مگر یاور علی صاحب کے لئے پیش رفت کے سبب خاموش رہی۔

"کیسے کر رہا ہو؟"

"جی بابا صاحب۔" یاور علی خان بہت دیر سے خاموش تھے۔ جی ای سی کی میٹنگ میں کسی قسم کی رکاوٹ یا تاخیر کا جی جانب سے خطرہ نہیں آ رہا تھا۔

"ہم ان بی بی کو شہر آنے کا دعوت دینے کے لئے آئے ہیں۔ وہ بی بی بھی ہیں۔ ہمارے

ہے۔ بصورت دیگر آپ ہو کر یہاں سے آؤ۔ کیا خیال ہے؟"

(مگر وہ یہاں آئی ہے۔ اماں نے یہ کہہ کر بابا صاحب کی شکل دیکھی تھی۔

"جیسے آپ مناسب سمجھیں"۔ انہوں نے باپ سے اختلاف کرنے میں (دانستہ) دیر لگائی تھی۔

"اف خدایا۔ وہ تو یہاں آئی ہے۔ بھائی! وہ یہاں۔ کدھر ٹھہرے ہے ہیں؟ آپ نے ساتھ لیا۔ مگر کہاں؟ وہ اس کے ہمراہ کوئی ہے؟" بیوی کی بات سے عزیز پڑ گئی۔ "مگر ان کے ایک بیٹے پران کے ساتھ تھا وہ ان کا بیٹا ہے نا؟"

اس نے چوری سے ان کی سرخ آنکھیں دیکھ کر گویا جھرجھری لی۔

"وہ بچی کو بھی ساتھ لیں گے۔ پھر میں بالکل بور نہیں ہوں گی"۔ اس نے تجویز پیش کی۔

"مگر وہ تو کالی ——" عالم نے ماں کی طرف دیکھ کر سر کی شکل دیکھی۔

"ایک دو دن کی بجلی سے کوئی مفلوک نہیں"۔ یاور علی خان جیسے اس کی سوچ پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے بجلی بار بار کٹنے کی وجہ میں سمجھایا۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔ مگر بچی کا خیال رکھنا"۔ بابا صاحب کے لہجے میں غیر معمولی پن مایوسی نے حالات محسوس کیا۔

"تو کیا روشی۔ لڑکیوں کے ساتھ کراچی نہیں جا رہی؟" عالم نے باپ سے یاور علی خان سے پوچھا۔

(کراچی ——— 111

کراچی والے یہاں آئے ہیں۔ یہاں والے کراچی جا رہے ہیں۔ لڑکیاں کیا مجھے کچھ سمجھا دیں گی کہ میں یہاں کیا بزرگی کی تربیت لینے آئی ہوں؟)

"باقی گھر والوں سے نہیں ملوائیں گے آپ؟" وہ یاور علی خان کی سمت متوجہ ہوئی۔ اس کے چہرے پر پھیلی دلکش پوچھ تھی۔

"اچھا تم لوگ باتیں کرو۔ مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔ رات کھانے پر انشاء اللہ ملاقات ہوگی"۔ دلاور علی خان اپنی آدھی تجویز ختم کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اگر اس علاقے کی سیر کرنا چاہو تو یاور بھی ساتھ جا سکتے ہیں اور باری بھی"۔

(انہیں سیر کی پڑی ہوئی ہے۔ اس گھر کے دو انجان لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کی طرف کشائی ہو کر نہیں دے رہی۔ وہ اس کو سوچ رہی تھی۔)

بابا صاحب ہاتھ گھٹنے ہوئے یاور علی خان باری اور عالم تاب بھی اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔ اچانک سے باپ میں بھی دلاور علی خان کی چال میں بلا کا وقار اور رعب تھا۔

یاور علی خان اور باری دوبارہ بیٹھ گئے۔ عالم تاب البتہ سر کے پیچھے ہی چل پڑی تھیں۔

"دیکھو —— بالکل نہ گھبرانا —— یہ تمہارا اپنا گھر ہے"۔ وہ چلتے چلتے مڑ کر بڑی شفقت سے مسکرائیں۔

"ظاہر ہے یہاں کا ماحول ہی گھر جیسا ہے۔ ہم بھی ہر دو ماہ بعد کراچی جاتے ہیں۔ ہمارا بھی ایک گھر ہے۔ وہاں بھی LIKE MOTHER LIKE DAUGHTER اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ اپنے ہونٹ کاٹنے کی عادت کو بڑی مشکل سے روکا تھا۔

"اچھی بچی ہو ہمت ہوئی ہو گی؟" یاور علی خان نے بھی جیسے اس کی شرارت کا پکٹ اور لیا تھا۔

"ضروری نہیں ہے۔ ماموں! آپ ہمارے ساتھ چلیں گے نا؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس نے ان کی طرف غضب ناک نظروں سے دیکھا۔

"پتہ ہے۔ ہمیں بہت ہے۔ چلنا تو ذرا بھی ہوئی ہو گی"۔ وہ اس کو چھیڑنے سے باز نہیں آئے تھے۔

"آف کورس مراد باری ہیں نا۔"

"اف اللہ!" وہ ان کی بے تکلفانہ گفتگو پر جز بز ہوئی۔ اختیار وہ ان کے ماحول اور اخلاق کے حسن کے قائل ہوئے۔

"کیا لائے ہیں؟" اس نے ان کی گفتگو سے توجہ ہٹانے کے لیے کہا تو وہ ہنس پڑے۔

یاور علی خان کے لبوں پر پہلی مرتبہ طویل عرصے کے بعد مسکراہٹ پھیلی۔ جس کا دورانیہ کم و بیش ایک منٹ تھا۔ بابا باری کھل کر ہنس پڑا تھا۔

وہ کھوئی کھوئی سی ان کی باری باری باتوں کو دیکھنے لگی۔

"بھئی باری نئی گھڑی ہے"۔ باری نے اطلاع دی تو وہ خوش دلی سے ہنس پڑی۔

"آپ سائنس ہیں"۔ اس نے سادگی سے استفسار سوال کیا تھا۔

"آپ گھوڑے"۔ اس کے چہرے پر تلخی کی چھاؤں۔

(لو میں گھوڑوں؟ اس گھر کا سارا نظام میری سوچ پر چلنے تو چل رہا ہے۔ ہونہہ)

"گھر کے اور لوگ کہاں ہے؟" اس نے ہنوز کا پوچھا لیا۔

"سب سے ملوائیں گے۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں"۔ انہوں نے اضطراب کو محسوس کر لیا تھا۔

گاڑی چل رہی تھی۔ اس کا خائف سا چہرہ کبھی ادھر کبھی ادھر دیکھتا ان سے پوشیدہ نہ رہ سکا تھا۔

"وہ کیا ہے کہ ——" باری کی سمت متوجہ ہوئی۔

"جی؟" وہ بری طرح گھبرا گیا۔

"میں آپ کو کیا کہوں؟"

"مجھے باری کہتے ہیں۔ مگر بلوچستان میں خان کہتے ہیں۔ آپ جو چاہے کہیے۔ ویسے غلام ہیں آپ کے"۔ اس نے بھولی ہوئی تجھ گی سے جواب دیتے ہوئے ایک نظر یاور علی خان کی سمت دوڑائی تھی۔

"یہاں بھی کھیت اور باغات ہوں گے آپ کے؟ وہی رکھا ہے۔ روشی کی واپسی تک وقت تو گزر جائے گا"۔

"کیا میں جا سکتی ہوں؟" وہ یاور علی خان سے مخاطب ہوئی تھی۔

www.Paksociety.com
www.Paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

"او بھئی۔۔۔ کیوں لیں؟" انہوں نے آگے کی طرف جھک کر راکھ جھاڑی۔

"پیسے ہارنا!" وہ چڑ سے کر کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"باری جیپ کون سی لے جاؤ گے؟"

"کون سی لے جاؤں؟"

"کوپے لے جاؤ"۔

"اے لیں جائیے اوپن لیں۔ آج کل تو بہت گرمی ہے"۔ وہ دونوں کے بیچ گھل ہوئی۔

بڑی بے ساختہ علالت تھی۔ دونوں کے سوال جواب کا سلسلہ چند لمحات کیلئے موقوف ہو گیا۔ پھر جمری والی نے بھاؤ چالی بھرے بٹوے میں سے۔ انہوں نے جھک چڑھا کر انہیں دوبارہ کھول لیا تھا۔

ماما بلی برتن سمیٹ رہی تھی۔ وہ باری کے پیچھے لاؤنج ہال کی خواب گاہ سے باہر آ گئی۔

"گھوڑا"۔

"ہوں؟"

"یہ جیپ آپ کی سوٹ رکھ لوں؟" مونے کرتا اپنے ساتھ لگا کر خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"سیٹ بھائی کا نکاح کا سوٹ بھی رکھ لو۔ کہہ دینا کراچی سے واپس آ کر دے دوں گی"۔ جیپ نے استہزائیہ انداز میں مشورہ دیا۔

حماقت ہاں۔ جل کر رہ گئی۔ اس نے پوری قوت سے کرتا بیڈ کی طرف اچھال دیا۔

"تو بے شعور آرام سے بھی کہہ سکتی تھی۔ پاگل ہی تو ہے"۔ گھوڑا کبھی جیپ کا اندازہ نہ لگا سکا تھا۔

"تو اسے اتنی سمجھ نہیں۔ وہاں کون سا ہم تفریحات انجوائے کرنے جا رہے ہیں"۔ جیپ کو اپنے رویے پر ذرا ملال نہ تھا۔

"دیکھو بیٹا تم لوگ زیادہ سامان نہ باندھ لینا۔ ٹین تو جلدی بھیج دیتا ہے۔ سامان کی وصولی میں اس سے ڈبل کام لگتا ہے۔ ویسے بھی بوگ کی بھیس ہیں۔ چار پائی سونسان۔ ہر ایک کے دو دو بیگ لازمی۔ تھوڑا تھوڑا سمیٹ لے پھر پھر سامان آتا رہتا ہے۔ شیشے کے برتن بھی بھیج دیں۔ کبھی کبھی چکر آ جاتی ہیں۔ پچھلی مرتبہ جب کراچی کی گئی تو دو سو سے زیادہ برتن میں نے لوٹا لائے تھے۔ بڑے بھیا کی بارات نکلنے سے پہلے گنتی کا کیم کریں۔ بعد میں کوئی بھیم قول نہیں کیا جائے گا"۔

باری نے اپنے مخاطبہ کو بات کا لب لباب سمجھایا۔

"ایسے کرو دو دو تین تین لڑکیوں کا سامان بانٹ کے سوٹ کیس میں کر دو۔ گنتی میں بھی آسانی رہے گی"۔

"تھیلے نہیں بنا لیں سے اتر کر سامان کا انتظار کرنا پڑتا ہے"۔ باری نے مشورے کے ساتھ ساتھ اگلی صورتحال بھی واضح کی۔

"اسلام آباد سے جائیے گا ناں"۔ مانی نے پوچھا۔

"نہیں بے۔ سوات سے پنڈی کی فلائٹ کے بعد ہی جہاز بدلنا پڑتا ہے"۔ باری نے بتایا۔

"پاکستان سے ہیں سوٹی کہاں ہے؟" جیپ کو باری کی لاعلمی پر حیرت ہوئی۔

"سب بھائی کے ولیمہ میں ہوگی۔ وہ پہنچے چلی جائیں گی تو اس کے مزے آ جائیں گے۔ ہر ایک سے سوٹی بھی لے لیں گے"۔ جیپ عقلمند تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں بے سے بھی پیسے نکالنا آتا ہے"۔ مونے اکڑ کر کہا۔

باری بجھتے چہرے کے ساتھ ہال میں داخل ہوئی۔

"ارے ہاں۔ بڑی امی تاکید کی تھیں کہ تمہاری خالہ آئی ہوئی ہیں۔ کہاں ہے؟ ہم نے ابھی تک انہیں دیکھا ہی نہیں۔ کیسے پتا چلے گا۔ آج تک تو تمہارے خالہ، ماموں کا کبھی ذکر نہیں تھا"۔ جیپ کو یاد آیا۔

"کل تک کہیے۔ آج تو ہو رہا ہے"۔ وہ ایک کشن پھینک کر صوفے سے بیٹھ گئی۔

"اسے ہوئیں اسے کہاں سے کہاں چلی گئیں؟" سوہا کو حیرت میں سخت حیرانی تھی۔

"باری کے ساتھ سیر کیلئے گئی ہیں۔ بڑی امی تاکید کی تھیں"۔

"باری کے ساتھ؟ کیا عمر ہے ان کی؟" جیپ کی زیرکی کو کچھ کچھ بھنک پڑنے لگی تھی۔

"مانی بتا رہی تھی کہ بیس پچیس سال کے درمیان ہوگی"۔ گھوڑے بے زاری سے کہا۔

"اسے۔ پھر باری کے ساتھ کیسے چلی گئیں؟ ماما صاحب کو جانے نہیں دیا؟"

زری نے تعجب سے سوہا کی طرف دیکھا۔

"او۔ وہ ماما صاحب کا پیچھا ان کی مرضی کے خلاف سالس نہیں لیتا۔ انہی کی مرضی سے کیا ہوگا"۔ جیپ نے پھر وضاحت کی۔

کمرے میں لمحاتی سکوت چھا گیا۔

"ویسے دیکھنے میں کیسی ہیں؟ تم ملی تو ہوگی ان سے"۔ گھوڑے نے تجسس جاگا۔

"اچھی ہیں بس"۔ اس نے مصروفیت سے کہا۔

"ہائے۔ پھر کیوں بھیجا دیوانی کے ساتھ؟" ناز آفرینی کے حسن کے پوسٹ مارٹم میں آج تک جاری ہیں"۔ جیپ نے کن انکھیوں سے روشی کی طرف دیکھ کر گویا اسے جتایا۔

روشی لاپرواہ انداز میں بیٹھی رہی۔

"انہیں ریسیو کرنے کون گیا تھا؟" زری نے سوال کیا۔ (اسی لیے حیرت ہے ——— وہ تمہیں اس عمارت کے کھنڈرات پر اکیلا نہیں ہونے دیتی تھیں۔ وہ ان اطوار طریقوں کے عادی تھے۔

"ط"۔ روشی نے سوہا کی آنکھوں کا جائزہ لیتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

"یہ ٹھیک ہے۔ وہ پہلے دن پہلے کیوں نہ آ گئیں۔ اتنا بڑا واقعہ ہو گیا ان کے ساتھ"۔ جیپ تھی۔

روشی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

"...تکلیف تو وہ داری کے ساتھ پیش کرنے جا رہی ہیں"۔ وہ بڑبڑائی۔

"...ہے۔ بڑبڑائی ہے"۔ اس نے تصحیح کی۔

روشی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ گلوگیر لہجے سے اس نے کہا۔

"...بھلی تو بات تم سے کرتی ہو۔ کیا ضرورت ہے اس طرح کی باتیں کرنے کی؟"۔

گلوگیر لہجے سے کہا

"...میں نے کیا کہا ہے۔ یہی تو کہا ہے کہ خالہ کی کے ساتھ سیر کرنے چلی گئیں"۔ اس کی بے تکی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔

"...کیا بات ہے تم اسے خوامخواہ اہمیت دے رہی ہو"۔ گلوگیر ملامت کی۔

"...وہ تو اسے کسی اور بات پر آمادہ کر رہا ہے"۔ ان کے طور مستور تھے۔

روشی جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تکیہ نیچے پڑا اور وہ ہاتھ میں لئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"...ان اضطراب کا بھی کوئی اضطراب ہوتا ہے"۔ وہ اس سے برآمدے میں ہی آ ملا۔

"...میرے ساتھ چلنے کی ضرورت نہیں"۔ وہ غرائی۔

"...خالہ کو کہاں لے گئے تھے؟" وہ رسمی سے پوچھنے لگا۔

"...کہیں بھی۔ تمہیں کیا؟" وہ تیز ان ہوا۔

"...اور کوئی نہیں تھا انہیں لے جانے کیلئے۔ محترم جو ہر جگہ ملازمت خدمات کے نوکر کے طور پر لگائی جاتے ہو۔ وہ میری خالہ ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے ان سے بے تکلف ہونے کی"۔

"...میں نے کب کہا میری خالہ ہیں؟ یوں بھی خوبصورت لڑکی کو چھوتے ہی "خالہ" کہنے والے کا دماغ تو ان دنوں ٹھیک نہیں سمجھا جاتا"۔

"...شٹ اپ۔ تمہیں کیا پڑی ہے یہ نوٹ کرنے کی کہ خوبصورت ہیں یا بدصورت؟" وہ غرا کر بولی۔

"...آپ کو اتنا غصہ کس بات پر ہے کہ آپ کی خالہ میرے ساتھ سیر پر کیوں گئیں؟"

"...تو اور کیا"۔ وہ اسی انداز میں بھنا کر بولی۔

"...مگر میں انہیں پکڑ کر تو نہیں لے گیا۔ وہ اپنی خوشی سے میرے ساتھ گئیں۔ بابا صاحب کی اجازت سے"۔ اس کا لہجہ ظاہر تھا سادہ مگر مزاح بہت تھا اس میں۔

"...بابا صاحب کو کب سے علامت قرار دیا؟" وہ چڑ کر بولی۔

"...اپنے کیلئے کوئی تیار ہو تو اس علامت کا مطلب بھی کر سکتا ہوں"۔ اس کی شریر مسکراہٹ دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"...تم جیسا علامت کو بھی پڑھ سکتا ہے۔ تمہاری فلسفت میں لکھا ہے"۔ وہ چڑ کر بولی

"...بابا صاحب میں علیحدہ کیفیت کے آثار دیکھ کر ہی کچھ کہتے ہیں۔ کوئی پیاسا؟"

...اس کی مسکراہٹ بڑھتی تھی۔ وہ بائیں ہتھیلی اس کمرے کی سمت بڑھتی جہاں بابا صاحب کا قیام تھا۔

...بابا صاحب کی آنکھیں سے چور تھا۔ پہلے میں بیٹھے ہوئے کمرے سے اس کے اندر بابا صاحب کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ بابا صاحب کی تپش سے گھبرا کر وہ گیا تھا۔

سیدھا آگر پر بیٹھا وہ بابا صاحب کی تھی۔ سر جھکائے وہ بابا صاحب کی آنکھوں سے گرم تپش بھرا سیل رواں بہہ چکا تھا۔ اس نے دادا رب سے سفید داڑھی بابا صاحب کا ہاتھ چومتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر وہ بھی اٹھ کر روشی کی طرح ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"...آؤ روشی۔ وہاں کیوں کھڑی ہو؟ میں تم سے بھی پوچھ لوں گا"۔ وہ مسکرائے۔

"...ایسے ہی کہہ رہی ہیں۔ محبت اعتبار بھی نہیں کیا اور سیر کرنے چلی گئیں"۔ روشی نے شکوہ کیا۔

"...بھلی یہاں تو تمہارے بابا صاحب کے پوتے ہم بیٹھے ہیں"۔ وہ بھرے سے لہجے میں بولا۔ "...واہ بھئی"۔

روشی فوراً ہی بابا کے قریب بیٹھ گئی۔

"...کیا کہی تھے۔ وہ کہیں لے گئے آپ کو؟"

"...بابا صاحب نے تو آپ کو بلایا تھا مگر انہوں نے کوئی دلچسپی ہی ظاہر نہیں کی۔ پھر میں نے سوچا کہ میں ہی ان کی خدمت کروں گی۔ بھائی صاحب کے ساتھ تو بہت اچھا وقت گزرا۔ بہت دنوں بعد ایسا وقت آیا ہے۔ انہوں نے بہت اچھا کھانا بھی کھلایا ہے۔ تمہارے بابا صاحب نے ہمارے لئے خوب آباد کے کاروبار کی سیر کا پروگرام ترتیب دیا ہے اور تمہیں بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دی ہے میں سوچ رہی ہوں بھائی صاحب کو بھی لے چلیں۔

"...ہم تینوں؟" روشی کی حیرانی حائل رہی تھی۔

"...ہاں تینوں۔ بھائی صاحب بھی رہیں گے"۔ انہوں نے بابا کی طرف دیکھا۔

"...بابا؟"

"...ہاں اور کون؟ ان کے ساتھ بیٹھے ہیں رہنے کو گھر ہے"۔

"...بابا مان گئے؟" وہ حیران ہوئی۔

"...منانے کی بات؟ انہیں تو کوئی اعتراض نہیں"۔

"...کمال ہے۔ میں تو جب بھی ان کے ساتھ چلنے کو کہتی تھی تو ٹال دیتے تھے۔ کیا کرو گی۔ بور ہو گی وغیرہ وغیرہ"۔

اس کی حیرانی میں کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی تھی۔

"...ہو سکتا ہے یہ مکان ہو۔ جب ہی تو کہہ رہی ہو وہ ہمارے ساتھ کبھی نہیں گئے۔ کیوں؟"

"...وہ کیسے جا سکتے"۔ اس نے منہ بنایا۔

"...کیوں؟" بابا نے حیرانی سے پوچھا۔

"پاپا صاحب کا کس سے جھگڑا نہیں"۔

"سب گزارے ہو جاتے ہیں۔ مگر میں اس کے بغیر کا تصور نہیں کر سکتی"۔

روشی کو جیسے جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک دم ماہین کی سمت دیکھنے لگی۔

"ایسا تو قابل نہ کریں وہ"۔ وہ گاڑی سے ناک چڑھا کر بولی۔

"اسے نہیں۔ بڑا کانفیڈنس ہے۔ لائق بھی بہت ہے"۔

"یہ تو بڑی جلدی گھوڑے سے جھاڑ لیا ہے"۔ اس نے بڑا سا تبصرہ کیا۔

"لگتا ہے پاپا صاحب کو خاص ملازم ہے۔ کیوں"

"وہ ملازم تو نہیں ہے"۔ روشی نے غور سے کہا۔

"کزن ہے؟"

"نہیں"۔

"پھر کیا ہے؟" ماہین کا تجسس بھرا لہجہ لطف دیتا تھا۔

"پتا نہیں۔ بس اچھا خاصا احمق ہے۔ آپ ہاتھ لینے جا رہی ہیں" ماں نے فوراً موضوع بدل دیا۔

"ہاں"۔

"پھر جائے گی؟"

"نہیں۔ ذرا آرام کروں گی۔ یہاں کسی کو اعتراض تو نہیں ہوگا۔ وقت آرام کرنے پر"

"کیوں؟ آپ مہمان ہیں۔ میں آپ کے موڈ کا خیال کرنا چاہیے"۔

"آپ کے موٹ کا پوائنٹ بہت پیارا ہے۔ کراچی سے لیا ہے"۔ اس نے پھر ہلکی بدلی۔

"نہیں۔ یہ کنڑائیں ہی بایا تھا لاسٹ ایئر۔ نہیں اچھا گا۔ تم پکن لو۔ ویسے میں تمہارے لئے کئی سوٹ پیس لائی ہوں۔ اللہ کرے تمہیں پسند آ جائیں"۔

ارے نہیں پلیز آپ پہلے۔ کوئی چیز اچھی لگنے کا مطلب لینا تو نہیں ہوتا"۔ وہ جھینپ گئی۔

"یہ سوٹ پیس پسند آئے گی بات۔ میری خالہ نے بہت محبت سے یہ پسند کئے ہوں گے وہ"۔

"سوٹ پیس"۔ ماہین کو اس پر بے ساختہ پیار آ گیا۔ اس نے روشی کے رخسار پر پیار کیا۔

"اچھا آپ آرام کیجئے۔ تھوڑی دیر بعد ملیں گے"۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اور وہاں سے کچن کا رخ کیا۔

"مامی۔ ہماری خالہ کیلئے آج کون سی خاص ڈش بنا رہی ہیں؟" اس نے دو ملازم عورتوں کے ساتھ مامی کی مصروفیت دیکھ کر سوال کیا تھا۔

"آپ یہاں کیسے بی بی آ جائے گی؟" مامی نے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں جائے تو میں خالہ کے ساتھ رہوں گی۔ آج تصویر بنانے کا موڈ نہیں تھا تو سوچا کہ میں بی بی کو کمپنی دے لوں"

"اس کا مطلب ہے کھانا ہم سے کھائے گا"۔ مامی نے [illegible]

"وہ تو کھانا ہی کھائے گی۔ آج کیا بنا رہی ہیں مامی"۔

"بی بی کھانا تو خاص ہے۔ بیل کھانا تو ضروری ہے۔ مگر میں سوچ رہی تھی کہ [illegible]

"ہائے اللہ۔ بی بی نے تو کبھی بھی نہیں کھایا"۔ مامی کی پریشانی بڑھ گئی۔

"میں خود۔ ایک دن بی بی کی طبیعت کی وجہ سے ہم باپ اور بیٹی کی سوپ بنا رہی تھی"۔

"تو آپ نے بی بی کھائی؟" مامی نے پوچھا۔

"بھلی سی چاول دھار خاصا کھا لیتی ہے مجھے بالکل اسی دلچسپی تھی"۔

اس نے کن انکھیوں سے روشی کی طرف دیکھ کر بھانپ لیا کہ بڑی بے زاری سے کہا۔ روشی خود پر کیا سیاہی۔ سب بھی کر کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ مگر ماں کی سمت سے دل توڑنے کا ایک عمل ازالہ ہے بھی رہی۔ وہ اس کے ساتھ لگ گیا۔

"مامی کوئی گوشت کا ایسا آئٹم ہو تو بنا"۔

"کوفتے ہیں قیمہ مٹر بنایا تھا دوپہر کو"۔

"وہ بھی۔ کھانے سے پہلے ہی مزا آ گیا۔ ویسے ماہین بی بی نے خود تو پوچھ لیا ہے"۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"وہ نہیں کھائیں گی۔ صرف پیتے ہیں گی۔ تم اپنے اخلاق آزمانے کیلئے اور کچھ"۔ وہ قدرے تیکھے انداز میں کہتی ہوئی۔

مامی اس کے انداز پر قدرے الجھ کر بولیں۔

"میں نہ ہوں تو دوسری بات۔ مگر میری موجودگی میں اس قدر [illegible] کھانے کی کیا ضرورت ہے"۔ اس کے انداز میں تلخی تھی۔

"پتا نہیں کیا کیا ڈرامے کرتے ہیں جو خانساماں اس قدر تعریفوں کے پل باندھ رہی ہیں"۔ وہ بڑبڑائی۔

"مت اتنا تعریف کریں۔ ورنہ وہ [illegible] ہو جائیں گی"۔ مامی کے لب مسکراہٹ سے محظوظ ہو رہے تھے۔

"مجھے کیا ضرورت ہے کہ جلنے کی۔ ہونہہ۔ تم اسے [illegible] ہو کر تمہاری ہو جائے گی"۔ اس نے غصے سے کہا۔

مامی مسکرا دیں۔

"مگر تم مسکرا کیوں رہی ہو"۔ اس کی نظر بھی مسکرا رہی تھی اور ہونٹ بھی۔

"اور سنو"۔ وہ محظوظ انداز میں بولی۔

"کیا؟"

"ماہین بی بی جائے گی۔ کراہ بیٹ ہو گیا ہے خالہ کے [illegible] کرنے کی [illegible]

"کیا؟ مگر آپ کے دماغ سے تو اتر جائے گا ناں؟" اس نے آنکھیں پھیلا کر حیرت سے مامی کی سمت دیکھا۔ مامی کے لب اس کے سامنے کھل رہے تھے۔

www.paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"اس کے بڑے بیٹے نے اسے مخاطب کیا۔

"گیا ہے۔ اب کیا رات کو بھی پیسے چاہئیں؟" اب تو اسے بات بات پر جھلاہٹ ہونے لگی تھی۔

"باہر ایک آدمی آیا ہے۔ کہتے ہیں تمہیں بلا رہا ہے۔"

"کون آ گیا ہے بھائی؟" دوسرا بیٹا ایک طرف بیٹھا کرکٹ بال میں پنسل اڑسے لگا۔

"کہتا ہے۔ ہمارے دادا کے بھتیجے ہیں۔ ابا دادا کے اور بھی تو بھتیجے ہوتے ہیں؟"

"چل ہٹ ادھر سے۔ الو کا پٹھا۔" وہ جھلا کر کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ جاتے جاتے رکشہ میں عارف کو بیٹھا دیکھ کر چونک گیا۔

"خیر تو ہے بھائی؟"

"خیر ہے۔ تم فٹافٹ رکشے میں بیٹھ جاؤ۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی سگریٹ کی راکھ جھاڑی۔

"ابھی تو آیا ہوں۔ اب کہاں جانا ہے؟"

"آنسو اور خون کی ضرورت پڑ گئی ہے۔"

"مگر اب امت نہیں ہے بھائی۔" اس نے معذرت کی۔

"ایسی آسانی روز نہیں بھتی۔ تیری تو قسمت اچھی ہے۔ خون تو خواہ مخواہ بہتا رہتا ہے۔"

"یقین کرو بھائی زبردستی نہیں ہو رہی۔" اس نے لاچارگی سے کہا۔

ہالے نے یہ تلخی تحسس میں پڑنے کی اوٹ سے بھانپا تھا کہ ابا سے کون ملنے آیا ہے؟

سعید نے ایک دم پریشان ہو کر دیکھا تھا۔ بھتیجے ان کو تنگ کر رہا ہو۔

ہالہ فوراً باہر نکل گئی۔

ابا نے دیکھ لیا ہوگا تو بہت بگڑیں گے۔ اس کا ذہن خدشے سے بھر گیا تھا۔

"بے وقوفی مت کرو۔ یہاں کیوں آئی تم نے؟" اس نے گھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"ایک نیکی ہے ہماری۔ اللہ دے گا۔" اس نے اب بھی اسی بے نیازانہ لہجے میں جواب دیا۔

"مگر تو رہا ہے اللہ دے۔ ارے بھائی تجھے کچھ نہیں تو کتنا بڑا نقصان کر رہا ہے اپنا۔ ہم روزی میں آیا ہوں تیری۔ اس لال سلور کو روزی کی آسانی ہو گئی تو تیرا بھی بھلا ہو جائے گا۔ آگے کی فکر کر۔ مال بنا۔ خون بھی بن جائے گا۔"

"ابھی تو میں نے کھانا بھی نہیں کھایا پیٹ بھر کر۔" اس نے تھکے ہوئے اعصاب کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"عارف یار۔ مجھے چکر آنے لگے ہیں۔ کل پوری رات جاگی تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ہے۔ کہ ہاتھ کرتے ہو گیا ہوں۔ فارغ کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ خون روز تو نہیں دیا جا سکتا ہے روز تو روز ہے۔"

"جب تیرا تو کہہ رہا ہوں۔ آج ہی تو بہت سا خون بیچا ہے۔ ابھی اور کتنا دے گا۔ ہم سے کھایا پیا نہیں جاتا ہے۔ ہم پریشان ہے۔ اگر وقت ہاری تھی میں ہے۔ ارے تو بھی ہے کیا ہے۔ چل ہٹ شاباش۔"

"اچھا میں اپنا گھر والی کو بتا آؤں۔"

"ہاں ہاں۔ جلدی کر۔ اس کی نظر پڑنے سے پہلے۔" عارف نے تنبیہ کی۔

ہالہ نے اسے کہا کہ وہ کھانے کی تیاری کرے اور اپنے ساتھ لے آئے۔

وہ ماں کو ساتھ لے کر آیا تو ہالہ کی ساس کچن میں مگن تھی۔ خود ہالہ کے ساتھ چل پڑی۔ ہالہ نے اسے بتایا تھا کہ اس کے سب گھر والوں کے ساتھ ہو گا۔ بہت تجسس اور اشتیاق کے ساتھ اس نے ہال میں قدم رکھا تھا۔

اور جیسے کسی دعوت کا منظر تھا۔ اچھی اچھی صورتوں والے لڑکے، لڑکیاں آپس میں گپیں لڑا رہے تھے۔ سارے مرد اور عورتیں۔ الگ الگ بیٹھے تھے۔ ہالہ کی ساس کو دیکھ کر ساری عورتیں کھڑی ہو گئیں۔ ان میں ہالہ کی امی (عالیہ بیگم) کو بھی اس نے پہچان لیا تھا۔

اس نے اندر داخل ہو کر سلام کیا۔

سب کے جواب میں سلام کے ساتھ ساتھ کئی سرگوشیاں بھی ابھری تھیں۔

"آؤ بچا! ادھر میرے پاس۔" ہالہ کی امی نے اپنے پاس جگہ بنائی۔

"کوئی کمی تو نہیں ہے؟" انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔

"آرام ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے۔" ہالہ نے کہا۔

"میرے بھائی زرداری تھے۔ انہوں نے دائیں طرف بیٹھی ایک سوٹڈ بوٹڈ سی بھدی خاتون کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ وشی کی سب سے بڑی پھوپھی ہیں۔ سب سے ان سے چھوٹی ہیں تین اور یہ منجھلی پھوپھی جہاں آرا ہیں۔" انہوں نے بائیں طرف بیٹھی خواتین کی طرف اشارہ کیا۔ "سب سے چھوٹی پھوپھی یہ ہیں اور یہ میری چھوٹی بھاوج ہیں۔ ان سے بڑی بھاوج سائرہ ہیں۔"

ابھی تعارف آدھا بھی نہیں ہوا تھا کہ وشی پکار کر رو پڑی تھی۔

"ہم سب ساتھ رہتے ہیں۔ میری بھاوجیں بھی کیا کہ وہ صاحب زادے بنتی پھرتی ہیں اور ادھر یہ میری دیورانی ہیں۔ روفی کی چچی۔ بصیر چچا کی بیگم اور آخر گھر کے بڑوں کا تعارف تو عثمان نے کرا دیا ہے۔ اب لڑکے اپنا اپنا تعارف کراؤ۔" وہ ہنسی تھیں۔

سب اپنی اپنی باری کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا نام بتانے لگیں۔

ہالہ کے حصے میں عثمان "بیٹر" ہو گیا۔

www.paksociety.com

"میرے دل میں کوئی بات نہیں ہے۔ اس لیے تمہیں اپنے پروگرام میں دخل نہیں کرنے دوں گا۔"

"دیکھ لیں گے۔ ابھی سے کیا بات۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"ہم بھولتے نہیں بھولتے۔" وہ بڑے ناز و ادا سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا۔" اس نے فوراً علیحدگی سے ہوتے ہوئے ہاتھ کو لب سے لگا لیا۔

"جی خان؟" وہ بڑی شفقت سے مسکرا کر متوجہ ہوئی۔

"اندر ایک غزل چرچا مار رہی ہے کہیں پسلیاں توڑ کر باہر نہ آجائے۔ بچا سکو تو بچا لو۔"

"جی!" مائی ہنسنے لگی۔

دیکھو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

وہ گنگنایا۔

"میری ہانڈی سے تو بھڑکیں اٹھ سکتا۔ اس لئے کہ بجلی آج کل پک رہی ہے۔" وہ مسکرائی۔

اس نے کھا جانے والی نظروں سے باری کی سمت دیکھا تھا جو بڑی معصومیت سے دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔

بعض اوقات بہاری دعا مانگی جائے تو آشیانے کو جگہ نہیں رہتی۔

بارش کی دعا مانگو تو وہ اس قدر نازل ہوتا ہے کہ چھت بیچنے لگتی ہے۔

اس کی خوشحالی کا بھی ایسا ہی مزاج تھا۔

وہ اپنے دوستوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو در و دیوار سے خوشی و طمانیت کی مہک آئی۔

آج اس کا عرصے سے پیارا بچپن کے ہم عمر بچوں کے ساتھ ہاؤسنگ میں مگن تھا۔ اس نے ایک لاڈلے باپ کی سند دوڑائی پھر اپنی پروائی سے سائیکل کھڑے بیٹے کی ہاکی میں ہاکی پھنسا کر گرا دیا۔ بچوں نے سرمستی میں نعرے لگائے اور گھر سر پر اٹھا لیا۔

"ہم لوگوں کو چپ ہو جاؤ۔ چلو رات ہو رہی ہے۔ اپنے اپنے گھر جاؤ۔" وہ سب مل ایک طرف ہٹے۔ دیکھیں، ابا آپ کتنا ہوا آیا ہے۔"

اس کی بیوی کی نظر اوپر پڑی۔ دم بخود سی رہ گئی۔ بچے اس کے جواب دیکھ کر ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔

"چلو تم منہ ہاتھ دھو لو۔ میں چائے بنا کر لیے آتا ہوں۔"

وہ بچوں کے ہمراہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

اس کی بیوی بھی لوٹنا کمود کرنے لگی کہ وہ جادو بات کہا ہے؟

وہ گھومتے ہوئے سر پر سے دوپٹہ اتار کر بالوں کو جھٹکتا ہوا باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"تمہاری محبت کو دیکھ کر میرا دل بھر آتا ہے۔ کبھی اکیلے کو دیکھا ہے۔ مجھے جانے کیا کیا فکر لاحق ہے۔" اس نے آنکھیں بھری نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا تھا۔

"رکھ دیں گے اکیلا بھی۔" وہ کپڑے بدلنے باتھ روم میں گھس گیا۔

"لے، یہ کھانے۔ وہ بڑا ہے۔" اس نے قسمت کی طرف دیکھا۔

"وہ بڑا!" اس کی آنکھیں چھلک سے گئیں۔

"ایسا کیا ہے؟"

"نہیں۔۔۔ عمر ہی ہے۔"

"جی عمر ہی؟ کیا حکومت نے عمر کی بڑھوتری بڑھا دی ہے۔" وہ خوشی کی جائے حیرت میں ڈوب گئی۔

"ہم حکومت کے نوکر تھوڑا ہی ہیں۔" وہ بڑے مزے دار انداز میں کہہ رہا تھا۔

"سیانا ہو گیا ہے؟" وہ بچوں کی طرح مگن تھی۔

"مجھے نہیں پتا نہیں تو اپنی سے پوچھ لے۔ اپنی بات نہ کر میرا سر کھا رہا ہے۔"

وہ آنکھیں بھرے بیٹھی رہ گئی۔

"میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ مجھے کیا فکر نہیں آدھا کر تم پہلے سے کتنی زیادہ محنت کرتے ہو۔ بڑوں کے پیار لگے گے ہیں۔ روٹی کھا لو۔ میں تمہارا سر دبا دوں گی۔ اور دیکھو اپنا خیال رکھا کرو۔ میرے سر میں خاک۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو یہاں کون بیٹھا ہے ابا۔"

بالوں کو تولیے سے رگڑتے ہوئے باتھ روم سے نکلا تو اپنے کے لیے کھانے لگا رہا تھا۔

"اگر تم کھوٹ نہ نکالیں اماں۔ بالوں میں سفیدی کا کام بڑا لیں گے تو تمہیں اتنی محنت نہیں کرنا پڑے گی۔"

"پہلے فرصت ہو تو سہی۔ ہاتھ کو کچھ کام ملے۔ بہت فارغ کر دیے ہیں لوگ۔ اسی طرح فارغ ہوتے رہے تو نیا کھانے کہاں سے لائے گی۔ انسان کی تھوڑی بہت عزت ہوتا ہے کام آسان ہو جاتے ہیں۔" اس نے بڑی تحمل سے بیوی کو سمجھایا۔

بات عورت کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کر تو تم ٹھیک رہے ہو۔ عورتی ماں نے نئی بات تو نے کہی ہے تب سے وہ ہماری کھوج میں پڑی ہے۔ نئی کپڑے کو جوڑا بھیجا ہے۔"

"کسی کو ہم سے مطلب۔ کون میل جول رکھتی ہو اس کی عورتوں سے۔ یہ لوگ ہی ہیں جو مردوں کو کام کمائی کی طرف دھکیلتی ہیں۔"

"میں لب جاتی ہوں۔ کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا۔ تو کہاں جا رہا ہے؟" وہ بڑی سے بولی۔ اپنے اس کی ترقی کے جواب میں وہ بھی ہنس رہی تھی۔ عورت کا مزاج اور ہوتا ہے۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

کی بیوی بچے سوئٹزرلینڈ میں رہتے ہیں۔ ایک اور بھائی بیرسٹر ہے۔ اس کا کیس بڑا مشہور ہے۔ آج کل کی مصروف ترین شخصیت ہے۔ ہر وقت مصروف رہتا ہے"۔

"ہائے خدا مجھے آپ پر ترس آ رہا ہے"۔ وہ افسوس کرتے ہوئے بولی۔ میں مسکرا دی۔ مایئن مسکرا دی۔

"کیا اس میں ترس آنے کی کوئی بات ہے؟ آخر وہ کیریئر والوں کا ہوتا ہے"۔ سارا رحمانی بولیں۔ وہ اور ہوتی کی ماں بے تاسف سا کراہ کر رہ گئیں۔

"ہیرو تو آپ لوگوں میں گھل مل گئی تھیں۔ سچا تاثر ہے بھئی"۔ مایئن نے آنٹی دونوں میں پہلی بات کی۔

"کون؟ بیٹھ رحمانی نے ہوتی امی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہاں ہیرو کی بات کر رہی ہے"۔

"ہوں۔ حاضرین میں سے بہت ساروں" اوہ" کی آوازیں بلند ہوئیں۔

"اچھا بھئی چلو۔ کھانا شروع کرو"۔ ہوتی امی نے سب کو کھانے کی طرف متوجہ کر دیا۔

وہ سب کی سب بے حد بھوکی ہوئی تھیں یکمشت ہاتھ چلنے لگے۔ ہیں جیسے ٹوٹ پڑیں۔

"آپ پڑھتی ہیں؟" اوری سے سوال کیا۔

"جی۔ ایم کر رہی ہوں"۔

"پھر تو ہمارے پاس آ جائیے گا۔ دیوانی مقدمات کی ایک بڑی فرم کا مالک ہے۔ آپ کو کام پر لگا دیں گے"۔ وہ مسکرائی۔

"ہمارے پاس کیا کچھ ہے۔ ہر شعبہ ہے۔ وکیل بھی گھر کا ہو جائے گا۔ ہمارے ہاں لڑکا لڑکے ہیں مگر کوئی بھی وکالت کی طرف نہیں گیا۔ کچھ بزنس کر رہے ہیں۔ کچھ میڈیکل میں ہیں۔ ایک دو کا رجحان جوڈیشل سروس کی طرف ہے"۔ کچھ بولیں۔

"تو کیا ان کے ساتھ ان کے میاں کو بھی بھیج دیں گی"۔ ہوتی نے پوچھا۔

"میاں؟ کیا شادی شدہ ہیں؟" چونک کر بہت آہستہ آواز میں بولیں۔

"ہیں کبھی تو ہوں گی ہی۔ مناسب ہے بھئی"۔ سارا رحمانی نے اپنی حد تک کچھ کے مطابق بات کی۔

محفل میں ایک اچھا خاصا وقفہ پھیل گیا۔ مایئن کو بیٹیوں کی ممکنہ بہت بہت محسوس ہونے لگی۔

"تو تھا تو ہے۔ ابھی بھی؟" ہوتی امی نے فوراً موضوع بدل دیا۔ اس کی نظر ان پر پڑی تو وہ لڑکیوں کو اشارے کرنے لگیں۔ کچھ کی ساری والدہ تو اب ہوگی تھی۔ لڑکیوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"کچھ لیں جاوید بھائی؟ کہتے"۔ وہ جیسے ان کی بے چینی بھانپ گئی۔

"ہاں۔ عشق کب؟ کیسے ہوا؟" انہوں نے بھی موضوع بدل دیا تھا۔

"ابھی تو کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لڑکوں کا کیا ہے۔ ہاں نے پانی کا گلاس اٹھا لیا۔

"ہیرو بھائی مجھے آپ کے ساتھ ہی سوٹ کرتی ہے"۔ وہ کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ہوتی نے کہا۔

"کہاں ہیرو کہاں میں۔ زمین آسمان کا فرق ہے۔ کیسے کسی کے ہیرو کی جگہ لے سکتی ہوں"۔

"ہیرو نہیں ہیروئن ہوں گی۔ ہیرو کی ہیروئن"۔ مایئن نے ہوتی کی آنکھ کی۔

"ہاں ہاں صاحب بہت ہو گئے"۔

"لیجئے میں نے کیا کہا ہے۔ بے تکی ہانکنے والے ہیرو ہوتے ہیں"۔ مایئن مجھ ان ہوئی۔

"اس ہیرو صاحب کے آپ کچھ اصول وصول بھی ہیں۔ ان کی وجہ سے آج کل کی کیا بات ہوتی"۔ ہوتی امی کے لہجے میں تصنع تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہماری ڈانٹ کھا لیں گے"۔ وہ ہیرو والی سے بولی۔

"لاؤ۔ وہ ہیرو کے ہوتے ہوئے تھے۔ سمجھے؟" ہوتی امی نے ہاتھ کو تھاپ کیا۔

"جی۔ پتا کرتی ہوں"۔ وہ ہنسنے لگی۔

مایئن کے ہونٹوں سے گلاس لگا تھا۔ یہ کہی اس کی نظر ہیرو صاحب کی طرف تھی۔ وہ ٹھٹک سی گئی۔ وہ قطعاً بے نظر ان سے ہوتی کو دیکھ رہی تھیں۔

www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک سنسناہٹ سی ماہین کے وجود میں دوڑنے لگی۔ اس نے ڈرائنگ کی نظریں پلٹ پر مرکوز کر دیں۔ جہاں ابو کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

روشی کے وجود پر ایک مکمل خاموشی طاری ہو چکی تھی۔

اللہ کس قدر مختلف ہے یہاں۔ ابو کی محبت بھری آواز ماہین کے لیے "آمروں" کے زیر سایہ کس طرح زندگی گزار رہی ہے۔ وہ بھائی اور بھاوج کو اس کا خیال رکھنے پر پیسے بھیجتے رہتے ہیں۔ مگر انہوں نے اپنی کفالت کی ذمہ داری کبھی اٹھائی ہی نہیں۔ اگر اسے ساتھ لے جانا بھی چاہتے تو یہ لوگ کبھی بھی نہ لے جانے دیتے۔

کاش اس کی بیٹھی کہیں جاب لگ جائے اور جلدی اور جا سکے تاکہ اس زندان سے چھٹکارا ملے۔ اسے تو پتا بھی نہیں تھا کہ ابو کی کوئی بہن بھی ہے۔ ابو کبھی خوشی اور کبھی غمی میں بھی نہیں جاتے تھے۔ ان کی بہن کس حال میں ہے؟ کیسی ہے؟ کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

ٹھیک ہے۔ ہمارا سب ہی اس طرح کرتے ہیں۔ مگر ان سب کی آنکھوں میں چھپے ہوئے ان کہے تاثرات ماہین کے دل کو دکھی کر دیتے تھے۔ یہ بے ماں کی بچی ہے۔ ہمارا بھی ایک فرض بنتا ہے۔ ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ان کے لیے ماہین اور اس کے کہے ہوئے

ہے۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔ بھوکا۔

"آپ سب کچھ نہیں سوچیں گی تو پریشانی کا دورہ پڑے گا۔ ان کاموں کے لیے" جملے نے سنتے ہوئے اس کا چہرہ بھیگ گیا۔ وہ بھی تو ان کاموں کے لیے ہی تھی۔

ہم لوگ جس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ ہم لوگ اس طرح کی الجھی ہوئی سوچوں کو نہیں پالتے۔ ہمارے والدین بہت سلجھی ہوئی فطرت کے حامل رہے ہیں۔ ایسی سوچ کو پنپنے ہی نہیں دیتے تھے۔ ہمارا ماحول بھی ایسا نہیں تھا۔ یہاں کا ماحول بہت مختلف ہے۔ یہاں کی سوچ بہت مختلف ہے۔ یہاں کی فطرت میں محبت، نفرت میں محبت۔ اس طرح کے الجھے ہوئے ماحول کو اپنانا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ ہی ایسے ماحول میں پروان چڑھتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ واضح ہوتے ہیں۔ کنفیوژ نہیں ہوتے تو ان طرح کے ماحول میں پروان پانے کے بعد کنفیوژن ہونے کی وجہ سے الجھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہمارے آس پاس رہنے والے ہماری پاکستانی سوچ سے اس لیے محبت کرتے ہیں کہ ہمارے ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔"

روشی۔

جملے کی سائنس ٹیچر کھوئی ہوئی سی ہوتے ہوئے حسب معمول انداز میں مسکرا کر دیکھا۔

"یہ تو خیر سب کچھ سمجھ داری کی بات ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں تمہارے پاپا بہت قابل اور اچھے انسان ہیں۔" روشی نے بھی حصہ لیا۔

ماہین کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی۔ اسے یکدم روشی اپنی بہنیں لگنے لگیں جو اس کے پاپا کی تعریف کر رہی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے روشی تیز طرار ہماری دادی جان کی پوتی آنی بھی ظاہر ہے ماہین آپی جیسی ہی ہوں گی۔" جملے نے جیسے روشی کی بات سے تائید چاہی۔

"ہاں گی۔" ریسٹ واچ دیکھتے جلدی سے کہا۔

"اللہ میاں کو بھی پتا نہیں کیا جلدی تھی اتنی پیاری بیٹی تمہاری ماں سے لے لی۔ ایک گھر (ماہین) کو ۲۲ سال کی عمر میں پیدائش سے پہلے سے گھاس رہا ہے اسے سمجھ نہ آیا۔" روشی نے آزردگی سے کہا۔

"ہوں۔ اوں۔ بڑی بات اس طرح نہیں کہتے۔" کھل کو ایک دم سے افسوس ہوا تھا۔ روشی کی مزاج کی آماد سے جملے کو بھی دکھ ہوا تھا۔

تبھی ماہین کی نظر روشی کی جھکی ہوئی آنکھ پر پڑی۔ اس کے ہاتھ میں نوالہ تھا۔ سر جھکا ہوا تھا اور آنسو بڑی خاموشی سے بہہ رہے تھے۔

ماہین نے اپنی پلیٹ سے نوالہ توڑنا شروع کیا تاکہ خاموش کرنے کا ارادہ کیا تو بڑی امی نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

"اس طرح سے ادھورا کھانا چھوڑ دو گے تو پھر مشکل سے پیدا ہو گی۔" ماہین نے دھیمی آواز میں کہا۔

"روشی۔ ہماری بات چیت اور ہنسی مذاق کی آواز سن کر ہمارے لیے دل میں بہت دکھ ہوا ہو گا۔ ہم لوگ اس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں۔ جس میں ہمارے لیے کوئی خوشی نہیں ہے۔ ہم لوگ اس طرح کی زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

پھر پھر اس کے قریب بیٹھی تھیں وہ بولنے اور کھانے لگیں۔

ماحول ایک دم بدل گیا تھا۔

ہر شخص اپنی جگہ یوں خاموش تھا جیسے اس صورتحال کا وہی ذمہ دار ہے۔ دادی جو بڑی چاہ اور طمطراق سے شروع ہوئی تھیں۔ پلیٹ میں نکالے ہوئے کھانے اور میٹھے کھانوں کی خوشبوؤں سے الگ لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ ایک دم ہی عصر کی اذان کی آواز سے ماحول گونج اٹھا۔ اگر دادی کی خوشبوؤں سے کھانے کی رغبت ہوئی تھی اور کھانا کر وہ سب نماز پڑھنے چلے گئے تو وہ یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دینے لگی کہ وہ اپنے گھر سے ہی کھانا کھا کر آئی ہے۔

نماز پڑھ کر اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ ہر سمت تاریکی اور سناٹا تھا۔ وہ یہ بھی کر کے واپس آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ دادی علی خان کے ہمراہ ہی چلی آئی اور اس کے صوفے پر دھنک دی۔

"ہوں"۔ ان کی آواز کے بجائے اگلی سی ہنکارا بھری جو گویا اجازت تھی۔ وہ آہستگی سے دوازہ کر کے اندر چلی آئی۔ اچھی خاصی تاریکی میں ہوا کا ایک دم تھا اور بے حد سناٹا تھا۔ باغ کی طرف کھلنے والے دریچے کے ساتھ ان کا بیڈ تھا اور بیڈ سے ذرا فاصلے پر ان کی وہیل چیئر تھی۔ وہ وہیں بیٹھی تھیں۔ کمرے میں لائٹ آف تھی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی کی وجہ سے ایک دھندلکا سا تھا۔ تاریکی نہیں تھی۔

وہ آگے نہیں بڑھی۔ وہ اسے کی طرف اپنی پشت کیے بیٹھی تھیں وہ کھنکاری۔

"کون ہے؟"

"جی نہیں۔ میں ہوں"۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے گویا ہوئی۔ وہ بہت آہستگی سے گھومے۔ "آپ اس وقت؟" ان کی آواز میں حکم اور لہجہ معمول کا تھا۔

"کیا کریں۔ یہاں تو ہر بات ہی بے وقت ہے۔ کوئی اچھا اور اچھی بات کرنا چاہے تو کیا کرے؟" اس نے بھی اسی جگہ کھڑے کھڑے الٹا سوال جڑ دیا۔

دادی علی خان اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ ہمیشہ اپنی جاب آنے والی ہے۔ وہ ہلکا سا ہنسیں مگر اپنی جگہ سے ہلی نہیں۔

وہ اصل سوٹ کیس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ کھٹ کھٹ کی آوازیں ابھریں۔ چوڑیاں طرف لگی فینسی لائٹس روشن ہو گئیں۔ کمرا ایک دم جگمگا اٹھا۔ وہ گویا روشنی میں نہا گئی۔ ٹیبل لیمپ تو بے پناہ اجالا بکھیر رہا تھا۔

"آئیے تکلف کیسا"۔ انہوں نے گھومتے ہی اگلی موو کی سمت اشارہ کیا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ وہ شاید حیران ہوں گے کہ وہ اتنی رات کو کیوں ان کے سامنے آئی۔ مگر وہ بالکل پرسکون اور نارمل تھے۔ ان کے مقابل خود ہی بیٹھ گئے تھے۔ وہ بھی سگریٹ ان کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا اور لمبی لمبی انگلیاں بھی ہولے ہولے ہل رہی تھیں۔ وہ بے پناہ خوبصورت تھے اور بارہا ایسی لگے ہی بات وہ وقت ملاقات بھی کہہ چکے تھے اور اب وہ اسے تاثر

بھی کچھ ہوں ہوں ہاں ہاں ہوتا تھا جیسے جس بات کو وہ سمجھ رہے ہوں۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"میں جو کچھ کہوں آپ ناٹ نو نہیں کریں گے؟" اس نے قدرے جھجک کر پوچھا۔

"آپ کہیے۔ میں کوشش کروں گا کہ ناٹ نو نہ کروں۔ اگر کروں بھی تو اس کی وجہ بتا دوں گا"۔ انہوں نے بے حد سنجیدہ باتوں میں بات کرنا سکھایا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ اس طرح تو مجھے اپنی بات کہنے کی ہمت نہ ہو گی"۔ اس نے بے بسی سے سر جھٹک کر کہا۔

"تو میں ناٹ نو نہ کرنے کا وعدہ بھی تو نہیں کر سکتا۔ یہ موسم جانے کیسے اس طرح کا وعدہ دلی کیفیت کی بات ہے"۔ وہ کچھ سوچ کر مسکرائے۔

"مگر سیاست دانوں کے جب آپ ایسا کہتے ہیں"۔ وہ ہنسی مسکرائی۔

"لیکن سیاست دان کا فیصلہ کن لمحہ کی بات یا موضوع کی نوعیت سے بالکل مختلف ہوتا ہے"۔

"اچھا"۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"آپ بات کیجیے۔ اور اس بات کی مت پڑیے کہ میں ناٹ کروں گا یا نہیں کروں گا۔ جو کچھ کہنا چاہتی ہیں کہہ ڈالیے۔ ہو سکتا ہے وقت آپ کو کوئی راہ سجھا دے"۔ اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ "مگر میں ناٹ نو نہ کرنے کا وعدہ کروں اور آپ کی بات مجھے ناپسند ہو۔ مناسب محسوس ہو اور میں عمل وعدے کی پابندی اٹھا دیتا ہوں تو کیا ایسی صورتحال کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"جب بات کہے بنا کوئی چارہ نہ ہو تو بات کہنے یا کرنے سے پہلے اپنے اور دوسرے پر اس کے اثرات پیدا کرتے ہیں اور ان کا سامنا کرنے کی ہمت بھی۔ فرمائیے۔ ارشاد"۔

"آپ دل بہلا کر کہتے ہیں۔ ویسے ہر چیز کی تعلیم یافتہ ہیں۔ آپ کو ذرا احساس نہیں کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو انقلاب فرانس سے قبل کے ماحول میں قید کیا ہوا ہے۔ آپ خود کو اس دور میں سرکل سمجھتی ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اپنے ہاتھوں کو ساتھ رکھتے"۔

"یہاں کیا ستم ہے"۔ انہوں نے رعایت سے شرمگیں کے ہی انداز میں کہا۔

"آپ بچوں کو کتابیں دے رہے ہیں"۔ اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اب وہ بچے تو نہیں رہے اور ان میں فرق ہوتا ہے"۔ ان کا انداز مسکراتا تھا۔

"اور اب آپ پوچھ لیتے ہیں کہ آپ کے بچوں پر تعلیم کیا اچھا اثر ہے۔ وہ بچوں کا کتنا اثر ہے۔ وہ بچوں کے ساتھ کس رویہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ بچے بیٹھ کر تو نہیں ہو رہے ہیں؟"

"ابھی کوئی کیٹیگیکل نہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ابھی اپنی آنکھیں کھولی ہیں۔ ابھی وہ صرف دیکھ رہے ہیں۔ وہ ابھی ایک کی سب ہیں اور ہوتی ہیں"۔ انہوں نے قابل ستائش انداز سے سگریٹ سلگایا۔

"مگر ایسے وہیل ایجوکیٹڈ اور ایک صوفی" وہ آل"۔ اس کے لہجہ کا خوف آپ سے ناراضگی ہو سکتا ہے۔ آپ کو الٹا بھی ہیں اور وہیل آف کی۔ اس وقت کو یاد کیجیے جب اس دور کی تصاویر بھی دیکھ لیجیے۔ آپ صرف ایک

تھے۔ اور آج خود پر نظر ڈالیے۔ بہت فرق محسوس کریں گے۔

"وہ اچھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں"۔ وہ دھیمی مسکان سے قبل سے بات کاٹی تھی۔

"مگر جو کچھ کتابوں اور لیکچرز سے سیکھتے ہیں۔ یہاں وہ دنیا کی کتاب پڑھنا ہے۔ ایک ایک حرف پھر لکھنے کے لیے بار بار کہہ کر اعادہ کرنا ہوتا ہے"۔ وہ طنزیہ انداز میں ہنس پڑی۔

پہلی مرتبہ یاور علی خان کی ویران سی کی عمومی کیفیت میں گہری ہو گئیں۔ "میں اچھا محسوس کروں گا اگر آپ وضاحت کر سکیں"۔ انہوں نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا تھا اور بغور سر بری ساس کی سمت دیکھا۔

"بڑی سادہ سی بات کہی تھی میں نے۔ یہاں اس ماحول میں ذاتی شعور اور جائز آزادی کے قائل ہونا مشکل کا سامنا ہے"۔

"یہاں کے لوگ میں اچھا ہے کیونکہ ابھی ان کا ذاتی شعور کا تحفظ نہیں"۔ ان کے سکون میں ذرا فرق نہ آیا۔

"کیا اس کی کوئی مخصوص تعریف یا پیمانہ ہوتا ہے"۔ اس نے برجستہ سوال کیا۔

"نہیں۔ مگر والدین اپنی اولاد کے تمام ادوار سے آگاہ ہوتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں"۔

"مگر والدین"۔ وہ اپنی نکتہ رسی پر بڑے افتخار سے مسکرائی۔

"ٹھیک ہے۔ مگر میں تو ہوں ہاں؟" لہجہ بے حد دلکش دکھائی دیا۔

"ماں تو بچے کی زندگی میں بڑی اہم ہوتی ہے۔ اس کی کے لیے بہتر کے بدلے بچوں کے ساتھ آپ نے کیا رول ادا کیا؟" یہ بے رحم سوال تھا۔

"اس بارے سے کوئی شکایت نہیں۔ انہیں معلوم ہے"۔

"کر دیکھیں' بالکل یہ گریڈ کے افسران ہوتے ہی پر تکلف ہیں۔ خواہ مخواہ ہیں۔ بڑے باضابطہ اور پروٹوکول سے بس ہوتے ہیں۔ بچوں کو بھول جانا چاہیے کہ ان کا کوئی باپ بھی ہے۔ بس اس بات پر خوش اور مست رہنا چاہیے کہ وہ بڑے افسر کی اولاد ہیں"۔ اس نے ایک اور جارحانہ حملہ کیا۔

وہ خاموش رہے۔

"کچھ کہیئے ناں۔ کیا سوچ رہے ہیں"۔ اسے ان کی خاموشی پر حیرانی ہوئی۔

انہوں نے بہت سا دھواں ناک دہن سے خارج کیا۔ چند لمحوں کیلئے اس بنگلے اور یاور علی خان کے درمیان دھواں کے مرغولے حائل رہے۔

غبار چھٹا تو اس نے دیکھا ان کی سرخ اور بوجھل نظریں اس کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"ایک بات پوچھوں؟ بتاؤ گے؟"

"آپ کہیں تو سہی مگر مجھے آپ کی تو صحت اور طرز گفتگو نے بہت متاثر کیا ہے"۔ وہ مسکرائی۔

"اور میں نے آپ کی سادگی سے ایک ایسی لڑکی کی جھلک دیکھی ہے جو اپنی ذات سے بیگانی ہو گئی ہے"۔ انہوں نے دائیں طرف جھک کر راکھ جھاڑی۔

"وہ... شیلو"۔ وہ پہلی مرتبہ مسکرائی تھی۔

"جی کہ آپ مجھے ناقابل فہم غرض خود میں مگن' اپنی ذات کے خول میں بند دیکھ رہے ہیں"۔ وہ اس کے نظریے سے وضاحت طلب کرنا چاہ رہی تھیں۔

انہوں نے اسی اطمینان سے پیشانی سے نکلے پسینے کی ایک بوند کو انگلی پر روکتے ہوئے توڑ دیا۔

"واقعی ہنگ سے رہ گئی۔ عقیدتاً جب انسان کسی پر تقلیدی انحصار کر رہا ہوتا ہے تو اس کے جذبات بے سے آزادی سے مطالبے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ مگر سنتے و سمجھتے' ماحول و انا کو مدنظر رکھتے ہوئے خود پر ہی کچھ پابندیاں عائد کر لیتا ہے جاتی ہیں۔ نئے ہم آہنگ کا انتظار کرتے کرتے بھی انسان چلا جاتا ہے کہ اس کی بات اس کی تڑپ کے ساتھ اپنے وقت تک پہنچے گی اس جذبے اس کے دل و دماغ کی دنیا میں تھکا چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اس طرح کی خاموشی کی جنگ ہارنا کامیاب انسان ہے۔

اگر مخاطب نے تقلیدی انحصار غرض سے برداشت کر لیا تو طبیعت خوش کر اظہار کیا۔

اور جو آسانیاں چرا لیں تو انہایت سادگی سے کہا۔ "انہیں جی۔ آپ غلط سمجھے۔ میرا مطلب نہیں یہ ہے"۔

اسے بھی اسی طرح کی معذرت کی توقع تھی۔ خاموشی کی جنگ میں بالآخر اس کا تعریفی لفظوں کا ہار تھا۔ اور وہ ان کی کوتاہیوں کی نشاندہی کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر اب جو انہوں نے خود پر لفظ استعمال کیے۔ انہیں سن کر وہ مبہم سی ہو گئی تھی۔

فیل ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ایک لمبے کیلئے بھی اس سے تعلق پر بھی سے مخاطب نہیں ہونے تھا کہ وہ اپنے تعلق کو جائز قرار دے سکتی یا ان کے رویے کی صورت میں وہ شک کا فائدہ حاصل کر لیتی کہ

"دیکھا لگا ناں بڑا۔ میں بولا ہے"۔ مگر ان کی مستقل حالت سکون اسے کچھ مضطرب کرنے لگی تھی کہ بہانہ اور انہیں غلط ثابت کر رہی اور

"اگر میں آپ کے پیارے بھائی کو کہیں سے ایک فون میسج کر دیتا تو بھی آپ کو اتنے سے شکایت ہوتی"۔ وہ اسے خاموش پا کر گویا ہوئے۔

"آپ کو تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ میں نے بچوں کو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر نہیں کیا ہے"

"آپ کا بہت بہت شکریہ"۔ وہ شریر انداز میں زور سے مسکرائی۔

"مگر میں یہ عرض کروں گی آپ ماں کی کی تو کیا چوری کرتے" آپ نے تو باپ کا رول بھی ٹھیک طرح سے ادا نہیں کیا ہے آپ نے شاید نوٹ نہیں کیا ہوگا جو چوٹیں سمجھتے ہیں میں نے نوٹ کر لیا ہے"۔

بالآخر وہ یاور علی خان کو پریشانی میں کامیاب ہو گئی۔ وہ سنجیدہ ہو کر بولے۔ "میں نے بچوں کو بہلانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی مسکراہٹ کی وجہ بننے کی کوشش کی ہے۔ ان کی کمی کو پورا کرن

www.Paksociety.com

"خدا خیر کرے۔ زیادہ دیر جلسہ یہاں آپ ہی کو یاد آتی ہیں"۔

"باری۔ آج میں خالہ سے دو جھوٹ بات کر آئی ہوں۔ سوچا اگر میں چلا گیا تو کہاں جائے گا"۔

"مگر میں آپ کے بدلے کام نہیں جا سکتا۔ مجھے شرم ہے"۔ وہ کتاب سے آنکھیں ہٹا کر ہنسا۔

"یہ کوئی بات ہی نہ کیا کرو"۔ وہ جھلائی۔

"اچھا! ابھی بات آدھی تھی۔ اور فرمائیے"۔

"پتا ہے کیا تم گھر میں شور ڈال دو۔ مجھے یہ بیگم والی بات سے"۔

"یعنی مجھے اب دھلنے، پٹی کا عہدہ بھی تفویض فرما رہی ہیں آپ؟"

"مت بولا کرو اتنی مشکل اردو۔ صبری دماغ میں اکثر چبھتے ہیں"۔ وہ جھلا گئی۔ "اس اتنا سا کام ہے کوئی بڑا کام نہیں ہے"۔

"آپ کے تو سارے کام ہی اتنے سے ہوتے ہیں۔ ہوں تو میں آپ کو زہر لگتا ہوں۔ مگر کام بڑھنے کی بجائے ایک آنکھوں کا تارا بن جاتا ہوں۔ ہر کام لگتے ہی آنکھیں پھیرتی ہیں کہ طوطے اچانک ہی تحریک شروع کرنے کا پروگرام بنانے لگے ہیں"۔

"نہیں تو پھر کیا سوچ رہے تھے۔ مجھ سے بھی زیادہ؟" وہ طنزیہ لہجے سے بولی۔ "باری کی باتی بات" منہ میں ہی رہ گئی تھی۔

"کیسے دیوانے کے خواب دکھا رہی ہیں آپ"۔ وہ کتاب بالکل چہرے کے قریب لے گیا۔

"باری۔ سمجھو ناں۔ یہ المیہ ہے کہ صرف بابا صاحب اور بی بی امی کا مسئلہ نہیں ہے۔ آج کل تو ہم بھی گھر پر ہیں۔ بس میرا دل نہیں چاہ رہا کالج جانے کو۔ باری پلیز"۔

"میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اصولی مدد کر سکتا ہوں"۔ اس کی بے پروائی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"بھاڑ میں جائے وہاں سے اصول پرست۔ اچھا اگر میں نے دال کر لی تو پھر تو کہو گے؟"

"اگر آنٹی صحیح سلامت گھر لوٹ گئیں تو؟" وہ ہنسا۔ "میں نے دال میں نمک کا کہہ کر مذاق اڑایا تھا"۔

"ویسے آپ کی مچھلی سے کاری جائے گی۔ آج تو میں آپ کی خالہ کو ضرور اطلاع کھانے لے جاؤں گا"۔

"تو پھر کیا ہوا۔ میں بھی چلوں گی"۔ وہ ہنسی۔

"نہیں بھئی۔ سارا اعتماد خراب ہو جائے گا میرا۔ وہ آگ سرخیل اور پٹی کی باتیں کرنے والی اور کہاں آپ کی ایک زبان کی آفت آسمان کی۔ یہ بیہودہ گفتگو کیا باتیں کرتی ہیں۔ واہ"۔

"واہ" "ہوئے تم دوست جس کے دشمن"۔ خالہ صبری ہیں۔ باتیں تم سنو گے"۔ وہ ہنسی میں تھی۔

"اگر آپ نہیں تو آپ کو" وہ چلا۔ "خواہ مخواہ" ماں نے سنا تو گی سے آواز دی۔

"دیکھا۔ مجھ سے بات کرنے"۔ وہ ہنسی آگے بڑھی۔

"اگر کبھی ایسی غلطی سرزد ہو گئی تو"۔ وہ سنجیدہ ہوا۔

"مر جاؤں گی تمہارا"۔ وہ مسکرائی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں تمام عمر کنوارا رہ کر آپ کی یاد میں آپ کی برسی شروع کر دوں گا"۔ "آدم خور ہونے سے پہلے" کہا جملوں میں ہے"۔

"بالکل تمہاری طرح پاگل"۔ وہ رک کر پیار سے بولی۔ "اری بات کو شکل کے ہو جاؤ اپنے ذہنی پاگل پن سے کہا تھا۔

ہال کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

وقت پر سونے کی وجہ سے وہ علی الصبح بیدار ہو گئی تھی۔ نماز پڑھی کیونکہ سورج طلوع ہونے والا تھا اس لئے پہلے فجر پھر صبح کے غسل کا اہتمام کیا۔

کلف لگے شلوار کاٹن کے کرتے کو استری کرتا شلوار اور پرانے سے دوپٹے میں ملبوس بھیگے سر کے اہتمام کا مصروف تھی۔ بال سوکھنے کی عادت کے باعث طرف کمروں کی طرف آ گئی تھی۔

لڑکیوں کی صبح کی بھاگ دوڑ اپنے عروج پر تھی۔ ٹی وی آن تھا۔ صبح کی نشریات سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"یہ ٹی وی کی آواز آہستہ کرو۔ فجر کا پڑھا اچھا ہوتا ہے"۔ ثمر نے جھلا کر وہاج کو مخاطب کیا تھا۔ وہ بچہ سے پیار بیٹھا تھا۔

"آپ کی فرمائش"۔ من رہا ہے۔ غدار کہیں کا"۔ ندیم نے جھنجلا کر کہا۔

"لو پڑھ لکھنے کی ترکیبیں نیکی ہے ہو عقل دشمن؟ تمہیں میں جا کر لڑو۔ جاؤ آہستہ کرو۔ ورنہ جیسے "ندیمت" پڑھا ہے"۔ اس نے جھلا کر ندیم کو دیکھا۔

"یار! تمہی سمجھ کیا ہے کہ جب۔ بڑ بڑاہ کیا کرو ہلکا کر دیا کرو"۔ بچے نے بھیا جھلاتے ہوئے ہاں میں ہاں ملا دی اور ٹھہر ہو گئے۔ جوان کا رد عمل استعمال کرتے ہوئے کلی یاد کا جا چکا تھا۔

"بھاڑ۔ بہ ہاں۔ کیا ضروری ہے کہ اس بار بھی مجرم میں ہی ہوں"۔ وہ بے بسی کی تصویر بن گیا۔

"تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا"۔ بچے نے بھیا پر یقین انداز میں کہا۔

"کیوں۔ کیا ان سب نے" "بتاؤں بچے"۔ "بتاؤ بھیا۔ ڈھیاں دیکھیں گے"۔

ندیم کی زبان پر بچہ کچھ بھی سمجھ نہ پا رہا تھا۔ اس کے بارے میں سب ہی کو پتا تھا۔ "بچہ کا دل ہے۔ بات سے شے ہو جاتا ہے"۔

وہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔ دھیرے سے۔ مگر امیر نے دیکھ لیا تھا۔ چار انچ قمیص کے پہلو میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔

"ٹھیرا آپ شیر آیا"۔ اس نے دوبارہ فعل نہ کرنے کا اعلان کیا۔

"آئے گا تو ہاں بھائی کے"۔ وہ اور بچہ پھر سے تالی زور سے "ٹھہر" گھور رہا تھا۔

"مگر اس کیلئے ماں کی موجودگی ضروری نہیں اور کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ بچہ اکثر خاندان میں "پلتا" ہوا ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ اس دنیا میں موجود تمام بچوں کی ماؤں کو کوئی اہمیت نہیں رکھنی کہ یہاں ماں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا"۔

"دنیا کی کوئی عورت میرے بچوں کی ماں نہیں بن سکتی۔ یہ میری محبت کی انتہا ہی تو ہے کہ میں نے اپنے بچوں کیلئے "دوسری بیوی" منتخب نہیں کی۔ اور معاف کیجئے گا۔ آپ کو میری اولاد سے کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو، مگر آپ مجھ سے زیادہ میرے بچوں سے محبت تو نہیں کر سکتیں"۔

"میں اس طرح کے اعتقاد سے کبھی نہیں گزروں گی۔ مگر یہ ضرور کہوں گی کہ اپنے بچوں کو دوسروں کی محبت کے بھروسے چھوڑ دینا بھی کوئی اچھی بات نہیں۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ محبت سے اپنے بچوں کو میسر نہیں ہیں۔ باپ دیکھے نہیں دیکھا کہ جواد اور آپ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ایک گھر میں ہوتے ہوئے بھی"۔

"ہم عام لوگ نہیں ہیں مایاں۔ اس لئے ہمارا انداز زندگی بھی عام نہیں ہے"۔

"آپ بہت خاص لوگ ہیں، یہ بھی بہت ہے مگر غم و پشیمانی کے ساتھ زندگی کا رابطہ کیا ہوتا ہے۔ آپ نہیں جانتے۔ محبت کرنے والے کھرانے کے افراد عام نہیں ہوتے ان کی سوچ بھی عام آدمی سے مختلف ہوتی ہے۔ جواد نے سوشل سٹیٹس کے بعد اب تک خود کو منوانے والوں میں پایا ہے۔ اس کے خون میں بھی یہی اثر ہے اور ماحول نے بھی اسے ایسا کر دیا ہے کہ وہ کیا ہے۔ وہ ایک المیہ ہو گا، ممکن ہے مگر خود کو مایاں نہ بدلنا بھی برا نہیں کر سکتا۔ وہ خوش ہے۔ آپ نہیں کریں"۔

"میں نہیں جانتی۔ یہ مجھے خوفزدہ کرتا ہے۔ خاص طور پر مجھے دیکھ کر جو خوشی سے تو بہت ہی اچھل رہی ہے" وہ اپنی بات پر نادم تھی۔

"اور آپ کیلئے اچھی اطلاع یہ ہے کہ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آپ میرے بچوں کیلئے اس قدر فکرمند ہیں۔ پریشان نہ ہوں"۔

"ایسا تو ہونا بھی نہیں چاہیے آپ کو۔ آپ نے سنا نہیں "ماں صرف ماں ہوتی ہے"۔ یہ اور بات ہے کہ میں بچے سے بچھڑا ہوا ہوں۔ مگر فطری رابطہ تو ہے ہی۔ اپنی بہن سے اس نے بچوں سے۔ اگر میں مستقل یہاں رہتی تو میں بھی تو ان کی ماں جیسی ہوتی"۔ وہ اسے اداسی سے کہہ رہی تھی۔

وہ ولی خان جیسا سخت مرد۔ وہ اپنے چھوٹی سی گڑیا جیسی معصوم اور نازک بچی کو گود میں اٹھائے ہوئے کیسا لگتا ہو گا۔ وہ ہر قسم کی تصویر اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ ٹانگوں تک کے لمبے بال، وہ اس طرح بکھرائے ہوئے تھے۔ کھلی پیشانی پر بکھی وہ چار تیتر بکھری سی تھیں۔ وہ بہت چھوٹے چھوٹے ہاتھ اس کی محبت شاید ری گڑیا جیسی ہو گی۔

"کہاں چلے گئے ہیں مایاں؟"۔ وہ بہت سنجیدہ اور اداس تھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔ میں نے کچھ نہیں پوچھا"۔

"کچھ نہیں سے بہت کچھ پتہ چل جاتا ہے۔ آپ نے کچھ تو پوچھا ہو گا"۔

"میں نے کچھ نہیں پوچھا۔ اس کے بعد اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔

"آپ کی فیشن ایبل۔

مطلب کی جاسکتا ہے۔

بے حد مخلص ہے۔

جس کی معمولی سے معمولی ادا بھی وہ ہمارا ہی سوچ رہی تھی۔

ان کی سوچ آنکھیں بے پایاں میں اس پر مرکوز تھیں۔ وہ کچھ اکر کھڑی ہو گئی۔

"کہیں تو بہت کچھ ہے مگر بتاتی نہیں آپ سے کچھ کروں گی"۔

"پکا پکا ہے"۔ "کیا کہا؟ آپ نے؟" ان کے لفظ ڈوبتے ڈوبتے ابھرے۔ بہت کھردرا اور اٹک اٹک کر نکلا تھا۔

"کچھ نہیں۔ میں نے کچھ نہیں کہا"۔ وہ جل کر بولی اور شب بخیر کہہ کر رکی نہیں وہ آگے۔

وہ ہلکی سی مسکراہٹ روکتی ہوئی اپنی ہی دھن میں بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ جواد نے شارٹ ویو پر کچھ کہا تھا۔ جانے کیوں اسے سامنے پا کر ایک بیتابی اور بے چینی کی صورت اسے پریشان کرنے لگی۔ یہ ہونے کے بجائے جاگتی ہوئی بھی ہو سکتی تھی۔

اسے اس طرح زینت کے اس پیارے سے خاندان کے گھر سے نہیں جانا چاہیے تھا۔ بھائی سارا شیر بابا کی بھی بڑی مشکل سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے بڑے سکون سے ہر شے کو بکھرا دیکھا۔

"یہ واقعی کوئی سوچی سمجھی سازش ہے۔ کہیں یہ تو نہیں، ہی؟

"یہ واقعی سوچی سمجھی ہے۔ یہ اسی طرح گھوڑے بیچ کر سوتی ہے۔ اب تو صبح ہی اٹھے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں ہوں نا"۔ ہاری کی دھیمی آواز اس کے کان میں آئی تھی۔

"ہاں گی۔ پھر لطیف سی ہو کر رہ گئی" "تم بھاگ رہے ہو اب تک"۔ "وہ دراصل میں۔ یاد آیا"۔

"آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" اس نے جیسے کسی ان کہی کو سنتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں"۔ وہ اس کی سمت دیکھے بغیر بولی تھی۔

"پھر تو شب بخیر"۔ وہ جیسے قدم بڑھاتا ہوا ایک مودبانہ سلام کر گیا۔

"ہاری!"

"واقعی اتنی سچ سچ"۔ وہ ہاری کے انداز کو نے میں بیٹھے کتاب لئے جیلانی کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اس کونے میں کسی کی موجودگی کا احساس نہیں تھا۔

"اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں"۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

www.Paksociety.com

جب وہ کھانے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو۔

"السلام علیکم!" اس نے باری باری سب کو سلام کیا۔

جو جہاں تھا وہیں جم گیا تھا۔ چھوٹے بھیا کو تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ان کے آدھے چہرے پر کریم کا بھدا سا ماسک لگا ہوا تھا۔

"فریش" بھیا بولے۔

جو کوروں پر تولیے ڈالے کھڑے تھے۔ انہوں نے تولیے بھی طریقے سے لپیٹ لیے۔

"معاف کیجئے گا۔ مجھے اس طرح کی صورتحال کا اندازہ نہیں تھا۔" وہ واقعی شرمندہ ہو گئی۔

"میں تو جوا کے پاس آئی تھی۔ نظر نہیں آرہا؟" اس نے طویل عریض ہال پر نظر دوڑائی۔

"وہ "حکیم سعید" بچے کی تیمارداری کر رہا ہے۔ وہ ٹھیک ہو کر آئے گا تو مل جائے گا۔" بھیا نے تحمل سے جواب دیا۔

"اوہ۔ مارننگ واک۔ گڈ۔" اسے بچے کی صحت متعلق عادت جان کر خوشی ہوئی۔

"کتنے بجے آیا ہے؟" اس نے نوید اس کا مخاطب کیا۔

"آٹھ ہوگا۔" وہ بات کے بدلے سلیقے سے جواب دیا۔

"آپ؟"

"خالہ ہوں جوا کی۔"

"خالہ!" وہ حیرت آمیز تاثر میں مبتلا ہوئیں۔

"کتنا کتابی لگتا جوا کے کہ اس کی خالہ آئی ہوئی ہیں۔" چھوٹے بھیا نے کہا۔

"مگر میں تو معلوم نہیں تھا۔ خیر۔" فریحہ نے شانے اچکائے۔

"ایک بات بتائیے۔ کیا ہم سب کو بھی خالہ ہی کہنا چاہیے۔" وہ اچانک بہت زیادہ متمدن ہو گیا۔

"ویسے یہ اس محترمہ کا سب سے حیا کش حادثہ ہے۔" منہاج نے اس کے سراپے پر نظر ڈالی۔ چھوٹے بھیا سے مخاطب ہو کر

رہ گئے۔

"طے عمل کر لیجئے۔ کہیں بھول گئے تو ہم سب کو بھی پھنسوا دیں گے۔ کل کو فنکشن میں پتا چلے گا۔ آدمی تھیں" ۔ وہ ہم ان

کے کان میں سنایا۔

وہ تینوں سے کہا کر اندر کی طرف بڑھ گئے۔

"آپ بہت اچھے لگے۔ جوا آپ کے بارے میں ٹھیک ہی کہتا ہے۔ آپ سب مجھے خالہ ہی کہیں۔" اس کی ہنسی میں بلا کا

اعتماد تھا۔

"آپ بالکل کسی فلم اسٹار کی طرح لگ رہی ہیں۔" ابیہہ نے بڑی سنجیدگی سے اظہار پسندیدگی کیا۔

"مردانے کپڑے اتنے اچھے لگتے ہیں آپ کو کوئی کام کیا کریں۔" سب کی ہنسی ہوا میں تحلیل ہو گئی۔

"کیا ہوسٹ ہے یہ حال ہے۔" حضور نے بہت سوچ سمجھ کر حرف زبان پر لایا۔ ایک طرح کی تنقید تھا۔

"آپ کا ارادہ کیا ہے؟" وہ بولا۔

"میرا ارادہ آپ کے ساتھ رہنے کا ہے۔" وہ بے تکلفی سے بولی۔

"میرے خیال میں ایسی لڑکیوں کا تعلق ان قوموں سے ہوتا ہے جو ریاست کے قیام کے بعد ریاست سے ہجرت کے

صلے میں زمینیں الاٹ کرواتے ہیں۔"

"بالکل۔" فریحہ نے حیرت سے اس کی سمت دیکھا۔ اس نے بھی ٹانکا لگا دیا۔

"بھئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ گھر میں ہوں گی تو میرا ذہن ہے۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں اپنی ذمہ داری پر آپ

لوگوں کو یہاں لایا ہوں۔"

"میرے خیال میں مطمئن ہو جانا چاہئے۔" وہ ایک کرسی پر گر گیا۔

"دراصل جوا ہی نہیں یار رہا ہے۔ ایک کے بعد دوسرے کام سے کہیں چلے جاتے ہیں۔ مجھے بہت کوفت ہو رہی

ہے۔"

اسی وقت خوبصورت ریشمی سوٹ میں ملبوس جوا اس کے پیچھے پیچھے کئی ملازم بوں کا گلدان لئے آرہے تھے۔

ان کی آنکھوں میں محبت اور اپنائیت کی روشنی سی کوندی گئی۔

جوا کے چہرے پر تحیر تھا۔ حیرت زدہ ہو کر وہ سب کو مخاطب کر رہا تھا۔

"آپ؟"

"تو کیا کریں آخر تو آپ ہمارے یہاں آئے ہیں۔ ہم خود چل کر آئے ہیں تو جناب پھر بھی ہاتھ نہیں ملتے۔" اس نے

بڑھ کر اس کی سمت دیکھ کر شکوہ کیا۔

"مائی گاڈ۔ میں آپ کی وجہ سے جلدی آگیا تھا۔"

"کیا جلدی؟" اس نے حیرت کے اظہار میں اس کی طرف دیکھا اور گویا محبت بکھرنے کی توقع کی۔

"خالہ سے ملنے۔ آپ کے کمرے کا دروازہ بند کیا کوئی آواز ہی نہیں آئی۔"

"ہاں ہو سکتا ہے نہا رہی ہوں گی۔ نماز پڑھ رہی ہوں گی۔"

"پھر میں چند منٹ کے وقفے کے بعد دوبارہ گیا۔ دروازہ بند کیا پھر کوئی آواز نہیں آئی۔ بہت کوشش کرنے پر دروازہ سے

کان لگایا کہ کیا آپ سو رہی ہیں۔"

"اس وقت تو میں خاصا بلند آواز سے باتیں کر رہی تھی۔" ہاں واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ مجھے یاد آیا۔ ساتھ

کھڑے ہوئے سب کے چہرے پر پریشانی نمودار ہو آئی ہے کہ نجانے اس وقت کیا کیا خیال آیا ہوگا۔ وہ ہنس پڑی۔ نہیں یہ ہنسی نہیں

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ ہنس دیا۔

"تم پہلے تو تم پہ ہوں بچ"۔ اس نے بالکل مادرانہ انداز میں کہا تھا۔

"آپ لیں ماں پلیز — اور کیا لیتے ہیں"۔ اس نے گلاس ماہین کی طرف بڑھایا۔

"میں تو پیٹ بھی ہوں ابھی بھی پیٹ نہیں اور ہی"۔ وہ پھر ہنسے سے ہنس دی۔

جواد نے جوس کے گھونٹ بھرنے شروع کر دیئے۔

"کہاں کہاں سیر کی آپ نے؟"

"کل باری کے ساتھ گئی تھی۔ آج بھی جانے کا پروگرام ہے۔ تم چلو گے؟"

"سوری! آج کچھری جانا بہت ضروری ہے۔ پاپا صاحب —!"

"ماشاءاللہ! اتنے سارے لوگ موجود ہیں کوئی اور چلا جائے گا کچھری"۔ اسے سر اسر ظلم لگا تھا۔

بجھ گئی تھی۔

"پاپا صاحب جسے کام ہو پوچھ دیں اسے ہی مکمل کرنا ہوتا ہے"۔ اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"یہ بھجوا دیتے ہیں پاپا صاحب کے"۔ ماہین نے مشورہ دیا۔

"وہ تو میں دیکھ ہی رہی ہوں۔ دوپہر کا رات کا کسی وقت کا کھانا تو وقت پر کھا تا نہیں ہے"۔ اس نے شکوہ کیا۔ (بیٹے کے بچپن پر حسد سے کوئی ظلم کی)

"وہ تو تاروی تھی ڈن کے اصلے میں تو ہوائی نظر ہی نہیں آتے۔ تم تک نہیں پڑتے اس خالہ نما ڈیبار سے ہلکان ہو گئی تھا۔

ایسی نظری پیاریت کے اظہار نے جیسے جواد کا دل موہ لیا۔

"آپ کو کیسے پتا ہے "نور" ہیں اس کے — الی ای کا ہتا ہے۔ سب کی نظروں میں رہتا ہے" آپ ٹرین نہ کھا لیں۔

ہم سے تو اس سے ملنے کا پروگرام بنا ہے ہیں"۔ فاران نے سوالیہ انداز بھیجنے کی کوشش کی۔

"یہ سارے کام پروگرام بنا کر کرتا ہے سے پہلے کسی پروگرام بنائے گا"۔ امیر کو فاران سے خاص پرخاش ہوئی تھی۔

ماہین بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ اف خدایا کتنے دلکش ہیں یہ لوگ۔ بلکہ سارا گھر۔ اب سمجھ میں آیا کہ کاشف میں دل کیوں اتنا تھا۔

"کھا جواد نے اس کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تمہاری ای بھی اسی سب بھن بھائیوں کی طرح"۔ اس نے بتایا۔

"وہ واہ۔ نا سمجھی سا ہو گیا۔

ماہین کو یہاں بلوا کر اس کی ماں کا [illegible]

"ویسے آپ کو شاید یقین نہ آئے مگر ہم بھی آپ کے پروگرام میں کہیں بھی شامل ہوں"۔

"ہیں؟" ماہین کو بے اختیار ہنسی آئی۔

"ہاں جی! آپ کے ساتھ تھوڑی وقت گزارنے کا دل چاہ رہا ہے"۔

"اب آپ کا مذاق اڑانا بنتا ہے کہ ہم سب سے [illegible] ہاں کہنے پر بھی [illegible] کے ساتھ کیسے

ہاں گزارا تو کیا جواب دوں گی"۔

"ہاں تو ہے ہے نا یہاں بھی آ رہے ہیں"۔

"ہاں مگر ابھی دیر ہے ان کے آنے میں۔ باری بھی تو ہمارے ساتھ ہو گی"۔

"پاپا نہیں جانے تو کوئی ذکر نہیں کیا۔ باری کے متعلق بتا دیا کہ [illegible] ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ ہمارے ساتھ چلے گا۔ اسے وہ

صاحب کا کوئی کام بھی کرنا ہے اور"۔

"وہ میں سوچ رہا تھا [illegible] کسی انعام کی ہے کے بارے صاحب یہاں سے کال کیے تھے ہیں۔ وہ تو پاپا صاحب کے [illegible]

ہاتھ ہیں"۔ فیصلہ نے ذرا اسی ادا میں خاصا غرور محسوس کرایا تھا۔

"ہم جا بھی رہے ہیں تم لوگ اپنی تیاری کرو۔ لیٹے ہیں ماہین کو بتا کر آئی تھی۔ اگر وہ تیار ہوئی تو سب کی

سواری ہمارے ساتھ ہی کر میں ابھی تک سو رہی ہوں"۔

وہ پھر نکل گئی۔

"بڑی ہوشیار خالہ ہیں یار — خالہ" — چھوٹے صبا تو لیے سے سر رگڑتے ہوئے باہر میں داخل ہوئے۔

"آپ کو سوٹ نہیں کر رہا یہ لفظ۔ آپ انہیں صرف میری خالہ بتائیں"۔ جواد شرٹ اتارتے ہوئے تقریباً چلا کر

بولا تھا۔

"بڑا بولنے لگی ہو۔ ابھی شاندار خالہ اللہ ہر کسی کو ایسی ہزاروں خالائیں دے"۔ امیر نے دعائیہ انداز میں ہاتھ بلند

کیے۔

"اتنا میں گھر سے نکلنے کی طرف بھی رجحان نہیں ہوتا"۔ "ہزاروں خالائیں" — جواب اسانی آدمی کم

ہی ہوتی ہے۔ اسان کو تھوڑی بہت جدوجہد کرنا پڑے بھی ہوتی ہے"۔ ندیم نے سمجھایا تھا۔

اتنا وقت تھا کہ نے اندر آ کر بیٹھ جانے کی اطلاع دی تھی اور اب سلسلے سر سے آپا دھاپی شروع ہو گئی تھی۔ ہر ایک پر

عجلت سوار تھی۔ اس کی خاص بے چینی تھی کہ پاپا صاحب [illegible] کے ساتھ ناشتہ کرتے تھے۔

"خان! آپ کو بڑے خان بلا رہے ہیں"۔ سرمئی پیغام دے کر ورا ہی پلٹ گئی تھی۔

"اپنے کچھ ضروری کام سے جانے کا پروگرام بنا رہا تھا [illegible] وہ پہلے سے [illegible]

www.PAKSociety.com

urdunovels.net

www.PAKSociety.com

[illegible] ایک دل ہے [illegible] بھی [illegible]

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔

"یہی کہ میں ایک انسان ہوں۔ باتوں کے زخم مجھے بھی اسی طرح لگتے ہیں جیسے دوسرے انسانوں کو۔ مگر آپ کو [illegible] پرواہ کیوں ہو؟" اس نے اپنا لہجہ بہت آہستہ کرلیا تھا۔

"مجھے اب دنیا کے کسی انسان پر بھروسا نہیں۔ میں اپنوں کی زخم خوردہ ہوں۔" وہ چلا کر بولی۔

"آپ اپنی سوچ [illegible]" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم بہت اچھے ہو ہادی! تمہارا یہاں کوئی [illegible] تم بہت سارے تکلیف دہ انکشافات سے گزرو [illegible] سال میں سمجھ سکتے۔" اس نے [illegible] آنکھیں پونچھ لیں۔

"انسان کو غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے۔" ہادی نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی۔

"ہو جائے غلط فہمی [illegible] راتوں کو میں جاگتی ہوں۔ خون کے آنسو میری آنکھوں سے بہتے ہیں [illegible] یہ سب قسمت کا کرشمہ ہے۔ جو چیز [illegible] محسوس ہوتی ہے [illegible] کچھ عرصے بعد سچائی واضح ہو جاتی ہے [illegible] مسلسل عذاب بھی ہے۔" وہ [illegible] سے بولی۔

ہادی نے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"ہادی!"

"جی؟"

"یہ لڑکیاں گھروں سے بھاگتی ہیں اب سب کی سب فلم، ایکٹرس بننے کیلئے تھوڑا ہی بھاگتی ہوں گی۔ میری جیسی بھی ہوں گی جو مجبور ہو کر بھاگتی ہوں گی۔"

"شٹ اپ علینہ۔ کیا بکواس شروع کردی ہے آپ نے؟" وہ برہم ہوگیا۔

"[illegible] میں بکواس کر رہی ہوں۔"

وہ رو رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ادا کریں اس نے آپ کو [illegible] بچا لیا [illegible] والوں میں شامل [illegible]"

اس دنیا میں کروڑوں اربوں لوگ ہیں [illegible] لڑکیاں ایسی ہیں جو مسائل کے انبار [illegible] تعلیم کے بعد [illegible] پاکستان [illegible] نہیں ملے گی۔"

[illegible]

"مجھے [illegible]"

[illegible]

"آپ کیا چاہتی ہیں؟" [illegible]

[illegible]

"آپ کی ساری ضرورت کیلئے [illegible]"

[illegible]

"باری! تم اور بھوسے میں تو کوئی بھی شے پسند کرتی ہوں گی۔ تمہیں کیا پسند کرتی ہوں گی؟"

باری نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی توجہ ادھر ادھر ہوئی رونے پیٹنے کا مرحلہ تو تمام ہوا۔

"ہاں! مجھ کو ابھی بھی فون کرتی ہیں" وہ مسکرا دیا۔

"کیوں؟"

"پسند کو کرتی ہیں"۔

"پھر تم کیا کہتے ہو؟" اس نے اپنی نظریں اس پر ڈالی۔

"جی کو شادی تو میں اپنی پسند سے کروں گا"۔

"تم کسی کو پسند کرتے ہو؟" اس کے دل کو جانے کیا ہوا۔

"جی کیا پتا کون کب پسند آجائے"۔

"تمہارے خیال میں تمہاری دلہن کیسی ہونی چاہیے؟"

"ساڑھے پانچ فٹ قد ہونا چاہیے اور سوا پانچ فٹ لمبے بال۔ چہرہ ایسا ہو جسے دیکھ کر دل نہ بھرے"۔

"سوا پانچ فٹ لمبے بال؟" روحی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے لاشعوری طور پر اپنے کمر سے نیچے لہراتے بالوں کو (چادر کے اوپر ہی سے)۔

"پھر تو تمہاری شادی کبھی نہیں ہوگی۔ اتنے لمبے بال تو شاید ہی کسی ہوں" اس نے مایوسی سے کہا۔

"آپ فکر نہ ہوں ہے ایک لمبی لڑکی"۔ اس نے تسلی دی۔

"کہاں؟"

"دیکھیں"۔

"ظاہر ہے آسمان پر تو ہونے سے رہی"۔

نہ جانے کیوں اس کا موڈ آف ہو گیا۔

"تم کیا ہے؟" وہ بدلی سے پوچھ رہی تھی۔

"خلیل کیا ہے۔ تم لوگ تو ہیں ہے پکے مسلمان ہو کچھ تو ہوگا" وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

روحی چپ ہو گئی تھی۔

"کوئی آنے والا ہے"۔

"تم چلے جاؤ گے تو میں اکیلی رہوں گی" وہ بڑبڑائی۔

"کہاں اکیلی رہو گی؟" وہ حیران ہوا۔

"جب میں ہوں کہاں"۔ وہ جھنجلائی۔

"اور جو میرا کام ہے وہ کون کرے گا؟"

"تو پھر اپنے کام سے جاؤ۔ ابھی تم ہمارے گھر میں تمہارے ساتھ یہاں رہوں گی"۔

"سمجھتے آج اس کے بارے میں کیا ہوا تھا" اس نے مسکراہٹ روک کر پوچھنے سے کہا۔

"تو مجھے بھی ہوا ہوں اس سے" اس نے جھنجلا کے کہا۔

"ہم بھی کیس ہار سکی" اس نے اپنا پیٹا ایک جھٹکا دیا۔

روحی ایک دم چپ ہو گئی جیسے ٹھٹھر گئی ہو۔

باری نے غلامی دیا سے تو لب کیا۔ وہ سامنے بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ نظر جھکائے کسی خیال میں گم تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" اسے جیسے چپ سی لگ گیا۔ جیب کے بڑا بول میں جیسے پانی چھپ گئی تھی۔

بعض اوقات کسی کی چپ کتنی خوفناک ہوتی ہے۔ لاکھوں طعنوں کے مقابلے پر بھاری۔

"سوچ رہی ہوں بعض لوگ کتنے فول ہوتے ہیں۔ کتنی آسانی سے محبت اور خلوص حاصل کر لیتے ہیں اور بعض انسان کتنے برزدل اور معتبر ہوتے ہیں مگر کتنے محروم ہوتے ہیں" اس کے لہجے میں عجیب سا دکھ تھا۔

"باری!"

"جی!"

"وہاں جو لیلی میں ہر کوئی تمہیں جانتا ہے کیا لگتا ہے تمہیں؟"

"بہت اچھا لگتا ہے" اجنبیوں سے سب ہی طرح محبت کرتے ہیں"۔

اس کے لہجے میں معصومیت ہی معصومیت در آئی۔

"کوئی آ گیا ہے" اس نے دیکھ کے باہر کوئی دیکھ لیا۔

"تم چلو ابھی میرے لیے کچھ کرتے ہو تمہیں پیار کریں گی" وہ پھر سے کہنا لگا۔ "کوئی ہوا ہی۔

"مگر کسی دوسری جگہ میں بھی ہو جاتے ہیں پیار کی بات کر دی تھی۔

"تو چلی جائے" اس نے جھنجلا کر اس میں پیار کی بات کر دی تھی۔

"میرے بارے میں بھی کچھ سوچتے" وہ بے کسی سے کہہ رہا تھا۔

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے بے کار باتیں سوچنے کیلئے۔ تمہارے بارے میں تو وہی" کہہ رہا ہوں" والی سوچ ہے جس کی شہ سے نے رسوا کیا ہے۔

روحی سے کر رہی ہے اس سے بھیں کر رہی ہے۔

باری کی مسکراہٹ بڑی بے ساختہ تھی۔

"روحی پلیز! آج کالج چلی جائے۔ کل وہ میں آپ کے ہر گھر کے جھوٹے میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ جیسے میں دعا کروں گا۔ وہ ضد کر کے آپ کو ہر طرح سے خوش رکھا کروں گا۔

آپ کے کسی کن پسند رشتے دار کی آمد پر آپ کی عزت خاطر تواضع کا اظہار ضرور کیا کروں گا۔ آپ کے ہر معمول

www.Paksociety.com

[illegible] کو ایک دو بار میں جیتی ذکر دوں تو خود ہی ہماری نہیں دیتے، وہ صرف آج [illegible]

"ابھی میں یہ پانی بھی نہیں پیا تو آپ نے" لیے، کہنے والی کے ساتھ ہی [illegible]

وہ دوسری طرف سے پلٹی سے اتر گئی تھی۔ اداسی سے کہہ دیا۔

"آپ کے کہنے کی قسم۔ آپ کی عادت کے لیے کس جوانی گا ایک کے پاس" اس نے کہا اور [illegible]

وہ ہنس دیے۔ مسکرائی۔

"اب آپ کہاں جائیں گے؟"

"ایک ضروری کام ہے اور بھی کام ہیں زمانے میں محبت کے سوا" وہ بے چارگی سے بولے۔

"ہاں! تم مجھے پاگل کہو گی میں ہوں مگر آج تم نے جانے سے میرا ساتھ دیا تو میں [illegible]

کروں گی" اس نے دھمکی دی۔

"[illegible]" وہ مسکرا رہا تھا۔

"تمہارے اس کے سر میں سنگلی ہو جائے اس کے ساتھ رہے [illegible]

اس کا قہقہہ بے ساختہ اور بلند تھا۔

وہ چپ سے اٹھ گئی تھی۔

اس نے اس کا ہاتھ [illegible] کرنے تھوڑی۔

"ہاں! آپ یہ مت سمجھیے گا میں ہار گئی ہوں۔ میں صرف تمہاری [illegible]

ہے [illegible] جانے تمہارے ساتھ کیا کریں" اس نے ہاتھ کو [illegible]

"میری جان [illegible]" وہ مسکرا دیا۔

"ابھی تو ہمارے ہیں زمانے یاد رکھیں گے خان! کہتی اپنی خاطر [illegible] ہم اپنے علاوہ کسی کو آنا نہیں

دیں گے، پھر ہمیں محفل میں [illegible]

"دیکھیے ہمارے [illegible] کے بجائے جھک کے [illegible]

اس نے [illegible] کیا اور [illegible]

"کیا سوچ رہے ہیں؟" اس کے قریب [illegible]

"[illegible]" [illegible]

الف وہ رہے [illegible]

[illegible]

وہ [illegible]

"اس جہاں میں کون کیا سوچ رہا ہے [illegible]

اس جہاں میں تو [illegible]

"بھائی ازدگی [illegible]

"یہ سوچ رہے ہیں کہ [illegible]

ہر جنم میں ملی [illegible]

دیکھ لیا وہ بھی [illegible]

وہ ہنسی سے ہنس دی۔ "تم بتاؤ [illegible]

"تمہاری مرضی کی گاڑی ہے [illegible]

[illegible] گھر والوں کا کیا ہوگا؟" وہ آزردگی سے گویا ہوا۔

"سوری کہیں جانا ہوتا ہے؟"

"کون جانے آتا ہے غریب لی تھی اب [illegible]

پوچھ سے آسمان نکلے گا۔

"میرے ساتھ بھی [illegible]

"اور میرے میں تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے کہاں [illegible]

"اول خان ہیں؟ ان کل شادی ہے [illegible]

"یاہاک ہے میری لڑکی تو مشکل سے [illegible]

"میں نہیں لے گا روپے پیسے کی کمی ہے۔ عورتوں کی بات چھوڑ [illegible]

"بھائی کوئی عورتیں مل جاتی ہیں [illegible]

وہ مسکرا دیا۔

"ارے تیری سوچ کا بھیجہ ہے [illegible]

"بڑھے کے ساتھ؟" وہ [illegible]

"میرے بھیجے ان جوانوں پہ بھاری ہے وہ [illegible]

کیا کیسے کس طرح سے [illegible]

[illegible]

دیکھ کہاں [illegible]

"[illegible]

"کچھ تو میں [illegible]

"پاپا میں تم سے کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں کہ ابھی میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" وہ جھنجلا کر بولی تھی۔

"تو صائمہ اور عارفہ کی شادی کیا تم سے پوچھ کر کی تھی؟" انہوں نے کہا تھا۔

"پاپا میں ان کی طرح نہیں ہوں۔" وہ بولی تھی۔

"ہاں تو پھر کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" انہوں نے کھانا کھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے۔ گھر کے جو رشتے آتے ہیں وہ مجھے پسند نہیں آتے۔" اس نے نگاہ جھکائے جھکائے جواب دیا۔

"واہ بھئی واہ! کیا انوکھا لاڈلا ہے۔ تمہارے بھائی انیلا گوں سے شادی کی تو کسی نے کچھ نہیں کہا۔ تم تو خود ڈیزائنر ہو کر شادی کے لئے ایسے مردوں کی تلاش میں ہو جو نہیں ہوتیں۔"

"یہ تو تمہیں سوچنا چاہئے تھا پاپا۔" اس نے دکھ سے اس بڑھاپے کے بکھرے پر نظر ڈالی۔

"دیکھ بھائی غلام احمد! اخلاق نہیں آ رہا ہوں تجھ سے۔ گھر والی سے بات کر کے دیکھ شاید اسے یہ بات سمجھ میں آ جائے۔"

"ہاں اب تو میرے گھر میں فسادا ڈلوائے۔" اس نے تلخی سے جواب دیا۔

"تو مجھے گھر لے جا میں کر لیتا ہوں بات۔"

"سارے گھر کے برتن توڑ ڈالے گی تجھ پر۔ تجھے اس کا پتا نہیں ہے۔" اس نے ان کی ہٹ دھرمی پر ماتم کیا۔

"دیکھ غلام احمد! آئی لائی خان جیسے خصلت سے تیرے سے دوتے پر دوست رہا ہے تو گیں اپنی اولاد کا دشمن ہوتا ہے۔ اپنے جیسے غیب کا دیکھ رہا ہے تو خون جم جانے سے پہلے ہی بوڑھا ہو جائے۔"

"یہ کوئی ضروری تو نہیں۔" وہ تلخی سے بولی تھی۔

"تجھے گھر میں تمہارے ماں گوشت پکنے لگا ہے تو اب پیچھے تو روٹی ہو جائے۔"

"بھی سے بات کر کے دیکھ لیں۔"

وہ سوچ میں گم ہو گئی۔

"کیا سوچنے لگا؟" اس کی خاموشی پر وہ الجھ سے گئے تھے۔ اس کی آنکھیں نمی سے جھلملانے لگی تھیں۔

"سوچ رہا ہوں شاید تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ بات کر کے دیکھوں گا گھر والی سے۔"

"یہ بات ہے تو ابھی کر لیں۔ ابھی تو بھی کھا رہا ہے۔" اس نے پیشکش کی۔

وہ اٹھ کر باہر گھومنے سوچ میں غرق ہو گیا۔

جہاں سے جسم و جاں کی بیچ ہے تا دے
دعا کے شعلوں کو سرد کرتا ہے آگ لا دے
دل خزیں کو تیرا وہ پیغام اس لیا ہے
کہ میں نے تجھ کو بھلا دیا تو مجھے بھلا دے

عارفہ کی آواز میں اس بچے نے اداس سوچوں کے حصار سے چونکا تھا۔ وہ خیال سے چونکا تھا۔ وہ سوچ کی آنکھوں کے گرد سے نکل کر

سوچنے لگا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا۔

سارے گھر میں ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ سب اس کے گرد جمع ہونے لگے تھے۔ عارفہ کی آواز سنی تھی۔ جیسے وہ رو رہی تھی۔ وہ بھی اٹھ کر اندر کی طرف آیا تھا۔ اس کی آواز سن کر سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ عارفہ کی آواز سن

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
copied from web

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

...اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔

...دروازے کھڑکیاں دیوار سے لگی ہوئی تھیں۔ ...ہوا کے جھونکے آنے لگے تھے۔ ...ہوا کے ساتھ ہی ...

...ہاتھ جوڑے ہوئے کھڑی تھی۔

...ہیں کی سانس تیز تیز چل رہی تھی مگر حواس بالکل ٹھیک تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"دیکھو... تمہارے سر پر چوٹ آئی ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کو فون کر دیا..."

...سر ہلا رہی ہیں۔ ...نے فوراً ہی ...کی ہوائیاں اڑ گئیں۔ ...ہیں ڈاکٹر صاحب کو فون کیا تو ...

...ہاری کی بات کاٹ دی تھی۔

"نہیں... میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ ...تمہیں یہاں چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟" اس کی آواز بے حد ...

"تو پھر ایسا کرتے ہیں... ...ہو جاتی ہوں... ...ہو جاؤں گی... ...ہیں ...ہو جائیں گے..."

...ہیں کی آواز ...

...ہیں کی آواز میں ...

"...ہو جاؤ گی... ...ہو جاؤ گی... ...ہو جاؤ گی..." وہ ...

"

"سلام۔ یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟" آواز میں ناپسندیدگی تھی۔

"ہوا آگئی ہے کچھ۔ بول نہیں رہا۔" بے بسی تھی۔

"اب بھی اس کے منہ نہ لگنے۔ اور کیا چاہتی ہے؟" لہجہ میں سختی تھی۔

"اس کی بیڑیاں کھلوا دیں۔ میں ضمانت کرتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ اور بھی رعایت کی جائے۔" ملائمت تھی۔

عورت نے آگے بڑھ کر آنے والے کے پاؤں تھام لئے۔ "آپ کی گناہگار ہوں۔ آپ کی رحم کریں گے تو جان بچے گی۔"

"سب سے اوپر تم آج تمہاری کوٹھڑی میں کون گیا تھا؟" نووارد کے لہجہ میں غضب بھی تھا اور سوال بھی۔ بڑی حقارت سے اس نے پاؤں پیچھے ہٹائے تھے۔ وہ سسکتی رہی۔

"کیا پوچھ رہا ہوں؟" نووارد کے لہجہ میں پھنکار تھی۔

"سرسوتی کھانا لائی تھی۔" بھرے ہوئے جانے کہاں سے آنے والا سائل تھا۔

"ہاری۔ سرسوتی اگر موجود ہے تو اسے اٹھاؤ۔ اس کے ساتھ اس کی کوٹھڑی میں دو دن کے لئے بند کر دو۔ اسے کھانا پینے دو۔ سرسوتی کو بند کرنا جب وہ کوٹھڑی سے باہر آئے گی جب ہی کھانا کھائے گی۔ چلو اٹھو جاؤ کوٹھڑی میں۔" لہجہ واضح اور تحکمانہ تھا۔

"عورت کمزور ہوگی۔" ایک بار کہو۔ میں کر آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ پھر جو چاہے میری جان لے لیں۔ آپ کے پاؤں پکڑ کر بولی ہے۔ زندہ جلوں۔ دیوار میں چنوا دی جاؤں۔ پتھر کھاؤں۔"

"خاموش۔" نووارد نے غصہ بھری بلند آواز سے اسے روکا۔

"دیکھ رہے ہو ہاری آسان نہیں۔ اسے لے جاؤں یہاں سے۔ فار گاڈ سیک۔" نووارد نے جیسے بمشکل اپنے غیظ و غضب پر قابو پایا تھا۔

عورت اندھیرے راستے پر چلتے ہوئے پچھلے حصے کی طرف بڑھی۔ اس کی سسکیاں ماحول میں ایک دکھ کا دل ہلا دینے والا ساز چھیڑ رہی تھیں۔ اس پر متواتر ہونے والی چوٹوں کی کسک۔

"تم نے بتایا ہے گھر میں مہمان آئے ہیں؟" نووارد جاتے جاتے پھر ہاری کی سمت پلٹا۔

"غریب عورتوں کی سب سے بھولی صابر اداسی آئی ہوئی ہیں۔" ہاری کی آواز ہونٹ دبی تھی۔

"وہ بھولی ہیں؟"

"جی"

"تم سے بھی چھوٹی ہیں؟"

"بڑی ہیں۔"

"اچھا۔ میں چلتا ہوں۔ پھر آؤں گا۔"

"جی۔ ضرور۔ ضرور آئیے۔ آپ کا ہمیشہ ہی خیر مقدم ہے۔" ہاری نے کہا تھا۔

"بچو۔" ہاری گردن موڑ کر اس کی طرف لپکا۔ جہاں عورت کی تھی۔

نووارد نے چند سکنڈ بعد ہی جیپ تک کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ ہاری نے پھاٹک کھول دیا تھا۔

جیپ تو گھڑ گھڑاتے چلے گئی تھی۔

ہاری اس طرح ہکا بکا کھڑا تھا جیسے اندھیرے میں روشنی ہو۔

وہ اپنے آپ کو بمشکل سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

کون تھی یہ عورت؟

جس ایک دم منظر سے غائب ہو گئی تھی اس طرح کا الف لیلہ ہوا ہو جانا کوئی انوکھی واردات نہیں تھی۔ مگر ہاری کا اس کے ساتھ کچھ اور ہی کسی طرح کا تعلق بنتا جا رہا تھا۔ یک ہاری کا اندازہ بالکل غلط نکلا تھا۔

پھر کون ہے؟

آنے والا کون تھا؟

اپنے اندازے تو یہاں کے ہر مکان میں سے ایک لگتا تھا۔

آیا تھا تو پتا کیا لگا؟

عورت سے زیادہ کیا کسی کو اس کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ وہ کس بات کی سزا پا گئی تھی؟

ہاری کو یوں محسوس ہوا اس کے ذہن کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔ اس نے پاس رکھے ہوئے گھڑے میں پانی انڈیلا۔ ایک سانس میں پی گیا۔ تھوڑے حواس بحال ہوئے۔ تب وہ دوبارہ چارپائی پر آ بیٹھا۔ کیا ہاری آنے والے کو حکم دیا رہا ہے گا۔ سرسوتی کو دیکھے گا۔ اس نے ایک دم پاؤں کھلا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس کے قدم دروازے کی سمت اٹھ رہے تھے۔ وہ دروازے کے پاس ٹھہر گئی۔

ہاتھ کے گھنگھرو میں پڑی زنجیر کی لرز رہی تھی۔ اس نے زنجیر کی گتھی کو غور سے دیکھا۔ پھر ہتھیلی سے دروازہ کھولا۔ پھر تو وہ وحشت سے آگے جیسے وہ اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس نے وحشت زدہ ہو کر دروازے کو دونوں ہاتھوں سے کھولنے کی کوشش کی۔ مگر وہ کسی طرح سے بھی کسی طرح مقفل تھا۔

وہ دھم سے وہیں بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

مگر آپ کیا گزری تھی اس عورت پر جو اس طرح کی ہو گئی۔ وہ اچھی بھلی چنگی بھلی بھرے گھر میں

www.paksociety.com
www.paksociety.com
www.paksociety.com

پہلے کے واقعات یاد آرہے تھے۔ کسی طرح کی فکر نے ان کی سوچوں پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی ہی آہٹ سے چونک گئی تھی۔

لن۔ لن۔

وہ سر جھکائے کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے دوبارہ پکارا تھا۔ وہ کتاب بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے نظریں چرا لی تھیں۔

"اللہ کرم کرے۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"بولو۔ میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔"

"وہ بھی بول رہی ہوں۔"

"وہ؟" وہ بری طرح چونک پڑا تھا۔

"کہاں سے؟" اس کے اندر سے بے ساختہ نکلا۔

"تی الحال وہ کیا ہے۔" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"لن۔ میں کہہ رہی ہوں۔ میں کیا کروں؟"

"مگر اب تو آپ ایبروڈ جا چکی ہیں۔" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"تو کیا واپس یہاں بھاگ آؤں گی۔ تم کہو کرنے کیا ہے؟" وہ بہت سکون سے بات کر رہی تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔ ذرا واضح کہو۔" وہ الجھ کر اس سے کہہ رہا تھا۔

"سوچ لیں۔ ذرا اور سوچ لیں۔" وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

"دیکھیں۔ آپ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کریں گی۔" اس نے خبردار کیا۔

"تم مجھے نہیں روک سکتے۔ ہو سکتا ہے کچھ عرصہ میں ثابت کر دوں گی کہ میں واقعی خان کی پوتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے میں آپ کے پروگرام میں شامل نہیں ہو سکتا۔" اس نے بیسن رکھا اور باہر کی طرف بڑھا۔

گھنٹی دوبارہ بجی تھی۔

پاول نے گھور کر اس سے کرنن کی طرف دیکھا تھا۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ بیسن رکھا اور...

"لن۔"

"کون ہیں یہ محترمہ۔ کیا تم مجھے اس طرح روک سکتے ہو جس طرح میں کرنے جا رہی ہوں۔" وہ ہنسی ہے کہہ رہی تھی۔

"ہاں کی پیشانی پر یہ شکنیں کیا ہیں۔ کیا کرنے جا رہی ہیں آپ؟" وہ بھنچے ہوئے جبڑوں سے پوچھ رہا تھا۔

"سب میں تکلیف میں ہوں گی۔ آپ کو تشویش ہو گی کیا؟"

"جس کے پاس آپ کی ہر بات کا جواب ہے اللہ کرم کرے۔"

"شکریہ۔ آپ نے بھی بہت اچھا جواب دیا ہے۔ ویسے میں آپ کو ایک بات بتا دوں۔ میں آپ کی طرح ہر بات کا جواب دینے کی عادی نہیں ہوں۔ اس لیے آپ کو بھی یہ عادت ترک کر دینی چاہیے۔ ویسے آپ کی بیوی بہت اچھی ہیں۔ ان کی بات مان لیا کریں۔" وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کچھ اور کہنا ہے آپ کو۔" وہ اکتا کر بولا تھا۔

"ہاں۔ کہنا ہے۔ کچھ دیر پہلے میں نے ایبروڈ کال کی تھی۔ وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے۔ ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ ان کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ بیٹا ہونے کے ناتے اپنے فرائض سے آپ کو آگاہ کر رہی ہوں۔"

سب کی سب گھوم کر بیچ کر رہی تھیں۔ یہاں والے مستقل ملازمین اور ساتھی آئی ہوئی خواتین کے جانے کے انتظار میں اپنی کاموں کے بیٹھے تھے کہ خانصاحب سب کو شام کی چائے پینے کا کہہ گئے تھے۔

"آپ اب سے آئی ہوں گی اسی طرح بیٹھی ہوں۔ جائے لاؤں آپ کیلئے؟" کھوئے ان کے پکارنے سے اس کے خیالوں کا تانتا ٹوٹا تھا۔ فوراً سے اس سے پوچھا تھا۔

"آپ بیٹھیں۔ کھانا کھا کے جائیے گا۔" وہ بیٹھ کر قریبی کرسی پر بیٹھ گئی۔

روشی نے چاروں طرف دیکھا تھا۔ لوگوں کی طرف بڑھی۔ لون گھوم کے قریب تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ہنسا تھا۔ اس نے جھینپ کر اپنا کیا اور دوڑ لگا کر بیٹھ گئی۔

"بیٹا" وہ اس کی طرف بڑھا تھا۔

"ماما۔" ماما سے لپٹ گئی تھی۔

"پاکستان کیسا لگا۔ کیسی رہی تمہاری ٹرپ۔" ان کا اشارہ اس کی طرف تھا۔

"آئی لیٹ ہو گئیں آج۔" روشی کو حیرت تھی۔

"وہ صاحب کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔ آج ہی پہنچے ہیں۔ سب کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔" وہ جلدی جلدی بتا رہی تھی۔

"ہیں۔ اچھا۔ کہاں ہیں وہ۔ کھانا نہیں کھائیں گے؟" اس کا دل چاہا تھا وہ اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائے۔

"نہیں۔ وہ نہیں کھائیں گے۔"

"اچھا۔ اچھا۔ وہ..."

"آپ سے ملنا کریں۔ وہ بلا رہے ہیں۔"

روشی بیٹی سے انتظار کرنے کی۔ ماما کے ساتھ گھومتی دیکھتی رہی تھی۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
urdunovels.net

"اب کیا ہے؟" سر پر بیل بجی کی واضح آواز ابھری۔

"میرے سال کو واپس کیوں تم بہت یاد آتے ہو۔ خیال بہت یاد آتے ہیں۔ کیا کروں؟"

"اگلی دفعہ کبھی آپ مجھے بیل سے نہیں کھیلنے دیں گی؟" وہ بھنا رہا تھا۔

"میں نے بیل دی تھی تمہیں کہ بیل سے کھیلو۔" وہ الٹ پڑی۔

"باری"۔

"جی"۔

"دیکھو مجھے سمجھ لو۔ مجھے کسی طرح بہلاؤ۔ وہ دیکھو کھڑکی کی کیفیت چند گھنٹے اور ہی تو میں ہوں گھر پہ۔ پھر میں کیا کروں گی"۔

"وہ سب کیا کر رہی ہیں؟" باری کا لہجہ سرد تھا۔

"سو رہی ہیں؟" اس کی آواز ابھری۔

"آپ بھی سو جائیے۔ غصہ پوری ہو گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی"۔ باری نے بڑے بے رحم انداز میں مشورہ دے کر فون کھٹاک سے بند کر دیا تھا۔

"اب اسکی طبیعت نہیں ہو رہی تو جو مرضی کرے ٹھیک ہو جائے گی"۔ وہ بڑبڑاتا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے قریب ہوتی ہوئی گھڑی کی سمت دیکھا پھر صوفہ کم بیڈ پر لیٹی ہوئی روبی پر نظر ڈالی۔ اس کے بال نارمل تھے۔ چہرے پر ہوائیاں کے جو مختلف رنگ تھے وہ بھی ہو رہی تھی۔ باقی لڑکیاں اوپر کمروں میں تھیں۔

تھی خوش نصیب ہیں یہ سب۔ اسے رشک آیا۔

ایک میں ہوں۔

اور میرا دل ہے جیسے قید میں پھڑ پھڑاتا ہوا پرندہ۔

کال میں کوئی بچ رہی ہوں۔

دانستہ اضافی ۔ لمبے سانس بھی نہیں لیتی۔

کسی مصروفیت ہوتی۔ اور کچھ سکھ ہوتا۔

پرندوں کے دل تو اس طرح نہیں ہوتے ہوں گے۔ صرف خون پمپ کرتے ہوں گے۔ نہ بے قرار ہوتے ہوں گے۔ نہ داغ اس۔

نہ گرفتار ہوں گے نہ پاگل۔

نہ بچے ہوں گے نہ پھڑ پھڑاتے ہوں گے۔

کھلے دامن فضا کی طرح ان کا حلق بھی خالی ہوتا ہوگا۔ نہ اس میں اٹکا ہوگا نہ ہوتا ہوگا۔ خوش نصیب ہیں اضافی پھڑ پھڑاتی ہوئی۔

کاش میرا دل پرندوں جیسا ہوتا۔

پاگل کی طرح پھیپھڑوں میں ہوا بھرنے لگی۔

میں ہوا ہو جاؤں گی۔ ہلکی پھلکی۔ ہوا میں آ جاتے ہیں۔ ہوا میں بھی ان سب کی طرح ہاتھ ہوا ہے۔ ہوا سے ہاتھ ہوا کر لوں گ

وہ تھی۔

"یہ تو ہے"۔ زوی نے اپنی بات کے حق میں گواہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔

"شاید روشی کو آپا یاد ہو"۔ زوی نے حتمی انکشاف کی آس میں روشی کی طرف دیکھا۔

"مجھے کوئی بات نہ کرے"۔ وہ چلا کر بولی۔

"ہاں۔ اس سے کوئی بات نہ کرے۔ یہ یہاں بھی اپ سیٹ ہو گی"۔ عصمہ آپا کے غصے سے الٹ کر فوراً ہی روشی کی نس نس میں اتر گیا۔ اس کی تلخی کا زہر روشی کی نس نس میں اتر گیا۔

"لگ کتنے شاندار پراٹھے بن رہے ہیں۔ خوشبو آ رہی ہے"۔ ثانیہ نے اندر سانس کھینچ کر جلدی سے ماحول کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"ماما سے اچھے پراٹھے تو کوئی نہیں بنا سکتا"۔ سونا کو ماما کے پراٹھے یاد آئے۔

"کوشی انجی کی اسسٹنٹ ہے۔ فکر نہ کریں"۔ گلو مسکرائیں۔

"اسسٹنٹ تو ان کی سرسوتی بھی ہے۔ کیا فائدہ ہوتا ہے پاکستان کا بہتر کشمیر کے"۔ زوی نے گرما گرم پراٹھے کو توے پر لگا کر سب کو متوجہ کرنے پر مجبور کر دیا۔

"آپا۔ میں اور ثانیہ کے ساتھ قریبی بازار تک ہو آؤں"۔ روشی نے بازو پکڑ کے لاڈ سے پوچھا تھا۔

"اکیلی؟ کیا لو گی۔ ابھی تو ناشتہ۔ پاس ہی بھرا ہوا ہے"۔ سونا نے مداخلت کی۔

"اکیلی کہاں۔ ڈرائیور بھی تو ہو گا۔ اور یہ کہ میرے پاس وقت نہیں ہے"۔ اس کے اندر سے کچھ عجیب سا غصہ یا نفرت صاف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سب چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"جلدی آ جاؤں گی"۔ وہ پھر بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ مگر جلدی آنا"۔ زوی نے کچھ سوچتے ہوئے اجازت دے دی۔

"آپ فکر نہ کریں"۔

"ناشتہ کر کے پہلے۔ ناشتہ تو کرو"۔ گلو نے ٹوکا۔

"ناشتہ کرنے جا رہی ہوں مگر ناشتہ کرنے کا موڈ نہیں ہے"۔ وہ اسی طرح گم صم انداز میں کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"اس کی تھکن نہیں اتری ابھی شاید"۔ سونا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"پھر ڈرائیور کو جانے کی کیا ضرورت ہے۔ بازار تو ساتھ ہی لگے ہوئے ہیں"۔ عصمہ نے کہی ہے کہا۔ تو سونا بس اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

ناشتے کے بعد برتنوں کا غلغلہ شروع ہوا۔ سب کے اس کام سے اٹھ گئے تھے۔ روشی سیاہ کپڑے بدل کر جا چکی تھی۔ وہ سب ہی کام ختم کر کے فارغ ہو گئی تھیں۔ انہیں پتا تک نہ چلا کہ روشی کب واپس آئی اور باہر کمرے میں چلی گئی۔

ظہر پڑھنے کے بعد وہ تمام کو سونے کی ہدایت کر کے خود بھی سونے کے لئے لیٹ گئی۔ گلو کے خراٹے بتا رہے تھے کہ وہ سو چکی ہیں۔

وہ بھی سو گئی۔ اسے جگانے کون آیا تھا۔ ثانیہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ اٹھ کے بیٹھ گئی۔

"اور کوئی نہیں ہے کیا گھر میں"۔ اس نے سونا کی شکل دیکھی۔

"روشی نہیں آئی ابھی تک"۔ سونا نے چونک کر دیوار کلاک پر نظر ڈالی۔ وہ پورا ایک بج رہا تھا۔

"سونا روشی نہیں آئی"۔ وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"تھی تو ساتھ ہی کہہ رہی تھی"۔ سونا بولی۔

"آپ کے پاس چابی ہو گی۔ مجھے دے دیں۔ شاید وہ اندر رک گئی ہو۔ ان علاقوں میں کچھ بھروسہ نہیں ہے"۔ وہ فکر مندی سے بولی تھی۔

"مجھے نہیں چابی کی پتا سونا کے پاس ہو گی۔ مجھے روشی کی فکر لگ گئی ہے۔ وہ صاحب کمال کیسے چھوڑ دیتے ہیں"۔ گلو بے حد پریشان تھیں۔

"اسے کیا پیچھے کی ضرورت ہی کیا تھی"۔ عصمہ نے پھر طنز کیا۔

"سونا اٹھو۔ کہاں ہیں چابیاں۔ دیکھو وہ ڈرائیور کی ساتھ تو نہیں"۔ عصمہ بڑبڑا رہی تھی۔ گلو نے نیل ان سنی کر دی تھی۔

وہ ابھی پہنچ میں ہی تھیں کہ اختر (ڈرائیور) گیٹ پر پہنچ کر سر پیٹتا ہوا نظر آیا۔

"باجی۔ ڈرائیور تو یہ رہا۔ پھر روشی کہاں ہے؟ کیا وہ اکیلی گئی ہے؟" انہیں جیسے شاک لگا۔

"اختر"۔ وہ دہل کے پکاریں۔

"جی"۔ وہ حاضر ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"روشی بی بی کہاں ہیں۔ ساتھ" اس کا دل ابھی نہ شاکے کا پہ۔ ہاتھا اسے تو یہاں کے رستے کا بھی نہیں پتا۔

"جی ہاں"۔

"تو پھر کہاں ہیں وہ؟" گلو کی جان میں جان آئی۔

"وہ تو جی بس؟ گئی تھیں۔ سیدھا کہہ شور سے شاید وہ لوٹی تھی تھیں۔ اس وہ ال ہی ہو کر اسی میں تھیں واپس لے آیا تھا"۔

"کس بات کی دیر؟" انہیں سر پہ تھوپنا ہو گئی۔

"اگر کوئی دوا چاہیے تھی تو وہ ڈرائیور بھی لا سکتا تھا۔ مگر وہ تنہا کیوں گئی۔ کیا ہوا ہے اسے؟" وہ از حد فکر مند تھیں۔

"پھر کہاں ہے وہ؟" وہ جیسے جھلا گئیں۔

"مجھ سے ساتھ نہ آنے کی وجہ تھی۔ پھر میں نے انہیں نہیں دیکھا۔

"وہ یہاں آنے پہ پاگل ہو رہی تھی۔ سارا سفر اس نے بڑبڑاتے ہوئے کاٹا تھا۔ یہاں آ کر بھی وہ بے چین تھی۔ سوال بھی نہیں تھی۔ جانے کیا کہیں کیا تھا" گلو کے دماغ میں طوفان بپا ہو گیا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com

"میں کل اسکول سے آئی تھی تو..." اس نے رک کر دادی اور پھر کمرے کی طرف دیکھا۔ پھر سر جھکا کر کہا۔ "میں اس کا بیگ لینے آئی تھی تو اس نے مجھے دیکھ کر کہا تھا کہ میں اس کی زندگی برباد کرنے آئی ہوں۔ اس کی وجہ سے اس کی بیٹ ہی اب یہاں آئے۔"

گلوریہ روتی ہوئی اس کمرے کی طرف آئی تھیں۔ جہاں فاطمہ کے کھانسنے کی مرتوازن کوشش کر رہی تھی۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں؟" وہ جیسے تھک کر بولی تھی۔ گلوریہ نے جیسے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ دیوار سے چھت تک لگے شیلف کی طرف آئی تھیں۔ جس کے درمیانی پٹ انہوں نے صبح کھلے ہوئے دیکھے تھے۔ مگر اب وہ بھی بند تھے اور اندر بوتلیں سجی ہوئی تھیں۔

گلوریہ جیسے دہشت کی حالت میں ہوگئی۔ انہوں نے پاس پڑا ہوا گلاس شیشے پر دے مارا۔

"آنٹی وہ بچی..." روبی اور بیگی گھر میں داخل نہیں آ رہا تھا۔ وہ حیران پریشان گلوریہ کو دیکھ رہی تھی۔

فاطمہ نے بھی اپنی "کوششیں" معطل کر دیں۔ چھناک کی آواز کے ساتھ شیشہ ٹوٹ پڑا تھا۔ گلوریہ ایسا ہوا میں دوڑ کر اندر بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کمرے کا ماحول چونکہ تاریک تھا اس لئے فوری طور پر کچھ بھی واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر وہ بہت سوں کو بھیگ کر اندر گھوری تھیں۔

چند لمحوں بعد انہیں اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔ روبی کی چیخ کپڑوں میں آدمی ترچھی نکلی ہوئی نظر آ گئی۔

"روبی! اندر کوارٹر میں جاؤ۔ کرامت کو بلاؤ۔ جلدی سے۔" وہ جیسے پاگل ہو گئی تھیں۔

"کیا ہوا آپی؟" وہ دونوں ہی حواس باختہ ہو گئیں۔

"وہ بچی کہاں ہے؟" انہوں نے وہاں ٹہلتی جیسے بے دم کر دیا تھا۔ "یہ کیا کر دیا؟" اور کس کیا؟ انہیں پتا تھا وہ دیوار سے ٹکرا ہونے سے بہت پہلے بہت چپ چاپ سی تھی۔ جب اس نے کہا تھا وہ کراچی جانا چاہتی۔ وہ خالہ کے پاس رہنا چاہتی ہے۔

مگر کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی جان پر بنا لیتی۔ ان کا دل ڈوب رہا تھا۔ روبی کرامت کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔ آفاقہ اور اختر اپنی کھیل کود میں مگن تھے۔ اختر کو کرامت کے ساتھ دیکھ کر وہ اس کی طرف لپکے تھے۔ مگر وہ دونوں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔

سونو ہونقوں کی طرح کھڑی تھی۔

"تمہیں کیسے معلوم آپی؟" شیلف کے بھی سارے پٹ کھلے ہوئے تھے۔

"اماں، جو سامنے نظر آ رہا تھا۔ کہ فاطمہ وہ میڈیکل اسٹور سے کوئی دوا لائی تھی۔ پتلے ہوئے وہ اپ سیٹ بھی بہت تھی۔" گلوریہ بولی ہی نہ کر سکتی تھیں۔

"سونو! تم اسے کہاں چھوڑ کر آئی ہو؟" روبی نے پوچھا۔

"وہ... وہ... اسے تو میں نے..." سونو کو یاد آیا۔ وہ تو اسے بڑا خطرناک سمجھ کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"وہ بیمار تھا۔ اس کو مدد کی ضرورت تھی۔" روبی کو ڈانٹ رہی تھی۔

"آپی! تم نے اسے جھوٹ بولا تھا۔ اس نے مجھے کوئی نقصان پہنچایا تو؟" سونو کو اس کی فکر ہو رہی تھی۔ روبی نے جواب دینے کے بجائے کرامت کو ہدایت کی۔

"کرامت بھائی! تم جاؤ۔ اسے ڈھونڈو۔ کہیں بھی ہو۔ کسی بھی حال میں ہو۔ اسے لے کر آؤ۔"

"جی اچھا تو اسے لے کر آؤں؟" سونو نے آنکھیں پھیلیں۔ عجیب سا سکوت چھا گیا تھا۔

"پاگل ہو گئی ہو؟ اسے کیسے لا سکتی ہے؟" سونو نے کہا تھا۔ "ہاں، اسے لے کر آؤ۔" روبی نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "ہم اس کا علاج کروائیں گے۔ اسے کوئی ذہنی مسئلہ ہے۔" سونو کی نگاہیں تیز تھیں۔ وہ سب کی اس کے ساتھ ہمدردی سے واقف تھی۔ مگر روبی نے فیصلہ سنا دیا تھا۔

کرامت گاڑی نے آدھا صحن بھی نہیں پار کیا ہوگا کہ اختر اور آفاقہ کی تکلیف کے نظارے میں اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔

"سونو آپی! مگر تم کہاں جا رہی ہو؟" روبی کا ذہن ڈانواں ڈول تھا۔

"میں ابھی آئی۔" روبی نے صبح کر دیا۔

"ہاں ابھی تو بابا جانی کے آنے کا انتظار کرتے ہیں۔" سونو نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

کمرے میں ایک بار پھر سکوت طاری ہو گیا

چین اسٹریٹ میں داخل ہوئی تھی۔ روبی اور سونو نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب پھر وہ دونوں ہی ہونق تھیں۔

"آپا!" اس نے گھوم کر اختر کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیروں سوال تھے۔

"آپا! آپ نے جھوٹ کیوں بولا؟" کرامت کو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا دیکھ کر اختر نے پوچھا۔

"آپ نے جھوٹ کیوں بولا؟" کرامت کو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا دیکھ کر اختر نے پوچھا۔

www.parsociety.com

"بڑی امی کہہ رہی ہیں؟" آپ نے پوچھ گچھ نہیں کی تھا" اس نے کہا: جلدی لگا رہا ہے"۔

"مجھے شوق نہیں ہے" اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

"کی"۔ ہاری نے الجھ کر اس کی سمت دیکھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے آں؟" وہ فکر مندی سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں الحمدللہ"۔ اس کے انداز بدستور تھے۔

"پھر ....؟" وہ کچھ کہتے کہتے اس کے انداز پر کچھ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"کچھ بھی نہیں پھر"۔ وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

ہاری نے سوچتی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھا۔

اس کے ارد گرد بے شمار رویوں کی گزرگاہیں تھیں۔ جن سے وہ روز ہی گزرتا تھا۔ رویے کی معمولی سی تبدیلی اس کی حساس طبع پر الہام کی طرح اترتی تھی۔

اس نے باورچی خانے کی سمت کھلنے والی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ جو ادھ کھلی تھی۔ پردہ گرا ہوا تھا۔ اس کے باوجود ادھ کھلے پٹ کا اشارہ واضح تھا۔

"کل میں نے سرسوتی کو دیا تھا دھونے کیلئے وہ تھا' نہ معلوم کہاں رکھ گئی' ہاری نہیں تم اسے ڈھونڈ کر میرے پاس بھیجو"۔ مایوں کے لہجے میں قدرے سکون تھا۔

ہاری کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دریچے کی سمت بڑھا' پردہ پیچھے سرکایا' اور پٹ کے دونوں پٹ کھول دیئے۔

"صبح کے وقت اسے کھول لیا کریں' تازہ ہوا آتی ہے"۔ اس نے پلٹ کر مایوں کو دیکھا۔

"دوا رات کیلئے کیا حکم ہے؟" وہ نظر سے مسکرائی۔

"یہ آپ کا ذاتی کمرہ ہے' جیسے چاہے تصرف کریں"۔ وہ بھی مسکرایا۔

"تو پھر آپ کھانا نہیں کھا رہیں؟"

"نہیں' مجھے بالکل بھوک نہیں"۔ اس نے سنجیدہ ہو کر جواب دیا۔

"تھوڑا سا کھا لیں' شام کو آپ بابا اور چچا جان کے ساتھ لیے حویلی جائیں گی"۔

"کتنی دیر لگے گی' حویلی کا کام سے آئے تو اسے میرے پاس بھیج دیجئے"

"آپ بابا' چچا سے خود بات کریں"۔

"حویلی کا کام سے آئے تو بھیج دیجئے' یہ ہاری کا حکم کہاں سے شروع ہو گیا؟ بس تو میری طرف سے یہی پیغام پہنچا دیجئے۔ میرے دل میں خیر آباد دیکھنے کی کوئی حسرت نہیں' اور میری بہت کم کردیں' میں طے کر لی جائے' چچا جان' بابا اور سرسوتی کو بھیج دیں"۔ اس نے کہری نظر سے ہاری کا جائزہ لیا۔

چلے ہاری نے مسکرا کر اس کی سمت دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ جو اس نے کسی اور کی آنکھوں میں نہیں دیکھی تھی۔

"یہ آنکھوں کو اداس کر دینے والی سادگی ہے"۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

"ابھی اوائل تو ٹھیک ہی ہے' مگر ہمیشہ نہیں رہے گا' اس لئے کہ بابا صاحب سرائے کھولے ہوئے ہیں"۔ وہ گویا ہوا۔

"اچھا"۔ اے حیرت ہوئی۔ "کیا یہ آپ بہت خوش ہوں گی"۔ اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

ہاری چپ رہا۔

مایوں نے اس کی چپ کو اپنی کوئی بات سمجھا۔

"سرسوتی"۔

"میں اس سے معلوم کر لیتا ہوں' کہ اس نے وہ کپڑے کہاں رکھے ہیں"۔ ہاری نے پیچھے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ مایوں کی بات اس نے ٹوکا لا بیٹھا تھا۔

"مجھے اس سے ایک ضروری بات کرنا ہے"۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔ ہاری کو تشنگی کا احساس ہوا۔

ہاری جاتے جاتے رک گیا' پھر کچھ سوچ کر پلٹا۔ نہایت خود اعتمادی سے اس نے مایوں کے پیروں پر جھکنے کی کوشش کی تھی۔ ایک لمحے کو تو مایوں بھی گھبرا گئی تھی۔

"مایوں بی بی! اب سب کچھ بھول جایئے' سن لیا' پھر کیوں مجھے پریشان کر رہی ہیں؟" اس کے لہجے میں ملائمت تھی۔

مایوں نے بری طرح چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تھوڑے سے فرشتہ ہی نظر آجاؤ تو ذرا سا بھروسہ ہو جائے' زندگی کا اس سے بہتر کیا ہے گا"۔ مایوں کے لہجے میں حیرت تھی۔

ہاری نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی' پھر مبہم سا مسکرایا۔

"یوں بھی زیادہ باتیں کرنا میری عادت نہیں' اس لئے اس بھی کہوں گا' مجھے رخصت ہونے کی اجازت دیں"۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

"ہاری"۔ مایوں نے بے ساختہ سے آواز دی۔

وہ رک گیا اور اس کی آواز کا انتظار کرنے لگا۔

"تم کون ہو؟"

"آپ کی طرح مجھے بھی اس سوال کے جواب کی تلاش ہے"۔ وہ دروازہ باہر نکل گیا تھا۔

مجھ نے ۔۔۔ پہم تین بار اسمبل سے فون کیا تھا۔ اس کے لہجے میں بے حد پریشانی تھی۔ اس نے وجہ پوچھی تھی' مگر اس نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا تھا۔

"بابا صاحب کو اطلاع کی جائے۔ مجھ کی کی حالت غیر ہو رہی ہے"۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ان کا فون بند ہوتے ہی موبائل بجنے لگا تھا۔ وہ اسی انتظار میں تھا۔

اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی اور بکھری بھی۔

موبائل میں انیٹنا ٹوٹا ہوا تھا۔ دوسری طرف سے ریسیور اسی نے اٹھایا تھا۔

ریسیور اٹھاتے ہوئے اس کا دھیان روشی کی طرف گیا تھا۔ اس نے خود کو بے بس پایا۔ بے بسی کا احساس کتنا برا تھا۔

"ہیلو ——" اس نے بے چین ہو کر پکارا۔

"موبائل بات کر رہی ہوں"۔ موبائل کے لہجے میں غیر معمولی پن واضح تھا۔

"کیا موبائل بی بی اور باری؟" استعجاب تھا۔

"کون —— باری؟"

"جی اسی ہوں"۔

"بابا صاحب سو رہے ہیں؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"جی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ وہ تو پانچ بجے سوائے چلے گئے تھے"۔ اس نے تفصیل سے جواب دیا۔

"اوہ اللہ! باری ماموں؟"

"وہ بھی صبح سے کہیں گئے ہوئے ہیں"۔ "جب وہ آئیں گے" "خیریت ——"

"خیریت نہیں ہے۔ بابا صاحب کو سیدھے فون کرنے کو فوراً اطلاع کر دو کہ روشی نے خودکشی کر لی ہے"۔

ریسیور باری کے ہاتھوں سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"جی ——" "آپ نے اپنے کانوں پر اعتبار کیا؟"

"ہاں میں سمجھی کہتا"۔ موبائل کی آواز بھرا گئی

"کیا کیا ہے انہوں نے؟" اس کی آواز بہت کمزور تھی۔

"گولیاں کھائی ہیں —— پانچ —— اچھا جاؤ —— صاحب کو —— بابا صاحب کو فوراً اطلاع کرو"۔ موبائل نے ریسیور رکھا یا گرا دیا۔ باری کے کانوں تک کانوں پر لگائے کھڑا تھا۔

روشی کی طبیعت کبھی بھی ایسی نہیں تھی کہ اس کو قابل بھروسہ سمجھا جاتا۔ اس کے ایسے انداز پر کبھی کسی نے اعتماد نہیں کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کی ہر حرکت کو ڈرامہ سمجھا گیا تھا۔ اس کی ہر دھمکی کو کھوکھلا سمجھا گیا تھا۔ اس کی ہر بات کو بچکانہ سمجھا گیا تھا۔ اس کی ہر ضد کو بے وقوفی سمجھا گیا تھا۔ اس کی ہر خواہش کو بے تکی سمجھا گیا تھا۔ اس کی ہر بات کو بے معنی سمجھا گیا تھا۔ اس کی ہر بات کو بے وقوفی سمجھا گیا تھا۔ اس کی ہر بات کو بے تکی سمجھا گیا تھا۔ اس کی ہر بات کو بے معنی سمجھا گیا تھا۔

اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور ٹہلنا شروع کر دیا۔ اس پاس موجود ہر شے اپنی اہمیت اور دلکشی کھو رہی تھی۔ یہ جگہ اسے خالی خالی اور ویران لگنے لگی۔ اس نے بکھری چیزوں کو سنبھال کر سمیٹنا شروع کر دیا۔ انیٹنا نے فوراً بابا صاحب کو

"ہیلو —— ہیلو"۔

"کراچی سے فون آیا ہے بابا صاحب —— موبائل بی بی کا"۔

"موبائل بی بی —— کیا کہہ رہی تھی وہ ——؟" بابا صاحب ایک دم متفکر ہو گئے۔

"ابھی خیریت ہے خان"۔ باری نے انہیں مطمئن کیا۔

"جلدی بولو"۔ بابا صاحب کے لہجے میں بے چینی آ گئی۔

"روشی بی بی نے خودکشی کر لی ہے"۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ سمجھ نہیں آ رہی"۔ ان کی سماعت پر یقین نہ آیا تھا۔

"باری نے دہرایا۔ کیا کہا۔ بابا صاحب تھوڑا ہکلا کر بولنے لگے۔

"خان اور روشی بی بی نے پاگل کھایا ہے پاگل میں ہیں۔ موبائل بی بی تاریکی تھیں ان کی حالت بہت ہی خراب ہے"۔

"کیوں کیا اس نے یہ سب ——" ان کی آواز غصے اور صدمے کے مارے کانپ رہی تھی۔

"اور کچھ نہیں بتایا انہوں نے"۔

"جیسی خود اس کر گھر میں باری اور جواد سب بی بی اماں کی کو اطلاع دے دو"۔

"جی بہتر"۔

"آج کی کراچی جانے والی کسی فلائٹ سے میری اور بی بی جیٹ بک کراؤ۔ پھر مجھے اطلاع دو میں ائیر پورٹ پہنچوں گا۔ تم کراچی فون نہ کرنا سمجھ رہے ہو"۔ ان کی آواز کسی ایسے صدمے کی متحمل نہ تھی۔

"پھر بھی کر رہا ہوں۔ گھر میں کسی کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں آج کل وہاں اس کی خالہ بھی موجود ہے۔ میرے پاس پہلے ہی بہت سے سوگوار موجود ہیں"۔ انہوں نے بے کہتے ہی ریسیور رکھ دیا تھا۔

باری نے ریسیور رکھتے ہوئے گھڑی کی سمت دیکھا۔ پھر فون اٹھایا۔ ریسیور دوبارہ اٹھایا۔ اب وہ اطلاع آپریٹر سے آپریٹر کر رہا تھا۔

"صوفی تمہارے بچے کی تو دنیا میں آنے سے پہلے ہی خودکشی کر رہے ہیں گے۔ تمہاری حالت پر کڑھتے ہیں گے"۔

آج وہ بھی اپنے بچوں کے لیے بہت پریشان تھا۔

"اس یار کو اپنا کون پیار ہے تو سب ہے"۔ وہ بڑبڑایا۔

جو تجھ سے کرے پیار تو کیا کیا نہ کرے

اپنے آپ سے بھی دل خفا مجھ سے بعد

وہ گنگنا رہا تھا۔

وہ گھڑی تم کو یاد کرے گا

www.paksociety.com
www.Paksociety.com

ہم نظر آئے ہم تو کبھی خدا میری طرح
یہ الفاظ ہاکم کا وقت نہ آئے وہ
آپ بھی اسمبلی کے بیان میں وہ میری طرح

کیا سمجھے۔ اپنے پیاں کی بھی بکھر جاتیں ہوتی ہیں یہاں ناظم کوئی اپنا نہیں ہوتا"۔ وہ زیر لب ہو کر ہنس رہا تھا۔

"چھوڑو یہ سب باتیں یہ بتاؤ تمہاری درخواست آگے بھیجوائی؟" عارف نے یاد دلایا۔

"بھیجوادی مگر اس لال خان کی مہربانی تعالیٰ ذرا تیز مزاج کی ہے گھر والی" آہستہ آہستہ اس پر لاؤں گا"۔

اس نے آسمان کی طرف اٹھتے پرندوں کی قطاروں سے مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اتنی احتیاط کیوں کر رہے ہو۔ ہمت کرو۔ یہ تو قسمت کے بغیر ملنے والے کو دلانے کے لیے (رشوت بھی کرنا چاہیے۔ لیڈ منشائی کو بھیجو۔ زبردستی سے سوچیں گے۔ ہو سکتا ہے کام بغیر محنت کے بن جائے"۔ وہ پرامید تھا۔

"مال کھا کے (رخانہ گولی اچھی بات تو نہیں"۔ اس کی خوددار طبیعت بلبلائی۔

"دلائیں گے کیوں کام کرنے کے پیسے لیں گے۔ اسے منشائی کے نوکر پر شاہ دلی سے دم کر لیں گے۔۔۔ اور بولے"۔

وہ ہنسا۔

"صحت دیکھی ہے لال خان کی اس جوانوں پہ بھاری ہے۔ تیس سال اور چلے گا ابھی۔ اتنی جلدی بوڑھی ہونے والی آسامی نہیں۔ عورت تو چاہے بچے پیدا کرتی ہے وقت سے پہلے بوڑھی لگنے لگتی ہے"۔ عارف نے ایک اور پتا پھینکا۔

"ابھی تمہاری لڑکی کے جوڑ کا نہیں لگتا شادی کو دو سال ہو گزریں گے تو تمہاری لڑکی برابر کی لگے گی"۔

عارف نے بات اور آگے بڑھائی۔

"کہاں لے جا رہا ہے؟ میں تو اڈا پر ہوں۔ مسئلہ تو گھر والی کا ہے"۔ وہ چیخ گیا۔

"تو تیرے سے تھوڑا ہی بول رہا ہوں؟ گھنٹی دے رہا ہوں"۔ وہ ہنس پڑا۔ عارف ہنسا۔

"کیا سودا ہے بھائی؟" نبی بخش تم اپنی گھر والی کے آگے کل دینا اور بس"۔

"اتنا آسان کہاں ہے سب اگل دینا"۔ وہ زبردستی مسکرایا۔

"اب تو کہہ رہا ہے یار۔ کمائی والے مرد کے آگے تو عورت بچھ جاتی ہے"۔ اس نے بے حد خیرال کا مظاہرہ کیا۔

"ارے بعد والی تو بہت اور دل ہے ان کی۔ رات کو مر کے سوتی ہے۔ پر بھائی یہ تو کا معاملہ ہے"۔ اس نے بہت سوچتے ہوئے جواب دیا۔ اس ایک وقت میں جانے کہاں کہاں بھٹک گیا تھا۔

"تو اب تم شروع کرو سلسلہ دیکھ بڑی ہمدردی کر رہا ہوں تم سے"۔

"بڑی مہربانی" اس نے عارف کی بات کاٹ دی "دیکھ رہا ہوں تو اصلاح پہ چلتی ہو گی کچھ نہ کچھ"۔

عارف نے بھی بات کاٹ دی۔

"میری بھی کچھ نہیں آ رہا" تم بھی آگے صورتحال کیا کر رہے ہو۔ میں تو تمہارے کسی کام کا بھی نہیں"۔ اس نے اپنی طرف سے انکسار کیا مگر سرسری تو اس نے ازلی سادگی سے جواب کریدنا شروع کر دیا۔

"میں نے کہا نا ماں باپ خوش ہو جا"۔ عارف نے جھنجلا کر جواب دیا۔

"میں نے کسی اور کی بات کی ہے۔ جس کی یہ میں تقدیر بھی اللہ پاک نے میرے ہی ہاتھ میں رکھی ہے۔ کسی اور کی کیا ضرورت ہے"۔ اس نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا۔

"دیکھ بھائی ابلے ہوئے سے دور رہا کر۔ ابلا ہوا کھانے کی عادت نہیں ہوتا۔ اس اتنی سی بات سے بچنے کے لیے دوسرے ہوئے کی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ پیٹ بھرے کو بھوکے کے کوئی کیا سمجھائے گا وہ بچا کا نہیں چاہتا"۔ عارف نے کہا۔

"تم نے پتا ہے میں کچھ نہیں بتاتے جب بھی تمہاری بات کرتا ہوں ادھر ادھر کی ہانکنے لگتے ہو"۔ اس نے الجھتے ہوئے عارف کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

"جس بات سے کچھ حاصل نہ ہو وہ بات کرنے کا کیا فائدہ۔ اب تم مجھ سے وہ بات کرتے ہیں جس میں "حل" بھی ہیں اور "حلوے" بھی"۔ پھر وہ بے ہنگم سی ہنسا۔

پھر کسی سے خیال تو آتا ہے تمہارے۔ تم اتنے اکیلے کیوں ہو؟ تمہارے آگے پیچھے کوئی نہیں اور پھر تنہا۔۔۔ بہت اکیلی ہو"۔ اس نے عارف کے چہرے پر نظریں جمائیں جیسے جواب کا انتظار کر رہا ہو۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ میں تنہا ہوں؟ تمہارے دماغ نے ہو تو تم پر کس کا راز کھل گیا"۔

"بس۔۔۔ بھائی۔۔۔ پریس کانفرنس میں بلا دیا تھے"۔ وہ ہنسا اور کھانسی شروع ہو گئی۔

"وہ پریشان ہو کر اٹھا۔ اسے دیکھ کر بھائی جلدی سے پانی کا گلاس بھر کر لایا مگر کھانسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"اب چلتے سے پہلے آگ جا رہے ہو پتے کیوں ہو؟" اس نے بے ساختگی سے کہا۔

"کچھ تو بھید ہے اوپر والا نہیں پتا کہ ہم ہنسیں۔ تھوڑا رو بھی کرتے ہیں اور پھنس جاتے ہیں"۔ وہ کھانسی کے بعد سانس درست کرنے لگا۔

واپس آیا تو وہ اپنی کرسی پر سر پکڑے بیٹھا تھا۔

اس نے گلاس اسے تھمایا "خوش ہو جا عارف" نے ایک سانس میں خالی کر دیا۔

"مت پوچھا کر وہ یہ سوال جنہیں ہیں اگر پہلے فیصلہ کا پھر تماشا کی کا دیکھا چاہیے"۔

عارف نے گلاس کی اس پر والد کے اندر رکھا۔

"بھئی۔۔۔ تو کوئی ایسا سوال نہیں کیا جسے میں تو نہیں آتا"۔ وہ الجھا۔

"اچھا" عارف مسکرا کر باہر کے طرف دیکھنے لگا۔ "کچھ تمہارے سوال ہیں مگر ہر سوال ایک شعر یاد آیا۔ وہ کہا

ہے ہر زاویے سے
نظر آئے نہ کہیں اس کے برابر کا دوسرا
یہ لوگ کیوں میرے دلِ حیراں کو دیکھتے ہیں
تم تو ہماری کچھ نہیں لگتے، مگر خیر ہمدردوں کو کہاں سمجھاتے ہیں"۔

"یہی بات ہے مجھے، اتنی سمجھ نہیں آتے تمہارے شعر"۔ اس نے اعتراف کیا۔

"ایک تو تم بات پوری کرتے نہیں، بیچ میں چھلانگ مار دیتے ہو"۔ عارف کے فلسفیانہ تبصرے اثر میں پھر خلل واقع ہوا تو وہ جھلا گیا۔ فلسفے کا تسلسل ٹوٹنے سے ایک ضرب سی پڑی تھی دماغ پر۔ وہ "حوالی" کے انتظار میں خاموش ہو گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

"ناراض ہو گئے۔ اچھا اب بیچ میں نہیں بولوں گا"۔ وہ اسے چپ دیکھ کر شرمندہ سا ہو گیا۔

"اسے نہیں بولا، ناراض وراض نہیں ہوتے ہم۔ جب چپ ہوتے ہیں تو کچھ سوچ رہے ہوتے ہیں"۔ اس نے گھاس نوچتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

"اب کیا سوچنے لگے"۔ اسے نہ جانے کیوں عارف کی سوچ سے دلچسپی ہو جاتی تھی۔

"کچھ نہیں، بس یہی کہ

آئے ہے بے کسیِ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

اسے افسوس ہوا تو کہہ دیا اسے بھی، پھر ایک شعر ۔۔۔ اس کا سر پیٹنے کو دل چاہا تھا۔

یہ کوئی سکون کا موقع نہیں تھا کہ وہ وارننگ کا اہتمام کرتا۔ اس نے دائیں دروازہ کھولی تو سامنے فرنٹی سٹاری سوٹ نظر آیا۔ اس نے وہی پکڑ لیا۔ تین چار شلوار سوٹ ایک چھوٹے سے سفری بیگ میں رکھے، ایک دو کتابیں، تین چار رومال، سن گلاسز گھر میں پہننے والی چپل اور ایک واک مین۔ اس نے باہر روشنی کو ہوٹل کے کونے میں کتاب ہاتھ میں تھامے واک مین سے موسیقی سنتے دیکھا تھا۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" وہ بڑی ادا کو پیدا کر کے وہ بابا صاحب کے ساتھ کراچی جا رہا ہے۔ رابعہ داری صبر کرنے کی دعا دیتا تھا کہ اسے عقب سے سائیں کی آواز آئی۔

وہ قدرے چونک کر رہ گیا۔

"کہیں کی نہیں، اس ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں"۔ وہ نظریں چرا کر سامنے دیکھنے لگا۔

"مگر یہ پارٹی سیک اپ ہے"۔ وہ اسے مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ارے کبھی کبھی تو ہیرو جاتے ہوئے مل جاتا ہے"۔ وہ خفیف سا ہو کر مسکرا دیا۔

بناوٹ سنجیدگی اور سنجیدگی مسکراہٹ تھی۔

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔ کچھ ہی دیر میں بابا سوٹ کیس نکالنے کے لیے کہیں گے۔ تم اس سے کہنا کہ تمہارا سوٹ کیس بھی ساتھ لے جائے گی"۔

وہ بہت سنجیدگی سے حکم صادر کر رہی تھی۔

"کی کہا کیا"۔

"جیسے کہے"۔ وہ بھی بھی تھی اور تھوڑے برہم تھی۔

"کی کہ آپ کو مجھ سے بہت ضروری بات کرنا ہے، پھاٹا حافظ"۔ اس نے قدم بڑھا دیے۔

"میں انتظار کروں گی"۔

"کی بکواس"۔ اسے اس وقت کی سمجھ نہیں آ رہا تھا بھڑکا تھی۔

اب وہ بابا صاحب کے ساتھ سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ مہربان ہاں کی طرف چلا آیا۔

"کاہان ایویں ادھار شیر تک اوپ تو کرو"۔

"کہاں جانے کی تیاری ہے؟" اسے شیر جانے کی مثال سے بخار چڑھنے لگا۔

"ناہر بھی ہے، کراچی کا ٹکٹ بابا صاحب نے بنایا ہے"۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

بابا صاحب نے اسے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی؟ اس نے بے حواس ہو کر تھوڑی سے لگی شرٹ، ٹائی اور جلدی جلدی پہننے لگا۔

"میں کل شیر سے بات کروں گا، کچھ۔ وہ سمجھ اس لئے ہے کہ ادھار تو ہے نہیں، گاڑی لے جاؤں تو واپس کون لائے گا؟"

"تو کیا گل ان تم ہمارے ساتھ نہیں جا رہے؟"

"جانا ۔۔۔!" اس نے سوالیہ انداز سے باری کو دیکھا۔

"سب کے پاس ہری اپ پلیز، ایک ایک محترمہ ہے"۔ وہ بہت الجھا ہوا تھا۔

"فلائٹ میں ابھی کہاں کی تیاری ہے؟" جواب میں اس نے سوال کیا۔

"کام سے جا رہا ہوں"۔ اس نے جواب سے نظریں چرائیں۔

"کام سے کون لگ گئے؟" اس نے پاؤں جوتوں سے آزاد کر کے صوفے کا سہارا لیا۔

وہ تاؤ کھا رہا تھا کہ اس کی شرارت سے دفاع کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی، وہ باہر آ گیا۔ بابا صاحب کو اس نے فون کر دیا تھا اور اسے یقین تھا وہ اس سے پہلے ایئرپورٹ پہنچ جائیں گے۔

لفٹ رکنے سے پہلے اس نے ایئرپورٹ کے احاطے میں قدم رکھا تو بابا صاحب کے ڈرائیور نے آگے بڑھ کر اس کا سوٹ کیس اٹھا لیا۔ اس نے بابا صاحب کو دیکھا، وہ کار کی طرف بڑھ گئے۔ وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑا۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

ہوا تھا کہ اڑتے بھیڑیے کی نظر نے نظر سے اس نے بابا صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی بھوری کو [illegible] میں زمین پر مار رہے تھے' پیشانی پر لکیروں کا جال گہرا تھا۔ اتنی بھیڑ اور شور کے باوجود وہ ایک بے خبری کی کیفیت میں تھے۔ ہاری کو کئی بار محسوس ہوا جیسے وہ خود سے باتیں کر رہے ہوں۔

ملاقات میں ابھی دیر تھی' وہ لاؤنج میں ایک صوفے پر براجمان ہو گئے۔

یہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ کا سب سے بارونق حصہ تھا۔ مختلف شہروں کے ہوائی مسافر اپنی اپنی فلائٹ کا انتظار کر رہے تھے۔ یہاں نے مختلف چہل پہل کر رہی تھی۔ بھاگ دوڑ بھی تھی۔ بے چینے اور اپنے سر پر سوار سے لاپرواہی بھی کر رہے تھے۔

گود کے بچے کا رونا دھونا بھی تھا۔ کسی کا ایک حصہ تھا۔ کسی کے بچے اردو اور انگریزی میں ہونے والی اناؤنسمنٹ ماحول میں نئے سرے سے ہلچل پیدا کر رہی تھی۔

ہاری کے باوجود وہ لوگ اپنے اپنے دھیان میں تھے۔ ان کی فکر کا تسلسل کوئی بات کوئی چیز توڑ نہیں پا رہی تھی۔

"اور کچھ بھی کہا تھا موت نے ...؟" آخر بابا صاحب نے چپ توڑی۔

"جی نہیں"۔

"دوبارہ فون نہیں آیا؟"

"جی نہیں"۔

"تم نے اطلاع دی؟"

"جی"۔

"کون ملا تھا فون پر؟"

"روبی"۔

"کچھ کہا نہیں اس نے؟"

"جی نہیں"۔

"تم نے بھی کچھ نہیں پوچھا؟"

"وہ بہت دور تھی"۔

"تمہیں پتا ہے تھا کچھ سے بات کرنے"۔

"وہ پتالی میں ہیں' روبی بی بی کے پاس"۔

"اندر کی؟"

"وہ بھی"۔

"پھر تو موت کو آنا تھے فون پر"۔

"وہ بھی شاید کہنا چاہتی ہیں کچھ ... بی بی نے بتایا تھا"۔

"کیا کہنا تھے گی؟"

"جی نہیں"۔

"بی بی سے ملاقات ہوئی؟"

"جی"۔

"کیا بات ہوئی؟"

"میں نے ضروری کام کا کہہ کر جلدی کا مظاہرہ کیا۔ موقع نہیں دیا انہیں بات کرنے کا"۔

"اندر کی روشنی کو نہیں پہچانا؟"

"میں نے زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں دیا"۔

"اچھا کیا۔ یہ کسی ایک سلسلے کی طرح اٹل معاملہ ہے۔ ہمیں اس کا حل ڈھونڈنا ہے"۔

ہاری خاموش رہا۔

"اس نے اتنا بڑا قدم اٹھا کر ہماری نسلوں کی حفاظت پر مامور فرشتوں کی ہے ہم سے معافی نہیں کرتے۔ کارروائی ہمارے جانے کے بعد شروع ہوگی۔

فی الحال خود زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے"۔

"ہمیں اس کی موت کا ذمہ دار نہیں ہونا"۔ ان کا لہجہ بے حال تھا۔

ہاری کا دل کہیں کسی اتھاہ میں اترا۔

"ہاری؟"

"جی خان"۔

"خاندانی وقار و پاسداری کے کتنے فیصلوں کی حفاظت کا جوا ہوتا ہے' وہ بات صرف عجیب چھپاتی ہے' خون نہیں ہوتی۔ ہم اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے کہ گزری میں ان کے لگانے کی اجازت نہیں دیں گے۔

روشنی نہیں ہوتی۔ جس جس کے مختلف حصوں سے گزرتی ہے تو نور بانٹتی ہے۔

اسی طرح خاندان کا تاج ہوتا ہے جس کی بات کو ہم نے جس جس حصوں اور پرزوں کے شکست کا حصہ ہوتا ہے"۔

وہ خاموش ہو گئے۔ ہاری کو لگا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ کچھ ایسا جو ان کے لیے مشکل ہے۔

"ہاری! تم جانتے ہو کہ میں نے اپنی زندگی کے کتنے فیصلے کیے ہیں۔ ان میں سے کتنے ایسے ہیں جن کے بارے میں میں نے سوچا ہو کہ ان کے نتائج کیا ہوں گے۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

زری نے ڈاکٹر کو روک کر اس انتظام پر کوئی اعتراض تو نہیں کیا تھا مگر بات تو نہیں اور پر چند ڈاکٹر نے اس کی آنکھوں میں جو فکر اور الجھن دیکھی تھی وہ تو اسے دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی۔

اب کبھی ادھر روشی کی طرف لگتی لگا کر دیکھتیں اور ادھر زری موسیٰ کی طرف۔

رات کے پونے گیارہ بج چکے تھے۔ بابا صاحب بس نکلنے ہی والے تھے۔

ایک تو تھکاوٹ اس پر مستزاد بابا صاحب کی آمد۔ گھر کے کھلبے میں ایک دھکم پیل شروع ہو گئی تھی۔

"ہائے روشی! کیا ہو گیا تیرا؟" انہوں نے ترحم بھری نظروں سے ہوش و حواس سے بیگانہ روشی کی طرف دیکھا۔ "او اکبری الحال روشی کی جان بچ جائے۔ افسوس جان بچ کر بھی دے بچے گی کیسی ناراضی کی ہے تو نے"۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

وہ گھنٹوں میں سر دے کر بیٹھ گئیں۔ اب تک بہت ضبط سے کام لیا تھا مگر جیسے اب دل پر اختیار نہ رہا تھا۔ پھر بھی وہ اتنی حاضر دماغ تھیں کہ آس پاس چلتے پھرتے لوگوں کو شبہ بھی نہ ہو کہ وہ روتی ہیں ناک بھی تو رومال سے پونچھ لیتیں۔ بس اتنی ہی دیر کو سر اٹھاتی تھیں پھر گھٹنوں میں دے لیتی تھیں۔

بدر و حنین ہفت گزر گئے۔ تب زری نے آکر بتایا کہ موسیٰ کو ہوش آ گیا ہے مگر مسلسل کھو رہا ہے اسے ابھی وہیں رہنا ہے وہ یا تو اسے گھر لے جائے"۔

"اختر تو بابا صاحب کو لینے ایئر پورٹ گیا ہوا ہے۔ وہ آ جائے تب ہی لے جا سکتے ہیں" وہ زری سے نظریں چرا کر جواب بھی دے رہی تھیں اور ناک بھی پونچھ رہی تھیں۔

"روشی ہو گئی۔۔۔؟" زری کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اس نے چونک کر شیشے کے پار دیکھا تھا وہ روشی نہیں وہ کوئی اور ہی عورت تھی۔

"بس ایسے ہی۔۔۔ سگی بہنوں سے بڑھ کر محبت ہیں اس کے اگر اسے کچھ ہو گیا تو میرا دل پھٹ جائے گا"۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھیں۔

"اللہ نہ کرے"۔ زری نے سر اپنے سینے پر ٹکا لیا۔

"اس نے کیوں کیا یہ سب؟ کس شے کی کمی ہے اس کے پاس۔ بابا صاحب تک اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کر جاتے ہیں"۔ وہ اس طرح زری تھیں جیسے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے ہوں۔

زری جو گھر کے مرحلے سے تنویت پکڑے ہوئے تھی خود بھی آنسو بہانے لگی۔

ہادی بابا صاحب اور اختر سے چار قدم پیچھے ہی چل رہا تھا۔ بہت سارے وسوسے اس کی جان کو لگے تھے۔ قدم من کا بھر کے ہو رہے تھے۔ اب جو سامنے کھڑی روتی گلے ملتی عورتوں کو دیکھا تو جیسے اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

اس حویلی میں دو عورتیں ہیں۔۔۔ مگر!

جو شخص دونوں کا سا مطلق۔۔۔

ماکھوں کی سی تھکن۔

آنکھوں میں پھیلی ہوئی ویرانی اس کے اندر سے قل قل کر رہتا کھائی دے رہا تھا وہی جیسے اس کے پیٹھ ماں کر گیا تھا۔

وہ اتنی بے خوف تھی کہ اس کی سرد آنکھوں میں پلکیں جھپکا رہی تھی۔

وہ حنین قسم کر اپنی جگہ کھڑا رہ گیا تھا۔

"بی بی اعان تشریف لے آئے ہیں"۔ اختر نے دھیرے سے بتایا تھا۔ زری نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گھنے بالوں اور ایک دم کھڑی ہوئی ناک کے ساتھ سارے میں جیسی سوچ کے بادل چھا گئے۔ وہ بھی کی بھی رہ گئی۔

بالکل ہو بہو۔ "السلام علیکم" نکل گیا تھا۔

"وعلیکم السلام! ڈاکٹر کدھر ہے؟ بات کرنا"۔ بابا صاحب جو ان کے دیکھنے کی وجہ سے قدرے ٹھٹک گئے تھے پھر بات کرنے کی اپنی وضع میں واپس آ گئے۔

"جی اچھا زری ڈاکٹر کو بلائے دو ذری گی۔

"کوئی ایسی بات جو تمہارے علم میں ہو جس کی وجہ سے یہ سب ہوا؟" وہ پھر زری کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"جی نہیں مجھے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ شاید وہ کراچی آنا نہیں چاہتی تھی"۔ گھنے سے بھنک کر گویا ہوئی تھیں۔

"ہوں!" بابا صاحب نے گہری سوچ کا ایک لمبا ہنکارا بھرا۔

"مگر بیٹی! کراچی آنا یا نہ آنا ایسی خاص بات نہیں کہ انسان زندگی داؤ پر لگا بیٹھے۔ سنگین ہے بھی ہے مگر ہو۔ مسئلہ"۔ ان کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو گئیں۔

"بابا صاحب! ڈاکٹر اپنے کمرے میں ہیں' آپ وہیں آ جائیے' آرام سے بات ہو جائے گی وہاں"۔ زری نے اختر کو ان گہری سوچ کی دلدل سے باہر نکالا۔

"یہاں بچی موت سے لڑ رہی ہے۔ وہاں بھنک مار رہے ہیں"۔ اسے تو انہیں اس کے ہوش آنے تک کمرے سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ اب میں ان نوابوں سے مخاطب ہوں" بابا صاحب علی خان چل کر جانے کے احساس سے ایک دم مشتعل ہو گئے۔

ایک تو آتے ہی نظر انہوں نے آکسیجن ماسک کی مریضہ سے ہوش پر بھی ڈالی تھی۔

"یہ اسپیشل پرائیویٹ وارڈ ہے؟" وہ زری سے مخاطب ہوئے۔

"جی بابا صاحب!" ان کو ہمہ تن گوش دیکھ کر وہ بے حد تحمل سے کہنے لگی۔

"یہ بھی ہم بھجوائیں گے اور نرسز بھی ہم لگائیں گے۔ تاکہ ہے کسی الزام دہی سے ڈاکٹروں کے سامنے وہ کوئی کارکردگی دکھا سکے"۔

وہ ان سے ہاتھ ملا کر بابا صاحب اور علی خان کی صورت دیکھنے لگیں۔

اس وقت مشکل گھڑی تھی۔ ڈاکٹروں سے رجوع کی کوئی صورت نہیں نکالی جا سکتا تھا۔ وہ کیسے بھی "نہ" کہتی" سوچا۔

باری کے اوسان بحال ہو چکے تھے۔ اصل صورتحال سے پیچھے تک اب اس کی رسائی تھی۔ وہ سر سے آزار ہو کر ان کی جانب بڑھا کہ بات گھر تک نہ پہنچے۔

"خان"۔ اس نے انہیں پشت کی طرف سے پکارا۔

"خان! اگر تو وہ پیر سے ظاہر ہے نہیں ہوگا۔ اب رات ہو گیا ہے اس لئے تھوڑی دیر کو چلا گیا ہوگا"۔ بی بی کہیں ہے۔ ابھی آ رہی ہوگی خان۔ پھر صورتحال کنٹرول میں ہوگی۔ وہ بے ہوش ہو جائے"۔

اس کو سب بابا صاحب کا ریموٹ کنٹرول کہہ کر چھیڑتے تھے۔ اس لئے کہ حیرت انگیز بات تھی۔ کہ بابا صاحب اس کی ہر بات کو سنتے تھے اور باقاعدہ نوٹس لیتے تھے۔ یکی ہوا۔ اس کی دھیمی آواز اور پے در پے ٹھنڈے الفاظ جیسے ہی ان کے کان میں اترے۔ ان کے چہرے پر موجود تناؤ کی کیفیت معدوم ہونے لگی۔

"تم بھی چلو ہمارے ساتھ تم ہی بات کرو گے ان "الفاظوں" سے۔ ہم کلام نہیں کریں گے جو مریض سے بے جا خوش گپیاں کر رہے ہیں"۔ وہ چھڑی پر دونوں ہاتھ ٹکا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی"۔ باری ٹھنڈے کے اس پار نہ جانے کیا دیکھ رہا تھا۔ ایک دم چونک کر ان کے پیچھے ہو لیا۔ گھوڑا بھی روزی کو ہیں چھوڑ کے ان کے پیچھے آنا شروع کیا۔

"شکر ہے باری ساتھ آیا ہے"۔

"یا معقولیت کی حد تک ہم اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ ایسا لگا۔ جیسے "ہاں بی بی" کی ہو"۔ باری کھسیا کر کچھ ہی گئی۔ اکثر لوگ کے ماحول میں لے آنے کیلئے مسکراہٹ کی کرنیں چھٹکیں۔ ایسی ہی ہلکی پھلکی مسکراہٹ جیسے کہ بچے ماحول کو ہلکا پھلکا کرتے ہیں۔

دونوں سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ بابا صاحب اور باری کو دوبارہ اس طرف آتے آتے آرام محسوس کیا تھا۔

"زری بی بی! آپ لوگ جائیں نہیں اس یہاں پر"۔ باری ان سے مخاطب تھا۔

"ہم تھک گئے ہیں تم تھک گئے ہو آرام کرلو"۔ گھوڑا ہاں سے کسی طرح ہلنے کو راضی نہ تھیں۔

"باری ٹھیک کہہ رہا ہے تم لوگ گھر چلو اب کوئی بات نہیں"۔ بابا صاحب اپنے مخصوص تحمل کن لہجے میں مخاطب ہوئے۔

دونوں نے بے اختیار سے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔

"میں ہوں کو لے کر آتی ہے"۔ زری بادل نخواستہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہوں کہاں ہے؟" بابا صاحب جو گم صم کیفیت میں روزی کی سمت متوجہ تھے ایک دم چونک پڑے۔

"وہ ادھر وارڈ میں ہے بے ہوش ہو گئی تھی"۔ زری جلدی سے بولی۔

"کیوں بے ہوش ہو گئی تھی طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی؟" وہ پریشان سے نظر آئے۔

"وہ بہت ڈر گئی تھی روزی کی وجہ سے"۔ گھوڑے نے اشارے سے بتایا۔

"ہمم"۔ انہوں نے سر ہلا کر بات سمجھی کی۔ "اب کیسی ہے"

"ٹھیک ہے آپ لوگ جائیں نہیں رات ہو گئی ہے گھر جائیں"۔ باری نے ان کو مخاطب کیا۔

"جی بی بی؟"

"ہوں! اچھا ہم گھوڑی میں چلتے ہیں تم سوہنا کو لے آؤ۔ گھوڑا ہلو جیں"۔

گھوڑا دھیمی کی طرف دیکھتے ہوئے، نفی میں گردن ہلا دی۔

"باری! ابھی دل نہیں چاہ رہا۔ یوں بھی نیند آ رہی نہیں"۔ وہ اطمینان کا سانس لیتی ہوئی تھیں۔

"پلیز ــــ!" باری نے اس ان سے التجا کی۔ تب وہ آہستہ قدموں سے واپس بابا صاحب کے پیچھے چل پڑیں۔

"باری!" وہ جاتے جاتے ٹھہر گئیں۔

"جی!"

"کون کرے صورتحال بتانے، ہونہ، میں تمہیں بتا دیتی ہوں گی"۔

"بہتر ــــ آپ اطمینان رکھیں"۔ وہ اس تک پہنچ گیا جہاں اب تک گھوڑی ہوئی تھیں۔

"بی بی! کھانا کھالیں۔ بڑی بیگم کہہ رہی ہیں بھوک نہ ہو تو تھوڑا سا ہی کھالیں"۔ ملازمہ دروازے میں کھڑی تھی۔ بہت مودبانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"پہلے روزی کی شکل دکھاؤ؟" "وہ باتھ روم میں اس کے ساتھ چلا گئی"۔ وہ جیسے بھری بیٹھی تھی۔

"وہ تو ہی رات کراچی چلی گئی تھیں"۔ ملازمہ کی بات جس میں قدرے حیرانی بھی شامل تھی۔

"کیا ــــ؟" "وہ ایک دم اچھل کر کھڑی ہو گئی"۔ "کیا کہا تم نے رات کراچی چلی گئی تھی مجھ سے بتایا نہیں ــــ" وہ اس کا ذہن ٹٹولنے سے پہلے یہاں کہنے لگی۔

"رات ــــ تمہارا مطلب ہے کل رات؟" ملازمہ کے نزدیک چلی آئی۔

"جی بی بی! کل رات"۔ وہ ماتھے کے اوپر قدرے پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"کیسے یا کیسے گیا کے ساتھ؟" اس نے کل سے باری علی خان کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

"ساری لڑکیاں گئی ہیں بی بی! سوہنا کے ساتھ گئی ہیں وہ"۔ ملازمہ نے وضاحت کی۔

"سب گئی ہیں"۔ یہ ایک اور پہلو تھا۔ جو اس انکشاف تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اچھا! ماں! زاہاری کو بلاؤ"۔ وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"وہ جی ــــ خان اور بی بی میں نہیں ہیں"۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

"پھر کہاں ہیں۔۔۔؟" وہ ماں سے ماما کو بھیجے گی۔

"جی مجھے پتا نہیں۔ بڑے خان بھی تو نہیں ہیں' جہاں بڑے خان ہوتے ہیں تو خان (بابر علی) انہی کے ساتھ ہوتے ہیں"۔ ماما بے حد بے سوالات سے پریشان نظر آرہی تھی۔

"بڑے خان کہاں گئے ہوئے ہیں؟" اس سوال کے جواب میں ہی بابر کی کامیابی کا راز چھپا ہوا تھا۔

"جی مجھے پتا نہیں اہم ملازموں کو ایسی باتیں پتا نہیں ہوتیں؟" ماما نے اس کے مزید سوالات کے حملوں کو روکنا چاہا۔

"پھر کیسی باتیں پتا ہوتی ہیں؟" اس نے دانت پیس کر پاس رکھی کتاب اٹھا کر پھینکی۔

"ملازم کو تو بس صرف اپنے کام سے مطلب ہونا چاہیے۔ ہمیں ضرورت بھی کیا ہے پتا کرنے کی' آقا کے کاموں سے ہمیں کیا مطلب جی"۔ وہ ماہین کو غصے میں دانتوں کر پیستا ہوا دیکھ کر پریشان سی ہو گئی۔

"اچھا تم جاؤ"۔ اسے مزید رونا بے کار لگا تھا۔

"آپ آرہی ہیں کھانا کھانے' میں بڑی بیگم کو کیا جواب دوں؟"

"آرہی ہوں میں"۔ اس نے جیسے کوئی تہیہ کر لیا تھا۔

ماما کے جاتے ہی اس نے خود پر نظر ڈالی۔ رات سے اتنا سوگوار اب تھا کہ اس نے خود پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اب ظاہر ہے کھانا تو محفل میں ہونا تھا۔

اس نے فیروزی غلطاں کرتا اور سیاہ دوپٹے کا انتخاب کیا۔ فیروزی کپڑوں پر یہ کشیدہ کاری اور کالے دوپٹے پر فیروزی کشیدہ کاری نے لباس کو بہت خوبصورت اور جاندار بنا دیا تھا۔ بیماری تو وہ کبھی کبھار خاص مواقع پر ہی تبدیل کرتی تھی۔ ڈائمنڈ کے ٹنکے ہمیشہ اس کے کانوں میں رہتے تھے۔ ہونٹوں پر پنک لپ اسٹک کا ٹچ دیا اور دوپٹا کاندھوں پر پھیلا کر اپنے باتھ کمرے سے باہر آگئی۔

ذہن میں ادھیڑ بن جاری تھا' مگر چہرہ پر سکون تھا۔ وہ ڈائننگ ہال تک پہنچانے والے ہیچ میں داخل ہی ہوئی تھی کہ سامنے سے یاور علی خان آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ "اسلام علیکم" اس کا انداز غیر شعوری طور پر تفریحی ہو گیا۔

"وعلیکم السلام"۔ "ٹھیک ہیں آپ؟"

"میں کھانا کھا کر ابھی آتی ہوں' سوت جائیے گا"۔ اس نے ان کا سوال نظر انداز کر کے اپنی بات کی۔ اور آگے بڑھ گئی۔

یاور علی خان اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگے یہاں تک کہ اس کا سیاہ لہراتا ہوا آنچل موڑ پر غائب ہو گیا۔ تب وہ چونک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھے۔

آج کھانے پر وہ پہلے والی نہیں تھی' جو اس گھر کی ہر محفل کی جان نظر آتی تھی۔

یہاں سے وہاں تک سجیدہ' گہری اور خاموش نظر آرہی تھی۔ سامنے ہی عالم تاب بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ان کے بالکل سامنے والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے وہ ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ گفتگو سے پتا چلتا تھا کہ وہ دونوں کسی ملازم کی بات کر رہے ہیں۔ جس کی ہوائی سونے کی چڑیوں کی حفاظت ہوتی ہوائی اڈوں سے ہوتی ہوئی رانچی کی حدود میں داخل ہوئی۔

"السلام علیکم"۔ اس نے حاضرین کو سلام کیا۔ عالم تاب نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"وعلیکم السلام کی آواز میں کے بیچ ان کی بیاسہ۔ کہ مطابق ہونا۔

"طبیعت کیسی ہے اب؟ تم نے ماما سے کھانا یا تھا کہ کوئی ڈاکٹر بلا کر لے آتے۔ اس لئے میں تمہارے کمرے میں گئی تھی"۔

جہاں "راز" ہوتے ہیں وہاں "دشمنیاں" بھی ہوتی ہیں۔

"جی ٹھیک ہوں اب' اس سر میں درد بہت تھا۔ رات سو نہیں سکی تھی۔ پتا نہیں باتھ کی طرف سے کیسی آوازیں آرہی تھیں جیسے ذہن میں کھٹک رہی ہوں"۔ اس نے اس سب سے بے نیاز ہو کر بات کا آغاز کیا۔

مگر اس نے محسوس کیا کہ وہ تین خواتین کے علاوہ اس کی بات پر اور کوئی ردعمل نہیں دے رہا تھا۔ سب سے پہلے تو اس نے ماہین کی ہوائی ہوئی عالم تاب کا ایک لمحے لئے رنگ صاف محسوس کیا تھا۔

"یہ کھوکھر محل اوقات بہت لاپرواہی کرتا ہے' کتنے اصطبل میں کھلے چھوڑتا ہے۔ وہ رات کو باتھ میں بھاگتے پھرتے ہیں۔ بہت خوفناک قسم کے کتے ہیں۔ بڑی بھاری زنجیریں ان سے لگے ہوتی ہیں۔ شاید وہی کسی ان کو کھول لئے ہیں۔ زنجیروں کے ساتھ گھسٹنے کی آواز ہوتی ہے۔ یہ چھوں گی کھوکھر سے میں کہ کیوں لاپرواہی کرتا ہے۔ تاہ کتنی بے آرامی ہوئی تھی"۔ انہوں نے اس کی مدد بڑھا کر اظہار افسوس کیا۔

ماہین نے پھیلا ہوئے ہونٹوں سے دانت نکالے۔ ایک مسکراہٹ کے آگے بڑھایا تھے۔

"آج بہت سرسوتی نظر نہیں آرہی"۔ ماہین نے نہ جانے کیوں عالم تاب کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جانے وہ کس چیز کی تلاش میں تھی۔

"کھانے صحیح سے کھایا ہے"۔ سائرہ عمرانی نے جواب اس کے سامنے رکھے ہوئے قدرے تلخی کے انداز میں کہا۔

"دھیرے دھیرے ہوا ہے کپڑوں کا استری کیلئے۔ ایک تو گلابی کرا دی گئی ہوئی ہے اور نہ پہلے ہی جھلی ہے۔ کیا کیا کیجئے"۔

سرسوتی کا ذکر آتے ہی جیسے انہیں اپنی پریشانیاں یاد سے یاد آگئیں۔

ماہین کے صرف کان سائرہ عمرانی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ آنکھیں بدستور عالم تاب کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یاس نے نوٹ کیا کہ عالم تاب نے سرسوتی کی غیر موجودگی پر نہ کوئی تبصرہ کیا اور نہ ہی اس سے متعلق کوئی سوال۔ وہ اسی طرح کھانا کھانے میں مصروف رہیں۔ جیسے پہلے تھیں۔ حالانکہ گھر کی مشترکہ کی حیثیت سے سرسوتی کی غیر موجودگی کی وجہ۔۔۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے تھی۔ اس نے سوالیہ محسوس کیا کہ وہ سرسوتی کے ذکر کو ٹال رہی ہیں اور بچا رہی ہیں کہ یہ موضوع بیچ میں ختم ہو

جائے وہ اسی طرح مطمئن تھیں۔ جیسے یہ کوئی خاص بات نہیں۔

"آئے تو ہے کا دودھ جلتے اور کیے کا کہاں غائب ہو جاتی ہے بلیو بتائے نوکری نہیں ہوتی تو سیدھا سیدھا جواب دے"۔ جہاں آرا پھوپھی نے بھی بھاوج کی تائید کی۔

عالم تاب تو جیسے قسم کھا کر چپ تھیں۔

"آپ ڈانٹیں نہیں اسے؟" ماہین نے عالم تاب کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں — ہاں — ڈانٹتی ہوں آئے گی تو ڈانٹوں گی"۔ انہوں نے رکھی سے اندر میں جواب دیا۔ جیسے کہ یوں کا دل رکھنے کیلئے ان کی سب غلط اس کو ہی بات کر دی جاتی ہے۔

اور ماہین اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اس نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ عالم تاب اس گھر کے ایک ایک فرد سے نہ صرف باخبر ہیں بلکہ حصہ دار ہیں۔

"اس کی ماں بہت محنتی عورت تھی۔ اس گھر کی خدمت کرتے کرتے مر گئی۔ اس جیسے تنگ حال بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ نازنین تو اس کے بغیر کہیں جاتی تھی نہیں تھی۔ ایک تو ماشاء اللہ اس کے بال اتنے لمبے اور گھنے تھے کہ اس سے سلجھتے نہیں تھے۔ سرسوتی کی ماں کی ڈیوٹی تھی اس کے سر کی مالش کرنا سکھاتا۔ کبھی تھی آپا کی نگہ یہ کہیں ادھر ادھر ہو جائے تو میرا گزارا تو نہیں ہوگا۔

اس کو مالش کی اتنی عادت ہو گئی جیسے کوئی نشے کا عادی ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ جب وہ بچے گئی تو کراچی سے دوسرے روز فون آ گیا تھا کہ "دیا" کو فوراً جہاز سے بھیجیں مجھے نیند نہیں آتی۔ اس کی مالش کے بغیر۔ صبح سویرے میں "ملکہ" جیسی زندگی گزاری۔ اتنا عیش و آرام تو پاشا صاحب کی بیٹیوں کو بھی نہیں ملا ہوگا۔ جو اسے اس گھر کی بہو کی حیثیت سے ملا۔ آواگر یہ بیچاری تھوڑی عمر پا لیتی"۔

رقیہ یعنی نازنین کی بڑی نند سرسوتی سے اس کی ماں روبیا اور دیا سے نازنین پر آ کر رک گئیں۔ سرسوتی کا ذکر اور حوالہ تو ایک طرف چاہے اللہ نازنین کی برائیاں شروع ہو گئی تھیں۔

"پاشا صاحب نے پتے نہ جانے نازنین سے کیا کہا تھا اس اور کے بعد میں کہیں آئے۔ نہ میرے پھوپی جہاں آرا نے کہا تھا۔

"ہاں بعض لوگوں کی اس سلسلے میں قسمت بہت خراب ہوتی ہے۔ ہر ایک سے محبت پاتے ہیں۔ اپنی شرط پر زندگی گزارتے ہیں۔ اس کے باوجود ان سے پیار کیا جاتا ہے۔ ان سے لاڈ کئے جاتے ہیں"۔ عالم تاب نے آخری جملہ مکمل مرحلہ گفتگو میں با قاعدہ حسد سے ادا کیا۔

ماہین خاموشی سے ان کی گفتگو میں کھوئی گئی تھی ایک دم چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

اس طرح سے دیکھو۔ یقین کرو میں کبھی اس کے چاہنے والوں میں شامل رہی ہوں۔ اچھا لگتا تھا اپنی پاگل سی محبت کی۔ اس کے باتوں کی اداؤں میں ڈوبنے کی عادت تھی۔ میں ہر وقت سردی کا پیار لئے اس کے پیچھے پھرتے لگتی تھی۔ وہ

نہیں لگواتی تھی۔ کبھی کبھی وہ علی تو بہت پسند کرتے ہیں اور بہت تعریف کرتے ہیں میری مہندی کی۔ مجھے ہیں میری طرف سے صاف کا بہت بہت شکریہ ادا کر دیا کرو۔ مگر مجھے کبھی نہیں لگتی۔ لیے پے سر پر لیے اس کے ساتھ ہاں اس کے ساتھ ہاں ہاں تک کا مراحل آتا۔ اب یہ مختلف قسم کی صورتحال ہو جاتی ہے۔ مگر میں زیادہ تر کوشش کرتی تھی کہ جب سے یہاں کا لگی ہے تب سے یہ نوش"

عالم تاب مسکراتی ہوئی ماہین کے خوبصورت دانت دیکھ رہی تھیں۔

"میرے دل کو آج تک صبر نہیں آیا۔ بہت یاد آتی ہے وہ"۔ ان کی آواز دھیمی اور غمگین ہو گئی۔ وہ بچے کے بچے سے آنکھیں پونچھنے لگی تھیں۔

ماہین کی تو ساری پیاسوں کی دھری رہ گئی۔ وہ الجھ کر رہ گئی۔ اس کو تو یہ بھی بھول گیا کہ یہ کیا جاننا چاہ رہی تھی۔ صورتحال یکلخت بدل کر رہ گئی تھی۔

"میں تمہیں اس کی بہت شاندار تصاویر دکھاؤں گی۔ جو دیکھی پہلی پہلی ہم نے اسے ہمیں کی طرح پورے سجایا تھا۔ سچے پھول پہنائے تھے کہ اس کی بہت ہی حسین تصویر ہے وہ — ابھی چلتا ہوں کرنے میں کھانے کے بعد۔ یاد نے سونے کی زبردست کی تھی۔ گود میں چہرہ ان کا مکمل سجا ہوا ہے۔ اتنی شاندار تصویر ہے اگر کسی آرٹ گیلری میں لگا دی جائے تو اس سب اسی کو دیکھیں"۔ وہ ماہین کا اشتیاق بڑھا رہی تھیں اور ماہین کا الجھا دل چاہ رہا تھا کھانا وانا بھول کر پہلے وہ تصویر دیکھے۔

عالم تاب اس کا ذہن ادھر ادھر کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ اس بات سے اس کے ذہن میں ہوا کے اپنی آنکھ کے بچھڑ نہ تھا۔

"اگر وہ گھر آئی ہے۔ ساتھ بچھڑ جانے سے اس کے ذہن میں کلیئر ہے تھا جیسے لکھے گئے تھے۔ یہاں تو مجھے یہ کا شدید زار کھائی دیتا ہے۔ وہ سوچنے لگی۔ اتنا تو غیر سے یقین تھا کہ وہ لڑکیوں میں بڑی عورت گھر کی بالکل سے نہ تھیں تھی۔

اس ادھیڑ عمر کی ماہین اور مسکینی تھی اس سے تو وہ ان کی عمر خواہ میں سے تھی۔ مگر یہ سوال تو اپنی جگہ تھا وہ ہے وہ کون ہے؟ کس جرم میں قید ہے

"قید کیسے کہاں ہیں؟" عالم تاب نے اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ٹوکا۔

"کسی کو بات نہیں۔ کہاں ہوں"۔ وہ پھیکا سا مسکرائی تھی۔

"کیا تم اسے کہیں کھانا کھا چکی؟"

یہ وہ سوال تھا جو اسے سب سے پہلے کرنا تھا مگر محتاط کا انداز کچھ اس طرح ہوا کہ عجیب دشوار مل سا شروع ہو گیا تھا۔ سب سے بڑھ کر رات کا وقت اجنبی ہر اور خوف کر دینے والا تھا کہ باقی تمام معاملات کی حیثیت ثانوی سی ہو کر رہ گئی تھی۔

"کیسی احمقانہ باتیں کر رہی ہو تم؟" عالم تاب نے قہقہہ لگایا۔ بہت اچھا لگا ہے تمہارا یہ چہرہ ان کے ساتھ

www.Paksociety.com

"ہی نہیں، مجھے تو کسی قسم کی اطلاع نہیں۔" ادھر بھی انکاری تھی اور ادھر بھی۔

"ہاں، شاید تم سو چکی ہو گی۔"

"مگر پروگرام تو ان کا پہلے سے ہو گا۔ مگر میں سب ہی کو اس کی اطلاع ہو گی۔ یہ بات تو کھانے کے وقت بھی بتائی جا سکتی تھی، مگر وہاں تو کسی قسم کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہوا۔ کان کھلے ہوئے ہیں۔ عالیہ بیگم کسی رشتے دار سے ملنے کی اصلی وجہ بتا۔" اس نے ساری باری تمام پہلوؤں کو پڑھنے کی کوشش کی۔ اور پھر ظاہر کرنے کی کوشش کی مگر اسے کوئی خبر نہیں۔

"کراچی گئی ہیں بہت پہلے سے پروگرام ہو گا۔" عالم تاب نے گویا اطلاع دی۔

"کراچی اور شی اتنی دور تو کبھی نہیں گئی اور سب سے اہم تو یہ ہے کہ کسی نے اس کی اور جاوید کی غیر حاضری کا ذکر ہی نہیں کیا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کیا سلسلہ ہے۔ مہمان موجود، میزبان غائب۔" اس کے لہجے سے ناراضگی جھلک رہی تھی۔ سب خواتین عالم تاب کی صورت دیکھنے لگیں جیسے وہ ان کی نجات دہندہ ہوں۔

"میں ان سے پہلے ان کی بیٹی کلثوم تھی۔ تمہارے آنے سے پہلے ہی۔ میرے خیال میں کسی کو وہاں نہیں رہنا چاہیے دل برا نہ کرو، کسی کی کوئی بات نہیں۔ بہر حال روشی کی یہ بات واقعی لغو ہے کہ اس نے تم سے تذکرہ کیا ہی نہیں۔" عالم تاب نے حسابی داداری روشی کے حوصلہ بڑھائی۔

اب بولنے کی گنجائش ہی کیا رہ گئی تھی۔ قصور روشی کا نکال کر گویا اس کا اپنا کھاتا کمزور بات کر دیا گیا تھا۔ اب آنسوؤں کے جل ہونے کا مقام تھا کہ اس نے اپنی محبت کرنے والی خاتون کو اتنی اہمیت بھی نہیں دی کہ جاتے ہوئے مل کر جاتی۔ جلتے کی قوت کا تجزیہ یہ تھا کہ اس کی غیر موجودگی اپنے حاوی پروگرام کنفرم کر دیتی۔

وہ سر جھکا کر کھانا ڈیزائن کرنے لگی۔ خون بے تحاشہ کھول رہا تھا مگر ہونٹ سی لئے تھے۔ اب تو شاید سارا نزلہ یاور علی خان پر گرنا تھا۔

"تم خیال نہ کرو، کراچی میں بابا صاحب کے بہت قریبی دوست کے بیٹے اور بیٹی کی شادی کی وجہ سے بچیوں کو جانا پڑا۔ ظاہر ہے تمہاری موجودگی میں تو کسی سیر و تفریح کا غرض سے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان لوگوں کا اصرار تھا کہ بچیاں کو رخصت اس دن پہلے بھیجیں۔ ہم کو تو دن تھا سے تو جو بھی جائے گی۔ ایک دن پہلے ہی جائیں گی۔ عروسی کو آنے کی عجلت نہیں آج کل لڑکوں کے اپنے وعدے۔"

وضاحت در وضاحت کا سلسلہ تھا۔ عالم تاب کا سر اثبات میں ہلنے لگا۔ کیونکہ اسے یہ احساس تو بہت اچھی طرح تھا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے حقیقت اس کے برعکس ہے مگر مجبوری تھا خاموشی ہی بہتر تھی کس اتھارٹی کیلئے درست زاویہ نہیں ان پایا تھا۔ اس کے پاس کوئی دلیل، کوئی ثبوت نہیں تھا۔ جو اس کو غلط یا جھوٹا ثابت کرتا۔ اب اس پر یہ تھا کہ اس کا ذہنی شکنجہ رخصت ہو چکا تھا۔ وہ یاور علی خان کو ملنے کو بے چین تھی۔

ایچ ۔۔۔ مجھے قتل کے الفاظ اچھے لگتے ہیں۔ کوئی سر راہ ملے تو کہتے ہوئے اس کا دل قتل ہو جاتا تھا۔ وہ ہوا تھا

علی ساری تفریحی طبیعت میں ڈوب چکے تھے۔ وہ یاور علی خان کے پاس جا بیٹھا۔ اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی مگر کسی نے اسے پاور علی خان کے بارے میں جانتے ہوئے، کچھ بتانے سے آمادہ نہ ہوا۔ خصوصاً عالم تاب کو تو بالکل بھی نہیں کہ وہ اپنے کمرے میں پہنچ کر ہی دم لیں گے۔ اسے خود ان کی نظریں متلاشی سوالوں کی نظریں دکھائی دے رہی تھیں۔

وہ اٹھ کر چلے گئے۔ اندر سے باتوں کی آواز آ رہی تھی اور اپنے دل کو مجبور کرنے کی تھوڑی کوشش کی۔ بالآخر اٹھ کر کمرے کی طرف چل دیا۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دل کا کواڑ کی سمت دیکھا۔ یاور علی خان وہیں صوفے پر بیٹھے تھے۔ وہ اسی طرح آدھ گھنٹہ اندر گزر گی

کیا نا؟"

"کیا واقعی آپ مجھے ہر سوال کا جواب دیں گے؟" وہ حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہر سوال" کا جواب نہیں کر سکتا۔" انہوں نے دو ٹوک معذرت کی۔

"تو پھر سوال کرنا ہی بے کار ہے۔ اب تو بس آپ یہ کریں کہ روشی کو واپس بلوا لیں۔ میں کراچی جا کر اسے لے آؤں گی۔ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔" اس کا انداز بہت سادہ تھا مگر اندر بلا کی باریک تحقیقی پوشیدہ تھی۔ اب یہ کام چل جانا تھا کہ روشی کا جانا ایک معمول کی کارروائی تھی یا واقعی اسے روانہ کیا گیا ہے۔

"ٹھیک ہے، بابا صاحب سے کہوں گا اسے بلوا لیں۔" انہوں نے عام سے انداز میں کہا تھا۔ مایان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"آپ اس کے باپ ہیں۔ آپ خود ہی اسے آنے کیلئے کیوں نہیں کہہ دیتے۔" اسے بابا صاحب کی آمریت بری لگی۔

"ہم سب اپنی اپنی جگہ پر اپنے کام کرنا پسند کرتے ہیں۔ بیٹا، دوستی میں "شکریہ" کا سادہ سا استعمال ہے۔ شکریہ اس بات کا کہ انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں استعمال کر کے ہمیں شاندار اور ممتاز زندگی گزارنے کا موقع دیا۔ عزت اور احترام کے ساتھ ساتھ ان کی محبت کے ثمرات کھا رہا ہے۔ ان کی ان کے کام کی جو اہمیت ہے ہم سب کو اس کا احساس کرنا چاہیے۔ ہمنے ہوش سنبھالا تو دنیا کی تمام نعمتیں جیسے دسترخوان پر سجی ہوئی تھیں اور آپ جانتی ہیں۔ دسترخوان ایسے ہی تو نہیں سجا جاتے۔" انہوں نے گود میں رکھی پلیٹ کو اٹھا کر آگے کو جھک کر محل پر رکھی۔

سعادت مشہدی کا اعلیٰ نمونہ وہ بھی اس عمر میں جہاں وہ اپنی ذاتی حیثیت میں ممتاز تھے۔ مایان نے شاید پہلی بار دیکھا تھا۔

وہ چپ ہو کر رہ گئی تھی۔ ظاہر ہے اگر کوئی شخص اپنے والدین کے ساتھ فرمانبرداری کا مظاہرہ کر رہا ہو تو اس کی تردید کرنا اپنے ہی اخلاقی دیوالیہ پن کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

"تو پھر آپ کہیں ان سے۔" وہ بھی کہہ سکتی تھی۔

"واہ بابا۔۔۔ وہ آ جائیں تو ضرور کہوں گی۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ چاسوسی اور شک کے سارے دروازے بند ہو کر گئے۔ کھوجا پائے لگا پا سے یقین ہو گیا کہ وہ سب شادی میں ہی تو آئے تھے۔ اور واقعی ان کا پروگرام پہلے سے تھا۔

"مگر روشی کو بھیجنے کا کیا تھا جائے تھا۔" وہ ابھی محل پر جھکی نظروں سے آزاد نہیں تھی۔

"اس بچی کو بھیجنے کا کیا تھا جائے تھا۔" انہوں نے اس کی نقل اتاری۔ "اس وقت آپ کا دماغ کہاں تھا۔ اور اس نے یہ سوچا ہو گا وہ آپ کی دعا سے پہلے ہی آ سمجھ دار ہو گئی۔"

"آپ میں ہر وقت آرام دہ نہیں کرتی۔" اس نے بابا علی خان کی بات چیت کا حوالہ دیا۔ "وہ کہتی ہیں آپ سے پہلے سے تھا رہ کر رہی ہیں۔"

"بچے، اس طرح کا فیصلہ نہیں ہوتے۔ اور بے فکری کے ماحول میں پلے بڑھے بچے اس طرح کی ذمہ داری کا مظاہرہ کر دیتے ہیں۔" بابا علی خان اپنی مخصوص مسکان کے ساتھ گویا ہوئے۔

"اچھا اب آپ یہ بتائیے کہ ہر جگہ کیسے چل رہی ہیں؟" انہوں نے یکدم موضوع ہی بدل دیا۔

"کیسی؟"۔۔۔ وہ سمجھ نہ پائی۔

"کیسی کیوں؟ میں بھی ہوں آپ کے ساتھ۔" ان کا لہجہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

"ہمیں معلوم ہے کہ ساتھ کوئی دوسری عورتوں یا لڑکی ہو تو وقت اچھا گزر سکتا ہے۔" وہ کہنی کے آنے تک انتظار کر لیتی ہیں۔ اس نے ان کا چہرہ بغور دیکھا۔

"ہو سکتا ہے پھر میرے پاس وقت نہ ہو۔ آج کل جو سیاسی صورتحال ہے اس سے آپ واقف ہیں۔ آنے والے دنوں میں بہت کام ہو گا۔"

"پھر بتا دیں۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"بیٹے آپ کی مرضی۔ مگر روشی بھی تنہا ہے۔ میں بھی کل سے آن ڈیوٹی ہوں۔ آپ کو نہیں ہوں گی؟" کہنی لگانے اور ہاتھ سے خارج کرنے کا عمل مسلسل جاری تھا۔

"ہاں اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا۔" (کھل جا اہوں اور بے نیچ تجسس کے ساتھ وقت گزارنے کا آغاز کیا ہے) "میں بیا کو فون کر دوں گی وہ ہمارے پاس دو تین ہفتوں کیلئے آ جائے گی۔"

"ٹھیک ہے، پھر واپسی کس وقت ہے؟" وہ ان کی سرخ گھر بلا کی دعوت کو تجسس کی نگاہوں سے تاڑنے سے بہت اخراز کرتی تھی۔ جانے کیوں اسے محسوس ہوتا تھا یہ تاڑیں کسی بھی موسم کا حال ٹھیک ٹھیک Read کرنے والا جادوئی آلہ ہیں۔ اسے بابا علی خان کے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ سرک گیا ہو۔ اطمینان اور سکون کی لہریں ان کے چہرے پر صاف محسوس کی جا سکتی تھیں۔

"کل صبح کا ٹکٹ میں ایک" کہیں "بیدار تو ہوا مگر وہ خاموش رہی۔

"تو پھر آپ کہہ رہے ہیں بابا صاحب سے کہ وہ روشی کو بلوا لیں۔ اگلی تو شادی میں اس دن ہیں غائب ہو گئی آپ کی بہو رانی کا مطلب حریف کیمپ جا دوں اور اغوا سکوں کی۔ پھر اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گی۔"

اس نے پھر پہلی بات دہرانا ضروری سمجھا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ اطمینان رکھیں۔"

"آپ بھائیے ہیں بابا بھائی۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو اس نے آپ کو بہت کیا ہو تو میں معذرت چاہتی ہوں کی۔ آپ کو دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں۔ بہت کتنی مختصر مگر خوش نصیب زندگی لائی تھیں۔ وہ بہت شاندار تھیں مگر آپ کی رفاقت نے انہیں اور شاندار بنا دیا ہو گا۔ کاش وہ آپ کے ساتھ ہوتیں۔ ہماری زندگی میں کتنی عظیم آسانیاں ہوتی ہوں۔"

"اسے بہت افسوس ہوا ہے۔" وہ بہت تکلف سے مسکرائے۔ پھر نظریں اٹھا کر بڑی چالاکی کے ساتھ اسے

www.Paksociety.com
urdunovels.net

دیکھا۔

دوسرے لمحے وہ اٹھ کر دھاڑتا ہوا اس پر جھپٹا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہوٹل کی لابی میں کھلبلی مچ گئی۔ چند لمحے ہیجانی کیفیت طاری رہی تھی۔ کون کیا کر رہا تھا اور کیوں کر رہا تھا، اس سے تاثرات جدا جدا تھے۔ وہ پھر انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔ اور ہونٹوں پر فتح کی طرح نوچی تھیں۔

جب تک بات چیت ہوتی رہی تھی ان کے پاس بیٹھنا آسان رہا تھا۔ مگر جونہی خاموشی چھائی، اسے لگا تھا اس کا وہاں بیٹھا رہنا ان کے لیے خاصی پریشانی محسوس کرنے لگی تھی۔

"میں جا رہی ہوں۔ گڈ نائٹ۔" وہ ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔

"صبح کچھ دیر تک تیار رہیے گا۔ کیونکہ اس کے بعد مجھے کل ہر حال میں آفس ہونا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ جلدی سے باہر آ گئی۔

صبح کے چار بجے تھے۔ اور ابھی تک سو صفدر کی بات طاہر نہیں ہوئے تھے۔ کچھ کا دم تو ان آ چکا تھا۔ اسے تو نیند کی پڑ رہی تھی۔ بہرحال کراب حالت تسلی بخش ہے۔ مگر وہ کاریڈور میں ٹہلتے ٹہلتے کبھی کبھی کرسٹینے کے بارے میں سوچنے لگتا۔

"وہ شاید علی خان۔ زندگی سے تو بہت کم لوگ ہی راضی اٹھا لیتے ہیں۔ اس سے تو سب کو ہی لگے رہتے ہیں۔ جو خودکشی کرتا ہے اسے صرف ہی کوئی نہیں ملا ہوتا۔

جو اس کے آس پاس ہوتے ہیں وہ بھی ان کے پاس کبھی ہوتے ہیں۔

کس بات کی خودغرضی ہے۔

صرف اپنی نجات سے غرض۔ دوسروں پر یہ فرقت کیا اثرات ڈالے گی؟ جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کی پیشانیوں پر حوصلے کے چھینٹے سے ضرور لگے ہیں۔ یہ چھینٹیاں ان کے حوصلے کو بہت بڑھا سکتی ہیں۔

کس قدر خودغرضی ہے پچھلے سال بارشوں کا بہت زور تھا۔ اگست کو تمہاری سالگرہ تھی۔ تم بضد تھیں کہ سالگرہ پر صرف آئس کریم کیک آئے۔ یاد ہے پچھلے سال بارش بہت تھی۔ سڑک ٹریفک بلاک ہو چکا تھا۔ تمہارا کیک کو حصے میں آئی تھی اور میں نے بھی تم سے کہا تھا کہ ایسا ضد بھی اچھا نہیں ہوتا۔ اس طرح کسی کو بھی خوشی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر تم نے کہا تھا ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔ ہم ہر حال ہر میں ملنے والی اس اکلوتی خوشی کو اپنی پسند سے منائیں گے۔ مجھے اس بچگانہ اور خودغرضانہ انداز پر بہت غصہ آیا تھا۔

مگر آج یہ انکشاف ضرور ہوا ہے۔ تمہاری خودغرضی تو پہلی کی دیواروں سے بھی زیادہ سفاک ہے۔ تم صرف اپنی ذات کے علاوہ کسی اور کو اہمیت ہی نہیں دیتیں۔ نہ اس معاملے میں تم زندگی کو اہمیت دیتی ہو۔ چاہے وہ تمہاری اپنی ہو یا کسی اور کی۔ زندگی ہی جیسے تمہاری عادت ہے۔ جا کر بھی تم ہمیں اپنی خودغرضانہ فطرت کے تحت ہرا گئی ہو۔

اور اب یہ تمہاری پسند سے مطابق ہوا تو تم اسے بھی محض ... چاہے تمہارے اس عمل سے دوسرے زندگی ہی

ہار جائیں۔ شاید وہ بھی تمہاں کے بغیر بھی زندگی جی کر دکھاتی۔

وہ تو تم نے اپنی زندگی سے بہت برا انتقام لیا تھا۔ وہ تو گھٹ گھٹ کر مر گئی تھی۔ علاج سے بہت دور۔ ہاں میں تمہارے اس عمل کو بزدلی کہہ رہا ہوں۔ اپنے آس پاس کے لوگوں کی تکلیف اور اذیت کو دیکھتے ہوئے تم نے خودکشی کر لی۔ کیا کوئی بھی "جان" بچانے کے لیے اتنا کچھ کرتا ہے؟ مگر ...

میں کہاں اتنا الجھ رہا ہوں۔ مجھے کیوں اتنا غصہ آ رہا ہے؟ تم ایک ذہنی طور پر خوفزدہ اور مفلوج لڑکی تھیں۔ مجھے تم سے کیا مطلب مگر ... مگر کوئی تو یہ سوچنے والا کہ تمہاری ہی ہوا کیوں ہو گئی تھی؟

"سر!" وہ اپنی کھوئی ہوئی سوچوں میں سے متوجہ ہوا تھا کرنس کو سے متوجہ کرنے کے لیے وہ مخاطب کر رہا تھا۔

"یس سر!" وہ ایک دم ہوا۔

"آپ ساتھ والے کمرے میں آرام کر سکتے ہیں۔ جب یہ آئی سی یو (I.C.U) کیبن سے باہر آ جائیں گی تو ہی آپ کو بلا لیا جائے گا۔ وہاں انٹرنیٹ کیبل بھی ایک بیڈ موجود ہے۔ کوئی خاتون ہوتیں تو زیادہ بہتر ہوتا۔ بہرحال تم ہر بھی رک سکتا ہے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے جیری سے آگے بڑھ گئی۔

ایک لمحے کو اس کی کھوجی میں نہ آ سکا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے۔ اسے غور سے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہو گئی۔

"میں تمہارا وہ "سب" بننے کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔ ملک بار ملک ہوتی ہے۔ ایسی ان لیٹس زندگی۔ خودغرضانہ۔" اس کا جوابی غصہ پوری قوت سے ابھرا۔

"اور ہی دل کے چاہنے کی بات۔ دل تو نہ جانے کیا کیا چاہتا ہے۔ کون اس کی پروا کرے۔" وہ ہنسی پر ہنس گیا۔

"جب تم کسی ہوا کی مخالفت کرتی ہو۔ یا بہت اہمیت دیتی ہو تو میں سوچتا ہوں۔ تمہارا کیا ہے گا۔ مگر اب تم نے ایک بھیانک انسانی اجسام کو خود سے قریب کر لیا ہے۔"

"مگر تم میرے دل میں کیوں بول رہے ہو۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں جو تمہیں کانٹوں پر گھسیٹوں۔ میں وہ تمہاری بھلائی کے لیے دل لگا کر کہہ رہا ہوں۔ تمہیں تھوڑا رحم دل ہونا پڑے گا۔ زندگی سے بھاگ کر تم کبھی بھی تو میری شکل دیکھنا چاہو گی۔"

"مگر آپ وہم میں نہ رہیے گا۔ بہرحال کا مگر ہیلیشن۔ میں کی حالت اب مکمل کنٹرول میں ہے۔ بھی تھوڑی دیر پہلے ہے دل کو اور ڈوبنے لگے ہے۔ بچ جانے کی دعائیں مانگ رہی ہیں اور مسلسل ہاری باری کہہ رہی ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہرحال آپ کو خوش ہونا چاہیے۔" وہ مسکرا دی۔

"اری ہاری۔ ان سے بھی خطرہ ہے مجھے۔ یہ خطرہ مجھے سے پہلے" عالم بالا" میں بھی پہنچ گئیں۔ نہ جانے کیا کیا سمجھا جا رہی ہیں گی۔ کچھ بھی سمجھا جا رہے۔" وہ من ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔ لہجے میں الجھن اور پریشانی تھی۔

"کچھ ہے کوئی آپ کا؟" بزرگ نرس نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ میری بیوی نہیں ہیں۔ آپ نے مجھے مخاطب کا موقع ہی نہیں دیا۔ مجھے شوہر ہونا کر خوار ہونا پڑتا۔" وہ ہنس دیا۔

سے مسکرا رہا تھا۔

"پھر آپ کے درمیان کیا رشتہ ہے؟" وہ الجھی ہو گئی۔ وہ تو ابھی روم میں ساتھی لڑکیوں کے ساتھ اس "انکشاف" پر قہقہہ لگا کر ہٹی تھی۔ جس کا وہ ایک گروپ میں پانچ سات منٹ کا تو ہو گا۔ (جس میں اس کے منہ سے بھی کئی بار حیرانی کا اظہار بھی کیا تھا۔ کہ اسے ایسے خوبرو کے ہوتے ہوئے وہ زنگی سے بڑا ہو گی۔ جواب میں خود کفیل کے ہاتھ کی طرف دیکھ کر بیک زبان یا اکمل میں داخل کرتا ہے۔

جو محض اس لڑکی پر اتنا وسیع پیمانہ پر ہو جس کے بچنے کے امکانات کم ہوں۔ وہ عام حالات میں اس پر کتنا خرچ کرتا ہو گا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس سے محبت نہیں عشق کرتا ہے۔ اور ہر حالت میں اسے خود رکھنا چاہتا ہے)

"ریلیکس (رفتہ دار) ہیں بھرجائی"۔ اس نے اس کو جواب دیا۔ جو کچھ سوچ رہی تھی۔ "کیا اس وضاحت کے بعد گل کے جہاز سے نہیں جائے گی اس کمرے میں آرام کرنے کی۔ میرا خیال ہے ابھی یعنی فی الوقت تو وہ اس کمرے میں"۔

"سی۔ سی۔ ایسا ہوتا تو نہیں مگر مجبوری ہے۔ آپ کی آنکھوں سے اسی طرح بہتے ہیں۔ آپ ایک دو گھنٹے وہاں آرام کر سکتے ہیں"۔ زرس نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کھولی تھی۔

ذہن آزمائشی دور سے آزاد ہوا تو بہت خفگی محسوس ہونے لگی۔ اسے جاتے ہوئے مسلسل پاؤں میں گھستے ہوئے والے تھے۔ وہ جھاڑ لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک نظر پھر بلیم ہے ہوش اڑاتی پھر ادا اس طرف مڑ گیا۔ جس طرف زرس نے اشارہ کیا تھا۔

ڈھونڈتی پھرتی ہے دشت و جاناں میں ہمیں
زندگی ہم سے بچھڑ کر خود بھی پچھتائی بہت

آج عارف صاف ستھرے کپڑے پہنے بڑی جاذبیت اہتمام سے کش پہ کش لگا رہا تھا۔ وہ اس سے ذرا فاصلے پہ بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

"کتنے بجے کا کہا تھا لال خان نے؟" اس نے عارف کو مخاطب کیا۔

"آتا ہی ہو گا۔ گھر والی کو بھیج کر بلوا لوں؟"

"ہاں! ابھی ہمدردی ہمت نہیں پڑی۔ آج لال خان خود بلا رہا ہے۔ سوچا تھا لے کر جاؤں گا۔ پھر اس کے بعد اس سے بات بگاڑنا آسان رہے گا"۔

"وہ دیکھو لال خان کے سامنے" اکھاڑے" میں از آتی تو یاری بے عزتی ہو گی یہ سوچا تم نے؟" اس نے چونک کر عارف کی شکل دیکھی۔

"وہ آتی بھی ہے یا گم نہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں جو کر رہا ہوں کرنے دو۔ وہ دیکھو شاید لال خان ہی ہے"۔ اس کی نظر چونک گیٹ میں داخل ہوتے لال خان پہ پڑی۔

"ہاں وہی ہے۔ کیا بات ہے لال خان کی۔" عارف کو بھی اچنبھا سا ہوا۔ لال خان کے پیچھے کچھ فاصلے پر کوئی عورت کھڑی تھی۔ کسی اونچی نوعیت کی عورت تھی وہ۔ ان کی طرف بڑھتے ہوئے وہ سلام لے رہے تھے۔

"السلام علیکم"۔ لال خان نے قریب آ کر جھک کر عارف کو سلام کیا۔ اور پھر ان کی طرف بڑھا۔

"وعلیکم السلام"۔ عارف نے کہا۔ "خیریت"۔ لال خان نے جواب دیا۔ پھر ساتھ کھڑی عورت کی طرف دیکھا۔

"خیریت تو نہیں ہے بھئی" وہ بولی تھی۔ اس نے پہلی بار غور سے اس کی جانب دیکھا۔ عارف نے بھی چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ سیاہ برقعے میں ملبوس وہ عورت بہت خوبصورت تھی۔ لال خان کے عقب میں کھڑی وہ عورت اس کے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ اس نے غور سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ وہ بھی اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور اس کے ہاتھ میں موبائل فون آ گیا۔ اس نے اس پر کچھ ٹائپ کیا۔ اور پھر اس کی جانب دیکھا۔ اس نے اپنے موبائل فون کی جانب دیکھا۔ اور پھر اس کی جانب دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دی

سے مسکرا رہا تھا۔

"پھر آپ کے درمیان کیا رشتہ ہے؟" وہ الجھی ہوگئی۔ وہ تو ابھی روم میں ساتھی لڑکیوں کے ساتھ اس "انکشاف" پر قہقہے لگا کر آئی تھی۔ جس کا وہ ایک گم و بیش پانچ سات منٹ کا تو ہوگا۔ (جس میں اس کے منہ سے بھی کئی بار حیرانی کا اظہار بھی کیا تھا۔ کیا سے ایسے تو نہیں کہتے ہوئے وہ ذرا کی ذرا ہو گئی۔ بھلا سے خود کشی کے بارے میں کوئی ذرا سے بھی ایسے ویسے خیال میں داخل کرتا ہے۔

جو شخص اس لڑکی پر اتنا اندھا اعتماد کر رہا ہو جس سے بچنے کے امکانات کم ہوں۔ وہ عام حالات میں اس پر کتنا خلوص کرتا ہوگا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس سے محبت نہیں عشق کرتا ہے۔ اور ہر حالت میں اسے خود سے بڑھ کر چاہتا ہے)

"دیکھو (رشتہ دار) ہیں سمجھ لیا"۔ اس نے اس کو جواب دیا۔ جو کچھ سوچ رہی تھی۔ "کیا اس واقعہ کے بعد گل کے لیے اپارٹمنٹ میں جانا ٹھیک رہے گا اس کمرے میں آرام کرنے کی۔ میرا خیال ہے ابھی یعنی فی الوقت تو وہ اس کمرے میں"۔

"سی۔ سی۔ ایسا ہوتا تو نہیں مگر مجبوری ہے۔ آپ کی آنکھوں سے اسی طرح بہتے ہیں۔ آپ ایک دو گھنٹے وہاں آرام کر سکتے ہیں"۔ نرس نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کہہ دی تھی۔

وہاں آرائشی دوسرے آرڈر ہوا تو بہت خلوت محسوس ہونے لگی۔ اسے جاتے ہوئے مسلسل پاؤں میں گھنگھرو باندھے ہوئے لگے تھے۔ وہ جھانک لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک نظر پھر بلیم ہے ہوش اور باقی پر ڈالی اور اس طرف مڑ گیا۔ جس طرف نرس نے اشارہ کیا تھا۔

ڈھونڈتی پھرتی ہے دشت و بیاباں میں ہمیں
زندگی ہم سے بچھڑ کر خود بھی پچھتائی بہت

آج عارف صاف ستھرے کپڑے پہنے بڑی بیٹھا بہت اہتمام سے کش پر کش لگا رہا تھا۔ وہ اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

"کتنے بجے کا کہا تھا لال خان نے؟" اس نے عارف کو مخاطب کیا۔

"آتا ہی ہوگا۔ گھر والی کو بھیج کر بلوایا ہے؟"

"بھائی ابھی میری ہمت نہیں پڑتی۔ آج لال خان خود جا رہا ہے۔ سوچا تھا لے کر چلوں گا مگر اس سے بات سمجھانا آسان رہے گا"۔

"وہ تو جھوٹ لال خان کے سامنے" اکھڑنے "میں ازآتی تو یہاں بے عزتی ہوگی یہ سوچا تم نے؟" اس نے چونک کر عارف کی شکل دیکھی۔

"وہ آتی بھی ہے یا نہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں جو کر رہا ہوں کرنے دو۔ وہ دیکھو شاید لال خان ہی ہے"۔ اس کی نظر چونک گیٹ میں داخل ہوتے لال خان پر پڑی۔

"ہاں وہی ہے۔ کیا بات ہے لال خان کی۔" اس کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کے لیے کچھ ہوں سے تصور بھی محال تھا۔ کسی کی اولی نوعی سے وہ اس کی طرف بڑھے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم"۔ لال خان نے قریب آ کر جھک کر عارف کا سر ذرا ذرا ہوا میں ہلا کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام"۔ عارف نے کہا۔ "خیریت" سے جواب دیا۔ کچھ کہا۔

"خیریت ہی ہے۔ بیگم" بے وقت" روٹھی تھی"۔ اس نے پہلا لفظ خلوت اس کی جواب دہ ہے۔ عارف نے بیٹھی کے انداز میں خوشی کی حیرت کا اظہار کیا۔ لال خان کے چہرے پر شرمندگی سی در آئی۔ اس نے ذرا اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ جب میں احتیاط سے کہنے لگے۔

"کیا حال ہے؟" عارف نے اٹھ کر گرمجوشی سے لال خان سے مصافحہ کیا۔

جانے والے کے آنکھوں میں دل ڈوبتا ہے
یہ انتظار کے لمحے عجب ہوتے ہیں!

"بھئی واہ! شعر بھی" لال خان کو بہت ساری شرم آ گئی۔ ہنستے ہنستے بے حال ہو گیا۔

"ارے آج تو شعر و شاعری کا موڈ ہے"۔ عارف نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "اب تو سوچ سمجھ کے دن آئے ہیں"۔ وہ مشکوک انداز سے کش لگایا۔

لال خان دل کی طرح شرما کر رہ گیا۔ "چھوڑیں! کیا انتظام کیا ہے؟" عارف نے دھیمے کی سے پوچھا۔

"باہر سوزوکی کھڑی ہے۔ گاڑی ہے اپنے پاس"۔ وہ غلام محمد کو بتانے کی غرض سے اونچا بولا۔

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ سیلف لال خان ہے" کوئی معمولی چیز نہیں۔ چلو بھائی!" وہ غلام محمد کی طرف چلا۔

بوکھلائے ہوئے لال خان نے یہ انتظام کرایا تھا۔

تینوں باہر آ گئے۔ جہاں نیلی سوزوکی کھڑی تھی۔ جس کے اندر دو کرسے بچوں کے اور ایک عقبی کا تو کرا رکھا تھا۔ ایک نیلی روح افزا کی بوتلوں کی تھی لال خان اور عارف آگے بیٹھے تھے۔ غلام محمد پیچھے تھا۔ اس قدر سہولت دیکھ کر اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ پہلے دن یہ عیاری ہے تو بعد میں کیا ہوگا۔ نہ جانے کتنا سودا دی میں چڑھائے گا۔ کل گھر والی مان جائے۔ والی بات میں کھیلے گی۔ جب انسان کی ہر طرح اصل پوری ہو رہی ہو تو اسے خوش ہونے سے کون روک سکتا ہے۔

ٹھیک ہی تو کہتا ہے ہر محبت اور کر کے دیکھیں۔ محبت کا اور ہے کیا کیا۔ کھڑاؤں کا گھر والی کو کیا یہ کہ گھر میں جانے کی جہاں لڑکی وہاں کا قرنطینہ چڑھا رہے۔ میں نے تو پیا تو گھر میں راتی ہوئی۔ جی کو کتنی آسانی سے مل رہا ہے۔ سب سے بڑی نعمت بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ بچے ہوتے تو اچھے سکولوں میں پڑھیں گے۔ کامل میں گے۔ زندگی کا محبت کی تتبع پوری ہوتی ہے۔ اور اگر وہ بانجھ ہو تو محبت کو دنیا میں اور چاہیے بھی کیا؟

وہ بچوں اور صفائیوں کی طرف گاڑی کے اندر جھیل رہی تھی اور اس کے ساتھ اس کے خیالات کے اڑے تھی۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

بالو پھوپی کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک اس نے اپنے گھر کے دروازے پر ایک سوزوکی رکتے دیکھی۔ بھائی کو دیکھ کر خوشی سے اچھلتی ہوئی وہ گھر کی طرف بھاگی۔ وہ آج بہت عرصے بعد آئے تھے۔ بالو کی ننھی سی پہچان نے بھی انہیں واپس کر دیا تھا۔

"ابا کو گاڑی چلانے آتی ہے۔ اللہ خیر کرے۔" وہ جلدی سے کھڑکی سے ہٹ گئی۔

"ماں — اماں — ابا کو گاڑی چلانے آتی ہے۔" وہ بھاگ کر ماں کے پاس آئی جو چولہے کے پاس بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی۔ وہ منہ پر ہتھیلی رکھ کر ہنسی۔ بالو بھول گئی۔

"کیا کہہ رہی ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ لو وہ آ گئے۔ خود ہی پوچھ لو۔" سلام محمد ان کے قریب آ چکا تھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔" وہ تشویش بھری نظروں سے خاوند کو دیکھ رہی تھی۔

"میری طبیعت ٹھیک ہے۔ مہمان آئے ہیں۔ چائے بناؤ اور دیکھو لوٹے سے کچھ منگانے۔" اس نے جیب سے سو کا نوٹ نکال کر بیوی کو تھمایا۔

"کیا منگاؤں؟" وہ نوٹ لے کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ کبھی اس گھر میں سودے کی لال بھی ادھار آتی تھی۔ آج چائے کے لوازمات کے لئے سو کا نوٹ مل رہا تھا۔

"سوچ کے۔ خاطر کیجئے اور جو چیز اچھی چاہئے۔" وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

تھکن کا کچھ پتا نہ تھا۔ آگے بڑھنے کی رفتار تھی۔ وہ تعجب سے اس کی پشت پر دیکھنے لگی۔

"لگتا ہے کوئی خاص مہمان ہیں۔ شاید تیرے باپ کا سسرال ہے۔" اس نے بالو سے کہا۔ "تو چائے بنا میں خود لے آتی ہوں چیزیں۔ بچے کو تو بوتل اچھی سیدھی پرانی دھرانی چیزیں کھلا دیتے ہیں۔ اور اصیر زادہ تھا لائق۔" وہ چائے کے حق پر پھیلے گی۔ بالو نے نفی میں سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر میں وہ دونوں تیار ہو گئیں۔ امی کے بالوں میں چھوٹوں اور خطائی کے ٹوکرے اور عزت کی بوتلوں کی وجہ سے اندر گئی جا رہی تھی۔ بالو نے ہاتھ میں کاغذ کا بڑا سا تھیلا پکڑا ہوا تھا۔ اس کی نظریں چلتے ہوئے ٹوکروں کی طرف تھیں۔

"امی ماری مصالی اماں!" اس نے ٹوکرے کے مزے لیتے ہوئے اظہار کیا تھا۔ "پھر دوسرے ٹوکرے کو دیکھنے لگی۔ حیرت آمیز خوشی اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگی۔

"ہاں — ہاں تو بے قصہ ہے۔" وہ بچی کی طرح خوش ہونے کی بجائے ہنس رہی تھی۔ جتنی دیر میں اس نے برتنے کے لئے مہمان گھر سے میں دیکھ چکے تھے۔

وہ چائے بنانے کی نیت سے چھوٹے سے باورچی خانے میں گھس گئی۔

بڑے کمرے میں وہ ہی کرسیاں تھیں جن پر عارف اور آل انتظار ہو چکے تھے۔ اپنے لئے وہ چارپائی لے آیا تھا۔ لال خان کو آل طرح بیٹھے دیکھ کر وہ بھی آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے پیچھے سے بھی جھانکنے لگی۔

"اپنے سسرال سے ہو کر آ رہے ہو۔ کیا وہ بھی کہتے ہیں کہ

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

میں تو سمجھ رہا تھا میں ہی سات آسمان ہوں گا۔ پر یہ تو بہت سے آ گئے۔ اچھا ہے اس کی گھر والی کیسی ہو گی؟" وہ اس کی گھر والی کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ اپنی ہونے والی گھر والی کو سوچتے ہوئے شرارت سے مسکرایا۔ لال خان کو بھی گدگدی سی ہونے لگی۔ وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ اچھا دکھائی دے رہا تھا۔

"تمہارا کیا گھر ہے علاقہ؟" عارف نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوال کے ساتھ تبصرہ بھی کیا۔

"ہاں بس سر چھپانے کا آسرا ہے۔" اس نے مختصر انداز میں جواب دیا۔

لال خان گردن ادھر ادھر گھما کر جائزہ لینے لگا۔ سامنے کمرے میں صرف ایک کھڑکی تھی۔ بجلی کی عدم تھی۔

"یار — اس کی گھر والی کیسے گی کس طرح؟ کیا پیاسے ہی بھگا دے گا؟" اس نے سرگوشی کی۔

"صبر سے صبر کی نبی"۔

خدا کے واسطے داد اس جوان فوق کی دینا
کہ ظلم کے دن پہ بچھ میں ہے۔ ہے ہم آ گئے

"یار — جنہوں نے دیکھا ہو۔ ان کے پاس الفاظ رہتے ہوتے ہیں۔ تم کیوں فکر کرتے ہو۔ آل ہے نا۔" عارف نے اسے تسلی دی۔

"تم نے گھر میں بچوں، ماں، ابا کو اکیلا چھوڑ دیا۔ اتنے دن ہو گئے تمہیں کماتے ہوئے۔ اب بھی ہاتھ تنگ رہتا ہے کیا؟" علاقہ نے عارف سے گویا ہلکی پھلکی بات کا حساب لینے کے انداز میں سوال کیا۔

"اللہ کا بڑا کرم ہے۔ بات یہ ہے کہ قرض بہت چڑھا ہوا تھا۔ کتنے دن تو قرض اتارنے میں لگ گئے۔ پھر سوچا کچھ پیسے جوڑ لوں۔"

"ان کھیلے جوڑنے دوڑنے کی ضرورت نہیں۔ لال خان کے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ ہم نے ایک پلاٹ لیا ہوا ہے۔ اس پر گھر بنانا ہے۔ تم نے سن لیا۔" عارف نے اسے ٹوک کر روکتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک نظر لال خان کی طرف دیکھا اور ایک نظر عارف کی طرف۔ پھر سر کو ہلکا سا خم دیا۔

"کتنی ہے تمہارے گھر میں؟"

"پچھلے گھر سے لی ہوئی ہے۔ پچاس ہزار دے دیئے ہیں۔" سلام محمد نے جواب دیا۔

"اس تو تم بھی لاہور میں اپنے گھر بنا لو۔ تمہاری ایک ہی بیٹی ہے۔ بھائی نے اس کا حصہ بھی دیا ہے۔ اپنے گھر کو ٹھیک کرو۔ بچوں کو اچھا کھانے پہنانے دو۔ عارف نے پھر اپنا مشورہ پیش کیا۔

"میں بھی سوچ رہا تھا۔ بچے کو اچھے اسکول میں داخل کرا دوں۔ اس کی فیس بھی آ گئی ہے اس میں۔" اسے اپنے فیصلے

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

خواب آنے لگے۔ یہی اس کا وہ ایک واحد اطمینان تھا جس کے سہارے وہ جینے کی خواہش کر سکتی تھی۔

وہ جانے کتنی دیر باتوں میں مصروف رہے حتیٰ کہ کمرے کے باہر سے آواز آئی۔

"باکو کے لیے چائے لے جاؤ"۔

لال خان ایک دم متحمل کر بیٹھا۔ عارف پر البتہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی طرح بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔

"کیا سوچنے لگے؟" لال خان نے اپنا چہرہ پونچھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"کچھ نہیں۔ کچھ پرانے حساب کتاب یاد آ گئے تھے"۔

"کیسے حساب کتاب"۔ لال خان نے تعجب سے اسے دیکھا۔ اس کے تو عارف کے ساتھ حساب سوائے دوستی کے نہیں تھے۔

"تمہیں نہیں بتا سکتے کہ کوئی فائدہ ہی نہیں"۔

آئی جانا وہ راہ پہ غالب
کوئی دن اور بھی جیتے ہوتے

وہ ہنس دیا۔ "چائے پیو۔ تمہارے گلے کو تسلی ہو جائے گی"۔ جب گھر میں لڑکی جوان ہو تو عام طور پر چائے اچھی بنتی ہے۔ عارف نے آنکھ ماری۔ لال خان چائے کو پیتی نظروں سے دیکھنے لگا۔

وہ انہیں چائے پیش کر کے "ابھی آیا" کہہ کر کمرے سے باہر آ گیا۔

"باکو کی ماں!" اس نے آہستگی سے بیوی کو آواز دی۔

"ہوں"۔ وہ فوراً لپک کر آئی۔ جانے کتنی حسین کلیوں کو اس کے اندر کروٹیں لے رہی تھیں۔

"یہ جو مہمان آئے ہیں، جب یہ جانے لگیں تو آ کے دیکھ لینا اچھی طرح"۔

"کیوں، آپ کیا" مر گئے "ہیں؟" وہ ہونق ہی ہو کر اس کی شکل غور سے دیکھنے لگی۔

"ہیں کب باہوں ناں میں"۔

"اچھا اچھا مگر تم کیوں ہو، دیکھ لوں گی ——— اور ہے تو ضرور دیکھوں گی۔ آخر ہے کیا ان میں دیکھنے والی بات"۔ وہ خفگی کے انداز میں پونچی ہوئی باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ پھر کمرے میں آ گیا۔

"باکو سے کچھ بات کرنے آیا ہے"۔ عارف نے لال خان کو بتایا۔ "ابھی باکو تمہاری ماں کو بھیجے گا"۔

لال خان مارے حیا اور خاکساری کے آگے کو جھک کر رہ گیا۔

"عارف بھائی! تم ابھی علاج معالجہ کرا لو۔ بھلا مرنے کی ابھی کیا جلدی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے تمہیں گلے لگا لوں"۔

اس نے سوگھے انکار عارف کو ترحم بھری نظروں سے دیکھا۔

"بھلا!" وہ ہنسا۔ "آج کل خدا کی خدائی کے خوف سے صرف حکمران ہی اکٹھا ہوتے ہیں، باقی کیا ہم گے۔ وہ

پوچھ بھی لیتے ہے۔ "ہم تو ان دو طرح کی کرنے والوں میں سے ہیں۔ اب تم میں کیا ہے؟

کر دیا فلسفہ نے مارا غالب
کہ وہی ہے خدائی ہماری!

تلخ ہو گئے لال خان کی سمت دیکھا۔ پھر عمر، حواس کے خاک ہی پہنچیں ہو گئے تھے۔

"کہ رہے ہیں تو کھانا۔ تم تو خال چائے پیا ہے ہو"۔ اس نے لال خان کی طرف پلیٹ بڑھائی۔ اور بیوی کے لاڈ میں اس نے عارف کو بہت سنجیدہ محسوس کیا۔

آج وہ بھی اس قابل ہے کہ کسی کو کچھ کھلا سکے۔ اس نے عارف کی سمت دیکھا۔ آنکھوں میں اس کے محبت امڈ آئی۔ جانے کتنی قرض سے اپنی زندگی کا قرض اس کے شانوں سے اتار چکی تھی۔

کمرے سے باہر "باکو کی ماں" سے بلاوا سے ان کے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

روشنی پر ہنوز بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ وہ صبح آٹھ بجے ہاسپٹل میں رپورٹ کرتا تو ہاسپٹل صاحب وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اسے گھر بھیج دیا تھا کہ وہ آرام کرے اور ضرورت محسوس ہوئی تو خون کر کے لا لیں گے۔ گلوکوز کے ساتھ تھیں۔

روشنی صبح پانچ بجے سے ٹہل رہا تھا۔ چار مرتبہ ہوٹل میں آئی تھی مگر صرف دو بار اندر جھانکنے کے لئے۔ محسوس ہوتا تھا کہ اب وہ ہوش میں ہے۔

ہاسپٹل صاحب نے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ وہ خود بلائیں گے۔ اس لئے کوئی بھی ہاسپٹل خود سے روشنی کے پاس نہیں جا رہا تھا۔ عارف کی گھڑیاں چار بجا رہی تھیں جب اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس طرح کی کل تک تھی۔ مگر اب وہ ان پر سوچ رہا تھا کہ کب تک "باکو" کہیں نہیں اڑا پھرے گی۔ وہ تھی تو ان کی زندگی میں بھی رنگ تھے۔ صبح ہوئی ہے۔ عارف "باکو" کو لے کر ہاسپٹل صاحب کے پاس گیا ہے۔ وہ ہاسپٹل صاحب کے ساتھ ہوٹل میں آئے گا۔ وہ اس کے ہوش میں آنے کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔

وہ بیدار ہو کر غسل سے فارغ ہو کر باہر نکلا۔ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ وہ سمجھ رہا تھا، سمجھے سے سوا تھا۔ اتنا سارا تو شاید وہ زندگی میں نہ سوچا ہوگا۔ "ہاں، روشنی بی بی آپ نے یہاں پر کیسے کر گزارا کیا؟" وہ کپ تھامے بیٹھا تھا۔ "کمزور ہو گئی ہیں آپ"۔ اس نے سب سے پہلے تو کل سے بند تھیں۔ اس نے سسکیوں کی آواز سنی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی۔ اس کا شانہ تھپتھپایا۔ "کیا ہوا؟ کیا ہوا؟" وہ اس کے شانے پر سر رکھے رو رہی تھی۔ اس نے اس کے سر کو تھپک

www.Paksociety.com

ان سے بھی بڑا "خاندانی" تھے۔ ان سے بھی جو اس حرم کے تاج سے کم رہے تھے۔

ان کا لہجہ تو کلام ہے "خاندانی" بھی ہوں گے کہ وہ اس کو دعوتی پر قائل نہ دیتے ہیں۔

"خان — تمہارے خان کا ٹیلی فون آیا ہے۔ لاہور سے ہیں آپ کے۔ ہسپتال میں ہیں کہ کہتے ہیں جلدی آجاؤ۔" بیگم سے کہہ رہی تھی۔

وہ کپ رکھ کر تیزی سے اٹھنے لگی کہ پیچھے آیا۔ یہاں موقع حواس باختگی کا موجود تھی۔

"میں چلوں باری؟"

"آپ — پوچھ لیا آپ نے بابا صاحب سے؟"

"ان سے تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ کسی نے فون اٹینڈ کیا تھا۔"

"آپ کہیں گھر سے ہو کر ہی جائیں۔ اتنا وقت آجائے گی۔ ہاں۔ ٹھیک ہیں اب۔" اس نے تسلی دی۔

"پھر تمہیں کیوں بلایا ہے؟" وہ کپڑا اس کے بتائے جانے پر فکر مند تھی۔

"یہ تو سسول کی کارروائی ہے۔ ہاں اگر وہ ہوتے ہیں وہاں میں ہوتا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"باری۔"

"جی۔"

"تم بتاؤ بابا صاحب کے ایکسپریشن کیا ہیں؟ وہ تم سے ہر بات کرتے ہیں۔ روشی کی اس حرکت پر کچھ کہی تو ہوگی۔ تمہیں قسم ہے بتاؤ ناں۔ پتا نہیں کیوں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" ہونٹ تھرتھراتی کی کم ہمتوں کی لپیٹ میں محسوس تھی۔

"اوہ۔" اسے موقع کی پریشانی کی وجہ سمجھ آگئی۔

"کچھ نہیں۔ وہ تو جیب ہیں۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہیں۔ کچھ تو ضرور کہا ہوگا۔ پلیز باری۔ اتنی بڑی بات ہو گئی۔ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ کچھ بولے ہی نہ ہوں۔ تم مجھے بتا دو۔ میں کسی سے نہیں کہوں گی۔"

"کچھ بھی نہیں کہا موقع بی بی یقین کریں۔" اس نے بمشکل جان چھڑائی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ موقع ہوا کی طرح کھڑی تھی۔

"لگتا ہے لڑکیوں میں موقع بی بی سب سے زیادہ "خان" سے واقف ہیں۔" اس نے گویا موقع کو دیکھا۔

اختر کو گاڑی نکالنے کا کہتے وقت اس نے کن انکھیوں سے اس سمت دیکھا جہاں موقع دونوں ہاتھ گھٹنوں میں کئے بیٹھی تھی۔

جب وہ باہر نکل پھر تو تمام گھر ہی ہو چکی تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم۔ وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف آیا جہاں روشی کی موجودگی کا یقین تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو روشی کمرے میں نہ تھی۔ وہ بیت لیلیٰ جھوٹ کو گھور رہی تھی۔ آہٹ پر اس نے نظروں کا زاویہ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بابا صاحب کے چہرے پر بے یقینی بھی تھی اور شاید بے بسی بھی۔ حیا اور اداسی بہرحال بہت فرق ہوتا ہے۔ سوچنے کی صلاحیت ہر شے اور انسان واختیار میں ہوتی ہے۔

مگر فیصلہ کن لمحہ اور اس لمحے میں بکھر کر رہ جانے والی سب کچھ ہے۔

بعض اوقات ایک لمحے میں اختیار مکمل طور پر ہوتا ہے۔

مگر اس اختیار سے "میں جانے" تک کی لمبی لمبی مسافتیں (بعض تو کئی صدیوں کی) ہوتی ہیں۔

اس طرح کے سفاک "اختیار" ہوتا جاتا ہے ہیں لیکن ہونے کے بعد ان کا حاصل (لاحاصل) کا غیر ہوتا ہے اور تب بابا کو آسودگی کی ایک سنگین پرچھائی

اور جس لمحے نے کی بابا "کے اختیار" کی کمائی کی ہو ۔۔۔ وہ آسودگی کا پرچھائیوں نے جسم و جاں سے پار ہو۔

اسے اس طرح کا یا سودا کرتے ہوئے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

بابا کی بیٹی جگ سے ایک ۔۔۔ آگے کہیں [illegible]

"بیٹھ جاؤ بابا" ۔۔۔ بابا صاحب سے [illegible]

۔۔۔ حقیقت ان اداسیوں کے درمیان پلنے کو تیار نہیں تھا۔ ابھی تک اس کے کانوں میں بابا کے الفاظ گونج رہے تھے

"Get out with in movment"

"میں باہر چلا جاؤں۔ جان کوئی بات نہیں"۔ اس نے اپنی صاف ستھری بے کیف سی آواز سنی۔

"نہیں تم یہیں بیٹھو۔ میرا جانا ضروری ہے"۔ اس نے فیصلہ کن انداز میں کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ روشنی کے بدن پر بالکل ساکت ہو گئی تھی۔

۔۔۔ چہار کری کی طرف بڑھ گیا۔

روشنی کی آنکھیں نم دار ہو چکی تھیں۔ اس کے چہرے پر پھیلے سرد تاثرات کے اور کچھ نہیں تھا۔

"تم رو گی ہو۔ بہرحال بتاؤ شہر۔ بابا کے ساتھ ہم نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی ہے۔ اب تم اس طرح کی بات کیوں کر رہی ہو۔ کچھ جلدی ہو گئے ہو تو آؤ"۔

روشنی خاموشی سے آنکھیں جھکائے رہی۔

"بابا کی بیمار ہونے کا غصہ ہے" بابا کے جانے کے سوال بابا صاحب نے کیا تھا۔

وہ چپ رہی۔

"تم مجھ پر چھوڑ دیتے ہیں" ان کی آواز کسی صبح بابا کی خاموشی گراں گزری تھی۔

کچھ کہنا ان جیسا باپ بیٹی کے لیے مشکل تھا۔ بابا کے سامنے بے بسی اور احساس توہین سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ وہ آنسوؤں پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ تکلیف دہ لمحے شماروں پر اٹک گئے تھے۔

بابا صاحب نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"تم اکیلی نہیں ہو تمہارے پاس بے شمار ایسے لوگوں موجود ہیں جن سے دل کی بات کی جا سکتی ہے"۔ ان کا انداز غیر معمولی حد تک پر سکون تھا۔

"مگر بابا ۔۔۔" روشنی کے اندر کا سوچ بچھے بے ساختہ نکل گیا تھا۔ بابا کو ایسا محسوس ہوا جیسے طوفان قریب آ گیا۔ اس نے جھٹکا کر روشنی کی سمت دیکھا تھا۔ آنسو گالوں پر آنسو چھلک رہے تھے مگر ایک عجیب سی خود سپردگی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

"بابا! ہم گھر جا رہے ہیں آپ اگر چاہیں تو ہم کسی ملازمہ کو بھیج دیں گے۔ یا ہم کسی کو بھیج دیں گے۔ پھر ہم گھر آ جانا"۔

"میں آپ کے ساتھ ہی چلتا ہوں جان"۔ اس نے بستر سے سرکتے بابا صاحب کو تھام رکھا اور ہاتھ کھڑا ہوا۔

روشنی کا دل چاہا وہ بابا کے گلے لگ کر اس پر گھنٹوں کے بارے ٹھیک ہے میں اسے جانے کو کہہ دیں ہوں مگر کیا اس کے دل میں اتنی کی آواز دبیں کہ یہ مجھ پر ٹوٹ پڑنے والی قیامت کی طبیعت پر بھی ۔۔۔ میرا حال پوچھے ۔۔۔ میری دل جوئی کرے ۔۔۔ کیا میں نے ایک اتنی احمقانہ سی خواہش کی تھی۔ کیا یہ ممکن ہے؟ یا پھر ہمیشہ بات کرتے ہوئے [illegible] ہونے لگی۔

اس نے جل کر ہاری کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

"تمہیں تو اول یہاں ایک منٹ بھی نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ فوراً کراچی سے یہاں تک کسی کو پہنچنے میں زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے لگے ہوں گے۔" وہ روشی کی طرف سے شعوری بے نیاز تھی، بتا رہے تھے۔

ہاری دوبارہ رونے لگا۔

"تم سے عمر میں خاصا بڑا ہے، پیار کیا کرو۔"

وہ خشک انداز میں اس کی طرف دیکھے بغیر گویا ہوئے اور پھر کن انکھیوں سے ہاری کو دیکھا۔ وہ اپنا چہرہ ہتھیلیوں میں چھپائے رو رہا تھا۔ حانیہ کھل پڑی۔ انگلش میگزین رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک میگزین اٹھا کر تقریباً منہ کے سامنے لگا لیا۔

"تم کیوں آئے ہو؟" وہ چلایا۔

"کیا کیا ہوں۔" اس نے میگزین کی اوٹ سے لاپروا جواب دیا۔

"تم کیسے آدمی ہو، تم کام کیسے کر لیتے ہو جو کرنے کا دل نہیں چاہتا۔" اس بار وہ غصے سے چلایا تھا۔

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں اپنے معمولات زندگی نبھاتا ہوں۔ میرا ان کا ان چاہے مجھے خان کا خیال رکھنا اچھا لگتا ہے۔ اس لئے کہ میں ان سے کسی قسم کا خونی رشتہ نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود مجھے روشی سے پہلے کے بعد سے اب تک اس قدر محبت ملی ہے، جس کے آگے اور کچھ نہیں اتریں گے۔"

"ہونہہ! تمہاری خدائی اور تابعداری کے قابل ہے یہ سب۔ ذرا کسی دن اپنا ہاتھ کاٹ کر دیکھ لو، کوئی تمہارے لئے آنسو بہاتا ہے یا نہیں۔ لوگوں کی محبت۔" وہ زہر خند سے گویا ہوئی۔

"یہ لوگ ہی نے مجھے میرا خیال رکھا۔ تبھی تو مجھے بہتر تعلیم و تربیت میں ان سے جھگڑا کس بنیاد پر شروع کروں؟ اور کیوں؟ وہ میرے ساتھ رہتے ہیں، مجھے ان کے ساتھ اچھا ہونا چاہیے۔ آپ میرے بارے میں زیادہ نہ سوچیں آپ کی صحت کیلئے اچھا نہیں۔"

اس نے میگزین ایک ہاتھ میں تھام کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے اور گھسٹائی اور وہ ہارا ہوا تنگ پڑ کر رہ گیا۔

"تم اتنے خود غرض کیوں ہو؟" وہ جیسے چیخ کر بولی۔

"میں ....." ہاری نے باپ کے جانے کے بعد پہلی بار نظر اٹھا کر اس کی شکل دیکھی۔

"مجھے غصہ ہے۔" وہ مشکل کر میگزین سے اپنا منہ چھپانے لگے۔

"تمہیں غصہ کس لئے؟" اس کی جان میں جان آئی تھی، ہاری کی شکست خوردہ آواز پر۔

"آپ کو پتا ہے کیا؟" اس کا لہجہ ان کا منتظر تھا۔

وہ بری طرح چونک گئی۔ پھر ایک جھٹکے سے کرسی اس قوت سے پیچھا۔

"ہونہہ! تمہارے غصے کی مجھے پروا نہیں۔" اس نے پہلی قوت سے کہا۔ پھر میگزین میں ایک بار پھر منہ چھپا لیا۔

"میں کر لوں۔" وہ میگزین میں ایک بار پھر منہ چھپانے والی تھی، ہاری کہے گیا۔

"میں نے بھی کراچی سے یہاں تک پہنچنے میں دو گھنٹے لگائے ہیں۔ اور حقیقت جان کر میں تنگ ہو گیا۔ مجھے تو دل ہی دل میں بہت خوشی ہوئی تھی۔ کہ چلو جان چھوٹی۔" وہ جانے کیوں اس وقت سچ بول رہا تھا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا؟" اس نے باپ والی بے وقوفی کی تھی۔

"وہ جب آپ میری طرف دیکھ کر بات کیوں نہیں کر رہے تو مجھے تو لگتا ہی ہوا۔" اسے بہت زیادہ احساس تھا اس توہین آمیز رویے کا۔

"ارے نہیں! آپ دل پر نہ لیجئے۔ آپ کی شکل تو خاصی اچھی ہے۔ شاید اس وجہ سے آپ کی نظر آرائش کی خیالات میں الجھی ہو۔" وہ مسکرا کر میگزین ہٹا کر بولا، اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں نے تو سنا ہے آپ سے آئینہ بھی نہیں دیکھا جاتا، اب تو پھٹکار پڑی رہی ہو گی۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"ہیں تو نہیں وہ۔ ..... بہت آپ نے رسانے کیلئے زور پورا لگایا تھا۔ شاید آپ کو علم نہیں۔ اسلام کے مطابق خود کشی کرنے والا عذاب بھگتتا ہے۔ شکر کیجئے وہ مستقل قسم کی اہلیت ہو گئی۔ کٹتا ہے گوشت آ گیا ہے گی۔ پتا نہیں کب بیچیں گی؟" اس نے بیت واج پر نگاہ ڈالی۔

"جاؤ باہر ان میں بیٹھ جاؤ۔ مجھ پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ مچل کر بولی اور سیدھی لیٹ گئی۔ آنکھوں پر بازو رکھ کر۔ (اصل احوال یہ تھا، آستین سمٹنے کی وجہ سے الجھ گئی۔ وہ جھٹکا بازو تنگ ہو گیا، جس پر ایک گہرا سیاہ گول عجیب سا داغ نمایاں تھا۔)

ہاری نے نظریں چرا کر کہا۔ "میں نے کہا تو ہے کہ شادی کر لیں۔ پھر بھی آپ کو ہر طرف سے تنہائی ہی تنہائی ملے گی۔"

وہ حانیہ محل سے دلیاں اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"لیکن پھر بھی ہے آپ کو؟" وہ اس کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔

"جہنم میں جائے میرے ماں باپ اور لیکچر کیوں نہیں ہو گا؟" وہ تلخ کر بولی۔ انداز بدستور تھا۔

"کیوں لڑکے والے جہنم کوئی وجہ بھی تو ہو؟" وہ تعجب سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو ہے ہی نہیں۔ باپ سے کبھی ہوا، کہتے ہیں۔ مجھے بیٹی سے بیٹا کو اطلاع ہی نہ دی ہو گی کہ میں مر رہی ہوں۔"

ہاری نے چونک کر اس کی صورت دیکھی، مگر خاموش رہا۔

"وہ تو کہتے ہی ہیں تو سب۔ سے زیادہ مجھ سے ..... ہر سکون اور خوشی مجھ سے ان کا چھن گیا ہے، کچھ روٹی ہے وہ کسی اور کو کیسے کر سکتی ہو گی۔ ہاری میں چلا کو کیسے بتاؤں کہ میں اس سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ وہ اتنا پتھر کیوں ہیں؟" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"یہ بات کوئی نہ نہ کی ہوتی ہیں۔ یہ تو فطری رشتہ ہے، وہ آپ کے والد ہیں۔ ان سے محبت آپ کے خون کا تقاضا ہے، وہ بھی آپ کو اول جان سے عزیز رکھتے ہیں۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔" وشی نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"کیوں؟" باری نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ دنیا بہت عالم فاضل آدمی ہیں۔ وہ یہ یقین کیوں نہیں کر سکتے کہ وہ مجھے بہت عزیز رکھتے ہیں یا وہ مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اس لئے کہ میں ان کی بیٹی ہوں۔"

"محبت کا تعلق علم، فضل سے کیا ہوتا تو اکثر پڑھے لکھے لوگ اس کے لئے بھی محبت کرتے۔" باری ہنس دیا۔

"یہ تو ایک آسمانی محبت ہے۔" مجھے ماں کی یاد آتی ہے۔ ان کی محبت کے سمندر میں ہی پانی جذب ہو جاتا ہے۔ یہ بھی اپنے اصل خمیر سے پرواز کرتی ہے اور اپنے وطن یعنی کسی روح میں جذب ہو جاتی ہے۔ کتنی اہم اور سچی اور سچی روح میں کوئی رشتوں میں کیونکہ ہم آسمانی فطری ہوتی ہے اس لئے محبت ان رشتوں میں رکھنے سے ہوتی ہے۔"

"تمہیں اتنی سمجھ ہے محبت کی۔" وشی کی آنکھوں میں ہلکی حیرت تھی۔

"کوشش کرتا ہوں۔" آپ کو یقین آجائے کہ میں آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"اچھا اگر تم سے کوئی یہ کہے کہ محبت کی تعریف ایک جملے میں کرو تو کیا تم کر سکو گے۔" وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔

"بار بار کر سکتا ہوں۔ یعنی اس طرح کہ ہمیں ہوا ایک۔ لمحہ ہوا ہر شخص ہے۔ جس کو سمجھنے کی کوشش کرنا بھی عظیم کوشش ہے۔"

"بہت مشکل جملہ ہے۔" اس نے سر کو دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر سر کے نیچے رکھ لیا۔

"محبت سماعت کی خوبصورت شکل ہے۔" وشی کے سر سے سر اٹھا لیا۔

"مجھے علم ہے، وہ اپنے سب۔" اس نے بیٹھ کر دونوں ہاتھ اٹھا لیا۔

"لیکن، لوگ والی تو تمہیں بہت مس کرتی ہوگی؟ اسے ایک دم کچھ یاد آیا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" اس نے بھی اداسی سے سر ہلا دیا۔

"کیا تم وقت اس کے بارے میں سوچتے ہو؟"

"وہ تو تم کیسے اب اس بارے میں بات کر رہا ہوں۔" باری نے بھی فیصلہ کن بات کا جواب دینے کی قسم کھائی تھی۔

"آپ ایک بات کہیں ہوں؟" باری نے تکیہ پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

"کیا بات ہے؟" وشی نے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو اس سے کیا ہے کہ میں کیا سوچتا ہوں۔ اس سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ نے تو اسے ایک بھی نہیں دیکھا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تم نے تو اسے دیکھا ہے نا۔" وہ کھلا سے بولی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ تھی بیچے۔ جن سے آپ کو نفرت ہو۔" وہ جانے کیوں باری کو اس پر ترس آیا تھا۔

"میرے پاس کوئی اچھی بات نہیں ہے مجھے نہ کہنے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"میں نے آپ کے کس کام کو نہیں سراہا ہوں۔" باری کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ کیا کہے۔ وہ بہت حساس تھا۔

"تم میرے کسی کام کے نہیں ہو۔" اس نے باری کی طرف سے کروٹ لے لی۔ اس کی سوں سوں سے صاف لگا رہا تھا، وہ رو رہی تھی۔

"آپ تو واقعی ہے ناں؟ آج آپ ناں میرے سامنے کرنے پر ناں تو نہیں ہو گی؟"

وہ چپ رہی۔

(کاش میرے اس میں ہوتا میں جان جان کر غلطیاں اکٹھی کرتا اور تمہارے سامنے ہوں میں (میر کر دیتا)

"مرضی ہے تمہاری میرا کوئی ارادہ نہیں ہے تم پر۔" وہ کھسیانی ہو کر سیدھی ہو گئی۔

"بھلا ایک بات تمہیں کہ یہ کیوں کھایا تھا؟" وہ اس کے سفید پیرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری جیسے کیوں کھایا تھا۔" وہ پیر موڑ کر باری کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں ہے۔ سے فرش بھی مجھے ہمراہ نہیں ہو سکتی۔" وہ ہنس دیا۔

اسی وقت ہاتھ میں گلوکوز کی بوتل لئے اندر داخل ہوئی۔ بوتل کو دیکھ کر مسکرا دی اور وش کیا۔

"آپ کب آئے سر؟" وہ ٹرالی اسٹینڈ پر لگانے لگی۔

"خاصی دیر ہو گئی۔" وہ بھی مسکرایا۔

"آپ واقعی بہت پریشان لگے رات آپ کھانوں سوڈا شیں ڈالے بے شمار سے لگی بار کر دی آپ کو چکر لگے۔ آپ بہت اچھے لگتے ہیں۔" وہ ٹرالی لگا کر فرمانبردار بچے لگی۔

"لیبر بھی چیک کرائیے لیبر بڑا ہو گیا تھا اس لئے اپ ہنا دی تھی۔" وہ باری کو بتا رہی تھی۔

"اور کتنی دیر لگے گی آپ کو ڈسچارج ہونے میں؟" وہ وشی سے اداسی سے بولی۔

"یہ تو ڈاکٹر ہی بتائیں گے۔" اس نے تکیہ درست کر کے سر ٹیک دیا۔ اور پھر کوئی پرندہ بھی کھڑکی پر نظر آ کر غائب ہو گیا۔

مجھے نے اس کو بتایا تھا کہ مجھے اس انجکشن سے الرجی ہو گئی تھی۔ یہ کیل کیں سے لگا ہے۔ دراصل اس نے رات مجھ سے کہا تھا کہ وہ آپ کا کوئی بچہ ہے۔ اسے اور محبت کیل کا پتہ چلے گا تو اس رہتا ہے۔" وہ اس رہی تھی۔

"کس کا پیار؟" لفظ پیار سنتے ہی اس کے بدن میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"کسی کا بھی۔" ہاری جلدی سے بول پڑا۔

نرس نے فقرہ ہاتھ اس کے حوصلے نکال کر روفی کی طرف کر کے دیا کرنا شروع کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے ڈیئر پیار تو نارمل ہوا ہے۔ اصل انجکشن تو میں آدھے گھنٹے بعد لگاؤں گی۔"

اس نے ایک انجکشن اٹھا کر دوسری میں انجکشن کی سوئی روفی کے بازو میں اتر کر دوا ڈالنے لگی۔

"ڈیئر تو آپ یہاں آئیے۔" اس نے ہاری کو بلایا۔

وہ بیگز میں سامان نکال کر روفی کے قریب چلا آیا۔

"جی۔"

"ایک تو ان کی آنکھ پہلے کھلی تھی۔ یہاں سے آرام دہ انجکشن لگا ہے۔" نرس نے روفی کے بازو پر ایک جگہ نشاندہی کی۔

ہاری نے اپنا سر جھکا دیا تھا۔ روفی کا بازو اس کی گرفت سے چھڑایا۔

"مگ اٹھا رہے ہیں آپ لوگ یا تیل کے کنویں؟" وہ بڑبڑا کر ہوا کر رہی تھی۔

"یہ موصوف سر کنڈے کے گچھے اٹھا کر لاتے ہیں۔ آپ نے میرا ڈک ہاؤس ان کے حوالے کر دیا۔" وہ اپنا بازو سہلانے لگی۔

نرس ہنس کر چلی گئی۔

ہاری بھی بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

"ہری بی بی!" نرس نے اسٹیل اپنی بھی کنٹرول کی۔

"اچھا ڈیئر آرام سے۔" اس نے ہاری کو بیڈ پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

وہ چلی گئی اور کمرے میں سناٹے سے اس کا بازو تھام لیا۔

اس کے بیٹھ جانے سے روفی کو زندگی کی حرارت جیسے روفی کے جسم و جان میں لوٹ گئی۔

اس نے چھو تو دیا تھا اسے مگر وہ خیال تو سراسر آسودگی ہیں۔ ہاری اور اس کی رفاقت میں کسی زندگی کی ضرورت کی یقین ہے۔ ایک سے بڑا ہے اور ہر ایک سے بڑا ہے۔ عذاب ہیں کا فکر رہتا ہے۔ اسے چھوا اس کے ہونے کا یقین ہے۔

"اس لیے آنکھیں موند لیں اسے اپنے تھکے ہوئے سوال کیے۔ اس کی گرفت میں وہ بے بسی اپنے بازو پر ہاری کا ہاتھ ہٹ جانے کے احساس سے اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ کھڑا ہوا تھا۔

آنکھوں میں کچھ ایسا تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"ہوا ہے کچھ ایسا جو آپ کو پتا ہے؟" کیا ہوا تھا؟ اس کا سوال اٹھ گیا۔ "کیا کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتی؟" وہ اس کے قریب ہوا تھا۔ کہاں سے آئی اور کیا ہوا تھا آپ کو؟ روفی نے کہنا چاہا تھا۔ مگر کہہ نہیں سکی

www.Paksociety.com

"سوائیں۔ آف ہو گئی؟"

"پاگل ابھی ابھی نہیں ہیں تمہاری ماں مجھ پر کسی سے رازداری کرنے پر چلے جانے سے اتنی کبیدہ خاطر ہوئی ہیں کہ بے تکلفی؟" وہ پھر مسکرا کے گھورتے ہوئے بولی۔

"رازداری کا مطلب جانتی ہیں آپ ——؟" اس کا قہقہہ رک گیا۔

"پاگل ہو گئی ہیں ایک قسم کی مالیخولیا ہو ——— ہاں شوہر"

دھڑام سے دروازہ بھڑکا ——— کھڑکی قیامت میں دونوں سوتنیں داری اور مجھلی اندر داخل ہوئیں۔ اس کی بات ہوا میں معلق رہ گئی۔

"یا اللہ اتنے لاکھوں کا شکر ہے ہم لوگوں کو ادھار ہو گئی۔ جیسے ہی پتہ چلا کہ تم محل ہوش میں ہو تو بھی ہم سب ساتھی دعوت عید میلاد کے لئے چل پڑے۔"

مجھلی اپنے پہلے کے ارادے سے آگے بڑھی تھیں مگر اب کی بار وہ رکی دیکھ کر کاسے پر رک گئیں پھر وہ بے یقینی بے حس اور جنگ کی اس کے خدوخال کو پڑھنا۔

"اس بستر سے اٹھ جاؤ پاگل تو بہت محنت کروں گی تمہاری اولاد تو بہت خوش قسمت ہے ——— مارنے والے خوف سے رہائی فی سبیل اللہ شکر کریں کم ہے۔"

"انسان کو اتنا خود ان بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ آس پاس رہنے والوں کی زندگی ہی عذاب ہو جائے۔" مجھلی بڑبڑاتے ہوئے بولیں۔ اپنے حساب سے انہوں نے "نصیحت" کی تھی۔

داری نے آنکھوں آنکھوں میں مجھلی کو تنبیہ کی۔

"یہ آپ سب کی سب اکٹھی کیسے آ گئیں؟" ہاری نے ان سب کو دلچسپی سے دیکھا۔

"سب کہاں ہیں؟ چاچو آئے ہیں یہ تو ——— وہ آئے تو گھر پر ہیں۔" سوہنے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آپ سے درخواست ہے آپ زندگی میں کبھی "حماقتیات" پر نظر کرم بہت فرمایئے گا۔" اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر درخواست کی۔

سوہنا فطری سادگی سے مسکرائی۔ وہ مجھلی کے غصے کی وجہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"اتنا تکلف کیا تم نے۔ مجھ سے ——— کہتے کہ ہوش ہو گئے ہے۔" مجھلی۔

"جو تمہاری ہیں ——— تمہیں؟" انہوں نے داری سے اشارہ کیا۔

"میں ان کا مطلب نہیں سمجھی۔" وہ الجھ گئی۔

"تو بتانے میں کیا حرج ہے؟" مجھلی نے پیار بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

داری نے قدرے جھک کر مجھلی کی سماعت کے قریب کہا۔ "اسے" بھی زنانی میں جوڑ لیا جا سکتا ہے؟ مگر پہلا وہ ہے۔ اسے اسے دوسرا ——— اور تیسرا وہ ——— اور ——— اور ——— اور ———

"میں ہوش میں ہوں؟ آپ لوگ "زن" کی درخواست کے بعد ہی کمرے سے باہر آنے کی کوشش کیجئے گا۔"

"پاگل" سمجھے لے آؤ دوسری۔

"ہاں" مالک جن" کچھ ہوا ہے مجھلی بیٹی کو تمہارا ہے؟"

"بی اماں اپنی تاب ——— باقی ہے ہوش ہوا۔"

"داری بیٹی تو کیسٹ پاپیتر ہے اسے کہیں اٹھا لے جا رہے ہو؟" وہ غریب کی کچھ نہیں سمجھیں۔

"وہ ——— جس ——— ہے ——— وہ بی بی کا ہے" بھول گیا تھا گاڑی میں ——— وہ بستی سے چلتے ہوئے لے آیا تھا کہ راستہ میں ——— بہت زیادہ تنہائی محسوس کرتا ہے۔"

"وہ ——— اس طرح ہو گئیں جیسے ان کا کوئی خاص مطلب نہیں تھا۔ ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔

داری کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ اک مین کے ذکر پر۔ وہ بہت خیرانی سے ہاری کی سمت دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

سب لڑکی کے بھلی جلدی ہو سکے ہاتھ پیلے کر دینے چاہئیں"۔ بے سوچے تو اس نے اچھا خاصا موضوع چھیڑا۔

"میرا تو تمہارے کل کی ہوئی آج ہو جائے اس کی تیاری پر کوئی اعتراض کا نہ آئے"۔ اس کی بیوی نے اپنے بیان میں ہونے والے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"پتہ آج میرا ں منڈائی ہے کرانے تھے۔ شوہر نے بیوی کی آ" اس کے ذہن میں مغرب کے وقت نئے سوال کھلا رہا تھا۔ وہ بھولی کی تھی کہ خاوند نے یہ موضوع کیوں چھیڑا ہے۔

"دیکھ تو خاتون نے وہ جوتا ل پڑوں میں تھا" غلام محمد نے اراضت کی۔

"کپڑے کے کانٹے والا تھا۔ کیا کرتا ہے اس کا کرتا؟ خود اس عمر میں بھی بڑا کانا پھوسی ہے"۔ بڑی نیم نظر تھی اس کی محمد ال کی۔

"اس کا کوئی لڑکا وڑکا نہیں ہے"۔

"بھائی ہو گا" اس کی بیوی نے بات کاٹ دی۔

"وہ خود کہتا ہے" اس نے دبے دبے لفظوں میں بتایا۔

"اس میں ہمارا کیا قصور؟" وہ تنک کر بولی۔

"پیسہ ——— بہت ہے" ——— اس کی آواز ڈوب کر رہ گئی۔

"پیسہ تو ہمارا تھا؟" وہ الجھ کر بولی۔

وہ خاموش رہا۔

"ہو سکتا ہے اس کی قسمت میں ساتھی کی عمر کر دی جاتی ہو؟ اور ہوش کے ناخن لو۔ کہاں بھری پھلواری کی بیگم اور کہاں ——— ہو گا" ——— اس کی آواز تیز ہو گئی۔

www.paksociety.com

"آپ نے اپنا بچپن دیکھا ہے نا۔" وہ جیسے اپنی تسلی کر رہی تھی۔ "اس لئے وہ ایسا سوچ رہے ہیں۔"

"اس کی عمر کچھ ایسی بات کرنے کی کہاں ہے۔ یہ تو اس کی اوائل عمر کی باتیں ہیں۔ کہاں وہ اس سے کہاں کہ وہ ہمارا سہارا بنے گا۔ خود ہی پتا چل جائے گا اس کو۔" وہ جیسے اپنی تسلی کر رہی تھی۔

"محبت اندھی ہے۔ پیسے والا ہے۔ کما رہا ہے۔ کھا رہا ہے۔ کوئی غریب اور مجبور لڑکی ہی لے گا۔ ہماری زندگی تو پیسے کی محتاج ہے۔ ہاں اتنی ہے کہ بچی بھی اچھی طرح سے زندگی گزارے۔ آگے سے بھتیجے بھی ہیں۔ ان کی اور اپنوں سے بڑھ کر کرے گی۔ آج میں بیمار ہوں تو پوچھ رہی ہے۔ کتنا وہ نہ بھی کھلے میں پڑ کر یہاں مرنے لگی ہے۔ کچھ سوچ رہا ہے۔ نہیں کرتی تھی اور بات پیسے کا نہ تھا۔ عورتی ہے پیسے سے کیا ہوتا ہے امی!"

اسے جانے کیا کیا یاد آ گیا تھا۔ وہ رکے۔

"عورت پیسے سے مجبور ہوتی ہے۔" جس سے اس کے زبان بھی بند ہو گئی تھی۔ "کہ کسے وہ اطمینان نہیں ہوتا۔ وہ جس سے بیٹی کی کمائی کھا رہی ہے۔ وہ اچھا ہے۔ برا ہے۔ وہ بیٹے بیٹے کے فرض نبھا رہے ہیں۔ وہ ان کے پیسے نہیں لے رہے ہیں۔"

"بھارت کے وقت شروع میں کرنا نہیں نہ۔ بعد میں کیا ہو جائے گا کیسی خوشحال ہو گی۔" اس نے اگلا دی سے کہہ کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"ہم نے بھی سامنے دیا کا کھا کے ہوئے ہیں نا کوئی پیسے نہیں آتا تھا۔ کسی کی کمائی ہے یا نہیں۔ پھر کسی نے پیسے بھیجے کھل کے پیسے ہیں یا نہیں۔" وہ (بیچارہ) مشتعل ہو گیا۔

"وہ تو ابی دیا کے ساتھ ہے کہاں جا رہے ہیں۔ وہ بیچارہ ہے۔" وہ بیچ میں بولا تھا۔ اس نے بازو کی طرف جھانک کر لیا۔

(بیچارہ میں تو نہیں ہے گی۔ آخر بات ہی ایسی ہے۔ فرخ کل دیکھیں گے) اس نے سونے کے خیال سے آنکھیں موند لیں۔

"اب ہی کمائی تھی میں اتنی تنخواہیں دیکھ کر آدمی دوست بھی جوڑتا ہے۔ تو خواہ مخواہ ہی تو پاری نہیں تھی۔ اس کی بیٹے میں کمی ہے۔ خرید لیا ہے۔" جملوں کے اندر آگ سی بھڑک گئی تھی۔ وہ مسلسل جل رہی تھی۔

اے میرے دل کے راحت جو ہی
تو کہاں تھا؟ بہار سے پہلے

آگ بجھ رہی تھی۔ وہ دن ایک۔ گھنٹہ وقت کے سامنے بھی جھکے تھے۔ غلام محمد بھاگتے دوڑتے پہنچے تھے۔ اسے خوف تھا جیسے ہی وہ گھر والی کا رخ کرے گا۔ وہاں سے کہانی شروع ہو جائے گی۔ ایک شعر تو سامنے پڑا تھا۔ جس سے خوف زدہ کر وہ بھاگا تھا۔

www.paksociety.com

www.Paksociety.com

جہاں کی طلب اور ہے ساغر ہے کچھ اور
زاہد اتنے فریب سے کچھ بھول ہوئی ہے

"بھئی جو چیز اللہ اپنی مرضی سے دے اس میں کیا برائی ہے"۔ مگر مرتبہ غلام محمد نے اس کے کسی فقرے پر کچھ نہیں کہا تھا۔ باقی سفر سے گزر رہا تھا۔

"اچھا ہوا جو جائے دو بار اولاد نہیں ہوتے"۔ وہ صبح کی آواز میں بولا۔

"تم نے اسے کچھ علاج کیے کرائے ہیں؟" آج اس نے پوچھ لیا۔

"مجھے کہاں کسی ڈاکٹر کا پتا ہے؟" وہ اس سے بھی سرد جواب آیا۔

غلام محمد نے سر ہلا دیا۔

"اچھا اب ڈاکٹر کا پتا کرو۔ دیکھو گھر والی کو پہلے نرمی سے رام کرو۔ نہیں مانے تو گھر سے نکالنے کی دھمکی دو اس عمر میں کہاں جائے گی راضی ہو جائے گی اور جب اپنی بیٹی کے خواب بات دیکھے گی تو سب بھول جائے گی اور پہلے سے زیادہ خدمت کرے گی۔ اپنی بے وقوفی کا علاج الگ کرے گی تمہاری بیٹی دے گی"۔

"اور جو اسے دن میں تارے نظر آئیں گے"۔ اس نے تلخی سے کہا۔ تلخی کو نظر انداز کیا۔

"چاروں کی تکلیف سے گزرنا آسان ہوتا ہے پھر گھاٹا کیا ہے؟" عارف نے پھر بل دی۔

"ویسے کمی کوئی نہیں ہے؟" اس نے سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر جیسے سوال کر ہی لیا۔

کمی سے اب دل کا شور چیخ خاموشی میں بدل گیا تھا۔ کبھی وہ جانے کی "آئی" "آئی تھی"۔ کبھی میں علاج کی "آئی" "آئی" وہ تھا"۔ غلام محمد نرمی سادگی سے بتا رہا تھا۔

"پھر تو جیسی" پریکشن" ہے بڑی لگانے کی۔ شاباش اب پھر "چالو" ہو جاؤ۔ کہاں تمہاری بیٹی دے گی۔ سے لال خالہ اور اس کے بچوں میں زیادہ اور پھر کھیل کا ہے۔ بار بار دل کو دو کر کے تو ہاں وہ بے تو لے لیجیے پیسے لے جائے گا۔ سیدھا سادہ بچہ ہے"۔

عارف نے کن انکھیوں سے غلام محمد کی طرف دیکھ کر بظاہر شانہ اندازی میں کہا۔ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ باہر کھڑی چھوٹی سی بچی کو ہاتھ ہلا رہا تھا۔ "بائے"

عارف نے سگریٹ سلگا کر دھوئیں سے اپنی بیٹی کو گھورتے ہوئے سر جھٹکا۔

"ہاں ٹھیک ہے تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم ٹھیک کہتے ہو"۔ اس نے عارف کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "ٹھیک ہے"۔

"مامی" کہاں ٹھیک ہوتی ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں پر ناراض ہو جاتی ہیں۔ ہوتو سوتم بار بار لگاتار ہو رہی ہیں۔ یہ اللہ جانے کیا ہو رہا ہے۔ سوچ رہا ہے۔ سوچ رہا ہے۔ پتا نہیں کیسے چلائے گا۔ یہ کاروبار چل رہا ہے۔ کچھ ہو رہا ہے۔ ہوتا رہا ہے۔ ہوتا رہا ہے۔ بزنس دیکھ بھال کر ہو گا"۔ وہ بہت آرام سے ہوا میں ہاتھ لہراتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"تم نے بھی تو دوستی کی ٹھیک طرح سے چلے"۔ اس نے پوچھا کہ ایک ہوا دینے کی ترکیب عمل ہوئی"۔ غلام محمد اس کی

ہاں کی گہرائی پر ذرا سا

ابھی تک ہے کچھ ہی ہے میری دانست کی عریانی
یہ کس نے بے گھر کو عریاں کر لیا میں نے

"او... ہاں... ہیم... "کتابوں والا لفظ ہے۔ جینے کی طاقت ہوتو ایک کھوٹ ہوں"۔ اس کی آنکھوں نے گہرے غم کے بحر کو سکوڑ دیا تھا۔

وہ فجر کے وقت اٹھنے کا عادی تھا۔ معمول کے مطابق آنکھ کھل گئی تھی۔ لیکن وہ کروٹ لیتا رہا۔ پھر اٹھ کر باہر نکل آیا۔ کچھ دیر ٹہلتا رہا۔ پھر اندر آ گیا۔ وضو کرنے کے بعد نماز کی جائے نماز پر بیٹھ گیا اور دیر تک عبادت میں مصروف رہا۔ پھر اس کی آنکھ لگ گئی۔ جب وہ اٹھا تو دن کافی چڑھ آیا تھا۔ اس نے اٹھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹایا۔ باہر کا منظر دیکھا۔ دھوپ کی تمازت کا اندازہ لگایا۔ پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔ ڈرائنگ روم میں کوئی نہیں تھا۔ وہ کچن کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ واپس مڑا۔ تو اس کی نظر ٹیرس پر پڑی۔ وہ وہاں کھڑا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"السلام علیکم ابا!" وہ کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم السلام! بیٹھو۔ رات سے ہم ایک بات پر غور کر رہے ہیں"۔ وہ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جی... فرمائیے"۔

"یہ جو کراچی کی چھوٹی کی بیٹی ہوا ہے۔ علیم الدین... تمہیں یاد ہو گا یا پتا ہی ہو گا اس کا ہے"۔

"جی... جی..."۔ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ وقت گزر گیا تھا۔ پاکستان بننے سے پہلے کی واقفیت ہے ہماری ان کے خاندان سے"۔

"جی"۔ وہ سر جھکا کر سنجیدگی سے بولا۔ "اسے بہت قریبی خاص بات کی "ہوا" آ رہی تھی۔

"اس کا ایک ہی بچہ ہے۔ بیٹی ہے سال چھ سے چھوٹا ہو گا"۔

"ہوا" بات کی گہرائی میں بات آ گئی۔ اس نے دھیرے آہستگی سے سنجیدگی کو اپنا لیا۔

"وہ بہت پریشان ہے۔ باپ نے الگ کاروبار کر دیا تھا۔ غلط سمت میں چلنے لگا تھا تو باپ نے دوبارہ اپنی نگرانی میں لے لیا۔ اور اچھی خاصی رقم سے الگ کاروبار کیا تھا۔ اس کھیپ میں بھی کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہا ہے۔ کیا لاکھ روپے ہے۔ کیا کہا ہے۔ کیا کہا ہے۔ کیا کہا

www.Paksociety.com

"آپ بیٹھیں"۔ وہ اس طرف دیکھے بغیر باتھ روم سے کچھ چیزیں لے کر آ رہی تھی۔

"پاپا ہم آ رہے ہیں"۔ اس نے کہا۔ "ایک ضروری فون کرنا ہے" "ٹھیک ہے آ جاؤ۔ میں آپ کے لیے کافی بنا رہا ہوں"۔

"پاپا نے پی لیں ہیں"۔

"تم کافی پیتے ہیں"۔ وہ الجھ کر بولے۔

کھولتے ہوئے پانی کا کپ چمچا ہوا کے قہر کے شکار ہیں کڑوی ہو گئی۔

"تم جاؤ" "یہ کام کرو"۔ اس نے جیسے کسی خیال سے چونک کر اسے کہا تھا۔ وہ چلی گئی۔

اسے محسوس ہوا تھا وہ پہلے ان سے بہت مختلف تھا۔ پرسکون ہنس رہے تھے اور باتیں بھی کر رہے تھے۔ اب یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی گھر میں اچانک بری خبر آ گئی ہو۔ اور سب کے چہرے اتر گئے ہوں۔ وہ ان کی آنکھوں کو تک رہی ہوں۔

اس نے چائے کے گھونٹ بھرنا شروع کر دیئے جو بے حد کسیلی ہو رہی تھی۔

ٹرالی والی بیل عالم پاپ اور ان کی ٹیم جہاں آرائے جب تک خدا حافظ کہتے آ گئی تھیں۔ جواد سے باتیں کرتے ہوئے وہ چاکلیٹ کر کے خدا حافظ کہہ گیا تھا۔

وہ فرحت بیٹھ یار علی خان کے ہوا میں بیٹھ گئی اور گردن کے سے جیب کا دروازہ بند کر لیا۔ ابھی تک وہ یار علی خان کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔

"یہ تو واقعی صحیح علی حسین ہوتی ہے انہوں نے تو پتا ہی نہیں چلتا اس کے حسن کا" آپ کبھی اس سے پہلے بری پو گئی ہیں"۔ وہ پوچھ رہے تھے۔ احتیاط سے چلاتے ہوئے۔

"اوہاں گزشتہ ایک گرلز فرینڈ میں یہ"۔ "اس کا حسن دیکھنے کا کبھی بھول نہیں سکیں گی"۔

"ہری ہے بھی ایسی ہی" کہتے ہوئے ان کی طرف چہرہ موڑ کر دیکھا۔

لائٹ رہا تھا کہ وہ سر جھکائے ہوئے تھی۔ وہ بہت تروتازہ محسوس ہو رہے تھے۔

"ہری کا حسن اتنا طاقتور ہے کہ ہر ایک پر اپنی چھاپ چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اپنی حسن کے علاوہ سکون بھی ہے۔ یہ وہ بھی سوچ سکتا ہے۔ بلکہ یہ کرنا بھی اتنا سادہ ہے"۔

گاڑی چل پڑی تھی۔ انہوں نے راستہ پوچھا تھا۔ سوچ ابھی طاری تھی۔ وہ اتنا سوچ رہے تھے کہ ایک ہی بات کہہ سکے۔ "تم بہت اچھی لڑکی ہو"۔

"تجھے عزت سے بیاہ کی جو مستحق ہو"۔

"وہ نہیں ہوں"۔

"پھر کہاں ہو گی"۔

"کوٹ"۔

"وہاں تو بہت برف ہوتی ہے"۔

"ہاں وہاں بھی آپ کو ہر جگہ کہیں گی"۔

"تم ان کے ہاں جاؤ گی؟ آپ کا پیر ہے پھر بھی؟" وہ ہنس دی۔

"پیر ہے مگر جوان ہیں آپ؟ آپ کا پیر ہے پھر بھی؟" وہ ہنس دی۔

"پیر ہے مگر جوان ہیں پر جاتے ہیں عقل اور عقل بہت معصوم ہوتے ہیں"۔ انہوں نے گیئر بدلتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

عورت سوچی سمجھی عورت تھی اس میں وہ اصل کو فوراً نظر انداز کرنے میں اہم کردار ادا کر رہی تھی۔

"کیسے ہوتے ہیں جوان پیر؟" اس نے مسکراتے ہوئے پیشانی سے بال ہٹائے۔

"پتا نہیں کیا مشکل ہے۔ یہ تو اس انکشاف ہوتا ہے۔ پہلے سے پیشگوئی نہیں کی جا سکتی۔

"کبھی ہوا ہے انکشاف؟" وہ ان کا چہرہ بہت پرکار چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔

"میں پیش گوئی کر سکتا ہوں آپ ابھی دیکھیں گی"۔ وہ کچھ سا مسکرائے۔

"پہلے سوال کا جواب ہے؟"

"اچھا یہ بتائیے آپ کو پہلے ریسٹ ہاؤس چھوڑ جائے یا آپ میرے ساتھ چلیں گی پہلے۔ تاکہ آپ کا جادو دے کر اطمینان سے آگے بڑھیں گے۔ اس طرح اگلا پڑاؤ کرنا بہت آسان ہو گا" کیوں؟"

وہ سامنے سے آتے ہوئے گاڑیوں کے ریوڑ کو بغور دیکھ رہی تھی جیسے پرکھ رہی ہو۔

"آپ خاموش ہو جائیں گے میں اس میں سالھ دوں گی اس لئے کہ مجھے پتا ہی نہیں اور ہاں میرا سوال آپ کے پاس امانت ہے۔ میں اتنی سادہ لوح نہیں ہوں کہ آپ اپنی مرضی سے جب چاہیں اور جہاں چاہیں اتار کر چلے جائیں"۔ وہ ہنس پڑی۔

"ذہین عورت بھی جیسے عقل اور عقل سے مرا ہو جاتی ہے"۔ وہ سنجیدہ مرجھا سی ادا میں اس کی طرف دیکھ کر بولے۔ ان کی آنکھوں میں سرخی کے ساتھ چمک اور شرارت بھی تھی۔

"لگتا ہے آپ نے میرا ہاتھ دیکھ لیا ہے"۔ "کہاں کی لائن ہے آپ کی" "کوئی پیشگوئی کے طور پر چھپے ہوئے۔ جا کیرداری میں اور کہاں ہم "اسٹیٹس" کا ذرا سا پرزہ ملتے ہیں ہے پاکستان میں تو یہ ہوتے ہوئے والے بچے کو اگر سب سے پہلی دعا دی جا سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ کرے "یہ ڈکریٹ" ہے" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر ذرا آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اور علی خان کھل کر مسکرا دیئے"۔ "یہی وجہ ہے آپ کی گونجیں"۔

"ہاں اگر وہ ہوتے ہیں ہے" "ہم بھی شریک مسکرا دیئے اپنے کے ہونٹوں پر پھیلے گی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

محبت عادت ہو سکتی ہے۔
مگر عشق سراسر مجبوری ہے۔
زندگی کی ڈور دوسری جانب ہوتی ہے
انسانوں کا آنا جانا بھی وہی ہوتا ہے ہمیشہ سا
لیکن"۔
ایک فلسفی فکر کہکشاں سیارے کی طرح آشکار ہوتی ہے۔
کہکشاؤں کا ایک نیا جہاں دریافت ہوتا ہے۔
انسان ایک جست میں اڑ کر اس نئے جہاں میں پہنچتا ہے۔
اس جہاں کی مٹی ہے۔
یہاں کے رنگ کھانے۔
یہاں کے تمام ذائقے۔
تمام مختلف ہوتے ہیں۔
اس جہان میں ہم آہنگ ہونے کیلئے یہاں کا مخصوص لباس پہننا ہوتا ہے۔
جس کے تاروں میں سرمستی ہو۔
بے خبری ہو۔
جس کے لمس سے جسم سے طلب کی آنچ آتی ہو۔
اس جہاں میں جذبہ بیداری کے مظاہر بھی الگ ہوتے ہیں۔
طلب و مجبوب و مقصود کے الوہی، بیسر ہوں تو بجلی نیزہ کے جھونکے آتے ہیں۔ وہ نظر سے اوجھل ہوتا۔
عریاں جسم سے آراستہ نورگاہ میں اڑ نظر کتے ہیں۔
نہ نیند کا لمحہ نہ بیداری۔
نہ خوشی نہ غم۔
نہ جینا نہ مرنا۔
کوئی شے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔
اس ایک نگاہ کے سحر کے ساتھ زندگی ہو کرتی ہے۔
وہ نگاہ"۔
جس کی ناگہانی آمد سے ساکت ساعت ابدیت ہو جاتی ہے۔

ایسی نگاہ۔
کیا ہی نگاہ ہو گی جسے یہ غالب نے چاہا ہے۔
چاہنا کا حسن محسوس ہوتا ہے جب اس نگاہ کے احساس کے ساتھ۔
نیزہ داروں کی فلک شگاف کاوش سے جب اس کی شکست و ریخت کے ساتھ۔
پیچھے رہ جاتی ہے وہ اس کی روانی ہے تو کہ وہ اس نظر کی سحر کی تیزی کا استعارہ۔
اس نظر کی سحر کی تیز سنگینی کا تسلسل۔
عشق کیا ہے۔۔۔؟
آداب غلامی کی تحصیل"۔
پیاسا"۔
روزہ"۔
ہنستا مسکراتا"۔
سوچا جاگتا"۔
سب اس شعر کے اختیار میں چلا جاتا ہے۔
عشق کیا ہے؟
جاں کا سونپ دینا ہے دل کا یوں سا جانا۔
زندگی بن کر رہ جانے والے لمحے سے دور رہنے والا۔
تمنا کی سیکنڈ ہولی زندگی آن کی آن میں اس اٹھان میں جا پاتی ہے۔
اور پھر کوئی نہ قصہ ختم ہو۔
راکھ ہے تو جان چھوٹے۔
پرندہ کو نہ دانہ۔
نہ تشنگی ہے نہ بجھتی ہے۔
عشق کیا ہے؟
ایک ذات سے دوسری ذات کی اڑان۔
ایک انا کی دوسری کا سامان۔
ایک گمشدگی کا اعتراف۔
ایک ذات کے آباد ہونے کا اشتہار۔
اپنے ہونے سے لاتعلقی کا بیان۔

www.parsociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

حسن کیا ہے؟

اس نیک نظر کا اثر

وہ نظر جو بہت دیر سے سفر سے بہت آگے اڑان بھرتی ہے۔

نیلی نظر جس میں ہر دانائی کے سامان چھپے ہوتے ہیں۔

جس کی کرامات بن جاتی ہے۔

اور ساری زندگی کو یا اس کی کرامات میں حفیظ ہو جاتی ہے۔

ہر آن ہر لمحے۔

اس نظر کی توجہ محسوس ہوتی رہتی ہے۔

دل مضطر کی گرفتگی تو ظاہر ہوتی ہے۔

مگر ۔۔۔!

جہاں گوشہ ہوتے ہیں وہاں کرامات ہوتی ہے۔

اس نے جزیرہ بنانا دل کرنے سے پہلے کیا یا بعد میں اسے یاد نہیں تھا۔

اس کی وہ صفات اکثر یاد کوئی اس کی تنہائی میں حل نہیں ہو رہا تھا۔ البتہ مگر کیا ہے یا کچھ یا سب کچھ ہو سکتا ہے یہ سوچتے سوچتے اکثر وہ سو جاتی تھی۔

اور اس کے سنگ بارہ لمحے نے اس کی دیا تیت کر رکھی تھی اس کی جھلک بھی دیکھنے کو نہیں مل رہی تھی۔

وہ پوری طاقت مجتمع کر کے اٹھ کر اٹھی اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ یہ وہ جگہ تھا جہاں سے وہ اسے دیکھا کرتی تھی۔ وہ سامنے ہی کھڑا نظر آ گیا۔ اختر (ڈالفن) سے باتیں کر رہا تھا۔ اختر بھی ہنس رہا تھا اور وہ بھی۔

روشنی کے چہرے سے دھواں سی اٹھی۔

کتنا مشکل اور کتنا آسان ہے ہنسنا۔ جیسے اس وقت دنیا کا دلچسپ ترین انسان بھی اسے نہیں ہنسا سکتا تھا۔ روشنی اس کے دھندلکوں پر طنز کرتے۔ میں تو شاید اب عمر بھر نہیں ہنسوں گی۔ مگر پر اگر یہ انکشاف کرے کہ وہ کتنی ہوشیار اور سمجھدار ہے تو تمہاری ذات کی بھرپور نفی ہے۔

"بابا! اپنے نہیں گی آپ؟" اختر کی آواز دھندلکے کی طرح اس کے دماغ پر چھا گئی۔

"ہاں"۔ اس نے جواب دیا۔

"اور بابا سنو"۔ اس نے جواب دیا۔ اختر کہہ رہا تھا۔

"بابا کو بھیجیں میرے پاس"۔ وہ دیوانہ وار ہنسنے لگی۔ اختر کا ذہنی گرفت کی طرف نے جا رہا تھا۔ باری ریسٹ والا یہ نظر ڈال کر اس طرف کی دیکھا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اسے کہے "ہاں جا رہے ہیں آپ کے پاس ہی آئے گا" اور یہ کہہ کر وہ مر جائے۔ پھر کبھی نہ اس دنیا میں آنکھ کھولے۔ اس کے دل میں وداع کی دیا روشن ہونے لگی۔

اگر پھولوں کے اندر اس نے ہاتھ نہ ڈالی تو ہمارا وداع ہمیشہ ہو جاتا۔ دل رک جاتا۔ اس کا ہی ہوا کھڑکی سے باہر نکل گئی۔

سامنے اس نے دیکھا اختر بھاگتا ہوا روشنی کی طرف جا رہا ہے۔ ساتھ ہی جہان خان کی آواز بھی لگا رہا ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ اختر کو اس کا پتا بتا رہے ہیں۔

روشنی کے چہرے سے ہوا سانس خارج ہوا۔ اعصاب پر سکون ہوئے۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر دوبارہ اسٹریچر پر لیٹ گئی۔

بہت دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجاؤ"۔ اس نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔

"میں ہم آ سکتے یا اندر آیا؟" اس کی آواز بہت قریب سے آئی۔

"تمہارے ہاں تمہاری اجازت کا رواج نہیں"۔ وہ جیسے بہت سنگ ہو رہی تھی۔

"ہمارے ہاں اجازت کی بہت اہمیت ہے آپ نے جو دوا پی ہے وہ بھی آپ کو بے تحاشا تمہارے کی پابندی سے قدرت نے ہمیں آزاد کیا ہوا ہے سمجھ لیجئے"۔

وہ چلتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر سر کو تھام کے کہنے لگا۔

"آئی ہاپ آپ اب اچھا محسوس کر رہی ہوں گی"۔ وہ پکارا۔

"آپ کو میری ہمدردی پر شک ہے کیا؟" وہ اونچا کھڑا ہوا تھا۔

"اچھا چلیں جانے دیں اگر آپ کو شک ہو کہ سارا کا سارا تمہارے لئے بنا ہوا ہے"۔

"کچھ بدل گیا ارشاد"۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کردار اور شہد کو کبھی اتنا اچھے سے محسوس نہیں کیا تھا۔ ایک دفعہ بھی آپ سے اصل نہیں پوچھا"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

اس نے ہمدردی سے ہماری کی طرف سے پشت کر لی اور ہاری محرومی پر کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔

"آئی سب لوگ تو آپ کے ارد گرد طواف کرتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ آپ کے پاس کیوں آؤں کہ کہیں آپ کو میری محبت سے کوفت نہ ہو۔ مگر آپ کو اطمینان دلانا ضروری تھا"۔

"ہمارے ہاں تمہاری احتیاط نہیں چلتی تمہاری کتنی" ہاں "ہوں"۔ اس کے جسم سے وہ حصار ختم ہو گیا تھا۔ لہجہ اس سے بھی ٹوٹا ہوا تھا۔

"اب آپ کی روشنی بی بی اچھا محسوس کر رہی ہوں گی"۔ وہ اس کے سر سے ہاتھ ہٹا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں"۔

"Get out with in movment" (چلے جائیں فوراً)۔ وہ سختی سے ہاتھ مٹھی میں بھینچ کر بولی۔

کا رنگ فق۔

"نظر کرے وہ تم بھی نہیں بچو گے"۔ وہ بھرائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ماں جی پلیز آپ ایسی باتیں نہ کریں"۔ وہ اس کے ہاتھ تھام کر بولا۔

"کیا ہوا ہے؟" شاہ بابا صاحب نے لیٹے لیٹے ان کی آواز سنی تھی۔ وہ بولے۔

"اس نے کوئی بات ہوگی ہے نا۔ اسے کہو کہ وہ ایسی باتیں نہ کرے"۔ وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"مجھے ان کے کہنے کی پروا نہیں، جو ان کے جی میں آتا ہے وہ کریں، جو حشر سے ان میں آئے گا میں وہ بھگت لوں گی"۔ وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"اب کیا کریں گی؟" اس نے طنز کیا تھا۔

"میں اپنی اولاد کی خاطر کچھ بھی کر جاؤں گی۔ اگر مرنا بھی پڑا تو مر جاؤں گی مگر بابا صاحب کو اپنے پیچھے نہیں آنے دوں گی۔ تم بھی کھانے کا پیچھے کے بہانے میرا ستیاناس کرتے رہے"۔ وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔

"یہ سارے فتنے میں نہیں غریب" کیوں بار بار یاد دلاتی ہیں آپ ہوں"۔ وہ بے بسی سے بولا۔

"ہاں ہاں تم غریب ہی تو ہو"۔ وہ تنفر سے بولی تھی۔

"اس طرح ظلم نہ کریں۔ میں تو محض پرندوں، بابا صاحب کے لئے کھانا بنا کر بھیجتا ہوں اور ان کے لئے کوئی خاص چیز نہیں بناتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ آپ دال روٹی دیکھتے ہیں۔ مجھے تو اسے زہر بھی نہیں ہضم ہوتی آٹا گوندھنا آتا ہے۔ روٹی کے بیل کر پکانے کا ڈھنگ بہت ہوتی ہے۔ نصیب کی بات ہے آپ جانتی ہیں تو پھر بھی پوری ہو سکتی ہے۔ میں اصولاً بھی ہوگی ہے۔ بات کرنے کا انداز بھی یہی تھیں"۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟" وہ اکھڑ کر بولی تھی۔ اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

"نصیب ہی سب کے حاصل ہوتا ہے کسی کی؟" وہ تلخی سے بولا۔

"مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں سننا۔ تم نے اس وقت مراد کی بات کرنی تھی اس کی بات کرو۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتی"۔

"اچھا اچھا" وہ اس کے ہاتھ تھپتھپا کر بولا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ "بھی بھی ہیں، ان کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ میں بابا صاحب کے لئے کھانا بنا کر لے جاتا ہوں۔ وہ بھی وقت پر کھا لیتے ہیں"۔

"بھائی بھائی ان کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کی کیا ضرورت ہے؟ آپ بھی طرح طرح کے کھانے بنا کر لے جاتے ہیں۔ وہ بھی بھائی ہیں۔ وہ بھی کھا لیتے ہیں۔ آپ کو کیا ضرورت ہے؟ آپ کو کیا ضرورت ہے؟ آپ نہ لے جائیں، میں بھیج دوں گی"۔ وہ بچوں کی طرح ضد کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، وہ ٹھیک ہے" بات سنبھال لی تھی۔

روٹی وہ تو ان کی اصل خوراک تھی۔

"کیا پتہ ہے یہ بابا صاحب، ان کے ساتھ رہتے ہیں اس کی نظر ان میں کچھ کھانا ڈال دی ہو"۔

"مگر کبھی کبھی وہ لوگ آتے تھے نا، میں سمجھا آپ ان کے متعلق بات کر رہی ہیں۔ مجھ جانے دیں، بے چارے بھوکے ہی لوٹ جاتے ہیں"۔ وہ نظریں چرا رہا تھا۔

"مگر ان کے لئے اور کھانے کی تعلیم کر رہے تو کیا وہ مجھ سے نوش جان بھی نہیں کہے گا؟ میں کیوں ان کی خدمت کی پیاسی کروں۔ جیسا کیا ہے میں نے چاہا اس کو پالا تھا۔ وہ ہمارے ذمہ ہیں۔ ہماری خدمت کریں گے۔ ہمارا کام کریں گے۔ ہمارا کام کریں گے"۔

"ایسی کیا بات ہو گئی ہے ماں جی؟" وہ اس سے الجھ کر بولا تھا۔

"کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟ کوئی بات نہیں ہے۔ میں ہوں نا آپ کے پاس"۔

وہ اس کی دل جوئی کر رہا تھا۔

"اس کی شکل صورت بھی اچھی ہے۔ ترتا ہے تھے۔ مگر تم مجھے کیوں بتا رہے تھے؟ کیا میں نے دیکھ سوا تھا؟" وہ بڑے ملگوب نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"بابا صاحب کے دسترخوان (لنگر) کی وہ سب بچا۔ جس قیامت سے کہ کہیں، وہ پھر آج ہی کہیں نہ جائے"۔ وہ ہنسی تھی مگر کرب سے مسکرا رہی تھی۔

"آپ اصل کھانا کیوں نہیں لے جاتے اسلئے پتہ کہ ۔۔۔"۔ وہ عجیب مخمصے میں گرفتار ہو رہا تھا۔

"ماں جی وہ کے رات کیوں ہیں۔ میں اس کا ذکر کیا کرتی ہوں میں نہ لوگ بھی کیا بار کریں گے کہ ان کے ہاں کوئی کھانے والے ہیں۔ کل تان ہوتی تھی"۔ اس نے زبان میں طبیعت لگائے۔

روٹی کھنگ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "کہاں جا رہی ہیں آپ؟"

"اب حشر ہی ہونا ہے تو آپ کی مرضی کا ہم نہیں کریں گے اپنی مرضی کے ہم کر جاؤں گی"۔

روٹی نے اپنے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "خدا کیلئے، ماں جی! کیوں ضد کی کھیل رہی ہیں۔ آپ کم از کم میری بات تو سن لیں"۔

روٹی نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔ [illegible] روٹی دوڑنے لگی۔ روٹی [illegible] ایک جھٹکے سے طرح سے اس کا پیچھا کیا۔

وہ بچھڑ کر جانے والے کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ اس نے روٹی کو اوپر پہنچنے سے پہلے ہی درمیان میں جا لیا۔

وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے گھسیٹتی ہوئی کمرے میں پھر لے آئی۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
urdunovels.net

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"میں کہتی ہوں' مجھے چھوڑ دو۔" ..... روشی نے اس کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد ہونے کیلئے پورا زور لگایا' مگر بے سود رہے پیچھے بے دم ہو گئی۔ ..... پھر اس کے ماحول میں پاؤں جمائے مضبوط بازو جو پیچھے اس کیلئے لوہے کی دیوار بن گیا تھا۔

"ہوش کی دوا کریں' مجھ کرنے سے پہلے تھوڑی دیر سوچ لیا کریں' بہت کی حماقت سے بچا لیتا ہے۔" ..... اسے اسی طرح تھامے ہوئے اپنے بازوؤں میں جکڑے ہوئے کہا۔ روشی نے آہستہ آہستہ سر مزاحمت کی۔

"چھوڑو مجھے ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔" ..... وہ اسی طرح بپھر کر بولی تھی۔

"چھوڑوں گا تو نہیں' پی لو۔" ..... وہ اسے لئے ہوئے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

روشی نے اس کے بازو میں دانت گاڑ دیئے۔ ایک لمحے کو تو اسے لگا کہ وہ چیخ پڑے گا مگر گرفت اسی طرح رہی۔

"مزہ نہیں آیا' کچھ اور کوشش کرو' شاید کامیاب ہو جاؤ۔" ..... مسکرا کر ایک سرد سی نظر اس پر ڈالی۔ روشی نے اس سے پہلے کہ کچھ کہنے یا کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے بہت آرام سے اس کے بھورے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ایک ہاتھ سے اس کا چہرہ

بازو سے پکڑ لیا۔

"آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ کون سی دوا تمہارے کام آئے گی۔" ..... وہ بولی اور اٹھنے لگی۔

"مگر یہ بھی یاد رکھیں اس وقت آپ نہایت قابل اعتراض حالت میں میرے کمرے میں ہیں۔ سکینڈل بن جائے گا۔" ..... اس نے اطمینان سے فرسٹ ایڈ باکس اٹھایا۔ اسے کھولنے کرنے کے دوران میں مسکرا تا ہوا کہتا رہا۔

"نہیں جانے والی ہوں۔" ..... وہ غرائی۔

"مگر میرا خیال ہے کہ آپ یہاں سے جانے کے بعد اکر بھی آ جائیں گی۔" ..... وہ اسے کہتے ہوئے اسی کرسی کی طرف بڑھا جہاں بیٹھا وہ پہلے تھا۔

"بزدل۔ یہ ازحد اہم موقع پر دل چرانے کی کوشش ہے۔" ..... اس نے حقارت سے سر جھٹکا۔

"آپ میرے فطری جذبات ابھارنے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ کامیابی نہیں ہوگی۔" ..... وہ بے حد پرسکون تھا۔

"تمہاری شادی ہو گی تمہاری مرضی کھلا تو پتا چلے گی دلہنیا۔" ..... وہ بے کل سے ہونے لگی تھی۔

"کتنے مرجانے والے دیکھے ہیں ہم نے۔ تمہارے سامنے ہیں کیا؟" ..... لگے ہاتھ پوچھ لیا۔ وہ رو دی تھی۔

"یہ جذبہ تو آپ نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ کبھی دکھایا نہیں۔" ..... وہ ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔

اب وہ اسے لئے کمرے میں داخل ہو گیا تھا اور کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور بے بسی سے اسے وار و نار کرتے دیکھتا رہا۔

"ہماری ایک رات بہت بری طرح ٹوٹی آپ کی تمہارے ساتھ۔" ..... وہ نہایت خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ بات کو سمجھیں' خوشی کی طرح کڑوا سچ بھی قبول کرنا چاہیئے۔ ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور ان کے صاحبزادے کا معاملہ بالکل الگ ہے۔"

"اچھا اس بحث کو ختم ہو جانا چاہیئے۔ بابا صاحب کے لئے اتنا احمق سمجھا ہوا ہے مجھے۔ اب اسٹوری گھڑیں گے مصنوف۔ کب تک کریں گے میری نگرانی۔"

"جھوٹ کی بات۔" ..... ہماری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "زندگی کو کیوں خواہ مخواہ عذاب بنا رہی ہیں۔"

"دوڑ لگنے سے پہلے فیصلہ ہو جاتا ہے کہ انسان ایک ہاری ہوئی بازی جیتنے کی کوشش کرے یا اس دنیا سے اپنی اصل شکل دیکھے بغیر چلا جائے۔ اس کی اصل شکل دیکھنا چاہتی ہیں تو آپ کو اس میں ان کے ساتھ عمر گزارنی ہوگی۔ آزما کر دیکھ لیں۔ اصل پہچان ہو جائے گی۔ اس سب کو۔ بھلا دیں گے۔" ..... وہ چلا رہی تھی۔

اس کی بات میں معقولیت بھی محسوس ہوئی تھی۔ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"دیکھو ہماری! کہو وہ تمہاری شادی میری مرضی کے خلاف کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم وہ کر گزریں گے۔ میری طرف سے کھلی چھٹی ہے بابا صاحب کو بتا دینا۔"

"خدا کرے۔" ..... ہماری نے بھیانک انجام کے بارے میں سوچ کر بہت خوفزدہ اور الجھن سے اسے دیکھا۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔" ..... اس نے پھر سمجھانا چاہا۔

"سمجھا۔ یہ سمجھ لیں کہ ہم پیچھا اب تم نہیں چھوڑیں گے۔"

www.Paksociety.com

بہت مشکل ہو گئی تھی وہ کری کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا "ضروری تو نہیں جو کچھ ہونے جا رہا ہے اسے ہم نہ روک سکیں۔ اسے صبر کریں"۔ وہ بہت سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگا۔

"اچھا اگر صبر کے بعد بھی سب کچھ سامنے آیا تو"۔ وہ اسے لاشعوری طور پر اس کی ناک پر چھوئے گی۔

"دنیا میں زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہمیں وہ زندگی گزارنا ہوتی ہے جو ہم گزارنا نہیں چاہتے"۔ وہ پھر کری سے گر گیا اور پھر آپ نے تو اپنی شناخت خود بنانی ہے"۔

"وہ احتجاج تھا زبردستی بے دخل ہونے اور آنکھ بھی ہو گا آگرچہ کی زبردستی ہوئی"۔ وہ پھر رک گئی۔

"جو ہے ہیں وہ آپ کے خیر خواہ ہیں" آپ کو یقین کیوں نہیں آتا؟"

"میرے جانے کے بعد ہاں تم بھی ان کے ہو جاؤ گے تمہیں یقین خیر خواہوں کا"۔

اس نے اپنی ناک زیادہ ہی رگڑ ڈالی تھی جو ایک دم سرخ ہو گئی تھی۔

"آپ بے بات بات پر" جذباتی" ہو رہا ہے"۔ وہ ہی جلا کیا۔

"نکل رہا ہے کیا مطلب؟ نکلے گا"۔ وہ پھر غرایا۔

"میں صرف اسے زندگی کہتی ہوں جو میری مرضی کی ہو"۔ وہ بہت آہستہ سے گویا ہوئی۔

"یہ زندگی بھی بہت ہے کاش آپ سمجھ سکتیں"۔ وہ جیسے تھک کر گویا ہوا۔

"تم اپنی اخری صلاح ست کرو۔ جاؤ آرام کرو۔ یہاں مگر یہ جانے جاؤ۔ کتنی عزیز ہے تمہیں میری زندگی؟" وہ اٹھ کر دروازے سے پردے ہٹانے لگی۔

"میرے آس پاس میری صداؤں میں میری نظر کے سامنے جو زندگی بھی ہے وہ میرے لئے اہم ہے۔ اس میں کوئی امتیاز نہیں"۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

"کیا ایسے لوگوں میں جب میری زندگی داؤ پر لگی ہو۔ تم کر سکتے ہو مجھ سے شادی؟" وہ بہت غور و اطمینان سے اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

باری تو بری طرح چونک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس کا دماغی توازن خراب ہو گیا ہو۔

"اس طرح کی بات آئندہ کبھی مذاق میں بھی مت کرنا لے گا۔ آپ کو سب نہیں دیتی۔ میں اپنا مقام بچانا جانتا ہوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ یاد رکھیں تک آپ کے بغیر بات ہو گی تو صرف آپ کی بہتر کے لئے آپ کے حق میں کوشش کی کوشش کروں گا اور آپ کی شادی ہر گز نہیں کی جائے گی۔ آپ کے نادان فیصلہ محض آپ کا نقصان ساتھی ہے لاتعلق ہو جائے گا"۔

وہ بہت مستحکم لہجے میں بول رہا تھا۔

"اور اگر ایسا ہو تو؟" وہ اس کا بہت اس بار کہا بہت نرم آواز میں بہت آہستہ سے گویا ہوئی تھی۔

وہ اس نے نفرت انگیز کو اس کی سمت بڑھتے ہوئے شور کو محسوس کیا وہ پلٹے میں وہ اپنا ہر ہتھیار ناک کے اندر

سے خوابیدہ نظروں سے گھر بہت اتار کے رکھ دی تھی۔

"اس طرح کے حالات کا طوفان آنے پر آپ کو اپنا ہوش سے ہر گز نہیں کھونا چاہیئے"۔ وہ اب بہت سنجیدہ سے پوچھ رہا تھا۔

"پوزیشن کی کیا ہو گی۔ اس کا تم کیسے یقین دلاتے ہیں۔ کیا اس سوال کا جواب دے سکو گے۔ وہ نہ ہو گا اس کا ہونا ہی ہو گا"۔ وہ بہت سنجیدگی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ "میرے ساتھ کیا ہو گا۔ میں زندگی ہی جس میں جینے کی خواہش ہی نہ ہو۔ ایسی زندگی کس کام کی ہے۔ ہار گئی ہوں۔ میں تھک گئی ہوں۔ میں ہر لمحہ مرتی ہوں۔ ہر پل مرتی ہوں۔ ہر لمحہ مرتی ہوں۔ آپ سمجھ رہے ہیں؟"

"میرے پاس کرنے کو بہت کچھ ہے۔ آپ کے لئے"۔

وہ واپس کری پر بیٹھ گیا۔ مگر اب وہ بہت الجھا ہوا تھا۔

"تم بہت بددل ہو رہی ہو۔ تم پر تو خطاؤں کو بھی شرم آ جائے"۔

"میں بددل نہیں ہوں۔ آپ یقین کر لیں۔ میں جب چاہے حویلی سے نکل سکتا ہوں۔ مگر حویلی کے مکین میرے مرنے مرنے کے محسن ہیں۔ مجھے ان کو خوشی اور سکون پہنچا کر دلی سکون ملتا ہے"۔ وہ بہت بددل اور خفگی سے گویا ہوا۔ "اگر چہ بددلی" وہ لفظ ہے جو حویلی کی روایت والے مرد کا کبھی لفظ نہیں ہوتا کرتا ہے"۔

"ہوں۔ حویلی کے مکین تو احسان کرتے ہی اس لئے ہیں کہ لوگوں کو اپنا غلام بنا کے رکھیں کوئی ان کے سامنے سر نہ اٹھائے"۔ وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"میرے ساتھ اچھا سلوک احسان ہی ہوتا ہے؟" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"اور آپ کو یہ یقین کرنا چاہیئے کہ میں حویلی کے ایک ایک فرد کا خیر خواہ ہوں۔ میں وہ بھلا سے اپنے انداز میں بات کروں گا"۔ وہ بہت اطمینان سے گویا ہوا۔ "اتنا بھروسہ آپ کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی۔ آپ یقین کر لیں"۔ اس نے لجاجت سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میرا سوال اپنی جگہ موجود ہے آگر یہ زیادتی ہونے لگی اور تم بھی کچھ نہ کر سکے پھر تمہیں کیسے بھولنا چاہیئے میں سوچ سے بالکل نہیں اترتی۔ کس طرح مجھے اعتماد کرو گے۔ کیا راستہ نکالو گے؟" وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ اپنی زندگی کیلئے جو بھی شرط پیش کریں گی۔ مجھے منظور ہو گی لیکن میری بھی ایک شرط ہے اگر کوئی شخص جو میرے مجھ سے بہتر ہو گا اسے آپ منتخب کریں گی۔ میں صرف لاکھ سوچ لیجئے گا (زندگی بچانے والی گولی) کے طور پر اپنا آپ استعمال کروں گا"۔

"وہ اگر ہے ہے" اس کے مضمحل جان میں کچھ سکون در آیا۔

"حویلی کی بات کی قبول ہوتی ہے۔ مگر آپ کو میری شرط ان میں کھلونا کر کھیلنا چاہیئے قرعہ ہی نہ کرو۔ جاؤ۔ اب کچھ نہیں ہو گا"۔ وہ اس پر دراز ہو گئی اور باری کی طرف سے کروٹ لے کر وہ جانے کیا سوچنے لگی۔

اس کا جملہ ادھورا سے کی بخش گرا دی۔ لیکن دروازہ کھول کر باہر جاتے جاتے رک گیا۔ جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ مگر پھر کچھ کہے بغیر وہ تیزی سے گراؤنڈ فلور کی طرف جانے والے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

www.Paksociety.com

ڈریسنگ ٹیبل کا جائزہ لیا اس کی دلچسپی بڑھ رہا تھا۔ وہ بچپن سے ہی کتابوں کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے رسائل بھی پڑھنے کی شوقین تھی اس لیے اس کا ذہن بہت تیز تھا۔

وہ اتنا کر رہا تھا کہ وہ پاکستانی لگتا ہے۔ خانساماں کو جیسے سو فیصد کسی کی اطلاعات کا یقین نہیں تھا۔ اسے کچھ نہ کچھ تو ضرور کرنا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی پشت پر جا کھڑی ہوئی مگر اسے احساس تک نہ ہو سکا۔

"صاحب کھانا کھائے گا یا نہیں؟"

"آپ بی بی! کھانا لگا رہا ہوں۔ بس پانچ منٹ لگیں گے"۔ وہ قدرے نخل سا نظر آیا۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے" اس نے فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالی۔

"صاحب کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ کبھی ٹائم پر آتے"۔ اس نے بالٹی میں پوچا لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر اب تو میں یہاں ہوں انہیں آنا چاہیے"۔ اس نے گلاس میں پانی انڈیل کر ہونٹوں سے لگایا۔ اور پھر خانساماں نے پلٹ کر اس کی سمت سرسری سا دیکھا۔

"بی بی! صاحب کا کام بھی اپنا ہے کہ"۔

"بھاڑ میں یہ کام وام کے نخرے۔ یہ کام تو کام ہی ہوتا ہے۔ اپنے اپنے حساب سے سب ہی کرتے ہیں"۔ اس نے بیزاری سے اس کی بات کاٹ دی۔

خانساماں نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی اس کا صاحب کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔

"اچھا ابھی کھانا مت لگا۔ میں یار بھائی کو فون کر رہی ہوں"۔

وہ واپس علی خان کے بیڈ روم میں بھی آئی اور ان کا لیپ ٹاپ لے کر صاحب کے "مصروف" ہونے کا مژدہ سنایا۔ اس کا تو دماغ ہی گھوم گیا۔

"دیکھیے مسٹر! میں اس طرح اس پیسر میں نہیں بھیجی جاؤں گی۔ اگر ان کے پاس پرابلم ہیں بھی پھنسے ہوئے ہیں تو بھی آپ انہیں بھیج کہیے کہ یہیں سے فون پر بات کریں"۔ اس نے غصے سے کہا۔

"سوری میڈم۔ بٹ"۔ لیپ ٹاپ اس کے سامنے کیا۔ اسکرین پر ای میل کا ان باکس کھلا ہوا تھا۔

چند سیکنڈ بعد علی خان کی بھیجی آواز اسپیکر فون میں گونجی۔

"کیا ہے؟"

"کیا آپ مجھے یہاں اس لئے لائے ہیں کہ میں صرف کھانا پکاؤں؟" وہ بچوں کی طرح غصے سے کہہ رہی تھی۔

"اوہ ڈیئر۔۔۔ اصل میں میری طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ کچھ خاص بتا نہیں سکتا۔ بس ایسا لگ رہا ہے کہ ہارٹ اٹیک ہونے والا ہے۔ سینے میں درد ہو رہا ہے۔ بائیں بازو بھی سن ہو رہی ہے۔ ایسا کرو تم فوراً کسی اچھے ہسپتال میں فون کر کے ایمبولینس بلوا لو۔ میں تمہیں ایڈریس بھیجتا ہوں"۔ اس کی آواز بہت نقاہت زدہ تھی۔

"اوہ نو۔ یہ کیا ہو گیا۔ اچھا میں ابھی کرتی ہوں"۔ وہ پریشان ہو گئی۔

"تھینک یو۔ اور سنو۔ میرے لیپ ٹاپ میں ایک فائل ہے۔ اس کا پاس ورڈ ہے۔۔۔"

"میں نہیں جانتی آپ کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ۔ میں ابھی ایمبولینس بلواتی ہوں"۔ اس نے غصے سے کہا۔

"اوکے۔ اوکے۔ ایز یو وش۔ بٹ ایک بار فائل دیکھ لو۔ اس میں کچھ ضروری ڈاکیومنٹس ہیں۔ اگر میں مر گیا تو۔۔۔"

"اوہ شٹ اپ۔ آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ میں ابھی فون کرتی ہوں"۔ اس نے غصے سے کہا۔

"اوکے۔ تھینک یو۔ پاس ورڈ ہے۔۔۔"

"مجھکس"۔۔۔ ان کی آنکھوں میں بے پناہ خوشی سے نمی آ گئی۔

"آپ بات ہوئی ہیں۔ وہ تو میں نے ابھی صاحب کو آنکھ میں اٹھایا ہوا ہے آپ کی وجہ سے"۔

"مجھکس رکھیں"۔۔۔ وہ بولنا تک ختم کے انسان سے آنکی قربت اور مہربانی کے اظہار پر واقعی خوش ہوئی تھی۔

باری کا ہاتھ آ گیا تھا۔ ہاں وہ اسپتال میں اس کی سخت ضرورت پیش آ گئی تھی۔

"وہ بابا صاحب کے ساتھ شہر جانا تھا تو اسے شہر میں ہی اچھوں کام پیش آ جاتے تھے۔ صبح فیکٹری گیا۔ وہاں سے سیدھا پورٹ گیا۔ بیت کھڑکی کرائی۔ شام سوا بجے کے قریب واپسی تھی۔ بشکل فرسٹ کلاس میں سیٹ ملی تھی۔ وہاں کی بھگدڑ سے فرصت پا کر بابا صاحب کے بتائے ہوئے مناسب کتابیہ گھر کے گاہل اور چیک وصول کیا۔

تین بجے کے بعد گھر آیا"۔ بشکل وہ چار بجے ہی مدد میں آ لئے تھے کہ فیکٹری سے خبر کی کال آ گئی۔ بابا صاحب سیدھا بالکل چیک اپ کیلئے گئے ہوئے تھے۔ باپ اسے فیکٹری کا دوسرا چکر لگانا پڑا۔ گھر سے فیکٹری زیادہ دور نہیں تھی چار بجے تک واپس آ گیا۔ جلدی جلدی کپڑے بدلے میں لگے۔ غسل کر کے نکلا ہی تھا کہ ڈاؤ آ کر قیمتی پر تو اسپتال کی لیں ہوئی۔ بڑی سخت علالت ہوئی۔ ڈاکٹر بھی گاڑی لے کر آیا تھا۔ باری کو ایئر پورٹ بھیجا کر اس نے بابا کو بھی لیتے جانا تھا۔ وہ شرٹ بانہوں کندھے کمرے سے باہر آیا۔

"کلو"۔ اس نے آواز لگائی۔

"تھوڑا کھو صاحب ادھر ادھر کہیں پانی جانی ہوں تو ساتھ لے آئیں۔ سخت ضرورت ہے"۔ اس نے راہداری کے سرے پر کھڑے ہو کر صدا لگائی۔

"وہ گیٹ پر کھڑی لڑکی کو دیکھ رہی ہے۔ بہت تیزی میں ہو"۔ معاً روشی سامنے آ گئی۔

وہ کلو اور ملیان میں خود کو اس کے سامنے پا کر قدرے خجل سا ہو گیا "ایئر پورٹ پہنچنا ہے۔ ویسے ہی بہت بڑی مشکل سے ملی ہے"۔ وہ جانے کیوں نظریں چرا گیا۔

"جانے ہو؟" اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"جی"۔

"کھوی آف کرنے جاؤ گے؟" وہ مسکرائی۔

"کوشش۔ یہ شرٹ بھیجنا ضروری کی ہے۔ میں تو خود ہی کرتا مگر یہاں تو کہیں آس پاس اسٹریٹ بھی نظر نہیں آ رہی"۔

"روشی نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے شرٹ لے لی اور گیٹ سے باہر نکل گئی۔ وہ بھی پیچھے پیچھے گیا اور شرٹ کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اس خیال نے اویس کیا کہ کہاں سے اوپر آ جائے گا۔

بانچ منٹ بعد وہ شرٹ ہاتھ میں لئے اسی تیزی سے واپس آ گئی۔

"ہو گئی ہے جاری میں اچھی دھلی ہے۔ ہر حال آپ کو"۔ وہ اسے شرٹ تھما رہی تھی اور وہ شکریہ کہتا ہوا طرف سے

اکر پہ اس کے پاس سے بے باری سے گزر گیا۔

"مطمئن ہو گئی ہو باری اور بھی کچھ چاہیے۔ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی"۔

"نہیں تم صحیح کی ہے ہی اور جو کمی ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ملک کوئی صحیح کی نہیں ہے ہاں مگر تم ضرور"۔ وہ ان سے خاصے فاصلے پر رک کر اپنے محسوس ادا سی کو ادا کر گیا۔

"ہاں آپ سے بڑا پیسے کی جان ہے"۔

"ہاں آپ ہے اصل میں کام" سرائے" رکھنے سے تنگ آ گیا ہے"۔ وہ بھی سنبھل کر ان سے مخاطب تھا۔

"مگر تمہاری ضرورت تو یہاں بھی بہت ہے"۔ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"کام کے بعد کی تو ہر چیز کی ضرورت آتی ہے"۔ وہ باری کی بات نہ سمجھ کر بولی۔ جواب دیا۔

"بار بھئی۔ باری۔ کام کے تو تم بہت ہو"۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔

باری شرٹ پہن کر فٹنگ لگا رہا تھا۔ غور سے اسے جاتا دیکھنے لگا۔

"ہوٹل کی طلبی آتی رہتی ہیں"۔ روشی کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"مگر ہوٹل مدد بھی بہت ہیں" آنکھیں گھل رکھتی ہیں۔ آپ کو احتیاط کرنا چاہیے۔ آپ کیلئے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں"۔

"اور تمہارے لئے؟" وہ دنیا میں بھی طنز تھی۔

"میں تو خود ہی مسئلے ہوں۔ میرے کوئی مسئلے نہیں ہیں۔ آپ بس مجھے ایک کمپنی فراہم کر لیں"۔ اس نے آگے کی سمت قدم بڑھائے۔

"جا کر دن ضرور کرتا"۔ اس نے تاکید کی۔

"وہ تو میں خان کو ضرور کروں گی"۔

روشی کی ادا نے اسے آگ بگولا کر دیا۔

"اور ہاں اگر خالہ دیا ہوں تو فون پر میری ان سے بات ضرور کرا دینا"۔

"بس؟" وہ پھر آگے بڑھا۔

"ہاں بس"۔

"اور ہاں سنو"۔

"جی!" وہ پھر رک گیا اور ریسٹ واچ پر نظر دوڑانے لگا۔

روشی کو اس کی ریسٹ واچ سے اوقات کا سایہ تھا۔ "تم تو خود ہی گھڑی ہو کیوں گھڑی باندھے پھرتے ہو؟"

"آپ کو کہہ رہی تھی؟"

"جاؤ تم سے کچھ نہیں کہہ رہی"۔ وہ مسکرا کر بولی تھی۔ اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

وہ گہرے سانس لیتا ہوا باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

وہاں اب بھی بہت زور و شور سے بابا صاحب کے ایک شرکت دار کے ہاں اگر پر جانے کے پروگرام تیار کیے جا رہے تھے۔ اپنے بانٹے والے علاقے پر تقریباً ہفتہ بھر پہلے پہنچنا ضروری تھا۔

روبی کا خیال تھا کہ ابا میں بہت جلد یہ ہونا چاہیے کہ گھر والوں کے ساتھ دو ایک دن اور پھر بھائی سے کراچی میں ملاقات ہو جائے گی۔ ان کا ارادہ ایک ہی گاڑی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابا اس وغیرہ پر غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تو وہ تھا کہ ایک شور سا ماحول تھا۔

اس کی آمد پر قدرے خاموشی چھا گئی۔

"مجھ نے بہت معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی سمت دیکھا تھا اور گاڑی کھسکا کر نیم دراز ہو گئی تھی۔

"آؤ روبی! تم تو نظر ہی نہیں آ رہیں۔ طبیعت کیسی ہے اب؟" گھونے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔

"اب تو الحمد للہ ٹھیک ہی ہو جائے گی۔ ارے ہاں یاد آیا۔ آج صبح صبح ایک بہت عزیز کے گھر والوں کی کہ جس سے ابا کا لین دین ہے۔ تار اور ٹیلیفون کے دو آئے ہیں" مجھ نے کیسٹ پلیئر میں کیسٹ ڈالتے ہوئے اور "پلے" ــــ پش کر کے واپس اپنی جگہ پر آ کر دراز ہو گئی۔ تار اور ٹیلیفون کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔ وہ ایم خاصا اونچا تھا۔

(تار) ہالی عمر ہاسپٹل کراچی کیسے؟
چچی جان انتقال کر گئیں ہیں کیسے؟
(ٹیلیفون) بھائی گرفتار ہو گئے ہیں کیسے؟
حادثہ ہوا ہے میرا فون ہوا ہے کیسے؟

روبی نے چونک کر مجھ کی صورت دیکھی اور پھر کیسے اور مجھ سے بہت معنی خیز انداز میں مسکرا دی تھیں۔

"گھونا تو جھوٹ کا پلندہ ہے۔ کس قسم کا ہے مسکرا کر کہیں گے" روبی نے بہت دلچسپی لی۔

"تمہارا یہ فلیش بیک دیکھ کر؟" مجھ نے ہنسی دبائی۔

"یہ تو نہیں اس کے "دو ہے" ہیں یا تین دو فلیش بیک دیکھ چکی ہیں۔ میں تو اب محض روبی کے ساتھ ہی ہالی ووڈ کی تیسری فلم دیکھنے لگتا ہے۔ گھونے بھی ہنسا۔

"گھونا سفید جھوٹ ہے کا ہے من روبی سورٹی؟" مجھ نے کیسٹ نکالی۔ "تم لوگوں نے اپنی ہالی ووڈ کی فلموں کی ٹکٹیں فروخت کر دی ہے ناں ہمارے کاروبار کی؟"

روبی نے سنجیدہ ہو کر ان کی سمت دیکھا۔

"اگر آپ کے پاس ہمارے خلاف چارجز (Charges) کھلے ہوئے ہیں تو ہمیں بے بنیاد الزامات لگا کر ہمیں ہراساں کرنے کا حق حاصل ہے۔ ایک سیل ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور نہ ہی یہ آپ کہیں گی تو آپ پر کیس (الزام) کر دوں گی" ... روبی ایک سنگین معاملہ کو سنجیدگی سے لیتی تھی۔

مجھ اور روبی کو یہاں تک کہ گھونا بھی کچھ نہ سمجھ سکی۔ حیرانی سے کبھی مجھ کو اور کبھی روبی کو دیکھ رہی تھیں۔

"تو ہوا ہے کیا مجھ؟"

گھونے نے تو ہم اپنی نظروں سے روبی کی طرف دیکھا۔ (ابھی تو ہے بچاری کو بتا دیتے کہ اگر گھر والی ہے مجھ تو بھی طویل سے زیادہ ہے ہم آپ سے تو ایک قدم آگے ہی اس کی ماں کو بتا دیتیں۔ ... پہلے ہی ابا سے حساس ہے بچہ جاتے کہاں اس پر چغلی کرتی رہتی ہیں)

"روبی" مجھ نے لہجہ بہت سنجیدہ کر لیا۔

"جی آپا؟"

"پہلے تم جو چائے کر لو۔ شام ہونے والی ہے کچھ کھا پی لیں گے سب۔ تم تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ۔ جاؤ شاباش"۔

روبی کے لہجے میں اتنی محبت اور عقیدت تھی کہ روبی نے چپ چاپ اٹھ گئی۔ "ٹھیک ہے" یوں گھونی مداخلت سے ماحول ایک دم پرسکون ہو گیا تھا۔

مجھ پلیز اس کے سامنے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ وہ تو ہے جاری پہلے ہی ڈری ہوئی ہے اور پھر بچی ہے" گھونے روبی کے باہر جاتے ہی مجھ کو ٹوکا۔

"وہ ہے بچہ ہے۔ بچوں کو کس بات کا؟ ہونے تم تو ایسا ہے "پریشیڈ الائی" ہو۔ گھو" مجھ نے حسب عادت گھونی کی خبر لی۔

"تمہیں نہیں پتہ مجھ۔ ماں کے پیار سے محروم بچی بلکہ انسان کی حسی کو بیدار کر دیتی ہے" ماں" خواتین کائنات کا بنیادی حسن ہے۔ خدا کی اپنے بندے سے محبت کا لطیف سا اشارہ۔ یہ محرومی بہت بری محرومی ہے مجھ۔ تمہیں احساس کرنا چاہیے"۔

"اچھا بابا! کریں گے احساس۔ اب خدا کیلئے اپنی تقریر کینسل۔

مجھ نے ہاتھ جوڑ دیئے اور زری نے آگے بڑھ کر ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ آف کر دیا۔

"اب تمہیں پیسے کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔ یہ دھیان نہیں آتا کہ بچی کیا سوچے گی۔ یہ بڑا سوفٹ ہے ناں اپ سے؟"

گھونے اس کے تیور دیکھ کر ذرا لہجہ سنبھال کر بات کی۔

"اور جو کسی کنگال اور مقروض کے پلے باندھ دی تو بھی تو ڈھیر سی کہے گی۔ یہ بڑا سوفٹ ہے اور بس اب بات ختم کرو۔ مجھ بھلے دو دن گزریں گے۔ ہمیں کوئی تیاری نہیں کرنا ہے۔ ساری کی ساری کھلا دے ہے نکلا دیں گے اور گھر میں ہو گا"۔

"کہہ کر گھٹ جائے گی براسی میں۔ کچھ ہوش کی دوا کر" عجمہ نے مشورہ دیا۔

"کل سے کمانے لیں بلاں گا۔ ایک۔ دھیان سے اٹھ پہنچ رکھیں گا اور جو تو نے روبی کی آواز نکالی تو میں

باروں سے سلام کرلوں گا پھر جاؤں گا۔" اس نے چارپائی پر سیدھا لیٹتے ہوئے کہا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

عورت تعجب سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"اب بھوکی مرنے لگے ہو چلی جاؤ اپنی اماں کے پاس کہ پالو اور سے پیدا۔ پھر دیکھوں گی کون کھلاتا ہے تمہیں روٹی کون پلاتا ہے تیری بیٹی؟" وہ چیخا۔

"یہ تو بے تحاشا بولتی ہیں۔ کون کھلاتا ہے کسی کو مرد اپنے اپنے نصیبوں کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ماں ہوتی۔ کبھی لڑکی تھی۔ بیٹی کے آنے کی خوشی سو ہاری تھی۔ تم جاب ہو اس کے لئے۔ میں تمہیں سمجھ تو سکتی ہوں روک نہیں سکتی۔ کر دو اللہ کے حوالے رات۔ اللہ نصیب اچھے کرے خوشیاں دے۔"

نہ جانے کیوں وہ بلکیوں سے رو پڑی۔

وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"دیکھو بھاگوان میں بھی باپ ہوں۔ دشمن نہیں ہوں اپنی لڑکی کا۔ ال خان مر گیا ہے مگر عزت سے۔ تم نے اس کا گھر نہیں دیکھا۔ چھ کمروں کا مکان ہے۔ دو منزلہ۔ سامان سے بھرا ہوا۔ اللہ کی برکت موجود ہے بچوں جانے دے اکبر بھی پشتی غریبی سے نکلا بچی کی جان۔ ہم کسی لالچ سے نہیں جا رہے اپنی لڑکی کے پاس۔ اگر لالچ ہے تو بس اتنا کہ ہماری بچی سکھ سے رہے۔"

عورت روتی رہی۔

"اب مان بھی جاؤ۔ دعا کرو اللہ ہماری لڑکی کو سکھ دے۔"

"لڑکیاں جاتے ہوئے تو ہمیشہ ہی روتی ہیں۔ جسم کا ٹکڑا نوچ کر کسی کو دینا کوئی کھیل تو نہیں۔" عورت آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔

"پتہ نہیں کیا باتیں کرتی ہیں۔ ان کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔"

وہ اٹھ کر باہر صحن کی طرف چل دیا۔ بالٹو دوپہر کے کھانے کے اور شام کی چائے کے برتن کھنگالنے میں بہت مصروف تھی۔

"ہاں اچھے میں آؤ ادھر بیٹھو۔" اس نے ماں کو موجود پا کر تھوڑا اپنا مسئلہ حل کرنا چاہا۔

"مزدال نے تیرے سے آپ کو بھیجے ہیں۔" وہ تعجب زدگی کے عالم سے چونک کر باہر آئی۔

"اماں آج جلدی آ گئے۔"

"جلدی کام ختم ہو گیا وہاں تو کہتے ہیں کہ کپڑے لتے کی تھی کہ کپڑے پڑے ہیں ان میں سے چار پانچ جوڑے کی ہیں تین دن میں مار دیتے ہیں کہ گویا کپڑا ہی بکاؤ ہے۔"

"کیا ماں؟" بالٹو کے تحرک ہاتھ ساکن ہو گئے۔

"تیرا نکاح کر دیا ہے تیرا باپ نے بھیجے۔"

"تیسری دفعہ" کی تیسرے دفعے کی لڑکی بار جانے پر بھی نہ پوچھ سکی کہ وہ صرف "لفظ" کون ہے؟ کون ہے وہ جسے

تعمیل کرنے آ رہا ہے۔ کیسے ہوں گے وہ لوگ جن کے گھر سے میں آج ہی سے اجنبی ہو جاؤں۔ پتہ نہیں کیا کیا وہم اس کے بعد وہ کچھ اور سوچ نہ سکی۔

"جس کو کوئی خاص تیاری نہیں کرنی۔ اس کو روٹی اور بارات کو روٹی کھلانی ہے۔ پیسے تو آ رہے ہیں۔ پیسے سے ہر کام ہو جاتا ہے۔" اس نے۔

وہ ایک بار پھر ساکت ہو گئی۔

"پیسے والا اس کا باپ ہے۔ اس نے کیا کام کیا ہے۔ ہائے اللہ تو ہو کو سمجھ میں عزت دے جانے۔"

چاچا قاسم کی بیٹھک کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ ساری سہیلیاں اکٹھی گپ شپ کر رہی تھیں کیونکہ۔

"اور دیکھو روٹیاں زیادہ کچھ کر پکانا۔ رات بارات پتہ نہیں۔ سوال صاف نہیں کرتے۔ اللہ کو پیارا ہو گیا ہے۔" اس نے باہر نکلتے ہوئے ہدایت دی۔

"اچھا ماں!" وہ اپنے حواس سے چونک کر بولی تھی۔

اس نے دال کھاک کی سمت نظر اٹھائی۔ چھ بج رہے تھے۔

ایک عجیب سی کیفیت اس کے رگ و پے میں اتر گئی۔ یہ الجھن کس طرح سوال رہی ہے؟ وہ برآمدے میں پڑی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ اس دم پورے جسم میں عجیب داخل ہوئی اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "گھبراہٹ ہو گا۔"

یاور علی خان عجیب سے اتر کر سیدھے اس کی طرف بڑھے۔

"بیٹا ہیں آپ؟" انہوں نے اس کے سراپے پر نظر ڈالی۔ پریشان کرتے "شلوار اور دوپٹے میں بہت تر و تازہ وہی لگیں ہوئی۔ دائیں کلائی میں بہت ساری بیچنگ کی چوڑیاں پہنی ہوئی تھی۔ اور بائیں کلائی میں گھڑی ہوئی ریسٹ واچ تھی۔ اور پاؤں میں بیچنگ شوز چم چم کر رہے تھے۔

یاور علی خان نے ایک اچٹتی نگاہ میں اس کا جائزہ لے لیا۔

"بہت دیر سے تیار ہوں۔ مگر اتنی بے حس بھی نہیں ہوں کہ آپ کو چائے یا کھانے کی صحبت نہ دوں۔ آپ اطمینان سے ہاتھ منہ دھو لیں اور کھانا کھا لیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہ تو میں کھا پیا ہوں۔ البتہ ہاتھ لینے کی ضرور اچھی ہے۔ فریش ہو جاؤں گا۔"

"شیر خان!" انہوں نے ملازم کو آواز دی۔

وہ فوراً حاضر ہوا۔

"بھلی سے ایک مگ اور سوٹ تیار کرو۔ میں بہت رفیس ہو کر سفر کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" وہ ملازم کو ہدایات دیتے ہوئے مسکرا کر اندر چلا گیا۔

وہ باہر کرسی پر بیٹھ گئی۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

www.Paksociety.com

انہیں باہر آنے میں، انتی پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

وہ جیپ ایک شاندار مارکیٹ پر لے آئے۔

"پہلے ہم کپڑوں کی خریداری کریں گے۔ وہاں ایک ... سے ضروری کام ہے۔ بہت ارجنٹ ہے۔ بلکہ شاید ضروری نہیں ہے آپ لطف اندوز ہوں گی۔" انہوں بہت مہارت سے اسٹیئرنگ سے ہاتھ اٹھا کر گیئر بدلتے ہوئے کہا۔

"میں بہت گڈی محسوس کر رہی ہوں۔" اس نے دل سے کہا۔

"ارے مگر کیوں؟" انہوں نے حیرانی کے ساتھ پوچھا۔ صرف بات انداز میں کی تھی۔

"آپ سے مل کر اور معراف آ گیا ہے۔ حقیقتاً میں نے اضطراب کیا ہے آپ کو۔ بہت ساری کارروائیوں میں الجھا دیا ہے۔ خوامخواہ۔" وہ دھیرے سے ہنس دی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میں آل ریڈی اٹریکٹ ہو گئی ہوں۔" انہوں نے بہت سادہ سے انداز میں جواب دیا۔

"جی!" وہ اچھل پڑی۔ "سچ مچ کہہ رہی ہیں۔" اس کے دھیرے سے کہا۔

"مجھے دھوکے میں رکھنا مناسب نہیں ہوتا ہے۔" انہوں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ہلکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر تھی۔

"ہاں ظاہر ہے۔ کوئی بھی لڑکی سے دوستی کرنے کی وجہ کوئی چھوٹی بات تو نہیں۔ کوئی بھی لڑکی ہم کو ایک کہاں نصیب ہوتی ہے۔ پھر آپ جیسی شاندار، دلچسپ شخصیت کے مالک ہونے پر تو حسد کا خوف ہی ہے۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ وہ واقعی خاصا خوش تھا۔

"میں بھی آپ کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتی ہوں۔" وہ بولی۔

"مگر کیوں؟ کوئی وجہ تو ہوگی اس کی۔" وہ واقعی خاصا خوش تھا۔ اس نے پھر ایک سرسری نظر اس پر ڈالی۔

"کچھ نہیں۔ یہ بات نہیں۔ آپ جب سے ملے ہیں کسی نہ کسی طرح مدد کرتے رہے ہیں۔" وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔

"اچھی واپس جائے گی ماں کے گھر۔" انہوں نے سگریٹ منہ سے نکال کر دوبارہ اسٹیئرنگ پر رکھ دیا۔

"پتا نہیں۔" وہ بولی۔

وہ واقعی خاصا خوش تھا۔ مگر اس کی خاموشی کا سبب اپنے مطابق محسوس ہوا تھا۔

"میں ابھی یہ کہہ رہی تھی کہ وہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ... سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔ مگر ابھی میں نے اپنی بہت سنجیدہ سوچ کا اظہار نہیں کیا ہے۔ ابھی میں کنفیوژ ہوں۔ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ویسے کچھ غلط بھی نہیں لگتا تھا۔ ایک بات کی مشکل سے اس کی تھی۔ سوری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کوئی بھی ان کیلئے کیا اظہار کیا جا سکتا تھا؟" وہ گہری سوچ میں گم گہرے لہجے میں کہتی رہی تھی۔

وہ واقعی خاصا خوش تھا۔

انہوں نے پلٹ کر اس کی صورت دیکھا۔ کرب کا تاثر بہت گہرا تھا۔ آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ

سر جھکائے بہت اداس نظر آ رہی تھی۔

"سوری میں سمجھا تھا یہ ان کی ساری باتیں آپ کی سمجھ سے باہر ہیں۔ وہ اصل آپ کو بتا نہیں سکی تھیں۔" وہ جھک کر شرمندگی سے گویا ہوئے۔

"اور نہ ہی میں کوئی خاص بات کہہ سکی۔" وہ جھینپ گئی۔

"آپ کچھ بول نہیں رہے؟" سوالیہ وہ کہہ کر پوچھ گئی۔

"آپ کو فوری سوال اور فوری جواب کے لیے بہت دلچسپ مثل ہے گا۔ رہا ہی ہیں۔ میں ایلیٹس ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔" انہوں نے بہت سکون سے ایک سوال کیا۔

"مذاق کر رہے ہیں؟" وہ مسکرا دی۔

"یا نہیں کر رہا۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں لفظ چبا کر مسکرائے۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ آپ نے ہماری بھرپور ذات کا علم پھونک دیا تھا۔ انہیں آپ کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں ہوگا۔ لیکن تو وہ بھی بہت تھیں کہ انہیں آپ جیسا شریک سفر ملا تھا جس کی وفا کا انداز اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے بعد آپ نے دوسری شادی نہیں کی حالانکہ آپ کی طرح کے لیڈز کے لیے تو ایک رات کی لیڈیاں رکھتے ہیں۔"

"آج آپ صرف میرے دوست کو ہی یاد کریں گی؟" انہوں نے غیب سے انداز میں پوچھا۔

"جی!" وہ چونک کر ان کی صورت دیکھنے لگی۔

"آپ کو پتا نہیں لگتا کہ کوئی بھی بات کرنے..." وہ ابھی تک حیرت کے عالم میں تھی۔

"اچھا وہ تاریں شام کے اس سے بیک گراؤنڈ میں ابھرنے والے سیارے کہنے لگے ہیں۔" انہوں نے قریب آتی مشروب دیکھ کر گھونٹ لیا۔

"اس طرح تو میرا دھیان ہی نہیں گیا۔" اس کے لہجے میں اب اداسی کا تاثر تھا۔

"آپ کو کریم کافی پسند ہے؟" ایک شاپ کے نزدیک انہوں نے جیپ روکتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے کھانا چاہیے۔ کچھ کھانا چاہیے۔" اس کا سر واقعی بہت بھاری ہو گیا تھا۔

فرحان کی نظر بہت دیر سے نورین کی طرف تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اذان کی طرف بڑھنے کے ارادے سے کمرے سے باہر آئی تھی۔ ظاہر ہے۔ اذی سچ کا فون بابا صاحب کیلئے ہی ہوگا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

پھر ایک دم چونک پڑی۔ "بابا صاحب کا فون" "یا نہیں یہ؟" وہ سوچ سکتی ہے اور یقیناً "اس" کا ہو سکتا ہے۔ اور یہ وہ اذی ہوں بابا صاحب۔ کمرے میں آئی۔ سے یقین تھا کہ بابا صاحب (محمد دین) ان میں سے جب فون بھی کیا ہے۔ جیسے کہ انہوں نے بتایا تھا۔ وہ سب سے بے حد مصروف تھے۔ پاکستان میں ہی نہیں بیرون ملک کے بھی دورے پر تھے۔

www.Paksociety.com

اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر سیدھا تکیہ اپنی جگہ پر رکھا۔

"ہیلو"۔

"مسکرائیں گی"۔ ادھر سے آواز ابھری تھی۔

جسم و جاں میں ایک سرخوشی کی لہر دوڑ گئی۔ "وہی بات کر رہی ہوں ہاں۔ بتائیے آپ ٹھیک ٹھاک ہیں"۔

"ظاہر ہے عالم بالا سے فون کر رہے ہیں۔ خان کو دیکھ رہے ہیں"۔

"بابا صاحب تو آس پاس کہیں نظر نہیں آ رہے۔ سچ کہہ دیں۔ میں پہچان لوں گی"۔ اس نے مدعا بیان کیا۔

"آپ ادھر ادھر دیکھتے رہیں گے۔ مجھ سے بات کرتے رہیں۔ سچ سے کام نہیں چلے گا"۔ ادھر سے جواب آیا۔

"خانہ میں ابھی ہوں میں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ بابا کے ساتھ ہوا پر تیر رہی ہیں"۔ اس نے قہقہہ لگانے کے انداز میں جواب دیا جسے جہاں بھر کا مذاق ہو۔

"وہ مجھے کر ہی کیا سکتی ہیں۔ وہ جن نہیں کر سکتی ہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ پلیز خان کو فون دیجئے"۔ ہاں سے بھرائی ہوئی آواز جواب آیا۔

"کیا خان خان کے جاپے ہوا میں تم سے بات کر رہی ہوں"۔ وہ بھڑک کر بولی۔

"میں نے اس وقت کام کے سلسلے میں فون کیا ہے۔ مجھے خان سے بہت ضروری بات کرنا ہے"۔ وہ جیسے ڈھے کر بولا۔

"مگر ہے کہاں ہوں گے کچھ بتائیے پلیز"۔ وہ جیسے عاجز آ گیا تھا۔

"اچھا رکھتی ہوں۔ مگر مجھ سے بات کئے بغیر ریسیور نہ رکھئے گا؟"

"میں کیا۔ نہیں رکھوں گا۔ بس آپ ذرا جلدی کریں"۔ عارف دوسری طرف اس کے نرم پڑنے پر بولا تھا۔

وہ تھوڑی دیر کا وقفہ کر کے روتی ہوئی لان میں آئی۔ بابا صاحب تکیے پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

"بابا صاحب! آپ کا فون ہے جولی سے"۔ اس نے پھولی ہوئی سانس پر قابو پا کر کہا۔

"ہاں۔ بول رہا ہوں"۔ بابا صاحب نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔ "السلام"۔

"ٹھیک ہے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اسے کچھ نہیں ہوگا"۔

"ہم کب سے ہیں ہاں۔ ہم خود وہاں پہنچیں گے"۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ بچی کی طبیعت اب کیسی ہے۔ ڈرنے سہمنے کی وجہ سے معدہ کمزور ہو گیا ہے۔ ہیں ہاں اور کوئی خاص بات نہیں"۔

"بابا صاحب! ریسیور رکھیے گا۔ ایک ضروری بات کرنا ہے"۔ وہ ان کے پاس سرک آئی تھی۔

انہوں نے ریسیور اسے تھما دیا۔

ادھر سے عارف کی آواز ابھری تھی۔

انہوں نے گردن موڑ کر بابا صاحب کی طرف دیکھا۔ پھر آہستگی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ کچھ بے چین سے لگے تھے۔ کہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گیا۔ وہ سوچنے لگے۔

بابا صاحب نے ان کی آنکھ میں کچھ کہیلے تھے۔ وہ ہی پڑھ رہا تھا۔ وہ کوئی قدیم اور تھکی ہوئی روح تھی۔ تھوڑی دیر ان عورتوں میں بیٹھ کر وہ بھی تو بے ہوش ہو جائے گی۔ بھاری غرغراتی ہوئی آواز۔ عجیب سے لباسوں اور زیور کے بوجھ سے بیت۔ پیلاں کے بے ہوش ہونے پر وہ عورتیں اور چاروں طرف عورتیں اور بچے۔

وہ بے ہوش ہو کر گرنے لگی۔

"نہیں بے ہوش ہو گئی۔ ہاں بے ہوش ہو گئی"۔ ایک چیخ بلند ہوئی تھی۔

"پکڑو سب اسے۔ جلدی"۔ لال خان کی ایک دشمن آواز سب کو ہدایت دینے لگی۔

"کچھ عجیب سی بو آ رہی ہے۔ عورتوں کے پسینے کی بو۔ ایک بدبو دار بو"۔ ایک بدبو دار نے تعجب کا اظہار کیا۔

چند لمحوں میں ہی گہرا خاموشی ہو گیا۔

روشنی کا "انجان" ابھر کر سامنے آ گیا۔ لال خان نے قدرے دشمن سے اپنی بوتل اٹھا لی۔

"تین یا آدھے گھنٹے بعد اس کے دوسان بحال ہوئے لال خان کی ایک اور دشمن نے اس کا بیگ اپ ٹھیک کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہوش میں آ رہی ہے۔ وہ بابا بھائی اپنی بھاری کی مدد بھائی کرنے آ رہے ہیں"۔ ایک عورت کی گھٹی گھٹی آواز ابھری تھی۔

"ہاں بھئی آ گئے ہم بہت دور سے انتظار کر رہے ہیں"۔ کمرے میں عارف کی آواز ابھری۔ لال خان بھی ساتھ تھا۔

"لال خان! ہم تمہیں بہار کہاں رکھیں گے؟" وہ شوخی سے پوچھ رہا تھا۔

"کسی عمارت! ساری محنت آپ کی ہے"۔ لال خان تو سرتاپا نہال تھا۔

"آپ کی ہے ہماری بہار کہاں۔ لو اب ہم تمہیں دیتے ہیں"۔

کسی کو کمرے سے نکلتے ہی لال کی مترنم

کوئی ہماری طرح گھر گھر میں رہا

"بہت بہت مبارک ہو تمہیں"۔

لال کی آنکھیں بند تھیں۔ مگر شعر پڑھنے والے کو اس نے چونک کر دیکھا۔ پھر سے آنکھیں کھل گئی تھیں۔ "یہ ہماری طرف سے تمہارے ساتھ ہے بھائی"۔ اس نے مخمور سی ذہنی حالت میں کسی سمت ہاتھ ہلایا۔

"تمہاری مبارک ہو۔ یہ ہمارا بیٹا ہے۔ اس کی ساری ذمہ داری اب تم پر ہے۔ امید ہے آپ کو بہت خوش رکھے گا"۔

لال ہکلا ہکلا کر بولنے لگا۔ وہ کوشش کے باوجود "انجان" کی طرف نہ دیکھ سکی۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

www.Paksociety.com

"لال خان بھائی بہت ڈاگ ہی ہیں"۔ بہت خیال رکھتا ہوگا۔ اچھا اب ہم چلتی ہے"۔

"اب دیکھیں گے۔ بھائی کے آنے کے بعد تم ہمیں کس طرح دستیاب ہوا کرو گے۔ اب دیکھیں گے تمہارے نخرے"۔

ہر اک پل بدل جاتی ہے عشق کا موسم آتے ہی
راتیں پاگل کر دیتی ہیں دن دیوانے ہو جاتے ہیں

"اچھا بھئی۔ تب شیر خدا جانا"۔ وہ لڑکی نگاہ بے اختیار اٹھ گئی تھی۔

لمبا۔ اکہرا بدن۔ دلآویز مسکراہٹ۔ شیو کیے ہوئے۔ صاف رنگ شاید کسی گورا ہوگا۔ سے خوبرو کی چال۔

نہ جانے کس کا پچھ دیا۔ اس نے چونک کر آنکھیں جھپکائیں۔

اس کے جاتے ہی جانے کس کے کہنے پر کمرہ خالی کر دیا گیا۔ تب اس نے ایک گہرا طمانیت بھرا سانس لیا اور کمرے پر نظر دوڑانے لگی۔

بہت شاندار اور جمالیاتی فرنیچر تھا۔ اس نے تو کبھی اتنے قیمتی بستر پر بیٹھنے کا خواب بھی نہ دیکھا تھا۔ مخمل، ریشم اور جرجرے کرتے گدگدانوں سے آراستہ۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر ریشمی پردے کمرے کی سجاوٹ میں اضافہ کر رہے تھے۔ ہلکی روشنی اور گلابوں سے مہکتی ہوا۔ جن کی مہک اس کے اپنے وجود سے نکلنے والی خوشبوؤں سے ہم آہنگ ہو کر ایک عجیب سا تاثر پیدا کر رہی تھی۔

"معاً وہ بری طرح چونک پڑی سامنے کارنس پر لال خان کی بڑی سی تصویر لگی تھی۔

سفید شلوار قمیص اور واسکٹ پہنے مونچھوں کو تاؤ دیے۔۔۔ شاید کسی موقع کا فوٹو تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کا دل جیسے کسی اتھاہ میں ڈوب گیا۔

وہ پلک جھپکنا بھول گئی تھی۔

ہر لڑکی کی زندگی میں ایک ایسا لمحہ ضرور آتا ہے۔ جو اس کی زندگی کے اس سب سے حسین لمحے سے ایک بار گزرتی ہے۔

جس لڑکی کا دل پہلی بار دھڑکتا ہے۔ اس کے بعد وہ کبھی بھی اچھی رات کے خواب نہیں آتے۔ اس کا دل کیا مرجھا جاتا ہے کہ پھول کھلنے کے سارے موسم ہی مرجھا جاتے ہیں۔ وہ ان کی آن میں گلشن سے نکل میں آن کھڑی ہوتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ اس کے دور دور تک کچھ بھی نہیں ہے۔ کہیں پر چلتے ہوئے گھوڑے سے پاؤں سے کانٹے لگ جاتے ہیں۔

آبلہ پائی کا اوناک سفر اور بیڑی کو کراس کے دوراں گم ہو گئی۔

اس نے بکھرتے ہوئے سر کو سنبھالنے کی ناکام سی کوشش کی۔

لال خان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔

"پانی"۔ اس کے حلق میں جیسے کانٹے پڑ رہے تھے۔

لال خان نے گھوم کر دیکھا۔ وہاں پر گلاس پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے ایک گلاس اٹھایا اور جھجکتی سی اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے گھونٹ گھونٹ کر کے پانی پیا۔ اس کے حلق میں جیسے کانٹے پڑ رہے تھے۔ بہت آہستہ آہستہ اضطراب سے جیسے اس کے حواس بحال ہونے لگے۔

ایک سانس میں پانی پی گئی۔ قدرے سکون کا احساس ہوا تو سنبھل کر بیٹھ گئی۔ لگا لال خان سے نظر ملانا مشکل ہوگی۔

ابھی پانی پیتے ہوئے وہ لال خان کے بازو کے گھیرے میں تھی۔ کتنے ہی لمحوں تک وہ اس کے سینے سے لگی رہی تھی۔ کتنے ہی لمحوں تک وہ اس کے بازوؤں کے حصار میں تھی۔ کتنے ہی لمحوں تک وہ اس کی بانہوں میں تھی۔ کتنے ہی لمحوں تک وہ اس کے سینے پر سر رکھے

"!!!" [illegible] لال خان کا ملتا جواب تھا۔

"بہت [illegible] اس ہوا ہے [illegible] جائے گی۔"

بالوں اس کے [illegible] چکر آنے لگے۔

"نہیں [illegible] کی آواز [illegible] آگئی۔ [illegible] تھی۔

"تو پھر ساری عمر [illegible] بھی تو۔" لال خان کلائی سے گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔

[illegible] آنکھوں میں

[illegible] رہی تھی۔

"آج تو کچن سے خوشبوؤں کا طوفان [illegible] رہا ہے۔ کیا [illegible] منایا جا رہا ہے؟" اس نے کچن میں

داخل ہو کر [illegible] سانس لیتے ہوئے ایک کباب اٹھا کر چکھتے ہوئے کہا۔

"[illegible] آج شام [illegible]" [illegible]

"[illegible]" وہ [illegible] کباب [illegible] کہہ

رہی تھی۔

"[illegible]"

"[illegible] کباب [illegible] رہی تھی۔

"تو۔"

"جی بی بی۔"

"یہ [illegible] کیوں آ رہے ہیں؟"

"مجھے کیا پتا بی بی۔ ان کا گھر ہے [illegible]"

"تو گویا [illegible] دعوت ہو رہی ہے۔"

"دعوت تو دوسروں کی ہے [illegible]"

[illegible] (اس کا اشارہ [illegible] کی طرف تھا)

[illegible] ہاتھ [illegible] رک گیا "[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible] آ رہے ہیں؟"

[illegible] باہر آئی۔

[illegible]

"ایسا ہے تم لوگ میں کچھ پیدا کرنے جا رہی ہو۔ اچھا کرنا ہو تو اچھے سے کپڑے پہنو۔ بالوں میں کنگھی کرو۔ منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔ ورنہ میں کچھ نہیں دوں گی۔" وہ ڈپٹ کر بولی تو سب ہی ہڑبڑا کر اٹھ گئیں۔

"کیا کہا آپی نے؟" کاظم نے آتے ہی پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ تم جاؤ۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔" وہ اسے ٹالنے لگی۔

"میں سمجھ جاؤں گا۔ بتائیں تو سہی۔" وہ اس کے پیچھے ہی پڑ گیا۔

"کاظم! تم جاؤ۔ ورنہ میں ابو سے کہہ دوں گی۔" اس نے آخری حربہ استعمال کیا۔

"ہونہہ۔ جیسے ابو کو کچھ پتا ہے۔ وہ تو آفس سے آ کر سوتے ہیں۔" مگر اسے جانا پڑا۔

"وہ کھانا کھانے آتے ہیں۔ کھانا پکا ہے۔ میں سو گئی تھی اور تم لوگ۔" وہ ان کی تیاری دیکھنے لگی۔

"ہو سکتا ہے آنے والے لوگوں میں وہ بھی ہے۔ "مسرا" کھلا تھا۔ "شاید اب عزیز برداشت نہ کر سکے۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ لڑکی کو اور بالکل سامنے میں دیکھنا چاہیے۔" وہ مسکرا دی تھی۔ "یہ لپ پینٹ تو کھل کر کر رہی ہے۔ کہاں سے لی آپی؟"

"کچھ دنوں سے اس کے حامل ہے۔ تم لوگ اپنی تیاریاں کرو۔" وہ ان کے ہیجان کی طرح صورتحال سنبھالنے لگی۔ گلوبند سے اسے برداشت نہ ہو سکی تھی۔

"ایسا سنو۔ کیا تم لوگ گانے بھی گاؤ گی؟" وہ شرارت بھرے انداز میں مسکرائے پوچھ رہی تھی۔ "مگر تم لوگوں کو تو گانے بھی نہیں آتے تمہیں میں سیلیب کروں گی۔ مگر تم لوگ تو بہت ہی بھدی سی ایک ہی گانا گاتی ہو۔

چاند نگری میں آج میرا

"کیا پوچھ رہے ہو تم لوگ؟" وہ ان کی آوازیں سن کر پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں آپی۔ یہ بتا رہی تھیں کہ اس کا ایک گانا آتا ہے۔ وہ بھی اس کو نہیں آتا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تھی۔

"تم لوگ کیا گانا گاؤ گی؟" وہ ان کی آوازیں سن کر پوچھنے لگی۔

"ہم لوگ کچھ نہیں گائیں گے۔ آپی! آپ کو ایک گانا آتا ہے۔ وہ ہم لوگ گائیں گے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تھی۔

"کون سا؟" وہ الجھی۔

"وہ ہی جو آپ اکثر گنگناتی رہتی ہیں۔ وہ ہی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"کھانا تو خیر میں کھا لوں گی۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ مگر یہ بتاؤ اگر وہ مجھے تمہارے گھر میں کچھ کھلا پلا دے تو پھر ...؟" وہ چڑ گئی۔

"تو کیا ہوا۔ میں لے لوں گا اس سے نمٹ۔ وہ میرا کیا بگاڑ لے گی۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"اوہ ہیلو جی ... (شرم کے مارے ہکلائی) ..." وہ جھجکتے سے کہنے لگی۔

"میری دادی بہت ہی پیاری ہیں۔ ان کی طبیعت میں کسی قسم کا تکلف نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بات کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔ میں کیوں آپ کو بتا رہی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم۔ آپ سمجھ رہے ہیں ہوں گے۔ کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ آپ کو اچھا لگے یا برا۔ مگر ہیں بہت مخلص۔ وہ ایسی ہیں۔" وہ بمشکل کہہ سکی۔

"مگر یہ سب باتیں تو اس طرح بتا رہی ہیں جیسے آپ کی ہونے والی ساس ہوں۔" وہ ہنسا۔

"خاصے سمجھدار ہیں آپ بھی۔ ... پھر اگر خواب میں دیکھیں کہ کوئی بیاہ کے لیے ہوئے ہیں تو اٹھتے ہی جا کر شادی کر دیں گی کہ بشارت ہوئی ہے۔" وہ ہنسے بغیر بولا۔

"اچھی کہ واقعی اس پر ہنسے گی۔ اچھی دادی ہیں تمہاری۔"

"ہاں ہیں تو اچھی۔ کھاتے پیتے گھرانوں کی خواتین ایسی ہی ہوتی ہیں۔ کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ آپ کو برا لگا ... وہ ایسی ہیں۔ کھانے پینے کی بہت شوقین ہیں۔ ... دادی کی دعوت کو آپ نے اپنے گھر کی دعوت سمجھ لیا ہے۔ خاصے ہیں۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ اس کی "بے تکلفی" پر حیران ہوئی۔

"ہے بھی بچوں کی طرح ضدی۔ ... چلو ہم تو دادی کی بات ... والوں کا مشترکہ ہے۔ طبیعت کرانے کا سوا نہیں ہوتا۔" وہ آرزو سے کہہ رہی تھی۔

"یہ ہیلو ہیلو کیا ہے۔ کہیں" ہوش کا ناخن" سے دادی بات کو ناش شروع کر دیں۔ لے آؤ تم عورت کو مکمل کرتے ہیں آپ کی دادی کے کہنے پر ... اچھی تو عورتیں ہوتی ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"اپنے بھی بتا رہے تھے میں نے ... جب بھی تو وہ چڑیل مجھے چاٹ جاتی ہے۔" اس کے دل میں بھی اشتیاق سا ہونے لگی۔

"میں اپنی پسند کی بات سے نہیں کہہ رہا ... آپ کو اپنی پسند کی زندگی گزارنے کا پورا پورا حق ہے۔ میں تو یہ عورت کے تحفظ کی بات کر رہا تھا۔"

"اوہ تو وہ تو کوئی ترے سکے۔" اس نے ماتھا پیٹ کے سر جھکا دیا۔

وہ آ چکے تھے۔ اور وہ بے زاری سے "ویل کم ٹو" کی کامیابی کے اصول نہایت عالم استغراق سے پڑھ رہی تھی۔

وہ اپنی آمد کی اطلاع اسے فاطمہ (نوکرانی) کے ذریعے دی تھی۔ دل کے طور پر اس نے کروٹ بدل کر شال کی جانب سے منہ پھیر کر دوسری طرف کر لیا تھا۔

"کھانا لگ جائے تو بتا دینا۔" اس نے تکلف برتے۔ نظریں اٹھائے بغیر کہا کہ۔ فاطمہ سر ہلاتی نکل گئی۔

اندر اس کا صاحب تھا۔ پتہ نہیں کیوں نے ایک بھگا چھپا ہوا تھا۔ اس پر کسی بات کا کوئی اثر نہیں تھا۔

"کتاب پڑھتے پڑھتے اسے نیند آ گئی تھی۔ کھانے کھلا تو وہ بیدار کر دی گئی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ مہمان خواتین کب سے انتظار کر رہی ہیں اور میں کہہ رہی تھی کہ تم تیار ہو جاؤ۔" گھڑکا سوا تھا۔ اٹھ گئی۔

"تیار تو ہوں۔ سارا لحاظ ہال کمرے ہی تبدیل کیے ہیں کپڑے۔ اور مجھے کوئی شوق نہیں تھا۔ بس شوہر کے شاہانہ میں حصہ لینے کا۔" اس نے بھی جواب خوب کا اظہار کر دیا۔

"اصل محاورہ تو کرارا جوتا پہنے پاؤں کے بارے میں ہے۔" وہ اس کے کہنے ہوئے پر ہنس دیئے۔

وہ بالکل سے بہتر تھی۔ تسلی کا نہ ہو۔ ہنس دی۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
urdunovels.net

"کسی دن بابا جی سے ملوانے لے چلوں گی۔ کیا اس طرح کا لباس آپ کو بھی پسند ہے؟"

بالوں کو سرسری برش کیا۔ کانوں میں چھوٹی چھوٹی بالیاں پہنیں۔ دوپٹہ گلے میں ڈال لیا۔ ہلکا سا پرفیوم بھی لگا لیا۔ پھر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر مطمئن ہوئی۔ ٹیبل لیمپ بند کیا اور باہر آ گئی۔

"کہاں ہیں سب لوگ؟" اس نے سامنے سے آتی ملازمہ سے پوچھا۔

"ڈرائنگ روم میں۔ آپ کی کمپنی کا انتظار تھا بی بی۔"

"ایک منٹ رکیں۔ آپ کی کمپنی کا انتظار تھا یا کمپنی کی چائے کا؟" وہ ہنستی ہوئی ڈرائنگ روم کی طرف آ گئی۔ عزیز و مریز پر مشتمل ڈرائنگ روم یہاں سے وہاں تک کھل بیاں سے وہاں تک کھل اٹھا تھا۔

"السلام علیکم" اس نے جامع انداز میں سب کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا" ۔۔۔ سب سے بڑے بابا صاحب کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے اپنے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ بابا صاحب کی طرف قدرے جھکی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"بیٹی! آپ کا نام کیا ہے؟" ۔۔۔ بابا جی انتہائی شفقت بھرے انداز سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے۔

"جی" اس نے سر اٹھا کر اپنی آنکھوں میں حجاب دے کر اپنے سوالیہ بال۔ گویا اس کوشش کی کہ آنکھوں نے بال غراب کر دیئے تھے۔

"ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے نہ بیٹا؟" ۔۔۔ بابا جی کو فکر لاحق ہو گئی۔

وہ چپکے سے اور سامنے کی طرف کی ذمہ داری کا بوجھ اتار چکی تھی۔

بابا صاحب نے اسے پر اطمینان انداز میں اس کی صحت دیکھا۔ پھر اپنے بیٹے (اسے ۲) کی طرف دیکھا۔ ان کے بیٹے بھی ہلکا سا مسکرا دیئے تھے۔

"ٹھیک ہے بابا جی۔" ۔۔۔ اسے بابا جی کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے مختصر جواب دیا۔

"بابا جی نہیں بیٹا! ابا جی کہو۔" ۔۔۔ اس نے بابا صاحب کے ساتھ ہی ان کے بیٹے کو بھی مخاطب کیا تھا ایک طرح سے سب کی تصدیق پر مہر لگانے کی کوشش کی تھی۔

"تو صاحب کمال! آپ کا کیا خیال ہے۔ کل ہم نے ایک نیا کمال دیکھا ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ ہمارے ذہن کے ایک نئے باب کا آغاز ہے۔"

"بجا فرمایا آپ نے جناب! ایک نئے باب کا آغاز ہی کہا جائے گا اسے۔" ۔۔۔ بڑے بیٹے نے تائید کی۔

اس نے سر جھکا لیا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ کو سمیٹنے لگی۔ اس نے ایک نظر بابا صاحب کے بیٹے کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ ان کی نظروں کا مرکز اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اس کی نظروں کی تپش محسوس کر رہی تھی۔

"بابا جی! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" ۔۔۔ اس نے بابا صاحب کے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے بابا صاحب سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا! بس ذرا سا بخار ہے۔ ہلکا سا بخار ہے۔ ہو جاتا ہے کبھی کبھی۔ اس عمر میں ہو جاتا ہے۔ ہو جاتا ہے۔ ہو جاتا ہے۔

ے اب تک تو مجھے کچھ پریشانی تھی۔ کیوں آپ کی بیوی تھیں۔ پتہ نہیں کیا نظر آتا تھا۔ سمجھ سکتے ہیں"۔

"مراد آپ کا خون ہے"۔ سعدیہ نے وضاحت کی۔

یاور علی خان فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں آپ کے لئے اور سعدیہ کے لئے چائے بناتی ہوں"۔ ماہ لقا بیگم اٹھ کر کچن میں آ گئیں۔

"آپ کے بھائی نعمان احمد سے بات کر لیجئے"۔

"میں تو جیسے ہڑبڑا گئی تھی۔ حویلی میں کتنی بار کراچی سے فون آیا تھا۔ جب احمد کا تھا جب سے وہ آئی تھی یہ نعمان کا پہلا فون تھا۔

انہوں نے بڑی شوخی سے ریسیور کان سے لگاتے ہی سلام کیا تھا۔

اور ادھر سے سلام کا جواب دینے کے فوراً بعد سے ہی انہوں نے کراچی واپس پہنچنے کیلئے کہا تھا کہ کوئی فلائٹ سے ہی مل جائے۔ بابا کی طبیعت خراب ہے۔ اور پریشان کن بات یہ تھی کہ نعمان بھائی نے حرجہ کو ان باتوں کے لئے ریسیور تھما دیا تھا۔

اب اس کی پریشانی فطری تھی۔ وہ فکر سے ڈوبتی ہوئی یاور علی خان کے پاس آئی تھی۔

"آپ فکر نہ کریں اپنا سامان پیک کریں۔ میں آفس آپ کو چھوڑتے ہوئے گھر جاؤں گا۔ کچھ نہ کچھ انتظام ہو جائے گا"۔ وہ نعمان سے انہیں معلوم ہو چکا تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی آپ کے کسی آدمی یا ڈرائیور کے ساتھ آپ میرے ساتھ چلیں۔ مجھے تو ان آدمیوں کی شکلوں سے ہی خوف آتا ہے۔ پتہ نہیں کتنا بارہ بجے تک کا وقت ہے اتنے آدمی کے ساتھ نہیں گزار سکتی۔ اس سے تو بہتر ہے میں ائیر ٹکٹ آپ کی جیب سے نکال کر لے جاؤں۔ ساتھ میں آپ کا ڈرائیور کر لیتے لے جائے"۔

"یہ دنیا تمہارے جیسے "احمق" سے بھری پڑی ہے۔ کیا پتہ ہے گا آپ کا؟ اچھا بھلا تیار ہو جائیں اور پریشان نہ ہوں وہ ٹھیک ہو جائیں گے"۔

"وہ کون؟" وہ بدگمان سی ان کی طرف پلٹی۔

"آپ کے بابا ...!" وہ ہنسی اس کے ہاتھ میں تھپکی دیتے۔

"میرے بابا آپ کے کچھ نہیں لگتے یاور بھائی؟" اسے جیسے ان کے انداز پر بہت صدمہ ہوا۔

"اوہ ایم سوری۔ میرا مطلب ہے ایکچوئلی"۔

ان کے انداز میں جان چھڑانے والی لجاجت تھی اسے وہ محسوس کر سکتی تھی مگر اس کے پاس وقت نہیں تھا۔

اب خاور نے ان کے ہاتھ مشغول کر لیا تھا۔ وہ ہنسی کا ان کے درمیان چلتا پھرتا دور ہو چکا تھا۔

سلجھنے والی ہو گئی۔ ادھر ادھر کاموں سے باقاعدہ نظر دوڑا رہے تھے۔

پھول تھے یا تتلیاں مچلتی آئی ہے جہاں بہار اس
حسن ہے یہ یا ماہ و نجوم کا ہالہ چاند ستارے
پھر سے کھلے ہیں

وہ بہت دیر سے بہت غور سے پڑھ رہی تھی۔

"محترم نے "لالی" کیلئے یہ نظم تحریر کی ہے اس میں"۔

"کون سا؟" گلوبند والی وہ بہت اچھا کہہ سے اندازہ لگا رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

جو دل یہاں لٹتے ہیں لٹتے ہیں گے اس جہان میں
کھلیں گے آرزو کے پھول جا کے آسمان میں

"ہاں واقعی بہت اچھا گیت ہے پہلا مصرعہ لگتا ہے"۔

یہ لڑکی ان کی ہے ہو کسی کا ہو گیا

وہ کچھ سمجھے کچھ نہ سمجھی سادگی سے بولیں۔

"آپا آپ کو بھی غزلوں کے لفظوں میں معنی کھوجنے سے قلم اٹھا لینا چاہئے"۔ وہ بڑی خوشی سے کہہ رہی تھی۔

"آج تو بڑا اچھا ماحول ہے۔ خوشی کی گھڑیاں ہیں دیکھا کتنی شاندار جوڑی بنے گی جو دیکھے گا تعریف کرے گا۔ دلی دعا ہی ہے۔ شلوار قمیص میں تو وہ ایک دم قاتل سردار دکھائی دے"۔ سونا نے بھی حصہ لیا۔

"ہمارا نام جانتی ہیں ان ہوگا"۔ یہ کوثر سے نام کے مسئلے نے ستایا۔

"خدا کرے خوشی اتنا اچھے بیٹوں کے نام اس قابل ہے رکھا"۔ مریم نے باقاعدہ ماتھا جوڑ لیا۔

"تمہیں کیا پتہ لالی ہیں ... فلاں ہیں کے ناموں کا کارڈ لگا ہوا ہے"۔

وہ اتنی سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں جیسے خوشی کے ہاں بیٹے ہونے کا اسے سو فیصد یقین ہو۔

"کارڈ کا کیا مطلب؟ کیا تمہیں کسی نجومی سے پتہ چلا ہے کہ خوشی کے ہاں گیارہ بیٹے ہوں گے"۔ کوثر نے تعجب سے مریم کی طرف دیکھا۔

"اوہ بات عرض کرنے میں کوئی حرج تو نہیں"۔ مریم کے پاس جواب تیار تھا۔

"کارڈ کی بکواس کم کرو بیٹے بہت زیادہ ہیں"۔ لالی کو اتنی تعداد پر بہت اعتراض تھا۔

"بتاؤ نہ کیسے کروں"۔ مریم نے کن انکھیوں سے خوشی کی طرف دیکھا۔

"کچھ ضرورت نہیں کم کرنے کی۔ تمہارے دنوں کی پریشانی ہوگی جب بچے چھوٹے ہوں گے جب جوان ہو جائیں گے تو کم کر لیجئے گا۔ خوشی کو بڑا "حوصلہ" ہوگا"۔

"یہ کوثر خوشی کو ایک الگ تھلگ لے گا۔ میں نے ہمدردی بھری "مسکراہٹ" کی ادا "میں طیبہ نے رائے دی

www.paksociety.com

"صرف تو مردوں پر مشتمل تھا۔" ..... "بے وقوف ..... تعلیم ..... کہیں۔"

"مگنی ہے روشی کے نصیب میں مگر خدا ہی جانتا ہے" زندگی نے شرارت سے روشی کی طرف دیکھا اور اس کی طرف بڑھتا ہوا کے بغیر سوچ رہی تھی۔

چاند پھر کیا کرتے ہو گے ..... ہوا پھر مرد دل میں کیا کروں ہائے ..... !

چاند پھر کیا ..... !

شیلا کی پر سوز آواز اس خوبصورت میں بھی اپنی جھلک لئے ہوئے تھی۔ وہ آنکھیں بند کئے گنگنا رہی تھی۔

"آپ کو ہر فلمی گانے ہی کیوں یاد ہیں؟" بیلے نے آخر پوچھ لیا۔

"پسند ہے اپنی اپنی۔ مجھے عمل میں یا نیند میں ہی یاد ہیں" ..... وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔

"مجھے بھی ..... " سوہا کچھ کہتے کہتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔

"ارے خیر ہے" سوہا کو گھبرائے ہوئے سب سے آگے آئی تھی۔ ایک دم سول گئی تھی۔

"ابھی ابھی فون آیا تھا۔ پتا نہیں کہاں سے میں اور پاپا صاحبہ بات کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے میں بچوں کو لے کر فوراً ہی اور ہوا ہوں۔ مجھے کی تشفی کرانا ہوں"۔

حد ..... اس کو ہوا پانے کی کوشش کرتے ہوئے چلانے والی تھی پھر پھر گئی۔

"آج کیا ہے؟" روشی ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"مجھے ..... وہ آپ آتی ہیں" مجھے نے مسکرا کر روشی کو جواب دیا۔

ان کی جان جل گئی۔ اس کا جی چاہا وہ تجھ جوڑ کر درخواست کرے کہ خدا کیلئے آپ مسکرانا نہیں ..... وہ ..... "اوہ" ہے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں چل پڑیں؟" مجھے نے ہی مکمل کرتے کرتے اسے ٹوکنے کی زحمت گوارا کی۔

"سامان پیک کرنے" مجھے پھر بولیں۔ روشی خاموش رہی۔

"آپی جلدی آئیں تو ہوا زوال بھی نہیں ہوا" ..... بلی ہوئی۔

"یہاں ہے کیا؟ سوائے ..... کے۔ میں تو اس سے آئی ہوں۔ زوال تو کام ہی بچپن نہیں چھوڑا۔ ہوا تک ہی نہیں ہے" روشی نے تلخ کرلی کو ٹوکا۔

"غلیظ کر دی ہے روشی۔ ایک حساب سے تو اچھی ہوں بھی ہے" مجھے نے ہنس کر جواب دیا۔

روشی جھینپ گئی۔ مجھے کچھ کہہ کر پچھوا کر ..... "

"بلو ..... کی ..... ہوں"

"کی ..... کیسی طبیعت ہے آپ کے پاپا کی؟" وہ اپنے ..... ہوئے ..... رہے تھے۔

"ٹھیک تھی ہے۔ ہر سال ہوتا ہے آپ سے کیا ہوا؟ آپ بھی ..... کر مجھے ہی ..... ہوئی ہے" ..... رہا تھا۔

"ہوا ہے ..... ہوں" ..... اس کی آواز رندھ گئی۔

"آپ ..... ہوں ..... کریں ..... ہوں کہاں ہے؟"

"ہوا ہاں میں ..... ہوا ہے ..... اور ..... ہوا ہے" ..... وہ ہنسی۔

"ہر کوئی ہوتا ہے ..... ہوا ہے ..... ٹھیک ہو جائے گا ..... ٹھیک ہو جائے گی"۔

"آپ آئیں گے؟"

"آپ یہاں کے حالات دیکھ کر کیا کہتی ہیں؟"

"آپ کو ڈاکٹر کہنا بھی کیا ہے؟"

"سچ کہتی ہے ..... کہ کیوں نے ..... جھوٹ سے زیادہ ..... ہوتے ہیں"۔

"آپ کو ہی الفاظ ..... کے بارے ..... آتے ہیں" ..... ہوں ہوں کر رہی تھی۔

"سچائی اور ..... کے فرق کو ..... سکھیے ..... " وہ ..... ہو گئے۔

"کچھ ..... ہیں ..... تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ ..... ہوتے ..... ہیں۔ میں آپ کو فون کرتا رہوں گا" ..... ہوا ..... نے ..... رکھ دیا تھا۔

سوہا تو خاموش ..... پر سکون تھا کہ پاپا صاحب ..... سے باہر ..... تھے۔ کہاں خاموش اور پر سکون رہنے پر مجبور تھیں۔ مگر جیسے ہی وہ اپنے کمرے میں پہنچیں ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔ اپنی ..... کے لئے تگ و دو کر رہا ..... ہے تھے۔ ..... ہوا ..... کے ..... ہوئے ..... رہے تھے۔ روشی تھوڑی دیر ایک طرف کھڑی سب کو دیکھتی رہی۔ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

بڑی امی آگے بڑھیں اور اس کے سر پر پیار کیا "ابھی تو ہے میری بچی! ادھر کونے میں کیوں کھڑی ہے؟"

وہ بڑا گہرا انداز میں ان کے پاؤں سے لپٹ گئی۔ "ٹھیک ہوں ..... مجھے ..... ہی کیا ہے؟"

"ہو گا کچھ ہو چکا ہے وہ سب آپ کو صحیح ہونے سے پہلے پہلے بتا دیں گی تسلی رکھیے"۔

وہ باہر نکل آئی۔ ..... کی طرف ..... دیکھتی چلی گئی تھی۔

"بلا"

"کی بی ..... ہو گئی"

"ہوا بھائی کو بلا دیجئے ..... کیسے جلدی ..... کہ ..... میں ..... ہوں" ..... وہ ..... کے ..... کی طرف ..... ہو گئی۔

..... کی ..... ہوا ..... ہوا ..... ہوا ..... ہوا ..... ہوا ..... ہوا

"السلام علیکم بھائی!" اس نے ہی دروازہ کھلتے ہی پہلے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"کیا حالت کر رکھی ہے اپنی؟" اس نے بہن کے لاغر سے جسم پر تفصیلی نظر ڈالی۔

"ہسپتال والوں سے سب ٹیسٹ کروا چکے ہیں۔" وہ بولی سے بولی۔

"یہ ہوا کیا ہے؟ کچھ پتا بھی چلا ہے؟" اس کا لہجہ تشویش سے بھرا ہوا تھا۔

"ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ میرا دل بند ہو رہا ہے۔ اسی ماحول کا مارا دل ہے۔ ہر وقت کسی نہ کسی طرح خود سے سب کو دور کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرتی رہتی ہوں۔ اس لیے شاید۔"

"آپ یہاں خوش ہیں؟" اس نے بھائی کو غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"بہت اچھی بہنیں ہیں میری۔ سب سے بڑھ کر جو مجھے ہمارا گھر ملا ہے۔ یہ گھر نہیں ہے۔ یہ تو جنت ہے۔ دیکھ کر رہیں۔"

"آپ "اس گھر" کے مرد ہیں۔ عورت نہیں ہیں۔ اس لیے آپ کو ایسا ہی لگتا ہے۔"

اس نے بھائی کی بات درمیان ہی میں کاٹ دی۔

"تمہیں کس طرح کی آزادی چاہیے۔ عورت کو آزادی سے کیا مراد ہے۔ جتنی آزادی ہمیں ہے اتنی ہی تمہیں ہے اور جو عورت جتنی محفوظ ہوتی ہے وہ اتنی ہی باوقار ہوتی ہے۔ عورت کے دل سکون کے تمام رستے گھر سے شروع ہو کر گھر پر ختم ہوتے ہیں۔ عورت گھر میں معروف رہ کر گھر کو سنوارتی ہے اور گھر سنورتا ہے تو وہ باہر بھی حسین ہوتا ہے۔ اب اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارا بھائی ہوتے ہوئے پہلے سے بیاہی ہوئی بہنوں کے لیے کیا کر رہا ہوں؟ کیوں تو میں ان کے لیے بھی وہی کچھ کر رہا ہوں۔ جو آج سے بہت پہلے "ان" کے لیے کر رہا ہوں۔ تمہارے لیے بھی کرتا رہا ہوں اور جو ہر بار تمہارے پہلے سے بہتر حال ہوتا ہے۔"

"حالانکہ ان کے گھر کی بیاہی ہوئی بیٹی ہوں میں۔ تمہیں مقصد حاصل کرنے کا راستہ بتا رہا ہوں۔ تمہاری مدد کرنے کا وعدہ کر رہا ہوں۔"

"حالانکہ حال ہی میں اس گھر کی بیٹیوں کی فہرست سے نکال کر گھر بدر کیا گیا ہے۔" اس نے تلخ لہجے میں یاد دلایا۔

"تمہیں یہ بات اس لیے بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ تم اس گھر کی بیٹی ہو۔ ہمیشہ رہو گی۔ ہم سب کی ذمہ داری ہو۔ ہمیشہ رہو گی۔"

"جی۔۔۔ مگر مجھے ان سے صلح کرنا تھا کہ ڈاکٹرز کہتی ہیں کہ میرے "خاموش" کی خدمت کرنی تھی۔ ہاں صاحب کا سوچ کر۔ "بابا" کے بعد سے تو میں نے آپ کو۔۔۔ ہمارا وہ آخری ملاقات والا۔"

"بھول جاؤ کہ کچھ ہوا تھا۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا تھا۔

"جی بھائی! میں نے بھی یہی سوچا ہے۔ مگر ان کے لفظ۔۔۔ ہر بار وہ آخری ملاقات۔"

"بھول جاؤ کہ کچھ ہوا تھا۔" اس نے پھر سے کہا۔

"اپنا تم جانو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ بھیگے ہوئے لہجے والی کو یقین دلا رہا تھا۔

وہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ اس کی پشت تھپکتا رہا۔ "اور اس نے روتی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

وہ بھی بھرائی ہوئی سی تھی۔ اس کے پیچھے ہو لی۔

چائے کے ساتھ ہی وہ اپنی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے ملاقاتیوں سے مخصوص انداز میں ملتے رہے تھے۔

بھائی کے ہمراہ بیٹھک میں آتے دیکھ کر وہ سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

بھائی نے سب کا تعارف کروایا تھا۔ وہ سب سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گئی تھی۔

بھائی کی محفل جم چکی تھی۔ وہ اٹھ کر اندر آ گئی۔ بھائی کے لیے ناشتہ تیار کروانے کے بعد اس نے اپنی بھی ایک پلیٹ لگا لی۔ پلیٹ اٹھا کر وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ بھائی نے اس کی پلیٹ پر نظر ڈالی۔ "تو" آدھی تھی۔ اس نے اپنی بھی آدھی تھی۔ بھائی نے اس کی پلیٹ سے ایک نوالہ اٹھا کر منہ میں ڈالا۔ اور اس نے خوشی سے نہال ہو کر اپنا نوالہ منہ میں رکھا۔

"بھائی۔۔۔ میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔۔۔ یہ روتی آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔۔۔ خاصی اہم ہے۔"

"آپ ہی سے ہے۔ پوچھ لیں۔ بات کرو۔"

اس نے روتی کی سمت دیکھا۔

"السلام علیکم!" اس کی آواز نہ ہونے کے برابر تھی۔

"میں آپ کے بھائی سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔" آہستہ سے بولی تھی۔

"اندر کہاں ہیں؟"

"جی کمرے۔۔۔ اندر والے۔۔۔"

"میرے کمرے میں۔ اندر کی عمارت میں۔۔۔ یا آپ نے میرے ساتھ ہی اندر آنا ہے۔"

"میں آپ کے ساتھ ہی آ جاؤں۔" وہ روتی تھی۔

"ابھی ہم کراچی سے واپس آئے تو مجھے اس لڑکی نے بتایا کہ آپ نے میرے ساتھ کتنی زیادتی کی ہے۔ جب ہم اسے لے کر آئے تھے۔ سب اپنی اپنی باری سے لیٹ گئے۔ میری طرف تو کسی کا دھیان بھی نہیں آیا۔ سب کی پول کھل گئی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ گی بھی۔ یا میں ہی سنتا رہوں گا۔"

"جی۔۔۔ آپ کی بات ٹھیک ہے۔ میری ماں کی بیٹی کی طرح نہیں ہوئی۔ وہ مجھے بھی سے بڑھ کر ہی تھی۔ اس نے مجھے خود ہی کہا تھا۔ اس کے گلے لگ جاؤ۔"

"کیا مجھے بابا نے آپ کو میری ان باتوں سے غصہ ہی آئے گا۔ آخر میں لیکن کہ اب کوئی بات نہیں۔ اس لیے

برکھا کی آواز سنائی دی۔ "آپ کو بھی کوئی کام ہے تو بتا دیں۔ میں کر دوں گی۔"

"نہیں بھابی! آپ کو کوئی تکلیف نہیں کرنی ہے۔ بس ایک گلاس پانی کا چاہیے تھا۔"

"ٹھہریں میں لاتی ہوں۔" برکھا نے کہا۔

"نہیں بھابی! میں لے لیتا ہوں۔ آپ بیٹھیں۔" وہ کہتا ہوا کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"ٹھہرو میں بھی چلتی ہوں۔" برکھا بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔

"مطلب یہ ہے کہ آپ کو بھی کوئی کام ہے۔" وہ رک کر بولا۔

"ذوالفقار بھائی کہاں ہیں؟" برکھا نے ایک کمرے کا دروازہ بند دیکھ کر پوچھا۔

"آپ مجھے بات کرنے دیں بھابی۔ پلیز۔"

"نہیں معلوم ہے تم کیا کرو گی۔ تم نے سخت بیمار ہو جانا ہے۔ میں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔" برکھا نے ماتھوں پر ہاتھ رکھا تھا۔ دوسری طرف سے بیسوا رکھنے کی واضح آواز سنائی دی۔

"اس نے مر جانا ہے۔ بیسوا رکھو۔"

"آپ بہت خراب ہیں بھائی۔" بھابی کا جواب سنے بغیر وہ کچن میں داخل ہو گیا۔ "اصل بات یہ ہے کہ آج تک کسی نے کیلئے پر خلوص اور پیار کی کوشش ہی نہیں کی۔"

"ہو جائے گا۔ یہ لوگ زبردستی کرنے پیار کے ساتھ اور جلد اچھا ہو جاتا ہے۔"

"تم کرو گی پیار کیلئے کوشش؟" کچن کے دروازے پر آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ "اچھا جناب الخوند صاحب! آپ کیا ہیں؟ ہاں ہوا ہے کچھ لگتے اور کیا قصہ تھیں پیار کے علم میں نہیں ہے۔ وہ اجنبی ہو گئے ہوں گے۔ اگر ہماری کوئی بہن ہوتی تو ان میں ان کا کیا قصور ہوتا۔" آگے اور جواد اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"پتا نہیں ان عورتوں کے سینے میں دل بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ آپ کبھی بھی مس نہیں کرتے اپنی ماں کو۔ حیرت ہے شاید آپ کو مجھ سے بھی محبت نہ ہو۔" وہ ماں کے پہلو سے لگ کر بولا۔

"روشی نے کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ ہر ایک پر تنقید کرنے لگی ہو۔" برکھا نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آپ کو پتہ ہے ماں! مجھے بھی خیال ہوتا تھا آپ مجھے پیار سے سمجھاتی ہیں۔ کبھی بیٹھ کر میری ماں جیسا پیار سے میرے ساتھ مل کر پیار کو پیش کرتے اور سکھائے آپ کو خیال ضرور کرنا چاہیے۔"

"دماغ خراب نہیں ہے میرا۔ تمہاری طرح اندھا بھی نہیں کہ ہر ایک کی غلطی نہ دیکھ پاؤں۔"

"سمجھ رہی ہوں۔ آ رہا ہے۔ اگر میں زیادہ بولوں گی تو آپ کہیں گی اور اس وقت میں سے نکل جاؤں گی۔ میں جا رہی ہوں۔ آپ سب کے سر پھاڑ دوں۔"

اس نے اٹھ کر جواد کو پوری بیچارگی سے دیکھا۔ وہ بھی اسی طرح سے کھڑا تھا۔

وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"روشی۔"

"جی بھائی۔"

"آپ کو کچھ نہیں کہنا ہے۔ بیٹھ جائیں۔"

"جی بھائی۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ "میں نے کہا تھا نا کہ آپ کو بھی کوئی کام ہے تو بتا دیں۔ میں کر دوں گی۔"

"ہاں ہے۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔ "میں نے آپ کو بھابی کہا ہے۔ آپ کو بھی ماں کی طرح سمجھنا ہے۔ اس لئے آپ کو بھی ماں کی طرح ہی پیار کرنا ہے۔ اس لئے آپ کو بھی ماں کی طرح ہی پیار کرنا ہے۔"

"جی بھائی۔"

"جاؤ روشی! کمرے میں جاؤ۔ بھابی کے ساتھ رہو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" برکھا نے بے چینی سے پوچھا۔

"کچھ کام ہے۔"

"کون سا کام ہے؟"

"کچھ کام تھے۔"

وہ پانی لے کر کچن سے باہر چلی گئی۔ جواد نے دانت پیس کر برکھا کو دیکھا جو کچھ کہنے لگی تھی۔

اب روشی کا رویہ بدلا ہوا تھا۔ وہ بہت محبت سے پیش آ رہی تھی۔ جواد کی آواز سن کر وہ باہر نکلے گئے تھے۔ روشی کی آواز سن کر وہ اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے تھے۔ کیونکہ روشی کا مزاج سے واقف تھا۔ وہ اپنے اندر بہت سارے غصے کو دبا کر بیٹھی تھی۔ وہ اس کی طرف سے فکرمند ہو گیا تھا۔

اب جب کہ وہ اپنا کر بیٹھی تھی۔ خاموش ہو چکا تھا۔ کمرے میں ایک شور برپا تھا۔ جواد نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ اس کی ماں تھی۔ وہ اس کا احترام کرتا تھا۔ شاید وہ بہت کچھ اخذ کر چکا تھا۔ روشی نے کئی بار انہیں لاشعوری طور پر احساس دلایا تھا کہ وہ ان کے طریقے کو پسند نہیں کرتی ہے۔ یہ بات عورت ہی عورت کو سمجھتی ہے کہ اس کی ماں کیا ہے۔

انہوں نے محبت سے کام کرنا چاہا تھا۔ کہا تھا۔ آج ان کو پتہ چل گیا تھا کہ روشی کو کسی چیز کی ضرورت ہے۔ کمرے کا ماحول بدل چکا ہے۔

اس عرصے میں ان سے ماں کی طرح کی محبت کی توقع کر چکی تھی۔ اب جب کہ وہ اس کو شادی کر کے اپنی گرہستی سنبھالے۔ ماں کا فرض ادا کر چکے تھے۔ وہ جیسے اپنے آپ سے ہی مطمئن ہو گئے تھے۔ ان کی سانس روشی محسوس کر لی۔ انہوں نے گردن گھمائی۔ روشی کا ہاتھ ان کے سینے پر تھا۔ وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس کی انگلیوں سے کھیلنے لگے۔ روشی کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ اس طرح گہری نیند سو چکی تھی۔ جیسے ماں کے سینے پر سر رکھ کر سوتے ہیں۔

کمرے میں اس کی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ گہرے رنگ کے بیڈ سے اٹھے۔ روشی کو اٹھا کر بیڈ پر لٹا دیا۔ اس کے ہاتھ کو چوما۔ اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ اس کے بالوں کو سہلایا۔ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ اس کی ماں تھی۔ اس کی ماں کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا تھا۔ وہ اس کی ماں تھی۔ اس کی ماں کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا تھا۔

www.paksociety.com

www.Paksociety.com

اعصاب ڈھیلے پڑنے لگیں۔

وہ دھیرے دھیرے اس دیوار کے قریب ہوتی گئی۔ وہ ہاتھ کر بیٹھ گئی۔

پھر ہمت سے اٹھ کر آہستہ آہستہ کھڑکیوں کے پردے سرکانے لگی۔ دروازہ کھول دیا۔

"عزیزہ!" انہوں نے ملازمہ کو آواز دی۔

"جی صاحب"۔ وہ فوراً آموجود ہوا۔

"بھابھی کی چائے لاؤ"۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر حکم دیا اور آگے بڑھ کر سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھا کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

"یاور! آپ شادی میں نہیں آئے ناں تو میں یہ سب کپڑے نہیں دکھاؤں گی۔ میں اب اتنا عرصے تیار ہوئی ہوں تو میرا دل چاہتا ہے آپ موجود ہوں۔ آپ نہیں ہوتے تو میرا دل برتنے سے چاہتا ہے بال بنانے تک کو بھی نہیں چاہتا"۔

وہ اپنی کہن تابیں کی شادی میں جانے کی تیاری کرتے ہوئے ان سے مخاطب تھی۔

"اور پھر جواد کو آپ کی آنکھ لگانے کے لیے کہاں مجھے بہت اصرار کرنے گا۔ حالانکہ ان معاملوں میں مشکل سے آپ کے آنکھ جھپکنے کو بھر آتے ہیں پھر بھی آپ کو اتنا بچانے لگا ہے"۔ وہ اداسی سے کپڑے بال گرسٹ میں رکھنے لگی تھی۔

"اب اتنا بھی تو نہ سمجھا کرو یاور! اسے عزت آپ کی بھی ہے مجھ سے؟ آپ مجھے ان کی طرف سے دیے ہوئے زیور بھی نہ کریں۔ اب اعتراض تشنج ہے تو کہا کرو کیسی؟ میں نے کہے کہا ہے آپ کو اور اسے علاوہ دل تھوڑا ہی ہے"۔

وہ اسے شکست کر رہے تھے اور اس کے چہرے سے پرچھائیاں حسین ہو گئی تھیں۔

وہ سر جھکائے سگریٹ سلگانے لگے۔ ان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہو گئی تھی۔ ان کے چہرے پر جو تاثرات تھے وہ اسے سمجھ سے باہر تھے۔ اس لمحے سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔ صرف محسوس ہو سکتا تھا۔ وہ اب کیا تھا۔

وہ ان کی طرف بڑھ گئی۔ لبریز ہو گئے۔

"میں یاور علی خان۔ ہو گئے"۔

"یقین نہ کرنے کی حد تک میں کوئی بات نہیں ہوتی تو میں ہوں نا۔ میں کوئی وہم یا سایہ تو نہیں ہوں"۔

"کیسی طبیعت ہے آج کل کی؟"

"اس وقت تو بہت اچھی ہے۔ آپ کے ہوتے ہوئے کیا تھا؟" وہ کہتے ہوئے

"جو حال آپ کا ہو وہ ہی میرا بھی ہوتا ہے"۔

"میں کوشش کروں گا کہ کچھ نہ ہو گیا ہی سہی آپ کو۔ کہاں جا رہی ہیں؟ آپ تیار کہاں ہوئی ہیں؟ کہاں جانا تھا آج کل کی تھا؟ آپ آج تو کہیں جانے کی بات کریں بھی نہ کریں"۔

"نہیں۔ نہیں حقیقت میں میں ہی ہوں کوئی اور نہیں"۔

"یقین نہیں آرہا تو ہاتھ دے کر دیکھ لیں"۔

"آپ انکار کریں گی مجھے۔ ابھی لگے گا"۔ وہ کہتے ہوئے

کی تصویر کو اپنے ہاتھوں سے چھوا۔ وہ روشنی کی ہلکی سائے کی تصویر تھی اور ان سے ان کے پاس تھی۔ وہ اسی

یادوں میں جانے کتنے پل وہ یوں ہی بیٹھے رہے تھے۔ مگر تصویر وہی تھی۔ وہ ان کے سرخ کاغذ کی طرح میں ابھی تک

وہی تھی۔

ملازم چائے لے آیا تھا۔

"عزیزہ"۔

"جی صاحب"۔

"دیکھو بھابھی کو اور انہیں کو ساتھ لے کر وہ اسی چلے جانا اور وہ ہی لے کر آنا"۔

"اور صاحب! وہ عرف ملازمت میں بیلی ہیں انہیں کسی کی آنکھ ہے نہ لگے"۔

"ہاں ٹھیک"۔ انہوں نے ہی کہا تھا سوچتی ہوئی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے کی ہدایت دی تھی۔

"اور سنو"۔

"میں یہاں سے نہیں کروں گا اب تم جاؤ"۔ انہوں نے اس کی بات کاٹ کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔

وہ چائے کی پیالی اٹھا کر اپنی طرف کھینچ لی تھی۔ پرتعالی اور ایک فائل کا مطالعہ کرنے لگے۔ چہرے پر اچانک ہی اداسی

سمٹ آئی تھی۔

وہ ایک بجے واپس آگئی تھی۔ ملازم نے ہدایت کر اپنی جگہ میں اٹھا گئیں اور باغ کا رخ کیا۔

سامنے ہی وہ بیلی کی بیلیں گیٹ کے قریب گیٹ کی طرف جاتی دکھائی دی۔

"کس کے لیے چائے لے جا رہی ہیں؟" اس نے رک کر پوچھا۔

"صاحب کے لیے"۔

"کیا صاحب آئے ہیں؟" اس نے پھر سوال کر ڈالے۔

"کیا بی بی اتنی کیسے اتنی جلدی آسکتی ہیں؟ کراچی سے ملیحہ الدین صاحب آئے ہیں آج صبح ہی۔ ان کے

ساتھ ہی آئے ہیں"۔ وہ سادگی سے بولی۔

"ملیحہ الدین"۔ یہ کیوں؟ کیسے ہمارے پیچھے پیچھے؟" اس کا ہاتھ تھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں؟" انہوں نے گھور کر اس کی شکل دیکھی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

...ہتا تھا۔ اس کی عادت ہے۔ کبھی اور کبھی کسی کو خاطر میں لائے بغیر وہ کام سرانجام کرتے گی۔

"اب... اب مجھے کیا پتا؟ بیماری کب آئے گی؟ کیا آفت آنی ہے سر پر؟" وہ جھلا گئی۔

"تو تم سے خان ہی جانے ہوں۔ گدھ پیسا لا کر رکھے ہے تمہارے سامنے تو تم نے ہی پیسے گننے ہیں۔"

"ایک تو اس نے تو پیسوں میں کھیلنے آنا ہوتے ہیں۔ کوئی کام ہی نہیں ہوتا اس کے لئے۔ اس کا دل آئے تو مجھے بتا دے۔ ایک تو کاکا جان کے ہاں ڈاکٹر کو تو لیکن ہاتا۔ ہمیشہ ہی خطرناک بیمار ہوتا ہے۔ مرض ہوتی ہے تو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ مگر کوئی ڈاکٹر وہاں ہوتا ہے۔ تو میں خرابی کرتی ہوں مگر پتہ چلتا ہے وہ "ارم" ہی گیا ہوا ہے"۔ بابا سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر کمرے کی طرف آگے بڑھ گئی۔

وہ ایک کونے میں کتاب کھول کر تو بیٹھ گئی تھی مگر ذہن اب ایک ہی سوچ کے گرد اب میں پھنس چکا تھا۔ "علیم صاحب کس سلسلے میں آکر پریشان ہوئے ہیں؟"

کیا ہونے والا ہے؟ اگر وہ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تو وہ کیا کر سکے گی؟ بابا کیا کریں گے؟ وہ بابا سے کیا کہے گی؟ کس طرح کہے گی؟ وہ بابا صاحب کی بات ان نہیں کرے گی۔ کیا پتا ان کے سامنے جھوٹ بول لیں گے۔ مگر میں بابا کو ان کی کہی ہوئی بات یاد دلا سکتی ہوں۔

اگر بابا صاحب محض میری شادی کرنا چاہتے تو گھر میں ہی کسی سے کر لیتے۔ وہ مجھے خاندان سے نکالا ہوا سمجھتے ہیں مگر میں انہیں بتا دوں گی کہ میں بھی پھر انہیں کی پوتی ہوں۔ اس نے جیسے تہیہ کر لیا تھا۔

"اللہ آجاؤ۔ اتنی بری طرح بھی کوئی بیمار نہیں ہوتا۔" لال خان عارف کو لئے گھر میں داخل ہوا تھا۔

"ہائے وہ میں بلڈی فول کہاں گئے؟ اتنا بڑا ہسپتال کی بڑی جیپ سے گرا ہے اور ڈاکٹر نہیں ہوتا کہیں۔ جان نا مار تو تم میں ہے نہیں کہیں۔۔۔!"

لال خان نے تو ہمدردانہ انداز میں ایک پیگ پیش کرنے کا سوچا تھا۔ "اور کوئی مارے دل نہ سے ہوئے

اگر ہو تو ایک پیگ پھر بنتا ہی ہے تھی

اس دل جلے نے کہا ہے یہ ہم نے بھی سنا ہے"

وہ فوراً سے گرنے کے بعد درمیں لیٹ گیا۔

ہائے وہ پی خانے میں تھی۔ اس نے لال خان کا حکم سن کر اتنا ایک گلاس میں ڈال کر بلڈی ماری شروع کر دی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ پی خانے سے باہر آگئی۔

"وہ ہے بھی کہاں؟" اس نے وہیں سے لال خان کو مخاطب کیا۔

"لال خان سوچ میں پڑ گیا۔ "پتا نہیں وہ کہاں ہے۔ بھی بتاتے ہیں یا نہیں؟"

"رہنے دو پھر میں... لاتا ہوں۔" وہ کسی حتمی نتیجہ پر پہنچ کر بولی۔

"ہاں اور نہیں آئی۔ وہ لانے سے پہلے ہی مجھ سے کہنے لگا تھا کہ اس نے لال خان کو بھیج دیا ہے۔ وہ خود گھومنے کہیں گیا ہے۔"

"بھی تو پتا کرو کہ وہ کہاں ہے۔ پھر سے جوا کھیلنے بیٹھ گیا ہے۔ لال خان نے مشکل کر مارے کے کراہتے ہوئے کہا۔ اس کا دھیان عارف کے بالوں سے ہٹ گیا تھا۔

"بھی مرچ کہا ہے پتا چلتا ہے کہ کہاں ہے۔ کچھ نہ کچھ تو ہو گی ہی۔ کچھ بھی اس سے ایک بار کی زندگی ہے۔ کہاں رہا ہے ہو۔ کچھ اس نے اپنا خیال رکھنا شروع کر دیا۔ ٹھیک ہو جائے۔ جوان کھوکھے ہیں ہاتھ سے جاتا ہے۔"

لال خان کو اچانک سے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کاش عارف کے بالوں سے ہاتھ ہٹا لیتا۔ وہ بہت آہستہ سے ہلا تھا۔ اور اس عمل سے بھی جیسے تھک گیا تھا۔ سانس بھی جیسے چلنے لگی تھی۔

"اچھا آج تم مجھے بتاؤ وہ کیسی تھی؟ کون تھی؟ کہ جب تمہارے لئے کوئی لڑکی ہوا ہی کروں تو اسی جیسے کی ہو۔" وہ عارف کو بہلانے لگا۔

آنچل کیوں ہوا میں لہراتا نہیں ہے
دیا کہاں ہے اور کون کہتا نہیں ہے

وہ ہنس دیا اور ہاتھ سے گلاس پرے کر دیا۔

"آپ اور میں کوئی کمی ہے کیا؟" لال خان نے بھی ہنسنے کی کوشش کی تھی۔

"وہ آپ اور میں کوئی کمی نہیں ہے۔ مگر وہ ہے کچھ اور۔ تم سے کہا کہ کہتے ہی رہیں گے۔" وہ لال خان کے کہنے کے باوجود ہنس دیا۔

"سر سے اتنا بڑا حادثہ ہوا ہے۔ پاؤں بھی ٹوٹا ہے۔ کچھ تو خیال رکھتا ہے۔" لال خان ہنس دیا تھا۔

وہ مطمئن ہو گئی اور آگئی۔ مگر اس جگہ کھڑی ہو گئی جہاں سے عارف کی نظر براہ راست اس پر پڑ سکے۔ مگر وہ لال خان کی باتوں میں آدھی ادھر کیے تھے

"اب خود ہی بھول گیا کھانا بھیجنا کریں گے آپ کے لئے۔" لال خان آج کل بہت خوش تھا خوش ہوا تھا۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں عارف بھائی۔" وہ کرسی آگے کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"سر سے کہیں اور سے گر سے اٹھا رہے ہیں آپ لوگ اب سر ان باتوں کے بارے کہیں ہے

مست نے مہ سے زلف سے چہرہ تھی ہے
تھوڑا سا بادل اور تھوڑا سا چہرہ تھی ہے

"مجھے یاد آیا ہے شعر ارکرنے کے بجائے متاثر ہونے لگے انداز میں بیٹھ جائے۔ آج کل سر کا بڑی شعر کہنے لگے ہے

www.Paksociety.com

"لال خان اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا کر جواب دینے لگا۔

"بھائی! ہم آپ کی اتنی خدمت اپنی اپنی بھوک کی وجہ سے کرتے ہیں۔"

"ایسا کرو، مچھلی کے کباب بنا لو اور مرغی کے لئے کہہ دو، وہ تو ہمیں کی اتنی باتیں کرے گا۔" اسے کھانسی کا دورہ پڑا۔ "ہم تو ہیں اس کیلئے بھی ہیں۔"

"یار! ہمارے پیٹ کا جہنم تو کب کا بھڑک اٹھا۔ اب تو اس میں آگ ہی نہیں آتی۔ کیوں بھائی کو کام میں الجھاتے ہو۔"

لال خان نے آنکھ کے اشارے سے چپ کرایا۔

"تم تو یہ بھی کہتے، وہ بھی بچیں کھا کھا کر جسم میں طاقت آئے۔" وہ عارف کو مکمل اڈھیڑ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک بہت بڑا سا ٹرے کا سوٹ کیس کھینچتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے گلو بھی اندر آئی تھی۔ وہ چپ چاپ لیلیٰ ہوں دونوں کو گھور گھور کر دیکھ رہی تھی۔

"یہ تم اور گلو، وہ دونوں کرتی جا رہی ہو۔" گلو نے لکھ کو مخاطب کیا۔

وہ ٹرے لیلیٰ گئی۔

"سب بھابی آئی تھیں۔" گلو نے کاؤچ پر بیٹھ کر سوٹ کیس کی چابیاں اچھالیں۔

اور کھٹاک کھٹاک کی آوازوں کے ساتھ سوٹ کیس کھول دیا۔

"کیوں؟ صبح سے اس پارٹی میں کب کیا ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کھلے ہوئے سوٹ کیس کو گھورنے لگی۔

"صندلی لائی گی تھیں۔" گلو نظریں چرا کر سوٹ کیس سے کپڑے اور جانے کیا کیا نکالنے لگیں۔

"مجھے خود صندلی لگا آئی ہے اور سب سے اچھی آئی ہے آپ کو پتا بھی ہے۔" اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ بظاہر سکون سے بات کر رہی تھی۔

"مگر یہ دن ہے شادی، منگنی کی صندلی کہیں خواہ مخواہ لگائی جاتی ہے۔" گلو ایک سوٹ پھیلا کر دیکھنے لگیں۔

"کیسی اور کس کی شادی منگنی؟" وہ اسٹرے سے ٹیک آئی۔

"تمہاری اور کس کی؟" وہ سارے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"مگر میری مرضی کے بغیر میری شادی یا منگنی کیسے ہو سکتی ہے؟" وہ بچوں کی سی بات کر رہی تھی۔

"ہمارے ہاں لڑکیوں سے کون پوچھتا ہے؟" وہ چڑی ہوئی تھیں۔

"پھر لڑکیوں کو کہاں میں گنتے ہیں؟ دکان یا اصطبل میں گنتی نہیں ہوتے؟" اس نے تلخ ہو کر کہا۔

وہ اٹھ کر گلو کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ گلو نے آگے بڑھ کر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

وہ زور سے کانوں پر چیخی۔ گلو نے آگے بڑھ کر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟" وہ اسے کیوں سوٹ کیس میں کپڑے تھمانے لگی۔

"تم پیکنگ کرو۔" وہ بولیں۔ "شام کی فلائٹ ہے۔"

"مگر آپ لوگ؟" وہ ان سے الجھ پڑی۔

"ہم بعد میں آئیں گے۔" گلو نے اسے ڈانٹ دیا۔

"میں آپ لوگوں کے بغیر نہیں جاؤں گی۔" وہ ضد پر اتر آئی۔ کپڑے اس کے ہاتھ میں ہوا میں جھول کر رہ گئے۔

"گلو، وہ تھپڑ مارنے کی خاطر اٹھ کر جھپٹی تھیں۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔ ایک ہاتھ سے اپنا گال اور دوسرے ہاتھ سے کپڑے سنبھال لیے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" سب بھابیاں کو باری باری دیکھنے لگیں۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔" گلو نے کپڑے کی ہینگنگ سوٹ کیس کی طرف پھینکے۔

"مجھ سے پوچھے بغیر شادی میں ہرگز، واضح لفظوں میں کہہ دیا ہے آپ سے تو پوچھا تھا۔"

وہ ٹرے سے سوٹ کیس کو لات مار کر واپس اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ہم پوچھ لیتے ہیں اس سے۔" گلو نے جلدی جلدی سوٹ کیس میں چیزیں رکھنا شروع کر دیں۔

"ہم پوچھ رہے ہیں تم سے۔" وہ بولیں۔

"آپ جائیے بابا صاحب سے کہیں بیٹھے، جب تک ہم کپڑے وغیرہ بات نہیں ہو جاتی، کوئی مجھے اپنی شکل نہ دکھائے۔" وہ سب سے پہلے کار میں تھی۔

"تم کرو گی یا ہمیں سے بات؟" گلو غصے سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں اس لئے کہ میری ماں مر چکی ہے۔" وہ غرائی۔

"مگر وہ تو شام کو کہتے۔ بڑی امی تو تھی۔" گلو نے کہا۔

"مت ذکر کریں کسی رشتے کا میں وارث ہوں۔" اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

گلو بھابی آگے بڑھیں۔ وہ دوڑ کر باتھ روم میں گھس گئی اور دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

"چلی جائیں آپ دونوں۔" وہ چیخی تھی۔

دونوں کافی دیر تک منت کرتی رہیں۔ مگر وہ کام میں لگی رہی۔ بالآخر تھک کر واپس چلی گئیں۔ وہ کافی دیر باتھ روم میں بند رہی۔ پھر اطمینان کے بعد اٹھنگی سے باہر آئی اور پھر اٹھنگار کچھ کرنے کے خیال سے آگے بڑھی۔

"گلو، بھابی، وہ دیر تک چیختی رہیں۔" اسے باہر جاتی ہوئی بھابی کی آواز سنائی دی۔ ایک لمحے کو آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا چھا گیا۔ گول گول دائروں کی صورت۔

وہ رکھ رکھ کر رو رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کی ہچکی بندھ جاتی۔ وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔

وہ خاموش رہی۔

"ہم کیا کچھ ہے تم سے، بات کیوں نہیں کرتیں۔" وہ اداسی سے کہہ رہے تھے۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.Paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

www.Paksociety.com

"وہی طرح خاموش رہی۔

"اگر تم نے ہماری بات کا جواب نہیں دیا تو ہم سختی کرنے کے بجائے آج تمہارا لحاظ کرتے ہوئے چلے جائیں گے۔ کل پھر آئیں گے۔ تب تک تم اچھی طرح سوچ لینا۔" وہ طیش کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سنئے آواز دے کر بھی کہیں۔" وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر یہ بھی کسی کو تو جیسے اس کے دماغ الٹ گئے۔ سختی میں بھی نرمی ہی محسوس کر سکتی تھی۔

اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ سب بتا دیگی۔

"پاپا صاحب! میں آپ سے کچھ بھی نہیں چھپاؤں گی۔ میں آپ ایک بار میرا کہا مان لیں۔ میں ایک بھلائی کی بات کہہ رہی ہوں۔" وہ بھی سہمے ہوئے لہجے میں التجا کر رہی تھی۔

"پاپا صاحب غصے سے کانپ گئے۔ یہ بھی کی لڑکی ان کے سامنے زبان چلانے کی کوشش کرے گی۔

"ہوں۔" وہ کچھ نہ بولے تو اس نے پوچھ لیا۔

"کچھ نہیں پتہ آپ جانے کی بات کرتی ہیں کہ میں موت سے بالکل نہیں ڈرتی۔"

"تم ہمیں دھمکی دے رہی ہو۔ ہم تمہیں اپنے ہاتھوں سے ختم کر سکتے ہیں۔" وہ احسان جتانے سے باز نہ آئے۔

"میں جانتی ہوں اور میں تیار ہوں۔ اس آپ ایک بار پاپا سے بات کر لیں۔ پھر جو کہیں گے میں مان لوں گی۔" اس نے بہت آہستہ آواز میں کہا۔

"مگر ہمیں یہ بتلو۔ نہیں تم جیسی لڑکیوں کے سنگدل ہونے کی گنجائش کم ہی ہوتی ہے۔" انہوں نے تشفی آمیز انداز میں جواب دیا۔

"مگر سے آپ کو لگی بھی اسی محبت کے کسی تاجر نے پیار ہو گا۔"

"ہم نہیں چاہتے وہ اپنی اولاد کی گستاخی کا سامنا کرے۔ اس نے بگڑ کے وہ اپنی اولاد کے مرنے کی خبر سنے۔" وہ غصے سے ابھر ابھر کر بولنے لگے۔

"آپ یہ بات آرام سے کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ہاں لڑکی! تم نے سچ مچ عقل سے عاری ہونا ہے۔ ہم نے جتنے دن تمہارے لئے گھر کے کسی بچے کے لئے محبت کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ تم اسے اپنی کامیابی سمجھ رہی ہو۔ ہم تمہیں بھی معاف نہیں کریں گے۔ لیکن ہے وہ سے عمر بات کرو۔ مگر تمہاری بھلائی ہو۔ لیکن تمہیں کسی ان سے متعلق شوہن چاہئے کی کرو۔

"ایک بات اور آپ کو تم ہم سے اس طرح کی گستاخی نہ کرنا۔ ہم نے تمہیں بہت پیار سے پالا ہے۔ تم سے ایسی بدتمیزی کی توقع نہیں تھی۔" وہ ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔ "ہم اپنے ہاتھ سے تم کو ختم کر دیں گے۔ ہم اپنے ہاتھ سے تم کو ختم کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔" وہ اٹل فیصلہ سنا رہے تھے۔

"مگر میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔" وہ بضد تھی۔

"ہاں ہاں ہم جانتے ہیں۔ تم کسی سے بات نہیں کرو گی۔ تم نے ہمیں بتا دیا ہے۔ ہم نے تمہیں بتا دیا ہے۔ اب ہم چلتے ہیں۔ کل پھر آئیں گے۔" وہ بھی ہتھیار ڈالنے کے موڈ میں نہیں تھے۔

"پاپا صاحب! میری بات سن لیں۔" وہ بھی ان کے پیچھے تیزی سے لپکی۔

"ہم کل سن لیں گے۔" وہ بھی ان کے پیچھے تیزی سے لپکی۔

لیکن اس نے فون پاپا صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے کان سے لگا کر رکھ لیا۔ "ہاں ۔۔۔ وہ ۔۔۔ ہم سن رہے ہیں۔ یہ تمہاری بیٹی اپنی ہٹ دھرمی سے باز آنے کا کہہ رہی ہے۔" انہوں نے فون واپس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو کیسی ہیں۔ بھابی۔" وہ بھی ان کے پیچھے سے چلے آئے۔ "آپ اس طرح پریشان نہ ہوں۔ ہم کل پھر آئیں گے۔ آپ کر کے بیٹھ جائیں۔ اطمینان سے بات کریں۔" وہ شفقت سے بولے۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اسی انداز میں گویا ہوئے۔

"اسلام علیکم پاپا صاحب۔" اس نے آہستگی سے کہا اور جیسی کرسی سنبھالتے ہوئے اسی انداز میں گویا ہوئے۔

"اسلام علیکم پاپا صاحب۔" اس نے آہستگی سے کہا اور جیسی کرسی سنبھالتے ہوئے اسی انداز میں گویا ہوئے۔

"واعلام ۔۔۔ کیا بات ہے بیٹی؟" وہ بھی اس طرف سے پیار بھری آواز میں بولے۔

"وہ ۔۔۔ ہم کل ہی ۔۔۔ بھی ۔۔۔ (ابھی تک تم نے بات بھی نہیں کی)

"کیا کہہ رہی ہیں پاپا صاحب؟" وہ بھی ان کے ہمراہ لگے ہوئے تھے۔

"آپ کو پتا ہے پاپا ۔۔۔" وہ بولنے لگی۔

"مجھے پتا ہے بیٹی۔ آج صبح پاپا صاحب نے بتایا ہے۔ اس طرح کے کاموں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان معاملات میں وہ بہت سخت ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ آج تک جو فیصلے انہوں نے کئے ہیں اس کی مخالفت کا کوئی بھی ۔۔۔ کبھی نہیں کر سکا۔"

"مگر ۔۔۔"

"مگر ویگر کچھ نہیں کہا جا سکتے۔" وہ بولے۔ "اب تمہاری شادی سے ہونی تھی تو میں انگلستان میں تھا۔ مجھے اپنی بھتیجی کی اس طرح بربادی کا دکھ ہوا۔ میں عراقیان کے باوجود ایک قوم کی لڑکی ہو۔ جس کو دین جہان کی تعلیمات عطا کی گئی ہیں۔ وہ کیا کر رہی ہے۔ تو کسی کی انسان کیلئے یہ سب قابل نہیں۔ آخر تمہیں زندگی محبت جیسے ہونی کی پاپا صاحب سے سوال جواب کرنے تھے۔"

"واعلام آپ کی بیٹی ہوں۔" آپ کہیں بھی ہے تھا جو ہے آپ نہیں سنیں گے تو ہم کس سے ۔۔۔" وہ بھی ۔۔۔ سے

www.Paksociety.com

رہے تھے۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم اپنے متعلق غلط فیصلہ کریں گے یا تمہیں تکلیف دینا چاہیں گے؟"

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے بابا"۔

"جب یہ مطلب نہیں تو بار بار رد کرنے سے فائدہ؟" وہ الجھ رہے تھے۔

"بابا! آپ کو شاید پتا ہی نہیں کہ بابا صاحب نے اچانک ہی آنی جانی کی یہ فیصلہ کیوں کیا ہے اس تمام کاروائی کے پیچھے کون سا اہم واقعہ چھپا ہوا ہے"۔ وہ روہانسی تھی۔

"مجھے کچھ جاننے کا شوق بھی نہیں ہے بیٹا۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ میرے باپ سے اولاد سے خاندان کیلئے کوئی اچھی نہیں ہو سکتا اور ان کا کوئی فیصلہ بے معنی نہیں ہوتا"۔ وہ اسی لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"آخر آپ حقیقت جاننا کیوں نہیں چاہتے؟"

"کبھی اس وقت ہوتی ہے جب شک یا شبہ ہوتا ہے مجھے اپنے باپ پر، وہ شک سے بالا تر"۔ وہ اٹل لہجے کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"مگر بات ان لمحے میں جو ہے کیا ہے بابا؟" وہ روہانسی طرح رو رہی تھی۔ آخری امید بھی ختم ہو گئی تھی۔ اب حواس باختگی کا عالم تھا۔

"مجھے لگتا تو تھا کہ جیسے میں آپ کی اولاد نہیں ہوں مگر آج یقین ہو رہا ہے"۔

"شب اب روشی میں شام ہونے تک بیٹھو۔ اگر کچھ کہنا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اس پر عمل کرو۔ رات میں وہیں رکو گی۔ میرے کمرے میں آنا اور جو بات کہنا چاہتی ہو کر لینا مگر جو بات بھی کرنا پتا نہیں ہو"۔

وہ اس کی سسکیوں کو کافی دیر سے محسوس کر رہے تھے۔ اب برداشت کی حد ہو گئی تھی۔ آخر باپ تھے۔ مگر وہ بیٹا اپنے باپ کو جانتے تھے وہ نہیں جانتی تھی۔ اپنی بات منوا کر ہی نظروں سے گرا دیا تھا۔ وہ مطمئن نہیں تھا۔

"پھر کیا فائدہ ہو گیا"۔ اس کے لہجے میں دکھن در آئی۔

"مگر روشی نہیں مجھے سے ملنے آئے۔ بابا، ابھی بھی تو بابا صاحب کو پریشان مت کرنا۔ سمجھی تم وہ ایسی کوئی خاص بات نہیں ہوتی، باقی باتیں رات کو کریں گے"۔ وہ حل خان نے سمجھایا تھا۔

[illegible] اسے نہیں جانی تھیں۔ آنسو [illegible] ان کے الفاظ [illegible] وہ سسکتی ہی رہی تھی۔ گئی۔

"مگر آنی ایسی کوئی خاص بات نہیں ہوتی"۔ یہ جملہ تو اسے حیرت سے مارنے کو کافی تھا۔ وہ دھیرے دھیرے آنی اور بابا صاحب کے کمرے میں آئی۔ وہ دونوں باتوں کا کیا [illegible] لیئے اور سے محو گفتگو تھے۔

اس نے دبے پاؤں آگے بڑھ کر [illegible] کھلی پر کھایا۔ اور وہ حل خان کی طرف بڑھتے ہوئے باہر آ گئی۔

"کاکو"۔ اس نے راہداری میں جھانک کر کاکو کو پکارا۔

"جی بی بی"۔

"سب بھائی کہاں ہیں؟ کمرہ [illegible] میں ہیں یا کہیں اور"۔

"سب بھائی تو ابھی وہ کمرے میں ہیں آئی۔ وہ ریگ محل کے [illegible] میں اس نے [illegible] دیکھا تھا۔ اس نے [illegible] کر [illegible] باہر کمرے میں دیکھا آئی۔ وہ ریگ محل کے [illegible] میں اس نے [illegible] دیکھا تھا۔ اس نے [illegible] کی وجہ سے [illegible] تھی۔ اس نے [illegible] میں [illegible] شروع کر دیا تھا۔

[illegible] سب [illegible] سب بھائی [illegible] [illegible] سب [illegible] کے [illegible] پر [illegible] [illegible] پانی کے [illegible] پر [illegible] [illegible] پانی [illegible] کر [illegible] [illegible] [illegible]

معمولات سے تھکے ہارے لوٹے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ روشی کو تو جیسے کان دے کر بیٹھی تھی۔ ذرا دھیان بٹتا، پھر سوچوں میں کھو جاتی۔

جس وقت روشی فٹبال کرکے آئی تو اطلاع ملی۔ روبی اور ان کی والدہ بھی مدعو ہیں آج۔

گھر نے پہلے ڈنر سے اس کے بال اٹکنے کے باعث کیپ پہنا کر بابا کیمپ اپ کرتے تھے۔

روبی والوں کی طرف سے یہ کھلی دعوت آپا فخر میں تھی۔ خاندان شامل تھی۔ سب کو کیسے بلاتیں موجود تھا وہ جو کالونی تھے۔ ہم گھر اور محلے کیوں دعوتیں پر مشتمل تھا۔

گھر سے چلتے وقت کی دعا پوچھی تھیں کہ بابا صاحب نے اسے کیا کہا؟ اور یہ کہ انہوں نے ڈانٹا تو نہیں جواب میں کھلکھلا ہنسی تھی۔ ملک دیر سے سنگر بھی رہی تھی۔ بلکہ سب کا خیال تھا کہ وہ بابا صاحب کی ڈانٹ کھا کر سیدھی ہو گئی ہے۔

گھر سے تیار کر کے وہ بابا صاحب کو دکھانے گئی تھیں کہ وہ بال پھولوں کے بدلے ہوئے کر آئی۔

یہ تو بڑی بیگم نے بھجوائے ہیں"۔ وہ گھر سے مخاطب ہوئی۔

"گھر تمہیں بڑی بیگم کہہ رہی تھی کہ بڑی اچھی لڑکیاں گرہوں پہنے نہیں رہتیں۔ آج انہوں نے یہ اچھی بات بھول نہیں ہیں"۔ گھر نے اس کی پیشانی چوم لی۔

تھوڑی دیر بعد گھر یہ خبر لے کر آئی کہ "روبی آئی کہ۔ بڑی بیگم روشی بی بی کو ہمراہ سمیٹنے بلا کر رہے ہیں لے آئیں"۔

اس کے جاتے ہی روبی اور روبی اسے لینے آ گئیں۔

"جا آ گئے؟" روشی کا دل جانے کیوں تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

"اتنی اسے ہوئے تو ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا"۔ روبی نے جواب دیا۔

روشی کو ایک گونہ تکلف کا احساس ہوا۔ جیسے اجنبی میں چلتے ہوئے معاملہ کے کانے گھنٹا رکنے لگ جاتے۔ اور سمٹنے کے خیال ہی سے آدمی تھکن اتر جاتے۔

وہ اسے لئے ہال کمرے میں چلی آئیں۔

اتنی گہما گہمی زندگی میں پہلی بار تھی۔ روشی کو دیکھ کر اس کی نرسری کے بچے خوشی سے چلانے لگے تھے۔ بڑی بی کے والدہ گھر کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ انہیں طرف بڑی بی اور بڑی بیگم کی والدہ تھیں۔ بڑی بی نے اٹھ کر اسے لیا۔

اور تعارف کی والدہ سے اس کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر دیکھا۔

روشی ایک (۱) سے اس نے بے اختیار کر دیا جیسے بھر گھر گیا ہو۔ وہ بڑی بیگم کی والدہ بڑی بی سے کہہ رہی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ اجازت دیتے وہ کہہ گئی۔ بڑی بی نے اسے ایک طرف بٹھا لیا۔

وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

بستر پر آ کر تھوڑی دیر تک وہ بڑی بی کے ساتھ لپٹ کر سوچتی رہی۔

"بڑی بی! مجھے کوئی اجازت دیں گی کہ میں کھانا آپ کے ساتھ کھاؤں گی"۔ اس نے بڑی بی سے پوچھا

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

☆...☆...☆...☆...☆

"کیوں نہیں کروں گی؟ وہ تمہارے تو شوہر ہیں۔" وہ جھکے آنچل کو سنبھالتے ہوئے لاپروائی کے انداز میں بات کر رہی تھی۔

"اب میں کچھ کہوں گا تو آپ مجھے سے اکھڑ جائیں گی۔ اب جو آنا فانا انقلاب آیا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"تم سے مطلب؟ تمہیں تو اس کی مطلق پروا نہیں کرنا چاہیے۔" وہ نظریں چرا رہی تھی۔

"پروا تو خیر نہیں کر رہا۔ بس اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہوں مگر ابھی تو مہمان ہو۔ میں آپ کا بھی ہوں۔ ابھی تو مسز نعیم کو اکیلی ہی جانا ہوگا۔ ہو سکتا ہے آپ اپنی ماں سے کہہ کر یہ سفر ملتوی کروا دیں۔ میں آپ کی مدد کروں گا۔" وہ سنجیدہ تھا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"نعیم کو کھانا دے دیا ہے؟ وہ تو اس سے ناراض ہیں۔" وہ متفکر تھی۔

"کرنا پڑے گا۔ ہم ایک طرف ہو جائیں گے۔ ہمارا کیا ہے۔" وہ لاپروا تھا۔

"میں ابھی جاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر جانے لگی تھی۔

"ہاں ہاں جاؤ۔ میں بھی جاتا ہوں۔" وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کیوں جا رہے ہیں؟" وہ رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"آپ کے ساتھ۔" وہ مسکرایا۔

"میرے ساتھ کیوں؟" وہ الجھی۔

"آپ کو ڈراپ کرنے۔" وہ اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔

"میں چلی جاؤں گی۔" وہ اس کے ساتھ چلنے لگی تھی۔

"آپ کو ڈراپ کرنے کے بعد میں واپس آ جاؤں گا۔" وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا اس کے کمرے میں آیا تھا

www.Paksociety.com

تھا وہ اس کے ساتھ۔ بڑی بڑی باتیں کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر اپنے ہاتھوں کو انگلیوں سے گھاس کے پھول توڑتے ہوئے وہ اطراف پر نظر دوڑا رہے تھے۔ مگر اس کے باوجود صاف محسوس کیا جا سکتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہیں۔

غالباً کھانا شروع ہونے کا وقت ہو گیا تھا۔ بابا صاحب کی قیادت میں ایک ایک کر کے سب اندر دالان ہال کی طرف جانے لگے۔ دالان کی دونوں باغ میں خاموشی چھا گئی۔ وہ بھی۔ بچے سے سب کو ہونے کی طرف بڑھ گئی۔ خود اختیاری اس کی وہ بیکلی تھی کہ کسی حشر نے اسے دبوچ لیا۔ وہ بہت پرسکون تھی۔ اس نے اپنے باپ کا ایک جملہ اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

"مانگی بھی کوئی خاص چیز نہیں ہوتی۔"

اس نے حوصلے سے پشت ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ ابھی اس کیفیت میں بیٹھے اسے بارہ منٹ نہیں ہوئی تھی کہ باغ کی طرف سے ایک خوبصورت نغمہ اس کے کانوں میں جلترنگ سا بجانے لگا۔ وہ بیکل ہو کر سننے لگی مگر اسے اس وقت پہچان نہ پائی۔ اب ایک ہی لفظ تھا جو بار بار شروع ہوتا۔ وہ اپنا خیال سمیٹتی پھر اس میں آن گھڑی ہوئی۔ باغ میں کرسیوں کے اوپر سروں پر ایک لگے ہوئے تھے۔ یہ اہتمام ہوا ہو موسیقی کے سیاق ان کے لئے ہو گا۔

اس نے سوچتے ہوئے اس طرف نظر ڈالی۔ جہاں چھوٹی سی جگہ پر پیانو اور کیبورڈ رکھی ہوئی تھیں۔ اسے خاصی حیرت ہوئی۔ وہاں "زاہد فنگ" باری بیٹھا ہوا تھا۔ وہی گیت اب پوری طرح بیدار کر رہا تھا۔ ایک ایک سر پر پورے ہوش کے ساتھ فضا میں بکھر رہا تھا۔

میرا ایمان محبت ہے، محبت کی قسم!

ہماری دنیا تیرے قدموں پہ نچھاور کر دوں
چاند تاروں سے بھری جاں میرا دامن بھر دوں

تیرے خوابوں پہ کبھی چھا نہ سکے شام الم
میرا ایمان محبت ہے، محبت کی قسم

وہ جہاں ایک جہنم ہے جہاں تو نہ ملے
جل کے مر جاؤں گا یہ بات تجھے کہتا ہوں

زندگی زہر کا اک جام ہے اب تیرے بغیر
جی رہا ہوں یہ فقط تیرا بھروسا کر کے

میرا ایمان محبت ہے، محبت کی قسم!

میں تو جیتا ہوں جہاں کے لئے ہو گا!
تجھ سے صدیوں کے زمانوں کا اندھیرا ہو گا

شب کی قسمت میں لکھا ہے سحر ہو جانا
راہ سورج کی کہاں روک سکا ہے کوئی

میرا ایمان محبت ہے، محبت کی قسم!

"تم کھانا نہیں کھاؤ گے؟" اچانک سامنے سے یہ آواز سنائی دی۔

باری نے پلیٹ ایک طرف رکھ دی۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے بڑی بیچارگی سے جواب دیا۔

"مگر ہال میں تو چلو۔ سب کھانا کھا رہے ہیں۔" وہ اس سے کہہ رہی تھی۔ "تم جانتے ہو، یہ بابا صاحب کے اعزاز میں ہے۔ ان کے چند پرانے شاگرد آئے ہوئے ہیں۔ تمہارا ان سے ملنا بہت ضروری ہے۔ شاید وہ اس طرح جو ابھی سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گا۔ اٹھو، اٹھو۔ میں ہوں نا۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے لگی۔

"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ ضد کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"مگر تمہارے دشمن بھی تو وہاں ہوں گے۔ بڑے اہم قسم کے لوگ۔ ایسے لوگ جو حیات کا ان سے بہتر رکھتے ہیں۔ ناریل کا تیز اور جنریشن" نہ برداشت ہونے کے بجائے ذہانت سے لو۔"

"تمہیں کس نے اطلاع دی؟" وہ بھی اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر رقص کرنے لگی۔

"کیا تمہارے بابا صاحب کا انتخاب آخر تم اور باری اب اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

باری کی ہلکی سی آواز آئی۔ وہ کوشش کے باوجود نہ سن سکی تو جھک کر سونے پر جھکی اور پھر وہ بھی کی مصروف خیال پر غور کرنے لگی۔ پیانو کی طرز گلوکاری کی آواز اور اشعار درحقیقت سے بڑھ رہا تھا۔ جیسے وہ اس کی سماعت سے گزر رہا تھا۔ "کیوں ان کا خاتمہ محبت اور زندگی سے ہی ہے۔ ایک جنم۔ ایک ہی جنم۔

وہ صدیوں کے زمانوں کا اندھیرا ہو گا

اور پھر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ لمحے کے اور مر جائیں گے۔ کیسے ہو گا وہ اندھیرا؟ ان کے بابا صاحب آنے والے سوالوں کی طرح تلاوتے ہوئے۔ پھر کہ ان کے ان کی قوت نہیں۔" "ہاں ہاں ہاں

حالانکہ اسے سولہ بقین تھا کہ اسے نیند نہیں آئے گی۔ اس کے باوجود آنکھ لگ گئی تھی۔ یاور علی تین بجے فجر کے لیے وضو کرنے اٹھے تو انہوں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر چونک پڑے۔

نئی جگہ کی اجنبیت اور خوف ہوا ہو گئی تھا۔ انہوں نے دبے پاؤں کمرے میں جھانکا۔ اور جیسے ٹوٹ کر ایک دم زمین پر گر پڑے۔

ان کا جوان بیٹا، ان کا فخر، ان کی کل کائنات، ان کی امیدوں کا مرکز، ان کی آنکھوں کا نور، ان کے بڑھاپے کا سہارا، ان کا اکلوتا بیٹا، ان کا شہزادہ، ان کا ہیرو، ان کا ہمدرد، ان کا غمگسار، ان کا دوست، ان کا ساتھی، ان کا ہمراز، ان کا ہمدم، ان کا دیرینہ رفیق، ان کا جگری یار، ان کا لاڈلا، ان کا چہیتا، ان کا دلارا، ان کا راج دلارا، ان کا لعل، ان کا گوہر، ان کا ہیرا، ان کا موتی، ان کا ستارہ، ان کا چاند، ان کا سورج، ان کا سب کچھ، ان کا سارا جہان، ان کا سارا سنسار، ان کا سارا کنبہ، ان کا سارا خاندان، ان کا سارا قبیلہ، ان کا سارا گھرانہ، ان کا سارا گھر، ان کا سارا آنگن، ان کا سارا صحن، ان کا سارا دالان، ان کا سارا کمرہ، ان کا سارا بستر، ان کا سارا تکیہ، ان کا سارا لحاف، ان کا سارا گدا، ان کا سارا بچھونا

"وہ" نانی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"روشی کہی میرے کمرے میں ہے" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ روشی آواز سے چونک پڑی تھی۔

وہ روشی کے پاس جا کر رک گئے۔ ان کا دل زور سے دھک پکا تھا۔ بیڑے پر عجیب طرح کی کیفیت طاری کیے وہ سامنے سے گذر رہی تھی۔ بھورے سائے کالوں میں الجھا ہوا تھا۔ انہوں نے جھک کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"روشی" بیٹے اٹھو۔ اپنے کمرے میں جا کر آرام سے سو جاؤ" روشی نے کسمسا کر دوسری طرف کروٹ لی۔

"روشی ..... اٹھو بیٹا ..... شاباش" انہوں نے اس کا کندھا ہلایا۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون" وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

"نانا جی" خالہ کا ہاتھ اندر داخل ہوئی۔

"خان! کھوبی بی نے مجھے کہا تھا روشی بی بی نے کھانا نہیں کھایا ہے" ماما خاصی حیرانی سے حویلی روشی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اوہ" ان کیلئے یہ اطلاع اسی طرح تھی جیسے کسی کتاب کا دلچسپ باب پڑھ کر کتاب کے مضامین اور موضوع کا اندازہ ہو جائے۔ روشی کے وجود میں سمٹتے ہوئے احسان کے ایک ایک جھٹکے کو محسوس کرنے لگے۔

"روشی!" انہوں نے اس کا شانہ ہلایا۔

"بابا ..... تم پہلے کھانا کھا لو" انہوں نے محظوظ ہوتے ہوئے ہاتھ وہاں سے ہٹا دیا۔

روشی شاید کھانے کے عمل سے گزر چکی تھی۔ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"السلام علیکم بابا" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سر پر دوپٹہ ٹھیک کیا۔

"وعلیکم السلام۔ کھانا کیوں نہیں کھایا؟"

"بھوک نہیں تھی" اس نے نظریں جھکا لیں۔

"ماما کہتا ہے کہ تم نے کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا ہے۔ بیمار ہو جاؤ گی روشی"۔

وہ سامنے کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگے۔

"مجھے بھوک نہیں ہے بابا" اس نے ہاتھ پھیر کر بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹا اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیے۔ گلابی ہاتھ کی نازک انگلیاں اداسی کے بعد گلے میں پڑے ہوئے نیلوں چھائیوں، بلیکس اور بلو اور گلابی مزید بھیانک کر دیتے اور باتھ روم میں چلی گئی۔ خوب رگڑ رگڑ کر منہ دھویا۔ روشی خان کی موجودگی کے احساس ہی سے اس کے اعصاب پر سکون ہو گئے تھے۔ منہ دھو کر بالوں میں برش پھیرا اور باہر آئی تو وہ اسی طرح بیٹھے تھے۔

"بابا میرا دل نہیں چاہ رہا اس وقت کھانا کھانے کو" وہ اسی طرح سے اپنا مسئلہ حل کرنے کی جلدی میں تھی۔

"تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟" روشی خان نے اپنا سوال دہرایا۔

روشی کرسی کے ہتھے پر ٹکی ہوئی تھی۔ انگلیاں آپس میں الجھا رہی تھی۔

"بابا ..... میں نے ایک بہت برا خواب دیکھا ہے۔ بہت برا خواب۔ اس لیے میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کھانے کو" اس کا لہجہ رکا رکا سا تھا۔

"کیسا خواب؟" روشی نے چونک کر باپ کی طرف دیکھا۔

"جلدی سے سنا دو۔ ورنہ تمہاری ماں کو پتہ چلے گا تو کھانا کھلائے گی" وہ اپنا مذاق اڑانے پر خفا ہوئی۔

یاور علی خان کا چہرہ جیسے کھل سا اٹھا تھا۔ انہیں یوں لگا جیسے ان کی بیٹی بہت سمجھدار ہو گئی ہے۔

"ہم کراچی جا رہے ہیں" انہوں نے آگے جھک کر شہد کی بوتل اٹھا لی۔

"ہم؟" وہ چونک پڑی۔

"ہاں ..... میں اور تم" ان کے لہجے میں بلا کا سکون تھا۔

"صرف ہم" جیسے یقین نہ آیا۔

"صرف" وہ مسکرا دیئے۔

"خالہ کے ہاں؟" اس نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں" انہوں نے نظریں چرا کر شہد سے پھل نکالا۔

وہ روشی تھی، وہ بوٹ پالش کے محلول اور خوبصورت پالش پر آ گئی۔ وہ خود سے خفی ہو کر انہیں بغور دیکھنے لگی۔

ان کا خیال تھا کہ اب تک وہ سب کچھ سمجھ چکی ہو گی۔ وہ بہت سمجھدار تھی۔ وہ خود سے سننے کی تمنا میں تھے۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دینا چاہتے تھے۔ مگر وہ بالکل ساکت بیٹھی تھی۔ ان کے ہاتھ کی حرکت رک گئی۔ وہ بیٹی کی اس عادت سے واقف تھے۔ وہ اپنی ہر بات کو خود ہی سلجھانے کی عادی تھی۔ اس لیے وہ اس کی مدد کرنے سے گریز کرتے تھے۔ وہ بہت حساس تھی۔ کاش میں تمہاری ماں اس دنیا سے چلی جاتی۔ اس نے گویا خود ہی اپنی کمزوری کا اعتراف کیا اور مشکوک نظروں سے یاور علی خان کو دیکھنے لگی۔

"مجھے پتہ ہے تم کیا سوچ رہی ہو۔ یقیناً بہت خوش ہو گی"۔

"آئی ہیٹ یو بابا" وہ غرائی۔ "آئی ہیٹ یو" اس نے کہہ کر جلدی سے منہ پھیر لیا۔

"کس سلسلے میں ہو رہا ہے؟" وہ سمجھ نہیں سکے۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں کسی ہاں کو سن کر آئی ہوں" اس نے غصے میں ہونٹ بھینچ کر سر کی طرف سے چہرہ موڑ لیا۔

"اوہ" وہ سمجھ کر مسکرا دیئے۔ "اوں ہاں بابا"

"اوں ہاں" اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"اچھا۔ تم جا کر سو جاؤ۔ صبح ہم بات کریں گے" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "پھر ہم کراچی جائیں گے"

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

سے کراچی کیلئے روانہ ہوں گے۔ مگر ایک بات۔"
وہ صبیحہ کے مدار میں آگئی تھی۔
"کیا؟" اس کے غور ہونے کے عمل میں کوئی کمی نہ آئی۔
"یہاں کسی کو اپنے کراچی کے پروگرام کے بارے میں نہ بتانا۔ بلکہ کسی سے کسی کو۔"
"بابا صاحب کو بھی نہیں؟" اس نے بے تابی سے ان کی بات کاٹ دی۔
"انہیں بھی نہیں۔ اگر یہاں کسی کو پتا چل گیا تو میں تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکوں گا۔" انہوں نے بہت آہستہ سے کہا۔
"کیا آپ ڈرتے ہیں ان سب سے؟ آپ تو" میں ڈیپینڈنٹ" ہیں؟" اسے جیسے بات کا ادراک ہو گیا تھا۔
"ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اب بیداری الیمز حسن کے ہوتی ہے تو دال جان ان جاتی ہے۔ جب کسی کے ہاتھ دولت لگ جائے تو کسی نیکی نیچ کی بنیاد ان جاتی ہے۔" وہ بہت تحمل سے سمجھا رہے تھے۔
روشی نے بہت محبت اور عقیدت سے باپ کی طرف دیکھا۔
"بے موقع کام کرنے سے انسان نادانستہ ان جاتا ہے اور ہاتھ کبھی کچھ نہیں آتا۔ جب رسی موٹی ہو اور ارادہ کمزور تو آہستہ آہستہ کٹتی ہے۔ ایک دن میں نہ ایک جھٹکے سے۔ تم جو کچھ آج کرنے جا رہی ہو۔ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا مگر میرے جیسے میں ایک تعلیم کا اور اضافہ ہو جائے گا۔"
وہ آہستہ آہستہ اس کے من چاہے موضوع کی طرف آئے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا اب اس کی توجہ کا رخ آج کے راستے کی طرف ہو گا۔
روشی کا دل جیسے میں تیز تیز دھڑکنے لگا۔ سو حال وہ ایک مخصوص ماحول کی پروردہ تھی۔ باپ کے منہ سے وہ والی شاعری کا تذکرہ ایک نئی بات تھی۔
"مگر پاپا وہ" اس نے کچھ کہنا چاہا۔
"تم فکر نہ کرو۔ اگر تم اس منصوبے سے خوش نہیں ہو گی تو کچھ نہیں ہو گا۔" انہوں نے نیا سگریٹ سلگایا۔
روشی تو جیسے پشیمان ہو گئی۔ "نہیں پاپا" اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔
انہوں نے روشی کے خوشی سے جگمگاتے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ اور سگریٹ سلگانے لگے۔
"کیا میں وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" انہوں نے خاصے تردد سے سوال کیا۔
"کوئی وجہ نہیں۔" اس نے نظریں جھکا لیں۔
"کیا تمہیں کوئی پسند ہے؟" انہوں نے بھی بھی نظروں سے نیا سوال کیا۔
روشی کا دل چاہا تھا کہ وہ ہاں کہہ دے۔ مگر انہوں کا حساب ہاں کر دیں گے۔ اس کا دل چاہا وہ ان سے اعلان کر دے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

"آپ سچ کہتے ہیں۔ میں نے کبھی کسی کو اس نظر سے نہیں دیکھا۔ مگر ایک بات ہے۔ میں کسی کو پسند کرنے سے پہلے اس کی فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں جاننا چاہوں گی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کسی کے قریب جانے سے پہلے اس کی فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں جانوں گی۔ میرا خیال ہے میں اپنی بات واضح کر چکی ہوں۔"
"بالکل۔ آپ کا اس بارے میں نظریہ بہت واضح ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔
"پاپا۔" روشی نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ وقتی طور پر وہ بھول گئی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔
انہوں نے گہرا سانس لے کر اسے بچے کی طرف کان لگا کر بولنے کی کوشش کی۔ "وقتی طور پر وہ بھول گئی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔"
"بیٹا انسان کی ذاتی خواہشات اس کی ترجیحات میں شامل ہوتی ہیں۔" وہ سمجھانے کے انداز میں مخاطب تھے۔
"مگر انسان کی ترجیحات بھی تو بدلتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی جب ہی کچھ اہم ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے سب کچھ ہی بھلا دیا جاتا ہے۔" روشی نے اپنے مخصوص ضد بھرے انداز میں جواب دیا۔
انہوں نے اپنے مخصوص بردبارانہ انداز میں جواب دیا۔
"مگر کسی کو اس کے باپ سے زیادہ اہم کون ہو سکتا ہے۔" اس نے الجھتے ہوئے سوال کیا۔
"ہاں یہ سچ ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرائے۔ "لیکن کل" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"یعنی؟" وہ کچھ سمجھی نہیں۔
"یعنی یہ کہ باپ ہمیشہ ہی ساتھ نہیں رہتا۔ صرف ضعیفی اور لاچاری کی آڑ میں کمزور ہو سکتا ہے۔"
"پاپا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ ہی تو کہتے ہیں کہ انسان کو ہمیشہ ہی متوازن اور اٹل ہونا چاہیے۔ پھر آپ کیوں نہیں ہیں؟"
"بیٹا یہ ہماری ایشیائی مجبوری ہے۔" انہوں نے قدرے الجھی ہوئی بیٹی کے چہرے پر نظر ڈالی۔
"جو تمہارے دل میں ہے کہو۔ میں ہمیشہ کیلئے نہیں کسی نتیجے پر پہنچا سکتا ہوں۔"
اس بار ان کا لہجہ خاصا سرد اور پر شکوہ تھا۔ جیسے وہ کسی انہونی کیلئے ذہنی طور پر تیار کر رہے ہوں۔
"میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ آپ جانتے ہیں ناں دل میں سوئٹزرلینڈ کو بھی۔"
وہ ایک بار پھر کھانے لگی۔ اور پھر سے ہلکا پھلکا کر کے بات کو ٹالنے کی کوشش کرنے لگی۔
"ویری گڈ۔ ویری پولیٹکس۔" انہوں نے بیٹی کو بہت محبت سے دیکھا۔
"آپ کے ساتھ کم عقل ہونا بھی اچھا ہے۔" روشی نے جواب دیا۔
"کاش کہ ہر باپ کو ایسی بیٹی ملے۔" وہ دلی الحال اس کی ذہانت پر بے اختیار ہنسنے کے عمل پر بہت خوش تھے۔
"مگر اس کا اظہار بھی نہیں کرنا۔" انہوں نے تاکید کی۔
"اوکے باس۔"
"ویسے یہ لڑکا جس کی دوستی ہے۔ ایک کروڑ پتی باپ کا بیٹا ہے۔" انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے فلاسک کی

www.paksociety.com

www.Paksociety.com

طرف متوجہ ہو گیا۔

"جی میں کھا چکی۔"

"سچ مچ کھائی ہے؟"

"نہیں مسز عمر کہ اگر میں کہوں کہ نہیں کھائی تو آپ کیا کریں گی؟" وہ ہنس دی تھی۔

"اب اتنا بھی ڈرانے والے خواب نہیں آئے تھے۔" وہ مسکرائے۔

روشی کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ اب وہ باتوں میں لیٹی ہوئی خوش تھی۔

"ہم کراچی کتنے دن رکیں گے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"کچھ کہہ نہیں سکتے۔ چار پانچ ہفتے۔ کہہ نہیں سکتے۔" انہوں نے کہا۔

"پھر میں وہاں آپ کے ساتھ شاپنگ بھی تو کروں گی۔" اس نے کہا۔ وہ علی خان کو تھا۔

"ضرور۔ تم کافی نہیں لو گی؟"

"نہیں۔ پھر نیند نہیں آئے گی۔ آپ کو کافی پی کر نیند آ جاتی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہمیشہ۔" وہ علی خان نے اپنی سیریز آنکھیں ایک لمحے کو اس پر مرکوز کیں۔

"آپ کی آنکھوں سے تو لگتا ہے آپ سوتے ہی نہیں ہیں۔ سچ آپ آئی اسپیشلسٹ کیوں نہیں کرتے۔ آپ کی آئیز بہت پیاری ہیں۔" وہ معصومیت سے ان سے پوچھ رہی تھی۔

"اچھا۔" وہ مسکرائے۔ "مجھے کسی ڈاکٹر میں دلچسپی نہیں ہے۔ اب تم سونے کی کوشش کرو۔ صبح ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔"

"جی۔ آپ کا دھیان رکھنے والا بھی تو کوئی نہیں ہے۔ لگی ہو تو شیو تو کر لیں۔"

اسے جانے کیا یاد آ گیا ایک دم سے شرمندہ سی ہو کر چپ ہو گئی۔

"کچھ نہیں میں تو کیا ہوا بتائیے تو سہی۔" انہوں نے ایک ذرا سی چوٹی کی طرف اچھالتے ہوئے بہت گہرے لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا اب میں سوتی ہوں۔ کیا میں آپ کے ساتھ ہی بیٹھ جاؤں؟" وہ جاتے جاتے رک گئی۔

"نہیں۔ میں تمہیں بلاؤں گا۔"

"مگر ڈاکٹر نے۔" وہ دونوں ہاتھوں میں اپنی بیوی کے ہاتھ لیتے ہوئے بولے۔

"مگر ڈاکٹر نے کیا؟" وہ ہنسی تھی۔

وہ جانے کس دھن میں تھی کہ ایک دم سے ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکھ کر گڑبڑا گئی۔

"کیا مصیبت ہے یہ عورت بھی کبھی نہیں بدلے گی۔" وہ بڑبڑائے۔

"کیا کہا آپ نے؟" وہ حیران ہوئی۔

"کچھ نہیں۔ میں نے کہا کہ تم بہت اچھی ہو۔" وہ مسکرائے۔

اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ ان کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھ نہیں پائی تھی۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں۔" وہ ہنسی۔

"کیا؟" وہ حیران ہوئی۔

"یہی کہ تم کس قدر اچھی ہو۔" وہ مسکرائے۔

"اچھا اب تم سو جاؤ۔ صبح ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔" وہ بات بدلتے ہوئے بولے۔

"آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے؟" وہ ان کے ہاتھ سے نظر ہٹا کر بولی۔

"نہیں۔ اب نہیں ہو رہی۔" وہ مسکرائے۔

"اچھا۔" وہ ان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے بولی۔

"ہر گھر کی چار دیواری میں سو جوڑے اور ہر جوڑے سے کسی نہ کسی نوعیت کے لیے گئے ای کی آدھی اچھی تو تھا آپ، کیا پتا کہ آدھی سے زیادہ بھی ہے۔ روشی کو بہت کاندھے پر ڈر کر قہقہہ لگانا چاہیے۔

"ضرور۔" وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"سچ مچ کر رہی ہیں؟"

"کہاں جا رہے ہو؟"

"یہ عجیب سوال ہے۔ پہلے تو نہیں پوچھا۔ یہاں وہاں گھومنے کے بعد آتے ہیں۔ پھر جا کر سو جاتے ہیں۔ کبھی تو ہم کہیں جاتے ہیں۔" وہ بھرے سے انداز میں بولا۔ "ظاہر ہے اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

"میں نے آج تک تمہارا کمرا نہیں دیکھا ہے۔ دکھاؤ گی نہیں۔ غضب ہے۔" وہ واقعی حیران تھی۔

"کبھی اس میں کھڑے ہو کر غور سے دیکھو گی تو پتا چلے گا۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"وہ تو مجھے پہلے ہی پتا ہے کہ تمہارا کمرا بہت اچھا ہے۔" وہ بولی۔

"کیا کرو گی اور کمرا دیکھ کر۔" وہ مسکرائے۔ "کھیلو گی؟" کون سا گیم؟"

"وہی جو باتھ میں تم کیا کرتے تھے۔ مجھے بھی سکھانے کا کہہ رہے تھے کہ ہم بھائی آ گئے تھے۔" وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ اسے شرمندہ کر کے کوئی اور بات چھیڑ دی تھی۔

"مجھے ہر چیز سے ہی کوفت ہونے لگی ہے۔ دل چاہتا ہے تو مجھے کسی سے بات نہ کرنی پڑے۔ مجھے اس کے انتظار یا آنکھیں بند کیے اس کی طرف سے آواز آ رہی ہے۔ اس لئے اچھا لگتا ہے۔" وہ بے بسی سے جواب دے کر تکیے کی طرف جھک گیا۔

"اچھا۔" وہ شعار یاد نہیں رہے۔ "بہت ہی پیارا کرتا ہے۔ اتنی دلفریب ادا ہے۔ کوئی ہو اسی کی مرتبہ سنا تو آ گئے گی وہ ہم جانے دیتا کہ سے گھنٹہ کس بات پر ہے۔" وہ بھائی ہوں گی اپنے گھر سے میں گم ہو گی۔

"بھائی۔ کہاں ہیں آپ؟" وہ مگن کے دروازے پر ایستادہ تھا۔

باوجود کوشش کے اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ مگن کے دروازے پر اس کا وہ پاؤں اور ہاتھ وہ ایک ہی لمحے میں سامنے آ گئی تھی۔ وہ بھی پہلے پہلے پتے اور ہی تھی۔

ڈاکٹر کا احساس دلاتی چاہ تھیں اس کی پریشانی بڑھ رہا تھا۔ اس طرح ایک دم سامنے آ جانے کی کیا

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

کے تھی اور اتنا بڑھ کھائی نہیں دیتا۔ اس سے وہ پانی کھینچ کر سر پر ڈال لیا۔

"لو بیٹا"۔ اس کے لہجے میں فکر تھی آ گئی۔

"ہماری آنکھیں ہیں۔ ابھی میں بھائی اور خاص طور پر ہم عورتوں پر شعر اتنا ہو گیا ہے۔ اپنے لئے کی طرح تو ہم جانتے ہیں۔ وہ ولی ہیں ہے۔ شاید بخار تیز ہو گیا ہے۔ ایک کھیل اور دے دیں۔ کر کہاں سے دے اور دوا دے کر ہم آواز دے لیں سکتے ہیں اس لئے جب کرنے کو کہیں تو ہاں بھی کہہ دیتے ہیں۔

وہ ہنا ؟ آپ شعر کہہ لیں گے

آپ کی شکل ہی ہماری ہے

وہ لڑکے کے انداز میں شعر پڑھتے ہوئے واپس پلٹ رہا تھا۔

وہ کوئی جواب نہیں دے سکی اور خاص اس کی سمجھ میں شعر کیا خاک آتا۔ اس کی حیران حیرت تو جیسے پہ بن کر ہی ڈوب گئی تھی۔ اس کی حالت بخار کی وجہ سے سنبھلنے لگ رہی ہے۔

وہ تیزی سے سنور کی طرف گئی تھی۔

اور لال خان کا لایا ہوا دلیہ ان دونوں نے ختم کر لیا تھا۔ اس کمرے سے چلی آئی جہاں عارف کا قیام تھا۔

"عارف بھائی! یہ کھیل"۔ اس نے دروازے سے مخاطب کیا۔

"شکریہ بھائی"۔ وہ بے ہوا انداز میں اپنے بیڈ پر گرا ہوا تھا اور تیز تیز سانس لے رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھتی اس میں ہمت نہ تھی۔ عارف سے پہلے سے موجود کھیل اٹھانے کی سکت نہیں۔ بالآخر وہ آگے بڑھی۔ عارف کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے آہستگی سے کھیل اس پر پھیلایا۔ پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا دوسرا کھیل بھی اس پر ڈال دیا۔ اور سیدھی کھڑی ہو کر اس کی کسی اگلی بات کا انتظار کرنے لگی۔

"بھائی — لال خان سے کہو پہلی فرصت میں میری ماں کو اطلاع کر دے کہ میں آپ کے ہاں — زندگی کی سانسیں پوری کر رہا ہوں۔ ملنا چاہے تو آ کر مل جائے"۔ اس کی آواز بہت دھیمی اور کمزور تھی۔

"ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں عارف بھائی؟ آپ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے"۔ وہ بچوں سے دل کی بات کہہ رہا تھا۔

گ۔

کم لکھیں ہو رش ہم ہو ہی ہم تم ہو یاں

شیطان لڑ گیا ہے مگر اچھا خدا ہوا

اور بھائی وہ جو آپ کے لیا ہے کچھ غالب نے کہا ہے کہ —

وہ واعظ جس وہ اللہ ہوا

کبھی ہم تم تھے اب وہ اللہ ہوا

وہ کھا تیسے لگا ہے اور حیران پریشان ہی کھڑی تھی۔ "تو — شیخ کی طرح یہ شعر بھی عارف کا تھا۔ اس حالت میں بھی وہ اپنے

بات کر رہا تھا۔ وہ بولا تھی۔

"آپ کیسے ہو گئے ہیں عارف بھائی؟" اس وقت اس کو اپنی اتنی اہمیت محسوس ہو رہی تھی۔

"میں بھائی — اس وقت تو زندگی سے بھرپور ہو رہا ہوں۔ اس کیلئے مجھے اپنی جان کا نذرانہ دینا پڑا ہے۔ مگر کوئی بات نہیں۔ آپ شکر ہے"۔

"آپ کیسے ہیں اللہ کرے۔ میں — دل کو سکون ملتا ہے"۔ اسے وہ وقت بھی یاد آیا جب عارف نے اس کی دلجوئی کی تھی۔

کاٹ رہا ہے شیخ بھی عدم

بندہ ذوالجلال ہو بچا!

"شعر"۔ عارف شعر کہہ کر ہنسا تھا۔ "مگر — بھائی"۔

اب آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

"آپ کی عمر ہی کیا ہے"۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

"مگر یہ بھائی کہاں قسمت میں ہوتی ہے بھائی"۔ وہ اس کی سادگی پر مسکرایا تھا۔

اس نے جواب میں اپنے مطلب کی بات اخذ کر لی تھی۔ اور اس — وہ درحقیقت اسی گمراہی میں مبتلا ہونے کی طلب میں کھڑی تھی۔

"میں آپ کیلئے کچھ لیکن دلیہ لاتی ہوں۔ وہ پھر کھانا کھائے؟ نہیں تھے تو آپ ان کے ساتھ کھا لیجئے گا"۔ وہ ہار ماننے والی نہیں تھی۔

"آپ کے وہ جب تک آپ کیلئے کچھ نہ پکا سا جاؤں گا"۔ فرمائش آپس میں بحث کرنے کی ضرورت ہی ختم کر رہا ہے۔ مثل میں کوئی کھا رہا ہے"۔

"میں بھی ہوں بھائی"۔ وہ شرمندہ ہی ہو گئی۔

کمی میں کل سے پانی پیتے ہوئے اسے دھیان آیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھنے کے بھی اہل نہیں۔ پانی کیسے پیے گا؟ اٹھا وہ اسے سہارے کر اٹھانے لگی وہ اسے حیرت بھری آنکھ۔ "اللہ نہیں۔ یہ تو وہ بھی نہیں کرے گی۔ خود ہی کیسے سوچ گی تھی کہ اس کے اس قدر قریب جانا سراسر غلط ہے۔ وہ اسے ایک دم پریشان آ گیا۔ اس نے ایک چمچہ ساتھ لیا۔ مسئلے کا حل سمجھ میں آتے ہی پرسکون ہو گئی تھی۔

وہ اس عارف کے کمرے میں آئی اور چمچے میں پانی لے کر اسے متوجہ کیا۔

"عارف بھائی پانی"۔

"پانی خراب ہو گیا ہے۔ یوں کہ ساحل سمندر میں رہتا ہوں پانی اور بہت ہے مگر منہ میں تو اس وقت بھی کڑوا ہے

www.Paksociety.com
urdunovels.net

www.paksociety.com

"یہ لفظ ہٹا کر دیکھتے ہیں پتہ چلتا ہے حالات کتنی تباہی مچا سکتے ہیں۔"

"مجھے لگا ہوں ساتھ۔ آپ تو ہنسیں بھی کم ہیں اور سہمی۔" وہ خوش ہوئی تھی۔

عارف نے ٹھیلے کی دوسری طرف کھڑی ہوئی لڑکی کو دیکھا جو اس کی سمت دیکھنے کی بجائے جیولت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ارے کیا بہت حالت خراب ہے"۔ پیچھے سے بادل خان کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

بالکل کے ہاتھ سے گلاس لڑھک کر نیچے گرا۔ یہاں وہاں کرچیاں بکھر گئیں۔

"کیا ہوگیا ہے بادشاہ کو بھلا کیا ہوگیا؟" بادل بری طرح سے خوف زدہ لگ رہا تھا۔ عارفہ کی ہنسی پھر بے ساختہ سے لگنے لگی۔ مگر بجائے کچھ بولنے کے بادل بری طرح گھبرا کر بادل خان کی طرف بڑھ گئی۔

کوئی بات نہیں ایسا ہو جاتا ہے۔ انسان اپنے حواس میں ہو تو اپنا کنٹرول آ جاتا ہے۔ میں تو اس لئے لائے پانی واپس آ گیا کہ کہیں ہیرا یا سانپ نہ نکل آئے۔ پھر تمہارا بھائی اسے تو بہت ترس آتا ہے۔ شکر ہے اس نے تمہیں پانی کا گھڑا اب پلوا دیا۔ ہیں ناں۔ ہیں ناں۔ وہ بادل خان سے استفسار کر رہی تھی۔

بادل خان نے عارفہ کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔ کرچیاں بچتی بچاتے دوسرا اٹھایا۔ بادل خان سے کوئی بات نہ بن پائی۔ اس کے ہاتھ پیروں کی بیان کہاں نکل رہی تھی۔ بالکل ساکت سے ہو گئے تھے۔

"بادشاہ کر لیا تو"۔ بادل خان گھر سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔

مگر بادل جیسے کسی پتھر کی طرح اپنی جگہ ساکن تھی۔ حالانکہ اس نے کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی تھی۔ مگر حالت جو وہاں بھی ہوئی تھی۔ کیا سوچتے ہوں گے۔ یہ اپنے تو سامنے کہیں آئی اور جب میں موجود نہیں ہوتا تب کہیں انہیں کوئی برا خیال نہ آ جائے۔ حالانکہ وہ بے چارہ تین دن نہ نہیں۔ آئی مراد ان۔

مگر بادل خان کو اس طرح بھوکا گھر میں کیا کہیں بھولنا چاہیے۔ وہ اب تک بے چارہ کتنی رات بھوکا رہا تھا۔ مگر اس کے دوست کو پانی پلا رہی تھی۔

وہ کہہ تو رہی تھی وہ نیا دوست ہے مگر کیا اس کو پرانے دوست ایسے چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ ماضی آ سامنے آ گیا۔ جب اپنے دوست کے لئے کتنی قربانیاں دی تھیں۔ اپنے دوست کے لئے کتنی بار اپنے حصے کی خوراک اس کو دی تھی۔ اب اسی کے حصے میں وہ بے کسی کے عالم میں ہے۔ غریب ہونے کے ناتے اس طرح کی باتیں سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اور ایک مرد کو جو اپنا دوست ہو کچھ اچھا نہ لگا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جب اس کی شادی ہو گی تو وہ اپنی جو بھی ہو گی اس کو ساتھ لے کر جائے گی۔ اس کو اس طرح نہیں چھوڑے گی۔

کہیں بھی واقعہ کل کا ہو گیا۔

بار بار ایک قسم کا ان کے بارے پاگل ہو رہی تھی۔

وہ پاگل ہو رہی تھی تو پیچھے سے بادل خان آ رہا تھا۔

www.paksociety.com

"اب اگلا حکم کیا ہے؟" وہ دلچسپی سے کہہ رہا تھا۔

"ہم سب اس بات پر حیران ہو رہے ہیں۔ اصل بات کا کھوج لگایا۔" کنیز اس کی باری سے پریشان تھا۔ کہہ رہا تھا اس نے قسم لی بھی نہیں اور بھی۔ کھانا بھی نہیں کھایا اور جلدی سے چلی گئی تھی۔"

"وہ بہت خوش ہیں۔ اطمینان کی۔" اس نے فاران کو یقین دلایا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" اس نے فاران کو یقین دلایا۔

"پتا نہیں یار کیا ٹھیک ہے کیا غلط۔ مجھے تو ان کی ہر بات کھائی سے نکلی ہوئی لگتی ہے۔ سچ کہہ رہا ہوں میں۔" سنیئن کرو۔ اگر تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا۔"

"مجھے میری اوقات میں رہنے دیں۔ فاران!" وہ شاید فاران سے ہمیشہ کی طرح ناراض ہو رہا تھا۔ جب ہی فاران ہنس پڑا تھا۔

"کیوں تمہاری اوقات کو کیا ہوا؟ Don't be complexed! (احساس کمتری کا شکار نہ ہو) فاران نے اسے تنبیہ سے سوال کیا تھا اور نصیحت بھی کی تھی۔

باری نے ان کی گرمجوشی کا نوٹس نہیں لیا۔ "اور مشکل لڑکی بھی نہیں ہیں۔"

"پہلے وہ جو سب لڑکیاں حاصل کرو۔ مشکل نہیں مار رہا ہوں۔" فاران بھڑکا۔

"یہ میرا شعبہ نہیں ہے آپ سب مجھے معاف رکھیں۔" وہ اس بار بھاگنے کے لئے مسکرایا تھا۔

"مگر تمہارا پروپوز فیل ہونا تو شاک انگیز ہے یار۔" فاران نے نکتہ پیش کیا۔

"مگر میرے پروپوز فیل ہونے کی وجہ کسی اور کا پروپوز کرنا ہے۔" فائیلہ فیل ہو کر بھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آئی تھی۔ اس نے کسی سے بھی کچھ نہیں چھپایا تھا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں حقیقت معلوم ہے؟" فاران اپنی جگہ پر مسکرایا۔ باری خاموش رہا۔

"مجھے بتاؤ۔ کسی سے نہیں کہوں گا۔" فاران شاید سب کی نمائندگی کر رہا تھا۔

"وہ اداس کیا کہ دوسرے ہی لمحے غائب ہو جائے۔" وہ جیسے کتاب حوالہ کر رہا تھا۔

"ایسے اداس ہے؟" فاران قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"آپ کسی کی زندگی یا کیریئر کی قیمت پر بھی کچھ کریں گے؟" وہ فاران کی طرف پلٹا۔ فاران اس کے چہرے پر ہنسی روکتا ہوا۔

فاران نفی میں نہ اٹھا۔ "ہرگز نہیں اب یہ بھی کوئی مذاق کی بات ہے۔"

وہ اٹھنے کی تیاری کرنے لگا۔ باری نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

"سب اپنی اپنی پریشانیوں کا اظہار کسی نہ کسی سے کر دیتے ہیں اور ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں تو ہے باری ہیں۔"

"چلو کی طرف سے چھٹی ہے۔ چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔ کہیں باہر چلتے ہیں۔"

"چلو کی طرف سے چھٹی ہے۔ چلو

www.Paksociety.com

عارم کے لفظ پر ہالی کی جان نکلی۔

"آپ سے کس نے کہا؟" وہ اٹک اٹک کر بولی۔

"مجھے کھانا بنانا صاحب نے سکھایا ہے۔ یہ تو بہت آسان ہے۔ میں دو تین دن میں سیکھ لوں گا۔" عارم بہت پُرجوش تھا۔

"کیا کھاؤں گی آج؟" ہالی نے ہمت کر کے پوچھا۔

"آج تو میں بنا رہا ہوں۔ کل آپ بنائیے گا۔" عارم نے مسکرا کر جیسے اسے تسلی دی تھی۔

"کل بھی میں ہی بناؤں گی؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں تو۔" عارم نے کندھے اچکائے۔ "آپ کو کام کرنا پڑے گا۔ ہم گاؤں میں اپنے اور سے تھے۔ وہاں تو میں ہی بناؤں گا۔"

"گاؤں؟" ہالی کا سر چکرایا۔ "ہم گاؤں جا رہے ہیں؟"

"ہاں۔" عارم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "صاحب نے کہا ہے کہ ہم گاؤں میں رہیں گے۔ وہاں ہمارا اپنا گھر ہے۔ وہاں کھیت ہیں۔ بہت سارا کام ہے۔ وہاں ہم مل کر کام کریں گے۔"

ہالی کا سر گھوم گیا۔ وہ بے یقینی سے عارم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ گاؤں جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ رہنا تھا۔ اس کے ساتھ کام کرنا تھا۔ اس کے ساتھ کھانا بنانا تھا۔ اس کے ساتھ کھیت میں کام کرنا تھا۔ اس کے ساتھ سونا تھا۔ اس کے ساتھ۔ اس کے ساتھ۔ اس کے ساتھ۔

"ہالی!" عارم نے اسے پکارا۔ "آپ کو کام کرنا پڑے گا۔ ہم گاؤں میں اپنے اور سے تھے۔ وہاں تو میں ہی بناؤں گا۔"

"کیا؟" ہالی کا سر گھوم گیا۔ "ہم گاؤں جا رہے ہیں؟"

"ہاں۔" عارم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "صاحب نے کہا ہے کہ ہم گاؤں میں رہیں گے۔ وہاں ہمارا اپنا گھر ہے۔ وہاں کھیت ہیں۔ بہت سارا کام ہے۔ وہاں ہم مل کر کام کریں گے۔"

ہالی کا سر گھوم گیا۔ وہ بے یقینی سے عارم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ گاؤں جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ رہنا تھا۔ اس کے ساتھ کام کرنا تھا۔ اس کے ساتھ کھانا بنانا تھا۔ اس کے ساتھ کھیت میں کام کرنا تھا۔ اس کے ساتھ سونا تھا۔ اس کے ساتھ۔ اس کے ساتھ۔ اس کے ساتھ۔

www.Paksociety.com

"واقعی آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا کہ کیوں یہ مرغی کھا رہے ہیں؟" اس نے باری کا ہر لقمہ دیکھا۔

"وہ مجھے پیغمبر خدا کی سنت بتا رہے ہیں۔" وہ مسکرا کر اس کی الجھن دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ تم نہیں کھا رہے کیا؟" وہ اپنے مخصوص لہجے کے خمار سے باہر نکلا۔

"ابھی سے پوچھ لو۔"

"تم ان کے گھر والوں پر سنت ختم کرتے ہوئے ہیں لیے۔" وہ اپنا مخصوص طنزیہ انداز اپنا رہی تھی۔

"ہاں بالکل سچی بات ہے۔ آپ ان کی بیوی ہیں۔ ان کے بارے میں زیادہ بہتر جانتی ہیں۔" وہ ایک لمحہ رکا۔ پھر

"مذاق کر رہے ہو؟" وہ لگ گئی۔

"یہ تاب و حال یہ طاقت کہیں؟ واللہ!" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"تم مجھے کیوں نہیں مانتے؟" وہ چڑ گئی۔

"وہ کہتے مانتے ہیں؟" وہ پھر ہنس دیا۔

"کیا واقعی ہی نہیں ہے یا ایسا نہیں ہے یہ؟" وہ الجھ کر بولی تھی۔

"شاید ایسا نہیں ہے۔" اس نے نہایت آسانی سے اعتراف کر لیا۔

"تمہیں تو یہ بھی یقین نہیں ہے کہ کوئی کھڑا ہے تو اسے اپنانے کے لیے بھی کہا۔" وہ ازلی پیسٹ کرنے والی ہو رہی تھی۔

"کہہ رہی ہو آپ کا ہے مگر بھی آپ کا۔ جیسے چاہے استعمال کریں۔"

وہ پھر اسی سکون اور اعتماد سے گویا ہوا۔

"مجھے یہ محسوس ہوا ہے کہ تم جو ہی "ایسے" سے خوش نہیں ہو۔ تمہارے ہونے دے لگتے ہے۔" اس نے کہا۔

"مائی گاڈ! یہ کیا آپ کے ذہن میں؟ مجھے تو اس قدر اطمینان ہے آپ کی اس ہمدردی پر کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ بلکہ میں تو اس بات پر الجھ گئی ہوں کہ آپ نے شادی کے بارے میں کبھی کوئی دلچسپی کیوں نہیں لی۔ سیدھے سیدھے شادی کر دیتے۔ جو کام وہ لے کر آپ کی اس ہمدردی کی وجہ سے آپ کی اس ہمدردی کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ آپ ہوا کی اور ہیں۔"

"اور پاگل ہیں۔ اللہ کرے یہ تقریر۔ جو ہے آپ وہاں سے میرے اندر۔ شادی کر دیتے۔ شادی کر دیتے تو آپ کی سب کو اچھی طرح سے۔ میں تمہارے گلے نہیں تھوکتی۔ اگر وہ آپ کی پہلی جان چھڑانے کی پہلی ہوئی ہے۔ کیا بھی کچھ ہوں آپ کی آنکھ ہوں آپ کی آنکھ تو اپنی جان چھڑانے کو تمہیں اعلان ناری تھی۔ تمہارا کام ہی یہ ہے کہ ہر ولی والوں کے کام آؤ۔ کام

ہوں گے ہر طرح کی ہو۔ تم تو یہ دیکھے گے کہ ہر مری جا رہی ہوں ساتھ میں۔"

وہ کسی طرح مشتعل ہو گئی تھی۔ باری اسی طرح پرسکون انداز میں اپنا کھانا جاری رکھے ہوا تھا۔

"ہاں یہ بھی تھا ہے کہ ہو سکتا ہے تم ہو کیا؟ مجھے تمہیں اہمیت دی۔ اس لیے کہ میں اہل ہوں۔ تم جانتے ہو میں ہاں کرنے لگے۔ میں نے تو صرف یہ سوچا تھا تم استعمال ہونے والی شے ہو۔ تمہیں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر جانے لگی۔

باری نے ہاتھ دھو کر سائیڈ ٹیبل سے ٹشو اٹھا کر منہ اور ہاتھ صاف کیے اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ سوچ رہی ہوں گی کہ میں ایسی کیسی ہوں گا۔ اس لیے آپ کو دعوت دی کہ ہے۔ پاس بیٹھنے کا بھی نہیں ہے۔ آپ کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو۔ اس لیے وضاحت کر دی ہے۔ آپ جو ہو۔ جو کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں۔ اگر تھا ہے آپ کو ورغلا لیتے میں آپ سے سودی کرنے میں کوئی تباہ ہے گا۔ میں نہیں کروں گا۔"

"ہوں۔ یہ آئی ایسے ہی۔ آئی۔ لگی ہے یہ۔ وہ سب ہے۔"

اس نے باری کے ہاتھ سے محبوس سے کر کاٹ دیا۔ اور ہونٹ بھینچ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

... تھوڑا سا کھانا ہوا تھا۔ باری نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ پکڑ کر ہٹا دیے۔ اور خاموشی سے کرسی پر بیٹھ کر دوبارہ کھانا شروع کر دیا۔ ایک آدھ منٹ بعد ایک انگلی سی لکیر روتی ہوئی روتی پر بھی ڈال لیتا۔ پھر دوبارہ نظریں جھکا کر کھانے لگتا۔ ایک آدھ منٹ بعد اس کی سسکیاں تھم گئیں۔ اس نے دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں اور باری کی طرف دیکھا۔ تب اس کے باری کی آنکھیں بھی اس کی طرف اٹھی تھیں۔ وہ بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ باری نے بھی آنکھ سے اپنی نظریں اٹھا کر دوبارہ پلیٹ کی طرف موڑ لیا تھا۔

"کی چاہ رہا ہے آپ کا؟ میں سمیت تمہیں آ گیا ہے۔" وہ بیٹھے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

باری نے سر جھکا کر کھانا جاری رکھا۔

"میری طرف سے کوئی دعوت نہیں ہو گی۔ آپ شوق پورا کریں۔"

"جناب!" وہ ہاں بھی نہ کہے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے۔ وہ کھڑی رہی۔ اس کی۔

باری اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے کسی سوچ کے پاتال میں چلا گیا تھا۔

باری خان کو گئے ہوئے تین دن ہوا تھا۔ اس نے خود ان کے جانے کی اپنا سوٹ کیس پیک کرنا تھا۔ اس دن کے بعد سے باری کی کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ ماما نے خود ہی فون پر بتایا تھا کہ "سرائے" گیا ہوا ہے۔ اور یہ سرائے شمالی علاقوں سے ملحقہ گاؤں

www.Paksociety.com

تیسرے دن اس نے سن کر سر جھٹک دیا تھا۔ ایک تو کراچی جانے کا سن کر حویلی والوں میں اور خاص کر بی بی جان میں جو خوشی اور جوش نظر آیا تھا۔ اسی نے اسے مزید تاؤ دلایا تھا۔ وہ حویلی والوں سے بہت آگے نکل آئی تھی اور یہاں سب اسے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔

تین دن سے طبیعت پر بوجھ سا کچھ محسوس ہو رہا تھا۔ اندر سے جانے کیسی عجیب سی آواز آتی تھی کہ اسے اس سے دامن نہیں کرنی چاہیے تھے۔ کس طرح تاکہ کہ اس نے باری کی روح پر گھاؤ لگائے تھے۔ اور وہ کتنی خاموشی سے سہہ گیا تھا۔ بدلہ لیا بھی کہہ دیا تو شاید اسے اتنا تکلیف دہ نہ ہوتا۔

وہ جھوٹا جھوٹا لیتے ہوئے مسلسل سوچ رہی تھی۔

"بی بی! ہری کا فون آیا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں آپ شام کے کھانے پر ہمارے گھر آئیں گی۔ ان کا ڈرائیور آپ کو لینے آئے گا۔" گلو نے کمرے میں آکر اطلاع دی تھی۔

وہ چونک کر گلو کو دیکھنے لگی پھر ایک دم سے جیسے کرنٹ لگا۔ وہ اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے میں آکر بکھری ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔ وقت بہت کم تھا۔ ابھی اپنی تمام کزنز کے سامنے بھی اس کی تذلیل کی گئی تھی۔ ان سے بدلہ لینے کی خاطر وہ اس کا بدلہ لینے لگا تھا۔ ظاہر ہے ان کے لیے یہ تذلیل کی ہی بات تھی کہ یہ وہی لڑکا تھا جسے وہ کبھی بار بار کہنے کے باوجود اپنے پاس نہیں بلاتی تھیں۔

وہ کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں جا رہی تھی کہ بڑی امی آ گئیں۔

"گلو نے بتایا تھا تمہیں؟" وہ آتے ہی مخاطب ہوئیں۔

"جی بڑی امی!"

"اچھا تم جلدی کرو۔ ڈرائیور بہت تھوڑا وقت دے گیا ہے۔ ویسے ہی دیر ہو گئی ہے تمہیں تیار کیا کریں۔ یاد ہے نا ایک دفعہ تم نے ہمیں کتنا انتظار کروایا تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔ تم تیار ہو کر نیچے آؤ۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔" وہ کہہ کر چلی گئیں۔ وہ بڑی امی کے ساتھ ہی نیچے آئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ وہ بھی مسکرا دی تھی۔ وہ اس کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں۔

"بی بی! آپ کو ہری صاحب کے گھر لے کر جانا ہے۔ ان کا ڈرائیور آیا ہے۔" گلو نے آ کر اطلاع دی تھی۔

"اچھا چلو تم تیاری کرو۔" وہ بڑی امی کی ہدایت پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"بڑی امی! آپ کو ہری صاحب کے گھر جانا ہے؟" وہ حیرت سے بولی تھی۔

"ہاں! ہری کا فون آیا تھا۔ اس نے ہی دعوت دی ہے۔ ہم نے سوچا تم بھی ساتھ چلی جاؤ۔ ہم تو ویسے بھی جانے والے تھے۔ ہری کی بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے ہم نہیں گئے تھے۔ اب ہری نے بلایا ہے تو سوچا ہو آئیں۔" وہ بڑی امی کی بات پر سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ڈرائیور کو بھیجتی ہوں۔" وہ کہہ کر چلی گئیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں۔

"بڑی امی! آپ کو ہری صاحب کے گھر جانا ہے؟" وہ بڑی امی کی بات پر سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"ہاں! ہری کا فون آیا تھا۔ اس نے ہی دعوت دی ہے۔ ہم نے سوچا تم بھی ساتھ چلی جاؤ۔ ہم تو ویسے بھی جانے والے تھے۔ ہری کی بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے ہم نہیں گئے تھے۔ اب ہری نے بلایا ہے تو سوچا ہو آئیں۔" وہ بڑی امی کی بات پر سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"بڑی امی! آپ کو ہری صاحب کے گھر جانا ہے؟" وہ بڑی امی کی بات پر سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"ہاں! ہری کا فون آیا تھا۔ اس نے ہی دعوت دی ہے۔ ہم نے سوچا تم بھی ساتھ چلی جاؤ۔ ہم تو ویسے بھی جانے والے تھے۔ ہری کی بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے ہم نہیں گئے تھے۔ اب ہری نے بلایا ہے تو سوچا ہو آئیں۔" وہ بڑی امی کی بات پر سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"بڑی امی! آپ کو ہری صاحب کے گھر جانا ہے؟" وہ بڑی امی کی بات پر سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"ہاں! ہری کا فون آیا تھا۔ اس نے ہی دعوت دی ہے۔ ہم نے سوچا تم بھی ساتھ چلی جاؤ۔ ہم تو ویسے بھی جانے والے تھے۔ ہری کی بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے ہم نہیں گئے تھے۔ اب ہری نے بلایا ہے تو سوچا ہو آئیں۔" وہ بڑی امی کی بات پر سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"بڑی امی! آپ کو ہری صاحب کے گھر جانا ہے؟" وہ بڑی امی کی بات پر سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"ہاں! ہری کا فون آیا تھا۔ اس نے ہی دعوت دی ہے۔ ہم نے سوچا تم بھی ساتھ چلی جاؤ۔ ہم تو ویسے بھی جانے والے تھے۔ ہری کی بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے ہم نہیں گئے تھے۔ اب ہری نے بلایا ہے تو سوچا ہو آئیں۔" وہ بڑی امی کی بات پر سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"آپ کیا ایسا ہی ہیں ——— ہاں ان کی طرح ہی آفتاب کی روشنی آفتاب ——— وہ ہنسی۔

"تم ایک دم سے بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو، کیا بات ہے کیا پڑھائی کا بہت بوجھ پڑ گیا ہے تم پر؟" اس نے پوچھا۔

"یہ بھی بھلی باتیں کرتے کرتے آپ یہ کہاں بیٹھ گئے ہیں؟" اس نے کہا۔

"اچھا بتاؤ ——— کون ——— ہوں ——— ہوں ——— اوہ کک ——— ایک منٹ ہیرو۔"

اس نے ریسیور گود میں رکھا اور پھر اٹھ کر دروازے کی طرف چلی۔ وہ علی خان بیٹھک کے ساتھ کھڑے گپ شپ لگا رہے تھے۔

"السلام علیکم پاپا!" وہ انہیں یوں اچانک سامنے پا کر بہت خوش ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام بیٹے! ٹھیک ٹھاک ہو، کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی رہتے میں؟" انہوں نے گھوم کر روشی کی سمت متوجہ ہوتے ہوئے جواب کی سمت اشارہ کیا۔

روشی نے سرخوشی و مسرت کی طرح اپنے وجود پر محسوس کی۔ روح کی سرشاری کی کیفیت آہستہ آہستہ ڈھلنے لگی۔

جن سے محبت ہوتی ہے، ان کی طرف سے محبت و اپنائیت کے ذرا ذرا سے علاوہ ——— بھی اندوہ دیتے کی آماجگاہ جاتے ہیں۔ معمول کا رویہ بھی کاسا تر رکھتے ہیں۔

اس نے باپ کے ہاتھ سے کوٹ اس طرح لیا جیسے کوئی سوغات لے رہی ہو۔

اچھی پیاری مہک تھی۔ اس نے دل سے لگایا تھا۔ روشی اپنے کپڑوں پر محسوس ہوئی۔ اس نے ذرا ذرا سے کوٹ کو سونگھا۔ بے حد مردانہ اور نفیس پرفیوم کی مہک تھی۔ اپنی آنکھوں سے لگا کر دیکھا۔ کوئی بے جان کوٹ نہیں تھا۔ اس کے باپ کی روح تھا۔

"کون سا پرفیوم لگاتے ہیں آپ پاپا؟" وہ ان کی طرف مڑی۔

"بہت سی باقاعدہ قسم کی عادتیں ہیں میری، ویسے سادہ سے پرفیوم استعمال کرتا ہوں۔ پہلے صرف انگلینڈ اور یورپ ہی میں ملتا تھا۔ اب تو یہاں بھی مل جاتا ہے۔ مگر ——— تو کہاں کی پڑھائی ہے، کیا سب ٹیچنگ لگوں، تو فلاسفی، شیکسپیئر کریں کہ بہت سائنس پڑھتی ہے، اس لیے ان تمام چیزوں کو استعمال کرنے کی عادت ہوتی ہے۔"

انہوں نے روشی کے جملے سے پرفیوم اٹھا کر اس کی سمت بڑھایا۔ وہ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنی نفیس سے جواب ——— ہے تھے جیسے اس نے کوئی بہت اہم اور ضروری سوال کیا ہو۔

"نہ کہ کالوں آپ پاپا۔" اپنے کیے سے شرمندہ ہوئی کہ ایسا کہنا ضروری بات تو نہیں تھی۔

"اور تم نے بھی فرصت میں نہیں ہوگا کہ تم کہاں آ رہے ہیں؟" وہ علی خان کی طرف بڑھتے ہوئے رک گئے۔

اس نے ذرا کرسی کا پیرا دیکھا "آپ کے لیے کیا بنواؤں؟"

"بیٹا! ——— میں ——— کچھ نہیں۔" انہوں نے آہستگی سے کہا تھا۔ روشی کو لگا تھا جیسے اس کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی ہو۔

وہ بہت اچھا کرتی ——— "سر پر ہاتھ رکھ کر کہتے، جہاں سے بے وقت گئے تھے، اسے لگا تھا ——— یوں محسوس ہوا جیسے کوئی شخص بھرپور قوت سے روح میں اتر گیا ہو۔

وہ چپ سے بیٹھ کر چائے بنانے لگی، وہ علی خان کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔

چند لمحوں بعد وہ واپس آئے تو روشی ایک سرسری نظر ان پر ڈالی۔

"کھانا کھایا تھا نے؟"

"کیسے کیسے کھاتے ——— آپ تو ذکر کر رہے ہیں، بیٹا!" وہ ہنسی۔

"ہاں، پتہ ہے یہ آفیشل ڈنر چیز ہوتے ہیں، اصلی بیٹا!" وہ بھی ہنسا تھا۔

"تم کہاں تھے، کہاں تھے آج تو تم نے ہمارے لیے آفیشل اشتہار بنا دی ہیں۔ میں نے اس کو کہا تھا کہ صدری تھی کہ صدری تھی آ رہی ہے۔"

وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر شیشیں فولڈ کرنے لگے۔

"آفیشل ڈنر کا مطلب آپ کے ساتھ آنا تھا!" اس نے کہا تھا۔

"اس طرح بھی ہو جاتا ہے بیٹے! ہر بات سوچ کے ساتھ نہیں ہوتی، وہ ہوتے ہیں ہوتا ہے۔" وہ ہنسے تھے۔

"کب جائیں گے آپ؟" اس نے پوچھا تھا۔

"جلد جائیں گے، آپ کے ڈاکٹر صاحب ہیں یہاں، ان سے جلدی ہی جانا ہے۔"

وہ پہلی بار ان میں خاصا محتاط ہوئی تھی۔

"آپ نے پتہ نہیں بتایا ——— وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وہاں اسے انٹرکام کا ٹکڑا ملا تھا۔

"جانے نہیں دیا ہے، پھر خود ہی کہیں گے ——— وہ ہنسے تھے۔

"کون آیا ہوں نے آپ کو بتایا تھا۔ میں نے تو فون نہیں کیا تھا۔" اس نے ان کی طرف بڑھایا۔

"ظاہر ہے، مجھے ہی کیا ہوگا۔ تمہاری ہو ہوگی کی تو انہیں خبر نہیں ہوگی۔ وہ کون کرتی ہیں؟" انہوں نے شگفتہ سے انداز میں ان کی نظریں اٹھا کر شیشے پر مرکوز کر لیں۔

"کہاں کرتی ہیں ہوتی ہیں، وہی تو میں ان سے کہہ رہی تھی کہ پاپا کو فون کرتی ہیں، مجھے نہیں بتاتیں۔" اس نے ناک سے کہا اور انٹرکام کا ریسیور اٹھا لیا۔

www.Paksociety.com

یاور علی خان نے ڈنر ختم کرتے ہوئے روشنی کی طرف دیکھا۔

"کیا کہا جواب دیا انہوں نے؟"

"کچھ نہیں، لائن ہی ڈسکنکٹ ہو گئی تھی۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ یاور علی اپنی جگہ سے تقریباً اٹھ گئے۔

"ہیلو——؟" انہوں نے ریسیور کان سے لگایا۔ پھر روشنی کی سمت دیکھا۔

"حویلی سے فون ہے——— ہاری بے بی پر۔"

انہوں نے ریسیور کان سے ہٹا کر روشنی کی طرف دیکھا۔ وہ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھی۔

"میرا فون ہے——— اس وقت——؟" وہ حیران ہوئی اور ریسیور یاور علی خان کے ہاتھ سے لیا۔

"ہوں——— روشی——— بات کر رہی ہوں۔ اتنی اہم تو نہیں ہوں کہ وہاں سے آتے ہی سکے چلا ہو گئے ہوں——؟"

"ارے، آپ کو خفا نہیں، بے تو آپ بہت اہم ہو گئی ہیں۔ کراچی سے نعیم صاحب آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔ لمبرز دوں؟ کوئی ہرج تو نہیں؟" دوسری طرف سے ہاری بہت شوخ لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

"اوہ یس!" اس کا سر ایک دم آف ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر یاور علی خان کی سمت دیکھا۔

"مگر وہ بضد ہیں، حالانکہ میں نے تو یاور چچا کا ڈراوا بھی دیا تھا، مگر ہنسی سے بہادر قسم کے بندے ہیں۔" اس کا شوخ پن برقرار تھا۔

"تم کوئی میڈل دے دو انہیں بہادری کا، بھرے کان مت کھاؤ۔" وہ برس پڑی۔

"اوکے، فرائل فیاسی ہیں، مگر تو ان کے حق میں تسلیم کریں۔ یہ تو زیادتی ہے نا؟" وہ ہنس رہا تھا۔

"کیا میں مجھ سے لیٹا اور آیندہ اس موضوع پر مجھ سے بات مت کرنا، ورنہ اچھا نہیں ہوگا——" وہ بھڑک اٹھی۔

"تو انہیں کہاں لیا؟" وہ بے بسی سے پوچھ رہا تھا۔ "وہ اس ہٹ بلڈ پر تو رکیں گے۔"

"کہہ دو روشی کے باپ سے بات کر لیں۔" اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

اپنی تیز تیز سانسیں سنبھالتی وہ دوبارہ صوفے تک آئی اور گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

یاور علی خاں نے آہستگی سے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"غصے سے نری ضائع ہوتی ہے، جو ہم سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے، پھر غصہ کر کے نقصان کیوں کریں۔ بات ہماری مانو بیٹا۔"

"فار گاڈ سیک، مجھے یہ کیس اٹھنے نہیں دیں گے——— اس سوسائٹی——— آئی نو دیٹ——— اوہ مائی گاڈ——!" اس نے جھٹکے سے موضوع بدل دیا۔

"تو کیا کیا ہوا، کراچی سے لے لینا، مگر ایک بات کا خیال رکھنا، اگر وہ جان کی طلبگار ہو تو پیچھا کر لینا، مگر کوئی ضرورت نہیں، ہم ان کی عبادت کرنے جا رہے ہیں۔"

"ڈیڈ، آپ سے بڑی امی کی دعا ہوتی ہے، آپ کو جان سے تھوڑی مروا دیں گی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

یاور علی خان بھی ہنس پڑے۔

یاور علی خان جو بچپن کرسمس ایو محل پر بھی دعائیں لینے میں شکر پڑنے کی راہ دیکھا کرتے تھے، جانے کیا سوچ کر اٹھے۔ انہوں نے شکر پت مسل کر رکھ دی اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلیے اس کا کمرہ——— ہاں ہوگا، گیسٹ روم میں تو نہیں رہیں گی۔"

"مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

یاور علی خاں مسکرا دیے۔ "آپ تو ناک ہو رہے ہیں۔ دراصل گیسٹ روم میں فی الحال سب سے بڑا کمرہ وہی ہے۔ وہاں کوئی دقت محسوس نہیں ہوگی۔ وہاں بہت اچھا محسوس ہوگا۔" پھر انہوں نے مڑ کر ملازم کو آواز دی۔

"ذرا ایک ملازم تو ہو جو ہو۔"

"میرا دل ابھی بی بی کے لیے کھانا مانگا۔"

روشی کی فطرت ہر وقت کی مستی طبیعت پر بوجھل سی ہو گئی۔ ایک تو اس کے سوال کا جواب نہیں دیا گیا تھا۔ دوسرے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کی موجودگی سے تنگ آ گئے ہوں۔ وہ دل ہی دل میں جھنجھلا اٹھی۔

"گڈ نائٹ ڈیڈ!" اس نے اتنی دھیمی آواز میں کہا، جیسے نہایت مجبوری میں کہہ رہی ہو۔

"گڈ نائٹ بیٹا——" یاور علی خاں نے اس کے کمرے سے باہر نکلنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور اسے مخاطب کر لیا۔

روشی نے آہستگی سے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور راہداری کے وسط میں بچھے قالین کی طرف مڑ گئی۔

ٹھیک ہی تو ہے——— ماں جتنی بھی کوئی مر کر کی طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ ایک عقابی طاقت——— جو یہاں وہاں ہر طرف سے رشتوں کو کھینچتی ہوئی اپنے ان دیکھے دائرے میں متحرک رکھتی ہے——— ماں کی کمی سے بڑی کمی کوئی ہو ہی جاتی ہے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے کچھ کھو کر بھول گئے ہوں۔ یا یوں جیسے کوئی ضروری چیز گم ہو گئی ہو اور اب دن میں بار بار اس کی تلاش جاری ہو، یا جیسے معمول کے سارے کام ہو گئے ہوں، اور سب سے ضروری کام ذہن سے نکل گیا ہو اور بہت دیر بعد یاد آیا ہو۔ ایسی خلل کی کیا کیفیت——— ایسی بے معمل اور ادھوری سی زندگی اسے بھگتنی تھی۔

اگر ماں کے پن کا احساس اسے بھٹک رہا تھا۔ کھرا تھور کے پاتال سے تب ہی باہر آتا تھا——— جب کوئی دانش بھرا لمحہ آتا تھا۔

جیسے یہ وہ بھٹک وارش بن جاتی ہے تو اپنی لوٹ پھوٹ کا پتہ دیتی ہے۔ اس پر سے یہ شقی القلب بارش——— کھلے عرصہ آب بن اسے——— خلا میں تو ناں کی ایسی طرح۔

محل کا ماحول ایسا ہوتا ہے جس کے ایک لمحے کی ایک لہر کے ساتھ جانے کب کب کا رہا ہوا قصہ——— اور لمحے کی وجہ بات لے کر سے حاصل پڑتی ہیں۔

وہ انگلی محل پر آ کر ایک کرسی پر گر سی گئی۔ اندر ہی اندر کہیں گہری تھی۔ بھنور کہیں گی اور ہوئی تھی۔ کشتی ڈگمگا رہی تھی

www.paksociety.com

لیا۔ اگر بگڑ پڑا تو صاف انکار کر دیا تھا۔

"سب ٹھیک ہے ناں بیگم؟" سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔ "آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں۔" ملازم سے متعلق کرتے ہوئے۔

وہ چونکی۔ "جی؟" آپ سے کچھ پوچھ لیں گے۔ "بتائیے کس ظلم کس جہاں میں نے آپ کو کہتے ہوئے سنا ہے۔ اگر آپ کو کچھ پریشانی ہے تو مجھے بتائیے۔ ہو سکتا ہے میں کچھ مدد کر سکوں۔" کوئی حق ہے آپ کے اوپر میرا۔ محبت اور وفا کا۔ ہمدردی کا۔ ہمدردی کا۔ ہمدردی

نہیں ملی چاہیے۔ تم اسے کیا پھر اکر ملازموں سے بھی محصول لیتی پھرتی ہو۔" وہ غصب ناک ہو رہے تھے۔

"وہ صفدر ہے نا، جس نے سلطنت عثمانیہ کا نشان اوں اٹھایا تھا۔" وہ بھی بھی نہیں ہوں۔"

"گلاب خاں! تم اپنے لڑکے کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ۔ کام کرو۔" انہوں نے نائی کو مخاطب کیا۔

وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولے۔

"تم بھی جاؤ گلاب کمر۔" وہ گلاب کمر کی سمت متوجہ ہوئے۔

گلاب کمر بھی سر ہلا کر چلی گئی۔

"ہاں کیا تھا تم نے کہیں وہی ظفری کے ساتھ جا کر۔" مجھور نے تاخ کر بات کاٹ دی۔

وہ علی خاں دم بخود اس کی شکل دیکھنے لگے۔ سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا۔

"کیا تم نہیں جانتیں؟ یہ گھر کی اوپن لائن کر تمہارے ہاتھ میں دے دیں گے۔ تمہاری آئی امت۔"

"آپ بڑا دیدہ ہے کے اوش مجھ سے ہوئی میں کام کرایا کریں۔ میں نہیں بھیجے کام کرنے کو چار ہوں، مگر میں ظفری کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ میں اس گھر کی بہو تو ہوں گی خدمت کرنے والی نہیں ہوں، مگر ایک بیوی کی طرح اس کے ساتھ رہ سکتی ہوں۔" اس نے بے خوفی اور بے باکی سے جواب دیا۔

"اسے نوکر لگانے کی کیا تک ہے، ہم نے تمہارے باپ کے ساتھ سودا کیا ہے۔"

"کیا؟ آپ سر نے ظفر کے سودے کرتے ہیں؟" وہ بے قابو اور آپے سے باہر ہوتے ہوئے انداز میں چیخ پڑی تھی۔

"تم مجھے کیا بتاتی ہو؟" وہ بھی طیش میں آ رہے تھے۔

"آپ مجھے تکلیف سے بات نہ کریں اور اس عمارت کے ساتھ اپنی کوٹھڑی میں قید کر دیں، جس کے رونے کی آواز میں سنتے رہے ہیں۔"

وہ علی خاں ہکا بکا سا اس کی صورت دیکھنے لگے۔

"آگ لگے ایسی دولت کو جو تم جیسی اولاد میں کھوٹ بھر دے۔ میں ایسی دولت پر لات مارتا ہوں۔"

"ہم دولت کے محل سے گزرتی ہوں، بات کرنے کی تمیز سے تو تم کبھی آشنا ہی نہیں ہوئی۔"

"تم اپنی ماں کو زبان دراز ہونے پر ڈانٹتے ہیں۔" وہ بھاگ آ رہے تھے۔

"وہ سب کچھ ہیں، جو آپ کر سکتے ہیں۔ میں کر سکتے کہاں کی ہمت رکھتی ہیں۔ جو فیصلہ کر چکے ہیں، اس پر عمل کریں۔ میں انتظار کروں گی۔" وہ بھی بھی کہہ چکی تھی۔

"تمہیں کھانے کا بھی انتظار ہے یا نہیں؟ کھانا چن چکا ہے۔ تم ہم سے بات کرنا چاہتی ہو، کھانے پر بیٹھ کر بات کرتے ہیں ہم۔"

"آپ کیا کھائیں گے، آپ کے لئے کھانا لے آؤں۔" وہ ملازم سے مخاطب تھا۔

"مجھے کچھ نہیں کھانا۔" وہ بھی بھی کہہ چکی تھی۔

www.Paksociety.com

مجھے عارفہ نے بتایا تھا کہ بہت حسین ہے وہ۔

عمر الٰہی اسی جیسے انہی کا ہاتھ ہو جیسے یوں سے رہا ہو

انہوں نے مسکرا کر اپنا ایک طرف ڈال دیا۔ "سنائیے بھائی! آپ اب کہاں کہاں گھومتے رہے؟ کچھ عرصے سے

بھئی گلابی شلوار قمیص میں ملبوس، بلند کی جان پہنے بالوں کی چوٹی اس کے پیٹ کے قریب کھیل رہی تھی۔

"بالو! دیکھا چاہو دن اسپتال میں رہنے کا فائدہ ہوا اور آپ کو شکل بھی یاد آ گئی۔ اس کا نام بھی یاد آ گیا ہوگا۔

خوبصورت ہے یا نہیں کس لئے کہ ہر کسی کی ناظر مرضی ہوتی ہے۔ ہمارے لئے تو ایسے ہوتے ہیں۔ ہار، چوڑی، بندی کی ضرورت ہی نہیں

کام کی؟ یا ایک ہی کو پہنے جا رہا ہے۔ کہیں کہیں کا۔"

لال خان نے مردوں کے خواص محفوظ کرنے کے انداز سے مسکرا کر کہا۔

"بھائی! آپ بیٹھیں، بھتیجہ چپ رہتی ہیں، چپ تھی ہیں۔ حال احوال بھی نہیں پوچھا؟"

انہوں نے مسکرا کر بالو کا سادہ اور گھریلو سا چہرہ دیکھا۔

"وہ تو انہوں نے پوچھ لیا۔ ایک ہی بات ہے۔" وہ بڑی سی مسکرائی۔

"آپ کتنا پڑھے ہوئے ہیں؟" وہ جیسے عریبل کا دل رکھنے کی خیال سے بات کرنے لگی۔

"چہرہ کتابی ہو سامنے

پوری خوبصورت ہو حالی ہوئی

وہ ہنس دیا۔

بالو خود کو ہونقوں کی طرح دیکھنے لگی (غریب پاگل آدمی ہے)۔

"جیسے کسی کو کھانسی کی بیماری ہوتی ہے، کسی کو بواسیر، بتا رہے ہیں اسے شعروں کی بیماری ہے۔ ذرا دل کا تم ——"

لال خان نے دوست کی طرف سے صفائی پیش کی۔

بالو زور زور سے ہنسی ہی ہوگی۔ اس کی ہنسی سے بڑا ناپ رہا تھا۔ جب اسے ہی اعتراض نہیں تو بات ہی کچھ نہیں رہی۔

"تم بیٹھو میں ذرا جوس لے کر آتا ہوں۔" لال خان نے سائیڈ سے ٹانگ اٹھا کر بالو سے کہا اور کمرے سے باہر نکل

گیا۔

"آپ اپنا خیال رکھا کریں، عارف بھائی! آپ ٹھیک ہو جائیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

بعض اوقات دو افراد کے درمیان خاموشی کسی بڑے لمحے کی سلیقہ مہارت سے بھی زیادہ خوفناک ہوتی ہے۔ دل

وحشت زدہ سا ہو جاتا ہے۔ ایسی خوفناک خاموشی کا تو ذہنی مریض ہوتا ہے جیسے طوفان سے پہلے کی خبر آ جائے۔ جسم وہاں سکون میں

آ جائیں۔ نہ جائے کیوں اسے عارفہ سے ایسی کوفت محسوس ہوئی تھی۔ اس نے بوکھلا کر گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

"بھتیجا خیال رکھتا جاتا ہے۔ تیمارداری کرتے ہیں۔" وہ سب ٹھیک ہوتا ہے بالو! اس کی جیسی پرواہ ہے وہ ضرورت

بہت مشکل سے بالو کا سفر

میری اطلاع کا پیچھا کرتا ہے۔

"آپ کی بھابی ہیں ہے، ان کے جیسے ہے ماں ہوں گے۔" بالو نے شعر تبدیل کر دی گھڑے میں ہلہ پیدا کیا۔

"ہاں کا مطلب ہوا ماں ہی ہے، اس کا دل کیا ہوتا ہے، ماں کا دل بھی اضافی ہوتا ہے، ماں کا دل سب سے بڑی چیز

ہوتا ہے، ساری زندگی ماں کے اوپر ہی بیٹھ کیل کرتی ہے۔"

"اللہ رکھے" یہ ماں کی شان میں گستاخی ہے۔ ماں صرف انسان کو ہی نہیں، قربانی میں بھی دل اس کا

بدل نہیں کر سکتا۔"

"میری ماں نے اپنی محبت کا واسطہ دے کر اپنی مرضی سے میری شادی کی تھی۔ میں نے ماں کا دل رکھا تھا اور اپنے خواب

ریزہ ریزہ ہوتے دیکھے تھے۔ وہ بے وفا خون آشام قسم کے انسان تھے، وہ ہے جنہی خواب، ان کو کرداں کے لئے قربانی ادھار لی

تھی۔ کس کی قربانی بنوں اور لی بھابی؟" وہ مسکرانے لگا۔

"انہوں نے کہا آپ ہی کو خوش کرنا پڑا ہوگا۔" بالو اپنے مؤقف پر ہی ہوئی تھی۔

"ہاں، وہی سہی، وہ پہلی فوقیت دی تھی، وہ میرے لئے۔ میری حکومت کے ہاں فوج کے ٹھیک پانچ مہینے بعد ایک صحت

مند بچے کی ولادت ہوئی۔"

"پانچ مہینے بعد ——؟" بالو نے ساختہ بول پڑی، پھر ایک دم خجل سی ہو کر چپ ہو گئی۔

"جی ہاں، پانچ مہینے بعد ساڑھے آٹھ پونڈ کے بچے نے بچے ماں کا دل خوش کرنے کی وجہ سے انتظام کیا ہوا۔"

بالو کے ہوش اس طرح ایک دوسرے میں پیوست تھے، جیسے آپس میں کھیلنے لگے ہوں۔

اگر چہ وہ ایک عیاش لڑکی تھی، مگر مارے شرم کے وہ سوال نہ کر پا رہی تھی۔

"آپ نے محبت کی لڑکیوں کے ساتھ کی ہوگی، ان میں بھی کسی کو خصب ہوئی ہوگی۔ ایسی لڑکی کو آپ کیا کرتے ہیں گی۔"

"یہ اصول غلط نہیں ہے، تو رہا ہوں۔" لال خان اپنی مخصوص تیز طراری کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

"بالو! جوس پیو، کوئی دعوت نہیں ہے، پیتے ہیں، دوا کی طرح ہے، دوا کی طرح نہیں۔" اس نے بالو کے پیچھے بیٹھ کر سمجھایا۔

"ہو گیا ہے، کچھ نہیں ہے، کمزور ہو گئے ہیں، ٹھیک ہو جائے گا۔ شاباش تکلف پیو اور ہاں آپ تو نہیں ہے پینے

والے کا پتہ؟"

وہ لڑکی اس بے تکلفی پر ہنستے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ "وہ آگے تحسین نہیں کرے گی۔ اس طرح کی چیز کی پیتے ہیں کہ وہ

کھل جائے۔"

اس نے ہونٹ بھینچ لئے، بالو سے نظریں ہٹا کر گلاس اس کی سمت بڑھایا۔

عارفہ نے مسکرا کر اس کا تیور سنا اور گلاس تھامتے ہوئے، کن انکھیوں سے بالو کی طرف دیکھا۔

سے کہ میں اب بھی ڈر آتا ہے سے لوٹی کے وقت

کیا خبر تھی اکبر اتنا پڑھا ہو جائے گا!!

www.Paksociety.com

جمہور کی مظلومیت اس کے سینے پر ہاتھ مارنے لگی۔

"ہم خاندان سے باہر شادی کے خلاف تھے۔ ہم نے اپنی بیٹیوں اور بیٹوں کی شادیاں خاندان ہی میں کی ہیں۔ مگر ہم نے سوچا تھا کہ ہم اپنے بیٹوں کے لئے لڑکیاں باہر سے لائیں گے۔ ہماری بیٹیاں کسی اور کے گھر جائیں گی۔ ہم ن

ایک بھولی سے کھنک دار ہنسی آس پاس بنائی دینے لگی۔ کلیوں کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

فیروزی سلک کے پاجامے اور دوپٹے اور نیاز جال کے کرتے میں ایک شوخ وجود کے بجائے ان گنت رنگوں میں دوڑنے بھاگنے لگا۔ ماحول میں آتش بازی پھوٹ رہی تھی۔ آرپار کی میں مبتلا کر دینے والا سراپا۔ دل کھول کر ہنستی ہوئی موتیوں جیسے دانتوں کی چمکار ہاتھ میں ہاتھ پھنسا کر ہنسی سے دہری ہوتی ہوئی۔

مناسب جسم کے خوان میں آگے لگا دینے والے زاویے۔ جیسے خوشی اور ہنسی کے فیصلے سے گدھا ہوا وجود جیسے روشنیوں کے ناچنے رہنے سے ہرا سراپا۔

جیسے خوشبوؤں کی متوالی قسیم۔

"چلیے جانے دیجیے"۔ انکی بے تکلفی ہونے پر حیرانی تھی ایک دم معدوم ہو چکی تھی۔ کچھ اثر تو تکلف اور پر تکلف تھا۔

"اب بتائیے کیسے زحمت کی؟"۔

"دراصل آپ کا رتبہ تو ایسا ہے کہ اس طرح کی "زحمتیں" ہوتی رہنا چاہئیں"۔ وہ ان کے تبدیل شدہ انداز پر اپنی تیز بیلی بھپاتے ہوئے بولے گئے۔

"وہ اس کی بات پر خاموش رہے"۔

"وہ تھی کہاں ہے؟" اس کا خیال تھا وہ اس کے سوال پر چونک اٹھیں گے مگر ان کا انداز بدستور رہا۔

"جس سوال کا جواب آپ کو معلوم ہے اس کو کرنے کا فائدہ؟" وہ تلخ نگاہ سے تھے۔

"آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ مجھے اس سوال کا جواب معلوم ہے؟" اس نے الجھن کا اظہار کرنا چاہا۔

"آپ گھر کی خواتین سے ملی ہوں گی ظاہر سے ملی ہوں گی یا تکا اہم سوال ہے کہ آپ کے فوراً سے پیشتر کیا ہو گا اس پہلے شخص سے جو آپ سے ملا ہو گا"۔ انہوں نے اپنی سرخ نگاہیں لمحے بھر کو اٹھائیں۔

"تو آپ مانتے ہیں کہ یہ ایک اہم سوال ہے لہٰذا جس سے متعلق ہے اس کی اجازت میرے لئے کیا ہو گی؟"

اسے لاجواب ہونا پڑا تھا۔ اس کے سامنے وہ تھا جو اپنی آنکھ کا اہم پرزہ تھا۔

"ضائع کی کوئی وجہ ہی نہیں"۔ وہ مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔

"پھر آپ نے میری موجودگی کے باوجود اسے کیوں بھیجا؟" وہ جھنجلی چھپانے میں ناکام رہی۔

"اسے میں نے نہیں بھیجا۔ سب بچوں کا پروگرام تھا"۔ وہ محظوظ ہوئے تھے۔

"پروگرام تبدیل بھی کئے جا سکتے ہیں۔ کیا میری اتنی بھی اہمیت نہیں کہ میری خاطر پروگرام بدل دیتی"

"بیٹے! ایسا بھی کہہ سکتے ہیں اسے مگر میں تو آپ کی خاطر ٹھہرا ہوا ہوں ہاں۔ حالانکہ مجھے آج ایوننگ پر ہونا چاہیے تھا۔ میں کبھی کسی اہم جلسی میں بھی مس نہیں کرتا مگر آپ کی خاطر"۔

اپنے کام سے کام رکھنے والا انسان کم ہی ملتا ہے اس طرح کا ملنا تو اور بھی مشکل ہے وہ بھی بیک

وقت کئی۔

"کیا واقعی ایسا ہے؟" وہ قدرے شرارت سے مسکرائی۔

"اس میں کیا شک ہے۔ یہاں سے لے جانے والی ہر چیز ہوا ہے۔ ایک شوخ بچی کی طرح کھیلنے لگی تھی۔ وہ بھی بچوں کی طرح ہنسنے لگے۔ بچوں کے اپنے ذہن اور ترجیحات ہوتی ہیں۔ ان کی اہمیت سے ہماری زندگی بہت سے گلے بن جاتی ہے۔ مگر بہت کچھ جانے والوں کو درگزر سے کام لے کر انہیں معاف کر دینا چاہیے"۔ انہوں نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بہت ہی نرم لفظ اور دھیمے لہجے میں کہا۔

"مگر یہاں کے جو بڑے ہوتے ہیں ان کا بھی تو کوئی فرض ہوتا ہے۔ یہ تو بڑوں کا کام ہے کہ وہ بچوں کی اہم یا غیر اہم"۔

"آپ کو بھی کہیں آپ کی کوئی دلیل ایسا جواز نہیں دے سکتی کہ میں مطمئن ہو جاؤں"۔

"آپ کی ہر میں دلیل کی اہمیت بھی نہیں ہوتی۔ میں آپ سے صاف صاف خود ہوں روشنی کی طرف سے"۔ وہ بیٹا سگریٹ نکال رہے تھے۔

"روشنی کی صفت کی تو ضرورت ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ قصہ ہے۔ اسے جیسے ختم ہوا اس نے کہا۔

"میں آپ کی غلط فہمی کا ازالہ کرنے سے قاصر ہوں"۔ سگریٹ سلگا کر یاور علی خان نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"جی نہیں۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہوں اور اپنے کانوں سے سنتی ہوں۔ کوئی کوئی بوجھے میں نے کیا دیکھا ہے کیا سنا ہے"۔ وہ پاور بول کر اپنی حقیقی کو خود دیکھنے لگی۔

لائٹر یاور علی خان کے ہاتھوں سے پھسلا تھا۔ انہوں نے جیسے اپنی حالت پر قابو پانے کی خاطر جلدی جلدی دو تین کش لگائے۔

"کئی گھنٹے ناحول ہونے سے تو بہت کی باتیں جوڑا سکتی ہیں"۔ وہ بہت آہستگی سے دھواں سر سے خارج کر رہے تھے اور ٹھہر ٹھہر کے بولنے والے سلسلے اور مرحلوں کو ملحوظ رکھ رہے تھے۔

"کیا یہی پوچھنے والی باتوں سے اہم بات سوال ہے ہو گا کہ میں"۔ انہوں نے اپنی مخصوص پوزیشن پر بیٹھا تھا۔

"وہ ہی تو ہے۔ ستم پر ستم ہو جائے"۔

"خفا۔ اس گھر میں تم رہنے والوں کی کیا کمی ہے کہ رات کے اندھیرے میں کوئی مجرم ان کی حیثیت سے داخل ہوا ہے۔ تم بھی کیسی ہو۔ تم جھاڑو کرتا ہے اور چلا جاتا ہے"۔

اسے یقین تھا وہ اس بات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس کا جی چاہا بچوں کی طرح تالیاں بجا کر خوشی سے نعرہ لگائے "وہ ہا"۔

"اس لیے کہ وہ مجرم ہی ہے۔ وہ مجرم ہے جو اپنے ہاں بھی ہوتے ہیں۔ آپ نے کہا ہے اور کہیں بھی

"مجھکس"۔۔۔ ہان کی آنکھوں میں واقعی خوشی سے نمی آ گئی۔

"آپ بات ہوئی ہیں۔۔۔ مدت میں تو ابو کہہ رہا تھا۔ ایئر پورٹ صاحب کا کئی بار انتظار میں اٹھایا ہوا ہے آپ کی وجہ سے"۔

"مجھکس دیکھیں"۔۔۔ وہ بولنا تھا تم کے انسان سے آنکی قوت اور موبائل کے انحصار پا کر واقعی خوش ہوئی تھی۔

باری کا ہاتھ آ گیا تھا۔ ہاں وہ اسپتال میں اس کی سخت ضرورت پیش آ گئی تھی۔

"وہ بابا صاحب کے ساتھ شہر آنا چاہتا تھا تو اسے شہر میں ہی اچھوں کام پیش آ جاتے تھے۔ صبح فیکٹری گیا۔ وہاں سے ایئر پورٹ گیا۔ سیٹ کنفرم کرائی۔ شام ہوا پھر گھر آ گیا۔ بہت تھکا ہوا تھا۔ بہت تھکا ہوا تھا۔ بہت تھکا ہوا تھا۔ وہاں کی بھاگ دوڑ سے فرصت پا کر بابا صاحب کے بدلیں پانچ سو حساب کتاب کو کے کاغذ اور چیک وصول کیا۔

تین بجے کے بعد گھر آیا۔ بمشکل وہ چار گھنٹے ہی سو سکا تھا کہ فیکٹری سے منیجر کی کال آ گئی۔ بابا صاحب سیڑھیوں سے گر گئے تھے۔ بابا اسے فیکٹری کا دوسرا چکر لگانا پڑا۔ گھر سے فیکٹری زیادہ دور نہیں تھی چار بجے تک واپس آ گیا۔ عطری جلدی کپڑے بدلنے میں لگ گئے۔ غسل کر کے نکلا تو ہان کمرہ آ کر فیصل پر تو سوری کی فیصل ہوئی۔ بڑی سخت علالت ہوئی۔ ڈاکٹر بھی گاڑی لے کر آیا تھا۔ باری کو ایئر پورٹ بھیجا کر اس نے بابا کو بھی لینے جانا تھا۔ وہ شرٹ بانہوں کندھے کمرے سے باہر آیا۔

"کلو"۔۔۔ اس نے آواز لگائی۔

"تھوڑا کھو صاحب ادھر ادھر کہیں پانی جاتی ہوں تو سامنے آ جائیں۔ سخت ضرورت ہے"۔ اس نے راہداری کے سرے پر کھڑے ہو کر صدا لگائی۔

"وہ گیٹ پر کھڑی ہوئی ہے۔ بہت تیزی میں ہو"۔ معاً روشی سامنے آ گئی۔

وہ کلو اور ہان میں خود کو اس کے سامنے پا کر قدرے خجل سا ہو گیا "ایئر پورٹ پہنچنا ہے۔ ویسے ہی بہت بڑی مشکل سے ٹلی ہے"۔ وہ جانے کیوں نظریں چرا گیا۔

"جانے ہو؟" اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"کی"۔

"کھوی آف کرنے جانے کی؟" وہ مسکرائی۔

"کوئے نہیں۔ یہ شرٹ بھیجنا ضروری کی ہے۔ میں تو خود ہی کرتا مگر یہاں تو کہیں آس پاس اسٹری بھی نظر نہیں آ رہی"۔

"روشی نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے شرٹ لے لی اور گئی۔ بہت بڑھ گئی۔ وہ ابھی تک پر کمرہ ہوا کھڑا رہ گیا اور شرٹ کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اس خیال نے اسے نہیں کیا کہ کپڑے استری ہو کر آئیں گے"۔

ہاتھ سے بھوری شرٹ ہاتھ میں لے کر اسی تیزی سے واپس آ گئی۔

"ہو گئی ہے جلدی میں ایسی ہو گئی ہے۔ بہرحال آپ ابو کو"۔ وہ اسے شرٹ تھما رہی تھی اور وہ شرٹ لے کر ہاتھ

کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے پاس سے بے پروائی سے گزر گئی۔

"مطلب آپ بہت جلدی ہو۔ کوئی کام ہو تو بتا دیں"۔

"نہیں تم تکلیف کی ہو۔ بہت ہی مہربانی ہو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ملازم کوئی صحیح کی نہیں ہے۔ ہاں مگر تم ضرور ہو"۔ وہ ان سے خاصے فاصلے پر رک کر اپنے محسوس ارادے کی گواہی دے گیا۔

"ابو آ گیا ہے؟ پیسے بھی جا رہے ہو؟"

"ابو ہے۔ اصل میں کام "سرائے" رکھنے ہے۔ ابو سے سے تو نہیں آ رہے"۔ وہ بہت سنبھل کر ان سے مخاطب تھا۔

"مگر تمہاری ضرورت تو یہاں بھی بہت ہے"۔ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"کام کے بعد کی تو پھر بھی ضرورت آتی ہے"۔ وہ بابا کی ہدایت نہ کر گیا۔ جواب دیا۔

"ہاں بھئی۔ باری۔ کام کے تو تم بہت ہو"۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔

باری شرٹ بہن کر فون لگا رہا تھا۔ غور سے اسے جاتا دیکھنے لگا۔

"ہوٹل کی طلی اصلی رکھتی ہیں"۔ روشی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

"مگر بہت مدد بھی ہو سکتی ہیں۔ آنکھیں کھل رکھتی ہیں۔ آپ کو اختیار کرنا چاہیے۔ آپ کیلئے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں"۔

"اور تمہارے لئے؟" وہ دنیا میں بھی خاصی دور تھی۔

"میں تو خود ہی مسئلے ہوں۔ میرے کوئی مسئلے نہیں ہیں۔ آپ بس لکھا ایک کمپیوٹر فون کر لیں"۔ اس نے آگے کی سمت قدم بڑھا دیئے۔

"جا کر فون ضرور کرتا"۔ اس نے تاکید کی۔

"وہ میں خان کو ٹرائی کا کی"۔

روشی کی ادا نے اسے آگے بات سے روک لیا۔

"اور ہاں اگر خالہ دیا ہو تو فون پر میری ان سے بات ضرور کرا دینا"۔

"میں؟" وہ پھر آگے بڑھا۔

"ہاں میں"

"اور ہاں سنو"۔

"جی!" وہ پھر رک گیا اور ریسٹ واچ پر نظر دوڑانے لگا۔

روشی کو اس کی ریسٹ واچ سے اوقات کا سایہ تھا۔ "تم تو خود ہی گھڑی ہو کیوں گھڑی باندھے پھرتے ہو؟"

"آپ کیا کہہ رہی تھی؟"

"جاؤ تم سے کچھ نہیں کہہ رہی"۔ وہ خفا ہو کر بولی تھی اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

وہ گہرا سانس لے کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

یا را بھی پر ساری معصومیت ظاہر کرتے۔ بھوکی شیر نیں بھی آ ہی جاتی ہے۔"
اور یا تو ——— وہ ان دونوں کے درمیان تھی کہ ——— اس کا ذہن ان ۳۲ سالہ کے بوجھ سے شل ہو رہا تھا۔ کچھ بھی عارف سے نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ اس کے اٹھے ہوئے انداز نظر سے عارف خاصا مطمئن ہو رہا تھا۔ [illegible]
تھا۔

انہیں جیب خرچ کی کوئی خواہش کرنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آتی۔ جو تنخواہ یا مزدوری ملتی، اس کے بارے میں کافی طویل قطار کسی غیر معمولی واقعے کی منتظر تھی۔ وہ گیٹ میں داخل ہوئے تو آس پاس کوئی شخص ایسا نہیں تھا، جو انہیں پہچانتا ہو۔ اور اپنی آمد کی اطلاع انہوں نے جان بوجھ کر نہیں دی تھی کہ سب یاں کو سرپرائز ہو گی۔ جگہ گھر میں پہلے ہی سرپرائز غیر معمولی ہے۔
ٹیکسی سے اترنے کے فوراً بعد ان کی نظر گیٹ پر سو رہے چوکیدار پر پڑی تھی۔ انہوں نے ویرینگ کو اطمینان کرتے ہوئے تھا۔
"یہ لحمان صاحب تک پہنچا دو۔"
"وہ پشت پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگے۔ روشنی اور ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی نوجوان کے سوٹ کیس ہی واپس آتے دکھائی دیئے۔
تھوڑی ہی دیر بعد، ایک ۱۸ سالہ وجیہہ نوجوان چوکیدار کے ساتھ باہر آیا۔
"السلام علیکم! اپنے گھر میں خوش آمدید کہنے سے پہلے ہی گھنٹے ہیں بعد ہو گئی۔"
وہ بے اختیار یاور علی خاں کے گلے لگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یاور علی خاں نے بھی جواباً لحمان احمد کی پشت تھپتھپائی پھر بولے کچھ نہیں۔ لحمان ان سے ذرا الگ ہو کر ٹیکسی سے اترتی ہوئی روشنی کی سمت متوجہ ہوا۔
"السلام علیکم ماموں!" وہ بہت دھیمی آواز میں کہہ سکی تھی۔
"روشانے!" لحمان احمد نے یاور علی خاں کی سمت والہانہ انداز میں دیکھا، پھر سلام کا جواب دیا۔ بظاہر عام طور پر، لیکن سوچ سے الگ سہما آیا تھا۔ اس سلسلے کے انداز بھی بدلے ہوئے تھے۔
"آیئے بھائی صاحب! مہمان خانہ [illegible] لے چلتے ہیں۔"
وہ ان دونوں کو لے کر اس کمرے کی طرف بڑھا، جہاں مہمانوں کی موجودگی کا یقین تھا۔ دروازے میں خاصی خواتین کھڑی ہوئی تھیں۔ آنے اور جانے والے دونوں ہی کسی قسم کی رسمادا سے لئے تیار نہیں تھے، لہٰذا جتنے کے طور پر دروازے میں پھنس گئے تھے۔
"پلیز! آپ لوگ راستہ دیجئے۔" لحمان احمد خواتین سے مخاطب ہوا۔
"کون ہے؟ کون ہیں؟ کون ——— ؟" سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔

[illegible] ہو گئی ——— وہ ہجوم کے [illegible] ہو گئے۔ "لحمان احمد ایک خاتون سے مخاطب ہوا۔
جواب دے رہا تھا۔
کمرے میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ مرد حضرات خواتین کا جوش و خروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا ——— کوئی بڑا حادثہ ہو گیا ہے کہ [illegible] ہو گئی تھی تو کوئی رشتے کو لگے تار ہی تھی۔
[illegible] ایک خاموش اور آزاد حادثہ ہو گیا ہے کہ ——— آ کر لحمان سے مخاطب ہو گئے تھے۔
"اوں ہاں تم ایک [illegible] ہو گئی ہے؟" لحمان احمد ایک خاتون سے مخاطب ہو رہا تھا۔
"ابھی تک آ ہی نہیں؟" لحمان احمد ایک خاتون سے مخاطب ہو رہا تھا۔
"نہیں!" جواب ملی تھی۔
باہر جانے والے راستے کے ایک کنارے پر بے شمار ہاتھ پاؤں بکھرے ہوئے تھے۔
روشنی کی طرح آس پاس کی طرف بڑھی۔ ماہین کے رخسار پر ایک تو ہوئے آنسوؤں کے بہنے کے نشان تھے۔
لحمان نے یاور علی خاں کو ماہین کے قریب کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا، پھر انہیں تھپتھپا کر کرسی تک لایا۔
ہیں اسی لمحے ڈاکٹر کی آمد کا غلغلہ ہوا۔ [illegible] ہو گئی۔
محل واقعہ کے دوران ہی ماہین بڑبڑا کر اٹھ گئی تھی۔ جانے ڈاکٹر نے روشنی میں کتنی علامتیں دیکھی تھیں، کہ ایک تجربہ کار ڈاکٹر کی طرح ترچھی کر کے بیٹھ گئی ہے۔ ماہین اس طرح ترچھی کر کے بیٹھ گئی ہے، جیسے بجلی بھر گئی ہے۔
"آپ ہیں!" اس نے ہوش میں آتے ہی سسکاری لی۔
"ماہین! دیکھو کون بیٹھا ہے تمہارے پاس؟" لحمان نے اسے ماہین کی طرف متوجہ کیا۔
ماہین نے دیکھا، سر جھکا لیا۔ [illegible] ہو گئی ہے۔ سر جھکا، ماہین کی بیوی نے بشکل اٹھا کر آواز کی سمت دیکھا، قدرے چونکی، جیسے یقین نہ آیا ہو۔
"آپ آئے ہیں؟ آپ؟ کتنا ترسایا ہے آپ نے میرے دل کو ——— کتنے مطلس ہیں آپ، آپ کی بھولی میں میرے [illegible] ہو گئی ہے۔ آپ کے لیے ایک خوشی بھی نہیں تھی۔ کیا ضرورت تھی اب آنے کی، جنہوں نے آپ سے [illegible] ہو گئی ہے۔ جب [illegible] ہو گئی ہے۔" وہ ہسٹری کی طرح رو دی۔
یاور علی خاں [illegible] ہو گئی ہے۔ پر ہجوم چہرے کے ساتھ اس طرح بیٹھے ہوئے تھے، جیسے کوئی خطرناک جرم سننے والے ہوں۔ کمرے کی چہار دیواری میں [illegible] ہو گئی ہے۔ اپنی [illegible] ہو گئی ہے۔ کی محسوس کرتے ہوئے مصلحتاً خاموشی اختیار کر رہا ہے۔
روشنی اپنی جگہ سے اٹھی اور ماہین کی سمت بڑھی۔ اسے بہت سارا رونا آ رہا تھا۔ وہ بہت سارا رونا چاہ رہی تھی۔ اس سے [illegible] ہو گئی ہے۔ وہ آگے بڑھی اور ماہین کے گلے لگ گئی۔ اب دونوں طرف خاموشی تھی۔
خواتین دونوں کو خاموش کرانے میں لگ گئیں۔
لحمان احمد، ڈاکٹر اور یاور علی خاں تینوں ہر دو کی [illegible] ہو گئی ہے۔ سے [illegible] ہو گئی ہے۔
"آیئے بھائی صاحب! ہم اس طرف چلتے ہیں، جہاں [illegible] آیئے پلیز ——— " لحمان احمد نے یاور علی خاں کو مشکل

سے نکالا۔

وہ دل کو تسلی دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

ماحول اور ہی تھی۔ آنکھیں تکلیف محسوس کر رہی تھیں مگر بار بار سے ٹپ ٹپ گرنے سے ان کے اندر کی جلن کچھ کم ہو گئی تھی۔ گلا بھی نہیں جل رہا تھا۔ وہ ٹانگے کو کیبانہ کے ہزاروں میں سے بچا کر سکون سے لے گیا۔

نعمان نے راستہ سمجھایا تھا اور انہیں نے کر اس جگہ کی طرف بڑھا جہاں حبیب احمد کا مکان تھا۔

نعمان احمد بہت صبر و استقلال کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس نے علی خاں سے ملاقات کی۔ اپنی مشکل کی وجہ سے بہت اچھا تاثر پشت پر ہاتھ باندھے، جبڑے بھینچے اس کے ساتھ قدم اٹھا رہے تھے۔ کیا کیا کچھ انہیں یاد آ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں سرخی گہری اور ہی تھی، مگر آج کے ماحول میں اس سرخی پر کون چونکتا، ہر آنکھ میں یہی سرخی تھی۔

سہ پہر کے سائے ڈھلنا شروع ہو گئے تھے، مگر حویلی پر ابھی سکوت طاری تھا۔

حاکم بیگ اور ان کی بیوی اور بچے کو اندر والی پورشن میں جا کر اک گئی۔

کھوکھر جیپ کے پیچھے دوڑا تھا۔ اور لگاتار دروازہ ایک لمحے کی بھی تاخیر کے بغیر کھول رہا تھا۔ اندر کے ماحول میں جیپ کے ایک پرشکوہ سناٹا جیپ سے اتر رہا تھا۔

"میں مردانے میں ہوں۔ بابا صاحب کو اطلاع دے دو۔" یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا مردانے کی طرف چلا گیا۔

"السلام علیکم کاکا جان!" سامنے سے جواد آ رہا تھا۔

جواد نے قدرے چونک کر جواد کی شکل دیکھی۔ "وعلیکم السلام!"

"بابا جان تو اپنے کمرے میں ہیں۔" جواد نے انہیں اطمینان دلایا۔

"میں ان سے ادھر ملوں گا۔" جواد نے قدرے کھائی سے جواب دیا۔

"جلدی میں ہیں؟" جواد نے قدرے بجھے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں!" سابقہ انداز میں جواب ملا۔

"اور سب کیسے ہیں گے؟" جواد نے خود پر قابو پا کر بالکل اجنبیوں کے انداز میں سوال کیا۔

"ٹھیک ہیں۔ تم کہیں سے ہمارے پاس۔" جواد اور آگے بڑھ گیا۔ جواد پتھر بنا، پھر سر جھٹک کر اپنے کام میں لگ گیا۔

اسے حیرت کا شدید جھٹکا پہنچا تھا۔ بابا صاحب غیر معمولی تیزی سے اس طرف آ رہے تھے۔ وہ ٹھہر گیا۔

"تیمور احمد ہے؟" انہوں نے رک کر دریافت کیا۔

"جی۔۔۔ اندر ہی گئے ہیں۔ اور بابا جان ہی ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ جواد علی خاں آگے بڑھ گئے۔

تیمور علی خاں نے ہال کا دروازہ بند کر دیا تھا اور کارنر صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ چہرے پر تفکر کے گہرے سائے

دیکھے جا سکتے تھے۔ انہوں نے جیب سے پائپ نکالا۔ تمباکو بھرنے لگے۔ پھر کچھ سوچ کر رک گئے۔ پائپ جیب میں رکھ لیا۔ اور ہال میں لگے چھوٹے پنکھے روشن کرنے لگے۔ اس اس وقت گھٹن کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ علی خاں کی آہٹ کا انتظار تھا۔

"بہت گہری سوچ میں ہو۔" ہال کا سکوت داور علی خاں کی آواز سے یکلخت ٹوٹ گیا۔ تیمور علی خاں چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"السلام علیکم!" انہوں نے جھک کر ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" داور علی خاں ان کے قریب ہی بیٹھ گئے

"کیا ضروری ہے کہ سارے گھر میں گھر والوں کی تصویریں پھیلا دی جائیں۔ اس ایک تصویر میں تمہارا چہرہ بجھا بجھا لگتا ہے۔" تیمور علی خاں کے انداز و تکلم میں باپ کا عکس واضح تھا۔

"مگر اس میں قباحت کیا ہے؟" داور علی خاں کے انداز میں ناراضگی کی تھی۔

"جن کی موجودگی کا احساس ہم نہیں کر پاتے۔ وہ موجود محسوس ہونے لگتے ہیں۔" تیمور علی خاں نے خاصی بیزاری سے جواب دیا۔

"آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟" انہوں نے بات کر کے داور علی خاں سے سوال کیا۔

"تمباکو پیتے ہیں۔ تمباکو۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور دیوار میں نصب ایک خفیہ الماری سے ایک ڈبہ نکال لائے۔

"علی خاں!" وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"سرسوتی سے کہو، بھوسر کریاں سلاد سے۔" وہ آرام سے بیٹھ گئے۔

خادم باہر چلا گیا۔ تیمور علی خاں انہیں باپ کی شکل دیکھنے لگے۔ کمرے میں خاموشی۔ دونوں کے درمیان ایک گہری خاموشی کا پردہ حائل رہا۔

تقریباً پانچ سات منٹ بعد ہال کا دروازہ کھلا۔ سرسوتی بھوسر کے ساتھ داخل ہوئی۔ اور دونوں دروازے ہی میں رک گئے۔

"مہتاب بیگم کہاں ہیں؟" بھوسر نے ادب سے دریافت کیا۔

"السلام!" تیمور علی خاں کے چہرے پر الجھن کی لہریں ابھرنے لگیں۔

"سرسوتی اتم باہر جاؤ۔ کسی کو اندر مت آنے دینا۔ باہر ہی کھڑی ہو کر دروازہ انتظار کرو۔" سرسوتی الٹے قدموں واپس چل دی۔

بھوسر دروازے کی طرف پشت کر کے ادب سے کھڑا ہو گیا۔ ہاتھی دانت کی تراش دار چاندی کی پرزی لگا پائپ تمباکو سے بھرا جا رہا تھا۔ ایک لمبا کش لگا کر داور علی خاں نے دھواں چھوڑا۔ پھر ڈبہ تیمور علی خاں کی طرف بڑھا دیا۔

www.Paksociety.com

تھا۔

"تمہارے خان اس وقت ہم پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔" کہا تھا۔ "داور علی خان کی وفاداری کا ثبوت دینا چاہتا تھا۔"

"کیا کہے گی یہ؟ اور کیوں؟ اور اب یہ بھی کہا کہے گی؟" تیمور علی خان نے بگڑے ہوئے انداز میں کہا۔ جھومر خاموش رہی۔

"اب کیوں خاموش ہو؟ جس طرح تمہاری اس گز کی زبان چل رہی تھی۔ بند کرو اسے۔ اس کو کھاؤ۔" داور علی خان اسی سے کہہ رہے تھے۔

"اس کی یہ مجال۔ اس نے آپ سے گستاخی کی ہے بابا صاحب؟" تیمور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جھومر کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ ان کے لہجے میں غضب تھا۔

جھومر نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"تکلیف ہو رہی ہے باپ کی؟" وہ حقارت سے پوچھ رہے تھے۔

"وہ میرا باپ نہیں ہے خان!" جھومر نے قطعی انداز میں بات کو واضح کر دیا تھا۔

"اگر وہ میرا باپ ہوتا تو مجھے زندہ دفن نہ کرتا۔ کہیں ہزار روپے کی مزدوری کر لیتا۔"

"تم جیسے لوگوں کو عزت راس نہیں آتی شاید۔ کیا تکلیف ہے تمہیں؟" تیمور علی خان بیٹھے ہوئے داور علی خان کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"تو اب کیا ہے مجھے یہاں؟ بیچ دیا ہے۔" وہ بہت دھیمے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"کیوں جھومر کی مرتی ہو تم؟ کیا رشتے نہیں ہیں تمہارے پاس؟" وہ غصیلے ہوئے۔

"آپ نے میرے ساتھ یہ سب کیا تو مجھے بچا لیا کیوں تھا؟" وہ آنسو پی رہی تھی۔

"تمہیں حویلی میں عزت دینا تھی اس لیے یہ حویلی کی تھی۔ مگر لگتا ہے تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہوئی۔"

"مگر میں حویلی کی عورتوں میں تو شامل نہیں ہوں۔ کیا فرق ہے مجھ میں اور سرسوتی میں۔ وہ بھی خدمات بجا لاتی ہے اور میں بھی۔ انداز مختلف ہیں بس۔"

"کیا چاہتی ہو تم؟" تیمور علی خان کے چہرے سے غصہ بھی جھلکنے لگی۔

"مجھے آزاد کر دیں۔ یا مجھے کنیزوں میں شامل کر لیں کسی کی طرح کے کام لیں مجھ سے۔"

"تم ظفری کے نکاح میں ہو۔ میں یا بابا صاحب تمہیں آزاد نہیں کر سکتے۔ اس کا حق صرف ظفری کو ہے۔"

وہ بہت ضبط کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"خان۔ اگر میں مجھ دن اور ظفری کے ساتھ رہی تو پاگل ہو جاؤں گی۔ آپ مجھے مرنے دیں۔" وہ بچوں دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا کر بلک بلک کر رو دی۔

"تم ظفری کا مال ہو۔ اس کا خیال رکھے گا۔" وہ آہستہ سے کہتے ہوئے

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس نے شاک سے کہا۔

"بابا صاحب نے کہا ہے۔"

"مگر میں کہہ چکی ہوں۔" وہ چیخ اٹھی۔

"تم کہہ چکی ہو۔ بابا صاحب کی سماعتیں محو خواب ہیں۔"

"سوچی تھی تم نے کہ تم صرف کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر کی وجہ سے ہمیں چھوڑ دو گی۔ ہم تمہیں اس عورت کی وجہ سے کیسے چھوڑ دیں جو ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ ہم تمہیں کسی کی بھی سزا سے نکلنے نہیں دیں گے۔ ہم نے اپنی قسم کھائی ہے۔ بابا صاحب سے سوائی بگھوان آکر تمہیں نکالنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔"

جھومر تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے کوئی نہیں بچا سکتا خان۔ میں نے اب تک بہت کچھ برداشت کیا ہے۔ اب نہیں کر سکتی۔"

"تمہیں زبان چلانے کی عادت ہو گئی ہے۔ سر پر چڑھا رکھی ہے۔ تم جیسی عورتیں کہ جو اپنے شوہر کے قابل نہیں ہوتیں۔ تمہاری زبان قینچی کی طرح چلتی ہے۔ ہم عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ تمہاری تمام تر بدتمیزی ہم برداشت کر لیتے ہیں۔"

تیمور علی خان جیسے مشکل سے ضبط کر رہے تھے۔

"اللہ اللہ۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی خان۔ نہیں تو آپ مجھے یہیں گولی مار دیں۔" وہ چیخی تھی۔

تیمور علی خان باپ کی طرف مڑے۔

"بابا صاحب انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

"مگر ظفری؟"

"آپ فکر نہ کریں۔ ابھی نکاح کا کام نپٹا دیتا ہوں آپ کو۔ جلاد کی ادا پہ فدا ہونے کے لیے ظفری ہی کافی ہے۔" تیمور علی خان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

جھومر کا چہرہ کاغذ کی طرح سفید پڑ گیا۔ وہ خان کے اس طرح مشتعل ہونے سے پہلے کبھی نہیں ملی تھی۔

"غرق ہو یہاں سے۔" وہ چلائے۔ داور علی خان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئے۔

"فکر نہ کریں بابا صاحب سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مگر ہم یہ بدتمیزی نظر انداز نہیں کریں گے۔" داور علی خان ایک بار پھر کسی کے ہاتھوں بری طرح گھائل تھے۔

"آپ دیکھیے بابا صاحب۔ بہت جلد خوش ہوں گے آپ۔" تیمور علی خان گہری سوچ میں داور علی خان کے کسی اور سے شکوہ کرنے سے پہلے ہی بول پڑے تھے۔

www.Paksociety.com

"ہم تو ظاہر ہے [illegible] مگر جانے والے [illegible] آرام [illegible] سے بات کریں۔ [illegible]
ہے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"فی امان اللہ بابا صاحب۔"

"جاتے ہوئے مل کر نہیں جاؤ گے؟" وہ جاتے جاتے رک گئے۔ "[illegible]" وہ کچھ بتانے کو [illegible]
اچانک [illegible] آیا۔

"رات کو آرام سے فون پر بات ہوگی۔ [illegible] مجھے جانے کی جلدی ہے۔" وہ عجیب انداز میں [illegible] سے [illegible]

"اور [illegible] کیوں بیٹے اس [illegible] کی باتیں۔ [illegible] تمہیں زحمت دی۔ اچھا خیر خدا حافظ۔" وہ
اپنے مخصوص انداز میں [illegible] ہلاتے [illegible] باہر چلے گئے۔

تیمور علی خان نے اپنی [illegible] آنکھوں میں [illegible] انگلیاں [illegible] سگریٹ [illegible] کر [illegible] دیکھنے لگے۔ [illegible]
کے [illegible] تھے۔ ہر تصویر [illegible] رہی تھی۔ چہرہ [illegible] لڑکی اس سے [illegible] رہی تھی۔

عصر اور مغرب کے درمیان [illegible] احمد کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ گھر سے زیادہ تر مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ خاصا سناٹا
تھا۔ چند خواتین ڈرائنگ روم میں [illegible] پڑھ رہی تھیں۔

اگر بتی اور کافور کی مہک [illegible] میں وحشت سی پیدا کر رہی تھی۔

یاور علی خان سفید شلوار قمیص پہنے سر پر جالی کی ٹوپی لگائے نعمان کے ساتھ ماہین کے کمرے میں چلے آئے۔ ماہین
[illegible] پھیلائے [illegible] بال بکھرائے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے چپ چاپ سامنے [illegible] رہی تھی۔ [illegible]
[illegible] بے ہوش ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ دونوں فوراً اس کے کمرے میں آئے تھے۔ روشی آنکھوں پر [illegible]
ماہین کے [illegible] میں [illegible] تھی۔

"حوصلہ کیجیے ماہین! یہی زندگی کا ایک حقیقی رخ ہے۔ اسے برداشت کرنا ہوتا ہے۔" وہ اس کے قریب پڑی کرسی پر
بیٹھ گئے۔

ماہین خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"[illegible] ٹھیک ہوں [illegible]۔" اس کی آواز ابھری۔

"ہم سب ہیں نا آپ کے ساتھ [illegible] کیوں سوچتی ہیں۔" یاور علی خان آہستہ سے گویا ہوئے۔

"[illegible] آنسو [illegible] روشی بھی [illegible] تھی۔

"خالہ [illegible] ہم آپ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ [illegible] واپس چلی جائیں [illegible]"

[illegible] ٹھیک ہے [illegible] روشی بھی [illegible] بولی۔

"[illegible]" ماہین [illegible] روشی [illegible] آ گئے۔

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

"[illegible]" [illegible] نعمان [illegible]

"آپ [illegible]" یاور علی خان [illegible]

روشی [illegible]

"آپ [illegible]" یاور علی خان [illegible]

وہ چپ رہی۔

"[illegible]" وہ روشی سے [illegible]

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible] نعمان [illegible] اس طرح کے ماحول میں [illegible]

[illegible] ڈرائنگ روم میں [illegible]

"آپ [illegible] یاور علی خان [illegible]"

"[illegible] ماہین کے ساتھ [illegible]"

[illegible]

"[illegible]" نعمان [illegible]

"[illegible]" روشی [illegible]

"[illegible]" ماہین نے [illegible]

"[illegible]"

"آپ [illegible]"

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

www.Paksociety.com

"آپ پلیز اپنے آپ کو سنبھالیں۔ دکھ واقعی بہت بڑا ہے۔ مگر اکھڑ ہونے سے تو نہیں۔" وہ اپنی عادت کے برخلاف خاصی محتاط ہو رہے تھے۔ دیکھ کا یہ پہلا دورہ کریٹ ہی محسوس ہوئے تھے۔

"نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ ابا کو سال پہلے ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ میں تو اس وقت سے ہی ہر وقت یہ محسوس کرتی رہتی تھی۔ اتنا خیال رکھتی تھی۔ مگر۔" اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگنے لگی۔ کچھ دیر خاموش رہ کر وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر سر اٹھا کر ہاتھ کے پشت سے آنسو رگڑتے ہوئے بولی۔

"میں نے پردے ہٹا دیے ہیں۔ آپ اپنا کام کیجیے۔" اس نے سگریٹ کے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔

یاور علی خان شاید یہ کام بہتری کرنے کے بہانے بچے تھے۔ چونک سے گئے۔ اور آگے کو جھک کر پیکٹ اور لائٹر اٹھا لیا۔ ایک سگریٹ نکال کر سلگا لی۔

"تھینکس!" لائٹر بجھا کر انہوں نے اجنبی سے نظر ملانے پر اکتفا کیا۔ بظاہر یہ اجنبی سی نظر یہ ہی مکمل ہوا کرتی تھی۔ وہ پہلے اس کا اعتراف و تزئین کر چکی تھی۔

بڑی بھابی اسے ایک تقریب میں کوئی مخصوص ساڑھی پہننے پر اصرار کر رہی تھیں اور وہ ساڑھی کی بار پہلے کے بعد اس کے دل سے اتر گئی تھی۔ اس نے نہایت خاموشی سے وہ ساڑھی پیک کے پیکٹ کے نیچے رکھے ہوئے کاغذ میں چھپا دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ گرانی میں بھول آئی ہے ان سے کیونکہ بہنوں کی طرح ہے تکلفی تھی اس لیے تھوڑا وقت گزار کر وہ آ کر وارڈ روب سے نکال لیں۔ سارا گھر ہی اسے سجا سنورا دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔

ساڑھی اسی نے بہت تحمل و انداز میں چھپائی تھی۔ اس وقت یاور علی خان فون کرنے میں مصروف تھے۔ اور بہت کم تھے۔

اس خدشے کے تحت سراپا عالم تاب ان کی خواب گاہ میں آ گئی تھی۔

"اسے وارڈ روب میں ابھی ٹھیک سے لٹکا دو۔ میں ابھی دیکھتی ہوں۔" انہوں نے اپنی تصدیقات پیش کرنی تھیں اور چوڑی سمجھداری سے وارڈ روب چھاننے لگی تھیں۔

"ایک تو تم میں لاپروائی بہت ہے۔ اتنے کرتی کیوں جاتی ہو کہ سمیٹنا بھول جاؤ۔ اتنی خوبصورت ساڑھی ہے۔ کس قدر مہنگی ہے تم پر۔ سارے آج تو وہ ساڑھی بھی آئے گی اپنی اپنے کو کوسے کہ کتنی ہے اس کی بھوسے زیادہ "مین کی" جو تھیں ہے۔ مجھے یاد نہیں آتا۔ پرسوں پچھلی عمرتوں پہ تھا وہ اتنی اچھی ساڑھی بھول آئیں۔"

وہ تلاش کرتی جا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ بولتی جا رہی تھیں۔

"بھابی بیگم ایسا کچھ نہیں ہے۔ پیکٹ کے نیچے رکھ دی تھی۔ اس میں دیکھ لیجیے۔" یاور علی خان نے

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے جواب دیا۔

باہر کی دھندلی آہٹ کمروں سے ان کی طرف لپکتی رہی تھی۔ اور بھابی خوشبو کیس سے ساڑھی نکالتے ہوئے دیکھ کر ریلیکس ہو گئی تھیں۔

"تو پھر ایسے بھی تمہارا یہ سال ہے۔ بتاؤ۔ کہاں کم پہنا تو دیکھ لیتیں۔ یہ سب پہلے ہی کر دیتے۔ خاطر جمع ہو جاتی۔ لو جان لو ابھی سے بتا رہی ہوں۔ پرسوں بھول جاؤں گی میں۔"

ہارے کوٹ کے آستین سے آنکھیں پونچھ کر آنسو گئے تھے۔

"اتنی چیزیں ہیں آپ کی۔ کیا کرتی ہیں ان کا۔" وہ بیمار ہو رہی تھی اور ان سے نظر ہٹا رہی تھی۔

"مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہو تم اس ساڑھی میں۔" وہ شرارت سے مسکرا رہے تھے۔

کالی۔ سنہرے ستاروں سے بوجھل ساڑھی میں وہ واقعی غضب ڈھا رہی تھی۔

"بہت پیچھے ختم ہیں آپ۔ لگتا ایسے ہے جیسے آس پاس کوئی ہے ہی نہیں۔" اس کا موڈ واقعی خراب تھا۔

"دنیا میں جانے کوئی شوہر اپنی بیوی کی تعریف کرتا ہے تو وہ مزاج سے بدمزاج محبت کا موڈ خوشگوار ہو جاتا ہے۔ وہ اسے بہلا رہے تھے۔

"ان کی شکل سے تعریف ہوتی ہو گی۔ اور ان کو ایک ساڑھی کی بار پہنا بھی نہیں پوتی ہوتی۔ یاد ہے ہر اس چاند رات ہے بہت سارا روؤں۔" وہ واقعی روہانسی ہو رہی تھی۔

"کس قدر مغرور ہو تم یار۔ اور کتنی پیچیدہ ہو۔" وہ ہنس دیے۔

"میں تو کوئی مغرور نہیں ہوں۔ موم جیسا دل ہے میرا۔ مغرور تو آپ ہیں۔ پتھر رکھا ہوا ہے سینے میں۔ دل کی جگہ۔ ہی مول پھوٹ دیتے تو کیا ہو جاتا۔ لگ گئے اپنی بھابی کے ساتھ۔ ہاں نہیں تو۔"

"ہاں کہاں گئے؟" زیادتی ڈرے سہمے اندر آ گئی تھی۔

یاور علی خان نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔ ہونٹ کو پیچان کر بولے۔

"ابھی آ رہے ہیں۔ تم اپنی خانہ کشوں سے۔ اور مجھے کہیں سے اٹھنے دو۔ اور۔" یاور علی خان نے باقی کا جملہ ہنستے ہوئے ادھورا چھوڑ دیا۔

"قسم سے میں ڈر رہی ہوں۔" وہ بیڈ سے اٹھنے لگی۔

"کہیں نہیں خالہ آپ بیٹھیے۔ میں سارا گھر چیک کر چکی ہوں۔ مجھے پتا ہے کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔" اس نے بیڈ پر بیٹھ کر وہ اور خوشی خوشی باہر چل گئی۔

"آپ سچ مچ ہی ڈرا رہے تھے۔" یاور علی خان نے شیطانی انداز میں کی اور سگریٹ کے کش لگانے لگے۔

ماؤتھ پیالے میں راکھ جھاڑ کر ہونٹ کا لیے۔

لائٹ بند کر دی۔ بیڈ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

دروازے کے باہر سے اس کا ہنسنا سنائی دے رہا تھا۔ وہ کوئی آنکھیں موند بھی تھیں۔ مگر نیند کوسوں دور تھی۔

www.Paksociety.com

والد نے تنبیہ کی تھی۔ بکھری ہوئی لٹوں کی وجہ سے وہ پریشانی محسوس کرنے لگی تھی۔

یہ بات طے ہے جب کسی کو کچھ دیکھنا چاہئے خواہ کسی بھی طریقے سے۔ تو محسوس ہو ہی جاتا ہے۔ بھی وہ ان کی نظروں کے حصار سے نکل کر متحیل بھی نہیں تھی۔ کہ وہ بار بار نظروں کی زد میں تھی۔ بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے بغیر بھی ادھوری تھی۔ (کہاں رہ گئی یہ روشی؟)

"آپ بھی بیٹھیں ناں۔" ہالہ عمران کی نظروں سے بچنے کا اسے یہی حل سجھائی دیا کہ کسی طرح شاہ ویز کو روکنا چاہئے۔

"سوری ہالہ! اس ٹائم نہیں ہو گی۔ وہ دراصل یہاں میں نے ایک لڑکے کو دیکھی تھی وہاں وہ موجود نہیں تھا۔ پھر سوچا ان کی کہیں اور ڈیوٹی ہے۔ بہرحال میں احمد آ گئی۔"

روشی عجیب سا شور سنا کرتی دوبارہ اندر داخل ہوئی۔ اور سایہ تحسن پر ایش لائٹ کھا دی۔

"آپ نے اسی تک اکتفا جانو لیا ہے۔ حد ہو گئی۔ اتنا دل لگا کر بنایا ہے۔" اس نے اٹھتے ہی لمحے ماہین کی طرف۔

"میں نے لے لیا ہے۔ دل نہیں چاہ رہا۔ پلیز روشی۔" وہ بے کسی سے بولی۔

"کچھ نہیں ہے کیا؟" وہ ڈرتے ڈرتے پوچھنے لگی۔

"نہیں۔ بہت مزے کا ہے۔ بس کسی بھی چیز کو دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے شکستہ انداز میں وضاحت کی۔

"ہنا۔ آپ کھائیں ناں خالہ سے۔ شاید آپ کی بات مان لیں۔ ماموں بھی نہیں آئے ابھی تک۔"

"نہیں دل چاہ رہا تو زبردستی نہیں کرو۔ بعد میں لے لیں گی۔" شاید وہ ان کی فطرت میں نہیں تھا۔

"شاہین خالہ اور نہیں خانہ نہیں آئیں؟" روشی کو ایک اہم کمی کا احساس ہوا۔

"سیٹ نہیں ملی۔ کون آیا تھا ان کا۔ جنہیں آپی کے ہاں تو رہنا ہوا ہے۔ دس دن کا ہے۔"

"آپ کو یاد ہیں پاپا وہ لوگ؟" روشی نے باپ کی طرف توجہ کی۔

وہ بہت خاموشی سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی بات بہت سن رہے تھے۔

"لو۔ یہ بتانے بھی بھولنے والے ہوتے ہیں۔" ماہین نے تو کہا۔

"ویسے آپ کتنی بار ملے ہیں ان سے؟" وہ شاید ان کا ریفرنس پوچھنے لگی۔

"کئی بار۔" انہوں نے بہت مختصر جواب دیا۔

"وہ لوگ۔ حویلی آئی تھیں؟"

"دو تین مرتبہ شاید۔" وہ روشی کے سوالوں سے تنگ پڑ رہے تھے۔

"وہ بھی شروع شروع میں۔" ماہین نے بھی جتایا۔

"شروع شروع؟" روشی کے پلے نہیں پڑا۔

"بھئی دلاور کی شادی کے شروع میں۔" ماہین بھی عارضی طور پر کھودیر پہلے والے ماحول سے باہر آ گئی تھی۔

"پھر تو سب ایک کنبہ اکٹھے کے ہے۔" ماہین جزبز کو ہوئی۔

"ہاں آپی۔" ماہین نے جواب دیا۔

"ہالہ؟" وہ ہالہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جی ماموں۔" ہالہ نے بہت لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹا آپ کو ہم نے بہت مس کیا۔ کہاں رہ گئی تھیں؟ اتنے دن ہو گئے ہیں۔ ہم نے آپ کو بہت یاد کیا۔ آپ کو پتا ہے۔ جب میں نے مہمان ماموں کو دیکھا۔ میں نے سوچا آپ ہوتیں تو کتنا اچھا لگتا۔ آپ کیوں نہیں آئیں؟ کتنے دن ہو گئے ہیں۔"

"میں بھی بہت کوشش کر رہی تھی۔ مگر کچھ ایسے حالات بن گئے کہ نہیں آ سکی۔ ماہین نے تصحیح کی۔

"کیا ان کی شادی اسی گھر میں ہوئی تھی؟" وہ جیسے سارے حالات کو ریویو کرنا چاہتی تھی۔

"نہیں۔ اس وقت پاپا سرکاری ملازم تھے۔ سرکاری کوٹھی تھی۔"

"شاید آپ نے محسوس کیا ہو کہ میں ہالی کو بہت مس کرتی ہوں۔ بہرحال شدت سے چاہتا ہے۔ کہ وہ آپ کے سامنے آ جائیں۔"

"روشی۔ بیٹے کہاں رہ گئی تھیں؟" اب علی نے مداخلت کی۔

"مشاہدہ کی لمبا طریقہ میں بہت آپ سے پوچھتی ہوں۔ خالہ آپ بہت سے انٹرویو پلیز گھر میں بیٹھیں ہاں۔ مجھے کام نہ کریں۔ میں آپ کی ہیلپ کروں گی۔ اچھی بیٹی بن کر۔ سب مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ آپ ٹھیک ہیں۔"

ماہین جاموشی سے بہتر سمجھ کر اٹھ آئی۔ "پاپا کیا مہمان بھائی کہاں ہیں۔"

"آپ بیٹھیں۔ آپ تھک چکے ہوں گے۔ میں آپ کو کھانا دیتا ہوں۔"

وہ مجھے کہتی ہوئی وہ اٹھنے کی طرف بڑھی۔ یاور علی خاں اس کے پیچھے چل دیے۔

"آؤ ہالی اندر ساتھ۔" ماہین نے پلٹ کر اسے بلایا۔

"میں ذرا فریش روم میں جا رہی ہوں۔ وہاں ایک آنٹی سے ملوں گی۔ جن میں دلچسپی ہوئی ہے بہت اُن سے آپ کے بارے میں پوچھتی ہیں۔"

اسے سیدھا راہداری میں پھنسنے کے دوران جواب دیا۔

"اچھا۔ ہالہ آ گئی وہ ابھی ہیں یہاں۔ بہت اچھی ہیں۔ انہیں دیکھ کر میں آ رہی ہوں۔" ماہین وہ یاور علی خاں کے پیچھے اندر چلے گئے۔

روشی واش بیسن پر قریب سے ہوا کر واش روم میں چلی آئی۔

"روشی خان ہے۔" عمران نے ذرا فریش روم میں آ کر اطلاع دی۔ "یہ ہالہ عمیر ہے۔ ہالہ! یہ ہے۔"

"جانتی ہوں۔ کہ گھر کی لڑکی ہے۔ مشہور ہے۔ مجھے انتظار رہے ہیں۔"

سے اجنبی سے ہو چکا تھا۔ اور اسی کیفیت نے اسے عمر کی بھیجی ہوئی چیز سے بھی اس کا اور کچھ لگاؤ سا پیدا کر دیا تھا۔ اور اسی کیفیت نے اسے عمر کی بھیجی ہوئی چیز سے بھی اس کا اور کچھ لگاؤ سا پیدا کر دیا تھا۔

"ہاں میں ابھی آتی۔" وہ اٹھ کر لعمان کے بیڈ روم میں چلی آئی۔

"بیٹا!"

"جی آپ اپنی اور پاپا کی چیکنگ میں سے پہلے کون دیں گی؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"دونوں کی ہی ہوسٹ سے پابندیاں کاٹ رہی ہوں؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"نہیں ہم نہیں لگا رہے۔ ہم ریکوسٹ کرتے ہیں۔ نعیم صاحب نے وہیں لگا رہے ہیں۔ تعریف کے لیے بھیجا ہے۔ بتائیے۔ کس کا فرم کس کی خوشی ہے۔ کیوں؟"

ماری بڑے پرجوش انداز میں کہہ رہا تھا۔

"ماری اصولی بیٹی کر تمہاری دوستوں گی۔" وہ دانت پیستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتے ہے سر جیت ہیں۔ "ان آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آپ کی بیٹی میں آپ کی "فخر" بن سکتی ہیں۔ ہو سکتے ہے سر جیت ہیں۔ "ان آپ

www.Paksociety.com

تسلی دے کر اس کا اشتعال بھانے کی کوشش کرنے لگی۔

چند منٹ خود پر قابو پانے میں لگے۔ پھر وہ بلا درست کرتی واپس وارڈ میں آ گئی۔

"کیا ہوا؟ کیا آج بھی ماحول میں طہارت نہیں تھی۔" اتنا اہم پیرو آج پر ختم کے سوا لات سے بیزار ہونا فطری امر تھا۔ اس کے لئے بھی۔

"یہ بابا کا بیٹا روم ہے۔ آپ کو کچھ کھیل تو نہیں ہوگا؟" اس کی آواز میں تشویش تھی۔

"اذان بیٹا زندہ وجود کی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بے چاری بے جان دیواریں اور یہ وقت کسی قسم کے نقصان دہ ہیں ہے۔ اگر آپ مجھے کسی ذمہ داری میں بھگتا ڈال کر بھی آرام کرنے کو کہیں گی تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

بابین نے حیرت سے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔ شائستہ، تکلف۔ حد سے زیادہ فارمل۔ اجنبی۔ جو اگر بھی کوئی ضابطے کے تحت اٹھا تا تھا۔ کس قدر تبدیلی کا مظہر تھا۔

"بہت بہت شکریہ اس اپنائیت کا۔ ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

یاور علی خاموش رہے۔

"آپ تھک گئے ہوں گے۔"

"سوٹ؟" وہ اپنا سوٹ کیس جو ان سے پہلے وہاں موجود تھا۔ بیڈ پر رکھ کر شب خوابی کا لباس نکالنے لگے۔

"میرا مطلب ہے، اب آپ آرام کیجیے۔" وہ جانے کے لیے مڑی۔

"یہ دشمن کا ماحول تو نہیں ہے۔ آپ مجھے آرام کا کہہ کر پھر ایک کونے میں جا بیٹھیں گی اور روئیں گی۔ تھوڑی دیر یہاں بیٹھیے۔"

"آپ کے پاس؟" بابین کے قدم بے ساختہ نکل گئے۔ کس قدر "تذبذب شدہ" حالت میں تھے وہ۔

"نہیں وہاں صوفے پر۔" وہ بھی بہت بے

بابین کو قطعی توقع نہیں تھی۔ عجیب سی کیفیات اس پر طاری ہوگئی۔ وہ اپنی حالت کو قابو میں لاتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

یاور علی خاں اپنے کام سے فارغ ہو کر اس کے نزدیک پڑی ایک خوبصورت سی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے۔

"کس خیال میں ہیں۔ زیادہ غیض طاری نہ کریں خود پر۔ یہ آپ کے لیے اچھا نہیں ہے۔ میں آپ سے بڑی ہوں۔ ممکن ہے آپ سے غلطیاں اور غلطیاں ہوئی ہیں۔ لیکن پلیز کوشش کر کے اپنے دل و دماغ پر کنٹرول کریں۔"

"نہیں ہوتا۔" وہ جو کچھ طرز میں بیٹھی خود پر بہت کنٹرول کر رہی تھی پھر ایک دم سے گھبرا گئی اور ہاتھ پاؤں پھولنے لگی۔

یاور علی خان کے مردانہ بے حد سے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔ اس سے زیادہ پیچھے کی صورت حال تھی۔ یہ انہوں نے کیا کیا؟ وہ کیا کر گئے۔

بابین پہلی بار ملاقات میں آنکھوں سے کھل کر بولنے لگی تھی۔ اس لیے محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا وقت ہو۔ وقت کے لیے کسی کا بھی کیا کرتا ہے۔ آپ بھی خاصی تھیں اور میں نے پھر سے اداسی — آئی مین پریشانی۔"

وہ بیٹھے بیٹھے قہقہہ لگا رہے تھے۔

بابین بے کی اثر نہ ہوا۔ تبھی کسی کی اس کی بچگانہ حرکت پر ہنسا تھا۔

"اچھے۔ جیسے ہیں۔ ایسی اداسی کو دعا ہی کہ وہ اپنی شدت سے بے ساختہ کھڑے ہو گئے۔

"دیکھیے بابین اس شدید قسم کے احساس جرم میں مبتلا ہو چکا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟ پلیز

بابین!"

"بعض آنکھوں کا سلسلہ ہوتے ہیں۔ آپ قدرتی ہو گئے ہوں۔ اس میں آپ کا کیا قصور؟" وہ رکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"یہ آپ نے بالکل درست کہا کہ بعض آنکھوں کا سلسلہ ہوتے ہیں لیکن ایک شے "قوت ارادی" بھی ہوتی ہے۔ پھر ایسے ہی حالات میں اپنی کرنا چاہیے اور شاید یہ ہوتی ہی اس لیے ہے۔" انہوں نے تائید کے ساتھ ساتھ اگلے مرحلے آسان بنانے کے لیے ایک کوشش بھی کی۔

"مجھے لیس کر رہا ہے۔ اپنے اوپر قابو۔ جتنے واقعات کر کے آپ تو بھری ہو چکے ہیں۔ جب وہ آئے تو بہت سادہ ہونا چاہیے۔ جب دل بہت بھاری ہو تو ماتم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" وہ خود بھی ماضی کو یاد کر رہے تھے۔

"بابا! آپ کس کس طرح مجھے یاد آئیں گے؟"

یاور علی خاں چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ بابین کا وہ پاؤں فرش پر ٹکا تھا۔ اور دونوں ہاتھوں سے اس نے چہرہ چھپا رکھا تھا۔

یاور علی خاں نے پہلے سے وہ پاؤں اٹھایا اور قریب تھا کہ اس کے سر پر ڈال دیتے، آہٹ سے وہ رکا۔ اور روتی نے الجھا تھا۔

وہ یاور علی خاں کے ہاتھوں سے چھوٹ کر وہ پاؤں نیچے گر گیا۔ وہ اپنے مخصوص وقار انداز میں پیچھے ہوئے اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"مجھے کس۔ مالی دادا!" انہوں نے چھت کی طرف دیکھ کر جیسے سکون کا سانس لیا۔

"آنسو روتی اپنی تباہی کا نوحہ پڑھ رہی ہیں۔ انہیں چپ کروا دو۔ ورنہ ان کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" وہ مطمئن انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"اور دیکھو۔ یہ گھڑیوں سے پرے۔ یہ بھی بابا کا وہ پلیز"

روتی جو اپنے ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر بیٹھی تھی۔ ان کی بات پر چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔ خود کو سنبھالنے لگی تھی۔

"پھر سے کہیے وہ کیا؟" روتی نے پہلے پاؤں کو اٹھاتے ہوئے باپ کی صورت دیکھی۔ اتنا بے سروپا اور غیر مرتب سوال

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

خانہ کا انہوں نے شکی ان سنی کرتے ہوئے گھر کا رخ کیا۔ آہستہ آہستہ سے عمران کا لہجہ تیز ہوتا گیا۔

"خانہ ہے اور آپ تعمیل کی نہیں بتا رہے ہیں۔" "مگر آپ کو کسی نہ کسی کی ذمہ داری تو کرنا ہی ہے۔" آنکھ سے ماہین کے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

وہ خاموش رہے۔

"آیئے خالہ! ہم چلتے ہیں۔ مگر آپ اب رہنے کا کیا سوچا ہے؟ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اچھے بیٹے ہیں۔" ماہین کو خانوں سے پکڑ کر اٹھایا۔

وہ سسکیاں بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"گھر تو بہت اچھا ہے۔" ماہین کو ساتھ لے کر چلتے چلتے عمر کہا۔

یاور علی خاں نے کھڑکیوں کی سمت دیکھا جن پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنی یادوں میں کھو گئے تھے۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھے۔ پاس سرکانے۔ اور باہر سڑک کا منظر دیکھنے لگے۔ جہاں لوگوں کی گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ ان کی عمر کی آنکھوں میں گہری سوچ کا عکس بہت واضح تھا۔

عمارت پر گہرا تاریک خلاف چھایا ہوا تھا۔

حتیٰ کہ اندر کسی ذی روح کی ہلکی سی پرچھائی دکھائی نہ دے رہی تھی۔ مگر کتوں کے بھونکنے کی آوازیں مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔ کسی واقعے کا امکان قریباً ناممکن ہی دکھائی دیتا تھا۔ سیاہ جیپ پھاٹک پر رک گئی تھی۔ ہارن ایک بار۔ تو اندر سے بھاٹک ایک منٹ کے اندر پھاٹک کھل گیا تھا۔ کھولنے والے کے ہاتھ میں طاقتور ٹارچ چمک رہی تھی۔ جیپ تیزی سے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اور پھاٹک کھولنے والا جیپ کے پیچھے سرپٹ دوڑا تھا۔ اور ہوا میں لہراتی ہوئی ٹارچ تک جیپ والا دیکھ رہا تھا۔

"اس لڑکی کو بھی اتارو۔" گمبھیر آواز ابھری۔

"یہاں تو بہت اندھیرا ہے خان۔" جھومر کی آواز میں واضح لرزش تھی۔

"مگر تمہارے دماغ کے اندھیرے سے تو یہ بہتر ہے۔"

"گل باز خان اتارو ادھر دو۔ چلو لڑکی آگے ہو جاؤ۔" یاور علی خاں نے ٹارچ کی روشنی سے رہنمائی کی۔ گلباز بھی ساتھ چل پڑا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ ہمارا انتظار کرو۔" یاور علی خاں نے اسے روک دیا۔

"یہ بال کہاں ہے جھومر۔" اس کے ساتھ یہ دو گھر سے آگے جو راہداری ہے اس کے آگے سرد پڑا ہے۔ اس راہداری عمارت میں تقریباً سات کمرے ہیں۔ چار نیچے اور تین اوپر۔ آج سے یہ سب تمہارے ذمہ ہیں۔ اور یہ جو تمہارے ساتھ ہے۔

یہ بھی جیپ آپ ہی کے ہے۔ جھومر کا کیا ہوا اس کی سمت دیکھا۔

"ہم نہیں ٹھہر سکتے۔ میں مر جاؤں گی۔ خدا کے لیے۔" وہ پھر رو دی۔

"گلباز اس نمک حرام کو سنبھالو۔ اس کی آواز بند کر دو۔ اس کی زبان کھینچ کر آگ میں جھونک دو۔" وہ پکارتے ہوئے حکم دے رہے تھے۔

"آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔ میں مر جاؤں گی۔ یا گل ہو جاؤں گی۔ خدا کے لیے۔" وہ پھر رو دی۔

مگر گلباز نیچی سے درمیان میں آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں تیز دھار خنجر چمک رہا تھا۔

"اگر یہ تمہیں تنگ کرے تو اس کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ کر کتوں کو کھلا دینا۔ پھر بھی باز نہ آئے تو سر سے ہاتھ کی انگلیاں جھلا دینا۔ پھر بھی باز نہ آئے تو اس کی ناک جڑ سے کاٹ کر اپنے تیرے کو کھلا دینا۔"

وہ اس طرح کہہ رہے تھے کہ آس پاس کی ہر چیز لرزاں اور کپکپاہٹ کی لپیٹ میں محسوس ہونے لگی تھی۔

جھومر نے تڑپ کر اپنی ناک پر ہاتھ رکھا یا اور حسرت و بے بسی کی طرح گلباز کی طرف دیکھنے لگی۔

یاور علی خاں کے قدموں کی آواز مدھم ہو گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد جیپ کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

گلباز نے اپنی سفاک آنکھیں اس پر جما کر ٹارچ سے ہال کمرے کی طرف اشارہ کیا جہاں قتال جھومر علی خاں کے اس کا حکم تھا۔

وہ محسوس کرنے لگی جیسے اس کا دل بیٹھ رہا ہے۔ اور آنکھیں بے جان اور بے نور ہو رہی ہیں۔ وہ بے بسی سے لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھنے

آپ کی سوالات کر سکتی تھیں۔ مجھے اس بات کا دکھ ہے۔" اس نے گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا۔

"مگر فخر ——— یہ کوئی جواب نہیں۔ ابھی بات ہے۔ یہ بھی کسی انسان کا وصف کہلاتا ہے۔ عقل لوگوں کی باتوں سے کام لیتی ہے۔"

"وہ کیا کہا ہے۔ کسی بھلے نے شاعر نے۔

ہم گرے، یار۔ دلیلوں سے تو رد ہوتی ہے
ان کے ہونٹوں کی خاموشی بھی سند ہوتی ہے

تو شاید آپ ایسے لوگوں میں شمار ہوتی ہیں۔ آپ بھی۔ تو لیں پڑھیں، میرے بولنے سے۔" وہ سادگی سے بولا تھا۔

وہ اس کی آواز کی طرف متوجہ ہی کب تھی۔ اسے تو وہ اپنے خوابوں کا راجکمار نظر آ رہا تھا۔

وہ بہت تھکن انگیز دن گزار کر اپنے کمرے کی طرف آیا تھا۔ اسے کے بارے میں کچھ پلیس منٹ ہو چکے تھے۔ آج اس کا دوست شاہد سے اپنے گھر پر بلایا تھا۔ وہ بھی کنفرم کرنا چاہ رہا تھا کہ آیا وہ گھر پہنچ پایا یا نہیں۔ تاکہ وہ صبح اس سے ملنے جا سکے۔

ہال کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا۔ سارے کھلاڑی شریر لڑکوں کا پیٹرن اپنی اپنی نیند سے سیٹ کر رہے تھے۔ کہیں چھلووں کے چھکے۔ کہیں ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ٹکڑے۔ کہیں تھن کا بیتار۔ کہیں اخبار، کہیں رسالے۔ کسی طرف رہے۔ کہیں ہال تو کسی جگہ پاؤں کے جوتے۔

ہاری نے سارے "پیارے" پر نظر ڈال کر کلاک کی سمت بڑی بیزاری سے دیکھا اور خون کے ساتھ ہی رکے ہوئے آنسو پونچھ گیا۔ ہاتھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نہایت اطمینان سے۔ بیسوار الٹھا یا اور ٹین چیک کی گھڑی ایک دم چونک پڑا۔ ہال قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔

"گھڑی کی حالت بہت خراب ہے بابا صاحب اس لیے کسی بھروسے کے آدمی کی فوراً ضرورت ہے۔"

"تمہارے پاس اسے آدمی ہیں۔ ایک بھی بھروسے کا نہیں؟" بابا صاحب پوچھ رہے تھے۔

"یہ بات نہیں ہے۔ آپ کہیں ہاں الڑکی بہت خوبصورت ہے۔"

"اچھا ——— اچھا ——— ہم سمجھ گئے۔ ٹھیک ہے۔ ہاری کو بھیج دیں۔" وہ کہہ رہے تھے۔

"میرے خیال میں ہاری ہی مناسب ہے۔" وہ بیٹھا ہوا تھا۔ دھیرے سے بولا تھا۔ دھیرے سے بولا تھا۔ دھیرے سے بولا تھا۔ دھیرے سے بولا تھا۔

"آپ اسے کہیے کہ وہ سیدھا سرائے آئے۔ دس بجے سے پہلے پہلے۔ آپ کو نہیں پتہ مجھے یہاں کتنا ایک ہاری لگ رہا ہے۔ موبائل پر آپ سے بات کر رہا ہوں۔"

"ارے ——— تو کیا تم خود وہاں موجود ہو؟" بابا صاحب کی حیرت آمیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تو پھر کیا کرتا؟ اس کے باپ کو بھیجتا تو وہ اسے اس بوڑھی کو ——— نہیں۔"

"او ——— ہو ——— ہو۔" بابا صاحب کی آواز سے قہقہہ ابھرنے لگا۔

"پھر ——— فخر ——— تم تو بڑی درست ہو گئی ہو۔ ہمیں امید نہیں تھی۔" وہ بڑے خوش تھے۔ اور سچی بات آج تک ہاری کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ ان کا وہ بیٹا جو علی خاں سے اس طرح کا سیل سب سے کیوں خوف کھاتا ہے۔

"ہم بھی بلواتے ہیں ہاری کو۔ اور کوئی بات ——— "

"نہیں، شکریہ بابا صاحب۔" فخر نے کہا۔

ہاری نے احتیاط سے ریسیور رکھ دیا۔

"واہ! اب کس مصیبت کے امتحان میں گرفتار ہونے والا ہوں۔" اس نے چھت کی طرف دیکھ کر خود سے سوال کیا۔ اس کے کانوں میں چھوٹے خان کی آواز گونج رہی تھی۔ "الڑکی بہت خوبصورت ہے۔"

"ہائے ——— کیا میں "الڑکی پر فدا" ہوں؟" اسے جانے کیوں ہنسی آ گئی۔ کبھی بھی کسی بابا صاحب کا بلاوا آنے والا تھا اس نے دوست کو فون کرنے کا پروگرام فی الفور ملتوی کر دیا۔

بابا صاحب کے استعمال میں تین ٹیلی فون رہتے تھے۔ سویا کل سیٹ۔ جن میں سے دو ایک ان کے بیڈ روم تک محدود تھے اور ایک لیبر یا ہوئی کے دو تین ایکسٹینشن تھے۔ فالتو چھوٹے خان پر بیٹھا ہی میں ایکسٹینشن والا نمبر فکس کر گئے تھے۔ وہ کچھ سوچنے لگا۔

"خان نیند نہیں آ رہی ہے۔ چائے بناؤں؟" کھڑکی کھولتے ہوئے پوچھا تھا۔ اسے کھڑے ہوئے اور پھر لیٹ آ گئی۔

"توبہ ہے ——— ہاری تمہاری عمر اور حیثیت کی مخاطب کی ہے۔ تو کہتی ہیں کہ شرماتی ہیں۔" وہ چائے کپ اٹھا کر اس پر چوٹ کی تھی۔ کھڑکی اور کھڑکی کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اسی بابا صاحب نے بلانے والے ہیں۔ وہاں سے واپس آ کر چائے تو ضرور پلوائیے گی۔ چوکیدار کا۔" وہ کلاک کی طرف دیکھنے لگا۔

لطافت اور نفاست جیسی ہال میں داخل ہوئی۔

"خان ——— آپ اور بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں سمجھا اوپر چلی گئی۔ ان بیچاروں کے ساتھ ظلم و زیادتی دیکھتی رہتی ہے۔ سارا دن محنت مشقت کرواتی ہے۔ صبح اٹھوں بجانے پر بھی نہیں اٹھتیں۔" مائی نے ایک انگلی پر دوسری انگلی مار کر گویا مشقت کے بارے بتایا تھا۔ ہاتھ میں الٹا ہوا کپ لیے وہ پوچھ رہی تھی۔ کھڑکی جلدی جلدی سر ہلانے لگی۔

"کیا کہہ رہی تھیں مائی؟" ہاری نے اسے بابا صاحب متوجہ کیا۔

"کہہ رہی تھیں کہ ہاری کو بھیجیے آپ کو۔"

"بہت یاد کرتے ہیں۔ وہ ہمیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا چلتے ہیں۔ وہاں سے آ کر ان کی خواب گاہ کی حفاظت کرنا۔ وہ اور سے پہلے کھڑکی بند کر لینا۔"

www.Parsociety.com
www.Parsociety.com
www.Parsociety.com
www.Parsociety.com
urdunovels.net

گی۔ خوف و دہشت سے تو جیسے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے۔

اس نے دروازے میں لگے گرل گرلز اور لاک فریم پر دیکھا اور چادر درست کی۔ پھر دروازے پر ہاتھ رکھ کر بڑی احتیاط سے دروازہ کھولا۔

"السلام علیکم!" اس سے پیشتر کہ وہ سلام کرتی سلام اس تک آ گیا تھا۔

وہ ہمارے گھبراہٹ کے مدنظر میں جواب دے کر رہ گئی۔

"وہ ہمارے یار کہاں رہ گئے؟ بڑی خالی خالی لگ رہی ہیں آج!"

"وہ ضروری کام سے صبح جلدی آباد چلے گئے تھے۔ کہہ رہے تھے، دیر سے پہنچا تو کال پہنچوں گا۔" بالو نے سامان لفافے پر رکھتے ہوئے اپنی چادر سے چہرہ پونچھا۔

"ایسا اگر آج تو شام بھی بڑی مشکل سے ہوگی۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ ایک دم چت لیٹا ہوا تھا۔ بالو نے پلٹ کر اس کی ہیت دیکھا۔ "بہت محبت ہے آپ کو اپنے دوست سے؟"

اس نے شعر گنگنانا شروع کیا۔

خدا کے سامنے کس منہ سے جائیں گے خدا جانے
محبت کا کوئی دھبہ نہیں ہے جن کے دامن پر

وہی ہوا جس کا بالو کو خطرہ تھا۔ یعنی شعر آ گیا تھا۔

"اٹھیے! کھانا کھا لیجیے۔" اس نے لوازمات میں سامان لائی ہوئی چیزیں رکھیں اور اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ ساتھ ہی شکر کرنے لگی۔ کہ چلتی دیر کھانا کھانے میں مصروف رہے گا۔ وہ شعروں سے تو بچی رہے گی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور ٹرے پر نظریں دوڑانے لگا۔ "میرے جیسے کی مرجھیوں کو تو جان کی امان دے دیں بھابی! گیا ہوں میں اس چکن سے۔" اس نے معصوم بچوں کی طرح کا نعرہ لگایا تھا۔

"یہ آپ کے لیے بہت اچھی چیز ہے عارف بھائی۔ آپ کے دوست دبلے مرغی خوار تھے۔ ڈاکٹروں نے کہا ہے، آپ کو زیادہ سے زیادہ گوشت استعمال کرنا چاہیے۔ آپ کا خون بھی بہت گر رہا ہے۔" بالو "پاؤں" کی بہت کی ہو گئی ہے۔" بالو نے شوہر کے الفاظ من و عن دہرا دیے۔

عارف ہاتھ دھونے باتھ روم جا رہا تھا۔ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"انشاء اللہ میری صحت یابی تک آپ آدھی ڈاکٹر تو بن ہی جائیں گی۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

بالو اس کی مسکراہٹ سے ایک دم محتاط ہو گئی۔ اور اس کے ہاتھ روم جاتے ہی گویا اس کے باتھ روم سے واپس آنے اور کھانا کھانے اور چھوا اس کی پشت سے ٹیک لگا کر اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

پندرہ منٹ بعد وہ باہر آ گیا۔

"بچہ جائے بھابی۔ گڑی کہاں ہیں؟" وہ ٹرے سے نظر ہٹا کر اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔

بالو نے گھبرا کر اس کا پس منظر سے نکل کر باتھ روم کی طرف جانا دیکھا تھا۔ اور اس کے ہاتھ دھونے کے لیے پانی کا نل کھولنے کی آواز بھی سنی تھی۔ بالو نے آگے بڑھ کر ٹرے کے نیچے سے پرس نکالا۔ اس میں سے کھلونا بلی نکال کر اس نے وہ کارٹن بھی سنبھالے۔ باہر سیڑھی پر کر کھلے ہوئے پرس کو دیکھنے لگی۔ جس میں عارف کی بیوی کی تصویر رکھی تھی۔ وہ بے خبر سے اندر سے نکلتی رہی۔ اس نے نظر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر تصویر دیکھی۔ پھر جانے کیوں دل اکھڑا سا گیا۔

علامت کی اک شعر نے مصرعے بھی ڈال دی
مجھ سے میری تصویر ابھی نہیں مٹی!

وہ بیٹھ گیا تھا۔ بالو نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر فوراً ہی سر جھکا لیا۔ اس کے سامنے ٹرے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جام بھر آپ کے لیے کیا بھر لاؤں؟" اس نے خاموشی سے گھبرا کر دریافت کیا۔

"سوگ کی بھاری رات اور سناٹا بس۔"

"آپ نہیں کھائیں گی بھابی؟ مگر یہ تو مریضوں کا کھانا ہے۔ نہیں۔ یہ بھی تھوڑا سا چکھ لیں۔" وہ اس کی پلیٹ میں کچھ ڈالنے لگا تھا۔ بالو ایک دم کسی گہری سوچ میں اتر گیا۔ چند لمحوں بعد نظریں اٹھا کر بالو کا پریشان سا چہرہ دیکھا اور پھر ٹرے سے مسکرا دیا۔

خود فریبی لوگوں نے جو حالت بنا دی ہے سلیم
کون کہتا ہے کہ یہ نقشہ بس اس حلقی کی ہے

بالو کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ چپکی بیٹھی رہی۔

"کامل خان بہت اچھی غزل کا آدمی ہے۔ مجھے امید ہے، وہ آپ کو بہت خوش رکھتا ہوگا۔" عارف نے کوئی جواب نہ پا کر موضوع بدلا۔

وہ بدستور خاموش رہی۔

"جب میں یہ شعر کر رہا تھا تو مجھے یقین تھا کہ تو ہی اس کی بیوی بن رہی ہے۔ بہت ہی خوبصورت غزل ہے۔ میرے یار! تم اکیلی کا بھالا کرے گی۔"

بالو نے چونک کر عارف کی شکل دیکھی۔ تو یہ ہے وہ شعر۔ جس نے میرے خوابوں کے گھروندے میں لوٹ مچائی ہے۔ ایک طوفان سا امڈ گیا۔ اس کا جی چاہا، اس کا گریبان پھاڑ ڈالے۔ چیر پھاڑ کھسوٹ ڈالے۔ اتنا کہ لہولہان کر ڈالے۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے دیوار پر لگے ہوئے چارٹ کو گھورنے لگی۔ اسے آہ و فغاں عارف سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی۔

"شاید آپ کو دنیا داری بات کرنے کی عادت نہیں ہے۔" وہ گویا اس راز کو موضوع بنانے کے درپے تھا۔ جس سے خلق

"آؤ بھئی، جلدی آؤ۔" ہاشم صاحب کی آواز سے بہت عجلت جھلک رہی تھی۔

وہ اندر داخل ہو گیا۔ داور علی خاں کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک سا گیا۔

"ہاری!"

"جی خان!"

"اچھا — پہلے تم بیٹھو۔" وہ اسے بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی اپنے اسٹریچر پر بیٹھ گئے۔

"بات یہ ہے — تمہیں اسی وقت سرائے جانا ہوگا۔"

اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس کے منہ سے نکل جاتا کہ "اس وقت؟" مگر اس نے عادت کی طرح زبان کو بند رکھنے کے ساتھ صرف اتنا کہا۔

"جی بہتر۔"

"ڈرائیور کو اٹھاؤ۔ تم سارا دن کے تھکے ہوئے ہو، آرام سے کرو۔"

"جی بہتر! کوئی اور حکم؟" وہ اٹھنے کے لیے پر تولنے لگا۔

"نہیں — اب جو کچھ حکم دیں گے تمہارے خاں دیں گے۔ تم جا سکتے ہو۔" وہ اسٹریچر بردار ہو گئے۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور ہاں سنو!" انہوں نے پھر پکارا۔

وہ رک گیا اور پلٹ کر ان کے قریب آیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سخت الجھن میں ہوں۔

"ہاری! میں تم پر بہت اعتماد کرتا ہوں، تم جانتے ہو۔"

اس نے ہاں کہا اور نہ ہی ناں۔ بس خاموش رہا۔

"ظفری نے دیوار سے گر کر سر پھاڑ لیا ہے، تم نے تو سنا ہوگا۔"

"جی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک ظفری کا ذکر کیوں شروع ہو گیا؟ اسے تو مختلف قسم کے دورے پڑتے ہی رہتے تھے۔

"میں اس کی بڑی فکر کرتا ہوں۔ بڑی ذہین کی صحت خراب ہو گئی ہے۔ اس کے غم میں۔"

وہ پھر کھو سے گئے۔ وہ پھر خاموش رہا۔

"اچھا — خیر — تم جاؤ۔ جتنی جلدی ہو سکے۔" انہوں نے بائیں ہاتھ کی مٹھی میں داہنی ہتھیلی پر رکھا اور آنکھیں موند لیں۔

ہاری آہستگی سے دروازہ بند کر کے اپنے گھر سے آیا اور دو جوڑے کپڑے نکال کر بیگ میں رکھے۔ پھر اپنا بیگ بھی لے کر باہر آ گیا۔ وہاں سے بچتے بچاتے سب سے کترا کر وہ بظاہر روانگی کی تیاری میں مگن قراقرم کی اڈان اور سرائے میں ایک ہیلی کاپٹر کھڑا ہوا تھا۔ گیا ہوا ہے ہاں؟ کیا ہو رہا ہے ہاں؟

[illegible] کے ساتھ ہی آ گیا تھا۔ [illegible] کی طرف روانہ ہو گئے۔

[illegible] ہاری نے [illegible] کے ساتھ ہی [illegible] رہتے تھے۔ یہاں بھی ان کے معمول میں فرق نہ آیا۔ [illegible] کے ساتھ [illegible] کر وہاں سے چلے آئے تھے۔ ان کا خیال تھا وہ بخوبی [illegible] کر سکے گا، مگر انہیں [illegible]

[illegible] تھی۔

سلیمہ بی بی کی چادر سے [illegible] آ رہی تھی۔ ہاری کو [illegible] کہ [illegible] وہ [illegible] کر رہی تھی۔ رخساروں پر ایک تواتر سے آنسوؤں کی لڑیاں گر رہی تھیں۔ انہیں وہ [illegible] ہے اپنی چادر سے صاف کر رہی تھی۔ اس کے بالکل برابر میں سلیمہ بیٹھی آہ و بکا کر رہی تھیں، مگر ان کے قریب ہونے کے باوجود ان کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ [illegible] ہوں۔

[illegible] کی وجہ سے ان میں ایک عجیب سی بے [illegible] پیدا ہو گئی تھی۔ وہ [illegible] کہہ رہے تھے۔

وہ [illegible] کے [illegible] آہستہ آہستہ [illegible] کر رہی تھی۔

ان کے [illegible] کے [illegible] بھرائے سے ہونے لگے۔

خاں جان کی [illegible] بھی [illegible] ہو گیا تھا۔ اسی [illegible] میں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ (مرد بھی) وہ [illegible] کی وجہ سے [illegible] میں [illegible] آئی تھی۔

وہ [illegible] کر کے [illegible] سے [illegible] آئے تو [illegible] رک گئے تھے۔ [illegible] نے اس [illegible] [illegible] کہا تھا۔ سلیمہ [illegible] ہوئی [illegible] چادر سے سر [illegible] وہ [illegible] غضب ناک [illegible] سے [illegible] رہی تھی۔

[illegible] نے [illegible] کے ہاتھ سے [illegible] شروع کر دی۔ [illegible] پڑھنے کا [illegible] [illegible] کی آواز سنتے ہی [illegible] سب ہی [illegible] متوجہ ہو گئے۔

اس کی نظر [illegible] کے سامنے [illegible] تھی۔

جانے [illegible] کی نگاہ میں کیا تھا کہ اسے جواب سا آ گیا۔ اس نے [illegible] کے سامنے کر دیا تھا۔

"کون کون سے دارے لیں گے خانم۔" وہ [illegible] کر [illegible] میں [illegible] چلانے لگے۔

"اللہ کا ڈر ہو رہا ہے۔ کچھ ہوش کریں۔" [illegible] نے مصنوعی ناراضگی سے انہیں ٹوکا۔

"تو کیوں اسے خلد بریں کے جلوے دکھائی دے رہے ہیں۔" وہ [illegible] کو [illegible] ہوئے بگڑ رہے تھے۔

"ٹوپ!" [illegible] نے [illegible] کر [illegible] شروع کر دیا تھا۔

"راہ ورسم کی [illegible] ہی ہے۔" وہ [illegible] کے [illegible] تو [illegible] ہیں۔"

"خیر دار جو کبھی [illegible] کے سامنے [illegible] کی۔ شکر کرو۔ اس وقت [illegible] میں تمہارا [illegible] ہے۔ [illegible] کی [illegible] پڑے۔"

انہوں نے [illegible] کر [illegible] کے [illegible] سے [illegible] دیا تھا۔ ان کے [illegible] ہنسنے لگے تھے۔ [illegible] انداز میں [illegible]

گئے۔ انہوں نے دائیں بائیں کے دروازے سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔

"آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" ماہین نے انہیں مخاطب کیا اور کچن سے باہر آگئی۔

"نہیں نہیں۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ چائے کی ضرورت نہیں۔ اندر ملازم ہے۔ وہی ہے۔" انہوں نے فوراً جواب دیا تھا۔

"تو پھر چلیے ناں۔ وہیں کیوں جا رہے ہیں؟"

"آپ ساتھ عبادت میں ہیں۔ مناسب نہیں لگتا۔" وہ کچھ رک کر سامنے دیوار سے لٹکی گھڑی کی جانب دیکھنے لگیں۔ ماہین بھی مسکرا دی۔

"ارے بیٹھیے آپ۔ آپ تو ہمارے محرم ہیں۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں۔"

یاور علی خاں شاید ہی زندگی میں کبھی اس طرح لاجواب ہوئے تھے۔ کوئی جواب دیے آگے بڑھ گئے تھے۔ روکنا سوچا چاہتے تھے اور نہ بولا۔

اسے سپارہ مکمل کرنے میں پانچ سات منٹ مزید لگے۔ اندر داخل ہوتے ہوئے وہ ادھر ادھر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی مبادا کہیں یاور علی خاں بیٹھے ہوئے ہوں مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دیے۔ خود ہی اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ آج سوائم تھا۔ ظاہر ہے وہ تکلفات میں مصروف ہوگا۔

"نقاں۔ یاور بھائی کو دم پی چائے بھجوا دو۔"

"روشی نی بی بے گئی ہیر۔ ساتھ والی بیگم صاحبہ کے ہاں سے ناشتا آیا تھا۔ وہ اسی وقت چائے لے گئی تھیں صاحب کے لیے۔" خلاسے تفصیل سے جواب دیا۔

ماہین کو روشی پر بہت سارا پیار آ گیا۔ ہائی اسکول جاتی ہے یہ روشی تو۔ بہت اچھی بات ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا کام کون رکھے گا یاور بھائی کا۔

وہ دسترخوان سمیٹ کر اوپر اس کے کمرے میں پہنچی۔ یاور علی خاں اخبار پڑھتیں دروازے ہوئے چائے پی رہے تھے۔ روشی ان کے کیڑے پریس کر رہی تھی۔

"بیٹا۔ خالہ تو بہت زیادہ بیمار ہو گئی ہیں۔ ہے چارہ کا کوئی بھی نہیں رہا۔ بھائی فوت ہو گئے۔ کاروبار بھی ختم ہو گیا۔ بچیاں بھی بیاہی گئیں۔ بچہ بھی کوئی نہیں۔ پتا نہیں نانا جان نے اتنی تک ان کی شادی کیوں نہیں کی تھی۔ شاید بچہ سنبھال کی ہو۔ مگر بچہ بھی تو نہیں ہو سکتی ہے۔ شادی بھلا کیا کتی ہے؟ اکثر لوگ شادی سے پہلے بالکل بھی چیک نہیں کرتے۔ مگر شادی کے بعد بڑے بڑے کام کر لیتے ہیں۔ شادی سے پہلے تو اکثر لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کو ٹھیک سے جانتے بھی نہیں ہوتے۔ اچھے لائف پارٹنر کے متعلق سوچتے ہوئے، اگر خالہ کو بھی کوئی لائف پارٹنر مل جاتا تو وہ اولاد یا کچھ ہو جاتیں کی۔ کیوں بیٹا؟" اس نے بات کر کے اپنے ہمدردانہ جذبات کا اظہار کیا۔

"بالکل نہیں۔" وہ اخبار میں مصروف تھے۔

"خالہ کی شادی ہم کرائیں گے۔ کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"کیوں نہیں۔ بالکل۔" وہ اسی طرح اخبار میں مصروف تھے۔

"اچھا۔"

"ہمیں ایسی باتوں کو اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ تم اس طرح کی باتیں اور کسی کے سامنے نہ کرنا۔ اوکے؟" انہوں نے اسے دوبارہ سے ٹوک دیا۔

"ٹھیک ہے۔"

"روشی تم نے چائے پی؟" اب وہ دوبارہ سے آدھی کھڑی ہو گئی اور اٹھ آ گئی۔

"آپ اس طرح کے تکلفات میں خود کو پریشان نہ کریں۔ یہ وقت اس طرح کی باتوں کے لیے سازگار نہیں۔ صدمہ ہے ہی گہرا۔ یہ کام ملازم بھی کر سکتی ہے۔" یاور علی خاں نے بات کاٹ کر اخبار تہہ کر کے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"آپ۔"

"روشی اپنی خالہ کے لیے چائے لے جانی ہے تو اس کا خیال تمہیں ان کا خیال رکھنا ہوگا۔"

ماہین نے اپنے ہم سن / کزن / استانی کا چہرہ تکا۔ وہ سنجیدہ تھا۔

"میرا سونا بھی ہے۔ تم اپنا کام کرو۔" اس نے روشی کو جانے سے روکا۔

"تم جاؤ روشی۔" انہوں نے روشی کو روانہ کر دیا۔

ماہین اس کے رویے کا مسئلہ پر بری طرح گڑبڑا گئی۔ اور اپنے ہاتھ مسلنے لگی۔

"یہ روشی بھولی ہے اور ضدی بھی ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات کر بیٹھے تو آپ برا نہ منائیے گا۔ میرا مطلب ہے کوئی خیال نہ کیجیے گا۔"

"شکریہ۔ آپ کچھ جلدی کے بھی ہوئے۔ مجھے تو اس بات کی خوشی ہو رہی ہے۔" ماہین نے پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"اتنا اچھا سوچنے والے لوگ کم ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ کی بھروسی کا قوی ہوتی ہے۔ بہت سے گمان دل میں آپ سمارے رہے ہیں۔" وہ پھر مسکرائے۔

"کیا کریں آپ اب شریف لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔" اس نے مسکراہٹ سے خود کو بچایا۔

"اچھا۔ آپ نے کچھ منگوایا ہے۔" وہ واپس مڑ گئے۔

"وہ کس سلسلے میں؟" وہ الجھ گئی۔

"کپڑے۔" پھر کسی بات کو انہوں نے ایک طرف کر کے اس کا تغیر سا پھر دیکھا۔

"کپڑے؟" سے بیٹھے بیٹھے کانپ گئی۔

"ابھی وقت کا تعین نہیں ہے۔" انہوں نے بھرپور نگاہ سے اسی کا چہرہ دیکھا۔

"تو کر لیجیے۔ اور بتا دیجیے۔" وہ عاصی سے بے حد بے نیاز نظر آئی۔

"اتنی جلد بازی تو میں کسی پر جھٹے ہوئے بھروسہ کر بھی نہیں کرتا۔" انہوں نے شگفتہ لہجے میں وضاحت کی۔

مائرہ نے گویا سانس لے کر گرمی کی شدت سے خلاصی پائی۔ جیسے پار ہو گئی ہو۔

"حالانکہ بیرو کریسی کی وقت کی تعین نہیں ہوتی۔" اس نے لطیف سا طنز کیا۔

یاور علی خاں بے ساختہ مسکرا دیے۔

"مجھے خوشی ہے، آپ مرعوب نہیں ہوئے اور جو آپ اپنے متعلق اکٹھی انٹیلی جنس سے باخبر تھیں۔ اور اپنے ملک کی بابت بڑی پر سیر حاصل معلومات رکھتی ہیں۔"

"نہیں، اب تو یہاں کا ہر بچہ بھی بڑی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ آپ جانتے بھی ہوں گے، فوجی سویلین کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں؟" وہ بڑی خود اعتمادی سے کہہ رہی تھی۔

"مگر اس سے سویلین کی اہمیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خیر چھوڑیں۔ کسی بارک اور اسپاہ کا تو ذکر ہو رہا تھا کہ ایسی طرح کی بحث نہیں کرتے۔" انہوں نے فوراً بحث سمیٹی۔

"کی؟" اس نے چونک کر یاور علی خاں کی سمت دیکھا۔ وہ الجھی ان کا انداز سمجھ نہیں پائی تھی۔

سفید تکلف شدہ کالر کے شلوار شوٹ میں سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے یاور علی خاں اسے نہ جانے کیوں بہت بارعب محسوس ہوئے۔

"بعض اوقات آپ کی بات سمجھ نہیں آتی۔" وہ چونکی اپنی خاموشی پر خود ہی خفیف سی ہو گئی۔ اس لیے وضاحت کرنے لگی۔

یاور علی خاں نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی اور سامنے بیٹھے نجیب احمد کے پورٹریٹ پر طنزیہ نظریں جمائیں۔

"بات سمجھنا یا سمجھانا کوئی مسئلہ نہیں۔ اصل بات سمجھنے کی خواہش ہے۔ ویسے ایک بات کا گرینٹ میں آپ کو خود دے گا۔ پچھلے بیس سالوں میں، میں نے اتنی گفتگوئیں کی ہیں آپ مجھ سے کروانے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ جیسے میرا ہم مسلم آپ کے کنٹرول میں چلا گیا ہے۔"

"شکر کریں صرف وہم سمجھ۔" اس کے لہجے سے محظوظ ہوئی۔

یاور علی خاں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سایے کی طرح رینگنے لگی۔ وہ اپنے مخصوص دل آویز انداز میں ہنس دیے۔ دھواں بکھیر رہے تھے۔ ویٹرانی کی چند اگلی چند عمودی لکیریں ان کے چہرے کو ایک انوکھا سا وقار عطا کرتی تھیں۔ بالوں سے مونچھوں تک ہونٹوں پر سجائے جیسی مسکراہٹ ان کی پوری شخصیت میں کچھ ایسی طرح کا تضاد پیدا کر رہی تھی۔ نہ جانے کیوں مائرہ نے اُن کی چغلی میں دلیری کی کمی محسوس کی۔ پھر وہ اپنے احساسات سے خود ہی خوفزدہ ہو گئی۔

"اچھا۔ میں چلتی ہوں۔ بے وقت بھی بہت ہو رہا ہے۔" وہ چادر سر پر جما کر کھڑی ہونے لگی۔

"ابھی بیٹھیں۔ ابھی تو آپ نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ ہم کچھ اور بات کریں گے۔" یاور علی خاں نے اسے روکنا چاہا۔

"نہیں۔ پھر کبھی۔ آج کا دن بہت اچھا گزرا۔ شکریہ۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ یاور علی خاں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کے گھر میں کام کرنے والا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے جب آپ ہمارے ہاں کھانا کھائیں گی تو آپ کو بھی اچھا لگے گا۔ جو لوگ میرے ہاں کام کرتے ہیں، کوشش کرتا ہوں کہ ان کی ضروریات کا خیال رکھوں۔ بعض اوقات تو دل چاہتا ہے کہ گھر اور گھر والوں کی طرح دل لگا کر خدمتیں بجا لائیں۔"

مائرہ مسکرائی اور پیشانی کی لٹ کانی کیفیت میں اتنی گہری سے انگلیوں سے مسکرا دی۔

یاور علی خاں کے چہرے پر اضطراب کب سے بے چین دکھائی دے رہے تھے کہ اب وہ مدتوں بعد مسکرائے تھے۔

"ویسے اگر مجھے پتہ چلتا کہ آپ کا کال جانے کا۔" اس نے بھی گل کو حقیقت کا پتہ دینا چاہا۔

"نہ بتائیں گے۔ بعد میں سب کچھ نارمل ہو جائے تو خود ہی بتانا پڑتا ہے۔ کیا ہوا تھا؟"

"کچھ نہیں۔" وہ بائیں سے باقی کو دیکھنے لگے۔

مائرہ چلنے پڑنے لگی تھی۔ اور وہ نے اسکرٹ کا پلو بھرنے لگا دیا تھا۔

محمد ان پریشان ہوا تو اس نے مدتوں سے چھوڑ رکھا تھا۔ فی الحال تو بس ایک کدورت کا سا غم تھا۔ وہ صبح پانچ بجے کے قریب یہاں پہنچا تھا۔ تب یاور علی خاں ایک آپریشن اور گاڑی کے مرحلے سے گزر رہے تھے۔ اسے دیکھ کر خدا جانے کیوں سکون سا محسوس ہوا تھا۔

"یہ پریشان صرف ہوا۔ زیادہ فکر کی بات نہیں۔ وہ تھی ان ہی میں سے، باغی سے دور ہو رہی ہیں گے۔ تمہیں پس منظر کا خیال رکھنا ہے کہ پھر بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ عورتوں کی نفسیات سے تو آگاہ ہو گے نا؟" وہ ایک کے ساتھ آئے ہوئے مریض کے تیمارداروں سے مخاطب ہوئے۔

"یہ پانی۔ ڈاکٹر میں ہو گیا ہے۔ یہ صرف تمہارے لیے ہے۔ پی لیجیے۔" وہ کھانا مانگے تو یہ کہیے گا۔ اس کے بعد کچھ کھانے پینے کے لیے پانی مانگے تو تھوڑا سا گرم کر کے دیں۔ صبح سے پانی کو ترس رہی ہیں۔ اس کے حلق میں نہیں جانا چاہیے۔ کل یہاں تک ٹھیک ہو جائے گی۔ پھر حویلی ساتھ ہی لے جانا۔ اور وہ بھی اچھی طرح تم تمہیں بھلا بھگتا دیں گے۔ ٹھکانوں میں گھاؤ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ پھر نکل جائے گی۔ اچھا خدا حافظ۔"

وہ اپنی خوبرو کی کچھ نئے لکھے جانے کی نکلت میں اپنی جیپ کی طرف بڑھے۔ جبکہ ملازم کو اشارے سے ساتھ گاڑی کی سمت توجہ کیا۔

"یہ گاڑی ہماری کے لیے رہے۔ کوئی ضرورت پیش آئے تو ہے۔ واپس آئے گا تو ساتھ لے آئے گا۔ تم

جب ارادہ کرو۔ تھکن سے جو وجود ٹوٹ رہا ہے۔"

"وہاں گھر سے میں ہے ہاں سے دو اور چیک کر کے تم بھی آرام کرو۔ تھک گئے ہو گے۔ ساری رات سو نہیں سکے۔"

تیمور علی خاں نے جیب میں دینے کہانی بات مکمل کی۔ اور جیب سٹارٹ ہو گئی۔

"حافظ حافظ خان!" اس نے ہاتھ ہلایا۔ اور چاروں طرف پھیلے ہوئے اجاڑ ویران سناٹے کو دیکھنے لگا۔

"یا اللہ۔ یہ بھی کیا کیا دیکھنا ہے اس آنکھ نے؟" اس نے گہرا سانس اندر کھینچا اور کچھ فاصلے پر رکھے ہوئے بیگ اٹھا لیے۔ تھکن اور نیند کا اس قدر غلبہ تھا کہ اسے نئی جگہ اور دلچسپی نہیں تھی کہ ان تھیلوں میں کیا کچھ ہے؟ اس نے دونوں تھیلے اٹھا کر درمیان کے کمرے میں رکھی ایک کرسی پر لگا دیے۔

ساری عمارت ہی ویرانی کا نشان تھی۔ کمرے لائق بھی سامان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اب کیا فرش پر سو جائے اس کا ہاتھ بھیرنے لگا۔

تھم۔ اور کمرے بھی چیک کرتے ہیں۔

اوہو۔ پہلے آنکھ کی پیکنگ تو کر لی جائے۔ جس کے سبب آنسو بہے جا رہے ہیں۔ خدا جانے کون ہے جو ہماری کمزوری شناخت کر لیتا ہے؟

وہ ہال کمرے کی طرف آیا۔ وہ دروازے کو بغور دیکھا جو ہلکے سے اجالے میں واضح نہیں تھا۔ بہر حال وہ باہر سے بند تھا۔ پھر بھی اس نے ہاتھ لگا کر اطمینان کرنا ضروری سمجھا۔

پھر وہ باقی کمرے دیکھنے لگا۔

سب سے آخری کمرے میں باہر سے ایک پان سے بنا ہوا پیگ نظر آ گیا۔ سرہانے بھی اور پائنتی پر ایک تکیہ بھی رکھا ہوا تھا۔

اس نے پیگ پر جھک کر تکیے پر ہاتھ پھیرا اور سوچنے لگا کہ یہ تکیہ استعمال کر لیا جائے یا نہیں۔

پھر شاید دل مانا نہیں۔ اس نے تکیہ ایک طرف ہٹا کر کھیس درست کر کے سر کے نیچے رکھ لیا۔ تھکا ہوا جسم و جان تھا۔ چند لمحوں میں غافل ہو گیا۔

عام دنوں میں اس کی نیند کا دورانیہ پانچ سات گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر آج آنکھ کھلی تو احساس ہوا کہ وہ معمول سے زیادہ سویا ہے۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ چھلاوا خیال بن آیا۔ وہ قیدی لڑکی رات سے اب تک بھوکی پیاسی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے پاؤں میں اپنی پشاوری چپلیں پھنسائیں اور تیزی سے ہال کمرے کی طرف آیا۔

لنگ اور کھڑکی بڑی محنت سے کھلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اچھا خاصا دن چڑھ آیا تھا مگر کمرے میں روشنی کہیں سے آتی دکھائی نہیں دی۔ ہم ہو رہا تھا۔ وہ آگے بڑھا دیوار گیر کی طرف دیکھنے

لگا۔ کہ آخری سرے پر کچھ روشنی نظر آئی۔ اور اس وقت ہی ایک دھماکہ ہوا۔ ایک ہوا کا جھونکا اس کے منہ پر لگا۔ ایک ہوا کا جھونکا اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ اسی سمت چلتا ہوا آگے بڑھا۔ یہ ہوا کہاں سے آ رہی ہے؟ اس کی جستجو اسے اس سمت لے آئی۔ ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کی چوکھٹ سے ٹکرا کر ہوا واپس آ رہی تھی۔

"اللہ کریم!" اس نے آواز دی۔

جواب میں بے شمار ہوائیں چیخ اٹھیں۔

"اللہ کریم۔ وہ یہاں ہو گی۔ بچی کہاں ہے؟"

وہ خاموش تھی۔

اب آنکھیں سمت پا لینے کے بعد کمرے کا جائزہ لینے لگیں۔ کمرے کی کھڑکی کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ پردے بھی سمٹے ہوئے تھے۔ ہوا کی ایک طرف اس کی لہلہا رہی تھی۔

اس نے آہستگی سے اس لڑکی کو آواز دی۔ "اللہ کریم۔"

جسم میں اب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی۔

اب تشویش بے اختیاری اس طرف اس نے اس کو آواز دیتے ہوئے پکارا۔ وہ بچی کے نام کی طرح اللہ کریم تھی۔ لیکن وہ صحیح چیز اب اس کے سامنے تھا۔ مگر وہ تھکے سے ماحول میں پہچان نہیں سکا۔

ایک لمحے کو وہ ساکت سا کھڑا رہ گیا۔

پھر فوراً ہی سرجھٹک کر وہ ہر طرف نظریں دوڑانے لگا۔ جاتے ہوئے دریچے کی طرف موجود تھے۔ اس نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر دونوں دریچے کھول ڈالے۔ دریچے کھلتے ہی کمرا روشن ہو گیا۔ وہ پلٹ کر لڑکی کی طرف آیا۔ اور نرمی سے پکارا۔

"اللہ کریم!"

وہ اسی نرمی طرح پکارتا تھا کہ فوراً خود ہی چونک پڑا۔ سر تھام کر رہ گیا۔ پھر جیسے کسی خیال سے چونک پڑا۔ اور اس کی کوئی تمام انجان ڈور جو گھر بھر میں اس کی موجودگی محسوس کرتی۔ اس نے بے ساختہ اس کے دل کی جگہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایک گہرا سکون اس نے محسوس کیا۔ دل دھڑک رہا تھا۔ وہ تیزی کے سے باہر آیا۔ اور پانی تلاش کیا۔ باہر واش بیسن دکھائی دیا۔ مگر اس پاس کوئی برتن دکھائی نہیں دیا۔ اب مگن تھے دسترخوان ضروری تھی۔ وہ سامنے نظر آنے والے مناظر کی سمت بڑھا۔ ان میں سے ایک مگن کو وا کیا تھا۔ مگن کیا تھا ایک نظر میں ہی بھوک محسوس ہونے لگی کہ وہ تھکن سے نڈھال تھا۔

دھیرے اور محبت بھرے لہجے میں سوال کیا تھا۔ "اللہ کریم" تم نے برتن اور کھانا کھا لیا تھا۔ وہ بچی بچے کھچے کھانے کو دیکھنے لگا۔ کچھ تھے۔ ایک طرف ہٹا لیا تو دوسری طرف کھڑکیوں کا کھڑکیوں کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ پردے بھی سمٹے ہوئے تھے۔ ہوا کی ایک طرف اس کی لہلہا رہی تھی۔

اس نے آہستگی سے اس لڑکی کو آواز دیتے ہوئے پکارا۔ وہ بچی کے نام کی طرح اللہ کریم تھی۔ لیکن وہ صحیح چیز اب اس کے سامنے تھا۔ مگر وہ تھکے سے ماحول میں پہچان نہیں سکا۔

ایک لمحے کو وہ ساکت سا کھڑا رہ گیا۔

پھر فوراً ہی سرجھٹک کر وہ ہر طرف نظریں دوڑانے لگا۔ جاتے ہوئے دریچے کی طرف موجود تھے۔ اس نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر دونوں دریچے کھول ڈالے۔ دریچے کھلتے ہی کمرا روشن ہو گیا۔ وہ پلٹ کر لڑکی کی طرف آیا۔ اور نرمی سے پکارا۔

"اللہ کریم!"

وہ اسی نرمی طرح پکارتا تھا کہ فوراً خود ہی چونک پڑا۔ سر تھام کر رہ گیا۔ پھر جیسے کسی خیال سے چونک پڑا۔ اور اس کی کوئی تمام انجان ڈور جو گھر بھر میں اس کی موجودگی محسوس کرتی۔ اس نے بے ساختہ اس کے دل کی جگہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایک گہرا سکون اس نے محسوس کیا۔ دل دھڑک رہا تھا۔ وہ تیزی کے سے باہر آیا۔ اور پانی تلاش کیا۔ باہر واش بیسن دکھائی دیا۔ مگر اس پاس کوئی برتن دکھائی نہیں دیا۔ اب مگن تھے دسترخوان ضروری تھی۔ وہ سامنے نظر آنے والے مناظر کی سمت بڑھا۔ ان میں سے ایک مگن کو وا کیا تھا۔ مگن کیا تھا ایک نظر میں ہی بھوک محسوس ہونے لگی کہ وہ تھکن سے نڈھال تھا۔

دھیرے اور محبت بھرے لہجے میں سوال کیا تھا۔ "اللہ کریم" تم نے برتن اور کھانا کھا لیا تھا۔ وہ بچی بچے کھچے کھانے کو دیکھنے لگا۔ کچھ تھے۔ ایک طرف ہٹا لیا تو دوسری طرف کھڑکیوں کا کھڑکیوں کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ پردے بھی سمٹے ہوئے تھے۔ ہوا کی ایک طرف اس کی لہلہا رہی تھی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

جلدی سے گاڑھا پانی لے کر صہیر کے پاس آ گیا۔

پانی کے چھینٹے مارے۔ تھپکیاں دیں۔ کلمے پڑھے۔ جو جتن کر سکتا تھا کیے مگر اسے ہوش نہیں آیا۔ وہ نڈھال سا بار بار پانی کے چھینٹے مارے۔

بے بسی کے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

اس نے اس کی ناک کے آگے ہتھیلی کر کے سانس کی روانی دیکھنی چاہی۔ سانس بہت کم محسوس ہوئی۔ ایسی صورت میں ناک کو بند کر کے منہ سے سانس دینے کا عمل کرنا مناسب تھا۔ اس نے گلاس کا سارا پانی اس کے چہرے پر ڈال دیا۔ "یا اللہ مدد۔" کہہ کر اس نے صہیر کے منہ سے اپنا منہ لگا دیا۔ جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس ہوا۔

دوبارہ چھینٹے مارے۔ اب اس نے بزرگوں کا ٹوٹکا آزمایا۔ پاؤں سے بچی انگلی کو زور سے کھینچا۔ کچھ نہ ہوا تو سانس کا عمل ہی بے حد سست تھا۔ اسے محسوس ہوا اب بھی نبض سے کس نہ ہوئی۔

پھر پانی اس کے چہرے پر پھینک دیا۔ اور آخری چارے کے طور پر مصنوعی سانس دینے کی تدبیر آزمانا چاہی۔ وہ کافی دیر اس کاوش میں مصروف رہا تھا۔ مگر حویلی کے بااختیاروں نے اسے حتمی فیصلہ پر پہنچ کر واپس بھیج دیا۔

اسے یقین تھا اگر یہ مر بھی گئی تو اسے بچا لیا جائے گا۔ مگر بچنے کے باوجود بھی تیز نظروں کا سامنا آسان نہ تھا۔ قتل کے الزام کے ساتھ زندہ رہنا تو پھانسی سے بھی بڑی سزا ہے۔ وہ بھی اس شخص کے لیے جس نے کسی کے خلاف کچھ بھی نہ کیا ہو۔

اس کا ہاتھ تخت پر دھرا اس کے چہرے پر جھک گیا۔

اس لیے صہیر نے بند سے آنکھیں کھول دیں۔

اور باری کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے گہرے سمندر سے نکال کر باہر پھینک دیا ہو۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی وحشت زدہ آواز بھی نکل آئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پہلا لفظ کیا بولے۔ کس طرح بتائے کہ وہ ایک بے بس انسان کی مدد کر رہا تھا۔ صہیر چند لمحے حیران پریشان آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم اٹھ بیٹھی۔ اپنا دوپٹہ سنبھالا۔ اور تخت سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ چہرے پر خوف کے عجیب سی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ سوالوں بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر آنکھوں میں نفرت کے جذبے لیے باری کی طرف پشت کر دی تھی۔ اس نے فرش پر تھوک دیا اور دوسرے ہی لمحے باری کا گریبان دبوچ لیا۔

"نظری کی بیوی نہیں ہو تم۔ داشتہ ہو۔"

وہ کہے آوے ایسے کہ وہ بازل نہیں ہے۔ اس پر شرارت سے کسی دوست کے کسی دوست کی بیوی کا اغوا نہیں۔ جس کا سوانگ وہ نہیں ہے۔ جس کی بیوی نہیں۔ کسی بھی عبادت کا حساب نہیں۔

پھر اس کا نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟

بات تو سچ ہی نہیں تھا تو کون سی بیوی کیسی بیوی۔ وہ تو سچ سے عاری تھا۔ اس جھوٹی بیوی کا کیا اس کی بات نہیں مانی تو۔ وہ چلے جائیں گے۔

باری نے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر اپنے دونوں ہاتھ صہیر کے شانوں پر رکھ دیے۔ اس نے ہاتھ کاٹنے کے لیے پھر بڑھایا۔

باری نے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر اپنے دونوں ہاتھ صہیر کے شانوں پر رکھ دیے۔ اس نے ہاتھ کاٹنے کے لیے پھر بڑھایا۔

"بھابی! آپ پہلے میری بات سنیں۔" اس نے ہاتھ روکتے ہوئے بے بسی سے درخواست کی۔

"مزدور مجھے بھابی کہا۔ یہ الگ بات ہے۔ ملحقہ گاؤں کے کوئی لڑکی کسی کی بھابی نہیں ہوتی۔

تم بھی اپنی بھابی کی عزت خراب کرنے آئے تھے۔"

"یہ سوال ہو جائیں پلیز۔ آپ کو پہلے میری بات سننی ہو گی۔" اس کی آواز شدت جذبات سے لرز رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں سننا مجھے۔ نہ تم نے۔ تم حویلی کے کارندے ہو۔ ان سب سے مختلف کیسے ہو سکتے ہو۔ سب کے لیے عبرت کا نشان بنو گے۔" اس نے مٹھیاں بھینچ کر سخت غصہ کا اظہار کیا۔

"آپ بے ہوش نہیں؟"

صہیر نے بے ہوشی کا ناٹک تو خاصا اچھا کیا تھا۔ "صہیر نے بھانپ کر اس کی بات کاٹ دی۔ باری نے بہت عجیب سی کیفیت سے گزرتی تھی۔ وہ اس پر جو الزام بھی ثابت کر آئی تھی۔ لڑکیوں کے ساتھ ایسی مذاق بھی چلتے رہتے تھے۔ مگر اس طرح کی بات کی توقع بھی آ سکتی ہے۔ یہ اس کے سان و گمان میں نہ تھا۔ اسے اپنی قوت برداشت پر ناز تھا۔ مگر یہی چاہ رہا تھا کہ اسی وقت اس بے وقعت سی لڑکی کا گلا دبا دے۔

"مجھے سفلی باتوں سے نفرت ہے۔ مجھے آرڈر ہے مجھے آپ سے آپ کی بات سننے کا۔ مجھے اس طرح الجھنا کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتیں۔

آپ کو معلوم ہے آپ کتنے گھنٹوں سے غشی یا بے ہوشی کے عالم میں تھیں۔ اور یہ کہ اس وقت کیا بجا ہے۔ اگر واں نہ ہوتی آدھا گھنٹا گزر چکا ہے۔ میں آپ کی بچے سے یہاں ہوں۔ اور آپ گھنٹوں سے بے ہوش۔

شرم آنی ہے مجھے آپ سے یہ بات کہتے ہوئے۔ کہ اس وقت آپ بے ہوش تھیں۔ اب تو ہوش میں ہیں۔ شادی شدہ ہیں۔ بچے ہیں۔ اپنا جائزہ اور دیکھ لیجیے آپ کے ساتھ کیا کیا ہو سکتا تھا۔ آپ کا کوئی آپ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ اب مجھے کہہ کر آپ نے اپنا خاندان داؤ پر لگا دیا ہے۔" اس کی نظروں سے خون چھلکنے لگا۔

"میں یہاں بھی اپنا فرض ادا کرنے آیا تھا۔ ہوا نہیں تو کیا ہوا۔ ہو سکتا تھا۔ وہ تو فقط لکھے بچا لیا۔" صہیر کے لیے اس سے زیادہ نفرت کا اظہر کھلا نہ تھا۔

"آپ میں اگر شرم ہوتی، بھوک ہی کی نہ ہوتی تو آپ یہاں قید کیوں کی جاتیں؟ کی ہو گی کوئی بیوی حرکت جس کے حالوں

آپ کی سانس بہت کم ہو چکی تھی۔ اور میں اس حویلی میں جادو کے زور پر کوئی آکسیجن سلنڈر پیدا نہیں کر سکتا۔ جس

www.Paksociety.com

طرح مجبوری میں عورت بھی حلال ہو جاتا ہے۔ کچھ اسی طرح کا حل تھا۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن ان کا

باہر وہ حلیموں میں کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ آپ استعمال کر سکتی ہیں۔ حالانکہ مجھے جانتے ہیں کہ آپ کھانے تک کچھ کھانے کو نہ دیا جائے۔ ویسے آپ نہ کھائیں تو بہتر ہے۔

شاید اس طرح آپ واقعی مر جائیں۔ یوں بھی ایسی زندگی کا کوئی مقصد نہیں۔ مجھے افسوس اور ہے کہ میں بچانے کی کوشش کیوں کی۔ میں نے اس سے زیادہ بدصورت چہرہ آج تک نہیں دیکھا۔"

جھرجھری دونوں ہاتھوں کو تخت پر لگائے بیٹھ گئی تھی۔ مسلسل باتوں کا اثر تھا کہ اس سے اب پھر آنسو بہنے لگے۔

اس وقت تو جذباتی قوت نے جیسے اٹھا دیا تھا۔ مگر نقاہت کے سبب یہ کیفیت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی تھی۔

اس نے تخت پر رکھا گلاس اٹھا کر اندر جھانکا۔ بہت تھوڑا سا پانی تھا۔ اس نے بے تابی سے گلاس منہ سے لگا کر پانی کی

بھی اٹھا لیا۔

جیسے سے اٹھنے والا۔ لیکن سارا پانی۔ مگر اسے یوں لگا جیسے بہشتی مشروب ہو۔

پانی حلق میں پڑتے ہی جیسے کسی برقی قوت نے اندر اپنا کام شروع کر دیا۔ وہ کچھ دیر اسی طرح بیٹھے بیٹھے گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔ پھر گردن موڑ کر دروازے کی سمت دیکھنے لگی جیسے یقین نہ آ رہا ہو کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔

پھر آہستہ سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی باہر آ گئی۔ باہر آتے ہی تیز دھوپ کا تاثر اور ہوا سے ریتی دونوں سے پوری طرح روشنی سے روشن تھے۔

اس نے کچھ دیر سوچا پھر اندازاً ان کی سمت کا راستہ اختیار کیا۔

باہر آ کر سب سے پہلے اس کی نظر ہینڈ پمپ پر پڑی۔ وہ سیدھی وہیں آئی۔ اور ہینڈ پمپ چلانا شروع کر دیا۔ پانی پہلے تو چھینٹے مارنے لگا۔ پھر تھوڑے پانی کے احساس نے سارے وجود کو تقویت بخشی۔ وہ مسلسل ہینڈ پمپ چلاتی رہی۔ نہ جانے کتنی دیر بعد پانی ایک دم کیا ہوا۔ پمپ سے بیتابی لگا کر بھرت بھرت کرنے لگی۔ ہتھا رکھتی تھی۔ روانی تھی کہ جم چلا ہی گئی۔

کافی دیر سسکیاں لیتی رہی۔ پھر وہ پانی سے ہٹ کر پانی ڈالنا شروع کر دیا۔

اور بعد میں دوپٹے سے چہرہ پونچھا۔ اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جیسے اٹھنے میں بڑی دقت پیش آ رہی ہو۔

ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ واپس چل پڑی۔ باڑی سے گزرتے ہوئے درمیان میں کھڑے ہو کر کچھ دیر تک

ایک اسے دکھائی دیئے۔ نگاہوں میں باری کے اللہ گوئے۔ وہ جیسے سکتے سے دور ہو گئی۔ تک کی طرف دیکھنے

قدموں میں خاصی تیزی آ گئی۔ اس نے بیگ کھول کر شیشہ دیکھنا شروع کیں۔

بیگ کے پیکٹ، جیسی، لپ اسٹک وغیرہ ایک ایک کر کے نکالتی رہی۔ پھر روانی کے ساتھ بیگ اور سامان کو واپس

اندر جانے کیا گیا۔ وہ جیسے ایک دم مطمئن ہو گئی۔

یوسف تھی۔ خالی نے اس کے لیے کھانا بنایا ہے۔ اب تو کھانا ہی ہوگا۔

شیلف باری اپنے سامنے کھانا ہوگا۔ سے بہت اچھا بنانے کی عادت ہے۔ کھانا بہت لذیذ ہے۔

اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا۔ بیگ کا کر جلدی جلدی دانتوں سے کاٹنے لگی۔ جیسے بہت بھوکی ہو۔ اور

ہو کے اور خالی پیٹ میں جلد ہی کیا چیز جیسے آنکھوں میں روشنی آ گئی۔ اس نے بچوں کا پیکٹ دوپٹے میں رکھا اور

کمرے سے باہر آ گئی۔

باری ابھی بھی کہیں دکھائی نہیں دیا۔

وہ بال کمرے میں جانے کے بجائے باڑی میں سیدھی چلتی گئی۔ بھوک بڑھ گئی تھی۔ اس لیے چلتی ہے آدھی تھی۔ اس نے دل

ارادے میں بھی واپس نہیں آیا۔ جہاں باڑ نے گھر کے بھاڑ جھاڑ رکھے ہوئے تھے۔

اچانک اس کی نظر سبزی کے ٹوکریں دھریں پھاٹک پر پڑی۔ اس کا دل سبزی کھانے کو چاہا۔ بھوکی پیٹ تھا۔

تو اس کے اندر جانے تو دل کی کا احساس کیا۔ ایک نظر اپنے تنگے پر ڈالی اور اطمینان سے ادھر ادھر دیکھتی پھاٹک

تک آئی۔ اس سے نکل کر سبزی کی ٹوکریوں کے پاس پہنچ گئی۔ اس کا دل اصل نشانے میں تھا۔ اس کے دیکھتے ہی بے اختیار ہاتھ

چل گئی۔

"تمہیں کے لیے اور اس تنہائی کوئی بیماری کھانے کی کوشش کی تو تمہیں کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔"

باری نے اسے کھینچ کر اندر کیا اور دروازہ آواز سے بند کر دیا۔

"شاید مجھے آپ سے محبت ہی ہو جاتی۔ مگر اب نہیں ہو سکتی۔ کوشش کیجیے گا جب تک میں یہاں ہوں آپ میرے

سامنے نہ آئیں۔"

اس نے دروازے میں تالا ڈالتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

"اپنے الٹے ہاتھ کی طرف دیکھیے۔ یہ کتے بندھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ انہیں کھلانے کا حکم ہے۔ اب میرا اور آپ کا

ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔"

اوہ ماں اپنی تھی مگر وہ بچہ اس سے پہلے آگے بڑھ گیا۔ وہ کار کی اوٹ سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

اسے بتانے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے۔ کیا اس نے اس کی اصلیت دیکھ لی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکا سے مسکراہٹ

نمودار ہوئی۔

اگر وہ اسے نہ بھی بتاتی تو کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ کل صبح اس کے ہاتھ سے مارا جاتا۔

اس کمرے میں تو جیسے وحشت ہی ہونے لگی تھی۔ وہ باڑ کے اندر آ گئی۔ پھر کچھ سوچ کر کچن میں چلی آئی۔

اس کی کارگزاری دیکھ کر تو جیسے اس کی وحشت اور بڑھ گئی۔ اس نے بچے ہوئے برتن سمیٹے اور ہینڈ پمپ کی

طرف آئی۔ اور ایک برتن میں صابن لے کر برتن رگڑنے لگی۔

اچانک اس کا دھیان باہر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ باہر کی دنیا بالکل ساکن تھا۔ اس پر سے بوجھ اور تھکن کے احساس جیسے

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

کوّوں کی کائیں کائیں کے علاوہ کوئی اور آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ عجیب قسم کی ہُو کا عالم طاری تھا۔ تنہائی اور بیابانی کا احساس گہرا ہو رہا تھا کہ بچوں کے لیے ان کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ وہ ڈر سے سہمے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

پھر اسے ایک دم ہماری کا خیال آیا۔ وہ کہاں پھر سکتے تھے وہاں ہو گی۔ وہ بار بار چیخ رہی تھی۔ مگر وہ تو بہرا ہے شاید۔ وہ کیا سمجھ سکتا ہے گا۔ اس نے تو یہ کہتے سنا تھا۔ پھاوڑہ جو کہا تھا۔ تو علی خان نے کہا تھا۔ بہت ہی کوئی پکا ہے خان کی۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

اچانک اس کی نگاہ پر ایک چھوٹا سا پتھر گرا۔ وہ تن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر وہ پھر پڑا۔

وہ خوفزدہ ہو کر کھڑی ہو گئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مگر کوئی دکھائی نہیں دیا۔ وہ سہمے ہوئے انداز میں دوڑنے لگی۔ ابھی رتن اٹھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ پھر ایک کنکری اس کی پشت پر آئی۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ پانیوں کی لہروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔ وہ خاصی دور اس طرف چل کر گئی اور کھڑی ہو گئی مگر کچھ نہ ہوا۔ پھر وہ واپس آ کر بیٹھ گئی۔ مگر ذہن بہت الجھ گیا تھا۔

ہاری کچھ دیر اس نے خود آخری کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اگر وہ باہر آتا تو سامنے سے آتا۔ عجیب پیچیدہ معاملہ ہو رہا ہے۔ وہ گم صم ہی بیٹھی سوچے گئی۔ پھر ایک نرم سی چیز دھپ سے اس کی کمر پر گری۔ وہ چیخ مار کر اچھل پڑی۔

اس نے مڑ کر کمر سے لگنے والی چیز کو دیکھا۔ سیاہ رنگ کا ایک مردہ چوہا اس کی پشت پر گرا تھا۔ اس کی دہشت زدہ چیخ نکل گئی۔ وہ بھاگی ہوئی اس کمرے کی طرف آئی جہاں ہاری کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔

ہاری ایک سوتی سی کتاب چہرے کے سامنے کیے لیٹا ہوا تھا۔

"ہاری۔ ہاری۔ کون مجھے بہت زور سے تنگ کر رہا ہے۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"تو آپ سے کس نے کہا ہے آپ حویلی میں داخل ہوں۔ باہر ہی رہیں۔ باہر ہی اپنے تصور خانوں میں۔" اس نے چہرے کے سامنے سے کتاب ہٹاتے ہوئے تلخی سے جواب دیا۔

"وہ کوئی بھی ہے تمہیں بھی پریشان کر سکتا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"مائی فٹ!" وہ بڑبڑایا اور خود کو دوبارہ کتاب میں مصروف کر لیا۔

"جایئے آپ یہاں سے۔ فی الحال آپ ٹکی ہمیں کی۔ احسان رکھیے۔"

وہ ہونٹ کاٹتی واپس ہال نما کمرے کی طرف آ گئی۔ اس کی آواز سن کر کم از کم اس کی سراہٹ کا احساس تو ہو گیا تھا اور کچھ دیر کے لیے وہ خوف منہدم ہو گیا تھا۔ اس نے دوبارہ رتن اٹھایا اور رخ تبدیل کر کے بیٹھ گئی۔ اب حملے کے مقام کی طرف اس کا چہرہ تھا۔ اب وہ رتن کی طرف کم اور دیوار کی طرف زیادہ متوجہ تھی۔

موسم سے اگلے دن صبح کی تاریکی سے ہی انہوں نے واپسی کا سفر اختیار کر لیا تھا۔ علی دلی اللہ کی بیوی اور

بچے کو اپنے ساتھ لائی تھی۔ مگر وہ علی خان کی بڑی حسین بیوی تھی۔ جو ہاری کو دیکھ کر ہی بدک گئی تھی۔ وہ ہاری کو اپنے ساتھ لانے پر تیار نہیں ہوئی تھی۔ علی خان نے دلی اللہ سے اپنے مطلب کی بات کرنے کے لیے اسے بھی دلی اللہ کے پاس بھیج دیا تھا۔ جس کا جواب لے کر وہ آ رہا تھا۔ اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

"اس کم بخت نے کیا کہا ہے؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"کہتے ہیں آپ مکمل ہوش و حواس سے تسلیم کیا حاصل ہو گا؟"

"کہتے ہیں آپ مکمل ہوش و حواس سے تسلیم کیا حاصل ہو گا؟" وہ بڑبڑائی۔ "ہوش و حواس ہی تو ہمارے نقصان کا احساس دلاتے ہیں۔ ہوش و حواس ہی تو ہمیں ہر لمحہ ہر پل ہماری غلطیوں پر گرفت کرتے ہیں۔ ہوش و حواس ہی تو ہمیں ہر لمحہ ہر پل ہماری غلطیوں پر گرفت کرتے ہیں۔ اگر ہوش و حواس ہی ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اگر ہوش و حواس ہی ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ تو ہم کیا کریں گے۔"

"اگلی بار میں ہمارا انتظار نہ کرنا۔ میرا مطلب ہے یہاں۔ وہ اپنی طرف سے تمہیں زحمت سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ پیشہ ور لوگ ہوتے ہیں۔ جو کام کرانا ہوتا ہے۔ اس کی اجرت پہلے ہی طے کر لیتے ہیں۔ پیشگی کہتے ہیں۔"

"ابھی وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔" انہوں نے اپنے روکھے انداز میں جواب دیا۔ تو اگلے سوال کی کیا اہمیت ہو گی تھی۔

پانیوں پر چھائی آنکھیں۔ بعض اوقات اس کی زیادہ دیر تک آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ ان کے سرخ ڈورے اس کا چہرہ مزید سرخ کر دیتے ہیں۔ اس کا دل دھک سے رہ جاتا تھا۔

چپ چاپ سا بیٹھا ایندھن پر نظریں جمائے تھا۔

جس وقت گھر میں داخل ہوئے تو وہ پیر و احسان کے سفر طے میں آ چکی تھی۔ روشی کو وقت بھوک محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ علی خان اپنے بیڈ روم کی طرف تو روشی سیدھی کچن میں چلی گئی تھی۔

"کوئی اچھی چیز بنے کھانے کی۔ مرے ہوئے کی۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔ کچن میں تو بس کھانے کی ڈریسنگ ہی ڈریسنگ ہوتی ہے۔ نیسٹ تو ڈریس ہوتا۔" وہ اٹھ کر کرسی کی طرف بڑھی۔

"آپ کو وقت انتظار کرنا ہو گا بی بی۔ میں بڑے سرکار کو پیالے بھیجتا ہوں۔" خانساماں نے مؤدبانہ درخواست کی۔ اور لابی کی سمت اشارہ کیا۔

"مگر تم پہلے کھانے والے کا تو پیٹ بھر دیتا ہے۔ بھوکے بھی پائے رہتا۔"

"میں سرکار کی بات نہیں کر رہا ہوں بی بی۔ ان کے الضاحب کی بات کر رہا ہوں۔" خانساماں نے وضاحت کی۔

روشی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "ہیں۔ وہ الضاحب!!!"

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

☆—☆—☆—☆—☆—☆

"کب آئے؟" اس کی تو بھوک ہی اڑ گئی۔

"صبح تو بے آئے تھے۔" خانساماں نے جواب دیا۔

"انہوں نے ہمارے بارے میں پوچھا ہوگا، پھر تم نے کیا جواب دیا؟" روشی بہت پریشان ہوگئی۔

"سر نہیں کہہ کر گئے تھے کہ کوئی بھی پوچھے تو کہہ دینا وہ دفتر کے کام سے۔" خانساماں نے ادب سے جواب دیا۔

روشی نے سکون کا سانس لیا۔ "اچھا!"

"مگر باری کو کیسے پتا چلا کہ ہم کراچی میں ہیں؟" وہ سوچ سوچ کر بہت پریشان ہوئی۔

"ہمارے جانے کے بعد باری کا فون آیا تھا کیا؟" اس نے لکھے ہوئے اعداد میں سوال کیا۔

"باری؟" خانساماں سوالیہ انداز میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"بھئی باری — باری کو نہیں جانتے۔ وہ جو ٹیلی فون کی تاروں میں دوڑتا رہتا ہے۔" وہ جھلا کر بولی۔

"جی!" خانساماں کچھ پریشان سا ہو گیا۔

"خیر، ایسا کرو تم بابا صاحب کو چائے دے کر میرا انتظار کرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی —" خانساماں اپنے کام کے مقام کی طرف بڑھ گیا۔

روشی کی تیزی سے باورچی خانے کی طرف آئی دیکھ کر خانساماں نے پوچھا۔

"میں!" باورچی خان کی بھاری آواز سنائی دی۔

وہ جلدی سے دروازہ دھکیل کر اندر آ گئی۔

"چاچا! آپ کو کچھ پتا ہے بابا صاحب آئے ہوئے ہیں، اگر وہ آپ کو کچھ کہیں تو کہہ دیجیے گا، کہ روشی نے مجھے کہا تھا پہلے معلوم کر لیجیے گا۔ انہیں دھوکے سے کہیں لے جانے کا پتا بھی ہے یا نہیں، ہو سکتا ہے انہیں پتا ہی نہ ہو اور پتا نہ ہونے کی وجہ سے کہیں چل نہ دیں۔ باری کو کیسے پتا چلا کہ ہم کراچی گئے ہوئے ہیں۔ اس نے مجھے وہاں فون کیا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ اسے پتا ہے بلکہ ہمارے کمروں کا بھی پتا ہے۔ انہیں کیسے پتا چلا؟ مجھے تو یہ بھی پتا ہے کہ وہ بیان کی دھمکی بھی دے گیا ہے۔ انہیں کس نے خبر دی؟ حیرت کی بات ہے۔ یہ تو بڑا گھمبیر قسم کا گھپلا معلوم ہوتا ہے۔ ہاں —"

باورچی خان نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ اسے جیسے یہ یک لگے۔

"آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اٹ از آل رائٹ ان دیٹ کیس —" وہ غالباً محمل کے ارادے سے واقف ہے کہہ کر اسے ٹال رہے تھے۔

"مگر چاچا! بابا صاحب —"

انہوں نے کہا ہاں، کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ جب مسائل حل کرنے کے لیے والدین موجود ہوں تو بچوں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ انہوں نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"خفگی ہو مگر آپ والدین نہ کہا کریں۔ صرف والد ہی کہا کریں مجھے رونا آ جاتا ہے۔" انہیں کیا پتا والدہ کیا ہوتی ہے؟" اس نے روہانسی آواز میں کہا اور باہر آ گئی۔

اس کا رونا پھر بچپن کی جانب تھا مگر اس مرتبہ چوں میں وہ پہلے سا دکھ (خوف نہیں) محسوس کر رہا تھا۔

مطربہ کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ بھاگم بھاگ اپنے کمرے میں آئی۔ ساز خانے میں ان کے لیے ایک ساز منتخب کر رہا تھا۔ جو سر کی وجہ سے ذرا مشکل تھا۔ مگر اس کی مشق اس کے پاس تھی۔ اس لیے وہ جلدی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

وہ تیزی سے اپنے دائیں کمرے کی طرف آئی۔ جہاں طبلہ کی طاقت ور ضربیں رکھی ہوئی تھیں۔ ضرب اٹھا کر وہ بائیں کمرے میں ایک منٹ کی ٹائم کیپر کے علم پہچانا تھا۔ اس نے ضرب کی روشنی کمرے میں چاروں طرف پھینکی۔ مجمع وہاں موجود تھا۔ مطربہ اس نے محسوس کیا، کہ کوئی کے بھولنے میں کوئی خاص بات ہے۔ اس کا ماتھا ٹھنکا، وہ دروازے کی طرف لپکا مگر اسٹیج میں داخل ہونے سے رک گیا۔

مجمع بیاروں ٹانگے جیت میں دراصل میں ہے اور پڑی تھی۔

جان نثار کرنا کیا ہو گیا، کچھ سمجھ نہ آیا۔ وہ اس کے گرد کیے فرش پر بیٹھ گیا۔

www.Paksociety.com

تھی کیوں تھی اور اسے ہوش کیسے آئی؟ اب یہ سوال ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ وارث کی روشنی اس پاگل کو جانے بھی سے باز رکھ رہا تھا۔ مگر بھلا یہ کوئی بات روکنے کی تھی اسے جانا ہی تھی۔

اس نے باری خواستہ اس کی نبض چیک کی اور پھر کلائی کے نیچے تکیوں کو جھاڑا۔

اس کی کلائی سے خون رس رہا تھا۔ اس نے کلائی پر روشنی پھینکی۔ کلائی خون سے سرخ تھی۔

خود کشی! یہی خیال اس کے ذہن میں آیا اور اس کے ساتھ ہی جیسے ایک دھماکا سا اس کے دماغ میں ہوا۔

اس نے اوزار ایک طرف رکھ کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ کلائی کو اور جھولی سے اس کے دل کی جگہ کو تلاش کرنے لگی۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ احتیاط سے اسے ہال کمرے کی طرف لایا اور تخت پر لٹا دیا۔ اور وہاں سے چھلکتے بچکے سے جانے میں اس کی کلائی پر اپنا رومال باندھ دیا۔

قدرے ہوا کی اور الکوہل کی حالت میں پانی لیے احدودی احاطے میں آیا۔ وارث خانے سے مگاس لیا جس کی حالت بہت کمزور ہو چکی تھی، جو سر اسر جھومر کے ذہن بازہ کا نتیجہ تھی۔

وہ پمپ سے ایک جھٹکے میں گلاس بھرا اور ہال کمرے کی طرف واپس آ گیا۔ اور اس کے منہ پر چھینٹے مارنے شروع کیے اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب تھوڑی ہی دیر میں جھومر نے آنکھیں کھول دیں۔

"یہ کیا رنگ لائی ہیں۔ بس اتنا ہی حوصلہ ہے، جب کلائی کاٹ ہی لی تھی تو بچانے کی کیا ضرورت۔ خاموشی سے مر جاتیں۔ جب مرنے سے مرتے ہیں تو جیتے کیوں ہیں۔" اس نے مگاس وہیں اس کے قریب رکھ دیا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

"باری!" جھومر نے جیسے سسکی بھری۔

"فرمائیے۔" وہ بغیر پلٹے مڑا۔

"باری میں مر رہی ہوں۔" اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

"میں کیا کر سکتا ہوں، مرضی ہے آپ کی۔ ویسے بھی ایسی مصیبت بھری زندگی کا کیا فائدہ۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ وہ اس جگہ سے آگے نہیں آ سکتی تھی۔ اس نے قدم بڑھا دیے۔

"باری! کیا وہ کلائی اتنا گہرا ہے؟" وہ سسک رہی تھی، کراہ رہی تھی۔

"آپ سے مطلب؟" وہ واپس پلٹے بغیر انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"روشنی ٹھیک کہتی ہے۔ جذباتی سے آپ ہم انسان نہیں ہیں۔" وہ بڑبڑاہٹ کر رہی تھی۔

روشنی کے ذکر پر اس کے دل کو کچھ ہوا اور اس نے پلٹ کر روتی ہوئی جھومر کو دیکھا۔

"میں جو کچھ ہوں، اس سے آپ کو وارث کی بی کو کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہیے۔"

"باری! میرا خون بہہ رہا ہے۔" وہ رونے کی طرح رو رہی تھی۔

"آپ کو کلائی کی نس کاٹنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا کہ اس طرح کی حرکت کے بعد اس طرح ہوتا ہے۔" وہ سخت کر کہہ رہا تھا۔

"میں کیا جان کر ایسا کرتی۔ جذبات میں آ کر کیا جاتا ہے۔"

"خدا کے لیے مجھے تنگ نہ کریں۔ میں نے کلائی کی رگ نہیں کاٹی ہے۔ کتے نے کاٹا ہے اور ایک چھوٹا سا زخم ہے۔ کسی بھی طرح اس کے بہنے سے موت واقع نہیں ہو سکتی۔" وہ بیزار ہو رہا تھا۔

وارث کو پکارا ہے۔" اور کلائی کا آپریشن کیا۔" وہ بیزاری سے وارث کو پکارتے ہوئے آگے بڑھا۔

"باری ——— پلیز!"

"آ رہا ہوں، دوائی لگا لے رہے۔" اس نے پلٹے میں خاصی تبدیلی آ گئی۔

چند لمحوں کے بعد وہ واپس آیا۔

"اور کہاں کاٹا ہے؟" اس نے وارث کی روشنی اس کے جھومر پر ڈالی۔

جھومر الٹ کر بیٹھ گئی۔ پھر شلوار کا پائنچہ اوپر کیا۔ پنڈلی بھی زخمی تھی۔ اس نے پائنچہ اور اوپر کر کے دکھایا۔

"اچھا ——— اچھا ٹھیک ہے اب جلدی سے انجیکشن میں گاڑی کی چابی لے کر آتا ہوں۔ یہاں تو سرنج وغیرہ بھی نہیں ہے۔ جھومر کہنے کے لیے کافی حد تک ٹھیک ہوتا ہے کہ ٹھیک ہو سرنج وغیرہ گاڑی میں ہے کہ کر پلٹا۔ سرنج وغیرہ بھی نہیں ہے جلدی سے واپس آتے ہیں میں آ رہا ہوں۔"

"مجھے اکیلا نہیں چھوڑ رہا۔ سر میں درد کے جھکڑ چل رہے ہیں۔" اس نے بے بسی سے سر تھام رکھا تھا۔

"مگر میں یہاں کسی ڈاکٹر کو نہیں لا سکتا۔" اس نے معذوری ظاہر کی۔

"مجھے تھوڑا سا سہارا دو۔ مجھے چکر آ رہے ہیں۔" اس پر ابھی تک غنودگی طاری تھا۔

"آتا ہوں ابھی۔" اس نے آہستگی اور قدرے نرمی سے کہا اور پانی لیتے ہوئے ہال کمرے کی طرف آیا۔ اندھیرا تھوڑا ہو چکا تھا۔ وارث کی مدد سے اپنا کام کر رہا تھا۔ سنتے سے پانی اٹھائی پھر ہال کمرے میں واپس آ کر اسے ہاتھ میں تھام کر سہارا دیتا اس کی سمت بڑھایا۔

"لیجیے!"

جھومر نے اس کی بھیگی ہوئی مخملی آواز کے اس کا سہارا دیتے کے انداز میں تھام لیا اور پانی تخت سے ٹکا کر جھک کر پی لیا۔ وہ مخلص انداز میں قدم آگے بڑھاتا خانے کی طرف سے صرف اپنے بازو کی حفاظت وہ اس کی مدد کر رہا تھا۔ باقی سارا بوجھ جھومر پر تھا۔ اس نے تو اپنا بازو تھامنے کی اجازت بھی کوئی اس طرح دی تھی، جیسے احسان جتا کر کوئی بڑا

جھومر خود کو سنبھالتے ہوئے اس کے قدم سے قدم ملا رہی تھی۔ اس کی سوچ ہوا تھی۔ اس کی ہر حرکت پر اس کے بہتے ہوئے بہت تھکی ہوئی تھی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بمشکل اس کو اٹھنے تک لایا۔ کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اسے احتیاط سے بٹھایا اور دروازہ بند کرتے ہوئے کھڑکی پر جھکا۔ مجھر سے دم اندر میں بیٹھ چکی تھی۔

"باری ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھو۔" مجھر کی سسکاریاں گاڑی کے اندرونی ماحول کو قابل برداشت بنا رہی تھیں۔ باری نے چابی گھما کر کار کی اندرونی لائٹ آن کر دی اور گاڑی ڈرائیو کرنا شروع کی۔

"شاید قصبے تک پہنچتے پہنچتے میں زندہ رہوں اور اسپتال تک میں مر جاؤں۔" مجھر کراہ کر بولی۔

"تو پھر جلدی جلدی اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیں، مجھے آپ سے کوئی ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی۔ میں آپ کو پہلے ہی خبردار کر چکا تھا کہ کتنے بہت خونخوار ہیں۔" اس نے خاصے بے رحم لہجے میں جواب دیا۔

"تم خاندان کے کارندے اور تم میں انسانیت ہو بھی کیسے سکتی ہے۔" مجھر نے کراہتے ہوئے جتانا چاہا۔

باری نے لمحہ بھر ہونٹ دبا کر جیسے خود پر ضبط کیا۔ گاڑی باہر آئی تو خود بھی گاڑی سے نکل آیا۔ کھڑکی سے اندر جھانکا۔ مجھر جاں بلب تھی۔ میں واپس گھوما، واپس گاڑی تک آیا اور ایک سرسری نظر پچھلی سیٹ پر ڈالی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گھٹنے سے دروازہ بند کر لیا۔

"باری!" مجھر نے سسکاری بھری۔

"جی۔"

"ایک بات کہوں؟" وہ جیسے بہت اذیت میں بول رہی تھی۔

"بہتر ہے تم کچھ نہ کہو اور خاموش رہو۔ بولنے سے بھی خون بہنا بڑھتا ہے۔" اس نے تلخی سے جواب دیا۔

مجھر شاید بات کی گہرائی سمجھ گئی تھی۔ ایک دم چپ ہو گئی۔

گاڑی نہایت ویران اور اندھیرے راستوں سے گزر رہی تھی۔

کھانا کھا کر وہ سو گئی تھی۔ نیند بھی اس قدر ٹوٹ کر آئی تھی، جیسے کئی دنوں سے سوئی نہ ہو۔ مغرب کی اذانوں کے وقت ملازم نے دروازے پر دستک دے کر اسے جگایا تھا اور وہ کلاک پر نظر پڑتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ بابا صاحب کیا سوچ رہے ہوں گے کہ سلام بھی کرنے نہیں آئی۔ باپ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

وہ جلدی جلدی وضو کرنے لگی۔ کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا۔ اندھیرا چھا چکا تھا۔ دور سے مغرب کی اذان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ جائے نماز بچھا کر نماز میں مصروف ہو گئی۔

البتہ ترشید مہمانوں کو سنبھالنے میں تھوڑی دیر مصروف رہی، پھر وہ بھی اٹھ کر باہر آ گئی۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سارے گھر کی لائٹس آن تھیں۔ ملازمین کی ملی جلی آوازیں، فون کی گھنٹیاں، ماں کے ہونے والے آئی پی ایس پروگرام کی آوازیں، ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے کھلے ہوئے حصے میں اس کے بچوں کی شرارتوں کے ساتھ ملازم دوڑتے پھر رہے تھے۔ اکبر ان کے گھوڑے بنے ہوئے تھے۔

اس نے ماحول پر نظر ڈالی تو بے ساختہ مسکرا دی اور سوچا کہ باپ کے پاس جا کر بیٹھے۔ اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"میں۔" باہر علی خان کی مانوس آواز آئی۔ شاید انہیں کسی ملازم کا گمان تھا۔ وہ ہنس دی۔

باہر علی خان کے جوتے کی چاپ سنائی دی۔ پھر کھلی ہوئی کھڑکی پر گرہ سی لگ گئی۔ وہ کچھ کہہ رہے تھے۔ اس پر توجہ دیتے ہی انہوں نے دروازہ ناک کر دیا۔

"آ جائیے۔ جاگ رہی ہیں۔"

"نہیں ہوگی۔" وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ میں بابا صاحب کو سلام کرنے جا رہی ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پوچھیں کہ میں نے ان کے بارے میں تو کیا کہنا چاہیے تھے۔ پتا نہیں آپ سے ان کی کیا بات ہوئی ہو اور میں کیا کہہ رہی ہوں۔ میں ٹھیک ہے نا؟"

باہر علی خان بے ساختہ مسکرا دیے۔

"روشی اتنی سمجھدار ہو گئی ہے، اندازہ نہیں تھا۔ آپ کہاں پریشان ہیں بیٹے، کوئی حرج نہیں ہے آپ کے جانے سے پہلے۔ بلکہ اچھا ہوگا۔" انہوں نے نرمی سے دوبارہ آن کر دیا۔

"آپ چل رہے؟" روشی جاتے جاتے پلٹ گئی۔

"ہوں۔"

"باہر مچھر تو نہیں ہیں؟" اسے جانے کیوں اندیشہ لاحق ہوا تھا۔

"نہیں روشی اوہ ساری احتیاط اس لیے تھی کہ ہماری روانگی میں کوئی مداخلت نہ ہو۔ اب ہم ہو کر آ چکے ہیں۔ اس لیے بات نہیں۔"

"مچھر کس بلا کا نام ہے؟" اس کے سر سے بوجھ سا ہٹ گیا۔

وہ خاصے پرسکون انداز میں بابا صاحب کے کمرے کی طرف آئی اور دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ۔" بابا صاحب کی بارعب آواز ابھری۔

وہ جھجک آ گئی اور ہاتھ پیچھے کر کے ساتھ ہی دروازہ بند کر دیا۔

"السلام علیکم بابا صاحب!" اس نے ڈرتے ڈرتے ان کا چہرہ دیکھا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہے ہماری بیٹی، باپ کے پاس پہنچتے ہی دادا کو بھول گئی۔ بھول گئیں تم بہت یاد آئیں۔ بچی پر چھوڑ کر ہمال آنے کا بہانا بھی تم ہو۔" وہ مسکرا رہے تھے۔

روشی تو جیسے گرتے گرتے بچی۔ مارے حیرت کے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ہم۔۔۔ میں بھی آپ کو یاد کرتی رہی تھی۔" اسے اس بھی جملہ سوجھا۔

"آؤ ادھر ہمارے پاس بیٹھو۔" انہوں نے اپنے بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

www.Paksociety.com

کسی نے کی تھی۔

"مگر بابا!" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔

"آپی!" وہ پھر مخاطب ہوئے۔

وہ بھائی جان کے نزدیک ہوتی آئی اور بیڈ کے کنارے پر اس طرح ٹک گئی، جیسے موقع ملتے ہی بھاگ جائے گی۔

"سنو گڑیا! تمہارے ہاں کوشش کرنا فضول ہوا اور اس بات کا ذکر تم ایک بار کر چکی ہو۔" بھائی جان نے اسے سمجھانا چاہا۔

"ایک بات کہوں بابا صاحب! اگر آپ اجازت دیں، مگر مجھے امید ہے آپ ناراض نہیں ہوں گے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تم کہو، ہم ناراض نہیں ہوں گے۔" ان کا لہجہ ان کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ کچھ سے مایوسی کا احساس تھا، ان کی آواز میں۔ پریشانی کی لکیریں گہری ہو گئی تھیں۔

"آپ چاہتے تو میں زندگی میں کبھی بابا کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا تھا۔

بابا صاحب نے سینے میں سے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"بیٹی! اللہ سے چاہنے نہ چاہنے کی بات نہیں تھی۔ تمہارا باپ نہیں چاہتا تھا۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ سے ہلکا سا جھٹکا دیتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

وہ نظریں اٹھا کر بابا صاحب کا چہرہ دیکھنا۔ اسے یہ سوچ کر شرم آئی کہ بابا صاحب کو بھی محبت ہو سکتی ہے؟ کتنے آرام سے انہوں نے سارا وزن اس کے باپ پر رکھ دیا۔

اگر وہ نہیں چاہتے تھے تو پھر اب کیوں لے کر گئے تھے۔ غلط سوال ذہن میں آیا۔

"تو کیوں نہیں چاہتے تھے؟" اس کے منہ سے سوال پھسل ہی گیا آخر۔

"اس دار فانی کے سوال جواب اچھے نہیں لگتے۔ ہم نے تمہیں بتایا نہیں۔" بابا صاحب نے یہ کہہ کر جواب دیا۔

تو پھر اب پوچھے گا کہ پہلے کیوں نہ بتایا اور اب کیوں بتایا؟ اس کے اندر کی گڑی ہوئی لکیر جو کہ ایک بڑی خلیج بن چکی تھی، اسے ڈرانے لگی تھی۔

اس قدر بے بھار پیار میں بھرے ہوئے باپ کے اور بابا صاحب انہیں یہ صلہ دے رہے تھے۔ وہ بابا صاحب سے کہہ رہی تھی، ناظر ہو رہی تھی۔

"خاموش کیوں ہو گئیں، کوئی بات کریں۔"

"میں بگڑی ہوئی ہوں بابا صاحب۔" اس کے لہجے میں کرب کی جھلک ابھر آئی۔

"ماشاء اللہ بہت لوگ ہیں تمہارے چاہنے والے۔ یہ تمہارے کہنے کے لئے ہیں۔ تم خوش رہا کرو، بابا صاحب

کی بیٹی ہیں، کامیاب ہو گی تو تمہارے باپ کے لئے خوشی ہو گی۔ باپ کو بہت خوشی ہے کہ اس کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔

ہم نے تمہارا داخلہ کر دیا ہے۔ وہاں تم پڑھنے لکھنے کے سلسلے میں کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ شادی کے بعد تم آزاد ہو گی۔ جیسے چاہے زندگی گزارو۔ ہم نے تمہارے کسی فیصلے میں رکاوٹ نہیں بننا ہے۔ ہاں اگر کوئی مدد چاہیے ہو تو ہم حاضر ہیں۔ ویسے بھی تمہاری خوشی کا خیال رکھیں گے۔

ہاسٹل میں جا کر پڑھنا چاہو گی تو وہ بھی بتا دینا، وہاں بھی بھیج دیں گے۔ ہم نہ تو تمہیں یہاں آنے سے روکیں گے۔ نہ ہی تمہاری شادی اپنے گھرانے کی بہت بھاری ذمہ داری ہوتی ہے۔ شادی کے بعد عورت اپنے مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ہر مرد اپنی بیوی سے اپنی مرضی کا ڈھال لیتا ہے۔ پڑھنے کی تکمیل کرنے کی اجازت کر لے گی۔

تمہاری شادی ہو جائے گی، ہمارے اور باپ کے کاندھوں سے بوجھ اتر جائے گا اور پھر تمہیں ابا جان چلا جائے گا۔ ہاں بچوں کے کھلنے کی آواز آتی رہے گی، مگر انہیں اس طرح کی آزادی نہیں دے سکتے۔ آج کل کے گھرانوں کے بچے کی ہوتی ہیں، اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ عام متوسط گھرانوں کے بچوں اور تعلیم یافتہ گھرانے کے بچوں میں فرق ہوتا ہے۔

خوب صورتی میں ڈھل جانے والے خوابوں کی جنت ایک گڑیا میں لگانے لگی تھی۔

گڑیا بچپن اتنا سے نہیں تھی، اس کے پیچھے محرومیوں کی جنت ہوتی ہے۔ ایسی احساس ہے تم پابند زندگی پسند نہیں کرتی، اس لئے ہم جلد سے جلد تمہاری شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ ویسے ہی گھر میں قدم رکھنے والی لڑکی ہوتی ہیں۔ تم کامیاب ہو گی ہم نے سوچ رکھا ہے۔ وہ آج کا زمانہ دیکھ رہا ہے، ملک ملک گھومتا ہے۔ شادی کے بعد تمہیں بھی دنیا کی سیر کرائیں گے اور ہم چاہتا کہ تم ہمیں بتاؤ کہ تمہاری بچی اپنی کہ پابند زندگی گزار رہی ہے، ٹھیک ہے نا؟"

انہوں نے پھر محبت بھرے انداز میں اس سے سوال کیا تھا۔

بابا صاحب بولتے جا رہے تھے اور اس کا جی چاہا تھا، اپنے کان بند کر لے۔ سانس بہت تیز چلنے لگی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، بابا صاحب پھر بولے۔

"تمہیں اس کا حق کے لئے کہہ رہا تھا، مگر ہم نے تمہیں بتایا ہے کہ تمہارے ہاتھ کے بغیر تک یہ معاملہ طے کیا جا چکا ہے۔

ویسے ہے کہ اب اس کا حق پہلے والا نہیں، مگر تم سے بہتر ہے۔ ان کا بیٹا ہے کہ اب یہ بتاؤ اس کی پسند کیا ہے؟" انہوں نے اچانک موضوع بدل دیا۔

"اگر تم کو ہمارا فیصلہ پسند ہے۔" اس کا سوال ہے اس کے ہونٹ ہلے۔

"کیا تم کو پتا ہے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں؟ تمہاری ماں کے بعد ہے کیا تمہیں سمجھ آ رہا ہے؟ کہ ہم کیا کہنے

کا کیوں کی ہے۔"

سفید موتیوں کے پیچھے ان کی چمکتی ہوئی نیلی آنکھیں پریشانی سے پھیرے پر ٹک گئیں۔

"ایک ایک دن تو بہت ہی ہے جو بلی جلدی کیا ہے اپنے بچے کے پاس واپس جانے کی۔" وہ اپنے مخصوص

روکھی تھی۔

"مرضی ہے تمہاری، ہمارے پاس تمہاری بہنوں کا بہت اصرار تھا سو ہم نے بھیج دیا۔"

وہ سر جھکائے کچھ سوچتی رہی۔

"آپ کتنے دن کے لیے آئے ہیں بابا صاحب؟ اگر آپ زیادہ دن کے لیے آئے ہیں تو کام کی چھٹی لے کر چلوں؟ اگر جلدی جا سکیں گے تو میں بعد میں آ جاؤں گی۔ ابھی میرا دل نہیں چاہ رہا بچے کو چھوڑ کر جانے کا۔ کیا آپ نے دیکھے ہیں نہ جانے کیوں آواز بھرا گئی۔

"کوئی بات نہیں بیٹی، جب تک تمہاری بیا ہے ہو ہم تو صحیح چلے جائیں گے۔"

انہوں نے اسی طرح نرم سکون انداز میں جواب دیا۔ جس کا مظاہرہ وہ شروع سے کر رہے تھے۔

"اتنی جلدی؟" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"ہاں، مجبوری ہے، ادھر باری بھی نہیں ہے ناں، فارغ کل، اور تمہارے بڑے ابا بھی کر رہے ہوں گے تمہارے دادا بلا رہے ہیں۔"

روحی کا دل بھر سے اٹھا۔

"دادی کہاں گیا دادا؟" اس نے اٹکتے ہوئے پوچھ لیا۔

"سرائے گیا دادا ہے۔ تھا سلوم اسے وہاں کتنے دن لگ جائیں۔" وہ خوشگوار کے انداز میں گویا ہوئے۔

"کیوں؟ وہاں کیا ہو گیا۔ کاکا جان تو ٹھیک ہی بہت ہیں۔ جب گھر والے ان سے اکتا دیتے ہیں تو وہاں چلی جاتی ہیں۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"مگر تمہیں تو کسی سے ڈر نہیں لگتا۔ کیا تمہیں کبھی ڈر لگا؟" وہ جانے کیوں بہت سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"میں ان کے ساتھ ہی تو نہیں جاتی تھی۔ بڑی امی سب بچوں کو ان سے ڈراتی تھیں۔" اس نے بڑا سا جواب دیا۔

"اچھا، جیسی تم مرضی، وہ ایسا کیوں کرتی رہی ہیں۔ ہر انسان کا اپنا مزاج ہوتا ہے تمہارے کاکا جان اور ان سے گھر سے ہیں۔ پہلے ہوا گھر پھر پاگل، پھر دوسرے شک چلے گئے پڑھنے، اسی لیے گھر والے بھی گھر سے

نکلے۔"

"مگر ہے تو کتنے اچھے ہی سمجھتے ہیں، وہ ہاتھ ملتے ہوئے لقمے پر دیکھ رہا تھا۔" پھیکے سے انداز سے

مسکرا دیا۔

"ہاں کوئی بات نہیں ہے۔" بابا صاحب اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ "تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ ہم

کچھ دن رہ کر چلے جائیں گے۔"

"یا اللہ آپ کو صحت دے۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"یا اللہ آپ کو صحت دے۔" بابا صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "اللہ علی خان نے سلام کہا ہے۔"

"ہاں بابا نے بھی سلام کہا ہے۔" اللہ علی خان نے سلام کہا ہے۔" اس نے بھی سلام کہا۔

"تم سے بہت پیار کرتے ہیں، بڑا دکھ ہوا ہے انہیں بھی سن کر۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، اس کے بجائے

وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

"ہاں کے قطعی سیدھے ہیں اور مخلص ہیں۔ اللہ علی خان کا ملنا بھی بڑا ہی خوش قسمتی ہے۔ مخلص کم ہی ملتے ہیں

پہلے ہی ہیں۔ تمہارے کاکا جان دلیس میں بیٹھے ہیں۔ اس پر فرق ہے۔" انہوں نے اسی طرح نرم سی آواز میں جواب

دیا تھا۔ اس کے لہجے میں شناسائی تھی۔

"یہ بابا نہیں فرق ہے۔ صاف ظاہر ہے بڑا دادا کو اچھا نہیں لگتا ہیں۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"ہاں شک ہیں۔" اللہ علی خان نے اس کی پشت تھپتھپائی اور مسکرا دیے۔ انہیں روحی کا اس طرح فکر کرنا اچھا لگا

تھا۔

"آپ کو کوئی نہیں روحی کہہ رہا تھا کچھ کہا ہیں؟" اس نے محتاط سے سوال کیا۔

"ہے ہے۔" بابا نے کہا۔

روحی نے چونک کر ان کا چہرہ دیکھا۔ اللہ علی خان کی سمجھ بوجھ ان کی نرمی اسے شک میں ڈالنے لگی تھی۔

"دادی کتنے دن کے لیے گیا ہے سرائے؟" اس نے اپنی بکھروں کا اندازہ لگایا۔

"تین ہفتے۔ کوئی کام ہے اس سے؟" اللہ علی خان نے پوچھ لیا۔

"وہ سب کے کام آتا ہے، تم سے کسی کو کام نہیں ہے۔" اس نے بڑا سا جواب دیا۔

"کسی کا بات نہیں ہے، بہت اچھا بچہ ہے۔ بہت محنتی ہے۔ ہمیں یقین ہے، وہ اللہ علی خان کی طرح بہت ترقی کرے

گا۔"

روحی کو دل میں اندھیرے کے جھکڑ آنے لگے۔ دل بیٹھنے لگا۔

"کیا واقعی ایسا ہے بابا صاحب۔"

"ٹھیک۔" وہ اللہ علی خان کے لیے بہت فکر مند تھی۔

"کیا واقعی فکر مند ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ان کی تصدیق چاہی۔

مسکرا دیے۔ "بہت فکر مند تھی۔

"تو کیا وہ سچ مچ کا ہے؟" اس نے پھر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ بابا صاحب اللہ علی خان کے بارے میں سوالات کرنے پر

کچھ حیران ہوئے تھے۔

www.paksociety.com

"کیسی ہے تو؟" انداز بے ساختہ تھا۔

لب وہ ہلنے کے باوجود کوئی سوال نہ کر سکی۔ سوال کو مجتمع کرتا اس وقت اسے مشکل لگا تھا۔

سر جھکا کر ریفلیکٹ کے گلابی پھولوں پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ اس کا دل چاہا وہ اٹھ کر ان سے لپٹ جائے۔ وہ ویسے ہی بیٹھی رہی۔

آنکھ کے کنارے پر خلک ہوئی۔ وہ چونک کر ہاتھ کی پشت سے رگڑنے لگی۔

"کہیں۔" داؤد علی خان نے مخصوص انداز میں اندر آنے کی اجازت دی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر آنے والے یاور علی خان تھے۔ گہرے سرمئی شلوار سوٹ اور سفید واسکٹ میں وہ بہت نکھرے نکھرے ہوئے تھے۔

"آؤ بیٹھو۔"

"تم بھی بیٹھ جاؤ یہیں کالونی میں۔" داؤد علی خان بیٹے کو بیٹھ کر بیٹھنے کے لیے کہہ کر سامنے صوفے پر براجمان ہو گئے۔

"یہی دیکھنے آیا کہ تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہو گی۔ اسے اپنے پاس آتے ہوئے۔" وہ بچوں کی طرح بات پر ہم سکرا دیے گرمی پا بیٹھ گئے۔

"بس یہ باتیں کر رہے تھے۔" بابا صاحب نے مسکرا کر بیٹی کی طرف دیکھا۔

"بابا صاحب نے آنکھ بھی نہیں کھولی۔" داؤد نے خوشی سے بتایا۔

"کس سلسلے میں؟" انہوں نے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"کرایہ کی والے سلسلے میں۔" داؤد نے جواب دیا۔

دونوں باپ بیٹے ایک دم بہت سا سوال سے ہو گئے۔ کمرے میں گہرا سکوت طاری ہو گیا۔

"ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ تمہیں اپنی جان بہت پیاری ہے۔" بابا صاحب نے ایک نیا موضوع نکالا۔

"اور ہی آئی بھی تو آپ کو اچھی لگی تھی۔ جب ہی تو آپ انہیں حویلی میں لائے تھے۔ ورنہ آپ کو پتہ آسان بات تو نہیں۔ بس ذرا سی بھی آنچ کی کمی تھی۔" وہ ہنسا۔ داؤد بھی۔

جانے کیوں باپ کے سامنے خاموش کرتے ہوئے اسے بہت برا لگا تھا۔ کوئی اداسی سی اداسی تھی۔ کمرے میں دوبارہ خاموشی طاری ہو گئی۔

"اچھا آپ یہ تو بتائیں مجھے ان کی کیا بات اچھی لگی؟" اس نے ان کی خاموشی سے محظوظ ہو کر اپنی طرف سے ایک سوال تیار کر کے انہیں دیا۔

"شاید اس لیے کہ وہ بہت خوبصورت ہیں۔" داؤد علی خان نے بہت حال بیان کر دیا۔

"اسے بھی بابا صاحب اچھی لگی تھی۔" داؤد بھی بہت ہے باتیں بنانے لگا۔ وہ دونوں ہی مزے مزے کی باتیں کرنے لگے اور پھر وہ بھی ان میں شامل ہو گئی۔ وہ بہت عرصے بعد ہنسی تھی۔ بہت لطف کی لہر

"کیا کرتا اسے کا بیٹا تھا اس نے کہا۔"

داؤد علی خان۔ بچوں کی باتیں سن رہے تھے۔ آخری جملے پر بے ساختہ مسکرا دیے۔

"تم نے دیکھا یا اسے کتنی دولت ہے یہ کہ شہر بھر میں اس کے فیصلوں پر عمل کیا جاتا ہے۔" انہوں نے بیٹے کی طرف دیکھا جو سب بغور سن رہا تھا۔

"آپ سے کہہ رہے ہیں۔" داؤد علی خان۔ آپ میں ہاں ملا لی۔

"میں ایسی تو نہیں ہوں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"ہاں بھی۔ نہیں بھی۔ مطلب نہیں ہے داؤد۔ بچی عمر سے نہیں تجربات سے آتی ہے اور تم بہت سے امتحان سے بچتے گزرتے ہے تم آرام میں پلی بڑھی ہو۔ پھولوں میں سوئی ہو۔ ابھی سوچ ادھوری ہے۔ فیصلہ کرنے والوں کے فیصلوں کا احترام بھی سیکھ کرنا چاہیے کہ جو جانتے ہیں پیچھے آنے والے بھی نہیں جانتے۔"

اس نے قدرے خوار داؤد کو باپ کی شکل دیکھی۔

کیا یہ سب اس لیے ہے کہ اس کا ذہن کی تبدیلی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ باتیں وہ بابا صاحب جو آگی شخصیت آگے کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کا غیر معمولی پن اس نے بہت پہلے محسوس کر لیا تھا۔

"کیا پتہ بابا صاحب آپ کی طرف متوجہ کر رہے ہیں؟" سے داؤد نے اس کا رنگ متغیر کر دیا وہ بڑی گہری نظروں سے باری باری باپ اور بیٹا کو دیکھ رہی تھی۔

"نہیں ہم اپنے سامنے حالات خود واضح کرتے ہیں۔" یاور علی خان نے اپنی مخصوص سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جیسے میں جان چکا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس نے بابا کس بنیاد پر کہی ہے۔"

"مجھے تو محبت ہے خانہ کو پسند کرنے کی وجہ ایسے ہو تو بہت معقول ہے۔" داؤد علی خان نے چھیڑا تھا۔

"ایک اور وجہ بھی ہے۔" اس نے خاصی سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیا؟" داؤد علی خان نے بے ساختہ پوچھا۔ جبکہ یاور علی خان نے اس طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

"میں سے بہتر انسانی مخلوق بھی ہے۔ وہ بھروسے کی نہیں ہیں۔" اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیے تھے۔

"کیا یہ معقول وجہ نہیں؟" اس نے حیرت سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"بابا صاحب معقول وجہ ہے۔ مگر مجھے بھی یہ معقول ہے۔" داؤد علی خان نے جواب دیا۔

"آپ بابا صاحب اندر ڈرائنگ روم میں بیٹھیں میں ناشتہ لگواتی ہوں۔" یاور علی خان اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ کیا تم بابا صاحب سے ناشتہ کی اور باتیں کرنے کو کچھ ہو۔" اس نے کہا اور اندر کی طرف چل دیا۔

www.Paksociety.com

"وہیں کریں گے۔" دلاور علی خان نہ جانے کیوں مسکرا رہے تھے۔
یاور اقبال خان کی آواز کسی کے اندازے سے باہر نکل گئی۔
روحی نے چھری اٹھا کر پپیتا صاف کرنے کو تھال۔
"پپیتا کو خالہ یاد وہ پسند نہیں آتا کبھی۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔
"وہ کیوں؟" دلاور علی خان چلتے چلتے پاؤں میں اٹکتے اٹکتے اس کی طرف دیکھنے لگے۔
"وہ یوں کہ بھی خالہ کی بات ہوتی ہے وہ بات کی اور طرف موڑ دیتے ہیں۔"
اس نے بڑے شوق سے جواب دیا جیسے اسے اپنے اندازے پر سو فیصد یقین ہو۔
"اچھا۔ مگر ہمیں اندازہ ہے کہ ایسا کیوں ہے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔
وہ ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اور بڑی گہری سوچ میں تھی۔

گریز کا نہیں قائل حیات سے لیکن
جو بچ گئیں تو مجھے موت سے گوارا نہیں

عارف لال خان کے گھر واپس آ چکا تھا۔ لال خان اسے سہارا دے کر اندر لا رہا تھا۔
"اتنی دیر لگا دی آپ نے۔ جلدی کریں۔ ایسے تازہ وہ بچیوں کے گھر سے واپس آئے تھے تب سے مرجھا رہے ہیں۔"
ہالہ کرنل کے کلش کرنے پر بھڑکی تھی۔ لاڈ پلے اور کرنے شوہر پر بھی شیطان بھائی کی وجہ سے ہی آ گئی تھی۔
بھاری کام کے خاصے جثے نے اسے ایک اور بھی سپورٹ دی تھی۔ پلنگ سے لگے ہوئے نیم لیٹ ہونے کے گندمی رنگ والے چہرے پر بلا کی تازگی محسوس ہو رہی تھی۔
"وہ اس بے چارے کو آرام سے آ جانے دیں۔ کچھ دیر آرام سے رہ جائے۔" لال خان نے پلٹ کر ہالہ سے خفگی سے کہا۔
"سامنے مجھے بہت سے پکی سیکلی میں ہوں سمارٹ ہی۔ وہ تو مجھے بہت پہلے اس کے پاس پلے ہوا چاہیے تھا۔ بارات کے ساتھ پہنچیں گی تو کتنا بدنامی ہو گی۔" ہالہ نے عارف کے سامنے پہلی مرتبہ کھل کر لال خان سے بات کی۔
"ہاں۔ ہاں۔ چل رہے ہیں اب دیکھو ہاں مریض کو بھی آرام کے بعد ہی تو کچھ کیا جا سکتا۔" لال خان نے رسانیت سے جواب دیا۔
"یہ مستقل قسم کے مریض ہیں۔ اب کیا ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں؟" ہالہ کی آواز آہستہ سے بلند ہو گئی۔
لال خان گڑبڑا کر یکدم سیدھے ہو گئے۔
"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ چلتے ہیں ابھی۔ تم خیال نہ کرنا عارف۔" لال خان بھی سادہ تھا۔
"نہیں ہالہ۔ ہم تو ہر طرح کے علاج کے حامی ہیں۔"

وہاں دل میں کہ جسے دیکھ لیں ہی میں کر سب سے کہو
ان کا ہی کہا کب دل ہے ہمارا ہی کہا کب ہی ہے

وہ آہستگی سے اس کو۔
ہالہ نے سہارا دے کر صوفے پر بٹھا دیا۔
"میں باورچی خانے میں ہوں۔ آپ جلدی آ جائیں۔" گاڑی سے عارف لال خان کی مدد کی تھی۔ وہ بھی گھر کے اندر ہی موجود تھی۔
"ایک گلاس پانی میں گلوکوز ڈال کر یہاں جوس رکھ دو۔ پانی تو وہ پیے رکھا ہے یہاں۔ پھر بھی گلوکوز ڈالا پانی میں، رکھ جائے گا۔"
"تم فکر نہ کرو میں تمہاری بھابی کو بھیج کر جلدی آ جاؤں گا۔" وہ اسے تسلی دینے لگا۔
ہالہ بہت جلدی سے گلوکوز پانی میں ڈالنے لگی۔ چمچ کے شور سے اس کے اندر پیدا ہونے والے اضطراب کا پتہ چل سکتا تھا۔
"تمہاری بھابی کی بڑی عزیز سہیلی ہے۔ اس لیے جلدی مچا رہی ہے۔ ورنہ تمہیں تو معلوم ہے کتنا خیال کرتی ہے تمہارا۔" لال خان مسکراتے ہوئے گلوکوز کے گلاس لے کر چلے گئے۔
"میں تو سمجھ ہی رہی تھی کہ جلدی سنبھل جائیں گے۔ اتنی سنگل دوائیاں، اتنا آرام۔ پھر بھی ہے، انہیں ٹھیک ہونے کا تو بھی شوق نہیں ہے۔ اور جب ان کی یہ حالت بیٹھنے کے لیے ہے تو کام کیوں رکھیں۔ یہ اپنے حساب سے چلتے رہیں ہم اپنے حساب سے۔"
ہالہ نے گرمی پر تھرمامیٹر اٹھاتے ہوئے نہایت کڑوے لہجے میں کہا۔
مارے تکلف کے لال خان کی تو حصیں پریشانی پر ہو گئیں۔ وہ بے زبان سی بیوی کو یوں، دیکھنے لگا جیسے شک ہو کہ یہ ہالہ ہی ہے؟
"تم کیوں پریشان ہو گئے لال خان۔ انسان سکھ اور خوشی کے موسم گزارے، یا تم ہم جیسے لوگ ماحول مزاج کرنے والے کہتے ہیں۔ خوش لوگوں کی طبیعت پر بوجھ ہوتے ہیں۔ مزاج الرجب ہوتا ہے۔
وہ کیا کہا ہے شاعر نے کہ

ہم سے کہتے ہیں چمن والے غریبان چمن
تم کوئی اچھا سا رکھ لو اپنے ویرانے کا نام

"یہ سب بیمار ہیں چمن والے تو ہمارے کھانے کا نام سن کر اپنی مرضی کا چاہتے کیا ہے۔ انہیں تو اچھا ہونے کی بھی اضطراب ہو گئی۔" وہ ہنس دیا۔
"تم کوئی خیال نہ کرو۔ عارف۔ یہ ہم پر جو تمہارے آخری سانس تک۔ کسی نہ کسی طرح کی طرف سے۔ اس آ

www.Paksociety.com

کے بعد تمہیں اپنی صفائی سے متعلق بھی کچھ نہیں کہنا ہوگی۔" لال خان نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ "تم بھی ہمارے پیارے ہو۔ قدردان، وفاشناس۔ وفادار۔ اب ایسے سچے بھی کہاں ملتے ہیں۔ ہمارے سازوسامان میں ایک وفا کی تڑپ ہے۔ حالانکہ اس لفظ کے معنی اس اصول شے کی کوئی قدر نہیں ہے۔ ہمارے لکھنے والے لکھتے ہیں کہ وفا کا دم بھرنے والے بھی کمزور ہوتے ہیں کچھ اس طرح

بڑی خوار ہے وفا۔ جاؤ یار! دیر ہو رہی ہے۔ بھائی امی بہت شرمندہ ہوں آپ سے کہ بھری محفل سے ان الٹی سیدھی باتوں پر فضیحت ڈال کر باہر نکل گئی۔

عارف کے شانے پر تھپکی دے کر لال خان بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

بالو نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اور بیٹھ کر گھٹنے سے بند کر لیا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا سر اندر خم ہے۔

لال خان نے گاڑی باہر نکالی پھر گاڑی سے اتر کر گیٹ بھی بند کر دیا۔ حالانکہ اگر بالو چاہتی تو یہ کام خود بھی کر سکتی تھی۔ گاڑی باہر لانے کے بعد تالا ڈال کر بھی بند کر سکتی تھی کہ اندر کھڑی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"آج کل تو ہمارا تمہیں بہت دیر میں پہنچتی ہے۔ تم سو لیک کر لو۔" لال خان نے دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے شانے کے انداز میں کہا۔

بالو نے منہ کھڑکی کی طرف پھیر لیا اور خاموش رہی۔

"خوشی میں حصہ تو سب ہی لیتے ہیں۔ دوست کو دکھ میں اس طرح نہیں چھوڑا جاتا۔ بہت احسان ہیں ابا جی کے ہم پر۔ میرے بھائیوں نے تو مجھ سے ٹیک ہی منگوا دی تھی۔ خون کے رشتوں سے دعا کھائی ہے منہ لے اور اس طرح ہو کر رہ گئی ہے۔"

"ایک احسان تو ان کا میری جان پر بھی ہے۔ ہماری احسان۔" بالو کے لہجے میں اتار چڑھاؤ پیدا ہونے لگے تھے۔

"وہ کیا؟" لال خان ٹرک اور ایسی جیسی ریس ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کے اعصاب پر یہ واقعہ سوار تھی کہ بالو کے ہونے کی وجہ سے بالو کا موڈ خراب ہے۔

"آپ سے میری شادی کرائی ہے۔ یہ احسان تو میں کبھی اتار نہیں پاؤں گی۔" اس کا لہجہ بوجھل ہو گیا۔

گاڑی کی اندرونی لائٹ آف تھی اور سڑک بھی تاریک۔ لال خان کی حسیات اس کے پیدا کردہ تاثر سے آگاہ ہوئی تھیں۔

"ہا ہا ہا ہا۔" اس نے اپنا غصہ بے تحاشہ قہقہہ لگایا۔

"ارے جان لال خان! یہ احسان اس نے تم پر نہیں ہم پر کیا ہے۔ اسی وجہ سے تو اس کی خدمت اور زیادہ کرتے ہیں۔ شکر گزاری اتنی دیر تک ہی ہوتی ہے اظہار کیا تھا۔" لال خان کی آواز جذبات سے بوجھل ہو گئی۔

بالو کے حلق میں آنسوؤں کے گولے اٹکنے لگے۔ اس نے مشکل سے قابو پایا۔

"آپ کو پتا ہے کہ میرا دل بے حد خوش ہوتا ہے۔" اس کی آواز کرب سے ڈوبنے لگی۔

"ہاں بھئی۔ ہر طرف پھول کھلتے ہیں۔ زندگی ہری بھری ہو جاتی ہے۔ موت سے ہر انسان خوف کھاتا ہے۔ مرنے کو تو دل ہی نہیں چاہتا۔ حالانکہ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔ کرنل ہاشم سے ہوتے تھے۔ ہیں پر ہاں کرتا تھا۔ ہر وقت موت کے لئے تیار رہتا تھا۔ بات سے کہتے ہیں کہ موت سے ڈر لگنے لگتا ہے۔ جانے کی کسی دن۔ یہ ہوتا ہے۔ اپنی پروا نہیں کرتے تھے۔ مگر اب موت سے ڈر لگتا ہے۔ دل چاہتا ہے ہمیشہ ہی جیتا رہوں اور تمہارا ساتھ ہو۔

تو یہ وہ باتوں سوا میں ہو۔ تمہاری عمر موت لگی ہی اس کے قریب ہو تو لطیف سے خوف طریقے پر جاگ پڑتی ہیں۔ جس اس شخص جیسا انوکھا کا خوف بھی طاری نہیں ہو سکتا۔ دل و دماغ میں آزادی کے احساسات سے سرشار پانی کی طرح گزرتے ہیں اور بیوی ہونے کے زعم و وہم میں قوس قزح بوتی ہے۔ مگر وہ شکر کے نشے کی طرح سماعت تھی۔

لال خان کے لفظ سوا اس پر کوئی دھماکہ نہ ہوا۔

"ہاں، جب شوہر موت کی باتیں کرتے ہے تو عام طور پر عورتیں ڈر جاتی ہیں اور "اللہ نہ کرے" اس بار کہتی ہیں۔ اور تم بیٹی ہو جیسے تمہیں میری موت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔"

لال خان اپنی جہالت کی حد سے خاصا "محظوظ" تھا۔ اب بھی ہنس کر کہہ ڈالا۔

بالو کا بھی ناسوش رہی۔

"اچھا تمہاری سہیلیوں میں سب سے اچھا جوڑا تمہارا ہوگا۔ قسمت والے ہی پہنتے ہیں۔ دلہن کو۔ اب میری شادی میں ہوئی تھی تو محبوب کا شوہر اور شوہر سلطنت کے پاس ہماری بھاری جوڑے دیکھ کر حیران ہو گئی تھی۔ جب میری شادی ہو جائے گی تو اپنی بیٹی کے لئے میں سے کپڑے لیا کروں گا۔ بڑی اداکی ہوتی ہے یہاں۔

اب کے کسی کی شادی ہوئی تو اس سے کہی اچھا سوٹ لا کر دوں گا۔ کپڑے خاندان میں اور کسی "خوشامدانہ باتیں آپ خانوں" سے سیکھے گا۔ میں اپ کے کسی کام کو نہیں۔" اس نے خوشی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"اگر تھوڑی سی انسانیت تمہارے اندر ہوتی تو میرے کام آ سکتے تھے۔ سنتے بھی سنتے ہیں۔ خود دیکھے کسی دن۔ اللہ ہاں میں بھولا ہے۔" اس نے سسکاری بھری۔

"میری طرف آپ سے محبت کی کوئی حساب نہیں لگتا۔ خاموش رہیں۔" وہ بھیگی کی اپنا کہہ رہا تھا۔

"تمہیں کبھی ترس نہیں آیا مجھ پر کہ مجھے بھی جیسے انسان سے ہمدردی کا دعوہ دیا گیا ہے۔" "صبر کر گیا ہوں۔

"میں نے وہ عورتیں بھی دیکھی ہیں ان کے شوہر حادثہ ہو جاتے ہیں یا بلڈ پریشر سے چل بسے ہیں۔ تو یہ عورتیں محنت مزدوری کرتی ہیں۔ گھر چلانے کے لیے نوکری کرتی ہیں۔ بچے پرورش کرتی ہیں۔ اپنے بچے کا بھی کام کرتی ہیں۔ شوہر کے بھی کام کرتی ہیں۔

کے پاس کیا ہوگا۔

اور اگر مجھے تم سے لینے کی طلب ہوئی تو میں تمہارے سامنے ہاتھ پھیلا دوں گا۔"

www.Paksociety.com

مالا وہ پہلی انسان کے پیار کے لیے بھی مادی ہی ہوتے ہیں۔ لال خان خوشی کے عالم میں اپنا قصہ سنانا شروع کر رہا تھا۔ اور وہ اول اول کر اس کی جھولی کی طرف اچھالتا جاتا تھا۔

وہ بدستور خاموش تھی۔

"کیا بات ہے! ابھی تک ناراض ہو۔ دیکھو اب اگر تمہیں مالو کی ضرورت ہے تو میں سنگ ہی۔ سمجھ رہی ہو ناں؟"

اس نے قاتل چہ چھلا کیا۔

مالو اپنی جگہ پر ڈھیر ہو گئی۔

"آپ جلدی مت آیئے گا۔ کبھی اپنے اس بے کار دوست کی خاطر بھی کسی سے ملنے آ جائیں۔ اگر کہنے سے بھی نہ آئے تو میں خان کے ہاں منگوا کر آپ کو کھلاؤں گی۔ فارغ کر دوں گی جلدی۔"

"بڑی صوبائی صاحب۔ بڑی اچھی نصیحت دلائی ہے ہوا نے ایلی۔"

لال خان اتنے معمولی اور مشکوک قسم کے التفات پر ہی خوش ہو گیا۔ مالو جیسے اپنی اوقات کا تعین کر کے فارغ ہو گئی تھی۔ وہ بار بار جیب سادھ کر باہر دیکھنے لگی تھی۔

پیچھے سے گاڑی کے ہارن کے کرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"جب بہار دیں نہیں تو ہارن کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ وہ پاگل کی حویلی کا بھوت ہی ہے۔ وہ سب خیال تھی؟ آپ کے لیے یہ معمولی خیال ہے۔ خطرناک قسم کے قیدیوں میں شامل ہو گئی ہیں آپ؟ کیا ضرورت تھی باہر کی طرف آنے کی؟ کون سے پھول کھلے ہوئے تھے ادھر جنہیں دیکھنے کو طبیعت مچل رہی تھی۔ بیٹھا بھاگنے کی ادھیڑ بن ہو گی۔ اسی لیے جب میں اندر ہوتا ہوں تو باہر کے کھول دیتا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ آپ کھلے ہوئے کنے دیکھ کر باہر قدم رکھنے کی جرأت نہیں کریں گی۔ مگر وہ آپ ہی کیا۔"

ماری کو اس کی اور سرلی سے بے حد کوفت ہو رہی تھی۔

"تم نے جان بوجھ کر کھولے تھے کنے؟" جھومر کرائی۔

"ظاہر ہے۔ اس طرح کے کام غلطی سے تو نہیں ہوتے۔" وہ بھڑکا۔

"جب تمہیں اوپلی میں چلتے پھرتے دیکھتی تھی تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ تم اور سب سے مختلف ہو۔ جیتے جاگتے انسان ہو۔ تمہاری شکل سے لگتا تھا۔ میں ہو جی تھی۔"

آپ کو چھیڑ چھیڑ کر اپنے کو ل رہا تھا۔ اسی لیے نخروں کی تو رہیں ہوئی۔" اس نے بڑی تسہیل سے اسے ملامت کیا۔

"اب لگ رہا ہے جیسے ماری نہیں بلکہ اوپلی خان بول رہا ہے۔" اس بار جھومر کی آواز سے صاف تھی۔ ماری خاموش رہا۔

"مجھے ساری اوپلی میں کوئی پسند ہے تو وہ بھی کے ہیں کی طرح ہے۔ ان میں کسی کو کسی طرح کا حق سے آتا ہے۔ آپ کی بات اور ہے۔ آپ کو ہر حق حاصل ہے۔ آپ کو کون روک سکتا ہے۔ آپ اپنی ماں ہیں۔"

ماری کی آواز میں بے پناہ حسرت تھی۔ اس پر وہ ٹھہر سے گئے تھے۔

جھومر بہت دیر تک خاموش رہی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

ونڈ اسکرین پر برف باری شروع ہو گئی۔ خوبصورت لباس میں چھپے چھپے ہڑبڑاہٹ کے ساتھ۔ جس کی خوشی ناک تھی یا کسی اور کی لوگ کی چاپ۔ وہ بھی اس پر ہنسی تھی۔ جیسے نرگس سے اپنی پاگل پن کی گرفت ہے۔ یہ لوگ اس نے کھلی ہوئی اسے پہچان کر اس سے کہا تھا۔

"آپ ہیں ناں۔ سب سے اچھی خوبصورت ہوا سی نے دیا ہے۔ کیسی لگ رہی ہے؟" وہ اٹھلائی تھی۔

"آپ سے بات کر کے پیچھتا رہا ہوں۔ اس اندازیں کھیلوں سے باتیں کرتے ہیں۔ میں آپ کی کچھ نہیں ہوں۔"

اسے لوگ کے ساتھ ساتھ میں ہو کر ہال کر دار نہیں بھلا تھا۔ "یہ خرابیاں ہیں۔ آخر آپ نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟"

اس نے بھی بھیں بنا کر کہا تھا۔

"آج رمیان آ رہا ہے۔ لوگ۔ واقعی تمہاری ناک میں بہت کاٹتی ہے۔ کس قدر کھل منظر ہوتا ہے جب غصہ سے ناک چڑھاتی ہو تم۔ سرخ ہو جاتی ہو تم۔ بھی اس طرح کرتی ہو جیسے کوئی سانپ ہو۔ ان! اپنی تازہ ترین انکار پر جو تم نے اظہار خیال کر رہا ہو۔"

"تم اس کار میں مرنے جا رہے ہو؟" پیچھے سے جھومر کی تپی ہوئی آواز آئی۔

وہ ایک دم جیسے کسی ہارر فلم کی ہیروئن بن گئی۔

"ماری میرے پیٹ پر جو زخم ہے اس میں سے بہت خون نکل رہا ہے۔" جھومر کی آواز میں سہم سی تھی۔

"تاریخ مجھے کیا کروں؟ اگر کوئی جہاز میں تو تجدیل کر لے۔ بس ہم اپنے ہی والے ہیں۔"

اس نے بھنا کر جواب دیا۔

"تکلیف میں تو میں ہوں تمہیں کیا؟" جھومر نے کراہتے ہوئے کہا۔

"آپ پاگل ہو گئی ہیں۔ اس لیے آپ کو سامنے نظر آنے والی لائٹس نظر نہیں آ رہیں۔" ماری نے جیسے سے تنبیہ دی۔

"لائٹس نہیں ہیلی کاپٹر سے بھی نظر آ سکتی ہیں۔" جھومر نے چڑ کر کہا۔

ماری کو اس پر ترس آیا۔ گاڑی کنارے سے لگا دی۔ پھر خاموش رہا۔

گاڑی میں سکوت طاری ہو گیا۔ کافی دیر گاڑی اندھیرے میں چلتی رہی پھر روشنیاں اندھیرے میں چمکنے لگی تھیں۔

اور آخر گاڑی ایک جگہ رک گئی۔

"میں ذرا کا ندارے کسی کھیک کا پتہ کر کے آتا ہوں ما۔" ماری نے دروازہ کھول کر اترتے ہوئے کہا۔

جھومر خاموش رہی۔

ہاری چند لمحوں ہی میں واپس آ گیا اور وہ ایمرجنسی سیٹ سنبھال لی۔ گاڑی چل پڑی۔ وہ تین منٹ کا سفر تھا۔

ہاری اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلا پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔

"آیئے۔" وہ دروازہ تھام کر کھڑا ہو گیا۔

جھومر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ہاری۔ میری ٹانگ اکڑ رہی ہے۔ مجھے سہارا دو۔" جھومر نے کرب سے بھرا ہوا لہجہ بنایا۔ ہاری نے ہاتھ بڑھایا۔

جھومر اس کا بازو تھام کر باہر آ گئی اور کھڑی ہو کر اس کے بازو سے چپک گئی۔ وہ اسے سہارا دے کر اندر کلینک میں آیا۔ اور برائے خواتین والے حصے میں داخل ہو گیا۔ عورتوں اور بچوں کی طویل قطار سامنے تھی۔ اس نے ایک نظر پاس سے گزاری۔

"میں ابھی ڈاکٹر سے بات کر کے آتا ہوں۔" وہ پلٹ کر باہر کی طرف بڑھا۔

"آپ کیا یہاں عورتوں میں بے دھڑک چلے آئے۔ یہاں پردے والی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔" ایک بڑی بی نے اسے مخاطب کیا۔

"مجھ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔" جھومر نے وضاحت کے بجائے مجبوری بتانے پر اکتفا کیا۔

"تو پھر وہ آپ کو مردوں کی طرف لے جاتے۔" یہ صیا رخ کر بولی۔ شاید جھومر کے قیمتی سوٹ اور زیورات کا اثر تھا کہ یہ صیا غصے کے باوجود آپ جناب سے بات کر رہی تھی۔ جھومر سے بیٹھ کر بولا نہ حال تھا۔ اس نے آنکھیں موند کر دیوار سے ٹیک لگا لی۔ تکلیف کی شدت کی وجہ سے اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا رکھا تھا۔

"جھومر کون ہیں؟" اچانک ایک طرف سے کپکپاتی آواز ابھری۔

جھومر نے آنکھیں کھول دیں۔ اور بمشکل اٹھ کر بیٹھی اور بولی۔

"جی۔ میں ہوں۔"

"آیئے۔ آپ ساتھ والے پورشن میں آ جایئے۔ ڈاکٹر صاحب وہیں آپ کو دیکھیں گے۔" اس نے ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

جھومر بمشکل چلتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھی۔ تمام عورتیں کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"لو بتاؤ سب سے آخر میں آئیں اور سب سے پہلے چل دیں۔"

"پیسے کا کھیل ہے۔ جو بیچ رکھتا ہے وہی سب سے آگے ہوتا ہے۔"

"ہم پاگل ہیں اتنی دیر سے بیٹھے ہیں۔"

"ارے یہ کیا نہیں، اس کا سیاں شکل ہی سے بڑی بگڑی والا لگ رہا تھا۔"

"قریب کی تو بہرحال ہی خواری ہے۔"

"ہاں۔ یہ عورت بڑی لمبی سی گاڑی میں بیٹھ کر آئی ہے۔" ایک بڑی بوڑھی اپنی گود بچا بچا کر اندازہ لگا رہی تھی۔ عورتوں کی

چہ میگوئیاں کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جس میں ایک ٹیبل اور کرسی رکھی تھی۔ ایک ادھیڑ عمر کی خاتون ڈاکٹر بیٹھی کچھ لکھ رہی تھیں۔ وہ دھیرے سے چلتی ہوئی ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پھر قلم رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"جی۔ کیا تکلیف ہے آپ کو؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"آپ کا نام؟" ڈاکٹر جھومر کے قریب چلا آیا۔ جو بیٹ بجنے لگی تھی۔

"جی وہ۔ اپنا نام۔" ہاری نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا ہوا ہے۔ آپ کے ہاتھ سے کہ کانوں کی جھلیاں تک اپنی مٹھی پر جی حملہ کر دیا۔" ڈاکٹر نے گردن موڑ کر ہاری کی سمت دیکھا۔

"مرد تو عموماً گھر سے باہر ہوتے ہیں۔ زیادہ تر تو آپ کی بیگم ہی گھر ہوتی ہوں گی۔ اسے تو سب سے زیادہ ان کی نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔" ڈاکٹر بے حد حیران تھا۔

ایک عورت کی یہ جرأت مان کر ہاری کے خون میں دوڑنے لگی۔ اس نے غصیلی نظروں سے جھومر کی سمت دیکھا۔ جس کے ہونٹ دانتوں تلے دبے ہوئے تھے۔ اس نے ڈاکٹر کو بھی خبردار کرنے کی غرض سے گھور کر رکھا تھا۔

"یہ بھابی ہیں میری۔" اسے کہنا پڑا ہونٹ کاٹ کر۔ جھومر کی مدد کرنے کی سزا ڈاکٹر صاحبہ کو بھگتنا پڑی۔

"آئی ایم سوری۔" ڈاکٹر نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

"کہاں کہاں زخم ہے بھابی۔ ہاتھ رکھ کر بتایئے۔" ڈاکٹر اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

جھومر نے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ تو ہاری پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

"بھلی بڑے دل سے بددعا دی تھی روشانے یاد علی خان۔ پوری دنیا ستی اور ہمارے میں صرف ایک وہ ان ایسی ہے جسے بددعا دے سکتی ہے۔"

وہ ایک طرف بیٹھ کر سوچنے لگا۔

معلوم نہیں۔ قیامت وہ بستی واپس آ گئی یا نہیں۔ حویلی میں جھومر سے سوال شروع ہوتے ہوں گے۔

"وہ بے چارا نعیم۔" وہ نعیم پر ترس کھانے لگا۔

ایک دم سے احساس ہوا کہ نعیم کا ذکر اس کے دل پر بہت بھاری پڑ رہا ہے۔ کیوں؟

وہ خود پسند، خود سر لڑکی اپنا کر جھٹک دینے والی۔ جس کا خیال ہے کہ ساری دنیا جو چیلی کے ہاتھوں کی طرح ناچتی ہے مرد کیا ہوتا ہے کمزور لوگ کس طرح گزارہ کرتے ہیں۔ جس کے پاس یہ سوچنے کی فرصت نہیں ہے کہ کبھی وہ بستی کے

www.Paksociety.com

کسی کے گھر میں نہیں گئی۔

جس کے بیڈ روم کا پردہ ہل گیا تھا، وہی غریب ہو گئی تھی۔ وہ خود کو تسلی دیتی۔

"باری اللہ جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ ابا کی وجہ سے ہی تو ہم اس محلے میں آئے ہیں۔ ورنہ ہم کہاں اور یہ محلہ کہاں۔"

اور ایک بار اس کی کسی قریبی سہیلی نے جب یہ کہا تھا کہ "ہم تو اپنی وی بہت تنگ کر رہا ہے۔ ابا صاحب سے پہلے جاتا۔ آتے ہوئے پہلے وہی لیتے آتا۔"

تو اس نے تحمل سے کہا "پھر باقی چیزوں کا کیا کرتے ہیں آپ مہینے میں دس بار ابا صاحب کو پیسے ادھار دیتا ہے۔"

"پتہ۔ کتنا بھی ہو مگر محبت سے چلائے جاتے ہیں۔"

چند کو چھوڑ کر حویلی کی تمام لڑکیوں ہی کا یہ حال تھا۔ جب محسن ہی نہ ایا تھی ان کی۔ ایک بار جب بے نے کلو کو مقرر دیا گا، چالیس دن تک صبح شام قلعہ داری اور کا جوس نکال کر دیا کرے۔ کہ اس کا رنگ صاف ہو جائے تو فاران نے استعارتاً اور میں حاضرین کو لطیفہ سنایا تھا کہ

"ایک روز کلاس میں جس نے بچوں کو مضمون لکھنے کو دیا جس کا عنوان تھا "غریب آدمی" ایک بچے نے مضمون یوں لکھا۔

"ایک آدمی بہت غریب تھا۔ اس کا گھر بھی غریب تھا۔ اس کا ادارہ بھی غریب تھا۔ اس کا بیٹی بھی غریب تھا۔ اور اس کے بچوں کی گورنس تو بہت ہی غریب تھی۔"

اس لطیفے پر قہقہوں کا طوفان اٹھا تھا۔ بے چاری بے قصور سی بن گئی تھی۔

اس بچے سے کم بے خبر نہیں حویلی کی لڑکیاں۔

تو کیا وہ واقعی غریب اور بے حس کی لڑکی اس کی ذات کی پاتال میں اتر چکی ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔

کچھ تمہاری وجہ سے میں ایک بھلے مانس سے چڑنے لگوں جس نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ اس نے نعیم کے بارے میں سوچا۔

شاید یہ جذبہ میرے اندر کہیں بہت گہرا سو تا رہتا۔ مگر کراچی میں تم نے مجھے بھٹکنے کے لیے اکسایا ہے۔

"آپ کیا کام کرتے ہیں؟" ایک اجنبی آواز نے اسے متوجہ کیا جو بہت دیر سے اس کا ہاتھ دیکھ رہا تھا۔

وہ چونک پڑا۔

"جی نہیں؟" اس نے بہت آہستہ آواز میں جواب دیا۔

نیلی ورنگ سی اسرگین بصر اور سفید قمیض میں ہونٹوں اور حویلی کے کھلنے والے اخلاق اور انداز نشست کی وجہ سے وہاں موجود تمام مردوں میں بے حد نمایاں نظر آ رہا تھا۔

"یہ بڑا اچھوتا سا لقب ہے۔ ہم نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ نئے آئے ہیں؟" ایک اور صاحب نے اس سے مخاطب کی معاونت حاصل کرنا چاہی۔

"جی نہیں۔ میں یہاں کئی ہفتوں سے آ رہا ہوں۔" اس نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

"آپ کا کیا صاحب اپنی بیٹ پر بلا رہے ہیں۔ ادھر ہی ہیں۔" کہہ کر اس نے چاہا کہ اس کے پیچھے جانا چاہی کہ اس نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر کسی قسم کی بھی کوشش کرنے سے روک دیا۔

"ڈاکٹر صاحب سے ڈاکٹر کے پاس آیا۔"

"جناب بات یہ ہے کہ ہمارے ایک دوست ہیں جو آپ سے ڈاکٹر صاحب کے لیے آئے ہوئے ہیں۔"

"ہاں۔" اسے چکر سا آ گیا۔

"جی ہاں۔ بہت گہرے ہیں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"جناب یہاں کہیں فاران کی ضرورت ہے۔" اب اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"جی ہاں۔ میڈیکل اسٹور ہے۔ وہاں ہے یہ کمپاؤنڈر۔"

"میں ابھی آیا۔" وہ کہہ کر تیزی سے باہر لگا تھا۔

میڈیکل اسٹور والا اپنی دوا کی کاپی پر مشغول رہا ہوا اور خاصے جھاڑی چاہ رہا تھا۔ اس وقت اسے ہو باشاہ بڑی ضرورت تھی۔

اس نے تعارف کیا۔

دوسری طرف کسی خاتون نے ریسیو کیا تھا۔

"ہماری بات کروائیں۔ خان سے کہیے۔"

"دوسرے ہی لمحے پی سے تیز علی خان کی آواز ابھری۔" "کیا ہو گیا۔"

"خان وہ سخت بیمار ہو گیا ہے۔ جمعہ بھائی کو کہتے لے بہت ضروری کام ہے۔"

"تم کہاں سے بات کر رہے ہو؟"

"اسی محلے والے ڈاکٹر کے پاس۔ بات کی طبیعت اب کیسی ہے؟" اس کے لیے یہ فقرہ مکمل تھے۔

"ابھی ٹھیک نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ اور دوسری طرف سے اس نے کہا۔ تم ہم کو وہیں چھوڑ کر ہم پہنچ جاؤ گے تو ہم آ کر بیٹھ گے تو ہم آ کر بیٹھ گے تو ہم اس کو نہ چھوڑیں گے۔ اس دوسرے کی بھی کوئی نے ہمارا بہت قیمتی وقت ضائع کر دیا ہے۔ ہم صرف ابا صاحب کی خاطر یہ زحمت اٹھا رہے ہیں۔"

خواجہ کیسے ہیں۔ اس نے اب کیا کہتا ہے؟" وہ فکرمند آواز لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں خان؟" اس نے نہایت معقول جواب دینے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے ہم آ رہا ہے۔ پہنچ کر بات کرتا ہے۔ اطمینان رکھ۔" دوسری طرف سے تسلی دی گئی تھی۔

باری اللہ کر کے میڈیکل اسٹور کے مالک سے ذرا کی گرد باتیں کرنے لگا۔

تیمور علی خان کو فون کر کے اس نے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

ساری عمارت پر گہری خاموشی کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔

وہ بابا صاحب کے بدلے ہوئے انداز پر سوچ سوچ کر شل ہو چکی تھی۔ آنے والی کل کے لئے پریشانی نے اس کو گھیر لیا تھا۔

کہاں تو چچا اتنی رازداری برت رہے تھے۔ کہاں یہ کہ بابا صاحب کو سب پتا ہے۔ کیا پتا ہے — وہ اسی سوچ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ کیا مجھے چچا کے آدرشوں پر بلی کر دیا جائے گا۔ کیا چچا کی محبت کی مجھے کوئی بھاری قیمت چکانا پڑے گی۔

محبتیں تو رویوں کے بدلے بکتے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر یہ محبت بھی کیا بیوپار ہی ہے؟ سوائے دھیان آنے کے ساتھ ہی ریڈ روم کے دریچے روشن ہیں۔

چچا ابھی جاگ رہے تھے ابھی تک — وہ کچھ سوچ کر کھڑکی سے ہٹ گئی۔

اس نے ریشے سے دوپٹا اٹھایا۔ پاؤں میں چپل ڈالی اور بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

سیاسی صورت حال کچھ ایسی بہت کشیدہ ہو رہی تھی۔ اس لیے آج کل عمارت پر پہرا بھی سخت تھا۔

باہر گیٹ کی طرف سے کسی جیپ کے رواں ہونے کی آواز کے ساتھ سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے رات زیادہ نہیں ہوئی۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ رات کا ایک بج چکا تھا۔ وہ ننگے قدم ہی کھلی ہوئی ریڈ روم تک آئی اور رک گئی۔

"کون؟" بادل خان کی تیکھی سی آواز آئی۔

"میں ہوں چچا۔ ذوشا نے۔"

دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ تبھی دروازہ کھولے جانے کے انتظار میں رہ گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔

سامنے بادل خان سیاہ ٹریک سوٹ میں ملبوس تھا۔ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کی سرخی بہت گہری ہو رہی تھی۔ روشی کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑنے لگی۔ وہاں کھڑی رہ گئی۔ اس نے محسوس کیا اس کے باپ کا چہرہ بہت غیر معمولی جذبات کی کہانی سنا رہا تھا۔

"آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں بابا؟ آپ کے بیڈ روم کی لائٹ میں نے دیکھی تھی۔ میں سمجھی آپ جاگ رہے ہیں۔ سوتے ہوئے تو آپ نائٹ بلب بھی بجھا دیتے ہیں۔"

بادل خان ایک طرف ہٹ گئے۔ گویا روشی کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ اندر آ گئی۔ انہوں نے قریب ہی دروازہ بند کر دیا اور اپنے بیڈ کی طرف بڑھ گئے۔

"تم کیوں جاگ رہی ہو اب تک؟" وہ نیم دراز ہو گئے۔

"میں رات کے پچھلے پہر میں نیند نہیں آتی۔" وہ ان کے قریب ہی ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھ گئی۔

"کیا پریشانی ہے؟" وہ چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کیا بتائے؟ کیا نہ بتائے؟

www.Paksociety.com

ساری عمارت پر گہری خاموشی کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔

وہ بابا صاحب کے بدلے ہوئے انداز پر سوچ سوچ کر شل ہو چکی تھی۔ آنے والی کل کے لئے پریشانی نے اس کو گھیر لیا تھا۔

کہاں تو چچا اتنی رازداری برت رہے تھے۔ کہاں یہ کہ بابا صاحب کو سب پتا ہے۔ کیا پتا ہے — وہ اسی سوچ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ کیا مجھے چچا کے آدرشوں پر بلی کر دیا جائے گا۔ کیا چچا کی محبت کی مجھے کوئی بھاری قیمت چکانا پڑے گی۔

محبتیں تو رویوں کے بدلے بکتے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر یہ محبت بھی کیا بیوپار ہی ہے؟ سوائے دھیان آنے کے ساتھ ہی ریڈ روم کے دریچے روشن ہیں۔

چچا ابھی جاگ رہے تھے ابھی تک — وہ کچھ سوچ کر کھڑکی سے ہٹ گئی۔

اس نے ریشے سے دوپٹا اٹھایا۔ پاؤں میں چپل ڈالی اور بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

سیاسی صورت حال کچھ ایسی بہت کشیدہ ہو رہی تھی۔ اس لیے آج کل عمارت پر پہرا بھی سخت تھا۔

باہر گیٹ کی طرف سے کسی جیپ کے رواں ہونے کی آواز کے ساتھ سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے رات زیادہ نہیں ہوئی۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ رات کا ایک بج چکا تھا۔ وہ ننگے قدم ہی کھلی ہوئی ریڈ روم تک آئی اور رک گئی۔

"کون؟" بادل خان کی تیکھی سی آواز آئی۔

"میں ہوں چچا۔ ذوشا نے۔"

دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ تبھی دروازہ کھولے جانے کے انتظار میں رہ گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔

سامنے بادل خان سیاہ ٹریک سوٹ میں ملبوس تھا۔ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کی سرخی بہت گہری ہو رہی تھی۔ روشی کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑنے لگی۔ وہاں کھڑی رہ گئی۔ اس نے محسوس کیا اس کے باپ کا چہرہ بہت غیر معمولی جذبات کی کہانی سنا رہا تھا۔

"آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں بابا؟ آپ کے بیڈ روم کی لائٹ میں نے دیکھی تھی۔ میں سمجھی آپ جاگ رہے ہیں۔ سوتے ہوئے تو آپ نائٹ بلب بھی بجھا دیتے ہیں۔"

بادل خان ایک طرف ہٹ گئے۔ گویا روشی کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ اندر آ گئی۔ انہوں نے قریب ہی دروازہ بند کر دیا اور اپنے بیڈ کی طرف بڑھ گئے۔

"تم کیوں جاگ رہی ہو اب تک؟" وہ نیم دراز ہو گئے۔

"میں رات کے پچھلے پہر میں نیند نہیں آتی۔" وہ ان کے قریب ہی ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھ گئی۔

"کیا پریشانی ہے؟" وہ چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کیا بتائے؟ کیا نہ بتائے؟

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"بے ایمانی تو نہ بنا۔ تمہارے بہنے کے دن ہیں۔ کہیں پر نشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں تو کس سے بات کر رہی تھی؟" انہوں نے پھر سوال کیا۔

"مجھے ارنگ دے رہا ہے آپ۔ جی ماں ہو جاتی تھی۔" وہ ہچکچائی۔

یاور علی خاں نے صرف ایک لمحے کو نظر اٹھا کر اس کی صورت دیکھی۔ وہ ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے جانب دیکھتے یا کچھ سوچتے نظریں جھکا لیں۔

یاور علی خاں نے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور دو تین گہرے گہرے کش لیے۔

"روشی! میں تمہارا باپ ہوں۔ تمہاری ذات سے تعلق رکھنے والا ہر معاملہ ہر مسئلہ میرا ہے۔ اگر خدا نے مجھے دولت و مقام شکر ہے کہ وہ دولت کا احساس بھی دیا ہے۔ تم اور بابتی میں ہو، کرایا نہیں ہو، ہر کمی پوری میں ہو یا مر کے بھی ذمہ داریوں کو کم نہیں کر سکتے۔

تم آرام سے سو سکتی ہو، فی الحال تمہارے معاملات بہت آگے چلے گئے ہیں۔ ان کی جگہ ہر معاملات اختیار کر رہے ہیں۔ تم اب یہ فرض کر کہ تمہاری "فائل" خاصے عرصے کے لیے "سرد خانے" سے باخبر کر دی گئی ہے۔"

انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے میں راکھ جھاڑتے ہوئے نہایت پرسکون انداز میں کہا۔

روشی حیران پریشان ان کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

"میں کچھ نہیں سمجھا!" آخر کے منہ سے یہ سادہ نکل گیا۔

"تمہارا مسئلہ حل ہو جانے تمہارے لیے خاص بات ہے یہ ہونا چاہیے، اب تم جا کر سو جاؤ۔ شاباش!" ان کا انداز پہلے کی طرح باضابطہ اور اجنبی سا ہو گیا۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ یاور علی خاں کی سرخ آنکھوں میں ہمدردی اس جھلکنے لگی تھی۔

"پاپا!"

"تو جا کس لیے رہی ہے تم؟ سو سکتی ہو۔" ان کا انداز بلا کا قطعی تھا۔

روشی کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی آنکھوں سے اب ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ "مجھے کیا جانا ہے؟ آپ جو حکم دینے کے پابند تو نہیں ہیں۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی شامل ہو گئی تھی۔

یاور علی خاں نے ایک لمحے کو اس کی صورت دیکھا۔ آنسو تواتر سے اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

"روشی! اپنے مجھے پریشان نہیں کرو، مجھ پر بھروسا رکھو۔ میں تمہارا باپ پہلے ہی بہت اضطراب سے دوچار ہو چکا ہوں۔" ان کی آواز میں نہ جانے کیسی التجا سی در آئی تھی۔

انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے سائیڈ وائرلیس سیٹ اٹھایا اور آن کر کے بات شروع کر دی تھی۔

روشی کے آنسو تھم گئے تھے۔ باپ کے لہجے نے جیسے اس کے وجود میں آگ سی بھر دی تھی، وہ ساکت سی کھڑی انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"ہاں کون ہے؟ میں بول رہا ہوں۔ ۔۔۔ وہ بات کرو۔ ۔۔۔ وہ ہاں کیس ہینڈل ہو گیا۔ ۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے۔ ۔۔۔ ہاں کی ہے تک فی الحال نہیں۔ ۔۔۔ اور ۔۔۔ کوئی بات نہیں۔ ۔۔۔ اور ۔۔۔ ہوں ۔۔۔ بہت پریشر ہے مجھ پر، کوئی اور ہاتھ ان میں ہفتہ پہلے ہی آیا تھا۔ اور ۔۔۔ نہیں تو پھر یہ اہم معاملہ ہے، ڈیکٹ ہونا ہوگی۔ اور ۔۔۔ اچھا اللہ حافظ۔"

انہوں نے سوئچ آف کر کے یاور وائرلیس واپس رکھ دیا۔

"تم گئی نہیں؟"

"آپ پریشان ہو رہے تھے، میں کیسے جاتی۔" آنسو صاف کرتی ہوئی وہ نہایت سعادت مندی سے بولی۔

"ہاں، ہو تو رہا ہوں۔ ۔۔۔ تم جاؤ، سو جاؤ۔ میں بھی سونے جا رہا ہوں۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو ڈاکٹر نے بلڈ پریشر کی وجہ سے اضطراب سے منع کیا تھا۔ آپ کو کسی ماہر نفسیات سے بھی ایک مشین ہے اور آپ اس مشین کا ایک پارٹ ہیں اور مشینوں کو دل نہیں آتے۔ اگر آپ ایک اچھا اور اچھا جملہ مجھے پرسکون کرنے کے لیے استعمال کر لیتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اس لمحے بھی نہیں آ جاتی مگر ایک شے ۔۔۔"

وہ پلٹ گئی۔

یاور علی خاں کے دماغ میں جانے کس کس رنگ کی اذیت امڈ آئی۔

وہ واش بیسن پر تھی ہوتے ہی ایک گھونٹ لوپ بھیا کہ اور بھرے لے احتیاط کیا تھا۔ آتے ہوئے وہ ڈاکٹر کی ہدایت کا پیکٹ بھی بھر لائی تھی۔

"میں ذرا اندھیرا روشنی کرتے آتا ہوں، آپ یہیں لیٹی رہیے۔" اس نے کار کی پچھلی سیٹ پر دراز مہوش کو مخاطب کیا۔

جواب میں دوسری طرف خاموشی طاری رہی۔ وہ کار سے باہر آ کر راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

ایک عوامی راہداری میں اور دوسری ہال کمرے میں روشنی کی اور الٹے پاؤں واپس احاطے میں آیا۔ گیٹ بند کیا اور مہوش کی طرف کار کا دروازہ کھول کر اسے باہر آنے کو کہا۔

مہوش نے اس طرح ہاتھ بڑھا دیا جیسے اسے کسی سہارا دینے والے ہاتھ کی ضرورت ہو۔

وہ کاسے ہاتھ تھام کر آہستہ اس کا ہاتھ تھاما اور اس کو باہر آنے میں مدد دی۔

مہوش باہر آ کر اس کے شانے سے ٹک گئی اور آہستہ آہستہ لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

اسے ہال کمرے میں بچھے تخت پر لٹا کر وہ پلٹا، باہر آنے لگا تو مہوش نے آواز دی۔

"واری کہاں جا رہے ہو؟"

"باقی سامان بھی جانا ہے، صوفہ وغیرہ کیش ہاتھ میں لیے بھی ہوئی ہے۔ وہیں جا رہا ہوں۔" اس کی آواز میں ہلکی سی دبی ہوئی تشویش تھی۔

"اس وقت بھی کسی کی ضرورت ہوتی ہے۔" مہوش کے لہجے میں دبی تھکن تھی۔

"بہت تھک گئی ہو، بیٹھ کر آرام کرتے ہیں اور بس ۔۔۔" اس نے جھک کر جوتے اتارے، پھر اٹھ کر باہر آ

گیا۔

اس کو وہ اپنے سے پہلے کچھ کھلاتا پلاتا تھا، وہ اسی خیال سے بھوانی گھر سے نکلی آیا تھا، جہاں کھانے پینے کی اشیاء ہوتی تھیں۔

بھدا سٹیکس اور پانی کا گلاس لے کر وہ پانچ منٹ بعد واپس اس کے پاس آ گیا تھا۔

"لیجیے، کچھ کھا لیجیے، پھر دوا کی باری آئے گی۔"

اس نے ہاتھ میں پکڑی چیز میز پر رکھ دی اور واپسی کے ارادے سے قدم آگے بڑھائے۔

"باری ——!"

"جی ——!"

"بہت ناراض ہو؟"

باری کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ مڑ کر بھوبر کی شکل دیکھنے لگا۔

"معاف کر دو مجھے، میں نے شاید تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ پلیز باری۔"

"کس بات کی معافی مانگ رہی ہیں آپ؟" وہ ابھی بھی کچھ سمجھ نہ سکا۔

"دراصل باری! میری جگہ کوئی اور بھی لڑکی ہوتی تو یہی سمجھتی، کیونکہ تم عورت نہیں ہو، اس لیے اس احساسات کو نہیں سمجھ سکتے، مگر میں تم سے معافی مانگ رہی ہوں۔"

"یہ الفاظ ادا کرنے میں جلدی نہ کریں، ابھی تو نہ جانے کتنے دن مجھے اور آپ کو اکٹھا رہنا ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"پلیز! بھائی خاموش ہو جائیں، یہ دعا کا میری کل طاقت سے زیادہ ہے۔ میں اسے اس وقت بالکل بھی ایب نارمل دیکھنا چاہوں گی کہ آپ کے ہوش و حواس قائم نہیں ہیں، لیکن اگر آپ نے آئندہ اس طرح کے الفاظ سے کام لیا تو ——"

وہ رک گیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ سانس کی رفتار خاصی تیز ہو گئی تھی۔ وہ اپنے گریبان کا بٹن کھول رہا تھا، کبھی بند کر رہا تھا، جو اس کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کرنے والا عمل تھا۔

"بھائی! میری بات غور سے سنیے، آپ سوچ کر بلکہ یقین کے ساتھ سوچ کر بتائیں کہ فی الحال آپ کے ارد گرد موجود انسانوں میں، میں آپ کا واحد خیر خواہ ہوں۔" وہ بولتے بولتے رک گیا۔

"کیسے خیر خواہ ہو، میں تمہارے سامنے خوامخواہ چڑی ہوں، اگر تم میرے خیر خواہ ہوتے تو فوجی فرسٹ ایڈ کٹ سے مجھے ہوش میں لانے کا موقع فراہم کرتے۔" بھوبر جیسے اس پر برس پڑی۔

"میں صرف آپ کی آنکھیں دھونے کے ایک ایک قطرے کا خیر خواہ ہوں۔ آپ سے عرفان کا مطلب یہ نہیں کہ وفاداری کے ساتھ وفاداری کا معاہدہ منسوخ ہو گیا۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"باری! آپ نے حسن تو دیکھا ہے، میں نے آپ کی طرح کی بہت سی عورتیں دیکھی ہیں، مگر میرے لیے آپ کا حسن، آپ کی ذات کی طرح قابلِ احترام ہے۔ میں آپ کو بھائی کہتا ہوں، آپ بھی رشتے کا سیاق و سباق سمجھنے کی کوشش کریں۔"

اس نے بہت پُرسکون انداز میں ٹھہر ٹھہر کر اسے مفصل جواب دیا۔ وہ بھوبر کے برہم الفاظ کے حملے سے بچتے ہوئے گیا تھا اور اسے اب خود پر مکمل کنٹرول تھا۔

بھوبر نے دوسری بار آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

شاید اس کے گریبان کا اوپری بٹن ٹوٹ گیا تھا کہ گریبان کشادہ ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی سینے اور بائیں شانے پر خون کے دھبے نظر آ رہے تھے اور سفید شرٹ پر بہت لمبا دھبہ تھا۔ بھوبر کو سہارا دیتے وقت غالباً اس کی کلائی سے بہنے والا خون وہاں اپنی کارگزاری دکھا گیا تھا۔

"گھر میں تمہیں مطلع کر چکی ہوں، وہاں حویلی میں میرا کسی سے کوئی قانونی اور نسبی رشتہ نہیں ہے۔ تم یا کوئی اور مجھے بھائی کہتا ہے تو گالی لگتی ہے مجھے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ شادی تھی، باری —— اگر پتا ہے میرے باپ کے گھر میں۔" وہ بھرے بھرے کہنے لگی۔

"آپ یہ کچھ تو اسے کھا لیں پھر وہ بھی کھانی ہے۔ نیند کی گولیاں بھی ہیں کھا لیں گی تو نیند آ جائے گی اور تکلیف کے احساس سے نجات مل جائے گی۔"

تلملا کر اٹھ کھڑی ہوئی بھوبر کے سامنے آ کر اس نے ٹیک لگا لیا۔ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

www.Paksociety.com

کمرے میں بھی بہت خاموشی ہے۔ سب کی توجہ کسی نہ کسی طرح کراہ رہے ہیں۔
اس نے تکلیف کے احساس سے کچھ ہونٹ بھینچ لیے۔
"ہمدرد۔۔۔ پلیز۔" ہاری نے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہیں کیا

www.Paksociety.com

"آہستہ آہستہ بیٹی، جلدی کیا ہے؟"

وہ اسے سہارا دے کر دالان تک لایا اور تخت پر بٹھایا۔

ٹھنڈے گھڑے پر اس کا جگ پڑا ہوا تھا۔

"پانی ——؟"

"جی ——؟"

"زحمت تو ہوگی، مجھے تھوڑا سا پانی اور پلا دو۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پیتل کے جگ سے پانی لے آیا۔

جھومر نے ایک سانس میں پانی چڑھا لیا۔

"معلوم نہیں، اتنی پیاس کیوں لگ رہی ہے۔ کیا آگ بھڑک اٹھی ہے اندر۔" اس نے گلاس واپس کرتے ہوئے کہا اور پھر تخت پر لیٹ گئی۔

وہ گلاس رکھ کر آیا اور آہستگی سے پلنگ پر دراز ہو گیا۔

نیا چاند طلوع ہونے میں ابھی دو تین روز باقی تھے۔ راتیں اندھیری تھیں، مگر جگنوؤں کی بن آئی تھی۔ جنگل کا سیاہ آسمان ہزاروں، لاکھوں چراغ روشن تھے۔

موم بتیاں اس نے بجھا دی تھیں۔ جو پاگل ہو کر تڑپنے میں دیر لگاتی ہیں۔ ایسی لمبی رات —— کچھ دیر تک سرسراہٹ، بھنبھناہٹ اور جھینگروں کی اعصاب شکن آوازیں کسی طرح بھی قریب سکون صاحبان لیڈی کی سماعت نہیں تھیں۔ اس نے گردن موڑ کر دالان کے طاقچے پر نیلی لو کی طرف دیکھا۔

تخت پر گویا چراغ روشن تھا۔ ایک معطر سا دھواں دھیرے دھیرے اس کے اندر اترنے لگا۔

دلاور علی خاں اپنی صبح کی جپل قدمی میں مصروف تھے۔ اس —— سے بچوں کے طے پر یاور علی خاں اس طرح پہلے ہی سوال کے مطالعے میں مصروف نظر آ رہے تھے۔

روشنی بہت تیز رفتاری میں آئی تھی اور سیدھی بابا صاحب کے پاس پہنچی تھی۔

"السلام علیکم بابا صاحب!"

"وعلیکم السلام —— جیتی رہو۔ کبھی کبھی تمہاری یہ عادت بہت اچھی لگتی ہے کہ تم سورج سے پہلے اٹھتی ہو۔" وہ بشاشت سے مسکرائے۔

"آپ کیسے ہیں؟ راتوں میں ——؟" اس نے بھرپور سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"ارے بھئی، کسی کو کام ہے گیا ہے، وہ آتا ہے اور ہم روانہ ہوتے ہیں۔ تبدیلی؟ کوئی پیغام ہے جنوں کے لیے؟" انھوں نے چہل قدمی موقوف کر دی اور ایک چبوترے پر بیٹھ گئے۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔" اس نے کہا۔

دلاور علی خاں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور ایک لمحے کو اپنی بائیں آنکھ بند کر لی۔ پھر اطمینان سے کہنے لگے۔

"بیٹی! آپ کے ساتھ بہت خوش رہتی ہے۔"

"کیا آپ سے شکایت کرتی ہے؟" بابا صاحب بہت خوش دکھائی دیتے تھے۔

"نہیں، تمہاری تعریف کرتی ہے۔" اس نے ایک انگڑائی لی اور پاؤں ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ اور طرح کے گیس ہوتے ہیں۔ آپ اور ہیں۔ یہاں پر ہمیشگی کی عبادت کیے ہوئے لوگی۔ ہم تنکے کی طرح بہتے ہوئے لوگ ہیں۔" وہ مسکرا رہے تھے۔

"بچہ کیا کہیں گے، وہ انھیں [illegible] ہے۔ ہمارے لوگ تو [illegible]" اس نے جواب دیا۔

"پھر بھی بیٹی۔"

"میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کی موجودگی میں کسی اور گھر کے فرد نے اجازت لی ہو۔" اس نے تائید چاہی۔

"ہمم ——" دلاور علی خاں خیالوں سے ہو کر واپس آ گئے۔

"جی؟" وہ یاور علی خاں کے قریب پہنچی۔ "میں بابا صاحب سے ملنے جا رہی ہوں اور پھر مجھے جانا ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" انھوں نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

روشنی نے دل کو چھو لیا۔

"کل بابا نے اسے کیا کہا تھا۔ پوچھ کر بتاؤ۔" اس سے پہلے کہ وہ پلٹتی، یاور علی خاں نے کہا۔

"بابا صاحب! وہ ایک بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ ——"

"ہاں ہاں، اسے کیا کہا؟ آپ سے ——"

"میں سب کچھ بتا دوں گی۔"

"روشنی —— پہلے بتاؤ۔" یاور علی خاں نے بے صبری اور بے چینی سے کہا۔

"وہ تمہارے بارے میں کہہ رہی تھی کہ تم بہت اچھی لڑکی ہو۔" اس نے مجبوراً جواب دیا۔

"بس، اتنی سی بات پر اتنا ہنگامہ؟ کل تو ہونے کی جلدی نہیں تھی اور آج جانے کی جلدی ہے۔" بابا صاحب نے روشنی کو جاتے ہوئے دیکھا تو قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ یاور علی خاں بے حد خفا ہوئے۔

نہ جانے کیوں بابا صاحب کبھی کبھی یہ احساس ہوتے ہی مجھے میں اپنے بچوں کی توقعات پر پورا نہیں اتر پاتا۔ انھوں نے کھوئے کھوئے انداز میں سوچا۔ یاور علی خاں الجھ کر رہ گئے۔ وہ ہمیشہ کے لیے بابا صاحب سے ملنے آئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ہی رہنا چاہتے تھے۔ ان کے ساتھ ہی واپس جانا چاہتے تھے۔ مگر بابا صاحب کے انداز میں [illegible]

www.Paksociety.com

www.Parsociety.com

تو وہ ایسی بھی ہو سکتی ہے۔" دادا صاحب سوچ رہے تھے۔

"پھپھو۔" وردی خاں پھر سے مسکرایا ہے۔ "مجھے لگتا ہے یہ کبھی نہ ہی نہیں ہوگی۔"

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا۔ وہ اتنی بھولی ہے۔" دادا علی خاں نے اپنی رائے دی۔

"آپ سے کہے بغیر نہیں رہتی۔" نہ جانے کیوں وہ ہنس پڑے۔

"وہ تو ہے ہماری لاڈلی ہے۔ ہم کیا ٹھہرے۔" آج بھت اچھی موڈ میں تھے۔ اپنے سے کسی کو ہنستے دیکھ کر

بھیجگی سے مسکرا دیتے تھے۔ دادا علی خاں کو دیکھتے رہے۔

"اسے کیسے پتا صاحب! اس کو بھی آپ کی بد حسنی ہوئی مرحا خیال آ گیا تھا۔ آپ نے جس طرح سے اس کی مدد کی ہے وہ حیرت انگیز ہی کہا جا سکتا ہے۔ کل تک روشی ان میں تتلیاں پکڑتی پھرتی تھی اور اب آ گئی ہے دل دار عمر سامنے آ گئی ہے۔ جانے کا وقت ہے۔ مجھے نہیں احساس کہ کس طرح سے ہو گیا اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ کیسے یاد کرتے ہیں۔ میں نے کبھی آپ کا ہاتھ نہیں تھاما۔ جب کبھی حویلی جاتا تھا، بھاگ کر آتی تھیں اور کہتی تھیں کہ پہلے کو سلام کرو تو چچے۔ میں ہنسنے لگتا تھا اور انھوں کرتا تھا کہ میں ان کے پاؤں چھوؤں۔" وہ ہنسنے لگے۔ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

"یہ سارا قصہ دادی اماں کے ہاتھوں میں ہے پاپا۔ حقیقت میں ہم نے کچھ نہیں کیا۔ ہاں بن کر وہ اللہ کے ہو جائیں گے۔ شاید وقت ہے۔ اب ہم نے بھی بہتری سے انھیں پا لیا ہے۔ اپنے سے بھی کی ہے۔ تو تمہاری ماں نے بہت دوستی کی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو چاہتی تھیں۔ مجھے نے وصیت کر دیا کہ وہ ہمارا خیال رکھے۔" دادا صاحب نے نرمی سے کہا۔

وردی خاں نے گہری سانس لی۔

"پھر بھی دادا صاحب کرنی کی تو رہنی ہوگی۔ دادی اماں کہتی ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولے تھے۔ پھر دادا صاحب سنجیدہ ہو گئے۔

"کیا کہتی ہیں؟" وہ انتظار کرنے لگے۔

وردی خاں نے پہلے ایک طرف دیکھا پھر دادا صاحب کی طرف دیکھنے لگے۔

دادا علی خاں نے پوتے کو دیکھ کر مسکرایا ہے۔

"ان کی مرحوم بات ہے دادا صاحب سے پوچھنا۔ وہاں بچوں کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ ہمیں ضرورت ہے ہم نے بہت سے بچے کھو دیے ہیں۔ اب ہم تم سے کل مکمل کرنے کو کہتے ہیں۔" وہ ہنسنے لگے۔

"بیٹی آ رہی ہے دادا صاحب۔" وردی خاں نے بہت سی ادب دادی آواز میں دادا صاحب کو بتایا۔

وہ ہنسنے لگے۔

"میں بالکل تیار ہوں دادا صاحب! آپ کہی تو چلتا ہوں؟" وہ اٹھنے لگے۔

"ہم بھی تو ہیں۔ تم نے وعدہ کیا ہے ہمارا۔"

"ہی دادا صاحب! آپ کی تو ہم ہے۔ اسے کہیں گے تو مجھے ٹال دیں گے۔ کیونکہ آپ کی تو ہم ہی کمزوری ہے۔ وہ اپنی ہی کہتی ہیں۔ آپ کی ہم ہے۔ ہم ہے۔ ہم ہے۔" وہ بچوں کی طرح بولے تھے۔

دادا علی خاں بے ساختہ ہنس دیے۔

"پتہ ہے۔ آج میں بہت خوش ہوا۔ ایک تو سفر تمہارے ساتھ کریں گے۔ پھر سے تمہارے دادا کی دادی بنے

گی۔"

"چلیں جاری ہوں۔" اب وہ اپنے کی طرف چلی۔

"بچا! تمہاری مرضی، پھر سوچ لو جانے سے قبل کر دیا، میں اپنا بیڈ کنفرم کروں گا۔" انہوں نے ایک نگاہ اس کے پر ڈالی۔

"دادا صاحب! بچا تو اپنی بیٹی کے ساتھ بھی سہاروں کی طرح ڈیل کرتے ہیں۔ مجھ سے پوچھ لیں۔" وہ ایک ادا سے بولی۔

"کیا کہیں پوچھا؟"

"یہی کہ میں کیوں جا رہی ہوں؟" اس نے وہ پلٹ کر انھیں دیکھا۔

وردی خاں نے اس کی طرف قدرے جھک کر دیکھا تھا۔

"ہاں بھئی، کہیں پوچھا تو ہے تھا۔" دادا علی خاں نے ہامی بھری۔

"میں نے تو اس لیے نہیں پوچھا کہ ہو سکتا ہے یہ یہاں کی تنہائی سے بور ہو گئی ہو اور تو کوئی بات ہی نہیں ہوگی۔" وردی علی خاں الجھ گئے تھے۔

"جواب پوچھ لیتے ہیں کہ کیوں جا رہی ہو؟" وہ اس کی طرف جھکے۔

"آپ بہت لیٹ ہو جاتے ہیں پاپا۔ شاید انھی باتوں کی وجہ سے میری امی جلدی چلی گئیں۔" اس نے غصہ ہو کر کہا تھا۔

نہ جانے کیوں وردی علی خاں کی نظریں جھک گئی تھیں۔ دادا علی خاں اپنی بھتیجی سے کہاں کریدنے لگے۔

"خان! کوئی بات ہے۔" دادا علی خاں کا لہجہ آہستہ آہستہ کانپا تھا۔

روشی ہولے سے کھلی کھڑکی سے اندر دوڑ گئی۔

"تم دادا صاحب کو بھی آ رہے ہیں ہم۔" دادا علی خاں نے تکمیر بتائے تھے۔

دادا صاحب کی طرف بڑھ گیا۔

"دادا صاحب! کہیں روشی کو پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ مجھے آپ سے کہنا ہے۔" وردی علی خاں کے لہجے میں تشویش تھی۔

www.Parsociety.com

www.Paksociety.com

"بھی یہ تم جیسے بہت بڑے لکھے لوگوں کی باتیں ہیں۔ ہم ان پڑھ لوگ ہیں۔" کہتے ہوئے وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

داور علی خان خاموش ہو رہے۔

"چلیں بابا صاحب!" روشی اپنی چیزیں لے کر واپس آ گئی تھی۔

"تمہارا موبائل کہاں؟" وہ پوچھنے لگے۔

"اوہ! یہ رہا۔ مل گیا ہے۔ آپ آ گئے۔ اچھا ہوا۔ ابھی بھی ہوا خیال کر لیا کریں۔ بھول جانوں کو آپ سے کچھ لینا ہو تو یاد رہے۔" وہ ہنستی ہوئی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

"موبی کب آؤ گے؟" داور علی خان چلتے چلتے رک کر پوچھنے لگے۔

"ویک اینڈ پر ہی آ سکتا ہوں۔ ابھی تو فرائس جانے کا سرھلا سا ہے۔ خیر۔۔۔" وہ الوداع کہنے کے خیال سے گھر سے ہوئے۔

وہ روشی کے سر پر ہاتھ پھیرنا چاہتے تھے مگر وہ جھک میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ اطمینان کی آہ بھر کے جتنا سا سانس بچے تھے خارج کر کے جیپ چاپ کھڑے رہ گئے۔ آنکھوں کی نمی گہری ہوتی گئی تھی۔

"آپ اتنے کمزور تو نہیں ہیں کہ آپ کو ابھی نہ تھکیں۔ بلڈ پریشر اتنا ہائی ہو رہا ہے۔ آپ نے دوا بھی نہیں لی ہے۔ آپ نے دوا لی ہے۔ آپ نے دوا لی ہے۔ آپ نے دوا

اس لیے آنکھیں بند کر کے بے ہوشی کی سرحد میں غالب کو پکارنے لگا۔

"لال خان۔ یار۔ ہم پر تو نہیں آ رہا۔ بالکل بے مزا کر کے رکھ دیا ہے تمہیں۔ کیسے یار ہو؟" اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"میں تمہیں اس طرح خود کشی کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ اب تم اسے کتنی پی رہے تھے وہ تمہیں پی رہی تھی۔ قرض لینا بھی مشکل تو ہوتی ہی ہے۔ مگر آہستہ آہستہ سنبھل جاؤ گے۔" لال خان نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"وہ بھر کے لیے کیسا دسترخوان" "کیوں؟" بولتے بولتے اسے کچھ یاد آیا۔ "ہو۔ ہو۔ ہو۔ یار تمہاری بھابی آہستہ آہستہ کھل رہی ہے۔ واہ! کتنی اچھی اردو بولتی ہے۔ ہو۔ ہو۔ ہو۔" لال خان ہنسی کی فاضلیت پر لوٹ پوٹ ہوا جا رہا تھا۔

کوئی خاص چیز بنانے کی ضرورت نہیں بھابی۔ جو گھر میں بچے کا کھا لیں گے۔ آپ میرے معاملے میں دال ساگ ہی تیار نہ کریں۔ یہ تو بے تکلفی کرتا ہے۔"

عارف نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ اس طرح کی سنجیدگی بالو نے پہلی بار دیکھی تھی اس میں۔ وہ گہری ہو گئی تھی کبھی کبھی بشر۔ کبھی اجنبی اور کبھی خوش ہی ہوتی تھی۔ وہ سر جھٹک کر باہر نکل گئی۔

"رات بڑے اچھے انار لایا تھا میں تمہارے لیے۔ تمہاری بھابی سے کہتا ہوں۔۔۔ جوس نکال کر دے دے گی۔ پھر سب ساتھ میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"یار۔ کیوں بھابی کو تنگ کرتے ہو؟ ان کے پاس پہلے ہی کم کام ہوتا ہے۔" اس نے بھی لال خان کو اٹھا لیا۔

"وہ اس گھر میں بہت عیش میں ہے۔ نعمتوں سے گھر بھرا پڑا ہے۔ اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔ اس میں تمہارا بھی حصہ ہے۔ سب سے بڑھ کر تم میرے یار ہو۔ اور ہم یار کی قدر کرنا جانتے ہیں۔ مت بولا کرو میرے معاملوں میں۔"

لال خان نے خفگی کر اس کا کندھا دبا دیا۔ "اچھا۔ خدا حافظ۔ اپنی بھابی کو تنگ مت کرنا۔ جو وہ دے گی لے لینا۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔ عارف نے بھرا آنکھیں موند لیں۔

نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
تیرا وجود ہے صرف داستان کے لیے

دور بیچ کا گایا ہوا ایک البیلا گیت گنگنانے لگا۔ اس حصے میں اس نے یہ گیت نہ جانے کتنی بار گنگنایا تھا۔ ہلکی کی اداسی اور بے سوزی تھی۔

بالو جوس کا گلاس پکڑے ہوئے چوکھٹ پر اسی طرح کھڑی رہ گئی۔

"ہاتھ میں پکڑا دوں یا رکھ کر چلی جاؤں؟" اس نے کھڑے انداز میں اسے مخاطب کیا۔ عارف نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"رکھ دیں۔ شکریہ۔ یہ ساری خدمات مجھ پر قرض ہیں۔ زندگی رہی تو آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔"

بالو گلاس رکھ کر واپس جانے کے لیے مڑ چکی تھی۔ رک کر پوچھ لیا۔

"چپاتی بنا کر لاؤں یا اس وقت بھی میرے قرض نہیں اتار سکتے۔ کس خوشی میں رہے ہیں آپ؟"

"چپاتی کھا رہے ہیں میں نے آپ کو؟" عارف کی آنکھیں حیرت کا طلسم بن گئیں۔

"چپاتی ہی تھی۔ میں نے آٹا گوندھا ہے۔ روٹی کی شکل بنائی ہے۔ توے پر ڈالی ہے۔ پکائی ہے۔ پھر اپنے ہاتھ سے آپ کو کھلائی ہے۔" اس کا گلا رندھ گیا۔ "بھلی لگی ہو یا بری۔ میں نے اپنی محنت کھلائی ہے۔ روح کی تشنگی ہے۔ روٹی میں اتر گئی ہے۔" آنسو اس کی آنکھوں سے باہر نکل آئے تھے۔

عارف ششدر سا اسے دیکھے گیا تھا۔

اس کا ذہن بری طرح الجھ گیا تھا۔ کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر شل ہو گیا۔ اچانک ہی اس کا سر گھومنے لگا۔ اس کا آخری جملہ بار بار ہتھوڑے کی طرح دماغ پر گر رہا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لیتے ہوئے سر کو شانوں کا سہارا دے کر اٹھا لیا۔

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

وہ آہستہ آہستہ گھونٹ پینے لگا۔ مگر اس کی آنکھیں تاریکی میں کرن کی طرح چمک رہی تھیں۔

بھوک کی نقاہت کا احساس بہت گہرا تھا۔ اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اور وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ابھی خاصی رات باقی تھی۔ اس نے رستہ واضح پر نظر ڈالی اور جگ سے اتر آیا۔ آتے ہی اس نے اپنے نہانے کا سامان ترتیب کر لیا تھا۔ پھر اکبر کی طرف بڑھا۔ جہاں اس کا بڑا سا بیگ رکھا ہوا تھا۔ اپنا شیو کا سامان اور آئینہ نکالنے لگا۔ آئینہ لے کر وہ آنگن میں آ گیا۔ بے خیالی میں آئینہ کو کرسی سے ٹکرانے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ تیز علی خان شاید گھر کو ساتھ لائیں۔ مگر آج اس کی جان تھکن سے بالکل ہی نڈھال تھی۔ اس کا سہارا نظر آتے ہوئے اس کی صبح پر گرم سے شروع ہوئی تھی۔

صبح کی چائے تو کسی روز سے جسور مار رہی تھی۔ لکڑیاں جلا کر دم میں آنکھیں لگے ہوئے چائے تیار کرنے پر علیم چائے کے بارے میں کوتر چیں ہوا تھا۔ آج تو چائے کا وقت نہیں ہوا تھا جب بھی تو لوگ رہتے ہی تھے۔ زیادہ تر۔ اس نے اپنی طلب کو بھلا لیا تھا۔ گرم سے بھاگ جاتے ہوئے اس نے آئینے میں پیچھے کی طرف دیکھا۔ جسور زمین سو رہی تھی۔

اسے نہانے کا خیال آیا کنوئیں کی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

قریب آ کر اس کی کایا ہی تمام کرنے لگی تھی۔ کیونکہ وہ کروٹ لے کر بل کھا رہی تھی۔ اس لیے اس کے سانس لینے کا انداز بدلا ہوا تھا۔ مگر رات کو جتنی بار بھی اس کی آنکھ کھلی تو وہ سیدھی ایک دم چیت لیٹی ہوئی ملی اور اس کے بعد سانس اور تیز ہو جاتے۔ جیسے سانس لینے کا عمل واضح محسوس ہوا۔

دم بھر کو رکا تھا۔ اور خون بھی کافی نکلا تھا۔ اس لیے اسے خاصی تشویش تھی۔ کھلی نہانے کی جسور نے آنکھیں کھول

www.Paksociety.com

دیکھا۔

"بھائی ہوں۔ اور زندہ بھی ہوں۔ مگر آنکھ پھٹنے کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔"

ہاری نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ اور واپس اپنے بستر کی طرف بڑھا۔ ہتھوڑا گرانی کے پاس رکھ دیا۔ اور بھاگ بھاگ کر پانی کا لوٹا اٹھایا۔ اس نے پانی اٹھا کر پانی میں ڈالا۔

"آپ اٹھ جائیں بھائی۔ تاکہ میں فوراً واپس اٹھانے پر بیٹھ جاؤں۔ کاکا جان خدا معلوم کس وقت آ موجود ہوں۔"

اس نے آئینے میں جھومر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے پلنگ پر لیٹ جاؤں۔" وہ فوراً بستر سے اٹھ گیا۔ ہاری شیشہ اٹھا کر اپنے چلا گیا۔ جھومر دوبارہ سو گئی تھی۔

وہ لنگڑا کر چلتا ہوا کنویں کے پاس پہنچا۔ ڈول کو پانی میں ڈالا۔ پھر تھوڑا اٹھا کر بالکل کنارے میں رکھ کر آیا۔ اب اس کا کام بہت آسان ہو گیا تھا۔ کہ بار بار گھڑی دیکھتا رہے۔

کافی دیر بعد اس کو حویلی کے احاطے کی طرف چلا گیا۔ کنڈے کھول کر باہر کیے تاکہ وہ اپنا کام خود کریں کہ ان کی بھوک ختم ہو رہا تھا۔ سر جھکائے ہوئے تھے۔ جھومر پھر کر واپس آ جاتے تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"ابھی تو کھانا ہو گی ہاری! بہت دیر لگی ہو گی۔" وہ چارپائی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"پہلے آپ ناشتا کر لیں۔ خالی پیٹ دوا نہیں کھاتے۔" اس نے کتاب سے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کا رنگ سفید چمپا جیسا ہو رہا تھا۔

"اچھا" وہ پھر اندر چلی گئی۔

ہاری نے کچھ سوچا پھر کتاب موڑ کر پانی کو کراس کے پیچھے ڈال دیا۔

"آپ بیٹھیں بھابی۔ میں آپ کو ناشتا بھی دیتا ہوں اور دوا بھی۔" وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم باورچی خانے آؤ گے؟" وہ پلٹ کر حیرت بھرے انداز میں بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ واقعی حیران ہوا۔

"جب سب کچھ بتا دیا ہے تو کیوں "بھائی" کہتے ہو؟" وہ جیسے چڑ کر بولی تھی۔

"یہ میری مجبوری ہے۔ میں صرف ان اطلاعات پر کان دھرنے پر مجبور ہوں جو مجھے حویلی سے ملتی ہیں۔" وہ حیرت سے گویا ہوا۔ اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا جہاں اشیائے خورد و نوش بکھری ہوئی تھیں۔

اسی لمحے ناشتا کرا کر وہ اٹھانا شروع ہی کی تھی کہ باہر سے بچے کی اذان کی آواز آئی۔

"میرے خیال میں کاکا جان آ گئے۔ کوشش کیجیے گا۔ آپ کی سزا آج کی تاریخ میں تمام ہو جائے۔ بات دعا تک رہے گی تو اچھا ہے۔ ثواب ان کی جھولی میں جائے گا۔ آپ کے نہیں۔" اس نے کہا تو جھومر نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

ہوئے کہا اور تیزی سے چلتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"تم ہو۔ تمہارے ساتھ میں بعد میں نمٹوں گی۔ ذرا دیکھتے جانا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اس کے پیچھے چل دی۔

ہاری نے اس کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ جھومر نے ہاری کو دیکھا۔ اور ہاری بھی اس کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ دونوں کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ جھومر نے ہاری کے ساتھ تیسرا شخص محسوس کیا۔ اور اس احساس نے اس کے چہرے کو سرخ کر دیا۔ وہ نظریں جھکا گئی۔

"السلام علیکم۔" اس نے بہت اونچی آواز میں جھومر علی خاں کو سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو بچے؟" سلام کے جواب میں ایک خفگی بھری نظر اس کے حلیے میں ڈالی۔

"میں تو تمہارے چہرے پر وحشت دیکھ رہا ہوں۔ تم ٹھیک ہو نا؟" اس نے پوچھا تھا۔

"ہاں! کیا خیال ہے تمہاری یہ حالت دیکھ کر رحم کھا کر ترس کھائیں گے؟ ہاں اب تو صرف قسم سے پوچھ لو کہ کیا رہا ہے تمہارا خیال۔ کس یہ دو مقام میں جہاں تمہیں بھیجا تھا۔ وہاں پہنچ کر تو بھی ہمیں کوئی خبر بھیج دیتی۔ کیا ضرورت تھی خود چل کر آنے کی۔" وہ بولتے بولتے گھاری کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہاں۔ تو پھر کیا فیصلہ ہے۔ جلدی بولو۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔" وہ پھر جھومر سے مخاطب ہوئے۔

پورے کمرے کا ماحول پر عجیب سناٹا طاری رہا۔

"ہوں۔" جھومر علی خاں کی خاموشی گراں گزر رہی تھی۔

"آپ بھی ٹھیک رہنے کی اجازت دے دیں خان۔ سو پوائنٹ ہو گی۔" جھومر نے ہاری کو اشارہ کیا۔

ہاری نے ایک گہری سانس لی اور ایک جملے کو اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"ٹھیک ہے۔ خان لیے اور چھوٹے دونوں عمر کے ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ تمہیں لیے قبائلیوں کی عورت ہے۔ چلو ہاری۔ اپنا سامان اٹھاؤ۔ گھر اب تمہارے ٹھیک ہے۔"

"تم جا رہے ہو ہاری!" عجیب طرز کا انداز مخاطب تھا جھومر کا۔ ہاری ششدر کر رہ گیا۔ جھومر علی خاں نے قدرے چونک کر ہاری کو دیکھا تھا۔

"بھابی۔ یہ جھگڑے کے لیے آپ کو پسند نہیں کریں۔ میں تو کاکا جان کو گھر سمیت یہاں دیکھ کر اتنا خوش ہوں بتا نہیں سکتا۔ ایسے ہی شام کو عید کا چاند نظر آنے پر لوگ خوش ہوتے ہیں۔"

ہاری نے کچھ بہت نہایت سے فیصلہ سنا دیا۔ جھومر علی خاں نے ٹھنڈا سانس لیا اور باہر کی جانب چل دیے۔

"خان" جھومر نے انہیں پیچھے سے آواز دی تھی۔

جھومر علی خاں رک گئے۔

"خان! آپ کے لیے میں خوش خبری ہے۔ پانی کے بعد بھی آپ نے مجھے جو ہدایت کی تھی۔ اس پر عمل کیا ہے۔ آپ کا حکم بجا لائے ہیں۔" جھومر کی آواز

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

وہ مڑا تھا۔

"ہر انسان ایک دل بھی ہوتا ہے جان! آنکھ اس کے لبوں پر بہہ گئے۔

"جب انسان فاقوں سے مر رہا ہوتا ہے تب بھی تو یہ دل اس کے پاس ہوتا ہے۔ یہاں کام نہیں چلتا۔ بھوک سے مرنا کیا چاہتا ہے؟" وہ چیخا تھا۔

"ہم سے زیادہ کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ احسان فراموشوں کی آواز اگلدان کرتی ہے کانوں میں۔" وہ پلٹتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

"خان اور بھائی کی ڈیشنٹ کا کیا ہوگا؟" باری نے قدموں سے لپٹتے ہوئے سوال کیا۔

"گلباز کو گاڑی کی چابی دے دو۔ وہ سمجھ لے گا۔ آتی ہے۔" انہوں نے فیصلہ سنایا اور جیپ تک جا کر بیٹھ گئے۔

باری آخری کمرے میں اپنا کچھ سامان اور چابی لینے کے لیے آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ خاصے بلند آواز میں گفتگو کی طرف آیا تھا۔

"باری!" صبور کی آواز دھیرے سے کان کے قریب سے ٹکرائی تھی۔ وہ رک گیا تھا۔

"جی؟"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"یاد ہے صبور! آپ کہہ رہی ہیں، میں نہیں۔ آپ کو یاد ہے۔ مجھے نہیں۔" اس نے سر جھٹکا تھا۔ "میں نے آپ کو کہا تھا جان کے آنے سے پہلے ہی سمجھا تھا۔ اور پھر آپ کو مجھ سے مطلب؟ میں جان کے حکم پر چلا۔ میں آپ کی خاطر تو یہاں نہیں آیا۔ آپ کو یہ غلط فہمی مبارک ہو کہ آپ کو پسند ہے۔ مگر پھر یوں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

وہ تیزی سے پلٹتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ صبور نے پیچھے پریشان کر آنکھیں موند لیں۔

"اگر اب عولی میں واپس بھی گئی تو تمہاری خاطر جاؤں گی۔ عولی صرف اس لیے خوبصورت ہے کہ وہاں تم ہو۔ بہرحال۔ ابھی مجھے بہت سوچنا ہے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

باری مطلوبہ چیزیں لے کر باہر آیا اور نکلتی ہوئی صبور پر ایک نظر ڈالی۔

"خدا حافظ بھائی۔ کاش آپ زندگی کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔" اس نے سر جھٹکا اور گاڑی کی چابی گلباز کے حوالے کی۔ اور جیپ میں تھوڑی خان کے برابر میں بیٹھ گیا۔ ان کی جیپ دوسری جیپ کے پیچھے چل پڑی تھی۔

"گلباز! سمجھ گئے ہو ناں سب بات؟ اور کیا بہت چالاک ہے۔ بہت ہوشیار ہے۔ پکڑ لیا ہے۔ پکڑ لیا گلباز۔" تھوڑی خان نے جیب سے پرزہ نکال کر سونگھتے گلباز کو دیا۔

"میرے ساتھ آپ پانچ سے گاڑیاں ہوں گی۔ باقی جانا ہے۔ ہم اس سے زیادہ چالاک ہے۔ گلباز نے

www.Paksociety.com

جیپ چلتے ہی صبور نے آنکھیں موند لیں۔

باری نے جیپ کی رفتار تیز کر دی تھی۔ اب سڑک میں طلب آباد تک۔ اب کبھی نظر نہیں آئے گا۔ اب کبھی نہیں ہوگی۔ پکڑ لیں گے۔ کچھ ہی دیر میں۔ اب سڑک میں طلب آباد تک۔ اب کبھی نظر نہیں آئے گا۔ اب کبھی نہیں ہوگی۔ پکڑ لیں گے۔ کچھ ہی دیر میں۔

وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھا۔

تھوڑی خان نے اپنے پہلو سے پیچھے ایک نظر ڈالی کر کہا۔

"باری! خاموش ہو۔"

"کیا ہوا خان؟ کچھ محسوس؟ بہت احسان فراموش اور نمک حرام ہے۔ بھوکا مر گیا اس لیے تڑپ رہا ہے۔ اس کے پیٹ میں بھوک کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اسی لیے تو اس نے بڑی کی ہے۔"

"باری خاموش ہو جاؤ۔ اپنی حد سے تجاوز نہ کرو۔ اپنی حد اپنے کس کام میں نہیں کرنی چاہیے۔" باری نے ایک طویل سانس نیچے سے آزاد کی۔

تھوڑی خان اپنے صوفے پر کسی سے بات چیت میں مصروف ہو گئے تھے۔

باری اس کھلتے ہوئے صبور کے حال پر غور کر رہا تھا۔

جیپ چلتی گئی۔ اس سوال پر۔ ہی کا فرق ہوتی ہوئی سرسوتی پاپ کھا بھول کر رہ گئی۔

راستے ہی طے ہو گئے۔ وہاں پہنچتی تک گئیں۔

"باری باری!" گئیں۔ "باری باری!" گئیں۔ "باری باری!" کہتے ہوئے چلی گئی۔

"وہ ٹھہرو!" گئیں۔ "سنتے نہیں ہو؟" گئیں۔ "باری باری!" گئیں۔

راستوں میں ہی وہ سب باری باری میں آ گھڑی ہوئی تھیں۔

"کاش ہم بھی کسی اپنی لشکری بیٹی کے ہوتے۔" سنتے ہوئے خوش ہو رہی تھیں۔

"کاش سب آپ کریہ کا خرچ کرائے دار کریں گے کہ آپ کی اپنی لشکری بیٹیاں ہیں جائیں۔" باری نے خوشامد سب جواب دوائل کر دیا تھا۔

"آپ کی ہوائل میں مسافروں کی بھیڑ لگی رہے گی۔ یہاں پر بھی تم لوگ کاروبار کرو گی۔"

"ہاں ہیں۔"

وہ بچوں کے لیے بکھرا ہوا لوری نے آنکھیں اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

باری اور بھی زیادہ ان سب کو سامنے دیکھ کر ایک خوشی کا غرور مارا۔

"آپ سے یہاں اور اسے احتیاط کی آئی ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔" وہ سب کے لیے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کہہ رہی

تھی۔

"اگر ہمیں پتا چل جاتا کہ تم آ رہی ہو تم سے ملنے جا کھڑے ہوتے۔" اختیال کو گھر ایک تہائی سے اس طرح۔ "تم نے اندر آنے سے پہلے ہی سر جھکایا۔

"وہ کیا؟" کئی آوازیں ایک۔ وقت ابھریں۔

"عمر کے پانی میں کوئی خاص آبی اثر ہے۔ سوہنا ماہی کا کر بھول جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے ہم بھول جائیں ہوتے ہوئے آنے کا پر اگر ہم بنتی کر لیں۔"

وہ سب بے ساختہ ہنس پڑیں۔ وہ سب باری باری گلے مل رہی تھی۔ عمر پیچھے سے آگے بڑھ گئی۔

"ماما صاحب۔ کیسی طبیعت آئی ہو؟" زری نے استفسار کیا۔

"ظاہر ہے۔" وہ مسکرائی۔ "لگتا ہے آپ لوگوں کو ہم بہت یاد آ رہے تھے۔ اس لیے ہم جلدی آ گئے۔"

"ہاں۔ عمر۔ یاد تو تم بہت آ رہی تھیں۔ مگر ماہی بہت یاد کر رہی تھی کہ میرے کھانوں میں کوئی نقص نہیں نکال رہا۔ بور بہت ہو رہی ہے۔" زری ہنس رہی تھی۔

"باقی سب لوگ کہاں ہیں؟" روشی نے پوچھا۔

"اپنے اپنے ٹھکانوں پر۔"

"باری۔ سرائے گیا تھا۔ ابھی تک نہیں آیا۔ باقی مہمان وہی ہیں جو تم چھوڑ کر گئی تھیں۔ صرف ان سے ملنے والے کمزی مطلع کر رہی تھیں۔

روشی نے ایک سنسنی نگاہ ان پر ڈالی۔

"میں ابھی آتی ہوں بڑی امی کو سلام کر کے۔" ہال کمرے کے نزدیک پہنچ کر اس نے دائیں طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ بھائی دروازے کی رپورٹ پیش کرنے بیٹھ جاتا۔ جلدی آ جاتا۔" مریم نے تاکید کی۔

"ہاں۔ ہاں آ رہی ہوں۔" وہ جب گھر میں داخل ہوئی تو خوان میں عجیب سی سرگرمی دوڑ رہی تھی۔ مگر اب وہ بھی اکٹھی جمع ہو رہی تھی۔

"کیوں گیا ہے سرائے؟

اور پھر ابھی تک آیا کیوں نہیں؟ پتا نہیں کیسا دل ہے اس کا کہ کبھی محسوس تک نہ کرے کہ ماحول لاکھ اچھا ہی کیوں نہ ہو جہاں جانا ہے جانا ہے۔ جہاں نشیمن کہیں کا۔

اسے تو شاید یاد بھی نہیں رہتا ہوگا کہ حویلی کا ایک مستقل باشندہ کم ہے۔" وہ ماہ لقا کی خواب گاہ کی طرف بڑھتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

رہی تھی۔

ایوان پر طرف خاموشی طاری ہو گئی۔

کمرے میں ماہ لقا بیگم داخل ہوئی تھیں۔ سب کے سب اپنے اپنے دوپٹے درست کر کے مؤدب کھڑی ہو گئیں۔

"جی۔ جی خانم۔ آپ کا حکم کس طرح پورا کیا ہے؟" وہ ان سب کے درمیان پہنچ گئیں۔ اور ایک ایک کے چہرے پڑھنے لگیں۔ جس سے انداز ہوا کہ وہ ہر ایک کے ارادے سے اور کسی خاص کام سے آئی ہیں۔ کہاں یہاں سنسنی خیز سے پہنچ گئی تھیں۔ جیسے قرآن خوانی ہو رہی ہو۔

"بھیجو چاہیں ولی امی۔ سچا ہی گوہر ہوگا۔" اس نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

"روشی ہر سوتی سے کہو میرے کمرے سے بھاری سوٹ کیس اٹھا لائے۔ میرے ساتھ رکھا ہے۔" روشی اسی کے انتظار میں تھی۔ اسی کی ثابت آئی۔

"بہر حال اندازہ تو سبھی ہے کہ اگلے ہفتے کی چاند رات تک ہو جائے گا۔" وہ جیسے خود سے مخاطب ہوئیں۔

وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

روشی واپس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بعد سرسوتی سوٹ کیس لے کر آ گئی۔

"اللہ والے کی بیوی کرا گئی تھی۔ میں نے اس سے کچھ کاروبار سوٹ منگوائے تھے۔ اور بھابھی پورے سیٹ بھی کچھ گوٹے کے کام کے سوٹ لائی تھی۔ تم ان میں سے پسند کر لو پھر ملتے کا بھی دیا ہے۔ اور سوٹ کھلتے ہوتے ہیں شادی کے۔"

انہوں نے سوٹ کیس کھول کر کپڑے نکال نکال کر اس کے سامنے ڈھیر کرنا شروع کر دیے۔

"اتنا کچھ لے رہے ہیں روشی کی شادی میں؟" لالی منمنائی۔ "آخر ہم نے بھی تو تیاریاں شروع کر رکھی ہیں۔"

"کم لگ لیں تو تک ہی جائے گا۔ بڑی نے پلوں کی جھپکیں۔" انہوں نے تھپکی دی اور ساتھ کپڑے بھی الٹ پلٹ رہی تھیں۔

"ہم والے نہیں جائیں گے بڑی امی۔ دل بھر گیا ہے باہر کا کپڑا لیکن کر۔ سلام آباد کے کسی فیشن بوتیک سے ٹیلرنگ کریں گے۔" حنا نے لب کشائی کی جرأت کی۔ سب نے تائید بھری نظروں سے حنا کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ یہ تو صحت کی باتیں ہیں۔ اصل کام تو بھابھی کی تیاری ہے۔"

"اللہ روشی کے نصیب اچھے کہ جو کچھ سارے کپڑے بنیں گے اس کے۔" لالی نے رشک سے کہا۔

"ماشاء اللہ۔ اس طرح نہیں بولتے بیٹی۔ اللہ خوشیاں مبارک کرے۔ تمہاری باری آئے گی تو تمہارے بھی ایسے ہی کپڑے بنیں گے۔"

ولی امی دلجوئی کی ٹوکری تھیں سوٹ کیس میں۔ اسی معروف انداز میں انہوں نے یہ کہہ کر تسلی دی اور وہ کھسیا کر رہ گئی۔ سب ہنس پڑیں۔

کپڑوں کی پرکھ۔ جانچ اور تعریف کے بعد سرسوتی سوٹ کیس لے کر اٹھ گئی۔ ان میں سے کچھ سوٹ نکال کر ایوان میں بھیجنے کے

اس پر لگان لگا دیا۔ ہم نے تو کہا تھا اس اوٹ پٹانگ کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی مرضی سے خریدیں، کپڑے تو ہمیں پہننا ہیں اس کی پسند ہونا چاہیے۔" انہوں نے گولڈن جلد کی بھاری سی کتاب اس کے سامنے ڈال دی۔

"ماشاءاللہ!" بیٹے بڑی امی کا بڑھاپا اور عشق فراموشی دیر تک دیکھتا رہا۔

لڑکیوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

روشی دم بخود سی سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔

"ان سب کپڑوں پر بھاری کام ہے۔ شادی کے شروع دنوں میں تو اسی طرح کے کپڑے زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ تمہاری ساس جس قدر محبت سے تمہیں لے جا رہی ہیں۔ ایسی سے تو لگتا ہے وہ تمہیں سال بھر اپنے پاس رکھیں گی۔ ایسے میں بچے پر ان کا۔ کیا کیا ارمان ہوں گے ان کے دل میں؟"

بڑی امی نے ایک آنکھ کو خیرہ کر دینے والا موتی اس کے سامنے ڈالا۔

"مجھے اور تمہاری بیٹی کو یہ سوٹ بہت ہی پسند آیا۔ کام بھاری ہے مگر اس میں کس قدر پیار کی اور خلوص ہے۔"

"مگر آپ پر بیٹی جان کی سلوائی ہے۔ آپ پر بھی بہت اچھا لگے گا۔" روشی نے بے تاثر لہجے میں مشورہ دیا۔

وہ سب ہنس ہنسا کر پلٹنے لگیں۔

بڑی امی نے گیٹ سے الٹ پلٹ کرنے کا کام روک کر کے قدرے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"عشق کہیں کی۔ جوڑے بنا رہے ہیں کیا۔ یہ تمہاری شادی کی تیاری ہو رہی ہے۔ بے وقوف۔" (دل میں) پھر اپنے کام میں لگ گئیں۔

"یہ گوٹے کے کام کا کالا سوٹ دیکھو، کس قدر خوبصورت کام ہے اور کتنا ہلکا پھلکا کپڑا ہے۔ ایسے بال تو خیر اس طرح کے وہم نہیں کیے جاتے۔ مگر ہو سکتا ہے تمہاری ساس نئی دلہن کو کالا کپڑا پہنانا پسند نہ کریں۔ اس لیے یہ رکھ لو۔ سب کام سے لگی۔"

"بڑی امی، ہمیں دھوکہ رکھوا دیں۔" روشی بے قرار ہو گئی۔ سونا نے نظروں ہی نظروں میں اسے لتاڑا تھا کہ۔

"رکھوا دیں گے اسوگی۔ اب ایسی بھی آفت نہیں آ رہی۔"

"سونا! ایسا سوٹ تو شاید تمہاری ماں نے بھی نہ لیا ہے تمہارے لیے۔" انہوں نے ایک سوٹ سونا کو دکھاتے ہوئے استفسار کیا۔

"نہیں۔ بڑی ممانی اس کا فخر ہوا ہے۔" سونا نے جواب دیا۔

"کھانا نہیں لگے گا آج؟" روشی نے سخت بیزار کن انداز میں دریافت کیا۔

"اتنے اچھے کپڑے دیکھ کر بھی تمہاری بھوک نہیں اڑی؟" بیچ کی چچی حیران تھی۔

"لو سردی کب کے کھا چکے۔ لگے بھی رہیاں نہیں آیا۔ ماں نے کھانا کیوں نہیں لگایا؟" بڑی امی بھی جیسے بھڑک اٹھیں۔

"کل کس کونے کھدرے میں گھسی ہوئی ہے؟ آج تو اس نے ڈراما بھی قطعاً نہ کیا۔ نری بدتمیز ہوتی جا رہی ہے۔" بڑبڑائیں۔

"میں کھانا لگاتی ہوں۔" سونا نے کہا اور روشی کے ساتھ کچن کی طرف چل دی۔

"تمہیں پتہ ہے؟" آنسوؤں نے روشی کا رستہ روک لیا۔ اس کے سامنے آ گئے۔

وہ بے بسی سے رو بھی نہیں سکتی تھی۔ جیسے بہت رونے والی تھی۔ بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا۔

"اچھا ہے۔" روشی اس کو کوئی حل دھونڈ لینے کی لگن میں لگی تھی۔ سونا سے کہنے میں جھجک رہی تھی۔

"پھر پھر تم بتا دینا۔ میں تو ساری رات جاگ کر گزارتی ہوں۔ اب تم لوگ کھانا کھا کر سو جانا۔ میں کام نبٹا کر آ جاؤں گی۔"

"اچھا ہے۔" روشی نے سر ہلا دیا۔

"سونا۔۔۔ یہ ساری سرخ دھاگے سے کڑھائی کے کپڑے میرے کمرے میں پہنچا دینا۔"

"روشی۔۔۔ تم اپنی آنکھیں پونچھ کر کے اور مسکرا کر مجھے صبح تک بھلا دو۔ کل پرسوں کوئی کپڑا پہنے گا تو دیکھا جائے گا۔"

وہ کمرے سے نکل گئیں۔

جانے کون سے جذبوں کو دبائے لڑکیاں کپڑوں پر جھکی ہوئی تھیں۔

"ہائے روشی کیا ہی بدنصیب ہو۔ مرے آگے نکل۔ وہ دونوں فیصلہ نہیں کر پا رہیں تھیں کہ ہم بھائی اکٹھے ہو گئے ہیں۔" ثمینہ نے کہا۔

"ہم سب پر جیسے چادریں اوڑھنیوں پر نشان لگا دو۔" روشی نے مشورہ دیا۔

"بھئی ایسی کیا فرق پڑے گا۔ ان کے ہاں تو کھلی اور آدھی شادی ہے۔ پھر ہو گی تو ہمیں پچیس سال ہو گئے ہیں یہاں ہی کی ہو گی۔" لڑکیاں ہنسیں تو روشی نے پریشان کر دینے والی خواہش کی۔

"اور پھر ماں کے زیور تو عام طور پر بیٹیوں کی بری میں ہی چڑھائے جاتے ہیں۔ اچھا ہے تمہارے بیٹوں کا بھی ساتھ ساتھ انتظام ہو جائے۔" تانیہ بڑی دور کی کوڑی لائی تھی۔

"جو پہر تمہیں یہاں سے ملیں گے۔ وہ تم اپنی لڑکیوں کو دے دینا۔ تو بھی تمہارے تو آدھے مسائل یہیں بیٹھے بیٹھے حل ہو گئے۔" ثمینہ مسکرائی۔ اندازہ ہی نہیں تھا جس سے روشی کی جان جلتی تھی۔

"کہتے ہیں زود اولاد لڑکیاں بچے پیدا ہوتے ہی ان کے مستقبل کے لیے انتظام کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ مگر تم لوگوں کی زود اولادگی کا جواب نہیں۔ واہ بھئی واہ۔ پہلے وہ جہیز تک سمیٹ لی تھیں سب صاف ہے۔ ہونی مکمل۔" سونا نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کیا واقعی سب صاف ہو گیا ہے؟"

"لگے ہوئے ہیں۔" ثمینہ کچھ کہتی نہیں۔

"ایک کمرے کے اندر روشی کے اختیار میں رکھ دیا۔ جب مکمل ہو گی تمہاری زود اولادگی کی مثال ہے۔" سونا ہنسی تھی۔ ثمینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلا لیا۔

"ہاں۔۔۔ روشی۔ تمہاری خوشی کی آنکھ مچولی یہاں ہے۔ اچھی طرح کر رکھا کرو۔ کوئی سیدھا سیدھا نہیں ملے گا۔"

www.Paksociety.com

مریم نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"شٹ اپ۔ ڈیم یو آل آف یو۔" وہ اسی کو اوپر بہت غصہ کر رہی تھی۔

وہ سب حیران پریشان سی ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"ٹھیک ہی تو ہے، اسے پریشان نہیں کرو۔ سنتے ان کی مہمان ہے ہمارے پاس۔ تجربہ کار لوگ ہیں۔ اس طرح ہوتا ہے تو ہو جانا اتنا آسان بھی نہیں ہوتا۔"

صوفیہ نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

اس کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ مگر جانے آج کہاں سے اس میں اتنا حوصلہ آ گیا تھا۔ وہ ضبط کر گئی۔ آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

رات ساڑھے بارہ بجے کے قریب تو وہ حویلی پہنچا تھا۔ سب ہی لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ کیول ہی جاگ رہی تھی۔ وہ ماں کو یہ بتا کر کہ وہ نہا دھو کر آ رہا ہے۔ آپ کھانا لگائیں۔ فوراً ہی باتھ روم گھس گیا تھا۔ اور اب کچن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بھوک بہت شدت سے لگ رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسے ایک خوشی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ جو بار بار سر اٹھا رہی تھی۔

"پتا نہیں بے چاری نے کچھ کھایا بھی ہوگا یا نہیں؟ کہیں بار بار اس کے پاس لے گیا ہوگا یا نہیں۔ پتا نہیں انہوں نے کھانا کھایا ہوگا کہ نہیں؟"

اسے حویلی کی تاریکی اور ویرانی یاد کر کے جھرجھری سی آ گئی۔ جیسے اب تنہا رہنے کا تصور بھی نہ کر رہا ہو۔

"خاتون۔ عورتوں کے سب سے عظیم رشتے سے گزر رہی ہیں آج کل۔" اسے کسی کہا کرتا تھا۔ وہ اس سے کہا کرتا تھا۔

معاً وہ ٹھٹک گیا۔ سامنے سے، وہی چلی آ رہی تھی۔

اس کی تمام حسیات جاگ پڑیں۔ اور ایک شریر مسکراہٹ ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔

"السلام علیکم!" وہ اس کے نزدیک آئی تو اس نے سلام کرنے میں پہل کی۔

وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ سوا کیونکہ بے حد آئیے تھا یا کوئی اور مصلحت تھی۔ وہ اسے نظر انداز کرتے گزر رہی تھی۔

"وعلیکم!" اس نے رکھائی سے کہا اور آگے بڑھ گئی تھی۔ اس کا رخ کچن کی سمت تھا۔

وہ بھی تیز قدم بڑھاتا اس کے پیچھے کچن میں جا پہنچا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"کیا کر رہی ہیں؟" وہ ہنس کر اور پیچھے لگا۔

"مرغیوں کو ذبح۔۔۔؟" وہ رک کر گھورنے لگی۔

"اپنا قصہ پاک کر سکتا ہوں؟" اس نے اچھا خاصا دانتوں تلے زبان دبا کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں کر لیجئے۔" وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"یہ آپ کا مزاج ہے۔ اس کے کتنے موسم ہیں؟" وہ محظوظ ہوا تھا۔

"ایک۔ اکثر میں بار بار بھی بتا چکی ہوں آپ کو۔" وہ جھلا گئی تھی۔

"ماشاء اللہ۔ اچھا ذہن ہے۔ یاد میں رہنے والا ہونے کا عملی ثبوت۔" "مگر۔" میں جواب آنے لگے ہیں۔" وہ ہنس دیا۔

وہ اپنی چال میں تیزی پیدا کی اور اس سے پہلے کچن میں داخل ہو گئی۔

ماہی کھانے کے لیے باری کی منتظر تھی۔ وہی کو داخل ہوتے دیکھ کر قدرے حیران ہوئی۔

"خان کہاں ہیں؟ کہہ رہے تھے آ رہا ہوں۔" وہ ظہور کاکی کے اندر میں گویا ہوا۔ وہی نے جواب دیا تھا۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

سمجھا۔

"ماما — نیند نہیں آ رہی اور سر میں درد ہو رہا ہے۔ کافی بنا دیں۔"

"آپ کمرے میں چلیں، میں لے آتی ہوں۔" ماما نے ادب سے کہا۔

"نہیں، اکیلے سے وہ۔ اب میں بچوں جیسا ناٹک کروں۔" وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ باری اٹھ کر جانے لگا۔

"تم کہاں خان — ؟" ماما جلدی جلدی میز پر کھانے کی چیزیں رکھنے لگی۔

"بھئی ماما — جلدی سے مجھے کافی دے دو پہلے۔" روشی نے جھنجلا کر کہا۔

"کافی سے تو اور بھوک اڑ جاتی ہے۔ کیا آج سونے کا ارادہ نہیں ہے؟" ماما نے اس بار سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

وہ خاموش بیٹھی اپنے رنگین ناخن گھورتی رہی۔

"خان — سرائے میں تو سب خیریت سے ہیں — ؟" ماما نے الیکٹرک کیتل کا پلگ لگایا۔

"ہاں نہیں۔"

"تو کیا آپ سرائے نہیں گئے تھے؟" ماما نے تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔

"نہیں — کام بہت تھا۔" مگر پھر نظروں کے سامنے آ گئی — ڈکاور اور اس کے احساس سے ان کا دل بوجھل ہو گیا۔ اس نے ایک اپنائیت کی نظر روشی پر ڈالی۔

"کھانا کھائیے —" اس نے روشی سے اخلاق برتا تھا۔

وہ اسی طرح خاموش رہی تھی، اور ماما کو کافی بناتے دیکھتی رہی۔

"خان! کھجور کا رائتہ بھی ہے، مگر فریج میں ہے۔ آپ نے تو ابھی کچھ نہیں کھایا۔ اس لیے پوچھ رہی ہوں۔"

"نہیں — بس ٹھیک ہے۔" اس نے کھانا شروع کر دیا تھا۔

"ساری رات جاگ کر کیا شکرانے کے نفل پڑھیں گی؟" وہ مزید خاموشی برداشت نہ کر سکا۔

"کس بات کا شکرانہ۔ لڑکیاں اپنی شادی پر خوشی سے پھولی نہیں سماتیں، ان کے بزرگ پڑھتے ہیں۔" ماما بولی۔

باری خوانچہ مزید کی طرف لے جاتے ہوئے درمیان میں ہی رک گیا۔

"شادی — ؟" اس نے اس مرتبہ غور سے روشی کی شکل دیکھی تھی۔

"انشاء اللہ بہت دھوم سے ہو گی۔ اب زیادہ دنوں کی بات نہیں رہی۔" ماما کے چہرے پر خوشی فوری طور پر جھلملا رہی تھی۔

باری نے خوانچہ اس طرح میز پر رکھا، جیسے کوئی کام مزید نہ کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔

"یہ تو اچھی خبر ہے۔" اس نے بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

"بہت اچھی ہے خان! مہ جبین کی بیٹیوں کے بعد اس نسل کی لڑکیوں میں یہ پہلی شادی ہے۔ سب لوگوں کو بلائے گی۔ تم بارات آؤ گے؟"

ماما نے کھانے کا آرڈر دیتے ہوئے، کپ کی طرف باری کے سامنے کرتے ہوئے، اس کی آنکھوں کے تاثرات کو نہیں دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے — ماما۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔ کھانا نکالیں۔" باری نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں — تو کیا کہہ رہی تھیں؟" اس نے چور نظروں سے روشی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ بہت دیر ہو رہی ہے۔" اس نے تیزی سے کافی پیتے ہوئے بڑی سادگی سے کہا۔

"بڑی بیزار لگ رہی تھیں۔"

"ناک کر رہی تھیں۔ دراصل کہہ رہی تھیں۔ مگر کہہ نہیں پائیں۔ کافی دو پھر جلدی ہے۔" روشی کا لہجہ تلخ تھا۔

باری اسم کر ایک دم خاموش ہو گیا۔

"کیوں بے چاری ماما کو ایسے کہہ رہی ہیں۔ اس بے چاری کا کیا قصور؟" باری نے دیکھا، روشی کا چہرہ اس سے بہت تھوڑے فاصلے پر کرسی پر بیٹھی تھی۔

"تمہیں تو ابھی بتائے گی ماں۔ آدھی آدھی رات کو باہر سے چل کر آتے ہو۔ تمہیں گرد و پیش کا بھی کچھ پتہ ہے۔" روشی نے غصے سے ناک چڑھائی۔

"مہ جبین کرتے آتے ہیں، وہ گھر بھر سے نہیں آتے۔ خاموش رہو۔" باری نے کہا تھا۔

ماما نے کافی لا کر روشی کے سامنے رکھی۔ روشی کچھ بولنے لگی تھی، چپ ہو گئی۔

"ہاں تو ماما۔ کیا کہہ رہی تھیں؟" باری کا لہجہ تلخیوں سے شروع تھا۔

"تمہیں میری شادی کے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟" وہ کڑے تیوروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"کیا تکلیف ہوتی ہے؟" اس نے بہت دھیمی آواز اور غریب سے لہجے میں پوچھا تھا۔

"بالکل نہیں ہوتا ہے۔" روشی کا لہجہ قطعی تھا۔

باری خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ اور روشی کافی کے سپ لینے لگی۔ ماما باہر نکل گئی تھی۔

باری نے بہت جلدی کھانا ختم کر لیا تھا۔ ہاتھ دھونے سنک کی طرف بڑھا۔

"کیا تم اس گھر کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟" باری کو ہاتھ دھونے میں کسی خبر دار کی تنبیہ ہوئی ہے۔ "تم سرائے میں ہوتے ہو، جب تم سرائے نہیں گئے تھے تو کہاں گئے تھے؟" روشی نے کپ میز پر رکھ کر بہت تلخ لہجے میں پوچھا۔

"میں نے سوچا مجھی جاگ گیا ہوں۔ وہاں بہت کام ہے۔" باری نے کہا تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"تم سرائے میں تو آپ کبھی نہیں رہے۔ کیا کہا رہا ہے —" وہ بھی کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھی تھی۔

"اب تم مہ جبین سے ڈرتے ہو یا ڈرتے ہو کہ کہیں مہ جبین آپی —" باری کے ہونٹ بھنچ گئے۔ وہ اس کی طرف بڑھا تھا۔

باری نے ایک تھپڑ کو نکس اٹھا کر اس کی — دیکھا۔

"تمہیں آپ کا مطلب ہے، مہ جبین کے کہنے پر — کہاں کہاں جاتا ہوں، کیا کرتا ہوں، یہ بھی تم کرو گی۔" باری نے سرد لہجے سے سوال کیا تھا۔

www.Paksociety.com

"ہالہ۔ یہاں کے گھوسے کھوکے۔ مجرے۔ طبلوں کے سُر تال۔" وہ الجھی سے دانت پیسے اور کپ اور کھانا کرنے لگی۔

ہادی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی اور باہر نکل گیا۔

"اوہ لیڈ۔ پتا نہیں کس حساب میں مجھے اٹھایا ہے۔" جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

وہ کافی دیر کمرے میں ٹہل ٹہل کر گھڑی دیکھتی رہی۔

پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اب اس کا رخ بال کمرے کی طرف تھا۔ ہال کمرے میں پہنچ کر اس نے لائٹ جلائی، اور بہت آہستگی سے ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھی۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ اور انگلی پر لگھا ہوا ایک نمبر غور سے دیکھنے لگی۔ کافی دیر غور سے دیکھتی رہی جیسے حفظ کر رہی ہو۔ پھر ریوالونگ سے کوئی نمبر ڈائل کیا۔ اس کا مطلب تھا کہ حویلی سے باہر کا کوئی نمبر ملا رہی ہے۔ رات کے پونے دو بج رہے تھے۔ اس نے نمبر ڈائل کر لیا تھا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ ساتھ ہی دروازے کی طرف بھی دیکھ رہی تھی۔

چوتھی بیل پر دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا تھا۔ اور فضا میں بھاری مردانہ آواز سماعت سے ٹکرائی تھی۔ "ہیلو!"

اس نے گلا صاف کرنے کے لیے ذرا سا کھانسنا بہتر مناسب سمجھا۔

"مسٹر نعیم سے بات ہو سکتی ہے؟" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"آپ پلیز اس چکر میں نہ پڑیں کہ میں کون ہوں۔ ممکن ہے تو نعیم صاحب سے بات کرا دیں۔"

"جی ـــــ مجھے صرف مسٹر نعیم سے بات کرنا ہے۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بول سکتی۔ البتہ مسٹر نعیم کی سپیکنگ بیل سمجھتی ہوں۔"

وہ جل کر بولی تھی۔ معاً اس نے کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا۔ دروازے کے بیچوں بیچ ہادی کھڑا ہوا تھا۔ اور خاصی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ اپنی نظریں جھکائے ماتھے پر لاتعداد بل ڈالے خاموش بیٹھی رہ گئی تھی۔

"سوری ـــــ میں اوپر جا رہا تھا۔ ہال کمرے کی لائٹ جلتی دیکھی آف کرنے کے خیال سے آ گیا تھا۔" اس کے معذرت خواہانہ انداز سے ظاہر تھا کہ اس نے "کچھ" نہیں سنا ہے۔

"آپ کو دروازہ بند کر لینا چاہیے تھا۔" وہ اپنی کمزوری سے باخبر تھی۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں ـــــ تمہارے مفید مشوروں کی ضرورت نہیں۔" وہ بھڑک اٹھی۔

ہادی نے اس پر صرف ایک نگاہ ڈالنے پر اکتفا کیا اور واپس پلٹ گیا۔

"ہادی ـــــ!" جانے کیوں اس نے آواز دے ڈالی۔

"جی ـــــ؟" وہ رک گیا۔ سیڑھیوں کے دہانے میں طلوع ہوتا ہوا چاند اس کی آنکھیں، چہرہ بھی روشن کیے ہوئے تھا۔

"وہ ـــــ وہ ـــــ" وہ لیے دیے لگی۔

"وہ کیا ہے بھی ـــــ" وہ چڑ گیا۔

"جی ـــــ؟" وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"کچھ ـــــ نہیں کیا ـــــ؟" اس نے سر جھٹک کر جیسے فیصلہ دل دیا۔

"نہیں نہیں ـــــ آپ کہیے ـــــ کیا چاہیے" "کچھ" "ہوں ـــــ"

ہادی نے چونک کر آنکھیں اٹھائیں۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے ـــــ ہادی صاحب ـــــ آپ کو میرے بارے کوئی غلط فہمی ہے ـــــ ہے نا ـــــ"

"ایسی بات ہے ـــــ؟" اس کے لہجے سے آگ آ رہی تھی۔

"جی ہاں ـــــ ایسے انداز سے کہ دل بہت ہوگا۔ میرا خیال ہے ہی آ گئے۔" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ "آپ بے فکر رہیں۔"

"کوئی کچھ بھی جانا کرے ـــــ کوئی بات ہے۔

"میں جا رہا ہوں۔ آپ اپنا کام کریں۔ فلم ختم ہو جائے گی۔ پیکنگ ہو گی کہ آپ ـــــ دروازہ بند کر لیں۔" یہ کہہ کر وہ پلٹا اور سیڑھیوں سے اس راستے کی طرف بڑھ گیا، جو اس کے کمرے کو جاتا تھا۔

نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے تھے۔

اس نے لائٹ بجھائی اور باہر آ گئی۔ اس کے قدم اپنی خواب گاہ کے بجائے حویلی کے پچھلے حصے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ اس کے ہمارے ختم ہو رہے تھے۔ وہ کمرے کے کوارٹر کے بجائے دوسرے راستے سے باہر آ گئی تھی۔ ہالہ اور ہیرا سے کہیں زیادہ اسے ہادی کا خیال تھا۔ ہالہ کو کمرے کے خونخوار کتے سے خوف آتا تھا۔

وہ بہت تیز تیز چلتی حویلی کے پچھلے حصے میں داخل ہوئی تھی۔ وہی مخصوص سی پراسراریت سارے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی قیامت سوئی ہوئی ہے، جاگ پڑنے کے لیے۔

اردگرد خاصی تاریکی اور سناٹا طاری تھا۔ وہ ٹارچ روشن کیے ہوئے تھی۔

محرکات کی موجودگی کا احساس اور دوسرے کوارٹر سے آتی ہوئی روشنی کے بیڈ روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ بھوسر کو بلانا چاہتی تھی۔ مجھوتے کی باتیں کرنے کے لیے۔ ہادی سے بات کرنا بے سود تھا۔ وہ بھوسر سے بات کرے گی۔ اس کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے قدم اچانک ہی رک گئے تھے۔ اس کے کانوں نے کسی مانوس سی آواز کو سنا تھا۔ ایسی آواز جو اس کے لیے بہت اجنبی تھی۔ اس کے اعصاب تن گئے۔ ٹارچ کی روشنی بند کر دی۔ اس کے قدم دبے دبے انداز سے اٹھنے لگے۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ ایک بار ـــــ دو بار ـــــ تیسری بار ـــــ بھوسر کی دستک پر دروازہ کھلتا چلا گیا۔ ایسے منظر کی وہ۔

اس نے جو کچھ دیکھا وہ حیران کن سے بھی بڑھ کر تھا۔

www.Paksociety.com

اس نے بوکھلا کر آواز لگائی۔

عابدہ ظفری ہم دونوں کی طرف سے بے خبر سو رہا تھا۔ منہ سے رال بہہ رہی تھی، اور آنکھوں میں سرخی تھی۔ بھرائی آ گئی۔

اس نے اشارہ سے سمجھایا کہ آخر کیا کرنا ہے۔

روشی اندر داخل نہیں ہوئی تھی۔ دروازے ہی میں کھڑی تھی۔

"بھائی کہاں ہیں ظفری بھائی؟" وہ ایک لمحہ رک کر پوچھنے لگی۔

ظفری کی آنکھوں میں وحشت ناچنے لگی۔ روشی کا دھیان ایک دم اس کے سر پر بہتے ہوئے پانی کی طرف گیا۔

"آپ کے سر میں کیا ہے ظفری بھائی؟" اس نے بھاگ کر آتے ہوئے پوچھا۔

ظفری کے منہ سے عجیب اور غریب آوازیں نکلنے لگیں۔ جن میں سے اس نے ایک لفظ "پانی" سمجھا۔

اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ سارا گھر پانی ظفری کے بالکل قریب ہی موجود تھا۔ مگر وہ بے حد بے چارگی سے پانی کا گلاس اٹھایا اور اس کو تھامنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیے۔

وہ جیسے اس کی روح اس کے بجائے میں پھڑپھڑانے لگی۔ ظفری نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لے لیے تھے۔ اس نے گلاس پانی بیچ پر تھام پایا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں ظفری بھائی۔ پلیز چھوڑیں مجھے۔" اس کا خون خشک ہونے لگا۔ "پلیز ظفری بھائی کیا ہیں آپ؟"

اس نے زور سے جھٹکا دیا۔

ظفری بھائی کے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں۔ روشی پوری جان سے کانپ رہی تھی جیسے ظفری کی جنونی قوت پوری طرح جاگی ہوئی تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ اس کے ہاتھ کسی اپاہج کی گرفت میں ہیں۔ یہاں جیسے وہ کسی دیو کے چنگل میں آ گئی ہو۔ اسی کشمکش میں اس کا دوپٹہ پلنگ سے نیچے گر پڑا۔ ظفری کے حلق سے بے ہنگم سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس نے ماحول اور وہ بھیانک محسوس ہو رہا تھا۔ روشی نے ایک لمحے کو ظفری کا چہرہ دیکھا۔ بے حد خوفناک صورت بنا رکھی تھی اس نے۔

"بھائی!..... بھائی..... کہاں ہیں آپ؟" اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ "ظفری بھائی..... دیکھیں"۔

"اللہ تمہیں بے کار ہونے پر آگ عذاب دے"۔ اس نے ظفری کی کلائی پر دانت گاڑ دیے۔ مگر جیسے اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ گویا اس نے کاٹا اس ہاتھ کو ہو نہ تھے۔

اچانک اس نے اپنی ساری قوت جمع کی۔ اس کے نتیجے میں ظفری بیڈ سے نیچے گر پڑا۔ گرنے کے ساتھ ہی وہ بے سدھ ہو گیا تھا۔ شاید بیڈ کا کونا اس کے سر میں لگا تھا یا کوئی اور چوٹ تھی۔

روشی کا دوپٹہ ان کے بھاری جسموں کے نیچے رہ گیا تھا۔ روشی کا خون اس کی طرف بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس نے

بیڈ سے اتر کر دوپٹہ کھینچا۔ اور پھر بھاگ کر دروازے کی طرف لپکی۔

ماں نے اسے دیکھ کر اس نے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا۔ مگر ماں کے ساتھ ہی ظفری بھی اس کے پیچھے لپکا۔ اس نے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ بھاگ کر ماں کے سامنے آ گئی۔

"ظفری بھائی کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ بے حد خطرناک ہو رہے ہیں۔ ان کو روکیں۔ وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔" وہ ہانپ رہی تھی۔

"وہ بے حد خطرناک ہو رہے ہیں۔ ان کو روکیں۔ وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔" وہ ہانپ رہی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہے تو؟ کیسے ہوش آ گیا ہے اس کو؟ تو نے کچھ کیا ہے اس کے ساتھ؟" ماں نے اس کے بازو جھنجھوڑ ڈالے۔

"امی میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ ٹھیک ہو گئے ہیں۔ ان کو روکیں۔ وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔" وہ ہانپ رہی تھی۔

"ہٹ جا میرے سامنے سے۔ میں دیکھتی ہوں کیا ہوا ہے اس کو۔" ماں نے اسے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی۔ ماں نے اس کے بازو سے پکڑ کر اسے پیچھے کیا۔ اور خود آگے بڑھ گئی۔

"امی..... امی..... وہ بہت خطرناک ہو رہے ہ

"مجھے بتایا ہے آج رات کو آپ وہاں کس مرض کی دوا لینے گئی تھیں؟ دوا لینے نہیں آئی تو رکھو اور یہ بتانا شروع کرو۔ یہاں
معصومیت کمزوری کرنی ہیں اور سر دیں گے۔"

وہ کافی دیر سے میں تھا۔ اس ماحول کا پروردہ تھا۔ اور پھر بھی نہیں تھا۔ روشی کا طبیعت تھمرا ہوا لہجہ اسے اعتماد دے رہا تھا
خوفزدہ کرنے کی تاکید اور بار بار خوفزدہ کرنے والے سوال اسے پریشان کر رہے تھے۔

"یہ آپ کو سوجھی کیا تھا کہ نعیم صاحب کو خان کرتے کرتے پیچھے چلی گئیں؟"

نہ جانے کیوں اس نے اس مرتبہ روشی کو پوری تفصیل بتانے پر اکسایا تھا۔

"وہ بتایا آپ کا بیان ہے؟" اس کا انداز بہت عجیب سا تھا۔

"ہیں ۔۔۔؟" روشی نے بڑبڑا کر اپنے سر پر لگنے والی ۔۔۔ کی چوٹ کو چھو لیا تھا۔

"ہاں ۔۔۔!" وہ اس کے ٹھکانے سے سر ٹکا کر بچوں کی طرح بلبلا کر رو دی۔

"آپ کو میرے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے بیڈ روم میں چلے جائیں۔ وہ پٹی میں باندھ دوں گا۔"

اس نے بڑی مشکل سے روشی کو خود سے الگ کیا۔ گریبان کے بٹن بند کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

روشی نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں اور آہستہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ سوں سوں کرتی ہوئی۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے سب سے پہلے آئینے میں خود کو دیکھا۔ دل دھک سے رہ گیا۔ ٹھاٹھ سے اوڑھی ہوئی
شال سے اس کا سفید بازو جھلک رہا تھا۔ اب اس نے خود کو ہاری کی نظر سے دیکھا۔ ایک بار پھر آپ ہی آپ شرما گئی۔

کیا سوچ رہا ہوگا۔ میرا حلیہ دیکھ کر۔" حال و خیالات سے اس کی بری حالت ہوتی۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل سے کپڑے نکالنے لگی۔ "پتا نہیں یہ بھائی کہاں چلی گئیں؟" بچوں کو پہلے کی صورتحال یاد کر کے اسے
جھرجھری آ گئی۔ "اف تو پھر کس قدر وحشت ناک تجربہ ہوا ہے بے چاری بھائی جان ۔۔۔ مگر وہ بچ گئی ہیں ۔۔۔ میرا تو
بس ہوں ۔۔۔ اللہ ہی حافظ ہے ۔۔۔ وہ تو وہاں ہیں انہیں کیا پتا کیا کچھ ہو رہا ہے ۔۔۔ یا اللہ میری توبہ ۔۔۔ جو بھی ان کے گھر سے نہ
جاؤں۔" اس نے دل مگر کانوں کو ہاتھ لگایا۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے باہر آئی تھی کہ ۔۔۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ سمجھ گئی کہ ہاری ہے۔ اس نے دوپٹہ
شانوں پر پھیلایا، دوپٹہ پھیلاتی ہوئی دروازے تک آئی اور دروازہ کھول دیا۔

"یہ لیجیے اپنی امانت" اس نے اپنا دوپٹہ اس کی طرف بڑھایا۔ اور تیزی سے واپس پلٹ گیا۔ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر۔
وہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

پھر جب دل و دماغ کی کیفیت میں دروازہ بند کر کے اپنے بستر پر واپس آ گئی۔ بلند کا تو دور دور تک پتا نشان نہ تھا۔ کبھی
اس کروٹ کبھی اس کروٹ پہ کبھی اوندھی کبھی سیدھی۔ ہر طرح کے جتن اس نے کر ڈالے تھے۔

"کیسا عجیب علاقہ ہے یہ۔ کیا ہوتا رہا ہوگا یہاں۔ کیا پتا اس نے ان میں سے کتنوں کو مارا ہوگا۔" طرح طرح کے اندیشوں اور
وسوسوں نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ بلند اور بچوں کی فکر میں شامل ہی نہیں ہوئے۔ کیا ہو گیا ہے ۔۔۔

اپنے پہلے ہو رہی تھی۔ وہ دوبارہ باتوں پر اتر آئی تھیں۔ کسی نے کچھ کہا تھا کسی میں چھپی خوف ہو رہی تھی۔
بولے وہی مرچیں بھی کاٹ جاتی تھیں۔ وہ ڈر بھی جاتی تھی۔ محترمہ بھی کم صدمے میں نہ تھیں۔
ہوئی تھی۔ ایک خیال میں آ کر بھی چھٹ گیا تھا۔ جیسے اچھی گونہ ہوا تھا۔

"اچھا بھائی ۔۔۔ خدا حافظ۔"

بچوں کو جھوٹے بھروسے پر چھوڑنے پر اس نے کھڑکی کے پٹ پوری طرح کھولے اور مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔
یا اللہ ۔۔۔ آپ ہی حفاظت فرمائیے گا۔ اس نے کھڑکی کے پٹ پوری طرح کھولے اور مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔
بھی تو ان ہی حال میں وہ اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کے سامنے بے ساختہ لگا۔

"آپ ۔۔۔ کہاں جا رہے ہیں؟" اس کے لہجے سے بے ساختہ لگا۔

"کہیں نہیں آپ میں کے ہی ہیں۔ ذرا جانتا ہوں۔ ابھی سو جائیے آرام سے اور پھر کچھ دیر کے لیے خدا حافظ۔"

"نہیں تو ۔۔۔ آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اور یہاں بھی اب میں بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں۔
ایک لمبی خاموشی کے بعد کہا تھا۔ "آپ کو کوئی کام تو نہیں ہے؟"

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"ہاں کر لیں گے کوئی کام بھی۔ ابھی تو آپ کو سونا چاہیے۔"

اس نے پہلی مرتبہ اس کا لہجہ بدلا ہوا پایا تھا۔ تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح خوشگوار۔ سر جھکائے ہوئے
نظر سے نہ ملی ہوئی نہیں۔ سیاہ گھنی آنکھوں میں جھک آئی تھی۔ بالوں کا انداز بہت نفیس اور پرکشش تھا۔

"یہ حفاظت کیوں ہیں؟" اسے اپنی جرأت پر خود ہی حیرت ہوئی تھی۔

"ہماری حفاظت ۔۔۔ چودھری لال خان کے آپ کے بہت خیر خواہ ہیں وہ۔" بالوں نے نظریں جھکائے جھکائے سادہ
سے لہجے میں بتایا۔

"کوئی خطرہ ہے کیا؟ کوئی مسئلہ ہے؟" اس کے لہجے میں خوف تھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تکلف کرتے ہیں میرا۔ ہمارے بال بچے بھی کیا ہوئے ہیں ان کے۔ بس اسی لیے
کہہ رہے تھے۔ آپ کو کوئی ضرورت ہو تو بتا دیجیے گا۔ اگر کوئی خطرہ ہوتا تو ان کی نظر میں شامل ہی نہیں ہے۔ کیا ہو گیا ہے ۔۔۔"

اس نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

www.Paksociety.com

"...محبت ہو جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے بھائی!"

"...اسے سوال کی یہ اس نے جواب میں ہم طلسم ہی ہیں۔" محمد ہنسے دیے۔

"...کیں سیکھیں گے۔ کیوں میری جان مصیبت میں ڈال رہے ہیں آپ۔" سالو نے خفگی ظاہر کی۔ اسے ڈر تھا کہ...

"...بلیز بھائی — مجھے جانے دیجیے۔" عارف نے پہلو بدلا۔

"...چلے جایئے گا۔ ابھی کون سا رہا ہے۔ مگر..." سالو نے کہا۔ اس نے دوپٹے سے چہرہ چھپا لیا۔ شاید یہ عادت ہو گئی تھی۔

"...آنکھ تو ٹھیک ہیں کہ مردوں کو بہت سے کام ہوتے ہیں۔ کتنے دن بیٹھ کر گزارا ہو سکتا ہے؟ آپ کا کام کرتے ہوں گے۔" سالو نے پلٹ کر باڑی میں جھانکا۔

"...کام تو ہم سب کر چکے ہیں۔ اب تو بس اس دلیاسے دادی کا انتظار ہے

مگر سر سے پہ اس کی امید

تو اسیدی اس کی دیکھا چاہیے

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"...اور ہاں بھائی۔ ایک سوال کا جواب آپ پر ادھار چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب کبھی میری طرف سے ذرہ بھر بھی اطمینان ہو تو مجھے جواب سے ضرور نواز دیجیے گا۔" وہ چند لمحے رکا۔ وہ دونوں ہاتھ جوڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سالو نے اسے امید ہو کہ جواب ابھی مل جائے گا۔ وہ اس سے رخصت طلب کرے گا۔ مگر وہ سوال دہرا دے گا۔ اس کے مضحکہ سے سادہ جواب نکل جائے گا۔

سالو نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ "کیسا جواب؟" اس کے دل نے پوچھا۔

"آپ کو کیا کہی ہے؟ کسی بات کی فکر ہے؟ پھر آپ کی روح کیسے تڑپ رہی ہے؟ کیا چھپا رہی ہے؟ جس دن سے آپ نے بات کی ہے۔ میں دھیان سے سو نہیں پایا۔ اور آپ مجھ سے مخاطب بھی کیوں تھی جیسے خطا کار بھی میں ہوں۔ میری جوتے آپ کا کچھ بگاڑا ہے۔"

سالو نے گھوڑا کر اس کی طرف سے پشت پھیر لی۔ "خدا حافظ۔ کوئی بات کہیں ہے۔ میں ان کو سمجھا لوں گی۔ مجھ پر غصہ ہی کریں گے۔" وہ جوتے کی آگے بڑھا۔ پھر کسی خیال سے رک گئی۔

"...میں بتا دیں بھائی! اگر انسان کو تین کا وہم ہوتا ہے آپ نے تو اپنے گھر کے اور خاندان کی کافی باتیں بتا دی ہیں۔ کئی باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ آپ ٹالنا چاہیں تو دوسری بات۔ اگر ایسا ہے تو میں بھی وہم ہو تو آپ سے کبھی اس طرح کے سوالات نہ کرتا۔ مگر اس دن آپ نے مجھ پر وار... اس کا وہم بھی پانی کی طرح ہے آپ کی رو میں بہتی ہوئی ہر شے کو عالم بے خبری میں بھی آپ کو بھلا چاہیے والوں میں سے ہوں۔ میری بات کا برا مانا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کو کوئی تکلیف ہو گی

...میں پہنچنے اس سے کچھ کہا ہو گا۔ ...

...ہو گا۔ ...

...ہے پہلے سوال کا جواب نہیں آیا اور دوسرا سوال کیا تھا۔" عارف نے کہا۔ وہ الجھ گیا تھا۔ اس کے...

"...بھائی — پہلے سوال کا جواب نہیں آیا اور دوسرا سوال کیا تھا۔" عارف نے کہا۔ وہ الجھ گیا تھا۔ اس کے...

...کے بھی تو ہدایت کا اور ذکر کیا تھا۔

"...آپ نے بھی تو ہدایت کی کہانی سنائی تھی۔ میں نے تو آپ سے صبر سیکھنے کا کہا تھا۔" سالو نے کہا۔

...ہی کرنے کا تو نہ صبر شروع کر دیا۔

عارف مسکرا دیا۔ "...نے کی ہیں۔ ہم آنکھ بھی تو نہیں ہے۔ اور پھر کیا کہانی ہے۔ میں آپ کو۔

اس حسین دیار کو وہ سمجھ رہا ہے

قسمت نے پہلے ہی خوش رہنا ہے میں

سالو نے کہا۔

"...آپ بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔ مجھے بہت فکر ہے۔ بہت کچھ ہے دل پر۔" اس نے بے بسی سے کہا۔ التجا کی۔

"...کوئی بات نہیں عارف بھائی۔ ویسے ہی منہ سے نکل گیا ہو گا۔ بھول جائیں آپ۔ میں آپ سے کیا کہہ گیا تھا۔"

سالو نے ہونٹ بھینچ لیے۔ "...آپ کے بارے میں نہ کر جائیے جس کا ذکر آپ شعروں میں کرتے ہیں۔ آپ کو بہت پاسکتی ہیں۔ آپ کے لیے دعا گو ہیں۔ کیا بہت خوبصورت تھی جس کی شادی کہیں اور ہو گئی ہو گی۔ اسی کا غم ہو آپ کے لیے دعا گو ہیں۔ کیا بہت خوبصورت تھی جس کی شادی کہیں اور ہو گئی ہو گی۔ اسی کا غم ہو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ مگر شادی تو آپ کی بھی ہوئی تھی۔ پہلے آپ کی شادی ہوئی تھی یا اس کی؟ جس کی شادی پہلے ہوئی ہو گی اسی کے ذکر کیا ہو گا۔ آپ کو بہت محبت تھی اس سے؟"

وہ بے قرار سے ہو لی تھی۔ عارف کو روک لگانے کی کوشش میں کئی بار چہرہ گھما کر بند کرنا پڑا۔

"...ہے پاگل تو سمجھے بے قصد ہی ہے۔ سوال تو ہم ہی تھے۔ وہ تو سمجھے تو ہے۔ مگر..." اس کے لیے میں اٹکے۔ وہ اس کے سامنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

مگر سمجھ میں محبت میں ہوتا ہے

اس کے لیے میں کیا کیا

"...بھائی! چھوڑیں کہتے ہیں۔ مگر سے نکل جائے تو طوفان مچا دیتے ہیں۔ میرا سوال بھی بھول جائیے۔ بھائی! مجھے سوال کا موقع ضرور دیجیے گا۔ میں انتظار کرتا رہوں گا۔"

"...آپ ناراض اور بیزار تو نہیں ہوئے؟ آپ کو میں نے دل میں جگہ دی ہے۔ میری حساس ہی بات... اس کے لیے کی دعا پر

www.Parsociety.com

بھیجے سب کو بھلا دیتی ہے۔

ہے۔

ایک بیگانے پہ موقوف ہے گھر کی رونق

وہ ہم ہی تھی کسی کو تو یاد آتی۔ کسی!

وہ ہنستے ہوئے پلٹ گیا "پھر ملاقات ہوگی زینت۔ لال خان سے کہیے گا خیال رکھے۔ خدا حافظ"

"خدا حافظ بھائی"۔

محفل برخاست ہو گئی۔ وہ اس سے تھوڑے فاصلے پر جا کر رک گیا۔

"کھانے کا وقت ہو رہا ہے"۔ بالو نے کہا۔ وہ غریب بے کسی کی کیفیت میں تھی۔

"ہی لیے تو جا رہا ہوں۔ لال خان آ رہا ہوگا"۔

"آپ شاید صحرا سے جا رہے ہیں؟" وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آپ کی وجہ سے تو نہیں جا رہا تھا"۔ وہ مسکرایا۔

"جی؟" بالو کا دل دھک سے رہ گیا۔

محفل برخاست کہنے والا اپنی دھن میں کوئی جملہ کہہ جاتا ہے۔ مگر وہ جملہ سننے والے کے دل کی تہوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ تب ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے جو اس وقت بالو کی ہو رہی تھی۔

دل سر شاخ تیز ہوا سے ڈولتے ہوئے پھول کی طرح ہو رہا تھا۔ اس نے وہ پتے سے اپنی پیشانی پر چمکتا پسینہ صاف کیا اور کچھ کہنے کے بجائے بازی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مات آگے ہو گیا تھا۔

"بیلا جی"۔

"السلام علیکم۔ وہ بھائی لال خان بات کر رہا ہوں گا آپ سے"۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے مزاج ہیں؟"

"اللہ کا کرم ہے۔ آپ جیسی کو پوچھیں گے ہاں؟"

"کوشش کر رہا ہوں۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے"۔

"بھائی صاحب ایک اور بات یہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ میں پچیس کوچ گھنٹہ اور ہوں۔ ایک دو دن اور ہوں گی۔ ہم شہر کے حالات بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ اس لئے اگر آپ کسی ذریعہ سے ٹرین کا ایک ٹکٹ کا انتظام کر سکیں تو بہتر ہے۔ وہاں روٹی اچھی ہے اس لئے اس کا وقت اچھا گزر جائے گا۔ امکان تو یہی ہے کہ میں ایک دو دن سے پہلے ہی وہاں آ جاؤں گا"۔

"وہ پیسے میں بھی آرام سے دے سکتی ہے۔ مگر روٹی کے ساتھ وہ اس کی پیاری ٹرین بھی"۔

"بیلا"۔

"جی۔ سنئے۔ میں ہوں"۔

"کیا کہا تھا آپ نے؟"

"میں آپ کو سب کچھ نہیں بتا سکتا ہوں؟"

"وہ بھائی صاحب۔ آپ کی سہولت کے مطابق کوئی بھی ٹکٹ مل جائے تو اچھا ہوگا"۔

"اب دیکھتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر کی ہیں۔ اور میرے سامنے یہ پھیلا ہوا کاروبار۔ یہاں پاکستان میں مجھے بہت سے ہم خیال دوست مل جائے گا۔ بیلا"۔

"جی۔ جی سن رہا ہوں"۔

"آپ ٹرانسفر جیسے کسی طرح کرا لیں آنے کی۔ باقی باتیں پھر ملاقات ہی پر ہو پائیں گی۔ اور یہ بات کہ میں کیا کہہ رہا ہوں گا۔ یہ آپ کو ساتھ ہی لے آئے گا۔ اور روٹی کیا کر رہی ہے آپ کہ میں اس سے"۔

"وہ اپنی واپس چلی گئی ہے اپنے دادا کے ساتھ"۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کا انتظار کروں گا۔ اوکے۔ گڈ نائٹ"۔ لعل خان نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ مگر بالو کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ کی غماز تھیں۔

اس نے ایک فیصلہ کیا۔ "ہاں"۔ "بیلا"۔ "جی"۔ "ہاں"۔

"میں ہمیشہ سوچ بچار کر بولتا ہوں۔ اب بار بار کھنکھارنے کی آواز نہ آئے"۔

"سر۔ میں روشانے بات کیجئے"۔ "بیلا" ان کی آواز اضطراب میں تھی۔

"کون۔ کیا"۔

"ہاں"۔

"السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟" روشی کی آواز پر مسرت تھی۔

"ٹھیک ہوں بیٹے۔ تمہیں کیا ہوا۔ کیوں گھبرائی ہوئی آواز ہے۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

"جی ایک دم ٹھیک ہوں"۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ نے اس وقت کیسے یاد کیا۔ شاید بھی فرصت ملی ہوگی آپ کو"۔ وہ بولی۔

"کسی بات سے پریشان کرنے کیلئے فرصت کا انتظار کی نہیں کیا جاتا۔ فرصت نکالی جاتی ہے"۔

دادا پوتی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"مجھے کس لئے"۔

"تمہارے سوا کب شروع ہوں گے؟"

www.Paksociety.com

"تم نے کہا پاپا؟" وہ اس کی آواز میں حیرت واضح تھی۔

"تم حیرت کیوں کر رہے ہو۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ تم بتاؤ کب تک فارغ ہو گی؟" ان کا انداز بے ستکلف تھا۔

"تمہارے فارغ ہونے تک تو چھ دن ہیں۔" اس نے الجھے الجھے انداز میں جواب دیا۔ "لیکن بات کیا ہے پاپا؟"

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا بیٹا۔ آئی ایم سوری۔" وہ پچھتاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"میں ڈرائیور کو بھیج دوں گا۔ وہ تمہیں یہاں لے آئے گا۔"

"مجھے آپ کے پاس؟" وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ "وہ کیوں؟"

"بچے اپنے باپ کے پاس کیوں آتے ہیں؟" وہ ہنسی کر سکے۔

"بالکل ٹھیک کہا۔ میں خود ہمیشہ کیلئے آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔" اس کی آواز بھر گئی۔ "آپ نے بہت مشکل وقت میں مجھے اچھی امید دی۔ تھینکس فادر بیٹ۔" وہ رونے لگی۔

"روشی۔۔۔ کیا بات ہے؟" وہ جیسے گہری تشویش سے سنبھل گئے۔

"کچھ نہیں پاپا۔۔۔ آپ بھی اتنا یاد نہیں آتے جتنا ای یاد آتی ہیں۔" وہ رو پڑی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ تم تو بہت خوش خوش گئی تھیں۔" وہ مضطرب ہو گئے۔

"خوش نظر آنے اور خوش ہونے میں بہت فرق ہے پاپا۔"

"تم کیوں پریشانیوں کو خود پر سوار کرتی ہو۔ تمہیں میرا اختیار نہیں۔ اور پھر تمہارا اپنا گھر وہاں موجود ہے۔ تم سے بے حد محبت کرتا ہے۔ تم اپنے معاملات اس سے شیئر کر سکتی ہو۔"

"روشی۔۔۔ بیٹے جب تم بہت چھوٹی تھیں، تب تو تم نے مجھے کبھی اس طرح تنگ نہیں کیا۔ اور اب اتنی سمجھدار ہو کر۔۔۔"

"پاپا۔۔۔ آپ مجھے گارنٹی دیں کہ آپ کبھی میری شادی نہیں کریں گے، پھر میں آپ کی کوئی بات سنوں گی۔" اس کی فطری ضد عود کر آئی تھی۔

"خدا کرے کہ تمہاری شادی کبھی نہ ہو۔ فی الحال کی گارنٹی دے سکتا ہوں۔ بیٹیاں اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔"

"لگتا ہے پھر کوئی بات ہو گئی ہے۔ کیا ہوا ہے؟"

"یہاں میری شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ایسی پریشانی میں میں بھیج دے سکتی ہوں۔" وہ بولے۔

یاور علی خان مسکرا دیئے۔ "لاحول ولا قوۃ۔ بھئی ہم نے تو سنا ہے، سن والی بیٹی بیاہی جاتی ہے۔ ہر اس دن سے اس کی شادی کی تیاریاں بھی شروع ہو جاتی ہیں۔ تمہاری امی کے پاس ایک بہت خوبصورت میرون ڈوپٹہ تھا۔ بچے کام سے بھرا ہوا ایک۔ مجھے دکھاتے ہوئے کہنے لگیں۔ یہ کام بھی تو اب نہیں ہو گا۔ یہ میں روشی کیلئے رکھ رہی ہوں۔ تیرہ برس کا کیا ہے پتہ ہوتی ہے اتنی لڑکی۔"

روشی دم بخود رہ گئی۔ جیسے اسے بچے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔ اس نے یاور علی خان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اپنی بات کہہ کر وہ خاموش ہو گئے تھے۔ اٹھا کر کئی پوچھنا چاہتا تھا وہ۔ اس کی ماں کی آخری باتیں اس سے کریں۔ اس کے بچپن کی باتیں۔ اس سے بچھڑ جانے کے بعد کی باتیں۔

"پاپا۔۔۔"

"سنی بیٹے۔۔۔"

"میری امی بہت حسین تھیں اور آپ کہتے ہیں حسن عورت بہت پچھاڑ کرتی ہے تو وہ اسی حسین ہو جاتی ہے۔ اب وہ مجھے کیا کرتی ہوں گی؟ کتنی پیاری لگتی ہوں گی۔ کیا لگا پاپا؟" روشی کی رو بہک چلی تھی۔

یاور علی خان نے حاسل اور سمجھا۔ "بھاوجہ لیلی میں ہے یا کتھک کیا ہوا ہے؟" روشی (لیلی) ہو کر کہی پڑھنے لگی۔

"ایک قیمتی آتی جلدی یہاں سے وہاں ہو جاتے ہیں کہ اس۔ کیا خاص دن ہے، تم نے اسی کی مدد کر لیتے۔ اس نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے پاپا۔ میں پیپر کے بعد آ جاؤں گی۔ مگر ایک شرط ہے۔" آپ مجھے امی کی بہت ساری اچھی اچھی باتیں بتائیں گے۔" وہ بچوں کی طرح مچلی۔

"ہو سکتا ہے باسی کے دن کھونے اور خوشی دریافت کرنے کی بجائے اللہ حسین۔ زندہ موجود اور تازہ دم خوشی سے خوش ہو۔ اس لئے اپنے باپ کو شرمندہ میں مت لگا۔" ان کے لہجے میں حسن نہ آئی۔

"ٹھیک۔" روشی کی آواز میں حیرت آمیز خوشی تھی۔

"ہے پاپا۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"اگر آپ سے ملاقات ہیں تو میں کوئی شرط نہیں رکھوں گی۔"

"شاباش وہ جت سمجھدار ہے میری بیٹی۔ اچھا۔۔۔ خدا حافظ۔" انہوں نے بہت کھا۔ اور سگریٹ سلگانے لگے۔

"پاپا۔ اب روشی کی شادی ہو جائے گی اور جواد باہر چلا جائے گا تو ہم کیا کریں گے؟"

وہ کار پٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھی جواد کو بہت انہماک سے شو پہنا رہی تھی۔

"پھر کیا خیال ہے تمہارا۔ دس بارہ بچے ٹھیک ہے۔ جو ہمارے بڑھاپے تک کام آتے رہیں۔"

وہ بیٹھ کر اسے تھپکنے لگے اعتبار دیکھ رہے تھے۔ نظریں اٹھا کے بغیر کہا۔

"جھے آپ سے کچھ بات کرنا ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ آپ کیا بات کر رہے ہیں؟" نازنین نے سری ہلا دیا تھا۔

"ٹھیک مجھے تو تمہاری صحت تمہارے حسن کا خیال ہے۔ ورنہ بچے بہت سارے ہوں تو خوب رونق رہتی ہے۔ ہاں اپنی ذمہ داری میں۔" انہوں نے پھر چھیڑا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے کہیں بیٹھ جاؤں۔ بچے جو ہیں گے تو ان کی تربیت بھی کر لیں گے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "مجھے ہیں سکھا کر لائی اور جواد کے بال بنانے لگی۔

"اور جو بچوں کے بچپن سے بچوں کے کاموں سے خوشی ملتی ہے۔ وہ بھی تو ہوتی ہے۔" ان نے جواد کے بھورے بالوں میں انگلیاں پھیر دیں۔

www.Paksociety.com

ماورا علی خان ایکٹنگ کرتے ہیں۔ کہ میرا دل تھام کر رہ گئے۔ اور وہ سب لوگ جو ان کے قریب آ کر بیٹھا ادا
دیکھنے لگے۔ کبھی کبھی ان کا سر ہلتا تھا۔

ایک بار واہ کر انہوں نے سوئی ڈالی اور واپس اپنے بیڈ پر آ گئے۔

کمرے میں گیت کی پر سوز آواز پھیلنے لگی۔

جانے کہاں گئے وہ دن کہتے تھے تیری راہوں
نظروں کو ہم بچھائیں گے
ان کی آنکھوں کی سرخی بڑھنے لگی۔ سگریٹ سلگ سلگ کر انگلیوں تک آ پہنچا۔

وہ دیر تک کروٹیں بدلتی رہی۔ شاید اس لئے کہ کئی راتوں سے بے آرام تھی۔

تنگ آ کر کمرے ہی میں ناشتہ کیا۔ ناشتے کے دوران ہی مہ بدی امی کا پیغام لے کر آ گئی۔ کہ وہ وہاں منتظر ہیں۔

اس نے کوفت بھرا سانس لے کر چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"پھر لے بیٹھی ہوں گی جوڑے گیتے۔ کیا مصیبت ہے"۔ اس نے دونوں ہاتھوں پر چہرہ گرا لیا۔ "سوچ داری تھی ایک کپ چائے اور پیوں گی"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر آ گئی۔

"ہال کمرے میں آئی تو منظر کچھ اور ہی تھا۔ محو نشین بے ہوش تھیں۔ ہونا کر رہی تھیں۔ اور آستین کا اپنا ہی ہیر کر رہی تھی۔ زری کپڑے تراش رہی تھی۔ باقی لڑکیاں اسے گھیرے بیٹھی تھیں۔ بڑی امی سوفے پر بیٹھی تھیں۔ وہ بھی باری لیٹر پیڈ اور قلم لے بیٹھا تھا۔

"السلام علیکم"۔ اس نے باری کی طرف سے نظریں چرا کر آہستگی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو"۔

"بیٹا ان پڑھے لکھے ہونے سے بہتی ہوتی ہے۔ پیارے چاروں میں تمہاری عادتیں بگاڑ دیں۔ اور پھر جینے تم تو سب آن جاتا ہے۔ دوسرے گھر جاؤ گی تو سب ایک ایک بات نوٹ کریں گے۔ زندگی تو سب ہی کی گزر جاتی ہے۔ اچھی طرح گزارنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ خوامخواہ کی بدمزگی سے فائدہ؟"

وہ ان سے تھوڑے فاصلے پر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"وہ میں نے تمہیں ایک کتاب دی تھی ڈیزائن پر شان لگانے کو۔ لگا دیا؟ آ۔ باری جا رہا ہے وہ ان کیلئے کرا دی ہے ضروری کام ہے۔ امی کے ہاتھ بھجوا دینا۔ کچھ چیزیں میں بھی منگوا رہی ہوں۔ تمہاری ساس کو پیسے بھجوا رہی ہوں وہ تمہیں باری گھوسے دیں گے"۔

"تمہیں کچھ لکھوانا ہو تو لکھوا دو"۔ انہوں نے اس کا ہم پر غور کیا۔ "خیر ہے تو ٹھیک ہے آ کبھی ڈرائنگ اٹیچ ہو"۔

انہیں اس کا چہرہ بہت بدلا ہوا محسوس ہوا۔

"بیٹھیں بڑی امی۔ ٹھیک ہوں میں۔ سر درد کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ آپ کو کچھ لکھوانا ہے؟" وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہاں ہاں۔ یہ حال ہے اگر تمہارے ناخنوں کا خیال نہ رکھو تو کسی کو پتا بھی نہ چلے۔ تمہیں ہیئر کٹ کے بعد سے کام ہوتے ہیں کہ بالکل نہیں رہا"۔ وہ ناراض ہو رہی تھیں۔ "صاف ستھرا رہنا" "ہاں بڑی ہوتی ہے آپ۔ اٹھائے گی۔ میں لکھوا دوں گی بیٹا۔ اب دیکھو ہاں آپی دوسرے گھر جا رہی ہے۔ کیا سوچیں گے وہ؟ پہلے آپ نے اس طرح پرورش کی ہے کہ ہے دوسری ہے۔ آخر کار"۔

"لکھو۔ وہ میرے کمرے میں الماری پر رکھی ہے ایک سبز رنگ جلد کی کتاب۔ لا کر دی امی"۔ اس نے بیزار کن لہجے میں حکم دیا۔

"رات میں یاد سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ تمہارے فون بند آ رہا ہے۔ تمہارا سب ان کے بارے میں کچھ اور ہی ہے۔ ل جائے تو بتا دینا کہ ایک آدھ دن کیلئے ہو لیں آ جائیں"۔ وہ وقفے وقفے سے مخاطب تھیں۔

"تمہارے ہاتھ پر خراشیں کیسی ہیں۔ کٹی پڑی تھیں"۔ عالم ہب کی نظریں اس کے سپاٹ چہرے پر ٹھہر گئیں۔ خراشیں اس نے بھی واضح محسوس کی تھیں کہ ان پر کھرنڈ آیا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھ سے سپاٹ چہرہ صاف کیا۔ "کچھ نہیں بڑی امی ایسے ہی"۔ اس نے نظریں چرا کر باری کی طرف۔

کھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر جھٹ سے صفحے پر نظریں جما لیں۔

"ہر آ۔ کہ دیکھے۔ تمہاری شادی کے دن قریب آ رہے ہیں۔ یہ خیال کرنا چاہیے اور اپنے سپاٹ ہوتا ہے کہ ہیئر ہی ہو۔ کیا کریں بھلی ہو"۔ انہوں نے محبت بھرے انداز میں اسے اپنے پاس آنے کو کہا۔ چاہ رہا تھا اسے اٹھا لیں۔

"کچھ بھی نہیں بڑی امی ٹھیک ہو جائے گا"۔

عالم ہب نے اس کا ہاتھ تھام کر دیکھا "کیا ہوا ہے ہاتھ کو۔ کچھ لگا ہے؟ اس پر۔ لگتا ہے کسی نے کھسوٹ ڈالا ہے۔

پالیں کیا لئے سب سے کام کرتی پھرتی ہو"

"محترمہ کریں ان کی طرف سے۔ سب ہم ہی کریں"۔ باری نے بیڈ سے سر اٹھا کر دیکھا۔

ڈی کی تھی نظریں نہ ہٹا سکیں۔

"یہ تو ہم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو باری۔ تمہارا انداز و لحظہ ہو بھی نہیں سکتا"۔ جملے ایک کرنے میں بھلی تھی۔ وہ اظہار کچھ بھی نہیں تھیں۔

"ہاں بھی بہت سارے کام ہیں۔ وہ بھی تمہیں پتا ہوں گے"۔ جملے نے ہر ہو ست باری سے مخاطب ہو گیا۔

"ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں"۔ باری مسکرایا۔ "کیا لکھے اپنی محبت کا تھا بھی کرنا ہو گا؟"

لڑکیاں سر جھکا کر ہنسنے لگیں۔

"میں ہاتھوں بڑی امی۔ ابھی تیاری بھی کرنا ہے۔ اور پھر تو نہیں لکھنا ہے"

www.Paksociety.com

"نہیں..... کل — روشی کی ساس کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ بہت سیریس ہے۔ اگر وہ لوگ نہیں کھانے پر بلا لیتے تو ہم لوگ ہی..."

"ٹھیک ہے"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "اور کوئی حکم؟"

"نہیں۔ اور کچھ نہیں۔ اس بکواس کو بھلا دو۔"

"ذرا من گن لینے کی کوشش کرو۔ وہ کس نہج میں دلچسپی لے رہے ہیں"۔ صوفے پر اگلی سے کہا۔ صاحب کی تیاری کیلئے وقت کا تعین کرنا تھا۔ کچھ روشی کو بھی بھیجنے کی کوشش تھی۔

"میں براہ راست بھی بات کر سکتا ہوں۔ صرف اجازت درکار ہے"۔ وہ روشی کے پاس سے گزرتے ہوئے بھید بھرے لہجے میں بولا۔

روشی بھی اپنی ہتھیلیاں مسلتی رہی۔

جیسے ہی عالم تاب باہر جانے کو مڑیں۔ روشی بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔

"روشی تم کہاں جا رہی ہو؟" زوی نے ٹوکا۔

"آ رہی ہوں ابھی"۔ وہ تیزی سے عالم تاب کے پیچھے لپکی گئی۔

بڑی امی اپنے کمرے کی طرف اور وہ اس جانے والے رستے کی طرف چل دی تھی۔

باری تولیہ گلے میں لٹکائے واپس وہیں سے کپڑے نکال رہا تھا۔ وہ بہت خاموشی سے دروازے کے وہاں کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں تم سے لڑنے نہیں آئی ہوں باری۔ میں ایک بات کرنا چاہتی ہوں تم سے"۔

"مگر مجھے آپ سے کوئی بات کرنا ہے نہ سننا ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔ یوں بھی مجھے واپس جانا ہے"۔

"اس طرح کیوں بات کر رہے ہو؟" اسے دھچکا سا آ گیا۔

باری اپنے کپڑے لے کر باتھ روم کی طرف بڑھا۔ "مجھے افسوس ہے روشی بی بی میں واقعی جلدی میں ہوں"۔ وہ کہتا ہوا باتھ روم میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر لیا۔ روشی ہونقوں کی طرح اسے دیکھتی رہی۔ پھر اندر آ گئی اور دروازہ بند کر لیا اور اس کے اسٹریچر پر بیٹھ گئی۔ کچھ میگزین اور نصابی کتب سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھیں۔ وہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔

جانے کتنا وقت گزرا۔ شاید دس منٹ، شاید پندرہ منٹ۔

وہ کچھ کنفیوژ سا ہوا تولیے سے سر رگڑتا ہوا باری ٹرنک میں باتھ روم سے باہر آیا تھا۔ مگر فوراً ہی ٹھٹک گیا تھا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔

اور اسے مکمل نظر انداز کر کے اپنے کام میں مگن ہو گیا۔ پہلے بال بنائے پھر استری کئے۔ پھر بستری بیگ میں شیو کا سامان رکھنے لگا۔

اور وہ وہاں بیٹھے بیٹھے ٹرنک میں اترنے والے پر اسرار سی لہریں محسوس کرتی رہی۔ جس کی وجہ سے کمرے میں ایک عجیب سا ماحول بن گیا تھا۔ ایک سراسیمگی سی پھیل گئی تھی۔ سیاہ یونیفارم پہنے، شیو بنا کر، بال بنا کر، شیشے میں خود کو دیکھتا ہوا وہ بالکل ہی اجنبی لگ رہا تھا۔ اس کی وجاہت سے اس کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"باری"۔

"جی"۔

"تم یہ کہاں جا رہے ہو؟"

"کہیں بھی۔ اچھا تو میں چلتا ہوں۔ آپ کہہ کر کیا آج زیادہ دیر لگے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بیگ اٹھا رہا تھا۔

"میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں چھوٹے چچا کی بیوی سے تمہاری بھائی کے بیڈ روم میں ملی تھی۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ..."

"میں بھلا یہ بات کر سکتا ہوں کہ آپ سے کچھ پوچھ گچھ کروں۔ مگر سنئے..." اس نے ٹیک لگا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"اور پھر آپ کا گھر ہے۔ آپ جو مرضی گھومیں پھریں۔ وقت بے وقت آپ کہاں پوچھ گچھ کرتی ہیں"۔ وہ بیگ سے ہاتھ ہٹا کر سیدھا ہوا تھا۔

"تم پہلے جیسے نہیں لگ رہے۔ بہت بدلے بدلے لگ رہے ہو۔ کیا کیا ہے میں نے؟ کون سا گناہ ہوا ہے مجھ سے؟ تم جو مجھ سے ناراض ہو اور میں اپنی نظروں میں گر رہی ہوں"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"ملال رہے ہو۔ ارے"۔ وہ اس دیوار اور اس کی طرف مڑ چکا تھا۔ "اور کیا میں نے تو قبول کر لیا ہے کہ آپ میرے دوست کے ساتھ غلط ہوئے ہیں۔ اپنی خوشی خوشی یہ کیا کچھ کیے جا رہی ہیں"۔

"باری... تم بہت کٹھور ہو گئے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتے۔ مجھے تم سے بہت شرم آ رہی ہے۔ اسی لئے..."

"کس بات کی شرم؟"

"تم نے مجھے عجیب سے حلیے میں دیکھا تھا۔ مجھے سمجھ آ گئی تھی کہ شرم آ رہی ہے۔ مذاق مجھے پسند ہے تم کسی سے بھی کہو گے"۔ وہ نظریں جھکائے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کیا میں کہوں گا؟" اس نے انجان بن کر گویا اسے چھیڑا۔

"نہیں تو کسی اپنے آپ سے بھی نہیں کہوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ اب مجھے اجازت"۔ وہ بیگ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

(ہائے یہ منظر کہ ایک گھر میں ہوتے ہوئے بھی کتنے جن سے کمال رہتا ہے)

"اور ہاں..." وہ اس دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

"یہ آپ کا اپنی سہولت ہے مجھے" آپ کے اپنی سہولت سے کوئی دلچسپی نہیں"۔
اس نے ہاتھ اٹھا کر رانی کو بولنے سے روک دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"کیوں نہیں ہے دلچسپی آخر اس گھر میں نہیں رہنے" وہ بگڑ کر بولی۔
"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ اس گھر میں رہنے کی یہ شرط تو نہیں ہے کہ میں یہاں رہنے کے تمام معاملات میں انوالو ہوں" وہ جھلا کر بولا۔
"یہ گھر میرے والد کا ہے" وہ سرخ ہوتے ہوئے بولی۔
"گھر میرے والد کا ہے" وہ سرخ ہوتے ہوئے بولی۔ "اور مجھے اس گھر کی ہر چیز پر فوقیت حاصل ہے۔ سارے گھر کی چابیاں میرے پاس ہوں گی۔ مجھے پسند نہیں تو نہیں رہنا چاہیے" وہ غصے میں بولی۔
"مجھے بھی زبردستی ہے" ساری نے شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔
"پھر مطلوبہ شے میرے معاملات سے بالکل دلچسپی نہیں ہے" زیادہ سہولت" اس نے طنز کرتے ہوئے کہا۔
"اگر کوئی ہرگز بھی نہیں ہوں کہ کوئی آسانی سے مجھ پر اثر انداز ہو سکے۔ خاص طور پر عید ہوں۔ اب سمجھے چاہت" وہ شکر ادا کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔
"تم پاگل ہو گئے ہو" وہ غصے سے بولی۔
"اس کے علاوہ کوئی اور فرمائش ہو تو بتا دیں کیا کر سکتے ہیں" وہ بھی شکر ادا کرتے ہوئے بولا۔

www.paksociety.com

"میں نے کیا کیا ہے؟ تم ایسے اور ہے ہیں؟" وہ پھر رو پڑی تھی۔

"نہ آپ نے کچھ کیا ہے نہ میں ایسا ویسا ہوں۔ میری طبیعت کا وقت ہو رہا ہے ڈاکٹر آئے ہوئے ہیں کچھ دیر کیلئے ہی کچھ رکھئے"۔ اس نے ٹیک لگا لیا۔

"کوئی پیغام کراچی والوں کیلئے؟" اس نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

"تمہارا سر!" وہ جھلا اٹھی۔

"وہ تو میں ساتھ لے جا رہا ہوں! اچھا خدا حافظ" وہ ہنس پڑا۔

وہ اٹھلیاں سسکتی گئی ساتھ ساتھ کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔

ماہین راجداری کا مرکزی دروازہ چیک کر کے مطمئن انداز میں اپنے کمرے کی سمت بڑھی تھی۔

بہت مدھم سی کال بیل نے اسے چونکا دیا۔ اس کی نظریں لاؤنج میں سامنے ہی لگے وال کلاک پر جا ٹکیں۔ رات کے ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔

اس نے خود آگے بڑھنے کی بجائے نعمان کو بلانے کا قصد کیا۔ مگر ایک دم رک گئی۔ معلوم کر لوں ہے کون۔ بیچارے بھائی کی نیند خراب ہو گی۔ یہ سوچتے ہی راجداری کا دروازہ کھول کر باہر آئی اور گیٹ سے جڑے قدم روک دیئے۔ بے آواز ہوئی۔

"کی..... کون؟"

"یار..... ؟" آواز خاصی دھیمی تھی مگر رات کے اس پہر وہ واضح تھی۔

"اوہ" ایک انجانی سی خوشی اس نے اپنے اندر دوڑتی محسوس کی۔

"ایک منٹ!" وہ پانی لینے اندر دوڑی۔ جتنی تیزی سے اندر دوڑی تھی۔ اتنی تیزی سے بھاگتی ہوئی واپس آئی۔ تالا کھول کر اس نے داخلی دروازہ چوڑا کیا کر دیا تھا۔

سیاہ ٹرسوٹ میں ملبوس ریا ایڈ دانت اس کی بائی لگے چھوٹا سا بیت خوبصورت سلاطین قسم کا سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے یاور علی خان اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"السلام علیکم" اس کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام" ایسے نہیں بھاگتے "مگر بھی جاتے ہیں"۔ ان کی آواز دھیمی اور لہجہ بات تھا۔

ماہین شرمندہ سی ہو کر اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

"آئے"۔ وہ انہیں لے کر آگے بڑھی۔

"کیا میرے آنے سے حاضری انکاؤنٹ مکمل ہو گئے ہیں؟" انہوں نے بیٹھنے والے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ"۔ ماہین شرمندہ ہونے لگی۔ یاور علی خان ہنس دیئے۔

پھر وہ ماہین کے پیچھے پیچھے ہوئے لاؤنج میں آ گئے۔

"لائیٹ نہیں جلائی تھی؟" وہ ان کے سوٹ کیس کی ہینڈل تھامے پوچھ رہی تھی۔

"ضرورت محسوس کر لیتی اب تو آپ اطمینان ہو ہی گئی ہیں"۔ انہوں نے سوٹ کیس ایک طرف لگا دیا۔

"آپ کے آنے سے میں کیسی اطمینان ہو ہی نہیں سکتی" آپ فریش کر لیں ایسے کیلئے"۔ وہ بہت سادہ سے یاور علی خان کی منتظر رہی تھی۔

یاور علی خان نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی۔ پھر دن کا ان کے سفید ٹرسوٹ والے کرتے شلوار میں ملبوس سے بچے کھلے ہوئے بہت معصوم سی تھی۔

"ابھی بات آپ سے کچھ اس لحاظ سے پہلے ہی ہے آپ یہیں جہاں ہیں بیٹھ کر کریں"۔ وہ بل سے اندر میں گھومے۔

"ٹھیک ہے ماہین قدرے جھجکی۔

"پھر آپ لاؤنج چلئے" جہاں پہلے ٹھہرے تھے۔ نظارے بھی ہیں اور پانی بھی"۔

"آپ بھی ہیں آپ یہیں"۔ وہ مسکرا دیئے۔

"اس سے بھی کچھ زیادہ" وہ شرارت سے کہتا ہوا اندر رہنے کی طرف چل دی۔

یاور علی خان اس کے پیچھے چل دیئے۔

"یہ بھی کیوں بھر لوہ ہو ان کر رہا تھا" آپ آنے والے ہیں میں نے کمرہ اسی لئے بالکل تیار کر دیا تھا"۔

"بھی ہاں۔ سمجھدار خاتون ہو گی ہیں آپ تو"۔

"یہ بھی زیادہ ہے۔ ایسے اطلاعات کی دل بھی ہوں۔ اچھا بتائیے کھانا کھائیں گے یا پھر کافی"۔

"یہ بھی نہیں ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دیں اور بس آرام کریں گے"۔

"بس؟" اس کے لہجے سے یوں لگا۔

"جی بس"۔

"پھر بھی ذکر کیجئے۔ ہو سکتا ہے کوئی بہت ضروری کام ہو"۔ وہ جاتے جاتے رک گئی۔

یاور علی خان کوٹ اتارتے اتارتے ایک دم رک گئے۔

"بعض اوقات بہت ضروری ہوتی ہیں مگر سوچ کا محل ضرور ہوتی ہیں"۔ ان کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔ ماہین نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"جی"

یاور علی خان اس طرح لاپرواہ انداز میں کوٹ اتار کر صوفے پر ڈال چکے تھے کہ کمرے میں ان کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا۔ لہٰذا ان کا مخاطب بے شک وہ تھا۔

وہ پانی لانے کے بہانے سے کچن کی طرف جا رہی تھی۔

www.paksociety.com

اس نے بڑی احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر پاؤں پر اوندھے منہ گر گیا۔ ابھی سویرا ہی ہوئی تھی کہ ہر طرف ایک پتھر کر سناٹا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔

وہ پھر محتاط انداز میں اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھنے لگی۔ الجھن کا نشان واضح طور پر اس کے چہرے پر نمودار ہوا۔ پھر ایک پتھر اس کی پیٹھ پر لگا۔ وہ چونک سے گئی تھی اور اس طرف دیکھنے لگی جہاں سے پتھر آنے کا گمان تھا۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔

حیران پریشان سی کھڑی رہ گئی۔ یہاں آنے کے بعد یہ اس کا دوسری مرتبہ تھا۔

وہ گھوم کر دیوار پر نظریں جما کر کھڑی ہو گئی۔ خوف سے بری حالت ہو رہی تھی۔ مگر اب وہ کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتی تھی۔

اس نے چاہا کہ باز کو آواز دے مگر یک لخت رک گئی۔ اسے دیوار پر ایک بھوری سی چیز محسوس ہو رہی تھی۔ وہ غور سے دیکھنے لگی۔

اور اگلے ہی لمحے اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دیوار کے اس سرے سے دوسرے سرے تک ہر ساز کا بندر اچھل کود رہا تھا۔ اس کی جان میں جان آئی گویا۔

اس نے نیچے سے ایک پتھر اٹھا کر ایک بندر کی طرف پھینکا۔ سارے کے سارے بندر دیوار پر ناچنے کودنے لگے۔ یہ گویا میں کود گئے۔ ایک عجیب سی آفت مچ گئی۔

ایک بندر نے جھک سے گھاس اٹھالیا اور جھومر کی طرف جھپٹنے کی دھمکی دینے لگا۔

تانیے کا بھاری گھاس تھا۔ جھومر ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔

دو تین بندر اس کے آگے پیچھے ناچ گئے۔ وہ چیخ چیخ کر روپڑی۔

سناٹے کی بے کراں وسعتوں کا احساس ہوا۔ وہاں اچھل کود کرتے ہوئے بندروں کی ہی تو کمی تھی۔ اور حیرت بھری آواز سے نکلی تھی۔

"بـــــاری ـــــ بـــــاری ـــــ"

"لاحول ولا قوۃ! کوئی بھی تو نہیں تھی آپ کے پاس؟" باری نے سمجھایا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ اوہ میرے خدایا"۔

"آپ اندر چلیں میں ابھی واپس آتا ہوں"۔

جھومر یہ سنتے ہی اندر دوڑ گئی۔

باری نے بائیں گھوں کی جیب سے پستول نکالا اور ایک ہوائی فائر داغ دیا۔

بندروں میں کھلبلی مچ گئی۔ آناً فاناً سب جانے کدھر غائب ہو گئے۔ اس نے پستول واپس جیب میں ڈالا اور اپنی راہ کی سمت بڑھا۔

جھومر بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ باری کو آتا دیکھ کر دوڑ کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم نے ہوا میں فائر کیوں کیا تھا؟" وہ تشویش کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تمہارے ہوا میں فائر کیوں کیا تھا؟" وہ تشویش کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کیا بولیں، ہوا میں کے حکم پر "خون" بھی کرنے ہوتا ہے" وہ ہنسنے لگی۔

"کیا بولیں، ہوا میں کے حکم پر "خون" بھی کرنے ہوتا ہے" وہ ہنسنے لگی۔

"نہیں صرف ہوا میں فائر کرنے سے بندر بھاگ جاتے ہیں"۔ وہ خوشی کا چیر تصور میں لاکر مسکرا دیا۔

"نہیں صرف ہوا میں فائر کرنے سے بندر بھاگ جاتے ہیں"۔ وہ خوشی کا چیر تصور میں لاکر مسکرا دیا۔

"ہوا میں فائر کرنے سے بھی بھاگتے ہیں؟" جھومر نے قدرے حیرانی سے کہا۔

"ہوا میں فائر کرنے سے بھی بھاگتے ہیں؟" جھومر نے قدرے حیرانی سے کہا۔

"پہلے زخم ہے، ابھی انجکشن بھی لگانا ہے۔ آپ جلدی سے بیٹھ جائیں" وہ ایک کرسی کی طرف بڑھا۔

"پہلے زخم ہے، ابھی انجکشن بھی لگانا ہے۔ آپ جلدی سے بیٹھ جائیں" وہ ایک کرسی کی طرف بڑھا۔

"کہاں؟" جھومر نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"کہاں؟" جھومر نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"آپ کھانے پر ہیں، کہاں؟"

"آپ کھانے پر ہیں، کہاں؟"

"کس نے بھیجا ہے تمہیں؟ آغا جان نے یا ابا صاحب نے؟" جھومر کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"کس نے بھیجا ہے تمہیں؟ آغا جان نے یا ابا صاحب نے؟" جھومر کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"کسی نے تو بھیجا ہوگا، خود سے تو نہیں آسکتیں"۔ اس نے جواب دیا۔

"کسی نے تو بھیجا ہوگا، خود سے تو نہیں آسکتیں"۔ اس نے جواب دیا۔

"کھانا ہے تو دے صاحب سے کہیں"۔ وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔

"کھانا ہے تو دے صاحب سے کہیں"۔ وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔

"باری کو بلائیں"۔

"باری کو بلائیں"۔

"ہی ہیں لیکن سے بات نہیں کرنا"۔ وہ آگے کی طرف جھک کر گویا ہوا۔

"ہی ہیں لیکن سے بات نہیں کرنا"۔ وہ آگے کی طرف جھک کر گویا ہوا۔

"اللہ میاں تجھے سمجھے، باری، پھر تم تم ہو"۔ وہ جیسے چڑ کر بولی تھی۔

"اللہ میاں تجھے سمجھے، باری، پھر تم تم ہو"۔ وہ جیسے چڑ کر بولی تھی۔

"کیا سزا چاہتی ہیں آپ اللہ میاں کو؟" وہ جانے کیوں مسکرا دیا۔

"کیا سزا چاہتی ہیں آپ اللہ میاں کو؟" وہ جانے کیوں مسکرا دیا۔

"چاہنا کیا چاہیے سے کیا ہوتا ہے"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"چاہنا کیا چاہیے سے کیا ہوتا ہے"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"اچھا چلیں اٹھیں چلیں! اٹھیں یہاں سے"۔ باری کے انداز میں درخواست تھی۔

"اچھا چلیں اٹھیں چلیں! اٹھیں یہاں سے"۔ باری کے انداز میں درخواست تھی۔

جھومر نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

جھومر نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"کہاں لے کر جاؤ گے؟"

"کہاں لے کر جاؤ گے؟"

"جہاں سے آئی تھیں"۔ باری نے رسٹ واچ پر نظر دوڑا کر گویا اسی کو مخاطب کیا تھا۔

"جہاں سے آئی تھیں"۔ باری نے رسٹ واچ پر نظر دوڑا کر گویا اسی کو مخاطب کیا تھا۔

"باری مجھے اس طرح خانے میں لے کر سب جاؤ، لاؤ اپنا پستول مجھے دو، میں خود ہی سب کچھ کر لوں گی۔ فیصلہ کر لیا ہے میں نے"۔

"باری مجھے اس طرح خانے میں لے کر سب جاؤ، لاؤ اپنا پستول مجھے دو، میں خود ہی سب کچھ کر لوں گی۔ فیصلہ کر لیا ہے میں نے"۔

"مجھے ایجنٹ کی ہدایت دی ہیں حکم پر عمل درآمد کرنے کا ہر حال میں پابند ہوں"۔ باری نے اٹھتے اور شریر لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے ایجنٹ کی ہدایت دی ہیں حکم پر عمل درآمد کرنے کا ہر حال میں پابند ہوں"۔ باری نے اٹھتے اور شریر لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم مجھے ملٹری کا نام لے کر بلاؤ، میں بھی تم لوگوں کو سبق سکھا ہی دوں"۔ جھومر ایک طرف کے ہاتھ کو مٹھی کی شکل دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے تم مجھے ملٹری کا نام لے کر بلاؤ، میں بھی تم لوگوں کو سبق سکھا ہی دوں"۔ جھومر ایک طرف کے ہاتھ کو مٹھی کی شکل دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

www.paksociety.com

"چلو' اور سیدھے دریا بستی چلو' سرائے میں حاضری لگانے کی ضرورت نہیں اور تم مجھے دھوکے سے سرائے لے جانے کی غلطی بھی نہ کرنا۔ کہیں میرے ہاتھوں تیمور علی خان اپنے انجام کو نہ پہنچ جائیں"۔ اس کی نگاہ میں بھی آگ تھی.... اور لہجے میں بھی۔

"اچھا چلئے چادر اوڑھئے زیادہ ملکہ جذبات بننے کی ضرورت نہیں"۔ وہ سرد انداز میں کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

جھومر پاؤں لٹکائے کچھ دیر سوچتی رہی پھر ایک فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

چادر اوڑھ کر باہر آئی' گل باز بیگ اٹھائے باہر کی طرف جا رہا تھا' وہ اسی کے پیچھے چل پڑی۔ باری بند جیپ میں ڈرائیونگ سیٹ پر اپنی طرف کا دروازہ کھولے اندر سے باہر آنے والے راستے کی طرف تک رہا تھا' گل باز اور جھومر کو آگے پیچھے آتے دیکھ کر اس نے سکون کا سانس بھرا۔

"اس قدر وحشت ہوتی ہے اندر کہ مجھے جیپ میں بیٹھ کر انتظار کرنا زیادہ پسند ہے' بہ نسبت اندر بیٹھنے کے اور ایک آپ ہیں' جانے کیا لڈو پیڑے مل رہے ہیں اس حویلی میں"۔

اس نے جھومر کے بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ کر دیا اور بیک ویو مرر میں دیکھنے لگا کہ گل باز ایک طرف ہٹ گیا یا نہیں۔

"تم باری ہو اور میں جھومر ہوں۔ تمہیں کسی ظفری کے پلے نہیں باندھا گیا۔ تمہارا دل محفوظ ہے' اسے کسی نے مسلا نہیں' تمہاری روح آزاد ہے' یہ کسی درندے کو پیش نہیں کی گئی' لہٰذا تمہیں مجھ سے مقابلہ کرنے کی زحمت کی ضرورت نہیں"۔

جھومر نے تڑخ کر اسے جواب دیا تھا۔

ایک لمحے کو تو باری بھی لاجواب سا ہو کر چکرا کر رہ گیا تھا۔

"چل رہی ہوں میں اس جہنم میں' کر لیا ہے میں نے تمہاری پسند کا فیصلہ۔ اب دیکھنا ذرا"۔

جھومر نے سر سے کلپ کھسوٹ' بال ہاتھ سے سمیٹے اور دوبارہ کلپ میں قید کر دیئے اور سر پر چادر جما کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"یہ میری پسند بیچ میں کہاں سے ٹپک پڑی۔ مجھ سے جو کہا جاتا ہے' میں وہ کرنے کا پابند ہوں"۔

گاڑی باہر آتے ہی اس نے بہت تیزی سے چلائی تھی' جیسے جھنجھلا رہا ہو۔

"غلامی کی زنجیریں توڑنا بھی انسان کا حق ہے' پیدائشی حق"۔ جھومر نے تلخی سے کہا۔

"پیسے جمع کر رہا ہوں"۔ باری کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

جھومر نے حیرت سے اس کی شکل دیکھی' بڑا عجیب سا جواب تھا۔

"پیسے....؟"

"کس لئے؟"

"غلام پابند ہے کہ اپنے آقا کو منہ مانگی رقم دے اور آزاد ہو جائے"۔ اس کے لہجے میں بلا کی تپش تھی۔

"کیا دام لگا رہے ہیں تمہارے؟" جھومر کے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا۔

"ان کی تو پوری جاگیر تمہارے سر سے وار کر صدقہ کر دی جائے تو بھی کم ہے"۔ وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں تجھ میں"۔ اسے یک دم غصہ آ گیا۔

"تمہیں کیا پتہ؟" وہ بہت سکون سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے اپنی حدود کا پتا ہے' میں عملی اور حقیقت پسند آدمی ہوں۔ اپنے بعض جذبوں کے سامنے بے بس سہی مگر بھوکے الغنے کی حد تک کمزور نہیں۔ وہ کون سے مقامات ہیں' جہاں میرا راستہ مکمل ہوتا ہے' مجھے بھی طرح شعور ہے"۔

باری کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"تم میں بھی جذبات ہیں؟" جھومر کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"کیا مجھے بتاؤ گے وہ کون سے جذبات ہیں؟"

"وہ تو شاید میں اپنے آپ کو بھی بتانا پسند نہ کروں"۔ باری نے چھلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بڑے ضبط سے جواب دیا۔

"ایک بات کہوں' آپ مائنڈ تو نہیں کریں گی؟" اس نے طویل راستے کے بعد پہلا موڑ کاٹا۔

"ہوں' کہو! تمہیں میرے برا ماننے کی فکر میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں"۔ جھومر نے بے دلی سے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ پیچھے جا کر آرام سے لیٹ جایئے۔ ہو سکتا ہے' ٹھنڈے ماحول میں آپ کی نیند پوری ہو جائے اور آپ کا ذہن پرسکون ہو جائے۔

کیونکہ سرائے جا کر گاڑی بدلنا ہے۔ یہ جیپ بابا جان کی ذاتی اور پسندیدہ سواری ہے۔ ان کی "لینڈ کروزر" کے بعد جو آج کل بابا صاحب کے استعمال میں ہے"۔ اس نے رسانیت سے کہا۔

"تم مجھے وہاں نہ لے کر جاؤ تو بہتر ہے۔ پھر میرے منہ سے کچھ نہ کچھ نکل جائے گا"۔

جھومر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"مگر مجھے گاڑی لازمی بدلنا ہے۔ شاید وہ بھی آپ سے ملنا اور بات کرنا پسند نہ کریں' آپ گیٹ سے باہر کھڑی ہو جایئے گا۔ میں پانچ منٹ میں دوسری گاڑی لے کر باہر آ جاؤں گا' اب آپ پیچھے جا کر آرام کیجئے"۔

"دل نہیں چاہ رہا میرا آرام کرنے کو' تم چلاؤ گاڑی' میں تم سے کوئی بات فی الحال نہیں کر رہی"۔

باری نے ہونٹ بھینچ کر رفتار قدرے بڑھا دی۔

سب لڑکیاں اندر ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ اس کا موڈ نہیں بن رہا تھا۔

وہ بیزار کن انداز میں دوپٹا سنبھالتی ہوئی باہر آ گئی اور بیرونی برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

پورے دنوں کا چاند تھا۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ تھام کر چاند کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔

کھوکھر گیٹ بند کر کے اس کے پاس سے گزرا' قدرے حیرت سے اسے دیکھا پھر آگے بڑھنے لگا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com

www.Paksociety.com

"کچھ کھا..." اچانک کسی خیال سے وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔

"کی بی بی"... وہ تیزی سے اس کی طرف آیا۔

"چاچا جان! اب روشنی بہت ہے... یہاں کی سب لائٹیں بند کر دو۔" اس نے حکم دیا۔

"جی اچھا"... وہ خاموشی سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آنگن کی ساری لائٹیں بند کر دیں۔

وہ پھر پہلے کی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ جانے کتنی دیر اسی طرح بیٹھی رہی۔

سناٹا حد تک بڑھا۔ کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے گیٹ روشن ہو گیا تھا۔

شاید ڈیڈ صاحب آ گئے ہیں۔

گاڑی پارک ہو رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا، کوئی ملازم نظر نہیں آیا۔ جانے کیا سوچ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

خاصی تیزی سے چلتی ہوئی گیٹ تک آئی اور گیٹ کھول دیا۔ تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

گاڑی ایک اہم جیسے آل کے اوپر چڑھا دی گئی اور اگلی تیزی سے ایک طرف ہو گئی۔

"یہ کون مغرور قسم کا رائیڈر ہے"... اس کا خون کھول اٹھا۔ گاڑی پورچ میں جا کر رک گئی تھی۔

وہ بھنچی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھی۔ لیتے لیتے کے خیال سے اگر ٹھوکر کر گئی۔ ایک طرف سے ہاری اور دوسری طرف سے جھومر اتر رہی تھی۔

"یہ... یہ کہاں سے آ رہے ہیں؟ کہاں گئی ہوئی تھیں یہ جھومر بھابی؟"

اسے وہ پتہ تھا جو پہلے والا اٹھا کیے وہ سے پوچھا تھا۔ "تو یہ کہیں گئی ہوئی تھیں شاید اپنے میکے۔ تبھی ہاری خود لاچار گیا ہوا تھا۔ اتنا ان... ہو گیا ہوا؟"

"وہاں کہاں رہ گئی؟ آج سلام بھی نہیں لوٹی"... جھومر نے اسے جواب دیا۔

"السلام علیکم"... وہ خاصی کھسیا ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام! ٹھیک ہو؟"... جھومر نے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھا۔

"کہاں جل گئی تھیں؟ آپ کی بھابی نے اپنا سر پھاڑ لیا ہے۔ آج وہ ہم کو بھی ہسپتال لے کر گئے تھے ڈیوٹ ہیں..."

روشنی کا انداز... بھی الجھا ہوا تھا۔

جھومر نے شکوں کا ایک گچھا سنا سنا دیا۔

"ٹھہرو ذرا ہم آ گئے ہیں تو ان کی خاطر آئے ہیں۔ آپی کے ساتھ واپس آئے ہیں"... ہاری نے ڈانٹا۔

ہاری کو اپنے پاؤں کے نیچے سے... زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

روشنی کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ ایک نظر ہاری اور تھا۔ اس نے ہاری کی طرف دیکھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی بھائی"... اس نے ایک دم اپنا دامن جھاڑ لیا۔ "وہ ہسپتال میں ہیں۔ جھومر بھابی کے ساتھ ہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔"

"آپ کچھ کی کیا ضرورت ہے"... ہاری نے اسے ٹوکا۔ "ہسپتال میں ڈاکٹر انسان کھڑا ہوا ہے۔ تمہاری بھابی کا آپریشن ہوا ہے۔ سب ہیں ہاری ہے۔ اچھا شکر ہے اللہ کرے تمہاری بھابی ہسپتال میں ہے۔"

اس نے جیسے اپنی جواب پیش قدمی کی۔

ہاری گاڑی سے ٹیک لگا کھڑا رہا اور روشنی اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔

"پھر بھابی کیوں اول فول بک رہی تھیں؟"... اس نے سنبھل کر پوچھا۔

"وہ آپ کی بھابی ہیں اور بھابی بھابی"... "نہیں، ڈرائیونگ ہیں... سمجھیں؟"

"وہ تو سمجھ گئی کہ کر گئی ہیں"... وہ کوئی بھابی نہیں کہہ سکتیں"... وہ جھڑک اٹھی تھی۔

"ہر ایک انسان کے ساتھ ہوتی ہیں۔ کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے۔ کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں"... اس نے تسلی دی۔

"مگر ہم کس طرح یہیں ٹھہر کر کھانے کھانے پھر سے ہو؟"... وہ بگڑ گئی۔

"کھانا وانا تو"... وہ اس کا سوال ہی نہ سمجھا۔

"اگر آپ کی کیس بند گئی ہیں تو ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دو۔ یا گھل جانے سے پہلے ان کا علاج کرانے کو کہو۔ میں اس قسم کی باتوں میں دخل دینا پسند نہیں کرتی۔ میں ان کھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ہم صرف اپنے بھائی کی عیادت کرنے کی مدد ہی

"لیکن ۔۔۔ جن لوگوں کے ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو ان سے بات کیسے کی جاتی ہے۔ کچھ بتائیں"۔ اس نے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

"فجر ۔۔۔ وہ ناشتہ تو ان کا بھی لگانے لگا ہوں گی میں۔ ان کی امت کیسے ہوئی؟"

وہ کہاں یاد آنے والی تھی۔

"مرضی ہے آپ کی۔ میری طرف سے ایسا کچھ نہیں ہے"۔ وہ مسکرایا۔ پھیکا سا چہرہ۔

"صائمہ"۔ وہ باہر نکل کر اس سے پہلے اندر جاتی کہ وہ بال کمرے میں چلی آئی۔ لڑکیاں اور لڑکے ہی ہیں کمرے میں۔

"تم کہاں چلی گئی تھیں؟" اس نے اس پر سرسری نظر ڈال کر دوبارہ اسکرین پر نظریں گاڑ دیں۔

"جہنم میں"۔ وہ منہ بنا کے بولی۔

"ہاں ۔۔۔ کچھ ۔۔۔ سرخ سرخ سی تو ہو رہی ہو"۔ روبی نے شرارت سے دیکھا۔

"شاید۔ جویریہ کے ماں باپ واپس آ گئے ہیں"۔ مصیبت پر بالکل چست بیٹھی تھی۔

روشنی نے ان کے لہجے کے اسٹائل کو بڑی ناگواری سے دیکھا۔ اس پر متکبرانہ انداز۔

"مصیبت آپا؟ آپ مجھ سے مخاطب نہ ہوا کریں"۔

اس نے خاصی بدتمیزی سے کہا۔ اس وقت وہ اس ماحول میں موجود ہی کب تھی۔ اس کے کانوں میں تو جھومر کے گانے کی آوازیں کی طرح ہلورے سنائی دے رہے تھے۔

"گھورا یا! یہ نظری بھائی پاگل سے کب واپس آ گئے۔ مگر؟" اس نے نظر کی عینک لگائے بغیر ہی روبی کو گھورا تھا۔ کہا۔

"خیریت؟" گھورے نے چشمے سے اسے گھورا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔ بڑی آپا پوچھ رہی تھی"۔ اس نے بظاہر روبی سے کہا۔

"وہ جا پاگل خانے نہیں ہوں گے۔ ان کا علاج گھر میں ہی ہے"۔ وہ منہ بنا کر بولی۔

"یعنی"۔ گھورا کچھ نہیں سمجھی۔

"یعنی یہ کہ جھومر بھائی ۔۔۔ وہ گئے ہی نہیں تھے۔ انہیں فٹس پڑنے لگے۔ انہوں نے ڈرامہ کر دیا"۔ اس نے بتایا تھا۔

"وہ کہاں چلی گئی تھیں؟" گھورا نظر کر بیٹھ گئی۔ روبی سے ان کی توجہ مکمل طور پر ہٹ چکی تھی۔

"یہ تو مجھے علم نہیں کہ وہ کہاں گئی تھیں۔ مگر بہرحال مجھے پتا ہے کہ وہ کہیں گئی ہوئی تھیں اور اب واپس آ گئی ہیں"۔ بڑی کے ساتھ"۔ اس نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

"بڑی کے ساتھ"۔ کی جھلاہٹ کیوں کے ساتھ ساتھ تھا۔

"کس کے ساتھ؟" گھورے نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"جویریہ آپا کے ساتھ گئی ہوں گی"۔ مصیبت نے مسئلہ حل کیا۔

"بڑی کے ساتھ؟" گھورا کس گہری سوچ میں گم ہو گئی۔

"کام ہے"۔ وہ مصنوعی خیر خواہ بن کر بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"کیسے پتا ہوں گی ہوں گی تھیں؟" روبی نے پوچھا۔

"اس نے کہ وہ میرے سامنے آئی تھی"۔ اس نے آرام سے جواب دیا۔

"بڑی کے ساتھ" سرخ ہوتے چہرے سے کہا تھا۔

"بالکل۔ یہ کیا تم لوگوں نے مستقل تکرار لگا رکھی ہے۔ بڑی کے ساتھ۔ بڑی کے ساتھ"۔ وہ بری طرح جھلا گئی۔

"تم کیوں جل رہی ہو؟" مصیبت نے پوچھا۔

"میں نے کہا تھا۔ آپ نے سن لیا تھا۔ اب پاگل ان کیوں؟" وہ گالی نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لئے منہ بنا کر جواب دیا۔

"ابھی ہماری اس طرف آئے تھے تو پوچھ رہے تھے کہ بھائی کو میر کرا لے کہاں لے گئے تھے؟" روبی نے مخاطب کیا۔

"تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی تو کراچی روانہ ہوئے تھے"۔ مصیبت نے یاد دلایا۔

"یاد رکھتے ہیں بابا صاحب جھومر بھائی کا"۔ روبی نے مخصوص انداز سے کہا۔

"جب سے خود بھی تو پاگل ہو رہے ہیں"۔ روبی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں میرو خوش قسمتی کو ان کا حق ہے"۔ روبی نے بھی جلے بھنے انداز میں کہا۔

"وہ بھی ۔۔۔ بڑی کے ساتھ"۔ مصیبت کہہ کر خود ہی جھینپ گئی تھی۔

روبی پاؤں پٹختی خود کو کوستی باہر نکل گئی تھی۔

اس نے آہستگی سے دروازہ بجایا۔

"یس!" اندر سے آفیسرانہ انداز میں اجازت ملی۔

دروازہ کھول کر وہ اندر آئی۔

"السلام علیکم سر"۔

"وعلیکم السلام"۔ وہ فائل بند کر رہے تھے اور اب آنے والے کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"جی فرمائیے؟ آپ بہت لیٹ آئے۔ میں خاصی دیر انتظار کرتی رہی۔ پھر نہیں کب آ کر گئے گی"۔ ماتھے پر بل نمودار ہوئے تھے۔

"سر! آپ کو نہیں معلوم؟ اگر شہر سے وہ باہر ضروری ہے تو مجھے بتا دیتے"۔ وہ سمجھ نہ پائی تھی۔ کہ غصہ ہوں یا حیران ہوں۔

www.Paksociety.com

نہیں۔ نہیں۔ ایسا بھی ضروری نہیں"۔ وہ اس پڑی۔ بڑی محترم اور معزز لگی۔
یاور علی خان نے شفقت سے چونک کر اس کی سمت دیکھا (کس قدر شناسا سی لگتی ہے) وہ کرسی پر بیٹھ کر جوتا پہننے لگی سر پر اوڑھا دوپٹہ کندھے پر ڈھلک گیا۔ سیاہ تراش کے جدید تراش کے سوٹ اور شولڈر کٹ سیدھے شانوں میں وہ بہت کامل لگ رہی تھی۔
وہ اسے آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔
"مجھ کو شناخت کر رہے ہیں ہم میں؟" اس نے ان کی نظروں کو محسوس کر لیا تھا۔
بڑی سادگی سے مسکرا رہی تھی۔
"میں گمی شدہ کسی کو شناخت نہیں کرتا۔ ہر انسان کا اپنا حلیہ و رنگ و نقش ہوتا ہے"۔ وہ جھک کر کرسی کے سامنے سے ہٹ گئے تھے۔
"اب بتائیے۔ آپ کا کیا پروگرام ہے؟" وہ بیڈ پر بیٹھ گئے۔
"میرا پروگرام"۔ اس نے چہرہ سے ان کی سمت دیکھا اور چلنے کا آپشن ان کی طرف بڑھا دیا۔
"جی۔ آپ کا پروگرام۔ ہمارے ساتھ چلنے کا"۔ انہوں نے اطمینان سے کہا۔
"آپ کے ساتھ؟" وہ بے حد حیران ہوئی۔
"کیا لعمان نے آپ کی اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی؟" اس کی حیران ہونے کی باری ان کی تھی۔
"نہیں تو"۔ اس کے چہرہ سے فکرمندی جھلکنے لگی۔
"چلیں خیر پھر چھوڑیں اس موضوع کو۔ لعمان کے سامنے ہی بات کریں گے۔ چلیں اب یہ بتائیں آپ کی فیورٹ ڈش کیا ہے"۔ انہوں نے بات سنبھال لی۔
"فی الحال تو کچھ نہیں۔ ٹریولنگ میں تو خاصا ہلکا پھلکا استعمال ہوتا ہے۔ بس بھوک محسوس ہو رہی ہے"۔ وہ اب اپنی ہوائی کی تلاش میں تھی۔
"پھر۔ اس کے بعد؟" وہ مسلسل سوال کر رہے تھے۔
"کچھ نہیں۔ کچھ سوچا نہیں"۔
"تو پھر سوچنا شروع کر دیں۔ شاید لعمان آپ کی شادی کی فکر میں ہیں"۔ ان کا انداز عام سا تھا۔
"لعمان بھائی تو بس"۔ وہ خاصی خجل ہوئی۔
"انہوں نے مجھ سے بھی کہا ہے کہ اس کار خیر میں میں بھی حصہ لوں۔ لہٰذا پہلے ہی تو معلوم ہو جائے کہ آپ کے ذہن میں کیا کیا خوبیاں دیکھنا چاہتی ہیں؟" وہ سنجیدہ تھے۔
"ماہین کو ایسے اچھا لگا تھا۔ جیسے اسے یاور علی خان سے اس انداز کی باتوں کی امید نہیں تھی۔
"خوبیاں جانے کیسے تو بہت زیادہ اور بہت عام سی ہے۔ وہ دوسرے تو اس انداز سے ہی لگ سکتے ہیں"۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"پھر بھی ایک بار سوچ لیں۔ اس میں کوئی نہ کوئی تو ہو سکتا ہے نا"۔ یاور علی خان کے پاس ایک سے ایک دلیل تھی۔
ماہین کو لگا یہاں کھانا کھانے سے زیادہ قابل سمجھنے یا فیصلہ کرنے سے بہتر ہے، اس لئے کہہ دیا۔
"ماں کی کمی سے جو سوال پہلا اسے انہوں نے مجھے اپنی عمر سے بہت آگے کا دیکھا سمجھا ہے"۔ اس مرتبہ وہ خاصی سنجیدہ تھی۔
"ہاں وہ اب اتنا تو ان کے علاوہ"۔ یاور علی خان نے اس کے سامنے شاید پہلی بار کوئی لطیف سا مذاق کیا۔
"یہ سب چیزیں آل ریڈی ہیں میرے پاس۔ اور پھر پوچھنے کی تک ہوتی ہے"۔ وہ جھلملا کر ہنس پڑی۔
یاور علی خان کی تلاش نے عرش سے لگ لڑکی یہاں سے وہاں تک کھلکھلا اٹھی۔
"آپ نے ماں کی کمی کا ذکر کیا تو مجھے یہاں آپ۔ رشتی میں تو اس قسم کی کوئی کمی کبھی نظر نہیں آئی۔ اس ایک بات میں بہت واضح ہے وہ بے حد"۔
یاور علی خان سگریٹ سلگانے لگے۔
"اس میں کمی کبھی اس لئے نہیں آئی کہ آس پاس اس کے پروٹوکول اور شیئر کرنے والے بے شمار لوگ موجود ہیں۔ آپ کے علاوہ"۔
"آپ فکر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا کریں۔ مجھے آپ کی یہ عادت ناگوار نہیں گزرتی"۔
"آپ نے تو شاید روز اول ہی سے مجھ سے بڑا ہونے کی ٹھان لی تھی۔ اور مجھے واقعی حیران کیا تھا"۔
انہوں نے گہرا کش لگا کر اسی پر میں کبھی مرتبہ اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ نظر ڈالی۔
"آپ اداس سے فیلر نہیں ہیں۔ ہم سے ہمدردی کی۔ سایا نہیں ہیں۔ پھر جواب سے ڈرنے کا کیا سوال؟ ہمیں کہنے کا کوئی تحفظ نہیں اس لئے کہ ہم پاکستانی ہے اور مستقل قسم کا"۔
وہ ایک مرتبہ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"رشتی غیر ضروری لاڈ پیار اور اعتماد سے ٹوٹ بھوٹ گئی ہے۔ انگلش اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ غیر ضروری احتیاط کی جاتی ہے مگر ایک۔ وہ وہ بھی ٹوٹ ہی جاتا ہے۔ غیر ضروری کانفیس ہو گئی ہے"۔
"مگر کرسٹل ہو یا وہ ٹوٹ تو نہیں ہے"۔ یاور علی خان فکرمند نظر آئے۔
"وہ کرسٹل نہیں ہے انسان ہے"۔ وہ مسکرا دی۔
"کچھ نہیں کیا علاج ہے ہمارا ہمیں لاجواب کر دیا ہے۔ کل چاہتا ہے اسے بہت قریب سے آئیں۔ اور وہ سے کے علاوہ اسے لاجواب کر دیں گے دیکھ لیں"۔
یاور علی خان نے مگر محبت کی اداکو بھانپ لی مگر اس کے تاثرات دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔
ماہین کا دل دھک سے رہ گیا۔ آنکھیں کانپ گئیں۔ ساری خود اعتمادی ہوائی محسوس ہوئی۔
"یو نائل سوچتی نہیں ہے اچھا پسند کی ہے"۔ اس نے غور سے دیکھا تھا۔ وہ نظر سے جواب دیا۔ جیسے کچھ سمجھی

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

نہیں۔

"کسی کے خلوص سے بھی کسی کی سوچ بدلی ہے"۔ وہ مجسم سوال تھا۔

مایوسی پر اپنا عکس آسمان کو ہوا تھا۔ اس کی بدحواسی سے صاف ظاہر تھا۔

اسے حیران آپا اس کے دادا دلاور علی خان کے رویوں میں ایک چھوٹی سی تبدیلی سے۔ اسے بری طرح نروس کر گئی تھی۔

وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"باہر دیکھتی ہوں۔ وہ آپ کے کپڑے وغیرہ لیں کر رہے تھے"۔

اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر آ گئی۔

وہ غور کرنا چاہتی تھی۔ یہ کیا ہوا ہے۔ یہ عام بات تھی یا خاص؟

یا یہ کہ ان کا مطلب کچھ اور تھا۔ وہ کچھ اور سمجھی ہے۔

یا پھر یہ کہ وہ بھی تو انہیں زچ کرتی ہے۔ "فرانسیوں نے کچھ نہ کچھ کہا ہی تھا۔

وہ وقت بہت سادہ اور روادار ہیں۔ حسن لطیف تو شاید ان کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتی۔

مگر کیوں۔

مرد کہہ کر مکر جاتے۔ وہ الگ بات۔

سادہ کہا کر بہت بدل جاتے۔ وہ دوسری بات ہے۔

مگر متناقل بھی عورت کو غلط سمجھ نہیں سکتی۔

اس لئے کہ جب عورت مرد کے متناقل ہوتا ہے تو اس کا پیار اور خلوص "آنکھ کان بند" ہوتا ہے۔

وہ سر جھٹکتی ہوئی نیچے اتر رہی تھی۔

لاحول ولا قوۃ۔

اس نے اپنا تجزیہ پیش کر دیا۔

نہ خوشی تھی نہ ملال۔

نہ افسوس تھا نہ ملال۔

بس حیرت تھی۔ سوچ جیسے ایک نقطہ پر ٹھہر سی گئی تھی۔

اس نے کھڑکی سے دیکھا تھا۔ وہ کتاب لے کر باغ کی طرف چلا گیا تھا۔

وہ بیزاری سے کمرے سے باہر آئی۔ اور تھکا ہارا وجود لئے وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے باغ کی طرف چلی گئی۔

وہ بھی قدموں کی دھمک پر رک کر پیچھے دیکھنے لگا تھا۔

"او۔۔۔ آپ؟" اس نے گہرا سانس لیا۔

"کیا مسئلہ ہے آپ کا؟" اس کا انداز خاصا برا تھا۔

"مسئلہ جیسے بھی ہے۔ میرا ہے۔ میں زیادہ کسی بات نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے صبور بھائی کو لے کر یہاں سے جانا ہے۔ بس"۔

"تو جیسے بھی ہے۔ میرا ہے۔ میں زیادہ کسی بات نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے صبور بھائی کو لے کر یہاں سے جانا ہے۔ بس"۔

ان کے ہونٹوں پر ایک سرد مسکراہٹ تھی۔ "خوش فہمی"۔

"وہ کہاں جا سکتی ہیں"۔ اس نے مختصر جواب دیا۔

"کیوں، آپ بھی تھیں؟" اس کا انداز تضحیک تھا۔

وہ خاموش رہا۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں؟" وہ طیش میں آ گئی۔

"پوچھیے، لگتا ہے پوچھنا ہے۔ پوچھنے پر کوئی پابندی نہیں۔ مگر جواب دینا بھی فرض نہیں"۔ وہ پرسکون انداز میں گویا ہوا۔

"کیوں فرض نہیں؟ جس سے سوال کیا جائے وہ جواب دینے کا پابند ہوتا ہے"۔

"کہاں لکھا ہے؟" وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔

"مجھے سر میں"۔ وہ جھلا گئی۔

"ہاں۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ وہاں لکھا ہوا ہو سکتا ہے"۔ وہ حوض کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔

"اچھا، زیادہ چالاکی کی کوشش نہیں کرو"۔ وہ تپی ہوئی سے بولی۔

"آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"میں پریشان نہیں ہوں گی۔ تو کیا کوئی پریشان ہوگا؟ کیا اول فول بول رہی تھیں۔ رات صبور بھائی۔ پتہ کیا ہے آپ نے؟"

"مجھے یاد نہیں رات کیا بات ہوئی تھی"۔ وہ کتاب کھولنے لگا۔

"دیکھو، زیادہ انجان بننے کی کوشش نہیں کرو۔ تم ان کا دماغ خراب کرو گے۔ آئی ول (I will) سو پلیز۔ ان سے"۔

اس نے تنبیہ سے کہا۔

"کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ کیوں بے چارے صبور بھائی کو برا بھلا کہہ رہی ہیں۔ یہ بھی بھلا کوئی بات ہے۔ اپنے تئیں کوشش بھی کر رہے ہیں رات کو بھلانے کی۔ وہ آپ کی طرح نہیں اور آپ کی زیادتیوں کی کسی نہیں ہیں۔ شکر ادا کریں اور اپنی دنیا میں گم ہو جائیں"۔

وہ اسے حال دماغیت اور خوش فہمی سے دیکھ رہا تھا۔

"میں ان کے اخلاق کی طرف تو دھیان نہیں دے رہی۔ ان کا انداز مردانہ کے سامنے کھوٹا ہے"۔

"پلیز۔۔۔ رانی بی بی۔ مجھے بخش دیں۔ حویلی کی تمام خواتین مجھ سے بے تکلف ہیں۔ اور۔۔۔ مختلف تقریب اور محفل میں حویلی کی کسی نہ کسی خاتون سے مرا کوئی نہ کوئی تعلق نکلتا ہے۔ کوئی نہ کوئی رشتہ ہی نکل آتا ہے۔ اور۔۔۔ میں ایسا ویسا نہیں ہوں"۔

وہ اسے کچھ صلواتیں سنا کر پلٹ گئی۔

وہ بھی بھلا اسے کیا کہہ سکتا تھا۔

"تم... شدید احساس کمتری کا..." وہ تم اس حویلی کے ملازم ہو نہیں ہو... وہ کہ جب جھوٹ بولنا اتنا آسان ہو
کر رہی تھیں۔ انہیں تو کہنا چاہیے تھا... اپنی وارفتگی کا اظہار کرنا چاہیے تھا"۔ وہ اسی سابقہ انداز میں گویا ہوئی۔
"جن کاموں سے نہ جانا... وہ... اس کا نام نہاد احسان... تھا... ان میں کوئی رول ادا کرنا بھی نہیں چاہتا"۔
اس نے اپنے لہجے میں پرسکون انداز میں جواب دیا۔
"مگر تم یہ تو مانو کہ ان کا انداز غلط تھا"۔ وہ اپنی جگہ ڈٹی ہوئی تھی۔
"ہاں... میں یہ مانتا ہوں یہ سب انہیں زیب نہیں دیتا"۔ اس نے بالآخر کہہ دیا۔
"تو پھر مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ اگر تم یہ سمجھ رہے تھے کہ تم اس قسم کی باتیں پسند نہیں کرتے"۔ وہ پہلے سے زیادہ پراعتماد نظر آنے لگی
ہوئی تھی۔
"میں ہپناٹائز ہوں"۔ وہ اچانک سے گویا ہوا۔
"کب؟" روشی نے الجھ کر دیکھا۔
باری خاموش رہا۔
"میں کچھ نہ سمجھی ہوں۔ اس سے پہلے بھی وہ یہ حرکت کر چکی ہیں؟ اور کہاں؟" اس نے پوچھا تھا۔
"آپ چھوڑیں اس قصے کو جب بات ہی کوئی نہیں تو بات آگے لے جانے سے فائدہ؟" وہ قدرے کہہ رہا تھا۔
"مگر مجھے بہت غصہ ہے۔ میں ایک بار ان کی کلاس لوں گی ضرور۔ تم مجھے... کنٹیکٹ"۔ وہ غائبانہ ابھی تک دکھی ہی
تھی۔
"مرضی ہے آپ کی"۔ وہ کتاب پر نظریں دوڑانے لگا۔
"اچھا ایک بات اور بتاؤ"۔ وہ اسی زاویے سے کنفیوز ہوئی تھی۔
"پوچھیں۔ پوچھنے میں کیا جاتا ہے؟" اس نے کتاب سے سر اٹھائے بغیر کہا۔
"تمہارا بندھن حویلی کی کسی خاتون سے کیوں نہیں ہو سکتا۔ بابا صاحب مجھے کہہ رہے تھے۔ تم حویلی کے ملازم نہیں
ہو"۔ وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔
"یہ ان کی خصوصیت ہے کہ وہ ایسا سوچتے ہیں۔ مگر مجھے اپنی حیثیت کا اندازہ ہے"۔
اس نے ایک لمحے کو نظریں اٹھائیں۔
"تمہیں اپنی حیثیت منوانے کی کوشش کرنا چاہیے"۔ اس نے مشورہ دیا۔
"مجھے جو حیثیت حاصل ہے وہ بہت ہے۔ جس کے لیے میں خان کا بہت مشکور ہوں"۔ اس نے قطعی انداز میں جواب
دیا۔
"شاید تم میں ہمت کی کمی ہے"۔ اس نے چوٹ کی۔
"شاید"۔ باری نے تحمل بے نیازی سے جواب دیا اور سامنے دیکھنے لگا۔

"مگر میں طرح سے تم پیچھا چھڑاؤ گے"۔ وہ جھنجھلا گئی۔
"پیچھا چھڑانا... کیسا لفظ ہے... وہ بھنکارا۔ "اس میں تو تمہاری ہتک ہے"۔
"ہتک... ہاں... ہتک ہی تو ہے۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ تم صرف اس لیے مجھ سے ہمدردی
جتا رہی ہو کہ وہ تمہارے ہاتھوں والی۔ اس نے تمہیں بہت بتایا۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ تم صرف اس لیے مجھ سے ہمدردی
کیوں کر رہے ہو"۔ روشی نے بھی تلخی کا مظاہرہ کیا۔
"یہ بھی کمال ہے کہ اس نے لکھے بارے کیا ہے کہ اس کا ساتھ کسی نے کیسے بھی طریقے سے
چاہا ہے۔ باری نے مسکراہٹ کو ضبط کی سعی کرتے دیکھا۔
روشی کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔
"کیا کہاں کہا ہوں اس نے اس کے فن چلتی ہے"۔ وہ اپنا غصہ چھپا گئی۔
"نہیں... یہ خوبی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو فالتو ہے۔ بندہ وہ اب تک لوگوں سے نہ چھپے اس کی پرستش نہیں کرتی۔ اس کی
چاپلوسی نہیں کرتی۔ یہ تو فالتو ہے"۔ باری ہنس دیا۔
"یہ بہت... اب اس کی خوبیوں کی مالک ہے تو پھر تمہیں اس پر بھاری ہے۔ اس کے اور عیب گنوائیں ہوں گے"۔ وہ کہہ
رہی تھی۔
"مگر اور بھاری ہے تو مجھے اور بھا رہا ہے۔ اس لڑکی کے ہاتھوں"۔ وہ ہنس رہا تھا۔
"اگر... تمہارے ہاتھ آئی"۔ اس نے ایک اور سوال داغا۔
"تو کیا ہوا... زندگی کامیابی اور ناکامی کے سلسلوں کا نام ہے"۔ وہ اس کی سمت دیکھے بغیر سکرین پر جھکی ہوئی
رہی تھی۔
"تمہیں رکھنا ہوگا"۔ اس نے نظریں اٹھا کر پوچھا۔
"ظاہر ہے... بالکل فطری بات ہے۔ مگر جب اکھلیس تو زیادہ محبت کرنا چاہیے"۔ اس نے سمجھایا۔
"ہمت ہے تم میں؟" وہ اشتعال انگیز انداز میں پوچھ رہی تھی۔
"ہاں ہے"۔ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔
"تو پھر اسے چھوڑ دو"۔
"آپ کے گھر میں آئی ایسی چیز کیوں چھوڑی جا سکتی۔ آخر وہ ان کی کوئی چیز ہوتی ہے"۔
"زبان دی ہے تم نے اسے؟" اس کی آواز آہستہ تھی۔
"ظاہر ہے... غلط تو نہیں کر رہا۔ اب میں بڑھ سکتا ہے؟" اس نے جیسے اجازت طلب کی۔
"ہاں ہے"۔ روشی جلدی سے بولی تھی۔
باری کتاب تھوڑی کے نیچے لگائے اسے دیکھتا رہا۔

www.Paksociety.com

ابھی تھوڑی دیر پہلے لال خان نے اسے تیار ہونے کے لیے کہا تھا کہ عارف کے ہاں چلنا ہے۔ وہ جلدی جلدی تیار ہو رہی تھی۔ اس پر انکشاف ہوا کہ وہ اندر سے خاصی خوشی محسوس کر رہی ہے۔ وہ اپنے احساسات سے فرار ہونا چاہتی تھی۔ خوبصورت سا لمحہ تھا جس اس نے گنوا دی تھی۔ اس نے اپنا سر جھٹکا۔ اور کام جلد نمٹانے میں مصروف ہو گئی۔ جیسے اپنے آپ سے خفا ہو رہی ہو۔

وہ شادی کے بعد سے ہر صبح ناشتہ تیار ہوتی تھی۔ ہوا کھانے کہیں گئی ہوئی ہو تو گھر آ کر وہ بہت بیمار تھی۔ پتا نہیں کیوں اسے اپنے آپ سے ارگ سا ہونے لگا۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے باہر آئی تو وہ کمرے میں بیٹھی تھی۔ اور لال خان کا انتظار کرنے لگی۔

"ارے تم تیار نہیں ہوئیں؟" لال خان کمرے میں آ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"کپڑے بدل تو لیے ہیں"۔ وہ بیزاری سے بولی۔

"کیا اور کپڑے نہیں ہیں تمہارے پاس؟ عارف کی ماں تمہیں پہلی بار دیکھے گی۔ کیا کہے گی۔ میرے بارے میں سوچے گی کہ تمہیں کپڑے خود گرنہیں دیتا"۔ لال خان نے قدرے ناراضگی سے کہا۔

"کیا کپڑے کپڑے لگے جا رہے ہیں آپ۔ میرا دل نہیں چاہ رہا"۔ وہ بھی تنگ ہو گئی۔ لال خان چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا تمہارے دل کو؟" وہ خفگی سے پوچھ رہا تھا۔

"دل کو تو کچھ نہیں ہوتا جاتا ہے۔ یہ کوئی اپنے بس کی بات ہے"۔ وہ بولی۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ چلو۔ ایسے ہی چلو"۔ لال خان نے بڑی جلدی جتھیار ڈال دیے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ بالوں کو برش اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

گاڑی گھر سے باہر ہی کھڑی تھی۔ اس نے گیٹ کو تالا ڈال دیا۔ لال خان گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ وہ بھی اس کے پہلو میں جا بیٹھی۔

راستے بھر ان کے درمیان کوئی خاص گفتگو نہیں ہو سکی۔

تھوڑا سا پچاس منٹ پر محیط فاصلہ تھا۔

وہ ایک کشادہ سی کوٹھی میں آ گئے تھے۔ جہاں اور بھی کئی قیمتی گاڑیاں کھڑی نظر آ رہی تھیں۔

وہ ایک شاندار ڈرائنگ روم کے سامنے رک گئے تھے۔ عارف کا کمرہ کافی بڑا تھا۔ وہ وہیں موجود تھا۔

لال خان نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ تھوڑی دیر بعد آف وائٹ کرتا پاجامہ میں ملبوس عارف سامنے کھڑا تھا۔

"آپ" وہ لال خان کو دیکھ کر چونکتے ہوئے بولا تھا۔

"بہت حیران ہو رہے ہو۔ بیٹھنے کو نہیں کہو گے۔ میں چاہتا ہوں تم سے بات کروں۔ تمہارے والدین کو بھی بلا لو۔ بڑوں کی بڑائی کبھی کم نہیں کرتے"۔ لال خان نے تلخی سے کہا۔

"آئیے میرے ہوش حواس مختل ہو گئے تھے۔ آپ نے اچھا نہیں کیا"۔ وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑا۔

وہ لال خان کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ ماہ رخ بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔

وہ لال خان کو دیکھ کر ساکت سی ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ وہ اس کی طرف دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"السلام علیکم انکل۔ کیسے ہیں آپ؟" لال خان نے اسے دیکھا تک نہیں۔ وہ بیٹھ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتے رہو۔ لال خان ہے ہاں"۔ عارف کی ماں نے کچھ حیرت سے اندر میں پوچھا۔

"ٹھیک پہچانا ہاں!" لال خان بیٹھنے جانے پر بہت خوش نظر آیا۔

"ہاں یہ ساتھ میں کون ہے؟" عارف کی ماں نے پھر دوسری جانب توجہ کی۔

"آپ کی بہو ہے۔ باقاعدہ اسلام کرو"۔ وہ اس کی طرف پلٹا۔

"السلام علیکم ہاں"۔ ماہ رخ نے جھجکتے ہوئے سلام کیا گویا اسے سلام کرنے کیلئے لال خان کے حکم کی ضرورت تھی۔

"وعلیکم السلام۔ مجھے دور سے خاندانی لگتی ہے"۔ بڑی بی نے اسے پاس بلا لیا۔

"سنتے ہو کچھ بات ہے عارف بھائی۔ آپ کی ماں کی یہ حالت ہے اور آپ ان کی خاطر بھی خود کو نہیں سنبھالتے"۔ وہ اس نے قدرے تیز آواز میں عارف کو مخاطب کیا۔ اور بڑی بی کے پاس بیٹھ گئی۔

"سر پہ بولی۔ سلیقہ سلیقہ کی دکھتی تو ہاں۔ ہے دار طبیعت بھی آئی ہیں۔ بس مگر۔۔۔ وہ کیا کہتے کہ

ہے تو جو کرے ہے بی کا زماں

فائدہ اس زماں میں کچھ ہے؟"

"آپ سے ملیں گی بھی ہاں۔ مگر کوئی مجبوری سی مجبوری ہے"۔ وہ ہنس دیا۔

اتنے میں خوشی پھولی اندر آئی۔ مگر سبھالوں بھوکچھ کر وہیں دروازے پر رک گئی۔

"آؤ خوشی۔ کوئی کام؟" عارف نے اسے مخاطب کیا۔

"جیجی۔ ماما جان گیا ہے۔ ہاں سے معلوم کرنا ہے آج کیا پکے گا"۔ اردو لہجے میں اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

"آج کچھ نہیں پکے گا۔ مہمان آئے ہیں۔ سب کچھ باہر سے آئے گا۔ اس لیے کہ شاید ہمارے ہاں کا پکا ہوا تمہاری تو پسند نہ آئے۔ یہ بتاؤ کام کیا کرتی ہیں؟" عارف نے لاپروائی سے اندر میں مسکرا کر کہا۔ پھولی وہاں سے پلٹ گئی۔

"کیا بکواس کرتے ہیں عارف بھائی"۔ بڑی بی حیران سی ہو گئی۔

"سب سے سلام کر لی ہے؟" اندر میں ہاں کا اشارہ پھولی کی طرف تھا۔

"ہاں ہاں کیسے رکھا ہے۔ اب بس کی کام کرنے کی عورتیں ہیں؟ گھر میں بھی کم رکھتا ہے"۔ عارف نے جواب دیا۔

"کھلوں سے بھلا ہے بیٹا ہاں کو۔ کوئی مستقل انتظام کیوں نہیں کرتے ہاں کیلئے"۔ بڑی بی نے اسے ٹوکا۔

"آپ نہیں سمجھیں گی۔ اور کرانا بھی ہوگی۔ بڑا سے کوئی ہے۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔ آپ کی ماں کی

www.Paksociety.com

آواز بھرا گئی۔

"آپ کو اپنی ماں کے جذبات کا خیال کرنا چاہیے عارف بھائی۔ کتنی بری بات ہے۔"

بالو بڑی بی کے آنسوؤں سے ایک دم ہی موم کی طرح پگھلنے لگی۔

"انسانوں کو انسانوں سے نیتیں تو راتی ہی ہیں۔ سمجھ کر لیجیے۔ اگر ہمیں اماں کی بات مان لوں تو ہمیں کچھ اور ہی کرنی پڑتیں ہو جاتیں۔ اس لئے میں ان سب باتوں کی پروا نہیں کرتا۔" عارف نے اپنی مخصوص بے نیازی سے جواب دیا۔ کیا کہا ہے شاعر نے۔

وہ فرشتے آپ تلاش کیجیے کہانیوں کی کتاب میں !!
جو سدا کہیں نہ رہا ہیں، کوئی ان سے کہتا تو ہو

"کیوں لال خان؟" وہ مسکرا رہا تھا

لال خان بھی جواباً ہنس دیا۔ "کوئی کوئی شعر تو تمہارا ہماری سمجھ میں آ ہی جاتا ہے۔"

"دیکھ لو۔۔۔ اس طرح باتوں میں اڑا دیتا ہے۔ مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ میری تو گزر گئی۔ بس اسی کا خیال آتا ہے کہ اکیلا ہو جائے گا میرے بعد۔ گھر میں بیوی ہوتی۔ بچے کچھے۔" بڑی بی نے آزردگی سے کہا۔ "آل اولاد ہو تو ہم چلتا ہے۔"

"لائی تو تھیں تم۔۔۔ اسے تو تمہارے جذبات کا اتنا خیال تھا کہ پہلے خود بیت کر کے آئی تھی۔" عارف کا قہقہہ بلند تھا۔

بالو کھسیا سی گئی۔ لال خان عارف کے ساتھ شریک تھا۔

"بس اسی کو پیٹنے جائے گا۔ لوگ ایک عورت (بیوی) کے بعد دوسری نہیں کرتے؟" بڑی بی کو غصہ آ گیا۔

"چھوڑو اماں! ان باتوں کو۔ گھر میں بہت اچھے مہمان آئے ہیں۔ یہ چھوٹی بہن ہیں ناں' میری بہت ہی عقیدت کرتی ہیں۔"

اور بھائی' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کچھ کمزور سی ہو رہی ہے آپ بھی۔" عارف اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔

بالو کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ حالانکہ وہ تو اپنی دھن میں تھا۔

مگر شاید اس کے اندر کوئی چور راستہ پیدا ہو گیا تھا۔

ناپسندیدہ ترین حالات میں انسان خود کو بالکل ہی ایک اجنبی محسوس کرنے لگتا ہے۔ ناپسندیدہ ترین نے گویا اسے امر قابل ہاتھ لگا تھا۔ جو ساتھ گزرے ہوئے پل پر ہی چھ جانا چاہتا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں اداس پڑھی۔

"مگر ہی بھی تو بہت پڑھی ہے لمبی اسی کپڑوں ہی میں بھی پڑھ ہے۔ فکر سے وہ بھی تو نہیں ہو۔"

بالو کو بہت حیا آئی۔ وہ خاموش رہی۔

"جا کر دال اسے کہیں نہ ڈال دیں گا۔" لال خان نے بے تکلفی سے قہقہہ لگایا۔

ہاتھ بھوٹے اور کھلے سے انوار پر گر رہی تھی۔ ایک عارف ہے جو ہر بات سے بے نیاز بالکل تھی کا سا سے کرتا ہے۔ جسم جان پر چھوڑ دی پڑنے لگی ہے۔

سماں اور کوئی تھی۔ جس کے پیچھے عارف بھائی کی یہ حالت ہے۔ "سر سے کا تجسس" اگر ہوا تو اس پر آ گیا۔

بیس کہیں ناں بیٹی۔ کوئی خاندانی تو تھی نہیں۔ بہت بڑی عورت تھی۔ اللہ نے حسن بھی دیا تھا۔ اس میں سا بیس ہاتھ۔ ہمارے بڑی چلتا پڑ رہی تھی۔ یہ تھا کہ مرد اور سیدھا جان کو رگ لگا لیتا۔

ہر ایک تو کھلت کا حسن اس پر عورتوں کی تیسی اور ان تھرتی تھی۔ جانے کس کس کا شکوہ اس کیا ہوگا۔ سمجھ

پڑھ ال کہ ہمارے ہاتھوں سے۔ بس ملی کہیں کی۔"

بڑی بی کے لہجے کو پا رہے ہو گے۔

"آپ عورتوں میں راتی تھیں؟"

"ارے نہیں بیٹی! بیچاری تھا' بیمار امرد گاؤں میں۔ بس آ جاتا تھا حویلی میں۔

کرموں جلی۔۔۔ ذات کی کمینہ۔۔۔ پتا نہیں کیا گھٹی تھی اپنے آپ کو۔" بڑی بی کے لہجے میں گمان در آئی۔

"کیا وہ تھا اس کا؟" بالو کا تجسس اب کمال پر تھا۔

"ہمارا سایہ تھا۔ چھوڑیے۔ کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔۔۔ چائے۔۔۔ آ رہی ہے' چائے پیجیے۔ بہت اچھی چائے بناتی ہے بالو بیٹی۔"

عارف نے ایک دم ہی ماحول یکسر بدل دیا۔ اٹھ کے ایک گہرا سانس لیا۔ پاس کا تجسس کبھی بھی مٹنے نہیں دے گا۔ وہ اپنے ذہن کے دریچے سے ایک جھانک کر دیکھیں ہو رہے۔

لال خان' عارف سے اپنی کمزوریوں باتوں میں مشغول ہو چکا تھا۔

وہ کسی کام کی وجہ سے بڑی تیزی سے ڈائننگ میں آئی تھی۔ وہاں پاور لال خان مہمان کے ساتھ محو گفتگو میں مصروف تھے۔ ٹانگیں پر ٹانگ رکھے ساتھ مل گئی تھیں۔ جیسے بار بار میں بیٹھ میں سے گزرتے ہوئے کسی سے بھی چار ہو جاتی ہیں۔

مگر اس کا دماں وہ اس کمزور ہو گیا تھا۔ ایک دم ہی سے اس کا دماغ سن سے دو چار ہوا تھی۔

"کہاں تھا سب ہیں بھئی۔۔۔ چائے نہ ٹھنڈا۔" یہ خان نے مانیں کو مخاطب کیا۔

"لگے یا نہیں تھا آپ لوگ یہاں بیٹھے ہیں۔ ابھی بھجوا دیتی ہوں۔" اس نے شرمندگی سے کہا اور واپس باہر جانے لگی۔

"رکیے تھوڑے۔ ابھی صرف اسما بھی نہیں۔۔۔ باہر ہیں۔ اس کی اماں دو چار کام نمٹا رہی ہیں۔ وہ بھی کچھ دیر میں آ جائیں گی۔ چائے بھی پی لیں گے۔" لال خان نے اسے روک دیا تھا۔ وہ رک گئی۔

"جی۔۔۔!" لال خان نے اسے مخاطب کیا۔

"جی" وہ اٹھکر اٹھانے کا حوصلہ نہ کر سکی۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

"آپ تیار ہو جائیں۔" وہ اسے ساتھ لیے کمرے میں آگئی۔ "میں نے کسی دوائی کی شیشی نہیں دیکھی۔"

"پھر آپ کیوں کر رہے ہیں؟" اس کے لہجے سے ناراضگی جھلک رہی تھی۔

"آپ نے بیٹی کہا ہے تو کرنا پڑے گا۔" وہ بہت دھیمی آواز میں کہہ رہے تھے۔

"ہاں ہاں... تو بھی جاؤ نا... یوں بھی تم کہیں لگتی نہیں ہو۔" نعمان نے اسی اس سے پیچھا چھڑانا چاہا۔

"ٹھیک ہے... میں تیار ہو کر آتی ہوں۔"

یاور علی خان نے تیزی سے آنکھیں ایک لمحے کو اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ پھر سر جھکا کر کسی دوا کی شیشی کو کھولنے لگے۔ اسے آگے مرحلے کی تیاری کرتا دیکھ کر ماہین کی حیرت کو گویا پر لگ گئے تھے۔

"آپ کتنا کام کریں گے؟" ماہین آگے بڑھتے بڑھتے رک کر پوچھنے لگی۔

"جتنا عرصی لے لیں۔" وہ دھیرے سے بولے۔

"میرا مطلب ہے آپ لیٹ تو نہیں ہو جائیں گے۔" وہ پھر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

جواب میں صرف یاور علی خان نے اس کی طرف دیکھنے پر اکتفا کیا۔

ماہین کا دل پھر لٹک گیا۔ اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

وہ دونوں پھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

ماہین گم صم سی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ وارڈ روب کھول کر خالی خانوں سے کپڑوں کو دیکھنے لگی۔ پھر آہستگی سے ایک سرخ کاٹن کا سوٹ نکال لیا۔

کپڑے بدلنے میں اسے مشکل تین منٹ لگے ہوں گے۔ ہچکچاہٹ وہ کر نہیں تھی۔ صرف ہلکا سا گلابی لپ اسٹک ہونٹوں میں ڈالا تھا۔ لپ اسٹک لگاتے ہوئے اس کے خدوخال بہت عجیب سے ہو رہے تھے۔

محبت کی تیاری میں بھی عجیب سے بھید پوشیدہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کی ہار تو یک طرفہ تھا اور یہ بھید تھا کہ

نہ سپردگی بھی نہیں۔

نہ خوش گواری بھی نہیں۔

تو پھر یہ سب کیا؟

جانتی ہوں تھا ہاری سے ہوئی ہیں ان کے لاڈ میں کمی۔

یہ ہے۔ ان کی بیٹی جانے کی خبر تو آئی ہے۔

تو سے... وہم سے لگتے ہوئے ہیں؟

اس سے مخاطب کر لیے... کو ہمکلام ہوئے ہے۔ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ میں کیوں اتنی بے بس ہو رہی ہوں۔ یہ محض ارتکاز نہ ہونے کی وجہ ہوتا ہے۔

وہ خود کو بے حد نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر ایک دم بے چینی سی اس کے اندر اتر آئی۔

بیٹی؟ اس نے نظریں اٹھا کے دیکھا۔

نعمان نے جیب تول کر چابی نکالی اور یاور علی خان کو تھما دی۔ یاور علی خان اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر باہر چلنے کی طرف چل دیے۔

ماہین ابھی بھی حیرت ہو تو وہ محبت کی تیاری کے انداز سے اس کے دل کا بھید جان سکتا ہے۔ اسی لیے شاید انہیں اس کی طرف دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں پڑی تھی۔

یہ محبت اپنی اولی گاڑی کی طرف آ رہی تھی۔ دل پر پیشان سا بھی خوف کہ وہ ساتھ چل تو پڑی ہے۔ اختتام پر کیا ہو گا؟

یاور علی خان گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

وہ رک گئی۔ مگر ایک دم بے چین ہو گئی۔

"آپ کو دشمنوں کا پتا ہے۔" اس نے کچھ ہچکچاہٹ سے پوچھ کر ان سے پوچھا۔

"آپ ساتھ تو ہیں۔" بڑے سادہ انداز میں جواب آیا تھا۔

اب کوئی اور سوال کرنا مشکل تھا۔ شرمندگی کی مشکل تھی۔

یہ بھی کوئی طویل سا سفر تھا جس پر عجیب سی بے یقینی محسوس ہوتی ہے۔ گاڑی کھلی شاہراہ پر آ گئی تھی۔

"کہیں بھی اور ایسی جگہ بہت مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ ذرا ایسا اچھا خاصا اقتصادی مرکز بن سکتا ہے۔" یاور علی خان ایک مختصر سا تبصرہ کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

"جی۔" ماہین نے مختصر جواب دیا۔

"آبادی کے لحاظ سے یہاں کی پوری صحیح منصوبہ بندی کی گئی ہے۔" وہ پھر گویا ہوئے۔

"جی۔" اس بار بھی اس کا جواب مختصر تھا۔

"ایک بات پوچھوں اگر شرمسکون کے لحاظ سے آپ ہیں ہو کر تا تھا۔"

"جی۔" اس کے لہجے سے گھبراہٹ صاف ظاہر تھی۔

"آخر آپ میری بیٹی کی ضروری ہیں؟" وہ جیسے سنجیدہ ہو گئے۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں۔" "جی" سے بہتر کوئی جواب میرے پاس نہیں۔" وہ مدھم سے لہجے میں بولی تھی۔

"مگر آپ سے پہلے آپ کو کچھ سے ہوئے ہیں۔" وہ گاڑی چلاتے ہوئے گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"ان باتوں پر ابھی بھی ہے۔ مگر اختلاف کا مطلب ہمیشہ کا اختلاف نہیں ہوتا۔"

"مجھے امید ہے ایسا ہی ہوا ہے۔ آپ نے ٹھیک کہا ہے۔ مجھے آگے سوچنا ہے گی۔" یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ یاور علی خان نے اس کی

بات کاٹی تھی۔

"باقی بات سے میں خود اخذ کر لوں گی۔"

"کس جرم کی سزا ملے گی؟" اس نے بڑی مشکل سے بہت آخر کار یہ الفاظ ادا کیے۔

"پتا نہیں گے۔ کیا آپ کو جلدی ہے؟" وہ آنکھوں پر سن گلاسز چڑھاتے ہوئے تھے آواز پہلے کی سپاٹ تھی۔

"نہیں۔ بھلا مجھے کیوں جلدی ہوگی؟ جب آپ کا موڈ ہوتا بتا دیجیے گا۔ میں پتا نہیں، کتنی دیر آپ یہاں رکیں گے؟" اس نے کافی حد تک بات کا رخ موڑ دیا۔

"کچھ نہ کچھ تو لگیں گے خواہش تو یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ سے دوا لیں۔ کیونکہ کہتے تو وہ ٹھیک ہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بات کر رہے تھے۔

"تو آپ کو اس کی فکر دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔" اس نے فوراً ٹوکا۔

"جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسی کوشش کا حصہ ہے۔ مگر شاید آپ کو یقین نہ آئے۔" وہ ایک جملے پر شاید سنجیدگی طرف کا ارادہ رکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"میں کبھی نہیں۔" وہ جان چھانے کو ایسا نہ چاہ رہی تھی۔ اس لئے کہ ابھی وہ خود پر بھی واضح نہیں تھی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں بھجوا سکتا ہوں۔" انہوں نے فراخدلی سے پیشکش کی۔

"ابھی ہوا نہیں کھانس لیے گا۔" اس نے شرارت سے اپنی جان چھانے کی کوشش کی۔

وہ مسکرا کر خاموش ہو رہے۔

"جب آپ ہنسیں گے تو کیسے لگیں گے؟ ویسے لگتا نہیں۔ آپ آخری بار کب ہنسے تھے۔" یہ بھی پہلو تہی میں کامیاب ہوگی۔

یاور علی خان کے چہرے پر اچانک سرد مہری جھلکنے لگی۔ "ہنسنا کوئی مشکل کام تو نہیں ہے آپ کوشش کر سکتی ہیں۔" ان کی آواز بھی بے تاثر تھی۔

"یا اللہ۔" وہ بات پلٹ پلٹ کر تھک چکی تھی۔ وہ تھے کہ پھر اس کے لئے کی بات نکال رہے تھے۔

"میں تو بہت کوشش کرتی ہوں جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی ہے۔"

اس نے سنبھل کر جواب دیا "پتا نہیں کیوں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے اپنے آپ پر خول چڑھا رکھا ہے۔ اور خول بھی اتنا مضبوط کہ توڑنا مشکل۔" اس نے قدرے جھجکتے ہوئے آخر کہہ دیا۔

"آپ میں سمجھتی ہیں۔ آپ لوگوں کے خول توڑ سکتی ہیں۔" ان کا انداز ہنوز سرد اور بے تاثر تھا۔

"خیر۔ چلیں پہلے کچھ لے لیتے ہیں۔ دوا بھی میں ضروری ہے کر لیں گے۔" انہوں نے بات کرنے میں اس کا ارادہ بھانپ کر روک دی۔

"ضروری بات۔" ماہین کو لگے سرے سے کچھ یاد ہونے لگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سب سے پہلے وہ ایک اسٹائلش ٹیک میں داخل ہوئے تھے۔

سامنے ہی ریڈی میڈ گرین سلک کی ساڑھی پر نظر پڑی تھی جس پر سرخ موتیوں کا لہریہ بارڈر کام بنا ہوا تھا۔

"کیسی ہے یہ ساڑھی؟" انہوں نے پلٹ کر ماہین کی سمت دیکھا۔

"بہت خوبصورت۔ کیا وہ ساڑھی پہنیں گی؟" اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"میں آپ کیلئے کہہ رہا ہوں۔" ان کا انداز بالکل سادہ تھا۔

"میرے لئے؟ مگر میں نے تو کبھی ساڑھی استعمال ہی نہیں کی۔ وہ بے ہاں مجھے شادی شدہ خواتین ہی استعمال کرتی ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"تو لے لیتے ہیں مجھے میں استعمال کر لیجئے گا۔" ان کا انداز بدستور سادہ تھا۔

"مگر اتنی جلدی کیا ہے۔" اس نے ان کی بات مکمل ہوتے ہی جلدی سے کہا اور مسکراہٹ کے پردے میں اپنی گھبراہٹ چھپا لی۔

"مکمل ہونا تو کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی ہے پھر نہیں ملتی۔ کیا آپ کو اعتراض ہے؟"

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

www.Paksociety.com

انہوں نے طیبہ سات پر نظریں دوڑاتے ہوئے سرسری سا اسے بھی دیکھا۔

"کسی بھلا اعتراض کی کیا بات؟ ہمارے کی فضول خرچی تو ہوگی ضرورت بھی نہیں"۔

اس نے دھیرے سے التماس کیا۔

"ایسی چیز سوغات ہوتی ہے تو اس کے استعمال کی جگہ بھی نکل آتی ہے۔ آپ اسے ہمراہ رکھئے"۔ یاور علی خان نے گرل کو اشارے سے بیک کرنے کہتے کہا۔

ماہین یکدم چپ سی ہو گئی۔

"یہ وہاٹ اور لیس دیکھئے۔ یہ روئی جیسی سوتی لڑکی کو بہت سوٹ کرے گی۔ بہت خوبصورت ڈیزائن ہے"۔ وہ اک طرف اشارے سے بتانے لگے۔

"جی"۔ وہ بس جی کر کے رہ گئی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ خاصے پیچیدہ قسم کے انسان ہیں سب کچھ بتا دیتے ہیں آپ کو"۔ وہ ہنس دی۔

"ہاں تو میں نے کب کہا کہ مجھے کچھ پتا نہیں"۔ وہ بہت سنجیدگی سے جواب دے رہے تھے۔

"ظاہر تو آپ یہی کرتے ہیں"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"تو پھر لے لیں یہ"۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگے گویا اس کی بات کنفرم کرنا چاہی ہو۔

"ضرور، روشی بہو بہت خوش ہو گی۔ اسے پتا ضرور دیتا ہے گا کہ یہ آپ کی پسند ہے"۔ ماہین نے نظریں چرا کر کہا۔

"آپ کہتی ہیں تو لے لیتے ہیں لیکن ایسا گمان کرنا چاہیے"۔ وہ پیچھے ہٹے۔

"آپ کو یاد ہے آپ سے بہت کچھ ادھار ہے خوشی سے قبول کر لیجئے"۔ مسکرائی۔

"ہمم"۔ وہ گہری سوچ میں مسکرا دیئے۔

"آپ کے علاوہ بھی دیکھتے ہیں اسے بہت اچھا وہ خوش ہو جائے گا"۔ وہ باہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"واہ سخی"۔ اس نے خوش دلی سے ستائشی کلمہ کہا۔

"میں نیچر کبھی کوئی بات نہیں کرتا"۔ انہوں نے اپنی تعریف پر مسکرا کر کہا۔

"یہ بھی کہنے کی بات ہے"۔ ماہین نے دل میں کہا۔

"ہاں مگر وہ میرے ساتھ باہر جاتا رہتا ہے۔ اس کی پسند کی شاپنگ کرا دیتا ہوں"۔ انہوں نے اسی انداز میں جواب دیا۔

ماہین کو اس تھرڈ ڈگری ٹریٹمنٹ کے بعد قدرے خفت سی محسوس ہوئی۔

تین سوٹ ایک فراک ایک ٹاپ بھی پیک کر کے وہ لوٹ آئے۔

"نظر یا ہیں، سب کچھ ان کی پسند کے مطابق ہو گئے۔ آپ گاڑی میں رکھوا دیں گی؟" وہ گاڑی کی

سائڈ رکھ لیتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئے۔

"جی بے فکر رہیے بہت اہم ہے بس چار پانچ منٹ لگیں گے"۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

یاور علی خان نے اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ ماہین پیچھا ہٹ گئی۔

فضل شاہ نے اندر جا کر انہیں کے بتانے پر وہ سیدھے ہی آ گئے تھے۔ چہرے پر فکر مندی چھائی ہوئی تھی۔ ان کی اندرونی الجھنوں کا مظہر تھیں۔

"آپی آفیشل پارٹنر؟" ماہین نے سر کی تکلیف کے پیش سے پوچھا۔

"ہاں۔ پارٹنر تو ہوں گی۔ بخشش بھی تو خوب مل رہی ہے"۔ وہ گاڑی روکتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"آپ کہاں جائیں گے؟" اس نے بات کا رخ موڑا۔

"کہیں نہیں اس گھر جائیں گے"۔ انہوں نے اسی اکھڑے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

ماہین نے بیٹ کی پشت سے ٹیک کر سکون سے آنکھیں موند لیں۔

وہ اس روپ سے خوب واقف تھی۔

"میں نے آتے ہوئے آپ سے کہا تھا کہ کوئی ضروری بات کرنا ہے آپ سے آپ کو یاد ہے؟"

انہوں نے مکمل پر گاڑی روکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

ماہین نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"مجھے یاد ہے"۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ مخمل کر رہ گئی۔

"دراصل میں بہت دنوں سے الجھا ہوا ہوں آپ کنارہ چاہتا ہوں"۔

وہ سٹیئرنگ پر نظر جمائے ہوئے بہت دھیمی آواز میں مخاطب تھے۔

"جی۔۔۔ جی ضرور کہیے"۔ وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں"۔

مخمل کھل گیا تھا گاڑی آگے بڑھی تھی۔

ایک لمحے کو ماہین کے سامنے حواس تاریک کر دیئے۔ ظاہر ہے اس کے حصے تو کوئی بات نہ تھی مگر پھر بھی دل کے کسی گوشے سے ایک چبھن سی گزر گئی تھی۔ اس احساس سے تو یہ "بہر حال تھا۔ اسے آنے والے لمحات سے خوف آنے لگا۔

"یہ تو کوئی بری بات نہیں اگر چہاں برجن فیملی میں خاص نا محرم ہو گی"۔

اس نے بہت سوچ بچار کر یہ تاثر اختیار کیا۔

"ہاں مگر وہ اس فیملی کا فرد نہیں ہے"۔ انہوں نے دو ٹوک کہا۔

"تو کر لیجئے"۔ اس نے تھوک نگلا گویا مخمل حلق سے نیچے اتارا ہو۔

مخمل بچھ گئی تھی۔ وہ ایک شخص سے ہمدردی پر مشتمل کا پابند تھا اور وہ ہیں وہ اس سے ہمدردی کا طلب گار تھا۔ کچھ

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بابا"۔ انہوں نے پیر دھو کر اس کی سمت دیکھا۔

"مگر امی کیا رول ادا کر سکتی ہوں"۔ وہ کرسی کو سنبھال رہی تھی۔

"آپ کا تو بڑا لمبا رول ہے"۔ ان کے انداز میں بہت معصومیت تھی۔

ماہین کا دل ایک عجیب سے جذبے سے لبریز ہو گیا۔

"بابا صاحب بڑی یاد آتے تھے۔ جب میں اور دادی جان سے دور ہو گئے تھے"۔

"انہوں نے آپ کے نام سے ایک پیالہ لیا ہے"۔ وہ نارمل سے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"جی... میرے نام"۔ اس نے بے ساختہ ان کے چہرے کی سمت دیکھا۔

"انہوں نے آپ سے معلوم کیا ہے آپ میرے یہاں کی محبت میں کتنا آگے بڑھ چکی ہیں؟" بات ختم ہو گئی۔

ماہین چند لمحے خاموش رہی جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔ یاور علی خان بہت سکون سے اسے دیکھ رہے تھے، اس کے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔

"محبتوں کو ایکسپلین کرنا بالکل بھی اچھی بات نہیں ہوتی"۔ آخر کار اس نے زبان کھولی۔

"محبت ساری وجوہات سمجھ کر کسی رشتے کی بنیاد نہیں بنتی ہیں۔ کچھ وجوہات ایسی ہوتی ہیں جو ایکسپلین کرنے کی ضرورت ہوتی ہیں۔ اور محبت بہت ہی کمزور ہوا کرتی ہے"۔ یاور علی خان نے سمجھنے والے انداز میں کہا۔

"وہ محبت جو مجھے یہاں لے آئی ہے؟" ماہین نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"اس کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے"۔ بے ساختہ جواب آیا۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔

"کمال کی ذہانت رکھنے والا شخص دوسروں کے خوابوں پر بھانے کیلئے ذرا محنت نہ کرتا یہ ناممکن سی بات تھی۔ لیکن اور غلط اور نظر کو فوراً فضول کا کام نہ سمجھا جاتا ہو۔ اس کی طرف سے اس طرح کا انداز اور جواب حواس معطل کر گئے تھے۔ توجہ کیا جائے۔

خاصی دیر گاڑی میں خاموشی پھیلی رہی۔ وہ اپنے اعصاب پر سکون کرنے کی کوشش میں لگی رہی اور تھوڑی دیر میں کامیاب بھی ہو گئی۔

"آپ یہاں کر چکی ہیں سے تو زیادہ اہم تھا"۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بابا کا کوئی آنا دہی ہوا کرتا ہے۔ ابھی تو آغاز کیا ہے بابا آگے آگے ہیں ہوتے ہیں آپ کے ہم سے کو ہونے کا ہو گئے ہوئے خاصا ہوں"۔ انہوں نے ہلکی سی نظر اس کے پریشان سے چہرے پر ڈالی۔

"ابھی تو خیر آپ کی توجیہ کر سکتی ہیں کہ محبت سے بچے کی وجہ سے پیار کر چکے ہیں۔ جس کو بھلا دینا کر دینا ہی ممکن ہے"۔ ان کی سمجھ میں کوئی عقل واضح نہیں ہوا تھا۔

"پھر"۔ اس نے سر جھکا کر پوچھا۔

"پھر کیا اس سے تو ساری صورتحال واضح ہو جاتی ہے اور آسانی سے جواب دیا جا سکتا ہے تو ان کی ہو جائے گا۔"

ماہین سر جھکائے خاموشی سے کچھ سوچتی رہی۔

"اگر جواب آپ کی خواہش کے مطابق نہ ہوا تو آپ کی جاگیر واران اور اسرار نہ کو شدید ہولناک پہنچے گی"۔ ماہین نے نامے پر سکون انداز میں ان سے کلام کیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ اشتعال کا رد عمل ٹھیک نہیں ہوتا ہے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں"۔

"میں اس وقت کی کسی طرح کی پریشان میں نہیں ہوں۔ بابا آپ کا انتظار کر رہے ہیں"۔

"میں کر سکتا ہوں"۔ یاور علی خان نے اس کی طرف ایک لفافہ بڑھایا۔

"یہ آپ سے بہتر کون کہہ سکتا ہے۔ جو اس بچوں کے باپ سے شادی کیوں کی؟ سمجھ کر اوقات سمجھ رہا تھا۔ مگر کوئی حقیقت ہے یہ... اور... وہ"۔ یاور علی خان بہت گہرے ہو گئے تھے۔

"مجھے میں ایسا حسب نسب کتاب کھلی ہوں۔ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں۔ وہ تمام معاملات جو انسان کی زندگی پر مستقل اثرات ڈالتے ہوں انہیں دنیا یا زمانے کے حوالے کر دینا چاہئے۔ آگی کی بھی نہیں ہوں کہ دوسروں کے ذریعہ کر دیا جائے کروں"۔

ماہین کا بابا صاحب پر یاور علی خان کے بارے پر نظر آیا۔

"جواب کیلئے میں آپ سے ابد تک نہیں کروں گا بلکہ بابا صاحب آپ سے اور ضرورت پڑی تو خود ان سے بات کریں گے"

"آپ کو ڈر لگے گا؟" وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"ڈر تو سب کو لگتے ہیں۔ اب تو صرف اپنے آپ سے ڈر لگتا ہے"۔

وہ کسی گہرے خیال سے چونک کر رہ گئے۔

ماہین ہر طرح سے خود کو پر سکون کر چکی تھی۔ اس میں یاور علی خان کا بھی خاصا حصہ تھا۔ انہوں نے آگی کی بڑی بات جس سے کی تھی۔ اس کا اندازہ ماہین پہلے سے نہیں کر سکی تھی۔

اس نے ڈبڈبائی نظروں سے یاور علی خان کو دیکھا۔ انکو فوراً ہی سامنے بیٹھے لگی۔ اسے ان کے پیار اور شفقت بھرے انداز سے رونا سا آ گیا تھا۔

وہ اسے خود اس سے مل لینا جان محسوس ہو رہے تھے۔ اسے بات کرنے کی خواہش بے ساختہ ہو رہی تھی

شام گہری ہو رہی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر پیک کالیں کا سوچ رہی تھی۔ کیا کہے گا کہ اس کا سوچ رہی تھی۔ بات کرنے کے بعد بیٹھ گئی۔ لیکن اسے وہ سیاہ لباس کا نوجوان یاد آیا۔ جس نے اسے ہاتھ میں خود کو دیکھا۔ اسے اس کا خوبرو چہرہ یاد آیا۔ اس کی نظر آئینے

کوار کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دہلیز سے اندر جھانکی تو اندر سے لپک کر کتا باہر نکلا اور سامنے کی روش پر کھڑے ہو کر بھونکنے لگا۔

دھڑ سے دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونک کر دروازے کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

ہاری کو سامنے پا کر اس نے کان کھڑے کر لئے اور دم ہلانی شروع کر دی۔ روشی کتے کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گئی اور دروازے سے باہر نکلتے ہوئے ایک لمحے کو رکی۔

"کھوکھر! ہم چلتے ہیں۔ کوئی پوچھے تو کہہ دینا ہم آئے تھے۔" ہاری نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی مگر خاموش رہا۔

"بڑی آئی کہیں کی، پیچھے پتا نہیں کیا کہہ گئی ہے۔" بے چارے نے بڑی سادگی سے تبصرہ کیا تھا۔

روشی نے دانت کچکچا کر اس کی سمت دیکھا۔

"ہاری! اسے سمجھا دینا۔" اس نے تنکی سے کہا اور دروازے سے باہر نکل کر بہت بڑے ویران احاطے میں آ گئی۔

قدرتی طور پر ہاری سمجھ چکا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ عجیب سی الجھن اس کے چہرے سے جھلکنے لگی تھی۔ وہ کھوکھر سے بات کر رہا تھا۔

روشی چلتے چلتے فوراً ہی ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ جھومر نندی بلیو کرتے اور جگ پاجامے پر کڑھائی دار دوپٹا سنبھالتی ہوئی بالکل آخری کوٹھری سے باہر نکلی تھی۔ اور باہر تالا لگا رہی تھی۔ تالا لگا کر اس نے چابی اپنے گریبان میں ڈالی اور بڑی بے نیازی سے بلکہ خود اعتمادی سے اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔ روشی پر نظر پڑتے ہی اپنی جگہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم۔" روشی نے بڑی رسمیت کا مظاہرہ کیا۔

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہو؟"

جھومر نے جس شان بے نیازی سے حال دریافت کیا تھا۔ وہ بالکل ویسا انداز تھا، پہلے جیسا۔ قدرے حیرانی اور بہت مشتعل انداز نہیں تھا۔

"کیسے آنا ہوا؟"

"جیسے آتی ہوں۔" اس کی نظریں اس کوٹھری کی طرف گئی ہوئی تھیں جہاں جھومر تالا لگا رہی تھی۔ "تو ہم باتیں کرتے ہیں۔" جھومر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"ہاں، مجھے آنا ہی تھا اسی لیے ہوں۔ بشیر بھائی ہسپتال سے آ گئے؟" روشی جھومر کے پیچھے چل پڑی۔

"ارے کہاں، ابھی تو قسمت ہمارے ساتھ ہے۔" جھومر نے قہقہہ لگایا۔

روشی نے تعجب سے جھومر کی شکل دیکھی۔ اس سے قبل اس نے کبھی قہقہہ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"کہاں گئی تھیں آپ؟ اور اتنا ہیلی کاپٹر کیوں؟" اس نے قدرے ناگواری سے پوچھا۔

"آپ سے مطلب؟ میں جو بھی کروں، جہاں بھی جاؤں، آپ کو کیا؟" جھومر تلملائی۔

"میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ آپ کو برا لگا تو معاف کر دیں۔" روشی نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"میں تو ایسا کچھ نہیں کہہ سکتی۔" جھومر نے دروازہ کھلا اور روشی اندر داخل ہو گئی۔ روشی نے اس کے پیچھے پیچھے جانے سے جواب دیا۔

"کیوں تو ایسا کیوں نہیں؟" جھومر ٹھٹک کر کمرے میں داخل ہو کر جوتے اتارنے لگی تھی۔ روشی اور بے چین ہو گئی۔ جوتے اتار کر وہ پلنگ کے بیچ میں لیٹ گئی۔

"کیا خاطر ہیں آپ کی؟ بشیر بھائی کا شکریہ ادا کریں۔ کیا آپ تصور کریں گی کہ آپ کو ان قاتلوں کے ہاتھوں سے بچا لائے؟" وہ ایک خوبصورت ادا کے ساتھ کرسی کھینچ کر جھومر کے بستر کے قریب لاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ساری سوتنیں تو دل کی ہوتی ہیں۔ ظفری سوجھ بوجھ والا تو ایک تنکا بھی پہچان جاتا ہے۔" اس نے قدرے تلخی سے کہا۔

"آپ ظفری بھائی کے بجائے کس کو اس کمرے میں دیکھنا چاہیں گی؟" روشی نے سمرے کا آغاز کیا۔

"بڑا خوبصورت جواب ہے میرے پاس۔ خوبصورت اس لیے کہ اس کا دھیان میں آنا ہی سب سے بڑی خوبصورتی ہے۔ سانس تک خوبصورت ہو جاتی ہے۔"

وہ یوں مسکرائی جیسے گدگدی ہو رہی ہو۔

"ہیم۔ ہیم۔ جھومر بھابی! آپ شادی نہ دیں، یہ سب آپ کو سونے نہیں گا۔" روشی کے لہجے میں ہلکی آنچ تھی۔

"تم نے پڑھا یا خبر اکاح؟" جھومر نے استہزائیہ انداز میں دریافت کیا۔

"کسی نے تو پڑھا یا ہوگا۔" روشی نے تلخی سے کہا۔

"چلو میرا نکاح تو کسی نے پڑھا یا دیا ہوگا۔ ظفری کو نکاح کے بچے آتے ہیں۔ کس قدر خوفناک ہو تم لوگ۔ مخلوقوں نے تمہاری آنکھوں پر کتنے موٹے پردے ڈال رکھے ہیں۔ سوچ کر بھی شرم آتی ہے۔" جھومر نے بھی اس بار تلخی اختیار کی۔

"مگر شادی کا جبر پریس ہوتا ہے، آپ اسی پریس سے اسی علاقے سے گھر میں آئی ہیں۔" روشی نے اسے جواب دیا۔

"تو۔ تو۔ نکاح دو افراد کے باہمی خوش دلی اس تولیت کے عمل کا نام ہے۔ جس کے ہوش و حواس ہی مختل ہوں اس کا نکاح کیسا؟" جھومر نے تنک کر روشی کی آنکھوں میں جھانکا۔

"مگر ہوا کچھ ہوا؟ آپ کے گھر والوں کی رضامندی سے ہوا۔ کسی نے آپ کی ہتھیلی پر سرسوں اگا تو نہیں رکھا تھا۔" روشی نے ماتھے پر بل ڈال کر سوال کیا۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

"اس سے بڑا بھی ایک مسئلہ ہے جو ہمیں درپیش ہے۔ اسے روکیے۔ ہمارے راستے میں حائل ہونے سے پہلے اس کا بندوبست ہونا ضروری تھا۔ کوئی وکیل مدد تو نہیں کر سکتا ہے۔ ہتھیار ڈالنے کے لیے کہہ سکتا ہے۔ ہتھیار ڈالنے کی صورت میں کم از کم ہم اپنی جان بچا سکتے ہیں۔ ہمارے کام آ سکتا ہے۔ روکیے۔ اس وقت کوئی اس سے پیچھے کر کیا فائدہ ہوا ہے تو وہ ہمارے راستے سے ہٹ سکتا ہے۔ روکیے کو فائدہ ہے۔" مجھور اس پر چلائی۔ اس کی آنکھوں میں لی چیز نے تھی تھی۔

"اتنا تو ہم انہوں نے مجھ سے اب کے بعد سے ہوا تھا۔ بے چارا کیا کرتا؟" مجھور نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"اب آپ ہتھیار ڈال چکی ہیں تو پھر اس بحث کا مطلب؟ اپنی سے کام ہے اور جس راستے پر آپ قدم بڑھا رہی ہیں وہاں اور تک اگ سے بچے ہیں۔ کیوں خود پر ظلم کر رہی ہیں؟" روشی نے سمجھوتے سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہتھیار تو ڈال دیے تھے مگر قید خانے کے قیدیوں ہی میں معرکہ شروع ہو گیا ہے۔" مجھور نے محرومانہ انداز میں چھت کی طرف دیکھا۔

"دشمن کو ادھر ادھر بھی کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جس حلقے میں جان زیادہ خطرے میں ہو وہاں پر چوٹیں لگوانے کا فائدہ؟"

روشی نے تاسف آمیز انداز میں اسے سمجھایا۔

"وکیل اچھا مل جائے تو معاملے میں جان پڑ سکتی ہے۔" مجھور مسکرائی

"مگر آپ کو اس ماحول میں اچھا وکیل کبھی نہیں مل سکتا۔" روشی نے اس کو امکان سے آگاہ کیا۔

"تم بن جاؤ۔" مجھور نے ایک لمحہ اس سے معاملات طے کر لیں۔

"وکیل بن سکتی ہوں مگر وکیل استغاثہ وکیل صفائی نہیں۔" روشی نے بے زاری سے جواب دیا۔

"کیوں بھلا تمہارا کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ تم تو بہت آگے تک جا سکتی ہو۔"

"یہ بات نہیں۔ میں صرف یہ سمجھانے آئی ہوں کہ اپنی زندگی کو طوفان کے حوالے نہ کریں۔ اس لیے کہ تجھ حاصل نہ ہو گا۔"

روشی نے اس کی بات کاٹ کر بہت سرد مہری سے جواب دیا۔

"مجھے اپنے معاملات طے کرنے دیں۔ مجھ سے مدد کی نہ کریں۔" مجھور نے تیکھے لہجے سے جواب دیا۔

"یہ صرف آپ کے معاملات نہیں ہیں۔ آپ کی وجہ سے کوئی اور بھی مشکل میں پڑ سکتا ہے۔" روشی نے رکھائی سے کہا۔ جیسے اب اس سے برداشت نہ ہو رہا ہو۔

"وہ تو پہلے ہی مشکلوں میں ہے اور پھر میں مدد صورت بھی نہیں۔ ہوں اسے کوئی مدد تو نہیں ہو گی۔"

"مسئلہ ہے کیا؟ آپ ہے؟ اصل واقعات سے کوئی اچھا طرح واقف ہے تو اس کی یہ صرف صدمے میں مرتی ہے۔"

"وہ تو انسان کی سمجھ میں نہیں آتی تو کوئی اسے کیوں اچھا گلتا ہے۔ کہاں ہوتا ہے۔"

روشی نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

"اچھا! تمہارے پیچھے تو پولیس کی جیپ کھڑی ہے۔ کون ہے وہ؟" مجھور فوراً اسے سمجھ گئی۔

"ہے کوئی۔" روشی نے مختصر سا جواب دیا۔

"ہے تو کوئی خاص۔ تبھی تو تمہیں یہ سہولت ملی ہے۔" مجھور الجھ کر بولی۔

روشی خاموش رہی۔

"مرنے والی ہے؟" مجھور نے صاف سوال کر ڈالا۔

"ہوں!" روشی نے صرف "ہوں" کہنے پر اکتفا کیا۔

"کون ہے؟" مجھور اس کی طرف جھک آئی۔

"نہیں۔" روشی نے دوٹوک انکار کیا۔

"مگر تمہاری کے سارے لڑکے ہی تمہارے کزن ہیں سوائے جوزف کے۔" مجھور الجھ کر بولی۔

"مجھ لیں آپ وقت آنے پر پتا لگ جائے گا۔" روشی نے خفگی سے کہا۔

"مگر روشی! تمہاری تو منگنی ہو چکی ہے۔" مجھور کو یاد آیا تو اس نے چونک کر روشی سے سوال کیا۔

"جس طرح آپ نے اپنا نکاح نہیں مانا ہے اسی طرح میں اپنی منگنی نہیں مانتی۔" روشی نے برجستہ کہا۔

"بغاوت کرو گی؟" مجھور مسکرائی۔

"اتنی دیکھ رہی ہے آپ۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"وہ بھی نہیں چاہتا ہے؟" مجھور نے سوال کیا۔

"ابھی میں اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔ اس وقت تو میں آپ کو سمجھانے آئی ہوں۔ وہ اس لیے کہ ہو گا کچھ نہیں مگر کوئی خواہ مخواہ مارا جائے گا۔" روشی نے خود بات کا رخ بدلا۔

"تمہیں اس مارے جانے والے سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ تمہاری کا ہے۔" مجھور نے بے زاری سے دوبارہ پلٹتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے خیال میں آپ نے جس بے مثال لگن سے بدلہ لینے کا کوئی فرد آپ میں اس طرح کا اجنبی نہیں ہے۔ وہ اس لیے کہ موت کی سزا ہیں۔ خواہ آپ تسلیم کریں یا نہ کریں۔" روشی نے بانہیں پھیلا کر دہائی سے کہا۔

"تم مجھے عقل سمجھا اس لیے کہ تمہیں کچھ پتا ہی نہیں۔" مجھور ہنسی۔ بے ساختہ ہنسی مسکرائی۔

"کیا نہیں پتا؟" روشی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"کچھ نہیں۔" مجھور آنکھیں موند کر مسکرائی جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

"اس سے بڑا بھی ایک مسئلہ ہے جو ہمیں درپیش ہے۔ اسے روکیے۔ ہمارے راستے میں حائل ہونے سے پہلے اس کا بندوبست ہونا ضروری تھا۔ کوئی وکیل مدد تو نہیں کر سکتا ہے۔ ہتھیار ڈالنے کے لیے کہہ سکتا ہے۔ ہتھیار ڈالنے کی صورت میں کم از کم ہم اپنی جان بچا سکتے ہیں۔ ہمارے کام آ سکتا ہے۔ روکیے۔ اس وقت کوئی اس سے پیچھے کر کیا فائدہ ہوا ہے تو وہ ہمارے راستے سے ہٹ سکتا ہے۔ روکیے کو فائدہ ہے۔" مجھور اس پر چلائی۔ اس کی آنکھوں میں لی چیز نے تھی تھی۔

"اتنا تو ہم انہوں نے مجھ سے اب کے بعد سے ہوا تھا۔ بے چارا کیا کرتا؟" مجھور نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"اب آپ ہتھیار ڈال چکی ہیں تو پھر اس بحث کا مطلب؟ اپنی سے کام ہے اور جس راستے پر آپ قدم بڑھا رہی ہیں وہاں اور تک اگ سے بچے ہیں۔ کیوں خود پر ظلم کر رہی ہیں؟" روشی نے سمجھوتے سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہتھیار تو ڈال دیے تھے مگر قید خانے کے قیدیوں ہی میں معرکہ شروع ہو گیا ہے۔" مجھور نے محرومانہ انداز میں چھت کی طرف دیکھا۔

"دشمن کو ادھر ادھر بھی کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جس حلقے میں جان زیادہ خطرے میں ہو وہاں پر چوٹیں لگوانے کا فائدہ؟"

روشی نے تاسف آمیز انداز میں اسے سمجھایا۔

"وکیل اچھا مل جائے تو معاملے میں جان پڑ سکتی ہے۔" مجھور مسکرائی

"مگر آپ کو اس ماحول میں اچھا وکیل کبھی نہیں مل سکتا۔" روشی نے اس کو امکان سے آگاہ کیا۔

"تم بن جاؤ۔" مجھور نے ایک لمحہ اس سے معاملات طے کر لیں۔

"وکیل بن سکتی ہوں مگر وکیل استغاثہ وکیل صفائی نہیں۔" روشی نے بے زاری سے جواب دیا۔

"کیوں بھلا تمہارا کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ تم تو بہت آگے تک جا سکتی ہو۔"

"یہ بات نہیں۔ میں صرف یہ سمجھانے آئی ہوں کہ اپنی زندگی کو طوفان کے حوالے نہ کریں۔ اس لیے کہ تجھ حاصل نہ ہو گا۔"

روشی نے اس کی بات کاٹ کر بہت سرد مہری سے جواب دیا۔

"مجھے اپنے معاملات طے کرنے دیں۔ مجھ سے مدد کی نہ کریں۔" مجھور نے تیکھے لہجے سے جواب دیا۔

"یہ صرف آپ کے معاملات نہیں ہیں۔ آپ کی وجہ سے کوئی اور بھی مشکل میں پڑ سکتا ہے۔" روشی نے رکھائی سے کہا۔ جیسے اب اس سے برداشت نہ ہو رہا ہو۔

"وہ تو پہلے ہی مشکلوں میں ہے اور پھر میں مدد صورت بھی نہیں۔ ہوں اسے کوئی مدد تو نہیں ہو گی۔"

"مسئلہ ہے کیا؟ آپ ہے؟ اصل واقعات سے کوئی اچھا طرح واقف ہے تو اس کی یہ صرف صدمے میں مرتی ہے۔"

"وہ تو انسان کی سمجھ میں نہیں آتی تو کوئی اسے کیوں اچھا گلتا ہے۔ کہاں ہوتا ہے۔"

روشی نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

"اچھا! تمہارے پیچھے تو پولیس کی جیپ کھڑی ہے۔ کون ہے وہ؟" مجھور فوراً اسے سمجھ گئی۔

"ہے کوئی۔" روشی نے مختصر سا جواب دیا۔

"ہے تو کوئی خاص۔ تبھی تو تمہیں یہ سہولت ملی ہے۔" مجھور الجھ کر بولی۔

روشی خاموش رہی۔

"مرنے والی ہے؟" مجھور نے صاف سوال کر ڈالا۔

"ہوں!" روشی نے صرف "ہوں" کہنے پر اکتفا کیا۔

"کون ہے؟" مجھور اس کی طرف جھک آئی۔

"نہیں۔" روشی نے دوٹوک انکار کیا۔

"مگر تمہاری کے سارے لڑکے ہی تمہارے کزن ہیں سوائے جوزف کے۔" مجھور الجھ کر بولی۔

"مجھ لیں آپ وقت آنے پر پتا لگ جائے گا۔" روشی نے خفگی سے کہا۔

"مگر روشی! تمہاری تو منگنی ہو چکی ہے۔" مجھور کو یاد آیا تو اس نے چونک کر روشی سے سوال کیا۔

"جس طرح آپ نے اپنا نکاح نہیں مانا ہے اسی طرح میں اپنی منگنی نہیں مانتی۔" روشی نے برجستہ کہا۔

"بغاوت کرو گی؟" مجھور مسکرائی۔

"اتنی دیکھ رہی ہے آپ۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"وہ بھی نہیں چاہتا ہے؟" مجھور نے سوال کیا۔

"ابھی میں اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔ اس وقت تو میں آپ کو سمجھانے آئی ہوں۔ وہ اس لیے کہ ہو گا کچھ نہیں مگر کوئی خواہ مخواہ مارا جائے گا۔" روشی نے خود بات کا رخ بدلا۔

"تمہیں اس مارے جانے والے سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ تمہاری کا ہے۔" مجھور نے بے زاری سے دوبارہ پلٹتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے خیال میں آپ نے جس بے مثال لگن سے بدلہ لینے کا کوئی فرد آپ میں اس طرح کا اجنبی نہیں ہے۔ وہ اس لیے کہ موت کی سزا ہیں۔ خواہ آپ تسلیم کریں یا نہ کریں۔" روشی نے بانہیں پھیلا کر دہائی سے کہا۔

"تم مجھے عقل سمجھا اس لیے کہ تمہیں کچھ پتا ہی نہیں۔" مجھور ہنسی۔ بے ساختہ ہنسی مسکرائی۔

"کیا نہیں پتا؟" روشی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"کچھ نہیں۔" مجھور آنکھیں موند کر مسکرائی جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

www.Paksociety.com

روشی بہت گہری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"پھر بھی"۔۔۔ روشی مضطرب ہو رہی تھی۔

"کیا ہوں بھی کچھ نہیں۔ بس یہ کہ مجھے اس کی معصومی کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس کی گرفت کمزور کیے طرف دھیرکا نشان ہے۔ مجھے اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ ہمیں میں کسی اسے یہ الم ناک خبر سنانا ہوگی۔ اسے یہ تکلیف ہوگی"۔

روشی کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ وہ ایک ٹک جھومر کا چہرہ دیکھے گئی۔

اس نے تو آج تک اس کی آنکھوں پر سے گہرے زخم کا نشان نہیں دیکھا تھا۔ جب ان رات جانے کتنی بار گزرا ہوتا ہے۔

"آپ نے کیسے دیکھ لیا؟" روشی کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"کیا؟" جھومر نے تعجب سے پوچھا۔

"زخم کا نشان"۔۔۔ وہ اندر سے بہت گھبرا گئی تھی لیکن باہر سے پرسکون تھی۔

"بھی بہت قریب سے دیکھا ہے ہم نے"۔ جھومر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بہت قریب کا تصور کر سکتی ہو تم"۔۔۔ وہ پھر کھلکھلائی۔

روشی یکلخت اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے جھومر کے حلیے میں ہلکی سی مماثلت نظر آئی کہ اچانک جھرجھری سی آ گئی ہے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا۔

"اے کھڑی کیوں ہو گئیں بیٹھو ناں"۔ جھومر نے اس کی سخت حیرانی سے دیکھا۔

"نہیں اب میں چلوں گی۔ اندھیرا شروع ہو چکی ہو گی"۔۔۔ روشی نے گھبراہٹ سے جواب دے کر آگے بڑھ کر جھٹکے سے دروازہ کھولا۔

باہر آ کر اندازہ ہوا کہ واقعی وقت بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ ہر طرف اندھیرا چھا چکا تھا۔ وہ طویل راہداری سے گزر کر سامنے ویران احاطے میں آ گئی۔

تبھی اس نے سفید شلوار قمیص میں ملبوس ہاری کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

"کیا ضرورت ہے اتنی دیر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تھوڑا آپ کو بتانے لگی لاڑی پڑھا رہا ہے۔ صدا کی ہے حرامزادی۔ وہاں کھانا لگا ہوا ہے۔ سارے ملازمین آپ کی خاطر میں مارے مارے پھر رہے ہیں"۔ وہ اس کے نزدیک آ کر بولا تھا۔

"میں کیا کروں بھیا؟" اس نے بے خوفی سے تھک کر کہا۔

"تانگہ لے کر آیا ہوں تو جھومر بھابی کے پاس ہوں"۔

"مگر وہ جو بی آپ تھوڑی دیر پہلے کر گئی تھیں"۔۔۔ مجھے بتانے میں کیا ہرج ہے آپ جلدی چلیں"۔

وہ اس سے آگے نکلے لیے آگے بڑھ کر کھوتے کے کوارٹر میں داخل ہو گیا۔ تبھی اس کی چال بے ڈھنگی سے تھی۔

کوئی کہے تو ایک بات کہوں
حسن تو خیر بے گناہ تھا ہی

سفید بال بنائے، بالوں تک ساڑھی پہنے، ڈرتی ہوئی باہر گیٹ تک آئی تھی۔

عجیب مرحومی کیفیت میں کھڑی رہ گئی تھی۔ جس کے لیے یہ بڑا عجیب وقت تھا۔

"کتنی دیر لگا دی ہے عارف بھائی؟ آپ کو یوں نہیں کرنا چاہیے"۔ اس نے دیکھا وہ بھی کیفیت میں تھی۔

"اسے بتانا ہوں تو کیونکر سنبھال نہ سکیں گی"۔

ایک بھی تو گناہ گار نہیں
یار سارا ہی شہر گیا ہوں

اس نے کھڑاتے ہوئے لہجے میں تلخی سے ہنس کر کہا۔

"اگر خان آ گئے تو کیا کہیں گے؟ آپ کو اس حال میں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا"۔ وہ فکر سے پریشان ہو رہی تھی۔

"کچھ حال آپ"۔ اس نے بگھی تھامتے ہوئے اسے سہارا دینے کی نیت سے ہاتھ بڑھایا۔

"آپ اطمینت رکھیے، میں چل سکتی ہوں"۔

دل کے دن سے ہوں آوارہ بزم کی صورت
ہوا میں بھی کوئی مجھ کو سنبھال رکھتا ہے

وہ آگے بڑھا تو ایک طرف ہٹ گئی۔ گیٹ بند کیا اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا اور ایک صوفے پر گر گیا۔

وہ دروازے میں کھڑی ہو گئی تھی اور محتاط انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس دن وہ بہت غضب ڈھا رہی تھی۔ سیاہ ستاروں بھرا جالی کا کرتا پہنے ہوئے تھی۔ اس دن اس نے بہت سے جوں کی پیے تھے۔ حویلی میں رونق تھی۔ ساری حویلی پر چراغاں ہوا تھا۔ رقص رات کیا گیا تھا۔ اس دن اس نے خود بھی اور سارے ملازمین نے بھی نئے کپڑے پہنے تھے۔ حویلی کی سجاوٹ کے لیے بھی کمرے سجائے تھے۔

تھا سراپا میرا نظر میں یوں
رنگ شام و سحر کو بھول گئے

تبھی اماں بھی آ گئی تھیں تو وہ ان کی گھوریوں پر بیچاری نے ڈرتی ڈرتی بھی تھی میں نے آپ کو دیکھا، دیکھا، یوں محسوس ہوا جیسے اماں اس کے سامنے ناچ رہا ہو۔ مجھے دیکھ کر بولی۔

"عارف آج تو ہماری رات گئے ہے عارف کی ماں کی منت کے بعد کی پہلی رات ہے۔ تم کو ہمارے ساتھ رہنا ہوگا"۔

www.Parsociety.com

تھی۔

عارف آنکھیں موندے اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے جانے کیا سوچ رہا تھا۔

"کچھ کہا تھا آپ نے اس کا؟" پائلو نے عجیب سے انداز میں دریافت کیا تھا۔

"ہاں سب سے آخر میں اس نے کہا تھا۔"

مجھے آئی ہیٹ یو سے بات

میں اسے دیکھ رہا تھا۔ "آج" کی گھٹن بڑھ گئی تھی۔

تو پھر اچانک میں اسے اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ کتنی زندگی تھی اس کی آواز میں۔ میں اپنے ہوش کھو بیٹھا تھا۔ بازنین بیگم نے مجھے آواز دے کر چونکایا کہ عارف جان کیوں پیچھے ہو؟ کھانا کھایا تم نے؟ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟ بیگم وہ بیگم۔" "آواز نین بیگم" اس نے ایک لمحہ کی ساکت لمحری تھی۔

"اس کا نام بازنین تھا؟" پائلو نے چونک کر پوچھا۔

"اسے نہیں" وہ تو اور ہے باکوں میں سے تھیں۔ اس کا نام تو اتنا خوبصورت ہے کہ آس پاس سننے والی تین لے گا بھی"۔ اس نے ایک لمحے کو آنکھیں موندلیں۔

تجھے لبوں پہ قسم کی وہ ہلکی سی لکیر
میرے تئیں میں وہ کر جھک اٹھتی ہے
ہوا "چاہ" تجھے عارض کا خیال آتا ہے
جب ظلمت میں کوئی شمع فروزاں اٹھتی ہے

"بازنین بیگم چلی گئیں اور مجھے وہیں نیند آ گئی۔ پھر میں چونک کر اٹھا تو یاد آیا کہ وہ میرا کمرہ جاہا کر چلی گئی۔ ساری تکان میں میرے کندھے پر اتر آئی تھیں۔ میں نے کہا خالم ایندیں ہم چلتے ہیں جاگتے ہیں تو آرام ہی طلب بھی جاگتی ہے "کیوں ہو گیا؟"

وہ پھر ہنس پڑی تھی۔ سادگی پر کون نہ مرتے۔

وہ بہت اداس ہو گئی تھی۔ اداسی تھی جیسے چھا رہی تھی۔ اس میں کہیں دور کوئی ہلکی سی ہوک تھی۔

"تم تو کہتی تھیں آپ نے اس کا"۔ پائلو نے وہیں کہنے کو کہا۔

"بہت سے وہم ہیں اس کے۔ روشنی کے خوف سے اندھیرا کہتی ہے۔ اجالا ہے۔"

وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

وہ انتظار کرتی رہی کہ پائلو کچھ کہے گا مگر جب بہت دیر ہو گئی تو اس نے پوچھا۔

"اب کیا سوچ رہے ہیں؟"

اس نے سر جھکا لیا اور

ہم جانے کیا سوچ رہے تھے۔ وہ بولا

"بھائی! کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" اس نے قدرے تشویش سے انداز میں پوچھا۔

"پائلو" وہ بولے کس دھیان میں تھی چونک کر بولی

"میں کہاں؟ کہیں بھی نہیں۔" عارف کی آنکھوں کے گوشے بھیگے ہوئے تھے۔

"آپ رو رہے ہیں؟ عارف بھائی!" وہ اٹھنے لگی تھی۔

"ایسی انسان ہو گر" عارف نے بے ہوشی کہا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"یہ کوئی انکی بات ہے کوئی کہ انسان رو نہ سکے" اس نے بڑی کہا دیا۔

ہمیں آج ساحل پہ رونے بھی دو
کہ طوفان میں مسکرانا بھی ہے

"کبھی کبھی ہو جاتا ہے بھائی اور اس طوفان کی زندگی میں ہم مسکراتے رہتے ہیں آپ پریشان نہ ہوں"۔ اس نے ایک طرف سے کروٹ لے لی جس کا مطلب واضح تھا کہ آپ جائیں۔

وہ خاموشی سے پلٹ آئی مگر وہ بڑی گہری سوچ میں تھی۔

اگلے دن سے وہ آنے والوں کے لیے کی پروگرامز بنانے لگی تھی۔

عربی کی لڑکیوں کی ٹیم آئی۔ ان سے معلومات کی آپ لینگ میں مصروف ہو گئیں۔ روحی کا تو دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ اداس سی رہنے لگی تھیں۔

بھی بھی وہ سیر کے لیے سرگرمیوں سے نکل کر باغ کی طرف آ جاتی تھی۔ آخری دن تھا جب اس نے دیکھا کہ وہ بے چین سے ہو رہے تھے۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ روحی کے علاوہ اس میں پارٹی خان کی تھے۔

ایک عجیب سی خوشی اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ پھر اس پارٹی کی طرح ہوتی ہوئی وہ کھانے میں آئی تھی۔

وہ ہال خان کے بہت سے آنے سے پہلے ہی ہال میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ ہال خان نے اسے کہ کر اس طرف آتے دیکھا تھا۔ ان کے اندر بھی کوئی اچھی سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"السلام علیکم۔ آئی ایم ہاپی ٹو میٹ یو" اس نے ہاتھ بڑھایا تو ہال خان نے گرمجوشی سے تھام لیا۔ ان کے اندر کا جوان بھی

اچھل پڑا تھا۔

انہوں نے ساتھ اس کے ہاتھ تھاما تھا۔ اور وہ ان کے بیٹے سے ملنے کے لیے کہہ کر پلٹ گئی تھی۔

"روحی بیٹے کوئی بات ہو گئی؟ مجھے بتاؤ تم تو بھی سے ناراض بھی نہیں ہو سکتیں"

انہوں نے اس کی پیشانی چھو لی تھی۔ وہ اس کے رویے سے بے حد پریشان ہو گئے۔

"کسی سے کوئی بھی زیادتی ناراض نہیں ہو سکتا" وہ مسکراتی لیتے ہوئے بولی۔

www.Paksociety.com

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بہت حساب دل ہے ہمارے بیٹے کا۔" وہ اس کا سر پھر کر تھپکی دیتے ہوئے بولے۔

"پھر وہ کس بات پر اداس ہے؟"

"کوئی ایک بات ہو تو کہوں۔" وہ آہ بھر کر پیچھے ہوتے ہوئے بولی۔

"کسی نے کچھ کہا ہے؟" وہ نیا بہت سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"ہوں۔۔۔ کہا۔" بظاہر وہ بہت پرسکون اور سرد محسوس ہوتے مگر اندر سے اسے بھی پریشان کر گیا تھا۔

"آپ دادی کو ہمیشہ کیلئے میرے پاس بھجوا دیں۔"

"وہاں کیا ہے؟" ان کے لہجے میں تعجب کی جھلک آئی تھی۔

"چاہے کچھ ہو۔ مگر آپ انہیں وہاں سے بلوا لیں۔ دیکھیں کاکا جان انہیں ستاتے رہتے ہیں۔"

"تمہیں اس سے کیا لینا دینا ہے۔ میں اتنی غیر اہم باتوں میں الجھا نہیں کرتا۔ وہ بیمار ہیں۔ بوڑھی ہیں۔ خاص طور پر مجھے اور تمہیں۔"

انہوں نے اپنی مخصوص سرد مہری سے قطعی حتمی کا جواب دیا۔

"یہ بھی فرمائش ہے آپ سے چچا۔ چچا سے آخر نہ کریں۔ آپ ہی سب کر سکتے ہیں۔"

"بڑی لاحاصل سی فرمائش ہے۔ ویسے تمہیں اس سے شکایت کیا ہے؟" اس بار انہوں نے بہت توجہ سے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

"بہت ساری ہیں۔ مگر آپ اتنے لاابالی تو نہیں۔ بس آپ سے محبت ہے۔۔۔" نے چاہتے ہوئے بھی اس نے خفگی سے کہہ ہی دیا۔

یاور علی خان ڈائننگ ٹیبل کے سامنے سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم کی طرف آ گئے تھے۔

"بہت ساری شکایتوں میں سے کوئی ایک تو بتا دو۔ تاکہ بات کرنے کی کوئی راہ نکلے۔"

وہ بیڈ روم میں داخل ہو گئے۔ روشی نے آگے بڑھ کر کرسیاں اور پیچھے آن کر دیں۔

"بس مجھے وہیں بلا لیں۔ اجازت نہیں ہو رہا۔" وہ اصرار کر بیٹھی۔

"ایسا دیکھیں۔ اس کیلئے تو کئی آپشنز ہیں۔ دوسرے نہ چاہتے تو کر بھی سکتا ہے۔ وہاں جانا پسند ہو تو آپ کے پاس ہری پور جا سکتا ہے۔ کسی نوٹنگ آوارہ کی دیکھ بھال کیلئے جا سکتا ہے۔ وہاں کا گھر یا باغ کسی کو فروخت کرنا ہو تو وہاں دو بار وزٹ کر سکتا ہے۔ اپنے گھوڑوں کو بھی وہاں لے جا سکتا ہے۔ کیوں؟"

وہ آپشنز پیش کر کے بہت مسرور نظر آ رہی تھی۔

"ہوں۔ مگر ایسا صاف مجھے نہیں لگتا اور بھیج سکتے ہیں مگر ایسے نہیں۔"

یاور علی خان کو اچانک دھیان آیا تھا۔ انہوں نے موضوع سے مکمل دلچسپی ظاہر کر دی اور ارادہ کر لیا

کہ۔

"وہ ان سے اب کب ملے گا۔" اس نے پوچھ لیا۔

"وہ ان سے اب کبھی نہیں ملے گا۔" انہوں نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"وہ یہاں سے صاف کے بیٹوں اور بیوی کو لے کر جا چکے ہیں۔ وہ بیمار ہیں۔ اور یہاں تک بھی آنا دشوار ہے۔ وہ یہاں آ کر اپنی آخری رسومات ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا آل اینڈ فنگ ایکٹ (Death) ہے۔ کسی بھی وقت کا منتظر ہیں۔ وہ یہی یاد کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اپنی جگہ۔ اپنی مٹی۔"

"ایسی بھی کیا مجبوری ہے۔ کیوں نے ان کی طرف سے ہے ہیں۔ ہر بیٹی کے بہ مگ ہے ہیں ہیں کہ؟" وقتی کے انداز میں بیچارگی کی جھلک تھی۔

"ہر کسی کی اپنی" یاور علی خان نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"وہ یہاں کی طرح رکھنا چاہتے۔" وہ سادہ انداز میں گویا ہوئی۔

"ٹھیک ہے۔ یہاں کی طرح رکھیں گے۔ خوش" وہ بات بیچ کے انداز میں بولے جیسے اسے بہلا رہے ہوں۔

اسی دم ملازم ان کا بریف کیس اور چھوٹا سا سوٹ کیس لئے اندر داخل ہوا۔ انہوں نے جیب سے چابی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"سوٹ کیس کھولو۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ اور سوٹ کیس کھول دیا۔

یاور علی خان اپنی جگہ سے اٹھے اور سوٹ کیس میں رکھے کپڑوں کو الٹ پلٹ کرنے لگے۔

روشی خود سے ان کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہی تھی۔

یاور علی خان نے کپڑے نکال کر اس کے سامنے ڈال دیئے۔ "امید ہے تمہیں پسند آئیں گے۔"

روشی نے جلدی جلدی کپڑے پھیلائے۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

"آپ لے آئے ہیں چچا؟" اس کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔

"ظاہر ہے۔ جو حال پسند تمہاری خالہ کی ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

"آپ کب آئے تھے؟" اس نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"صبح۔ جلدی آ گیا تھا۔" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

"ٹھیک ہیں؟" اس بار وہ ان کی طرف چلی آئی۔

"بالکل ٹھیک ہیں۔"

"آپ مجھے لے کر کیوں نہیں گئے؟" اس نے خفگی سے پوچھا۔

"تمہیں بھولی نہیں گیا تھا۔ ضروری کام تھا۔" انہوں نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"اب تو جا سکتے ہیں؟" اس نے کپڑے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"کبھی تو ہیں"۔ انہوں نے مسکراہٹ دبانے ہوئے جواب دیا۔

"خالہ تو ہاں جان کی باتیں کرتی رہتی ہوں گی۔ ہے ناں؟"

"نہیں۔ وہ باتیں بھی کرتی ہیں۔ وہ کچھ دیر ہیں۔ تو کو سنبھال لیا ہے"۔ انہوں نے مسکراہٹ دبانے کے دوران جواب دیا۔

"ہاں تھوڑی تو وہ بہت ہیں۔ میں بھی انہیں بتانا چاہتی ہوں۔ مگر بتا نہیں پاتی"۔ اس نے سادگی سے اعتراف کیا۔

"تم ایسے ہی ٹھیک ہو۔ بتانا بھی نہیں۔ مشکل ہو جائے گی"۔ یاور علی خان نے تنبیہ کی۔

"کیا وہ مشکل میں ہیں؟" اس نے معصومیت سے باپ کی شکل دیکھی۔

"نہیں۔ کیونکہ وہ بائی نیچر ایسی ہیں"۔ یاور علی خان نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے بیٹی کو دیکھتے ہوئے اس کی فراک خود سے لگا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تھینکس"۔ انہوں نے گہرا سانس لگایا۔

"جلیس میری پرامیلز تو سولو (حل) ہو گئی"۔ اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

"کیسی پرامیلز؟"

"وہ کالے بیٹے کی بہو دے ہے ناں۔ سب لڑکیاں تیاریاں کر رہی ہیں مگر میرا دھیان نہیں بٹ پا رہا تھا"۔

"کیوں؟ تمہیں ان پارہا تھا؟" انہوں نے اس کی شکل بغور دیکھی۔

"نہیں یار۔ ہیلو کانشس ہوں اپنے سوا کی"۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اوہ۔ خالہ سے کچھ کہو تو نہیں رہی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"نی الحال تو کچھ نہیں کہا"۔ وہ سوچ سے انداز میں کہہ رہے تھے جیسے ان کا ذہن حاضر نہ ہو۔

"نی۔ نی الحال کا مطلب؟" اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ یونہی بات کرتی ہو۔ ویسے تمہاری طرح کی کوئی اور بھی ہے؟" انہوں نے بات کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہی ہے۔ پاپا! آپ خالہ کو سمجھا دیں۔ وہ ہاں کیلئے ہو رہی ہوں گی۔ ہاں تو ہے کی لگا ہے ہیں"۔ وہ ان کی کوشش ناکام بنا رہی تھی۔

"بیٹا! تم جانتی ہو تو کوشش کرو ناں"۔

"انہوں نے آنے کی کچھ بھی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی"۔ اس نے بڑی بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"انہیں فیور یا تحفہ کرتی ہیں تمہیں"۔ انہوں نے ان کی تحفے کیلئے الفاظ مدد کیے۔

"بہت کچھ دیا ہے نا۔ گیا ہی ان سے بھی زیادہ کیا تھیں"۔ اس نے کپڑے سمیٹتے ہوئے کہا۔

"میں کہہ نہیں کر سکتا۔ مگر اس معاملے پر بات ہی نہیں کرنا چاہتا"۔ انہوں نے سر ہلا کر انداز میں جواب دیا۔

"پاپا۔ مجھے احساس کرنا چاہیے۔ خاندان آپ کا ہے۔ آپ کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے۔ میں نے غور سے کہا۔

"بہت زیادہ ہوتی ہے"۔ انہوں نے دھیرے سے سر ہلا کر اسے سمجھایا۔

"ولی بہتر کیلئے دیر ہی سہی۔ میں آپ کو خوشیاں لوٹا دوں گی"۔

"اچھا بتاؤ ہے۔ آپ کتنے دن کیلئے آئے ہیں؟" اس نے خود ہی بات کو موڑ دیا۔

"کل صبح چلے جاؤں"۔

"آپ پاپا وہ دن کیلئے یہاں کیوں نہیں آتے"۔

"میری یہ مجبوریاں اجازت نہیں دیتیں"۔ انہوں نے دوٹوک جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ تو نجرالی ہی ہیں۔ مگر خالہ کا جان تو ایسی نہیں ہیں۔ وہ تو کبھی ایک بات بھی نہیں بھولتے۔ صرف وہ جان سے ملتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ آپ کے پاس ہر کوئی جاتا ہے"

روشنی کپڑے سمیٹ رہی تھی۔

یاور علی خان خاموش رہے۔

"پاپا"۔

"ہوں؟"

"پتا نہیں مجھے کا جان سے اتنا ڈر کیوں لگتا ہے۔ میں ان سے بات بھی نہیں کر سکتی"۔

یاور علی خان اس مرتبہ بھی خاموش رہے۔

"خالہ کہہ رہی تھیں کہ بابا صاحب سے بڑا سا بیٹا ہے۔ آپ سے بھی لگتا ہے۔ مگر پتا نہیں ان سے تو مجھے بات کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ کبھی سامنے آ جائیں تو میں جما کر کھڑی ہو جاتی ہوں"۔

وہ اپنی بات کہہ کر خود ہی ہنس دی۔

"وہ ایسے کیوں ہیں؟ نارمل انسانوں جیسے؟" اس نے معصومیت سے استفسار کیا۔

"اب تم جا رہی ہو گی تو ماما کی سے کافی کیلئے کہنا اور کہنا میرین بھی بنا کر آئے"۔

وہ مگر بات کو یکسر نظر انداز کر دے تھے۔ روشنی کپڑے سمیٹ کر کھڑے ہو گئے۔

اس کے سرد انداز کو وہ اپنی بات نظر انداز کیے جانے پر بڑے افسردہ کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے پاپا۔ آپ آرام کریں۔ سوری فار ڈسٹربنس"۔

وہ بجھے بجھے انداز میں باہر نکل گئی۔ یاور علی خان کو بہت دیر تک سوچتے رہے۔

فجر بہت دیر سے بیدار ہوئی تھی کہ بابا صاحب کے پوچھنے کی وجہ سے

www.paksociety.com

www.Paksociety.com

یہاں سے وہاں تک انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آتا تھا۔ وہ بیسویں منزل تو ایک طرف پہلی منزل کی بھی نہیں تھی۔ روشنی نے اپنے ہونٹ کاٹے۔ وہ اس کے لیے پریشان تھا۔ جانتا تھا کہ اب اس کی ایک چیخ اگر چہ اس کی بھی نہیں تھی۔ اس کے باوجود اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ ہتھیلیوں میں چہرہ لیے وہ ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی جب اس نے دستک دی۔

"ہوں"۔ اس نے بغیر سر اٹھائے وہی بیزاری دہرائی تھی۔

دروازہ کھلا تو اس نے بغیر پلٹے صرف نظریں اٹھا کر دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

وہ بہت شلوار قمیص میں ملبوس سامنے باری تھا۔

"کون پوچھ رہا ہے مجھے؟" اس نے تلخی سے کہا۔

"کوئی نہیں"۔ اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔

"کون بلا رہا ہے؟" اس نے سابقہ انداز میں پوچھا۔

"کوئی نہیں"۔ اس کا انداز بھی ہنوز تھا۔

"پھر کیوں آئے ہو؟" اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر تلخ کر پوچھا۔

"آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔ آپ نظر نہیں آئی تھیں۔ اب تو کھانا بھی شروع ہو چکا ہے"۔

"شکریہ۔ یہ چھوٹی خیریت! اب جاؤ اور آئندہ اب خیریت بھی نہ پوچھنا"۔

باری کے فرنٹل سے چہرے پر لمحے بھر کو سایہ لہرایا مگر اگلے ہی لمحے وہ نارمل ہو گیا۔

"کوئی بات ہو گئی ہے۔ ساری دنیا چھوڑ کر اندھیرے کمرے میں بیٹھی ہیں!"

"اپنے کمرے میں بیٹھی ہوں۔ کسی کے سر پر تو نہیں بیٹھی"۔ اس نے بدستور اسی انداز میں جواب دیا۔

"آپ کے ساتھ کیا کیا ہے"۔ اس بار لہجہ سنجیدہ تھا۔

"بھوک نہیں ہے مجھے"۔

"جب باہر نہیں آ رہی تھیں تو کم از کم یہ بتا دیتیں کہ کیوں بیٹھی ہیں؟" آخر اس نے کہہ دیا۔

اس نے نظر اٹھا کر باری کی طرف دیکھا۔ بہت کچھ تھا۔ اس سے اظہار کرنے کو۔ مگر کس سے کرتی۔ کس کے سامنے روتی۔ کس کے سامنے اپنا دکھ بیان کرتی۔ وہ جو کچھ تھا اس کا اپنا تھا۔ اس کے اپنے اندر کی بھیانک تاریکی تھی جس کا اندازہ صرف وہ لگا سکتی تھی۔ کوئی اور نہیں۔

اس نے بے ساختہ نظریں جھکا لیں۔

"تمہاری طرح کوئی بھی میرے کمرے میں آ سکتا ہے۔ ہمارا دل سے گھر بھرا ہوا ہے"۔ اس بار اس کی آواز میں سادگی اور دھیما پن تھا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کی مرضی۔ مگر اس طرح اندھیرے میں بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے"۔ وہ پلٹنے لگا تو اس نے بے ساختہ

پکارا۔ "سنیے"۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"کوئی بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں"۔ اس نے سر ہلایا۔

"کیا بات ہے؟ کوئی پریشانی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں"۔ اس نے مختصر جواب دیا۔

"مگر کیوں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"پہلے دروازہ بند کریں۔ کوئی سن لے گا"۔ اس نے تلخی سے کہا۔

وہ پلٹا۔ دروازہ بند کیا۔ پھر اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ گردن سے اوپر کا حصہ باہر لگے بلب کی روشنی میں نظر آ رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔

"اب بتائیے۔ کیا پریشانی ہے آپ کو؟" وہ اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"کھانا مجھے"۔ وہ اس کے مشابہ تھی۔ کھڑکی ہوئی۔ اور اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔ باری نے مسکرا کر ایک طرف سے

"پہلے کھانا کھائیے۔ پھر بات کریں گے"۔

نظر بچا کر ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ اس نے سر اٹھا کر باری کی طرف دیکھا۔ وہ

اسی انداز میں کھڑا تھا۔ سیاہ آنکھیں جانے کیا جانے کے لیے مسکرا رہی تھیں۔ روشنی نے جیسے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ نظریں جھکا

کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ سب پھر کیسے ہو گیا۔ یہ تو اس کے مصور بھائی کو کیسے پتا چلا؟"

وہ باہر جا چکا تھا۔ وہ بستر پر جا گری تھی۔

باری کے جانے کے بعد بھی وہ بہت دیر تک سوچتی رہی تھی۔

"تو آپ کے مطلب کے موضوعات نہیں ہیں۔ آپ اس طرح کی باتیں نہ کریں۔ بہتر ہے باہر آ جائیں۔ کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ پھر

مزہ نہیں رہے گا"۔

اس نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے شکایت کی تھی۔

"تو پہلے میرے سوال کا جواب دیں۔ پھر باہر آؤں گی"۔ وہ بھی اسی انداز میں بولی تھی۔

"کہاں لے کر گئے تھے مصور بھائی کو؟" وہ بضد انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"وہ تو اب سے پوچھ لیں۔ میں ان کے معاملات نہیں دیکھتا"۔ اس نے دو ٹوک جواب دیا۔

"میں تمہارا بھی اچار ڈالوں گی۔ اگر پھر کبھی ایسے بات کی تو"۔ وہ بلند آواز میں بولی۔

www.Paksociety.com

"تو پہلے ہی کہہ دیا ہے۔" وہ مزید ناراض ہوئی۔

"بھوپر بھائی! آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔ کس بری طرح تمہارا مذاق اڑایا ہے۔ تو سے اور ہوتے ہوئے اس نے ہمارے گھر تک پہنچا دیا ہے۔ اب اگر میں نے تمہارے منہ پر دروازہ بند کر دیا ہے تو کیا غلط کیا ہے۔ بھوپر بھائی! میں تمہاری شکل نہ دیکھوں۔"

"اوہ!" اس نے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بھوپر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

وہ اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا۔ اس نے کبھی کسی سے ایسا سب نہیں سنا تھا۔ جو ہر طریقے سے اس کے لیے ناقابل برداشت ہو سکتا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے اس کی ذمہ دار روشی ہے۔ اس کی وجہ سے ہی بھوپر کا اس سے جھگڑا ہوا

لیں۔

"لو بھئی۔ اب ہم آپس میں بھی باتیں نہ کریں۔ دنگا فساد ہو رہی ہے"۔ یہ کہہ کر وہ کاغذ اٹھا کر پڑھنے لگیں۔

"یہ عصمہ بھابی کو اتنے دنوں سے خط پر خط کون لکھ رہا ہے؟ کہیں ان کا کوئی پرانا عاشق تو نہیں ٹپک پڑا؟" ثمینہ نے شرارت سے کہا۔

"نہیں۔ ظفری بھائی کا کاغذ ہے"۔ رابی کو اس کی بدتمیزی پر غصہ آ گیا۔ "تم یہ کمرہ خالی کرو گی یا نہیں؟"

"توبہ۔ کس قدر حسین ہیں"۔ رابی نے بے ساختہ کہا تھا۔ ان سب کو ہنسی آ گئی۔

"توبہ کس بات کی؟ حسین ہونا گناہ ہو سکتا ہے۔ حسن کی تعریف کرنا تو گناہ نہیں۔ تو پھر انہیں کرنا چاہئے نا۔" ثمینہ نے شریر انداز میں کہا تھا۔

اتنے میں گلوکارہ کی پریشانی میں ان کی طرف آ گئی تھیں۔

"ارے تم نے زری کو کہیں دیکھا؟"

"نہیں۔ ہم تو سب آج ایک ہی شے دیکھ رہے ہیں"۔ رابی نے ثمینہ کا جملہ مکمل کر کے معصوم ہونے کی اداکاری کی۔

گلوکارہ نے اس کی نظر کا تعاقب کیا

"ہاں بھئی خوبرو تو دیکھنے کے لائق ہیں۔ مگر مجھے فی الحال زری کا پتہ بتاؤ"۔ انہوں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا؟ کمال ہے"۔ رابی ان کی بے نیازی پر واقعی حیران تھی۔

"قاسمی دو ہفتے اثر رہنے کے بعد ہوش و حواس میں واپس آئی ہوں"۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم لوگوں کے اعصاب بحال کرنے کیلئے مجھے کیا کچھ نہ کرنا پڑا۔ کہاں کہاں نہ بھٹکی۔ کیا کیا نہ دیکھا۔ اب تو ہر حسین چیز سے خوف آتا ہے۔ حسن کے نام سے ہی کانوں کو ہاتھ لگاتی ہوں"۔ وہ ہنسیں۔

"لاحول ولا قوۃ۔ اتنے بھی کمزور اعصاب نہیں ہیں ہمارے۔ کہ حسینوں سے گھبرا جائیں۔ ہم تو حسن کے پجاری ہیں"۔ ثمینہ نے فوراً ٹوک کر اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"چپ نہیں۔ اعداد بھی سچے ہیں۔ گھوڑا ہو یا گھوڑا ہو تو ہو کا مسئلہ ہے"۔ رابی نے استہزائیہ انداز میں رابی کے کان میں کہا۔

"لو اب اتنی بھی سے ہوں۔ نہیں ہو سکتیں۔ تو کیا ہے چاری فرینڈ پاور الیکشن سے چل رہی ہیں؟" ثمینہ نے برگشتہ ہو کر کہا تھا۔

بے ساختہ قہقہوں کی آوازیں ابھری تھیں۔

عصمہ نے عجیب حسرت آمیز انداز میں ان کی آپس کی باتیں دیکھا تھا۔

پھر ایک سرد آہ ان کے لبوں سے نکلی تھی۔

گلوکارہ شروع ہو چکی تھی۔ اس کی مترنم آواز میں محفل جھومنے لگی تھی۔ عصمہ کے عالم بے خودی میں ہاتھ بے اختیار ہی ہارمونیم پر چلنے لگے تھے۔ ایک خواب سے وہ محفل ہو گئی تھی۔ سحر ان پر چھا گیا تھا۔ وہ بھول گئی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ کس کے سامنے ہے۔ اس کے ہاتھ ہارمونیم پر چلتے رہے۔ اس کی آواز گلوکارہ کی آواز کے ساتھ مل کر ایک سماں باندھ رہی تھی۔ سامعین سر دھننے لگے تھے۔ ایک خواب سے وہ محفل ہو گئی تھی۔ سحر ان پر چھا گیا تھا۔ وہ بھول گئی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ کس کے سامنے ہے۔ اس کے ہاتھ ہارمونیم پر چلتے رہے۔ اس کی آواز گلوکارہ کی آواز کے ساتھ مل کر ایک سماں باندھ رہی تھی۔ سامعین سر دھننے لگے تھے۔

عصمہ عرش کی سیڑھی پر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ یہاں سے نیچے کا منظر واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اور اس کی نظر عصمہ کو بھی کھوجنے لگی تھی۔ ایک خواب سے وہ محفل ہو گئی تھی۔ سحر ان پر چھا گیا تھا۔ وہ بھول گئی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ کس کے سامنے ہے۔ اس کے ہاتھ ہارمونیم پر چلتے رہے۔ اس کی آواز گلوکارہ کی آواز کے ساتھ مل کر ایک سماں باندھ رہی تھی۔ سامعین سر دھننے لگے تھے۔

اسے جانے کیوں حیرت نہیں ہوئی۔ جب اس نے نیچے کے ساتھ ہاری کو آتے دیکھا۔ بس ایک لمحہ کو اس کا دل بھی زور سے دھڑکا تھا۔ پھر وہ بالکل پرسکون ہو گئی تھی۔

ہاری محفل کے نزدیک ضرور آیا تھا۔ مگر رسماً سنتے دیکھتے ہی الٹے پاؤں پلٹ گیا تھا۔ زری کو اس مرتبہ حیرت ہوئی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ہاری اس کے پاس آئے گا۔ اور اس سے گم ہو جانے کا سبب پوچھے گا۔ عصمہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تھی۔ اور گلوکارہ کی آواز میں اپنی آواز ملا کر وہ بھی گانے لگی تھی۔

زری الجھن کے عالم میں کھڑی رہ گئی تھی۔

"عصمہ بھابی! اگر آپ واقعی ہی تو کیا ہوا۔ ہاری تو بے وقوف نہیں۔ ظاہر ہے کہ کتنا پیار کرتے ہیں۔ کسی کی بھی نظر لگ سکتی ہے"۔

زری اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تھی۔ مطمئن انداز میں واپس بیٹھ گئی تھی۔

"کچھ کہے گی نگاہ آخر۔ صرف صورت دیکھ کر کسی کا صبر آزما رہا ہے"۔ اس کے دل سے ہوک سی اٹھی تھی۔

"السلام علیکم۔ آپ کون؟"

"نانی اماں۔ میں نانی بات کر رہی ہوں"۔

"وعلیکم السلام۔ میں ہری"۔ نانی کو پہچان کر عصمہ کا جملہ گلے میں ہی اٹک گیا تھا۔

"کیا حال ہے بیٹا؟ آپ کا؟"

"شکریہ۔ جی۔ بہت اچھا ہوں۔ دعا ہے آپ کی"۔ انہوں کی تجربہ کار خاتون تھی۔

"ماشاء اللہ کیسی ہے؟"

"جی۔ وہ بھی اللہ کا کرم ہے۔ ٹھیک ہے"۔

"بیٹا۔ یہ جو ہے کہ دل کی طرف سے ایک دروازہ ہے جس سے تفصیل اندر جاتے ہیں۔ اس دل کو جنت سکون اور محبت سے پر رکھنا۔ اور کچھ ایسے عقیدے کہ ہمیں اس کا کوئی اور بھی ملتے کر دیتے ہیں کہ تو کیا کہہ رہے ہیں۔ ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ ہم تو صرف اس کو جانتے ہیں۔ جو ہمارے دل میں ہے۔ اور ہمارے دل میں ہے۔ اور ہمارے دل میں ہے۔ اور

نعمان کا دھیان اس لڑکے کی طرف مبذول تھا۔ جو دوسرے کمپوزیٹر کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔

"اچھا یہ تو ہے اچھا۔ پھر۔ خدا حافظ"۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

نعمان کے ہاتھ میں ریسیور چند سیکنڈ تک جوں کا توں رہا۔

"کس کا فون تھا نعمان بھائی؟" مائرہ نے ٹرے پکڑتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔

"خان داؤد علی خان صاحب کا"۔ نعمان کے انداز میں اداسی کی ہلکی سی پرچھائی واضح تھی۔

"مائرہ چونک پڑی تھی۔ اس نے بڑی جانچتی نظر نعمان پر ڈالی تھی۔ اداسے گہری سوچ میں ڈوبا پا کر دل ہی دل میں گھبرا گئی۔

"کیا فرما رہے تھے خان صاحب؟" اس نے لب و لہجے سے خاص التفات ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں"۔ وہ اسی طرح سوچ میں گم رہا تھا۔

"کچھ نہیں"۔ مائرہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ کہہ رہے تھے انہوں نے میرے نام کوئی تفصیلی خط لکھا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں۔ خلاف انہوں نے کبھی میرے باپ کو نہیں لکھا۔ اب کیا معاملہ پیش آ گیا ہے"۔ اس کی الجھن بڑھ گئی تھی۔

مائرہ کا دل دھیرے سے سکڑ کر رہ گیا۔ پھر اسی قوت سے پھیلا۔

"چائے لاؤں آپ کیلئے؟" وہ اٹھتی ہوئی۔

"لے آؤ"۔

"ویسے کیا تمہیں خیریت نہیں ہے؟" نعمان نے اس کے بدلے انداز کو بہت محسوس کیا تھا۔ وہ بہت تعجب سے اس کا یہ انداز دیکھ رہا تھا۔ داؤد علی خان کا فون اور خدا آنا کوئی عام بات تو نہیں تھی۔

فون آنے کے بعد سے مائرہ ایک عجیب سے انتظار میں مبتلا ہو گئی تھی۔ حالانکہ نعمان تمام دن اپنے کاموں میں مگن رہا تھا۔

"دن بعد ایک مختصر سا خط نعمان کے نام آیا تھا۔ نعمان گھر پر نہیں تھا۔ مائرہ کا تجسس اسے اکسا رہا تھا کہ لفافہ چیر پھاڑ کر رکھ دے۔ اس نے لفافہ نعمان کے کمرے میں سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا اور پھر کمرے میں اب کئی کئی کام ہونے کی اطلاع دینے پر لفافہ نظر انداز کرنا اپنا کوئی ضروری کام سمجھا۔

جانے کیوں کسی کام میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ دھیان اس لفافے کی طرف لگا ہوا تھا جیسے اس میں جانے کون سا آسمان کا جواب آ جائے گا۔

شام کو نعمان گھر آیا تھا اور حسب عادت سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ مائرہ دم سادھے اس کی واپسی کی منتظر تھی۔ پھر دم یوں محسوس ہوا تھا جیسے نعمان نے اسے آواز دی ہو۔

کافی دیر گزرنے کے بعد بھی جب کچھ نہیں ہوا تو وہ بے چین سی اٹھ کر نعمان کے کمرے میں آ گئی۔ وہ بیڈ پر آنکھوں پر

بازو رکھے لیٹا تھا۔ مائرہ کو محسوس ہوا تھا کہ وہ سو رہا ہے۔ اس نے پانی گرنے کی آواز سنی تھی۔ مائرہ نے بڑھ کر لفافہ اٹھا لیا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے لفافہ کھولا اور اندر سے خط نکالا۔ خط کے الفاظ پڑھتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت در آئی تھی۔ خط کے الفاظ اس کے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ وہ بے جان سی ہو کر کرسی پر گر پڑی تھی۔

نعمان کی آواز پر وہ چونکی تھی۔ نعمان اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے خط کی طرف اشارہ کیا۔

"خط ہے"۔ مائرہ کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آئی تھی۔

"کس کا خط ہے؟" نعمان نے خط اٹھا لیا۔

"خان داؤد علی خان کا"۔ مائرہ نے بمشکل کہا۔

"کیا لکھا ہے؟" نعمان نے خط کھولا۔

"مائرہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نعمان نے خط پڑھنا شروع کر دیا۔

"مائرہ جلدی سے یوں بیٹھ گئی جیسے چلنے کیلئے تیار تھی کسی تاکید یا حکم کی ضرورت تھی۔

"بھابی؟ آپ بہت تھک گئے ہوں گے"۔ اس نے بھائی کا چہرہ غور سے دیکھا۔

"ہاں تھکن تو ہو جاتی ہے مگر رات پڑی ہے آرام کرنے کیلئے"۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"جی"۔ مائرہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"پاپا نے کام بہت پھیلا دیا ہے۔ سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خط بھی کوئی خاص نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیں تو بے جا نہیں ہے"۔ مائرہ بے صبر ہو رہی تھی۔ وہ نعمان کو اپنے کمرے میں بھیجنا چاہتی تھی۔ اکیلے میں کچھ سوچنا چاہتی تھی۔

"بھابی آپ کھانا یہیں کھائیں گے ناں؟" اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سر دبانے کی اداکاری کی۔

"ہاں آج ہم صبیحہ تک گھر پر ہی رہیں گے"۔ وہ مسکرایا۔

اس کے کسی انداز سے محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ اس میں کوئی غیر معمولی بات ہے۔ مائرہ الجھن میں پڑ گئی تھی۔

"اور کیا کرتی رہیں سارا دن؟" نعمان نے چائے کا کپ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ خط کے معمولی سے الفاظ نے اس کا آج کا دن کی سفاکی کی تھی۔ اور سفاکی ابھی باقی تھی۔

اس نے کرسی پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ نعمان نے مطمئن ہو کر چائے کا کپ رکھ دیا۔

"اچھا"۔ نعمان نے جانا چاہا۔ پھر جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

www.Paksociety.com

"اب وہ بولی جارہی ہے کہ بیٹی کو رخصت کرنا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ آج بھی وہی باتیں کررہی ہیں۔" نعمان کا بہت اچھا موڈ تھا۔

"تم میری بات سمجھ رہے ہو۔" وہ الجھ کر بولی تھی۔

"کیا کہا تھا اس نے؟" وہ اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

"جلیلہ باجی کہاں رہ گئیں؟ کتنی دیر سے ہیں۔" نعمان کی آواز سنائی دی۔

"میرا دماغ ہے۔ بات مکمل ہوچکی ہے۔" وہ بھی بہت آہستگی سے گویا ہوئی۔

"مرضی تمہاری تم جانے کیوں ہی مشکل میں ہیں۔" نعمان کی آواز دھیرے دھیرے بلند ہورہی تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں بھائی۔ میں بچی نہیں ہوں۔ اور نہ ہی گھر والوں نے کسی طرح کا دباؤ ڈالا ہے۔ مجھے ہر طرح سے آسانی ہے۔"

اسی لمحے کمرے کی بیرونی سے باہر نکل گئی۔

نعمان حیران پریشان سا بیٹھا اسے دیکھتا رہ گیا۔

یہ کمرے کی دیوار نہ موتیوں کے ہار

یہ کوئی کیا سمجھے

پھر بھی کہتی سنو سنو تم۔ تم کہتی سنو سنو

ہاری ہوئی سی آواز میں گنگنا رہی تھی۔

وہ کتاب ہاتھ میں لئے چپکے سے آکر صوفے کی مسند پر بیٹھ گئی تھی اور اس کا خوبصورت گیت بھی آواز میں سن رہی تھی۔

"یہ تم نے صحیح کہا۔ وہ واقعی اتنی حسین ہیں کہ انہیں کسی سنگھار کی ضرورت ہی نہیں۔" اس نے کتاب صوفے کے پیچھے کرکے پشت سے ٹکا دی۔

ہاری ہوئی طرح چونک کر پلٹا۔ سرخ کاٹن کے سوٹ میں ملبوس سبز سے کے درمیان بھی وہ ماحول میں عجیب سی دلکشی کا باعث بن رہی تھی۔

ہاری کے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگیا تھا۔ البتہ گیت کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔

"سنگھار والے دن تو بہت ہی خوب صورت لگ رہی تھیں۔"

وہ نے چنچل ہوئی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا۔

ہاری اس مرتبہ بھی بالکل خاموش تھا۔

"مگر تم تو بہت معروف تھے۔ تم نے شاید ہی دیکھا ہو۔" سن کے جیسے تصور میں وہ دن لے آئی تھی۔

"ہاں تو پھر انہوں نے سنگھار کیا ہوا تھا۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"وہ بھابی سے کہہ رہی تھیں کہ اب تم بوڑھے نہ جاؤ۔ ملک سے باہر نہ جاؤ۔ اب مجھے نہیں معلوم تمہارا کیا ارادہ ہے۔ کیا سوچا ہے تم نے آگے کے بارے میں؟" نعمان نے اپنا مدعا بیان کرنا شروع کردیا تھا۔ وہ خاموش رہی۔

"وہ تو یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کی شادی یہیں کردی جائے پھر آپ اپنی بہن کو لے کر ہی واپس جائیں۔" وہ بولی۔

"یہی کچھ انہوں نے تمہارے بارے میں سوچا تھا مگر فرق اتنا ہے کہ وہ تمہاری بہتری کے لئے اور بھائی کے حق میں بہتر سمجھ رہے تھے۔ اور یہ خیال تھا تمہیں اپنے لائف پارٹنر کے ساتھ سیٹل ہونا چاہئے۔" نعمان نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی۔

وہ خاموش بیٹھی ناخن کھرچتی رہی۔

"ملازم علی خان صاحب کا فون آیا ہے۔" نعمان نے اس سے مخاطب کیا۔

"جی وہ میں نے فون پر بتادیا تھا۔"

"مجھے بڑی حیرت ہوئی ان کا فون دیکھ کر۔ شاید انہیں اس طرح کی بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔" نعمان نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کس طرح کی بات؟" ماہین نے انجان بننے کی کوشش کی۔

"انہوں نے بھائی کیلئے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔ ہاں تعجب کی بات؟" نعمان بہت ہی سنجیدہ تھا۔

"کیوں؟ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" اس نے بہت دھیمی آواز میں سوال کیا۔

نعمان نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ اور خاصی دیر دیکھتا رہا۔

"تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟" بالآخر وہ بولا۔

"اس سے پہلے بھی تو میرے رشتے آتے رہے تھے۔" ماہین نے اسی اطمینان کا مظاہرہ کیا۔

"مگر اس رشتے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ ہمارے بچپن کا رشتہ ہے۔ دوسرے تمہاری اور ان کی عمر میں بہت فرق ہے۔ تیسرے ہم تو ابھی تازیہ کا صدمہ حل نہیں کرپائے۔" نعمان نے دلائل دیئے۔

"تازیہ کے صدمے سے تو میں ہی آئی ہوں۔ رہی آپ کی یہ بات کہ عمروں میں بہت فرق۔" وہ لمحے کو چپ ہوگئی۔

نعمان بے تابی سے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

"ہاں ہاں بولو رک کیوں گئیں۔"

"انسان کی ایک فزیکل عمر ہوتی ہے اور دوسری ذہنی۔ میں ان سے ذہنی فرق محسوس نہیں کرتی۔" اس نے بڑے بہت مشکل سے کہا۔

نعمان خود پر قابو پانے میں بھارت نہ رکھتا تو شاید اچھل پڑتا۔ وہ اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ ماہین ہاتھ مسلتی رہی۔

"اگر کوئی کنفیوژن تھی تو مجھے آگاہ تو کیا ہوتا۔" آخرکار وہ گم صم سے انداز میں گویا ہوا۔ ماہین خاموش رہی۔

"ٹھیک ہے وہ واقعی بہت اچھے ہیں۔ اور قابل بھی بہت ہیں مگر اب میں دوسری بہن دینے کا حوصلہ نہیں ہے۔"

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

باری اور سامنے تھی۔

"شاہ نے خانِ الٰہی کے لئے کیا ہے کہ تم جس رنگ کے کپڑے پہنو وہ موسم کا رنگ تم میں اترنے لگتا ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"کیا روشنی پھوٹتی ہے اس سے۔" وہ پھر ہنسی۔

"تمہارا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔" اس کی بہت دیر سے گھورتی ہوئی باری کا چہرہ کھلا اور وہ مسکرا پڑی۔

"ویسے آج کل طبیعت کی کیا کیفیت ہے؟ صحت کیسی ہے؟ خیریت تو ہے نا؟" وہ شرارت سے ہنسی تھی۔

"ایسے کیوں پوچھ رہی ہو؟" باری کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا۔

"ایسے ہی۔ تم نے کہا تھا کہ تمہیں کچھ ہونے والا ہے۔ کیا ہوا ہے؟" وہ شرارت سے ہنسی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے۔ کیا ہونا ہے؟" باری نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ ہنستی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔

"کچھ تو ہوا ہے۔ تم نے کہا تھا کہ تمہیں کچھ ہونے والا ہے۔ کیا ہوا ہے؟" وہ اس کے قریب آ کر اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے۔ کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔" باری نے اس کے ہاتھ ہٹا دیئے تھے

www.Paksociety.com

روشنی کو لگا ایک جھماکا ہوا ہے۔ اب خاور کا آنا کیا معنی رکھتا ہے اس نے وقت گزارنے کے انداز میں اپنا سوال پھینکا۔

"خاور تو بہت بزی ہیں جواب بھی نہیں ان کا بہت سوچ سوچ کر لکھتے ہیں۔" اس نے وقت کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

"اگر ہم ایبٹ آباد کیلئے انہیں یہاں سے آئیں تو ..." وہ ابھی کچھ اور کہہ رہا تھا کہ روشنی اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"ضرور لے آئیں گے ہم آپ کے لئے بہت بڑی خوشی ہوگی مگر کیسے؟"

اچانک سے دھیان آیا تو پھیکا سا ہو کر سیدھی ہو گئی۔

"تمہارے پاپا سے اجازت کے بعد وہ ایبٹ آباد کیلئے یہاں سے نکل سکتی ہیں۔" انہوں نے اختیار سے خاطر کے اپنا سلسلہ جاری رکھا۔

روشنی کے حواس بجلی کی طرح خوشی کو لوٹ گئے۔

"پاپا تو جانے کیسے مانیں گے بغیر آپ کے ... آنے ہی نہیں دیں گے۔" وہ بجھ سی گئی۔

"وہاں کے لئے پاپا صاحب نے اجازت دی۔

روشنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور خاور؟" اس نے کسی انجانے خدشے کو اپنے آپ پر منڈلاتا ہوا محسوس کیا۔

"وہ بھی مان گئی ہیں۔" انہوں نے اپنی لاعلمی واضح سے جواب دیا۔

"تو پھر ہی کس بات کی ہے؟" خوشی حمل ہو گئی اس کا دل چاہا رقص کرنے لگے۔

"کسی بات کی نہیں اس ایک ہی پریشانی ہے وہ یہ کہ ہمارا کوئی اعتراض ہے۔" پاپا صاحب نے بڑے حوصلے سے مطلع کیا۔

"کیوں انہیں کیوں اعتراض ہے۔ کیا بھائی کو یہ احساس نہیں کہ جانے کتنی طویل مدت گزاری ہے۔ کوئی خوشی نہیں پچھلے چھ سال سے نہیں لی۔ سب لوگ رونق کے انہیں سال کو تو نہیں ہوتے۔ ایک جشن کی تمنا ہوتی ہے انہیں بھی ہر بات کے لئے ہم پر انحصار کرنا پڑے گا۔" روشنی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

پاپا صاحب نے روشنی کی شکل دیکھنے سے بہتر اپنی نظریں جھکا لیں۔ اس کا دل بھی ہمارے لئے دکھی ہو گیا۔

"بھائی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ انہوں نے لوگ بھگتا دیئے۔ ہم ایک جینے جا رہے ہیں ان سے دور کے لئے بھیجیں گے۔ بلکہ شریعت ہمارے کوئی اعتراض نہیں۔ میں بھائی سے بات کروں گی۔ انہیں ان کی ذمہ داری یاد دلاؤں گی۔" وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی۔ جانے کے ارادے سے۔

"ٹھہرو بیٹی۔" پاپا صاحب نے اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

وہ ان کے قریب آ گئی۔

"بیٹھو۔" ان کا لہجہ حکم کا تھا۔

روشنی کو لگا جیسے اس کے پاؤں میں جان نہیں رہی۔ وہ بیٹھ گئی۔ اس کا دل بہت بے چین ہو رہا تھا۔

"بیٹی ہم نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے بچوں کے درمیان کوئی بدمزگی ہو۔ ہم نے ہمیشہ ہی سب کو ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے بچوں میں ہمارے بعد

www.Paksociety.com

عارف کی تمام حسیات پر کس قسم کی کیفیت طاری ہوئی آواز کے بارے وہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ بالکل شل ہو گیا تھا۔

باہر برآمدے میں بالو چارپائی پر بیٹھا حقہ گڑگڑا رہا تھا۔ اس نے حقہ منہ سے ہٹایا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ ساتھ ہی تھکا ہوا سا انداز میں کہا۔

"لال خان نہیں آیا ابھی تک؟" اس نے چارپائی کا کپ اٹھایا مگر نظر نہیں ملائیں۔

"آ ہی جائے گا بوڑھا صاحب۔" بالو نے تسلی کرنے والے انداز میں کہا۔

عارف کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

خاصی دیر وہ گومگو کی کیفیت میں رہا۔

"آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ اب تو آپ کے پاس اس کی امانت ہے۔" عارف نے بالو کی آواز پر چونک کر دیکھا۔

"ہوئی امانت میں۔ اسے کچھ نہیں ہوا۔ اس کی امی اس لیے اتنی منت کر رہی تھی کہ اس کی شادی میں آپ بھی شریک ہو جائیں۔"

"کیا کریں گی آپ؟" عارف خود کو روک نہ سکا۔

"جی اس کی بچپن کی بات کبھی نہیں ہوں گی۔ اپنے کو باقاعدہ میرے ساتھ بیاہ دیا تھا۔ ایک کاغذ پر اس پر انگوٹھا لگا دیا تھا۔ اب وہ کاغذ کہاں ہے یہ تو پتا نہیں۔ وہ لال خان کے پاس ہی ہوگا۔"

"وہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے اور محبت کرنے والوں کو تکلیف نہیں دیتے۔" عارف نے سمجھایا۔

"محبت کیوں نہیں کرے گا اس کی تو ساری بکل آ گئی ہے۔ پانچ روپے کے کپ پر پانچ لوگوں کا انعام۔" بالو کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔

"یہ اوش کی بات نہیں ہے۔" عارف اس بار بھی کچھ نہ کہہ سکا۔

"آپ تو خود بے ہوش ہو گئے تھے۔" بالو نے طنز کیا۔

"ہمیں اوش کے متعلق پتا چلا ہے۔"

"مگر میری بے ہوشی تک ان میں کسی نے نہیں دیکھا تھا ان تک کرنے کا ایک راستہ ہے۔"

اس نے بڑے غصے سے ہوتے ہوئے انداز میں کہا

"راستہ آگ میں بھی جاتا ہے

اس نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے

"زری کی نہیں جاتی

زری جھوٹ نہیں بولتی ۔۔"

اس نے بڑے غصے سے چارپائی پر بیٹھے ہوئے کہا۔

"اس نے آپ کو بتایا ہوگا کہ اس نے کیا دیکھا ہے۔ کسی کسی کو ایسا ہوتا ہے۔ آپ آنکھ اٹھا کے دیکھیں تو سہی۔ وہ سامنے ہوگا۔ آپ کو بھی نظر آئے گا۔"

"ہاں ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ کسی کسی کو ایسا ہوتا ہے۔ آپ آنکھ اٹھا کے دیکھیں تو سہی۔ وہ سامنے ہوگا۔" عارف نے بالو کی بات دہرائی۔

"ہاں ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن وہ ہے کہاں اس وقت؟" وہ اس بار سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

"ہاں آپ اس لال خان کو گھر بلائے کی جائے یا گھر جائیے۔" بالو کو جیسے کچھ یاد آیا تھا۔

اس کے قریب ہی عارف کا بیگ پڑا تھا۔ اس کے نیچے پلاسٹک کا تھیلا دکھائی دیا۔

اس نے پھر اٹھانے کے بجائے صرف نظریں اٹھائیں اور بالو کو دیکھتا رہا۔

اس نے پھر اٹھانے کے بجائے صرف نظریں اٹھائیں اور بالو کو دیکھتا رہا۔

"اپنے ہوش و حواس میں آتے ہیں' پھر سے پہلے

بیٹھے ہوئے ہیں یہاں حق میں گھر سے پہلے

وہ کپ کو گھورتا رہا۔

"ہاں کچھ میں آج آخری دن تھا۔ گھر جانا تھا۔ سارا مزہ کرکرا کر دیا۔ اس کے لیے کچھ لے جانا تھا۔ اس نے ضد جو کی تھی۔"

"کچھ لے جانا تھا؟ آپ کے ساتھ کچھ تھا؟" عارف کو یاد آیا۔ اس کے آنے کے امکان پر تھیلے اس گھر میں رہ گئے تھے۔ اس نے بالو سے پوچھا۔

"کیا کیا تھا اس تھیلے میں؟" عارف کی سوئی ہوئی حس جاگ اٹھی تھی۔

"کچھ نہیں۔ کپڑے تھے۔ بچوں کے لیے کچھ کھلونے تھے۔ بس۔" بالو نے بتایا۔

عارف کی نظر بالو پر تھی۔ وہ بتانے میں کترا رہا تھا اور مشتبہ ہو رہا تھا۔ کچھ تو تھا۔

عارف نے نظریں اٹھائیں۔ بالو نے ان میں کترا رہا تھا۔ دیکھنے کی بجائے صرف کپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ان جان میں دوست ہوں۔ آپ کو معلوم ہے۔ کچھ تو کہیں۔ بالو کے بعد تھیلے میں اصل

"بچے کی بات کے بعد وہ گیا۔ لال خان نے سنا تھا۔ اس کی آنکھیں ایک دم سے پھیل گئیں۔ اس نے بالو کی طرف دیکھا۔ وہ مزید قہوہ کپ میں ڈالنے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

بالو نے بولتے ہوئے لال خان کو ایک نظر دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہیں آیا تھا۔ وہ پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس نے چائے کا کپ منہ سے لگا لیا۔ اس نے چائے کا کپ منہ سے لگا لیا۔ اس نے چائے کا کپ منہ سے لگا لی

www.Paksociety.com

گھر میں صرف ماہین کی وہ سہیلیاں تھیں جو پہلے بھی شادی بیاہ کے موقع پر آئی تھیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ جن سے ان کی رسموں کی ادائیگی ہوتی۔

ماہین اپنے سسرال سے آنے والے کھانے کو دیکھ کر جانے کیوں بار بار رو رہی تھی۔ دکھ کی کوئی سوا اٹھتے ہوئے پھیلی ہوئی تھی۔ کیا کیا یاد آنے لگتے ہیں۔ دوسرے سے لمحوں کی کوئی وہ خاموشی بھی بہت یاد آ رہی تھی۔

شام کے سائے سے پہلے کے قریب ولید علی خان اپنی بیوی، بیٹے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ خواتین میں ماہین کی تایا ساس اور چچا ساس بھی تھیں۔ بھائی بھی دونوں یعنی ابو اور ایسے چچا شامل تھے۔

ان لوگوں کی آمد کا سن کر ماہین کے ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے۔ وہ بہت زار و قطار رونے لگی۔

عالم تاب نور کرانی کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوئی اور وہ روتی ہوئی ماہین کو گلے سے لگا گئی۔

"جب انسان کسی بڑی خوشی سے نوازا جاتا ہے تو وہ لوگ بہت یاد آتے ہیں جو اس خوشی میں سب سے زیادہ خوش ہونے تھے۔ لیکن یہ بھی زندگی ہے۔ یوں اپنی جان ہلکان نہ کرو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ وقت تمہارے گھر کا کرم بھی کبھی نہ کبھی شانت ہو جائے گا۔"

وہ اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں صاف کرنے لگیں۔ ساتھ ہی نور کرانی کو پانی تھما کر سوت کیسے کھولنے کا اشارہ کیا۔

ماہین کی دوست نے نور کرانی کے ہاتھ سے پانی لے کر خود سوت کیسے کھولا۔

"یہ نکاح کا جوڑا پرسی رکھا ہے۔ بہت اچھی سی لگن بنا کر ماہین کو پہنا دینے تو مجھے میں ایک بار بھی کہیں لے جانے کی۔ مگر ہم نے ان سے کہا دیا ہے اب لگن کے پاس جاؤ تو مجھے میں بار صرور لے لینا۔ آخر اس کے بھی ارمان ہوں گے۔"

انہوں نے مسکرا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ماہین کی سہیلیاں اسے لگن بنانے کی تیاریاں کرنے لگیں۔ اسی دم نور کرانی نے آ کر اطلاع دی کہ لوگوں پر کوئی آئی ہے روشی آپ کو بلا رہی ہے۔ اس نے ماہین کی طرف اشارہ کیا۔

ماہین چونک پڑی۔

"کیا روشی آئی نہیں آپ سے یہاں نہیں لائے؟ عجیب لوگ ہیں۔"

"فضی لگن لو اوپر میں ہے بھائی کے کمرے میں۔ میں کیسے جاؤں؟" اس کا چہرہ دھواں دھواں ہونے لگا۔

"وہ سب لان میں ہیں۔ اوپر کوئی نہیں ہے۔ البتہ بھائی اس طرح سے بیٹھے ہیں کہ اوپر کی طرف کی سیڑھیوں سے آپ پر نظر رکھ سکتے ہیں۔"

"پھر تو میں نہیں جاؤں گی۔" اسے اچھا خاصا غصہ آ گیا۔

کچھ لمحوں کی خاموشی ہوئی۔ سب کے چہروں پر تشویش ابھری۔

"میں کہہ دیتی ہوں کہ تم نکاح پر راضی ہو مگر ساتھ جانے پر راضی نہیں ہو۔ چلو بھابی اللہ وسری طرف سے ان کو بلا لیتے ہیں۔" فضی نے اسے پیار سے سمجھایا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیں آپ کے ساتھ۔" ماہین نے کہا۔ "ایسے تماشے ہوں گے کہ حادثے کے بعد اس کی ہمت نہیں ہوگی۔ ہم بھی ساتھ ہیں۔"

ماہین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں نہیں جانتی کہ کیا ہوا ہے۔ مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔"

ماہین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ سب نے اس کے گرد حصار باندھ لیا۔

"بیٹا۔" اس کی آواز میں تھکاوٹ سی تھی۔

"ہوں۔۔۔ ن۔۔۔ السلام علیکم ابی حضور۔" ماہین کی تھکی تھکی آواز ابھری۔ ماہین کو اپنی آواز میں اجنبیت محسوس ہوئی۔

"ہائے ہاں تو تھیل ڈالنے والی کوئی چیز ہی نہیں۔ آپ نے کیسے ڈالی؟" وہ بھنک رہی تھی۔

"روشی پلیز۔" اس نے بہت دھیرے سے کہا۔

"ویسے میرے سر پر تو ہر تھوڑی دیر بعد تھوڑی تھوڑی سی ٹوٹ پڑنے سے محسوس ہوتے ہیں۔ آپ کو پہاڑ کرنے ہوئے کسی دیسے ہی لگے۔" وہ مسلسل بھنک رہی تھی۔

"تمہارے یہ باتیں کرنے کیلئے آئی ہو۔ سے کون کیا ہے؟" ماہین کبھی ہوا تو خاموش ہو گئی۔

"جی نہیں۔ آپ کا حال احوال پوچھنے اور بھابی کی طبیعت کا کہنے کیلئے فون کیا ہے۔" وہ حواس کر کہہ رہی تھی۔

"کیسی طبیعت؟" ماہین بولی۔

"پتا نہیں ہمیں کیوں نہیں بتایا۔ ہم بھی تو دیکھیں۔ ڈاکٹر ہوتے ہیں ہمارے میں۔ کیسے کہتے ہیں؟ کیا بھابی کی دل کی بیماری ہے؟" وہ بھابی اور اسی کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

"تم کیسی ہو؟ خوش تو ہو ناں۔" ماہین نے بے ساختہ اور اداسی سے پوچھا۔

"ایک دم فرسٹ کلاس۔ خوشی سے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے۔" وہ ہنسی۔

"کیا آپ لوگ بھی آئے ہیں؟" وہ کسی معصوم بچے کی طرح پوچھ رہی تھی۔

ماہین نے سر ہلا دیا۔

"نکاح ہو گیا؟" دوسرا سوال ہوا۔

"ہیپی۔۔۔ کوئی اور بات کرو۔" ماہین جھنجھلا گئی۔

"بھابی ہیلپی کوئی بات کرتے ہیں۔ یہ نہ کہیں کیسے لگ رہے ہیں؟" وہ شریر ہوئی۔

"دیکھو ماہی! تم تو ہماری کسی چال میں نہیں آتی ہو۔" ماہین کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ مچل رہی تھی۔

"اچھا۔۔۔ تو پھر آ رہی ہیں ناں؟" روشی کا تشویش بھرا انداز تھا۔

www.Paksociety.com

مائیں نے دبیز سے کہا۔ وہ لان میں بیٹھ کر سبزی کاٹ رہی تھی۔

"اب بیٹی سے حال کرو ہے تو وہ کیا حال کرے گی؟" اس کی دوست نے اس کے پھر سے کان بھرنے چاہے۔

مائیں اسے گھور کر رہ گئی۔

سحر تھی (1) میں ایک نئی کہانی کا آغاز ہو رہا تھا۔

باہر سمندر کی جو رعنائیاں تھیں اور اسے یاور علی خان کے اندر طوفان کر رہی تھیں۔ وہ اپنی چھٹی سالگرہ پر بہت خوش تھے۔ ان کی پسند کے رنگ پانی سے میں ان کی مائیں گھر کی خواتین میں گھری ہوئی تھی۔ گھر کے ملازمین کے اطوار میں بھی خوشی تبدیلی پیدا کر رہی تھی۔

یاور علی خان رونمائی میں ہیرے کا ایک تحفہ دے کر اوپر اپنی خواب گاہ میں جا چکے تھے۔

یاور علی خان اپنے ایک اہم مرحلہ وقت کے سالہ مصروف شیڈول کے باوجود مائیں پر "عالم آبی پانی نظر ڈال رہے تھے۔ جس سے سب جانتے کون کون سے قصے بیان کر رہی تھی۔ آج سے برسوں پہلے ہی تب اسی کی ایک بیٹی دلہن بن کر اس گھر میں آئی تھی۔ جس کے نرسی خواب کے کو چار ملازماؤں نے سجایا تھا۔ بے ہوش سے پہلے دولہے کو ان کی دوستیں سنبھال رہی تھیں۔ ملازماؤں اور بہنوں کی وجہ سے وہ دلہن سے خاصے فاصلے پر چل رہے تھے۔ وہ سب نے مستانی گیت گا رہے تھے۔ ملازموں نے پھول اور سکے نچھاور کیے تھے۔

ان کی والدہ نے دلہن کے گرد سے پر گھڑے ہو کر اس کی پیشانی پر بھور خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

گھر میں شور اکٹھے رقص کا کان پڑی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بچوں کا شور غل۔ نوکروں کا اور ہم خواتین کی پیاری پیاری دوستوں کے ملے جلے قسم کے گیت اور اس سے بھی بلند قہقہوں کی آواز۔

ابھی آج پارٹی نہیں چل رہا تھا کہ اس گھر میں کی دلہن آئی ہے۔ وہ خاصی پرسکون تاثر میں بیٹھی تھی۔

جبکہ وہ دلہن سسرال پہنچ کر بھی کافی دیر رو لی تھی اور کئی بار بے ہوش ہو گئی تھی۔ یاور علی خان اس کے پاس بیٹھے ہوئے گھبرا رہے تھے۔ کہ نازک مزاج دلہن کہیں اس صدمے سے جاں بحق نہ ہو جائے۔ جبکہ دلہن کے حسن کے چرچوں نے انہیں بے چین کر دیا تھا۔ ان کی آنکھوں کے ڈورے بھی گہرے سرخ ہو گئے۔ انہوں نے نگریٹ سلگا لیا۔ آنکھوں میں خوشی اور سرشاری کے بجائے عجیب سی وحشت تھی۔

وہ محفل سے اٹھ کر باہر آ گئے۔ عالم آب ان کے پیچھے پیچھے چلے۔

"کہاں جا رہے ہیں یاور؟" انہوں نے یاور علی خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر آرام کروں گا۔ یہاں بھائی جان کی اہل بھروسہ کی اطلاع نہ کرنے میں کچھ ہچکچا رہا ہوں۔"

مائیں نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"بے فکر رہیں۔ یہاں کسی کو آپ کی اطلاع نہیں ہوگی۔"

عالم آب نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ عنبری شفاف آنکھیں۔ جن میں اس نے بہت کچھ دیکھا تھا۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں آپ کے لیے کچھ کر سکتا ہوں؟" اس کی آواز سے ہمدردی ٹپک رہی تھی۔

"ہاں۔ مائیں نے اثبات میں جواب دیا۔

"کیا کہا ہے؟" عالم آب نے شرارت سے پوچھا۔

"ہاں ہم ہیں ہم۔" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

عالم آب کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"بہت کمی ہے آپ کی۔ ہو سال کی ہو گئی ہے۔" وہ بولا۔

"ہاں کوئی ہے۔ ہو سال کی ہو گئی ہے۔" وہ بولی۔

"آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟" مائیں نے اچانک پوچھا۔ عالم آب کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ کچھ کہہ نہیں سکا۔ وہ جانتا تھا۔ اس کی شادی میں شرکت کرنے کی۔ بہت شیطان ہے۔ سب سے بڑا وہ اسی سے ہی ڈرتی ہے۔ ڈرتی ہے کسی کا ہے ہی کیوں؟"

مائیں کو عالم آب کے چہرے پر گزشتہ دنوں سے اس کی خفگی بالکل ہی اڑی ہوئی تھی۔

"آپ کیسے ہوئے ڈاکٹر ملازمہ اس خفگی کو بھگا دیتے۔ کسی کو بہت ور کر گئی۔"

اس نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ نے بھیب کر کہا۔ جھگڑا۔"

"ہمیں" عالم آب نے اسے مخاطب کیا۔

"کیا؟" حیا ایک دم چونک گئی۔

"کچھ دنوں کے لیے کہ مائیں کو گھر سے نہ چھوڑ آؤں۔ اگر یاور آرام کرے تو یہ بھی آرام کریں گی۔ ٹھیک ہے نا؟"

عالم آب کو ایک دفعہ میں کی کام نمٹانے کی عادت تھی۔ ادھر سے مخاطب تھیں۔ ان کی جاں کنی کو محسوس کرنے والا شارہ کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے ابھی سر میں درد ہو رہا ہے تو کچھ دیر میں ٹھیک ہو جائے گا۔ یاور کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔"

www.Paksociety.com

اس نے ماہین کے کان میں سرگوشی کی۔

ماہین کے چہرے پر الوہی سی مسکراہٹ تھی۔

وہ بچوں کے پیچھے پیچھے قدموں کی چاپ پر سب کے پیچھے ہو کر کھڑا ہو گیا۔

بلی کی طرح سر پر منڈلا رہی ہیں"۔ سب ہنس دیے۔

وہ الف کھانے ہی لگا تھا۔

"بہت ہی شوق ہے اسے ایسی دیکھنے کا۔ دیکھنے کو سب تک آپ میں ہے" تازہ دلہن" کی طرح آپ کے ساتھ ہی رہے گی۔ دادی تو ہے"۔ سب ہنس دیے اور وہ بوکھلا کر رہ گیا۔

ماہین بھی اس کی دلچسپی پر مسکرا رہی تھی۔

"کون؟" یاور علی خان کی بھاری آواز آئی۔

"ہم ہیں پاپا۔۔۔ آپا ہیں؟"

"ہوں" غالباً یہ اجازت تھی۔

سب نے دروازہ کھولا اور ماہین کو تنہا اندر چلی آئی۔ یاور علی خان سفید کرتے پاجامے میں ملبوس بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ماہین کو دیکھ کر بھی ان کے انداز نشست میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

"آپ کیسے طبیعت ہے؟" ماہین کو بیڈ پر بیٹھتے ہوئے سب سے پہلے یاور علی خان سے مخاطب تھی۔

"ٹھیک" مختصر سا جواب دیا۔

"سب ماہین کا ماتھا چوم کر خاموشی سے باہر چلی گئی۔ اس نے بہت آہستگی سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

"ماہین اس طرح بیٹھی تھی کہ یاور علی خان اس کی پشت پر تھے۔

"آپ بیٹھی کر لیں اور ایزی ہو جائیں۔ یہ سوں بجلد وہن بہت بیکس ہوا ہے۔ میں بہت سارا سوچ کر آئی ہوں۔ بھی اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتی ہوں۔ آپ الف بار نرمی کی طرح میرے احساسات کا پاس کریں گی"۔ غالباً وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

الفاظ اگرچہ بہت منتخب تھے مگر احساب کیلئے ایٹمک پتھر سے کم نہیں تھے۔

اس کے سارے لطیف احساسات ہل گئے۔

اس نے آہستگی سے اپنے دل کی باتیں نکالنا شروع کر دیں۔ اسے دکھ۔ انکار کشت اور ایک لمحہ بھی لیں۔ الفاظ ڈھونڈ۔ سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

مرد بھی کیا ہے جیسے کوئی انتہائی بڑا جرم۔

سزا ہی تجویز کرتے ہوں۔

جو ان تھیں۔ جو بڑا کرتے وقت تھے۔ دادی اس کے فسادوں پر اعتراض آتے۔

پوچھا تھا۔

اچھا کیا ہوگی؟

اس نے نظریں جھکا کر پیچھے کہا۔

یاور علی خان کے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔

ماہین نے دوسرے پر اچھال دیا اور پاؤں سے اتار کر بیڈ کے نیچے اور وہاں سے تک آئی۔

سامنے بیٹھی خوبصورت سے لی بیگ والی تھی۔ اس نے کوٹ بھرے ہوئے اندر تھی ہے ایک طرف سرکا دیا۔

یکے بعد دیگرے شیلف کی الماری کی نکال لی۔ سب پر بہت ہلکا سا میک اپ تھا۔ پھر بھی سونے سے پہلے صاف کر لیا تھا۔

اس نے لباس تبدیل کیا اور باہر آ گئی۔ میک اپ آگر پہلے ہلکا تھا۔ پھر بھی سونے سے پہلے صاف کر لیا تھا۔

مگر اس پر غضب کی رونق اور کاٹ سوار ہو گئی تھی۔ وہ سب باب اس نے جان بوجھ کر الجھا دیا۔ ایک کشش ثلاثہ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

کی طرح رکھا اور دراز ہو گئی۔

بات کوئی چھوٹی سی نہیں تھی۔ دل کیوں بھر آیا۔ آنسو ایک دم سے بہنے لگے۔

"اپنے احساسات کیلئے کتنے کانشیس ہیں۔ یہاں یہ حال کہ ہمائی میں ایک چھوٹی بھی نہیں"۔ وہ بہت دیر تک روتی رہی تھی۔

اس نے اپنی سوں سوں پر بھی بہت کنٹرول کیا تھا۔ پھر بھی عجیب طرح کی بے اختیاری تھی۔

جاگے کون سا پہر تھا۔ اب سے دھیما ہو کر یاور علی خان نے اسے آواز دی ہے۔ اس کے سارے حواس جاگ گئے۔

"ماہین؟" واقعی وہ اسے آواز۔۔۔ رہے تھے۔

وہ چپ لیٹی رہی۔

"مجھے پتا ہے تم جاگ رہی ہو" یہ بھی ان کی بہت تحمل آمیز لہجے کا ماحول میں ارتعاش پیدا کر گیا تھا۔

"مگر ڈاکٹر صاحب ضابطے کی کارروائی نظر انداز کر سکتے ہیں تو پھر ہم تو عام لوگ ہیں۔ آپ مجھے آواز دیں۔ میں سن رہی ہوں"۔

اس کی آواز پر آنسوؤں کا اثر تھا۔ اس نے کروٹ لے کر چہرہ کھول دیا تھا۔

"تو کیا تم ایسی ہی کوئی۔ بڑا عجیب سا لگے ہو"۔ یہ لہجہ ہمیں سمجھنا بہت مشکل تھا۔

"ایسی ہی۔ دادی آپ کو بڑا یاد کرتی ہیں۔ ایسی ہی کچھ بھی کہا جا سکتا ہے"۔ اس نے اپنی ہنسی کے بکھرے ٹکڑے سمیٹنے کی کوشش کی۔

"کیا ہے کہ ہم کو بہت کرلی رہتی ہو تم لوگ۔ جو شدت تم ہو پاتا۔ اس سے ہمارے کہ ایسی ہمارے بھی کبھی ہو جائے تو کیا ہوگا"۔ مجھے نے ڈرنے کی ضرورت عادت کی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"آپ نے اس سے ہی دیا کر لیا؟"... فی نے حیران کن انداز میں کہا۔

"ہاں، میں تو بالکل بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس شادی میں سارے گھر والے کیوں شریک نہیں ہو رہے تھے۔" سوہنا کو صبر شکر کرنا پڑا تھا۔

"وہ ہوں کی وجہیں آپ نے دل پر لیجئے۔ بیٹے ہیں۔ اپنے ہاں کی دیکھنے کو فوقیت دیتے ہیں۔"

"وہ آپا میں یہ بس تم سمجھ نہیں سکتے۔" ناں نے کہا۔

"لو بھلا۔" فی نہیں "تو نہ کریں گی۔" بھنویں اچکائیں۔

"دری ظریف کی ہو گئی۔"

"ہے گی تو نہ کی بیماری ہوں گی۔ سب بھائی کے بڑے خسرے ہیں۔ سے ہی ای ایس ہو گئے۔ ہاتھ ملتے ہیں۔ سے ہی اپنی قسمت کی کڑھائی کے دوران ہلکے کرنے کی فرصت ملی۔

"وہ ہو جو ہیں اس گھر کی۔" بیٹے نے یاد دلایا۔

"ہو ہونے میں بھی سے خسرے ہیں۔" ناں نے کڑا تبصرہ۔

"فکر نہ کرو۔ تم بھی کل کو کسی کی بہو ہو گی۔ پھر اپنی ساس کے ساتھ ملو گی۔" سوہنے نے مشورہ دیا۔

"ہائے سوہنا بی۔ کچھ کریں نہ کریں۔ آپ سے باتیں ہی ایسی کرتی ہیں۔" ناں نے ایک دھپ رسید کی۔

"خاصی بدتمیز ہو۔ کس طرح الاقات ہو سکتا ہے؟" فی نے چھیڑا۔

"ظاہر ہے جلد شادی ہی ہے۔" بیٹے نے آخر میں حصہ لیا۔ "اس وقت تو بیٹے کی فوٹس تیار کر رہی تھی۔"

"مگر ہاں بھائی تو ابھی پڑھتے ہیں۔" بیٹے نے یاد دلایا۔

"نہیں بیٹے کی سے اپنے گزن وہاں سے منسوب تھی اس کی بعد شادی وہاں کی۔ میں تھی ہو گزر ہونے کے ساتھ ساتھ گھوری سہیلیاں بھی تھیں۔

"کہیں ایسی ہی وہاں کوئی پڑی جانے دیجئے گا۔" بیٹے نے کہا۔

"وہ صرف گوروں ہی کی غلطی نہیں تھی کالا جان کی بھی غلطی تھی۔"

"بیٹے کی دینے لگی دوسرے کی غلطیوں پر نظر رہتی تھی۔

"کیا ہے چاری تابیہ کو۔ ان کی ہوا سے فل جاتی ہے۔ کوئی ساگ ڈوگ لگ گیا تو کچھ کہتی ہے۔ چاولی۔"

کچھ پیشے ہی ہوتے ہیں۔ دل اداس ہو گئے کیلئے اتنا تھی یاد کو کر رکھا تھا۔

"ایک تو تم لوگوں سے بھی ہے۔ ہمیں اور خالہ کے بارے میں بات کر رہے تھے۔" فی نے یاد دلایا۔

تھا۔

"ہاں ہاں۔ ہماری طرف آ رہے ہیں۔" ناں نے فی دی۔

"اس طرف؟ کیا تو نے سب بتا دیا کیا؟" بیٹے نے پوچھا۔

"ہاں تو بات کہاں سے شروع ہوئی تھی؟"

"ہی تم کس طرح انتظام کرو گی۔ جیسے عموماً ہوتا ہے ہی ہے سارا سب بیچ دار ہوں کے بیچ میں ہے۔" ناں نے بیٹے کو یاد دلایا۔

"ہاں میں بھول ہی گئی تھی۔" اس نے سر پیٹ لیا۔

"میں دیکھ لوں گی۔ میں اکیلی خالہ ہی کہوں گی۔ جو لیٹی ہوئی ہو گی۔ ہاتھ میں آئی ہے۔ وہ ان کے ساتھ ہی ہو گی۔" اس نے فیصلہ سنا دیا۔

"کیا تم تو ویسے بھی پریشان ہو جاتیں۔" بیٹے نے گرہ لگائی۔

"ہاں ہاں چڑھ جاتیں۔" اس نے اپنی تصدیق بیٹے کے ساتھ کی۔

"بیٹے" گھوری پاس کر دی اور ہی تھیں۔ ان کی پیکار باتوں پر ان کی شکل سے عجیب طبیعت ترحم ہو جاتی تھی۔

"کیوں۔ کیا ہوا ہے؟ ہوا ہے کہ بیٹے کو ہو گیا ہے۔" سوہنا نے پوچھا۔

"کیوں۔ کیا ہوا ہے کے علاوہ اور کی ہو سکتا ہے نہیں ہو گا۔ خالو کو کوئی بیماری ہے۔" فی نے جواب دیا۔

بیٹے نے چونک کر روشنی کی صورت دیکھی۔ پھر مسلسل کر گھٹنے میں

"کل کے ہاں خاک ہوا؟ آگ سے ہو گیا

"ہمیں خاصے شعلوں کے ہاں۔" فی نے جواب دیا۔

"وہ تو گاڑی ہی ہے۔ ہم وہ ہے اپنے ہی ہے جاتی ہو۔" ناں نے فیصلہ سنانے کی انداز میں ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہمیں میری ہی کی بات یاد آتے ہیں۔ وہ ای آ ہیں کہیں کی میڈ ہو جاں۔" اس نے اپنی فاضل اور کہاں ہیئے کے انداز میں اٹھائیں۔

"ویسے آج کل ہماری کی ہاں کہیں میں خاصی کی واضح ہو گئی ہے۔ وہ آ ہوئے ہے ہیں۔ ہاں صاف۔" بھنویں اٹھائیں۔

"کوئی بات تو ہے۔ جو دیکھ کر مسکرا ہم بھی ہیں۔" بیٹے نے سادگی سے کہا۔

"ہمیں دیکھ کر مسکرایا تھا؟" سوہنے شرارت سے پوچھا۔

"اس کی تو عادت ہے مسکرانے کی۔" بیٹے جواباً گھورا گیا۔

"ہمیں دیکھ کر تو کبھی ایسی مسکرایا۔ ہم پر کچھ کر نظر اداز کرتے رہے کہ ہاں ہے ہیں۔" بیٹے کہا۔

"اسے خالہ کے ہاں کے بعد خوبصورت ہیں۔" ناں نے بیٹے کی تشفی کرتے کہا۔ ہاں کہ ہے ہیں ہمیں

www.Paksociety.com

"اچھا یہ تو بتائیں کہ آپ کو کیسی لڑکی پسند ہے؟" ۔۔۔ روحی اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتی تھی۔

"جیسی ۔۔۔ بھی ہو۔۔۔ لیکن ایسی ہو۔" ۔۔۔ وہ کن انکھیوں سے روحی کی طرف دیکھتا۔

"فیئر اینڈ لولی قسم کی صورت ہے۔" ۔۔۔ روحی نے شریر انداز میں کہا۔

"کیا آپ لوگ ہر وقت یاری کرتے رہتے ہیں؟" ۔۔۔ روحی نے کہنی سے ٹوکا۔

"بھئی اس بارے میں تو سب کو عادت سے مفر تی ہے کہ کوئی حسرتے کا ل دیتا ہے کوئی دل ہی دل میں لیتا ہے۔ یا ہو ہا ہو سب ہی کو ہوتا ہے۔"

شیخ کب باز آنے والی تھیں۔ سامنے منگنی کا ذکر شروع کر دیا تھا

دل تم کو دیا ہے اس کا دلیل رکھنا

"اسے دل دینے والا بڑا ہی بے وقوف ہوگا۔ گھوڑوں کے چارے میں گم کر دے گا۔"

روحی نے کڑھ کر کہا۔

"اس کا زیادہ وقت گھوڑوں میں گزرتا ہے۔ میں تو اس کے آگے چلتے ہوئے بھی گھبرا جاتی ہوں۔ کہیں پیچھے سے ٹھک کی آواز میں نہ آنے لگیں۔"

بے ساختہ قہقہے ابھرے تھے۔

"ارے بھائی ایسا بھی گھوڑا ہو سکتا ہے۔ کبھی سنا ہے پاسے کی جانب ہی الٹی ہے۔"

جاذبیہ کو کسی کی درگت بنتے دیکھ کر ہنسی جلدی ترس آ جاتا تھا۔

"بعض انسانوں کی بھی پرسنل گرومنگ ہوتی ہے۔ گھس ہیں اس میں۔" شیخ نے قہقہہ لگایا۔

روحی نے اپنی کتابیں اٹھائیں جو وہ نوٹس تیار کرنے کی غرض سے ساتھ رکھے ہوئے تھی اور باہر نکل گئی۔

"اوہ نو۔۔۔ کتنی ہیں۔ تھری ٹو (دو کتابیں اور پانچ) ٹان سٹس۔"

سامنے ہی پیازی رنگ کے گرتے شلوار میں ملبوس پاؤں میں سبک سی چپل ڈالے مجسم چلی آ رہی تھی۔

روحی ٹھٹک کر رک گئی۔ "یہ مجسم سا ادھر کدھر؟"

"آپ یہاں کیسے؟" ۔۔۔ وہ اپنی سرد مہری چھپا نہ سکی۔

"بعض ضروری لوگ تو اس طرف آتے ہی نہیں۔ ہم نے سوچا "چلو ذرا ہوا خوری کر آئیں" کراچی کی سڑکیں بھی ناپ لیتے ہیں اس طرف کی سیر کا۔"

"یہاں کون سے ٹھنڈے پکے رہے ہیں جو آپ سیر کی غرض سے تشریف لائی ہیں؟"

وہ جزبز سی تھی اور طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"ٹھنڈے کی ٹھنڈ تو پڑتی ہے۔" ۔۔۔ وہ بے نیازی سے بولا۔

"کھڑا کتنا ہے؟ آپ چلتے نہیں بنیں گی۔" ۔۔۔ اس کے لہجے میں زہر گھلا تھا۔

"ہیلو ہیلو۔۔۔ کیا ہو رہا ہے؟" ۔۔۔ روحی نے جزبز ہو کر ٹوکا۔

"ہاں۔۔۔ ہاری کہاں ہے؟" ۔۔۔ روحی نے ناگواری سے ٹوکا۔

"روحی ہاتھ پھیلے ہوئے ہوں تو اس پر بھی کھا جاتے ہیں۔ تھپڑ سے ہیں۔۔۔ دو گالیاں ہی تو ہیں۔ ایک دائیں سے کر جا بائیں سے کر جا۔ ہاتھ پھیلے ہوئے ہوں تو اس پر بھی کھا جاتے ہیں۔ ہاتھ پھیلے ہوئے ہوں تو اس پر بھی کھا جاتے ہیں۔"

"آپ کو بھی پتا ہے کہ ہاتھ پھیلے ہوئے ہوں تو کیا کیا ہوتا ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے اس پر ہو گیا کہ۔" مجسم کی ڈھٹائی پر روحی تلملا کر رہ گئی۔

"آپ پلیز جا سکتی ہیں۔ آپ کے والد صاحب کی ہارٹ کی بات تھی۔"

"ہاں ہاں۔۔۔ جلدی سے ہاری گاڑی لاؤ۔" اس نے مجسم کی طرف سے منہ موڑ کر ہانک لگائی۔

"ہاری۔۔۔ ہاری۔۔۔" پکارتے پکارتے وہ ٹھٹکی۔

"ہاں ہاری۔۔۔ دیکھو ذرا جلدی۔ جلدی ٹرانسفر ہو جائیں۔ آپ کا خواہ مخواہ وقت ضائع کیا۔"

"اس بات سے شرمندہ کریں۔" مجسم مسکرایا۔

روحی پیر پٹختی ہوئی گھر میں گھس گئی۔

"کتنے بدتمیز ہیں آپ کے۔" اس نے غصہ کا اظہار کیا۔

"ہاں ہاری تھوڑی سی بے وقوف ہے۔ کرتی ہے کچھ۔ مگر درمیان ہی میں رک گئی جیسے فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ آگے بڑھے یا واپس پلٹ جائے۔ ایک سنجیدگی سی اس کے چہرے پر چھا گئی تھی۔ وہ الجھی الجھی سنجیدہ اور الجھی الجھی نظر آ رہا تھا۔

"آگے بھی کچھ ہے یا بس۔۔۔" روحی نے زہر خند ہنسی ضبط کر لی۔

"میں نے تو سنا ہے کہ کوئی ہے۔" ۔۔۔ مجسم نے آگے بڑھا۔

"مجسم بھائی آپ کو اعتراض ہو رہا ہے۔ میں تو خود بہت مصروف ہوں پھر بھی سوچا ان کی مدد ہی کر دوں۔ کوئی اعتراض تو نہیں؟" روحی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"نہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بلکہ اگر آپ کو ہو۔" ۔۔۔ وہ خاموش ہو گیا۔

"جا رہے ہیں۔ کر لیجیے ضروری بات۔ پھر موقع ملے نہ ملے۔ اب میں جا سکتی ہوں؟" اس نے ہاری کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ آپ کہیں نہیں جائیں گی۔ ایسا کوئی خاص مسئلہ نہیں کہ آپ کو مخاطب کرنا ضروری ہو۔ جی فرمائیے۔ کیا ہے وہ ضروری بات۔" ۔۔۔ وہ مجسم کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ بہت پرسکون نظر آ رہی تھی۔

"چائے کہاں لیتے ہیں۔" مجسم اس سے زیادہ پرسکون تھی۔

"میں ہاری میں ہوں۔۔۔ آپ تو جانتی ہیں۔ ہاری میں کسی ضروری بات کا کوئی تعین نہیں۔ ہو سکتا ہے آدھا گھنٹہ۔ اس قسم کی زحمت نہ کیجیے گا۔ لیجیے ہار گئے۔"

شعلہ بداماں نہیں ہوئی۔ "مجسم نے جلے پر نمک چھڑکا۔

"آپ نے شاید ایک بات یہاں حویلی میں نوٹ نہیں کی۔ یہاں مرد اور عورت کا الگ الگ ہونا بے حد برے

[illegible]

اس نے ایک خیال سے چونک کر دیکھا۔ [illegible]

"میں ٹھیک کر رہی ہوں [illegible]"

اس نے بڑے اشتیاق سے [illegible] اس راستے کی طرف چل پڑی جہاں سے نکلی تھی۔

روشی کی تو خاک سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس دوران میں کیا ہوا ہے۔

"اگلی ملاقات میں دیکھنا کیسے چھکے چھڑاؤں گی۔ تم بھی موجود رہنا۔ بڑا مزا آئے گا۔"

وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی اور پھر پلٹ کر چل دی۔

روشی حیران پریشان سی کھڑی رہ گئی تھی۔

رات گیارہ بجے تک لڑکیوں نے پورے جوش و خروش سے ماہین کا انتظار کیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے [illegible] بھابیاں آ گئی تھیں۔ وہ ہال کمرے ہی میں ادھر ادھر ڈھیر ہو گئی تھیں۔

نوکروں کو جاگتے رہنے کی ہدایت تھی۔ وہ ادھر ادھر آ جا رہے تھے [illegible]

[illegible]

آنے والے سب [illegible]

روشی چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑی رہی پھر ایک دم ماہین سے لپٹ گئی۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔ [illegible] ماہین نے بھی رونا شروع کر دیا تھا۔

"ارے۔۔۔ یہ کیا کرنے لگیں۔ خوشی کا موقع ہے۔ خوشی کی طرح مناؤ۔"

عالم جاب نے دونوں کو الگ کیا۔ ساری لڑکیاں اور خواتین بھی وہاں موجود ہو گئی تھیں۔

"بری بات ہے۔ بھلا رونے کا کون سا موقع ہے۔"

"چلو۔۔۔ اندر۔" بابا صاحب چھڑی لگاتے ہوئے سب سے پہلے آگے بڑھ گئے۔ باقی لوگ ان کے پیچھے پیچھے [illegible] کی طرف چل پڑے تھے۔

"ہال کمرے کی تمام لائٹیں روشن کر دی گئی تھیں۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

"صبح سے صدقہ دے رہی ہے۔" انہوں نے گلے سے مالی کھینچتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ آہستگی سے بولیں اور باہر نکل گئیں۔

ماہین حیران پریشان ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان کا سہرا یہ انداز کے خاک بھی پلے نہیں پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ماہین اریبہ کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔ اریبہ نے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کی ساری ہمدردیاں یاور علی خان کی طرف ہو گئی تھیں۔

اس نے چوبیس گھنٹے اسی طرح ایک عقوبت خانے میں گزارے تھے۔ صرف ایک عقوبت خانے میں رہے تھے۔

یاور علی خان اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے اور ماہین کی بات سن رہے تھے۔

"آپ کو بہت حسین ہونی ہو گی۔" انہوں نے آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تھا۔ اب نہیں ہوں۔ میں نے بھی کوشش کی ہے کہ پہلے کی طرح نہ لگوں۔" ماہین نے بھی آئینے میں ان کا عکس دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

یاور علی خان نے ہونٹوں پر مسکراہٹ کو روکا تھا۔

"آپ نے مارے بہت تھے۔" اریبہ نے کہا تھا۔

"ہم نے تو ٹھیک سے آپ کو دیکھا بھی نہیں۔" وہ مالی کھینچ کر ہٹاتے ہوئے واپس مڑے تھے۔

"آپ کو ضرورت بھی کیا ہے کچھ کھانے کمانے کی۔" ماہین کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

یاور علی خان نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وہ گھر سے نکل کر ٹھیک چکے تھے۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ماہین کے ساتھ یہ اس کی پہلی بے تکلفی تھی۔ باتوں باتوں میں اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ بھری ہوئی آنکھ سارا بھی نے اسے محسوس کیا تھا۔ بچی بھی پہلی مرتبہ ملی تھی اس لئے بہت اداس تھی۔ وہ صدمے سے نڈھال بچی کو ہر طرح سے حوصلہ دینا چاہتی تھی۔ اسے کوئی آرام دہ پوزیشن میں بٹھانے لگی۔

اوندھے پڑے اس طرح بیٹھ گئے تھے کہ جیسے دایاں گھٹنا اور بایاں ہاتھ پشت کی طرف کئے ہوئے ہوں۔ وہ بظاہر بے حد کمزور اور نحیف نظر آتی تھی۔ سارا بھی نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ماہین"۔

"جی"۔ اس کا انداز بے تاثر تھا۔

"بات سنو"۔

"جی کہیے"۔ اس کے انداز میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

"اس طرح نہیں بیٹھا کرو"۔

ان کے لہجے میں ایک تاسف کیفیت محسوس ہوتے ہی ماہین کا دل بہت تیز تیز دھڑکنے لگا۔

اب یہ انداز بھی تھا تو بھی اچھا تھا۔ اب انداز ہوا تو بھی عشق ہوا تھا۔ وہ سیدھی ہونے کے بجائے اسی طرح مصروف رہی۔

"میں کچھ کہہ رہا ہوں ماہین"۔ ان کے انداز میں ناراضی تھی۔

"میں سن رہی ہوں ماں"۔ اس نے بھی قدرے بے بسی کا مظاہرہ کیا۔

"ماہین پلیز ادھر آؤ"۔

ماہین کا جیسے بے بسی کے عالم میں سیدھی ہو گئی کہ بات مانے تو مشکل نہ مانے تو اس سے زیادہ مشکل۔

وہ بہت بے بسی اسی طرح کھلا چھوڑ کر ان کے قریب چلی آئی۔

"جی"۔

"بیٹھ جاؤ"۔ ان کے انداز نشست میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

اس نے بیڈ پر نظریں دوڑائیں اپنے بیٹھنے کیلئے جگہ تلاش کی۔ پھر ان سے کچھ فاصلے پر بالکل کنارے پر بیٹھ گئی۔ اس طرح سے کہ جیسے موقع پاتے ہی بھاگ کھڑی ہوگی۔ ان کے لہجے پر اس کی گھبراہٹ دوبالا ہو گئی۔ اسی وجہ سے نظریں اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

"یہ کیا کیوں کی ہیں اور یہ حلیہ تو کچھ سے بھی بدتر ہے"

ان کی نظریں آج پہلی بار اس کی دونوں انگلیوں کے ناخنوں سے ہوتی ہوئی اس کے پیروں تک گئی تھیں۔ جو بالکل ہی بے رونق تھے۔ ناخنوں کی رنگت بالکل ہی اڑی ہوئی تھی۔ پیروں کی انگلیاں بھی بے رونق تھیں۔

"کیا تم کوئی بات کرنا پسند کرو گی"۔ ان کے انداز میں ناراضی تھی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ بمشکل بولی تھی۔

"تو پھر یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے اپنا"۔

"وہ بس ایسے ہی"۔

"ایسے ہی کیا ہوا ہے تمہیں"۔

"کچھ نہیں ہوا ہے"۔

"کچھ تو ہوا ہے ماہین"۔ ان کے انداز میں ناراضی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے"۔

"کچھ تو ہوا ہے"

www.Paksociety.com

دلاور علی خان نے حکومت یا کسی اور ہاتھ میں پکڑ کر دلاں بانو سے پوچھا تھا کہ اس کا پوتا کہاں ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے۔ دلاں بانو نے خوفناک استقبال کرتے ہوئے مجھولی سی شرارت کروائی۔

"لگتا ہے دونوں ہو گئے ہماری شادی کو اور مجھے پتا بھی معلوم نہیں کہ آپ کے ہاتھ سے خوشخبری بھی۔"

اتنا اچانک حملہ تھا کہ دلاور علی خان سنبھل کر بھی گرفت سے آزاد نہ کرا سکی۔

"اب مجھ ہماری مرضی کے مطابق نہ ہو، یا ہونہ ہو گمان ہونے سے پہلے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ دوسرا بھی کوئی ہے سے اچانک ہونے سے کوئی اچھن ہو اس کی طبیعت کی وجہ سے ناگوار ہو۔"

"جو ہو گمان ہونے میں جلدی کرتے ہیں وہ اچھے لوگ کیسے ہو سکتے ہیں؟"

مائرہ نے ان کی دلیل ختم کی (ذات کے سامنے آج پہلی بار کھل کر بولنے کی ضرورت محسوس کیا تھا۔ اس کی گھبراہٹ کا یہ تھا کہ اس کی مہندی سے رچی ہتھیلی سے تابیدہ چھوٹ نکلا تھا کہ دلاور علی خان کا ہاتھ بھی نم ہو گیا تھا۔

"خان! مشکل وچ تے اساں ای جان پے گئی اے کہ کیہ؟" سرسوتی کی آواز ہواؤں میں ہاری کوہ کے ہوئے ہر گوشے میں سرایت کر گئی تھی۔

"اس کے پاس چابی کہاں سے آئی؟" بنیادی سوال ہاری کے ذہن میں ابھرا تھا۔

"چابی تمہارے پاس سے اس کے پاس پہنچی کیسے؟" ہاری کی پیشانی شکن آلود تھی۔

"اے ای تو ساں ناں اس دی آن... اساں نی تے نیندر (نیند) موت ورگی ہوندی اے۔ میں سمجھے تی پئے ساں نا اتار لے چابی..."

سرسوتی منہ کو میں اعتراف جرم کرتے کرتے پھر رک گئی۔

"تم اتنا بے خبر سو رہی تھیں؟"

"اوں نی ہتاں کر دی ساں پر اکھیاں سے نے نیند مجبوری ساں آ گھوڑی اں خان چابی لاہ دے خان نے ہوا دے ساں تاں اوں وچ اوہ اسطرے خان ہوندا چنگا اے ساں اوہ سوچیوں میں کی کر ماں؟" (ہاں جی تھی)

"کھانے کے وقت دروازہ کیسے کھلتا ہے؟" ہاری نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اوہی کھولدے نے... اوہی بند کردے نے... بس کھی ہتھ نے ساں نی..." وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"اب رونے کا کیا مطلب ہے؟ تم جاؤ میں ادھر کے کام نمٹا کر پیچھے آؤں گا۔ تم آرام سے سو جانا اگر اٹھوں تو دروازہ نہ کھٹکھٹانا۔ میں خود ہی دے دوں گا اگر... تم پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سمجھ لیں ہو گا یا تم؟"

"جیسے تسی... جیسے لی مرضی..." وہ لٹھیر (ناراض) ہو گئی۔

اور وہ کچن کی طرف آ گیا۔

وہ ان کا راز جس کو لے کر پچھلے کئی دن سے سوچ رہا تھا اسے بتانے کے وہ پیچھے ہٹ نہیں سکتا تھا۔

وہاں کچن میں اس وقت پہلے سرسوتی کی چائے کے بعد کے ہوئے برتن پڑے تھے۔ وہ ان سے بچتے ہوئے طرف بڑھا۔ اس کے لئے "دوسروں" کی نظروں میں آئے بغیر ہونا ممکن تھا۔

وہاں اس نے فی الحال کچھ نہیں کرنا تھا۔ صرف دیکھنا تھا۔

"تم بھی تک سو گئی تھیں؟" اس نے بیٹھی کا سر ہلا کر گھوما۔ اور پھر

"آپ (دلاور) نے کھانا بھی تھی ساں۔ تھی میں کی اس نے..." وہ ابھی تک خفگی کا شکار تھی۔

"ہوں..." وہ اب ہاری سے "ہوں" کر رہا تھا۔

"چلے جاؤ ہاں جان!"

"ہوں ہاں اب تم جا کر سو جاؤ" چائے والے میں خود بنا لوں گا۔" وہ اس طرح گویا ہوا کہ جیسے وہ ہاری کو بہت جلد وہاں سے اب رخصت ہوتا دیکھنا چاہتا ہو۔

"آپ... ہم ہیں ہاں آپ کی خدمت کیلئے۔" اس نے روٹھے۔

"میں دلہن نہیں بناؤں گا۔ بلکہ اب وہ تم ہو جو میری ہونے میں ہاتھ بٹاؤ گی۔ تم تھکی ہوئی ہو۔ آرام کرو۔ جاؤ پلیز۔ کہہ جا ہوں ہاں میں۔" اس نے قدرے سخت لہجہ اختیار کیا۔

وہ خاموشی سے پاؤں پٹخ کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

دلاور نے نظریں دوڑا کر صاف ستھرے اور سجے ہوئے کچن کا جائزہ لیا۔ سوچوں کے ساتھ ہی پیشانی پر کھل نظر آنے لگی۔ وہ ذہنی شدت سے چائے بنانے میں مصروف ہو گیا۔

"اتنا برا وقت آ گیا لوگوں پر؟ خود کام کر رہے ہیں۔"

ہاری نے زور سے چائے کا گھونٹ بھرا تھا۔

"یا اللہ! کیا ہو گیا ہے یہاں کے لوگوں کو؟ رات بھر جاگتے رہتے ہیں۔"

اس نے روشنی کی آواز پر شاید زندگی میں پہلی بار جو محسوس کیا تھا۔ وہ بہت عجیب سا محسوس کی تھی مگر خاموش رہا تھا۔

ساتھ ہی فرنٹ میں تھر تھراہٹ سی محسوس کی تھی۔

"کیا ہوا ہے ماں کو؟ میں ادھر ہوں کیا کروں اگر..." وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"آ جاؤ... کیا ہوا ہے ماں؟" ہاری نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اب کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" وہ بیٹھے بیٹھے رو دی۔

"پہلے کیا ہوا تھا جو اب ہو گیا ہوا؟" وہ طنز کر گیا تھا۔

وہ خاموش رہی۔

"تجھے نہیں آتی ہے مجھے ذکر کرنا کہ کیا ہوں اور کیوں ہوں۔"

"کیوں ہوا کرتی ہیں؟ پہلے والی چیزیں کیا کسی کی ہیں؟"

www.Paksociety.com

وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اپ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کوئی اپنی نیند کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ اگر کسی کی نیند غائب ہوتی ہے تو اس کی کوئی اور وجہ ہے"۔ وہ جیسے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔

"کیا کہتی ہیں آپ؟" اسے جیسے یہ جان کر دلی دکھ ہوا تھا کہ وہ مشکل سے بات مکمل کرنے لگی ہے۔

اس نے خواب آور گولیوں کے نام گنوا دیئے۔

کپ باری کے ہاتھ میں لرز کر رہ گیا۔

"تم یہ بھی لیتی ہے آپ نے اپنی؟" اس نے آنکھ سے اس کی سمت دیکھا۔

"میں نے تو دیکھی ہے تم نے کہیں دیکھی"۔ اس نے گھاس میں پانی ڈالا اور ایک گولی سے بھی اور اپنا منہ

گئی۔

باری کا جواب سا ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا اور چلکے چکسی لینے لگا۔

"ایک مشورہ ہے آپ کیلئے اگر آپ مائنڈ نہ کریں"۔ اس نے جاتی ہوئی روشی کو مخاطب کیا۔

"جی فرمایئے"۔ وہ دروازے پر رک گئی۔

"آپ ہفتے میں ایک مرتبہ کسی اسپتال کا چکر لگا لیا کریں"۔

"اس سے نیند آنے لگتی ہے؟" وہ حیرت زدہ انداز میں گویا ہوئی۔

"شاید آنے لگے وہاں آپ ایسے وارڈ کا دورہ کیا کریں جہاں سرطان قسم کے مریض ہوتے ہیں۔ ان کی تکلیف دیکھنے والوں کیلئے بھی ناقابل برداشت ہوتی ہے جو ایسے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جیتے ہی نہ مرتے ہیں۔ نہ مرتے ہیں نہ جیتے ہیں۔ شاید آپ کو احساس ہو گا کہ آپ تو مراعات یافتہ طبقے میں ہی نہیں انسانوں میں بھی بے انتہا نعمت یافتہ ہیں۔ پھر آپ کو احساس تشکر ہو گا۔ طبیعت میں ٹھہراؤ اور سکون آ جائے گا اور خود بخود نیند سے آنکھیں بند ہونے لگیں گی"۔

اس نے بات ختم کر کے اس کی طرف دیکھنے کے بجائے پانے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"بس؟" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں"۔ اس نے بھی اسی انداز کا اختیار کیا۔

"ناقابل برداشت اصرار نے دکھ ایک طرف دل کا دکھ ایک طرف"۔ وہ اتنا کہہ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔

باری نے ایک گہرا سانس لیا "آخر انسان کی ہمت آتی کیوں ہاری جاتی ہے؟ اور سب ہی ہمت ہار جائے تو

انسان اپنا دشمن خود کیوں بن جاتا ہے"۔

"نہ جانے کیوں یوں محسوس ہوا جیسے کسی سے آج آدھی ہو اور دل موم کی طرح پگھلنے لگا ہو۔

اس نے جلدی جلدی پانے ختم کر کے اس کیفیت سے پیچھا چھڑایا اور کپ سنک میں رکھ کر وہیں کھڑے کھڑے

سوچنے لگا۔ ایک نئے سفر کے آغاز ہونے کا وقت قریب تھا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

"تم آؤ ہوں اندر تمہیں ہدایات کی کیا ضرورت"۔ وہ دھیمے شوخی سے بولی۔

"تو آپ نہیں چلیں گی؟" اس نے بے اعتمادی سے حسینہ کو دیکھا۔

"کیا کیا کرو گے"۔ وہ مسکرائی۔

"دیکھئے میں آپ سے کہہ رہا ہوں مجھے مار جائے گی"۔ اس نے جیسے احتجاج کیا۔

"میں بھی جناب سے کہہ رہی ہوں تھوڑی دیر صبر کریں آ رہی ہوں"۔ وہ مسکرائی۔

ہاری نے کئی گھونٹ گہرے سانس لئے پھر ایک جھٹکے سے حسینہ کو پیچھے کرتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھلا دیکھ کر اس کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ وہ گھر کے اندر داخل ہو گئی۔

وہ اندھیری بڑی بیٹھک سیدھی کھڑی ہوئی تھی۔ دونوں کی نظریں ٹکرا رہی تھیں۔

ہاری کو اندر آتے دیکھ کر اس نے نظریں جھکا لیں۔

ہاری نے اس پر نظر ڈالنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ "آپ کھانے پر چلو"۔

"جانا اس نے اپنے کھانے پر ہی ہے۔ ذرا سی دیر آزاد چھوڑ دو۔ تمہاری جیب سے کیا جاتا ہے"۔ حسینہ اپنی کہاں سنواتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔

"آپ بڑے خان کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہ کریں تو آپ کے حق میں بہتر ہے آگے بڑھو"۔

"جو مرضی چاہے گا میں کروں گی۔ دیکھو میں نے اس کا سر دھلایا ہے۔ اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا ہے۔ اپنے ہاتھ سے دوا دی ہے۔ اور اب تمہیں کھانا آتا ہے۔ ابھی میں اسے کھلاتی ہوں۔ ہم دونوں ساتھ ہی کھاتی ہیں"۔

میدانوں کی بیٹی میں ایک یہ انسان ہے اور ایک میں۔ چاچا کہہ رہا تھا اس سے"۔

حسینہ سر پر جھکے دوپٹے سے کنکھیوں سے خوف محسوس کرنے لگی۔ وہ شیر پر سوار ہو رہا تھا۔

ہاری اسی کی طرف متوجہ تھا۔ خون دیکھ کر کیا سے اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ مگر فوراً ہی اکڑ گیا۔

"چلو"۔ اس نے عورت کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ آگے بڑھی تو انگلیاں چٹخ اٹھیں۔

"کہاں جا رہی ہو؟ میری موجودگی میں کسی کو کھانے کی ضرورت نہیں"۔ حسینہ نے غصہ پر قابو پا لیا۔ ایک جام کر کھانا دیتے ہوئے کہا۔

"آپ مسئلہ نہ بنائیں۔ ابھی مسئلے حل کر بھی آتے ہیں۔ حسینہ میں آپ"۔ اس نے بھی ذخیرہ تمام کر کھانا دیتے ہوئے کہا۔

"ابھی بھی مسئلے پیدا کرنے آتے ہیں۔ ابھی یہاں سے دفع ہو کر مرے کھولوں گی تمہارا"۔ وہ دھیمی سے غرائی۔

"بھابی"۔

"بھابی کو حسینہ کہتے ہیں"۔ حسینہ نے اس کی بات کاٹ دی اور کھلکھلا پڑی۔

"ابھی بات بڑھانے کا ارادہ نہیں ہے۔ ابھی تو ہے کہ آپ کو اس کے ساتھ میں کوٹھری میں بند کر دوں"۔

نے جیسے دھمکایا۔

"تو کیا یہ کمرے میں بند کرے گا۔ اب اندھیرا ہو رہا ہے۔ ہم کیا کریں گے"۔ وہ بھولی۔

"وقت آپ کو گزارنے کا طریقہ بتا دیتا ہے۔ کھانا کھانے میں مگن ہو جاؤ"۔ وہ گرجا۔

"خان۔۔۔ بڑے خان نے دوسری شادی کر لی ہے"۔ حسینہ نے اس کی جملے سے بالکل متعلق نہ ہونے کے لہجے کے انداز میں سوال کیا۔

"تمہیں کیا اگر وہ تیسری بھی کر لیتا"۔ ہاری نے تنگ کر جواب دیا۔

"سوتن کی ناری تھی بڑی کم ظرف ہے کہاں سے آئی ہے وہ نصیب؟

وہ تو پہلی بیوی تھی کہ دوسری کی تمنا نہ ہے۔ تم سمجھے نہیں"۔ یہ بات تو حسینہ کے سمجھ میں نہیں ہو سکتا۔

وہ کھانے کے انداز میں بولی۔

"تمہیں خراٹوں لہجہ ہونے کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔ اپنے معاملات میں آگے بڑھو"۔

اس نے پھر لقمہ توڑ کر منہ میں ڈال لیا۔ مگر چبانے تک ہی کہ حسینہ کے ہاتھ میں اس کے دائیں بازو کی گرفت محسوس ہوئی جو اسے آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔

ہاری نے جھٹکا ایک فیصلہ کن انداز اختیار کیا۔

حسینہ کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ سے لقمہ جھٹکا لے کر منہ میں ڈالا اور کھا کر اسے بازو سے پکڑ کر اپنے پیچھے کر لیا۔

"آرام سے بیٹھے۔ کر رہا ہوں ابھی آپ کا بھی انتظام۔ تم کیا سمجھ رہی ہو"۔

اس نے اپنی آواز میں ہی بھر کر تلخی سموئی۔

عورت چل پڑی۔

ہاری نے اسے کوٹھری میں بھیجا اور باہر سے دروازہ بند کرنے لگا۔

"جلا پانی نہیں چاہیے کیا؟" حسینہ کی تیز آواز قریب ہی سے سنائی دی۔

ہاری نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔

حسینہ بڑے پرسکون انداز میں اپنی کوٹھری میں چلی گئی تھی کہ یہ تو زندگی بھر کیلئے ملے تھا۔ ہونٹ دانتوں تلے دبائے آ رہی تھی۔

ہاری نے دروازہ بند کیا۔ پھر بھی جیب سے تالا نکال کر لگا دیا۔ حسینہ اس کے پہلو میں کھڑی ہوئی تھی۔

وہ اس کی طرف بڑھا۔

"اپنے پاس رکھئے اپنا تالا چابی"۔ اس نے چابیاں واپس بھی جیب میں ڈالنے لیے وہ گھر بڑھا آگے بڑھ گیا۔

حسینہ قدرے حیرانی سے ہاری کے موڈ کو سمجھنے لگی۔

لال خان ہنوز کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ماہ نور ساکت و صامت بیٹھی تھی۔

رات خاصی بھیگ چکی تھی۔ ہالہ کو صرف ایک ہلال گیا تھا۔ وہ اب اس آسیب کی گرفت سے آزاد ہو چکی تھی۔ اس کی سوچ کی سوئی اپنے محور کے گرد گھومنے لگی۔ اپنے ہی الفاظ سے اس پر غالب ہونے لگی تھی۔ کہ جیسے ابھی لال خان دھاڑتا ہوا آئے گا اور

موت کا کیا ہے وہ تو آنی ہی ہے مگر کچھ دل کو قرار تھا۔

کبھی من چاہے موسم کی پذیرائی تو ہے۔

کبھی گھڑی بھر کیلئے خواہش تعبیر سے گلے ملتی ہے۔

کبھی یوں بھی تو محسوس ہو کہ ہمیں بھی زندگی کی ہوا لگنے والی ہے۔

کبھی تو یہ احساس ہو کہ چاندنی کی تپش سے ڈر آتا ہے۔

کبھی تو روح وصل کی سرشاری میں سرمست ہو کر رقص کرے۔

کبھی تو انتظار حد سے گزرے، کبھی تو من چاہی آ ملے۔

کبھی زندگی روئے تو آنکھ خوشی کا آسرا پائے۔

کبھی دل ہنسے تو من چاہی تسلیوں کی پھوار ہو۔

کبھی ہمرہ لائے کوئی چاہ تو کوئی زندگی آنکھوں میں بسا کر لائے۔

کبھی خواہشیں جاگ کر ہوک بھرنے لگیں تو کوئی شہر جاگ کر ہمیں گھیر لے۔

کبھی چاہوں پھوٹ کر روئیں تو کوئی کوٹ کوٹ کر خوشیاں دل کے دامن میں بھر لے آئے۔ کبھی شدت سے کوئی چاہے تو گھڑیوں کے ہار آ گریں۔

کبھی نا امیدی کا اندھیرا ہو تو کوئی دیوان کے چراغ روشن کر لے آئے۔

"سنے روبی اور" سے دل قدرے میں "وہ" پھیلا آتے۔ اس کی جذباتیت فطرتاً پاک سے محبت کرتی تھی۔

"ہالہ" پشت سے لال خان کی آواز آئی تھی۔ وہ بدستور ٹہل رہا تھا۔ چونک کر پلٹی۔ لال خان اس سے مخاطب تھا۔

"ابھی کمرے میں آؤ۔ ضروری بات کرنا ہے۔ جلدی آؤ۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

وہ سر ہلا کر بستر پر لیٹے میں اس سے مخاطب تھا۔

وہ آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

لال خان بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ کھڑی رہی۔

"بیٹھ جاؤ" اس نے فاصلے پر پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ بھی کہا کہ ہے یہاں" اس نے بہت ضروری بات کرنے کی بات کی تھی۔ اس سے سوال کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ تم سے کسی نے کچھ نہیں کہا ہے۔" وہ بے تاثر سے انداز میں بولا۔

"کس نے پیغام دیا ہے؟" ہالہ نے سوال کر لیا تھا۔ وہ اس طرح کے سوال کرتی ہوئے ہیں۔

"کسی نے پیغام دیا ہے۔ ہالہ نے سوال کر لیا تھا۔ وہ اس طرح کے سوال کرتی ہوئے ہیں۔

"کیا ہے اس میں جاننے کی۔ بھولی ہو۔ سمجھی نہیں ملتا" وہ بے تاثر سے انداز میں بولا۔

"کیا ہے اس میں جاننے کی۔ بھولی ہو۔ سمجھی نہیں ملتا" وہ بے تاثر سے انداز میں بولا۔

لال خان کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ سوچ کر رہ گئی۔

"بولی ہلال کوئی خیریت تھی؟" لال خان نے اس کا چہرہ دیکھ کر سوال کیا۔

"بھی زبردست تھکن تھی۔ نیند آ رہی تھی۔ سونے کا وقت بھی آ گیا۔" اس نے سچ لکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کب سے چل رہا ہے یہ چکر؟" وہ بہت دھیمی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

"جس دن اس نے میری دلداری کرتے ہوئے شعر پڑھا تھا" وہ سچ سچ آرام سے بولی کہ لال خان بھڑک اٹھا۔

"پہلی بار اس کی طرف سے ہوئی تھی؟" اس کی آواز پر اشتعال غالب آ گیا تھا۔

"میں نے اسے ایسی ویسی کوئی بات نہیں کی۔ میں نے تو صرف اس کی ماں کے بارے میں پوچھا تھا۔"

لال نے بھی گواہی دی کہ لال خان نے ہوم میں اس کی ماں کا پوچھا تھا۔ وہ اس پر پھر کر آ رہا تھا۔ وہ بھی

اس طرف بھی سوچ سکتی تھی۔

"کیا ہے اس میں؟" احساس کمتری سے لال خان دوچار ہو گیا۔

"سچ تو میں نے آپ سے پوچھ لیا ہوں اب تک" ماہ نور کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"تمہیں معلوم نہیں ہو عورت کی بے وفائی سے مرد اپنی انگلیوں کی پوروں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ تم نے ہمیشہ کیلئے مجھے ذلیل کر دیا ہے" اس کی آواز میں تشنگی تھی۔

"تم مجھے گولی مار دو۔ مگر مجھ سے کہ تمہارے علاوہ مجھے سب معلوم ہے۔" وہ بولی۔

لال خان نے اس کی مضبوطی اور اپنی کمزوری کو پہلی بار محسوس کیا۔

"کیسے کہ تم نے مجھے پیار سے بہلا پھسلا کر میری دلداری کی۔ کہ وہ اسی تھی۔ بدست کا کھلونا بنا دیا ہے۔ میں اس کے پیچھے۔ دیوانہ ہوئے کروں گا۔ اپنی جیب کا روپیہ اس پر نچھاور کر دوں۔ کیا سمجھتی تھیں؟"

"میری طرف سے اب تم پر گولی چلا دی گئی۔" آپ مجھ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اب تم اس کرنے سے جا سکتی ہو جو کہ تم نے ابھی ہے مجھے ایک دن عورت اس کا صاحب ہوتے گی۔" وہ اس کی طرف سے بشت کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔

ہالہ جب چاہے کمرے سے باہر جا سکتی ہے۔

اس کا خیال تو یہ تھا کہ بچ جانے پر وہ بہت خوش ہو گا۔ اسے پیار کرے گا۔

جبکہ لال خان تو اسے کچھ اور لگا۔ وہ اس طرف دیکھ کر اٹھ جانے کے بارے سوچ رہی تھی۔

کو کھانے کی ٹرے دیکھ کے تامل تھا جیسے وہ کھانا کھا کر نہیں کر سکتی تھی۔ "تمہارے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ کھانا نہیں۔" حنا نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"یہ تو زیادتی بھی ہو گی؟" روبی نے سادگی سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ تو زیادتی کی ایک قسم تم نے بھگتنے کی ہے تو سہی۔" حنا نے چھیڑا۔

"خبردار جو تم نے میرے بیسٹ فرینڈ کی شان میں گستاخی کی۔ یہ ان کی عنایت ہے جو ان کے دسترخوان پر اتنا سارا کھانا دیکھ کر تمہیں پتہ ہو۔" روبی نے تنبیہ کرنے والے انداز میں گھور کر کہا۔

"ہاں تو لائی تھی ہاں تم کیسے کھل رہی ہو؟" روبی نے تشکی سے کہا۔

"بس اس خوشی کے موقع پر یہ تکرار کیسی؟ جس کا جیسے دل چاہے تیار ہو جائے کوئی زبردستی تو نہیں ہے نا۔" مجھے عنایہ جلانے کی عادت سے مجبور تھیں۔

"اوہ کیا روشنی آج ہوتی رہے گی۔ جا کر اسے اٹھاؤ۔ ہم سب لبنیٰ کے پاس جائیں گی اور وہ ہمارے ساتھ ہی کھانا کھا سو جائیں گی؟" زری نے دوسری قسم کا اعتراض شروع کیا۔

"میں گئی تھی اسے اٹھانے۔ یوں غرائی جیسے کھا لے گی۔" حنا نے اپنی جان بچائی۔

"ہیں کیوں نہیں اٹھری کہاں تو ہمارے خوشی کے نیوز نہیں آ رہی تھی؟" عنایہ نے حسب توقع تجسس کا اظہار کیا۔

"یار لی سے کہو وہ دستک دے کر بس آواز دے دیا کرے اس کو نے پر بھی سو رہی ہو گی تو اٹھ جائے گی۔" مجھے مشکرائیں۔

"بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا آپا۔ آپ کی یہ بچلر چھاڑ۔ وہ تو اور علی خان کی بیوی اور یار علی خان ای سی کی اکلوتی بیٹی ہے۔ ذرا بھی اس کے سٹیٹس کا کیا کیجئے۔" لالی نے سنجیدگی سے انہیں ٹوکا۔

"یا۔۔۔ آ۔۔۔ یہ کمبخت اسٹیٹس!" مجھے نے آہ بھری۔ بھلا وہ باز آنے والی تھیں۔

"مگر آج کل وہ اتنی دیر تک کیوں سوتی رہتی ہے۔" عنایہ پریشان ہوئی

"شہ چڑھا ہے شاید۔" مجھے نے پھر ہنس کر اکھڑایا۔

"کس چیز کا؟" حنا نے بدلا ان کران کی طرف دیکھا۔

"بھئی اتنی کیوٹ اتنی سمارٹ سی والدہ آئی ہیں۔" مجھے نے ماحول کے تیور دیکھ کر بات بدل ڈالی۔ یوں بھی روشنی موجود نہیں تھی۔ انہیں مزا نہیں آ رہا تھا۔

"میں جا کر اٹھاتی ہوں دیکھتی ہوں کیسے نہیں اٹھتی۔" لالی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کھانا لیتی جانا۔ سنا ہے کہ لالی سے کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔" مجھے ہنسیں۔

"پھر تو آپ اتر جائیں۔ ان کے حصے کا بھی کھا لیں گی۔" روبی بدلہ لینے سے باز نہیں آئی تھی۔

اس کے جانے پر روبی کی نگاہ میں دل میں ہلکی سی اداسی در آئی تھی۔ وہ حنا کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہماری روشی ناراض ہو گئی کیا؟" حنا نے سادگی سے پوچھا۔

"نہیں ناراض کرنا وہ اختیار کر لیتی ہیں۔ ہم کیوں کی فکر ہوتی ہے۔" روبی نے سر جھٹکا۔

"ہاں تو ہم کیا کہہ رہے تھے کہ کیوں کی فکر ہوتی ہے۔" حنا نے یاد کرنا چاہا۔

"ہاں یاد آیا۔ ہم کہہ رہے تھے کہ تم نے اسے یہاں اوپر کیوں رکھا ہوا ہے۔ وہ ایک الگ ہی ہے تو مکان میں دو حصے کرتی ہے۔" حنا نے بات میں گرہ لگائی کہ کیوں کو نیچے اور وہ مت کی۔

"انہیں بھی مجھے فلوس ہے۔ میں نے انہیں کہیں نہیں رکھا۔" روبی نے نہیں نال کرتے ہوئے بے مروت اور جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

"بچھو کے بچے کو فلوس ہے۔" مجھے نے انہار افسوس کرتے ہوئے روبی کو بھگایا۔

روبی اٹھ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"جاتی ہوں۔ میں اس کے پاس۔ تم لوگ بچا بچا کا مرا کرو۔" مجھے ہنسنے لگیں۔

"یا اللہ! کیا ہو گیا ہے؟ کیوں رو رہی ہے۔" مجھے نے دہل کر ہاتھ دھوئے۔

"کیا ہے آپا؟" روشی ہچکیوں کے درمیان بمشکل بولی تھی۔

"ہوش کی دوا کرو۔ ہاں بتاؤ کیا ہے۔ جو بھی کہو گی تو تب ہی تو پتا چلے گا۔" مجھے پریشان ہو گئیں۔

روشی ہچکیوں سے پھر بستر پر اوندھی ہو گئی تھی۔

"کیا طبیعت خراب ہے؟" اس نے جھک کر اس کا بازو ہلا کر پوچھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ خواب ناک آواز میں بڑبڑائی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" مجھے نے الجھ کر دہرایا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔" مجھے نے اس کے شانے ہلائے۔

"آپا مجھے بہت عجیب سا خواب آیا ہے۔" روشی نے کہا۔

"خواب۔ کیا کہنے کی ہو گی۔ کیا کہنے کی ہو گی۔ کیا کہنے کی ہو گی

ہو گی ہے ہوں گے"۔

"مگر میں کیا کروں ۔۔۔ کوئی کھائی ہوئی ہے۔ میں نے ۔۔۔ میری آنکھیں بھی کھل رہی ہیں۔ نانا سے کیا کروں گی آپ لوگ کہہ دیجئے گا میری رات سے طبیعت خراب ہے"۔ وہ غنودگی سے بول رہی تھی۔

گلو نے اسے جھنجھوڑ کر سیدھا کر دیا۔

"کیا کرتی رہی ہو اتنی سی دیر میں ۔۔۔ کیوں کھائی گولی ۔۔۔؟" گلو غصہ اور سختی سے پوچھ رہی تھیں۔

"نیند نہیں آ رہی تھی۔ اور یوں لگ رہا تھا کہ اگر سو گئے تو پھر کبھی ۔۔۔ ہو گی ۔۔۔ ہمیشہ کی نیند یہ گولیاں بہت جاتی تھیں۔ اور کیا کرتی پھر؟"

وہ منہ دوسری طرف پھیر کے بڑبڑا رہی تھی۔ لہجہ میں بول رہی تھی۔

گلو چند لمحے بے فکر سے انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہیں۔ پھر جھک کر اس کی پیشانی سے بال ہٹائے۔

"روشی ۔۔۔ میری جان ۔۔۔ کیوں نہیں آ رہی تھی نیند؟ اور کیا سوچ رہی تھیں۔ کیوں سوچتی ہو اتنا۔ کیا آفت آئی ہے تم پہ۔ اور تم تو خالہ کے آنے پہ بہت زیادہ خوش تھیں۔ پھر؟"

گلو رحیقہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔

"وہ تو میں ہوں۔ مگر آپ فکر مند نہ ہوں۔ یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ کوئی بات نہیں ہے۔ بیٹھ آپا۔ آپ مجھے سونے دیں"۔ اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "سارے گھر میں سب سے بڑی مصیبت آپ ہیں ہر کسی کو آپ کی فکر ہے۔ کسی کو آج سونے دیتے یا کچھ اور جو کہیں گی کر لوں گی۔ پھر جاگ لوں گی"۔

پھر اور بھی ہو گئی۔ گلو اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔ مشکل ہی ہے جو اسے دوا کھلا سکیں۔

وہ دوا لے کر کے بیٹھی تیاری پہ نظر پڑی۔ وہ پھر سے بے کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

"اے ۔۔۔ ہماری کے بچے ۔۔۔ اٹھ آ"۔ انہوں نے مصنوعی قسم کی خفگی کے ساتھ کہا تھا۔

"جا رہی ہے"۔ وہ بھی مسکرا کر ان کی طرف آئی۔

"تم لاڈ کر رہے ہو اسے ۔۔۔ اگر کوئی ۔۔۔"

"فرد جرم ہے کہ تفتیش؟" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"نانا ۔۔۔ ہماری آواز سے گونج رہی ہے۔ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔ بیٹھ آپ ہی سے بیٹھی ہو گی"۔

"اتنی عمر ہو گئی ہے آپ جیسی ایسی کی لوگ دیکھ رہے ہیں۔ پھر بھی آپ شوق گویا اپنا کلیجہ دینے والے ہاتھ پر رکھ کے ہی انتظار کرنے والے ہیں۔ ایسا کھاس کھایا ہوا تھتو ہوں آپ کو وہ بیٹھ گئیں گی اور میں ہوں گا۔ رات کے ساتھ ہی جان میں آرام سے نکال کر مجھ سے گولی کھائی ہے"۔

"تم نے روکا ۔۔۔ یہ پوچھا تھا ۔۔۔" گلو نے ناراضگی سے سوال کیا۔

"کیا ہو گیا ہے ۔۔۔ کیا ہو سکتا تھا ۔۔۔ کیا ہو گیا ہے ۔۔۔ سونے دیجئے اسے ۔۔۔ کچھ نہیں ہوا"۔

"کچھ نہیں ہوا ہے؟"

"ہاں ۔۔۔ ٹھیک ہے ۔۔۔ وہ ایسا کیوں کرنے لگی ہے۔ کیا وجہ ہے ۔۔۔ معلوم ہونا چاہیے"۔ گلو کو ناراضگی ہے۔

"ہاں ۔۔۔ وہ تو ٹھیک ہے"۔

"کیا ہوا ہے؟"

"ہو گئی ہے ۔۔۔ ہو گئی ہے ۔۔۔ ہو گئی ہے"۔ وہ ایسا کیوں کرنے لگی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے"۔ گلو ناراضگی سے بولی۔

www.Paksociety.com

"اچھا... میں چلتا ہوں... دیر ہو رہی ہے۔"

"ابا جان سے کہنا... اس ہفتے کو بچیوں میں چند دنوں کیلئے یہاں بھیج دیں۔ بہت دن ہو گئے ہیں اس گھر کی ہوا کھائے ہوئے۔" گھونس کر آگے بڑھ گئیں۔

ہوا بھی باہر جانے والے راستے کی طرف چل پڑی۔

☆☆☆

☆ بی امی نے بڑے اہتمام سے تیار ہوتی لڑکیوں کو دیکھا تو جذباتی ہو گئیں۔ بڑھ کر عالم صاحب اور علی خان کی بلائیں لینے لگیں۔ انہوں نے بمشکل سے منع کر دیا۔

"بیگم... دیکھو تم لوگ... لبن ناشتا کر لیں گی تو میں خود لے آؤں گی یہاں۔"

اب لڑکیاں بے چاریاں سہما کر کنارے میں بیٹھ گئیں۔

تقریباً چھ روایتی مصنوعی انکار کے بعد عالم صاحب ماہین کے ساتھ ہال کمرے میں داخل ہو گئیں۔ گھر میں ایک دم ہلچل سی شروع ہو گئی۔

شائستگ بیک کاندار کرتے شلوار اور دوپٹے میں ماہین بہت نروس بہت قریش نظر آ رہی تھی۔

"ہٹ... کتنے کیل ہیں یار ماسوں۔ کیسے بھی ان لی ہے اس عمر میں انہیں؟" مریم ادبی کے کان میں منمنائی۔

"اب بوڑھے تو نہیں ہیں نا... ان کی پہلی شادی تو خاصی کم عمری میں ہوئی تھی۔"

ماہین ان سب کے سلام وصول کر کے صوفے پر بی امی کے ساتھ بیٹھ چکی تھی۔ اس کی نظریں ادھر ادھر روشی کو تلاش کر رہی تھیں۔

کہاں تو پر شوق انداز میں تاثر باقاعدہ کے بے تابی سوار ہے۔ کہاں یہ کہ اب تک نظر نہیں آئی۔

"کیا آپ یاور بچے کے ساتھ ہوری پر چلی جائیں گی؟" نانی نے پر شوق انداز میں اس کے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

ماہین عالم صاحب کی طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔

"نہیں تو کیا تمہارے ساتھ رہنے کیلئے یاور ماسوں آئی دور سے دلہن لانے گیا ہے؟" انہوں نے ڈانٹ پڑی۔

"مگر کچھ دن تو آپ کو ہمارے ساتھ رہنا چاہیے۔ یاور ماسوں تو اپنی طرح کریں گے ورنہ آپ کو... جس طرح وہ نظر نہیں آ رہے۔ پتا چلتا ہے رات آئے تھے۔ ہم سو کر بھی نہیں اٹھے اور وہ چلے بھی گئے۔" ماہین نے اپنے تئیں شکایت لگائی تھی۔

"روشی کہاں ہے؟" بی امی نے موجود لڑکیوں پر بھٹکتی نظر ڈال کر قدرے بلند آواز میں پوچھا۔

"وہ ہی ہیں۔" عزیزہ بے ساختہ بولی تھی۔ بھٹ بول پڑی۔

"کہیں... وقت ہے..." عالم صاحب نے بھی سے بولیں۔ ماہین بھی چونک پڑی۔

"اس کی طبیعت نہیں... ہے... ہوئی تھی... اور اس لئے..." کسی نے کہا۔ "بھی بھٹ بولی۔"

"ہاں... ہاں... ہے..." بی امی نے کہا۔

"کیا ہوا ہے؟" ماہین نے پوچھا۔

"کچھ نہیں... وہ ہے نا... تھوڑا سا سر میں درد تھا۔" اس نے آہستہ آواز میں بتایا۔

"اچھا... میں اس کے کمرے میں جاؤں گی اس کے کمرے میں۔" اس نے بھی آہستہ سے کہا۔

"نہیں... ابھی تو وہ سو رہی ہے۔ میں خود چلی جاؤں گی اس کے کمرے میں۔" اس نے بھی آہستہ سے کہا۔

"مگر... اپنی مہمان کو لے کر اپنے پاس... ہو سکتا ہے وہ... ماہین کو لیکر ایک گھنٹے کے بعد روشی کے کمرے میں چلی گئی۔ ہاں ہے... مگر سے ملاقات ہو گئی۔

مگر اتنی خوش ہوئی اور... ماہین بھی۔

"روشی کو لے کر یہیں آ جانے گی۔ بھی آ ہم نے ٹھیک سے اس کو دیکھا بھی نہیں۔" بڑا حسرتی۔

عالم صاحب نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ ماہین ایک چیز لگائی اور ان کے باہر جانے سے پہلے خود بھی

گھومتی ہوئی روشی کے کمرے میں چلی آئی۔

روشی... دیکھو کون آیا ہے؟" مگر نے اس کا... دروازہ کھولا۔

"روشی نے کنفیوژ آنکھیں کھول کر... دیکھا۔ پھر فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ... السلام علیکم عالم۔

"وعلیکم السلام... اس قدر... چاندنی... ماہین اس کے اسٹریٹ کراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"کیا... وہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے... ہوا ہے کیا؟" وہ اس نے پوچھ کر پوچھا۔

"کہاں؟" ماہین کی نظریں جھک گئیں۔ پھر اس کے ساتھ... ہوا کرتے ہوئے... نیل سفر کے ہمراہ کر...

"روی پلیز!" اس نے ہاتھوں سے اپنے کان بند کر لیے۔

"نہیں... شام کو جائیں گے۔"

"آپ کیوں؟" اس نے بولتے... ماہین کا چہرہ دیکھا۔

"وہ... ہے... وہ... ہوا ہے... ہوا ہے..." ماہین کا انداز نہیں آ رہا تھا۔

"میں نہ جانے دوں گی آپ کو... یہ کوئی بات ہوئی... ہوا بھی ٹھیک سے آپ سے ملے بھی نہیں۔" اس کا انداز نہیں تھا۔

"کبھی کبھی عالم صاحب غلطی کے سبب بھی آ جاتے ہیں۔" گھونس کر بولیں... اس کا چہرہ سرخ ہو کر رہ گیا تھا۔

ماہین بھی مسکرا دی۔

"کیا... کیا کہہ رہے ہیں؟" اس نے... بولتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں... کہہ رہے ہیں..." اس نے عالم... سر جھکا لیا۔

www.Paksociety.com

"اچھا... میں چلتا ہوں... دیر ہو رہی ہے۔"

"کاکا جان سے کہنا... اس مرتبہ چھٹی کو بچیوں میں چند دن کیلئے یہاں بھیج دیں۔ بہت دن ہو گئے ہیں اس بات کو ان کو دیکھے ہوئے۔" گھومتی کرسی آگے پیچھے ہونے لگی۔

"وہ بھی ہو جائے گا۔" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

ڈی ایم نے بڑے اہتمام سے تیار ہوئی لڑکیوں کو دیکھا تو حیران رہ گئیں۔ وہ جان کر گئی تھیں کہ ان پر حملہ کرنے والی ہیں۔ انہوں نے بمشکل سے خود کو جمع کر رکھا۔

"لیکن... تم لوگ... لیکن یہ ناشتا کر لیں گی تو میں بولوں گی یہاں۔"

اب لڑکیاں بے چاریاں سر جھکا کر کھڑی رہ گئیں۔

تقریباً چھ روایتی مشق کے انکار کے بعد عالم جب ماہین کے ساتھ ہال کمرے میں داخل ہو گئیں تو کمرے میں ایک ہم ہم سی شروع ہو گئی۔

شائستگی سے خدمت کرتے شلوار اور دوپٹے میں ماہین بہت خوش بہت فریش نظر آ رہی تھی۔

"ہٹ... کتنے کیوٹ ہیں یار ماہوں۔ کیسے مجھی راہن لی ہے اس عمر میں انہیں؟" مریم اردلی کے کان میں منمنائی۔

"اب بوڑھے تو نہیں ہیں نا... ان کی پہلی شادی تو خاصی کم عمری میں ہوئی تھی۔"

ماہین ان سب کے سلام وصول کر کے صوفے پر بیٹھی ڈی ایم کے ساتھ مصروف گفتگو تھی۔ اس کی نظریں ادھر ادھر روشنی کو تلاش کر رہی تھیں۔

کہاں تو پرشوق انداز میں تاباکا کے بے تابی سے آئی تھی۔ کہاں یہ کہ اب تک نظر نہیں آئی۔

"کیا آپ یاور بچے کے ساتھ ہوٹی پور چلی جائیں گی؟" عالم نے پرشوق انداز میں اس کے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

ماہین عالم جاب کی طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔

"نہیں تو کیا تنہا... ساتھ رہنے کیلئے یار ماہوں آئی ہے... ہم سے دور نہیں جائے گی۔"

"مگر کچھ دن تو آپ کو ہمارے ساتھ رہنا چاہیے۔ یار ماہوں تو اپنی عرج کر لیں گے... آپ کو۔" جس طرح وہ نظریں چرا رہی تھی... یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ہم سب کبھی نہیں اکٹھے ہوئے تھے۔"

"روشی کہاں ہے؟" ڈی ایم نے موجود لڑکیوں پر بھرپور نظر ڈال کر قدرے بلند آواز میں پوچھا۔

"وہ ہی ہیں۔" عرشیہ نے بے ساختہ کہا۔

"کہیں... وقت ضائع کیے بغیر..." عالم نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں... وہ بیچاری کرنی تھی... اس کی..." ماہین بھی چونک کر بولی۔

"کیا ہوا ہے؟" ڈی ایم نے پوچھا۔

"کچھ نہیں... وہ بے ہی تھوڑی سا سو گیا تھا۔" اس نے آہستہ آواز میں بتایا۔

"ٹھیک ہے... ہم خود جا کر دیکھ لیتے ہیں۔ میں خود چلی جاؤں گی اس کے کمرے میں۔" اس نے بھی آہستہ سے کہا۔

"مگر... اپنی مرضی کرنے کیلئے روشی کے پاس... ہو سکتا ہے وہ... ماہین کو ایک کھٹکے کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

"ہاں... ہو سکتا ہے۔" عالم نے تائید کی۔

گھومتی کرسی روکی اور وہ اٹھ گئی۔

"روشی کو لے کر یہیں آ جائیے گا۔ ابھی آپ سے ٹھیک سے ان کو دیکھا بھی نہیں۔" وہ مسکرائی۔

عالم جاب نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا... ماہین ایک چیخ نکلی اور ان کے باہر جانے سے پہلے خود بھی نکل گئی۔

ماہین کو دیکھ کر روشی کے کمرے میں ہلچل مچ گئی۔

روشی... دیکھو کون آیا ہے؟" گھومتی کرسی پر بیٹھی لڑکی نے اس کا بازو پکڑ کر ہلایا۔

"روشی نے بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی۔ پھر خوشی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ... السلام علیکم عالم۔"

"وعلیکم السلام... اس قدر سوتی ہیں... چاندنی ہیں۔" ماہین اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"کیا ہوا... طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بیمار ہو گئی ہیں؟" عالم نے پوچھ کر پوچھا۔

"کہاں؟" ماہین کی نظریں جھک گئیں۔ وہ کہاں کا بہانہ بنا رہا تھا۔ پھر نیا بہانہ تراشنے لگا۔ "نیند پوری کر رہی ہیں۔"

"ہوں ہوں۔" اس نے بھنوؤں سے اپنا ہال کھینچے۔

"ہیں... شام کو جائیں گے۔"

"آپ بھی؟" اس نے بولتے بولتے ٹھٹک کر ماہین کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں... وہ مسکرا دی۔ کرے بیکار سے سوال پر۔"

"میں تو بھی جانے دوں گی آپ کو... یہ بھی کوئی بات ہوئی... پہلے ٹھیک سے آپ سے ملے بھی نہیں۔" ان کا انداز شکوہ کناں تھا۔

"کبھی کبھی عالم صاحب ٹھیک کہتے ہیں... کچھ دیر کے لیے آ جایا کریں۔" وہ مسکرا دیئے تھے۔

ماہین بھی مسکرا دی۔

"ہاں... کیا کہہ رہے تھے؟" اس نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں... کچھ نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

www.Paksociety.com

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" اس نے تڑخ کر جواب دیا۔ وہ اس کی خیریت کے لیے فکر مند ہوئی تھی اور اس نے یہ پوچھا۔

"میں تو ادھر آرہی تھی تم لوگوں کے بولنے کی آواز سن کر رک گئی۔ اچھا ہے، بھروسا ہے۔" ماہین نے مسکرا کر کہا اور جواباً مگھے نے مسکراہٹ لبوں پر بکھیر لی۔

روشی منہ ہاتھ دھونے باتھ روم میں چلی گئی۔

"بابا صاحب اور بابا جانی نے ایک سے ایک چیز اس کو سمجھائی ہوئی ہے۔ مگر اس میں ذرا سا بھی شعور نہیں ہے۔ کل اس کی ٹریننگ شیل ٹھیک کرتے ہوئے اس سے غلطی ہو جاتی تو؟ کیا ہوتا؟ ماموں نے ہاتھ سے تو نہ دیا تھا۔ ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ مگر اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

"آپ لوگوں کے نزدیک ہونے چاند کی راتوں کی اہمیت ہوگی۔ جب سے کامل ہی خاک ہوا تو ہمیں بھی ہیچ ہے سب ہیچ لگتا ہے۔ اب کیا سر پر کفن باندھ لیں؟" وہ تیکھے سے پیر و پانچے ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"خدا کا واسطہ ہے بھی تمہارا دل کیوں خاک ہونے لگا۔ بری بات۔ ایسے نہیں کہتے۔" ماہین نے ٹوک دیا۔

روشی نے عجیب سے انداز میں گہری سانس لی اور باہوں میں برش چلانے لگی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں مگھے؟" اس نے باہر جاتی ہوئی مگھے کو آواز دی۔ وہ پلٹتے ہوئے بولی۔

"ماما کو بتاتی ہوں۔ تمہارا دھیان رکھو اسے۔"

"تم کتنی کیئر فل ہو روشانے! اب تمہارا اتنا خیال رکھتے ہیں۔" ماہین نے جیسے اس کا دل بڑھایا۔

"سب کیا کل کا بچوا ہے۔ سب کا خیال رکھتی ہیں۔ اس عادت سے مجبور ہیں بے چاری۔ میں کہیں جاؤں تو کبھی سب سے زیادہ یاد آتی ہیں مجھے۔ آپ کو معلوم ہے ان سے یا کنج ہیں اور وہ ہے ہمیشہ والے ہیں۔"

روشی نے ماہین کو اطلاع دی۔

"اچھا! پھر تو بہت اچھی۔ کچھ دن ہاں اتنا ہے اب دونوں پارٹنر بنے رہے ہیں۔ کیا ہم بھی گھر کے سگیئر ہو گئے؟"

"مقصد بدلی ای کے بنے کھیتے ہیں۔ ہماری آپی کے حوالے۔"

"اچھا اچھا۔" ماہین غور سے سمجھ گئی۔

"مگھے کا اصلی نام کیا ہے؟"

"مگھے کا اصلی نام ہے؟" ماہین کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"آپ نے عجیب ہی بات پوچھ لی تھی۔" اس نے ماہین کا ہاتھ تھام لیا۔

"نہیں، میری دوست تا بندہ نے لگا لی تھی۔ بڑی ایکسائٹ ہے وہ۔"

"واقعی ہر بچہ اسے اچھا لگتا ہے۔" اس نے ہولے سے کہا۔

"مجھے بھی لگا تھا۔ ابھی اس کو دیکھ کر لگا ہے۔" ماہین نے جیسے حیرت سے کہا تھا۔

"مجھے نہیں لگتا وہ اپنی بہن کی بیٹی کا نام رکھنا چاہتا ہوگا۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ میں کچھ کہوں۔" اس نے بیزاری سے کہا تھا۔

"کیوں کیا ہو گیا ہے؟" ماہین نے بڑی حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں ایک بات پوچھوں؟" اس نے یک دم مسکرا کر کہا۔

"ضرور۔"

"آپ نے عرفی کے ساتھ جا کے شادی کی ہے؟"

ماہین ہنس دی۔ کیا انداز ہے سادگی سے مسکرا دیا۔

"ظاہر ہے۔ وہ مجھے کون مجبور کر سکتا تھا۔"

"اچھا۔ کیا آپ کو پتا تھا کہ وہ آپ کو پسند کرتے ہیں؟"

ماہین کو اچھی خاصی شرمندگی آ گئی۔ اس نے روشی کے کندھے پر تھپکی سے چپت لگائی۔

"شاباش کروگی تو دیکھو کیا کیا کہلوا لوں گی۔ کافی بڑے ہو گئے ہیں تم بھی کمال کرتی ہو۔" اس نے بات گھمادی۔

"کبھی کبھی تو تمیز کریں۔ مجھے ہر لمحہ یقین ہوتا ہے کہ میں سب سے عقل مند ہوں۔ کوئی مجھے کسی بات کو اہمیت ہی نہیں دیتا۔" وہ روٹھ کر بولی تھی۔

"سوری نہیں ہنس رہی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ابھی تم بھی کھا رہی۔" ماہین کو بہت ہنسی آ رہی تھی۔ مگر اس نے ضبط سے کام لیا۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ ابھی تک کیوں ہوتی ہیں؟"

"رات کو ہی سے جو سوئی تھی۔" اس کا صاف جواب آ گیا تھا۔

"اور ہی سے کیوں ہوتی تھیں؟"

"نیند نہیں آتی۔" اس نے صاف بات کی۔

"اور نیند کیوں نہیں آتی؟"

"پتا نہیں۔" وہ کندھے اچکا گئی۔

"پتا نہیں روشانے تم مجھے اس عمر تک کی بڑی ہوئی محسوس ہو رہی ہو۔ یوں جیسے تمہارے ساتھ کوئی زبردست واقعہ پیش آیا ہے۔ کوئی ایسی سوچ تمہارے انداز بدل چکی ہے۔" ماہین نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"اپنی مگنی سے خوش نہیں؟"

"یہ بھی کوئی خوشی کی بات ہے۔" اس نے سر جھٹکا۔ "ساری دنیا میں لڑکیوں کی منگنیاں ہوتی ہیں۔"

"تو پھر کیا لڑکیوں کی شادی خوشی کی بات ہوتی ہے۔" وہ شرارت سے بولی۔

"کم از کم مجھے اپنی شادی والی بات پر کبھی کوئی خوش فہمی نہیں۔" وہ سنجیدہ ہوئی۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

"کھانا کیا بنایا ہے؟" ۔ ماہین نے کہا اور سعدی نیز اعداد میں اس پر لی۔
روشی کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔
"جی۔ میں کچھ نہیں" ۔ اس نے نہال رہتا۔
"کھا کے گئے ہیں تمہارے ابھی مہمان اور فرشتے بھی۔ پھر تم ہم فی الحال یہ موضوع موقوف کرتے ہیں۔ بعد کسی اور وقت میں بات کریں گے" ۔ ماہین نے گھورتے ہوئے کہا پھر موضوع بدلا۔
"بابا صاحب کہہ رہے ہیں دلہن کو ہال میں لے کر آؤ سب گھر والوں کے ساتھ تصویر بنائیں گی"۔
"بھیجو کون؟" (وہ ہیان اسی دلہن جاں کی طرف جا رہا تھا) اس نے پوچھا۔
"کاشف بھائی اور دوست فوٹو گرافی کرتے ہیں" ۔ گل نے بتایا۔
"اچھا؟" ۔ ماہین نے سوالیہ انداز میں روشی کی طرف دیکھا۔
"گل آپا کے بڑے بھائی۔ سید بھائی کے شوہر نامدار" ۔ روشی نے خانہ تعارف کا سر طے کیا۔
"روشی تو ابھی ناشتا کرے گی" ۔ ماہین نے گل کی طرف دیکھا۔
"ہاں تم آجانا گل۔ وہاں ابھی دیر تک سیشن ہوگا" ۔ گل دانت نکال کر گویا ہوئیں۔
"چلیں آپ جائیں" ۔ انہوں نے ماہین سے کہا۔ تو ماہین دروازہ پر دستک کرتی اندر آگئی۔

"لال خان نہیں آیا؟" ۔ بالو کی ماں نے اسے اکیلی سرتیہ تنہا گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر تعجب سے سوال کیا۔
بالو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ساتھ لایا ہوا ایک طرف رکھ کر جھکے جھکے انداز میں بیٹھ گیا۔
"طبیعت کیسی ہے تیری؟ چہرہ اترا اترا لگ رہا ہے" ۔ بالو کی ماں فکر مند ہوئی۔
"ابھی مجھ سے کوئی بات نہ کر ماں۔ آرام کرنے دے مجھے" ۔ اس نے بیزاری سے کہا۔
"تو کیا لال چلا کر آرہی ہے" ۔ وہ بھی بگڑ کر بولی
"رات بھر سوئی نہیں۔ نیند آرہی ہے مجھے"
"کیا بھنبھناتی رہی ہے اے مجھ؟" اس کی ماں کھٹک سی گئی تھی۔
"ہاں۔ سارے بکھیڑے اگل کر آرہی ہوں۔ بس تم چپ ہو جاؤ" ۔ وہ اسی طرح بیزار کن انداز میں بولا۔
اس کی ماں نے گھڑی بھر کو اس کے سراپے پر نظر ڈالی اور پاؤں پٹختی اندر کی طرف بڑھ گئی۔
بالو آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گیا۔
"ارے۔ میرے سونے کی چڑیاں کہاں ہیں؟"
اس کی ماں دوبارہ آئی تو بالو کا بایاں بازو دیکھ کر چونک گئی۔ "کہاں رہ گئیں مجھے میں اس کی بیٹی کی دو بالیاں تھیں"
چڑیوں کے چہچہے

"میں کی تھیں۔ رہ گئی ہوں گی۔ دو ہوں گی تو دو رہ گئی ہوں گی" ۔ وہ بے پروائی سے بولا۔
"کہاں کی تھیں؟" وہ ایک دم چوکنی ہو گئی۔
"لال جان کی اور کس کی"۔
"کیا؟" وہ چیخ کر بولی۔ "تو نے لال کی بالیاں بیچ دیں؟"
بالو چپ رہا۔
"بابا پاگل ہوں میں؟ اس کی ماں کے کان سونے کے ہیں۔ بالیاں لٹکتی رہیں گی"۔
"ماں! چپ بھی ہو جا۔ کیا چاند چڑھا رکھا ہے۔ چاندی کی ہیں۔ میں نے بیچ دیں۔ دو اور لے لینا"
"ہائے میرا بچہ۔ کیا پاگل ہو گیا ہے تو؟" اس کی ماں کے حلق سے چیخ نکلی۔ "کیا ہو گیا ہے تجھے؟"
"کچھ نہیں ہوا ماں۔ بس سر میں درد ہے۔ مجھے سونے دے"
"کیوں بیچیں؟ جو ہوا ہے وہ بتا۔ مجھ سے چھپا رہا ہے اس نے مارے تھے؟"
اس کی ماں کا ذہن الجھنے لگا۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ پھر فرش پر بیٹھ گئی۔
"تو مجھ کو ہی بتا دے۔ وہ تجھ سے لڑا کیا تھا؟" وہ چیخ کر بولی۔
"اسے وہ تو بڑا اچھا آدمی تھا۔ ایسا کیا اس نے کیا؟ کیوں کاٹا تھا اس نے تجھے؟ کیا اسے غصہ آ گیا تھا؟ کیا اس نے تجھے مارا تھ

بالو۔۔۔ دوبارہ لیٹ گئی۔

"کمرے بالو کے لیے پہلے ہی کیا تھا۔ بھلی نرس آ کر لے گئی۔ بیس منٹ بعد آ گئی ہے سیدھے پوچھ لے۔"

بالو اٹھ کر دوسری طرف برآمدے میں پڑے تخت میں آ کر لیٹ گئی۔ بڑی دیر دیوار پر ٹکی رہیں اس نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔

رات ایک بجے کا عمل تھا۔

وہ بری طرح تھک کر سویا تھا۔ دروازے پر ہونے والی دستک چڑی کی طرح گئی تھی۔ اچھا ہے۔ بی تو سکی چاہا کہ اٹھ جائے۔ بڑا ہوتا ہے۔

مگر دستک۔۔۔ اگر تھی سے اور بڑی احتیاط سے دی جا رہی تھی۔ اس کا ان فارغ ذہن کی طرف گیا۔

اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کی۔ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور تنگ آئے ہوئے انداز میں چپلی گھسیٹی۔ اگلے ہی لمحے یوں اچھل کر پیچھے ہٹا تھا۔ جیسے بھوت کو دیکھ لیا ہو۔ سامنے بھورا مکڑی تھی۔

"آپ۔۔۔ اس وقت؟" کہنے کے ڈھنگ سے بھی نکل سکا۔

"بری گھڑی کو کچھ کہیں آتی"۔ بھورا جیتا جاگتا مکڑی کا بچہ اور ایک ایک بالشت کے طوائف آدھے پیٹ پر بیٹھی بے نیازی سے مسکرا رہی تھی۔

باری نے قدرے سنبھل کر سامنے کا اور سیدھے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

"کیوں آئی ہیں؟" اس نے رکھائی سے پوچھا۔

"چاچی دو اس کو مکڑی کی۔ اس نے آج دن بھر کھانا نہیں کھایا ہے"۔

"میں صبح محترمہ کی خوراک کا انتظام کر کے گیا تھا۔ آپ بھکان نہ ہوں"۔ اس نے روکھے انداز میں جواب دیا۔ دروازہ بند کرنے لگا۔

"بھورے کہتی ہے باز دروازے اور چھوٹے کمرے میں اندھیرا ہے"۔

باری نے بے بسی سے دروازہ پھر سے کھول دیا۔

"جی؟"

"چاچی چاہیے۔ ہم راستہ گوا میں کرتے ہیں۔ بھوسلہ کہتے ہیں"۔

"وہ تیلی ہے بڑے خان کی۔ آپ ان سے چاچی لے لیں۔ مجھے نہیں پتہ"۔

"کون سے خاتیلے کے تحت تیلی ہے اڑیہاں۔ ایک منٹ میں بڑے خان کو بھسم کر سکتی ہوں۔ تمہارا ہم بھی آ لے ان کے ہاتھ"۔

"خدا کیلئے صبر کا پھل تو ضرور دے دیں۔ مجھے تو واقعی آپ چائی لگ رہی ہیں۔ بھلے ہی احسان ہو کہ بھورا"۔ اس نے ہاتھ

جوڑ کر التجا کی۔

"چاچی کے لیے تم دعا کرے۔ ہم دعا کرتے ہیں"۔ وہ مسکرائی۔

"چاچی کے لیے تم اس طرح کی بے ہودہ گفتگو بند کرو گے؟" اس نے بھورے کی جانب رخ کیا۔

"پہلے بھی ایک بے۔ تم اور ک

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ خاصا پریشان ہو گیا تھا کوکھ خاصی نیچے پر بالکل پرسکون نظر آ رہا تھا۔

حویلی کے پچھلے حصے میں پہنچا تو جھمر اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" اس نے نظریں پرا کر جھمر سے سوال کیا۔

"کیا تو نہیں لگ رہا کیا ہوا ہے؟" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا کہ اس عورت نے سر پھوڑ لیا ہے خون نکل رہا ہے؟" اس نے قدرے ناراضی اور حیرانی میں ڈوبی آواز میں دریافت کیا۔

"اس کی کوٹھڑی سے گہرا پیلا پانی نکل کر حویلی میں آ رہا ہے۔ اسٹول پر چڑھ کر خود جھانک لو۔" اس نے ذرا ناراضی سے کہا تھا۔ کوٹھے کے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ہادی نے ملگجے سے اندھیرے میں دیکھا پھر جھمر کو دیکھا اور آگے بڑھ کر اسٹول کھینچا اور چڑھ کر اندر جھانکنے لگا۔

عورت بھاگ کر کونے میں پڑی چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔ کم پانی کے سبب کی وجہ سے کچھ حالات دکھائی بھی نہیں دے رہے تھے۔

اس نے نیچے اترتے ہوئے کہا تھا اور اسٹول سے نیچے اتر آیا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ آپ کہاں جا رہے تھے۔" ہادی نے پوچھا۔ اس نے دروازے سے ہوا میں لگا لئے سے دروازہ بند کر دیا۔

جھمر نے کہا۔

"میں نے اس کے رونے کی آواز سنی تو اندر گئی۔ اس کے سر سے خون نکل رہا تھا۔ میں نے اسے بٹھا دیا۔ اس کی پٹی باندھ دی ہے۔ اب خون نہیں نکل رہا۔ اس لئے میں آپ کو بتانے آ گئی۔"

"پانی کا کیا کرو گی؟" وہ جھمر کے ارادوں میں دلچسپی لے رہا تھا۔

"پھینکوں گی۔ کیا کروں؟" اس نے تلخی سے جواب میں عورت کو لتاڑا۔

"پھینکنا نہیں ہے۔ اس کی رپورٹ کروانی ہے۔ ہم نے ایک کیس کے ساتھ پانی کا نمونہ لینا ہے۔" ہادی نے کہا۔

"پانی کا کیا کرنا ہے؟" عورت کا چہرہ خون سے اٹا ہوا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟" اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی اور وہ چونکی تھی۔

"مر تو رہی ہو اب آ کر خون نکل رہا ہے۔" ہادی نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر پانی کا جگ اٹھا لیا۔

"کیوں پھر رہی ہو اس طرح انسان مر جو نہیں رہا ہے۔" ہادی نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر پانی کا جگ اٹھا لیا۔

"پانی کا کیا کرنا ہے۔ تمہیں بڑی بیماری آ گئی ہیں۔ سب لوگ خوش ہو رہے ہیں تو مجھے ستاتی کیوں آ رہی ہے۔ نقصان تو ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہو رہے ہیں ان سب کے پھر سے خوشی کی خبر میں ہماری سزائیں کی گا ہی تو اعلان ہوا ہے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ آواز کانپ رہی تھی۔

ہادی نے پلٹ کر پیچھے کوٹھڑی جھمر کو دیکھا۔ پھر دبی ہوئی آواز میں گویا ہوا۔

"کوئی نہیں ہوا جشن منا رہے ہیں سب۔"

"ہائے یہ لوگ بے لوگ کام چلانے کی خاطر ہے تک چلا دیتے ہیں۔" جھمر نے ٹیک سر ہلا دیا تھا۔

"بھابی میں سرسوتی کے ہاتھ فرسٹ ایڈ باکس بھیج رہا ہوں۔ آپ اس کی مدد میں اس کا زخم صاف کر دیجئے۔"

"کھا چھوڑ جائے گی میں اور جو ہم بھاگ گئے تو؟" جھمر مسکراتی ہوئی اس کے پیار میں کھڑی ہوئی۔

ہادی نے سرسوتی کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر عورت کو تھمایا اور ایک اڑتی ہوئی نظر جھمر پر ڈالی۔

"یہ نہیں بھاگے گی اسے بھاگنا نصیب نہیں ہوا ہے۔"

دوسرا سوتی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔

"جب عورت کی مرہم پٹی ہو جائے تو مجھے آ کر بتا دیجئے گا۔ میں باہر ہی ٹہلتا رہوں گا۔"

اس نے بیٹھک میں بچھائی اکلوتی چارپائی سرسوتی کو تھما دی تھی۔

گھر کے حالات کے آثار کو کرنا ہوں ہادی اطلاع اور خاموشی سے کیس خارج کروا دی تھیں۔ وہ چھپا دی تھیں۔ ماتھے پر ہاتھ

www.Paksociety.com

کہیں سن کر بھی سنا نہ ہو۔ مگر خیر ہوا تھی۔ آگ اور ہوا سے تو جیسے سگی بہنیں ہوتی ہیں۔ ایک آواز کو لیں کی عادت چھوڑ نہیں ہے۔ وہ کسی عادی نشے باز کی طرح ہوا کے ساتھ کہیں کی طرف اڑی تھی کہ ان کو لے کے کسی سے ٹکرائی۔ مگر سامنے سے آتے ہوئے باری اور سرسوتی کو دیکھ کر وہ ان سے دور ہو گئی۔ یہ تو حسابی کتابی تھا۔ باری کی عدالت تو درست تھا۔ مگر یہ سرسوتی جو "سوئے سرسوتی" کی حقیقی تصویر ہوتی ہے یہ اس کے ساتھ کیا کر رہی ہے۔ "کیسی" کا دی ہے "کر رہی" کہیں گی۔ اس نے دانت پیسے اور اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی۔ ظاہر ہے انہیں نے اس کے پاس سے گزرنا تھا۔

باری تو اسے سامنے دیکھ کر دو پیسے کی بھی آ گیا تھا۔ بڑی کامل تیاری کے ساتھ وہ سرسوتی کی طرف بڑھا تھا۔

"کہاں سے آ رہی ہو سرسوتی؟" وہ اس کے قریب پہنچ کر اس نے سرسوتی کو مخاطب کیا۔ اور باری کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ سرسوتی تو "سیکرٹ سروس" کی ایجنٹ ہی کار کن تھی۔ اسے یہ تو پتا تھا کہ حویلی میں کس شخص سے کیا بات کرنا ہے۔ باری کی طرح گھگھیا کر رہ گئی۔

"میں ... تو ... گل ... اے ہے ... میں خان ... بال ..." اس نے مدد طلب نظروں سے باری کی طرف دیکھا۔

"ارے ... باقاخان کو؟ اس نے تصحیح بالجبر" کار" ساتھ لیے پھر رہے ہیں؟" اس نے بڑے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"جی! اصل بات یہی تھی۔ اب پلیز آپ اپنی خواری ختم کر کے ہمیں آگے جانے دیں۔" باری نے قصداً کچھ کرخت انداز میں دوٹوک لہجہ اختیار کیا۔

"میں تم سے مخاطب نہیں ہوں۔ میں اپنی ملازمہ سے گفتگو کر رہی ہوں۔ تم جا سکتے ہو۔" وہ بھی جواباً بولی۔

"جی تو پھر جلدی پوچھ لیجیے اسے ابھی بہت ضروری کام کرنا ہے۔"

اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر بڑی گہری سانس لی۔

"وہی پوچھ رہی ہوں آدھی رات کو کون سے "ضروری" کام ہو رہے ہیں؟" اس نے سرسوتی کو گھورا۔

"تم یہیں رکو سرسوتی میں ایک منٹ میں واپس آتا ہوں۔"

وہ بڑے تحمل سے ہوئے انداز میں تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ سرسوتی سے یہ تو اندازہ ہو گیا کہ سرسوتی کیا کہہ سکتی ہے اور کیا نہیں۔

روشی لے جاتے ہوئے باری پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور پھر سرسوتی کی سمت متوجہ ہو گئی۔

"بھئی سرسوتی! کیا کر رہے ہو باگ رہی ہیں؟" اس نے سرسوتی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"باگ رہی ساں" سرسوتی کے لہجے سے ہی یہ بات عیاں تھی کہ یہ پہچان نہیں کر پائے ہیں۔ ہوں سا لگے ہے جواب دیا تھا۔

"اوں" روشی نے سر ہلا دیا۔

"یہ ہوں ہاں کرتے ہیں کہ تم کیا کر رہی ہو؟ کہتے کیوں نہیں ہے"

روشی کا لہجہ طنز کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔

"ناں نو فرانے" سرسوتی کے منہ میں کھسکل پھس گئی... کچھ کہہ نہ پائی۔ صورتحال کے حقیقی ہونے کا

مطلب کیوں نہیں ہے سمجھے؟ وہ عورت پوچھ رہی ہے"

"کتنی بری بات ہے سرسوتی ہے ناں؟" روشی کی آواز نخوت سے بھری ہوئی تھی۔

"ہے ... ہے ... ہاں ... ہاں ... ہاں

سے جانا چاہتی ہوں۔ کرنیں کی توجہ سے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔ اس وقت مجھے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔"

"نہیں روشی بی بی۔" ہاری نے نرمی اور محبت سے اسے مخاطب کیا۔

"جن باتوں سے اگلی صدیوں تک آپ پر فرق پڑنے کا امکان نہیں۔ ان میں کیوں الجھتی ہیں آپ۔ ان کے جانے یا رہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

اس نے تحمل اور حلیمیت سے اسے سمجھایا۔

"ہو سکتا ہے فرق پڑے۔ اس میں کہہ رہی ہوں ناں، چلو مجھ سے ساتھ۔"

وہ اپنی ضد کے بین سطحانی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

ہاری نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ التجائی سا تاثر اور بجھا بجھا سا تھا جیسے وہ طویل عرصے سے بیمار ہو۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔ میں اس وقت اب وہاں نہیں جا سکتا۔" اس نے صاف صاف بات کرنا مناسب خیال کیا۔

"تمہارا خیال ہے تمہاری معذرت کے بعد میں اپنا ارادہ بدل دوں گی۔ حالانکہ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔" تلخ لہجے میں کہا اور پلٹ گئی۔

ہاری نے ایک لمحہ توقف کیا اور اس کے پیچھے چل دیا۔

اپنے پیچھے قدموں کی چاپ پر روشی نے جان لیا تھا کہ وہ پیچھے آ رہا ہے۔ اس لئے وہ پھر دوسرے احاطے کی طرف بڑھ گئی۔

مگر باہر پاؤں رکھتے ہی اندھیرے کی گھمبیرتا دیکھ کر رک گئی جیسے ہاری کے قریب آنے کا انتظار کر رہی ہو۔

"آپ نہیں مانیں گی؟ کیوں الجھنیں مول لیتی پھرتی ہیں؟" وہ اس کے قریب پہنچ کر قدرے ناراضگی سے گویا ہوا۔

روشی نے کچھ بولے بغیر قدم آگے بڑھا دیئے۔

جانے کہاں کہاں سے کتے نکل آئے تھے۔ روشی نے ڈر کر ہاری کا بازو تھام لیا۔

"چلیں واپس چلیں۔" اس نے التجائیہ نرمی سے پھر اس سے کہا۔

"چھوڑو یہ بے ہیں۔" وہ بگڑی۔ ہاری کا بازو پکڑ کر تقریباً کھینچا۔

"ضد سے کچھ ملتا ہے؟" اس نے زچ ہو کر کہا۔

"ہاں۔" وہ جھلائی۔

ہاری نے بے بسی سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ کتے اس کے پیچھے پیچھے بڑی طرح بھونکتے ہوئے دوڑے۔

"ان کتوں کو گولی کیوں نہیں مارتے؟" وہ ہاری کے قریب ہوتے ہوئے ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

"کبھی ضرورت پیش آئی نہ۔ حویلی آباد رکھوں یا ان بے زبانوں کو؟" وہ تیکھے لہجے میں گویا ہوا۔

"اس میری بات کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟ کیا تم ہمیشہ یہاں رہو گے؟"

"نہیں تو۔ میں نے کب کہا۔ میں تو ہمیشہ ہوں۔ ہاں ہمیشہ ہوں۔ ہمیشہ ہوں۔ ہمیشہ ہوں۔"

روشی نے بھنچ کر کہا تھا۔

"تمہارے جیسے ضدی انسان کی تھوڑی بھی جیسے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتے۔" وہ بڑبڑایا۔

ہاری اپنی ہی دھن میں بولا ہوا تھا کہ اچانک مڑا تو روشی کے بھٹک جانے کا سوچ کر حواس باختہ ہو گیا۔ وہ اس سے پیچھے رہ گئی تھی۔

"آپ۔ آپ کو کیوں چاہتی ہیں؟ ابھی تو آپ کے امتحان بھی دے رہی ہیں۔" اس نے جیسے بہت تلخ سا سوال کیا تھا۔

"مجھے اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اس موضوع پر بات نہیں کروں گی۔" وہ تیکھے لہجے میں گویا ہوئی۔

"مگر تم مجھ پر اپنی خوشی سے کھائی جاتی ہے۔" اس نے ماحول کو ہلکا پھلکا کرنے کی غرض سے جواب دیا۔

اس کا بازو روشی کے نرم ہاتھوں کی گرفت میں تھا۔ اس کی قربت کی حدت سے کانپ رہی تھی۔ بھیگ کر نڈھال ہو گئی تھی۔

"تم" اپنی خوشی" کا لفظ اپنی لغت سے نکال دو۔ مجھے کبھی اپنی خوشی کوئی نہیں ہوئی۔" وہ تلخ کر بولی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" اس نے نہایت ہی مسکین آواز میں کہا تھا۔

"کبھی تو خلوص سے پیار کیا کرو اپنی ذات پر۔" وہ بڑبڑائی تھی۔ لہجے میں گویائی تھی۔

ہاری بے ساختہ ہنس دیا۔ پچھلے حصے میں داخل ہو چکے تھے۔

ہاری کا بازو ابھی تک روشی کے ہاتھوں میں تھا۔ جسے روشی آگے بڑھتی ہوئی کھینچ گئی تھی۔ سب سے پہلے اس نے شہزادی کے پنجرے کا دروازہ کھولا کر اندر جھانکا۔ پھر خطرہ ٹلنے پر اس نے خاصی جرأت کے ساتھ پلٹ کر ہاری کی سمت دیکھا۔ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ہاری نے پیار سے پچکار کر بلی کو اپنے قریب بلانا چاہا۔ مگر وہ اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔

"یہ سرخی کہاں چلی گئی؟" اس نے ہاری کو مخاطب کیا۔

ہاری نے اسی کے انداز کے مطابق شانے اچکا دیئے۔

روشی کو بے پروائی اور لاپرواہی سے آتی ہوئی آوازوں پر جھنجھلاہٹ ہوئی اور وہ پاؤں اس طرف بڑھا گئی۔

اندھیرا گہرا اور جیسے دم توڑتی روشنی۔ چند لمحے اندھیرے میں بھٹکنے کے بعد پلٹ کر حیرت سے ہاری کی طرف دیکھا جو کہ کچھ فاصلے پر کھڑا نظر آ رہا تھا۔

مہر سرخی عورت کی مرہم پٹی میں مصروف تھی۔ اسے روشی کی آمد کا احساس نہ ہو سکا۔ البتہ سرخی بولا تھا۔

"روشی بی بی! آپ۔ یہاں۔ کیسے۔ کیوں؟"

وہ ہکلا گئی تھی۔ مہر سرخی کی آواز پر مرہم پٹی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ہاری روشی کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"آؤ روشی! اچھا وقت تم یہاں کیسے؟" وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

سے جانا چاہتی ہوں۔ کرنیں کی توجہ سے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔ اس وقت مجھے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔"

"نہیں روشی بی بی۔" ہاری نے نرمی اور محبت سے اسے مخاطب کیا۔

"جن باتوں سے اگلی صدیوں تک آپ پر فرق پڑنے کا امکان نہیں۔ ان میں کیوں الجھتی ہیں آپ۔ ان کے جانے یا رہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

اس نے تحمل اور حلیمیت سے اسے سمجھایا۔

"ہو سکتا ہے فرق پڑے۔ اس میں کہہ رہی ہوں ناں، چلو مجھ سے ساتھ۔"

وہ اپنی ضد کے بین سطحانی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

ہاری نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ التجائی سا تاثر اور بجھا بجھا سا تھا جیسے وہ طویل عرصے سے بیمار ہو۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔ میں اس وقت اب وہاں نہیں جا سکتا۔" اس نے صاف صاف بات کرنا مناسب خیال کیا۔

"تمہارا خیال ہے تمہاری معذرت کے بعد میں اپنا ارادہ بدل دوں گی۔ حالانکہ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔" تلخ لہجے میں کہا اور پلٹ گئی۔

ہاری نے ایک لمحہ توقف کیا اور اس کے پیچھے چل دیا۔

اپنے پیچھے قدموں کی چاپ پر روشی نے جان لیا تھا کہ وہ پیچھے آ رہا ہے۔ اس لئے وہ پھر دوسرے احاطے کی طرف بڑھ گئی۔

مگر باہر پاؤں رکھتے ہی اندھیرے کی گھمبیرتا دیکھ کر رک گئی جیسے ہاری کے قریب آنے کا انتظار کر رہی ہو۔

"آپ نہیں مانیں گی؟ کیوں الجھنیں مول لیتی پھرتی ہیں؟" وہ اس کے قریب پہنچ کر قدرے ناراضگی سے گویا ہوا۔

روشی نے کچھ بولے بغیر قدم آگے بڑھا دیئے۔

جانے کہاں کہاں سے کتے نکل آئے تھے۔ روشی نے ڈر کر ہاری کا بازو تھام لیا۔

"چلیں واپس چلیں۔" اس نے التجائیہ نرمی سے پھر اس سے کہا۔

"چھوڑو یہ بے ہیں۔" وہ بگڑی۔ ہاری کا بازو پکڑ کر تقریباً کھینچا۔

"ضد سے کچھ ملتا ہے؟" اس نے زچ ہو کر کہا۔

"ہاں۔" وہ جھلائی۔

ہاری نے بے بسی سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ کتے اس کے پیچھے پیچھے بڑی طرح بھونکتے ہوئے دوڑے۔

"ان کتوں کو گولی کیوں نہیں مارتے؟" وہ ہاری کے قریب ہوتے ہوئے ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

"کبھی ضرورت پیش آئی نہ۔ حویلی آباد رکھوں یا ان بے زبانوں کو؟" وہ تیکھے لہجے میں گویا ہوا۔

"اس میری بات کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟ کیا تم ہمیشہ یہاں رہو گے؟"

"نہیں تو۔ میں نے کب کہا۔ میں تو ہمیشہ ہوں۔ ہاں ہمیشہ ہوں۔ ہمیشہ ہوں۔ ہمیشہ ہوں۔"

روشی نے بھنچ کر کہا تھا۔

"تمہارے جیسے ضدی انسان کی تھوڑی بھی جیسے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتے۔" وہ بڑبڑایا۔

ہاری اپنی ہی دھن میں بولا ہوا تھا کہ اچانک مڑا تو روشی کے بھٹک جانے کا سوچ کر حواس باختہ ہو گیا۔ وہ اس سے پیچھے رہ گئی تھی۔

"آپ۔ آپ کو کیوں چاہتی ہیں؟ ابھی تو آپ کے امتحان بھی دے رہی ہیں۔" اس نے جیسے بہت تلخ سا سوال کیا تھا۔

"مجھے اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اس موضوع پر بات نہیں کروں گی۔" وہ تیکھے لہجے میں گویا ہوئی۔

"مگر تم مجھ پر اپنی خوشی سے کھائی جاتی ہے۔" اس نے ماحول کو ہلکا پھلکا کرنے کی غرض سے جواب دیا۔

اس کا بازو روشی کے نرم ہاتھوں کی گرفت میں تھا۔ اس کی قربت کی حدت سے کانپ رہی تھی۔ بھیگ کر نڈھال ہو گئی تھی۔

"تم" اپنی خوشی" کا لفظ اپنی لغت سے نکال دو۔ مجھے کبھی اپنی خوشی کوئی نہیں ہوئی۔" وہ تلخ کر بولی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" اس نے نہایت ہی مسکین آواز میں کہا تھا۔

"کبھی تو خلوص سے پیار کیا کرو اپنی ذات پر۔" وہ بڑبڑائی تھی۔ لہجے میں گویائی تھی۔

ہاری بے ساختہ ہنس دیا۔ پچھلے حصے میں داخل ہو چکے تھے۔

ہاری کا بازو ابھی تک روشی کے ہاتھوں میں تھا۔ جسے روشی آگے بڑھتی ہوئی کھینچ گئی تھی۔ سب سے پہلے اس نے شہزادی کے پنجرے کا دروازہ کھولا کر اندر جھانکا۔ پھر خطرہ ٹلنے پر اس نے خاصی جرأت کے ساتھ پلٹ کر ہاری کی سمت دیکھا۔ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ہاری نے پیار سے پچکار کر بلی کو اپنے قریب بلانا چاہا۔ مگر وہ اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔

"یہ سرخی کہاں چلی گئی؟" اس نے ہاری کو مخاطب کیا۔

ہاری نے اسی کے انداز کے مطابق شانے اچکا دیئے۔

روشی کو بے پروائی اور لاپرواہی سے آتی ہوئی آوازوں پر جھنجھلاہٹ ہوئی اور وہ پاؤں اس طرف بڑھا گئی۔

اندھیرا گہرا اور جیسے دم توڑتی روشنی۔ چند لمحے اندھیرے میں بھٹکنے کے بعد پلٹ کر حیرت سے ہاری کی طرف دیکھا جو کہ کچھ فاصلے پر کھڑا نظر آ رہا تھا۔

مہر سرخی عورت کی مرہم پٹی میں مصروف تھی۔ اسے روشی کی آمد کا احساس نہ ہو سکا۔ البتہ سرخی بولا تھا۔

"روشی بی بی! آپ۔ یہاں۔ کیسے۔ کیوں؟"

وہ ہکلا گئی تھی۔ مہر سرخی کی آواز پر مرہم پٹی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ہاری روشی کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"آؤ روشی! اچھا وقت تم یہاں کیسے؟" وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

"یہ کون ہے؟ اسے کیا ہوا؟" روشی تعجب سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اس کے جواب ہاری کے پاس تھا؟ وہ نہیں ملا تمہیں؟" عمیر نے فیصلی سے بیٹھ کی پی کاٹتے ہوئے نام سے پوچھا۔

"سرسوتی! ہاری باہر کھڑا ہے بلا کر لاؤ۔" اس نے سرسوتی کو حکم دیا۔

سرسوتی یوں بھاگ گئی جیسے منتظر ہی تھی۔

چند منٹوں بعد ہاری اندر داخل ہوا۔

"آپ کا کام مکمل ہو گیا۔" وہ اور است عمیر سے مخاطب ہوا۔

"ہاں! ہمارا کام مکمل ہو چکا، مگر تمہارا کام شروع ہوتا ہے۔" اس نے روشی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔

ہاری الجھ کر روشی کو دیکھنے لگا۔

"کون ہے یہ؟" اس نے بڑی خوفناک سنجیدگی کے ساتھ اس سے سوال کیا۔

ہاری خاموش رہا۔

"کیا پوچھ رہی ہوں میں؟ کون ہے یہ؟ اسے کیا ہوا ہے؟ اس کے پاؤں میں بیڑیاں کس نے ڈالی ہیں؟" وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

"یہ کچھ نہیں بتائے گا روشی بی بی! بلکہ میں بھی نہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں؟ کیا آپ کے راستے نہیں ہیں۔ آپ اپنی خوشیوں بھری زندگی کی طرف پلٹ جائیں۔ آپ کیلئے یہی بہتر ہے۔" عورت اپنا سر پکڑ کر چارپائی پر ڈھے گئی۔

روشی ساکت سی کھڑی اسے دیکھتی رہی، پھر مزید آگے بڑھی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے حاکمانہ انداز میں نام پوچھا۔

"بدنصیبی، روسیاہی، اندھیرا، تاریکی، تیرہ ظلام زادی۔" عورت نے بھیگے چہرے کو ہاتھوں سے رگڑا تھا۔

"میں نے تمہارے تخلص نہیں، نام پوچھا ہے۔" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"آپ نام جان لیں گی، کیا فرق پڑے گا مجھے یا آپ کو۔" وہ کہتے ہوئے رکی۔

"عمیر بھائی! کیا نام ہے اس کا، کون ہے یہ؟" وہ جیسے ہذیانی ہو گئی۔

"روشی بی بی! آئیے واپس چلیں، آپ کچھ دیکھنا چاہتی تھیں، آپ نے دیکھ لیا، لائیے عمیر بھائی! بیگ مجھے دے دیں۔"

ہاری کا سکون کمال تھا۔

روشی جیرتی سے ہاری کی جانب بڑھی اور اس کا بیگ کر روک سے جھٹکا دیا۔

"میں نہیں جاؤں گی اس وقت تک جب تک مجھے یہ پتا نہ چل جائے کہ یہ کون ہے، اس کا نام کیا ہے؟" وہ چیخ پڑی تھی

ہاری نے رسانیت سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا۔ وہ اتنی تیزی سے اس پر جھپٹی تھی کہ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کا رویہ اس کا انداز جیسے بھول گیا تھا کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔ وہ عمیر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھی خود کو روشی کے سامنے بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اسے روشی کی ضد اور وحشت سے خوف آنے لگا تھا۔

"بھابی! آپ کو کیا ہو گیا ہے، آپ کیوں پاگل ہو رہی ہیں؟" آپ بیٹھیں۔"

اس کی آواز سنتے ہی روشی کا ذہن جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔ اس کے لہجے کی تحکمیت تاکید اس کے دل میں کھبنے لگی۔

قریب تھا کہ پھر اس کا دل جنگ ہار جاتا، وہ اس کی بات مان لیتی، انجانے دل دہی اس کے ساتھ ہونے لگی تھی۔ مگر تب ہی اس کی نظر ہاری پر پڑی۔ وہ اس سے دور ہوتی ہوئی اس کے نزدیک آ گئی۔

"میں یہاں کھڑی ہوں، مجھے حق ہے کہ معلوم کروں اگر کچھ ہے تو کیا ہے؟" وہ پھر عمیر کی طرف بڑھی۔

"آپ ہاری کی ذاتی حد تجاوز کر رہی ہیں، کس حساب میں کر رہی ہیں، کیا لگتی ہے یہ آپ کی؟" وہ عمیر سے مخاطب ہوئی۔

عمیر عورت کے ہاتھ سے پانی کا کٹورا لے کر روشی کی سمت بڑھا۔

"یہ بی بی قید شریک ہے، اس کلی رشتہ ہے میرے اور اس کے بیٹے۔ باقی تم ہاری سے پوچھ لو۔ ہو سکتا ہے اس کی کچھ لگتی ہو۔"

وہ متحیر انہ انداز میں مسکرائی۔

ہاری کا رنگ اپنی جانب دیکھ کر ہوائی ہو گیا۔

"نام پوچھ رہی ہوں میں تمہارا؟" روشی ہاری کی سمت بڑھنے کی بجائے پھر عورت سے مخاطب ہوئی۔

عورت نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا، چند لمحے تک دیکھتی رہی۔

"بہت پیاری ہو مگر اپنی ماں جیسی پھر بھی نہیں ہو۔"

وہ جملہ ادا کر کے آنکھیں موند گئی۔

"میری ماں کو کیسے جانتی ہو، کیا نام ہے ان کا بتاؤ؟" روشی وفور شوق سے چارپائی کی پٹی سے لگ گئی۔

"کیا ان کا نام مجھے بھول سکتا ہے، [illegible]" عورت نے اپنی بات پر خود ہی دھیرے سے ہنس دی۔

"مجھے کہنے دیجیے! میں نے تو تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" روشی کے اندر تجسس کا سمندر امڈ پڑا تھا۔

"تمہیں کہنے نہیں بچا لوں گی، زبیدہ اور یاور علی خان کی بیٹی ہو، محمد علی خان کی بھتیجی ہو۔ بھلا تمہیں نہیں بچا لوں گی تو کسے بچا لوں گی۔" عورت خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

"تم مجھے اپنا نام بتاؤ، باقی میں خود پتا کر لوں گی۔" وہ تیزی سے بولی تھی۔

"عمیر بھائی! جب ہمارا کام ہو گیا ہے تو ہمیں اس جگہ سے چلنا چاہیے۔" عورت نے ایک لمحے کیلئے آنکھیں کھول کر روشی کو دیکھا۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

"سلیمہ بتا تو خصوصت ہے کون ہو تم؟" روشی نے اسے خود سے الگ کیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

عورت خاموش رہی۔

"باری! یہ کون ہے؟" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

"میں آپ کو بتا دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ آپ اس وقت میرے ساتھ چلیں۔"

موقع سے فائدہ اٹھانا اس کی مجبوری تھی۔

"اور تم کہاں جاؤ گے؟" وہ اس کی طرف سے پریشان تھی۔

"میں نے کہا ناں آپ کو بتا دوں گا۔" اسے چلنے کی جلدی ہو رہی تھی۔

روشی آگے بڑھتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"باری!" مجھور نے آواز دی۔

باری جو پلٹ چکا تھا آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ مگر مڑا نہیں۔

"اب کب آؤ گے؟"

روشی کا وجود جیسے آگ میں جلنے لگا۔ اس نے نہایت سلگتی ہوئی نظریں اٹھا کر مجھور کی طرف دیکھا۔

"بھتیجے بزنس بھائی! آپ کو باری کے آنے جانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہیے۔"

"باہر آئے تو آپ دیکھ لیجیے تاکہ بے چارہ سوتی پاور لوم" باری نے ہاتھ اٹھا کر سوتی کو مخاطب کیا۔ سوتی مضمحل ہنسی ہنسا تھا۔

"میں باہر نہیں آ سکتی" یہ جملہ کہتے ہوئے اس کا دم گھٹنے لگا۔

"تم لگانے کی کوئی ضرورت نہیں کہیں بھاگے نہیں جا رہے ہم۔" وہ تلخ کر بولے۔

باری کی عجلت نیند کی وجہ سے سوا تھی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ بند کیا اور گھٹنوں سے کپڑے اٹھا کر باندھتا ہوا باہر جانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ روشی اس کے پیچھے پیچھے دوڑی۔

"اے مجھور بھائی! کھڑکی بند کر دو۔"

"آپ جا رہی ہیں تو آپ بھی اندر کمروں کے اندر ہی رہیے گا۔" وہ چلایا۔

روشی تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے پہلو میں پہنچی۔

"کہاں جا رہے ہو تم لوگ؟" وہ چیخی۔

"میں آپ کو بتا دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ آپ اس وقت میرے ساتھ چلیں۔" وہ چلایا۔

"کہاں جا رہے ہو تم لوگ؟" وہ چیخی۔

"میں آپ کو بتا دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ آپ اس وقت میرے ساتھ چلیں۔" وہ چلایا۔

روشی تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے پہلو میں پہنچی

www.Paksociety.com

کھلکھلاتے ہوئے کہا اور سوچا۔

"آپ (اک اسے) پریشان کیوں ہیں؟ میری خوشی پر خوش کیوں نہیں ہیں؟ آپ لوگ میرے (اس سکا) پیچھے آنے پر کر عورتوں سے مخاطب ہوئی۔

"خوشی"۔ عورتوں نے تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔

"یہ پاگل تو نہیں ہے؟ اور تو اور یہ وہ گونگی بالو تو نہیں ہے۔ کیا زبان ہو گئی ہے؟ کچھ بولتی کیوں نہیں؟"

"تجھے لانے ہوتے تھے، ہاں۔ بیبیوں میں بھیجی تھی۔ ہم نے خود دیکھا تھا اگر۔ اسے اس کے ساتھ اس نے [illegible] ہمیں ایک سے لاکھ ٹکا نہیں گئی اگر لال خان کے طور طریقے اور سے ساتھ اسے بھلے تھے کہ ایسی عادت کے [illegible] ہاں اور دیکھنے کو نہیں ملتے۔ بدنصیب کے نصیب میں سکھ ہی نہیں ہے۔ پتھر سا آ بیٹھا ہے چھاتی پر۔

اس کا باپ تو پہلے ہی بیمار تھا۔ اب تو یہ صدمہ سیدھے سادے میں خاک اسے لگا ہی جائیگا۔

چھ کروں کا بھرا ہوا گھر، فرنیچر تو وہ بیچنے والا، ٹیلی ویژن، رنگ والا ٹیلی وژن، ڈیک، ڈیوڈ [illegible] کے لئے شربت گھولنے (جوسر) بجلی کی مشین، کپڑے دھونے کی یہ بڑی سی مشین اس میں دھلوائی میں سکھ نہ [illegible] جان کر نہیں گھوانا تھا کرائے سیدھے لوگ اس کی عورت کو بھیجتے ہیں، ٹیلی کا بیمار"۔

اس کی ماں کلس کلس کر نعمتیں یاد کر رہی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے یہ، ایسا بھرا گھر بھلے کی کسی لڑکی کو نصیب نہیں ہوا"۔ روبی حلیمہ نے تائید کی۔

(اور وہ بھرے گھر والا [illegible] بڑی تو عدد اور پانچ مصنوعی دانتوں کے ساتھ امریکہ کا صدر نظر آتا تھا جیسے۔ تو بیٹھے کر آدھا گھنٹہ اس کے ساتھ۔ بڑی ٹی "جن پری" کو کھیل کیا تھا میرے باپ نے مشینوں سے بنی چاہی تھی۔ ہونہہ!)

"ابھی زندہ اگر جھگڑا ہوا ہے تو کوئی بات نہیں۔ یہاں بیوی جھگڑا کیا ہی کرتے ہیں۔ ابھی "کاغذ" تو نہیں لکھ دیا اس نے۔ دو چار لوگ بیچ میں پڑیں تو صلح صفائی ہو سکتی ہے"۔ ماں نے روشنی کی کرن دکھوٹنے کی کوشش کی۔

"مجھے نہیں کرنی صلح صفائی۔ آپ لوگ اپنے دماغ میرے سینے میں نہ گھسیڑیں۔ سمجھ لیں ہوگی"۔ وہ تنک کر بولی۔

"دیکھ لو اس اس کے رنگ ڈھنگ"۔ اس کی ماں نے شکایتی انداز میں بڑھاتے کہا۔

"کیوں اپنے باپ کا وزن بڑھا رہی ہے۔ کل کو یا "ہی" جہنی گود میں کھیلے گا۔ جیسے باپ کو تائی "ایسا تیسا" ہاں ہاں" حلیمہ اکتاہٹ سے بولی۔

"کوئی نہیں کھیلے گا میری گود میں، اپنے لئے میں کسی فیکٹری میں نوکری کروں گی"۔ اس نے فوراً جواب دیا۔

"طلاق لیتے سے تجھ میں بہت سے ہوتی تھیں کے؟" یاسمین الزوجہ ہوئی۔

"ہاں"۔ وہ تڑخ کر بولی اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔

"تو بیچ تو کرو گی اس بات کی ہوئی ہے؟" ماں حلیمہ تشویش سے بولی۔

"میرا تھا اس کا باپ "لال خان" بیچ کرے گی تھی۔ ہونہہ!" اس کی ماں بڑبڑائی سے بولی۔

"تو خود جا کر خاموش کیوں نہیں کرا دیتی اس کی ماں کر آپا ہے"۔ ماں نے طعنہ دیا۔

"مجھ پر نصیب تو ہوا ہے [illegible] اسی کی تھی"۔ اس کی ماں سے جواب دیتے کہا۔

"تو بچ کی بیوی تھی"۔ ٹالی حلیمہ نے زور دیا۔

"پھر چل جائیگی کیا کرے تم"

روبی بیچوں نے اسی وقت آپس پھیلا کر دعا کرنا شروع کر دی۔ جیسے واقعی وہ دعا کیے کی تا کہ [illegible] تھیں۔

ماجین اور یاور علی خان ہری پور جانے کیلئے تیار ہی تھے کہ وہ صاحب کا حکم آ گیا۔

روبی کے سسرال والے [illegible] ہیں۔ ماجین اس [illegible] ایک ہی جگہ رک جائیں۔

ماجین کو اب یہ حکم بادل نخواستہ ماننا پڑا۔ اور اسی بات کی غرض سے پول کا انتظام ایک ہی جگہ ہو گیا۔

[illegible] بچے تھے مگر روبی ابھی تک اس سے کھل کر بات نہ کر پاتی تھی۔ مگر یاور علی خان سے بے تکلف تھا۔

جب وہ نہیں تھی تو روبی کے حادثات سے غیر متعلق تھی مگر اب وہ ان کے اہم ترین فرائض میں شامل تھی۔

[illegible] آ بیٹھی اصلی ہال میں۔ اصل ہوئی۔

ڈیوں نے اسے دیکھتے ہی خوشی سے نعرہ مارا۔

"السلام علیکم"۔ اس نے بیٹھنے کی جگہ تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ کہا۔ کیوں پر نظر دوڑا کر روبی کو بھی تلاش کیا۔

"خوشخبری پہنچ گئی آپ کو؟" اس نے خوشی سے سرشار آواز میں ماجین سے سوال کیا۔

"خوشخبری؟ کیسی خوشخبری؟" اس نے قدرے حیران ہو کر سوال کیا۔

"کمال ہے آپ کو نہیں پتا؟ حالانکہ آپ کو تو سب سے پہلے پتا چلنا چاہیے۔ روبی کے سسرال والے [illegible] ہیں۔ علیم الدین اینڈ فیملی۔ وہ لوگ عید سے پہلے شادی کرنا چاہ رہے ہیں"۔

"آپ نے کون سی تاریخ مناسب رہے گی؟"

ہونا خوشی سے پھولی ہے [illegible] تھی۔

"تو روبی سے [illegible] ہوگا"۔ ماجین نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ارے بالکل نہیں، روبی کو کیا آپ اصطبل [illegible] کر سوتی ہے"۔ وہ ڈیوں نے آواز لگائی۔

"احتیاط کرو، کہیں ایسا نہ ہو [illegible] تھی نہیں پڑی"۔ وہ ڈیوں نے [illegible] کو مخاطب کیا۔

"تم کیوں جا رہی ہو؟ [illegible] بھاگ کر گھر جائے گی بھلے"۔ [illegible] کے ساتھ ساتھ وہ ماجین کی [illegible] تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا [illegible] جاؤ تو۔ وہ [illegible] کر روبی روبی گھنٹی واپس بھاگ آئے گی۔ خود ہی آ جائے گی [illegible]"۔ [illegible] کو [illegible] کیا سمجھ جاتی تھی۔

"تمہارا کیا ہے آپ لوگوں نے؟" روبی جھلائی ہوئی [illegible] تھی۔

شادی کے ان میں آپ
[illegible]

تالیاں دیر تک لگتی رہیں۔

روشی نے الجھ کر ماہین کی سمت دیکھا۔

"کس کی شامت آرہی ہے اب؟" وہ خفا سا ماہین کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"تمہارے سسرال والے آرہے ہیں تاریخ لینے"۔ ماہین نے سمجھ کر اسے مطلع کیا۔ ساتھ ساتھ وہ اس کے بالوں کا بھی بغور جائزہ لے رہی تھی۔

روشی تو جیسے ایک دم سناٹے میں آگئی۔ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ اس سے پوچھا بھی نہیں گیا۔

"سسرال والے"۔ کس قدر اجنبی سا محسوس ہوا تھا یہ لفظ۔

"کس بات کی تاریخ لینے"۔ وہ طیش پر قابو پاتے ہوئے بس اتنا ہی بول سکی۔

"جنگ کی"۔ وہ چڑ کر بولی۔

"اللہ نہ کرے۔ اچھی بات منہ سے نکالو"۔ گلوے نے ٹوکا۔

"آج شام چار بجے تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ تم اچھی طرح تیار ہو جانا"۔ مونا نے کہا۔

"ٹھیک ہے اعشار یہ تین چھ کا ایک ریوالور اور سیون ایم ایم کی ایک رائفل وہ بھی لوڈڈ بھیج دیجئے گا۔ کیا ہی سب سے اچھی تیاری ہوگی"۔ اس نے گھلتے ہوئے لہجے میں کہا۔

گلوزری مغنیہ اور ماہین نے اس کے لہجے کا زہر یلا پن یوں محسوس کیا تھا جیسے وہ ان کی ذات سے اہل رہا ہو جبکہ دوسری لاابالی لڑکیوں نے اسے اس کا مخصوص "اسٹائل" سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

ماہین نے بڑی ہی "معالجانی نگاہ" سے ان کا جائزہ لیا۔ پھر اس کا زخم گردن پر ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"بی ہیو یور سیلف۔ اپنا کیریکٹر لوز نہیں کرو"۔

"کیوں نہ کروں۔ انسانوں کو بھی یوں استعمال کرتے ہیں جیسے بکن میں بارود بھرتے ہیں"۔ وہ بھڑکی۔

"اس کا مطلب ہے شام کو کھانے پر تمہاری سرجیکل اسٹرائک ہوگی"۔ مریم تصویر کو دوسرے رخ سے دیکھ رہی تھی۔

"رات کو"۔ بینے نے تصحیح کی۔

"ہاں بھئی۔ وہی وہی"۔ مریم نے صلح جو انداز میں جواب دیا۔

"جاؤ تم اپنے کمرے میں۔ میں ابھی آتی ہوں"۔ ماہین نے خود سرانہ انداز اختیار کر لیا تھا۔

"ابھی تو میں اپنے ایک اہم مشن پر جا رہی ہوں۔ ابھی فی الحال آپ ان سب سے بات چیت کیجئے آرڈر ملتے ہی"۔ وہ ہاتھ کھڑی ہوئی۔

"مشن۔ کیا مشن۔ کیا گھر سے باہر جا رہی ہو؟" ماہین ابھی۔

[illegible]

"ہاں۔ کیا ہوا ہے؟" ماہین کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر گر پڑا۔

"کیا پاگل ہو گئے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟" دروازے میں ایستادہ ماہین نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"ماہین پلیز کوئی تماشہ نہ کرنا"۔ مریم نے التجا کی۔

"ماہین۔ ابھی سے"۔ جیسے ہی دھچکے کے دور سے "ماہین" کچھ کی قرار پذیر ہوئی۔ "اب تو خیر۔ چار گھنٹے بعد ہی سہی" "ب" بھی چار نہیں ہوگی"۔

ماہین بے یقینی سے بہن کو دیکھے گئی۔ وہ بیزار سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیوں تیار نہیں ہوگی۔ کیا فرمائے گی؟ تو سنا کیا ہے کہ بھی لے۔ تیار ہو کر فرمائے"۔ مریم کو "بدشگونی" سے بچانے کی خاطر ہونٹ کاٹنے پڑے۔

"وہ نہیں فرمائی۔ اسے تو اپنے جیسے کا کام دوسروں پر ڈالنے کی عادت ہے۔ تم سے کہہ دے گی۔ میرے جیسے کو فرمائیں۔ میرا موڈ نہیں ہوا"۔ روشی نے وہ جملہ بالکل پیش کیا۔

ساری لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ صرف ماہین مصروف سی جیسے کوئی جائزہ لے رہی تھی۔ جن کا انداز یوں تو دوسروں سے لاتعلق تھا مگر روشی سے متعلق تو وہ خاصی چوکنی ہو گئی تھی۔

بدلی بدلی محسوس ہوا جیسے لڑکیاں اس کی "ہپ" سے خاصی مانوس ہو گئی ہیں۔ وہ راضی ہو گئی۔

سب شام کی تیاری کا موضوع لے کر باتیں کرنے لگیں۔

"سرسوتی"۔ اس نے گودام سے نکلتی سرسوتی کو آواز دی۔

"جی۔ سان۔ بی بی"۔ وہ رات کی وجہ سے بہت ڈری ہوئی تھی۔ گودام کا دروازہ کھلا چھوڑ کر بھاگی چلی آئی۔

"خان گھر ہے؟"

"نہیں کھلو جاؤ۔ بن آسان"۔ وہ اصطبل کی طرف دوڑی۔

"گلو۔ وہ ریلوے کا آئینہ صاف نہیں ہوا تھا سے دو دن میں"۔ پانی سے آئی ہوئی لیرانی ٹل کھائی کھڑکی اس نے کہا۔

جوابی ہن بھی تھی جس کے فرشتوں کو بھی امید نہیں تھی کہ وہ یوں راہ میں کھڑی ہو گی"۔ وہ دل کی بے تحاشہ دھڑک گئی تھی۔

"بھی ہوں کی تھی بی بی"۔ مانے مجھے ہدایت دی تھی۔ پھر کچھ کہہ کے کہ اس کی عزت پر حرف آئے۔ وہ اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتی گودام میں بنے خان کی چلم بھرنے چلی گئی۔ واپس آئی تو بھابی (سسہ) بھی اپنے بیٹے (دیور) کے ساتھ کھڑی تھی۔

"آپ سو جائیں گی جانا اور آنا ہے یہاں سے"۔

"مجھے پتہ ہے۔ اداس اور بھائیوں کی یاد آئی۔ تھوڑی دیر رکو۔ ابھی میں بھی جاتی ہوں۔ تم

www.Paksociety.com

"تو پیچھے جاتی ہے کیا؟" (اس کا اشارہ حویلی کے پچھلے حصے کی طرف تھا)

"نہ لی۔ میرا ایک کام ہے ایک بڑھیا آتا ہے ادھر۔ وہ بھجوا دوں گی کر چلا جاتا ہے۔ سرسوتی کو بھی آتے ہی ہوں گے۔ سب دیکھو آ رہی ہے۔ سب دیکھو جا رہی ہے۔"

"پیشہ ور اور ایک جلسی" یہاں بھی تھی۔ کھلونے بنا کر گاؤں بیچ جانے کا موقع تھا۔ وہ مان سب نہیں سمجھا۔

"اور کسی کو آتے جاتے دیکھ۔"

رات کے واقعے نے اس کی گھریلو الٹ کر رکھ دی تھی۔ تیم سے گھر والوں کی آمد تک پیچھے اس کیلئے ہاتھی دانت کی ہو گئی تھی۔ جسے جب چاہے وہ اپنے طرف سے ویٹو کر سکتی تھی۔ دوسرے اسے اگلے ہفتے میں اس نے بھی تحویل کی گروگھوم رہا تھا اس کیلئے اصل مسئلہ تو تھا۔

"نہیں ادھر کوئی نہیں جاتا۔ بڑے خان کا حکم نہیں ہے۔ اور ہی ادھر رکھا بھی کیا ہے۔ بس خان کی (باری) آتے ہیں ہر ہفتے۔ وہ حویلی پوری حویلی میں پھرتے ہیں۔ بڑے کام ہوتے ہیں ان کے۔"

کھلونے بولی اپنائیت و دلسوزی سے کہا۔ (ہاں اسی کے کندھوں پر ٹکی ہوئی ہے حویلی)

"اور خان ۔۔۔ اور کیسے لگے" سرسوتی روٹی ہوئی وہیں آ گئی۔ اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔

"تو ہار دیکھے گیا ہوا ہے؟" اس نے سرسوتی سے پوچھا۔

"ایک دیئے تو وہ کدی نہیں جاؤ گے ہیں" سرسوتی نے نظریں چرا کر جواب دیا۔

جانے کیوں اسے یوں محسوس ہوا جیسے سرسوتی جھوٹ بول رہی ہے۔ اور وہ اصطبل میں باری سے باتیں کرنے آئی ہے۔

"اور کون کون ہے اصطبل میں باری کے علاوہ" اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"(مگر) گندر (جانوروں کا ڈاکٹر) کو کھرا ہے۔ دیکھ بھال چھ کیا ہے۔ اور چاچا چترالی۔" وہ انگلیوں پر گن کر بتانے لگی۔

"جانوروں کا ڈاکٹر خان لگا رہا ہے یا ڈاکٹر؟"

"ڈاکٹر لگا رہا ہے۔ خان نے" وہ ڈاکٹر کر رک گئی۔ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ روشی اس کی کمزوری دیکھ کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی۔

سرسوتی خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ ساری زندگی میں کردار کو اس سے زیادہ ڈوبتا محسوس نہ ہوا تھا۔

روشی پتھر بنے سرسوتی کو دیکھتی رہی۔

"چلو۔ جاؤ تم" اس نے پھر اسے جانے کو کہا۔ سرسوتی بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

"جاؤ" اس نے دہرایا۔

"ہاں" سرسوتی نے سر ہلایا۔ "جاتی ہوں۔"

"اور سنو۔ کسی سے کچھ نہ کہنا۔ کسی سے بھی نہیں۔ سمجھ گئی؟"

"ہاں" سرسوتی نے پھر سر ہلایا۔

"جاؤ" روشی نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ سرسوتی پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی۔

روشی کو ایک دم سے یاد آیا تھا کہ وہ کچھ کہنا بھول گئی ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ سرسوتی کافی دور جا چکی تھی۔ وہ اسے آواز دینے کا ارادہ ترک کر کے اصطبل کی طرف بڑھ گئی۔

"السلام علیکم" روشی نے قریب پہنچ کر اکرم کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام" باری نے جواب دیتے ہوئے سوالیہ نظروں سے باری کی جانب دیکھا۔

"حویلی کے مالکوں میں سے ایک ہوتی ہیں" باری نے تعارف کروایا۔ اکرم ایک دم محتاط ہو گیا۔ اور خاصا مودب نظر آنے لگا۔

"باری گر" تو خاصا ٹھیک ہے۔ البتہ آگ لگی بہت سخت ہے۔ اب سے تحسن فروخت کیا ہے یا پھر ساری چوکری جل گئی ہے" باری نے سر سے اکرم سے مخاطب ہوا۔

"باپ دادی کا دل سا تھی۔ بچے کے صدمے سے سنبھل پائیں" اکرم اصطبل میں نظریں دوڑا کر پوچھنے لگا۔

"حویلی اسلامی ہوسپٹل خاب جاوی کیلئے" روشی نے وضاحت کی۔

"ہاں حویلی میں بہت ہیں" باری نے اکرم کی بات کی۔ اکرم نے بے ساختہ وقت لگایا تھا۔

روشی پر اطمینان کا کر دھر دھر دیکھنے لگی۔

"ڈاکٹر صاحب ایک گھوڑے کی طرف ہے۔

"کیسے زخمت کی؟" باری نے کن انکھیوں سے اس کی صورت دیکھی۔

"کھور پھولی ہو پچھے تی ہوں۔ زخم ہو گیں"

"ڈاکٹر صاحب خاص ڈاکٹر ہیں۔ وہ کر ڈاکٹری کرامات دکھائیں گے۔ دیکھنے کا"

"کی رات والی بات کے حوالے سے بات کرنی ہوں" وہ جل کر بولی۔

"بھتہ ہوا ہے کے آئی ہیں۔ آپ کی خدمت کیلئے حاضر ہیں۔ آپ کو بتا رہے ہیں" باری نے بڑھتے کی کوشش کی۔

"بات سمجھے نہ کرے۔ بھوار بھی پڑ رہا ہے" وہ آگ کی طرف سے گویا ہوئی۔

"تو پچھے" باری نے اکرم کو نظریں چرائی ہوئی تھیں۔

"وہ کون ہے؟"

"چھوٹے صاحب ہے پچھے۔ شہر والے ہیں" باری نے واضح مضطرب تھی۔

"کیسے لگی ہے آگ۔ کیا کرتے ہیں وہ" اکرم نظریں چرائے ہوئے تھا۔

"آپ بھی تحسن کریں۔ مجھے تحسن معلوم۔ میں نے بھی بھائی کو بتایا ہوا۔ آپ ان سے پوچھ لیجئے" وہ فوراً

"ان کو کیوں اس عورت سے خطرہ ہے۔ ہری مرچ کو بیک میل کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ وہ تم پر بہت آسانی سے قابو پا لیں گی۔ مگر شاید تم بھی یہی چاہتے ہو"۔ روشی نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"یقین کیجیے۔ اس قصے میں میرا کوئی حصہ نہیں۔ اب وہ چاہے جو بھی کرتی پھریں"۔ باری نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا اس عورت نے تمہاری کوئی کمزوری پکڑ لی ہے؟"۔ اس کی آواز میں بے چینی تھی۔

"شاید۔ انہیں بہت انسیت ہو چکی ہے اس سے"۔ باری نے جواب دیا۔

"انسیت تو انہیں تم سے بھی بہت ہو چکی ہے"۔ روشی نے خفگی سے مسکرا کر کہا۔

باری خاموش رہا۔ اور قریب کھڑے سفید گھوڑے کی پشت سہلانے لگا۔

"ایک بات بتاؤ باری"۔

"جی؟" وہ اس کے لہجے پر متوجہ ہوا۔

"میں آگ اگل نہیں سکتی۔ مگر تم نے مجھے بہت کچھ بتا دیا ہے۔ اس عورت کا انداز بتا رہا تھا کہ تم اس کے محرم راز ہو"۔ روشی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ تخیل اور وہم استعمال کرنے کے شوق میں جانے آپ کیا کیا بول جاتی ہیں۔ کہ آپ کو احساس تک نہیں ہوتا"۔ وہ جھینپ کر بولا۔

"کیوں کیا بول گئی ہوں؟" وہ بگڑی۔

"کچھ نہیں۔ ہر حال میں خدمت گزار ہوں۔ کسی بھی قسم کی خدمت سے قاصر ہوں"۔ باری نے دوٹوک انداز اپنایا۔

"دیکھو باری۔ اگر مجھے پتہ چل گیا ناں کہ تمہیں سب پتہ ہے تو اچھا نہیں ہوگا"۔ اس نے دھمکی دی۔ باری نے مسکراہٹ ضبط کی۔

"ایک بات کہوں"۔ اس نے جاتی ہوئی روشی کو مخاطب کیا۔

روشی رک کر اس کی بات کا انتظار کرنے لگی۔

"سب بچے۔ جو کچھ ہوا ہے۔ واقعی اچھا نہیں ہوا ہے"۔ وہ شرارت سے گویا ہوا۔

"پتہ ہے کہاں تھیں"۔ اس نے دانت پیسے۔

باری کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے لاؤنج ہوئی تھی حالانکہ بات کچھ کی نہیں تھی۔ اگر بیوقوفی تو حویلی کی دوسری لڑکیوں کی طرح اپنے کام سے کام رکھتی۔ مگر وہ بھی کیا کرتی۔ اس بات کی تہہ تک پہنچنا اس کی فطرت میں شامل تھا۔

اگلی دوپہر وہ عورت۔ تمہ پاؤں تک نظر آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا سوٹ کیس تھا۔

تھی۔ وہ کیلی وک اور فرید مزدال کے ہمراہ تھی۔ [illegible] اس کی آمد کی خبر سنی تو [illegible] اس کی آمد کی خبر سنی تو [illegible] اس کی آمد کی خبر سنی تو

"السلام علیکم"۔ اس نے سنجیدگی اور بے نیازی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ بیٹھو"۔ انہوں نے بھی نہایت خشک انداز میں جواب دیا اور کتاب میں کھو گئے۔

وہ خود ان کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"کیا کر رہی تھیں؟" ان کی بھاری آواز ابھری۔

"کچھ نہیں"۔ اس نے نظریں چرائیں۔

"پیچھے کیا کرنے گئی تھیں؟" انہوں نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔

وہ خاموشی سے اپنے پاؤں دیکھتی رہی۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے؟" وہ بدستور اس سے مخاطب تھے۔

"پھپھو کے پاس گئی تھی"۔ بالآخر وہ بولی۔

"کس کی بھائی تھیں وہ۔ میں وہ ظفری کہتے ہے۔ باقی حویلی والوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں"۔ وہ تلخی سے گویا ہوئے۔

"اب وہ ظفری بھائی کی دلہن ہیں تو سب کی رشتے دار تو ہوئیں نا"۔ اس نے بھی قدرے ناراضگی سے کہا۔

"تمہارے رشتے دار بس وہی ہیں جو ہم نہیں کہ تمہارے رشتے دار ہیں۔ جن کا ایک ہم کر رہے ہوں وہ تمہارے کچھ نہیں لگتے"۔ وہ دو ٹوک ہی سے بولے۔

"رشتے خود بنتے ہیں۔ کسی کے کہنے یا نہ کہنے سے رشتے نہیں بنتے"۔ اس نے بے خوفی سے جواب دیا۔

"یعنی تمہارا باز آنے کا کوئی ارادہ نہیں؟" وہ اس کی بے خوفی سے حیران سے ہوئے تھے۔ وہ خاموش رہی۔

"روشانے ۔۔۔ تم ہمارے لئے مسئلہ بن رہی ہو۔ جس کا صحیح حل بابا صاحب نے ڈھونڈ لیا ہے۔ ہم آج تمہارے سسرال والوں کو کوئی قریبی تاریخ دے دیں گے۔ مگر جب تک تمہاری بارات نہیں آجاتی۔ تم پیچھے نہیں جاؤ گی۔ اگر ایسا کرو گی تو ہم تمہیں تمہارے باپ کے پاس بھجوا دیں گے"۔

"مجھے منظور ہے۔ میں آج ہی بابا کے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔ مگر مجھے صرف یہ بتا دیجئے۔ علم اور دولت کی دیوی کیا ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں؟" اس نے آہستہ آواز میں سوال کیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ پھر گم ہوئیں۔

"کسی مظلوم کے ساتھ ایک ہوس پرست لڑکی کو باندھ دیا۔ یا کسی مکروہ کو جرائم پیشہ سے بالاتر ہو کر قبیلہ کھانڑ کی لڑکی سے باندھ دیا۔ ایک علم کے علاوہ اور کیا ہو جاتا ہے؟"

جانے اتنی جرأت اس میں کہاں سے آگئی تھی۔ بابا کی خلاف علم کے بیانات نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے۔

"تمہیں بابا صاحب کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ اپنے کام سے کام رکھو"۔

عالم تاب بھڑکے تھے۔ علم کو رد کرنے کے بعد انہیں غصہ ہی آنا تھا۔

وہ بے نور نظروں سے باپ کو دیکھتی رہی۔ پھر اس کے کمرے سے نکل آئی۔

"بابا۔۔۔ بابا۔۔۔ ہم آج ہی حویلی واپس جا رہے ہیں۔ ہمیں تیاری کرنی ہے"۔ وہ تقریباً چیختی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ کمرے سے نکلی تھی۔ پھر اسے کچھ سوجھائی نہیں دیا کہ کیا کرے۔ وہ حویلی سے باہر نکل گئی۔

وہ بے مقصد گھومتی رہی۔ اس ساری فیملی میں بس وہی کا پورا کنبہ تھا۔ اس کے علاوہ اور کس نے ہمیں جگہ اندازہ ہے کہ وہ

"سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس سے بڑی عمر کی لڑکیاں موجود ہیں تو اس کی شادی کی اتنی جلدی کیوں ہے؟" ماہین نے الجھ کر سوال کیا۔

"ان میں سے اکثر کے رشتے کہیں نہ کہیں طے ہیں" ۔ یاور علی خان نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"تو وہ بھی کارشتہ باہر کیوں نہیں کیا۔ کیا وہ گھر کے لڑکوں کے قابل نہیں ہے؟" ماہین نے جرح کی۔

"جس لڑکے سے اس کا رشتہ طے ہوا ہے وہ اکلوتا ہے۔ اپنی کاروبار میں بہت آگے جارہا ہے۔ ابھی سے تجارت کررہا ہے۔ گلہ لمبا تگڑا ہے۔ اس کا باپ بابا صاحب کو بہت عزیز ہے۔ وہ بھی بابا صاحب کا چاہنے والا ہے۔ اسی سے اندازہ کرلیں کہ بچپن اتنا کامیاب ہے۔ اس کے باوجود علیم الدین بابا صاحب کیلئے کراچی میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ اسی سے اندازہ لگا سکتی ہیں کہ بابا صاحب نے علیم کے کاروبار کیلئے لاکھوں کا لون دلوایا تھا۔ اچھی بھلی باتوں سے انسان کے بارے میں اندازہ ہوجاتا ہے۔ گزشتہ بیس سالوں سے علیم الدین بابا صاحب کے ساتھ ہیں۔ کبھی ایک پیسے کی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ بہت اصول اور صاف ستھرے انسان ہیں"۔

"مگر اس کا کیا کریں کہ وہ راضی نہیں ہے" ۔ ماہین نے بے صبری سے ان کی بات کاٹ دی۔

"تو آپ کرلیجئے نا، راضی" ۔ یاور علی خان نے آن واحد میں سارا بوجھ اس پر لاد دیا۔

"یہ تو زبردستی ہوئی" ۔ ماہین نے برا منایا۔

"ابھی اس کی عمر اتنی قابل اعتبار نہیں ہوئی کہ اس کے فیصلوں پر بھروسہ کیا جاسکے" ۔ یاور علی خان نے دلیل دی۔

"تو پھر اس عمر کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر یہ ناپسندیدہ ذمہ داری اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا تو بھٹک جائے گی پھر پچھتاوے گی" ۔ ماہین کو ان کا انداز بے حس محسوس ہورہا تھا۔

"اسے اچھی راہ دکھانا ہمارا فرض ہے۔ ہمارے دین کے رشتے کا تقاضا ہے ہم اس کے لئے بہتر سوچیں اور مہیا کریں" ۔ یاور علی خان نے ماہین کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"جب اس کی عمر قابل اعتبار ہے تو پھر اسے اہم فیصلوں سے کیوں گزارنا چاہیے عظیم نقصانات بھی ہوسکتے ہیں" ۔ ماہین کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہورہا تھا۔

یاور علی خان آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے پاس ہی آکر بیٹھ گئے۔

"اس کے ساتھ بہت اچھا ہورہا ہے۔ وہ جب ان لوگوں میں جائے گی تو بہت مطمئن اور خوش ہوگی۔ آپ یقین کریں" ۔ وہ سگریٹ سلگانے کے دوران گویا ہوئے۔

"اسے یہ وہم ہوگیا ہے کہ بابا صاحب سزا کے طور پر اس کی شادی کررہے ہیں" ۔

"سزا کے طور پر؟" ماہین نے تحیر آمیز سے اس کی بات کاٹ دی۔

"کیسی سزا ۔۔۔ اور کس بات پر سزا؟" وہ بے تاب ہوگئی۔

یاور علی خان ۔۔۔ سر جھکائے کش پر کش لگاتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی عزیز از جان بیٹی کے بارے میں

ماہین کو سب کچھ بتادیا۔ ماہین کے لئے یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔ وہ بے یقینی سے سنتی رہی۔

"یہ سب کچھ کب ہوا؟" ماہین نے بے یقینی سے پوچھا۔

"پچھلے ہفتے ہوا۔ کراچی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بہت کرم ہے" ۔ انہوں نے بہت دھیمی آواز میں بتانا شروع کیا۔

"یہ بات ہمارے علاوہ کسی کو نہیں پتہ۔ ہم نے بہت احتیاط برتی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس کی وجہ سے اس کی زندگی میں کوئی مشکل پیدا ہو۔ اس لئے

خوفناک نہیں بن جاتا۔ پھر آپ اس کی راہ سے نہیں اور اس کے جذبات کا احترام کریں گی۔" وہ اور نرم تھی۔

یاور علی خان کا جاگیردارانہ مزاج ایک دم آتش فشاں بننے لگا۔ وہ غرور کا بت بنا ہوا تھا۔ اس نے کبھی کسی کے سامنے ان کی نہیں اٹھائی تھی۔ ہمیشہ ان کی ہی چلی تھی۔ ہاں اس لئے کہ ان کے سامنے باشعور، تعلیم یافتہ اور اپنے شرعی حقوق کا قانونی دائرہ سے ثابت کرنے کی اہلیت رکھنے والی ایک خاتون لائی تھی جس کی آواز کو مظلوم اور گرفت سے نہیں، بڑھ سکتا تھا۔

"ماہین کرنے کیلئے اس وقت میرے پاس کوئی فضول وجوہ نہیں۔ اس نے واضح طور پر میرے سامنے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ میرا خیال تھا چند دنوں میں وہ نارمل ہو جائیگی۔ لیکن اب میں اپنے ایک خیال پر سوچ رہا ہوں۔ آپ بھی فرصت میں اس سے معلوم کریں، وہ کسے پسند کرتی ہے؟ آپ مجھے نام بتا دیں۔ باقی کام میرا ہے۔ یہ کام آپ کو ابھی کرنا ہے۔ مسٹر علیم الدین کی آمد سے پہلے مجھے پاپا صاحب سے بات کرنا ہوگی۔

اور اسے یہ بتا دیجئے کہ اگر وہ خودکشی کرنے کی حماقت نہ کرتی تو شاید ایسے حالات اسے کبھی پیش نہ آتے۔ آئندہ کوئی اچھائی قدم اٹھانے سے پہلے وہ سو بار سوچ لے۔"

وہ لباس تبدیل کرنے کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے چپ چاپ کی ماہین پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے ضرور سوچا تھا کہ جب بچے بڑے ہو جائیں تو بیوی کتنا اہم رول ادا کر سکتی ہے۔ خاص طور پر جب بیٹیاں بڑی ہو چکی ہیں۔ انہیں ماہین کی اہمیت واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں جاتی ہوں۔" وہ بہت بھاری بوجھ اپنے کندھے پر اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ بے حد فکرمند سی کے ساتھ رانی کے کمرے میں آئی تھی۔

وہ مسکرا رہی تھی۔

"سو رہی ہو رہا ہے؟" ماہین نے قریب بیٹھ کر اسے مخاطب کیا۔

"نہیں، رو رہی ہوں اپنی قسمت کو۔" وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"ایسی باتیں بچوں کی باتیں نہیں کرتے۔"

وہ پیر پر پاؤں اٹھا کر بے سکون سے بیٹھ گئی۔

رانی نے دلچسپی سے اس کا سراپا دیکھا۔

"کافی بڑی ہو گئی ہیں؟" وہ مسکرا پڑی۔

"کافی بڑی ہو گئی ہوں۔" ماہین بھی جواباً مسکرا دی۔

"کتنے کی خاص مہم پر آئی ہیں؟"

وہ اداس اداس ہو کر تھوڑا سا ہو گئی۔

"کچھ کہا؟" اس نے ان سے ایک [illegible] کس روح کے ساتھ بات کرنے کی [illegible] سے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ماہین نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"چھوڑیں خالہ! کیا فائدہ ایسی باتوں کا۔" وہ ہاتھ ہلا کر کہنے لگی۔

"تم فہیم سے شادی پر خوش کیوں ہو؟ اچھا خاصا تو ہے۔" ماہین نے سوال ہی میں بات کر دی تھی۔

"میں نے کب کہا ہے کہ وہ "اچھا خاصا" نہیں ہے۔" اس نے جھلا کے جواب دیا۔

"تو پھر؟" ماہین کی حیرت بڑھی تھی۔

"سب "اچھے خاصے" لوگ سب کو اچھے خاصے نہیں لگتے۔" وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے بولی تھی۔

"پھر تمہیں کون اچھا لگتا ہے۔" اس کے اس سوال کا اب کوئی فائدہ نہ تھا۔

ماہین نے کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیوں فائدہ نہیں ہے؟" روشی کی تمام حسیات متحرک ہو گئیں۔

"بھئی آج تو تمہاری شادی کی تاریخیں دی جا رہی ہیں۔" ماہین نے بظاہر بڑی لاپرواہی سے کہا۔

"کون دے رہا ہے؟ مگر ہو بھی رہا ہے تو بیکار ہے' شادی تو میرے اقرار سے ہی مکمل ہو گی۔ اور میں اقرار کروں گی نہیں۔ اگر یہ لوگ گھر کی بات باہر سنوارنے کے خواہش مند ہیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے بے حد قطعی انداز میں کہا۔

"یہ تو بہت بری بات ہے روشانے۔ یہ سب تم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ کیا محبت کرنے والوں کے ساتھ یوں کرتے ہیں۔" ماہین نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"میں نہیں مانتی ان کی محبتوں کو۔ مستقل دکھاوے کے انتظامات کرتے ہیں اور محبتوں کے دعوے کرتے ہیں۔ آپ ان کی وکالت نہ کریں' یہ کسی کے نہیں ہیں' انہیں اپنی ہی کرنے دیں' میں بھی انہی میں سے ہوں' میں بھی اپنی ہی کروں گی۔"

"مگر نقصان میں پھر بھی تمہارا ہی حصہ زیادہ ہو گا۔"

ماہین کا انداز جتانا تھا۔ اس میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ شاید اس لئے کہ فی الحال سب سے پہلی بات اس کے پاس محفوظ تھی۔

"اور یہ بات کہ زندگی کے سب سے دشوار مسئلے' بارہ دکھ مجھے اپنے حقیقی باپ سے ملے ہیں' انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ ان کی بس ایک ہی تو اہمیت رہی ہے میری زندگی میں کہ ضرورتوں کا تعلق' استاد باپ کے خانے میں ڈالا جاتا ہے۔"

"پھر کچھ نہیں ہر کام میں جلدی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ہمیں مسائل کا حل بھی تم ہی کی جلدی یا اتنی ہی جلدی تھی ایک کپ جانے کی ہوتی ہے مگر روشانے زندگی اتنے جانے کا کپ تو نہیں ہے۔ مسائل کو وقت دے کر سلجھانے کی کوشش کیا کرو۔ تمہارے پاپا تم سے اور تم سے ہی پیار کرتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی ہر باپ دوسرے باپ کی طرح اپنی انا کو پیار کرتے ہیں۔ دیکھو وقت بہت کم ہو گیا ہے' بالکل صاف صاف بات کرو' اس سے پہلے کہ تمہارے پاپا صاحب سے بات کرنے

پہنچ جائیں۔"

روشی کچھ دیر ماہین کی شکل دیکھتی رہی۔

"ماہین! آپ نے مجھے کبھی نہیں بتایا۔" وہ چونک کر کہنے لگی تھی۔ "آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو اپنی شادی پر بلاؤں۔ آپ کے ساتھ مشکل ہو جائے گی۔ آپ نے کبھی نہیں کہا کہ آپ کی شادی ہو رہی ہے۔ کب ہو رہی ہے آپ کی شادی؟ کون ہے وہ؟ آپ نے کبھی ذکر نہیں کیا۔"

روشی کا ماہین کی طرف دیکھے گی تھی۔

"بتانے کا وقت ہی نہیں ملا۔" اسے خود کو یقین دلانا مشکل ہو رہا تھا۔

"اوہ! تو اب جلدی سے بتا۔" ماہین مسکرا رہی تھی۔

"بتاتے ہے۔ خالہ۔" ماہین کی سوئی جیسے اٹک گئی تھی۔

"ہاں بتاؤ۔" ماہین کو اس کی حالت پر ہنسی آ رہی تھی۔

روشی جیسے کسی سوچ میں ڈوبی رہی' پھر یک لخت ہی چونک پڑی۔

"اسے عزیز ہو گئے ہیں۔" آپ کہتی ہیں' آپ کو پتا ہے' میں نے کبھی ان کے بارے میں ایسا نہیں سوچا۔ وہ جیسے اپنی ہی کسی بات پر فوری ہول گئی۔

"کرتے نہیں' ہوتی کوئی بات نہیں' وہ ایسے نہیں ہیں کہ آرام سے کسی کی باتوں میں آ جائیں۔" ماہین نے حتمی انداز میں کہا۔

"ہاں ایک دم کسی کو کیا سوچ میں ڈال دیتے ہیں۔" روشی نے گہری نظروں سے اسے تولا۔

"انہیں تم خوش دیکھنا چاہتے ہو' یہ بات کرتے تمہارا وہ آسان کر رہی ہے۔" ماہین نے گہری نظروں سے اسے تولا۔

روشی نے سوچتی ہوئی نظروں سے ماہین کی جانب دیکھا۔

"کیا واقعی خالہ نے ایسا کہا ہے؟" اس کی آواز میں بہت حیرانی اور بے یقینی تھی۔

"اچھا مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" ماہین مسکرائی۔

روشی کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

"میں ابھی جا کر بتاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی۔

"ٹھہرو' ٹھہرو' ابھی نہیں' ابھی تم نہیں بتاؤ گی۔" ماہین نے اسے روکا۔

"کیوں؟" روشی نے حیرت سے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ ابھی نہیں۔ ابھی نام بتانے سے کیا مشکل ہو گی۔ اس کے بعد تو اس تمہارے پاپا کا کام ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے خالہ۔" اس نے جھجکتے ہوئے اقرار میں کہا۔

"تو پھر بتاؤ کیا بات ہے۔" ماہین کو تجسس ہونے لگا۔

"اگر میں نے بتا دیا تو ہو سکتا ہے کہ پاپا صاحب کچھ کہہ دیں' کچھ کر دیں' کوئی بھونچال ہو جائے اور یہ سب میرے لئے بہت مشکل ہو جائے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ میری شادی کا فیصلہ ہونے سے پہلے کسی کو کچھ پتا چلے۔"

www.Paksociety.com

بھی قبول کر سکیں"۔

ماہین بری طرح چونک پڑی۔ جملے کے کچھ حصے تیز جھٹکوں کی طرح اس کے ذہن میں چبھ گئے۔

"کیا بات ہے؟"

روشی کا دل بری طرح دھڑک گیا۔ کتنی آیتیں ماہین میں خال خال ہوا کرتی ہیں۔

"یہ تم نے کیا کہا روشانے؟" وہ بس یہی کہہ سکی۔

پانچ لمحوں تک دونوں کے درمیان گہرا سکوت طاری رہا۔

"تو پھر اتنا دن تمہارے پاس ہے تو"۔ بالآخر ماہین نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

"کوئی فائدہ ہوتے نہیں ہے۔ بس یہ کریں کسی طرح میری شادی کا قصہ ختم کروا دیں۔ میں ہمیشہ ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی"۔ روشی نے بجھے بجھے سے انداز میں کہا۔

ماہین یک دم چپ سے ہو گئی۔

پھر ایک دم کھڑی ہوئی۔

"وہ واقعی بہت اچھا ہے اس کی عادات بہت پسندیدہ ہیں مگر افسوس ۔۔۔ خیر میں تمہیں کسی جھوٹی تسلی سے بہلانا نہیں چاہتی۔ اچھا میں چلتی ہوں"۔

روشی دوبارہ دہم زدہ ہو گئی۔ بہت کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

ماہین اپنے بیڈ روم میں آئی تو دیکھا یاور علی خان بالی فوکل گلاس پر لگائے فائلیں دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے فوراً سے فائلیں بند کر دیں۔

"آیئے جناب! وقت بہت کم ہے بڑی دیر لگا دی ہے"۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے پاس آ کر بیٹھنے کو کہا۔

ماہین ان کے پاس بیٹھنے کے بجائے تھوڑے فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کا خاموش اور سرد سا انداز انہوں نے محسوس کر لیا تھا اور اب وہ اس کی آواز سننے کے منتظر تھے۔

"ایک درخواست کروں آپ سے؟" اس کے انداز میں ہچکچاہٹ سی تھی۔

"ضرور!" وہ اس کے چہرے پر نظریں جما کر کچھ کھوجنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کسی طرح بھی آپ سے ہو سکے، بس روشی کی شادی کا معاملہ ختم کروا دیں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ آپ کو بھی وہ پسند آئے گی۔ آپ کو بھی ایسی ہی بیوی چاہیے نا، ایسی ہی ہونی چاہیے انسان کی انا کو"۔

وہ بہت دھیمی آواز میں مدھم تھم کر بول رہی تھی۔

"میں نے آپ کو کوئی کام دے کر اس کے پاس بھیجا تھا؟" ان کی سوالیہ نظریں اس کا چہرہ ٹٹولنے لگیں۔

"ہر بیٹی نے آپ سے کہا اس کی بیمار بوڑھا صاحب سے کوئی واضح فیصلہ کروا جائے"۔

یاور علی خان نے روکھے سے انداز میں کہا۔

"دراصل جہاں وہ خود اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہے وہ ہر صورت ہے ڈیمانڈنگ ہے۔ آپ سمجھیں"۔

اسے بات بڑھانا پڑی۔

"کون لوگ ہیں وہ؟" یاور علی خان متجسس ہو رہے تھے۔

"وہ آپ میں سے کسی کیلئے قابل قبول نہیں ہو سکتے"۔ ماہین نے جواب دیا۔

"تو اسے اپنی حماقتیں کرنے کو کس نے کہا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ لڑکی صورت و اصابت سے واقف نہیں ہے۔ آپ اسے بتا دیجئے گا کہ بابا صاحب کا فیصلہ ان کو وہی بیٹی ہونے کا ثبوت ہے اور مطمئن ہو جائے کہ اس کے ساتھ کچھ بھی کیا جا رہا ہے وہ اس کے حق میں بہتر ہے"۔

"وہ نہیں مانے گی"۔ ماہین نے تحمل سے ان کی بات کاٹ دی۔

"آپ اسے آمادہ کریں بیٹی ہے مان جائے گی"۔ یاور علی خان نے بھی بڑی تحمل سے جواب دیا۔

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہے ہیں میں اس سے یہ درخواست کر کے آئی ہوں"۔ وہ جھلا سی گئی۔

"آپ نے جو کچھ بھی کیا ہو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بس اب تو یہ ہے کہ اسے ہر صورت آمادہ کرنا ہے"۔ یاور علی خان نے سگار سلگاتے ہوئے حتمی انداز میں کہا۔

"وہ نہیں مانے گی"۔ ماہین نے جھلا کر جواب دیا۔

"تو پھر آپ مجھ پر چھوڑ دیں دیکھتا ہوں کیسے نہیں مانے گی"۔ وہ برہم ہو گئے۔

"کیا کریں گے کیا اس پر؟" ماہین نے ناراضگی سے استفسار کیا۔

"میں آپ کو اس قسم کا بندہ نظر آتا ہوں؟" انہوں نے الٹا سوال جڑ دیا۔

"جی! آپ نے اشارہ کیا ہے اس نے انکی ٹھیک کرتا ہوں"۔ وہ بڑبڑائے۔

ماہین اندر سے سہم گئی۔ فوراً کرسی سے اٹھ کر ان کے قریب آ گئی اور اپنا بایاں ہاتھ ان کے شانے پر رکھ کر مدعا کے انداز میں گویا ہوئی۔

"دیکھیں مائیز! بہت سے بات سمجھیں اس کا دل ورنہ بری طرح ٹوٹ جائے گا۔ وہ آپ کا خون ہے۔ آپ اس کے سب سے زیادہ اپنے ہیں۔ آپ ہی کو سب سے زیادہ اس کا خیال رکھنا ہوگا۔ پلیز"۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے میں اسے پیار نہیں کرتا اس کو؟ آپ بھی اپنے اسے۔ یہ ظلم ہے سراسر ظلم"۔

ان کے انداز میں تھوڑا سا ہیجان پیدا ہوا۔ وہ بڑبڑانے کے انداز میں گویا ہوئے تھے۔

ماہین فوراً باہر چلی گئی تھی۔

باپ کا چہرہ دیکھ کر ان نے پوچھا کہ کیا ہوا۔ ماہین کا چہرہ دکھا تھا۔

"کیا بات کریں گے وہ مجھ سے؟" اس نے دوپٹہ سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

www.Paksociety.com
www.parsociety.com
www.Paksociety.com

"یہ تو مجھے نہیں معلوم، مگر دینے والی کوئی بات نہیں، شاید آپ سمجھ سکیں۔"

اس نے روشی کا ہاتھ تھاما۔

وہ اٹھ کر مایون کے ساتھ ہولی۔ مایون نے محسوس کیا، جیسے اس کی چال میں غیر معمولی دھیما پن ہے۔

کمرے میں مایون پہلے داخل ہوئی اور اس کے پیچھے پیچھے روشی۔

"السلام علیکم چچا۔"

اس نے ان سے بہت فاصلے پر بیٹھنے کیلئے جگہ تلاش کی۔

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہو؟" ان کا انداز بے تاثر تھا۔

"جی بالکل ٹھیک۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں تم سے اس موضوع پر بات کرنا تو نہیں چاہ رہا تھا جس پر کرنے جا رہا ہوں، اس لئے کہ مجبوری ہے، تمہیں پتا چل چکا ہوگا کہ شمیم کے والدین تاریخ لینے آ رہے ہیں۔" انہوں نے مختصر تمہید کے بعد اپنی بات شروع کر دی۔

روشی خاموش رہی۔

"اور اب بھی میں تم سے تو دی پی ایکٹ بات کرنا چاہوں گا اور یہ بھی کہ تم بھی واضح لہجے میں جواب دو۔ مجھے اپنی کہی بات اچھی طرح یاد ہے تمہاری انگیجمنٹ والی رات میں نے تم سے کہا تھا میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گا مگر یہ شرط ہے کہ کوئی بات، کوئی پی ایکٹ ہمارے ایتھکس سے ایویڈنٹ نہ ہو۔ میں آج بھی اپنی بات پر قائم ہوں اور صاف صاف کہنا چاہتا ہوں۔ مایون تمہاری قسمت ہے کہ وہ لوگ جن کا تذکرہ تم نے ان سے کیا ہے، ان پر ہم لوگ راضی نہیں ہوں گے۔ ان لوگوں کے تعارف کے بعد مایون نے جو اندازہ لگایا ہے، وہ یقیناً انہوں نے اپنے طور پر محسوس کرنے کے بعد ہی کیا ہے۔ وہ چند منٹ جو یہ کرتی ہیں، کیا اس گھر کا فرد ہونے کے ناتے تم نہیں کر سکتی تھیں؟" وہ بہت نرم انداز میں کہہ رہے تھے۔

"لوگ..... کون لوگ؟ کیا تاثر دیا ہے خالہ نے؟" اس نے الجھے ہوئے انداز میں مایون کی سمت دیکھا۔

"میں بھی تمہیں یہی بتا رہا ہوں، آپ کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں؟" اس نے مایون کی طرف قدرے پریشان کن انداز میں دیکھتے ہوئے باپ سے سوال کیا۔

"انہی لوگوں کی جن کے بارے میں تم نے مایون سے بات کی ہے۔" اس بار وہ قدرے چبھتے لہجے میں بولے۔

"لوگ؟" اس نے مایون کی طرف دیکھا۔

"میری "ان" سے ابھی وضاحت کے ساتھ بات نہیں ہوئی ہے۔"

اس نے روشی کو سمجھ بجھانے کی کوشش کی۔

روشی سر جھکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کون لوگ ہیں وہ؟ کہاں رہتے ہیں؟" بادل خان نے اس کی طرف صرف ایک نظر دیکھا، وہ روانی میں کہتی گئی۔

"وہ لوگ..... نہیں پتا۔" اس نے قدرے اٹکا کر جواب دیا۔

"میں ابھی اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"وہ ہم ہوں گے۔" مایون یک دم کرسی سے اٹھ کر ان کے قریب پہنچ کر بولی۔ جیسے یہ ایک سیدھا سادہ سا سوال تھا۔

"ہیلو۔" ایک لڑکی نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔

"میں آپ یہاں مہمانی نہ ہونے دوں گی۔" آپ سے کبھی بھی نہیں کہوں گی کہ میرے سامنے نہیں آپ سے یہ نہیں ہوں گی، لیکن یہ اس طرح ہوں گی کہ شاید آپ کو یاد آئے کہ میں کبھی یہاں اور میں آپ کو کبھی تکلیف نہیں دوں گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

مایون تیزی سے اٹھ کر اس کے نزدیک آ گئی۔

بادل خان دم بخود سے اپنی جگہ بیٹھے رہ گئے۔

"آپ ایتھکس سے آگاہی ہونے کے بعد اس طرح کی حماقت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" بادل خان نے جیسے بہت آہستہ سے کہا تھا۔

"جب قسمت بہت ہی اچھی ہو تو مرضی کی بات اپنے ایتھکس ہی میں بن جاتی ہے لیکن جب قسمت ہی..." جانے کیسے اس کے منہ سے یہ سب پھسل گیا۔

مایون نے آنکھوں سے اس کے رخسار پر بہتے ہوئے آنسو پونچھ ڈالے۔ یہ بھی محبت ہی کا ایک انداز ہوتا ہے۔

"مجھے تمہاری بات سے اتفاق کرنا ہوگا، جس طرح یہ بھی محبت ہی کا ایک انداز ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہو۔ یہ اتفاق ہی ہے کہ ایک جوبلی سیشن ختم ہونے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا، مگر اس وقت آپ کا سوچنا، سمجھنا اور پھر اپنی رائے دینا، یہ بتاؤ کہ وہاں کیا بات ہے جو ہم میں نہیں ہے۔" انہوں نے اتفاق کرتے کرتے اچانک سوال بھی جڑ دیا۔

"ہونا یہ چاہئے کہ اب کوئی اتفاق کرتا ہے تو دوسری جانب عجیب سی اجنبیت اور خوشی کی لہر دوڑنے لگتی ہے، انسان خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتا ہے اور آگے کی مختصر سی پریزنٹیشن اور خوشگوار ہو جاتی ہے۔"

وہ بھی سمجھ گئی کہ ایتھکس کے بارے میں باپ کی بات سننے کے بعد آگے کے سارے معاملات پر تبادلہ خیال ہوگا۔

"مجھے آپ کی ہر بات کا جواب چاہئے۔" وہ اس کی خاموشی پر برہم ہوئے۔

"میں نے کہا نا، ابھی میں کسی سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ آپ یہ بات ہمیشہ کیلئے طے کر دیں۔" وہ سکون سے کہتا ہوا۔

"اور اگر ایسا نہ ہو تو؟" اس بار وہ قدرے تلخ ہوئے۔

"تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" اس نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

بادل خان کو غصہ آ گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اس معاملے میں بری طرح الجھ رہے تھے۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ ضبط کھو رہے تھے۔

"جی ہاں، بالکل۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی ہاں، بالکل۔" وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ چلائے۔

"جی ہاں، بالکل۔" وہ بھی چلائی۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" وہ دھاڑے۔

"جی ہاں، بالکل۔" وہ بھی دھاڑی۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ غرائے۔

"جی ہاں، بالکل۔" وہ بھی غرائی۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" وہ بپھرے۔

"جی ہاں، بالکل۔" وہ بھی بپھری۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ دہاڑے۔

"جی ہاں، بالکل۔" وہ بھی دہاڑی۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" وہ بھنائے۔

"جی ہاں، بالکل۔" وہ بھی بھنائی۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ بھنائے۔

"جی ہاں، بالکل۔" وہ بھی بھنائ

"بی بی جان! دیکھیں آپ اپنا بلڈ پریشر لو مت کریں۔ میں بابا صاحب سے بات کرتی ہوں، وہ کچھ کہیں گے تب ہی ان کا ارادہ ہے۔"

"میں جانتا ہوں، وہ نہیں مانیں گے۔ آئی ول بی دیڈ آف دیم ——" ان کی پیشانی پر شکنیں ابھری تھیں۔

"صرف الکاری نہیں ہے، اپنے اسٹیٹس کا بھی خیال نہیں ہے۔ ووہ ہری مرادیں گے۔" وہ اشتعال سے بولے تھے۔

"آؤ روشی! میرے ساتھ آؤ۔" ماہین نے روشی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"آپ وہاں نہیں جائیں گی ماہین۔" یاور علی خان نے اسے ٹوکا۔

وہ پلٹ کر رک گئی۔

"ایم فائن۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی مگر ابھی آتی ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں کہہ کر روشی کا ہاتھ تھام کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

وہ روشی کو لے کر اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"خالہ! میں ایک بیٹی جانتی انسان ہوں، بیٹا کو سمجھتے ہوئے اور یہ بھی کہ ان کے تمام معاملات میری زندگی ہی سے شروع ہوتے ہیں ناں۔" وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی تیزی سے بولی۔

"ہمدرد! جو تم نے کوئی الٹی سیدھی پہلے بھیجنی کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی۔" ماہین نے ذرا کر اس کی صورت دیکھی۔

"خالہ! جس شخص کے نام ہی سے میرے اعصاب ٹوٹنے پھوٹنے لگتے ہیں اس کے ساتھ جو گھنٹے گزر سکتی ہے اور شادی کوئی اتنی اہم بات نہیں کہ تمام لوگ اپنی خوشیاں اور توانائیاں صرف اس موضوع پر مرکوز کر دیں۔ شادی کے بعد بھی علیحدگی ہو جاتی ہے، کبھی شوہر کے انتقال سے بھی عورت پر تنہائی کی نوبت آ جاتی ہے۔" وہ بہت دکھ سے کہنے لگی۔

"یہ بات نہیں ہے روشی! اولاد بہت بڑی ذمہ داری ہوا کرتی ہے اور بچوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے بھی خوشیوں بھری زندگی گزاریں۔" ماہین نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مگر پاپا تو میرے لئے کانٹوں بھری زندگی کا انتظام کر رہے ہیں۔" وہ سنگ کر بولی۔

"یہ تمہاری وقتی سوچ ہے، وہاں تمہیں اتنا پیار اور آرام ملے گا کہ تم سب کچھ بھول جاؤ گی۔"

ماہین نے اس کے نزدیک بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ بھی خالہ؟ آپ بھی ——؟" اس کی آواز بھرا گئی۔

ماہین نے بے ساختہ اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا اور اس کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"تمہارا کیس بہت کمزور ہے روشی! اگر مجھے ایک بعید سی امکان محسوس ہوتا تو میں تمہارے پاپا کی برہمی اور لوگ کا خیال نہ کرتی اس لئے کہ مجھے تمہاری ذات سے توجہ ہے۔ اگر تم بیوقوف ہوتیں تو کوئی پرابلم ہی نہیں ہوتی آنے کی بھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"اچھا ایک بات تو بتائیں پاپا نے تمہاری بے عزتی کی ہے، کوئی سخت بات کہی ہے؟" اس کی آواز ابھی تک بھرائی ہوئی تھی۔

روشی چپ سی رہی۔

"روشی بیٹے!" ماہین نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔

"خالہ! میری تو خیر کچھ نہیں ہے تو وہ بھی اس لائق نہیں ہے۔"

وہ عجیب سی بے کلی سے گویا ہوئی۔

"کیا مطلب؟" ماہین نے گھبرا کر پوچھا۔

"بے وقوف کہیں کی! ابھی مجھے بھی خود پر غصہ آ رہا ہے۔" ماہین نے اس کے رخسار پر چپت لگائی۔

"وہی تو میں سوچ رہی تھی۔ پاپا کی تو خیر ہے (مجبوراً) سمجھ دار اور پڑھے لکھے انسان ہیں، وہ اس طرح کی حرکت کیسے کر سکتے ہیں۔"

ماہین خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"کسی گھٹیا، بیوقوف سے انسان کا فیل ہونا بہتر ہے۔" روشی اس کے لہجے سے کاٹ رہی تھی۔

ماہین کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔

روشی نے سر اٹھایا۔

ماہین نے بے ساختہ اسے گلے سے لگا لیا۔

"روشی! اچھا! یہ سب یہاں نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر وہ بھی نہیں ہو سکتا، جو یہ لوگ کرنا چاہ رہے ہیں۔" وہ اس کے شانے پر سر ٹکائے ٹکائے نفی میں گنگنا سی۔

"ہوں! یہ قابل عمل ہے، میں تمہارے پاپا کو کنوینس کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

اپنے بچے کے کھلے پن پر وہ خوش ہی ہوئی تھی، پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا ٹھیک ہے، تم اطمینان سے اپنے کام کرو، گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، ٹھیک ہے؟"

وہ اس کا شانہ تھپتھپا کر باہر چلی گئی۔

اور روشی اس کی جانب خود ہونے کے بجائے کسی اور سوچ میں تھی۔

شام کے چار بجے تھے، لڑکیوں پر گویا آفت اتری ہوئی تھی۔ کچھ دیر پہلے سے اور بچی کھچی گھر کے کونے کونے میں پھیل گئی تھی۔ وہاں وہ اس کی بے حد منہ پھٹ سہیلیاں تھیں۔ روشی پر تھی دل ہلا دینے والی خبر سنانے کے خیال سے ہال کی طرف آئی تھی۔ وہاں روشی کو دیکھ کر ہوا تھا، کوئی آئی ڈراؤنے میں مصروف تھیں تو کوئی ڈریسنگ کے حساب میں ہوتی تھیں۔

"تم پاگل نہیں کر رہی؟" اور کی نے بیٹھے بیٹھے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"سوچ رہی ہوں، پاگل کر لے گا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر بتایا۔ اور اس کی آواز بھرا گئی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

اس کا رخ باہر والی آمد و رفت کی طرف تھا۔ وہ باغ میں جاری تھی ہلچل
اس کی چال سے اس کی ذہنی حالت کا پتا نہیں چلتا تھا۔ وہ بے حد گم صم تھی۔
اس کے باہر آتے ہی پھاٹک کھلا تھا۔ ایک جیپ لے کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ باغ کی طرف لانے کے بجائے وہیں
سنگ مرمر کے کھمبے پر روک گیا۔
باری اسے دیکھ چکا تھا۔ اس لئے بے تکلفانہ انداز میں برآمدے کی طرف بڑھا تھا مگر اس کی محویت کی انتہا تھی کہ
اس کے پاس سے گزر بھی گیا۔ مگر اس کے انداز نشست میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی اس نے باری کو مخاطب
متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ اطمینان کا اظہار کرتا ہوا اپنے کمرے کی سمت بڑھتا چلا گیا۔
جانے کس احساس کے تحت اس کے قدم رفتہ رفتہ پیچھے چلنے لگے۔ جانے کتنی دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔
سحر اس نے دیکھا۔ کالا جان کا ڈرائیور شیر گل پرانی وضع کی ایک طرف کھلی ہوئی جیپ کی جانب بڑھ رہا تھا۔
ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی شیر گل کے پاس پہنچی تھی۔
"شیر گل! ایک منٹ بات سنو۔"
"جی میم صیب۔" وہ حیران ہوا۔
"تم کہاں جا رہے ہو؟"
"میم صاحب واپس جاتا ہے۔" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے روشی کو دیکھا۔
"کالا جان یہیں سو رہے ہیں؟" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔
"کالا جالا (جانا) جیا (جیسا) تیور خاں۔" شیر گل تھوڑا سا الجھ کر بات سمجھ گیا۔
"ہاں ہاں!" اسے اس کی کند ذہنی پر جھلاہٹ ہوئی۔
"آہ تو سو گیا ہے کالا پر کوئی پیغام؟" اس نے اپنی ذہانت کے حساب سے سوال کیا۔
"ہوں ہاں تم اپنا جیپ باہر لا لو۔ ہے پیغام۔" وہ اس سے اور الجھ گئی پھر تیزی سے آمادہ ہو گئی۔
سب چاچا (محمد خان) جیسا سا اپنی جیپ کی طرف بڑھا۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔
وہ تیزی سے اندر گئی تھی اور تیزی سے واپس آئی تھی۔ اس عرصہ اس نے بدلی ہی چادر لپیٹی ہوئی تھی اور چہرہ
عورتوں کی طرح چہرے پر لپیٹ کر رکھی تھی۔
شیر گل جیپ میں بیٹھا ہوا اس کے "پیغام" کا انتظار کر رہا تھا۔
دین محمد چوکیدار گیٹ بند کر کے مالی سے بات چیت میں مصروف تھا۔ اس نے صرف ایک اچٹتی سی نظر چادر میں لپٹی
روشی پر ڈالی تھی۔
اس نے جیپ کا دروازہ کھولا اور پھرتی سے بیٹھ گئی تھی۔
"تم کیا کرتا ہے کون اے؟" شیر گل بے چارہ حواس باختہ ہو کر رہ گیا۔

"میں باری ہوں۔ تم سے اہم بات کرنی تھی۔" اس نے آہستہ کہا تھا۔
"تو پھر کیا کرنا ہے؟ اندر سے کھڑکی جا سکتا ہے۔" بے حد سنجیدگی سے پوچھا گیا تھا۔ وہ اس سے
واقف تھا۔
"میں باورچی خان کی بھتیجی ہوں۔ تیور علی خان کی بھتیجی۔ سرائے بھی تمہاری گھر ہے۔ اگر میں وہاں جا رہی ہوں تو تم سمجھ گیا
ہو گا کہ کچھ بھید ہے کو یا ہوئی۔"
"پر آپ ۔۔۔ کیا؟" بے چارہ گھبرا کر رہ گیا۔
"اکیلی کہاں تم نہیں ہو میرے ساتھ۔" وہ پھر تڑپی۔
"پر چاچا خان۔" شیر گل کی جان عجیب مشکل میں پڑ گئی تھی۔
"چلو تم جیپ کیوں اسٹارٹ نہیں کرتے؟" وہ برہم ہوئی۔
"وہ ام ۔۔۔ وہ مطلب اے بڑا سفر اے۔" وہ اور الجھ رہا تھا۔
"سفر تمہاری بلا کیوں ہو گا؟ تم ہو جاتا ہے چاچا جیپ لے کر۔ میں شور مچا دوں گی کہ تم میرا اغوا کرنا چاہتے ہو۔"
ہو۔" اس نے اسے دھمکی دی۔
شیر گل نے بے بسی سے ہاتھوں کے طوطے اڑتے دیکھے۔
اس نے جیپ چلائی نہیں تھی بلکہ بھگائی تھی۔
"آپ اور کیوں جاتا ہے میم صاحب۔" وہ پکی سڑک پر آتے ہی روشی سے مخاطب ہوا۔
"وہ بھی میرا گھر ہے۔ تمہیں کیا اعتراض ہے؟ میں اپنے چچا کے پاس جا رہی ہوں۔ کسی ڈاکٹر کے پاس تو نہیں جا رہی
لگے چلا رہیں وہ میرے سوتیلے بھی نہیں ہیں۔ خبردار جو تم نے مجھ سے سوال جواب کیے۔ اپنی اوقات میں رہو۔ ورنہ ابھی
تمہاری جاگیر کی بھیجے دار۔"
روشی نے مجبور ہو کر اسے "ٹرک" سے خاموش کرایا۔
"آپ مائی باپ اے ہمارا۔ ام تو اس واسطے پوچھتا تھا آپ جوان بچی او۔"
"اچھا اب خاموشی سے جیپ چلاؤ۔ مجھے سونے دو۔ بہت تھکی ہوئی ہوں۔" اس نے آنکھیں موند کر سیٹ سے ٹیک لگا لی۔
شیر گل ڈرائیو کرتے کرتے بے بسی سے اس پر نظر ڈال لیتا تھا۔
"میم صیب! آپ پیچھے جا کر رام سے تو جاؤ۔ اپنی بڑا۔۔۔ بابا سے۔" وہ بڑی مشکل سے کہہ سکا تھا۔
"میں نہیں ملیگ۔ اوں۔" اس نے آنکھیں کھولے بغیر ترشی سے جواب دیا۔
شیر گل سر پیٹ کر رہ گیا۔ کھمبے کا اور ڈرائیو کے خاموش ہو گیا۔

مائین ڈریسنگ محل کے سامنے کھڑی ہوئی بھاری کھلا دہ پارسیٹ کر رہی تھی۔

یاور علی خان ہم دراز گہری سوچوں میں غرق محویت کا عالم اڑا رہے تھے۔

"ہوں ۔۔۔ یس!" انہوں نے دستک کا جواب دیا تھا۔

عالم تاب اندر داخل ہوئیں۔

یاور علی خان سنبھل کر بیٹھ گئے۔ "آیئے بھابی بیگم"۔

"تیار ہو گئیں مائین؟ مہمان بھی آ چکے ہیں۔ ایسا کرو۔ روشی کو بھی کہہ دو کپڑے تبدیل کرے۔ ہو سکتا ہے اس کی ساس اس کے پاس جانے کی ضد کریں۔ پھر تم مہمانوں کے پاس آ کر بیٹھ جانا۔ سب لوگ ہوا صاحب سمیت ارائک روم میں ہیں"۔

"جی بہتر میں تو تیار ہوں کہہ دیتی ہوں روشی سے"۔ بولتے بولتے مائین کی آواز بے حد دھیمی ہو گئی۔

"یاور! تم نہیں آ رہے ہو؟" انہوں نے ڈریسنگ ٹیبل میں ملبوس یاور علی خان کو قدرے حیرت سے دیکھ کر دریافت کیا۔

"آ رہا ہوں۔ بلکہ "ہم" آ رہے ہیں"۔ انہوں نے مائین کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ عالم تاب کمرے سے باہر چلی گئی۔

"آپ روشی کو تاکید کر آئیں۔ میں بھیج کر بلواتی ہوں اتنی دیر میں۔ ٹھیک ہے؟"

ان کا انداز ہنوز گم سم سا تھا۔ جیسے وہ اندر ونی خلفشار کا شکار ہو۔

"جی"۔ مائین نے ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھ کر جواب دیا۔

یاور علی خان اٹھ کر باتھ روم میں چلے گئے۔ اور مائین روشی کے کمرے میں چلی آئی۔

روشی بیڈ روم میں موجود نہیں تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر باتھ روم کے دروازے پر دستک دی۔ اندر محسوس کی جانے والی خاموشی تھی۔

اس نے دو تین بار دروازے پر دستک دے کر عکیلہ اور روشی کو آواز دی۔ مگر جواب میں بدستور خاموشی تھی۔

اس نے اندر جھانکا۔ باتھ روم خالی تھا۔ وہ الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئی۔

سامنے سرخ ساڑھی باندھے سرسوتی چہل پہل کرتی آ رہی تھی۔

"سرسوتی"۔ اس نے آواز دی۔

"جانی بی بی" وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھی۔

"تو نے دیکھا۔ کیا روشی باہر ہے؟"

"ہن اتی آسماں"۔ وہ سر ہلا کر بالکونی کی طرف بڑھ گئی۔ مائین وہیں کھڑی رہی۔ وہ منٹ بعد سرسوتی واپس آئی اور نفی میں سر ہلا دی۔

"وڈے نہیں اے بی بی۔ ہے تساں تھلے جا کے ویکھو ساں"۔

"روشی کہاں ہے؟" مائین کو تشویش نے پیچھے سے آ کر لیا تھا۔

"وڈے گئے۔ مائیں کو بلا لیا سی ہوئی تھی۔ جب سے جو سوئے ہیں اٹھے نہیں"۔ سرسوتی نے کہا۔ وہ بولتے بولتے رک گئی تھی۔ مائین نے کہا۔ "تو نے بتایا نہیں کہاں گئی ہے؟" سرسوتی نے بے چارگی سے کہا۔ "جانی بی بی۔ میں کیا جانوں۔ میں تو اب ہی آئی ہے"۔ مائین نے بے چینی سے کہا۔

"روشی کو تیار ہی ہوا ہے کمرے میں تو نہیں ہے"۔ مائین نے دھڑکتے دل سے حاب دیا۔

"وہ تو ہوئی ہوگی۔ سب بچیاں وہ تیں ہیں"۔ انہوں نے بے چینی سے کہا۔

"وہ تو ہوئی ہوگی۔ سب بچیاں وہ تیں ہیں"۔ انہوں نے بے چینی سے کہا۔

"جی آئی ہے سرسوتی۔ وہاں نہیں ہے"۔ مائین نے اپنی بات کے دوران عالم تاب کے چہرے کے تاثرات کو بھی دیکھا تھا۔

"ہیں؟ اندر روم میں تو نہیں تھی"۔ عالم تاب کے چہرے پر الجھن کے تاثرات نمودار ہوئے۔

"وہ سرسوتی آگی ہے کسی کو بھیجیے"۔ مائین نے قدرے اونچی آواز میں مخاطب کیا۔

"کہاں؟" عالم تاب کے ذہن نے امکان کو فوراً رد کر دیا۔

"پتا نہیں"۔ مائین نے جواب دیا۔

"چلیں"۔ عالم تاب نے پرتفکر انداز میں ہنکارا بھرا۔

اپنی بھاری بیوی کے ہمراہ وہ باہر آئے تو دالان میں دونوں کو سیڑھیوں کے نیچے اندھیرے میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

"یہ کیا؟" اس نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

"تم نے روشی کو تو نہیں دیکھا ہے؟ باغ میں یا ادھر ادھر؟" عالم تاب نے حویلی کے سب سے بارسوخ فرد سے اس لہجے سے استفسار کیا کہ وہ ہر گز کچھ چھپا نہ سکے گا۔

"اپنے کمرے میں تھی ہیں وہ؟" وہ چونک پڑا تھا۔

"کمرے میں ہے نہ باغ میں"۔ مائین نے جلدی سے بتایا۔

"تو پھر آپ کے بھائی (صبیح) کے کمرے میں ہوں"۔ اس نے امکان ظاہر کیا۔

"میں وہیں سے آ رہی ہوں"۔ عالم تاب نے اس کا امکان بھی رد کر دیا۔

"تو پھر"۔ اس کا ذہن ایک بار پھر عصر کی طرف گیا۔ اس نے قدرے اندھیرے میں عالم تاب کی طرف دیکھا تھا۔

"کہیں سرسوتی اس طرف"۔ انہوں نے مائین کے چہرے پر سرسری نظر دوڑا کر بیوی کو جواب دیا۔

"کہیں مجھے یہ سوئی کمرے سے داخل آئی تو وہ دالان کے دروازے میں راستے پر بیٹھی ہوئی تھیں"۔

"کچھ کہا ہے؟" عالم تاب نے پوچھا۔

"کچھ کہتے نہیں۔ بڑی گم صم ہو رہی ہیں"۔

اسی وقت سرسوتی تیز تیز قدموں سے واپس آ گئی۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

"اوہ ولی میں اسے۔" وہ پھولی پھولی سانسوں کے دوران بولی۔

"چاچو ہاری۔ اللہ اور مجھ پاپا سب کے کمرے میں آئی ہے۔"

ماہین نے بڑی چاچی جیسی ہولی نظروں سے ہاری کو سر سے پاؤں تک دیکھا تھا۔ بلیو جینز اور کالی ٹی شرٹ میں وہ بہت چاک و چوبند محسوس ہو رہا تھا۔

وہ تیزی سے داؤد صاحب کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھیں۔ ہاری کی آواز میں الجھی ہوئی تھیں۔

"یہ لڑکی تو ہسٹریکل ہو گئی ہے۔ حالانکہ اسے سب پیار کرتے ہیں، سب خیال رکھتے ہیں۔" عالم تاب خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھیں۔

ماہین بس ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

ہاری جلد ہی واپس آ گیا۔ اس کی چال سے اس کا ذہنی الجھاؤ ظاہر تھا۔

"آپ لوگ چلئے میں دیکھتا ہوں۔" وہ داؤد صاحب کے کمرے میں بھی گئیں ہیں۔"

عالم تاب اعتراض سے رہ گئیں۔ وہ اس کی شدید طبیعت سے اچھی واقف تھیں۔ طرح طرح کے وہموں سے ان پر حملہ آور ہوتا رہتا تھا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں تمہیں بلوا لوں گی۔" وہ متفکرانہ انداز میں ان سے مخاطب ہو گئیں اور سامنے کی طرف بڑھ گئیں۔

ماہین بھی آہستہ آہستہ اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔

یاور علی خان تیار ہو کر صوفے پر بیٹھے ایک اسپورٹس میگزین کا جائزہ لے رہے تھے۔ دروازہ کھلنے پر سامنے دیکھا تو چپ چاپ ماہین کو اندر آتے پایا۔

"روشی کیا کر رہی ہے۔ تیار ہو گئی؟" انہوں نے ماہین کے چہرے سے جیسے کچھ پڑھ لیا تھا۔ جو روشنی سے حقیقی سوالات شروع کر دیئے تھے۔ یوں بھی جس طرح کی صورتحال درپیش تھی۔ انہیں پریشان ہونا ہی چاہیے تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں تو نہیں ہے۔ رمشا اور ہاری وغیرہ دیکھ رہے ہیں اسے۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

"دیکھنے کا کیا مطلب۔ وہاں ہال میں ہو گی لڑکیوں کے ساتھ۔" یاور علی خان نے کھٹکنے والی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہوں۔" ماہین نے فی الوقت ان سے مزید بات کرنا مناسب خیال نہ کیا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ ظاہر ہے گھر میں ہی ہو گی۔" اس نے غور پر توجہ پا کر عام سے انداز میں جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے جوائے پارٹی ہو۔" وہ انداز دینے لگے۔

"جی۔ ہو سکتا ہے۔" اس نے تائید کا انداز اختیار کیا۔

"آپ اتنی گم صم سی کیوں ہیں؟" ان کی حساس نظروں نے اس کا چہرہ چھوا۔

"نہیں تو۔" وہ زبردستی مسکرا دی۔

"کوئی بات تو ہے۔" وہ شک سے گھورنے لگے۔

"نہیں نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔" اس نے بڑی مشکل سے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے ساتھ انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"فکر ہو سکتی ہے۔ وہ بچہ ہی نہایت بے وقوف لڑکی۔" وہ بڑبڑائے۔

ماہین کے پاس خاصی معقول وجہ تھی کہ وہ چپ ہی رہی کہ اس طرح ایک کی بجائے دو افراد پریشان ہو سکتے تھے۔ مگر بعد میں کچھ بھی ہو سکتی تھی۔

وہ دونوں نہایت خاموشی سے کسی اطلاع کا انتظار کرنے لگے۔

یاور علی خان کی آنکھیں میں سگریٹ پھنسا ہوا تھا۔ وہ ادھر ادھر ارتعاش کرنے لگے تھے۔

ماہین اٹھ کر ادھر ادھر ارتعاش کرنے میں جیسے ان کی مدد کرنے لگی۔ لگیج اٹھایا تو اوٹ گیا۔ اس نے ان کے سوا کوئی نہ ہونے کا احساس ہونے پر ماحول میں کچھ خوشگواری پیدا کرنے کے خیال سے کھڑکی سے اٹھ جا کر ان کے سامنے کیا۔ اسے خود بھی اس عمل میں لطف محسوس ہوا۔

یاور علی خان نے آگے جھک کر سگریٹ سلگایا۔

"تھینکس۔" انہوں نے دھواں اس کے چہرے پر چھوڑ دیا۔ ماہین مسکرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ لگیج وہیں کی وہیں رہ گئی تھی۔

"کسی دن دروازہ کھلا رہا۔" ماہین کے دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔

"کس۔" یاور علی خان نے استفسار کیا تھا۔

عالم تاب اندر داخل ہوئی تھیں۔ اور بڑے عجیب سے انداز میں۔

"یاور۔۔۔ روشی بولی میں کہیں نہیں ہے۔" وہ دل پکڑ کر صوفے پر ڈھے گئیں۔

ماہین کے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ وہ دل ہولی شناخ کی طرح ری ایکٹ کرنے کے انداز میں بیٹھی تھی۔

یاور علی خان دم بخود سے بیٹھے رہ گئے۔

"وہ گئی کہاں۔" ماہین نے کچھ دیر بعد ان کا دھیان لینا چاہا۔ جہاں وہ جا سکتی تھی۔

"سب جگہ دیکھ لیا۔ سب جگہ۔۔۔ ہائے۔" انہوں نے سینے پر ہاتھ مارا۔

"یاور! مجھے تو ڈر ہے کہیں کہ وہ داؤد صاحب کو کچھ نہ کر آئی۔ ارے میرے اللہ۔ یہ اور کیا امتحان ہے۔" وہ چیخ چیخ کر رونے لگیں۔

"پلیز مام! حوصلہ کریں۔ کچھ ہو گیا تو بھی ہمارا وہ خود کو سنبھالیں۔"

www.Paksociety.com

وہ اٹھ کر ان کے پاس آ کھڑے ہوئے اور ان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"[illegible] گزری [illegible]" وہ [illegible] تھیں۔

باور علی خان کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔ انہوں نے آگے ہو کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔

"آپ فکر نہ کریں بھابی بیگم [illegible]

[illegible] ثابت کروں گا۔"

ان کے لہجے میں چھپی [illegible] تھا۔

"ارے [illegible] گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں" وہ [illegible]

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں ہینڈل کر لوں گا۔"

"ماہین۔ بھابی بیگم کو پانی پلاؤ۔ میں بابا صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔"

وہ ساکت بیٹھی ماہین کی طرف پلٹ کر گویا ہوئے اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

باور علی خان نے بابا صاحب کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی اور اجازت کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

"آؤ آؤ باور بھی۔ ہم تمہیں ہی بلانے والے تھے۔ وہ مہمان آ چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ رات کے کھانے سے پہلے تمام معاملات طے کر لیے جائیں۔ [illegible]"

بابا صاحب ایک بھاری [illegible] بیٹھے تھے۔ بیٹے کو دیکھ کر ایک دم پرجوش سے ہو گئے اور [illegible] ایک طرف سرکا [illegible]

"[illegible] آپ [illegible] میرا فیصلہ بھی آپ ہی [illegible]"

"[illegible]" باور علی خان [illegible] کرسی پر بیٹھ گئے۔

بابا صاحب نے چونک کر ان کی شکل دیکھی جہاں ہر طرح کے تاثرات مفقود تھے۔

"[illegible]" وہ [illegible] گویا ہوئے۔

"یہ بات تو ہے [illegible] باپ کی حیثیت سے آپ [illegible] فیصلے کر سکتے ہیں۔ مگر ہم باپ کی حیثیت سے اس طرح کا کوئی حق استعمال نہیں کر سکتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے باپ کی حیثیت سے [illegible] کس طرح استعمال کرنا چاہیے" وہ اسی طرح [illegible] گویا ہوئے۔

[illegible] باور علی خان کے [illegible] ان کی صورت [illegible]

"نہ جانے کیوں آج مجھے [illegible] محسوس ہو رہے ہو" وہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

www.Paksociety.com

"کیا وہ کہیں اور ہے؟" یاور علی خان کو جیسے دھچکا لگا۔ ان کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں۔

"شاید" ۔ یاور علی خان کی نظریں جھک گئیں۔ ان کے ذہن میں یہ ایشین بھی تھا اور اجنبی بھی۔

"کون ہے وہ ۔۔۔ کیا کرتا ہے؟" وہ آن کی آن میں پسینے سے شرابور ہو گئے۔ باپ کی اتنی پریشانی کو بھانپ کر ان کے بیٹے نے پوچھا۔

"مجھے ٹھیک سے پتا نہیں۔ میں نے ماہین کے ذریعے پتا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے اس لڑکے کا ذکر سنا تھا۔ اس کا اسٹیٹس کا کیا ہے؟"

یاور علی خان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ کس دقیانوسی دور میں رہ رہے ہیں آپ"۔

یاور علی خان جواباً خاموش رہے۔

"ہمیں بھیجنے ہی مار دیا ہے اس لڑکی نے یاور! تم یقین کرو۔ تمہاری بہنوں کو ہم نے اتنی چاہت اور محبت سے نہیں پالا جتنی اس نے روشی کو دی۔ اس لئے کہ تم بھی اس سے اتنا ہی پیار کرتے اور اس کی ماں کی جگہ تھی"۔

وہ بری طرح ٹوٹ رہے تھے۔

یاور علی خان اس مرتبہ بھی خاموش رہے۔

"یاور ۔۔۔ پہاڑ ٹوٹ گیا ہے"۔ ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں"۔

"بہت سے کام بگڑے پاپا صاحب! مہمانوں ۔۔۔ سے ضرور بگڑے ہوں گے۔ انہیں کوئی مارچ آف کر واپس بھیج دیں۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی" ۔ یاور علی خان نے مشورہ دیا۔

"اب کیا بات ہو گی ہم سے۔ دل ڈوب رہا ہے یاور" ۔ وہ گلاس سے لگ لگا کر بے حال سے ہو گئے۔

یاور علی خان نے اٹھ کر گلاس میں پانی انڈیلا ۔۔۔ اور باپ کو سہارا دے کر پانی پلانے لگے۔

"وہ کہہ رہے لوگ ۔۔۔ اسے مل کہاں گئے؟ وہ تو ان کیس کے آس پاس بھی ہے"۔ وہ بچوں کی طرح مچلتے ہوئے گویا ہوئے۔

"مجھے کچھ معلوم ہے نہیں" ۔ یاور علی خان نے نگاہیں سامنے دیوار پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ماہین کو پتا ہو ضرور پتا ہو گا ۔ بلاؤ اسے"۔ پاپا صاحب کی آواز میں بیچارگی سی آ گئی۔ جیسے ان کی سانس بے قابو ہو رہی ہو۔

"کوئی فائدہ نہیں اب ۔۔۔ بے کار ہے۔ فی الحال تو آپ طارق اور سعدیہ سے کام لیں۔ وہ کل آنے والے مہمانوں سے تو معاملات طے کریں"۔ انہوں نے باپ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"آفریدی ہے یاور اس کا نام ۔۔۔ ہے نا؟"

"کیا کہوں پاپا صاحب! اگر یہ ہے تو ۔۔۔ آپ آرام کریں۔ تھوڑی دیر میں ہی آپ کو لے کر واپس آتا ہوں"۔

یاور علی خان نے باپ کو تکیے کے سہارے بٹھایا۔ ان کے ہاتھ پاؤں سرد ہو رہے تھے۔ وہ اٹھ کر جانے لگے تو انہوں نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم مت جاؤ یاور! ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔ کہاں ہے وہ لڑکی؟ ہم اس سے خود ملیں گے۔ ہم اس کے پاؤں پکڑ لیں گے۔ اس سے رحم کی بھیک مانگیں گے۔ ہم اس کے سامنے گڑگڑائیں گے۔ ہم اس سے کہیں گے کہ ہمارے بچوں کو ہمیں لوٹا دے۔ ہم اس سے کہیں گے کہ ہم اس کے ماں باپ ہیں

"کیوں؟" سعدیہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

صحن سے دو بار سسکیاں اٹھ کر رکنے شروع کر دی۔

"کہاں چلی گئی؟" یہ تو فرار ہونے کو ہو گئی۔

"کیا اسے پاپا صاحب نے کچھ کہہ دیا تھا؟" ماہین کا تو وہ وہی جیسے پتھر کر رہ گیا تھا۔

"معلوم نہیں۔ بس آپ لوگوں سے یہ کہنا تھا کہ ہم کے والدین گھر میں موجود ہیں۔ کوئی بات نہیں کرنی ہے۔ سمجھ گئی ہیں ناں آپ لوگ۔"

ماہین نے ان کے بتائے ہوئے جوتے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

چند لمحے خاموشی کے بعد ایک جانب سے سسکیاں ابھرنا شروع ہوئیں۔

ماہین نے نظریں دوڑائیں تو گھٹنوں کو دبوچے ہوئے پایا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر گھٹنوں کے پاس آ گئی۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ آ جائے گا گھر۔ بڑی بات" وہ گھٹنوں کو چپ کرانے لگی۔

اس دم عالم جب اندر داخل ہوئیں۔ لڑکیاں اپنی اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

"ماہین"۔

"جی؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم یاور کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ جاؤ۔ مہمان وہیں ہیں" وہ بے حد نارمل نظر آ رہی تھی۔

ماہین وہاں سے چلی آئی۔ سامنے ہی پارٹی آباد دکھائی دی۔

"خیریت تو ہے خیریت میں؟" اس نے بے تاثر لہجے میں یونہی سوال کر دیا۔

"جی۔۔۔ مہمان مارکی ہے" وہ سادگی سے گویا ہوا۔

"یہ نقصان ہوا ہے ہمارا۔ تمہاری وجہ سے" وہ سابقہ انداز میں گویا ہوئی۔

"جی" اسے جیسے ڈرنے کا جھٹکا محسوس ہوا تھا۔

ماہین نے اس سے مزید بات چیت کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور آگے بڑھ گئی۔ یاور حیران پریشان سا اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تو اس کی صورت ہی اچھی لگتی ہے۔ معصوم۔ بے شعوری کہیں گی"۔

یاور کی ماں نے اسے مجھ کو کہتے ہوئے سنا تھا۔

"ہاں مگر ان کا سوچنے کی بات ہے۔ یہ لوگ ایسا کیا کر سکتے ہیں"۔

"تم نے ہی مجھے ہر بار خبردار کیا ہے" اس نے ڈرنے کا ڈرامہ کرنا چاہا تھا۔

"تو کیا گھبرا رہی ہو؟" وہ ہنس پڑی۔

"نہیں ہی گھبرا رہی ہوں" وہ ہنس پڑی۔ پھر لمحے کو اس کی آنکھ شرارت سے چمکی۔ وہ گھبرا کے کہنے لگ

"یہ صدا جانی ..." "مجھ پر یہ جان ہوگی، گر یہ میں ہاتھ ان کے اٹھا دوں گا تو کیا ہوگا"

"کیا ہو جائے گا؟"

وہ تیزی سے دیکن میں سوار ہو گئی تھی۔

"صدا بچا کر ... دیکن کے چکر میں پانے کے بھائے اس نے رکھ دیا۔

مگر مرتبہ اس طرح جی نکلنے کا اتفاق ہوا تھا اس لئے خوف سا طاری تھا۔

رکشہ عامی دیر چلنے کے بعد اس کے نشانے پر ستام پر رک گیا۔ اچھا خاصا کرایہ طے کیا تھا اس نے اگلی سواری

نکال کر اسے دیا اور باقی پیسے واپس لے کر سڑک پار کر کے ایک عمارت کے سامنے پہنچ گئی۔ پہلے کمرے کی

بچانے کی کوشش کی پھر اس راستے پر چل پڑی جو اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ آفس ٹائپ دروازے پر پہنچی اس نے

ہمت جمع کی۔ دو تین مرتبہ پیش کرنے کے بعد دروازہ کھلا۔

"کون ہے بھائی۔ ہم کہاں اتنے اہم ہیں کہ کوئی ہمیں یاد کرے اور آئے" ... دروازہ کھولنے والے کو دیکھ کر وہ

گئی تھی۔

دروازہ کھولنے والا ... اچھل کر پیچھے ہٹا تھا۔

"آ ... آپ ...!"

"راستہ تو دیجئے۔ بلا سے مجھے چکر آ رہے ہیں"۔

یا گردش دوراں کو کوئی کام نہیں ہے

یا میری ہی قسمت میں آرام نہیں ہے

اس نے بے ساختہ شعر کہتے ہوئے راستہ دیا تھا۔ حیرت اتنی تھی۔ آنکھیں جیسے ماتھے پر جا گی تھیں۔

"ارے چچا عارف! کون ہے؟ کس سے باتیں کر رہا ہے؟" اس کی ضعیف آنکھوں کے نور سے محروم ماں کی چیخ

ہوئی آواز آئی تھی۔

"مہمان آئے ہیں ماں۔ کہتے ہیں مہمان کے آنے سے برکت ہوتی ہے۔ ہمارے گھر میں برکت ہی برکت

کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں"۔

وہ شکستہ سی آواز میں جواب دے کر ہنسی لگانے لگا۔

"مہمان؟ کون مہمان۔ ارے بولتا کیوں نہیں؟" بوڑھی ماں چیخیں۔

"بتاتے ہیں ماں۔ بتاتے ہیں"۔

"آئے ... اللہ کا جانے"۔ وہ یوں کہتا ہوا جیسے کہہ رہا ہوں "کیا کریں مجبوری ہے"۔

"کیسے ہیں آپ؟" وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

"... ہی شیشہ گری کا ہنر دے کر خدا نے
... میں آئینہ ہوں مجھے ٹوٹنے کی عادت ہے

... پروین شاکر"

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

☆—☆—☆—☆—☆—☆

"السلام علیکم اماں!" بالو بڑی بی کے سامنے جھکے انداز میں بیٹھ گئی۔

"جیتی رہو! کون؟" بڑی بی اونچا سنتی تھیں۔

"میں ہوں اماں! بالو۔" وہ کمزوری آواز میں گویا ہوئی۔

"بالو — کون بالو؟" بڑی بی کا حافظہ بالکل پٹ ہو چکا تھا۔

"لال خان کی بیوی۔" عارف نے اچٹتی ہوئی نظروں سے بالو کی طرف دیکھا۔

"اوہ اچھا — اچھا! اکیلی آئی ہو لال خان نہیں آیا؟ رات تو گھر ہو رہی ہے۔" بڑی بی کو یاد آ گیا۔ بالو خاموش رہی۔

"بیٹی! اس وقت کیسے آئی؟ خیریت تو ہے ناں؟" بڑی بی کی فکرمندی فطری تھی۔

بالو پھر خاموش رہی۔

"کھانا وانا بھی کھایا؟" بڑی بی نے ٹٹول کر اس کے گھٹنے چھوئے۔

"لگے ہاتھ وہ بھی کھا لیتی ہوں گی۔ بہت بھوکی ہیں کئی دن سے۔" وہ کمزوری آواز میں بولی۔

اس نے بالو کا ہاتھ تھام کر اپنے سر سے لگا لیا۔ عارف اسے گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

بڑی بی پریشان ہو گئیں۔

عارف نے بھی تشویش بھری نظروں سے بالو کو دیکھا۔

"آپ چلیں اماں! ادھر کمرے میں آ جائیے۔ ہم تو ویسے بھی آپ کے مہمان ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایک طرف رکھے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔

بالو بمشکل تمام کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

"آپ یہاں لیٹ جائیے۔ میں چائے لے کر آتا ہوں۔" وہ دو اقدام باہر نکل گیا۔

بالو کرسی کے انداز میں بستر پر بیٹھ گئی پھر آہستگی سے لیٹ گئی۔

بخار بہت تیز ہو چکا تھا۔ جانے کتنی دیر لگاتار کھانستی رہی۔

"یہ چائے پہلے کچھ کھا لیجئے پھر گولی کھا لیجئے گا۔" اسے عارف کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ عارف چند لمحے اس کی بے بسی دیکھتا رہا پھر ٹرے تپائی پر رکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو آپ کو اٹھنے میں مدد دوں۔" وہ اس کے قریب کھڑا اجازت مانگ رہا تھا۔

"نہیں — الفاظ نہیں چاہئے۔ محبت والا رویہ کافی ہوتا ہے۔" وہ چپ رہی۔

عارف نے اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔

بالو دو خود کوشش کر کے بیٹھ گئی۔

عارف نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ چائے کے ساتھ بسکٹ اور کیک پیس تھے۔ اس نے ایک چھوٹا سکٹ اٹھا کر چائے میں بھگویا اور منہ میں رکھ لیا۔

پھر چائے اٹھا کر پینے لگی۔

"اور لیجئے ناں۔" عارف نے کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بالکل قریب بیٹھ گیا تھا۔

اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

عارف نے آگے جھک کر اس کی پیشانی کو چھوا۔ پھر ایک دم پریشان ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"صدمہ گیا۔ کس قدر تیز بخار ہو رہا ہے۔ بھلا کیا ضرورت تھی اس حال میں گھر سے نکلنے کی۔ آپ کو تو چلنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ میں خود جا کر دوا لے کر آتا ہوں۔ اگر ڈاکٹر ساتھ آ گیا تو اسے لانے کی کوشش کروں گا۔" وہ باہر کی طرف بڑھا۔

"پلیز رہنے دیجئے۔ مت کیجئے تکلیف۔ مرنے دیجئے مجھے۔ مجھے کیا کرنا ہے دوا کی؟"

وہ بلکتی آواز میں اسے روک رہی تھی۔

عارف نے جانے جاتے پلٹ کر دیکھا۔

www.Paksociety.com

وہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

ہالو نے ایک طرف کھسکائی اور پھر اٹھنے لگی۔

اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ شام ہی کے وقت عارف ڈاکٹر کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"بہت تیز بخار ہے' بوا ہے گھر میں؟"

"جی"۔ عارف نے فکر مندی سے ہالو کا چہرہ دیکھا۔

"آپ ایسا کیجئے' بہت ٹھنڈا پانی منگوا کر ان کی پیشانی پر پٹیاں رکھئے۔ اگر بخار رات اس لئے بھی ہے کہ یہ زخمی ہو گئی ہیں۔" ڈاکٹر اسٹیتھ اسکوپ سے چیک اپ کرنے کے دوران کہہ گیا تھا۔ عارف بڑی تیزی سے باہر نکل گیا تھا ڈاکٹر نے بڑی توجہ سے معائنہ کیا اور دوائیں لکھ دی تھیں۔

"اس سے قبل بھی آپ نے اپنی وائف کا چیک اپ کرایا ہے؟" عارف پانی اور پٹیاں لے کر اندر داخل ہوا تو ڈاکٹر کا سوالیہ جملہ ہوا۔

وہ کچھ بولنے ہی لگا تھا مگر پھر جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گیا۔

"پہلے یہ دوا میں منگوا لیجئے' انجکشن لگا دیا ہے' فکر کی بات نہیں تسلی رکھئے۔"

ڈاکٹر نے اپنا پھیلایا ہوا" پھیلاوا" سمیٹنا شروع کیا۔

عارف نے پانی کا برتن تپائی پر رکھ دیا۔ جس میں برف کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔

"آیئے' میرے ساتھ ہی چلئے' میں راستے میں آپ کو کسی میڈیکل سٹور پر اتار کر دوں گا' پچھلی سائیڈ کے پتے بھی ڈاکٹر۔ بہت شفیق اور مہربان محسوس ہوا۔

"شکریہ' آیئے پلیز"۔ عارف نے اپنے رد عمل سے چند پیشتر گزری ناہمواری کی اور دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

عارف کو گھر واپس آتے آتے آدھا گھنٹہ سے زیادہ لگ گیا تھا۔ برف بھی ساری پگھل چکی تھی۔

آتے ہی اس نے پہلے ہالو کو دوا دی' پھر پانی میں رومال بھگو کر اس کی پیشانی پر رکھنے لگا۔

ہالو پر تقریباً بے ہوشی طاری تھی۔ چہرہ انگارے سا لال ہو رہا تھا۔ عارف کے چہرے سے فکر و تردد کا گہرا تاثر جھلک رہا تھا۔

"عارف ــــ عارف ــــ ارے او عارف ــــ لال خان کی بیوی کا بخار اب کیسا ہے۔ تو کیا کر رہا ہے' کہاں ہے وہ؟" بوا پی نے شور مچا دیا۔

عارف دوڑتا ہوا گھر کی بڑی کے پاس چلا آیا۔

"سو جاؤ' اماں' جیب چاپ"۔

"کیا کہہ رہا ہے تو؟" بوا پی کو غصہ آ گیا۔

"بخار ہے اسے"۔ وہ جھنجلا کر بولا۔

"کیا ہو گیا؟"

"پتہ نہیں' بوا پی ہے' بخار سے بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"تو کیا کر رہا ہے؟" بوا پی نے تعجب سے دریافت کیا۔

"ڈاکٹر کو لایا ہوں' دوا دارو دے دیا ہے' میں ابھی آ جاؤں گا تھوڑی دیر میں"۔ وہ کہہ کر کے دوبارہ دوڑتا ہوا باہر آ گیا۔

اس کی پیشانی پر رکھی پٹی بدل کر دوسری رکھ دی۔

اس کا دل اندیشوں سے گھرا آنکھوں میں بے شمار سوال تھے۔

رات کی گہری تاریکی میں جیپ حویلی کے مین گیٹ پر رکی تھی۔

اصغاں نے غل مچا کر بیدو کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے چپکے چپکے پشتوں حویلی کا چکر لگایا۔

چوکیدار نے گیٹ وا کر دیا تھا۔ جیپ اندر دور تک چلی پھر تھکے تھکے شیڈ کے نیچے رک گئی۔

"ہمرا آوا پی"۔ ڈرائیور کی آواز پر وہ چونک پڑی۔

اور چادر سنبھالتی اتر آئی۔

"اندر بی بی کو لونڈی حویلی سے مہمان آئے ہیں"۔

ڈرائیور نے دور کھڑے ملازم کو آواز دی۔

وہ اپنی جگہ کھڑی یوں جیسے اسی سے اگلے حکم کا انتظار کر رہی ہو۔

ملازم چند لمحوں میں واپس آ گیا۔

"بی بی کہتا ہے' مہمان کو گیسٹ روم میں بٹھاؤ' خان آ کر خود ملیں گے"۔

ملازم ڈرائیور سے مخاطب ہوا اور پھر اس کی جانب پلٹا۔

"آؤ بی بی"۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ملازم نے گیسٹ روم کھول کر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

وہ اندر داخل ہوئی۔ انتہائی شاندار گیسٹ روم تھا۔ مکمل گولڈن فرنیچر' گولڈن پچ کام کرتے ہوئے سرخ قالین' سرخ ہی بھاری بھرکم اور بھاری سرخ گدیوں والی ارم چی نیچی پشتوں والی چار کرسیاں' ہر شے نہایت صاف ستھری۔

اس نے ایک طرف بے دروازے کو پر شوق انداز میں دیکھا۔ اور سر ہلا کر کے سمجھا تھا' نہایت ہی صاف ستھرا کمرہ ہے' سلیقہ کوں والا ہے۔ ہم گولڈن پسند گولڈن پسند کرتا ہے اور گولڈن کی تعریف شاید یہاں کے مہمان سمجھا جاتے ہیں فرمایا

گیا یا روم ہو۔ اس کا جی چاہا خود ہی تحقیق کرے مگر کیسے۔۔۔؟ اس نے بائیں دیوار میں اسے الماری پر نظر ڈالی۔

"جب تک کاکا جان نہیں آجاتے" کپڑوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔ کس قدر وہ اخلاق میں کاکا جان کی ہمسر ہیں دوسروں کا بھی لحاظ نہیں کرتیں پتا نہیں وہ "میم" ہیں یا کوئی اور ہیں۔ کاکا جان تو بے حد "مسٹر" ہیں۔ یہ بھی کہاں جہاں میں رہتے ہیں۔ بھلا وہ یہ بھی دنیا کی طرف سے بے پروا کیسے کیسا سلوک کر لیتے ہیں سے"۔

اس نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اور اطمینان سے بستر پر بیٹھ گئی۔ لباس گرد آلود ہونے کی وجہ سے وہ بے حد کافی محسوس ہو رہی تھی۔

حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ اب ملازم کو کیسے بلائے؟ یا غسل خانہ میں جا کر خود ہی سے مدد کر لے۔ اسی کشمکش میں تھی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"جی! کون ہے؟ آجاؤ"۔

دروازہ کھلا اور وہی ملازم جو اسے یہاں پہنچا کر گیا تھا۔ ٹرے میں جگ گلاس لئے اندر داخل ہوا۔ اور خاموشی سے اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

روشی نے نہایت بے تابی سے پانی گلاس میں انڈیلا اور غٹا غٹ چڑھا گئی۔ پورا گلاس پی کر اس نے گہرا سانس لے کر ملازم کی طرف دیکھا۔

"کیوں کھڑے ہو؟"

"آپ کھانا کھائیں گی؟" وہ پیشہ ور تھا۔

"ہاں ہاں بھئی کیوں نہیں کھائیں گے بڑا اچھا سا کھانا لاؤ۔ مگر جلدی لانا بھوک نے دم نکال دیا ہے"۔

اس نے پنکھا جھلا کر بستر پر پھیلائی اور لیٹ گئی۔

"دروازہ بند کر کے جاؤ" پہلے بھول کر چلے گئے تھے۔ کسی نے اب آداب نہیں سکھائے تمہیں؟ ویسے تو کاکا جان بڑے سخت ہیں"۔

بے چارا بھکا اس کی شکل دیکھنے لگا۔ مہمانوں کا تو نہیں البتہ مالکوں کا لحاظ ضرور تھا۔

"جاؤ بھئی کیا شکل دیکھ رہے ہو" وہ ناگواری سے گویا ہوئی۔

وہ جلدی سے باہر نکل گیا مگر اس مرتبہ دروازہ بند کرنا نہیں بھولا۔

روشی حیرت بھری نظروں سے ارد گرد دیکھ کر کچھ سوچنے لگی۔ بڑی حویلی اس کے دماغ پر سوار تھی۔

"کیا ہو رہا ہوگا وہاں۔ ایک آفت اتری ہوگی گھوڑا مرا ہوگا تو رو رو کر پاگل ہو رہی ہوں گی۔ نجانے کس طرح رکی ہوگی"

ہوگا؟

ڈاکٹر صاحب تو رات کو نکل گئے ہوں گے۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ ابھی وہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی وہیں ہوں۔

[illegible] حقیقت پر جان بوجھ کر پردہ ڈال رہی ہیں کیا مجھے بھی نہیں کرنا چاہیے؟

[illegible] کے اصطبل میں بھی کوئی گھوڑا نہیں ہے۔ سب لے گئے ہیں۔ اپنے حفاظتی انتظامات کرنے [illegible] ہے۔ میں کس فراق میں عمر بھر کا رونا لے بیٹھی۔ سر کا درد آنکھیں پھٹا جا رہی ہیں۔ اپنے لئے تو کچھ حال کر کھانے کی طلب [illegible] کاکا جان نے کہا تھا کہ بھیک مانگنا تو دور کی بات ہے۔ کسی سے کچھ لینا بھی گناہ ہے۔ [illegible] ملازم کی آواز سنائی دی۔ وہ حویلی چھوڑنے کی کوشش کی تو اسی حویلی میں جان دینا پڑے گی۔ اور اسے بھی اور اپنے بچے کی

www.Paksociety.com

قورمہ بنا تھا سب کی خوشبو سے سارا باتھ روم مہک رہا تھا۔ اس نے بڑے خوشگوار احساسات کے ساتھ وضو اور تولیے سے بعد بچا کھچا ہوا باہر آگئی۔

ڈبوں کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر اس نے اندازہ لگایا۔ ایک میں قورمہ دوسرے میں پلاؤ تیسرے میں آلو کا بھرتہ۔ اس نے پلیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے گویا کھانے سے پہلے اللہ کا شکر ادا کیا۔ چھوٹی سی کوری پلیٹ چاکلیٹس سے سجا دی تھا' جو اسے یوں بھی بے حد پسند تھا۔

"واہ بھئی کھانے کے سامنے میں تو ہماری چلتی جان بڑی لاڈلی ہیں' پلاؤ بہت اچھا ہے۔ کم از کم کھانا تو بہت اچھا بنے گا"۔

"وہ بہت آرام دہ حالت میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگی۔ اس کی ذہنی کیفیت میں اس لمحے بھی کوئی تبدیلی نہیں تھی کہ ایک طرف سے وہ اپنے ہی گھر میں تھی۔

ابھی وہ کھانا کھانے میں مصروف ہی تھی کہ ملازم پھر چلا آیا۔

"آپ چائے یا کافی پئیں گی؟"

"نہیں بھئی کھانا کھا کر تو بس اب لمبی تان کر سوئیں گے"۔ اس نے بڑے مصروف انداز میں جواب دیا۔

"سنو"۔ اس نے جاتے ہوئے ملازم کو آواز دی۔

"جی؟" اس نے بڑی دلچسپی سے روشی کو دیکھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"سعدد خان"۔ اس نے بڑی سادگی سے کہا۔

"اوہ! اتنا طویل و عریض نام"۔ وہ ہنس پڑی۔

"جی"۔ وہ بے چارہ خاک ۔۔۔ نہیں سمجھا۔

"سنو! اپنی مالکن سے کہو۔ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم کوئی غیر نہیں ہیں' خان حمود علی خان کی سگی بھتیجی ہیں۔ خان وہ علی خان کی صاحبزادی' جاؤ ہمارا پیغام اپنی مالکن کو پہنچاؤ"۔

ملازم چلا گیا' وہ پھر مکمل توجہ سے کھانا کھانے لگی۔

کھانا ختم کرنے کے بعد اس نے برتن واپس ٹرالی میں رکھے اور ہاتھ دھونے باتھ روم میں چلی گئی۔

جب ہاتھ دھو کر باہر آئی تو ملازم اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"بی بی جی نے آپ کو خان کے آنے تک انتظار کرنے کو کہا ہے"۔

سعدد خان نے مؤدب ہو کر اسے اس تک پہنچا دیا۔

روشی کو ۔۔۔ یہ خان اسعد ۔۔۔ محسوس ہوئی۔

"سنو! کیا تمہاری مالکن بہت حسین ہیں؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

سعدد خان خاموش رہا۔ اس نے غور سے اس کی شکل دیکھی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ تم نے اپنی مالکن سے کیا کہا تھا؟" اسے یاد سمائی کے سامنے میں بیٹھا دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔

"جو آپ نے کہا تھا' وہی بولا تھا"۔

"وہی تو پوچھ رہی ہوں کیا؟" وہ جھلائی۔

"آپ خان حمود کی بھتیجی ہیں اور خان یاور علی خان کی صاحبزادی ہیں"۔

وہ بھی بے چارا پریشان ہو گیا تھا۔

"ہوں"۔ روشی نے کچھ سوچنے کے انداز میں ہنکارا بھرا۔

"اچھا سنئے کے بعد بھی تمہاری مالکن پر کوئی اثر نہیں ہوا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں"۔ وہاں سے بڑا انکاسا جواب آیا تھا۔

وہ حیران ہو کر رہ گئی۔

"کچھ گھبرائی تھی؟" اس نے موضوع بدل دیا۔

"نہیں' چھوٹا خان (آشنر) پاس میں ہے"۔ سعدد خان نے جواب دیا۔

"اچھا جاؤ تم یہ ٹرالی لے جاؤ' اور صبح مجھے اٹھانے مت آنا' چاہے کا کا جان بھی آجائیں تب بھی۔ میں اپنی مرضی سے اٹھوں گی"۔

سعدد خان ٹرالی دھکیلتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

روشی نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کیا' لائٹیں بجھائیں اور بستر پر اوندھا گئی۔

کتنے عرصے بعد اسے اطمینان کی نیند آرہی تھی۔

دن نے رات کی ساری لائٹیں آف کر دی تھیں۔

سب ہی لوگ اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ اب یہ خدا کو معلوم ہے' وہ سچے تھا سے تو بالکل نیند صبح تک آنی نہیں تھی رہی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے اپنے ہاتھ پیر مسلسل ہلا رہا تھا۔

ہاں محسوس ہو رہا تھا کہ ایک قیامت سی برپا ہونے جا رہی ہے۔

کہاں ہو گی وہ؟

اگر یہ ہاتھ کر بھی لیا تو میدہ اسعد میں کہاں ملے گا اور اسے کہاں ڈھونڈے گا۔

کیا اس سلسلے کا مجرم میں ہوں؟

کیا میں نے بہت غلط فیصلے سے کام لیا ہے؟

کچھ لمحے آنے والے لمحوں کے بارے میں سوچنے کی کوشش کی۔

www.Paksociety.com

میں تو اس پر کسی دھوکا یا پریشانی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس رات مجھے نیند نہیں آئی۔ تکیہ میں جب وہ سسکیاں گیلا کرتی رہا گئی تھیں۔ اس کے گھلے ہوئے بالوں سے مہک آ رہی تھی۔ کرتا تھا اس کے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے پونچھتا تھا۔ اس کو بہلانے کیلئے کیا کیا جتن کرتا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ جیتی جاگتی میری محبت سے ہی ترسے گی۔

وہ کس عذاب میں ہو گی؟

کہاں ہو گی؟

کس حال میں ہو گی؟

اگر اسے کچھ ہو گیا؟ یہاں تک کر اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

"خدا وہ تم یہاں ہو؟ میں حیران کہ آخر مجھے تو کہاں گئے؟"

جھومر کی آواز پر تو اس کے بچے کچھے حواس بھی جواب دینے لگے۔

"وہ کمبخت سرسوتی تو کب کی مر کھپ گئی۔ ہمیں یہاں سے وہاں تک حویلی چھانا پڑ گئی"۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے گئی۔

باری نے نہایت بیزار کن انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"فرمایئے کیسے دعوت کی؟" وہ اپنے لہجے کی تلخی کو چھپانے میں ناکام رہا۔

"وہ تمہاری قیدی اور سرسوتی کی" "کیدن" "کلار میں دعوت پڑی ہے"۔

"مجھے تو تمہاری طبیعت بھی اچھی محسوس نہیں ہو رہی"۔ جھومر واقعی اسے بہت شدت سے محسوس کرتی تھی۔ بلم تاریک ماحول میں بھی اس کی کیفیت محسوس کر چکی تھی۔

"میں آپ کو ایک لطیفہ سنا دیتا ہوں آپ اسے کھلا دیں"۔ وہ بولا۔

"مگر تم کھاؤ گے؟" جھومر نے تو سے اس کو کھلانے کی کوشش کی۔

"میں آپ کو پانی بھی دے رہا ہوں کھول لیجئے گا"۔ وہ بھی آواز میں بولا۔

"ہیں؟" جھومر کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔

"اور تو وہ بھاگ گئی؟" اس نے قدرے خسفرانہ انداز میں سوال کیا۔

"بھاگ جانے"۔ وہ بیزاری سے کہتا ہوا حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھا۔

"سخت موڈ آف ہے؟" جھومر دھیرے سے بڑبڑائی۔

باری خاموش رہا۔

"یہ کیوں ہو رہے ہو؟ کچھ کہو گے کیا ہے؟" وہ پھر پیچھے سے بولی۔

"کیا کہوں گی آپ خاموش رہئے گا؟" وہ سخت خفگی کے عالم میں مخاطب ہوا۔

"کچھ ہوا ہے تو تم کہو گے کہ؟" وہ بولی۔

"کہنے کو تو بہت کچھ ہے مگر آپ سن کر کیا کریں گی"۔ وہ بولا۔

"کچھ تو بتاؤ کیا ہوا ہے؟ کچھ کہو گے تو پتا چلے گا؟" جھومر کے بعد وہ اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔

"کیا کہو گے کیا اسے پتا نہیں چلا؟ جانے کے بعد وہ اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔

"یہ تمہارے ہاتھوں میں سے ہے لے آئے ہو آپ کیلئے" وہ حیران ہو رہی تھی

www.Paksociety.com

ایک دل کہہ رہا ہے خدا کرے اسے کچھ نہ ہو دوسرا کہتا ہے خدا کرے اسے ابھی اس دنیا میں سے اٹھا لے۔ اس کی ماں کسی سے اس کی جان۔"

ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے رخسار پر پڑا تھا۔ ابھی وہ سنبھل بھی نہیں تھی کہ دوسرے رخسار پر پڑا۔ اور تھپڑوں کی بارش ہونے لگی۔

"میں آپ کو گھر لانے کی نیت پر ہوں اور اچھا ہو جائے یہاں سے اگر آپ نے آئندہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو میں آپ کا گلا گھونٹ دوں گا۔ اس قیدی کے ساتھ کچھ نہیں ہوا اور آپ کے ساتھ ہو گیا۔"

ہادی کی رگ رگ میں انگارے دہک رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ زخمی ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھی۔ جو رخسار پر ہاتھ کے نشان دیکھ رہی تھی۔

نیند تو خیر ماہین کو بھی نہیں آ رہی تھی مگر یاور علی خان جس طرح دھماکے چھوڑنے والا انجن بنے ہوئے تھے وہ اس کے لئے انتہائی اذیت ناک تھا۔

کبھی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھ کر فائلیں دیکھنے لگتے۔ کبھی کمرے میں ٹہلنے لگتے۔ کبھی صوفے پر دھم سے گر جاتے۔ آخر وہ سب سے پہلے تڑپ اٹھی اور ان کے قریب چلی آئی۔

"اتنے ٹینس نہ ہوں اللہ پر بھروسہ رکھیں۔" اس نے ان کی پیشانی پر اپنا نازک سا ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ یاور علی خان نے اپنی سرخ آنکھیں لئے پھر کو گھما کر اس کی سمت دیکھا۔ نہایت ہلکے آسمانی رنگ کی ٹائی لگے ہوئے بالوں میں وہ بہت اپنی اپنی سی محسوس ہو رہی تھی۔ کمرے میں نائٹ بلب کی کمزور سی روشنی اسے مزید پرکشش بنا رہی تھی۔

"ماہین! یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔" انہوں نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ یہ کوئی معمولی سی بات ہے۔ مگر ہمیں یہ بھی تو زیب نہیں دیتا کہ اپنی قوت عمل کو زبردستی بھی جائیں۔

بات پیدا ہوتی ہے تو آگے بھی چلتی ہے۔ پھر کسی منطقی انجام تک۔ ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ ہمیں امید رکھنا چاہیے کہ منطقی انجام ہمارے حق میں ہوگا۔"

اس نے اپنا ایک ہاتھ ان کے بازو پر اور دوسرا ان کے سینے پر رکھ کر بہت اپنائیت سے کہا۔

"وہ کمزور سی لڑکی ہے ماہین اور لڑکی بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ صدیوں کی عزت داؤ پر لگی ہوتی ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔" یاور علی خان کے لہجے میں بلا کی تھکن تھی۔

"وہ جہاں کہیں بھی ہوگی تحفظ میں ہوگی ناداں نہیں ہے اپنی حفاظت کر سکتی ہے۔" اس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"ناداں نہ ہوتی تو یہ حرکت کرتی؟ اصل لڑکی ہے تو اصل حفاظت کر رہی ہے۔" یاور علی خان غصے سے بولے۔

"آپ آرام کریں۔" ماہین نے ان سے کہا۔

"آپ کی طرح سوچتے رہیں گے تو اس سے کیا سلسلہ حل ہو جائے گا؟" وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئے تھے۔

"آپ آرام کریں۔" ماہین اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر نکل گئی۔

ماہین اس کی طرف بڑھتی ہوئی سیڑھی کی طرف بڑھ گئی اور باہر نکل گئی۔

یاور علی خان نے پھر سگریٹ سلگائی اور سوچنے سے انکار کر دیا۔

یہ ہادی کی کیفیت میں کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ اچانک کسی فکر میں ماہین پر ٹھہر گئے تھے۔ سرخ ساڑھی میں ایک سحر انگیز حسن کی ان کے سامنے دو رنگ کھلے ہوئے بال کندھے سے ہوتے ہوئے سینے پر بکھر گئے تھے۔ سرخ ساڑھی میں ایک سحر انگیز حسن کی اوٹ میں تھا۔

سونے کی چوڑیوں سے بھرا ہاتھ سینے پر رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے قابو کھو کر دی تھی اور سحر کی طرف بڑھتے چلے گئے تھے۔ کندھے پر رکھے گئے تھے۔

ہاتھ تھی کر وہ ان کی آنکھیں دیکھتے رہے پھر وہ ان کے سینے پر جھک گئے۔

ان نے کسمسا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔

"ابھی تک جاگ رہے ہیں؟" وہ غنودگی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں یہ تمہیں خواب دیکھنے کا مرض ہے۔ سو جاؤ کل کی بیداری کا تھکن کر کیا خاطر سے ہوتی ہو۔" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"رات سونے کیلئے ہوتی ہے۔" اس نے ان سے کروٹ بدل لی تھی۔

"جاگنا کیلئے ہوتی ہے زندہ جاگنے والوں کیلئے ہیں۔" انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا تھا۔

"کیا ہے یہ ہوئی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" اس نے پھر کروٹ لینے کی کوشش کی۔

"اس میں سے آدھی تمہیں بھی دیدو تاکہ ہم آپس میں ہو جائیں۔" انہوں نے اسے کروٹ لینے سے باز رکھا۔

"یاور پلیز۔" وہ اکتا دی تھی۔

"یہ پلیز والیز ان میں چلتا ہے رات کو نہیں چلے گا۔ کہیں میڈم تھینک یو ہے؟"

"ہائے اللہ ان میں جوارنگ کرتا ہے اور رات کو آپ۔" وہ پھر ہنس دی تھی۔

"ظاہر ہے ٹیچر اب پڑھی جا رہی ہے۔" وہ مسکرائے تھے۔

"بھائی آپ کو نیند کیوں نہیں آ رہی؟" وہ سیدھی ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"مگر تو اچھل ورک میں مصروف تھا تم پر نظر ہی نہیں پڑی شاید اول سے۔ خیال آیا کس قدر بھلا لگ رہا ہے گیا دن اس وقت تم اب کر لیا جائے۔

"اللہ یاور بھائی بیگم کے ساتھ ایسا رومینس بھی جائز ہے۔" وہ ہنس کر بولی تھی۔

"مگر کل بھی ہوں گا جو یہ ہے کر لو۔" وہ کمر سے ہو کر لیٹ گئے تھے۔ ان کا ہاتھ اس کے بالوں سے کھیلنے لگا تھا۔

www.Paksociety.com

"بہت بیمار ہیں آپ"۔ وہ گردن گھمائے بغیر سے بولی تھی۔

"ہوگا۔ خراب ہونے کے لیے ہی تو خراب کیا جاتا ہے"۔ وہ بھی بغیر سے نگاہ ملائے بولے تھے۔

"نئے کے آنے تک مجھے نیند آجائے گی"۔ وہ بڑبڑائی تھی۔

"صبح ہو گئی تمہیں کس نے کہا"۔ وہ مطمئن سے بیٹھے تھے۔

"کل سے میں جواد کے پاس رہا کروں گی"۔ وہ بولی۔

"وہاں بھی ہو سکتا ہوں میرے بیٹے کا گھر ہے"۔ وہ مسکرائے۔

"اپنی قابلیت سے زیادہ کریں"۔ وہ جھنجلائی تھی۔

"محبت سے کر رہا ہوں"۔ وہ شرارت سے گویا ہوئے تھے۔

"یاور!" اس کے انداز میں بے بسی تھی۔

یاور علی خان ٹہلتے ٹہلتے رک گئے۔ ان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہو گئی تھی۔

وہ مایین کے قریب آ کر جھکے اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

وہ سو چکی تھی۔ ان کی گرم نگاہیں اس نے اپنے چہرے پر محسوس کیں تو پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ بھی جانے کیا تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ وہاں کھڑا ہو گیا۔

وہ بیٹھے بیٹھے ان کی جانب دیکھتی رہی۔

"مایین"۔ ان کی آواز میں برف کی سی خنکی تھی۔

"جی"۔ اس نے مشکل تھوک نگلا۔

"اٹھو"۔ ان کا انداز حکمیہ تھا۔

"وہ جھٹ اٹھ کر بیٹھ گئی "جی"۔

"تم اس وقت یہاں سے چلی جاؤ"۔ ان کے لہجے میں بلا کی خونخواری تھی۔

"جی! مگر کہاں؟" وہ حیران پریشان اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اتنی بڑی حویلی ہے کہیں بھی جا کر سو جاؤ"۔ وہ غرائے۔

"جی"۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

"بلیز مایین۔ گو آوے۔ وہاں صوفہ سیٹ (وہ چلی جاؤ لفظوں کے بعد ادھورا)

مایین حواس باختہ سی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"جی! میری سمجھ میں نہیں آ رہا"۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔

"یو شٹ اپ"۔ انہوں نے بند مٹھی اپنی پیشانی پر ماری۔ "دیکھو میرے حال پر رحم کرو۔ مجھے بری طرح ہرٹ ہوا ہے بری اپ بلیز"۔

واقعی ایک ہی بات تھی۔ اس نے چادر اٹھا کر کندھے پر ڈالی۔ ان کی طرف پیٹھ کیے بیٹھے بیٹھے کمرے سے باہر نکل گئی۔

پوری حویلی میں گھپ اندھیرا تھا۔ وہ ٹٹول ٹٹول کر سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ یاور علی خان نے بھی ہوئے دل کا فیصلہ تو بدلی پر اس بات پر کوئی مرد عورت کو اتنا دکھ دے کر بھی سکون سے رہ سکتا ہے۔ پہلے ہی وہ اسے بہت سا دکھ دے چکے تھے۔

"ان؟" باری کی آواز میں شدید حیرانی تھی۔

"میں مایین باری۔ باہر آ کر دیکھو"۔ وہ بولے کیوں اس کی آواز بھرا گئی۔

"میں؟ مگر کیوں؟" وہ حیران ہوا تھا۔ غالباً اس کا دھیان کھڑکی کی طرف تھا۔

"اف۔ باری۔ پلیز۔ باہر آؤ۔ میں"۔ اس نے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔

"باری نے حیرت کے ساتھ دروازہ کھولا تھا۔

"آپ؟ آپ یہاں؟"

مایین کی آنکھوں سے اشک سلسلہ وار بہنے لگے۔ اس سے کچھ بولا نہ گیا۔

"یہ اور یہ کیا ہو گیا؟"

وہ اپنے اشکوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

باری کا دماغ اب کہیں دور تک بھٹک رہا تھا۔ بظاہر اس کی نظر مایین کے چہرے پر تھی۔

"کیا کر رہے ہیں باری؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

وہ بیچارہ اب کیا سوچ رہا تھا۔

"سو رہے ہیں؟"

مایین نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"کام کر رہے ہیں؟"

اس نے پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

"ان کی طبیعت ٹھیک ہے؟" اس کے لہجے میں عجیب سا خوف امڈ آیا تھا۔

مایین نے چادر سے چہرہ پونچھا۔

"کسی نے تو تمہارے پاس آنا ہوں۔ کچھ پوچھنا ہے تم نے"۔

"آپ اس وقت کیسے آئے ہیں"۔ کس قدر بھونک کر تقریر کرتا ہوا آیا تھا باری کو۔

"کہاں۔ یہاں کیا ہے؟" اس نے حیرت سے باری کو دیکھا۔

"پلیز آپ نیچے چلتے ہیں"۔ اس نے تیسری بار التجا کی۔

وہ اس کے پیچھے چلتی ہوئی ہال میں آ گئی۔

باری نے دروازہ کھولنے کی طرف سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

www.Paksociety.com

"جی فرمایئے۔ کیوں رو رہی ہیں آپ؟" اس نے خود بھی ایک لمحہ سنبھل کر سوال کیا۔ اس کی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔ آنکھیں پونچھ کر خود کو ضبط کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی بے تاب نظر آئیں۔

"باری۔۔۔ کیا۔۔۔ باری" ساتھ ہی "ہائے" بھی۔" اس نے سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"جی؟ نہیں تو۔۔۔ سامنے گھر میں ایک روشنی تو ریفلیکٹ نظر آتے ہیں۔" وہ دھیرے سے بتانے لگی۔

"کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟" اس نے ماہین کا چہرہ دیکھا۔

"باری! انہوں نے میری بہت انسلٹ کی ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"کیا کہتے ہیں۔" باری کو جیسے اس کے ساتھ زیادتی کا بہت دکھ ہوا۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ عموماً گھر والوں کے ساتھ یہ کیا "بی ہیو" کرتے ہیں؟" اس نے آنکھیں پونچھیں۔

"جی ارے سے ویری نائس اینڈ جنٹلمین۔ ویل مینرڈ۔ وہ تو میں بہت اپنائیت محسوس کرتی ہوں۔"

وہ کہہ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ الجھن بھری نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھ رہا تھا۔

"یاد کرو شاید کبھی ایسا ہوا ہو کہ انہیں کوئی وہ۔۔۔ وہ۔۔۔"

"نہیں۔ میں نے ہمیشہ ان کو فٹ دیکھا ہے۔" باری نے تحمل سے جواب دیا۔

"آپ مجھے بتایئے اس وقت وہ کیا کر رہے ہیں؟" اسے بہت الجھن ہو رہی تھی۔

"مجھے کیا پتا۔ میں تو اس وقت تمہارے پاس بیٹھی ہوں۔" اس نے بھلا کر جواب دیا۔

"مجھ اضطراب ہے جب آپ اپنے بیڈ روم سے باہر آئیں تو وہ آپ کے ساتھ کسا بی ہیو کر رہے تھے؟"

"کمرے سے نکال دیا ہے انہوں نے مجھے۔" اس نے اطلاع بہم پہنچائی۔

"جی۔" باری کو جیسے شاک لگا۔

"جی۔" ماہین نے بھی اس کی نقل اتاری۔

"آپ لوگوں کی لڑائی ہو رہی تھی۔" اس نے بہت سمجھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ کاش ہوتی۔ تو اس طرح نکالے جانے پر اتنی تذلیل کیوں ہوتی۔" اس نے خفا ہو کر جواب دیا۔

"پھر کیا ہوا تھا؟" باری کی حیرت جا تھا۔

"اسی لئے تو تمہارے پاس آئی ہوں کہ تم یہاں کے سب سے باخبر شخص ہو۔ بالکل ٹھیک فرما رہے تھے۔

اب روشنی کی وجہ سے ڈسٹرب ہے، وہ تو فطری ری ایکشن ہے۔ مگر میرے ساتھ بالکل نارمل تھے۔ بلکہ انہیں بتایا بھی تھا میں نے۔ مجھے سونے کا کہہ کر کمرے میں بھیجا۔ ہے تھے۔ میں دیکھ کر کے لیٹی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے اندھیرا ہو تو میں کیسے سو سکتی تھی۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ تو باہر چلی جا۔ میں تو ایک دم پریشان ہو گئی۔ کہ ابھی انہیں کیا ہو گیا؟"

"ہوں۔" باری نے ایک گہری سانس لی۔ اور ماہین کی سمت دیکھا۔ وہ رو رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی۔

"انہوں نے بہت غصے میں کہا تھا؟" باری اور گہری سوچ میں تھا۔

"ہاں۔ ماہین کو یاد آیا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ وہ صبح تک نارمل ہو جائیں گے۔" باری نے تسلی دی۔

"آپ کو کیسے پتا ہوگا؟ صبح تک تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" وہ بولی۔

"آپ ایسا کیجئے۔ گیسٹ روم میں جا کر سو جایئے۔" باری نے مشورہ دیا۔

"سونے کا مسئلہ نہیں ہے۔ سونے کا کہا ہے۔ کہیں بھی سو جاؤں گی۔ مجھے تو یہ پریشانی ہے کہ انہیں ایک دم سے کیا ہو گیا

"وہ اور غصہ تھی۔

"شاید وہ روشنی بی بی کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔" باری نے دھیمی آواز میں کہا۔

روشنی کے نام پر ماہین نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تو پھر اس میں میرا کیا قصور ہے؟" اس نے آزردگی سے کہا۔

باری خاموش رہا۔

"باری" اس نے گہری نظروں سے باری کو دیکھا۔

"جی؟" وہ نظریں جھکائے ہوئے تھا۔

"کیا روشنی سے تمہاری کوئی بات ہوئی ہے؟" اس نے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ان سے تو نہیں ہوئی، البتہ ان کی والدہ سے ملاقات ہوئی ہے۔" اس نے تحمل سے جواب دیا۔

"ملاقات نہیں مجھے۔ تمہیں پتا ہے کہ میں تم سے کیا پوچھ رہی ہوں۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

باری خاموش رہا۔

"کیا پوچھ رہی ہو میں؟"

باری پھر خاموش رہا۔

"کیا وہ تمہیں پسند کرتی ہے؟" اس مرتبہ وہ کھل کر بولی۔

"اگر میں کسی لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔" اس کے انداز میں جیسے اقرار کا گماں تھا۔

"تم بھی اسے پسند کرتے ہو؟" وہ بے یقینی سے بولی۔

باری پھر خاموش ہو گیا۔

"کمال! جواب دو۔" وہ اس کی خاموشی سے چڑ گئی۔

"میں نے کبھی اس زاویے سے سوچا نہیں۔ میرے خیال میں مجھے اس طرح سوچنا بھی نہیں چاہیے۔" اس نے بے بسی سے جواب دیا۔

"میری طرف دیکھ کر جواب دو۔ کیا مجھ میں کوئی کمی ہے؟" اس نے کہا۔

"کی میں بات کر سکتا ہوں"۔ اس نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

"کی معمول ہو جاتا ہے۔ اس کے اپنے حوصلے اعلان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تمہارے حوصلے بکھر رہے ہیں"۔ اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ مسکرایا۔

"سچی بات ہوتی ہے ہاری سے ہاری۔ مجھ سے جھوٹ نہ بولو"۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

"انہوں نے مجھے بلم کیا ہے"۔ وہ چونک پڑا۔

"وہ بڑی بھلی اور کھری لڑکی ہے۔ اسے چھوٹے کام نہیں کرنے"۔ مائین نے بڑے خوش سے کہا۔

"پھر؟" ہاری کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"پھر یہ کہ مجھے بتاؤ۔ تمہیں اس کے احساسات کی خبر ہے؟"

ہاری خاموش رہا۔

"ہاری۔۔۔ پلیز۔ ہارکاوے سیف"۔ وہ بھلائی۔

"کی"۔ نہ جانے کیوں اس سے جھوٹ نہ بولا گیا۔

"تم نے کس طرح ہاری ایکٹ کیا ہے آج تک؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے کبھی ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ بلکہ کوشش کی ہے کہ وہ مجھ سے بدظن ہو جائیں"۔ اس نے سچائی سے جواب دیا۔

"کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جس بات کا انجام واضح ہو۔ اسی حساب سے ہی ایکٹ کرنا چاہیے"۔ اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"تمہیں ذرا بھی افسوس نہیں ہے"۔ مائین نے بڑے دکھ سے پوچھا۔

ہاری خاموشی سے اپنے ہاتھ مسلتا رہا۔

"ہاری۔ کیا تمہیں مجھ پر ذرا بھی ترس نہیں آتا؟" وہ بولی۔

"دکھاوا نہ کیجیں۔ یہ ہمدردی کا ہے"۔ بالآخر وہ کہہ گیا۔

"اتنے بزدل ہو؟" مائین نے گہرا سانس لیا۔

"بات بزدلی کی نہیں۔ احسان شناسی کی ہے"۔ وہ بہت آہستگی سے گویا ہوا۔

"میرے خیال میں تمہارے پاس وہ جذبہ نہیں ہے جو روشنی کے پاس ہے۔ وہ کوئی راستہ نکال ہی لیتا"۔ مائین بے کل سے لہجے پر ہنسی گئی۔

ہاری نے خاصے تعجب سے اسے دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

"تم نے اسے زندگی بھر کا دکھ دیا ہے۔ تمہیں احساس تک نہیں"۔ مائین نے افسردگی سے کہا۔

"میں نے ان آنکھوں سے بہتے کی روشنی کو بجھتے ہوئے دیکھا ہے۔ جب یہ بات میرے علم میں آئی تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا تھا۔ کیا میں اس کے لیے اتنا کچھ کر سکتا ہوں؟"

"ہاں اس کا جواب کیا ملا تھا؟" مائین نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں"۔ آخری حد ہے کہ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ کچھ بھی نہیں"۔ ہاری نے سر جھکا لیا۔

"وہ بہت جلد بازی کر جاتی ہیں۔ ان کی عادت نے راستے بند کر دیے ہیں۔ شاید کوئی راستہ نکل ہی آئے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ وہ بچہ تو نہیں ہوتا۔ پھر بھی ایک سے نہیں ہوتے۔ آنکھ پر کی آنکھ ہوتی ہیں۔ ہمیں اس کا شعور حاصل کرنا ہے۔ وراثت والا بھی ہونا چاہیے"۔

مائین نے پرشعور نظروں کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ بات کر رہا تھا۔ جیسے الفاظ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کر رہا ہو۔ اسے بہت اچھا لگا اور وہ مطمئن ہو گئی۔

"تم اسے سمجھا دینا۔ کم از کم پڑھ تو سکتی ہے"۔ مائین نے کہا۔

"ضرور سمجھاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ سب کر گزریں گی"۔ اس نے یوں کہا جیسے اپنے کسی جرم کا اعتراف کر رہا ہو۔

"یہ زحمت اس لیے ہے کہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہے۔ یا تم بھی؟" مائین بہت سنجیدہ تھی۔

"میں آپ سے درخواست کروں گا۔ پلیز مجھے پلیز"۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"چلو ٹھیک ہے۔ آئی ایم پرے کہ وہ اتنا کچھ کرنے کے بعد واپس آ جائے۔ ہاری دیکھو میں کیا کرتی ہوں"۔

ہاری نے چونک کر مائین کی شکل دیکھی۔ "کیا کریں گی آپ؟"

"کچھ نہیں۔ چلو چلو تم آرام کرو۔ ہم بھی آرام کرتے ہیں۔ صبح کو یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ شعور ابھی تو کسی بے انتہا کی تلاش میں ہے۔ دیکھیں کیا کرتے ہیں۔ دن کو ہم کریں گے"۔ مائین نے خود کو ہلکا پھلکا کرنے کی کوشش کی۔

ہاری اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ۔ میں گیسٹ روم کھول دوں"۔ وہ آگے بڑھ گیا اور مائین اس کے پیچھے چل پڑی۔

"آپ بیگم سے بھائی سے بیٹے"۔ مجھے نے دل کو مخاطب کیا۔

"ہاں الفاظ ہی بیان کر رہا تھا"۔ وہ جیسے مجھے انداز میں بولی۔

"معرف الفاظ میں۔ کہیں اور کہا"۔ مالا نے چونک کر گویا ہوئی۔

"نفسہ کرے کچھ نہ کچھ کہیں گے۔ ہی ہو جائے گی۔ بصورت دیگر دھوکہ دیا جائے گا"۔ مجھے بول کر بولی۔

"آپ تو سدا کی خوش فہم ہیں"۔ وہ آنکھ دبا کر بولی۔ "جانا کی بڑی بہادری تھی۔ بتا کر ایسی"۔ "بابا صاحب نے دیکھیں بھیجا ہے"۔ مائین اداسی سے بولی۔

www.Paksociety.com
www.parsociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

www.Parsociety.com

"ایسا لگتا ہے کہ ہم سوچتے ہیں اس وقت تک کے لیے ہیں جب تک ہمارے لیے کوئی آپشن نہیں ہوتا۔" وہ بڑبڑائی۔

"ویسے اس نے بہت غلط حرکت کی۔" وہ ذرا لفظی نظر آنکھی کی ادائی سے خاموش ہو گئی تھی۔

"اب تو ہو چکا۔ ہو چکا۔ آگے کا سوچ۔ تجھ کے گھر والے تو ہمیں کھا جائیں گے۔" بتانے کی حماقت۔

"ہائے میرا بچہ کا شرارہ۔" وہ بی نے آہ بھری۔

"آنکھوں لگ گئے ہوں گے اس پر لڑکی پر۔ اس طرح بھی سوچ۔" بی نے شک کر دی۔

"بھتیجی آپا۔ کب جان چھوٹے گی آپ کی اس شک سے۔ کتنی بے حس ہیں آپ۔" بتانے تنگ آ کر جھنجھلا کر کہا۔

"میں ہاتھ پاؤں جھاڑ کر بیٹھ جاتی ہوں۔ گاڑی اور وہ اس طرح آ جاتی۔" وہ ذرا رک کر بولی۔ "یہ الٹی پڑی ہیں۔" وہ بی بڑبڑائی۔

"یاد رکھوں تو بہت غصے ہو رہے ہوں گے۔" موٹا کون کے غصے کا خوف محسوس ہوا۔

"سارا غصہ بے چاری ہمارے ہی اوپر اترے گا۔"

"بھلا ان بے چاری کا کیا قصور؟" مجھ بریں۔

"یہ کون دیکھتا ہے۔" وہ ذری اداس آواز میں مسکرائی۔

"وہ گئی کہاں ہوگی؟" وہ بی کو ایک دم سے خیال آیا۔

"شاید کراچی۔" بتانے معصومیت سے کہا۔

"وہ بے وقوف ہے مگر اتنی بھی نہیں۔" وہ ذری چڑ کر بولی۔

"ہائے بے چاری نے تو کچھ کھایا بھی ہوگا کہ نہیں۔" بی کو اس کے کھانے پینے کی فکر ہوئی۔

اتنی دم ہماری بات میں وہ اس طرح کیوں پڑا ایک نظر دوڑائی۔

"آپ کو بڑی امی بلا رہی ہیں۔" وہ گھر سے نکلا تھا۔

"ہمیں نے کن انکھیوں سے اس کی سمت دیکھا۔ اس کی شبیہ دھندلی ہوئی تھی۔ ہلکے کپڑے بدلے ہوئے تھے۔ بال ہیئت پر آنے والا کنگھی ہوئے جوتے بدلے ہوئے تھے۔

"کہیں جا رہے ہو؟" ہمیں نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"جی۔ کچھ منگانا ہے؟" اس نے بڑی سادگی سے دریافت کیا۔

"نہیں۔ فی الحال تو کھولی ہوئی چیز جائے تو یہی بہت ہے۔" وہ ہلکی سی خوشگوار مسکرائی۔

"ہاری تمہارے ہوتے ہوئے وہ کیسے نکل گئی۔" موٹا کو خاصا تعجب تھا۔

"کیوں۔ کچھ اس کی کیا خاص بات ہے؟ گھر میں نہیں تھیں اور ہی ہیں؟"

اس نے قدرے گھوری سے اب دیکھا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"بھی تو مسلسل ہر وقت میں رہتے ہو۔" ہمیں مسکرائی۔

"میرا کیسے تو میری ہو رہی ہیں۔ جو ہر جانا ہوں سارا ہی نے کر جانا ہوں۔" وہ ذرا کھسیا سا گیا۔

"ہاری بھائی ہے۔ وہ بی کو اعتماد میں لینا چاہتے ہیں؟" ہمیں نے بی سادگی سے پوچھا۔

ہمیں بی جلیبی کرتے ہوئے سلائیوں پر جھک گئیں۔

بی نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور واپس پلٹ گیا۔

گھر اس کے پیچھے بند ہو گئی تھیں۔

"ہاری نے کچھ بھی اسٹیپ نہیں لی رہے ہوں گے۔" بی نے ذرا سے کے انداز میں کہا۔

"ہمارا ان سب کے درمیان جوڑی کیا حالت ہوگی؟" ہمیں نے اٹھ کر کہا۔

"وہ ویسے ہی غصے کے تیز ہیں۔ اگر وہ ہی سامنے آ گئی تو پھینکنے کا خوف کر دیں گے۔" بی نے بے ساختہ کہا۔

"دیکھا نہیں رات سے اب تک کسی قسم کا فون ٹریس نہیں ہوا اس طرف۔" بی نے تبصرہ کیا۔

"پتا نہیں بی بی کے گھر پر کیوں نہیں آیا ہے۔ بے چارے سوچ کا ہوگا۔" موٹا۔

"وہ ہی کے سلسلے میں کوئی بات کرنا ہوگی۔" بی نے سوچ کا اندازہ لگایا۔

"سب کیا بات ہو گی ہے۔" ہمیں نے عزاداری کی۔

بی مل کر ایک تنگ نظر ڈالی کر کھیلنے لگیں۔

اتنی لڑکیاں تھیں ہال میں مگر ایک محسوس کیا جانے والا سناٹا طاری تھا۔

"آپ ساری رات جاگتے رہے ہیں کیا؟" وہ نے اسے کرسی پر بیٹھے دیکھ کر بڑی فکرمندی سے کہا۔

"اس طرح نہ کریں۔ کچھ کیا ہو جائے گا۔ کیا ہو سکتا ہے۔ خدا کے لیے ہوش کی بات سوچ کر۔ آپ اس طرح بیمار پڑ گئے تکلیف نہ کریں۔"

یہ وہ کیں ساری رات کے بھروسے ہوئے بھی کہاں
جانے کی بات ہے پہ لوگ ہم سے بھی کہاں

وہ کرسی سے ٹیک لگائے ہوئے ہنس دیا۔

"اللہ کرے اب تو جو ہو اس طرح کے کیے ہو۔" وہ نے بے ساختہ کہا۔

ہاتھ کے اشاروں پر ہی نے ساتھ ہی محترمہ آ گئی تھی۔ پھل مرتبہ والے اس کی شعر پر "بھی" ظاہر کیا تھا۔

"بھی ہاں وہ گئے کے ہوئے ہوئے۔ طبیعت ہی کی بھی ہوں تھی۔ ہاں ہاں شعر پڑھو۔" ہاتھ۔

خدا کھوٹا کرے آنکھوں سے
کل کا دن ہے ہمیں دیکھنا ہے

www.parsociety.com
www.Parsociety.com

www.PAKSOCIETY.COM

وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آیا اور اس کی کلائی تھام لی۔

"کیسی طبیعت ہے اب۔ کیا محسوس کر رہی ہے؟" سلیقہ شعار قسم کی خواتین کی طرح بہت اپنائیت اور بے تکلفی سے اس کا حال پوچھا تھا۔

بالو ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ یہ وہی آدمی تھا جسے وہ آئینے میں دیکھا کرتی تھی۔

"خدا کا شکر ہے۔ نبض تو ٹھیک، بھی معلوم ہوتی ہے۔ ہاتھ دو ذرا۔ میں بھی دیکھ لوں۔ شاید ڈاکٹر بننا آپ کی کمائی ہے۔"

وہ اس کی نظروں سے انجان بن کر شگفتگی اور بذلہ سنجی سے کہہ رہا تھا اور بیچارہ بیچ بیچ میں محسوس طریقے سے اس کی کلائی کا لال

تھی۔

"آپ سے میں آپ کو ہاتھ دیکھنا سیکھ دوں۔"

"آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا نہیں۔" بالو نے بہت گھر سے انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مثلاً — کیا پوچھنا چاہیے تھا مجھے؟" اس نے لہجہ نارمل رکھا۔

"بہت کچھ ہے پوچھنے کیلئے۔" اس نے دبی زبان سے کہا۔

"آپ ہوش و حواس کی دنیا میں پوری طرح واپس آئیں۔ پوچھ لیں سب۔ بلکہ پوچھنا کیا آپ خود ہی جان جائیں گی۔

کوئی دم اور بیٹھے ہیں۔ فرصت ہے کہاں ہمیں

چلے آؤ جو تمنی ہو ہماری

کی مثال بن کر۔ کیا خیال ہے؟ آپ کا۔" وہ ہنس دیا تھا۔

"آپ کو کوئی حیرت نہیں ہوئی مجھے یہاں دیکھ کر۔" بالو حیرانی سے پوچھ ہی گئی۔

"اب حیران ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔ پریشان ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اشتیاق ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔

بھیجی کاغذ میں مشق طبیعت

بہت نقصان ہوا ہے اے دل اے دل

وہ کمرے سے نکلتا ہوا اس کو پیچھے آنے کا اشارہ کر گیا تو وہ بھی اٹھ کر چل پڑی۔

"عارف الال خان کی بیوی کا انتظار کر رہا تھا۔" بیوی بی نے قدموں کی چاپ محسوس کرتے ہوئے اطلاع دی۔

"آ گیا ہے اماں۔"

"تو لے جا شربت کا پوچھا؟" ان پر نیند کا دورہ پڑنے لگا تھا۔

"صرف پوچھا ہی تھا ہے۔ ابھی بھی کر رہا ہوں۔" اس نے سہولت سے جواب دیا۔

"ہاں تو پھر تو ہی پیش کرے گا۔ اور ہے کون یہاں تیرے سوا۔ میں تو ری آنکھوں سے کوری۔" بیوی بی کو نیند آ رہی تھی۔

بہت ہی خوش تھا۔

"...نے پوچھا اس سے کہ لال خان ساتھ کیوں نہیں گیا۔ کہیں "وہی" تو اس کو نہیں مار گئی۔"

"ہاں — اپنی کمائی کا ہے۔" "ہائیں" کہاں نہیں مرے گی اس کی؟"

عارف مسکراتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

بالو نے سب سن لیا تھا۔ سوچ میں پڑ گئی تھی اس کی۔

(بھلا — بیوی بی کو لال خان کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں سوجھتی)

بیٹھے کے بعد وہ کافی دیر تک کمرے میں ٹہلتی رہی۔ پھر اٹھا کر ایک دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

خوبصورت لان میں۔ بے حد خوشنما پھول کھلے ہوئے تھے۔ ایک دم آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ گیٹ کے پاس وہ خوار و زبوں پیڑ اسی طرح کھڑا تھا۔ وہ چلا لان میں آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ پتلی پتلی ان کے پھر لگ آئی۔

سورج کی ٹکیا پہاڑی کی اوٹ میں چھپ گئی۔ نظر کے سامنے ساری ہریالی تھی۔ یہاں سے وہاں تک نظریں دوڑانے لگی۔

"آپ کون ہیں؟"

وہ ایک دم چونک پڑی۔ سامنے ڈال گیا وہ سال کی بے حد خوبصورت بچی بڑی معصوم محبت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وائٹ پینٹ سرخ و سفید جرسی وائٹ جوگر۔ شہری بچوں کی طرح اس کی نظر پیاری سی لگی۔

"کیا کسی کو بتائے بغیر آئی ہیں؟" وہ اسی کو بے ساختہ پوچھ بیٹھا تھا۔

"ہاں۔ پہلے آپ بتائیے۔ آپ کون ہیں؟" اس نے بچی کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہم۔ ہمدانی ہیں۔ ہمدانی لان۔" اس نے بڑی شان سے جواب دیا۔

"کیا مہمان کی بیٹی ہو؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کاہے مہمان؟ ہوا؟" اس نے ناک چڑھائی۔

"پاپا صاحب کو جانتی ہو؟" روبی کو اشتیاق ہوا تھا۔

"پاپا صاحب کو جانتی ہو؟" روبی کو اشتیاق ہوا تھا۔

"جی۔ وہ ہمارے پاپا صاحب ہیں۔ بالی لوگ گریٹ کار۔" اس نے بڑی شان سے جواب دیا۔

کوہ "روبی کو اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا۔

"آج اسکول نہیں گئیں؟" اس نے محبت سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں — ہم آج کل چھٹی آئے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں نہیں پڑھتے ہیں۔ ہمدانی۔ سٹی ہائی میں پڑھتے ہیں۔" اس نے شاہانہ انداز میں جواب دیا۔

"..." روبی کو اس کا مغرور سا انداز بہت بھلا لگا۔ اس نے بھی اپنے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

www.PAKSOCIETY.COM

ہیں۔

"وہاں آپ کے ساتھ آپ کے اور بھی بھائی بہن پڑھتے ہیں؟"

"نہیں۔ بس وہاں ہم پڑھتے ہیں۔ ہمارے بھائی سے دوست ہیں وہاں۔ ہمارا بھی سب سے بہت گہرا تعلق ہے۔ وہ بہت اچھے ہیں۔ ماشاء اللہ کریم۔"

وہ بڑی سہولت سے بتا رہی تھی۔

"آپ کون ہیں؟"

"ہم بابا صاحب کی وہی ہیں جو ان کی آپ ہیں۔" وہ ہنس پڑی۔

"ہیں؟" یگی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"بڑی حویلی سے آئے ہیں ہم۔" اس نے وضاحت کی۔

"بڑی حویلی؟" وہ پھر الجھی۔

"ہوں۔ بابا صاحب کے گھر سے۔"

"اوہ ــــ آپ ان کے ساتھ ہی رہتی ہیں۔" وہ معصوم انداز میں ہونٹ چبانے لگی۔

"ہوں۔"

"وہ آپ کے ساتھ کیوں نہیں رہتے ہیں یہاں کہ وہاں رہتے ہیں؟" اسے جیسے تجسس ہوا۔

"یہ ان سے ہی پوچھیے گا۔"

"آپ بابا سے ناراض ہیں؟" اس نے آنکھیں مٹکا کر پوچھا۔

"نہیں۔"

"صبیر انکل کی بیٹی ہیں؟" یگی کچھ معلومات کر رہی تھی۔

"نہیں۔"

"تو کیا ہیں؟ کس کی بیٹی ہیں؟"

"کسی کی۔"

"پھر بھی کس کی؟"

"نہیں۔"

"ــــ پھر آپ کس کی بیٹی ہیں؟" وہ جھنجھلا کر رہ گئی۔ وہ اس کی گفتگو سے لطف اندوز ہوا۔

"آپ سب کو جانتی ہیں۔ اپنے بارے میں بھی کچھ بتائیں؟" اس نے پوچھا۔

"بارے میں؟ ایسا ــــ ویسا کچھ نہیں ہوتا ہم بتانے جیسا۔ ہم تو یہاں ــــ" اس نے جیسے بولتے بولتے

"اپنی لوگوں کو تو آپ جانتی ہیں؟" اسے بھی خاصی حیرت ہوئی۔

"ہاں وہ لوگ ہم سے ملنے آتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"ملنے آتے ہیں؟" وہ مزید حیرت ہوئی۔ "یہ کہاں سے آتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"بابا صاحب کے گھر والے گاؤں میں رہتے ہیں۔ وہیں سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس سے تو آج تک کسی نے جھوٹا۔ بھی نہیں کہا۔ ہمارے بابا صاحب کے گھر والے ہمارے لیے بہت خاص ہیں۔ ہم سے تو آج تک کسی نے جھوٹا۔ بھی نہیں کہا۔ ہمارے بابا صاحب کے گھر والے گاؤں میں رہتے ہیں۔ وہیں سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس

☆—☆—☆—☆—☆—☆

جانے وہ کتنی دیر خیالات میں کھوئی رہی۔

سحاب چونک اٹھی۔ اطراف میں چہل پہل مچ گئی تھی اور صولت ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اس نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ راحیل بردار چہکتے ہوئے گاڑی سے اتر رہا تھا۔ اس کی جانب دیکھ لیتا تھا۔

اس نے ایک۔ اور ملازم کو ٹرالی سوٹ کیس پیچھے پیچھے "مسکراتے گیٹ میں داخل ہوتے دیکھا اس نے دو تین اور بھی تھے۔ غالباً سامان سے لدے کرآ رہا تھا۔

وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور اندر جانے کے لیے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"سنو! انہیں صوفی کر بھیج دو۔ کہنا بہت دیر سے انتظار کر رہی ہوں"۔

ملازم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ "مگر وہ گاؤں اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تیز تیز قدم بھرتے اندر کی طرف چلی گئی۔

"یہ بچے کا گھر ہے۔ یہاں "اور کسی سے تعلق نہیں ہے"۔

وہ چل رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس طرف بھی نظر دوڑا رہی تھی جہاں ملازم غائب ہوا تھا۔ چند لمحوں بعد ملازم اس کی جانب آتا دکھائی دیا۔

"بی بی کا طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ آرام کریں گے"۔

ملازم یوں کہہ کر چلا گیا اور وہ بے بس سی کھڑی رہ گئی۔

"یہ بھی خوب رہی۔ اتنی دور سے آئے ہیں اور ملنا بھی نہیں چاہتے۔ ہونہہ"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی واپس مڑ گئی۔

"ہیلو! کیا ہوا؟ کیا کہا ہے؟" وہ اس کے قریب آ کر رکی۔

"کہنا کیا ہے۔ طبیعت خراب ہے۔ آرام کریں گے"۔ وہ بولی۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔ میں ابھی ان سے ملتا ہوں"۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا

...ے لے کر اندر میں گیا ہوں گی۔

ماہین خاموش رہی۔

"بتاؤ کیسی تک بندی کے سامان کے ہیں"۔ وہ پھر بولیں۔

"کیا کہہ سکتے ہیں"۔ ماہین نے پیچھا چھڑایا۔

"اور بھی تو عورتیں ہیں لڑکیاں ہیں پتا کیا کسے سامان لائی ہیں"۔ وہ ہونہہ کر کے رہ گئیں۔

"سنتے ہو ملازم ہیں" کسی نے بھی اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا کیسی چھومنتر ہو گئی"۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔

"ہوں! آ جاؤ بھئی کون ہے؟" وہ بدستور کن لیے میں گویا ہوئیں۔

دروازہ کھلا اور یاور علی خان اندر آئے۔

ایک لمحے کو ماہین کی نظر ان سے ملی۔ اس نے فوراً ہی چہرہ موڑ لیا۔

"السلام علیکم"۔ ان کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

"وعلیکم السلام خوش رہو"۔ عالم جب بھی آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"بتاؤ آپ کیا کرو گے تم" کیسے علاج کرو گے؟"

"میں کوئی علاج وغیرہ نہیں کروں گا۔ میں کل ہی سے فرض کر چکا ہوں کہ میرے ہاں کوئی بیٹی ہی پیدا نہیں ہوئی۔ لہٰذا سے کوئی اس موضوع پر بات نہ کرے"۔

یاور علی خان نے تحمل سے مزاج کی بات کاٹ کر کہا۔

ایک لمحے کو ان دونوں ہی کا منہ کھلا رہ گیا۔

ماہین تو ان سے سختی کا اظہار کرنے کیلئے بے چین تھی۔ پھر جو نوبت ہی دوسری صورتحال تھا۔

"یہ تو وہمی لگتا ہے آخر بگڑ کر کرنا ہی ہوگا"۔ عالم جب نے مضبوط اعصاب کے ساتھ ان کا سامنا کیا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے آپ لوگوں کے پاس اگر وقت اور طاقت ہے تو ضرور کریں۔ میں گریٹ مذاق کر رہا ہوں۔ میرا اس وقت اس لئے حاضر ہونا تھا کہ آپ کو اور ماہین کو بتا سکوں کہ میں ابھی اسی وقت سری نگر جا رہا ہوں"۔

ماہین نے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔ آف وائٹ سے قمیض شلوار کے اوپر واسکٹ میں ملبوس وہ اپنی اونچی لمبی اور اکھڑی ہوئی سی شخصیت کے ساتھ بہت ہی مختلف سے لگ رہے تھے۔

"کیا ماہین کو ساتھ نہیں لے جا رہے؟" عالم جب نے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں۔ میں آپ سے ذرا جلدی سے ایک کپ چائے کا پیوں گا"۔ انہوں نے آستین اوپر کر کے بائیں کلائی پر نظر ڈالی۔

"آرہی ہے چائے" میرا خیال ہے کہ ماہین"۔

...ہانی بیگم نے کوئی حکم دینے کے لئے لب ہلائے۔

...ہانی بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کہاں جا رہی ہو چائے لا رہی ہے"۔ عالم جب نے ماہین کو دیکھا۔

"آتی ہوں ابھی"۔ اس نے جیسے کشمکش سے نجات پائی۔ اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ اور سیدھی پینٹری میں جا گھسی۔

...پاور کی ٹیبوٹ پر بیٹھی وہ حالت میں موجود تھی۔ اس کا مطلب تھا ابھی وہ کر رہے ہیں" کہیں گے اگر ہو سکتا ہے

...ملازم سے کہو ہیں۔ اس کا دل چاہا۔ وہ شکر ادا کرے۔ وہ اپنے دل کا خوف نکال دے۔ اس سے دل

...کر دے۔ آخر اس کا جرم کیا ہے۔ وہ سوچتے ہوئے بیاہ پر جھک گئی۔

اسی لمحے ملازم نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور اسے موجود پا کر تھوڑا سا مطمئن سا ہو گیا۔

"آپ ماں جی!"

"یہ کون سا طریقہ ہے بلانے کا بہت کی طرح سے اٹھا کر گھسے چلے آ رہے ہو"۔

وہ ملازم بوکھلا گیا۔ "آپ اب صورت کیا دیکھ رہے ہو"۔

بے چارہ سہمے ہوئے انداز میں سوری کہہ کر باہر کی طرف دوڑ لگا گیا۔

"بی بی! وہ صاحب کہہ رہے ہیں" آپ نے اگر ان کی چیک بک کہیں اٹھا کر رکھی ہو تو دے دیں۔ مل نہیں رہی"۔ وہ ملازم نے اس سے مخاطب ہوا۔

"مجھے نہیں پتا کسی چیک بک کا"۔ وہ اسی سختی سے گویا ہوئی۔

بے چارہ کان دبا کر سوری میں لے کر باہر چلا گیا۔

لہجے میں کہہ دیا تھا مگر پھر بھی کہیں پڑا اٹھا کر چیک بک تلاش کرنے لگی۔

تمام دراز دیکھ ڈالیں مگر کہیں نظر نہ آئی۔ پھر اس نے الماری پر لگی فائلیں کھول کر دیکھنا شروع کیں وہ اتنی مشغول تھی

کہ اسے یاور علی خان کی کمرے میں آمد کا پتا تک نہ چل سکا۔

آخر وہ فائلوں کے درمیان رکھی نظر آ گئی۔ ماہین نے چیک بک ہاتھ میں لی۔ پشت کی جانب سے یاور علی خان نے چیک بک اس کے ہاتھ سے اچک لی۔

"لحاظ"۔ یہ ان کے منہ سے نکلنے والا واحد جملہ تھا جو خاص کر اس کیلئے تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی یاور علی خان کمرے سے باہر جا چکے تھے۔

ماہین کھڑی پلکیں جھپکتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ "کھڑی ہوئی"۔ سامنے سے پورٹیکو دکھائی دے رہا تھا۔

یاور علی خان پورٹیکو سے باہر نکلے میں سوار ہوئے۔ ڈرائیور نے دروازہ بند کیا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا۔

...ہانی بیگم بے چین سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھیں۔

ماہین کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔

...ہر خوف کر چائے گرنے سے اندر میں بیٹھ گئی۔

www.Paksociety.com

"کیسے مارا جائے؟ آپ کو ان لوگوں نے؟"

مگر میں یوں نہیں مروں گی لیکن قاتل سبق سکھا دوں گی انہیں"۔ اس نے جیسے ایک نیا عزم کیا تھا۔

ہم تم سمجھتے تھے بادل نہیں سمجھتا
میں کیا کروں میری عادت ہے مسکرانے کی

"شکر ہے آج آپ پاگل لڑکیوں کی طرح بات کر رہی ہیں۔ اب آپ ایسا کریں فوراً فریش ہو جائیں"۔

وہ ناشتا کرکے فارغ ہی ہوئی تھی کہ عارف آ موجود ہوا۔

"تیار... کیوں کہاں لے جائیں تمہیں؟" بالو نے حیرانی سے سوال کیا۔

"ہم نے بھابی کہاں لے جانا ہے آپ کو۔ یہ آنا جانا تو زندگی کے ساتھ ہے بھابی۔ وہ آتے ہوئے یہ تحفہ دے جاتے ہوئے یہ تحفہ لے جاتا ہے۔ ہر انسان ایک لمحے پر پہنچتا ہے۔ اس کے پاؤں کا پتھر کہیں نہ کہیں تو ہے۔ اگر ہم آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں تو کیا کہتے ہیں کہ

چھوٹے دکھ کی شدت سے گھبرے دکھن میں
پلٹ کے آئے تو دیکھا کہ مسئلہ تھا ہی

مگر پھر بھی لمحہ لمحہ یاد آتا ہے۔

"میں سب لمحوں کے گھر آئی ہوں عارف بھائی! کسی نے لمحوں کے تحفے نہیں لمحوں کے آنسو دیئے ہیں"۔ اس کی آواز بھیگ گئی۔

عارف نے سوچتی ہوئی نظریں اس کی صورت پر جمائیں۔ اس کی آنکھوں کی چمک بالو نے اپنے چہرے پر محسوس کی۔ اس کی نظریں کسی انجانے خوف سے تھک کر رہ گئی۔

"لال خان نے گھر سے نکال دیا ہے؟" عارف کی آواز اندیشے سے پر تھی۔

"اس بے چارے میں اتنی ہمت کہاں تھی۔ خود نکل آئے ہیں ہم۔ بلکہ اس بے چارے کو بھی ساتھ لے آئے ہیں"۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

"کیوں آپس نے آپ کے ساتھ ان کوئی بہت بری بدسلوکی کی تھی"۔ عارف کا اشارہ اس دن کی طرف تھا جس روز وہ دونوں مجرم سمجھے گئے اور لال خان آ گیا تھا۔

"نہیں"۔

"پھر...؟"

بالو خاموش رہی۔

"کہیں میں نے آپ کو کسی غلط فہمی یا غلط بیانی سے ناراض کرنے کا گناہ کیا ہے؟" وہ سر جھکائے پوچھ رہا تھا۔

بالو نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے جیسے پھر آبشاریں بہنے لگی تھیں۔

"آپ تو محرم نکلے۔ ہیں... لال خان نے آپ کے متعلق غلط بیانی سے کام لیا ہے"۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

"کی... محرم... وہ... ایسا... آپ کیا پہلے والا اظہار ہو گیا ہے"۔ عارف کی آواز بھی بھیگ گئی تھی۔ "نہیں اگر آپ نے ہمارے متعلق کوئی غلط فہمی کر لی ہے تو سب سے پہلے اپنے دل سے یہ سوال جواب نکالیں۔ ایک محرم کو اور ہونے کی حقیقت سے میں نے دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس لیے ہم آ گئے ہیں"۔ عارف نے اسی طرح سر جھکائے جھکائے کہا۔

"مگر خود کو یہ ایسے ہوتے ہیں محرم خواہ مخواہ؟ ساری دنیا میں آپ کو صرف لال خان ہی ملا تھا۔ ہمارے دل کا مسئلہ حل کرنے والے آپ کو جہاں تک یاد آتا ہے کہ ایک عورت کا مسئلہ بھی ہوا ہے"۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"بھابی! جس حالت سے آپ کا تعلق ہے وہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس کہیں بھی لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے یہ کہہ کر کہ لڑکا کھاتا کیا ہے"۔

"کیا؟" وہ حیرانی سے مسکرائی۔

عارف ایک لمحے کو خاموش ہو کر رہ گیا۔

"میرا خیال تھا وہ دل کا بہت اچھا ہے اور اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی ایک عورت تمنا کرتی ہے"۔ اس نے عاجزی سے معذرت کا انداز میں وضاحت کی۔

"ساری زندگی میں ایک وہی دل کا اچھا لگا تھا۔ باقی کہیں ہوں گی ہوں گی۔ مجھے اور طریقہ کا تجربہ نہیں ہے آپ کی طرح سے ہوا ہے"۔ وہ مسکرائی۔

عارف کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"آپ مردوں کو رونے پیٹنے والی آپ کی طرح عورتوں کی کیا سمجھ"۔ وہ پھر طنز یہ انداز میں گویا ہوئی۔

"وہ مرد نہیں ہے بھابی!" عارف نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر بھی آپ کے بھی تو کسی کام کی نہیں۔ صرف اپنی ہی نہیں بلکہ میری زندگی بھی خاک کر دی ہے آپ نے۔ محرم دل کی اہمیت کیسے سمجھے گا پھر آپ۔ آپ نے اپنے دل کی کہی کسی کی آج تک؟"

وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

عارف کچھ سوچتا ہوا بولا گیا جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کہے کیا نہ کہے۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں مجھے اعتراف ہے کہ اگر ہم نے تو آج تک یوں سوچا تک نہ تھا کہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردوں کی طرح بے نشان ہوں گے۔ پتا نہیں کیا ہو گیا تھا اور کیسے ہو گیا تھا۔

ہم سے بھی جیتے جاگتے انسان ہو گئے کہ رہے تھے
وہ تو محفلوں میں رہتے تھے بادل جاتاں
چلیں اعتراف کر لیا ہے آپ نے تو"۔

www.Paksociety.com

اس کی نظریں اب بھی جھکی ہوئی تھیں
بالو خاموش رہی۔
"کیا آپ نے لال خان سے طیبہ کی کاپی کا فیصلہ کر لیا ہے؟"
بالو نے چونک کر سر اٹھایا۔ خوش فہمی کے لطیف سے عکس کے ڈوبتے چھوا۔
"لیکن آنٹی اس کی خواہش کو لات مار کر"۔
تو پھر چلے "میں آپ کو خان صاحب کے پاس واپس بھجوا آؤں"۔
"طیبہ بھر جائے گی تمہارے بنا"۔ بالو نے زہر لیتی مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔
"نہیں کچھ عرصہ جانا دار کرنے کی ایسا عادت کوشش کروں گا"۔ اس کی آواز بھرا رہی تھی۔
بالو کا دل دھک دھک کرنے لگا۔
"آپ کیلئے کوئی ایسا شخص ڈھونڈ کر لاؤں گا جو آپ کے خوابوں سے ہٹ کر نہ ہو جس کی محبت کی گہرائی کم ہو اور جو آپ کو بھی دے سکے۔ یہ سودا آپ سے وعدہ بے شرط ہو گی"۔
بالو کا دل پوری قوت سے دھڑکا پھر اسی قوت سے پھیلا۔
"شکریہ بہت بہت۔ اے مہربانی آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں میں سونا چاہتی ہوں"۔
اس نے نرمی سے کہا اور پلنگ کی طرف بڑھ گئی۔
"شاید آپ کو پتہ نہیں میں لال خان کے گھر سے نہیں اپنے باپ کے گھر سے آپ کے ہاں آئی ہوں جانتے ہیں آپ یہاں سے"۔
اس نے بولنا لیجے کے آگے پیچھے تمام پردے توڑ ڈالے۔
عارف چند لمحے مبہوت سا اسے دیکھتا رہ گیا۔
"آپ نے کیا سوچا ہے؟" اس نے دم بخود سے لہجے میں سوال کیا۔
"آپ اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دیجئے"۔ اس نے سابقہ انداز میں جواب دیا اور پلنگ پر لیٹ گئی۔
"مگر اس طرح تو نہیں چلے گا"۔ بالو نے کہا۔
بالو خاموش رہی۔ اس کی خاموشی جیسے کہہ رہی تھی "جانا یہاں سے"۔
"آپ یہاں اس طرح کیسے رہیں گی؟" وہ تلملاتے ہوئے کہہ اٹھا۔
"رہ لوں گی۔ مجبوری اور بے بسی کا عادی آپ ہیں مجھے تو ہر سانس ادھار کی ملتی ہے"۔ اس نے دبا دبا کہا۔
"آپ جانتی ہیں میرا دل کیا ہے؟ میرے دل میں کیا ہے؟" وہ بے بسی سے بولا۔ لہجہ میں گویا ہوا۔
"جانتی ہوں کوئی کمزوری آ گئی ہے اس دل میں جس نے آپ کو بھی بے بس بنا دیا ہے"۔ اس نے کہا۔
"بالو"۔

"میرے ساتھ کوئی اور وعدہ نہ کیجئے آپ کے لئے"۔
کرنے جیسے کوئی دل میں بڑھ جانے کے بعد
اس گلی کے دوسری جانب کوئی بستا نہیں ہے
وہ بھوں سے کہہ کر رہ گیا۔
"خاک ہو جائے وہ انسان جو عورت کے پیٹھ کی چوٹی کو سوا اور کچھ سمجھتا ہے"۔
وہ آنکھوں میں بازار کے بوجھ لئے بولنے لگی۔

واقعی تمام کے سامنے تھے سب جھوٹے وعدے پر بھٹک رہی۔
"ہاں کون ہے آ جاؤ"۔ بالو نے کروٹ لے کر اونچا لہجہ اور کمزوری سے کہا کر بیٹھ گئی۔
جھوٹے گھر میں داخل ہو گئیں جا گیں۔
بالو اسے دیکھ کر چونک پڑی۔
"جھوٹا۔۔۔ تم؟"
"جی میں السلام علیکم"۔ وہ گہری سنجیدگی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔
"ماں جی کہاں چلے گئے؟" اس کی سنجیدہ آواز کمرے میں گونجی۔
"ہاں چلے گئے"۔ اس کے انداز سے اداسی جھلکنے لگی۔
"آپ نہیں گئیں؟" اس نے عام سے انداز میں سوال کیا۔
"نہیں"۔ وہ اٹھا کر گرہیں انگلیوں سے کھینچنے لگی۔
"کیوں؟" وہاں سے تھوڑا سوال آیا۔
"اس لئے ہی"۔ اس نے نظریں چرا لیں۔
"اتنا بڑا حادثہ ہو گیا۔ سچا کوئی اثر نہیں ہوا؟" جھوٹے جیسے کہتے کہا۔
بالو کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔
"وہ پیسہ تھا جس کیلئے تم نے ماں کی بات نہیں مانی۔ آپ کا کہنا نہ مان کر دل دکھایا ہے"۔
اس نے کہا بالو نے چونک کر دیکھا
"بدگمان ہونے میں جلدی نہیں کرتے جھوٹا"۔ اس نے دھیرے سے کہا۔
"ٹھوکر کھانے والی عقیدت کو بدگمانی کی نوبت سے ہوا ہی خبر ہی ہے خاک"۔ جھوٹے نے بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔
"آپ تو دوستی سے بہت قریب ہو کر اس کا مسئلہ ہی سمجھ نہیں"۔ جھوٹے نے سارا زور اس پر ڈال دیا۔
بالو نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ بلک بلک اور کہاں کمرے کی شدت میں بلوں وہ بہت تھکا ہوا سا نظر آیا۔ اس نے

www.Paksociety.com

نظریں جھکا لیں۔

"پوچھا تھا۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"صرف پوچھا تھا۔ اس کے ذمہ داری کیوں نہیں لی؟" اس نے الزام لگایا۔

"وعدہ کیا تھا مگر اسے شاید اعتبار نہیں تھا۔" اس نے دکھ سے کہا۔

"اعتبار والے کیا ایسے ہی وعدے مسترد کیا کرتے ہیں؟" اس نے جیسے بھڑک کر سوال کیا تھا۔

"بہت تکلیف میں تھا۔" ماہین کے حسد سے بہت ہی بے ساختہ نکلا تھا۔

"جواد چپ کیوں ہے؟" وہ کہہ رہا تھا۔

"تم نہیں سمجھتے۔ یہ اس سے اعتراف نہیں کروا سکی ہو گی۔" اس نے بہت واضح مخالفت کی۔

"کیا یہ مسئلہ صرف آپ کے علم میں ہے یا فیملی میں باقی افراد بھی؟" جواد نے گہری سانس لی۔

"نہیں صرف مجھے پتا ہے اور گھر میں کسی کو نہیں پتا۔"

"مجھے کیوں نہیں بتایا جا سکتا۔ میں اس کا بھائی ہوں۔" جواد الجھا تھا۔

"اس لئے تو نہیں بتایا جا سکتا۔" ماہین نے دو ٹوک کہا۔

"کسی کو بلیک میل کرتی ہے؟" جواد کے بڑھتے ہوئے غصے میں بات کی گہرائی تک پہنچا۔

ماہین کا دل چھل کر حلق میں آ گیا (یہ جواد تو بہت کچھ سمجھ رہا ہے)

وہ کچھ نہیں بولی خاموش رہی۔

"کیا اسی کے ساتھ گئی ہے؟" جواد کا لہجہ نہایت تشویش ناک تھا۔

"نہیں نہیں جواد ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"تمہاری قسم اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"کون ہے وہ؟" جواد نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا

ماہین جواب میں خاموش رہی۔

"آپ جواب کیوں نہیں دیتیں؟" وہ بھڑک اٹھا۔

"دے نہیں سکتی۔" وہ دھیرے سے گویا ہوئی۔

"کسی کا باپ ہے آپ پر؟" جواد نے قدرے ناگواری سے دریافت کیا۔

"میرے ضمیر کا کسی کی قسم کی حاکمیت کی داستان اپنے سر لینا نہیں چاہتی۔" اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"آپ جانتی ہیں حالانکہ کسی خرابی میں اپنے کزنز کے درمیان کسی طرح ہو گیا ہوں' مجھے میں کوئی کام اور اس حد تک گرا ہوا۔" وہ دکھ سے بولے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"یہ تمہاری ذاتی رائے ہے جواد وہ صرف تمہاری نہیں ہے بلکہ ہر فیملی کے ہر فرد سے ہی اس کا کوئی نہ کوئی

ماہین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیا پتا ہے وہ سچ بول رہا ہے؟ اپنے فائدے کے لئے کسی سے بھی کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ تم نے خود ہی کہا ہے کہ وہ ایسا ہی ہے۔ ہو سکتا ہے اس طرح کی کوئی بات ہو ہی نہ۔ لوگ کہتے ہیں کہ صرف چار گیرا کی کہنے سے کچھ نہیں ہوتا ہی ہوتا ہے۔ لوگ ان سے آگے نکل جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی نے حسد میں کہا ہو۔ تم نے خود ہی تو کہا ہے کہ وہ ایسا ہی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ایسا ہی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ ایسا ہی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ ایسا ہی ہو

گہرا سانس بھرا اور سامنے پھیلے ہوئے کھیتوں کو تکنے لگی۔ ماہین کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ بے یقینی سے کبھی اس کے چہرے کو دیکھتی کبھی اس کے ہاتھ کو۔

"بابا صاحب! چلو آرہی ہوں میں"۔ اس نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"یہ نہیں کہوں گا۔ یہ بتاؤ تم نے اب کیا سوچا ہے؟"

کلو واپس چلی گئی۔ وہ صحن پر پانی کے چھینٹے مارنے کے خیال سے باتھ روم میں گھس گئی۔ باتھ روم سے آ کر اس نے جلدی جلدی وضو کیا۔ دماغ مسلسل کچھ سوچ رہا تھا۔

پھر اچھی طرح سر پر دوپٹا کر کے باہر آ گئی۔ اور خاصی تیز چلتی ہوئی بابا صاحب کے بیٹھک کی طرف آئی اور دھیرے سے دستک دی۔

"آجاؤ"۔ اس کی بارعب آواز کسی قسم کے تاثر سے عاری تھی۔

وہ اندر چلی آئی۔ نیلی خون پر کسی سے محو گفتگو میں مصروف تھے۔ اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

"نہیں۔ وہ آج صبح ہری پور چلے گئے۔ بہرحال تم میرا نام لے کر کہہ دینا کہ میں نے بھیجا ہے۔ ویسے وہ قریب ہی کہیں ہی ہوتا ہے۔ تم بھی اس بات کا خیال رکھتے ہوئے بات کرنا۔ یہاں تمہیں ٹھہرانے کی بات نہیں۔ کام تو تمہارا ہونا چاہیے۔ انشاءاللہ۔ ایسا ایسا۔ ٹھیک ہے۔ ہاں ہاں۔ اوکے"۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"لیں"۔ "وہ گیا ہے جلدی میں گئے ہیں۔ میں تو دوپہر کو آیا تھا"۔ وہ خاصے حیران ہو رہے تھے۔

"شاید"۔ اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

"کیوں تم سے کچھ نہیں کہا؟" انہیں جیسے تشویش ہوئی۔

"نہیں۔ مجھ سے انہوں نے کوئی بات نہیں کی"۔ اس نے سچ بولا۔

"پھر تو کوئی اہم بات ہی ہوگی۔ ملک کے حالات بھی تو ایسے ہی چل رہے ہیں آج کل"۔

ماہین کے پاس ان کی اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"تم ساتھ نہیں گئیں؟ اس گھر میں تو صاف باتیں بھی چھپ کر کی جاتی ہیں"۔ انہوں نے کہا۔

(اللہ کرے) ماہین بڑبڑائی۔

"اویہ!! تم ہمیں بھی خوف زدہ کرتے ہو۔ ہم بھی"

"یا وہ کس قدر پریشان رہے ہوں گے رات بھر۔ کاش میرا کوئی بچہ ہوتا۔ کوئی ہوتا جو میرا دکھ سمجھتا"۔ انہوں نے اداسی دکھائی۔

ماہین بس ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"اللہ سے دعا کرتے ہیں مرتے دم تک۔ کہیں اس کی صورت دیکھنا نصیب ہو جائے"۔ وہ ہمدردانہ انداز میں گویا ہوئے۔

(یہ دعا کہیں سنانے کو آیا ہے مجھے؟) اس کی پیشانی پر بل پڑے۔

"لیں"۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔

"جی"۔ انہیں بات کرنے کا اشارہ دیا۔

"اس لڑکی کا کیا کرنا ہے؟" "تم نے کہا تھا اس نے؟" انہوں نے سر ہلا کر یاد کیا۔

"کچھ نہیں۔ اس نے مجھ سے زیادہ بات نہیں کی۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ اس سے شادی پر رضامند نہیں تھی"۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر جواب دیا۔

"کیوں وہ لڑکی مرد ذات سے خوفزدہ ہے؟ اسے بھی بابا کہیں کو بھی اتنی آزادی کیسے دی گئی جسے وہ فیصلے کرتے ہیں؟ وہ بھی کوئی کرتی ہیں"۔

وہ ہنسی سے کہہ رہے تھے۔

(ہونہہ) "عورتیں" ان کے پاس کیبورڈ ہے کوئی جو وہ سوچوں کی ٹھیک ٹھیک ٹائپ کر دیتا ہے۔ تو ان جیسے اس اعتماد کے ساتھ غیر ضروری اظہار کرتے ہیں)

"جس کے ساتھ جا رہی تھی کیا اس کے ساتھ گئی ہے؟" ان کی آواز سے تجسس پیدا تھا۔

"خاطر جمع ایسی کوئی بات نہیں"۔ اس نے تیوری سے کہا۔

"جانتے تم یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟" انہوں نے مشتبہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"اس لیے کہ میں نے اسے ہزار دفعہ سے زائد بار کہا تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ کسی وہم سے شادی پر رضامند نہیں تھی"۔ اس نے اپنے یقین کو دلیل سے ثابت کیا۔

"محترم میں کیا دلیل ہے؟ اس دنیا سے کا جہاں ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ ہے۔ ہے۔ دنیا گھومتا ہے۔ دنیا کی ہر شے اس کے پاس ہے"۔

وہ سر ہلاتی تھکے تھکے سے انداز میں بولے جا رہے تھے۔

"جس طرح یہ اگر پانی کی بہت عزت کرتی ہے، بھی اسی کی طرح مگر مچھ کی بہت عزت کرتا ہے"۔

اس اچانک سادہ اور معصوم سی دلیل پر وہ ہنسی۔ ماہین بے ساختہ مسکرا دی تھی۔

"بابا صاحب! بعض باتیں دل کو سمجھ نہیں آتیں اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں سمجھ آتا۔ اور جب ہر طرح کا یقین و آرام ہو تو بس دل ہی کی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کہ کہا ہی جیسے نہ ہو۔ مگر مچھ کے پاس ہی ہوتی ہیں اس لئے دل اس طرف دیکھتا ہے جہاں ہونے اور نہ ہونے کا خوف ہوتا ہے اور اپنے ظالم پر انسان کو سیاہ ہونے کو شدید خواہش ہوتا ہے۔ دل ہی ان فطری محرکات کا سمجھتے ہیں کہ محرومیت ہی ان کی زندگی ہے اور کامیابی اصل چیز میں ہیں۔ کشش نہیں ہوتی جو ہمیں قدرت میں ہوتی ہے۔ شاید اس نے کچھ اور جواب دیا ہے"۔

ماہین نے اپنا بہت مشکل سے مسکراہٹ کو روکنے کی کوشش کی۔

"لیں! ہم مانتے ہیں تم بہت پڑھی لکھی ہو مگر بیٹی عورت نے پورے کی پوری مگر کی ذہانت کے حصول اور کسی چیز کو حاصل کرنا چاہیے"۔ ان کا لہجہ اب بھی ہمدردانہ تھا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"...معاف کیا صاحب! ہر بات ایک وجہ اور ایک انجام سے منسلک کیا ہوا ہوتا ہے۔ ہر کتاب کا ایک موضوع ہوتا ہے۔ ہماری پاکیزہ الہامی کتاب قرآن پاک کا موضوع "انسان" ہے۔ یہ کتاب "عوام" اور انسان میں فرق کے مطابق ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا خیال رکھا جائے۔ تو کبھی کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہ ہو۔ ذمہ داری ہے۔"

انہوں نے اس کی بات نہایت تحمل سے کاٹ کر اپنی بھاری دلیل دی کہ ایک سے کوتاہیاں بھی چلتی رہتی ہیں۔

"جی! مگر جب بچے کچھ ہوں انسانی زندگی میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ اطراف کے لوگوں کو اس کی بات ماننا پڑتی ہے۔ اس کے ذاتی رجحان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ انسان کے اپنے بنائے ہوئے بے بنیاد اصولوں کی روشنی میں پوری زندگی انسان کی پوری زندگی کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو انتہائی کا خاصہ ہے۔ جس کے ذہن میں صرف یہ ہوتا ہے۔ مذہب کی ذمہ داری تو اللہ کا ذاتی کام ہے۔ اس بنیاد پر تو فیصلہ کبھی بھی کسی کو درست ثابت ہوتا ہے۔"

ماہین نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

"کیا وہ کوئی غریب لڑکا ہے؟ مگر تم تو کہہ رہی تھیں ایسی کوئی بات نہیں"۔ وہ بری طرح چونک چکے تھے۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا"۔ ماہین بوکھلا گئی۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ ان اصولوں کی بنیاد پر جہاں جہاں انسان کا انتصال ہوتا ہے کہ کل کو اسی طرح کی بنیادیں پھیلے ہوتے ہیں"۔ اس نے سنبھل کر بات بنائی۔

"نام نہاد بھی بڑی محنت کی کمائی ہوتی ہے بیٹی"۔ وہ بیزاری سے گویا ہوئے۔ پتا نہیں یہ کیا بات ہے جب انسان کسی عظیم تر پریشانی سے گزر رہا ہوتا ہے تو اس کی عادت بھی عظیم ہو جاتی ہے۔

"بالکل صحیح فرمایا آپ نے۔ مگر ہر شب ایک آغاز سے گزر کر آتی ہے۔ اگر کسی شاخ کی پیداوار کالی ہے تو خوبصورت پھول آنے کی توقع نہیں ہونی چاہیے۔ اور نہ ہی کالی جب کبھی ہو سکتی ہے۔"

وہ کھانا بھول چکے تھے۔ ماہین کی بات پر کبھی وہ کبھی اس کی بات پر توجہ دے رہے تھے۔

"لیکن اب ایسی کوئی بات تو نہیں ہے نا اس طرح کی بات کیا معنی؟" وہ الجھے۔

"معنی ہے وہاں اس طرح کی کوئی بات ہو اور وہ بھی ہونے سے نہ رہ سکتی ہو۔ جس پر طرح کا امکان ذہن میں رکھنا چاہیے"۔ اس نے ادھار رکھا تھا۔

جو بات اس نے ہمت کر کے بتائی تھی اس باپ کے پیچھے اس نے خاندان کو قبول کرنے کیلئے اکیلا قدم کیسے اٹھایا ہوگا۔ اس سے بھی معاف نہیں کر سکتے۔ ہیں نا؟ اب بولیے۔ کیا بولیں گے؟

اپنی ہم زبان سے وہ شکست ہوئی۔

"اچھا"۔ وہ صاف ہی انکار میں گویا ہوئے۔

دروازہ کھول کر باری باری آیا تھا۔

ماہین کی نظروں سے اس کی نظر ایک لمحے کو ملی تھی۔ وہ نظر نا کافی پھر گیا تھا۔

"اگر ان کا ایسا کچھ بھی چاہے کہیں سے کہ رہے ہیں اگر ہم تک نہ پہنچے تو ہمارے خوف کی وجہ سے یا پھر سے تو بھی کے پیچھے ایسا ہو رہا ہے۔"

وہ جذباتی انداز میں گویا ہوئے۔

ماہین نے پلک کر ان کی صورت دیکھی۔ اس کی نظروں میں اس تاریک رات کا منظر گھوم گیا۔ ایک بے کس لڑکی میں بھی ہمت آج تک اس کے اندر سے محو نہیں ہو سکی تھی۔ روشنی کا ایسا منظر تصور کرنے سے بھر بھری آ گئی۔

کیا وہ بھی بے چاری کوئی واحمی کی "روشنی" ہے۔ وہ کہیں اور کھو گئی۔

"وہ کیلئے آیا ہوا ہے۔ کیا آپ کل کچہری چل سکیں گے؟" باری کی جملہ پر وہ چونکے۔ ماہین نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہمیں فی الحال ہم کہیں نہیں جا سکتے۔ ہمارا ان پر مکمل بھروسہ ہے۔ تم اسے فارغ کرو۔ کہہ دینا ہم خود ان کر کے اسے بتا دیں گے۔ ہاں کرو۔ ہم جلد اس کی طرف سے ہم اور کریں۔ تاکہ ہمارا وقت ضائع نہ ہو۔ ہم ہو سکے۔"

ماہین نے نہایت دکھ سے باری کی سمت دیکھا۔ اس کا چہرہ بھی بالکل پیلا پڑ چکا تھا۔

"اگر خدانخواستہ ہم ہو گئے تو ہم خود ہر کہا لیجئے"۔ وہ بولے۔

"لیکن!"

"جی بابا صاحب!"

"کوئی کام تو نہیں کرنا تھا نہیں؟" ان کی آواز سے بہت اضمحلال ظاہر تھا۔

"نہیں... نہیں ہے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ اس نے کہا تھا کہ ہمارے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ ہمارے پاس کوئی دولت نہیں آ ہو کہ ہم کیا کریں"۔ وہ بھی اسی سے گویا ہوئے۔

ماہین کا سر دل بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے بیٹر! آپ کے پاس بھی اور بہت سے بھی یہاں مجھے کام بھی کہا ہے سامنے ڈاکٹر بیٹھے گے"۔ وہ زبردستی مسکرائی تھی۔

روشنی تم یہاں کیا بہت محسوس کر رہی تھی گویا بتائے محسول کے ساتھ ہوں۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد کمرے میں موجود تھی۔

آج کھانا بھی بہت اچھی قسم کا پکا تھا۔ ماہین نے پوچھ کر بنوایا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ باپ کو کیا پسند ہے۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

سے نیند کوسوں دور تھی۔

گہری نیند کا وقت اس وقت آسمان پر تھا مگر دروازے پر دستک ہوئی تھی یا کوئی دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔ اس نے کلاک کی سمت دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔

"کون؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور چادر اوڑھنے کی نیت سے اٹھائی۔

"دروازہ کھولو روشانے!" ایک بھاری مردانہ آواز سماعت سے ٹکرائی۔

آواز جانوس سی محسوس ہوئی مگر ذہن فوراً کاکا جان کی سمت گیا۔

وہ اٹھ کر دروازے کے نزدیک آئی۔

"کون ــــ کاکا جان؟" اس نے یقین کرنا چاہا۔

"ہوں!" وہاں سے مختصر جواب آیا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ سفید شلوار اور سفید ہی کرتے میں ملبوس اپنی بارعب مونچھوں کے ساتھ جانے پہچانے تھے علی خان کھڑے تھے۔

"السلام علیکم!" اس نے نظریں جھکا کر سلام کیا۔

"وعلام ــ کس کے ساتھ آئی ہو؟" لہجہ خاصا تلخ تھا۔ ساتھ ہی اس نے اشارہ کیا کہ دروازہ بند کر دے۔ اس نے فوراً تعمیل کی۔

"کسی کے ساتھ نہیں ــ وہ ڈرائیور شیر گل کے ساتھ بس"۔

"کس لئے ــــ میرا مطلب ہے کس وجہ سے یہاں آئی ہو؟" ان کے لہجے میں تشویش تھی۔ روشی خاموش کھڑی رہی تو علی خان ایک کرسی پر فراکش ہو گئے اور اسے بھی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

"حویلی میں پتا ہے کہ تم یہاں آئی ہو"۔ وہ بہت الجھے ہوئے تھے۔

"نہیں"۔ اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"کسی کو بھی نہیں؟" تیمور علی خان بری طرح چونک پڑے تھے۔

"جی نہیں"۔ اس نے پھر مختصر جواب دیا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟" ان کی حیرت عیاں تھی۔

"اس لئے کہ ــــ میں بس بچ گئی تھی"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"مسئلہ کیا ہے"۔ وہ بغور اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"وہ میری شادی کر رہے ہیں"۔ اس نے بھی سیدھی سیدھی بات کرنا مناسب سمجھا۔

"تو پھر کیا ہوا لڑکیوں کی شادی تو کرنا ہی ہوتی ہے"۔ ان کا لہجہ بے رحم ہو گیا۔

"مگر میں شادی کرنا نہیں چاہتی"۔ ان کی آواز بھیگ گئی تھی۔

"تو کیا کرنا چاہتی ہو؟" ان کی برہمی بدستور قائم تھی۔

"میں کچھ نہیں کرنا چاہتی"۔ روشی کی آواز بھیگ گئی۔

"محترم چچا! آپ نے والد سے محسوس کر لیا تھا۔ ان سے زیادہ کون ہو گا جو ان کی ذہنی حالت سے واقف ہو۔ انہوں نے جس بے دردی سے بابا جان کا قتل کیا۔ روشی کو یوں محسوس ہوا جیسے بابا صاحب کی روح یہاں تھی اس کے اندر کی الگ الگ سانس۔ جانے کیوں اسے بے اختیار رونا آ گیا۔

"یہ بابا صاحب کا فیصلہ ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں"۔ جانے وہ کیا بولتی جانے کیوں اسے آج تیمور علی خان سے خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"تم نے یہ حرکت کی ہے اندازہ ہے کہ پیچھے حویلی میں کیا قیامت برپا ہو گی۔ تمہارا اب تک پتا نہ چلا ہے یہاں وہ سمجھی ہیں حویلی فون کر کے مطلع کرتا ہوں کہ تم یہاں ہو"۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

روشی بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"کاکا جان! پلیز مجھے بچا لیں۔ آپ میری یہ ساری بھاگ دوڑ بیکار نہ کیجئے"۔ اس کے آنسو بہنے لگے تھے۔

"کون ہے وہ؟" وہ جاتے جاتے رک گئے تھے اور ایک دم متفکر ہو اٹھے۔

"کون؟" روشی بالکل نہیں سمجھی۔

"وہی جس نے تمہیں اتنا بہادر بنا دیا ہے"۔ وہ خود اس سے سوال کر رہے تھے۔

روشی کی نظریں جھک کر رہ گئیں۔

"کون ہے وہ ــ بتاؤ ــ جس نے تمہیں اتنی قوت بخشی ہے کہ تم نے حویلی کی عزت خاک میں ملانے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا"

"کسی کو کچھ نہیں کاکا جان"۔ اس کے حلق میں آنسو گھٹنے لگا۔

"بے وقوف مت بنو۔ سیدھے سیدھے بتاؤ کون ہے وہ؟" وہ برہم ہو رہے تھے۔

"آپ مجھ پر یقین کیجئے کاکا جان! کسی"۔

"روشانے! زیادہ عقلمند بننے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے لئے اچھا نہیں ہے۔ ایک عورت کی ذات صنف نازک کہی جاتی ہے جب کوئی واضح ثبوت اس کے پاس ہوتا ہے۔ وہ مرد کیا ہر کوئی خوشی خوشی تمہاری مدد کرنے چل جاتی ہے اور اس کی پہل کو اپنی فتح سمجھتی ہیں۔

"کیا کرتا ہے۔ کہاں رہتا ہے؟" وہ اپنی بات پر مستقل تھے۔

"کاکا جان! آپ میری بات"۔

"شٹ اپ روشانے۔ اس کا نام لو کہاں رہتا ہے"۔ وہ برہم ہو گئے۔

روشی خاموش کھڑی آنسو پیتی رہی۔

"ہم سے چھپا کر کہاں تک بچ سکو گی۔ ہم تم پر نظر رکھیں گے۔ ہمارا ایک اشارہ تمہیں ختم کر دینے کے لئے کافی ہے۔ ہماری غیرت کا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ ہم اپنی عزت پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ ہم تمہیں ختم کر دیں گے۔ ہم تمہیں ختم کر دیں گے۔ ہم تمہیں ختم کر

www.Paksociety.com

بگیریاں کے بیا کچھ گزرا ہے۔ زندگی کو بھگ سے گزارتے ہیں۔ ہم تمہاری باتوں سے بھلے واسطے نہیں۔ عالیہ صاحبہ
بات کرو۔ عورت بہت جذباتی ہوتی ہے۔ اس کے بیکوئی خواب وابستہ۔ محمد دانی کیفیت کیا سے بتا سکتے ہیں۔ کیا آپ
وہ خواب کھائے دار؟" وہ بہت گرم لہجے میں ہم کلام تھے۔

"ہماری بات کا جواب اوہ اس وقت شیر گل کے ساتھ ہی مل جائے گا۔"

وہ جو تیور علی خان کی پہاڑ بخت کی باتی قائل میں تھے ان اور ان تھی۔ آخری بھلے پر چونک پڑی۔

"نہیں۔ نہیں پلیز۔ بابا جان۔ اس سے بہتر ہے آپ خود ہی مجھے یہاں طلاق کر دیں۔" اس کے سے ہی کی گئی

گیا۔

"تو پھر سنو۔ تم ہمارے بوڑھے باپ کو صلیب کا نشان دے کر آئی ہو۔ ہم اس بات میں اعتراض ہوتے تو اس لئے ہمیں
کہ ہمارا باپ تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہے۔"

"بابا جان۔ پلیز مجھے کچھ وقت دیجئے۔ میں آپ کو مجھوں بڑی بات بتاؤں گی۔ پلیز۔"

"مگر ہمارا وہ وقت نہیں۔ ہمیں بابا صاحب کی فکر ہو گئی ہے۔" وہ انوز ہم انداز میں گویا ہوئے۔ تیور علی خان دروازہ کھول کر باہر چلے گئے۔

روشنی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔

دستخط لان میں سناٹا طاری تھا۔ صرف پرندوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ چلنے لگی۔

کیا وہ بابا جان کو سب کچھ بتا دے؟

محران کو بتانے کا مقصد ہے جیسے سب کچھ بابا صاحب کو بتا دے۔ کوئی فرضی کہانی گھڑ دے۔ کوئی ایسی کہانی جس
اس کی بہتری ہو جائے۔

وہ چل چل کر سوچنے لگی۔

یاور علی خان نے اس کے اعصاب ہلا کر رکھ دیے تھے۔ وہ کہ پچھلی رات بھی وہ سو نہیں سکی تھی۔ اور آج بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ ساری رات سوچ سوچ کر اس نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ وہ بے چین ہو گئی اور بیقراری اور اضطراب کے عالم میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ رات کی سیاہی مٹ جانے کے خیال سے بیقراری میں آئی تھی۔ مگر بیقراری کے اگلے لمحے پر لگن سے تیز روشنی پر چونک پڑی۔ یہ اتنی رات کو لگن میں کوئی کیا کر رہا ہے۔ شاید کوئی جاگ رہا ہو۔ اور وہ اٹھ کر چلنے لگی۔ وہ بیقراری بڑھ رہی تھی۔ وہ کچھ وقت گزاری کے خیال سے لگن کی طرف بڑھی تھی۔

لگن کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے سر اندر کر کے جھانکا اور بری طرح چونک پڑی۔ سرسوتی لگن کے فرش میں بیٹھ بیٹھ کر رو رہی تھی۔ وہ حیران رہ گئی۔ وہ سیان دیے پر پتا چلا۔ ایک خرسے میں جانے کیا کیا کھا رہی تھی۔ وہ حیران رہ گئی۔ وہ

"یہ سب کیا ہے۔ مجھے کسی کی تو واضح ہونا چاہیے۔" اس نے بے ساختہ ہی پوچھا۔

سرسوتی نے بوکھلا کر سر اٹھایا۔ پھر جیسے وہ گھبرا گئی ہو۔

"آپ۔ آپ۔ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ سوئیے نہیں تمہاں۔"

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔

"میری بات کا جواب دو۔ کون مہمان آیا ہے۔" روشنی کی حیرت بڑھ رہی تھی۔

"کوئی بھی نہیں۔ یہ تو ہمارے کوئی نہیں ہیں۔"

وہ بڑبڑائی۔

"پھر کس کی خاطر عبادت ہو رہی ہے۔" اس کے کہنے پر وہ جیسے یاد آیا۔ کچھ گئی تھی کہ وہ خطرناک ہے۔ اس لئے
اس طرح اس کا انداز خوفزدہ کر رکھ دیا ہو گیا۔

"کس کیلئے نے پوچھ رہی ہو؟"

سرسوتی کی آنکھیں کانپنے لگی تھیں۔ اس سے کچھ بولا نہ گیا۔

"ایام چھاتی ہو رہی ہے۔ یہ لگن کیوں خالی جا رہی ہے؟" اس کا انداز خطرناک ہو گیا تھا۔

سرسوتی کی آنکھوں میں آنسو چھلک گئے۔

"روشنی دیوی۔ آپ نے ہمارے بارے میں کیا سوچا ہے؟" وہ بولی۔

"پوجا پاٹ۔ بھوجن پانی بھجوانے کے لئے۔"

"کون بھجواتا ہے؟" وہ بولی۔

"اور کہاں سے آتا ہے؟" وہ بولی۔

"کرن کی ہے مہاراج نے بتایا ہے۔" سرسوتی نے اعتراف کیا۔

سرسوتی نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "نہیں جی۔ ایسا نہیں ہے۔"

"تو پھر۔ یہ کون ہے۔ کس کی عبادت ہو رہی ہے۔" اس کے حساب سے تو یہ جگہ خالی تھی۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ
حیران تھی۔

"تھری صاحب کی ہے۔" سرسوتی نے کانپتے ہوئے بتایا۔

"تھری؟ کون تھری؟" وہ بولی۔ "اچھا۔ تم مجھے لے کر چلو اس کے پاس۔" اس نے حکم دیا۔

"آپ۔ آپ۔ نہیں۔" وہ گھبرا گئی۔

"کیوں۔ کیا ہو گیا ہے۔ کیا چھپا رہی ہو؟" وہ چیخ گئی۔ "جلدی چلو۔ میں بھی دیکھوں وہ کون ہے۔ چلو۔" وہ جلدی سے
اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چلو۔ جلدی چلو۔ مجھے بھی دکھاؤ۔"

اس حکم سے سرسوتی لرز اٹھی۔

www.Paksociety.com

"میں کچھ ہی دیر میں آؤں گی۔ تم جلدی کرو۔" وہ بولی۔

سرسوتی نے سر جھکا دیا۔ وہ واپس مڑی اور ماہین کی سمت دیکھے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

وہ آگے آگے اور ماہین پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ایک عظیم الشان دروازہ پار کر کے وہ وسیع و عریض احاطے میں آ گئیں۔ ماہین نے قدم رکھے تو یوں محسوس ہوا جیسے کسی ہیبت ناک سیارے پر آ گئی ہو۔

ماہین کا تجسس سے برا حال تھا کہ یہ سرسوتی کہاں جا رہی ہے؟

اس پر مسلسل حیرتوں کی بارش ہو رہی تھی۔ ماہین کو ان کے بھولنے سے نہایت خوف محسوس ہوا۔ جبکہ سرسوتی بدستور اپنے چلی جا رہی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر سرسوتی کے برابر پہنچ گئی۔ کنول نے ایک آفت ٹال دی تھی۔ احاطہ پار کر کے وہ ایک وسیع و عریض دروازے سے گزریں۔ اندر قدم رکھتے ہوئے ماحول میں بلا کی پراسراریت محسوس ہوئی۔ ایک عجیب سی وحشت۔ بھاری بھاری چند دروازے۔ جا بجا تاریکی۔ اور ایک ہولناک خاموشی۔ ماہین قدرے خوفزدہ اور بہت پریشان ہو گئی تھی۔

سرسوتی کی رہنمائی میں داخل ہوئی جہاں دور تک صرف ایک بلب روشنی پھیلا رہا تھا۔ سرسوتی ایک دروازے کے سامنے جا کر رک گئی اور پلٹ کر ماہین کی طرف دیکھا۔

ماہین نے اشارے سے اسے اندر چلنے کو کہا۔

سرسوتی ایک راہداری میں داخل ہوئی جہاں دور تک صرف ایک بلب روشنی پھیلا رہا تھا۔ سرسوتی ایک دروازے کے سامنے جا کر رک گئی اور پلٹ کر ماہین کی طرف دیکھا۔

ماہین نے اشارے سے اسے اندر چلنے کو کہا۔

سرسوتی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ اس کے پیچھے ماہین نے قدم بڑھائے۔

"تو یہ ہے سرسوتی! آئی دیو کرو دی۔ بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔ رات کا کھانا دیا کا دیا واپس کرا دیا تھا میں نے۔ آج "دی بی" کو بھانجے چڑانے کا زبردست موڈ ہو رہا تھا۔ ویسے ہی ڈرا رہی ہوں انہیں کہ ایک دن خوفناکی کماری کے ہاتھ کے اقتباس پر بے ساختہ کھلکھلانے کی آواز آئی۔

ماہین حیران پریشان اندر داخل ہوئی۔ اندر کا منظر دیکھ کر تو جیسے چکرا کر رہ گئی۔ سرخ دیوار کے بھرے کام کے بیچ میں ایک حسین و جمیل خوش و شنگ سی لڑکی بڑے آرام سے بیٹھی تھی۔ اس سے ذرا فاصلے پر اصلی عمری کی ایک اور بچی جس کے کپڑے بوسیدہ اور بال بنے ہوئے تھے۔ اور ایک بھاری بھی دبلی پتلی لڑکی کارپٹ پر بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ اس نے ماہین کو آتے دیکھا تو پہلا لڑکی کا دوسرا سر (عورت کے پاؤں سے بندھا تھا۔ آناً فاناً اس کا دھیان اس رات تاریکی میں نظر آنے والی پراسرار لڑکی کی طرف گیا۔ حواس جیسے ایک دم سے گم ہو گئے تھے۔

"السلام علیکم!" بھوریہ کھلکھلائی تھی۔ "آپ"۔

"پلیز آئیں اندر۔" سرسوتی نے کہتے ہوئے سر کو جنبش دی۔

ماہین نے ایک نظر بھوریہ پر ڈالی۔ اس کے ہاتھ میں ایک سر تھا۔ آدھا دھڑ سرخ گوشت کا لوتھڑا سا لگ رہا تھا۔ اس نے ماہین کو دیکھا تو ہاتھ میں پکڑا ہوا سر ایک طرف رکھ دیا۔ بہت تیزی سے کسی ہوئی لڑکی اور وہ بھی ہیبت ناک لڑکی سے ماہین کا پہلا واسطہ تھا۔ اس لئے اس کی موجودگی کی وجہ سے ماہین بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی۔

پھر پڑے سے بولی تھی۔ "آپ بیٹھیں پلیز"۔ اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں شکریہ آپ بیٹھیں۔" بھوریہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"جی"۔ ماہین جیسے کسی خیال سے چونکی تھی۔

اس نے بھوریہ کے ہاتھ میں پکڑے سر کے وجود سے جیسے دھتیاں پھوٹ رہی تھیں۔

"یہ۔ یہ کون ہے؟" اس نے پراسرار لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس سے آپ کو کیا لینا دینا۔ کمال ہے۔ حویلی کے اہل عہدیداروں میں سے ایک ہیں۔ ولی عہدی کا لیبر انچارج مقرر ہوا ہے۔"

بھوریہ نے نہایت غیر سنجیدگی سے سوال پنکھیوں میں اڑا دیا۔

"مگر میرا تو کچھ بھی نہیں لگتی"۔ ماہین نے بے ساختہ اعتراف کیا۔

"جگر عالم بات کے ذرا نظر نہ جشم کر لیجئے۔" وہ ہنس دی۔

"جی"۔ ماہین کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"بالکل سچ۔ ہماری ساس بھی بہو میں لاکھ عیب نکالیں مگر ہمارے سسر نے انہیں ہر طرح سے مطمئن کیا ہوا ہے۔ اس لئے تو ساس کہلوا رہی ہے۔ بالکل سچ۔" بھوریہ بدستور شوخی سے کہہ رہی تھی۔

ماہین نے ایک نظر بھوریہ پر ڈالی۔ بڑی عجیب قسم کی لڑکی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر کمرے میں نظر دوڑائی۔

"کہاں ہیں عمری؟" اس کی توجہ مقناطیس خط ہو رہی تھی۔

"نفسیاتی ہاسپٹل میں آرام فرما رہے ہیں جس سے ہمیں تسلی ہو رہی ہے۔ ہماری قسمت اتنی بھی خراب نہیں۔ ویسے وہ بھانجی ہی بے جا رہے ہیں۔ کس حویلی والے ہیں کہ قدرت سے اپنی شکست تسلیم نہیں کر رہے۔ دراصل جہاں بہت بڑے بڑے طرم خان ہوں وہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔" وہ کھلکھلائی۔

ماہین ہم عمری محسوس ہو گئی۔ اسے تو یہ لڑکی کسی اسٹار کی طرح لگی تھی۔

"کون؟" اس نے اپنی حیران کن نظروں کا رخ عمری کی سمت موڑا۔

"کون کی کہانی مجھے کسی زبانی سنائے گا۔" بھوریہ پھر ہنسی۔

"تو یہ کس قدر ہستی ہے یہ لڑکی۔ اگر اس قدر خوبصورت نہ ہوتی تو کتنی بری لگتی اس کی ہنسی؟"

"یہ خوش نظر کی بھولی بھالی سی ہیں"۔ عمری نے بھوریہ کا لقمہ نظر انداز کر دیا۔ "آپ کا نام کیا ہے؟ آپ یہاں

www.Paksociety.com

کیا۔

"ہوں۔ تم بھی ہو بڑا"۔ ماہین کے اندر جیسے طوفان رہا ہو گیا۔

"وہ حویلی کا روشن چراغ"۔ عورت الفرد گی سے مسکرائی۔

"تم کون ہو؟ تمہیں کیوں قید کیا ہوا ہے ان لوگوں نے؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔ آج اور یہ قیمتی کی تھیں

موقع مل رہا تھا۔

"فکر نہ کرو ہوں ایک ۔۔۔ بس"۔ وہ خاموش ہو گئی۔

"کیا یاد کرو گی کہ تم کون ہو۔ اور تمہیں یہاں قید کیا ہوا ہے"۔ اس کے ذہن میں جھکڑ چلنے لگے۔

"میں کون ہوں یہ تو مجھے نہیں پتا ہے۔ اور یہاں قید ہوں یہ بھی نہیں پتا ہے"۔ عورت نے اداسی سے کہا۔

ماہین کا دل دکھ سے بیٹھنے لگا۔ وہ تو یاور علی خان کو حویلی میں سب سے مختلف سمجھتی رہی تھی۔

اتنی اہم سیٹ پر بیٹھنے والا اتنا بڑا قانون فکن۔

"تمہارا قصور کیا ہے؟" وہ خود پر قابو پا کر پوچھ رہی تھی۔

"ایک لمبی بات ہے"۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"پھر بھی"۔ ماہین کا انداز اصرار کرنے کا تھا۔

"یہ پیجئے"۔ بھومر نے خوبصورت گلاس میں اسے کوکا کولا مشروب پیش کیا۔

"شکریہ ۔۔۔ میرا تو انتظار کیجئے"۔ اس نے اپنے تئیں انداز میں معذرت کی۔

"بھومر وہ گلاس خود لے کر دوبارہ دینے کے نظارے پر تھک گی۔

"مجھے لگتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں بتا سکتی"۔ عورت کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"میرا اپنے دل کا درد ناقابل۔ میرا مطلب ہے طریقہ شب ہے۔ مجھے لگتا ہے آج تک۔ پر پھوٹ رونے لگی ہے۔ دیے

پوچھا بھی کیا۔ صاف ظلم کا شکار لگتی ہے"۔ بھومر کی زبان پھر قینچی کی طرح چل۔

"مجھے بات کرنے دو پلیز"۔ اس نے انتہائی اپنائیت کے ساتھ اداسی کے تاثرات کنٹرول کیے"۔ بھومر کا نے نے ثنائی کباب

کھانے میں مصروف ہو گئی۔

"ہاں ۔۔۔ بتاؤ ناں۔ تمہارا جرم کیا ہے۔ کس بات کی سزا مل رہی ہے تمہیں؟" وہ اس کے پاؤں میں بیٹھی اپنا

دل پھوڑے کی طرح درد سا محسوس کر رہی تھی۔ ایک انسان کے ساتھ اس طرح کا سلوک۔ اس کے تو اعصاب شل ہونے

لگے۔

"آپ کیا کریں گی؟ جبکہ یہ سزا عمر بھر کی بھی ہو سکتی ہے"۔ وہ بھرائی آواز میں گویا ہوئی۔

"پھر بھی"۔

"آپ اصرار کریں ہے آپ کو بھی دکھ ہو گا۔ کسی کی زندگی ہوتی ہے آپ کی۔ اللہ نے ہر کسی کو ۔۔۔ تاکہ ایسا

کیا۔ ماہین کو اس کے اندر کا دکھ کچھ اور ہی لگا تھا۔ اللہ نے ہر کسی کو اپنی آزمائش میں ڈالا ہوتا ہے۔ کسی کو

بھی اپنے اختیار سے باہر نہیں سمجھنا چاہیے۔ سارے لوگ ان سے بھاگتے تھے۔ وہ ان کا دکھ کم کرنے کی کوشش

کرنے لگی۔ ماہین کو کبھی ترس سے بھی نہیں دیکھا گیا۔

"بہت کچھ جانتی ہو یاور علی خان کے بارے میں۔ بھومر بھی ان کے ساتھ رہے تھے؟"

ماہین نے لمحہ بھر تک کر سوال کیا تھا۔

"بھومر نے چونک کر ماہین کی صورت دیکھی۔

"بہت عزت کرتے تھے ان کی"۔ اس کی آواز نہایت ہی دھیمی تھی۔

"اور وہ صاحب؟" ماہین جانے کیا جاننا چاہ رہی تھی۔

"وہ اور اس کی فوج اپنے ہاتھوں بیاہ کر لاتے تھے انہیں۔ اپنی بیٹیوں سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔ حویلی کی عورت تھیں

وہ ان کی گڑیا کی طرح کی بی رانی تھیں کہ آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھی"۔ وہ پھر لفظوں میں کھو گئی۔

"پھر کیا ہوا؟" ماہین نے پتا پھینکا۔

"پھر ہی ۔۔۔ پھر کچھ بھی نہیں ہوا"۔ وہ لفظوں سے پھر تک کر ایک طرف ہو گئی۔

"تم کس حساب میں سزا کاٹ رہی ہو۔ تمہاری باتوں سے تو میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں تم بہت اچھی اور سوجھ بوجھ کی

مالک لگتی ہو۔ پھر تمہارے ساتھ یہ سلوک کیوں ہوا؟" ماہین کا تجسس کمال کو پہنچا ہوا تھا۔

"اس جی لیے پوچھیں"۔ وہ پھر مغموم نظر آئی۔

"جی کی بات کہوں گی تو نہیں۔ اعتبار کریں"۔ ماہین نے دوسرا طریقہ آزمایا۔

"ایسا اعتبار کی نہیں ہے۔ وہ اصل کوئی فائدہ نہیں ہے"۔

"یونہی بتا دیں جی۔ پھر میں کوشش کر چکی ہوں"۔

بھومر حسب توقع ہتھیار کی کریم صاف کرتے ہوئے گفتگو میں شریک ہوئی۔

"کیا تم پر ظلم کیے ہوا ہے۔ آج اس بھلو تو وہ مکمل تھی جی۔

سلیمہ خاموش رہی۔

"اس حویلی میں کون ہے جو وہ سے ہوا ہے؟ اسی تو آپ نے اس طرف کا ایک اور ہی چہرہ دیکھا ہے۔ ظلم سے آگے

کی بہت کچھ کر دیں گی"۔

بھومر ہاتھ دھو کر پھر اپنے حصہ دہی بیاری تھی۔ رک کر گفتگو میں

"وہ ۔۔۔ ماہین آپ جیسے چکا ہیں۔ ابھی اس طرف اور بھی بہت کچھ ہے۔ بھومر کی خود اعتمادی کا گراف اسے بہت محسوس

ہو رہا تھا۔

"تم بہت بہادر کی ہو بھومر"۔ وہ دل سے بولی تو ماہین کے چہرے پر مسکراہٹ

www.Paksociety.com

"جب انسان بہت قریبی رشتے سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔" وہ اداس سی ہو گئی۔

"نقصان؟ کیا مطلب؟"

"آپ کیا سمجھیں گی۔ یاور چچا، چچا کا کہا ہر لفظ پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا، ایک بار چچا نے کہا تھا کہ یاور علی خان بن داؤد علی خان آپ کو منظور ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں آپ نے نہیں یاور علی خان کو منظور کیا ہو گا۔ کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ سب ادھورا سا چھوڑ کر چلے گئے۔ یاور چچا کو بھی ہم سے بہت محبت ہے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ بہت سی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔

یہ کون آیا ہے؟ شاید اسے شک ہو گیا ہو۔ ویسے بھی وہ اچھا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اپنے معمول کے کام سے واپس بھی آ جاتا ہے یہاں۔ اس نے خود کو تسلی دینے کے بعد پیار سے اٹھنے شروع کر دیئے۔

باری نے چارپائی سے کود کر اسے پکڑنا چاہا تھا۔ پھر اس طرف ہو گیا جہاں سے وہ اوپر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اپنی طبیعت پھر اسانس سینے سے خارج کیا۔ اس کا مطلب ہے سب ٹھیک ہے وہ خیر خیریت سے واپس اپنے راستے میں آ گیا۔

جانے کیوں اسے ایسا لگا جیسے خوشی سے ہو گئے تھے۔ سارا دن ایک دم ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔ وہ ہلکا پھلکا سا وجود لیے کچن میں آ گئی۔ اس نے چائے بنائی اور اس سے پی بھر کر لطف لیا۔ جو اس کی پرسکون سکراہٹ اور چہرے سے اپنی جان لگا رہا تھا۔ اب اٹھنے اور پھر اسے چلایا گھما پھرا کر دیکھنے لگا۔ اس کے بعد وہ اپنی بھیگی چادر لے کر میں اسے سکھانے ڈالنے کی جگہ دیکھنے۔

اس نے چادر اٹھا کر اپنی طرف ڈالتے ہوئے سوچا تھا کیا 15 دن۔

وہ رات کو بہت پرسکون سوئی تھی۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی تھی۔ لہٰذا پھر وہ نماز پڑھ کر دوبارہ سو گئی تھی۔ جاگنے

پر اس کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے۔ مگر پھر وہ دعا آسمان سے سرگوشی کی تھی۔ تھکن اس کے وجود کی طرح بکھر گئی تھی۔ اس نے دال ٹوکرے کی طرف دیکھا۔ جس کے سارے دانے اس نے چن لیے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے اٹھی۔ دروازہ کھول دیا۔ سامنے گہری نیلی جینز میں ملبوس باری کھڑا تھا۔

"السلام علیکم! آپ کا نیلی جان ہے"۔ وہ سب سے پہلے اور آگے بولا۔

اس نے گہری آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا۔

"کس کا خون ہے؟" (شاید خون بدلی)

"وہی جو سے آپ نے لی"۔ اس نے پھر یاد دلائے۔

اس قدر سے چونکی پھر ناشتہ ہو گی۔

"جاؤ میں روزے سے ہوں۔ افطار میں خود کھا لوں گی"۔

اس نے کھوے کی اگلے حصے کا اتفاق کے طور پر دروازہ کر دیا اور اندر سے بولنے لگی۔

"قریب ہوں تو بات نہیں کرتے۔ فاصلے سے باتیں کرنے کا کیا فائدہ۔ میں کون سا ساری عمر کی جدائی بات کرنے لگے"۔

وہ کہتے ہوئے دوبارہ دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔

باری جو بلی سے ساتھ اول اول لاتیں الف بلت کر رہا تھا۔ بھی تیمور علی خان سے ان فاصلے کیسے ہوا تھا۔ وہ کسی اگلے پیغام کا منتظر تھا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ تیزی سے پلٹا تھا۔

"ہوں۔ کون ہے؟ جاؤ"۔

وہ دروازہ کھلا اور شہلا اندر آ گئی۔

"السلام علیکم"۔ وہ ہی کہتے ہوئے مسکرائی۔

"آپ۔ وعلیکم السلام"۔

"بھی ابھی کہیں جا رہا کہ آپ کے لیے ہوئے ہیں۔ سوچا خود ہی دے آؤں"۔ وہ بتا رہی تھی۔

"آپ کس نے ہم سے کہا ہیں نے" وہ ذرا معصوم سا بچہ بھی تھی۔

"ہیں۔ وہ ہم دوست تھے۔ آپ سے ہوئے۔ کیا حال چال ہیں؟ اس نے کہیں ایک طرف سرکائیں۔

"ایسے ہی کہتے کہتے ہوئے ہیں"۔ وہ مسکرائی۔ تیمور علی شرارت سے بیٹا ہے اور بیٹھنے کے انداز میں وہ بہت آرام دہ کرسی کھل گئی تھی۔

"کیوں کیسی آپ سے۔ ادھر بیٹھے"۔ وہ بھی جواباً مسکرایا۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

"کیسی عجیب بات ہے آپ کہیں لوگ ایک دوسرے کو کتنی اچھی طرح جانتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "ہم ایک دوسرے کو کتنی اچھی طرح جانتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "ہم ایک دوسرے کو کتنی اچھی طرح جانتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"کتنی اچھی طرح جانتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "

www.Paksociety.com

محمد جان ادارت بڑی تیزی سے جم خانہ واپس گیا تھا۔

"اور... محترمہ کو ہماری آمد کی اطلاع بھی ہے"۔ اس کی سرد مہری کے پیچھے اندیشے سے بادل تیزی سے امڈ رہے تھے۔

اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

"السلام علیکم"۔

روشی بدحواس ہو کر کھڑی ہو گئی۔

ایک لمحے کو تو اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ نظریں جھک کر رہ گئیں۔

"واہ صاحب... بندے کی قسمت بھی خراب ہو تو کون اس سے چھین سکتا ہے"۔ باری نے کرسی پر بیٹھتے ہی بڑبڑا کر خود کلامی کے لہجے میں کہا۔

"آپ گھر سے نکلتے ہیں تو کاکا جان ایک اور سارا راستہ طے کر سکتے"۔ روشی نے کہہ کر جھرجھری لی۔

"انہوں نے تو مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ بلی کا"۔

"پتا ہے... ہوگی ہیں تمہارے فیصلے میں سب خود سے ہو جاتے ہیں۔ مگر دراصل آپی اور ہو تو پوچھیے تو ان کی ساری عیب کے پیچھے تمہاری جیب ہوتی"۔ وہ اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

"آپ کو اچھا لگتا ہے اس طرح سے اپنوں کو پریشان کرنا۔ کیسے افسوس کی بات ہے۔ آپ کو ہوا سے اپنا دل لگانے کو کچھ اور کوئی ایسا نہیں رہتا۔ ادھر جو بلی میں ایک قیامت بپا ہے۔ رات... رات عمر کوئی سو نہیں سکتا۔ اپنے گھر سے دور ہونے کا دکھ ہوتی ہو"۔

"تو مر گئی ہوں ناں۔ میں سب کیلئے موت ہی تو ہوں"۔ وہ ان کی بات کاٹ کر غرائی اور گرجتے ہوئے بولی کہ میں سرائے میں ہوں تو میں یہاں سے بھی چلی جاؤں گی"۔ اس نے دھمکی دی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ایسا تو کچھ ہوا بھی نہیں"۔

"شب شب باری۔ بی چاہ رہا ہے تمہارا منہ نوچ لوں۔ تمہارا وجود بار بار مجھے یاد دلاتا ہے کہ میں کیا ہو گئی ہوں۔ میرا وجود ہی ختم کر دیا ہے تم لوگوں نے۔ میں کیا تھی اور اب کیا ہو گئی ہوں۔ ایک ادنیٰ سی عورت... ایک ادنیٰ سی عورت"۔

"لیکن آپ کی شادی تو کہیں نہ کہیں... کسی نہ کسی سے ہو تو جاتی"۔

اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس کی طرف لپکی۔ ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر اور اس بری طرح سے اس کا گریبان پکڑ کر کھینچا کہ... روشی ایک... جھٹکے میں ہی ٹوٹ گئے۔ اور گریبان اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

"گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔ بی آف فار ایوے"۔

اس سے پہلے کہ وہ صدمے کے عالم میں اسے دروازے کی طرف دھکا دیتی۔ اور اپنی پریشان دیوار... سے لگی۔ جیسے اس

پر گرنے والے کو گھسیٹ جاوید ہو گیا تھا۔

باری تو اس اچانک افتاد پر بری طرح بوکھلا کر رہ گیا تھا۔ اس نے کوئی مزاحمت ہی نہ کی۔ اگر وہ اس کی جانب دیکھتے تو اس کی آنکھوں میں وحشت اور بے یقینی تھی۔ روشی کی پریشانی تھی۔ وہ اس کی جانب متوجہ ہی نہ ہوا۔ اور تیور علی خان سے مخاطب ہو کر کہا۔

ایک لمحے کو تو اس کی سوچ حواس نے ساتھ دینا چھوڑ دیا۔ روشی کی پریشانی سے پیچھا چھڑانے کے لیے انہوں نے جیسے اس کی باری چھوڑ دی تھی۔ دوسرے پھوٹی روشی کی سمت تیزی کی طرح بڑھے اور اس کا بازو تھام کر اپنی طرف موڑا۔

"روشی۔ روشی کیا... کیا ہوا ہے؟"

"کاکا جان؟" وہ ان کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

"کیا ہوا؟ کیا کہا ہے باری نے؟" انہوں نے اسے پرے کیا۔ پھر بھی انہیں میں باری کی سمت دیکھا۔

باری تو جیسے ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ تیور علی خان کی آواز اسے جیسے حیرت کے جھٹکوں سے نکال لائی۔

"روشی نے تو کچھ نہیں کہا۔ کیا ہوا ہے؟ آپ کی کیا شکایت ہے؟" تیور علی خان کی سخت نگاہ... انہیں کا گریبان تھامے ہوئے تھی۔ جسے وہ ہوا میں لہرا رہا تھا۔

لمحے کے وہ حصہ میں منتشر ہو... پھر اپنے کس اور وحشت چھا گئی تھا۔ اس وقت ان کے چہرے پر تفکرات کا جال بچھا ہوا تھا۔ روشی تھی کہ تو میں نہیں آ رہی تھی۔ اس کی پریشانی پر تیس خون سے چھک گئی تھیں۔ تیور علی خان نے اپنے اختیار سے آنکھوں کی چوڑیوں سے باہر اٹھائے تو ان کی آنکھیں بھی خون سے لبالب بھر گئیں۔

"کیا ہوا ہے؟ بولتے کیوں نہیں ہو۔ بی بی... باری وہ بھول خان سے کہو۔ میرے کمرے سے فرسٹ ایڈ باکس لے آئے"۔

انہوں نے باری کے سراپے پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

کاکا جان۔ مجھے مر جانے دیں پلیز۔ یہاں کوئی بھی اپنا نہیں ہے۔ سب مطلب کے رشتے ہیں۔ کاکا جان۔ میری جان لے لیں۔ میں ہوں ہی کس لیے۔ آپی کی زندگی کیلئے میرا خون چاہیے۔ مجھے نفرت ہے اس سب سے۔ مجھے کسی رشتے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آپ سے کیا گلہ کرنا۔ جب آپ نے ہی میری طرف نہیں دیکھا۔ وہ تو میں ہی پاگل تھی جو آپ کی طرف آ گئی۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی جی لوں گی۔ مجھے زیادہ سے زیادہ کیا ہو جائے گا۔ اس سے تو بہتر ہے کہ میں مر جاؤں"۔

وہ اس بری طرح روئی۔ اس قدر چیخ چیخ کر کہ تیور علی خان تو انتہائی حد تک پریشان ہو گئے۔ وہ آگے بڑھے اور باری سے مخاطب ہو کر سخت لہجے میں کہنے لگے۔

"کیا کہا ہے تم نے اسے؟ اور یہ تمہارا سایہ کیا ہوا ہے؟" ان کے لہجے میں... کی پاداش کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"مجھے جیسے کے بارے میں... روشی بی بی آپ کو بتا چکی ہیں۔ میں وضاحت نہیں دوں گا۔ میرے لئے اتنا ہی کہ آپ کو اس سے آگے..."

www.Paksociety.com

اس نے اپنی سمجھ کی اختیار وقار سے کہا کہ تیمور علی خان بے ساختہ روشنی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خون بہہ رہا تھا۔ انہوں نے قمیص کی بقیہ آستین سے سفید دال نکال کر اس کی پیشانی پر رکھا تو وہ فوراً سرخ ہو گیا۔ وہ اس کو وہاں لئے ہوئے باہر نکل آئے۔

"سلی گرل!" عجیب سا رحمان کے چہرے سے جھلکنے لگا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی باہر نکلے تھے۔ انہوں نے خون آلود ہاتھ کو ایک نظر دیکھا۔ پھر اپنی سفید قمیص کے دامن سے ہی صاف کر لیا۔ باری باہر نکل گیا تھا۔

"تم نے یہ سب کیوں کیا روشانے؟ حالانکہ رات ہم نے تم سے تمہاری بات سننے کا وعدہ کیا تھا۔" وہ بھیگے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

"کاکا جان! اگر میرا بس چلے اور صرف ایک خون کرنے کی اجازت ہو تو میں پہلی فرصت میں اسے ختم کر دوں۔" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کس کو؟ باری کو؟" تیمور علی خان کے لہجے میں استعجاب اور استفسار دونوں تھے۔

وہ کچھ بول نہیں سکیاں لیتی رہی۔

"وقت بڑا ظالم قسم کا سانپ ہے۔ اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔" وہ کہہ رہے تھے مگر روشانہ کی سسکیوں پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ پھر خود کو دست و گریباں سا محسوس کیا۔

"بالکل بے کار۔ ایک دم۔ بالکل سوائے دکھ دینے کے اسے کچھ نہیں آتا۔"

"کیا کہا ہے اس نے تمہیں۔ تم اداس نہ ہو۔ کیلی کو بھیجو۔ میرا اسٹیمر کروا دو۔ تم اداس نہ ہو۔" اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

جسم و جان پھر ہری ہری ہو گئی۔ یہ بالکل نیا روپ تھا تیمور علی خان کا۔

"کاکا جان! آپ مجھے واپس بھیج دیں گے نا؟" وہ خوف کے پنجے سے نکلنے لگی تھی۔

"ہم تمہارے ایکسکیوز تو ضرور کریں گے روشانے۔ مگر تمہیں یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ اس کی پشت تھپتھپا رہے تھے۔

اسی دم پھول خان فرسٹ ایڈ باکس لئے کمرے میں داخل ہوئے۔

"ایک بات میں گرہ باندھ لو روشانے۔" انہوں نے ہاتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔ پھول خان سیدھے کچن سے ہوتے ہوئے کریا تھا روم میں چلا گیا۔

تیمور علی خان باکس کھول کر ضروری چیزیں نکالنے لگے۔

پھول خان پانی لے کر آ گیا۔ تیمور علی خان نے روئی بھگو کر اس کا چہرہ صاف کرنا شروع کیا۔ وہ بے آواز سسکیاں بھرتی رہی۔

تیمور علی خان نے کسی ماہر نرس کی طرح اس کی تیمارداری کی تھی۔

"کاکا جان! آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں وہاں ہوں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"تمہارے پاپا نے کیز بھیجی تھیں۔ روشانے؟" انہوں نے اس کی قمیص پر لگے ہوئے خون کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی۔ ہم نے ابھی کیز سے کھولا ہے۔"

"تیمور کہاں تک پہنچے کاکا جان؟" وہ آنکھ سے پوچھ رہی تھی۔

"تیمور کہیں تک پہنچے ہوں گے۔ آپ کو اس سے کیا۔ آپ کو تو ہم نے بھیج دیا ہے۔ اب یہ سب بھول جاؤ۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔ اب یہ سب بھول جاؤ۔"

وہ اس بات کے کچھ معنی نہ سمجھ سکے تھے۔ وہ اس کی بات صاف نظر انداز کر گئے۔

"کاکا جان! ہماری ڈولی جلد ہی کراچی پہنچ جائے گی۔ پاپا صاحب اور بیا بھی آ جائیں گے۔ ہم ہی کریں گے ان کا استقبال۔ ہم ہی کریں گے۔" اس نے اپنے ارادے ظاہر کئے۔

"ہماری روشانے۔ باری وہی کرے گا جو ہم اسے کہا کریں گے۔ ڈانٹ دیا۔ دیکھو۔ اب پھر یہ سب نہیں ہونا چاہیے۔ اب باری کبھی یہاں نہیں آئے گا۔ ویسے وہ یہاں آ کیسے سکتا تھا۔ اسے پتا کیسے چلا؟ تم نے بتایا تھا؟" وہ جانتے بوجھتے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں۔ میں نے نہیں بتایا تھا۔ بابی گاڈ کاکا جان۔ میں تو سچ سے باہر بھی نہیں گئی۔ بلیو می۔" وہ یقین دلانے کی کوشش کرنے لگی۔ آواز میں ابھی تک آنسوؤں کا ذائقہ تھا۔ تیمور علی خان ہونٹ بھینچ کر کچھ سوچنے لگے۔

اپنی اپنی تبدیل کرنے کے بعد وہ لاؤنج میں جمع ہوئے تھے۔

"تیمور خان! تمہارے ہاتھ کمرے میں آ کر کہاں۔ یہ کیا۔" صفدر خان نے اسے بیٹھا ہوا دیکھ کر پوچھا۔

وہ بیٹھ کر خود سے کچھ الجھ رہا تھا۔ کیا کر رہے تھے؟

وہ لڑکی کی چیخ سن کر اس کے سر پر پہنچا تھا۔ وہ بھی کیز۔ ساتھ ہی کر چکے تھے اور اس کے بعد ان کا شعور قمیص میں الجھا تھا۔

باری کو قمیص بھیج کر کے اور وہ اس کے بعد اس کے ساتھ کیا کرنے والے تھے۔ یہ سوچ کر ہی وہ پریشان ہو گیا تھا۔

"کچھ نہیں۔ کام تھا کچھ۔" وہ ٹال گیا تھا۔ اس نے کمرے میں آ کر اپنے لئے بیٹھنے کا انتظام کیا۔

وہ باری کو اس قدر اہمیت دے رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی بات ہے۔ اس کو ایک طرف کر دینا چاہیے تھا۔ اس کے لئے وہ اتنا پریشان کیوں ہو رہے تھے۔ کچھ تو کوئی بات تھی۔ کچھ وہ جانتے تھے اس کیس کے بارے میں۔ کچھ ایسا تھا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ کیا تھا؟

وہ اپنے خیالوں میں گم تھا۔

"جی۔ بابا۔" وہ ان کی آواز پر چونکا تھا۔ وہ اس سے مخاطب تھے۔ تیمور علی خان کچھ دیر قبل کی واقعہ فراموش کر کے اس سے

www.Parsociety.com

باتیں نہیں کر رہے بلکہ وہ سب اس وقت بھی ان کے دماغ میں داخل کیا ہوا ہے اور مصطفیٰ واحد ہی اس ہولناک راز سے

آگاہ ہے۔

وہ بے گناہ ہونے کے باوجود بہت شرمندہ شرمندہ سا تھا۔

"قاسم خالی آپا تھا بڑی حویلی؟" وہ اس کی طرف جھک کر دیکھنے لگے۔

"نہیں" ہاری نے پھر جھرجھرا کہا۔

"یہ بھی بس چکر باز قسم کا بندہ لگتا ہے۔ ایڈیٹ" انہوں نے ریلوے کیس کھول کر جانے کیا ڈھونڈنا شروع کیا۔

"ادھر حویلی میں تو بہت ٹینشن ہوگی؟" انہوں نے ایک دم پلٹا کھایا تھا مگر ہاری ہر قسم کی صورتحال کیلئے تیار بیٹھا تھا۔

"جی اس نے پرسکون انداز میں جواب دیا اور انجان بننے کی معمولی سی بھی کوشش نہیں کی۔

"شوٹ کرنے کا پروگرام ہے یا کچھ رعایت ہے؟" وہ ایک فائل نکال کر دل کا نظارت اس میں کھول کھول کر دیکھنے

لگے۔

"یہ تو بہت پر تکلف ہے۔ کیا کہہ سکتا ہوں" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

"تم سے کیوں اتنی ناراض ہے؟" وہ یکدم سنجیدگی سے ایک دم کام سے جڑ گئے۔

ہاری خاموش رہا۔

"کیا تمہیں علم تھا کہ وہ یہاں ہے؟ وہ تمہیں بتا کر آئی تھی؟" تیمور علی خان بہت سرگرم تھے۔

"نہیں۔ مجھے علم نہیں تھا۔ مجھے فضولی سے پتا چلا تھا" ہاری نے بڑی متانت سے جواب دیا۔

"فضولی سے" وہ چونک پڑے۔

"کیا بتایا تھا فضولی نے؟" ان کی آنکھوں سے یکلخت طرح کی تپش چھلکنے لگی۔

"وہ لنگ راستے پر جانے کیلئے اصرار کر رہی تھی۔ پھپھی اماں نے پاس کی تھا مگر ہاری میں بیٹھ کر ہاری کے کان میں بولا

بولا رہی تھیں۔ پھر بڑی حویلی کا پوچھنے لگیں کہ وہاں ان کے ہم عمر بچے ہیں یا نہیں۔ میں نے کہا کہ وہاں آپ جیسے بچے ہیں

ہیں۔ سب سے بڑی تو بیگم صاحبہ کی بیٹی جیسے ہیں۔ میں نے ان کا بتایا کہ وہ کیسے ہیں کیا کرتے ہیں۔ پھر کہنے لگیں

وہ یہاں آئی ہوئی ہیں اور بچے گیسٹ روم میں ہیں" ہاری نے تفصیل سے جواب دیا۔

"یہ وہ لنگ کی بیٹی کیا کھا اس نے؟" اسے "فخر" انہوں نے فون بند کرکے ملازم کو بلایا۔

تھوڑی دیر بعد مصطفیٰ خان اندر داخل ہوا۔

"مصطفیٰ خان فضولی کو ساتھ لے کر آؤ"۔

وہ کل خاموش ہو گئے تھے۔ اور وہ کی آواز خاموشی کا بھاؤ چیرے ہوئے

تیز چیخ کے رونے لگے بعد مصطفیٰ اندر داخل ہوا۔ تیمور علی خان نے مصطفیٰ خان کو اشارہ کیا

میں ہوا۔ حفاظتی ہاری کی کرسی کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"فضولی ہے؟ آپ وہ لنگ کی بیٹی سے کہاں ملی تھیں؟"

"گھنٹوں پہلے۔ پیٹ بال اوان (گھنٹے پہلے یہاں)" وہ حیرت سے باپ کو دیکھنے لگی۔

"حیرت دم ہیں؟"

"ہو۔ ان شاء اللہ"۔

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ وہ لنگ کی بیٹی ہیں انہوں نے خود بتایا تھا؟"

"انہوں نے بتایا تھا۔ وہ بڑی حویلی سے آئی ہیں۔ آئی ایم ہیلپ ٹو دی ارمانی کزن۔ پھر پتا چلا کہ وہ وہ لنگ کی

بیٹی ہیں۔ فی الحال ارمانی ہیلپ ٹو دی ارمانی کزن؟" وہ الجھ گئی تھی۔

"ہیں۔ یہ گے ہے۔ وہ آپ کی کزن ہی ہیں اور کیا باتیں کی تھیں ان سے؟" تیمور علی خان کے لہجے میں اچانک سرد مہری

در آئی تھی۔

"وہ مائی سوئٹ پاپا۔ مجھے نے ان سے بات ہی کہاں کرنے دی بلکہ یہ بھی کہا کہ ان سے آکھ ہاں اور بات کرنا

ورنہ آپ ہم سے ناراض ہو جائیں گے" اس نے اسے تے ہوئے بتایا۔

تیمور علی خان ایک دم کوفت زدہ ہو گئے۔ ہاری پاؤں کے انگوٹھے سے کارپٹ مسلنے لگا۔

"اٹی مسٹک وہ یا ہم جائیں" وہ دونوں کو یکدم خاموش دیکھ کر قدرے سہمی ہو گئی۔

"ہاں"۔

"پاپا ٹیچر کزن کا نمبر کیا ہے" وہ جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

"وہ ٹھیک" تیمور علی خان نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"پاپا جانی" وہ بھاگتے ہوئے ان ہاری کے پاس آئی اور دونوں ہاتھوں کی رکاب بنا کر ہاری کے کان میں بولی۔

"مت ازے جوت چاہیں" ہاری نے مسکرا کر اس کے سر

پر ہاتھ پھیرا۔ گویا مطمئن دلایا۔ فضولی واپس چلی گئی۔

"ہاری تم نے جواب نہیں دیا۔ تم سے کتنی ناراض ہے؟ اور اتنی محبت سے کیا بات کرتی تھیں بھوڑا اللہ۔ ہاری تمہیں کسی

چڑیل کی لگی۔ کیا وہ بڑی حویلی کی اسے سٹریا نہیں پڑتے ہیں"۔

"نہیں تھیں" ہاری نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

"کتنے اس دے کا اپ پیشو کہتے ہیں" تیمور علی خان غور سے (Aghaahm) یعنی کی اپ شن کی ایک

لگی اندازے۔

"اب تم ہی اسکا لیے کر لیے کہ یہ اپنی پسند کی اور بڑھ کر کوئی اور بات جس کے سبب وہ قریب آ سکتی اور تم

اظہار کر سکتے ہو۔ اور تم قریب بھی آ سکتے ہو گے۔ وہ کیوں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اور یہ بھی کہ اس سے انجانی توقع کرتی ہے

الجھا ہے"۔

www.Parsociety.com

ہارنی اس قدر لاعلمیہ شاید کبھی ہوا ہوگا۔ تیمور علی خان کی آنکھیں اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھیں اور وہ خاموش ہو کر رہ گیا۔

"کاکا جان! مجھے میری طرف سے تو کوئی بات ہی نہیں کہنی ہوتی۔ یہ تو سراسر تحائف کی فہرست ان کی جانب سے ہوتی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ وہ یہ تحائف ان کی طرف سے معلوم ہوں۔" ہارنی نے بڑے سلیقے سے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔

"پھر اس کے بعد کاکا جان! مجھ سے پوچھیں گے۔ میرے لئے دوست حاصل کرنا آسان ہوگا۔" تیمور علی خان چند لمحے اس کی جانب دیکھتے رہے۔

"پھر تم آج بڑی حویلی مت جانا۔ ہم ماما صاحب کو بلوا لیں گے۔ یہ بھی اچھا ہوا ہے کہ ہمیں بڑی حویلی کی ضرورت ہے۔ تم سمجھ رہے ہو ناں؟"

"جی۔۔۔ جی۔ بہت اچھی طرح۔" ہارنی نے جلدی سے تائید کی۔

"ٹھیک ہے پھر گھڑی چلتے ہیں۔ بعد میں بات ہوگی۔" تیمور علی خان بیڈ سے اترتے ہوئے گویا اسے بھی اپنی طرف کھڑا ہوا۔

باہر وہ دروازے پر دستک دینے ہی والا تھا کہ آواز آئی تھی۔

"کیا کر رہے ہیں؟" وہ وہیں دروازے پر رک کر پوچھنے لگی۔

دوست یہ کیوں ہے یہ کیا ہے؟ مجھے کچھ سوچنے دے
ہر طرف حرص و ہوا ہے مجھے کچھ سوچنے دے

"سوچ رہے ہیں بھائی۔"

"آپ کے دوست سے میری علیک سلیک ہو چکی ہے۔" بھائی کہہ کر ہارنی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

ہم کو یہ کب تھا پتہ گلیں فنا شاعر بھی ہو ناکامی
اب سمجھ تو جس بھی دیکھا سمجھنے تھے معقول میاں

رشتے تو ایک بار ہو جاتے ہیں اور ان ہو جاتے ہیں۔ کیا سمجھائیں اور کتنا سمجھائیں۔"

وہ الجھ کر رہ گیا۔

"یقین کریں جب بھی آپ کو دیکھتا تھا تو یہی ذہن میں آتا تھا کہ آپ بہت سیدھی سادگی سمجھ نہ کرنے والی ہیں۔ وقت سے حوصلے کے ساتھ نکلنے والی ہیں۔"

"چلانے کی ضرورت نہیں اس طرح آپ کے لئے معاف نہیں ہو سکتا۔" وہ تلخی سے کہتے ہوئے ایک کرسی پر براجمان ہو گئی۔

"آپ کو ہمارے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ہم اس میں کیا کر سکتے تھے۔ آپ نے ہی ہمیں بتایا تھا۔"

کوئی نہیں بھی یہ سمجھا اس پہ دل کیوں رکھ گیا
بھی پتا نہیں کیا سبب کہ لے کے ملال سے پھرتے ہیں

"ہاں یہ تو ہماری غلطی تھی۔ وہ اسی سے کرتے۔" ہارنی مسکرایا۔

"اس بے ہودہ مذاق کی وجہ سے آپ کی ماں کو ہارٹ اٹیک آیا تھا۔ بہت خطرناک ہارٹ اٹیک۔" ہارنی نے خوفناک کہا۔

"کیا؟ کیا ہوا؟" ہارنی گھبرا گیا۔

"کیوں اداکاری ہے؟" ہارنی نے آج کیا تھا تو اس کا تمسخر اڑایا تھا۔

"پہلے سے بہت دکھی ہیں۔ بہت بڑے گل میں۔" ہارنی کے لہجے سے کرب چھلکنے لگا۔

"آپ سزا کی حقدار ہیں اس گھڑی میں ہر شخص ہے
چاروں کھونٹ گھومے ہیں کر کھوٹ اندھیرے پھرتے ہیں

"اچھی لائن ہے۔ اچھا شعر ہے۔" ہارنی مسکرا دیا۔ گویا اسے بھی گویا ہونا تھا۔

"ہوں۔" ہارنی نے آہ بھری تھی کہ وہ اسے دیکھ لیتیں۔

"کیا کام ہے اس جگہ؟"

"یہ ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں سے ہر چیز صاف دکھائی دیتی ہے۔ اچھی بھلی کھلی ہوا ہے۔ بارش بھی خوب ہوتی ہے۔ بجلی بھی کڑکتی ہے۔ ایک مرتبہ یہاں آ جائے۔ پھر اس کا کہیں اور دل نہیں لگ سکتا۔ سب کی تو نہیں مگر کچھ لوگ ہیں جو یہاں آ کر کھو جاتے ہیں۔ ہر چیز میں ایک ایک شعر دیکھنے لگتا ہے۔

"کیوں گئے تھے وہاں سے؟ جبکہ آپ کا تو سب کچھ وہیں ہے۔" وہ تلخ ہوئی۔

"کچھ پانے کی سزا پانے ہوتے ہیں۔" وہ ہنس دیا۔

"کب ختم ہوگی یہ؟" وہ باہر دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"موت پہ۔" وہاں سے بڑا سا جواب آیا۔

"خودکشی کیوں نہیں کر لیتے آپ؟" وہ طیش میں آ گئی تھی۔

"خودکشی کرنے والوں کا مستقبل کیا ہوتا ہے
چند انگار کے بیکار بکھر جاتے ہیں

ہارنی نے پھر شاعرانہ انداز میں جواب دیا۔

"آپ کا دل بھی نہیں چاہتا کہ کبھی وہاں جائیں۔ میں نے تو سنا ہے آپ کو اس گھر سے بہت پیار ہے۔ کیا ہوا ہے؟ اتنا اچھا تھا وہاں آپ کا گھر بھی وہاں۔۔۔" بات کے سوال ختم ہونے سے پہلے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

www.Paksociety.com
www.parsociety.com
www.Paksociety.com

ایسی فضاؤں میں سرد شت خواہش

اس واسطے ٹھہرا ہوں کہ کس واسطے گھر جاؤں

"وہاں جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے جانا نہیں چاہتا"۔ وہ بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اگر وہ مجھے کھا لی گی ناں تو میں اس کا گلا دبا دوں گی۔ زخمہ الفاظوں سے کھیلتی پھرتی ہے۔ لگتا ہے کوئی کام ہو۔ اس نے آپ پر"۔

"آپ باتیں کریں گی؟" عارف یوں بولا جیسے اس کی بات ہی نہیں سنی۔

"ہوں۔ آپ کی اماں کو بھی کرا دیا تھا۔ بے چاری کچھ کھاتی ہی نہیں ہیں۔ پریشان کر کے رکھا ہوا ہے ان کو اس لڑکی نے۔ آپ کو ترس بھی نہیں آتا ماں پر"۔ وہ بڑبڑائی۔

"ان کے سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں۔ بہو ہوتی تو ہزار باتیں سنا کر ایک روٹی کھلاتی۔ یہی تو فرق ہوتا ہے بیٹے اور بہو میں۔ ان کی ناقدری نہیں کرنی چاہیے"۔ عارف نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"یہ خیر آباد کہاں ہوتا ہے عارف بھائی"۔ وہ اچانک کسی دھیان سے چونکی۔

"سرحد میں ہوتا ہے۔ خیریت؟" عارف کی مسکراہٹ میں حیرت بھی تھی۔

"یونہی پوچھ رہی تھی۔ کیا کاؤں محل بھی ہوتے ہیں؟" وہ پھر سے کھو گئی۔

"ہاں! محل جیسی حویلیاں ہوتی ہیں"۔ عارف نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی۔

"آپ جاتے تھے حویلی میں اس کے پاس۔ آپ کو کوئی روکتا نہیں تھا؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں! ہم تو سمجھیں راجے ہی ہوں گے۔ آ۔۔۔ کہاں تھے۔

اس حویلی میں اتنے پھول ہوتے تھے کہ حویلی پھولوں میں چھپ جاتی تھی۔ اور ان پھولوں کے درمیان بھولا بھولا سا وہ۔۔۔ سے حسین چہرا کھو گیا۔

"وہ کون آدمی تھوں؟" یاور علی کہہ رہی تھی۔

"اس کا نام مظہر ہے بھائی۔ محبت کے گیت چھیڑنے والی"۔

"زہر گھول دیا ہے اس نے آپ کی زندگی میں"۔ وہ بولی۔

"عارف خاموش رہا۔ بالوں میں خاموشی سے انگلیاں ہونے لگی۔

"میں سوچ رہا ہوں، آج غلام محمد کے پاس جا کر اسے سمجھانے کی کوشش کروں۔ پھر آپ کو وہاں چھوڑ آؤں گا۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو"۔ عارف نے موضوع غیبت جان کر موضوع بدل دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں آپ کو وہاں جانے کی۔ پہلے میرے حساب کتاب چھوڑ کر جائیں۔ میرے نقصانات کا کیا ہوگا۔ کیا وہ آپ کی آسانی سے معاف کر دوں گی؟" وہ تلخ ہو کر بولی۔

"یہ بھی زیادتی کی حد سے تجاوز ہے۔ ضرورت کیوں نہیں کر رہیں؟ ہو سکتا ہے اسے کوئی ضروری کام ہو"۔ عارف نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ہاں، ہاں آپ تو ہمیشہ اسے ترجیح دیں گے۔ ہم تو ہیں ہی کچھ نہیں۔ کوئی ضروری کام نہیں ہوگا"۔ اس نے جھٹکے سے کہا تھا۔ عارف نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ آج کل اس کا مزاج ہی ایسا ہو گیا تھا۔ ہر وقت الجھی الجھی سی۔ ہر وقت روٹھی روٹھی سی۔ عارف کے علاوہ دوسری ہستی ایسی تھی بھی نہیں۔ اس کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ صبح کے ناشتے سے لے کر رات کے کھانے تک وہ اس کی خدمت میں حاضر رہتا۔ اس کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کا خیال رکھتا۔ اس کی ہر فرمائش پوری کرتا۔ اس کی ہر خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتا۔ اس کی ہر بات مانتا۔ اس کی ہر ضد پوری کرتا۔ اس کی ہر خوشی کا خیال رکھتا۔ اس کی ہر اداسی کو دور کرنے کی کوشش کرتا۔ اس کی ہر تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا۔ اس کی ہر پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھتا۔ اس کی ہر بات کو اہمیت دیتا۔ اس کی ہر رائے کو فوقیت دیتا۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرتا۔ اس کی ہر ضد کو پورا

"ماہین۔ آج کے بعد تم کبھی مجھ سے روشی کا ذکر نہیں کرو گی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ۔۔۔ آخر۔" وہ بولتے بولتے رکنے لگی۔

"میں سوچ نہیں سکتی ہوں ماہین" تمام عمر دوسروں کے پھیلائے ہوئے کوڑے کرکٹ سمیٹتا رہوں۔ مالیا ہے میرا دماغ ان۔ نکال دیا ہے اسے دل سے بھی۔ دماغ سے بھی۔ تم اپنا خیال رکھنا۔ ہو سکا تو آؤں گا۔ خدا حافظ۔"

ماہین ریسیور ہاتھ میں تھامے خاموش سی بیٹھی رہ گئی۔ اب تک کی بات چیت سے جو تاثر اس کے ذہن پر ابھرا تھا وہ یہی تھا کہ یاور علی خان اس وقت غم سے چور چور ہیں۔ واقعی کتنی بری بات ہے۔ مجھے ایسے میں ان کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ اس نے بڑی شرمساری محسوس کی۔ ان پر اتنی بڑی آفت ٹوٹی ہے کہ ان سے جو سرزد ہو کم ہے۔ اپنی اسٹڈی کے احساس کے علاوہ مجھے کچھ یاد ہی نہیں رہا۔

"خدا معلوم وہ کیا کیا۔ اور کس کس انگل سے سوچ رہے ہوں گے۔

"ماموں جان تو خیریت سے ہیں ناں ممانی جان؟" عشنا نے اخبار نیچے کر کے ماہین کو گم صم بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔

"آ۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہ ٹھیک ہیں۔ باقی سب کہاں ہیں عشنا؟"

"کچھ تو معمول کے مطابق کالج اور کچھ حالت سوگ میں اپنی اپنی ماؤں کے پاس۔" وہ اخبار تہ کرتے ہوئے بولی۔

"خدا نہ کرے سوگ ہو۔" ماہین کو ان کا جملہ نہایت ناگوار گزرا۔

"اور کیا نام دیں۔ آپ ہی بتائیں؟" وہ کہاں ہار ماننے والی تھیں۔

"بے نام سے رشتے روشنی (اس قصے کو نام دینے سے کوئی فائدہ تو ہوگا نہیں۔"

"ماموں جان کیا کہہ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا تھا ناں کہ کیا کر رہے ہیں۔ روشی کیلئے؟"

(ایک تو اس گھر میں کوئی اپنے میاں سے بات بھی نہیں کر سکتا فون پر) ماہین کی جان جل کر رہ گئی۔

"ہوں۔۔۔ کہہ رہے تھے کہ کر رہا ہوں کوشش۔" اس نے جواب دیا اور تیزی سے باہر نکل آئی۔ مبادا کوئی اگلا سوال آ جائے۔

روشی ہر ہر دستک پر چونک پڑتی تھی۔ ایک ذہنی خلفشار سے مسلسل گھرے ہوئے تھا۔ کہ ابھی ابھی فون آیا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا کہ کاکا جان اس سے کیا کچھ پوچھیں گے؟ اور وہ انہیں کیا جواب دے گی۔ جواب نہ دینے کی صورت میں ان کا اضطراب و ردعمل کیا ہوگا؟

"کیا وہ انہیں سب کچھ بتا دے؟ مگر کس طرح؟ کن الفاظ میں؟"

وہ کبھی اس کروٹ لیٹتی تھی تو کبھی اس کروٹ۔ سر الگ دکھ رہا تھا۔

اسی دم دروازہ پر دستک ہوئی۔ "روشانے"۔

"آ جائیں کاکا جان" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

چوہدری خاندان کا ہر فرد مجھے آنے والی اس کی خطر ناکی سے بخوبی آگاہ تھا۔

"کھانا کھایا؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ شاید فائل پڑھ رہے تھے۔

"بھوک ہی نہیں تھی۔" اس نے نظریں چرائیں۔

"بچے کیا کہہ رہے تھے؟ کیا پڑھائی کر رہی ہو؟ بھوک خاک لگے گی۔ چلو تھوڑا سا کھا لو۔" انہوں نے حکم کیا۔

"آپ فکر نہ کریں میں تھوڑی دیر میں کھا لوں گی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"نوج سے جن نے کے ہاتھ کھاؤ گی؟"

"وہ۔۔۔ میں کھا لوں گی۔" اس نے مدھم سے انداز میں کہا۔

"طبیعت کیسی ہے اب تمہاری۔ کمزور نہیں ہو رہی؟۔۔۔ اگر ایسی ہو تو بتا دینا۔" انہوں نے فائل کی اوپری شیٹ سے چھوٹا سا فائل نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے فائل سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں ذرا جلدی میں ہوں۔ صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ تم نے اپنے اور باری کے ساتھ یہ سوگ کیوں کیا۔۔۔؟" وہ اس کے سامنے بیٹھ چکے تھے۔ "یہاں بھی مجھے تم سے بہت کچھ پوچھنے آنا ہی تھا۔ تمہیں اندازہ ہے یونائیٹڈ عربیہ میں کتنا ایشو ہوگا۔ بہرحال میرے پہلے سوال کا جواب دو۔"

روشی خاموش رہی۔

"مجھے اپنے سوال کا جواب نہ پا کر بہت غصہ آتا ہے روشانے۔" ان کی آواز میں تنبیہ آ گئی۔

"اس وہ ایسے ہی غصہ آ گیا تھا کاکا جان؟" وہ بہت پست آواز میں بولی۔

"آئندہ ایسا غصہ آنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے ہی بچوں جیسی ہوا کرو۔ مجھ سے اور بھی کے ساتھ ایسا کیا کرو۔"

"وہ مجھے سمجھا رہا تھا۔" سوچ سوچ کر جواب ہو جھ گیا۔

"اگر میں سمجھاؤں تو کوئی چیز میرے ساتھ ہوگی؟" وہ اسم ہوئے۔

"کاکا جان۔۔۔ پلیز۔۔۔ آپ خود کو اس سے کمپیئر نہ کریں۔" وہ خفیف سی ہو گئی۔

"کیا بات تھی؟" ان کا انداز مختصر تھا۔

"کچھ" وہ بولی۔

"ہرگز ہرگز یہ بات نہیں ہے۔ میری سمجھ داری سے بات ہوئی ہے۔ اگرچہ اس نے مجھے کچھ بتایا نہیں مگر میں اندازہ لگا سکتا ہوں۔ اس نے جواب دیا اس سے اندازہ ہوا کہ بات عام نہیں ہے۔ عام ہوتی تو فوراً بتا دی جاتی۔ روشانے اپنی برداشت داری عادت نہیں ہے۔ اس لئے زیادہ دیر آزماؤ۔ ہم ابھی اسی وقت نہیں ہوئی ہوں گے۔ آئندہ ایسا۔" ان کا لہجہ اچانک سرخ ہو گیا۔

"کاکا جان! میں ہوسپٹل جانے کو تیار ہوں۔ بس میری اتنی سی مدد کر دیجئے کہ ہم کسی کو بتائے بغیر ہی چلے جائیں۔"

www.Paksociety.com

شادی کا سلسلہ رک جائے۔ میں اپنی اور ہر طرح کے بدسے سلوک کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"بس سویا کرو۔ تمہیں بھی سپورٹ کے لئے تیار ہیں۔"

"بھی ایسی بات ہے کا جان کہ میں اس رشتے سے خوش نہیں ہوں۔ بس اس نے ہاں کی بھی۔

"خوش نہ ہونے کی وجہ آخر معقول رشتہ تو کسی کی کوشش ہے۔ ہر طرح سے بلیسڈ رہو گی۔ دولت کا بھی انبار ہو گا۔"

"مجھے قیم پسند نہیں۔ بالکل گاؤدی کا کا جان۔" وہ پھر رو دی۔

"ہوں۔" تیمور علی خان گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"تمہارے پاپا کیا کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمہارے پاپا تمہاری اسٹیپ مدر کے ساتھ اس موضوع پر بات ہوئی؟"

(ابھی ابھی کا کا جان کہتے اپنے آپ سے لگ رہے تھے اور ایک دم کتنے غیر اور اجنبی سے لگنے لگے تھے۔)

"جی۔۔۔ ہوئی ہے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"روشانے! تم اس خاندان کی واحد لڑکی ہو جو اپنا اختیار رکھتی ہو۔ اور ہمارے ہاں یہ اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے باوجود ہم تمہارے ساتھ کوئی "مس بی ہیو" نہیں کر رہے۔ سب لوگ مسئلے حل کرتے ہیں۔ تمہاری دوسری شادی کا بھی کوئی نہ کوئی۔۔۔"

"شاید۔" وہ اداسی سے بولی۔

"شاید کیا؟" انہیں اس کا "شاید" نہایت بھاری گزرا۔

"میرا مطلب ہے۔ کچھ ہوا تو نہیں۔" وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔

"ہوں۔ خیر۔ تم کھانا کھاؤ۔ پھر بات ہو گی۔" وہ جانے کیا سوچ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یا اللہ۔۔۔" پھر اس نے کچھ تہیہ کر کے سانس لیا۔ "غلطی تو خیر میری ہی ہے میں یہ بات آگے بڑھاتی ہی کیوں۔ پھر آئے ہیں۔"

تیمور علی خان اسے کھانا کھانے کی تاکید کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔

تیمور علی خان اسٹڈی میں خاصی دیر تک ٹہل ٹہل کر کچھ سوچتے رہے۔ بالآخر ایزی آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ ٹیلی فون اپنے سامنے کھسکا کر ایک نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا کر گھنٹی کی پشت سے ٹالی۔

"ہیلو۔"

"جی۔۔۔ میں بول رہی ہوں۔" بلکہ سے ان کا مدعا سمجھنے میں دقت نہیں ہوئی۔ اس لئے دوسری گھنٹی پر ہی کال ریسیو کر لی گئی۔

"ہاں بی بی کیا خبر ہے؟"

"بی صاحب۔ آپ کے بارے میں ہیں۔" دوسری طرف سے جواب آیا۔

"میں کے بارے میں۔ خان صاحب کا بیٹا کون ہے۔" وہ بہت آہستہ سے بول رہے تھے۔

"آپ خبر ہی لے۔ میں بتا کر ڈراتی ہوں۔" بلکہ کی اپنی ذاتی علت تھی۔

"میں تمہارا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔"

"بیٹا۔۔۔ ہاں کی خبر ان پڑھان آدمی میں کی سماعت سے ٹکرائی۔"

"السلام علیکم۔ ہم تیمور خان بات کر رہے ہیں "ہمارے" سے۔"

"جی۔" ہاں کو جیسے اچھا خاصا "کلو" کہہ لیا تھا۔

"اس نے وہی کہا جو ہم نے اسے کہا۔ اب آپ ہماری بات غور سے سنیے۔ ہماری آپ کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر سچ یہ ہے کہ آپ ہمیں جانتی ہوں گی۔ خان صاحب کے چھوٹے بیٹے اور بیٹیوں میں ہمارا چوتھا نمبر ہے۔ ہمارے خیال میں اس سے زیادہ تعارف کی ضرورت نہیں۔ آپ سن رہی ہیں؟"

"جی۔۔۔ جی میں سن رہی ہوں۔" وہ جیسے چونک کر بولی۔

"ہماری اس لیٹر تک گفتگو کا ذکر بھی آپ کسی سے نہیں کریں گی۔ اس سے بہت سے لوگوں کو خواہ مخواہ آرام ہے گا۔ بات صرف یہ ہے کہ ہمارے خاندان پر روشنی کے پاؤں بہت دیر سے آ چکا ہے۔ ہم اس سلسلے پر آپ سے بات چیت کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"جی۔۔۔ ضرور کیجئے۔" وہ روشنی کے ذکر پر اس کے سامنے خواہ مخواہ جھک گئے۔

"آپ کی اور اس کی کتنی انڈر اسٹینڈنگ ہے؟" وہ گویا ہوئے۔

"بہت اچھی۔۔۔ ہم بالکل دوستوں کی طرح ہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"گڈ تو نہیں۔ اگر ایسا تھا تو یہ سب کیوں ہوا؟" ان کا انداز قطعی تھا۔

"اسے اچھر سارے دشمنوں کی موجودگی میں پیرا کیا تھا تصفیہ کیا کرتا؟" اس نے وضاحت کی۔

"آپ اپنے بیٹے کو اچھی طرح جانتی ہیں۔ کام آسان ہو جاتا۔" وہاں سے دلیل آئی۔

"میں نے کوشش کی تھی۔" وہ ہمدردی کے انداز سے بولی۔

"کوشش کی تھی یا مکمل کر لینے کی تھی؟" وہ اجنبی روکھے انداز تھا۔

"کوشش پہلے ہوتی ہے۔ مکمل کرنا بات کرنے کی نوبت بعد میں آتی ہے۔" وہ بولی۔

"ہم کو مکمل کرنا بات کرنے کی نوبت ہی نہیں آنے دی گئی؟ کیوں۔۔۔؟" وہ گویا ہوئے۔

"جی۔۔۔ جی۔ آپ ٹھیک سمجھے۔" وہ تیز کی سے بولی۔

"جی کوئی وجہ ہے کہ آگے بڑھنے کی نوبت ہی نہیں آئی؟" وہ بین تیور سے تھے کا جواب مانگ رہے تھے۔

مایوس گزیدہ کر رہ گئی۔ وہ وہاں کہہ بھی کیا سکتی تھی۔ خاموش تو کر رہ گئی۔

"دیکھیے ہماری سیکیورٹی یہاں والوں سے تھوڑی سی مختلف ہے۔ آپ ہم پر بھروسا کر سکتی ہیں۔ ہم اپنے معاملات میں کسی باہر کے آدمی کو دخل نہیں دینے دیتے۔ ہم اپنے معاملات میں ہم سے زیادہ باہر کا کوئی نہیں ہو سکتا۔"

وہ کہہ رہے تھے "ہو سکتا ہے انہوں نے عام معنوں میں یہ بات کی ہو مگر مایوں کو لگا اس نے کچھ غلط سنا ہے۔"

"پلیز"۔

"جی — جی — سن رہی ہوں"۔

"وہ کیا بات ہے جس کو سمجھانے کا ہر طریقہ ہی نہیں آ رہا؟"

"اب کیا فائدہ ہے جس کی بات ہے جب وہ ہی نہیں"۔ مایوں آزردگی سے گویا ہوئی۔

"وہ ہماری حدود سے دور کہیں بھی نہیں جا سکتی۔ ایک دن لاکھڑا کریں گے وہ آپ کے سامنے"۔

"کیا وہ آپ کے پاس موجود ہے؟" وہ ایک دم مضطرب ہو گئی۔

"یہ بات پھیلانے والی تھی؟ ہم نے کہا ناں وہ ہماری رینج سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ معاملہ مکمل طور پر ہمارے ہاتھ میں ہو اور جب وہ ہمارے اختیار میں آ جائے تو ہم پورا ثبوت پیش کر سکیں۔ سمجھ رہی ہیں ناں آپ؟"

"جی ہاں"۔

"جی — تو وہ سمجھ کیا ہے؟"

"وہ — وہ اصل یہاں شادی پر رضامند نہیں ہے"۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں علم ہے — اصل مسئلہ ہے کہ اس کی کس سے کٹ مٹ ہے؟" انہوں نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"کٹ مٹ تو نہیں کہہ سکتے"۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی "مگر اس بات کی کیا فضیلت ہے کہ یہ بتا کر آپ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"۔ وہ آہستگی سے پوچھ رہی تھی۔

"حمود علی خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "امید ہے آپ ناکہ نہیں کریں گی۔ وہ آپ سے زیادہ ہماری ہے"۔

"لیکن آپ کے ہاں عزت تو وہ ہماری خاطر ہے نا تو ان کو عزت کرنے کی وہ وجہیں بھی موجود ہیں"۔ اس نے اصرار کیا۔

"حالات و ماحول بہت تبدیل ہو چکا ہے۔ ہم نے آپ کو زبان دی ہے۔ ہماری زبان ریاست کی زبان ہے"۔ اس کے لہجے میں آنچ آنے لگی۔

مایوں پھر بھی خاموش رہی۔

"بولیے — وہ آپ بات کر رہی تھیں کہ کٹ مٹ نہیں ہے۔ پھر کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے آپ شاکر ہوں گے"۔ وہ مسلسل ہچکچا رہی تھی۔

"بولیے"۔ حمود علی خان کے لہجے سے خاصا برہمی کا عنصر نمایاں ہو رہا تھا۔

"وہ — وہ اپنے ٹیبل کی شیٹ پر ہاری ہوئی ہے"۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"وہ — وہ اپنے ٹیبل کی شیٹ پر ہاری ہوئی ہے"۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

وہ پریشان سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ مایوں کو سنا آ رہے تھے۔

"پلیز"۔ وہ تو خاموش ہو گئی۔ اس مہربان کی آواز ایک دم سپاٹ تھی۔

"جی"۔

"ہماری اور آپ کی سمجھنے کا فرق اور کسی کنفیوژن ہونا چاہیے۔ یوں سمجھ لیجیے۔ یہ روشی کے لیے بہتر ہو گا۔ یہاں تک کہ یہ بات کسی کو بھی نہیں۔ اوکے۔ خدا حافظ"۔

مایوں بیچارگی کے عالم میں خاصے گم صم سی بیٹھی رہ گئی۔

"آپ کے بیٹے سے نون آیا تھا بی بی"۔ کلو اس پاس ہی منڈلا رہا تھا۔

"ہاں — تم نے کام کر دیا؟ تم نے کیا بات کہنا ہے؟" وہ الجھے ہوئے انداز میں بولی۔ بات تو ہو گئی تھی۔ مگر وہ الجھن میں پھنس گئی تھی۔

"کیا میں نے ٹھیک کیا؟ روشی کے بچاؤ کا اختیار کر کے کہیں میں نے کچھ غلط تو نہیں کر دیا ہے"۔

"مگر ان کے علم میں کیسے لایا جا سکتا ہے؟ وہ اگلی دو ہفتے کریماں کے طوفان کو محسوس کر رہے ہیں۔ وہ، کو دیکھے بے حس اور ادھ گرہیدہ ہو گئے ہیں؟"

وہ خود کو پرسکون کرنے کی کوششیں کرتی وہیں ہال میں بیٹھی رہی اور بیٹھی رہی کی واردات گزرتی ہوتے گئی۔

اون کی کنڑاکشن کی جا چکی تھیں۔ ہاری نے کھڑکی کی سمت دیکھا۔ وہ روشی ہو چکا تھا۔ اس نے اٹھ کر اون اٹھا کر کوٹ میں ڈالی۔ اور آہستہ سے دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا۔

"گیسٹ روم کے دروازے پر دستک دی۔

"دروازہ کھلا ہوا"۔ روشی کی تھکی تھکی سی آواز آئی۔

وہ اندر داخل ہو گیا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

روشی آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی۔ اس نے پوچھ کر بازو آنکھوں سے ہٹایا۔ پھر جواب کچھ نہیں دیا۔

"کل ہوٹل والا جا رہا ہوں۔ کچھ پیغام ہو تو وہاں کہلوا دیں"۔

"اگر تم نے وہاں جا کر بتانا ہے کہ میں یہاں ہوں تو اچھا نہیں ہو گا"۔ وہ غرائی۔

"تم کہاں کہاں گئی ہو گی؟" ہاری نے غور سے اسے دیکھا۔

"کہیں — وہ جب تک بری نہیں ہو گی وہ کہیں نہ کہیں ہے"۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.paksociety.com

"اوہ"۔ باری کے منہ سے اچھا بھلا انداز میں آواز نکلی۔

"پھر کب تک یہاں رہنے کا ارادہ ہے؟" اس نے کہیں جانے کی کوشش نہیں کی۔

"جب تک کالا جان پا لیتا ہے اور معاملات میرے حق میں ہو جائیں۔ دوسری صورت میں اس مرحلہ آنے سے پہلے کہ کنوؤں میں پانس ڈالوائیں گے تو بھی نہیں ملوں گی۔ اب تم بھی جاؤ یہاں سے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے تو تمہاری ضرورت ہے دیکھنے کی"۔

"پہلے بھی کیا؟" وہ تڑپ اٹھا۔ "بہر حال میں اس وقت آپ سے لمبی چوڑی بات چیت کرنے نہیں آیا تھا اس آپ کی صحت سے معلوم کرنا تھی۔ دعا کرتا ہوں وہی ہو جو آپ چاہیں یقین کریں۔ مجھے آپ کے کچھ پر خوشی نہیں ہو سکتی۔

"آپ آرام کریں۔ یہی بہت ہے کہ کالا جان جیسے لوگ اور اسٹرک آپی آپ کو سپورٹ کر رہے ہیں۔ شب بخیر"۔

"باری"۔ اس نے بے ساختہ آواز دی

"جی؟"

"دیکھو۔ حویلی جا کر زیادہ ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو پھر تم سمجھ جانتے ہو"۔ اس نے گویا دھمکی دی۔

"پتا ہے مجھے۔ اور مجھ سے زیادہ آپ کو کوئی نہیں جانتا۔ یہ بھی پتا ہے۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

محمود علی خان اسٹڈی کے آگے بنی بالکنی میں چہل قدمی کی غرض سے آ کھڑے ہوئے تھے اور کچھ سوچ رہے تھے۔ باہر سے بات کرنے کے بعد تو انہیں مسئلہ سمجھنے میں کوئی دشواری ہی نہیں ہوئی تھی۔ مگر وہ لائحہ عمل ترتیب دے رہے تھے۔ گیسٹ روم کا دروازہ کھلا تو روشنی باہر تک آئی اور گھر سے باہر آنے والے کو پہچاننے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

بالکنی کی لائٹ آن تھی۔ وہ فوراً واپس اسٹڈی میں چلے گئے۔

اور واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور فوراً ہی فون پک کیا۔ سمندر خان کو ان سے پہلے سونے کی عادت نہیں تھی۔ فوراً ہی اندر آ گیا تھا۔ "خان"۔

"باری کو بھیجو ادھر اسٹڈی میں"۔ وہ جب سے رائٹر کے متعلق خواہ مخواہ شک کرنے لگے تھے۔ ان کے پیرے کے تاثرات تبدیل ہو رہے تھے۔

تھوڑا سا وقت بعد باری اندر داخل ہوا۔

"جی خیریت؟"

"ہاں ہاں۔ سب خیریت ہے۔ بیٹھو" انہوں نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کھانے کیا تھا؟" انہوں نے سگار کا کش لے کر دھواں کے مرغولے بنائے۔

"نہیں"۔

"پھر کیا کر رہے تھے؟"

"وہیں ہی کام کے سلسلہ میں۔ واقعہ۔ عادت ہے سونے سے پہلے کچھ پڑھنے کی۔ اور حویلی میں ہوتا ہوں تو تھوڑی بہت چہل قدمی کیلئے باغیچہ کا چکر لگا لیتا ہوں"۔

"سب ٹھیک ہے میں تمہارے یہاں؟"

"جی بالکل"۔

"اور پیکنگ کر رہے ہو؟"

"اجازت ہو۔ اگر بابا صاحب نے اجازت دی"۔

"تم تو جانے کا سوچ بیٹھے ہو۔ وہ کیوں جمع کریں گے؟ عین احتمال ہے وہ تمہیں بلا بھیجے اور بھی بھیج دیں۔ ہم تمہیں ہر صورت دیکھنا چاہتے ہیں۔ سوئیلی پیرٹ کی ضرورت ہوئی تو ہم بیٹھے ہیں ناں یہاں"۔ انہوں نے کچھ محسوس کیا۔

"ٹھیک ہے"۔ اس مرتبہ باری کچھ بول کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ محمود علی خان نے کبھی اس کی ذات سے متعلق اتنی تفصیل سے گفتگو کی ہو۔

"خیر یہ تو معمولی سی بات ہے۔ اصل بات کی طرف آتے ہیں"۔

"جی؟" اس بار وہ الجھن پریشان ہو گیا۔

"کل کیا دن ہے؟"

"جی۔ اتوار"۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔ کل تمہارا کالج ہے۔ بچی بتانے کیلئے ہم نے تمہیں بلایا تھا"۔

کوئی آسمان ٹوٹا تھا اس کے سر پر۔

"جی۔ کالا جان۔؟" وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

"وہ شاید یاور علی خان کے ساتھ۔ اور کچھ پاس۔۔۔؟" ان کا انداز حتمائی پر سکون تھا۔

"آپ پہلے میری بات تو سن لیں"۔

"سب سن لیا ہے۔ ہمارا اغوا ایک کمزور لڑکی پر ڈال کر بری ہونا چاہتے ہو؟" ان کا انداز سرسا ہو گیا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ اگر وہ میری وجہ سے کسی نقصان سے بچ سکی ہیں تو بدلے میں نقصان اٹھانے کو تیار ہوں۔ مگر مجھے بے قصور ثابت کرنے کی بات تو سنیں"۔ وہ بالآخر پریشان اور بولا۔

"تم خوش نہیں ہو۔ یاور علی خان کی اکلوتی بیٹی؟"

"اگر خود غرض ہے وہ یہاں تو اس وقت مجھے اتنا ہی کوئی ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ تک ہو چکا ان کا بھی نقصان ہو جائے گا۔ شاید اللہ کے سامنے قریبی رشتے ٹوٹ جائیں۔

www.Paksociety.com

ہاری نے تصویر کا دوسرا رخ دکھانے کی کوشش کی۔

"یہ بہت مشکل فیصلہ ہے۔" وہ مجروح گویا ہوا۔

"اسے بدل ڈالو ہاری۔۔۔" [illegible] "کسی کی [illegible] اس سے [illegible] نقصان ہو گا۔"

"وہ بہت جذباتی ہیں۔ میں نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی۔"

"تو اسے اس راہ پر لائے کیوں ہے؟" وہ اسی سے گویا ہوئے۔

"میں نے انہیں کبھی ان کے حوصلے بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے [illegible]۔۔۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ [illegible] تو یہ ہے کہ جنہیں آپ عزیز رکھیں وہ بھی ان کی بہتری سوچیں۔ سچ آپ بہتری حالت دار دیکھ چکے ہیں۔ اگر میں فرض کا مظاہرہ کرتا تو بڑی حویلی سے دھتکارا جاتا۔ میرا ساتھ اور میری حوصلہ افزائی بھی ان کے ساتھ ہوتی۔"

انہوں نے اتنی وزنی دلیل دی کہ تیمور علی خان جیسا "کو جیل بند" چکرا کر رہ گیا۔

"اچھی بات۔۔۔ ہمیں تمہاری بات پسند آئی۔

مگر فیصلہ ہو چکا ہے اب جو بھی مرحلے ہیں وہ تم ہمارے ساتھ طے کرو گے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ شاباش۔ یہ معاملہ نمٹ جانے دو۔ باقی تفصیل ہم تمہیں بعد میں بتا دیں گے۔"

ہاری نے بڑی مشکل سے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

سیاہ ماتمی گاؤن میں ملبوس تیمور علی خان کے لب گھنی اور کڑی براؤن مونچھوں تلے مسکرا رہے تھے۔

"کاکا جان! پھر سوچ لیں۔"

"سوچ تو ہمارا مرض ہے۔ بہت ہی فیصلہ کن قسم کے بندے ہیں ہم۔ برفانی علاقوں میں شکار کھیلتے ہیں۔ صرف ایک ویسٹ کوٹ پہن کر۔ جو ابھی تک نہیں کھلا۔ مگر زندگی جواری کی طرح گزاری ہے۔ [illegible] ہم بھی ہارے۔ البتہ ایک بازی ضرور ہارے ہیں مگر ہے اسی طرح جس طرح بیٹھے رہنے والے [illegible] ہیں۔ بیٹھنے والوں کو خوش ہونے دو۔"

"یہ تو [illegible] ہے کاکا جان" "تو پھر" "ٹھیک نہیں" ہاری نے صاف کہہ دیا۔

"یہی تو ٹھیک ہے جو ہوتا ہے۔ ہم جانے والے ہیں ہم راستے چھوڑ جاتے ہیں۔ [illegible] ہیں۔ ہم صرف کامیابیوں کو گنتے ہیں۔ خیر۔ تم آرام کرو۔ کل تمہاری زندگی کا اہم ترین دن ہے۔"

ہاری سوچوں کے ایک [illegible] سے باہر نکلا تھا۔

اس کی [illegible] آیا تو کہ۔۔۔ کس طرح خوش ہو۔ تیمور علی خان اس کی "ہاں" پر [illegible] ہو رہے تھے۔ یہ تو بہت بڑی بات تھی۔ وہ بھی اس کی ذاتی [illegible] کے بغیر۔۔۔ روشنی کو اطلاع [illegible] چھوڑ جائے گی۔

وہ بے حد [illegible]

"ہو سکتا ہے [illegible]"

[illegible]

[illegible] بات کر رہی ہے [illegible] اپنی حفاظت کرنے کے لئے بلا رہا ہے؟"

[illegible] مگر اب تو بات ہی اور ہے [illegible] حویلی میں ان کی [illegible]

[illegible]

ہو جاتی ہے۔

[illegible] ٹھیک ہے۔

"آپ تو بہت کچھ ہیں۔ ہم تو [illegible] آپ کو؟"

وہ ابھی میں آ گیا تھا۔ اور [illegible]

"کاش میں دیکھ سکتا [illegible]" وہ مسکرا رہا تھا۔

[illegible] بیٹھی۔

"السلام علیکم کاکا جان!" وہ تیمور علی خان کو [illegible] سامنے دیکھ کر [illegible] بیٹھی۔

"وعلیکم السلام [illegible] ٹھیک ہے؟"

"کیوں بلایا ہے کاکا جان! اب تو کوئی کام ہونے والا ہے۔" وہ [illegible] سے مسکرا دی۔

"اچھا تم [illegible] کوئی خبر آئے تو بتانا۔"

روشنی کا دل بیٹھ گیا۔ (کہیں بڑی حویلی سے تو نہیں)

"کیا ہوا کاکا جان؟" وہ جلدی سے چادر اٹھا کر [illegible] گویا ہوئی۔

"[illegible] وکیل ہیں [illegible] صاحب ہیں [illegible]"

(یا اللہ، کیا مصیبت ہے۔ ساری دنیا کی [illegible])

سے لگی۔ ساری [illegible]

"تمہارا نکاح ہاری کے ساتھ ہو رہا ہے۔ امید ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" [illegible]

[illegible]

انہوں نے اس کے سر پر [illegible]

"جی صاحب!"

☆—☆—☆—☆—☆—☆—☆

روشی اپنی جگہ دم توڑ بیٹھی رہ گئی۔ یوں لگا جیسے تمام حیات سو گئی ہوں۔

ایک کرسی کھینچ کر اس کے بیٹے کے نزدیک کر دی گئی۔

"بیٹی روشانے بہت یاد علی خان! تمہیں اس عمر قرنی سماعت سے بیس روپے عبدالباری بن عبدالعلی کے نکاح میں دیا جاتا ہے۔ قبول ہے؟"

تیمور علی خان اس کے برابر میں بیٹھ چکے تھے۔

"کہو روشانے" انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

روشی کو محسوس ہوا جیسے وہ بے ہوش ہو رہی ہے۔

"روشانے"۔ اس نے پھر کہا کانپاں گی آواز سنی۔

"بولو بیٹا"۔ قاضی صاحب کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

مگر وہ تو جیسے کسی خواب کے عمل میں تھی۔

کمرے میں اس قدر سناٹا طاری تھا جیسے وہاں کوئی نہ تھا۔

"بی"۔ وہ جیسے بہت دور سے بولی۔ یوں جیسے آواز کہیں بھٹک جانے کا خطرہ ہو۔

قاضی صاحب نے پھر اپنا فقرہ دہرایا۔

اس مرتبہ اس نے نسبتاً پرسکون انداز میں "بی" کہا۔

تیسری مرتبہ ہی الفاظ دہرائے گئے۔ اس نے جیسے اجالی دل و جان سے "بی" کہا تھا۔ اور اطراف میں موجود افراد کسی اور طرح کا کیا کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔

"مبارک ہو خان صاحب؟" اس نے قاضی کی آواز سنی۔

ذہن میں ایک دم دھماکا سا ہوا۔ ہیں — کیا واقعی یہ سب ہو گیا

تیمور علی خان نے اسے شانوں سے تھام کر اپنے سینے لگا لیا۔ اور اس کے سر پر انگلی سے ہاتھ رکھ دیا۔

گویا ایک دم سہارے ٹوٹ گئے۔ وہ ایک دم بے اختیار ہی ہو کر رو پڑی تھی۔ جانے کیا کچھ ایک قسم کی صورت اس کی نظروں کے سامنے متحرک ہو چکا تھا۔

تیمور علی خان اس کی پشت تھپتھپانے لگے۔ اور وہ بے ہوش ہو کر ان کی آغوش میں ڈھے گئی۔

باری بھی ان کھڑا زندگی میں ایک موڑ آنے والا اور سر سے پاؤں تک ہلا دینے والی تبدیلی پر گو اپنی سے سوچ بچار میں مصروف تھا۔

دوپہر کا کھانا سبھاؤں کے ساتھ کھاتے ہوئے اس نے بے ساختہ سوچا تھا۔ آج اس اہم ترین دن — اس نے کھانا کیسے کھایا ہوگا؟

یوں تو اسے بہت خوش ہونا چاہیے کہ اس انداز کی خوشی اس نے خدا سے خود مانگی تھی۔

"اچھا — تم یہاں کھڑے ہو۔ کتنے بجے واپسی کا ارادہ ہے؟" تیمور علی خان اچانک اس کی پشت پر آ کھڑے ہوئے تھے۔

"جی — ابھی اسی وقت ... آپ کے اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا" اس نے سراسیمہ انداز میں گفتگو کی۔

"ہاں تمام کے پاس پڑے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں کسی ہدایت یا کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں؟" وہ سامنے کا دھواں اڑا رہے تھے۔

باری خاموش رہا۔

"ہاں وہ — اگر تم جانے سے پہلے روشانے سے ملنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ کپڑے وغیرہ میں نے اس کے اٹھوا لیے تھے۔ کچھ پاؤں سے آگے ہے — تم آؤ اور اپنی طرف سے کچھ لا؟ یا ہو تو مرضی ہے تمہاری — اور ہاں" وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہاں سے چل پڑے۔

باری نے گیلا صوفہ دار کان کے نیا کر دیا گیا ہے بازو اٹھا کر مجھے کے اندر ہی گیسٹ روم کا دروازہ دیکھا۔ اس کی

www.Paksociety.com

آنکھوں میں شریر سی چمک در آئی تھی۔

لاکھ "آپ آپ" کرتا رہا تھا مگر فوراً ہی فرمہ ایک دم سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ طیبہ والی مخصوص قسم میں موقع آیا ہے"۔

تجزی سے زیر لب کہتے وہ پیچھے آیا تھا۔

آج اس کی چال کا انداز ہی بگڑا ہوا تھا۔

اس نے بہت آہستگی سے دستک دی تھی۔

جانے کتنی دھول مٹی اتار کر وہ اسی ام ہاتھ روم سے برآمد ہوئی تھی۔ سرخ گزھالی کی گہری اور ڈراک اور سرخ شلوار میں وہ خود کو بالکل تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ اس کے باوجود گھنٹوں سے ایک اعصابی کشمکش جاری تھی۔

اس نے بیڈ پر پڑا اسٹرائپ دوپٹا اٹھا کر گلے میں ڈالا۔ گیلے بال تولیے میں لپٹے ہوئے تھے۔

"ہوں"۔ اس کا خیال تھا حسنہ خان چائے لے کر آیا ہوگا۔

باری دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

دھک ۔۔۔ وہ سامنے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ جیسے دل کہیں نکل کر بھاگا جا رہا ہو۔ خوانخواہ ہی آنکھیں جھکی چلی گئیں۔ اندازہ کرنے کی ہمت ہی نہیں آئی تھی کہ اس طرح کا وقت بھی زندگی میں آئے گا۔

"السلام علیکم"۔ باری کی شریر آواز اس کے کانوں میں آئی۔

وہ خاموش رہی ۔۔۔ بولا ہی نہیں گیا۔ بس یہی دھیان آیا کہ وہ پاؤں چھو لینا چاہیے۔

باری گواسے اس انداز میں دیکھ کر بہت لطف آ رہا تھا۔

"مسلمان سلام کا جواب دے کر بہت ثواب حاصل کرتے ہیں"۔ اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

اس نے باری کی طرف سے خود ہدایت کر لی "وعلیکم السلام"۔ اسے اپنی ہی آواز بہت اجنبی لگی۔ اسے اپنی ہی آواز پر غصہ آ گیا۔ اسے اپنی شخصیت بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"کاش باقی سب کچھ بھی دل ہی دل میں کر لیا کریں۔ کم از کم آپ تو ایسا کیا کریں"۔ وہ تجزی کی طرف بڑھا۔

"بیٹھ سکتا ہوں؟"

"مجھے پتا نہیں"۔ وہ فطری حیا کے جذبات میں آ گئی تھی کہ ہر تعلق کچھ مخصوص احساسات کا طلبگار ہوتا ہے۔

"یقینی ۔۔۔ یہ جملہ بھی ہاتھ سے پھسل گیا۔ وہ ہنس پڑا تھا۔ وہ ہنس پڑا تھا۔ وہ ہنس پڑا تھ

آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ بالکل پرفیکٹ ہیں۔

اب بالکل بھی نہیں رہنا"۔

روشی کو سکتے دینے کی عادت بہت معمول ہونے لگی۔ وہ اس کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑانے لگی۔

"میڈیکن کی کلاسیاں تو بالکل خالی ہیں"۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں روشی کے دونوں ہاتھ تھے۔

"ابھی میں ایکٹو نہیں ہوں"۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے سادگی سے کہا تھا۔

"پھر کب ——؟" اس کے لہجے میں عجیب سی آنچ تھی۔

"پاری"۔ وہ پھر روہانسی ہونے لگی۔

"اچھا چلو مزید تنگ نہیں کرتے"۔ پاری نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ "اچھا خدا حافظ"۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کتنا بڑا تھا اس کے ہاتھوں میں —— اس کے نرم اور نرم ہاتھوں پر سرخی پھیلنے لگی تھی۔ دل کی دھڑکنوں میں زیر و بم سا ہو گیا تھا۔

"کیسا ہے —— لگتا تو نہیں تھا"۔ میرے پر حیا کا طلسم چھا رہا تھا۔

اس نے خود کو آئینے میں دیکھا اور خود کو بہت نئی سی لگی۔

پاری کی جیپ اندر داخل ہوئی تو ششدر گھڑی ماہین دریچے سے ہٹ کر بڑی تیز تیز چلتے ہوئے باہر آئی۔ مگر ٹیرس پر رک کر سوچنے لگی۔ ضروری تو نہیں پاری ہو کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ ابھی وہ اپنے خیالات میں الجھی ہوئی تھی کہ پاری سامنے آ گیا۔

"السلام علیکم"۔

"وعلیکم السلام۔ شکر ہے تم آ گئے۔ سرائے گئے ہوئے تھے ناں؟ کل دراصل میں ہری پور چلی جاؤں گی اس لئے تمہارا انتظار کر رہی تھی"۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہی تھی۔

"خیریت؟" پاری کی ساری سرگوشیاں بول گئی

"وہ —— بات یہ ہے کہ تم سرائے ہی میں تھے اور تیمور علی خان کا فون میرے لئے آیا تھا"۔

وہ یوں گویا تھی جیسے اس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہو۔

پاری گڑبڑا کر رہ گیا۔ (کیا انہیں باخبر کر دیا گیا۔؟)

"جی —— مگر آپ کیلئے کہاں ——؟" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے لہجہ بھینچتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"روشی کے سلسلے میں بات کر رہے تھے کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی؟ مجھے شرمندگی ہو گی —— اگر نہیں ہے تو بتا دو کہ تمہارا تھا۔ وہ تمہیں سے شادی پر رضامند کیوں نہیں ہے؟ تو یا کسی کو پسند کرتی ہے؟"

"کیا ——؟" پاری کی طرح اتنا سیدھا سا جواب کسی کے ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔

"

"نئی امی؟ ہا ہے۔ اور سر اقبال ہے۔ کہہ رہی تھی۔ ابھی کچھ اندازہ لگانے میں جلدی نہ کریں۔ محتاط سے بات کی۔

"ایک بات کہوں ناشتہ تو نہیں کرو گے؟" مائرہ نے بلور اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں ابھی۔ آپ کہیے"۔ وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا بالکل چپ سا کر۔

"نہیں ایک دم کوئی آئیں بائیں شائیں کر رہے ہو تو میں کہہ جاتی ہوں کہ مجھے آپ چھوڑ دیا ہے"۔ بھر پور

ہاتھ ہیں گرفتیں ہوں۔

نسرین۔۔۔ مجھے نہایت دکھ سا محسوس سا ہو رہا ہے کہ کہاں تو تمہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔۔۔ اتنی کو بھی آن لیے صبح

میں اتنے تھوڑے تھوڑے کہ بھی یاد نہیں کہ وہ کتنی اونچا ہے"۔ مائرہ کے لہجے میں بہت افسوس تھا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ آپ لوگوں کی خاطر بھی ہم گھر کے مردوں کو اپنے اعصاب کنٹرول کرنا چاہئیں۔ وہ نہ پولی بولے

والی بات ہے۔

پلیز آپ آرام کیجئے۔ پھر آپ کو صبح لمبا سفر کرنا ہے۔ گڈ نائٹ"۔

وہ اس کے پاس سے تیزی سے گزر گیا۔

اور وہ کھڑکی پہ سوچ رہی تھی۔ کہ اس کو اس کشمکش سے کیا بچانا چاہیے جو کہ نہایت بے ہودہ اور مبہم تھی۔

"دیکھو آپا۔۔۔ تمہارا بچہ اوپر تھوڑے گر جائے گا"۔

بالو کی جان سولی پر لٹک رہی تھی۔ بچہ آہستہ آہستہ کی رفتار سے اس طرح استدلال کر رہا تھا۔ جیسے ارتقاء پہلی دفعہ

ہو رہا ہے۔ ہر بار بالو کو یوں محسوس ہوتا تھا۔ کہ اب آیا بچہ گرا۔

"کیا آپا آیا گا کھی ہے۔ بڑی خطرناک ہو جگہ۔ جہاں آدم ہے بھر ایسا نہیں آئے گا۔ عبدالطیف بچے کے ذہ"۔

"یہ آپ کی لڑکی بار بار کھڑکی سے باہر سر نکال رہی ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے"۔ بجلی کے کھمبوں کے پاس سے گزرتے

ہوئے بھی بھاڑیوں کے قریب سے تو۔ اتنی بالو کا دم نکل جاتا۔

"نے گی نہیں۔۔۔ کی بچی ذرا سی گالی"۔ بچہ کی نظر میں پھوٹ کو چھوا ہوا کیا کھانا خراب ہو گیا۔

تیسری بچی گھوٹنے سے اٹھ کر اس لڑکی میں بیٹھی بالو کی گود میں پڑ گئی۔

"میں بھی باہر دیکھوں گی"۔ دوسری کھڑکی کے سامنے بالو کی سیٹ تھی

"ادھر ادھر ہو رہا ہے کیا۔ بچہ کی؟ تیرا باپ؟ ہا ہے باہر۔ جل ترے ابھی آ کر پیدا" عورت نے منہ سے کہا کہ

نکالا۔ اور پھر سر کھڑکی پر پڑے ہوئے جھٹکوں کے ساتھ گر پڑا۔ سر گر پڑا۔ گر پڑا۔

"یہ خالی شاپنگ بیگ ہے۔ آپ پچھلے اس میں ڈال لیتیں"۔ بالو سے رہا نہ گیا۔

"لیکن ادھر۔۔۔ تو چھ گھنٹے گزارنے ہیں۔ تم نہ ابھی یہاں۔ بچے آلی۔ ہوا یہ بیل کا ساتھ لے کر جائے گی"۔ بالو

نے کروٹ لی۔ بالو کی جان حلق کو آ گئی۔

"چائے والا۔ گرم چائے"۔ ایک آدمی پانچ سات گاہکوں کی بھیڑ کے ساتھ چائے کہاں سے لے آیا۔

"امی ابا چائے پیوں گی"۔ لال فراک والی بچی بول پڑی۔

"امی۔۔۔ میں بھی"۔ نیچے کی اگلی سیٹ پر سے آواز آئی۔

"چپ کر کمبخت۔۔۔ کھڑکی جا رہا ہے نہیں"۔ چائے والے نے ڈپٹ کر "مائرہ سے مخاطب ہوا" "میں بھی کا کاروبار

اندازہ کیا۔ پھر باقی چیزوں پر نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

بالو کی گود سے اتر کر فرش پر لوٹنے لگی۔ "چائے پیوں گی"۔ حالانکہ کھڑکی والی سیٹ پر بیٹھی سب بچے ماں سمیت چائے

پی کر فارغ ہو چکے تھے۔

"اٹھو بچی ہے کہ لگاؤں دو۔۔۔ ؟" ماں نے کیتلی کی چھاگ منہ میں ڈال کر دھمکیں لگائیں۔ کیونکہ صرف "دا" کی

واقف تھی۔ اور یہی ذخیرہ تھی۔ لہٰذا مطلق اثر نہ ہوا۔

بچی کی ریں ریں سے اعصاب ٹوٹنے لگے۔ اس نے بے چارگی سے اطراف میں نظر دوڑائی۔ دو تین بچے دھوں دھاں

روہڑ مچھلیاں اور ایک لڑکا اسپیشل بڑی حیرت بھی بالو کی طرح بچی کی ریں ریں سے عاجز نظر آ رہی تھیں۔

"کھڑکی سے چائے۔ لاؤ اتو سر پیدا (پھٹ) کر رہا ہے۔ شوہر نے" ایک پھٹائی سے برداشت نہ ہوا۔

"تم نے وہ نہیں کہا یا ہے اور لاؤ ہو۔ بچے کو کرنے تو ہیں اس طرح" بیوی نے چائے کھانے کو دوڑائی۔

"تانا ہے۔۔۔ ا" پھٹائی بڑبڑا کر رہ گئی۔

"آپ کیا سمجھ رہا ہے؟" بالو نے ماحول کے زور سے لگنے کی خاطر پھٹائی سے بات چیت شروع کر دی۔ حالانکہ محسوس

سے ساتھ بھی تھیں۔ مگر "یہاں آدا پیدا کر" نے وہ آفت ڈالی تھی کہ الامان۔

"لوشہر چھاؤنی"۔

"اور یہ۔۔۔ ؟" اس نے دوسری پھٹائی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ہماری بیٹی بھی ہے۔ ہم دونوں کا شادی ایک ہی گھر میں ہوا ہے"۔

"آپ کا سسرال بھی یہیں ہے" بالو نے بات بڑھانے کی۔

"ہمارا سسرال ٹیکسلا ہے۔ لو شہر میں۔ یہ ہمارا سمدھی بھی ہمارے کام کرتا ہے"۔

"پھر تو بڑی آمدنی ہو گی۔ فروٹ والے تو منڈی سے اچھی ریٹ پر بیچتے ہیں۔ ویسے اتنا سامان بھی جاتا نہیں۔ ٹرک

سامان ہوا ایک طرح سے"۔ بالو نے اپنی عقل میں کہا۔

"حرام خور قوم کو لگتا ہے۔۔۔ کیا اپنا سمدھی کا وہ بھیجتا ہے۔ بچہ بچہ مانگتا ہے۔ ہمارا سمدھی فروٹ کا اڈا ہے۔

ہوا ہے فروٹ میں کام کرتا ہے"۔

"تم نے لکھے حرام خور کیا ہے۔ مزدوری کو ہوتے ہے اور لکھے حرام خور کہتی ہے۔ سمدھی کا ہی ہے بچوں کا ہے۔ کچھ ہے۔ ہمارے

تیری شکل پڑے۔"

جہاں آرا نے زور دست" کھرا نے کہا۔

"کس پر لعنت بھیجتا ہے؟" پٹھانی نے آگے بڑھ کر جہاں آرا کا گریبان پکڑ لیا۔

بالو کی طبیعت اندر کسی زاویے سے مطمئن ہوئی کہ اب ملاپ اس جہاں آرا کی پٹائی تو ہو رہی ہے۔ پٹھانی کو لعنت کی۔

مگر جب دونوں طرف سے ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔ جہاں نے بیچا بچاؤ شروع کر دیا تو وہ دوسری عورتیں بھی بیچ بچاؤ کرانے لگیں۔

دوسری خواتین بھی بالکل خس پیلی ہوئی تھیں۔ بلکہ دوسرے کیمپ کی خواتین نے بھی آ کر جھگڑا شروع کر دیا۔ اٹھ کر بیچ بچاؤ کرانے لگیں۔

پٹھانی نے ایک ہاتھ سے اسے پرے دھکیل دیا۔ وہ دھپ سے سیٹ پر جا گری۔

دوسری پٹھانی نے کھڑے ہو کر دونوں کو الگ الگ کیا کہ وہی کر سکتی تھی۔

"چھوڑو (چھوڑو) اس کو لعنت کرو ویٹو (بیٹھو) آرام سے"۔ اس نے اپنی بہن کو سیٹ پر بٹھایا۔

جہاں آرا کلائی سے ٹوٹی ہوئی چوڑیاں جھاڑنے لگی۔ اس کے روکھے بال جھاڑ جھنکاڑ بن چکے تھے۔ بچے سہم کر اس کے قریب آ بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر کو وہاں سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ صرف ٹرین کی چھک چھک سنائی دے رہی تھی۔

"تم پشاور جا رہی ہو۔؟" اردو اسپیکنگ بڑی بی نے بالو کو مخاطب کر کے خاموشی توڑی۔

حالانکہ ابھی وہاں "جنگ" کا ماحول طاری تھا۔ دونوں حریف گاہے گاہے ایک دوسرے کو خونی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"کٹ" یہ والا کمبہ ہاتھا۔ پشاور سے تمہاری منزل دور پڑے گی۔ اس سے پہلے کسی اسٹیشن پر اتر کر بس یا گاڑی وغیرہ لے لینا۔

پشاور سے پہلے کیا کیا آتا ہے؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔ بڑی بی تعجب سے بالو کو دیکھنے لگیں۔

"نوشہرہ — حسن ابدال۔ اٹک"۔

"ہاں — ہاں — میں حسن ابدال اتروں گی"۔ اس نے بڑی بی کو بیچ میں روک دیا۔

"پہلی مرتبہ جا رہی ہو —" بڑی بی بڑی بھلی ہوئی تھیں۔

"لگتا ہے یہ قوزیلی گاڑی میں ہی پہلی مرتبہ بیٹھی ہے"۔ جہاں آرا نے گدھے کے کان اینٹھے جانے کیا کہا تھا۔ اس کی ماں نے۔

دانش مند بڑی بی نے باقی "انفارمیشن" موخر کر دیا۔

کھڑکی سے باہر کے مناظر کی خواب گاہ سے بھی کھڑکی اور دروازے

"جی بی بی"۔

"سرسوتی کو بھیجنا ہمارے پاس۔ اچھی"۔ بڑی بی نے اسے کہہ کر اپنے کمرے میں بھیجا۔ اس کے بعد سے کمپارٹمنٹ میں بھی کی تیاری تھی۔

تھوڑی دیر بعد سرسوتی نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ"۔

"جی بی بی"۔

"سرسوتی مجھ جھومر کے پاس جانا ہے"۔

"ہاں بی بی — نے فیر چلو — ہاتھ پھر چلو"۔ وہ مشفق ہو گئی۔

"ہم بھی لیس۔ ابھی تو سو۔ جاگ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آؤ۔ میں ہاتھ میں پینٹنگ کروں۔ کوک شیئر کھانا بہت شوق سے کھاتی ہے"۔

سرسوتی وہاں چل گئی۔ بڑی بی کیس میں کپڑے رکھنے لگی۔

اس کے چہرے پر ابھی سوال بکھرے ہوئے تھے کہ اتنوں پر پڑا ہوا تھا۔

دوبارہ جاگنے سے پہلے چند سوالوں کے جواب چاہتی تھی۔ جس نے اس کو طوفان میں مبتلا کر رکھا تھا۔

اس نے کپڑے رکھنے کے بعد اور دوسری ضروری اشیا بھی رکھیں۔ اچھا خاصا سامان ہو گیا تھا۔

پھر سرسوتی آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں کھجور کی باسکٹ تھی جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھی۔

وہ آف وہائٹ بڑی سی چادر اچھی طرح اوڑھ کر سرسوتی کے ساتھ چل پڑی۔ اور خصوصی راستے سے گزر کر جھومر کے کمرے تک پہنچ گئی۔

سرسوتی نے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

بڑی نے خود آگے بڑھ کر دروازہ دھکیلا۔ کمرا خالی تھا۔

"شاید باتھ روم میں ہے؟"

"شاید پھر جاؤ۔ ان ای آئی"۔ سرسوتی باسکٹ رکھ کر واپس چل گئی۔

بڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور انتظار کرنے لگی۔

سرسوتی فوراً ہی جھومر کو لے کر آ گئی تھی۔

"کہاں تھیں؟" اس نے مسکرا کر جھومر سے دریافت کیا۔

"وہیں — اپنی بے بوڑ کالی کے پاس۔ لگتا ہے آپ کا بھی دل لگ گیا ہے ہمارے گروپ میں"۔ جھومر ہنس پڑی۔

"نہیں — دراصل مجھے ان لوگوں سے ملنا ہے جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا تھا۔ وہ بڑی بی جن کے بھتیجے سے

www.Paksociety.com
www.paksociety.com

تیری شکل پڑے۔"

جہاں آرا نے زور دست" کھرا نے کہا۔

"کس پر لعنت بھیجتا ہے؟" پٹھانی نے آگے بڑھ کر جہاں آرا کا گریبان پکڑ لیا۔

بالو کی طبیعت اندر کسی زاویے سے مطمئن ہوئی کہ اب ملاپ اس جہاں آرا کی پٹائی تو ہو رہی ہے۔ پٹھانی کو لعنت کی۔

مگر جب دونوں طرف سے ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔ جہاں نے بیچا بچاؤ شروع کر دیا تو وہ دوسری عورتیں بھی بیچ بچاؤ کرانے لگیں۔

دوسری خواتین بھی بالکل خس پیلی ہوئی تھیں۔ بلکہ دوسرے کیمپ کی خواتین نے بھی آ کر جھگڑا شروع کر دیا۔ اٹھ کر بیچ بچاؤ کرانے لگیں۔

پٹھانی نے ایک ہاتھ سے اسے پرے دھکیل دیا۔ وہ دھپ سے سیٹ پر جا گری۔

دوسری پٹھانی نے کھڑے ہو کر دونوں کو الگ الگ کیا کہ وہی کر سکتی تھی۔

"چھوڑو (چھوڑو) اس کو لعنت کرو ویٹو (بیٹھو) آرام سے"۔ اس نے اپنی بہن کو سیٹ پر بٹھایا۔

جہاں آرا کلائی سے ٹوٹی ہوئی چوڑیاں جھاڑنے لگی۔ اس کے روکھے بال جھاڑ جھنکاڑ بن چکے تھے۔ بچے سہم کر اس کے قریب آ بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر کو وہاں سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ صرف ٹرین کی چھک چھک سنائی دے رہی تھی۔

"تم پشاور جا رہی ہو۔؟" اردو اسپیکنگ بڑی بی نے بالو کو مخاطب کر کے خاموشی توڑی۔

حالانکہ ابھی وہاں "جنگ" کا ماحول طاری تھا۔ دونوں حریف گاہے گاہے ایک دوسرے کو خونی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"کٹ" یہ والا کمبہ ہاتھا۔ پشاور سے تمہاری منزل دور پڑے گی۔ اس سے پہلے کسی اسٹیشن پر اتر کر بس یا گاڑی وغیرہ لے لینا۔

پشاور سے پہلے کیا کیا آتا ہے؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔ بڑی بی تعجب سے بالو کو دیکھنے لگیں۔

"نوشہرہ — حسن ابدال۔ اٹک"۔

"ہاں — ہاں — میں حسن ابدال اتروں گی"۔ اس نے بڑی بی کو بیچ میں روک دیا۔

"پہلی مرتبہ جا رہی ہو —" بڑی بی بڑی بھلی ہوئی تھیں۔

"لگتا ہے یہ قوزیلی گاڑی میں ہی پہلی مرتبہ بیٹھی ہے"۔ جہاں آرا نے گدھے کے کان اینٹھے جانے کیا کہا تھا۔ اس کی ماں نے۔

دانش مند بڑی بی نے باقی "انفارمیشن" موخر کر دیا۔

کھڑکی سے باہر کے مناظر کی خواب گاہ سے بھی کھڑکی اور دروازے

"جی بی بی"۔

"سرسوتی کو بھیجنا ہمارے پاس۔ اچھی"۔ بڑی بی نے اسے کہہ کر اپنے کمرے میں بھیجا۔ اس کے بعد سے کمپارٹمنٹ میں بھی کی تیاری تھی۔

تھوڑی دیر بعد سرسوتی نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ"۔

"جی بی بی"۔

"سرسوتی مجھ جھومر کے پاس جانا ہے"۔

"ہاں بی بی — نے فیر چلو — ہاتھ پھر چلو"۔ وہ مشفق ہو گئی۔

"ہم بھی لیس۔ ابھی تو سو۔ جاگ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آؤ۔ میں ہاتھ میں پینٹنگ کروں۔ کوک شیئر کھانا بہت شوق سے کھاتی ہے"۔

سرسوتی وہاں چل گئی۔ بڑی بی کیس میں کپڑے رکھنے لگی۔

اس کے چہرے پر ابھی سوال بکھرے ہوئے تھے کہ اتنوں پر پڑا ہوا تھا۔

دوبارہ جاگنے سے پہلے چند سوالوں کے جواب چاہتی تھی۔ جس نے اس کو طوفان میں مبتلا کر رکھا تھا۔

اس نے کپڑے رکھنے کے بعد اور دوسری ضروری اشیا بھی رکھیں۔ اچھا خاصا سامان ہو گیا تھا۔

پھر سرسوتی آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں کھجور کی باسکٹ تھی جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھی۔

وہ آف وہائٹ بڑی سی چادر اچھی طرح اوڑھ کر سرسوتی کے ساتھ چل پڑی۔ اور خصوصی راستے سے گزر کر جھومر کے کمرے تک پہنچ گئی۔

سرسوتی نے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

بڑی نے خود آگے بڑھ کر دروازہ دھکیلا۔ کمرا خالی تھا۔

"شاید باتھ روم میں ہے؟"

"شاید پھر جاؤ۔ ان ای آئی"۔ سرسوتی باسکٹ رکھ کر واپس چل گئی۔

بڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور انتظار کرنے لگی۔

سرسوتی فوراً ہی جھومر کو لے کر آ گئی تھی۔

"کہاں تھیں؟" اس نے مسکرا کر جھومر سے دریافت کیا۔

"وہیں — اپنی بے بوڑ کالی کے پاس۔ لگتا ہے آپ کا بھی دل لگ گیا ہے ہمارے گروپ میں"۔ جھومر ہنس پڑی۔

"نہیں — دراصل مجھے ان لوگوں سے ملنا ہے جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا تھا۔ وہ بڑی بی جن کے بھتیجے سے

www.Paksociety.com
www.paksociety.com

"...اور — خبر کیا وہ ہوگی؟"

ماہین نے بات ادھوری چھوڑ کر سوال کیا۔

"نہیں — اس بے چاری کو نیند کہاں۔ اور وہاں بیٹھنے کی جگہ کہاں۔ ایسا کرتی ہوں اسے بستر لے آتی ہوں۔" وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

ماہین سامنے لگی پینٹنگ کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد دھیرے دھیرے چھکنے کی آواز آنے لگی۔ دکھ سے ماہین کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"السلام علیکم"۔ عورت نے اندر قدم رکھتے ہی سلام کیا۔ اور وہ قدم آگے کر کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام"۔ ادھر اوپر بیٹھ جاؤ"۔ ماہین نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا سمجھ رہی ہیں آپ — غلام زادی ہوں، ہم پر نہ جائیں۔ آپ نے سنا نہیں۔ آنکھ سے اندھے ہم نہیں لگتے پر جمعہ بی بی ہیں جو کہنے کے باوجود فرق مخاطب کر کے بات کرتی ہیں۔ کہتی ہیں۔ میں تم ہی میں سے ہوں۔ حالانکہ مالک سے ناتا تو ہماری مالکن ہی ہوئیں"۔

انسانوں کو تڑپتی عورت بغیر سانس لئے بولتی چلی گئی۔

"آئے نہیں نظر ہی"۔ ماہین نے جمعہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں تو نہ کہیں گے"۔ وہ باسکٹ سے چیزیں نکالتے ہوئے سر پیٹ کر گھومیا ہوئی۔ ماہین تو ایک لمحے کو ہار ہی گئی۔

"روشی بی بی کا پتا چلا؟" عورت کو کتنی دلچسپی تھی حویلی کے معاملات سے۔

"نہیں"۔ ماہین نے دکھ سے کہا۔

"بے چارے یاور خاناں"۔ عورت کے لہجے میں بھروسا تاسف تھا۔

"کیا مطلب بے چارے؟" ماہین نے کھوجنے کے انداز میں اس کا چہرہ دیکھا۔

"مطلب یہ کہ ان کی ایک ہی تو بیٹی تھی"۔

"ہے"۔ ماہین نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔ دل جل کر رہ گیا۔

"مجھے سب یاد ہے۔ میں کچھ نہیں بھولی" عطریہ کی آواز بھرا گئی۔

"مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ بہت پیار سے کرتی تھیں۔ کہتی تھیں، عطریہ تیری شکل کتنی پیاری ہے۔ میں بہت خوش قسمت ہوں۔ خوبصورتی کے بیچ رہوں تو خوش رہتی ہوں۔ آس پاس حسن نظر نہ آئے تو یوں لگتا ہے جیسے پاس سبزی۔ پھر خود ہی ہنس پڑتی تھیں۔ وہ بہت خوش مزاج تھیں۔ بہت ہنستی تھیں"۔

عطریہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ماہین جمعہ اور روتی عورت پر پریشان سی نگاہ ڈالتی رہ گئی۔

"آپ کو تو ان کی فکر ہی نہیں ہے۔ اس دن ہی حویلی میں سے بھاگا۔ آپ نے بھی تو کچھ کیا ہوگا۔ آپ کو تو ان کی فکر ہی نہیں ہے۔ آپ کو تو ان کی فکر ہی نہیں ہے۔"

چلائی تھی۔

ماہین کو دھکا دیتی وہ باہر بھاگ گئی تھی۔

ماہین کو کرنٹ لگا تھا۔ وہ تو اپنی دکھ کے ماضی کے قصے سنانے آئی تھی۔ وہ یوں کر یاور علی خان کی شخصیت کی کایا پلٹ نے سے الجھن میں ڈال رہا تھا۔

"یہ پوچھیں کہ میں نے کیا کیا —؟"

اسی وہم والے پر شک ہوئی۔ ماہین کا دل الجھن کر حلق میں آ گیا۔

جمعہ حیرانی سے دروازے کی سمت بڑھی اور دروازہ تھوڑا سا کھول کر جھانکا۔

"آپ تو ماشاء اللہ سے باہر نکلتے ہی نہیں۔ یہ کیا ہوا آپ کو؟" اسے بھی "میں" نہیں "ہم" ہی اچھا لگتا ہے۔ لاشعور میں رہتے۔ بہت ہو چکا تماشا۔ اور اسے بھی باہر نکالیں"۔ ماہین کے کانوں میں باری کی آواز آئی۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ مار کر دروازہ دھڑ سے کھول دیا۔ اور ایک دم ٹھٹک کر رہ گیا۔

"آپ — یہاں اس وقت؟" وہ بس یہی کہہ سکا۔

عطریہ ہاتھ مسلتی ہوئی۔ ماہین نظریں جھکا کر رہ گئی۔

"اسے کچھ مت کہنا باری — میں نے بلوایا تھا"۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

عطریہ آگے چل پڑی۔

باری کچھ الجھی ہوئی، کچھ جتی نظروں سے ماہین کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"آپ اسے کیسے جانتی ہیں"۔ اسے خاصی تشویش تھی۔

"ایک گھر میں رہتے ہوئے واقفیت ہو جانا کوئی تعجب کی بات تو نہیں"۔ ماہین کو برمحل جواب سوجھ گیا۔

"اچھا ہے۔ چائے مجھے دیجئے"۔ اس نے جمعہ کو مخاطب کیا۔

"ایک منٹ رکیں ذرا۔ آج کل تو خاتون والا چائے کی ایڈ جیٹ ہوں گے۔ پریشان لوگوں کو اور کیا پریشان کرنا"۔ جمعہ نے چائے اٹھا کر اسے تھماتے ہوئے بڑے معنی خیز انداز میں کہا۔

"چلائیں"۔ باری نے ماہین کو مخاطب کیا۔ گویا جمعہ کی بات سنی ان سنی کر دی۔

ماہین الجھ کر رہ گئی۔ جمعہ کی کہی ہوئی بات اپنی جگہ موجود تھی۔

"اللہ حافظ جمعہ! کل تو میں بڑی بی بی سے ملنے جاؤں گی۔ اللہ کرے وہ جلد ٹھیک ہو جائیں"۔

باری کا ہاتھ بائیں طرف مڑ گیا تھا۔ ماہین کا دل بھی اپنی بات کہہ کر ورطۂ حیرت میں ڈال گیا تھا۔ جمعہ کی بات کا کیا مطلب تھا؟ سر ہوتی کیا واقعی باری کے پیار میں گرفتار ہو گئی تھی؟

"تمہارا دل مطمئن ہو گیا ہے۔ بہت زیادہ کام کرنے لگی ہو آج کل"۔ باری ان کی طرف واپس مڑتے ہوئے

www.Paksociety.com
urdunovels.net

سرہانے سے لگا لیا۔

"میں لائی تھی اسے۔ پلیز مجھے نہ کہنا۔" ماہین نے سفارش کی۔

"سنے سر پہ چڑھائیے اسے۔ اس حویلی کو سر چڑھی لڑکیاں راس نہیں آتی۔" وہ جانے کس دھن میں کہہ گیا وہ بات جو کمرے میں ادھوری رہ گئی تھی۔ اس میں اور ہماری کے جملے میں کتنا واضح رہا تھا۔

"مطلب، مطلب ہے کیا؟" ماہین بھڑک اٹھی۔

"ماہین مجھے بتائیں؟ آپ صبح کتنے بجے روانہ ہوں گی؟" اس نے عالم سے لیے میں بات بدلنے کی۔

"تم یہاں سے سب سے پہلے ہوٹل جاؤ۔ فریش ہو کر کچھ کھاؤ پیو۔" وہ چڑ گئی۔

"خدا خوامخواہ۔ آپ اتنی میرے لئے فکر مند ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ روشی بی بی والا معاملہ ہے۔ حال کا ہی ہے۔"

ایک خوبصورت سا احساس اس پر چھا گیا تھا جیسے چاند کے گرد ہالہ۔

"ہاں یہ تو ہے مجھے تو یاد صاحب کی فکر ہو گئی ہے۔ کہیں ہیلتھ ڈاؤن نہ کر لیں۔" ماہین فکر مندی سے بولی۔

"جی۔ فجر پریشانی کو اذن سے جھٹک کر اچھی امید رکھے کہ اچھی خبری سننے کو ملے گی۔ انشاء اللہ۔"

اس کے ہونٹوں پر بڑی مبہم سی مسکراہٹ تھی جو اندھیرے میں ماہین کو نظر نہیں آ سکی تھی۔

"آمین۔" ماہین نے دل و جان سے کہا۔

رات کے دوسرے کا عمل تھا۔ جب عالم تابش نے ماہین کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا۔ ماہین کو ہولی جھٹکے کی آئی تھی۔ وہ بدحواس ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"کون؟"

"میں ہوں۔ باہر آؤ جلدی سے باوا صاحب بلا رہے ہیں۔ ان کی حالت اچانک بگڑ گئی ہے۔" عالم دروازے کے پیچھے سے سب کچھ کہہ گیا۔

ماہین دوپٹا سنبھالتی ہڑبڑی سے دروازہ کھول کر باہر آئی تھی۔

"جلدی آؤ ماہین!" وہ اس سے آگے آگے چل پڑا۔

کمرے میں پہلے سے لوگ جمع تھے۔ بڑے باوا صاحب کی آنکھیں پھٹنے لگی تھیں۔ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ اتفاق سے پہلے والا ملازم میں تھی۔ وہاں موجود تھے۔ شاہ زیب اور باوا صاحب کی بہو بھی بیٹیاں بھی اور بچے بھی کھڑے ہوئے تھے۔

"باوا صاحب! یہ ماہین آ گئی ہے۔"

اسی دم دروازہ کھلا اور باری اندر داخل ہوا۔

"تم کہاں رہ گئے تھے؟" عالم نے غصہ سے کہا۔

"جی۔"

"آؤ ماہین، وہاں جا کر بیٹھو۔" عالم نے ماہین کو باوا کے قدموں کی طرف بٹھا دیا۔

ماہین نے ہمدردی سے ان کے پیر دبانے شروع کر دیئے۔ کچھ دیر بعد باوا کی نظریں پھیلنے لگی تھیں۔ ماہین نے بھی خوشی سے بھیگی نظروں سے سب کو دیکھا۔ سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے۔ باوا کی آنکھوں سے موتی ڈھلک گئے۔ ہونٹ کپکپانے لگے۔

"بھولی بیٹی، تم نے ہمیں معاف کر دیا۔" ان کی آنکھوں سے موتی ڈھلک گئے۔

"بھولا باوا، بہت کمی تھی ہم میں۔ ماہین کو ہم سب کے پاس سب کچھ ہے۔ اس کے پاس صرف تم ہو۔ جاؤ۔"

"ہم نے کچھ نہیں چھپایا۔ ہم نے عالم سے سب کہہ دیا ہے۔ اس نے ہمیں کہا کہ۔"

"گاڑی تیار ہے خان۔" باوا نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔

پھر باوا صاحب "معصوم" باوا صاحب کو اٹھانے کے لیے آگے بڑھے۔ باقی لوگ ایک طرف ہو گئے۔

بمشکل باوا صاحب کو گاڑی تک لے جایا گیا۔ جتنے لوگ لینڈ کروزر میں ہو سکتے تھے بیٹھ گئے۔

ساری حویلی کی لائٹیں جلا دی گئی تھیں۔

عالم تابش وہیں ستون سے ٹیک لگا کر رو رہے تھے۔ وہ ان کے سسر کی نہیں حقیقی باوا بھی تھے۔

"ہائے روشی تو ہی چلی جاتی دنیا سے۔ اب تو تیری دی ہوئی ذات بھی ہے اور بے ساجاتی بھی۔"

ماہین کے اعصاب ساتھ چھوڑ گئے۔

وہ ہال کمرے کی طرف آ گئی۔ سب لڑکیاں جاگ چکی تھیں۔ اور وہ بالکل چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔

"اگر خدانخواستہ باوا صاحب کو کچھ ہو گیا تو عمر بھر کیلئے یہ بات ہو جائے گی کہ روشی کی وجہ سے سب ہوا۔" روشی نے ماحول پر چھائی خاموشی توڑی۔

"اور کیا۔ اللہ کرے باوا صاحب ٹھیک ہو جائیں۔" ماہین نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"اتفاق سے ماحول نہیں ہے کہ احسان اپنے علاوہ اور کسی طرف دھیان ہی نہ جائے۔" شہلا تھی۔ سر گوشی ہوئی۔

اس طرح کی باتیں اس وقت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہتر ہے کہ باوا صاحب کیلئے دعائے صحت کی جائے۔" گلوئے کی طرح بہت ہوئی کو کر بات کی۔ وہ کچھ لڑکیاں اس وقت وضو کرنے چلی گئیں۔

ماہین کا دل اس وقت بہت بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کمرے کی طرف باوا صاحب کیلئے دعا کرنے لگی۔ اب کے وہ کچھ سے۔

اس کا سر تو پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ جاتے جاتے باوا صاحب اور الجھا گئے تھے۔ وہ کیا ہے جو اس سے چھپایا گیا ہے۔ اور اس معاملے کا تعلق آخر سر یا الحسن سے ہے۔

اس لڑکیوں کی موجودگی میں مسلسل خاموشی بھی بہت محسوس ہونے لگتی ہے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی کہ اس طرح جیسے کا عادہ بھی کیا۔ وہ ماہین سے ماحول ہی بدلنے کے لئے اگر روشنی کر لیتی تو اس روشنی میں [illegible]

گل بابا صاحب کو بھی نہیں اٹھایا ہے۔

دستک اسی زور سے اور ہی تھی کہ وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"جی۔ کون؟"

"دروازہ کھولو روشانے۔" تیمور علی خان کی آواز آئی۔

وہ ساری جان سے کانپ گئی۔ اس وقت۔ کاکا جان۔ وہ اچھل کر بستر سے نیچے آئی۔ بڑی بدحواسی سے دروازہ کھولا۔

"جی کاکا جان؟"

"چادر اوڑھو روشانے۔ اور چلو۔" وہ انتہائی سنجیدہ تھے۔

"جی کہاں؟" وہ بے حد پریشان ہو گئی۔

"وقت نہیں ہے بالکل۔ ہری اپ۔" وہ قدرے برہم انداز میں گویا ہوئے۔ روشی سہم گئی۔ جلدی سے پاؤں میں چپل ڈالی اور دوپٹہ گلے میں ڈال کر چادر اوڑھ لی۔ اور تیمور علی خان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ڈرائنگ روم کے پیچھلے دروازے کھولے ہوئے ملنگر کھڑا ہوا تھا۔ تیمور علی خان نے پہلے روشی کو بیٹھنے کیلئے کہا پھر خود اس کے برابر میں بیٹھ گئے۔

موبائل فون ان کے ہاتھ میں تھا۔

"شیر گل! اندر کی لائٹ جلاؤ۔" تیمور علی خان نے فون سیٹ کیا۔

فوراً اندر روشنی ہو گئی۔ تیمور علی خان نمبر پنچ کرنے لگے۔

روشی کبھی ان کے چہرے کی طرف کبھی ان کی ان متحرک انگلیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔ کون۔ ہے؟"

"ہوں! راستے میں ہوں۔ کون سے ہاسپٹل میں؟ ٹھیک ہے! جلدی پہنچو۔ ہاسپٹل سے فون آئے تو نمبر لے لینا۔ میں کال کروں گا۔ اوکے۔"

روشی دم بخود ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔ کاکا جان نے کس سے بات کی تھی۔ کون ہاسپٹل میں گرا ہے۔ کون بیمار ہے؟ تیمور علی خان کے چہرے سے جو تاثرات اسے نظر آ رہے تھے ان کی وجہ سے اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ کوئی سوال کرے۔

"بابا صاحب کی حالت بہت خراب ہے روشانے! اگر انہیں کچھ ہو گیا تو ان کا آخری تمہارے ذمے۔" وہ بہت سنجیدہ تھے۔

روشی کی تو جیسے جان نکل گئی۔ یوں لگا اس کا سانس بند ہو رہا تھا۔ ان کی عمر کے بزرگ جب چند گھنٹے ہاسپٹل میں رہ چکے تھے۔ اپنے تمام پچھلے اندازوں کی بدصورتیاں عائشہ مراد کی آخری سوالی نظریں۔

"جیسے ہیں کی سماعت اور بھی گہرا گئی۔ "کاکا جان؟" وہ ڈرنے لگی۔

"آپ پاگل ہیں کیا بھی تم ہوں اور ڈرا بھی گی۔

"میں اس وقت موجود حالات میں اپنے آپ کے اور کوئی نظر نہیں آ رہا اس سے کاکا بھی نے ہیں تم سب سے

زیادہ عزیز بھی ہم نے ہی پالی ہیں۔"

وہ خاموش ہو گئے۔

"بابا صاحب اس لئے پیارے نہیں ہوں گے کہ انہیں میرا طریق ملا ہوگا۔ وہ اس لئے پیارے ہوں گے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ ٹھیک ہے میں خودسر ہوں لیکن ایک انسان کی حیثیت سے میرا حق نہیں کہ میری بات نہ سنی جائے۔ مجھ میں بہت برائیاں ہیں مگر اچھی عادات تو نہیں تھی کہ میں ساری کا ساری برائیاں لے کر دنیا میں بازگشت کا اہتمام کرتی۔

میرے لئے شادی کرنا تھی داب ہے نہ ہے کے مسئلے سے۔ میں کسی ان چاہے مرد کو خود سے قریب کرنا بہت ہی ناپسند کرتی تھی۔ مجھے کوئی بوجھ جیسا رشتہ برداشت نہیں ہو سکتا۔ مگر اگر بابا صاحب اتنا تو کر لیتے کہ میری بات سن لیتے۔ میری حیثیت تو نہیں دی جائے۔ ہم ان کی جاگیر کی زمین کے کھونے تو نہیں ہیں۔ بیٹے جاگتے انسان ہیں۔ ایک مخلص جی کے ہمک سے مجھے اتنی بھی اہمیت نہیں۔ اسے اپنی اصول ذات اپنی انا سونپ دوں؟ کیا یہی انسان ہیں؟ استعمال ہونے والی شے ہوں گی۔"

تیمور علی خان نے اسے احساس جرم میں مبتلا کیا تو اندر سے "آگہی" کا دیا روشن ہو گیا۔

وہ خود بھی اپنی وجہ سے بیمار ہوئے ہیں۔ یہ وہ ان دیوتاؤں جیسے اصول بنانے والے آخر کار زحمت اٹھاتے ہیں۔

انسان کی ذات کو تو روشن اور بڑے سے بڑے پہاڑوں اور دریاؤں والی عمارت کی طرح ہونا چاہیے۔

کہ خطہ ماحول موسم پر تبدیلی کا پتا چلتا رہے۔ تدبیر اور انتظام ہوتا رہے۔

باشعور کمانے والے راستے پر ڈالنا ہی نہیں چاہیے تھا کہ اپنی ذات کے ہونے کا احساس ہی نہ ہوتا۔

اگر کوئی بات کرتا ہے تو اس کی بات تو سننا چاہیے۔ باقی مراحل تو بعد کی باتیں ہیں۔

"ہیلو۔ ہوں۔ السلام۔"

"ہاں لگو۔ ایک منٹ۔ انہوں نے بہت سے قلم لگا اور روشی کا ہاتھ تھام کر تھپکی سامنے کی۔ پہلے تو وہ کچھ نہیں۔ گڑبڑا گئی۔ گڑبڑا ہی گئی۔

"آپ ہولڈ کیجئے کاکا جان! میں کہتی ہوں۔" اس نے قلم ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ تیمور علی خان نے دو نمبر نوٹ کئے اور فون آف کر دیا۔

"کون تھا جی تھی اندر جنس میں ہیں اور ابھی کچھ پتا نہیں چلا کہ کس حالت میں ہے۔ شنی ہاسپٹل میں ہیں۔

شیر گل! شنی ہاسپٹل چلانا ہے۔"

باہر کھڑا ہوا گیٹ کیپر تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

روشی نے قلم ان کی طرف بڑھایا۔ جوانوں نے جیب میں ڈالا لیا۔

کئی گھنٹے کا گرب انگیز سفر تمام ہوا۔ جیپ ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا میں جا کر رک گئی۔ اپنے ہاں کی لینڈ کروزر روشی نے دور ہی سے پہچان لیا تھا۔ یہ تو گاڑی ہی میں پتا چل گیا تھا کہ بابا صاحب کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔ جہاں یہ بات باعث طمانیت تھی وہاں آگے پیش آنے والے حالات اسے اعصابی طغیان میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔

"تم یہیں بیٹھو روشانے! ہمارا انتظار کرو"۔ تیمور علی خان نے جیپ سے اترتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

تیمور علی خان کی شخصیت میں ایسی بات تو تھی کہ وہ اس سے خوف نظر نہیں آ رہے تھے۔ متفکر بھی تھے۔ ان کے باوجود ان کی ذات سے عجیب تقویت کا احساس بہرحال مل رہا تھا۔

وہ اندر چلے گئے۔

وہ باہر نظریں دوڑانے لگی۔ شیر گل بھی اتر کر ٹہل رہا تھا۔

معاً اس نے محسوس کیا کہ پیچھے کوئی گاڑی آئی ہے۔ اس نے صرف گردن موڑ کر پیچھے دیکھا مگر فوراً ہی سیدھی ہو گئی۔ پانچ چھ جیپ سے یاور علی خان اتر رہے تھے۔

اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا تھا۔ اس نے چادر پیشانی پر جو دیکھ سکتی تھی۔ یہ ایک بے ساختہ سی طمانیت بھری عمل تھا۔

پھر اس نے یاور علی خان کو کاریڈور کی طرف بڑھتے اور ایک طرف مڑتے ہوئے دیکھا۔

"یہاں تو کچھ اور ہی سن نہ ہو جائیں"۔ اسے اندیشے ستانے لگے۔

اسے تقریباً آدھا گھنٹہ ہو گیا۔ کوئی باہر آتا دکھائی نہیں دیا تھا۔ شیر گل بھی ایک بنچ پر بیٹھ چکا تھا۔

معاً اس کی نظر وہاں پر بڑی جو میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"یا اللہ۔ کیا سب آنے ہوئے ہیں؟" وہ جو بے فکر سی ہو گئی۔

وہاں سے کراہ رہا تھا اس نے دیکھا۔ تیمور علی خان باہر آ رہے ہیں۔ وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئی۔

تیمور علی خان نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

"آؤ روشانے!" ان کا چہرہ نہ جانے کیوں لیا تھا۔ ایسے ہی کوئی ہوا ایسے ہی کوئی اور ہوں۔

"کا کا جان؟"

"ایزی۔ تو پاپا صاحب نے کہا ہے کہ تم نے ہمیں فون کر کے اپنی پریشانی بتا دی تھی۔ اس لئے ہم نے شیر گل کو بھیج دیا تھا۔ تمہیں "سرائے" بھلوا لیا تھا۔ درمیان میں کچھ ایمرجنسیز ہو گئیں اس لئے ہم بڑی جو بلی نہیں کر سکے۔ اب ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ آؤ"

وہ جیپ سے اتر آئی۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ یہ بابا صاحب کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ اتنی بیمار ہو گئی ہیں کہ ان کو نہیں کر سکتے۔ کیا ایسا ہی ہوتا ہے؟ وہ جو بے حد تنہا ہو گئی تھی اگر وہ بھی نہ رہیں تو انہیں کیا فرق پڑے گا؟

وہ یہیں بھاگ جائے۔ مگر کسی بھی صورت میں وہ اس طرح کی حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ان کی بیٹی تھی۔ ان کی ذمہ داری تھی۔ اس کو اپنی طور پر تیار کرنے کیلئے وہ اس سے آہستہ آہستہ تخاطب تھے۔ وہ جیل جیل آنکھوں سے ان کی سمت دیکھ رہی تھی۔ کاکا وہاں ایسے تو نہیں تھے۔ اب کیا ہو گئے ہیں ایسے۔

وہ تو پہلے ہی سے انہیں دیکھ کر نروس ہو جاتی تھی۔ عادر کمال انہوں نے کبھی بھی نہیں کیا تھا۔ وہ ان کی سوچ کے سب ہی پہلوؤں سے ڈرتے تھے۔

انہیں بڑی عربی میں پکار کر ادھر ادھر ہوتے تھے۔ ایک بیٹی تھیں ان کے کان کی بالی تھی۔ گھر کے بچوں نے پیار کر کے بچی کا نام بالی رکھ دیا تھا۔ بچوں میں بچے بنے رہتے تھے۔ تیمور علی خان تو کبھی ان سے بچھڑے تھے۔

اس نے بے ساختہ تیمور علی خان کا ہاتھ تھام کر اپنی پیشانی پر رکھ لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"کاکا جان! میں اپنی نظروں میں گر چکی ہوں میں اس طرح کے سلوک کی حقدار نہیں ہوں۔ مجھے میرے کیے کی سزا ملنی چاہیے"۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔ اور جیپ سے نیچے اتر آئی۔

تیمور علی خان آگے اور وہ ان کے پیچھے چل پڑی تھی۔

کاریڈور میں بیٹھ کر اس کی ری تھی جان بھی نکلنے لگی۔ گھر کے تقریباً سب ہی لوگ تھے اور مرد وہاں موجود تھے۔ اس نے سر جھکا لیا تھا۔ یوں جیسے اتباعاً تیمور علی کی طرح۔ بھری عدالت میں ہو۔

تیمور علی خان ایک کمرے میں نہیں گئے سیدھے چلتے گئے۔ ان کی تقلید میں وہ بھی۔

بابا صاحب بالکل سیدھے لیٹے ہوئے تھے۔ چہرہ سرخ اور تمتما رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ وہ تیمور علی خان کی پشت پر تھی۔ انہوں نے باہر آنے کا اشارہ کیا۔

اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ اور اس پر یہ احساس کہ شیشے کی اس پار سب کھڑے دیکھ رہے ہیں۔

تیمور علی خان نے باپ کا ہاتھ آہستگی سے اپنے ہاتھ میں لیا تو انہوں نے فوراً آنکھیں کھول لیں۔ تیمور علی خان ان پر جھکے ہوئے تھے۔ سیدھے ہو گئے اور روشی کی طرف اشارہ کیا۔

بابا صاحب کی آنکھوں کی پتلیاں لمحے بھر کو ساکت ہو گئیں۔ جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو۔ چند لمحے انہوں نے اس کی طرف دیکھا پھر آنکھیں موند لیں اور گہرا سانس لیا۔

"روشانے! تم جیپ میں بیٹھو۔ بڑی جو بلی ہم خود جا کر کریں گے"۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں گویا ہوئے۔

وہ دروازہ کھول کر باہر آنے لگی۔ کھڑی ایک دم رک گئی اور پلٹ کر تیمور علی خان کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بھی اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھ رہے تھے۔

وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"کاکا جان! سنیے۔ میرا بھائی"۔ وہ جیسے ان کے کان میں بولی۔

"اوہ"۔ تیمور علی خان نے شیشے کے پار دیکھا۔ اور کہا ہوئے۔

www.Paksociety.com

"بھائی بیگم؟ آپ نے کمرے میں چلنے کو کہا۔"

"روشی خود اپنے کمرے میں جا رہا ہے۔" شاہ بولا۔

"ہاں صاحب کہتے ہیں تم۔ تم ہو بتاؤ؟" انہوں نے روشی کی گود میں سوئی ہوئی روشی کو دیکھا۔

"کیا ہے اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ آپ بھائی بیگم۔"

"یہ بیٹا کہاں سے اٹھا لائے۔ کوئی بتاتا نہیں ہمارا کوئی تم نے۔ تم بھی تو اسی خاندان سے ہو۔ کس حد سے آتی ہے یہ۔" وہ ناراضگی ظاہر کرنے لگیں۔ روشی خاموش رہی۔

"مگر آپ کہیں گی تو واپس اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے ہم۔ مگر پہلے کچھ بات چیت تو کریں آپ اس سے۔"

عالم جب سے ان کے حلیے پر بری طرح چونک کر ان کی شکل دیکھی تھی۔

"جیسے جانتے ہو تم؟"

"بلیئے بھائی بیگم؟" وہ چونک پڑا ہو گئے۔

لڑکپن اچانک اور شدت سے تیمور علی خان کی شکل دیکھی تھیں اور ان کی ذہنی حالت ایسی تھی کہ ان کے حوالے کوئی ایسا جزو ملتا جس کا تعاقب کرتے ہوئے حقیقت کا سرا پا لیتے وہ فوراً یقین کر لیتیں کہ واقعہ یہی ہوا۔

گھر والے ان کی ہوتیں کہ تب عالم جب تیمور علی خان کو ساتھ لے کر ہال سے باہر چلی گئی تھی۔

"چھوٹی بی بی کے پاس چلتے ہیں۔" بیلے نے آپ کر کہا۔

"وہ ہمیں دیکھ لے گی تب ہی تو ہمیں تک پہچانے گی۔" عالم نے اپنا ہاتھ سر پر رکھے اضطراب سے کہا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں۔ مشکل ہے تیمور علی خان دیکھ لے۔"

گھر نے عالم کا طریقہ بولنے کا انداز کے ان کے صحیح اندازے کی تائید کی۔

"بڑی بی بی کے پاس چلتے ہیں۔ وہ کچھ طریقہ بھی دے دیں اور پھر ساتھ لے کر روشی کے پاس چلتے ہیں۔ وہ کہیں گی تو ہمیں ضرور دیکھ لے گی۔" سوتے کے آپ نے خوش کے طریقہ بھائی۔

"بالکل ٹھیک۔" وہ سب کی سب کھڑی ہو گئیں سوائے عالم کے۔

"آپ نہیں چلیں گے بھائی؟" وہ بولی نے پوچھا۔

"میں کچھ دیر بعد آتا ہوں۔ آفس کا کچھ کام ہے۔ آفس کا کام نکل جائے تو بعد میں تم سنا دینا۔" وہ بولے۔

"جیسا حکم بھائی۔" وہ سر جھکا کر بولی۔ "شیطان اسی طرح وار کرتا ہے۔" وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

فلسفہ غم، رسائل تعلق اپنا بیسہ کی کوئی چیز ہوتی ہے۔ کتنا بے وسعت ہو جاتا ہے انسان دوسروں کے کردار پر بولنے لگتا ہے۔

لڑکپن جاگتا ہے آدمی ہے۔ کتنی عمر ملے تو انسان اپنے بچپن کی حرکتوں پر ہنستا ہے۔ اخروٹی ... ہنستا ہے۔

"بھائی بیگم؟ آپ نے کمرے میں چلنے کو کہا۔"

"روشی خود اپنے کمرے میں جا رہا ہے۔" شاہ بولا۔

"ہاں صاحب کہتے ہیں تم۔ تم ہو بتاؤ؟" انہوں نے روشی کی گود میں سوئی ہوئی روشی کو دیکھا۔

"کیا ہے اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ آپ بھائی بیگم۔"

"یہ بیٹا کہاں سے اٹھا لائے۔ کوئی بتاتا نہیں ہمارا کوئی تم نے۔ تم بھی تو اسی خاندان سے ہو۔ کس حد سے آتی ہے یہ۔" وہ ناراضگی ظاہر کرنے لگیں۔ روشی خاموش رہی۔

"مگر آپ کہیں گی تو واپس اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے ہم۔ مگر پہلے کچھ بات چیت تو کریں آپ اس سے۔"

عالم جب سے ان کے حلیے پر بری طرح چونک کر ان کی شکل دیکھی تھی۔

"جیسے جانتے ہو تم؟"

"بلیئے بھائی بیگم؟" وہ چونک پڑا ہو گئے۔

لڑکپن اچانک اور شدت سے تیمور علی خان کی شکل دیکھی تھیں اور ان کی ذہنی حالت ایسی تھی کہ ان کے حوالے کوئی ایسا جزو ملتا جس کا تعاقب کرتے ہوئے حقیقت کا سرا پا لیتے وہ فوراً یقین کر لیتیں کہ واقعہ یہی ہوا۔

گھر والے ان کی ہوتیں کہ تب عالم جب تیمور علی خان کو ساتھ لے کر ہال سے باہر چلی گئی تھی۔

"چھوٹی بی بی کے پاس چلتے ہیں۔" بیلے نے آپ کر کہا۔

"وہ ہمیں دیکھ لے گی تب ہی تو ہمیں تک پہچانے گی۔" عالم نے اپنا ہاتھ سر پر رکھے اضطراب سے کہا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں۔ مشکل ہے تیمور علی خان دیکھ لے۔"

گھر نے عالم کا طریقہ بولنے کا انداز کے ان کے صحیح اندازے کی تائید کی۔

"بڑی بی بی کے پاس چلتے ہیں۔ وہ کچھ طریقہ بھی دے دیں اور پھر ساتھ لے کر روشی کے پاس چلتے ہیں۔ وہ کہیں گی تو ہمیں ضرور دیکھ لے گی۔" سوتے کے آپ نے خوش کے طریقہ بھائی۔

"بالکل ٹھیک۔" وہ سب کی سب کھڑی ہو گئیں سوائے عالم کے۔

"آپ نہیں چلیں گے بھائی؟" وہ بولی نے پوچھا۔

"میں کچھ دیر بعد آتا ہوں۔ آفس کا کچھ کام ہے۔ آفس کا کام نکل جائے تو بعد میں تم سنا دینا۔" وہ بولے۔

"جیسا حکم بھائی۔" وہ سر جھکا کر بولی۔ "شیطان اسی طرح وار کرتا ہے۔" وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

فلسفہ غم، رسائل تعلق اپنا بیسہ کی کوئی چیز ہوتی ہے۔ کتنا بے وسعت ہو جاتا ہے انسان دوسروں کے کردار پر بولنے لگتا ہے۔

لڑکپن جاگتا ہے آدمی ہے۔ کتنی عمر ملے تو انسان اپنے بچپن کی حرکتوں پر ہنستا ہے۔ اخروٹی ... ہنستا ہے۔

"ہاں ہمارے ساتھ۔"

سیاہ شلوار قمیص پر ڈارک براؤن کی کرتہ سیٹو واسکٹ پہنے ہوئے تیمور علی خان اپنی لمبی سے والی مردانگی کے ساتھ سائبان سا محسوس ہو رہے تھے۔ مگر نہ جانے کیوں اسے تاثرات میں وہ بہت مضمحل محسوس ہو رہے تھے۔

وہ آگے بڑھے اور دروازہ کھول کر باہر نکلے تو اس نے لپک کر ان کا بازو تھام لیا۔ سامنے باڈی گارڈ کھڑی اس میں ہمت نہیں تھی۔ بس ان کا بازو تھامے چلتی چلی گئی۔

گارڈ روم سے باہر آ کر اس نے تیمور علی خان کا بازو چھوڑ دیا۔

شیر محل انہیں آتا دیکھ کر سیدھے سے کھڑا ہو گیا۔

"ڈی او بیلی بلوچ شیر محل۔" وہ جیب کا دروازہ کھولتے ہوئے کھڑا ہوا۔ اسے جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

عربیلی میں داخل ہوتے ہی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"بھائی صاحب (بڑے ابا) اور ہمیں چچا کو میں نے سمجھا دیا ہے۔ وہ تم سے اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔ اوکے وری۔"

(اوسیا؟) وہ بچہ سا پاپا کی جانے کیا سوچ کر چپ ہو رہی۔

"ہوں۔" صبح ہو چکی تھی۔ وہ بنگلا اجالا پھیل رہا تھا۔

وہ تیمور علی خان کے پیچھے پیچھے چلتے گئی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کے گھر پہلی مرتبہ آئی ہو۔ بار بار ... عالم ہے؟ خشونت بھرا چہرا سامنے آ رہا تھا۔ سر سوتی جانے کس کام سے باہر آئی تھی روشی کو دیکھ کر اسے ہاں اور گئی۔ اس کی آواز دور تک آ رہی تھی۔

"روشی بی بی آ سماں۔ تیمور خاناں دا ل۔ بیگم جی۔ روشی بی بی۔"

اندر جیسے کھلبلی مچ گئی۔

عالم جب لڑکیوں کے ساتھ ہال میں ہی تھیں۔ جہاں ناشتے کا سلسلہ جاری تھا۔

جانے کیا سوچ کر آ رہا تھا۔

جو نہ سے آگے کے مراحل طے کر رہی تھیں۔ انہیں سلام بھیجنے کی جلدی ہو گئی۔ بہت عالم اب نے سے کر نماز مکمل کی۔ باقی خواتین اپنے اپنے کمروں میں تھیں۔ سب بچے ... ہو چکی تھی۔ سائیں بھی اپنے کمرے میں تھی۔

تیمور علی خان ہال میں داخل ہوئے۔

جو لڑکیاں سلام بھیجنے تھیں وہ اپنی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

"السلام علیکم" تیمور علی خان نے اپنے مخصوص دبدبے میں ہال میں موجود کو سلام کیا۔ مختلف کونوں سے آوازیں ابھریں۔

"السلام علیکم کا جواب۔"

www.Paksociety.com

ہوں تو بندگی عبادت بھی مسترد ہے۔ عبادت کی بنیاد اخلاقیات سے مشروط ہے۔ خدا خالق اخلاق ہے بات اخلاق سے شروع ہوتی ہے۔ شیطان سے زیادہ کس کی عبادت کا اثاثہ نہیں ہوگا۔ پھر بھی مسترد کر دیا گیا۔ آئیں تو غالب کا یہ شعر ذرا مختلف تناظر میں تحریم کر کے دیکھنا چاہیے۔ غور و فکر کرنے کیلئے۔

اطاعت کی شرط استواری کی اصل ایمان ہے

مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

تاویلیں کیا کرتے تھے۔ کہ ہمارا رابطے کا سلیقہ بے عام نفیس ہے اور تجھ کی نماز بات لاتن۔

نماز بھی رابطہ ہے اخلاقیات بھی رابطہ۔ ایک کا تعلق خدا سے اور دوسرے کا خدا کی مخلوق سے۔

مگر کو صحیح کی بات سے دلی تکلیف ہوئی تھی۔ وہ ماہین کی خواب گاہ تک سوچتی ہوئی کیفیت میں پہنچی تھی۔

ماہین پہلی دستک پر باہر آئی تھی۔ اس نے بڑی فکر مندی سے ان کے چہرے دیکھے سب کی سب ایک ساتھ ہی کہاں بولنے لگا۔

"ممانی جان! روشی آگئی ہے؟" سونا نے لب کشائی کی۔

"ہیں"۔ اسے سماعت کا دھوکا محسوس ہوا تھا۔

"جی۔ روشی آگئی ہے" مگر نے بھی کہا۔

"کیسے؟" اس کی حیرت کی کوئی حد نہیں تھی۔

"کاکا جان کے ساتھ اور کیا تو ہمیں بھی نہیں پتا"۔ روبی نے کہا۔

"کاکا جان؟" وہ الجھی۔ سارا اعصابی نظام الٹ پلٹ ہونے لگا تھا۔

"جی۔ کاکا جان نجیب علی خان"۔ زری نے وضاحت کی۔

"وہ۔ "سرائے" والے؟" اس نے پوچھا

"جی جی۔ وہی"۔

"پرسوں رات۔ ایک بجے ان سے بات ہوئی۔ آج روشی ان کے ساتھ"۔ وہ بڑبڑانے لگی۔

"کہاں ہے وہ؟" وہ سنبھل کر بولی تمام لڑکیاں ہنسیں۔ اس کی شکل دیکھ کر ہی تھیں۔

"اپنے کمرے میں۔ ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ کو اطلاع بھی دیدیں اور ساتھ لے کر اس سے ملیں بھی"۔

"ہاں۔ ہاں۔ چلو۔ وہ اچانک۔ سے کوئی فون وون آیا؟" وہ ایک دم جیسے کسی گمان سے چونکی۔

"فون بھی آیا تھا۔ کاکا جان بھی بتا رہے تھے کہ اب۔ حالت بہت بہتر ہے۔ وہ وہیں سے آرہے ہیں"۔ بیلے نے بتایا۔

"روشی بھی۔ روشی بھی کچھ بولی تھی؟" اس نے چلتے چلتے قدرے خوف اور تجسس سے اگلے سوال کے ساتھ پوچھا۔

"شاید آئی تو وہ کاکا جان کے ساتھ ہی ہے" جوبی نے کہا۔

"اچھا"۔ ماہین کا دل ڈوب گیا تھا۔

"اچھا۔ کاکا جان کہاں چلے گئے؟" اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"ہیں۔ وہ روشی کے کمرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ کچھ نہ سمجھ آنے والے انداز میں۔

ماہین نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

"کون؟" روشی کی تھکی تھکی آواز آئی۔

"میں ہوں ماہین۔ دروازہ کھولو"۔

تھکی تھکی سے آواز آئی مگر دروازہ نہیں کھلا۔

ماہین نے دوبارہ دستک کیا تو وہ کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم"۔ اللہ تمہیں توفیق دے اور ستا دیں"۔

اس نے سرخ و زرد کنٹراسٹ کے خوبصورت سے لباس میں ملبوس روشی کو بڑی دلچسپی سے دیکھا اور آگے بڑھ کر گلے سے لگا لیا۔

روشی نے بہت ضبط کیا مگر جانے کہاں سے اچھے سارے آنسو امڈ پڑے وہ ماہین کے گلے لگے لگی سسکیاں بھر رہی تھی۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لڑکیاں ادھر ادھر بکھر سے ادھے انداز میں بیٹھ گئی تھیں۔

ماہین نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا اور اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں صاف کیں۔

"یہ عمران قسم کی انتہا پسندی کہیں بہت نقصان پہنچا رہی ہے روحی۔ مجھے آنے والے وقت سے ڈر لگ رہا ہے۔"

"چھوڑیں خالہ! اب مجھے کسی جہاد یلی کی بات کا خوف نہیں۔ میں بالکل پرسکون ہوں۔"

اس نے گہری سانس لے کر باری باری لڑکیوں کو دیکھا

"میں سونا چاہتی ہوں خالہ۔ بہت تھکن ہے۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے تم آرام کرو۔ پھر باتیں کریں گے۔" ماہین کے اٹھتے ہی لڑکیاں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں

ماہین فجر کی نماز پڑھ کر باہر برآمدے میں آئی۔ اسے شاید یاور علی خان کا انتظار تھا۔ وہ روحی کے حملے سے محفوظ تھی۔

"بی بی۔ یہ نہیں بتا رہا کہ اندر کیا ہے۔ بس کام لیٹ ہے وہ یہاں نہیں رہتا۔ پھر بھی نہیں بتا رہا۔" چوکیدار نے ڈرتے ڈرتے انداز میں ماہین کو مخاطب کیا۔

ماہین آہستہ آہستہ آگے بڑھتی چلی گئی۔

"گیٹ کھولو۔ باہر کون ہے۔" اس نے چوکیدار سے کہا۔

چوکیدار نے تعمیل کی۔

دبلی پتلی اور خوبصورت سانولی سلونی لڑکی بدحواسی میں سامنے تھی۔

"کون ہو تم؟" ماہین نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"اقبال بیگم۔ سب باہر گئے ہیں۔" اس نے شدید کیفیت میں جواب دیا۔

"کس سے ملنا چاہتی ہو؟" اس نے سوال کیا۔ عجیب سی پاسیت تھی لڑکی کے چہرے پر۔

"مظہر سے۔" اس نے بہت دھیمی آواز سے کہا۔

ماہین کو جھٹکا لگا تھا۔

"حویلی میں شاید کسی کو چند لوگوں کے علاوہ معلوم نہیں تھا کہ یہاں کوئی مظہر رہتا ہے۔ یہ کون ہے جو اتنے یقین کے ساتھ مظہر کا ذکر کر رہی ہے"۔

"کیا لگتی ہے مظہر تمہاری؟ کس نے تمہیں بتایا کہ وہ یہاں رہتا ہے؟" ماہین کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"کسی نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ میں خود آئی ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی اور حویلی ہے۔" اس نے بے بسی سے جواب دیا۔

"مجھے بتاؤ کہ تم اس کی کیا لگتی ہو؟" ماہین الجھی۔

"میں اس کی رشتہ دار ہوں۔ آپ ان سے جا کر کہیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔"

"اندر آ جاؤ۔" ماہین اسے ساتھ لے کر چل پڑی۔ اس کا ذہن کئی الجھے ہوئے غیر ترتیب سوچوں میں الجھا ہوا تھا اس لئے خاموش تھی۔

وہ پھٹے ہوئے حویلی کی ایک ایک شے کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

"اندر آ جاؤ۔" ماہین نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے کپڑے بہت گندے ہو رہے ہیں۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے جھجکتے ہوئے بولی۔

"کوئی بات نہیں اب ایسے بھی گندے نہیں۔" وہ خود بھی صوفے کے ایک کونے پر ٹک گئی۔

"کہاں سے آئی ہو؟" اس نے اگلا اہم سوال کیا۔

"کراچی سے۔" اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔

ماہین ایک مرتبہ پھر چونک پڑی۔ "کس کے ساتھ آئی ہو۔ کیا تمہارا سامان وغیرہ؟"

"صرف ایک اٹیچی تھی جو سامان گھسا تھا۔" وہ مضمحل سے انداز میں بولی۔

www.Paksociety.com

ماہین نے اس کے قصیدے واقعی اعتماد پر اسے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

"یہ بھی لکھی ہو؟"

"بھئی ان پڑھ ہوں۔ مگر اب وقت پڑا ہے تو تھوڑی بہت پڑھ لیتی ہوں۔" وہ ہنسی سے ہنسی۔

"اتنی دور سے سیدھی یہیں آ رہی ہو؟" ماہین کو یکدم ایک خیال آیا۔

"جی"۔ اس نے مختصراً کہا۔

"ایسا کرو۔ تم نہا دھو لو۔ میں تمہارے کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔ کپڑے تو تمہارے پاس ہیں نہیں۔ میں اپنا کوئی سوٹ نکالتی ہوں۔ ٹھیک ہے؟ پھر تمہیں سفر سے بھی آئے ہیں۔ فریش ہو جاؤ۔"

وہ اٹھ کر وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ وکیل ہیں یہاں کی؟" وہ پیچھے سے بولی۔

"ہاں مگر دوسرے نمبر کی"۔ وہ کوئی مناسب سا سوٹ تلاش کرتے کرتے ہنس کر بولی۔

"آپ کا نام بڑا پیارا ہے۔" بالو کو عارف کی زبان سے نکلا ہوا لفظ پیارا لگا تھا۔

ماہین وارڈ روب کھلی چھوڑ کر چونک کر پلٹی۔

"نہیں۔ مگر تم انہیں کیسے جانتی ہو؟" وہ الجھن بھرے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"بس جانتا ہے۔ مگر آپ وہ کیسے ہو سکتی ہیں۔ وہ تو بڑی پرانی بات ہے۔ وہ تو آپ سے بہت بڑی ہوں گی۔" وہ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔

"پھر بھی کس سے سنا تھا یہ تم نے کراچی میں رہتی ہو؟" ماہین کی حیرت بجا تھی۔

"بس ۔۔۔ وہیں سے سنا ہے سب کچھ۔" وہ سادگی سے بولی۔

"کس سے؟" ماہین اپنا کام بھول کر پھر سوالوں میں الجھ گئی تھی۔

"عارف بھائی سے"۔ وہ سکون سے گویا ہوئی۔

"یہ کون ہیں؟" اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"آپ یہاں ماکھن ہیں۔ آپ نہیں جانتیں انہیں؟" اس سرپھرے حسینہ کو بھی حیرت ہوئی۔

"مجھے زیادہ دن نہیں ہوئے یہاں آئے ہوئے۔ ہاں۔ تو عارف کون ہیں؟" اس نے مداخلت کے ساتھ سوال بھی کیا۔

"اب آپ انہیں نہیں جانتی تو بتا رہے۔ آپ مجھے سفر سے تو نکال سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کو کھا جائے۔"

اس نے آنکھیں بھر کر ماہین کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہاں میں تمہیں بلواؤں گی"۔ وہ کسی دھیان سے چونکی اور پلٹ کر پھر وارڈ روب میں نظر دوڑانے لگی۔

"اس سے پہلے حلیہ سے کب ملی تھی؟" اس نے ایک سوٹ نکال لیا۔

"میں ان سے پہلے کبھی نہیں ملی"۔ وہ سادگی سے بولی۔

"سب کیا ضرورت تھی؟" اس نے سوٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"ضرورت کی ضرورت ہے۔ مجھے جلد ہی پاکستان واپس جانا ہے۔" وہ سادگی سے مسکرائی۔

"اچھا چلو۔ تم پہلے نہا دھو کر فریش ہو لو۔ پھر تم سے آرام سے بات ہو گی۔ ایک سوٹ تھما۔" اس نے دیوار کے ساتھ لگے ہوئے دیوار میں نصب ایک اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

تھوڑی ہی دیر میں باتھ روم سے شاور کی آواز میں ماہین کی آواز بھی شامل ہو گئی۔

"بی بی بی"۔

"دیکھو۔ یہ بے چاری بڑی دور سے آئی ہے۔ اسے بار بار کا تھوڑا سا کھانا پینا کرا دینا۔ ٹھیک ہے۔" اس نے کھانا پکانے والی کو ہدایت کی۔

"جی آپا کون ہے؟" اس نے اپنا اضطراب ظاہر کر دیا۔

"آپ کام سے کام رکھو تمہیں اس سے کیا"۔

"اور ہاں سنو"۔ وہ بالو کی طرف پلٹی۔ "یہاں اور کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔ جو بات ہو صرف مجھ سے کرنا۔ وہ تمہارا مسئلہ حل ہو سکتا ہے"۔ اس نے بالو کو سمجھایا۔ کہ اس کی اپنی ذات میں دلچسپی اس میں تھی۔

یاور علی خان جیب سے اتر کر بڑی تیزی سے اندر داخل ہوئے تھے۔ سامنے ہی سرسوتی نظر آ گئی۔

"سرسوتی"۔ ان کا لہجہ بڑی کے تاثر سے مضطرب تھا۔

"جی صاحب"۔ وہ ان کے قریب تقریباً بھاگتی ہوئی آئی۔ نوکر لوگ اپنے صاحب کے مزاج سے بڑے حساس ہوتے ہیں۔

"دولت کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں جی صاحب"۔

یاور علی خان اسی رفتار سے دولت کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

دروازے پر دستک دی تھی۔ دولت نے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔

"کون؟"

"دروازہ کھولو"۔ ان کا لہجہ غصے سے بھرا تھا۔

دولت کا دل گویا مٹھی میں آ گیا۔ وہ اس وقت کسی کو بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے تولیہ جلدی سے لپیٹ کر دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم"۔ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

یاور علی نے کوئی جواب دینے کے بجائے اسے دھکا دیا۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

"تم جھوٹ کیوں بولی تھیں تم؟" وہ اپنے غصے کو ضبط نہیں کر پا رہے تھے۔

"کچھ نہیں۔ میں ڈر گئی تھی۔" شیر گل خان کے سامنے سر جھکا کر کہہ رہی تھی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا ان حرکتوں سے؟ سیدھے سیدھے بات نہیں کر سکتیں۔ کیا ضرورت تھی۔ یہ ڈرامہ کرنے کی؟"

"کوئی بتانے والا ہوتا کہ کیوں۔" وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"آرام سے نہیں رہا جاتا تم سے؟ اور لڑکیاں نہیں ہے۔ تم میں کوئی زیادہ ہی سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔ گھر کے مذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ زندگی کی سب سے بڑی سزا دی گئی ہو۔ کیا ہے اس گھر کے لوگ سوتے نہیں۔ وہ صاحب کی زندگی موت کا سوال پیدا ہو گیا ہے۔ کیا تم اتنی بچی (بے وقوف) ہو کہ اپنے کام کے رسک کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔"

"فائدہ کچھوں اور دشمنوں کا جو کسی کی خوشی و زندگی کو برداشت نہ کریں۔" اس نے رخ موڑ کر آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"شٹ اپ۔ کیا کمی ہے تمہیں؟ باہر نکل کر دیکھو۔ لوگ پیٹ سے پتھر بھی باندھتے ہیں اور غلامی بھی کرتے ہیں۔" وہ برہم ہو گئے۔

"انسان کو اپنے پیدا ہونے پر اختیار نہیں ہے۔ جو جہاں پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ پھر اس کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ اگر اسے تکلیفیں ملتی ہیں تو وہ ان کو اپنا پیدائشی حق سمجھ کر وصول کرتا ہے۔ اگر مالک ملتے ہیں تو وہ اپنی بدقسمتی سمجھ کر اسے قبول کر لیتا ہے۔

جاگیر اور غلام میں پیدا ہونا میرا قصور نہیں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھے اس بات کی سزا مت دیں۔ آپ سکتے ہیں کہ میرا قصور کیوں جاگتا ہوا ہے۔ میں مطمئن پیدا کی گئی نہیں۔ مجھے اپنے ہونے کا احساس کیوں ہے؟"

"پاگل ہے بے شعور ہو تم۔ لمحوں کی ہوس سے کھیلنے والی جاہل اور بے حس لڑکی۔" وہ غرائے۔

"اقدام پر غور کیوں کرتے ہیں آپ اقدام پر کیوں غور نہیں کرتے۔ شرع اور قانون کی کوئی بھی دفعہ یا شق ہے جس کے تحت لڑکا "انسان" میں شامل نہیں ہوتی۔ عدالت کسی مذہب کی ہو جرم کے ساتھ کارروائی شروع کرتی ہے۔"

"یہ زبان اور لہجہ بے حیائی اور بے ادبی ہے۔ میں تمہیں اس دانشوری پر ایوارڈ نہیں دے سکتا۔ کان کھول کر سن لو۔"

"کاکا جان اسی لئے شاید بڑی حویلی میں کمس اپ نہیں کرتے تھے۔"

"شٹ اپ یا میرے سامنے۔" وہ غصہ سے کھڑے ہوئے۔

"نہیں لیتی۔ کہ مجھے پتا ہے بڑی حویلی میں "انہوں" کا گزارا نہیں۔"

"روشانے میں تمہیں قتل بھی کر سکتا ہوں۔ سمجھیں۔" وہ اسی سابقہ انداز میں گویا ہوئے۔

"اس قلعے کے ساتھ تمہیں دیکھ کر تمہاری وہ دانشوری کام نہیں آئی۔ بچی ہو۔"

"وہ آپ کے۔"

"میں یہاں وہ نہیں ہوں۔ اپنی اطلاعات اپنے پاس رکھو۔ باپ صاحب کی طرح ایک دن تمہیں بھی مسئلہ

بنانے کی بیماری ہے۔ کیوں ایک گھر آج کے بعد تم سے ساتھ ہو گی۔ میں یہ گھر بیچ دوں گا۔ تم سے دور۔ باپ کے موت کے بعد میں پہنچانے کی آخری حد بھی آزما چکی ہو۔ تم نے میری ساکھوں کا جنازہ نکالا ہے۔ اگر تم نے بڑی حویلی جانے کی کوشش کی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ پھر اس کے بعد تم کبھی یہاں نہیں آؤ گی۔ تم میری اولاد ہو میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔ سمجھتے ہوئے تیاری کرو۔ تمہارے ابا کا گھر ہے۔ تمہارے باپ کا کلیم۔"

وہ جھری سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

ماہین کمرے سوتی کے دوپٹے اطلاع مل چکی تھی۔ یاور علی خان آ چکے ہیں۔

یہ جان کر کہ وہ روشی کے پاس ہیں۔ وہ اس وقت اپنے کمرے سے باہر آ کر صورتحال کا جائزہ لینا بھی تھی مگر یاور علی خان کو اتنے غصے میں پا کر ٹھٹک کر رک گئی۔

"السلام علیکم۔" اس نے قدرے جھجکتے ہوئے ان کو دیکھ کر سلام کیا۔

"وعلیکم۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے آگے بڑھتے گئے۔

"وہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑی۔

یاور علی خان نے کمرے میں داخل ہو کر شرٹ اتار کر بیڈ پر پھینکی تھی اور اے سی آن کر رہا تھا۔

"پانی پلاؤ۔ بہت گرمی ہے۔" انہوں نے جوتا اتار کر صوفے پر پھینکا۔

ماہین نے بیڈ روم فریج کھول کر سرد سے ٹھنڈی بوتل نکالی کی۔ درحقیقت اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ آج یاور علی خان پھر ایک نئے انداز میں سامنے آئے تھے۔

ماہین گلاس بھر کر ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"بابا صاحب کی طبیعت اب کیسی ہے؟" انہوں نے جیسے ہی خالی گلاس اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ اس نے فوراً پوچھا۔ کہا۔

"ٹھیک ہیں اب۔ میرا کوئی سلیپنگ سوٹ نکال دو۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

ماہین روٹھ کی مانند دراز دب کی سمت بڑھ گئی۔

سوٹ نکالتے ہوئے اس کا ذہن روشی کی طرف بھٹکنے لگا۔ اس نے سوٹ ان کو تھماتے ہوئے سوچا یہ جلدی سے ایک جائیں تو روشی کی خیر ہے معلوم کرنے جائے۔ پھر فکر کرے ان کا معاملہ ہے۔ وہ اس طرح قسم کے دوسرے ہتھکنڈے

"تم اچھی طرح جانتی ہو ماہین، تم روشی کو آج ہی یہاں سے لے جاؤ۔ ورنہ ہاتھ ہی پڑ جائے گا۔ پھر تو کل پیسوں ہی پاسکیں گے۔"

"آپ کھانا کھائیں گے؟"

"کیا تمہیں پتا ہے کہ باپ صاحب کے سامنے آنے سے اس میں کتنی بہتری ہے۔"

"جی۔"

www.Paksociety.com

"کچھ نہیں کرے گی اب وہ اسٹوپڈ۔" ماہین نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے۔ مجھ سے خیال میں ابھی وہ آرام کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں۔"

"اچھا۔ اچھا۔ ایسا کرو یہ برتن کچن میں رکھ دو۔ اور جا کر وہ کمرے میں صفائی کرو۔"

وہ سلیپنگ سوٹ اٹھا کر باتھ روم میں چلے گئے۔ اس نے برتن سمیٹے اور کچن سے باہر آ گئی۔ سوچنے لگی ان کے ساتھ۔

سب لڑکیاں سفید سوٹ پہنے بیٹھی تھیں۔

"یا تو کرو گی ہاں روشی۔" روبی نے اجنبی خریدار انداز میں پوچھا۔

"پتا نہیں۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ پھر سر جھکائے کپڑے لگانے لگی۔

"جا کہاں رہی ہو؟" ماہین ہاتھوں کے پیالے میں تھوڑی ٹکائے اداسی سے گویا ہوئی۔

"پتا نہیں۔"

"کیا تمہاری شادی ہو رہی ہوگی؟" ہیر نے اپنے غرارے کے تصور میں ڈوب کر پوچھا۔

روحی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ریسٹنگ ٹیبل سے چیزیں اٹھا اٹھا کر ایک بیگ میں بھرنے لگی۔ اس کے چہرے پر ایک سکون تھا۔

ماہین اس کی تیاری کے مراحل چیک کرنے کے خیال سے کمرے میں آئی تھی۔

"تیار ہو گئیں روشی؟"

"میں کا کہاں سے ہاتھ کرنا چاہتی ہوں خالہ۔ وہ یہاں پر ہیں اسکول میں؟" اس نے روبی سے استفسار کیا۔

"وہ تو تمہیں چھوڑنے کے لئے آئے تھے۔ وہ اسکول چلے گئے تھے۔" ماہین نے جواب دیا۔

"کوئی بات ہے تو ہاری سے کہلا دو۔ وہ ہو جائے گا۔" ماہین نے حل بتایا۔

"وہ اسٹوڈنٹ سے چیزیں ایک بیگ میں ڈالتی رہی۔

"بھلوائیں ہاری کو۔ ہو سکتا ہے تھوڑی دیر بعد ہاتھ چھوٹ جائے۔" ماہین نے کہا۔

"تھینک یو۔" اس نے جزاک سے نگاہ اٹھا کر ایک نظر ماہین اور ہیر پر ڈالی۔ پھر بیگ کھول کر دیکھنے لگی۔

"ہاں وہ ہیئر کر دو چاہے۔ میں بھی کر لوں۔ اگر تمہارے کسی کام آ سکوں تو۔" بیگ سے ہیر کا چہرہ نمودار ہو گیا۔

"ساری باتیں ہی ختم ہو گئیں۔ بیگ والی نہیں آ رہا۔ کیا باتیں کریں گے آپ؟" وہ جھنجلاتی ہوئی ان کے قریب چلی آئی۔

"اچھا بیٹا۔ کا کا ہاں والا گھر کیسا لگا؟" گلوبے نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"اندر سے تو دیکھا نہیں۔ بس گیسٹ روم میں ہمارا قیام تھا۔ اس سے ملحقہ اسٹور تھا جس میں کا کا نے مجھے اندر بھیجا تھا۔"

"ایک کمرہ بھی اندر نہیں گئیں؟" ماہین نے تعجب سے اس کی بات کاٹ دی۔

"نہیں۔ وہ اندر جانا منع تھا۔ کا کا ہاں نے کہا تھا۔ پھر بھی کا کا ہاں "گل والی" ہیں۔ ان کے بیٹے کی

ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کی والدہ مجھ سے کسی بات پر خفا ہو گئی ہوں۔ اسی وجہ سے انہوں نے مجھ سے اندر جانے کو نہیں کہا۔ ہمیں وجہ کا پتا ہونا ضروری ہے۔"

"ہم نے تو کبھی نکل نہیں کیا کہ یہ ہاں ہیں اور کا کا ہاں میں کوئی کشمکش ہے۔ کا کا ہاں کا تو نام بھی کبھی ہم نے نہیں سنا۔ ہمیشہ گل ہاں کو ہی ہاں کہتے سنا ہے۔"

سوہا کی بات سے ماحول خاموش ہو گیا تھا۔ شاید سب کے تصور ہی سے باہر تھا۔ عموماً ہر گھر میں ایسا ہوتا ہی تھا۔

"پھر بھی ہم نے کبھی ہاں، ہاں اور کا کا ہاں کو گھر کے افراد کی طرح بات کرتے نہیں دیکھا۔"

روبی بھی شامل ہو گئی۔

"چھوڑیں اس قصے کو۔ کچھ اچھی باتیں کریں۔ اب روشی پتا نہیں کب آئے گی۔"

ہیر نے اپنی مخصوص رازداری سے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"تم آ جاؤ پھر بہت دیر ہو جائے گی۔ سامان کھول کر لے جانا۔" ماہین نے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ سب لڑکیاں ہی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"روحی ابھی سے نہیں ہوگی؟" روبی نے دریافت کیا۔

روحی نے ماہین کی طرف دیکھا۔

"میں بتا دیتی ہوں۔" ماہین نے اس سے نظر چرا کر کہا۔ روحی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور سب اس کے پیچھے پیچھے ہو لیں۔

وہ سب اس کے ساتھ ہی ڈرائنگ تک آئی تھیں۔ اسی دوران فضلی پارکنگ زون سے پورچ میں داخل ہوا۔ پہلے تو وہاں موجود خواتین کو دیکھ کر ٹھٹکا پھر جلدی سے گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے سب کو باری باری دیکھنے لگا۔

"اسکول جا رہی ہیں آپ لوگ؟" وہ سب سے مخاطب ہوا۔

"نہیں کون لے جاتا ہے۔ ویسے وہ اس حویلی کے تو کسی کے بابا صاحب ہیں ہوتے ہیں۔ "نیچے روشی ہاری پورچ میں ہے اور اوپر کیسے کمرے ہیں"۔

روبی نے ہاری سرسراتی نظر ڈال کر جیب سے گاڑی کی چابی نکالی۔ سفید کاٹن کے کرتہ شلوار میں ملبوس وہ اسمارٹ نوجوان پورچ میں کھڑا سب کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ روبی کی نظریں بھٹکنے لگی تھیں۔

"ہاری جا رہے ہیں کیا؟" اس نے ماہین کی سمت دیکھا۔

"نہیں۔ گل والی صرف روشی جا رہی ہے۔"

"کون؟" وہ الجھ کر بولا۔

"گل والی۔ وہ جو ہاں ہے نا۔ روشی وہاں کام کرتی ہے۔" ماہین نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"اچھا۔ اچھا۔ اچھا ہو گیا۔ روشی بی بی کی بات کر رہے ہیں۔" وہ بلند آواز میں ماہین سے مخاطب تھا مگر نظریں روشی سے ہٹا کر

www.Paksociety.com
www.Paksociety.com
www.Paksociety.com

تھا۔

"ہاں ہوگی جب ہی تو"۔ ماہین نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑی۔

"باقی تو سب ٹھیک ہے؟" اس کی تشویش صرف روشی کو لے کر تھی۔ وہ ٹیک سے پیچھے آ گیا تھا۔

"ہیا! کھوکھر سے کہو وہ گاڑی کے کر ... سامان لے آئے"۔ ماہین نے پوچھے سے دریافت کیا۔

"جی"۔

"کس کے ساتھ جا رہی ہیں روشی بی بی؟" باری نے ماہین سے پوچھا۔

"ڈرائیور کے ساتھ"۔ ماہین نے جواب دیا۔

"بہت جلدی ہے کیا"۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بیٹھا ہوا کپڑے جھاڑ رہا تھا۔ جس سے وہ تھا سے خاصی دور ہو گئی جو بلی آئے ہوئے۔

"ہاں شاید ... چلو روشی بیٹھو ... گھبرانا نہیں۔ ہم پرسوں انشاء اللہ ملتان جائیں گے"۔ ماہین نے روشی سے کہا۔

روشی پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ اس نے وہاں موجود لڑکیوں میں سے کسی سے بات نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر میں کھوکھر اس کا سوٹ کیس اور بیگ لے کر آ گیا۔

باری نے چور نگاہوں سے روشی کی سمت دیکھا پھر لڑکیوں پر نظر ڈالی۔ چند ثانیے کچھ سوچا پھر ٹیک سے پانی بھیج کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ سب لڑکیاں کہاں ہیں۔ کچھ پتا ہے؟" عشنا سامنے آ گئیں۔

"وہ روشی بی بی کو الوداع کہہ رہی ہیں باہر پورچ میں"۔ اس نے مختصراً کہا۔

"اب کہاں جا رہی ہیں موصوف؟" عشنا بھنکارہ گئیں۔

"ہری پور"۔ اس نے پھر اختصار سے کام لیا۔

"مگر یار ماموں اور ممانی تو یہیں ہیں"۔ ان کی حیرت قابل دید تھی۔

"یار بچا کے حکم پر ہی روانگی ہو رہی ہے"۔ اس نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

"لیکن کس کے ساتھ جا رہی ہے؟" ان کی حیرت برستور تھی۔

"ڈرائیور کے ساتھ"۔ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھا۔

"تم چھوڑ آتے۔ کیا یہ خود خطرہ مول لینے والی بات نہیں ہے"۔ ان کے طویل جملے نے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ اطمینان رکھیں"۔ وہ جانے کس دھن میں کہہ گیا۔

"اچھا"۔ ان کا انداز بڑا معنی خیز تھا "تمہاری" پانچوں "پوتو ہیں روشن" وہ جیسے سروں میں اس پر ہنسی۔

باری ایک دم کانشس ہو گیا۔

"باری ... اب تو وہ فالتو ہیں ہو سکتی؟" عشنا کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

"تو کیا ہوا۔ ان کے باپ کا گھر ہے"۔ وہ بھی زور دار مسکراہٹ کے ساتھ جواب دے کر آگے بڑھ گیا۔ پیچھے عشنا اور ہما اسے آنکھ سے اوجھل ہونے تک دیکھتی رہیں۔

"کون ہے یہ لڑکی؟" عالم تاب نے عشنا سے مخاطب ہونا مناسب نہیں سمجھا۔

"جی ... وہ ماہین بی بی کی بیٹی والی ہیں اور تو مجھے پتا نہیں"۔ کھوکھر بھی تھی۔

"ہاں بالکل ہی میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی ہوئی کیلے چھیل رہی تھی۔ اسے یہاں کے ماحول نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس نے بال سکھانے کے دوران ہی بیٹھے بیٹھے سونے جاگنے سے اپنی دلچسپی ظاہر کر دی تھی۔ عالم تاب کی شاہانہ شخصیت کو اپنے حساب سے اس نے بی بی اہم شخصیت سمجھتے ہوئے سلام کر لیا تھا۔ عالم تاب کی شاہانہ شخصیت کا یہ انداز بہت گراں گزرا تھا۔ اس لئے بچی میں خود بخود دلچسپی آ گئی تھی۔

"کہاں سے آئی ہو تم؟" وہ سر جھٹک سے گویا ہوئیں۔

"کراچی سے"۔ اس نے ہاتھ روک لئے۔

"میرا مطلب ہے ٹھہری ہو کہاں پر؟" وہ چیخ پڑیں۔

"جی۔ سیدھی یہیں آئی ہوں؟" وہ قدرے جھجکی۔

"اوہ ... ماہین سے ملاقات ہو گئی؟ کیسے جانتی ہو ماہین کو؟"

"جی ... وہ" اسے ماہین کی ہدایات یاد آ گئیں۔ "آپ ان سے پوچھ لیں۔ انہیں سب پتا ہے"۔ وہ بس یہی کہہ سکی۔

"کیا مطلب؟ تمہیں اپنا نہیں پتا؟" تعجب سے ان کی بھنویں اوپر چڑھ گئیں وہ خاموش رہی۔

"بلاؤ لاؤں ماہین بی بی کو"۔ کھوکھر نے خدمات پیش کیں۔

"نہیں۔ میں خود جا رہی ہوں ان کے پاس۔ تم بھی کنگھی چوٹی کر کے وہیں آ جاؤ"۔

ماہین بی بی ہال میں ہی تھی۔ یاور خان سو رہے تھے۔

"یاور کب آئے؟" عالم تاب چونکیں۔

"دیر ہو گئی ہے آپ آرام کر رہی تھیں۔ روشی بی بی کو سب خدا حافظ کہہ کر ہال میں بیٹھی ہوئی ہیں چائے پانے جا رہی تھی میں سب کیلئے۔ آپ کیلئے بناؤں؟" کھوکھر کے منہ سے سوداً کو جلد سے جلد ترسم دیکھنا چاہ رہی تھی۔

"سب ہی کو ان کے آف سوداً سے ڈر لگتا تھا کہ قصور وار ہے یا بے قصور سب ہی کی خواہش آ جاتی تھی۔

"نہیں"۔ وہ الوداعی ایک تشفی نظر ڈال کر ہال کی طرف بڑھ گئیں۔

سب نے ہال میں موجود پا کر ایک دم حصہ لے لیا۔

"یار تم بھی ... کیا کہہ رہی تھی؟" وہ ماہین سے مخاطب ہوئیں۔

"کچھ نہیں۔ تعارف کروا رہی تھی۔ اپنے بارے میں کچھ بتا رہی تھی"۔

www.paksociety.com

"یہ لڑکی کون ہے؟" وہ بولتا ہوا اس کے قریب کی طرف گئیں۔

"کون؟" ماہین نے بے ساختہ ادھر ادھر دیکھا۔

"وہ جو لیا دھر کر عالیہ تمہارے کپڑے پہنے باہر کھڑی ہے۔" وہ بڑے غور سے ماہین کو دیکھ رہی تھیں۔

"اوہ۔" ماہین کو یکدم دھیان آ گیا۔ اس نے فوراً عالم تاب کا چہرہ دیکھا۔ انہیں اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ اٹھ کر ان کے قریب آ گیا۔ ماہین کچھ کہہ نہیں پائی تھی۔ وہ خود ہی بولی۔

"جی۔ ہماری جانے والی ہے۔"

"جانے والی۔ کیا مطلب؟" وہ الجھ گئیں۔

"کراچی سے آئی ہے۔"

"ہاں ہاں۔ وہ تو مجھے پتا چل گیا ہے۔" وہ بات اچک کر بولیں۔

"ہماری کام کرنے والی ہے۔ اس کی بہن ہے۔"

"مگر یہاں کیا کرنے آئی ہے؟" ان کی حیرت بجا تھی۔

"اپنے کسی سسرالی رشتے دار کے ہاں آئی تھی۔ اس کا گھر نہیں ملا۔ متیا طاعہ اپنے لے آئی تھی۔ اس کے یہاں چلی آئی۔ لگتا ہے اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے یا اس کے حالات خراب ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ چلی جائے گی۔" ماہین نے بہت سنبھل کر جواب دیا۔

"ہمیں فخر اس کے یہاں رہنے سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ اسے لگ رہا ہے ان کی آل اولاد مجھے تو کچھوں کی خدمت بھی نہ ملی۔ ایک یہ بھی ہوئی۔ وہ تو میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ بالکل نیا چہرہ۔ سنا بھی نہیں لگ رہی تھی۔" ماہین نے طمانیت کا گہرا سانس لیا۔

عالم تاب ہال سے باہر چلی گئیں۔ کچھ سوچ کر ماہین بھی اٹھی اور پیچھے پیچھے چل پڑی۔ مگن سے ملحق راہداری میں باہر ہال اور کھانے بنا رہی تھی۔

"کلو! اسے سنبھال کر اوپر والے حصے میں لے جاؤ۔ وہاں کمرے میں اسے پہنچا دو۔ اکیلا سونا کرے گی آئی ہے تھک گئی ہو گی۔"

"باجو۔ تم سنبھال کر کے آرام کرو۔ باقی کام میں کر دوں گی۔ بس اس بات کا دھیان رکھنا ہو تم نے مجھ سے کہا ہے۔ کبھی اور سے نہ کہنا۔ وہ تمہارا کام کبھی نہیں ہونے گا اور تمہیں ایسے ہاں والیں جانا ہو گا پھر ۔۔۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات۔"

اس نے باجو کی شکل دیکھی۔ کلو وہاں سے جا چکی تھی۔

"جی ۔۔۔ جی۔" باجو چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

مغرب کے ذرا بعد وہ اس سے ملنے آئی تھی۔ اس کی بہن جس حال میں اسے دنیا چھوڑ گئی تھی۔ یہاں کے

باجو نے اپنے طریقے سے اس کی تسلی کی تھی۔ اس کی بہن کی ایک بات سے سکی، رکھنے والی تھی۔ اپنی بھی سنا گئی تھی۔

"آپ بات ہی بھول گئے۔" باجو کے سے حیران ہوا۔

"جی بیٹا۔" باجو نے تم سے آپ میں جواب دیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہو گئی ہوں۔ اب تم میرے کمرے سے نکل رہی تھیں۔ مجھے جانے کیوں اچانک ہی ۔۔۔" ماہین کی آواز بھرا گئی تھی۔

باجو نے چونک کر ماہین کی شکل دیکھی۔ پھر ایک نظر عالم تاب پر ڈالی۔

"آپ کے کہتے ہے ہیں بیگم صاحبہ؟"

"ایک بھی نہیں۔" اس نے زیادہ کچھ بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"پھر بھی آپ کی مرضی۔" وہ جھک کر رک گئی۔

"وہ لوگ کہتے ہیں کہ" باجو نے کہنا چاہا تو دیکھی ہیں۔" یہ کوئی ایسی مشکل بات تو نہیں۔

وہ میں اس لئے بھی پوچھ رہی تھی کہ مجھے تمہارے حالات سے مکمل طور پر باخبر ہونا چاہیے۔ وہ نہ ہو تمہارے پیچھے سے کوئی مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔"

"وہاں ہاں۔ ہے ہاں کراچی میں ایک سوتیلی ہے مائی ہے۔ اس کا اچھا علاج کرتی ہے۔ مگتی ہے اولاد نہیں ہے۔"

"(حوصلہ افزائی) تم ہمت کرو۔ اللہ کرم کرے گا۔ میں موقع مناسب دیکھ کر تمہیں بلواؤں گی۔ جب تک میں نہ بلاؤں تم یہیں رہنا۔ ٹھیک؟"

اس نے نظری انداز میں جھک کر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے آپ کہیں گی ویسے ہی کروں گی۔" باجو نے تکیے سے ہال نکال کر ٹھکانا شروع کیا۔

ماہین وہاں سے ہال کی سمت بڑھ گئی تھی۔

اس نے کلو کو الوداع کہنے کی ہدایت کر دی تھی۔ اسے اس رات کا انتظار تھا پچھلی رات کیسی بے چینی میں گزری تھی۔ آج رات جب جلدی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

داؤد خان آفس خلوتی میں مصروف تھے یہ بات اس کے علم تھی کہ جلد ہی سو جائیں گے۔

صدر کو کرنا ہو گا کی بلک سے بھی وہ گئی۔ ان کے پاؤں پر ۔۔۔ تھا۔ اس کا بھائی کا بھی ایسا ہی ۔۔۔

"فی الحال آپ کیلئے؟" اس نے پوچھا تھا۔ "اور تم بھی نہ گزارنا تھا۔

"نہیں ۔۔۔ وہ کیسے ہے۔ سوچا چاہو تو سو جاؤ۔"

کل سے آج تک وہ کی سرعت سے کوئی عرصہ بھاگ گئے تھے۔ آپ ۔۔۔ ہو گا۔ اس نے محل نہ کیا۔

www.Paksociety.com

اکثر اوقات تو وہ اسے بے تکلف محسوس ہوتے تھے کہ لگتا تھا ان کے آفس میں بیٹھی ہوئی ہو۔

"تی الحال تو نیند نہیں آ رہی۔ شاید وہ بھی جاگ رہی ہو۔ فون کر لوں اسے؟"

"کیا ضروری ہے؟ اسے تھوڑے سے آرام کرنے دو۔ اس کا آل ریڈی دماغ خراب ہے۔"

انہوں نے کوفت بھرے انداز میں کہا۔

"اوں ہوں۔ یوں نہ کہیے۔ سب کی سننا چاہیے۔ چاہے کیا ہے۔"

"اب آپ سو جائیں۔ وکالت سے بھری رات کافی کر سکتی ہے۔ چاہے کر لیجیے۔"

انہوں نے جیسے جان چھڑائی۔ یا پھر یہ کوئی سوفٹ کارنر موجود تھا۔

"تھینکس۔" اس نے جانے سے پہلے فریج سے چھوٹا سا پانی کا جگ۔ آل کران کے قریب رکھا۔ ساتھ ہی گلاس بھی۔ خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

ہال میں آئی تو دیکھا۔ باری فون کرنے میں مصروف تھا۔ سرسری سی نظر اس پر ڈالی۔ وہ کسی سوال کے جواب میں "مہمان" کے ساتھ باتیں بنا رہی ہے۔

"صبح ہو سکتے ہیں یہ سب کام۔ تمہیں صبح سب سے پہلے اٹھنا ہوتا ہے۔ سو جایا کرو۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

"کہاں اٹھتی ہے یہ صبح۔ ماما علی سے پوچھیے کس طرح اٹھاتی ہیں اسے؟"

باری نے ڈائل کرنے کا عمل موقوف کیا اور ریسیور کان سے ہٹا لیا۔

"خیریت ہے ناں؟" اس نے ماہین سے استفسار کیا۔

"ہاں خیریت ہے۔ بس وہ ایک فون کرنا تھا ہری پور۔ روشی کو۔ مجھے یقین ہے وہ جاگ رہی ہو گی۔" وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"مجھے بھی یقین ہے۔" وہ بے ساختہ انداز میں گویا ہوا تھا۔ مگر اپنی بے ساختگی پر شرمندہ بھی تھا۔

ماہین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"بڑی خوار ہے لڑکی۔ بس کرو۔" وہ ہنس رہی تھی۔

"باری! کال تو کرو۔ کہیں ریکارڈنگ تو نہیں لگی ہوئی۔ السلام علیکم اطلاعاً عرض ہے اس وقت تم ریکارڈنگ پر ہو۔ صرف تھوڑی دیر بعد ڈائل کیجیے۔" اس نے بڑے انداز سے نقل اتاری۔

باری بے ساختہ انداز میں ہنس دیا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"کیا بات ہے بڑے غور سے دیکھ رہے ہو۔" ماہین نے بغور محسوس کر لیا تھا۔

"نوٹ کر رہا ہوں۔ اگر نہیں تو خوش ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔" وہ نمبر ملاتے ہوئے بھی جواب دینا نہ بھولا۔

"ہاں۔ سحر! وہ علی خان میں روشانے سے بات کریں گی۔" نمبر مل گیا تھا۔

"آ جائے۔ بلاتی کر دیا ہے۔ ہری تو بہت خوش ہو گی۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"پہلے تو بات کرنا حال چال پوچھ لو۔" وہ مسکرا دی تھی۔

"آپ کی بھی بات کریں گی۔" اس نے ریسیور اس کی طرف بڑھایا۔

"ہیلو۔ السلام علیکم۔" اس نے مسکراتے ہوئے ریسیور کان سے لگایا۔

باری وہیں بیٹھا کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہوں۔ وعلیکم السلام۔"

"سو گئی تھی۔ سوری۔ بتی وہی سو گئی تھی۔ کیا یہ لڑکوں کا کمال ہے۔ وہاں تو خیریت تھا تم تو بتی جلائے رکھتی ہو گی اور جاگ رہی ہو گی۔"

"اندازہ بالکل درست تھا۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے اس کا مطلب ہے کہ بالکل بھی تبدیل نہیں ہوا۔ وہی مگھو ہونا بھی نہیں چاہیے۔ مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔"

"عجیب ہے۔ ان کے سوا کچھ پتا نہیں چلتا۔ تم سے متعلق انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ ہیں۔"

"باری سے بات کرائی؟" ماہین نے باری کی سمت دیکھا۔ اس نے جھٹ سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں بلکہ۔ وہاں بیٹھ کر مجھ سے چغلیاں کرنے کا ارادہ ہے۔ نہیں۔ مرضی ہے تمہاری۔ اچھا چلو اب تم سو جاؤ۔ مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک معلوم ہوئی ہے۔ اوکے۔ اللہ حافظ۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"اچھا ہوا۔ اب خیریت ہے تمہاری۔ مجھے سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی کہ روشی سرائے میں اکیلی موجود ہے۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ اتنی بڑی بہت خطرناک چیز۔ تم بھی ڈرتے ہو؟"

"یہ کون بھیجنے والی بات تھی؟ وہ تو پرسوں چچا کے ہاں تھی۔ وہ تو کل ہی آئی ہے۔ درمیان میں کوئی ایسا خطرہ بھی نہیں ہے۔ پھر؟"

حالانکہ جب اس پر انکشاف ہوا تھا تو اس نے فوراً باری سے متعلق یہ گمان نہیں کیا تھا۔ مگر اب یکایک اسے یاد آیا تھا کہ سرائے والوں کی جس طرح کی گفتگو سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ باری وہاں اکیلا نہیں ہو گا اور مجبوری جان کر باری سے اسی طرح روشی کی موجودگی چھپائی تھی۔ جس طرح خود اس سے چھپائی تھی۔ اہم نکتہ تو یہ تھا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا تھا۔ روشی کی وہ محکوم و پیروکار کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس سے کیا بات چھپانے کی تھی کہ دونوں بھائیوں کے تعلقات "پروپر"

لیکن اس وقت تو اس نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔ یہ تو یقین تھا کہ جلد یا بدیر وہ روشی سے حقائق معلوم کرے گی وہ اس سے کوئی بات چھپا نہیں سکے گی۔

"ہمیں وہاں اکیلا تو نہیں ہونا۔ وہاں اگر صورتحال گڑبڑ ہوتا ہے تو وہ تو دیکھ لیں گے۔ پکڑیں گے۔ فوکس میں۔ وہ جان اس فرق کیلئے تھا۔ باباصاحب کہتے ہیں تو اچھا جاتا ہوں۔ کبھی کبھار جانے کا بھی کوئی کام نکل آتا ہے۔ ایلیوژن آتی۔"

"وہ تو ہے۔" وہ اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

"ویسے باری۔ یہ تیمور علی خان کی فیملیز ہے۔ مگر مسز خان کہیں نہیں ہے؟ مجھے تو بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔ ان کے بغیر فیملیز ہے۔" ماہین نے کہا۔

"ہاں۔ میں نے بھی نوٹ کیا ہے۔ مگر ہم کسی سے پوچھ تو نہیں سکتے نا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے نہ آ سکی ہوں۔" باری نے کہا۔

"ہاں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔" ماہین نے کہا۔

"ویسے ایک بات بتاؤ۔ تم نے کہا تھا کہ تم نے اس کو دیکھا ہے۔ کہاں دیکھا ہے؟" باری نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ وہ ہمارے ہی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھا شخص بھی تھا۔ شاید اس کا باپ ہو۔ وہ بہت بیمار تھا۔ اس کو وہیل چیئر پر لے کر جا رہی تھی۔ میں نے اس کو دیکھا تھا۔ بہت خوبصورت ہے۔" ماہین نے کہا۔

"ہاں۔ ہو سکتا ہے۔ ویسے ہم کسی سے پوچھ تو نہیں سکتے نا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے نہ آ سکی ہوں۔" باری نے کہا۔

"ہاں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔" ماہین نے کہا۔

"ویسے ایک بات بتاؤ۔ تم نے کہا تھا کہ تم نے اس کو دیکھا ہے۔ کہاں دیکھا ہے؟" باری نے پوچھا۔

"

"میں ذرا ہال میں ہوں، ابھی آ کر سوتی ہوں"۔ اس نے دروازے کے قریب کھڑے کھڑے جواب دیا۔

"ہال میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا لڑکیاں ابھی تک جاگ رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں ہو رہا۔ بس میں ابھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں"۔ اس نے جانے کے ارادے سے دروازہ بند کرنا چاہا۔

"ٹھیک ہے؟"

"اچھا اچھا۔ یہ ٹیوب لائٹ بند کرتی جانا۔ پلیز"۔

"ماہین نے ٹیوب لائٹ آف کر دی اور باہر آ گئی۔

"بالو اور سرسوتی اس کی منتظر تھیں۔ حسب وعدہ کمانڈو آپریشن کی لیڈر، سرسوتی پیچھے سے لگے کھڑی تھی۔

"چلو"۔ اس کے پیچھے میں ایک آتش خوش بھڑک اٹھی تھی۔

وہ تینوں خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑیں۔

چند منٹ کی واک کے بعد اپنی منزل تک پہنچ گئیں۔

مہر اتھیں راہداری ہی میں مل گئی۔ اس نے قدرے حیرت سے بالو کی سمت دیکھا جو ماہین کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ لہٰذا اس پر تو کرانی کا احتمال نہیں ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم"۔ اس نے ماہین کو سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہو؟"

"جی۔ الحمد اللہ۔ آپ سائیں نذر کو دیکھنے ہیں؟" وہ عجب سرخوشی میں مسکرا رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ خطرے سے باہر ہیں۔ تم کہاں ویرانے میں چہل قدمی کرتی پھر رہی ہو؟" ماہین نے قدرے خفا ہوئے ایک نگاہ ڈالی۔

"بس جی قسمت میں لکھا ہے"۔ وہ بالو کی سمت دیکھنے لگی۔

"کیا یہ؟" بالو نے ماہین کی سمت انگلی اٹھاتے ہوئے دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ یہ مطربہ نہیں ہے۔ اسے دیکھ کر تو تمہیں بہت دکھ ہوگا۔ مہر اتھ۔ مطربہ کو لے آؤ اپنے کمرے میں"۔ ماہین نے کہا۔

"آج تو بہت ہی یادگار دن ہے۔ خان بابا کی غور طلب نگاہ کرم ہے۔ ان سے چابی کون لائے۔ کبھی بھی نہیں ہے کہ خطا کر ڈالا نہیں"۔

"اوہ۔ یہ تو مسئلہ ہو گیا"۔ ماہین الجھن میں پڑ گئی۔ "یہ تو بے چاری وہ دروازے سے لگے کہانی مطربہ کے ملنے کی ہے"۔ "ہاں۔ بے چاری"۔ بے چاری وہ اپنے شوق تجسس کا تو اظہار کر نہیں سکتی تھی۔

"پھر اب کیا کریں؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"کیا اسے یہاں لیڈی میں رکھا ہوا ہے۔ مارک بھائی تو"۔ بالو کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"بالو تو زبان کی ہلکی ہے"۔ سرسوتی نے خفگی سے کہا۔

"ہاں۔ بالو تو اس کے علاوہ کوئی چوبی ہے نہیں ہے۔ پہلے ایسا کر، چپ چاپ نکل جا کر"۔ ماہین نے کہا۔

"لیکن باجی۔ وہ مجھ پر چاقو حملہ کر دے گا"۔ بھومر نے خدشہ ظاہر کیا۔

"تم فکر نہیں کرو۔ میں اس سے خود بات کروں گی"۔ ماہین نے تسلی دی۔

"چلو۔ تم کوئی بھاری سا پتھر لے آؤ"۔ اس نے سرسوتی سے کہا۔ وہ بے چاری پتھر کی تلاش میں چل پڑی۔

"یہ کہاں سے آئی ہیں؟" بھومر نے بالو کی ذات دریافت کی۔

"کراچی سے"۔ ماہین نے مختصر کہا۔

"آئی ووڈ سے۔ صرف مطربہ سے ملنے؟" بھومر کو بڑی حیرانی ہوئی۔

"کرشنے دار و مطربہ؟" مطربہ سوال تھا۔

"نہیں"۔ ماہین نے کھنکھنے انداز میں ماہین کی سمت دیکھا۔

"یہ ان کا گھر ہے"۔ اس نے بھومر کی طرف اشارہ کر کے ماہین سے پوچھا۔

"ہاں"۔ ماہین نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔

بالو نے بھومر کی اس مرعوبیت سے گھورتے دیکھا۔ پھر جیسے کچھ سمجھ میں آیا ہو، اس نے بھی گردن ہلا دی۔

"اب مجھے پوچھنا چاہئے تھی۔ سب سے پہلے تو یہی کہ آپ کے اس گھر میں وہ بے چارہ کہاں ہے؟ آپ کا گھر ہے، اتنا کہاں ہے؟ اور سب سے اہم یہ کہ مطربہ آپ کی کیا لگتی ہے؟ اتنا محبت کرنے والا حسن جلوہ آرا کیا لگتی ہیں۔ اب یہ کہ آپ کی بیوی اور بچے کہاں ہیں؟ اگر وہ بھی ہیں، سرسوتی بھی کہہ رہی تھی کہ آپ کی بیوی اور بچے ہیں تو پھر آپ کو ان کی فکر ہونی چاہئے"۔

"بھلی کرے سرسوتی۔ پتا نہیں کتنی دیر بعد لوٹے گا"۔ ماہین نے پتھر چنانی چھوڑ کر پریشان ہو گئی۔

سرسوتی گویا تالے پر ٹوٹ پڑی۔

"کون؟" مطربہ کی سہمی سہمی آواز۔

"گھبراؤ نہیں۔ ہم تالا توڑ رہے ہیں"۔ بھومر نے دوستانہ انداز میں تسلی دی۔

"تمہاری اپنی جان سمیت میں ڈاکو ہو۔ بھلا فائدہ کیا ہے۔ جاؤ سو جاؤ"۔

"تمہارے مہمان آئے ہیں، ذرا صبر کرو۔ ابھی لوٹ جاتے ہیں"۔

"مہمان؟" اس کی حیرت آمیز آواز آئی۔ آواز کا وہ کھوکھلا پن اچانک ہی معدوم ہو گیا تھا۔

"ایک منٹ صبر۔ ابھی دیکھ لیتا"۔ بھومر نے تالے کے سوراخ سے دیکھ کر "کامیابی" کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ اندر سے آواز آنا بند ہو گئی۔

وہ تینوں کسی ناقابل فہم کیفیت میں مبتلا تھیں۔ پتھر کی ضرب تالے پر پڑتی تھی اور تالے میں ایک اضافی کوشش کی۔

"اندر سے آواز کا بند ہو گئی۔

وہ تینوں بھی بالکل خاموش تھیں۔ چھری ضرب لگانے پر پوری تھی۔ اور سناٹے میں ایک آہٹ سی ابھر آئی تھی۔ بالو خوفزدہ لاٹو گیا۔ پرانی وضع کا بھاری رسی بنا تالا۔ سرسوتی پسینے پسینے ہو چکی تھی۔

"شکر۔۔۔ جھومر سرسوتی کو کوئی دھکا لگا"۔ ماہین نے سرسوتی کا شانہ تھپک کر خوشی کا اظہار کیا اور کنڈی کھول کر سب سے پہلے خود اندر داخل ہو گئی۔

ایک لمحے کو تو سر ہی چکرا گیا۔ سیلن اور بوسیدگی کا ماحول اس کیلئے ناقابل برداشت سا تھا۔ پھر جھکتا ہوا پانی پر مٹی کے کوٹ چڑھا تھیلا اس پر مستزاد نہایت کم پاور کا بلب۔

"السلام علیکم بی بی!" مطریہ کی آواز نے اس کے حواس بقدرے بحال کیے۔

"وعلیکم السلام"۔ یہ کراچی سے اقبال بیگم آئی ہے۔ تمہارا پوچھ رہی ہے"۔

ماہین نے جلدی سے تعارف کرایا۔

"اقبال بیگم۔ کون؟" اس نے بغور بالو کو دیکھا۔ جو دم بخود کھڑی تھی۔ "لیکن میں نے تو اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا"۔ وہ حیرت زدہ تھی۔

"میں عارف بھائی کے گھر سے آئی ہوں"۔ اس نے بمشکل حلق صاف کر کے آواز نکالی۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ مطریہ"۔ بالو نے بڑے ششدر سے انداز میں ماہین کی طرف دیکھ کر استفسار کیا تھا۔

"عارف۔۔۔ وہ زندہ ہے؟ کیا تم ہو تم عارف کی؟ اس کی کوئی بہن تو تھی نہیں۔ تو کیا بیوی"۔ وہ لڑکھڑانے لگی۔ ماہین کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ شروع ہو گئی تھی۔

بالو کی حالت عجیب و غریب ہو رہی تھی۔ وہ تو مطریہ کا جانے کون سا تصور لئے یہاں تک آئی تھی۔ وہ مطریہ جس کیلئے وہ صرف شعر کی زبان استعمال کرتا تھا۔

"میں اس کی کچھ نہیں لگتی۔ تم نے انہیں کسی کا کچھ لگنے کے قابل ہی کہاں چھوڑا ہے"۔ اس کے اندر کی سوئی ہوئی عورت ایک دم جاگ اٹھی۔

ایسا کرو مطریہ۔ جھومر کے کمرے میں آ جاؤ"۔ ماہین زیادہ جذباتی ماحول برداشت نہ کر سکی۔ یوں بھی وہ تھکا تھا۔

"جھومر! انہیں اپنے کمرے میں لے آؤ"۔ وہ کہتی ہوئی باہر آ گئی اور جھومر کے کمرے میں جھانکا کر اس نے اسے بھی کرنٹ پہنچا دیا۔ دونوں ٹیوب لائٹیں جلا گئیں۔ سوئچ کا ایک بلب بھی تھا۔ اس نے وہ بھی جلا دیا اور کرنٹ طمانیت طرح حائل نے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اوہ میرے خدا۔ یہ چاری مطریہ۔ کاش میں اسے تازہ ہوا میں سانس لیتا دیکھ سکتی۔ اس کے مقدر میں کتنی خوشیاں تھیں اور وہ اکیلا گھروندے اپنے اصلی میں بسے ہوئے ہیں۔ ایک وہ کہ اس کی گرد کے بے نشان ہو گیا۔

چند منٹوں بعد وہ تینوں بھی اندر آ گئیں۔ جھومر اپنے بیٹے پر اور وہ دونوں کا وہ بے انداز سے قریب بیٹھ گئے

وہ کھڑی تھی اور تھا جب میں تھی کہاں بیٹھے۔

"یہاں بیٹھ جاؤ۔ کوئی بات نہیں۔ اس طرح میں سب سے زیادہ اچھا چہرہ تمہیں نظر آئے گا"

"کہاں چارہ" بھی کہہ سکتے ہیں"۔ جھومر نے اپنے مخصوص لہجے کے ساتھ اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ماہین کو بھی ہنسی آ گئی (جسے دل گرفتے والی ہے جھومر)

بالو نے جھجکتے ہوئے قدم بڑھائے اور بہت احتیاط سے ایک کونے پر ٹک گئی۔ پھر جیسے ایک دم چونک گئی۔ پانی میں ہلکورے کھاتی وہ ایک بہت حساس لڑکی تھی۔ تھرکیا۔ اسے سوزوں میں مثل جیسے کوئی تصویر ہو۔

"تم عارف کی کیا لگتی ہو"۔ مطریہ اس سے زیادہ بے چین نظر آئی۔

(قسم لے اس قاتل کی کہاں بھولا ہے کہ کوئی اس کا بھی لگے گا) بالو نے اس پر ایک نگاہ کی۔

"کچھ نہیں۔۔۔ میں تو تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ کہاں ہو۔ کیا کر رہا ہے تمہیں ملا کیا؟" اس کی آواز میں بیچارگی تھی۔

مطریہ نے حیرت سے اسے دیکھا" تب تم اس کی کچھ نہیں لگتی تو کہاں پایا اسے؟"

"پایا کہاں ہے؟ پانے کے جتن ہیں۔ اب وہ یہاں سے گئے تو تم نے ان کے سامنے سارے دروازے بند کر کے کیوں نہ کھا دیے؟ کس امید نے انہیں آج تک تھا کیا ہوا ہے؟" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"میں تو اسے ہمیشہ سے یہاں کرتی رہی ہوں۔ اگر وہ سر پھرا ہے تو میں کیا کروں؟ جو کچھ ہوا اس کے سامنے ہوا"۔ مطریہ نے یاسیت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"یہ عارف کون ہے؟" ماہین سے اور زیادہ صبر نہ ہو سکا۔

"میں ہوا کرتا تھا۔ خواب دیکھنے والا میری طرح۔ ایک بے وقوف۔ اگر وہ محسن پرست تھا تو میں احمق تھا۔ پانی دینے والی چیز کا سایہ تلاش چاہتا تھا"۔ مطریہ نے افسردگی سے کہا۔

"کیا یہاں حویلی میں؟" ماہین نے سوال کیا۔

"ہاں۔ سمجھ لیں۔ گاؤں کے چند بچے کھچے لڑکوں میں سے ایک تھا۔ سنو تم اس کے پاس واپس جاؤ تو کہہ دینا کہ مجھے اس کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔ وہ آج بھی میرے پاؤں میں ہیں۔ وہ خوش فہمیاں جو وہ پانی میں بنا رہا ہے۔ وہ میرے کسی کام کی نہیں۔ میری طرف سے اجازت ہے کہ تمہیں دے دے"۔ مطریہ کی آواز بھرا گئی۔

"لگتے تو بڑی جلدی ہے۔ میں تو یہ دیکھنے آئی تھی کہ وہ کس آس پر ہر طرف سے آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں"۔ بالو نے مطریہ کی ہڈیوں پر ترحم آمیز نظر ڈالی۔

"تم عارف کو رہنے دو۔ تمہارا کچھ نہیں لگتا۔ پھر پیچھا کس کا ہے؟"

ماہین کے لہجے پر وہ رو دی گی۔ دوسرے یہ کہ لڑکی سے وہ خود اپنا تعلق ظاہر کر چکی تھی۔ یہ بھی ایک لمحہ تھا اس پر بھی لڑکی بازی لے گئی تھی۔ ایک تو لڑکی مظلوم۔ دوسرے عاشق کی کھوئی نظریں۔ اس کا اس قدر حساس ہونا قابل رحم تھا۔

"کچھ تو مجھ سے تعاون کیا ہے کی آپ نے ملامت ہو گئی"۔ بالو نے لہجہ اور کہا۔ وہ ماہین کے انداز پر بے بس ہو گئی

بچی تھی۔

"پھر ۔۔۔ یہ عارف کا کیا قصہ ہے۔ کیا وہ ۔۔۔ مطربہ"۔ ماہین کو حقیقت حال جاننے کی بہت بے چینی تھی۔ کہ عارف نے اعتراف کر لیا تھا کہ وہ نازنین کی مجرم ہے اور اسی وجہ سے قید تنہائی کی سزا ہوئی ہے۔ کیا معلوم عارف کے قصے میں کیا ہو؟ اس لئے تجسس اپنے کمال پر تھا۔

"وہ میرا قاتل ہے۔ میرا خون ہے اس کے ہاتھ پر۔ اور یہ ہاتھ پاک صاف نہیں ہونے دے رہی"۔ مالو پھر اداس سے ہاتھ صاف کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"بھوپ ماہین اور سرمو تی حیران پریشان بیٹھی رہ گئیں۔ مطربہ البتہ بالکل پرسکون تھی۔

"تو اسے یہاں لے آتی ناں۔ کر دیتی اس بے وقوف کو پاک صاف"۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میرے اس کے بیچ پابندی والا کوئی رشتہ کبھی قائم نہیں ہوا۔ وہ تو بہت بھولا آدمی تھا اور مجھے اپنے خواب سچے ہونے کی عادت تھی"۔ وہ صحیح اور مسکراہٹ سے گویا ہوئی۔

"مگر تم تو شادی شدہ ہو"۔ ماہین تو کے بنا نہ رہ سکی۔

"اسی لئے یہ پھندا میرے گلے میں ڈالا تھا۔ جب ہی تو کہتی ہوں وہ میرا قاتل ہے"۔ مالو بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تمہاری میاں سے بنتی نہیں ہے؟" ماہین ٹھیک اندازے کے قریب پہنچی۔

"میں بتانا نہیں چاہتی"۔ وہ تڑخ کر بولی۔

"پسند نہیں ہے"۔

"نہیں"۔

"مکھو ہے؟"

"مارتا ہے؟"

نشہ کرتا ہے؟"

"بس جی ۔۔۔ مجھے اچھا نہیں لگتا شروع سے۔ بہت بڑا ہے عمر میں مجھ سے"۔ اس نے آنکھیں رگڑیں۔

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ میرے میاں بھی مجھ سے بہت بڑے ہیں"۔ ماہین کا ارادہ سمجھانے کا تھا۔ کہ وہ اپنی عادت ہو رہی تھی۔

"مگر وہ آپ کو اچھے لگتے ہوں گے"۔ مالو نے بے پروائی سے کہا۔

"ہاں۔ خیر یہ تو ہے"۔ وہ ہنس پڑی۔

"تمہارا میاں کیا بدصورت ہے؟" بھوپ جو دم بخود بیٹھی سن رہی تھی۔ ایک دم بولی۔

"جب دل ہی نہیں چاہا۔ تو کیا کرتیں"۔ مالو نے ایک دکھ سے کہا۔

"عادت کا کیا ہے۔ ایسا عادی ہے تاؤ۔ ہاں"۔ ماہین نے اس کی صورت غور سے دیکھی۔

"ہی کم عمر۔ گبھرو سی ہوگی۔ عادت تو آپ کی بھی ہو گئی تھی"۔ مالو نے کاٹ کھایا۔

"لیکن یہ تو عادت کیلئے ٹھیک نہیں۔ بدبو دار مسہن جیسی باس ہوتی ہیں مگر عادت خراب ہو تو سر نہیں ہوتا۔ تم نے ایسے کیوں نہیں کہا۔ بھوپ نے کہا۔ مگر مالو کی رضامندی ہوگی۔ جب ہی تو وہ اسے لے کر آیا ہوگا۔ تمہیں کم تو نہیں کیا ناں"۔

ماہین نے گھورا تھا۔ مالو نے گڑبڑا کر اس کی شکل دیکھی مگر بولی کچھ نہیں۔

"اس کو تو کرنی تھی نہیں۔ اسی لئے تو شروع میں شادی سے پہلے ہی یہ بات طے کرنے کا حکم ہے۔ تاکہ بعد میں اس طرح کی صورتحال پیدا نہ ہو۔ مگر ہمارے ہاں اس بات کا خیال ہی نہیں رکھا جاتا۔ بارات لے دن رضامندی مطربہ کی چاہی ہے۔ جب سر آدمی دروازے پر آ جاتے ہیں۔ مالو کی کیا کرے گی۔ اسے اہم مقام کی تشریح کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اب کی زندگیاں داؤ پر لگی ہوتی ہیں"۔

ماہین نے تاسف سے کہتے ہوئے بھوپ کی طرف دیکھا جو دلچسپی سے گم صم ہی بیٹھی تھی۔

"کیا عارف کا حویلی میں آنا جانا تھا؟" اس نے مطربہ سے دریافت کیا۔

"اس کی ماں حویلی میں ہی رہتی تھی۔ اس کا باپ پٹواری تھا۔ جب خان جی عارف کو پڑھا لکھا رہے تھے تاکہ باپ کے بعد پٹواری سنبھالے"۔ مطربہ نے جواب دیا۔

"کیا تمہارے اس قصے سے میری بہن کا بھی کوئی تعلق ہے؟ وہ کسی خیال سے چونکی۔

مطربہ چند لمحے خاموش رہی۔

"بس کیا کہوں۔ ان کا بڑا نقصان کیا ہے میں نے"۔ وہ رونے لگی۔

وہ موضوع آ گیا تھا جس کے لئے ماہین نے تگ و دو شروع کی ہوئی تھی۔ وہ ایک دم سنبھل گئی۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ چاروں اس کی مست بلور دیکھ رہی تھیں۔

خدا کے لئے سطریہ۔ اب بس کرو۔ کہہ ڈالو۔ ماہین نے بہت نرمی سے کہا تھا۔

تم کیوں مجھے اکسا رہی ہو۔ اس نے

ماہین کی بے چینی نظر انداز کر کے بہت سکون سے کہا۔ میں تو تمہیں ساتھ لے جانے کے لئے آئی تھی کہ تم بس اس سے اتنا کہہ دو کہ تم نے اسے آزاد کر دیا۔ ایسے کہ وہ تمہاری آس میں بیٹھا رہے۔ بس اپنے لئے جیسا تم نے جو اس کے ساتھ جیا چاہتے ہیں۔۔۔

ہالو ایک تو تم سے بولی اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس کی ہانپتی تھی یا کہ ماہین کس عذاب سے گزر رہی ہے۔ میں نے اسے بیٹھ جانے کیا ہے۔ کب اسے پابند کیا ہے۔ کیوں خواہ مخواہ مجھ سے ہوئی کر رہے ہو۔ ایک بات سنو شاید کارآمد ثابت ہو۔ تم بالکل جوان ہو۔ کوئی اور گھاٹ کا سودا مت کر بیٹھنا۔۔۔

سطریہ نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا تھا۔ اور ایک سچے چاہنے والے کی سا کھ بری طرح مجروح کر کے رکھ دی تھی۔

ہمیں تم یہ قصہ کل پہ اٹھا رکھو سطریہ اچھے تاؤ۔ کیا کہہ رہی تھیں؟ ماہین سے عزیز اٹھا نہ ہو گا۔

کیا ضد چاہ رہی ہیں آپ آپ ٹھیں آپ کی برداشت کی حد کہاں تک ہے؟ وہ پھر ہیجان مچا رہی تھی۔ گو اصل تم میری فکر نہیں کرو ماہین نے جلدی سے تسلی دی۔

جھوٹ کے سامنے ہی تادوں۔ کہیں یہ گھٹیا انسان کر دے۔ سطریہ میرے سے مخاطب ہوئی۔

ہے کچھ ہو۔ ماہین پلیز مجھ سے کوئی التجا نہیں کرنا۔

جھوٹ حسب عادت کھلکھلائی۔ اس بات سے قطع نظر کہ ماہین اور اس کا اپنے بھی کی توہین سے گزر رہی ہے۔

"بات یہاں اس طرح سے شروع ہوتی ہے پی پی!" سطریہ نے بگڑتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

تو پھر یہ۔۔۔ تاذ چھاجوں پانی کر رہا ہے"۔

خالہ سوا آنے بیٹی پوری ہانپتی کانپتی گھر میں داخل ہوئیں۔ ہاتھ بے چاری کا اچھا خاصا اوڑی جگر تھا۔ مگر اپنے تمیم کام کی وجہ سے سوا آنے مشہور ہو گئی تھیں۔

"کوئی وقت سے پیلی پکڑ تیں سوا آنے۔ ایک تو اوہ مہر گھری دوسرے بارش"۔

ایک کونے میں پڑے پلنگ پہ بیٹھ کر وہ پی کراچ ہونے لگیں۔

"ہمرے کیا تاؤں پھوپھی۔ گھر سے تو حساب سے ہی چلی تھی۔ مگر کیا کروں طبیعت کہ اظلم قسمیں پارہ وہ شیخ گیا تھا کے اس پھوٹے سے گاؤں اللہ دسایا تک بھیجنے؟ سان کی بات ہے۔ میں تہ تمہارا ہاتھ۔ ختم ہی اللہ کمزری ہو گی۔ کس کا علاج کرا رہی ہو"

خالہ سوا آنے نے سر سے پہ تھیلا کھینچ کر نیچے رکھنا شروع کیا۔

"اسے ہی حکیم چلن والا۔ اور کون سے شرعی طبیب؟ آئیں گے یہاں"۔ پی پی تکلیف سے حال پہ قابو پا کر بولی۔

"تمہیں تو نہ کہو پھوپھی۔ بڑے بڑے شاہی طبیبوں نے جواب ٹوٹی ہے تمہاری"۔ خالہ سوا آنے نے گلے سے پٹکا بھی اتار کر نیچے رکھنا شروع کر دیا تھا۔

"کیا ہمت کس کی باتیں نے بھی۔ کچھ کھا پی لے کیڑے دل کر بھوکی پیاسی سمری ہو گی۔ اسے تھان ہو۔ کدھر ہے لڑکا۔ خالہ آئی ہیں"۔ پی پی نے پوری طاقت اکٹھی کر کے چیخ پکار شروع کی۔

چند منٹوں بعد ایک بچی کا بھرا کا ہوا تھا۔

"السلام علیکم خالہ۔۔۔ میں تو بھت پریشان ہیں رہی تھی"۔ وہ خوشی سے نہال نظر آ رہی تھی۔

"ہزار مرتبہ کہا ہے وقت بے وقت کے لئے پہ مت کھڑی ہوا کر۔ پر سوں بھی تجھے اصغر و ہاری کا لونڈا بھگا رہا تھا۔ بڑا ہو کا اپنا گھر کرتوں سے"۔ پی پی کا پارہ چڑھ گیا۔

"اب کیا کرے غریب "عمری بچھڑوالے کی ہے"۔ خالہ نے قہقہہ لگایا۔

"اوہ خالہ اچھا ہی ہو۔ تمہارے کیڑے نکال دوں۔ ان کی عادت ملی ہے بھاگنے کی"۔ نہال نے خالہ کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔

"بھی کیا اٹھاں لی ہے اوہ نے"۔ خالہ نے بیٹے کی بات سن کر اس انجانی خوشی سے پھر پھر ہوتی کو دیکھ کر کہا۔

"اذان بھی لے لے گی۔ کوئی وقت جاتا ہے اسی لئے تجھے بلاوے کہ اس بھاری چکر کو سر سے ٹلا کر ہلکا پھلکا ہو جائیں۔

"اے اللہ نہ کرے کہاں کا بھاری چکر۔ کیسی خوشبو جیسی لو دیتا ہے"۔

خالہ نے ستائشی نظروں سے اس کا سراپا دیکھا جو سوال آنے ترتیب وار تھا۔

"یہ تو اپنی ماں سے بھی بڑی ہونے لگی ہے"۔

خالہ نے کریانا سے بھرا تھالا اور اس میں سے چاول نکال کر زعفران بانو کو تھمائی۔ وہ اپنی تعریفیں سن کر کھلکھلا رہی تھی۔

"ارے چھوڑ، ہمارا کا قصہ۔ جان چھٹتی ہے میری اس کے نام پر"۔

بڑی بی نے اپنی جان بانو کو ان سے خوامخواہ ایندھن خرچ کیا۔

زعفران بانو ہنستے ہوئے صندوقچی کھول رہی تھی۔ "ایسی تعریفیں تو مرد عورتوں کی کرتے ہیں"۔ وہ بہت دل لگا کر بولی۔

"اری بدذات کس کس سے سن بیٹھی تعریف۔ ابھی سے تیرا یہ حال ہے"۔ بڑی بی تو آگ بگولہ ہو گئیں۔

"مردوں کی تعریف۔ پہچان جاتے ہیں اچھا پہچاننے کا دانہ ہے یہ مردوں کا۔ خبردار۔ ایسے پر کاٹ کر الٹے ہیں کہ طرف گھر چوٹی پانی تک نہ پہنچے"۔ خالہ سوا آنے قدرے سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"ارے تجھے بتایا نہیں کس نے کی تھی میری تعریف؟" بڑی بی کی سوئی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔

"ہائے اللہ امی نے تو ویسے ہی کہہ دیا تھا بی بی!" زعفران جھلا گئی۔

"ارے بتاؤ بھی پھوپھی۔ مچھلی کے بچے کو کون سکھائے"۔ خالہ قلی قلی کرتی ہنسی کے ساتھ گویا ہوئیں۔

"یہ تو اسی طرح ٹہا دھر کر پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ ہٹ خالہ تم تنہا کر کپڑے جل لو۔ میں تمہارے لئے کھانا گرم کرتی ہوں"۔ زعفران بانو جھٹ کھڑی ہو گئی۔

"تو تو کپڑے جل لے۔ بخار وخار چڑھ گیا تو اتنے لمبے کے وہیں پڑ جائے گی"۔ خالہ کپڑے اٹھا کر غسل خانے کی طرف چل پڑیں۔

"زعفران بانو!" بڑی بی نے پکارا۔

"ہوں"۔

"ذرا سا سونی کا ضعف مٹا لے۔ بڑی دور سے آئی ہے خالہ۔ ایک پیالی چائے بھی بنا دینا۔ پانی میں بھگو ہوئی ہے بے چاری"۔

"سن رہی ہے؟"

"ہاں ہاں — بہری نہیں ہوں"۔ وہ چڑ کر بولی۔

"تو کھانا کھانے کو کیوں دوڑ رہی ہے۔ آرام سے کر بیٹا کر۔ جہاں لوٹیاں کے پاؤں نہیں ہوتے"۔ بڑی بی ناراض ہو گئیں۔

"بڑی! تجھے بلقیس والے کے پاس دو پیسے جاؤ تم کہنے کی بھی کوئی بات ہوتی ہے۔ ملاقات کی ضرورت ہے۔ وہ تجھے بولنے میں کام آ جاتی ہے"۔ زعفران بانو نے جھلا کر کہا تھا۔

"دیکھ اس کی زبان بھی چلنے لگی"۔ عمر واقعے کے ساتھ ساتھ گویا زبان بھی دھار دار ہے۔ اب تیری خیر نہیں ہے لگی"۔ بڑی بی دانت پیسنے لگیں۔

زعفران بانو چپ چاپ کھانے کے انتظام میں لگی رہی۔

"تھوڑی ہی دیر میں خالہ غسل سے باہر آ گئیں۔

"پھوپھی۔ شہر بانو تھی دیر میں پکڑ لائی ہے لب؟" وہ بڑی بی کی چارپائی پر ایک طرف بیٹھ گئی۔ وہ کہیں پکڑ لگانے لگی۔ ہم نے ان کو کون سا اس کے قرضے دینے ہیں۔ بھولے بھٹکے کبھی برار آ جاتے ہیں۔ بھی کھا۔ میں تو خدا سے مانگتی ہوں کہ وہ آئے ایسی قحبہ ساس بھی بھگتنی کرنے میں بیلی ہو کر آئی تھی کہ کہاں گاؤں میں ہم سیانیاں بیٹھ کر تے ہیں۔ میری طرف سے تو مر بھکی مرور اور تو سنا تیری کیسی گزر رہی ہے؟"

"بس ٹھیک گزر رہی ہے۔ بڑی مشکل سے فرصت نکال کر آئی ہوں حویلی میں خان کے بیٹے کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بڑی بی تک سے دوست بہو اجازت لے کر آئے۔ بھی تو نہیں میں نے مگر تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بڑی زور سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بڑی کی تیاری تو ہو چکی ہے سوا آنے مگر عمر اپنی اپنی ہری مار رہا ہے۔ بڑی بہو نے چار سوٹے کے سیٹ تو اپنے بنوائے ہیں۔ تین تین جوڑے تو کروں کے بنے ہیں۔ میرے لئے بھی کرن پھول بنوائے ہیں۔ بڑی بہو نے کہ تم ہماری پرانی اور با اعتبار رنگ ساز ہو"۔

"واہ۔ تیرے تو مزے آ گئے"۔ بڑی بی پہلی مرتبہ مسکرائیں۔

"ارے کیا مزے۔ اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔ دوسروں کی صورت دیکھ دیکھ کر کٹ رہی ہے۔ نیند آ رہی ہے تو بھی آنکھوں سے پچھلے نہیں ہو سکتے۔ ملائی بڑا بھاری بوجھ ہوتا ہے پھوپھی۔ تم مزے کہہ رہی ہو"۔

"چل فخرے۔ اب تو زعفران بانو تیرے ساتھ جا رہی ہے۔ تیرا وزن کم ہو جائے گا۔ بجلی سے بھی بچے گی۔ کس قدر بالکل بھی نہیں ہے۔ جو تو مرضی کام کروا لو"۔ بڑی بی نے تسلی سے فیصلہ سنا دیا۔

"اب ایسی جالو بھی نہیں ہوں جو تم۔ لو جا کر استعمال پر بھی ہاتھ لو"۔ زعفران بانو ہنستے ہوئے لڑنے پر تل گئی۔

"بہت بولتی ہے کمبخت"۔ بڑی بی کے اندر میں بہہ رہے تھی۔

"اگر تیرے ساتھ لے گئی تو تجھے دائی بنا دے گا پھوپھی۔ تم سے تو قابل کر پانی نہیں پیا جاتا"۔ خالہ نے تشویش ظاہر کی۔

"تو میری فکر نہ کر۔ سردار علی مجھے لے جائے گا۔ وہی مرجھ کہہ گیا ہے کہ اماں کو لے جانا۔ زعفران بانو کہیں بھی نہیں ساتھ لے جاؤں گا۔ میرا کیا ہے آج مری کل دوسرا دن۔ فکر تجھے اس کی تھی۔

شہر بانو کی ساس میں وہ خامیاں تھیں جو اس کی طرف کیا رکھتی ہے۔ اس کی طرف تھا کہ اس کا خیال رکھنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ حویلی میں کہ اس کا بیٹا دل کا مریض تھا اور مریض کا آسرا ہو جانے پر بھی بہت ہے۔

"سولہ آنے۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ آتش بازی کا کرتب ہو سکتا ہے۔ سارا بھرا بازار ہو گیا ہے۔ اداسی آج بھی چھا گئی تو۔۔۔ سمجھ ہی ہے ناں میری بات"۔ بڑی بی سرگوشی کے انداز میں بولیں۔

"ہاں ہاں سمجھ رہی ہوں پھوپھی۔ باپ ہے پیچھے نہیں پر سمجھ دار بہت تھیں تو تھوڑا تصور اپنی طرف کر لی ہے۔ بچا باپ ہو بھی ماں پر جا سکتی ہے۔ حیرت کیا۔ ماں بھی وہ جو ایسی ماں تاتی کی طرح چھوڑی کہ دوسرے دیسوں کے آسمانوں تک پھڑپھڑاتی۔ جیسے اکیلے چاند کو سنہرے جگنوؤں کے لوگ۔ ہاں۔ مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ خوب سمجھتی ہوں میں"۔ وہ بڑے انداز سے ہنسیں۔

"تیری حویلی کا ماحول کورا ہوگا۔ وہیں رکھنا"۔ بڑی بی کی فکر کم نہیں ہو رہی تھی۔

"حویلی میں مردانہ زنانہ الگ الگ ہے۔ مگر کوئی کرچا کر تو سب کے سامنے ہی آتے ہیں۔ مگر تم بے فکر رہو حویلی کے لوگ اپنی اپنی دنیا میں مگن ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی عورتیں بھائی کا ماں۔ موتی سی۔ اوپر سے اچھا کھاتا پیتا مان کی جھپ کے آگے کس کا چراغ جل سکتا ہے۔ اب جو تی آ رہی ہے اس کے تو چرچے ہی بہت۔ بتول بڑی بہو کے جیسے تصور۔ مجھے کب ہی تھی۔ اسنے بڑے بال بیں اس کے کہ میری ذہنی نکاوں کی سولہ آنے اس کا سر رہنے کیلئے بالش کرنے کیلئے۔

"ارے پھوپھی! جس بیٹے سے آ رہی ہے وہ بھی ایک ہی دانہ ہے۔ اس سے بھی تو ہاتھ پڑ سکتا ہے جانے کیا ہوگا۔ مگر ہمارے اس خان کا جواب نہیں بہت ہی نیک طراح ہے۔ ہے تو یہ بھی پڑھا لکھا۔ ہر وقت کتاب آنکھ سے لگی رہتی ہے۔ مانا بہت بڑا امتحان دے گا۔ اور ایک۔ خوامخواہ محنت تو کرنا ہی ہے۔ کام کچھ بنے گا ہی کرے گا۔ میری کوٹھی بھی تو اس کے کمرے کی چمکی۔ بھلے آدمی رات کا کوئی کام ہو۔ گھنٹہ نہیں ہے ہماری حویلی میں"۔ خالہ نے کھانا کھاتے ہوئے بہت کچھ بتا دیا۔

"یہ تو۔۔۔ تو بہت اچھا ہوا سولہ آنے۔ سکون آ گیا مجھے"۔ بڑی بی نے پرسکون انداز میں آنکھیں موند لیں۔

"خالہ! حویلی کی شادیوں میں تو بڑا مزا آتا ہوگا۔ میں تو خوب گانے گاؤں گی"۔

زلفوں والے اشتیاق بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں جانے کی دکھا دیجو اپنی اوقات۔ بڑی آئی سرتال کی والا"۔ خالہ نہیں۔ نوالہ حلق میں اٹک گیا۔

"ایمان سے خالہ! بڑا اچھا ڈھول بجاتی ہوں۔ جلیم بجن والے کے لڑکے کی شادی میں ایسی ڈھولکی بجائی کہ کھانا ہضم ہو گیا۔ مگر مجھے بھی اس وقت تک نہیں بلایا جب تک میں نے ڈھولکی بجانا بند نہیں کی۔ چاہے تم کسی سے بھی پوچھ لو"۔

"سنبھال بچی سولہ آنے۔ کچھ ہی ہے اس کی فکر کر تھی"۔ بڑی بی کو موسموں نے پریشان کیا۔

"سولہ آنے سنبھالوں گی پھوپھی۔ تم کیوں فکر کرتی ہو"۔ خالہ فکر ناں کرتی پھر ہاں پڑیں۔

"میری مانے تو کوئی ڈھنگ کا لونڈا دیکھ کر اس کے ہاتھ پیلے کر دیجیو وہیں حویلی میں"۔ بڑی بی کوئی سوچ گئی۔

"ٹھیک ہے پھوپھی"۔ سولہ آنے طے چلتی سے بولیں۔ "خالہ جان! اداس ہوئے بغیر ہاں کہہ دیں گی۔ میں ہیں کر دوں گی وہاں کے کسی کاریگر سے شادی کر دیں گی۔ ہزاروں کی انہوں کی مستی رہوں"۔

زلفوں والی نے ایک نظر بھی خالہ کے بیٹے کو نہیں دیکھا تھا۔

"زیادہ کسی اداسے فکر مت کو۔ اور کیا خواب جاگتے دیکھیں گے"۔ بڑی بی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"تو ہے پھوپھی۔ بلی ہے۔ تم تو سیانی ہو۔ کیا جانا ہے اداسی زلفوں والی نے اطمینان سے کہا۔

"خالہ جانے کے لئے لے رہی تھیں۔

"دیکھی تھی میں ماہا ہے خالہ"۔ زلفوں والی نے کیرے آنکھ پر پھیلا کر فروغ کر دیے۔

"بچا ہے۔ مجھے بھی۔ میں بھی دیکھوں کیا تیر مارا ہے"۔ بڑی بی نے الجھن کا اظہار کیا۔

"توبہ بی! اتنی ناک بھی اچھی نہیں ہوتی۔ بیٹے سے بہتے کہ وہاں ہلوہ کھانا ہے"۔ زلفوں والی نے اطمینان سے کہا۔

"کل ہی مرد ابو بھی بات سے مخصوص کرتی ہے۔ بلاوے سارا ہلوہ"۔

خالہ بی خوش مزاجی سے مجھیں۔ بات بے بات ہنستی تھیں۔

"ارے عالم تاب۔ یہ پازیب تو بن کر آ گئی۔ دیکھنا ایسی ہی ہے جیسی کہی تھی"۔ امان نے ایک ڈبہ سامنے کر دیا۔

"ہائے اللہ! ہائے اللہ۔ کتنا صاف تو بہت ہی چھوٹے ڈال دیے۔ کیا آواز نکلے گی ان سے۔ پازیب میں آواز نہ ہو تو کیا خاصرتی۔ میں تو سوچ رہی تھی۔ زرین حویلی میں جھم جھم کرتی چلے گی تو سارے سے رقص پھوٹے گی"۔ عالم تاب پر جیسے اوس پڑ گئی۔

"معلوم نہیں اسے پازیب پہننا اچھا بھی لگتا ہے کہ نہیں۔ یاد کا تو نہیں پتا ہی ہے۔ لگتا خیالی پلاؤ ہے معمولی سے شوہر قرب کو پسند نہیں کرتا"۔

"ارے ہائے اماں۔ اتنی ہوی آ رہی ہے کر لیں اس کی بات کریں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ بالکل مان جائیں گے یاد"۔ عالم تاب ہنس پڑیں۔

"چاہیں اس کا دیہات میں دل بھی لگے گا کہ نہیں"۔ اماں بی فکر مند ہو گئیں۔

"ارے یہ اچھا دل لگانے والا ہے تاب۔ دیکھ رہے ہیں اسے۔ یاد ہے خان جیسے لوگ بڑے چھپے ہوتے ہیں۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں"۔

عالم تاب نے اپنی طرف آتے ہوئے یاور علی خان کو دیکھا تھا اس لئے ان کی شوخی سوا ہو گئی۔

"کہاں ہر وقت کچھ فریب کو شانے پر رکھتی ہیں اماں بیگم"۔ وہ مسکراتے ہوئے ماں کے گلے لگ گئے۔

"تالی اماں فکر مند ہو رہی ہیں کہ چاہیں دل بھی لگے گا کہ نہیں۔ وہ شہر کی پلی ہوئی ہے یہ دیہات"۔ عالم تاب بولے۔

"ہو گا کچھ ہے ان کے سامنے ہی ہے۔ انہیں دل لگانا آتا ہوگا جب ہی تو راضی ہوئی ہیں"۔ یاور علی خان نے بھائی کی فکر ہوا میں اڑا دی۔

"ہاں اس کے اداسی کی شرارت سے عالم تاب سمجھ گئی تھیں مان گئے تاب کا رقص پائیں۔

www.Paksociety.com

"دیکھا یا تالی اماں۔ کیسے پیچھے ہوئے ہیں آپ کے صاحبزادے۔"

"اللہ خیر کی گھڑی لائے۔ یونہی کہا تھا میں نے۔"

"یونہی فکر کرتی ہیں یا تالی اماں۔ جس سے دل لگا ہے ان کا اطمینان تو دیکھیں۔ جیسے مقابلے کے امتحان کی تیاری ہو۔" عالم تاب ہنس پڑیں۔

یاور علی خان بھی قدرے جھینپ کر مسکرا دیے۔

"اتنی خوشیاں اتنی رونق بھرے دل کی بے سکونی بڑھا دیتی ہیں۔" اماں جی اچانک فکرمند نظر آنے لگیں۔

"وہ کیوں یا تالی اماں؟" عالم تاب حیرت سے انکی شکل دیکھنے لگیں۔ یاور علی خان بھی بغور بھری نظروں سے ماں کی طرف دیکھنے لگے۔

"کب آئے گا تیور... وہ کیسے جان پائے گا کہ اپنے حسب خوشیاں لٹاتے ہیں تو دل کیا محسوس کرتا ہے؟ عمر سے گھر میں کیسے رہتے ہیں۔ زنجیر جیسے رشتوں میں بندھنے کے رکھ رکھاؤ کیا ہوتے ہیں۔ یہاں نوکر چاکر خدمتیں کماتے ہیں وہاں چائے اپنی روٹی کھانا ہوگا۔ اپنے جوتے خود پالش کرتا ہوگا۔ کبھی دیر سے آنکھ کھلتی ہوگی تو بھوکا گھر سے نکل جاتا ہوگا۔"

چند قطرے ان کی آنکھوں سے چھلک کر چہرے کی جھریوں میں گم ہو گئے۔

"ہائے تالی اماں۔ اسے وہاں کوئی کمی نہیں۔ وہ کون سا نوکری کرتا ہے۔ صرف پڑھتا ہی تو ہے۔ ہر مہینے دل کھول کر بھیجتے ہیں بابا صاحب۔ وہ اسے بہت ہیں۔ وہ تو یہ کہتا ہے کہ وہ یہاں سے زیادہ خوش رہتا ہے وہاں۔ آپ خوامخواہ فکر کرتی ہیں۔ تھوڑے دن۔ آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کا بیٹا کتنا لائق ہے۔ آپ تو بڑی قسمت والی ماں ہے تالی اماں! آپ کے حوالے لائق ہیں۔ میری طرف دیکھیے۔ ایک بدنصیب ماں ہوں جس کے ایک نہیں دو دو بیٹے۔" ان کی آواز بھرا گئی۔

"یہ لیجیے۔ اماں جی کو سمجھاتے سمجھاتے آپ شروع ہو گئیں۔ بھابی بیگم۔" یاور علی خان نے جیسے مذاق ہو کر کہا۔

"ان کا علاج ہو رہا ہے۔ وہ ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ آپ کیوں مایوس ہیں۔" یاور علی خان نے تسلی دینے کے انداز میں ماں کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں عالم تاب! دل چھوٹا نہ کیا کرو۔ ان اللہ یحب المحسنین ہو جائے گا۔"

اماں جی بھی اپنا قصہ بھول کر ان کی دل جوئی کرنے لگیں۔

"ہائے اماں جی! اتنا سامان جائے گا کیا؟" زنجبیں نے مارے پریشانی کے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"سامان اتنا کیسے نہ ہوگا۔ تم لوگوں کے کپڑے، کوئی سے ہے کیا۔ لاسے لہانے، کھانے، بھیجنے تک کے واسطے ہیں۔" وہ جل کر بولیں۔

"آپ ایسا بھی نہیں ہے۔ بڑے بھائی کی شادی پر ہم سامان سمجھ لے گئے۔ اور پھر بڑے بھائی کی شادی اندر ہی اندر ہوئی کہ آپ کو تو کسی کو بلانے دلانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بارات میں بیٹھے۔"

"ہاں میں نے دیکھا تھا۔ تبھی سانس پھول رہا تھا۔" سنا ہے اور صالی (عالم تاب کی نند) بے کر گئے ہیں۔ کہ کرنے میں بے سامان بھیجے گئے تھے۔

"ہاں ہی اس نے تو کہیں کی کالباس بھی سلوایا ہے۔ وہاں سے تو کسی کے جانے کی خبر نہیں آئی۔ اب دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔" سازو کی دھمکی سے گویا دل ہی ہل گیا۔

"وہ کیا ایسا ہوتا ہے" اور اسے کیا وقت لگتا ہے یہ سب کرنے میں۔"

اماں جی تعجب سے ایک ایک کی صورت دیکھنے لگیں۔

"اللہ کیا اماں جی ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔ تمہیں تو پتا ہو گا۔" زنجبیں سے بڑی نند نے کہا۔

"سنا تو یہ ہی ہے۔"

"دیکھیں اماں جی۔ آپ کو" زنجبیں نے ذرا تیز انداز میں ماں کو دیکھا۔

"تو! کیا بچوں کی طرح ڈانٹتی ہیں۔ اپنا اپنا سامان دیکھو۔ پھر وہاں جا کر فرمائش کرتا رہے گا۔ دن گنتے رہ گئے ہیں۔"

"اماں جی۔ یاور کہہ رہے تھے میں سوا دو لاکھ بھیجوں گا۔ جتنا وہ مانگتے ہیں۔" نجمہ بیگم نے جیسے کسی دھیان سے چونک کر کہا تھا۔

"اچھا! ایسے کہہ رہا تھا۔ تبھی تم تو اپنے ہوش سے بیگانی دیکھتے آ رہے ہیں۔" اماں جی واقعی چونک گئی تھیں۔

"کہ وہ ان کی آبادی میں اکیلے یاور ہی کو میسر آیا کہ یہ اتنا بڑھتے ہیں۔ یہاں تو دلہنوں کے بھی ان کے قد جتنے جوڑے بڑھتے ہیں۔ اسے تو اس سے واسطہ پڑے گا کہ بھیجا کس نے پہنے گا کہ دلہا کون ہے۔ کوٹ پتلون جو سوٹ اگر پہنتے ہیں۔ وہ نہیں پہنتے یہ لوگ۔ اسے میں تو ان کالوں کا سراسر ہاتھ ہوں گی اپنے بیٹے کو اصل بات تو نکاح کی ہے۔ وہ تو ہو جائے گا۔ یہ نہیں آپس میں تو نہیں نگوا رہی۔ اللہ دین ایمان سلامت رکھے۔ یہ تو خوشی کے رنگ ڈھنگ ہیں جیسے مرضی انسان خوشی منائے۔ اللہ اپنا کرم رکھے اپنے بچے ایمان نہیں ہیں ہمارے کہ بار پھولوں کی بہت میں گم ہو جائیں۔ بھلا اسے کیا ہے۔ بہت بڑھ کے ہیں یہ لوگ۔"

اماں جی کے ارمان تو جیسے بھرے ہی میں اٹک رہے تھے۔

"چھوڑیں اماں جی! ایسا کوئی ضروری تو نہیں۔ نہیں مان رہے تو نہ سہی۔ شادی ان کی ہو رہی ہے۔ ان کے مزا کا خیال کریں۔"

زنجبیں عمر میں دونوں نندوں سے بڑی تھی۔ بھائی کے بعد سارے کے قریب تھی۔

"آپ ہیں تم بہت چپ ہوئی ہو۔ اسی کا مارا رہتا ہے تمہیں۔ دیکھی۔ لگتا ہی نہیں ہوتا تمہارا کسی سے۔"

اور یہ بات سچ تھی۔ اماں جی کے منہ سے نکل گیا۔ زنجبیں یکدم خاموش ہو کر رہ گئیں۔ دکھے دل اماں جی کی تکلیف دہ بات پر مزید تکلیف دہ ہو گئے۔

"اللہ ہی مدد کرتی ہے آپ۔ اللہ کیا مدد ہے۔ آپ بات کیا نکال بیٹھی ہیں۔ پھر ناشکرا ہونا کہیں ہی۔ ہی ہاں ہے۔ ہوتی

www.Paksociety.com

ہے۔ وہ تھی چرائے بھی ہنستی ہے انسان کی۔ اب ان لوگوں کا تو ہمارے پاس کوئی علاج نہیں جو اس کی لکیری سے
ہٹ کر دوسروں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں"۔

"رہنے دیں آپا! آپ میرے حصے کی صفائیاں پیش نہ کریں۔ ہم جس سوسائٹی میں رہتے ہیں وہاں طلاق یافتہ کا کام
کی ذمہ دار صرف عورت سمجھی جاتی ہے۔ اماں جی! آپ حساب سے ہیں"۔

نزہت نے دکھ سے رئیسہ بیگم کی بات کاٹ دی اور خاموشی سے باہر نکل گئیں۔

"صد کرتی ہوں اماں جی! آپ بھی آپ سے بھی دعا کریں گے"۔

رئیسہ بیگم دکھ سے گویا ہوئیں۔

"مجھ سے زیادہ دکھ کسے ہو سکتا ہے؟ غصہ مجھے اس بات پر آتا ہے کہ ایک ہی طرف ہو کر رہ گئی ہے وہ بھی تو بیوہ
شادی کر چکا ہے۔ کبھی بیٹے سے ملنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ جی دنیا بسائے بیٹھا ہے۔ یہ کیوں اس طرح لکیر پیٹتی رہے۔ کیا کی
ہے ظہیر میں؟ اس طرح کیسے وقت کٹے گا؟ اگر مجھے ایسی بچہ طلاق کو جوت دھرم ہی نہ ملے۔ کون سی ماں خوشی ہوگی بیٹا
بیٹی دیکھ کر"۔ اماں جی آبدیدہ ہو گئیں۔

"اماں جی! ابھی دکھ تازہ ہے۔ زخم تازہ ہے۔ ذرا سنبھلے گی تو ہم منائیں گے۔ وہ بچی کی وجہ سے صبر کر رہی ہے۔ وہ
کسی سے بھی دوسری شادی کیلئے فی الحال تیار نہیں۔ کیا غم ہے بچی کا۔ ہاں شاید بیٹے کے بھی لے لیتے ہیں۔ وہ تو یوں بھی اپنی
نانی کے پاس رہتی ہے۔ اس کا کوئی مسئلہ نہیں۔ بات ہوئی تھی میری ظہیر بھائی سے۔ کریں گے وہ انتظام آپ جلدی نہ
ہوں"۔

رئیسہ بیگم نے ماں کا پہلو بچا کر جملے سے سمجھایا۔

"مجھے تو صبر ہے بیٹی۔ وہ تمہارے بابا صاحب جو روز پڑتال شروع کر دیتے ہیں، تمہیں شاید معلوم نہیں۔ مرد اولاد کی
محبت ہو اور ماشاء اللہ سے کمانے والا ہو تو اس کی عورت تو جیسے پروقت عدالت میں کھڑی رہتی ہے۔ مجھے کہ اس سے پوچھ کر
بچے۔ فرمائیاں کر رہے ہوں۔

"بچے بڑے ہو جائیں تو اکثر مرد (بیٹیوں سے) اور ماں سے بچوں کے بارے میں گاہے گاہے ہی رائے لیتے ہیں۔ بچوں
بھی ان کو احترام کرنا چاہیے تم لوگ"۔

وہ آزردگی سے گویا ہوئیں۔

"فکر نہ کریں اماں جی! ابا کی شادی ہو جائے ہم تو ہیں نا"۔ سارہ بھابی نے بھی دلاسا دیا۔

"ہماری سات پشتوں میں یہ پہلا قصہ ہے بیٹی۔ ایک چالیس سی آگی رہتی ہے ہر دم"۔ وہ جیسے خود کلامی کر رہی تھیں۔

"اس دنیا میں رہنا ہے تو ہر طرح کی بات کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ کسی بات سے کوئی مرحوم تو ہوتا ہی ہوتا ہے۔ مالک ہے کہ رہنا ہے تو صبر کرنا پڑے
ہوا تو زبان سے اور کسی سے بھی سامنا ہو"۔ رئیسہ بیگم بولیں۔

"ہیں!" اماں جی بچوں کی طرح کھل گئیں۔

"ہاں کیا کہاں جی ہم گئیں"۔ خالہ سلمیٰ نے رخنا بھر کر کہا تھا۔

ماما جی جو تھوڑے تعجب سے ان کی طرف متوجہ تھیں ایک دم چونک گئیں۔

"ارے نہیں سلمیٰ آپا! آج کل تو شادی کی تیاریاں زوروں پر ہیں۔ سب ادھر سے سوتے ہیں۔ سب بال بچے بھی
ہیں اماں جی کے ساتھ۔ یہ لڑکی کون ہے؟" وہ جواب دیتے دیتے اپنے مطلب پر آ گئیں۔

"اری زلیخا بانو۔ سلام کرو ماما کو۔ تیری الیسر ہیں یہ"۔ خالہ ہنستے ہوئے اپنا ہونٹ اچکا کر پان کھانے لگیں۔

"سلام بیگم"۔ اس نے بڑی آنکھوں والی نوجوان عورت کو جو اپنے حلیے سے بہت باوقار محسوس ہوتی تھی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا سلمیٰ آپا"۔

"ارے اپنی ہی کوئی ہے۔ یہیں رہے گی اب۔ میرے خیال میں اماں جی صبح تو نہیں کریں گی آپ ہی تو دی ہوں
سلمیٰ آپا"۔ خالہ نے سوالیہ انداز میں ماما کی طرف دیکھا۔

"اب کیا کہہ سکتی ہوں۔ بچہ اماں جی کا مسئلہ ہے"۔ ماما نے جواب دیا۔

"وہ بیوہ ہوئی کیا ابھی سے سوگی؟" خالہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"نہ نہیں۔ سہ سوتی کو تو اچھا خاصا جہیز دیا ہے اس کی پھپی سے لگ کر روتی ہے"۔

"کیا لگتی ہے تمہاری؟" ماما جی کو نہ جانے کیوں خالہ کی نظر محسوس ہوئی تھی۔

"بھانجی ہے بھری آنکھ میں۔ بھرے گھر کے پاس رہتی تھی۔ ان کی بھتیجہ ہے۔ اب کچھ نہیں رہا۔ بھرا ہوا جہاں بھرا گھر
کی ذمہ داری اور وہ بیوگی جہان نے اسی لئے بلوایا تھا انہوں نے مجھے"۔

خالہ سلمیٰ نے اپنی تسلی کو ایک اور حوالے کے ساتھ بیان بھا دیا۔

"ماں باپ نہیں ہیں اس کے؟" ماما نے کریدا۔ اور حسن کو بڑی تفصیل سے دیکھا۔

"مر کھپ گئے۔ سب کیا اکٹھا ہو لئے جا گی۔ پھر کے ہیں ہم کھانا بھی کھائیں گے۔ کیا پکوایا آج؟" خالہ نے جیسے
اگر سے پہلو بچایا۔

"بیٹر دال تھی اماں جی نے۔ سارے گاؤں میں کھا؟ بکرا یا ہے۔ آج کھانا باہر باغوں میں پکا تھا۔ بکرے کے گوشت کا
قورمہ ہے، سرخی کی بریانی ہے۔ لال روٹی ہے۔ کھوئے کی کھیر ہے۔ وہ پھر تو گھر میں قبر کر لے اور ماش کی دال پکی تھی۔ وہ
گی پھلا ہے۔ ہر کھانا ہے کھا لو"۔

زلیخا بانو کی سہمی آنکھوں میں ترارت اتر آئی۔ جبکہ خالہ سلمیٰ نے پورے منظر کی تفصیل سے کوئی تاثر نہیں دیا۔ وہ
بیٹھے یہ معمول کی بات تھی۔

"پھلے اماں جی سے تو ان لوں پھر اطمینان سے کھا لیں گے۔ بال زلیخا بانو اچھا مگر ان سے شادی تو ہو گئی

ہو گئی ہے تو گھر جلدی میں آدھے دن ہی رہتیں ہوتی ہیں۔ کل خالہ اس ہی سے ملوانی ہوں"۔

"خالہ وہ بیاسر پر بوجھ اٹھا کر اندر کمرے میں اور باہر کی طرف قدم بڑھانے لگے تو ان نے بھی ان کی تقلید کی۔

"سوا آپ نے تمہارا سامان پہنچا دوں تمہارے کمرے میں"۔ ماما نے کہا۔

"ہاں ہاں ماما۔ بڑی مہربانی تمہاری"۔ وہ بیٹر کے بولیں۔

ایک تنگ راہداری میں بیس پچیس قدم چل کر خالہ ایک بڑے سے کھلے دروازے میں داخل ہو گئیں۔ پیچھے پیچھے ان

بانو بھی

ہال میں جیسے دھوپ اپنی پوری طاقت کے ساتھ گردش کر رہی تھی۔ اماں جی تخت پر بیٹھی جوڑوں کی "تھائی" تیک کر رہی تھیں۔ باقی خواتین نیچے قالین پر مختلف قسم کے کاموں میں مصروف تھیں۔

اماں جی کے تکیہ نما بیٹھی دروازے کے سامنے تھیں اس لئے ان کی نظر فوراً خالہ پر پڑی تھی۔

"ارے سوا آئے ہیں۔ پل بھر ہے میں تو سو رہی تھی کہ کب کے دوان ہیں۔ معلوم نہیں بخشا گا ہے کو جلدی"۔

"السلام علیکم"۔ خالہ نے اماں جی سمیت تمام موجودات کو سلام کیا۔ ذکیہ بانو تو جیسے اندر کا منظر دیکھ کر دم بخود دروازے ہی میں ساکت کر رہ گئی تھی۔

وہ کپڑے جو وہ یہاں راتوں میں پہننے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ جملہ خواتین عام حالات میں پہنے بیٹھی تھیں۔ ہر ایک کی کلائیاں کہنیوں تک چوڑیوں سے بھری تھیں۔ ایسے قرینے سے بنے ہوئے بال، کانوں میں دمکتی نوکوں کے بالے۔ رات کے سناٹے میں گیارہ بجے ایسی تیاری۔ وہ بھی گھر کے ماحول میں۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی شادی میں شامل ہونے آئے ہیں۔ یہاں بیٹھے ہیں۔

"وعلیکم السلام! یہ پگلی کون ہے؟ بتھر پڑے ہیں تیری عقل پر سوا آئے؟ اتنی خوبصورت بچی کو لئے رات کے دو بجے میں آ رہی ہے۔ صبح نہیں ہو گئی تھی کیا؟" اماں جی نے بڑی تیکھی نظروں سے ذکیہ بانو کو دیکھتے ہوئے جھاڑ پلائی۔

"اماں جی! مجھے ڈر نہیں لگتا۔ کوئی بھی آ کے دیکھ لیتا تو میں کیا اپنے سر توتے سے آنکھیں پھوڑ دیتی۔ کیا سمجھا ہے آپ نے مجھے؟"

"اس قدر بھروسا ہے سوا آئے کو اپنے" "بھیا" پر"۔ رضیہ بیگم نے سر ہلایا۔

"خیر بھروسا تو اللہ کے نبی جان! آپ کو یاد نہیں رمضان کی ساتویں گیارہویں تاریخ میں نے مردوں نے شاباش دی تھی"۔ خالہ نے ماضی کا ایک اہم کارنامہ یاد دلوا کر موجودہ صورتحال پر غور کرنا ضروری خیال کیا۔

"وہ بے چاری تو "گائے" تھی"۔ ایجہ بھابی نے خالہ کو چھیڑا۔ سب ہنسنے لگیں۔

"یہ کون ہے خالہ تم نے بتایا نہیں؟" ثمینہ نے بڑی معنی خیز نظروں سے ذکیہ بانو کو دیکھا۔ باقی سب نے بھی اس کا نوٹس لیا تھا۔

"بھانجی ہے میری۔ چھوٹی لی لی جان! اماں جی سے اجازت لیے آئی ہوں میں اسے اپنے ساتھ لگانا چاہتی ہوں۔ اکیلی ہوئی۔ ہے سب کا ہوں میں۔ اپنے اس کے کام دھندے میں کی تو خرچ ہو جائیگی۔ ہوں نا؟" خالہ نے حلاوت سے مسکرا

کر ذکیہ بانو کی طرف دیکھا۔

"تو میرے کون سے بچے کہاں ہوتے ہیں؟" اماں جی نے اطمینان سے سوال کیا۔

"یہ ہیں ہیں اب اس کو لیا ہیں"۔ خالہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تو اب تک کہاں رہی تھی یہ؟" اماں نے تعجب سے پوچھا۔

"وہیں آپ سے اپنی پھوپھی کے گھر کراچی کرتی؟"

"ہاں ہاں وہ کوئی اور ہے کیا"۔ اماں جی نے بات کاٹی۔

"جی ان کے پاس رہی تھی۔ اب ان کا بڑا بیٹا اس پر آئے دن کی مار پیٹ کرتا تھا۔ اسی واسطے بھابی نے بھیجا کہ

"اچھا۔ اچھا ٹھیک ہے۔ سمجھا دیا ہے یہاں کے طور طریقے۔ کچھ پڑھی ہوئی ہے"۔ اماں جی نے گفتگو کا رخ بدلا۔

"جی ایک جماعت پڑھی ہے۔ قرآن بھی پڑھا ہے۔ گاؤں میں بس ایک ہی پرائمری سکول ہے۔ شوہر نے اس لئے آگے نہیں پڑھی"۔ خالہ نے جواب دیا۔

"کھانا کھایا تم نے؟" عالم بیٹے نے جوتے میں پاؤں اڑاتے ہوئے سر اٹھایا۔

"کھا لیں گے جی" اماں جی کو سلام کرنے حاضر ہوئے تھے"۔

"اوئی تو ہمارا بھانجہ ہوتا ہے"۔ عالم والی بی نے ثمینہ کو ٹہوکا دیا۔

"اماں جی! کچھ ہی دیر ہوئی ہے پاؤں کھلائے سے بس ہے"۔ وہ سر کو خفی میں کھینچے ہوئے مسکرائیں۔

"مرادے میں مہمان رہنے سے آفت ہی جاتی ہے"۔ عالم بیٹے مسکرائیں۔

"سب ولی ہی ہیں گئیں۔

"کیا کیا کام آتے ہیں تمہیں؟" رضیہ بیگم اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"سب کام کر لیتی ہوں"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"وہ تو ہم دیکھ رہے ہیں" "کام" کرتی ہو گی"۔ ایجہ بھابی نے چٹکلی چھوڑی۔

"وہ سے قیصہ ہار کر ہنس پڑیں۔

"ہوں ہوں"۔ اماں جی نے تشفی انداز میں گھورا۔

"اماں جی نے اٹھنی بجانے کا اشارہ کیا۔ دونوں باہر نکل گئیں۔

"واہ! کیا پکی لڑکی ہے۔ بھئی واہ! کوئی خرابی نہیں"۔ ثمینہ نے جاتی ہوئی ذکیہ بانو پر نظر دوڑائی۔

"ہو گی آن واحد میں؟" عالم بیٹے مسکرائیں۔

"کیا لفظ کہہ دیا ہے بھابی نگار؟" وہ بھی ہنس پڑیں۔

"نہیں خیر غلط تو نہیں کہہ رہیں۔ خوبصورت تو بہت ہے جو۔۔۔ روتے ہیں مگر اس میں ایک عجیب طرح کی پراسراری بھی ہے کچھ سمجھ میں نہیں آرہی"۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

"ارے بتاؤ بھی کیا قصہ ہے کہ بیٹھ گئیں عمر ہی ایسی ہے۔ جوانی تو گدھی کو بھی خوبصورت بنا دیتی ہے"۔

اماں جی پر اپنی فکریں سوار تھیں انہیں اس بحث سے الجھن ہوئی۔

"مگر اماں جی اوہ زنجان بانو ہے گدھی نہیں"۔ امینہ بھابی نے کہا تھا۔

"ہاں ہاں! مجھے پتا ہے"۔ وہ بڑے معروف انداز میں بولیں۔

"کمر النسوانی آوازوں اور قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔

"سیدھی سادی اماں جی حیران ہو کر ان کی صورتیں دیکھنے لگیں کہ آخر انہوں نے ایسا کیا کہہ دیا۔

حویلی کے دو حصے اطراف کراچی ہو چکے تھے۔

ملازم عورتوں میں صرف روپا دیوی اور زنجان بانو حویلی میں تھیں۔ اتنے سارے لوگوں کے چلے جانے کے بعد حویلی میں عجیب سا سناٹا سا گونجنے لگا تھا۔

نئی ہونے کی وجہ سے زنجان بانو خود بھی ڈری ڈری سی تھی۔ رات کو چوک چوک کر اٹھ بیٹھتی تھی اور چاروں طرف اندھیرا دیکھ کے سہمنے لگتی تھی کہ تالے لگے ہوئے ہیں یا نہیں۔ روپا دیوی تو "اوم نجات" مارتی تھی۔ تو بچے ہی پڑ کر سو جاتی تھی نیند نہ آتی تو مکڑی کے کھجت صاف کرنے بیٹھ جاتی تھی۔ کوئی کام دھیان میں نہ آتا تو باہر باغ میں ٹہلنے لگتی خواہ مخواہ کی سوچوں میں الجھ جاتی تھی۔

اس وقت بھی وہ کام سے فارغ ہو کر باغ کی سمت چلی آئی تھی۔

"اسی دم گیٹ پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس جھلملائی تھیں ایک تو ترسے ہارن جاگا تھا۔

"اس نے ادھر ادھر چوکیدار کو دیکھا پھر روتے ہوئے غلام رسول کی کوٹھری کی سمت بھاگی اس وقت چوکیدار اور غلام رسول سائیکل تھا۔

"چاچا! ادھر کچھ گڑبڑ سی لگ رہی ہے"۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"وہ ادھر اکیلے ڈرائیور کے ساتھ تھا بلی رہا ہوگا تم رکو میں اس سے چابی لاتا ہوں"۔

چاچا غلام رسول اپنی کوٹھری کے پیچھے چلا گیا۔

وہ وہیں کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگی۔

"پھر کچھ دیر بعد ہی چوکیدار لڑکتا پڑتا اپنی دست آتے ہوئے دکھائی دیا اور تیر کی طرح اس کے سامنے گزر گیا۔

وہ بھی چل پڑی اور سامنے کے کھلے دروازے سے پیچھے کھڑی ہو کر گیٹ کی سمت دیکھنے لگی۔

چوکیدار نے ہی بھرائی سے گیٹ کھولا تھا۔

"بی بی صاحب نہیں تھا کہ شیر خان (ڈرائیور) انہیں لیے گیا ہوا ہے۔ قریب والے گاؤں میں کسی کو سانپ نے ڈس لیا تھا"۔

ایک نوجوان جو چست شلوار میں ملبوس قمیض کی طرح کی کمر پر باندھے ہوئے تھا۔

"خان! ادھر ابی ادھر حفاظت کرنے گیا تھا! مقدمہ نہیں ہوتا ہے"۔ چوکیدار نے پھولی ہی کنپٹی کی سمت اشارہ کیا۔

"یہ چوٹ کا وقت ہے خان صاحب"۔ نوجوان بھاگتے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔

غلام رسول سائیکل بھی وہاں آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نظر دم بخود کھڑی زنجان بانو پر پڑی۔

"زنجان بانو! اندر جاؤ۔ خان کو دل باتی ہم بھگتے۔ وہ یا دیوی تو اپنی کوٹھری میں ہوگی۔ اسے یوں بھی نیند کم آتی ہے"۔

"چاچا! یہ کون ہیں؟ مجھے ڈر لگ رہا ہے"۔ اس کی واقعی بہت بری حالت ہو رہی تھی۔

"ارے کوئی ڈرنے کی بات نہیں خان تھکا ہوا ہے۔ دلاسہ سے آیا ہے۔ بھاگ دوڑ کر کے تو جلدی سے سو جائے کہیں وہ بیمار نہ ہو جائے"۔

چاچا غلام رسول نے اس بار "تھرل" پیدا کرنے کی کوشش اور وہ واقعی اندر دہل گئی۔

اندر بیٹھ کر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس کمرے میں کہاں جائے۔ جانے خان اتنی بڑی حویلی میں کون سی گم ہے؟ معاً کسی طرف سے گھنٹی زور سے بجی۔ اس کی تو رہی سہی جان بھی نکل گئی۔

وہ تو خود یہاں آئی تھی۔ اسے گھنٹیوں کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ بدحواس ہو کر ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف بھاگنے لگی۔

پیچھے کے سارے کمرے بھاگ بھاگ کر دیکھ لئے۔ اب گھنٹ زینے کی طرف بھاگی۔ آخری زینے طے کرتے ہی اس کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہی نوجوان عین سامنے کھڑا تھا۔

"سس۔۔۔ سس۔۔۔ سلام علیکم!" اس نے تھر تھر کانپتے ہوئے سلام کیا۔

"کیا تم ادھر کام کرتی ہو؟" سلام کے جواب کے بجائے کرخت لہجے میں سوال آیا۔

"ج۔۔۔ جی۔۔۔ وہ مجھے پتا نہیں چل رہا تھا کہ آپ کس طرف ہیں؟" اس نے بتانا شروع کر دیا۔

"خان سائیں اور ملازم گھاس چلے ہیں کوئی پرانا ملازم تھا نہیں۔۔۔ نئی ہوں"۔

"جی وہ سب کراچی گئے ہوئے ہیں باقی حویلی میں صرف ہم ہیں"۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"یہاں کسی نے نہیں بتایا کہ ہم آ رہے ہیں؟ تم چاچا اور۔۔۔ لطف بانو ہو؟"

ثانیاً اس کے آنسوؤں نے اثر کر دکھایا تھا۔ آواز اس بری طرح قدرے نرم تھی۔

"آپ۔۔۔ آپ کون ہیں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

ادھر سامنے اس نے ایک سمت اشارہ کیا۔

www.Paksociety.com

وہ جلدی سے پانی لینے بھاگ گئی۔ اچانک نشے سے پانی میں اس نے عزہ کو اور تولیہ اٹھائے ہوئے حفیظ کو مڑتے میں آتے دیکھا۔

وہ نوجوان سوت کیس بیڈ پر رکھ کر قمیص کے اٹھے بٹن کے مصروف باتھ روم میں بھاگ گیا تھا۔

"خان بابا" انہوں نے متوجہ کیا۔

وہ قدرے جھک کر بیٹھا اور سیدھا ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔

"اسٹوپڈ ... ال سیدھا ... کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اتارتے ہیں؟"

"جی؟" وہ اس کے ہاتھ میں کانپ گئی۔

نوجوان نے تولیہ اپنے کاندھوں پر پھیلا لیا تھا۔

"اور ... یہ ... یہ بیٹھک ... یہ بیٹھک کسی کے کمرے میں داخل نہیں ہوتے ... پاگل لڑکی ..." وہ اسے کہہ رہا تھا۔

وہ تو اتنی ہراساں تھی کہ اسے تو احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کس حلیے میں ہے۔ اس نے ٹرے تپائی پر رکھ دی اور گلاس میں پانی انڈیل کر اس کی طرف آئی۔

وہ پورے قد سے کھڑا تھا۔ اس نے اپنا وجود اس کے سامنے چھوٹی سی گڑیا کی طرح محسوس کیا۔

نوجوان نے گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر ... ہونٹوں سے لگا لیا۔

وہ جگ اٹھانے پلٹ گئی اور چند لمحوں کے بعد ہی جگ سمیت پھر اس کے سامنے ... آ کھڑی ہوئی۔

نوجوان نے گلاس خالی کر کے اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے فوراً پانی انڈیلنا شروع کر دیا۔

"کھانا کھائیں گے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ نوجوان کے چہرے پر نظر اٹھانے کی ہمت ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

"ہوں ... مگر ادھر تو شاید بہت دیر ہی ڈاک ہوگی اور رات بہت ہو چکی ہے۔ ایسا کرو وہ سلاس اور ایک گلاس دودھ لے آؤ بس مگر میں مت بھولنا۔ میں ہاتھ لے باہوں"۔

نوجوان نے گلاس واپس کرتے ہوئے بڑی رسانیت سے جواب دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے واقعی کوئی آگ بھڑک اٹھی ہو جس پر تھوڑا پانی پڑ گیا تھا۔

اسے ہاتھ دھونا تو سمجھ میں نہیں آیا، اس لیے خیال ہوا کہ شاید منہ بھولا ہے۔ اس نے واپس پلٹ کر آ کر وہ گرم دودھ کا گلاس اس کے سامنے رکھ دیا جو بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ تو شاید میں منہ میں نہیں ڈالوں گا۔ بہرحال اس کی ترکیب بنانے کی کوشش تو کی۔ مل کا سادہ پانی لے کر ایک ... بڑے پیالے میں اس میں نمک کی زیادہ مقدار ڈال دی ... بلکہ (پیسٹل) چلا کر پیالا اس کے سامنے رکھ دیا اور تو کیا کرے گی۔ دماغ ہوتا تو وہ نوجوان میں الجھ ہوا تھا ... اللہ ... اس کو توفیق دے کہ اپنے گھر والوں کو بہت جلد کر پائے ہوں گے۔ وہ بھی ... بچے تھی کہ اس کی حالت پر اشیاء اس انداز سے سمجھ جاتے کہ وہ نارمل ہو جاتے۔ اس کے ہاتھ میں تھما ہوا گلاس

خالی تھا۔ اس نے کسی سوالی نظر سے دیکھا تو پانی لانے کا اشارہ کیا۔ اس نے چھوٹی الماری کھولنے میں اسے کوئی چیز نہیں ملی۔ ایک چھوٹی سی اسٹیل کی بالٹی لے کر فرار سے ایک گلاس دودھ میں ڈالا اور وہ تین گلاس کوئی ایک گھونٹ کر اس میں ڈال دی اور دودھ پینے لگا۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کے ہاتھ میں ... خوبصورت سی پاکٹ تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے دوسری خالی پلیٹ سے اٹھا کر دیکھا تو ... اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ پاکٹ اس نے پہچان لی تھی۔ اسی دن میں وہ پاکٹ کھو گئی تھی۔ اس نے پاکٹ کو ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ وہ پانی بھی پینا بھول گئی تھی۔ اس نے پاکٹ کو اٹھا کر دیکھا۔ اس کے کارڈ، پیسے سب کچھ اس میں موجود تھا۔ وہ ایک طرف دیوار پر بہت اونچا لگا ہوا تھا۔ اس نے سوچا، وہ اچھا ہے ... وہ اس کے پاس آئے گی تو وہ اسے دے دے گا۔ اس نے اپنا دوپٹا درست کیا۔ ٹرے میں چیزیں سمیٹ کر وہ ... وہ جہاں کمرے میں داخل ہوئی تھی، اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔ اس نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں نے اپنا دوپٹا درست کیا۔ ٹرے میں چیزیں سمیٹ کر وہ ... وہ جہاں کمرے میں داخل ہوئی تھی، اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔ اس نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

وہ والے پر پہنچی تو اس نے ہاتھ درست کیا اور آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔

"ہوں! کم ان" ... اندر سے رعب دار لہجے میں جواب آیا۔

وہ اندر داخل ہو گئی۔

بیڈ پر ہاتھ گاؤن میں وہ نوجوان کہنی پر ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ گیلے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ ٹانگیں بائیں ٹانگ کو ٹخنے سے بیڈ پر رکھ کر تپائی نوجوان کے سامنے رکھی۔ پھر ٹرے اٹھا کر تپائی پر رکھ دی اور خود وہ قدرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"سلاس پر چھری لگا کر ... بٹر پر نہیں ہے ہمیں" ... حکم صادر ہوا۔

وہ جلدی سے کارنر پر رکھی چھری میں اس کے تعمیل ...

ٹیبل لگائے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ بغور اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"زرمان بابا" ... اس نے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔

"تم لوگوں کے پاس تو چھوٹا سا مکان ہوتا ہے گرمیوں کے لیے ... اور ... اور ... اور کھلے کی کیا ضرورت ہوتی ہے کسی اور چیز کی میں اگر کوئی ضرورت ہو تو ... تو ... تم لے لینا ... سمجھ گئیں ... اچھا خاصا ... خوبصورت ہو جائے"۔

"کب گئے تھے یہ لوگ کراچی؟" وہ کھڑے لہجے میں بات کرتے ہوئے سوال کرنے لگا۔

"آ ... آج ہی گئے ہیں" ... وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

"مگر یہ کہ لوگ تھے وہ ... رہنے کی جو ہاں آئے ہوئے تھے؟" اس نے ایک اور سوال کیا۔

"نہ ... نہیں ... تو ... میں سمجھی نہیں ... آپ کیا پوچھ رہے ہیں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

"کہاں سے آئی ہو؟" اس نے تیکھی نظر سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"جی میں خالہ سونا آنے کی رشتے دار ہوں' بہت دور کے گاؤں سے آئی ہوں۔" اس نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"کوئی کمی تھیں ہیں تمہارے؟" دوسرے ہاتھ سے اس نے گلاس اٹھایا تھا۔

"جی؟" وہ گھبرا کر نوجوان کی صورت دیکھنے لگی۔

"والدین۔" نوجوان نے اجنبی اختصار سے کام لیا اور وہ دھیما گھونٹ بھرا۔

"نہیں جی۔"

"ہوں' یہ وہ میں کوئی فیئر مس کیا ہے؟ بہت اچھا ہے؟"

زلخون بانو خاموش رہی' اب تک سمجھ چکی کہ وہ حلوے سے پسند آیا ہے' سکون سا محسوس ہوا۔

"بس وہ کافی ہیں۔" نوجوان نے تیسرا نوالہ اٹھاتے دیکھ کر اسے روکا۔ زلخون بانو نے جھٹ سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اور سنو! ہم بہت دیر تک سوئیں گے' کوئی فون وون آئے تو ہمیں ڈسٹرب مت کرنا' ہاں کرنے والے کا نام نوٹ کر لینا' ہم خود کال بیک کر لیں گے' اٹھ کر کوئی ہمیں دکھائے نہ آئے۔ چاہے ہمیں کتنی دیر ہو جائے۔"

بہت ہی عجیب قسم کا آدمی تھا' اتنے دن ہو گئے تھے اسے حویلی میں آئے ہوئے مگر کوئی بھی اس انداز میں اس سے مخاطب نہیں ہوا تھا۔ حویلی کے مردوں میں کوئی بھی اس جیسا نہیں تھا۔ صورت' شکل' قد' کاٹھ' انداز' اطوار' ہر طرح سے منفرد محسوس ہوتا تھا۔

سب سے زیادہ خوفزدہ وہ بابا صاحب سے مل کر ہوئی تھی' مگر اب یہ ان سے بھی زیادہ خوفزدہ کرنے والی" تھی" محسوس ہوا تھا۔

وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی طرف نظر دوڑانے کی ہمت ہی نہیں تھی۔

چند منٹوں بعد اس نے دودھ کا خالی گلاس ٹرے میں رکھا تو وہ جوگی اور فوراً کھڑی ہو کر ٹرے اٹھانے لگی۔

"آ... آ... آپ بشیر خان کے رشتہ دار ہیں؟" اس نے جاتے جاتے ہمت کر کے پوچھ لیا۔ نوجوان نے تاسف بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"بے وقوف لڑکی! اپنے ہیں ہم ان کے' سب سے چھوٹے بیٹے۔"

یہ سن کر تو زلخون بانو جیسے سر سے پیر تک جل گئی۔ وہ الٹے پیروں باہر نکل گئی تھی۔

"خان کو چائے دینے کا کس نے کہا تھا تمہیں زلخون بانو؟"

وہ پیر ہونے کو تھی روبینہ جی کی تنبیہیں درست تھی۔

"ہوں نے منع کیا تھا۔ جب وہ لیں گے تو خود بھی بنا لیں گے۔" اس نے برتن دھوتے ہوئے جواب دیا۔ لاپرواہی میں بھی تلخی چھلکی تھی۔

"اوہو وہی اے۔" روبینہ جی بدحواس انداز میں دوڑ گئی' اسے اس کے روبینہ جی کا نام لینا بہت برا لگتا ہے' ان کی جان جلتی۔

چند منٹوں بعد روبینہ جی دوبارہ اندر داخل ہوئی تھیں' ہنسی دبائے۔

"خان تمہارا ساس کہہ رہا ہے' اسے عادت والی کڑی ہی چاہیے۔" وہ دھیما سا ہنسی تھیں۔

زلخون بانو کے تو جیسے چھکے چھوٹ گئے۔ اس نے برتن ایک طرف کیے جلدی جلدی ہاتھ دھوئے' دوپٹہ درست کرتے کمر پر باندھا' تھی ہوئی اور چل پڑی۔

خان اخبار پڑھ رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے بڑے سنبھل کر کہا۔

"تمہیں چائے لے کر آنا چاہیے تھا۔ بالکل تمیز نہیں ہے۔ اس کو اس لئے رکھا تھا کہ یہ ہماری بات سمجھتی ہے' بھیجیں اس کی۔"

"وہ... جی مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ صبح کی چائے پیتے ہیں' اب تو دن کے گیارہ بج رہے ہیں۔"

"ہم نے تمہیں اس لئے نہیں بلایا کہ تم ہمارا ٹائم ٹیبل درست کرو۔ کمرے میں وال کلاک اور ٹیبل کلاک موجود ہے۔"

"دیکھو پینے تو چائے لاؤ پھر پیکڑ سے پریس کرنا۔ اس کے بعد اٹھنا۔ وہ ہلکا سا اٹھ اٹھے ایک گلاس دودھ اور اس۔"

اس نے خان کی طرف دیکھا۔ وہ ہدایات صادر کر کے ایک موٹی سی انگریزی کتاب میں گم ہو گئے تھے۔

بہت خوبصورت جنوبی پھولوں والے نیا وہ ٹائٹ گاؤن میں وہ پورے ماحول پر چھایا ہوا تھا۔ اس کی سوگھیں حویلی کے دوسرے "خانوں" کی طرح آرائے والی تو نہیں تھیں مگر بہت بھلی تھیں جن کی وجہ سے اس کا اوپری اوٹ بشکل نکھرا آتا تھا۔ پورا پھر اتھا' جس پر سوئی غالب تھی۔ بال بہت قرینے سے بنے ہوئے تھے۔

وہ آہستگی سے پلٹ گئی۔

چائے تیار کرتے وقت اس پر عجیب طرح کی جھلاہٹ سوار تھی۔

"خان بڑا غصہ کرتا ہے' خیال کریں گا تو بہتر ہے۔" روبینہ جی نے اسے باخبر کیا۔

"ہاں پتا چل گیا ہے مجھے' تم اور بابا۔" اس نے چڑ کر کہا تھا۔

چائے تیار کر کے وہ کمرے میں آئی۔ وہ اخبار ایک طرف رکھ چکے تھے۔ وہ چائے لیتا تھا۔

"خان چائے۔" اس نے کپ بڑھایا۔

"ہوں رکھو۔"

"ناشتا کہاں کریں گے؟"

"یہیں ہمارے کمرے میں لاؤ گی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ تابعداری سے سر ہلا کر نکلنے لگی۔

"لڑکی! وہ کیا نام ہے تمہارا۔ ہاں۔ یہ اس کا مطلب پوچھ لینا روبینہ جی سے' اللہ سمجھا ناشتا کہیں تو زلخون بانو سے کہیں۔" اس نے تنبیہ کی۔ وہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

www.Paksociety.com

"کی"۔ اس کے منہ سے کسی انجانی کل کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ وہ خود کو کچھ سنبھالا کر بولی تھی۔

"یا اللہ! خیر ہو۔ کہیں لوگ پھر تو نہیں واپس آ گئے۔" خان آن سب پر بھاری لگ رہا ہے۔ سر اٹھا کر بولی ہے۔

وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ سوال کر رہی تھی۔

"تو بتاتی! تمہیں بھی ابھی یاد آیا تھا۔ یہ اتنی بڑی حویلی کی بھائی کھانوں کی خوشبوؤں اور پھولوں کی مہک سے بھر گئی۔

ادھر وہ کیا کوئی..... چاروں طرف دیوار یا نہیں والا" جہاں وہ خود کو مکمل کی طرح محسوس کرتی تھی۔ ایک دم احساس ہوا ہے اس کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہوا۔

"ہائے اللہ! اماں جی! جیور آئے ہیں"۔

صندلی گوٹہ لگی ہوئی ریشمی چنگر اٹھا کر بھاگی تھیں اور بھائی کے سینے سے لپٹ گئی تھیں۔ "آغا جا" سے ہوتی "کے کھنڈروں میں خبر پہنچی تھی۔

یاور علی خان بھی آ موجود ہوئے تھے۔

"یار! اطلاع تو کر دی ہوتی"۔ وہ ان کو سینے سے لگا کر گویا ہوئے۔

"سوچا تھا شاید ہم کچھ امید رکھتے ہیں کہ آپ پر اعتماد کر کے دیکھیں۔" اور بھائی کی پشت پر مکا مار کر مسکرائے۔

"اتنی مبارک شادی ہے یاور علی سب مصروف رہیں"۔ ریشم بھی خوشی سے نہال ہو کر کہہ رہی تھیں۔

"کوئی اور نہیں ہے تمہارے ساتھ"۔ سائرہ بھابھی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" تیمور خان حیران ہوئے۔

"یعنی کوئی ہمدم وغیرہ"۔ وہ مسکرائیں۔

"اسی کو لیں"۔ انہوں نے کسی نیوز اینکر میں آنکھ مار کر کہا۔

"کیا مطلب"۔ اسی سے وہ ڈیٹ کر کے آیا ہو گیں۔

"مطلب یہ کہ ابھی تو ہم چھوٹے ہیں"۔ انہوں نے ان کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

بے ساختہ قہقہے بلند ہوئے تھے۔

"بابا صاحب کہاں ہیں؟" تیمور علی خان نے باپ کے بارے میں پوچھا۔

"ارے وہ بھیجے (یاور علی خان سے چھوٹے) نے ساتھ فیکٹری گئے ہوئے ہیں۔ بلیم الدین آئے تھے۔ ان کے ساتھ چلے گئے میں نے کہا بھی کہ بیٹے کی شادی ہے لوگ آ جا رہے ہیں پھر ہو جائیں گے کاروبار مگر وہ سنتے کہاں ہیں"۔ اماں جی نے شکوہ کیا۔

"تم دونوں مردانے میں جاؤ وہاں سب تمہارے منتظر ہوں گے تمہیں"۔ وہ بولی تھیں۔

وہ یاور علی خان کے ساتھ مردانے کی طرف بڑھ گئے۔

"خیال سے آئے ہیں کہ چلو بہو کا بھی منہ دیکھ لیں گے"۔

ریشم بھی اماں کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

"ہاں بھابی! تیمور کے آنے سے تو جیسے خوشی بہت ہی محسوس ہونے لگی ہے"۔

"ہاں بری طرح قسمت جاگی ہے آنے والی دن دونی رات چوگنی ترقی کرے گا ہم ہی نہ لیتے تھے"۔ ریشم نے نہال ہو کر کہا۔

"ارے گھر اور صوفے کے غلاف دھو رہی ہوں استری کرنے کو نکالے تھے اس وقت میلے میں پھر دان سے نکل گئے"۔ ریشم ماتھے پر ہاتھ مار کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہمارے بیٹے غراروں پر بھی استری ہو گی؟"۔ ریشم سے چھوٹی رخشی آ ہو کر اپنی مخصوص مسکراتے ہوئے بولیں۔

"کل کی شادی ہوئی تھی اب گئے نکاں ہے کتنے ہیں۔ میری بچی کو بڑا شوق ہے غراروں کا"۔ وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

"اب تیور ماموں مرگ کا جان کو بھن کر رکھ لیں گے کہ آپ یہاں پڑھتے ہیں وہاں تو بڑی عورتیں بھی اتنا کپڑا نہیں پہنتی ہیں جتنا ہم یہاں پہنتے ہیں"۔

ایبہ بھابھی نے ہنس کر مکہ لگایا۔ سب ان کے ساتھ ہنس پڑی تھیں۔

"ہمارے عالم تاب آئیں گے دیکھیں گے جو ان کے ہاں جائے گا کوئی شے کم نہ ہو۔ سولہ آنے سے چوبیس آنے کے دل تھوڑی ہیں گو رنگ گیا کپڑا کیسی بڑے سال رہے ہیں"۔

اماں جی بے اختیار ہنس پڑی تھیں۔

"لگتا ہے کہ اماں جی اچھی خاصی ہنسی مذاق کی موڈ میں ہیں"۔ انہوں نے تسلی سے کہا۔

"تسلی رہو"

"تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک قہقہ تو سولہ آنے اپنے ہاتھ پاؤں پلنگ پر مار کر لیٹ جائے گی۔ کچھ ہے ہمارے عالم تاب میں تم ہو یا پاکستان بنتے وقت ہمارے کون سے بچے سے سال لگا کر بھی ہوگی ہے"۔ اماں جی ہنستے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

سب ہنس ہنس کر لوٹے لگیں۔ مگر اماں جی کی بات کی میں کی واقع نہ ہوئی۔

"ارے ساری کے ہوتے بھی لیے جاتا تھا بازار۔ پہنیں ذرا لیے ہے یا نہیں"۔ شہزاد بھابھی کو معاً یاد آیا۔

"اب آپ ایک جوڑے کے لئے بھی بازار جائیں گی؟ ذرا دور بھائی کو کر دیجئے۔ اسکوٹر بھی تو ہے جا کر لے آئیں گے"۔ عزیمہ نے مشورہ دیا۔

"عالمتاب انجینئر سے ہے یہاں آئے ہیں یاد رہا ہمتی گئے تھے پہلے۔ یہ تو بچہ لیتی تم وہاں سب ٹھیک ہے نہ"۔ اماں جی اٹھتے اٹھتے پھر بہو سے مخاطب ہوئیں۔

"ایک دو دن میں کیا ہو گیا ہوگا۔ بس آپ کو بھی فکریں لگی رہتی ہیں"۔ وہ بولیں۔

"یہ سوا آنے ماما کے پاس گئی تھی یا انگیجمنٹ پہنچ گئی؟" اماں جی کو معاً یاد آیا۔

"آ گئی اماں جی ماما اوپر تھی۔ بچیاں نہا رہی ہے ہاں اور وہاں باغ میں خسرے آئے بیٹھے ہیں"۔ خالد سوا نے نے نئی اطلاع دی۔

"ارے تو باغ میں بیٹھا چھوڑ آئی کیا بارات میں لے کر جائے گی۔ آتا چینی پانچ روپے دے کر فارغ کر انہیں چلتا کریو لیں"۔

وہ کہہ رہی ہیں "شکھائی سائن کے دو جوڑے لے کر جائیں گے چادھریوں کی شادی ہے۔

"اور سنو شکھائی سائن کے جوڑے ایک بھی نہیں بلکہ دو دو اکٹھا بھاجتے ہیں کراچی کے فسرے"۔ دولت اور حسن کے نشے میں ڈوبے ہوئے جملے جو ثروت سے گویا ہوئیں۔

"ثریہ میں دو دینے والے کپڑوں میں سے کوئی جوڑا نکال دو سوا آنے کو اور اس روپے رکھ دو۔ ہاں وہ آنے کا سیر آتا ہے۔ دس بارہ سیر آنے کے پیسے کیا بہت نہیں آسیر بھر چینی اور سو بھی رکھ دینا۔ جلدی سے فارغ کرے آنے سے پہلے کام پڑا ہے"۔

وہ خود نکالی کے انداز میں ہوتی ہوئی چلی گئیں۔

بارات کا ڈنر شیرٹن ہوٹل میں دیا تھا۔

نکاح تو صبح ہی گیارہ بجے کے وہاں ہو گیا تھا۔ صرف گھر کے مرد اور اماں جی گئی تھیں۔

دلہنیاں پہلے سے بیوٹی پارلر سے بنی تھیں۔

"ثریہ میں آپا بھی بھجے نہیں دکھائیں۔ میں اور دیا دونوں نہیں کر سکتا"۔

تیسرے روز کے کپڑے پہنتے ہوئے علی آن [illegible]

"ارے ہاں، دلہا سے زیادہ بے صبرے مرد [illegible] ہاں سب سے پہلے تم

"آپی کان کا سادان ہیں ہیرے لئے ہیں گے، کیوں بھائی تھیں، آپ لوگوں نے اتنی تیاریاں ہاں سب سے پہلے تم

پہنیں گے"۔

ہاں کے ایک طرف یاور علی خان دوسری طرف تیمور علی خان بیٹھے تھے۔ گھر کے دو مرد کسی بھی بارات میں ہوتے ہیں تو خاصی رونق ہو جاتی ہے۔ ثریہ، عزیمہ اور تیمور کی نوک جھونک دیکھ رہے تھے۔

"یہ بھائی جان جانتے ہے"۔ عزیمہ نے شرارت سے مسکرا کر یاور علی خان کو دیکھا۔

"ہوں، ہوں۔ عزیمہ۔ کیا کہنا ہے پہلے یہ تو بھجو بھابھی کو لے کیا ہے"۔ ثریہ بھابھی نے فوراً ہی بات کی وکالت کر دیا۔

"بھابھی ہم جاب لیس ہیں Depended ہیں بھائی پر ہی ادھار کر لیجئے ثواب ملے گا"۔ وہ شریر ہوئے۔

"جی نہیں۔ جی نہیں۔ اگر کچھ نہیں ہے تو کوالی سے گھڑی ہار کر لیجئے۔ وہ بھی سچ کر کھوٹی ہو جائیں گی سب ایک ہی بار بجٹ میں سے منسٹال"۔

"ارے بیٹا۔ کون ہیں باہر سے شیات؟ آنے گیں"۔ یاور کے چھوٹے بھائی علی خان نے آواز لگائی۔

وہی شرارت بھری میں گم ہو گئی۔

"یہ کھا ہے آپ لوگوں نے"۔ تیمور علی خان ہم جناب"۔

تیمور علی خان نے اپنے کوٹ کی جیب سے گفٹی والا پیکٹ نکال اور کھول کر سامنے کی۔

"ہائے اتنی پیاری گفٹی"۔ ثریہ نے خود شوق سے بولیں۔

"ہائے نہیں، شناخت ہم پردیس میں رہتے ہیں مگر سنتی سب یاد ہے۔ اصلی والا منٹ ہے محترمہ"۔

"اب تو دیکھ سکتے ہیں؟" انہوں نے ڈبیا ان کی گود میں رکھ دی۔

"بالکل بالکل ضرور میں گھونگٹ اوپر کرتی ہوں"۔

ثریہ نے گھونگٹ اوپر کر دیا۔

"بالی گھنٹہ لگتا ہے اماں جی کی ساری دعائیں آپ کو لگ گئی ہیں"۔ تیمور نے بے ساختہ مرعوب ہوا اور یاور علی خان کو دیکھا۔

اماں جی پاس ہی کھڑی تھیں۔ ایک دم تو یاور علی خان کا مزاج پیسنے لگا یا اور پیشانی چوم کر رہ گئے۔

"اب تو نہیں کرے گا ہم؟ میری بھی ایسی لاؤں گی"۔

"اماں جی بھوکا ہے"۔ یاسر علی خان نے لقمہ لگایا۔

بے تحاشا قہقہے گھر سے تھے۔

"اشتہار گھر کے ہاں آپ کا رشتہ والے ہے ہیں۔ اور کی تو سب لڑکیاں ہی اچھی ہیں"۔ ثریہ نے بھی حصہ لیا

"ہیں سگی بھتیجے سے دیور بھابھی اٹھنس اماں جی سے شکایت کرتے

نصیر تم نے بہت عرصہ سے بھائی اور بھابھی کو [illegible] کر رکھا ہے [illegible]

www.paksociety.com

www.Paksociety.com

"چلیں، دلہا کو دیکھیں گے تو ہماری بھی واری لگے گی۔" بصیر علی خان نے خوشامد کرنے کی کوشش کی۔

"دلہن تھک گئی ہوگی۔ آرام کرنے دو۔" اماں جی نے کہا۔

"رسم کھائی تو ہونے دیں اماں جی۔ سب دلہن دیکھنے کے شوق میں مرے جا رہے ہیں۔"

دلہا کی اماں تیز سے دروازے کی طرف بڑھیں۔

باہر سے دلہنوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"ارے انہیں چپ کروائیں۔ صبح سے حلق پھاڑ رہی ہیں۔ اکیلی دلہا کی ذات ہی بارات ہیں۔ سر درد کر دیا ہے۔" دیکھ لئے انہوں نے بیری آنکھوں سے۔" اماں جی سادگی سے بھانپ کر بولیں تھیں۔

بے ساختہ قہقہے گونجے تھے۔

رسم کھائی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ یاور علی خان اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹھ رہیے۔ مگر فی الحال یہاں سے تو کوئی ٹل نہیں۔" وہ مسکرا کر کہہ گیا ہوئے۔

"صحیح کہہ رہے ہیں۔ اکثار دل بعد میں شروع ہوگا۔" عالمگیر نے چھیڑا۔

وہ مسکراہٹ دباتے باہر چلے گئے۔

وہ یاور علی خان باتھ روم میں تھے۔ تو انہیں اپنے پیچھے ہلچل سی محسوس ہوئی۔ سمارہ انہیں سے پاس تھی۔

نازنین قدم سنبھال کر بیٹھ گئی اور وہ پانی گرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ وہ دوسرے کی سمت دیکھنے لگی۔

وہ تھک ہار کر سو گئی۔ اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ کھلے پانی سے آنے والے راستے سے نکل کر وہ پیچھے سے آ گئی۔ اور دروازہ کھول دیا۔

سامنے ہی تیمور علی خان کمر سے شرارت سے مسکرا رہے تھے۔

"السلام علیکم۔ دولہے میاں کی پہلی صبح آپ کو مبارک ہو۔"

نازنین ایک دم چونک گئی۔ سسرالی خواتین کو سامنے پا کر وہ حیران سی ہو گئی۔

"السلام علیکم۔" وہ اس سلام ہی کر پائی۔ "وہ تو ہم سمجھ گئے ہیں۔ آپ یہ بتائیں صبح کی چائے میں کیا لیں گی۔ آپ دولہے میاں کو جواب دیجئے۔" وہ محظوظ ہو رہے تھے۔

"علیکم السلام۔" وہ دانتوں تلے ہونٹ دبا کر بمشکل آہستگی سے بولی۔

"بھابھی نہیں کہیں گی۔ ہم تو بات سے اس وقت کا اندازہ کر رہے ہیں کہ آپ سے کیا بات ہوئی ہوگی کیا کہتے ہیں کہ میں تیرا احسن احسن یاں تک دیکھوں"

"بھائی کہاں ہیں۔ کیا کر رہے ہیں۔ پہلے ہی دن آپ سے ڈر کھایا۔ اگر پوچھیے ہیں ہم۔"

نازنین کی ہنسی اور سے تھکی ہوئی تھی۔ وہ ایک طرف صوفے پر تیمور علی خان اور اکبر علی خان بیٹھے تھے۔

"بھابھی کہاں چلے گئے؟" وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

نازنین نے باتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔ "باتھ روم میں ہیں۔"

"جگل میں نہا رہے ہوں گے۔ اس وقت تک تو انہیں بھی علم ہو جاتا ہوگا۔ آپ یہاں تو کبھی چائے نہیں پیتی۔ آج آپ کو صبح چائے پینے کی عادت ہوگی تو اس وقت آپ کا دل چاہ رہا ہوگا۔ ہے ناں؟"

تیمور علی خان نے آگے بڑھ کر نل، مگ کی بیسن میں نظریں جھکا کر بیٹھے ایک کونے پر بیٹھ گئی۔

"کچھ تو بولیے۔ سلام کے جواب سے کچھ کی پیشکش کی۔" وہ شریر ہو رہے تھے۔

"کس طرح؟" وہ آہستگی سے بول پائی۔

"واہ یہ بھی خوب رہی۔ آپ کو کس چیز کا؟ اچھا پہلے یہ بتائیے کہ آپ دودھ والی چائے لیتی ہیں؟"

"ہاں" نازنین نے اثبات میں جواب دیا۔

"پتی کتنی پیتی ہیں؟"

"زیادہ نہیں ہوں۔" اسکی آواز سے تھکے ہوئی کی نقاہت لپک رہی تھی۔

"ٹھیک"

نازنین نے مسکرا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"کیا حضور کا انٹرویو ختم ہوا؟"

"ہاہاہا" تیمور علی خان کا قہقہہ بے ساختہ ابھرا۔ "اب ہی ہے بات۔ شاباش اچھا بولیں گی۔"

نازنین جھینپ کر رہ گئی۔

اکبر علی خان داخل ہوئے۔ تیمور علی خان کو وہاں پہلے سے موجود پا کر جیسے انہیں خوشگوار حیرت ہوئی۔

"ہو گئی وہ اولی ولی آپی۔ پیر اسکی تلے جانے سے محروم ہیں۔ یہ ہماری کوالیفائیڈ بھابی صاحبہ جو اسٹوڈنٹ لائف گزارتے ایک دم ہمارے ہاں ٹرانسفر ہو گئیں۔ انہیں صبح کی چائے ابھی تھی ہوگی۔ آپ کو تو پتا ہے اسٹوڈنٹ لائف کے قصے کتنے مزیدار ہوتے ہیں۔ ہاہا۔ سسرال میں بھابی کے ساتھ ہلکی پھلکی نوک جھونک ہو رہی تھی۔"

تیمور علی خان کمر کے پیچھے ہاتھ کر کے اکبر علی خان سے صوفے پر براجمان ہو گئے۔

"خان اولی بیگم۔ ذرا کہا تھا جو تک یاد خاں خود نہ لائیں کرنے میں کوئی حرج نہ ہے اس لئے۔" ہاہا نے وضاحت کی۔

"اوہ۔ اچھا۔ اچھا۔ اب پتا ہے آ گئیں۔ صرف دو بھابیاں کھیلنے کیں۔ ہمارے لئے بھی۔ ہے تو الفت بے چاری کو بھی ہے کہ تو یہاں بہت تھوڑے دنوں کے مہمان ہیں۔ آپ ہماری آؤ بھگت کیجئے ہمارے میاں۔ یا نہیں پھر کب دوبارہ تشریف لائیں گی۔"

وہ خاموش ہو کر سنجیدہ سا ہو گئے۔

www.Paksociety.com

"کیا مطلب؟" نازنین یکدم چونک پڑی۔

"بھئی۔ ہم مکمل آداب غلامی سیکھ رہے ہیں۔ یعنی انگلینڈ میں زیر تعلیم ہیں۔"

"مگر مجھے تعلیم کا اثر خاص نظر نہیں آ رہا۔"

یاور علی خان بڑی بڑی مونچھوں کو تاؤ میں مروڑتے ہوئے ہال روم سے باہر آ گئے تھے۔

"ہماری دو بہنیں فراب ہیت کیجیے ایم ال ایچ اے ہیں۔" "اوہ ہی ہو" بہرحال ہر گز نہیں ہیں۔" تیمور علی خان نے بھائی کا بہت محبت اور چاہت سے دیکھا۔

"بھئی ہم تو تعلیم سے متعلق بات کر رہے ہیں لگتا ہے تم۔ ادھر کچھ خاص کر سرکار سے ہو گئے۔ اچھا چلیں چلتے ہیں تم میں۔"

یاور علی خان کا لہجہ محبت بھرا اور شرارت آمیز تھا۔

"یہ دیکھیے۔ ہوا ہمارا گوروں کی پیروی کے۔ کس قدر لائف دیتے۔" تیمور علی خان نے ڈائننگ ہال میں نازنین کو لاتے ہوئے کہا۔ جوان دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"بھائی! آپ کو چائے کا کہہ کر ہالروم میں بلوایا جا رہا تھا۔ لے چاری کب سے آپ کا انتظار کر رہی۔"

"واقعی!" یاور علی خان نے تعجب سے نازنین کو دیکھا۔

اس کی نظریں حیا سے جھک کر رہ گئیں۔

"آپ دونوں بھائی کیا اسی طرح میری درگت بنایا کریں گے؟" "خود اعتمادی تو اس میں بہت تھی اس وقت بھی اس کا لہجہ آواز اور انداز متاثر کن تھا۔

"ہم تو خیر چلے جائیں گے۔ پھر یہ اکیلے ہی نبھایا کریں گے۔"

تیمور علی خان نے بڑے معصومانہ اور سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔ یاور علی خان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ نازنین نے اپنے مہندی سے سجے ہاتھ چہرے پر رکھ لئے تھے۔

"چھوڑیے بھائی۔ بھائی کو تنگ مت کیجیے۔ گندہ دل ہے ہی۔" تیمور علی خان نے بہت دلچسپی سے نازنین کا یہ انکشاف سنا تھا۔

اسی دم ماما جانے کی کھٹکی کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔

"ادھر رے ہا۔ آج بھائی بھائی کی خدمت کا آغاز کریں گے۔" تیمور علی خان نے ہنستی مسکراتی ماما جانے کی طرف کو شرارتی دیکھنے کا اشارہ کیا۔

"بہت ہی اہم ذمہ داری ہے۔ فی الحال تو چائے کا کہہ کر آئی ہوں۔ باقی باتیں بعد میں۔" یاور علی خان نے ہاتھوں میں ٹرالی پکڑے ہوئے آنے میں تیمور علی خان سے کہا۔

"ہمارے گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہی ہمیں اطلاع بھیجوا دی تھی۔" تیمور علی خان نے ماما جانے کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اوں۔ ہوں۔ یہ ہمارے دیس کے ڈائننگ ہال ہیں۔" یاور علی خان نے مصنوعی خفگی سے بھائی کو دیکھا۔

"مگر یہ بھی تو ہیں۔ اپنی ذات کو احترام بھائی کیلئے بھی بدلنا جانتے ہیں۔"

تیمور علی خان نے چائے کی تیاری کے دوران شرارتی جواب دیا۔

نازنین جو تیمور علی خان کے بے ساختہ انداز گفتگو سے دنگ ہو رہی تھی۔ تیمور علی خان کے سادہ اور بے تکلفانہ انداز میں شرمندہ ہی ہو گئی۔

تیمور علی خان نے چائے پیالے نازنین کی طرف بڑھائی۔

"شکریہ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ ہوا نا۔ ہم رات سے خوش ہو کر رہا حال کے آئے ہیں کہ اپنے گھر میں کا ہوت انگلش بولنے والا کوئی ہو۔ آپ کی انگریزی سننے کے شوق میں جا رہے جا رہے ہیں۔ اور آپ ہیں کہ بھائی بیگم والا شعر بھائی بیگم تو قول ان کے اپنے صرف قرآن پڑھی ہوئی ہیں۔ حالانکہ یہ بات بھی ابھی حاصل ہے۔ ہم تو کہتے ہیں آپ تھیکس کے ضمن میں "شکریہ" ادا کیا کریں۔ کیونکہ قرآن عربی میں اترا ہے۔"

"واقعہ" نازنین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ یاور علی خان بھی مسکرا رہے ہیں۔

"لیکن کہہ رہے ہیں ہاں ہم انسان کی عام طور محنت سے پتا چلتا ہے ہاں کہ اس کا ایم کیسا ہیرل کس طرح کا ہے۔ ہمنے آپ کا شعر دیکھا ہاں رکھا ہاں ہے۔ سائنٹیفکلی پریکٹیکل پرسنالٹی کے ساتھ ہمیں مطلع تھیکس کیجیے۔"

نازنین کا دل چاہا کہ قہقہہ لگا کر ہنسے۔ مگر یہاں وہ ایک رات کی دلہن تھی۔ خود پر بڑا کنٹرول کر رہی تھی۔

"یار۔ مت ستاؤ اپنی نئی نویلی بھابھی کو۔" یاور علی خان بھائی کے قریب صوفے پر آ کر بیٹھ گئے اور چائے کا کپ اٹھایا۔

"سچ جا رہے ہیں آپ۔" تیمور علی خان نے پھر پوچھا۔

"اچھا یہ بتائیے۔ آپ نے بھابھی کی انگریزی سن لی۔ ویسی انداز میں تو نہیں ہو تیں ہمیں تو ویسی سوسائٹی میں انگریزی لگانے سے بہتر اشاروں میں بات کرنا لگتا ہے۔"

"ارے بھابھی!" یاور علی خان نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ جو سادہ سے چہرے پر کامدانی سے مزین آنچل کو شانے پر جھکا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ نیلے ہیوی ساڑھی میں ملبوس تھی۔

ساڑھی پر ریشمی آنچل پر اٹھا صرف کامدانی کی کوئی پیاری سی کڑھائی تھی۔ اسی دم دروازے پر ہلکی سی محسوس ہوئی پھر دروازہ کھل گیا۔

"کل کو ان آ جائیں؟" یاور علی خان نے اجازت چاہی۔

اندر بیٹھی خواتین کی ملی جلی آوازیں آئیں۔ داخل ہوئی۔

"ارے تم یہاں ہو۔ کیا کر رہے ہو اور ہم؟" تیمور علی خان نے محبت بھری حیرت سے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

"تعارف کروا رہے ہیں بھابھی کی۔ آپ لوگوں کے بے یاد ہو گئے۔" یاور علی خان کے انداز میں کھلی کے

www.Paksociety.com

۔۔۔ کس ایک دم ہمیں اپنی بھابھی کا خیال آ گیا۔"

"اللہ کی شان۔ ہمیشہ ایک ہرا سب باغ میں سے کہ سری کی دھمڑ چھانے والے کس قدر واحد ادارہ ہے جس پر مجھے یہ مایوس کن اطلاع ہے کہ بڑھاپے کی جو دو شادی کے قابل نہیں ہیں، اگلی منتظر ہو چکی ہیں۔"

بیسے علی خان سے چھوٹی بہن روشن آرا نے چڑی دشمنی سے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ ہماری تو معلومات زیرو ہیں بھابھی کی فیملی کے متعلق۔ ہمارے لئے تو بہنوں کی اطلاع بھی کافی ہے بہنوئی کی بھی۔"

وہ تمام چرکس خواتین کو خود پر حملہ آور دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"بھئی آپ لوگ اسے کچھ نہ کہیں۔ واقعی اس نے ہمیں بہت طلب کر کے وقت بہت اچھا پاسنگ کر پائی ہے۔"

یاور علی خان نے خواتین کو اگلے حملے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

"ذرا جگر دہ میں تحریت سے نہ گر جاؤں۔" نازنین وہیں سے بیٹھے بیٹھے منمنائیں۔

"ہائے اللہ اس نے تو بہت تنگ کیا ہوگا۔" بیگم نے پیار سے نازنین کو تھوڑی اوپر کر کے پوچھا۔

"ہم تو بہت پروگرام بنا کر آئے تھے۔ مگر کیا کریں بھائی ہاتھ روم سے نکلوی آ گئے۔" تیمور علی خان ہاتھ لہرا کے شرارت سے مخاطب ہوئے۔

وہ سب ہنس پڑیں۔ یاور علی خان ہی کپ دکھ کر اٹھ سے باہر نکل گئے۔ بہنوں سے تو نہیں بھابھیوں سے انہیں فٹ نظر آتا تھا۔

"ہائے ابھی تک زیورات نہیں پہنا۔ نازنین آرا زیور اٹھا۔ دلہن کے گھر والے ابھی آنے والی ہوں گے۔" عالیہ نے نازنین کے مقابل بیٹھ گئیں۔

"آپ پہلے چوڑیاں پہنا دیں۔ میں بھابھی کے بال سنوارتی ہوں۔" نازنین نازکین کی پشت کی طرف چلی گئیں۔

"ہنسی۔ کیا زیورات میں اضافہ نہیں ہوا؟" واجد بھابھی زیورات تولنے لگیں۔

"مجھے تو نظر نہیں آ رہا۔ میرا خیال ہے، صرف ہمت ہی نہیں حوصلہ بھی ہے۔"

روشن آرا خوشی سے بولیں۔ خواتین کے مزاج کافی بہتر ہو رہے تھے۔ نازنین کے چہرے پر سرخی چھلکنے لگی۔

"بھئی ہم تو یہ سب برداشت نہیں کر سکتے۔" نازنین نے نازنین کے سر سے اوپنا اتار کر ایک طرف رکھ دیئے تھے۔ وہ بال انگلیوں سے سلجھانے لگی۔

"بھئی ہمیں تو یہ ناں لمبے لمبے ستم کا کام سے کھچنے کی بڑی عادی ہے۔"

عالیہ نے نازنین کی کانوں میں جھمکے اور چوڑیاں اتار لیں۔

"بھابھی چلیں۔" نازنین نے آگے کی طرف جھک کر نازنین کا چہرہ دیکھا۔

نازنین نے سامنے لگی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ جس خواتین دیکھ لیا۔

ایسے بھابھی نے بیتابی سے دروازہ کھولا۔ اور ایک نظر باہر ڈالی۔

پھر وہ سب تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

سرخ و سفید رنگت، ہلکی نیلی آنکھیں، بارک بہت خوبصورت اور نیا تاج ان سب کے سامنے تھا۔

"سوہنا ہے بہت۔"

"ہوں۔ اشارے کی زبان میں کہا ہے کہ جو لی کی "و" والی شکل تو جب بنے گی جب بنے گی۔ دل کی شکل بنانا بھی ہے۔" یاور بھابھی نے دوسری کوڑی لانے میں سبقت حاصل کی۔

"ویسے کیا بھی ہوگا۔" نازنین نے شرارت سے کہا تو نازنین کا چہرہ گلنار ہو گیا۔

"پھر مجھ ہی بات کی تصدیق کر رہا ہے۔" روشن آرا نے بھی حصہ لیا۔

نازنین نے بے ساختہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔

خواتین کی مترنم مسکراہٹ سے ہال یوں محسوس ہوا جیسے دنیا میں غم نہیں ہوتے۔ اس سیارے میں خوشی کا سورج روشنی پھیلا رہا ہے۔

اس شام جولی والی ہوگئی۔ ماں کی کال کراچی میں ہی تھی۔ انہیں اپنی جولی کی صحرا فیلت بہت عزیز تھی۔ کہتی تھیں۔

"کراچی میں تو صرف ہاتھ ہلا دیتے ہیں۔ یہاں تو کوئی کام ہی نہیں ہوتا اور جولی میں میرے کام ختم نہیں ہوتے۔"

ان کی طرف سے جلدی واپسی کا تقاضا تھا۔ جو تو پہلے ہی کر چکا تھا۔ مگر بھین ہوتا کہ بابا صاحب کے پاؤں دست حباب شمول ہیں، وہ کریش کی بھی کان ہوتا تھا۔

رحمان باتو نازنین کا بھتیجا ہوا مگر ابا جی سعید ملنے کے کام سے سوا سوت پہلے استقبال۔ حملے میں ابا جی سے بڑا نظر آتا تھا۔ ہی تھی۔ لمبی دیکھنے کے اشتیاق نے اسکے چہرے پر عجیب سی تمتماہٹ پیدا کر دی تھی۔

"رحمان باتو۔ ادھر پیچھے سے آ کر۔ ہیں کام کر۔ ہیں سب لوگ۔" نازنین نے مصنوعی رحمان باتو کو حسب نظر انداز کیا۔

دیر آنے کی جزا میں ایک حصہ میں پھول گئی تھیں۔ علی خان وقت رفتار کی سے اپنا بیگ اٹھائے سب سے پہلے اندر داخل ہونے کی کوشش میں آگے بڑھے تھے۔

رحمان باتو کی نظر "درمیانی اشیاء" کو دیکھ کر اٹھی تھی۔ اگلی نظر تو ہمارے دائیں بائیں ہی تھی۔ اپنی بڑی طرح تیمور علی خان کے بڑھتے ہوئے قدموں سے گھبرا کر اور ڈر کر اس نے گرفت کی ایک لمحہ کو سب کی توجہ اسی سے ہٹ گئی تھی۔

"ہ۔ ہ۔ ہ۔ چھوڑ نہیں گی۔" کہہ کر چلا کر۔ "اچھا چھوڑتا ہوں۔" کہتے ہی تیمور علی خان نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"ہائے اللہ۔" ہم نے بے ساختہ تیمور علی خان نے اس انتقال کیا۔

"چھوڑو جانے دو۔ تم کرنے تو نہیں دیں گی تو بے چارہ کیا کرے"۔ ایبہ بھابھی نے تیمور علی خان کا دوبارہ اہل کرنے کی کوشش کی۔

"مگر بھی سکتا تھا۔ ایسے بھاگے دوڑنے کی کوئی تک تو نہیں ہے ابھی"۔

انہوں نے وہ واس کی زلفان ہالو کے چہرے پر خفگی انداز میں نظریں دوڑائیں۔

"یہ خبر بھیجو تک کے ہے تیمور خانان"۔ تزئین نے شوخی سے وضاحت دی۔

"ہو"۔ وہ ہنس کر آگے بڑھ گئے۔

وہ بھی کھسیائی ہوئی ان کے پیچھے آگے بڑھی ہوئی۔

زلان کو ہال میں پہنچا کر وہ ماما کے ساتھ کچن میں مصروف ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے تو سب کو چائے پلانے کا اہتمام کیا گیا۔

"ماما اب آپ آ گئی ہیں۔ تیمور خانان کے کام آپ ہی کرنا۔ مجھے ان سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ ابھی اگر سب کے سامنے وہ مجھے تھپڑ مار دیتے"۔ اس نے کپ اٹھا کر ٹرالی میں لگانا شروع کیے۔

"ارے نہیں۔ ایسے نہیں ہیں۔ کبھی کبھی تو تغیر یا سب لوگ ہی چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ تو سب کا لاڈلا ہے۔ کیسے صاحب کے سامنے بھی نہیں بول سکتے۔ باہر پڑھتے ہوئے اتنے دن ہو گئے ہیں۔ حویلی کی تو ساری عادتیں ختم ہو گئی ہیں۔ اپنے بہت سے کام خود ہی کر لیتے ہیں۔ وہاں کراچی میں مجھے اندازہ ہوا تھا"۔ ماما نے تسلی دی۔

"پھر بھی ماما"۔ وہ کسی وضاحت سے مطمئن نہیں ہوئی۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ میں خود ہی دیکھ لیا کروں گی۔ ویسے آج تو تم پری لگ رہی ہو"۔

ماما نے اسے محبت سے دیکھا۔

"چھوڑو ماما! آپ بھی کیا بات کرتی ہو۔ ماما نے سامنے کوئی عمر کی تعریف کرتا ہے تو پتہ ہے ماما کیا کہتی ہیں"۔ وہ ہنسی۔

"کیا کہتی ہے"۔ ماما کے انداز میں دلچسپی تھی۔

"کہتی ہے جنگل میں مور ناچ رہا ہے"۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ماما بھی مسکرا دی۔ "اللہ تمہارے بھاگ جگائے۔ وہاں بھی یاد کرتی ہیں"۔

انہوں نے شفقت سے دیکھ کر دعا دی۔ چند دنوں میں وہ انہیں بہت عزیز ہو گئی تھی۔ آگے بڑھ کے انہیں بھی مدد کرنا معقول معلوم ہونے لگے تھے۔

اسی وقت وہ پریوی اندر داخل ہوئی۔

"زلان ہالو۔ تیمور خانان ہالو ہالو"۔

زلان ہالو کے نام پر وہ ہنسی میں کھلکھلا پڑی۔

"میں وہاں چلتی ہوں۔ چائے دیکھ لینا"۔ وہ باہر چل دی۔

زلان ہالو کے قدم میں آ گیا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

چند لمحوں بعد ماما بھی آ گئی۔ اس نے آتے ہی زلان ہالو کو الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"زلان ہالو خان کیسی لگ رہے ہیں"۔

"سر۔ مجھے"۔ وہ گھبرا کر بولی۔ "کیا"۔

"بتائیں اس مجھے تو بھی گھبرا دیا زلان ہالو کو"۔

اس نے جلدی سے ہاتھ چھپائے۔ بری طرح گھبرا رہی تھی۔ اسی عادت میں باہر بھاگ گئی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی آبجیکٹ اچھی سے رکھ دی۔

"میں"۔ اندر سے خان کی بھاری آواز آئی۔ ماما نے اور پوزیشن کیا اور اندر داخل ہو گئی۔

"جی۔ خان"۔

"وہ زلان ہالو۔ بات یہ ہے کہ تم کریز بہت اچھی ہاتھی ہاتھ پوزیشن استری کرو ہمیں زیادہ ہو جاتا ہے"۔ خان نے بڑی پوزیشن کی طرف اشارہ کیا۔

"جی اچھا"۔ وہ خان کے زخم اندازہ سنبھل گئی۔ وہ آگے بڑھ کر پوزیشن اٹھانے لگی۔

"پوزیشن نہیں گی تمہیں"۔ اس کے آگے بڑھتے قدم خان کی آواز پر تھم گئے۔

اس نے حیرت سے مڑ کر دیکھا۔ خان اپنی چیئر پر جھکے ہوئے بغور دیکھ رہا تھا۔

اس نے حیرت آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ آبجیکٹ خان کی ہے۔

"میں"۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"تم کر کیں آتی ہیں۔ اس نے پوچھ رہے تھے"۔ لہجہ تو عام سا تھا۔

"میں۔ مجھے چوٹ لگی ہے اس وہ دائیں گھٹنے میں درد ہوا ہے"۔

"بیٹھ۔ اچھا ہوا۔ تم تھا اس سر ہے سینے سے بہت زور سے گرایا تھا۔ خاصی تکلیف ہو رہی ہے"۔ لہجے میں فکر کی جھلک تھی۔

اس نے وہ واس اور خان کی طرف دیکھا۔ پھر وہ پوزیشن اور ٹرالی تھا۔

"وہ لی۔ آپ وہ میں لیں"۔ اس نے سادگی سے کہا۔

"وہ۔ لی۔ وہ وہ تم ہوتا ہے ہاں تو لی تیری خوشبو ہوتی ہے اس میں"۔

اس نے اپنی دانست میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"تھوڑا وہ طب ہے اس لیے تیرا ابھی نہیں ہے کہ بھت کی جائے۔ اچھا خیر تم جاتا آتے ہوئے چوٹے عمر لیتی"۔ تم بہت اچھا کام کرتی ہو۔ ہمیں اور ہے اگر ہم یہاں رہیں وہاں رہے گئے تو ہماری عادتیں نہ بگڑ جائیں"۔

کہ کہہ رہے تھے خان سے وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

www.Paksociety.com

ویسے کی دعوت بڑے اہتمام سے دی گئی تھی۔ گھر کی عورتوں کے علاوہ دوسرے شہروں سے بھی مہمان آئے ہوئے تھے۔ سب کی ایک ہی بات تھی۔

نازنین کے بھی سب گھر والے آئے ہوئے تھے۔ ہاں جی اور بابا صاحب کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ نیر بھی اپنے سسرال والوں کی موجودگی میں بہت بے تکلف آزادی محسوس کر رہی تھی۔ نازنین اور سرور بھائی نے اسے کہا بھی دیا تھا۔ لیکن تو ویسے بھی سب کی توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ نازنین تو کچھ بار بار تھی۔ جس کی آمد سے محفل ہی اس کے لئے سجی ہے۔ جسے کہ حویلی میں داخل ہوتے والے فرد کی پہلی خواہش نازنین کو دیکھنے کی ہوتی تھی۔

تیمور علی خان نے آج تیاری میں بہت اہتمام کیا تھا۔ آف وائٹ شیروانی، چوڑی دار پائجامے میں ملبوس بالوں میں ہم شامل کیا سلور اسے کی آن بان تھی۔

نازنین بانو نازنین کے گھوں گھوں کی وجہ سے لئے بیڈ روم کی طرف جا رہی تھی۔ تیمور علی خان اسے دیکھ کر پیچھے آ رہے تھے۔ وہ تو ان کی جسم دیکھ کر ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔ مصروفیات کی وجہ سے ابھی تک اسے غور سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ان وائل کے کرتے ہوئے کرتے شلوار میں پسینے پسینے ہو رہی تھی۔ بے ساختہ قدم ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ جیسے پہچان رہی ہو کہ آپ وہی ہے یا کوئی اور۔

تیمور علی خان کی حیات ملاقی شباب تھیں۔ انہوں نے اس کا گھونگھٹ اٹھایا۔ ایک سحر کی مسکراہٹ ان کے لبوں پر ٹھہر گئی تھی۔ جیسے وہ خود کو سراہ رہے ہوں۔

"کیا ہوا؟" ..... میں وہ میں تھی اکیس کا گھبراہٹ اور خوف پر سنجیدگی کی طاری کرنا چاہی۔

"کچھ نہیں ..... وہ خان۔ میری طبیعت ہے اس وقت کچھ گھبراہٹ ہو گئی ہے۔" اس نے بات بنا کر بے تکلفی سے جواز پیش کیا۔

تیمور خان نے اس سلیقہ شعار والی کم سن کنیز کو اپنی گوری اور چکنی ہوئی بانہوں سے اٹھایا۔ جا بجا اور اپنی رسٹ واچ کو پرسنٹ کرتے اور بے کتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

"اپنی سب چیزیں لے لو۔ کبھی کبھی اوقات پر اہم ہو جاتی ہے۔"

وہ دھیرے سے مسکرائی۔ کانی بھوں اچکائیں۔

"اوہ۔ تمہیں کیا سالب سوٹ کیا۔ کیا بات ہے تمہاری۔" اسے خلوت سے خلوت سے ہوا آنے کی آواز آئی۔ بھرتا ہے اس میں کچھ دیر اگلی خوبصورت ہی کر حال بھر تمہیں تو راگ کرنے ہی دیں گی۔

جانے کیوں ہی چاہا کہ ہی بھر کے خود کو اطمینان سے سارے کاموں سے فارغ ہو چکی تھی۔ نہا دھو کر ہلکے پھلکے سے رنگ کا ہلکا سا میک اپ کر کے خود کو آئینے میں دیکھا۔ صاف ستھرے کے گورے رنگ سے چھلکتا آج سے پہلے وہ کبھی اتنی حسین نہیں ہوئی تھی۔

باہر میں ہوئی اگر بھلے والی فیل والی اور جب وہ پہنچی تو نازنین بیت کی خواتین ہوا میں کھڑی تھیں۔ سارا ہی تھیں۔ انہیں ایک دم اپنے سامنے پا کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جو ساری سج گئی اس کی رنگت اور بھی نکھر گئی تھی۔

"آداب۔ کیا ہو گئی ہے آج۔ ماہ رخ بانو نے کہا۔ وہ تو نازنین کے سامنے سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ خدا کے لئے بتاؤ۔ کوئی آپ سے اوپر ہو گیا ہو تو کہہ دیں۔ جہاں نہ ملے۔"

سارہ بھی کچھ اسی انداز میں تھی۔

"جی ہاں۔ وہ ایک دن شدت ہو گئی کہ ہو گئی ساری محنت جب سے محفل میں گھونگھٹ نکالنے کی عادت ہی نہیں۔"

"جی ہاں۔ کیا ہو گیا ہے؟" اس نے اطمینان سے پوچھا۔

"اخلق۔ ابھی بھی نہیں کھل۔ خوشی کا دن ہے۔ بچے جاؤ گھومو پھرو۔ اگر جلدی فارغ ہو گئے تو تمہارا بھی شریک ہو جائیں گے۔ ماما بات کی تمہاری آواز بہت اچھی ہے۔ اس لئے ہم کی تو کی تو کہتے ہوئے وہ بھی کچھ اور ہو گئی۔"

"جی بالکل۔ ہم بے بیٹا بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا تھی۔ تھا۔ بڑا ہو گیا۔ "عطر" ہونا چاہیے۔

آج سے تمہیں ہم اسی نام سے پکاریں گے۔ کیا خیال ہے بھابی۔" نجانے کیا نام ہے؟" نازنین نے سارہ سے مخاطب کیا۔

"کرے اتنا سر نہ چڑھاؤ۔ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔" ماہ رخ کے اضطراب بھرے انداز میں کہا تو سب ہی قہقہوں میں کھلکھلا دیئے تھے۔

"سنو لیں ہو بھی یہ تو ہماری ہے۔ آداب۔ سارہ بھی اسی کی ہے۔ چلو اب تم اوپر کا شریف لے آؤ۔ ہم نے تمہیں سب کو بھی بہت ہو گئی ہے۔ سلیم۔ عورت کے گھر بھی بھوکے رہنے والی" نازنین نے ہدایات جاری کیں۔

"اوکے۔ ابھی کی شکل دیکھنے لگی۔

وہ بہت خوش اسی عالم میں باہر آئی تھی۔ ہاں بھی اس کی چاہت۔ بھی تھی پرسنل اور سوچ تھی۔ کون ہے؟ کہنے ..... واقعی ..... حویلیوں میں بھی ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ نازنین کی طرح کی پڑھی لکھی تھیں۔ وہ یہاں سے ہاں کی بالکل الگ ہی دنیا تھی۔

اس کا ہوش ربا سراپا دیکھ کر سب کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ کمرہ بہت بڑا تھا۔

وہ آ گئی۔ کی ..... کی ..... ہے۔ ہاں ..... ہے۔ ہاں ..... ہے۔ ہاں

www.Parsociety.com

کھانا شروع ہو چکا تھا۔ غیر معمولی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کھانے کی خوشبو میں بھی اشتہا تحریک کرنے کی بجائے ہوا ہو گئی تھی۔

کھانا ختم بھی ہو گیا لوگ آہستہ آہستہ اٹھنے لگے۔ مشروبی قرابے میں طیبہ بار بار بھی تلخی سے اذکار پچھاڑی گئی تھی۔

"تو نے کھانا کھا لیا اللہ جان بانو؟" گھر سے لیے گئے کپڑوں میں طیبہ کرن پہنے ہوئے ہوا سے بالا سے بہن کی خالہ صولت نے اس کے سر پر کھڑے اس کو تعجب سے دیکھا تھا۔

"کھالوں گی خالہ ابھی بھوک نہیں ہے۔" وہ دل سے بولی

"کب کھائے گی۔ کیا سوچ رہی ہے آدھی رات ہو چلی۔ چل اٹھ۔ پھوپھی بی بی جان بلا رہی ہیں۔" وہ بولیں

"کون تزئین بی بی؟" وہ چونکی۔

"ہاں ہاں اور ادھر ہال میں ہیں سب۔ جلدی سے چلی جا۔ وہ بار بول رہی ہیں مجھے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ تو یہاں بھی ہے۔ وہ تو بی بی پھر ہی تھی ادھر ادھر۔ چل شاباش۔" وہ اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہال میں آ گئی۔ وہاں کا تو منظر ہی اور تھا۔

لمبے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ فاصلے پر کچھ بچے بیٹھے تھے۔ تھپتھپا رہی تھیں۔ ان کی آواز وہ سنتے ہال میں داخل ہوئی تھی۔ وہ تزئین کے بائیں طرف آ کھڑی ہوئی۔

"بی بی جان!"

تزئین نے اپنی کہانی کو بات ہی کو تھیں ایک دم چونک گئیں۔

"ارے طیبہ آ گئی۔"

"مطربہ یہ سب تمہارا گیت سننے کے لگتے ہے؟ اب بیٹھی ہیں۔ بھی جب ماں نے بتایا کہ بڑی سریلی اور پیاری آواز ہے۔ لگتا ہے کوئی بڑی ہنرمند گلوکارہ ہو گی ہو۔ ہم نے اسی وقت بیٹھ کر لیا کہ ہم بھی اس کے گیتوں سے محفل ضرور سجائیں گے۔"

"مم۔ مجھے کیا پتا تھا بی بی جان۔ وہ ماں نے ویسے ہی کہہ دی تھی۔" وہ ہکلائی ہم بی بی کی نظریں اور پڑھتے ہوئے وہ کریہ کھا گئی۔

"اچھا اب تم کو وہ والے گیت سنانے ہیں۔ چلو شاباش سنا دو۔" تزئین نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر اپنے ہاتھ میں لیا۔

"بی بی جان میں تو بھول گئی ہوں سب۔ مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔" وہ بولی۔

"ارے ایسے کیسے بھول گئی۔ ہم نے تو سنا ہے تم بہت اچھا گاتی ہو۔ ہم تو سنیں گے

www.Paksociety.com

"سب چونک پڑیں۔ کیا ہوا؟"

"تیمور خانوں نوں سانپ ڈنگ ماں رہے او بے ہوش ماں۔ ماں بھتی ہلو۔"

"ہائے اللہ رے۔" مختلف قسم کی آوازیں ابھریں۔ سب ہی کچھ بھول گیا۔ وہ سب کرتی پاجامی میں ملبوس دیوی ان کے آگے آگے دوڑ رہی تھی۔ وہ بچے بھائی کی بیٹھک کی طرف جا رہی تھی۔

ابھی وہ سب دروازے کے قریب پہنچی تھیں کہ بڑے بھائی اور دلاور علی خان۔ تیمور کو اٹھائے ہوئے باہر آتے نظر آئے۔

نازنین تو جیسے تڑپ اٹھی۔

"دیکھو ماما! اماں جی کو بتانا مت اور دیکھو تم دلہن کو ان کے کمرے میں پہنچا دو۔"

"ہائے اللہ۔ کیا ہو گیا یہ عالم تاب نے مضمحل اعصابی کا مظاہرہ کرتے ہوئے واویلا شروع کر دیا۔

نازنین روتی آواز میں چیخ کر بھوت بھوت کر رونے لگیں۔ ابھی مہمانوں کی چہل پہل موجود تھی۔ راہداری روشن تھا۔ مگر اب چاروں طرف وحشت سی طاری ہو گئی تھی۔

گاڑی باہر جا چکی تھی۔

"نازنین۔ خود کو سنبھالو۔ انشاء اللہ کچھ نہیں ہو گا۔" نازنین کی غیر حالت دیکھ کر عالم تاب نے ان کا سر اپنے سینے پر ٹکا کر دلاسا دیا۔

زنخوں بانو کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ وہ برآمدے کی سیڑھی پر دم بخود کھڑی تھی۔

بمشکل سب واپس اندر آئیں اور ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گئیں۔ انسانوں سے گھر بھرا ہوا تھا۔ مگر ایک بھیانک سناٹا ہر سو پھیلا ہوا تھا۔

نازنین اپنے کمرے میں بری طرح رو رہی تھی۔ اس کے میکے والے اپنے رشتے داروں کے ہاں پاکستان گئے ہوئے تھے۔

یہاں کے دقیانوسی ماحول کو دیکھتے ہوئے ایک خوف اس کے وجود میں خون بن کر دوڑ رہا تھا۔

خدانخواستہ تیمور علی خان کو کچھ ہو گیا تو وہ کیسے حواسوں کا ساتھ دیں گے۔ اور یہ واقع رونما ہونے سے پہلے اس نے فوراً سے پیشتر لباس تبدیل کیا۔ زیورات اتارے۔ نیل پالش صاف کی اور وضو کر کے نفل پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

اماں جی تو اس بچے کی اپنے کمرے میں جا بھی نہیں سکی تھیں کہ وہ بیہوش تھے بھی تھیں۔ دوسرے وہ ان کی لاڈلی بہو تھی۔

زنخوں بانو نے قرار دلانے کی بہت کوشش کی۔ یہاں تک کہ کوئی ڈاکٹر وہاں جا سکے اور تیمور علی خان اپنے پاؤں پر چلتے ہوئے گھر میں داخل ہوں۔ لیکن وہ اپنے تھکے ہوئے وجود کو بستر پر ڈال کر پرسکون ہو کر سو جانے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔

کافی دیر گھسنے کے بعد وہ اندر چلی آئی۔ بھائی کے ہال میں جانے کے بعد وہ نازنین کے کمرے میں چلی آئی۔

دروازے پر دستک دی تو نازنین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ جلدی جلدی دوپٹا اوڑھا اور بھیگے ہوئے ہاتھ

پونچھتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھیں۔ دروازہ کھولا تو سامنے زنخوں بانو کو دیکھ کر ان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"وہ۔" زنخوں بانو کو سامنے دیکھ کر انہیں ایسا لگا۔ سوالیہ نظروں سے اس کی صورت دیکھی۔

"تیمور سے ہے ہیں۔" مجیب سہما ہوا تھا۔

"پاشی چھوٹی بیگم۔ اسی تو بچہ ٹیکن۔" اس نے گم صم سے انداز میں کہا۔

"وہ آپا زنخوں بانو۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ کیا میں۔" وہ بستر کی طرف۔ پیچھے مڑے۔ پھر اس کی بات سمجھ گئیں۔

ہولی۔

دوپٹا درست کر کے چل آئی اور کاریڈور پر بیٹھ گئی۔

"پاشی سانپ کہاں سے آ گیا۔ کیا اس سے پہلے بھی سانپ نکلے ہیں یہاں؟" نازنین نے پوچھا۔

"پاشی۔ مجھے بھی زیادہ دن نہیں ہوئے یہاں آئے۔ اتنا پتا ہے۔ پھول پودے ہیں۔ سانپ تو ہو سکتے ہیں۔ بہت برسات کی راتوں میں ہوتی ہے وہاں سانپ آ جاتے ہیں۔ باغ میں تو رات کی رانی کھلوی ہوئی ہے۔ پوری جنریٹر چلی ہوئی ہوتی ہے رات کو۔" زنخوں بانو نے جواب دیا۔

"تم کہاں سے آئی ہو؟" نازنین نے اس کے حسین اور اداس حسن کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"بہت دور کے ایک گاؤں سے آئی ہوں۔ وہاں کے گاؤں میں بھی بڑے سانپ نکلتے ہیں۔ کھیتوں میں پانی لگاتے ہوئے رات کو عام طور پر بڑے لوگوں کو ڈستے ہیں۔ مگر وہ لوگ انتظام رکھتے ہیں۔ وہاں گاؤں میں ایک بڑا سا حکیم ہے۔ سب علیم چچا والا۔ کہتے ہیں۔ اس کو کسی نے منتر دیا ہے۔ کوئی وہ انکا ہے اور بچا لیتی کرا دیتا ہے۔ زہر اسی وقت میں آری بھلا چنگا ہو جاتا ہے۔ میرے وطن میں تو کبھی آج تک وہاں کے ڈسنے سے کوئی نہیں مرا۔ اس لیے وہ بڑے مشہور ہو جاتا ہے۔" اس نے تفصیل سے جواب دیا۔

"دعا کرو۔ تیمور بیگ سلامت واپس آ جائیں۔ وہ بہت ہی محترم ہستی کا نام ہے۔" نازنین نے بے قرار لہجے میں کہا۔

زنخوں بانو نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ ہلکا گلابی رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے اور دوپٹا سر پر جمائے ہوئے وہ پہلے سے بالکل مختلف نظر آ رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ۔ (اس نے تیمور خان کو اپنے ہاتھ سے کھلایا تھا۔ اس لیے وہ انہیں اسی نام سے پکارتی تھی) ان کو کچھ نہیں ہو گا۔ ان کی قسمت بہت اچھی ہے۔ ان کی ماں نے ان کے لیے بہت دعائیں کی ہیں۔ ان کی دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔"

نازنین نے اس کے بہت سے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس خاموشی سے اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔

"وہ ہاتھ مانگتے ہیں تیمور کے؟" اس نے زنخوں بانو کے استغراق میں مداخلت کی۔

"جی۔"

"تم نے بڑے خان کو بتایا کیا؟"

"نہیں۔"

"تم بہت ہی کمال کی لڑکی ہو۔" نازنین کی خاموشی کے بعد زنخوں بانو نے پوچھا۔

www.Paksociety.com

"نہیں"۔

"کہاں ہیں؟"

"نہیں"۔

"پھر"۔ نازنین نے تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔ کسی فکر کے آنے تک جو اندیشہ تھی اسے بھی تو بھلائے رکھنا تھا۔ اس لئے وہ اس سے سوالی جواب کرنے لگی تھی۔

"مجھے میری امّی نے پالا ہے چھوٹی بیگم"۔ اس نے بڑے سہاوے سے جواب دیا۔

"ماں مر گئی تمہاری؟" نازنین نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

"سمجھ لیں"۔ بڑا عجیب انداز تھا۔

"کیں؟" نازنین نے بغور اسے دیکھا۔ "یا تو بندہ زندہ ہوتا ہے یا مرا ہوا۔ یہ سمجھ لیں۔ کیا ہوا ہے؟"

"بعض لوگ کسی کیلئے جیتے جی مر جاتے ہیں چھوٹی بیگم!" اس نے خاصی گہری سے لہجے کو ذرا کرکے جواب دیا تھا۔

"اور باپ؟"

"اسے بھی مرا ہوا سمجھ لیں"۔ وہ زہر خند سے گویا ہوئی۔

نازنین کا جی چاہا سر پیٹ لے۔

"اچھا چلو چھوڑو۔ جاؤ باہر دیکھ کر آؤ کہ کوئی خون وون آیا"۔ اسے پھر ہوسوں نے آگھیرا۔

زخموں پر ہاتھ رکھنے کی خواہش ہوئی۔ "اللہ اپنا کرم کرے بی"۔ وہ خود کلامی کے انداز میں کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔

نازنین بستر سے اتر کر دریچے میں آ کھڑی ہوئی۔ یہاں سے پورچ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ باغ میں لگے ہوئے رنگ برنگ قمقمے بھی جیسے دھندلا رہے تھے۔

دوسرے پاؤں میں دھائی ہوئی تھی۔ جان سولی پر ٹنگی ہوئی تھی۔ اس کی خوش قسمتی اور بدقسمتی آج کے دانے سے مشروط ٹھہری تھی۔

خوشی سے نہال زندگی گزارتے گزارتے یہ عجیب و غریب موڑ آیا تھا۔ اب ان متضاد پلڑوں میں وہ خود کو ڈولتے محسوس کر رہا تھا۔ شاید وہ کسی خواب میں تھی نہ ہوتی۔

اسے لگی آ گئی ہوئی کہ بہتیری اپنے اندر مختلف احساسات سمائے ہوئے آئی ہے۔ وہ شاید عبرت کے پلڑے میں پاؤں رکھ کر خوش قسمتی کو بدقسمتی بھی ثابت کر دیتی ہے اور اگر اس کی یہ بدقسمتی کا اعصاب شکن ہوا کرتا ہے۔ تو اب اسے بے اختیار ان کے اعصاب شکن ہونے لگے۔

دور تک کر سونے پر بیٹھ گئی۔ ہونے کی [illegible] تھی۔ [illegible] ولی خان اور [illegible] کرنے [illegible]

"جی۔ جیسے ہیں ویسے ہیں"۔ اس نے بادل جان کا چہرا کھڑکی کی نظر اپنا سے دیکھا۔

[illegible] اکڑتا رہا تھا کہ باہر کی بھوری سے نکل رہا تھا۔ مگر تھکاوٹ ہوا ہے۔ اب ٹھیک ہیں مگر پتا نہیں کیا ایک دم [illegible] ہو گیا ہے"۔ وہ فکر مندی سے بولے۔

نازنین کو احساس ہوا جیسے اس کے اعصاب کسی شکنجے میں کسے ہوئے تھے۔ ایک دم آزاد ہو گئے۔ بلا بھلا ہونے کا احساس اسے بڑی شدت سے ہوا۔ بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

یاور علی خان شیروانی کے بٹن کھول رہے تھے۔ ایک دم رک گئے اور بھوری سے نازنین کے قریب آئے۔ "کیا ہوا"۔

نازنین نے رواں ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا۔ اور ہچکیوں سے رونے لگی۔

"بولو کیا بات ہے بیٹا؟" وہ بے حد فکر مند ہو گئے۔

"کچھ نہیں۔ خوشی کے آنسو ہیں۔ اب سے کچھ دیر پہلے میں بہت ٹینس تھی۔ خدا خوفِ آتے ہوئے کہ کچھ ہو نہ جائے تو میں شاید آپ کی بیوی کے کہنے سے بوتر ہوتی"۔ وہ خود پر قابو پا کر کہہ رہی تھی۔

"پاگل۔۔۔ مگر وہ کیوں؟" یاور علی خان ہم فکر ہو گئے۔

"آپ کے بارے سب مجھے طعنے دیتے تھے"۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"وہ۔۔۔ مال۔۔۔ کھاؤ بھروسہ کرنے میں اگر پڑ جاتے ہیں تھکن آثار تو ہوتا ہے ایسے لگتے ہیں ہم آپ کو اہمیت نہیں دیتے مگر ہم کو پہلی شب سے ہی اہمیت لگنے لگی ہے"۔

وہ شرارت سے اس کی بھوری آنکھوں سے الفاظ کراٹک صاف کرنے لگے۔

"آپ کی بات نہیں کر رہی۔ وہ حوالے کے حساب سے ایک سوچ آئی تھی"۔ وہ بھیگی پلکوں سے مسکرائی تھی۔

"اب ہم آپ کے ساتھ ساتھ ہیں تو آپ کو دوسروں کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تحفظ میں اطمینان ہوتا ہے پھر خوشی کیا"۔ وہ جیسے اس کی دلکش مسکراہٹ پر نثار ہو گئے۔

"شکریہ"۔ اس نے اعتبار دلانے والے کے سینے پر اپنا چہرہ رکھ کر گہرے سکون کا احساس کرتے ہوئے پہلے کی اذیت کا عادہ [illegible] کی کوشش کی۔

[illegible] رہے تھے۔ نازنین نے سب کو سونے کے لئے بھیج دیا تھا اور خود شوہر کی پیشانی پر پٹیاں رکھ رہی تھی۔ نازنین کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد پانی بدل رہی تھی۔

"بابے [illegible] آنکھیں ابھی تک پھٹی ہوئی ہیں۔ [illegible] نازنین کی نظر وہ [illegible] ہوئی تھی۔ [illegible] اور [illegible] سے [illegible] کھینچ گئی۔ بھائی کی [illegible] اس نے [illegible] سے [illegible] ایک [illegible] کی طرف [illegible] وہ [illegible] تھی [illegible] کھڑی ہوئی۔

[illegible] بابے [illegible] نے [illegible] کی [illegible] نے [illegible] کیا۔

www.Paksociety.com

"اللہ اب آرام ہی کرتا ہے۔ شکر ہے اللہ نے میرے بھائی کے حال پر رحم کیا ہم سب پر رحم کیا"۔ انہوں نے شکر گزار خان کی پیشانی سے بال سمیٹے اور بوسہ لیا۔

"آپ آرام کریں آپا۔ اب پہلے سے بہتر ہیں ہم۔ یوں بھی سارا دن بھر وقت رہتی ہے"۔ وہ بہت دھیمی آواز میں گویا مخاطب ہوا۔

"کیا فرق پڑتا ہے میں یا کل بھی تھکی نہیں ہوئی تھی اور۔ ہم فریش کر"۔ انہوں نے تیمور علی خان کا پیر وحشت سے پکڑ لیا۔

"پاگل ہو گئی ہے۔ بہت ہو گئی ہے۔ اماں جی تو ٹھیک ہیں ہاں۔ ٹھیک ہیں نا"۔ سعا انہیں ماں کا دھیان آیا۔

"وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ انہیں نہ پتا نہیں۔ وہ تو ایسے ہی اٹھا کی ہو رہتی ہیں۔ انہیں تو سلیپنگ پلز جاتا"۔ نزہ نین نے جواب دیا۔

"اوہ اچھا کیا"۔ تیمور علی خان نے آنکھیں موند لیں۔

"بی بی جان۔ اٹھیے۔ آرام کیجیے۔ میں عالیہ کے پاس ہوں۔ جب تک خان نہیں کہیں گے میں یہاں سے اٹھ کر نہیں جاؤں گی آپ اطمینان رکھیے"۔ اس نے پھر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ بہت کام کرتی ہے یہ۔ بڑی محنتی ہے۔ اماں جی کہہ رہی تھیں۔ یہ تو میرے ساتھ پارس پلنی جا رہی ہے۔ یہ ہے میں نے اس کا بازو تھپتھپا تو سے بال کر سر پر رکھ دیا ہے۔ سب کو بہت پسند آیا"۔ نزہ نین عالیہ سے ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگی۔

"بہت خوب۔ آپ اپنی صلاحیت سے خود ہی بیخبر ہیں آپا۔ اسکا تم ہونے کا تو ہم بھی سوچ رہے تھے۔ وہ الیہ ہو گئے اس کا۔ وہ کون سی بات۔ انہوں نے ایک لمحے کو آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا۔ "نزہ نین بات"۔ نزہ نین نے مسکرا کر ان کی پریشانی سے پیدا ہونے والی دوری کو دور کیا۔

"ہاں۔ چاہیے آپ آرام کیجیے۔ ہم پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہے ہیں۔

"اچھا۔ ایک منٹ ذرا انہیار الیٹر بیچ نوٹ کر لیں"۔

انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے قلم اٹھا کر جھکا اور تیمور علی خان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"کیا کرو۔ تیمور کے ایک کپ چائے بنا دو۔ انہوں نے تو کچھ کھایا بھی نہیں کھایا تھا۔ نزہ نین نے ان کی بات سے کہہ تو دیا پھر لگی جیسے خفا ہو گئی۔

"ابھی بات ہوئے بعد واپس آئی تو نزہ نین وہ دستخط کرنے میں مصروف تھی۔

"اب بتاؤ کیا ہے تمہاری امی جان"۔ اس نے کپ انہیں تھما۔ تو سوالیہ سے پوچھا۔

اسے بھی گویا فکر لاحق ہو گئی۔

اللہ کا شکر ہے اب تو بہت افاقہ ہے۔ بھر اللہ ہے اس بار وہ بھی آ گئی تھی تو بہت دعا دیتی ہیں۔

"ٹھیک ہے۔ کسی دن امی کو لے آؤ۔ ہم بھی ملنا چاہتے ہیں"۔

"جی ضرور۔ ضرور لے آؤں گی"۔ وہ خوش ہو گئی۔

"اچھا۔ اب ہم چلتے ہیں۔ آپ آرام کیجیے"۔ تیمور علی خان نے کہا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی"۔ انہوں نے آنکھیں کھولے بغیر ہی سر ہلا دیا۔

نزہ نین کمرے سے باہر چلی گئی۔

"آپکا آپ نے کیسے اس لڑکی کو اتنا قریب کر لیا"۔ اس نے گاڑی تیمور علی خان کی پشت سے لگاتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

"بچے اور بوڑھوں کو آتا ہے"۔ وہ بھی اسی انداز سے جواب دیتے ہوئے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا گیا۔

"بہت تھکیف ہوتی ہے"۔ اس نے اترتے اترتے ان کا پیر دبا دیا۔

"ہیں۔ کچھ کچھ ہوتی ہیں"۔ انہوں نے بے تاثر لہجے میں جواب دے کر چلنے کا محسوس کیا۔

ڈرائیو بے حد سنسان ہو گئی تھی اور سمندر کے قریب ہی تاحد نظر پھیلا ہوا تھا۔

"تم تھکی نہیں ہو"۔ انہوں نے کھلتے ہوئے سرخ دوپٹے کے پلے میں اس کا چہرہ دیکھا ایک لمحے کو دیکھا۔

"کیوں اور فضول سے سوال تو کبھی نہیں کرتے"۔ اس کے جواب سے بلا ارادہ نکل گیا۔

"ہوں۔۔۔ ہمارا خیال ہے تم غلام ہو کسی ایک پر سارا دن نہیں ہو سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں تم سب سے زیادہ ہمارے ساتھ میں نظر آتی ہو۔ کبھی اس بیڈ روم میں۔ کبھی اس بیڈ روم میں۔ کبھی ڈریسنگ روم میں۔ کبھی ہال میں کبھی باغ میں کبھی جہاں پر کبھی کہاں کی طرف"۔

"ہوں۔۔۔ جب کوئی بولتا ہے تو جاہل ہوتا ہے"۔ وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

"سب ٹھیک ہی آواز دیتے ہیں"۔ تیمور علی خان نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"وہ۔۔۔ مجھے لگتا ہے۔ آپ تو بلاتے ہی بھول جاتے ہیں"۔ اس کے منہ سے بے ساختہ جملہ نکل گیا۔

"وہ اس لئے کہ ہم اتنے عرصے بعد گھر آئے تو تم سے ڈھیر ساری باتیں ہوئی۔ اس لئے کوئی کام دھیان میں آتے ہی تمہارا خیال آ جاتا ہے"۔ وہ اس کی طرف دیکھے بنا پوری سنجیدگی سے جواب دے رہے تھے۔

"تم جا سکتی ہو۔ ہمارا خاصا کام ہے"۔ اس کی ناراضگی کے جواب میں وہ کپ اسے تھماتے ہوئے فرحال انداز میں بولے۔

"واقعی اللہ کا شکر ہے۔ اللہ کرے گھر جا کر آپ کی بیوی بھی آپ کو بہت مس کریں"۔

اس نے غصے سے ٹرے میں پڑی ہوئی پلیٹوں میں سے ایک پلیٹ اٹھاتے ہوئے جواب دیا اور گزرے کل کی پریشانی پر خود ہی جل بھن گئی۔

وہ کافی دیر محسوس ہوتی رہی ہے ناراضگی اسے کیوں اتنی بری لگی ہے۔ اسے بلا کر کے پھر اس طرح اگنور کرنا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کی ناراضگی کو بہت محسوس کرے گی۔ اس کا ناراض ہونا اسے اچھا لگا تھا۔ اس کا اس طرح بے نیاز ہو جانا اسے برا لگا تھا۔ اس کا اس طرح بے نیاز ہو جانا اسے برا لگا تھا۔ اس کا اس طرح بے نیاز ہو جانا اسے برا لگا تھا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

اس نے پہلے دونوں لیمپ روشن کئے پھر دونوں لیمپ آف کر دیئے۔ اور خود کار مشین کی طرح دہرائی جانے لگی۔ اسے بالکل احساس نہیں تھا کہ جب وہ بولنے کیلئے منہ کھولتا ہے تو اس کا کھلے سے اصل آواز میں کیا کچھ کہا جاتا ہے۔

معاً نجمہ علی خان نے بڑی پریشانی سے خود اور گرس کی طرف دیکھا۔

"یہ تو۔۔۔ ہمارا خیال ہے کہ اب ضرورت نہیں۔ اور تم فوراً یہاں سے چلی جاؤ"۔

وہ ہکا بکا ان کی صورت دیکھنے لگی۔

"کک۔۔۔ کوئی غلطی ہو گئی؟" اس کے حلق میں کانٹے اگنے لگے۔

"نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ سسٹم ہی غلط ہے"۔ وہ پھر خود۔۔۔ یہ گویا ہوئے۔

"جی؟" وہ حیران حیران ہوئی۔

تم سے نہیں کہہ رہے جاؤ تم اور ہاں سنو"۔

وہ جاتے جاتے رک گئی۔

"جی؟" بلی کی طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ کچھ میں ہو گیا؟ رہا تھا کچھ۔

"آئندہ حویلی کے کسی کمرے یا حصے کی صفائی ستھرائی خود بیگم صاحبہ یا ان کی خدمات حاصل کرنے سے پہلے ہمارے بھائی جان یا بھائی بیگم سے اہم بات کر لیں گے۔ مگر تم ابھی بات کرو۔ اب جاؤ"۔

وہ حیران پریشان باہر نکل آئی۔ ایسا کیا۔ یہ کیا ہوا یہ سمجھ اس سے تو کچھ نہیں سمجھ آ رہی تھی۔

بس یہی سوچ آ رہی تھی کہ خواہ مخواہ مگر نجمہ علی خان کو اس سے ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ فوراً ہی یہ خوشخبری سنانے کیلئے اس کی نظر پر کوئی گھنٹی سی بولی۔ پتہ نہیں باشو عورت ہوتی تو فوراً یہ خان کی بیوی پکار اٹھتا۔

مگر وہ تو ہمیشہ ہی عورتوں کی پرکھ پہچان سے بہت دور بھاگتا تھا۔ خوشی سے بہانے کھڑے ہونے کی جگہ ہی نہیں تھی۔ بس کچھ بہت اچھا ہونا چاہیے۔ خوشی کا احساس مسلسل ہو۔ من چاہا کھانے کو ہو۔ اس سے کوئی غلطی ہو۔ کہ کوئی بڑی آواز میں ڈانٹے۔

انسانوں کی پہچان پرکھ سے تو اس کا دور دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ نجمہ علی خان کے رویے سے گریز ہی تو تھا مگر عجیب الجھن ہی تھی۔ "آخر بیگم صاحبہ نے "بات" کیا کریں گے؟

کہیں وہاں کی ایسی بات تو نہیں پتا چلا کہ سارا پان کی نکل جائے پھر کیا ہو۔ ایک دن ہفتہ کا سب کے ہاں

ہی۔

رات کے ڈھائی بجے کا وقت تھا۔ ہر طرف گہری خاموشی تھی۔ ہر ذی روح اپنے اپنے گھروں میں سو رہا تھا۔ ایسے میں ایک سایہ سا حویلی کی پشت کی طرف سے نمودار ہوا۔ وہ سایہ ایک مرد کا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا تھیلا تھا۔ وہ سایہ حویلی کی پشت کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا ایک کھڑکی کے قریب آ کر رک گیا۔ اس نے تھیلا زمین پر رکھا اور اس میں سے ایک لمبا سا بانس نکالا۔ بانس کے سرے پر ایک لمبا سا ہک لگا ہوا تھا۔ اس نے بانس کو کھڑکی کی سلاخوں میں سے گزارا اور پھر ہک کو کھڑکی کی چٹخنی میں پھنسا کر بانس کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ کھڑکی کھلتی چلی گئی۔ اس نے بانس کو ایک طرف رکھا اور تھیلا اٹھا کر کھڑکی سے اندر کود گیا۔

صبح دن کا سہانا آغاز ہوا تھا۔ ہوا میں خنکی تھی۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔ ہر شے دھلی دھلی سی نظر آ رہی تھی۔ ہر طرف پرندوں کی چہچہاہٹ تھی۔ ہر شے میں زندگی کی رمق تھی۔ ہر شے میں تازگی تھی۔ ہر شے میں شادابی تھی۔ ہر شے میں خوشی تھی۔ ہر شے میں مسکراہٹ تھی۔ ہر شے میں روشنی تھی۔ ہر شے میں امید تھی۔ ہر شے میں یقین تھا۔ ہر شے میں اعتماد تھا۔ ہر شے میں بھروسہ تھا۔ ہر شے میں سکون تھا۔ ہر شے میں قرار تھا۔ ہر شے میں ٹھہراؤ تھا۔ ہر شے میں ٹھنڈک تھی۔ ہر شے میں نرمی تھی۔ ہر شے میں ملائمت تھی۔ ہر شے میں لطافت تھی۔ ہر شے میں نزاکت تھی۔ ہر شے میں حسن تھا۔ ہر شے میں دلکشی تھی۔ ہر شے میں رعنائی تھی۔ ہر شے میں دلفریبی تھی۔ ہر شے میں دلآویزی تھی۔ ہر شے میں جاذبیت تھی۔ ہر شے میں کشش تھی۔ ہر شے میں سحر تھا۔ ہر شے میں جادو تھا۔ ہر شے میں طلسم تھا۔ ہر شے میں فسوں تھا۔ ہر شے میں افسوں تھا۔ ہر شے میں اثر تھا۔ ہر شے میں تاثیر تھی۔ ہر شے میں خاصیت تھی۔ ہر شے میں خصوصیت تھی۔ ہر شے میں انفرادیت تھی۔ ہر شے میں امتیاز تھا۔ ہر شے میں تمیز تھی۔ ہر شے میں تفریق تھی۔ ہر شے میں تخصیص تھی۔ ہر شے میں تعین تھا۔ ہر شے میں تشخص تھا۔ ہر شے میں شناخت تھی۔ ہر شے میں پہچان تھی۔ ہر شے میں نشان تھا۔ ہر شے میں علامت تھی۔ ہر شے میں نمود تھی۔ ہر شے میں ظہور تھا۔ ہر شے میں وجود تھا۔ ہر شے میں ہستی تھی۔ ہر شے میں زندگی تھی۔ ہر شے میں حیات تھی۔ ہر شے میں روح تھی۔ ہر شے میں جان تھی۔ ہر شے میں توانائی تھی۔ ہر شے میں طاقت تھی۔ ہر شے میں قوت تھی۔ ہر شے میں زور تھا۔ ہر شے میں شور تھا۔ ہر شے میں ہنگامہ تھا۔ ہر شے میں ہلچل تھی۔ ہر شے میں اضطراب تھا۔ ہر شے میں بے چینی تھی۔ ہر شے میں بے قراری تھی۔ ہر شے میں بے کلی تھی۔ ہر شے میں بے تابی تھی۔ ہر شے میں بے خودی تھی۔ ہر شے میں بے ہوشی تھی۔ ہر شے میں بے حسی تھی۔ ہر شے میں بے رحمی تھی۔ ہر شے میں بے دردی تھی۔ ہر شے میں بے رخی تھی۔ ہر شے میں بے اعتنائی تھی۔ ہر شے میں بے نیازی تھی۔ ہر شے میں بے پروائی تھی۔ ہر شے میں بے فکری تھی۔ ہر شے میں بے غرضی تھی۔ ہر شے میں بے لوثی تھی۔ ہر شے میں بے ریائی تھی۔ ہر شے میں بے ساختگی تھی۔ ہر شے میں بے تکلفی تھی۔ ہر شے میں بے تصنع تھا۔ ہر شے میں بے بناوٹ تھی۔ ہر شے میں بے ملمع تھا۔ ہر شے میں بے آمیزش تھی۔ ہر شے میں بے ملاوٹ تھی۔ ہر شے میں بے کھوٹ تھا۔ ہر شے میں بے عیبی تھی۔ ہر شے میں بے نقصی تھی۔ ہر شے میں بے کمی تھی۔ ہر شے میں بے کاستی تھی۔ ہر شے میں بے کاستی تھی۔ ہر شے میں بے کاست

www.Paksociety.com

اللہ بخشے جاتا؟ جب وہ واپس آیا تھا۔ تب تو تم تھیں۔ تمہارے ابا صاحب بھی رات بھر میری طرف لپکتے آتے۔ بتاؤ میرے بچے کی جان پر بنی ہوئی تھی اور میں بے خبر سوتی رہی تھی"۔

"امی آپ کیوں اتنا اداس ہوتی ہیں۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے"۔ تزئین نے قدرے تیز آواز میں کہا۔

"تو میرے اللہ کو میرا کلام کرنا پسند نہیں"۔ وہ خفگی سے بولیں۔

"اب میں کیا بتاؤں کہ صبح صبح کو پوچھ کر کیا سے صاحب سلامت ہو جاتی۔ ہم نے تو یہ سوچا تھا کہ صبح آرام سے آپ کو سب کچھ بتا دیں گے"۔ تزئین نے کہا۔

"کمرے میں گئی تھی۔ بے خبر سو رہا ہے۔ سوکر اٹھے تو ہاتھ چھوا کر صدقہ کر دوں۔ اللہ نے بچہ عطا کیا۔ مر گئی تھی اور میں تو جیتے جی"۔

"اللہ نہ کرے اماں جی۔ آپ کے دم سے تو حویلی میں رونق ہے برکت ہے"۔ خالہ سوا آ نے کہا۔

"اماں جی اندر سلام کرنے آرہی ہیں آپ کو"۔ ماما نے اندر آ کر اطلاع دی۔

"ہاں ہاں سلام تو۔ اللہ بھاگ لگائے رکھے"۔

"یہ زعفران پالو کی کیا بھلی شکل ہو گئی ہے۔ صبح کے دس بجتے تو میرے کمرے میں ہوتے ہیں اس کے"۔ اچانک اماں جی کو دھیان آیا۔

"سونے دیں آپ اسے رات بھر جاگی ہے اور ہاں ہم نے اس کا نام بدل دیا ہے۔ سفر پہ کہا کریں اسے حویلی کی گل ہے اماں جی۔ نوکرانی بھی خوبصورت نام بھی خوبصورت"۔

"یہ کیا نام ہوا بھلا؟" اماں جی سادگی سے تزئین کو دیکھنے لگیں۔

"بہت اچھا نام ہے۔ محبت اور خوشی کے گیت گانے والی"۔ تزئین نے تشریح کی۔

"بے مقصد جینے گانے والیوں پر جچتا ہے"۔ اماں جی نے بچے کی بات کی۔

"یہ بھی بہت اچھا گاتی ہے رات ہم نے اس سے گانے بھی سنے تھے۔ کیا طنبورے کی آواز ہے"۔ وہ ہنسیں۔

"مگر وہ پیشہ ور تو نہیں ہے ناں؟ کیوں سوا آ نے؟" اماں جی نے کہا۔

"جی۔ جی"۔ خالہ سوا آ نے جلدی سے بولیں۔ جیسے وہ کچھ سوچ رہی تھیں۔

"بہت حیرت انگیز تھا اماں جی تجسس کو۔ گویا ایک مصیبت سے نکل کر دوسری میں پڑ گئے تھے"۔ تزئین نے موضوع بدلنے کی غرض سے کہا۔

"اے نظر لگ گئی ہو گی میرے بچے کو۔ خدا خیر کرے کوئی بھی تو نہیں میرا۔ جو نظر اتار دیتا۔ ہر جمعرات کی۔ لوگوں کو کیا کہیں ماشاء اللہ کہنا کیا یاد نہیں رہتا۔ میرے بچے۔ مگر وہ اوجھ کر سامنے آتے ہیں ہاں۔ کسے نظر لگ سکتی ہے کہ کہیں میری اپنی نظر نہ لگ جائے"۔

"کل مجھے کتنا لگ کر رہا تھا کہ نہ ہیں اماں جی کیسا لگ۔ ہاں۔ مجھے جڑواں کی پڑی ہوئی تھی۔ یہاں اماں جی نہ آ

بھر پور کہ ہوا میں ہے۔ کچھ ہونے ہونے کی سنسناہٹ سی پھیلی ہے"۔

"آپ ابا صاحب کو بلوا دیں کہ آ کے محبت سے دو بول میٹھے بول ہی میں گھول دیں۔ صدقہ تو ہوں نکالا جاتا ہے"۔

اماں جی کچھ سوچ کر اس میں ماما کے ساتھ سر ہلاتے اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم"۔

"اے بہو بیٹی ہو۔ بیٹی کی خوشی کے جذبے سے لبریز ہو کر تزئین کو گلے سے لگایا۔ اور تھام کر اماں جی کے قریب لائی۔ اماں جی نے سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

"خوش رہو"۔

چوڑیاں ساس کے ہاتھوں میں ہی چھنکی۔

"کل کی فکر بہت تھک گئی ہو گی۔

"تم نے بھی حد کر دی تھی تزئین" آنکھوں لگا دیے کاں تیز کر لیتے ہیں۔ سہما سہما پوچھ پوچھ کر تھک گئے۔ جانے کس کی بری۔ کیا وہ دے سے ہاتھ تھی"۔

تزئین اور خالہ سوا آ نے اس بات پر ہنسی روکتے ہوئے کہیں۔ تزئین بھی مسکرا دی۔

"اے بری بھولی اماں جی! تزئین نے ہنس کر کھلکھلاتے ہوئے کہا۔ ہاتھ پاؤں کر ان کے مٹانے سے سر ہلا دیا۔

"کہیں ہوتی ہے اماں جی سر سے پاؤں تک۔ ہوا پوچھ ہے"۔

"ٹھیک ہے جیتی رہو بیٹی" خالہ سوا آ نے سر ہلا دیا۔

"تزئین بچے کو سوا آ نے۔ کوئی بین اندر لے جائیں تیرا بھی اور بھی بھوکی ہو گی۔ بچہ کی ہو گی اٹھا لے جانا کر بھیجوا دے"۔

اماں جی نے ٹھنڈے سے ہاتھ میں کہ سر پہ ہاتھ پھیرا۔

اسی دم زعفران پالو اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم"۔ وہ ماں جی کی بات سنتے ہوئے بولی تھی ہاں تو صبح صبح کا کھلیں کھلی"۔

"کوئی بات نہیں۔ تم تزئین کے ساتھ جاؤ۔ بچے کو سوا آ نے ہوں گی ہو گی۔ بچے ہیں۔ جو بھوکے ہوں گے۔ بچوں کو کھلا دیں۔ خدا کسی کو رکھے۔ اللہ نصیب اچھے کرے بچے تو کام چور نہیں ہے"۔

"دیکھو تو جاگ رہے ہیں یا نہیں؟" تزئین نے اسے باہر جاتے دیکھ کر کہا۔

"میں بھی ہاں اماں جی ماما نا۔ یہ تھی تک (گندم) کر تھی ہے پھٹکنے کو"۔ خالہ سوا آ نے بھی ہاں میں سر ہلا دیا۔ اماں جی نے کہا۔

زعفران پالو باہر جانے کیلئے دروازے کی طرف بڑھی۔ تزئین نے اسے روکا۔ اور اماں جی کے قریب بیٹھ گئی۔ اماں جی نے اسے بھی دعا دی۔

www.Paksociety.com

"ارے۔ کون ہو تم۔ کہاں سے پوچھ کر جا رہے ہو"۔ اس نے اپنی دانست میں بڑی ذمے داری کا مظاہرہ کیا تھا۔ عمل دیے کی تیاری میں تھی۔ سو تیغ بھی نہیں ملا تھا کہ لباس تبدیل کر لیتی۔

"آپ یہاں لیڈی پولیس لگ گئی ہیں؟" لڑکے نے بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"تم کس سے پوچھ کر آئے ہو اندر؟" وہ تپ سے پوچھ رہی تھی۔

"ہم پوچھ کر نہیں آتے۔ اپنی مرضی کے مالک ہیں" شان بے نیازی سے جواب آیا۔

"حویلی میں بہت مرد کر ہیں مگر ہر کوئی اندر نہیں آ سکتا۔ تمہیں تو پھر پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہوں۔ کیسے جانے دوں؟" وہ ڈٹ گئی تھی۔

"آپ کو بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود چلا جاؤں گا اور" وہ مٹھی بھینچ کر عزیز ایکسٹے پے چڑھا۔

"صحیح بتاؤ کون ہو تم۔ ورنہ شور مچا کر بلا لوں گی سب کو" اسے تو وہ ایک دم منحوس لگنے لگا۔

"بلا لو۔ میں بھی دیکھوں شور مچاتے ہوئے کیسی لگو گی۔ ویسے تو خیر اچھی ہو"۔ شرارت لڑکے کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

اتنا بے باک لڑکا وہ پہلی دفعہ دیکھ رہی تھی۔ وہ غصے اور حیرت سے منہ کھولے دیکھنے لگی۔

"ارے۔ عارف۔ آ گئے تم؟" جانے کس طرف سے بیگم اکبر آ گئی تھیں۔

☆...☆...☆...☆...☆...☆

"ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے۔ گھر پہنچے تو پتا چلا۔ کوئی مجھے کی مرمت ہو رہی ہے۔ بس ادھر ہی ہیں۔ بیٹی" کون ہے جسے لوہا جانے نہیں دے رہی؟" اس نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

"کیوں تم کیا اپنی موبرتی میں لیے جا رہے ہو؟ بیٹی نظر آ رہی ہے تمہیں؟" زبیدہ بیگم مسکراہٹ چھپا کر بولیں۔

اچھا... وہ... میں نے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ حرکتیں تو بچیوں والی تھیں میری۔ پیچھے سے پکڑ لی اور کہنے لگی کہ نہیں۔"

"کیا نہیں نہیں؟" زبیدہ بیگم نے تجسس سے پہلے عارف اور پھر عارف کو دیکھا۔

"مطلب یہ کہ مجھے ہو جانے سے منع کر رہی ہیں۔"

"مگر کیوں؟" زبیدہ بیگم نے کہا۔

"طرحدار کہ..." وہ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ کون ہیں؟" احساس تو یقیناً اسے اس کی آنکھوں میں اتنا گئے تھے۔

"عارف!" زبیدہ بیگم جانے جانے کیا۔

"اب جاؤ یہاں سے۔ بہت ہو گیا۔ میں اپنی بیٹی کو کہتی ہوں" وہ ہاتھ ہلا کر بولیں۔

"جی۔۔۔ اب فرمائیے اجازت ہے۔ اوپر جا سکتا ہوں؟" وہ ایک دم سے کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے رخ موڑ کر اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے جلدی سے اپنے اشکوں کی پھواروں سے صاف کیے۔

"آپ روئی ہیں۔ معاف کیجئے گا میرا خیال ہے کہ کسی کوئی بات تو ہوئی نہیں ہے جس سے آپ کو تکلیف پہنچا ہو۔ مگر نہیں۔ بعض انسان ایسے حساس ہوتے ہیں کہ انہیں ہر دوسری بات اپنی توہین محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال۔۔۔"

وہ خیمہ کا سے نکلنے لگا۔ وہ حیران پریشان سی انداز میں اوپر ایک موزیر سے غالب ہونا کہ کچھ ہی

"مطربہ تیمور کا کمرہ اچھا کہنہ ہوتا ہے کہ رات کو وہ کر رہا تھا۔ میرا استر یاغ میں ڈال دیں وہاں کم از کم مچھر تو نہیں ہوگا۔ دو دن کو میرا بچہ آیا ہے۔ اتنی فاقہ کشی دل میں لے کر جائے گا۔ دل کرے گا بھلا دوبارہ آئے گا۔"

"اماں جی میں نے برسوں ہی تو بستر کی چادریں بدلی تھیں۔" اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

"وہ خوامخواہ تو بات کرتا نہیں۔ جا سب سے پہلے اس کا کمرہ اور غسل خانہ چمکا کر آ پھر کوئی دوسرا کام کرنا۔"

انہوں نے حکم دیا اور پھر اپنی وارڈ روب میں جا کے کپڑے تلاش کرنے لگیں۔

وہ ڈرتی ڈرتی اوپر آئی اور آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔

"ہوں۔ اجازت آ گئی۔"

وہ اندر داخل ہو گئی۔ "السلام علیکم" اس نے دن کا پہلا سلام کیا۔

"ہوں۔ وعلیکم السلام" وہ انگلش بجل پر بیٹھے بڑی تیزی سے کچھ لکھ رہے تھے۔

"جیسے آئی ہو" انداز بے حد روکھا تھا۔

"وہ جی۔۔۔ صفائی کرنا ہے۔ اماں جی نے کہا ہے" وہ ڈرے ڈرے انداز میں گویا ہوئی۔

"خاک صفائی کرتی ہو۔ جس چیز پر ہاتھ رکھو دھول اٹھتی ہے" وہ چیخ کر بولے۔

"یا پہلے ہاتھ روم کی نہیں۔ صاف کرو۔ اگر ٹائل ہے تو ہاتھ روم کی دیواریں اور فرش بھی طرح چمکنا چاہئے جیسے نئی ہو" انہوں نے حکم صادر کیا۔

"او۔۔۔ جی۔۔۔ تیر گیا ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"تو تھی بھی۔۔۔ کچھ پوچھیں۔ بالکل گنوار ہو" وہ جھلائے۔

وہ جلدی سے باہر کی طرف بھاگی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" انہوں نے تیکھے سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"وہ جی۔۔۔ فائنل لینے جا رہی ہوں ماما نے" وہ ڈر کر بولی۔

"ہوں" وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ فائنل کا ڈبہ لے کر آئی تھی۔ بالٹی میں پانی بھر کر لے آئی۔ وہ ہاتھ روم میں گھس کر

اچھی طرح تو جانتی تھیں۔ وہ کھول کر بیٹھ گئی۔ اور بڑے سلیقے سے ٹائل کرنے لگی۔ کسی ماہر کی طرح بیٹھ کر کی اور تھوڑی ہی دیر پہلے کی وہ ہاتھ روم چمک اٹھا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"خان۔۔۔ وہ نہیں ہوا۔ اوپر والی ٹونٹی میں پانی کھول کر ٹائل کرنی ہوں تو پہلے اس

www.Paksociety.com

وقتی ہے دم کے ساتھ ساتھی ہے کا ہا کی بات
میں بھی آتا ہوں ہار، ان میں لوٹ کر جاؤ

مہدی حسن کی آواز میں کوئی غزل چھڑی ہوئی تھی۔
اس نے جانے کیوں بابت کر شور کی طرف دیکھا تھا۔
اسے یوں محسوس ہوا کچھ کمی ہے۔ اور یہ کمی پوری دنیا سے بڑھ کر اسے ہی پورے لگے۔
کسی قریب کسی تعلق میں یہ خیال ابھرتا ہے جیسے رات کو کوئی شجر ہو جو روشنی اور ہوا، پانی کا محتاج ہو۔ مگر صبح والوں سے
اٹھا ہوا ہو۔ جو رہنے والے نہ ہوں۔ جس ایسا ہو کہ وہ رنگ و ہوا کا امکان نہ ہو۔
کتنی محنت اور مشروط ہو جاتی ہے ایسے موسم میں شجر کی زندگی۔ سرسبز کیسے نظر آئے؟
ہریالی کہاں سے اور کیسے؟

اس کے ساکت ہونے سے ایک محسوس ہونے والا جمود کمرے میں طاری ہو گیا تھا۔ چوڑیوں کی چھن چھن بھی ساکن تھی۔ کچھ دیر قبل کمرے میں زندگی متحرک تھی۔ سناٹا بھی بہت قاتل ذکر اور قاتل طور تھا۔
تیمور و جنید پر بے ساختہ گھوم گئے تھے۔ وہ ان کے چمکتے ہوئے چہروں پر نظریں جمائے جیسے کچھ کھوجنے کی کوشش میں تھا۔ جانے کون سے جہان میں گم تھی۔ اتنی گم اور بے خبر کہ اسے خان کے جنید کھانے کا احساس بھی نہ ہوا۔
خان کے تمام لطیف احساسات متاثر ہوئے۔ انہوں نے آہستگی سے جنید کھل کی طرف موڑ لیا۔
وہ کسی سمت دیکھ نہیں رہی تھی۔
اس کا نقطہ دور کہیں بلندیوں میں روشن تھا۔ یوں جیسے کوئی جسم سر تقدیس ہو اور روح کسی ماورائی جہانوں میں پرواز ہو۔

ان کے دل میں رحم تھا۔ البتہ ایک فطری اشتیاق جاگا۔
وہ کیا سوچ رہی ہے۔
وہ کون سا خیال ہے جس کی وجہ سے اس قدر اہم کا رابطہ عارضی طور پر منقطع ہو گیا ہے۔ انہوں نے ریسٹ واچ کھل سے اٹھا کر کلائی میں ڈالنے کی کوشش کی۔ ان کا دھیان کہیں اور تھا۔ اس لئے ریسٹ واچ ہاتھوں سے پھسل کر کھل پر جا گری۔

ایک کھٹک کی آواز پیدا ہوئی۔
اس کے ساتھ ہی چوڑیاں بجنے لگیں۔
عائشہ بیڈ پر بیٹھی آواز میں رچ رہا تھا۔ مگر ایک خاموشی کا احساس پتھر پر کھل کی طرح تھا۔
"جان یہ تمہاں کیلئے رکھ دوں"۔ اس نے آہستہ پڑی تمام کی بابت پوچھا۔
"نہیں تمہیں اسی طرح رہنے دو"۔ انہوں نے قلم بند کرتے جیب میں ڈالتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔

"پھر چادر کیسے بچھا دوں"۔ اس نے بھیں بھر سنا اور کہا۔
"بہت بچھا دو صاف ہی ہے۔ ہم بھی ہوٹل کی چادریں صاف کرنے کے لئے۔ کرنے کے لئے ہی آتے ہیں"۔ وہ بولے۔
"مگر میں اور وہ سے کیا لیں گی"۔
"کیوں؟ سوال فطری تھا۔
"آپ جو چیلنج کام کر رہے ہیں۔ نئے کمرے میں بھول جائیں گے آپ پریشان ہوں گے"۔
"اور ہم شور جا رہے ہیں۔ تم اطمینان سے اپنا کام کرو"۔
وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"شور جا رہے ہیں۔ پھر کب آئیں گے؟" اس کا انداز بالکل بے ساختہ تھا۔
تیمور علی خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
آنے جانے کا حساب رکھنے والے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کا رعب اور قرب بھی خاص ہوتے ہیں۔
تعلق کی کتاب میں ان کا ذکر بھی خاص صفحات میں درج ہوتا ہے۔
یہ کہاں سے آئی۔ ایک نئی ذمہ داری بڑھتے ہی بے وقت کی ازکی۔ وہ کماری کا تاثر پریشانی کے ساتھ اس کی سمت متوجہ ہوئے۔ پوچھ کر وہ اس کے تحفظ کا ذمہ لے چکے تھے۔ مرحت و عنایت کی راہ پر چلتے چلتے محبت ہو گئی تھی۔
کس قدر ناسمجھ تھی یہ بے حیثیت سی لڑکی۔ کہ وہ ان سے کیا مانگ رہی تھی۔
"بھلا کی کیا اہم ہے تمہارے کیلئے کہ تم ان ایسے حالات کی معمولی سی بھی اس لئے تمہیں پریشان نہیں ہونے دیں گے کسی طرح کے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور کسی طرح کے جواب۔ تم کائنات میں ہماری سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔ تم کم سمجھ اٹھا کر اپنے آپ سے اتنا مطمئن رہا کرو کہ تم اس عربی کی کتاب ہو۔ جسے صرف اپنے کام سے غرض ہوتی ہے۔ بھلے اپنے مالکوں سے اپنے علاوہ کبھی بات نہیں کرتے صرف مالکوں کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔ دوسری صورت میں خاموش رہتے ہیں۔
ہمیں اس بی کے ساتھ کبھی تمہارا یہ انتظام اور رویہ نہیں ہے۔ ہم بھی سادہ ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کوئی ہمارے بچے ہو جائیں۔ وہ تمہاری نکل نہیں ہیں۔ مالکن ہیں۔ ہم اپنا پابند ہیں۔ یاد رکھیں دوبارہ نہ کہنا پڑے۔ ہمیشہ کیلئے یاد کر لو"۔
وہ سائس روکے کھڑی بغور سن رہی تھی۔ کیسی بے رحم کھڑیاں تھیں۔ خوبصورت حریری پردے جو نصب میں طریا کرتے تھے۔ ہر جملہ قطعیت کے کرب و دکھ سے لپٹا ہوا تھا۔
خاکستری کا عجب تماشا تھا۔
شاید دکھ کے بھی ارتقا کے کم و بیش کی ہوتی ہیں۔ جس کرب کم و بیش کا احساس کا اظہار ہوتا ہے۔
کوئی دل ہی دل میں پکی آہ بھرتی ہے۔

جبور علی خان باہر نکل گئے۔

اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا۔ گہرا سانس کھینچا۔ اور ٹرالیز پر کپڑا مارنے لگی۔ کوئی احساس تھا کہ جسے وہ ابھی تک محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔ کوئی احساس تھا کہ جسے وہ ابھی تک محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ رو نہیں رہی تھی۔ اسے رونا آتا ہی بہت کم تھا۔ جب کبھی روتی تھی تو یہ بھی معلوم تھی۔

لیکن اس وقت ایک تواتر سے اشک رخسار پر بہہ رہے تھے اور اسے احساس بھی نہیں تھا۔ دل کا بوجھ کسی طرح بھی شانے نہیں جا رہا تھا۔

درشت بھی وہ جس کی شامیں آسان ہوتی تھیں۔

"اماں جی! اتوار کی اتوار لونگی جاتے تھے سارے محلے کی عورتیں۔ یہ محلہ بھرا ہوا تھا۔ ایک دن بڑی سڑک پر ہو گیا گیا۔ سب سے زیادہ بلو کی اماں کو چوٹیں آئیں۔ پنڈلی کی ہڈی کھسک گئی۔ کچھ مہینے استر پر پڑی رہی ہے چاری۔ میاں سے چھپ کر جاتی تھی اس سے الگ پیسے لیتی تھی۔"

خالہ سولہ آنے نہایت تیزی اور مہارت سے لقموں میں دوسرے ڈال رہی تھی۔ اماں جی لقمے بن کر آنے والے تمام تکیوں کے منہ بند کر رہی تھیں۔

"ارے آگ لگے ایسے شوق کو۔ کہ انسان ہلکان ہو جائے۔ اب یہاں گھر میں دیکھ لو۔ ہفتے کی رات کیسی آفت مچ جاتی ہے گھر میں آدمی ہے۔ نوکر باغ میں ٹیلی ویژن رکھ رہے ہیں۔ یہ تمام لڑکیاں اسے جلدی جلدی کام نمٹا رہی ہیں کہ فلم شروع ہو جائے۔ پھولی جا رہی ہو"

"میں نہیں بھاگی کبھی ان چیزوں کے پیچھے۔ تمہارے بڑے خان کہتے بھی تھے تو مجھے حیا آ جاتی تھی۔"

ان کا پیر پھسل ہو گیا۔"

"ہے مرد کے ساتھ بھی اماں جی؟" خالہ نے ایک ادا رک کر لطیف سی شرارت کی۔

"ہاں بھئی۔ حیا تو مجھے آج بھی آتی ہے ان سے۔ اب بھی کبھی مجھے اپنے کمرے میں بلواتے ہیں تو قدم من من بھر کے ہو جاتے ہیں۔ اور قہقہوں بند تو ایسے منہ بھاڑ کر ہوتے ہیں کہ ڈر ہوتا ہے مرنے کو نہ جائے۔ جب گھر میں بیاہ آیا تھا تو تمہارے خان پر خفا ہوتی تھی کہ لڑکیوں پر برا اثر نہ ہو۔ وہ ہیں ہو ہم بیاہی عورتیں۔ کر لیتی ہیں۔ قہقہوں میں ان بیاہی لڑکیوں کا مذاق کرتی ہیں۔ اچھی لگتے تو بری دیا آتی ہے۔"

"خان لگتے ہیں بڑے اماں جی! آپ کی اس عزیت سے۔" خالہ شریر ہوئیں۔

"بڑی بے لگام ہے تو سولہ آنے اور تو غرور اتنے معروف آدمی ہیں۔ بھول جاتے تھے کہ گھر بار بھی ہے۔ ہاں ہاں کی ساری عورتیں ہی ایسی تھیں۔ بچوں میں اکیلی ان تھی۔ ہر ایسی کرنی تھی۔ ہر ایسی کرنی ہوتا۔"

"آپ تو بہت ہی سیدھی ہیں خالہ جی! ہاتھوں میں چوٹ کی نشانی نہیں ہوتی ہوگی۔" خالہ ہنسیں۔

"بھول جاؤ تو۔" اماں جی بھی ہنس پڑی تھیں۔ "اللہ نے بڑا قلم دیا تھا۔ ہاتھ سے ہوتے تھے۔ ہاں کے ہو جاتے ہیں۔ اسی میں ہو جاتی ہوگی یہ مزاحیات۔ اپنے تو سمجھ میں ہی نہیں آتا یہ پیار۔"

ان کا پیر پھر سے پھسل گیا۔

"آپ کو کچھ ہے بڑے خان سے محبت؟" خالہ نے بچوں جیسی معصومیت سے پوچھا۔

اماں جی نے پھر سے پیر درست کر لیا۔

"توبہ کرو سولہ آنے۔ اپنی اولاد کی عمر دیکھ۔ اس عمر میں مجھ سے محبت کرتی ہے؟"

"تو پھر کیا ہوتا ہے۔ بتاؤ نا۔ سب عورتیں کرتے ہیں تو وہ اب کیسے؟" خالہ مچل گئیں۔

"ایک عورت عمر بھر کسی کا گھر سنبھالنے، بچے پالنے، خدمت کرنے می

"کیوں۔ کیا ہوا؟" وہ چونک سی گئی۔ اتنی خوش اطوار اور خوش شکل سی لڑکی۔ بھلا اسے کیا ہوا۔

"اس کا رشتہ آیا ہوا ہے۔ کچھ پیار سے تھپکی لگائی ہو۔ شادی کے ایک سال بعد طلاق لے لی تھی اس نے۔ بعد میں کیا یہ تو اللہ کو ہی معلوم ہے۔ مگر مجھے یہ لگتا ہے۔ اسے پڑھائی کا دماغ ہے۔ اور اگر کیوں بھلا وہ پوچھ سکتی ہے۔ اپنی اولاد ہے۔ مرد عورت کو بیوی ہی بنا کر رکھتا ہے۔ استانی تھوڑی ہے وہ۔ اس سے کم پڑھا ہوا تھا۔ مگر تھا تو اپنا ہی۔ عورت ہی ذمہ داری ہے ان کی۔ خیر اب اس کا ذکر کیا۔ جو رشتہ آیا ہوا ہے۔ یہ بھی ہمارے دور کے عزیز ہوتے ہیں۔ ان کی عزت بھی ہے۔ پڑھے لکھے بھی بہت ہیں۔ تمہارے بابا صاحب تا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی بیکری ہے۔ اچھا کماتے ہیں۔ اچھا کھاتے پہنتے ہیں سب کچھ ہے اللہ کا دیا ہوا۔"

"نزہ میں کیا کہتی ہے؟" نازنین نے اماں جی کے خاموش ہوتے ہی ذرا سا سوال کیا۔

"مان نہیں رہی۔ کہتی ہے کہ میں تو اس کی بچی کی ماں بن جاؤں گی مگر کیا وہ میرے بیٹے کو باپ کا پیار دے سکے گا۔ اگر کچھ ہوا تو کیا میرا بیٹا مجھے معاف کر دے گا؟ اب یہ بال دھوپ میں تو سفید نہیں کیے تھے میں نے۔ سنا ہے آدمی اور پتھر کی پہچان بہت مشکل ہے۔ مگر زندگی بہت سے تجربوں کے سامنے میں آگے بڑھتی ہے۔ بہت بھلا مانس ہے۔ دور قریب کے سب ہی لوگ اچھا کہتے ہیں۔ پڑھا لکھا ہے۔ صورت شکل اچھی ہے۔ اب تم لوگ اسے اس طرح سمجھا کر وہ خوشی سے راضی ہو جائے۔ ظہیر میں بھی ہزار خوبیاں ہیں۔ اسکی عورت مر گئی ہے دنیا کی ذمہ داریاں بھی ساتھ ہیں۔ اسے تو بیوی کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی۔ لیکن اسے طلاق ہوئی ہے۔ اسے آگے مشکل پڑ جائے گی۔"

ان کی آواز بھرا گئی۔

"آپ فکر نہ کریں اماں جی۔ ہم سب نزہ کی بہتری کے لئے جو بھی ممکن ہو سکا کریں گے۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" نازنین نے اپنے بچے سے تنے بچے ہوئے اعصاب کو تسلی دی۔

"یہ ظہیر بھتیجے پر نظر پڑی تمہاری صولے آئے؟" اماں جی نے خالہ کو پانی کا گلاس اور چمچ لئے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو فوراً پوچھا۔

"ہو گی یہیں کہیں کسی کام دھندے میں۔ بلاؤں کیا؟"

"تیمور کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔ بہت دیر ہو گئی تم دونوں کو اور اسے ساتھ لگا لو۔ یہیں دھلائی تو آج کی نہ کی۔ اندر ہو جائیں گی ورنہ پھیلاوا کل تک رہے گا۔"

"اے لو۔۔۔ وہ آ ہی گئی۔" خالہ نے ظہیر کو اندر داخل ہوتے ہوئے پہلے دیکھا۔

اس نے نازنین کو دیکھ کر سلام کیا اور بڑی سنجیدگی سے اماں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اماں جی۔ تیمور صاحب کا کمرہ تو صاف کر دیا ہے۔ آپ اسے چیک کروا لیں۔"

"ہیں؟" اماں جی نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی۔

"صاف کر دیا اچھا کیا۔ اب یہ بتاؤ تمہیں کہاں کوئی کاغذ ردی کا نظر آیا ہے جو اس الماری میں۔۔۔" وہ اس کی اجنبیت پر حیران

رہ گئیں۔

"جی۔ خالہ نے کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا؟" اماں جی کی حیرت بڑھ گئی۔

"کہہ رہے تھے۔ بیسمنٹ کا سامان بکھرا ہوا ہے۔ کہاں صفائیاں چیک کریں۔ خالہ کو کہا ہے۔"

"ہاں تو ٹھیک تو کہا انہوں نے۔ تو ہم کر لیتے۔ تم کیوں ہو گئی ہو گی سوال جواب کرنے۔" خالہ فوراً سے پیشتر بولیں۔

"بے وقوف۔ گھر کے مرد گھر میں رہتے ہیں۔ صاف ستھرے گھر میں۔ عورتوں کی موجودگی میں گھر کی صفائیاں نہیں کرتے۔ یہ کام گھر کے لوگ کرتے ہیں یا گھر کی عورتیں۔ کیا کیا تو اس نے۔"

"جو چیزیں صفائی کرتی ہیں اور مرد سنبھالتے۔" نازنین نے تحمل سے کہا تو اماں جی کا تجسس بڑھ گیا۔ خالہ البتہ حسب عادت خوب ہنسیں۔

"یہ بھی بتا دیجئے۔ بھولی اس بچی سے کہ صفائی کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" خالہ نے شہ دی کو ریک لگایا۔

"سیدھا سا مطلب ہے۔ مرد کے بالوں میں آ کر تو ایک ذمہ دار گھر والی عورت کا تو واقعی صفائی ہو جاتا ہے۔ دل کی بھی بھلا پتہ ہے کہ رہتی ہے۔" اماں جی نے مسکرا کر بہو کی طرف دیکھا۔

"تیور بے وقوف نکلے گئے کہ نہیں۔ بیوقوف سے الو بھلے۔ ساتھ کر لیتے۔ اور دیکھو یہ بات یاد رکھنا کسی کو پیار میں پھنسانا ہو تو مرد کے سامنے کبھی بھی ہوا ماسے ساتھ لے کر۔" خالہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"توبہ خالہ۔ آپ بھی اس عمر میں اور ہوا ماسے ذاتی ہوا ماسے کی کوئی بات کرتی ہیں۔" نازنین نے شرم سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ خالہ کو ٹوکا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟" وہ چونک سی گئی۔ اتنی خوش اطوار اور خوش شکل سی لڑکی۔ بھلا اسے کیا ہوا۔

"اس کا رشتہ آیا ہوا ہے۔ کچھ پیار سے تھپکی لگائی ہو۔ شادی کے ایک سال بعد طلاق لے لی تھی اس نے۔ بعد میں کیا یہ تو اللہ کو ہی معلوم ہے۔ مگر مجھے یہ لگتا ہے۔ اسے پڑھائی کا دماغ ہے۔ اور اگر کیوں بھلا وہ پوچھ سکتی ہے۔ اپنی اولاد ہے۔ مرد عورت کو بیوی ہی بنا کر رکھتا ہے۔ استانی تھوڑی ہے وہ۔ اس سے کم پڑھا ہوا تھا۔ مگر تھا تو اپنا ہی۔ عورت ہی ذمہ داری ہے ان کی۔ خیر اب اس کا ذکر کیا۔ جو رشتہ آیا ہوا ہے۔ یہ بھی ہمارے دور کے عزیز ہوتے ہیں۔ ان کی عزت بھی ہے۔ پڑھے لکھے بھی بہت ہیں۔ تمہارے بابا صاحب بتا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی بیکری ہے۔ اچھا کماتے پہنتے ہیں سب کچھ ہے اللہ کا دیا ہوا۔"

"نزہ میں کیا کہتی ہے؟" نازنین نے اماں جی کے خاموش ہوتے ہی ذرا سا سوال کیا۔

"مان نہیں رہی۔ کہتی ہے کہ میں تو اس کی بچی کی ماں بن جاؤں گی مگر کیا وہ میرے بیٹے کو باپ کا پیار دے سکے گا۔ اگر کچھ ہوا تو کیا میرا بیٹا مجھے معاف کر دے گا؟ اب یہ بال دھوپ میں تو سفید نہیں کیے تھے میں نے۔ سنا ہے آدمی اور پتھر کی پہچان بہت مشکل ہے۔ مگر زندگی بہت سے تجربوں کے سامنے میں آگے بڑھتی ہے۔ بہت بھلا مانس ہے۔ دور قریب کے سب ہی لوگ اچھا کہتے ہیں۔ پڑھا لکھا ہے۔ صورت شکل اچھی ہے۔ اب تم لوگ اسے اس طرح سمجھا کر وہ خوشی سے راضی ہو جائے۔ ظہیر میں بھی ہزار خوبیاں ہیں۔ اسکی عورت مر گئی ہے دنیا کی ذمہ داریاں بھی ساتھ ہیں۔ اسے تو بیوی کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی۔ لیکن اسے طلاق ہوئی ہے۔ اسے آگے مشکل پڑ جائے گی۔"

ان کی آواز بھرا گئی۔

"آپ فکر نہ کریں اماں جی۔ ہم سب نزہ کی بہتری کے لئے جو بھی ممکن ہو سکا کریں گے۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" نازنین نے اپنے بچے سے تنے بچے ہوئے اعصاب کو تسلی دی۔

"یہ ظہیر بھتیجے پر نظر پڑی تمہاری صولے آئے؟" اماں جی نے خالہ کو پانی کا گلاس اور چمچ لئے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو فوراً پوچھا۔

"ہو گی یہیں کہیں کسی کام دھندے میں۔ بلاؤں کیا؟"

"تیمور کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔ بہت دیر ہو گئی تم دونوں کو اور اسے ساتھ لگا لو۔ یہیں دھلائی تو آج کی نہ کی۔ اندر ہو جائیں گی ورنہ پھیلاوا کل تک رہے گا۔"

"اے لو۔۔۔ وہ آ ہی گئی۔" خالہ نے ظہیر کو اندر داخل ہوتے ہوئے پہلے دیکھا۔

اس نے نازنین کو دیکھ کر سلام کیا اور بڑی سنجیدگی سے اماں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اماں جی۔ تیمور صاحب کا کمرہ تو صاف کر دیا ہے۔ آپ اسے چیک کروا لیں۔"

"ہیں؟" اماں جی نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی۔

"صاف کر دیا اچھا کیا۔ اب یہ بتاؤ تمہیں کہاں کوئی کاغذ ردی کا نظر آیا ہے جو اس الماری میں۔۔۔" وہ اس کی اجنبیت پر حیران رہ گئیں۔

"جی۔ خالہ نے کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا؟" اماں جی کی حیرت بڑھ گئی۔

"کہہ رہے تھے۔ بیسمنٹ کا سامان بکھرا ہوا ہے۔ کہاں صفائیاں چیک کریں۔ خالہ کو کہا ہے۔"

"ہاں تو ٹھیک تو کہا انہوں نے۔ تو ہم کر لیتے۔ تم کیوں ہو گئی ہو گی سوال جواب کرنے۔" خالہ فوراً سے پیشتر بولیں۔

"بے وقوف۔ گھر کے مرد گھر میں رہتے ہیں۔ صاف ستھرے گھر میں۔ عورتوں کی موجودگی میں گھر کی صفائیاں نہیں کرتے۔ یہ کام گھر کے لوگ کرتے ہیں یا گھر کی عورتیں۔ کیا کیا تو اس نے۔"

"جو چیزیں صفائی کرتی ہیں اور مرد سنبھالتے۔" نازنین نے تحمل سے کہا تو اماں جی کا تجسس بڑھ گیا۔ خالہ البتہ حسب عادت خوب ہنسیں۔

"یہ بھی بتا دیجئے۔ بھولی اس بچی سے کہ صفائی کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" خالہ نے شہ دی کو ریک لگایا۔

"سیدھا سا مطلب ہے۔ مرد کے بالوں میں آ کر تو ایک ذمہ دار گھر والی عورت کا تو واقعی صفائی ہو جاتا ہے۔ دل کی بھی بھلا پتہ ہے کہ رہتی ہے۔" اماں جی نے مسکرا کر بہو کی طرف دیکھا۔

"تیور بے وقوف نکلے گئے کہ نہیں۔ بیوقوف سے الو بھلے۔ ساتھ کر لیتے۔ اور دیکھو یہ بات یاد رکھنا کسی کو پیار میں پھنسانا ہو تو مرد کے سامنے کبھی بھی ہوا ماسے ساتھ لے کر۔" خالہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"توبہ خالہ۔ آپ بھی اس عمر میں اور ہوا ماسے ذاتی ہوا ماسے کی کوئی بات کرتی ہیں۔" نازنین نے شرم سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ خالہ کو ٹوکا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟" وہ چونک سی گئی۔ اتنی خوش اطوار اور خوش شکل سی لڑکی۔ بھلا اسے کیا ہوا۔

"اس کا رشتہ آیا ہوا ہے۔ کچھ پیار سے تھپکی لگائی ہو۔ شادی کے ایک سال بعد طلاق لے لی تھی اس نے۔ بعد میں کیا یہ تو اللہ کو ہی معلوم ہے۔ مگر مجھے یہ لگتا ہے۔ اسے پڑھائی کا دماغ ہے۔ اور اگر کیوں بھلا وہ پوچھ سکتی ہے۔ اپنی اولاد ہے۔ مرد عورت کو بیوی ہی بنا کر رکھتا ہے۔ استانی تھوڑی ہے وہ۔ اس سے کم پڑھا ہوا تھا۔ مگر تھا تو اپنا ہی۔ عورت ہی ذمہ داری ہے ان کی۔ خیر اب اس کا ذکر کیا۔ جو رشتہ آیا ہوا ہے۔ یہ بھی ہمارے دور کے عزیز ہوتے ہیں۔ ان کی عزت بھی ہے۔ پڑھے لکھے بھی بہت ہیں۔ تمہارے بابا صاحب بتا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی بیکری ہے۔ اچھا کماتے پہنتے ہیں سب کچھ ہے اللہ کا دیا ہوا۔"

"نزہ میں کیا کہتی ہے؟" نازنین نے اماں جی کے خاموش ہوتے ہی ذرا سا سوال کیا۔

"مان نہیں رہی۔ کہتی ہے کہ میں تو اس کی بچی کی ماں بن جاؤں گی مگر کیا وہ میرے بیٹے کو باپ کا پیار دے سکے گا۔ اگر کچھ ہوا تو کیا میرا بیٹا مجھے معاف کر دے گا؟ اب یہ بال دھوپ میں تو سفید نہیں کیے تھے میں نے۔ سنا ہے آدمی اور پتھر کی پہچان بہت مشکل ہے۔ مگر زندگی بہت سے تجربوں کے سامنے میں آگے بڑھتی ہے۔ بہت بھلا مانس ہے۔ دور قریب کے سب ہی لوگ اچھا کہتے ہیں۔ پڑھا لکھا ہے۔ صورت شکل اچھی ہے۔ اب تم لوگ اسے اس طرح سمجھا کر وہ خوشی سے راضی ہو جائے۔ ظہیر میں بھی ہزار خوبیاں ہیں۔ اسکی عورت مر گئی ہے دنیا کی ذمہ داریاں بھی ساتھ ہیں۔ اسے تو بیوی کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی۔ لیکن اسے طلاق ہوئی ہے۔ اسے آگے مشکل پڑ جائے گی۔"

ان کی آواز بھرا گئی۔

"آپ فکر نہ کریں اماں جی۔ ہم سب نزہ کی بہتری کے لئے جو بھی ممکن ہو سکا کریں گے۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" نازنین نے اپنے بچے سے تنے بچے ہوئے اعصاب کو تسلی دی۔

"یہ ظہیر بھتیجے پر نظر پڑی تمہاری صولے آئے؟" اماں جی نے خالہ کو پانی کا گلاس اور چمچ لئے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو فوراً پوچھا۔

"ہو گی یہیں کہیں کسی کام دھندے میں۔ بلاؤں کیا؟"

"تیمور کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔ بہت دیر ہو گئی تم دونوں کو اور اسے ساتھ لگا لو۔ یہیں دھلائی تو آج کی نہ کی۔ اندر ہو جائیں گی ورنہ پھیلاوا کل تک رہے گا۔"

"اے لو۔۔۔ وہ آ ہی گئی۔" خالہ نے ظہیر کو اندر داخل ہوتے ہوئے پہلے دیکھا۔

اس نے نازنین کو دیکھ کر سلام کیا اور بڑی سنجیدگی سے اماں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اماں جی۔ تیمور صاحب کا کمرہ تو صاف کر دیا ہے۔ آپ اسے چیک کروا لیں۔"

"ہیں؟" اماں جی نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی۔

"صاف کر دیا اچھا کیا۔ اب یہ بتاؤ تمہیں کہاں کوئی کاغذ ردی کا نظر آیا ہے جو اس الماری میں۔۔۔" وہ اس کی اجنبیت پر حیران رہ گئیں۔

www.Paksociety.com

"آرہی ہیں خالہ امی۔" کڑی کا دودھ نکالتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی لڑکی تھی ہے ہاں" عطیہ نے دبی دبی تفصیل سے جواب دیا۔

"اب تم بتاؤ" کیا کرنا ہے"۔ دودھ کو فریج میں رکھ کر انعام نے خالہ کے مقابل بیٹھ گئی۔

"میری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کیا کہہ رہی ہے ڈاکٹر؟ اور یہ ہے، آخر ڈاکٹر تو نہیں ہے"۔ خالہ کو اس کی بیوقوفی سے تشویش ہوئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ کچھ نہیں ہے بھئی"۔

"ہاں۔ خیر یہ تو میں بھی نوٹ کر رہی تھی کہ آپ بہت چپ چپ ہے" تزئین نے بھی خالہ کی تائید کی۔

"نہیں بھئی۔ تھکن پہلے تو بہت چھلک رہی تھی۔ شاید تھک گئی ہے۔ جا کر ذرا میں تھوڑی کی زکام ادرک چائے پی لے"۔ امی نے بڑی شفقت سے اس کی جانب دیکھا۔

"پی لوں گی۔ اماں جی! حارث کا تھوڑا ہم تو بتا دوں"۔ اس نے خالہ کے ہاتھ سے سوالیہ لیا۔

"یہ آج آپ کے دیور صاحب کہاں غائب ہیں؟ بہت تنگ تو نہیں کرتے۔ جو رآپ کو"۔ تزئین نے بھائی کا ذکر کیا تو لہجہ خود بخود محبت سے بھیگ گیا۔

"ارے نہیں۔ ان کی وجہ سے تو گھر میں بہت رونق ہے"۔ انہوں نے کہا۔

"ہاں ماشاء اللہ بھرا پرا جہاں ہنستا ہے۔ رونق ہو جاتی ہے گھر گیا کرو ان تمہارے باپ نے کتنا دور کر دیا ہے مجھ سے۔ وہ کیا جاتے ہیں ہمیں ان والے کیسے پتہ سکتے" اماں جی کا گلہ پھر امڈ آیا۔

"میرا خیال ہے پندرہ دن بھی نہیں رہے جاتے ہیں۔ ہے ناں اماں جی!" تزئین بھی بھائی کی جدائی کے خیال سے دلگیر ہو گئیں۔

"ارے کہاں۔ گیارہ دن۔ بارہویں دن تو صبح کو چلے جائے گا"۔ اماں جی تو انگلیوں پر دن گنتے ہی بھی گن رہی تھیں۔

"تزئین! تم کہنا بھائی سے شاید تمہاری بات سمجھ میں آ جائے۔ تم بھی پڑھی ہوئی ہو۔"

"کیا اماں جی؟"

"یہی کہ زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ دماغ کی طاقت خرچ ہوتی ہے اور تمہارا تو کام بیٹھے بٹھائے ہو جاتا ہے۔ ترے کان سا مرکا کی جو بچار رہی ہوتی ہے"۔ تزئین ماں کے بھولپن پر مسکرا دیں۔

"کہہ دوں گی اماں۔ گھر دوڑ نہیں جب"۔

صبح صبح مجھے اپنے بچوں پر رحم آ کے کیا سکون ملتا تھا۔ اور اب پانچوں کو سنبھالتی ہوں۔ یہ تو بہت بھلا تھا۔ اب تمہارے باپ نے مجھ سے دور کر دیا تھا"۔ اماں جی نے پھر سے ماضی کی تلخیاں یاد کرنی شروع کر دی تھیں۔

"یہ بھی اللہ کی بات ہوتی تو سمجھ میں آتی ہے۔ ہم لوگوں سے تو ہمارے بچے کی محبت تو ہمارے ہی قبر میں ہے اور ہمیں خبر نہیں"۔

"اماں جی! آپ کیسے فکر کی بات کر رہی ہے کہ آپ لوگ کہیں کر آپ کتنے اچھے والدین ہیں کی ماں ہیں۔ بچے کسی بھی ماں کیلئے بہت خوشی کی بات ہوتی ہے۔ ہمارے کا انداز لگا سکتے ہیں"۔

"تو اپنے وطن میں سب ہی کرتے ہیں" اماں جی نے فوراً جواب دیا۔

"مجھے ایک بار اور بھی کہا تھا بتاتے"۔

"ہائے اماں جی ڈرپوک وہ کیا؟" تزئین ہنس پڑیں۔

"کسی بہم کے چکر میں نہ پڑ جائے"۔ وہ گھر مذہبی سے بولیں۔

"کیا پتا بھی گئے ہوں اور اسے کہہ کر آئے ہوں کہ اس آ رہا ہوں وہ چلا جائے گا"۔

خود فریبی کہ کر دوں کی بات ہے۔

اماں جی کا گلہ ہاتھ سے چھوٹ کر کرسی کے پیچھے لڑھکتا چلا گیا۔ جیسے کوئی اس سے یقین دہانی کر گیا ہو اور وہ بالکل مرعوب ہو گئی ہو۔ بھیگا تو یوں لگا تھا تزئین کے شوخ جملے سے ان کے اندر ایک کونپل پھوٹ پڑا ہو۔ بارسائی اور محرومی کی گرم ہوائیں اندر آنے لگیں۔ خوب بولنے لگی۔

"آپ فکر نہ کریں۔ اگر ہم بھی کریں گے تو کوئی بھی کرے گا۔ ہمیں پوری امید ہے"۔ خالہ نے بھروسا دیا۔

"میرے سر میں خاک سارے۔ مجھے نہیں چاہیے بھگ کر کی پکی۔ اس دن کے لئے اولاد جوان کی ہے"۔ اماں جی تو جذباتی ہو گئیں۔

(ہائے اماں جی کی دعائیں پوری کر سکتے۔ آپ پوری ہو سکتی ہیں۔ کسی کو بھی قسمت نہیں کرے۔ کہ سکتا ہے آپ کا وقت ختم ہے اماں جی کی طرف سے فضول ہوا کے جھونکے آنے لگے۔

"کہاں مقدر کرے گی بہم کی قدرت" تزئین شرارت سے ہنسیں۔ "تو تو بڑی خوش ہو گی"

"آپ لوگ ہوں گے تو میں بھی ہو جاؤں گی"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"قربان جاؤں تیری اطاعت گزاری کے"۔

"تم لوگ کیا ہمیشہ نہیں پال رہی ہو۔ میرے بچے کیلئے کوئی کمی ہے کیا۔ کر گیوں کی؟" اماں جی نے ڈانٹا۔

"چلو اب اوپر سے نہیں اتری ابھی تک؟" معاً انہیں دھیان آیا۔

"وہ تو نہ سے شروع کی ہوئی ہے اپنا تال۔ اس کی تھکن میں کمی ہوئی ہے تھکیلے ہے۔ اس کا لڑکا۔ لڑکی ہے"۔ خالہ نے بتانے سے منع کیا۔

"اچھا۔ مجھے ہی کرنی ہوتی ہے ایک دو کام مجھے تو بتا"۔ اماں جی خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئیں۔

"آپ کو کیا کام مجھے دے رہی ہیں آج؟" تزئین نے پوچھا۔

"اس کے کرنے کے لئے تھے۔" وہ پیچھے رکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "ہاں تو کی امی سے صاف کرلیں گی۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں ہاں ڈال دو۔"

تینوں اور نادین اپنی باتوں میں مصروف تھیں۔

"لڑکی اہانت سفر" وہ بے چینی سے چائے کی طرف جارہی تھی۔ چونک کر رک گئی۔

پلٹ کر دیکھا۔ عارف کھلونا اٹھائے کھڑا تھا۔ پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"وہ ہم ہیں میرے۔ بچوں کا کھلونا ہے مطربہ۔" وہ جھینپ کر گویا ہوئی۔

"یہ تو تین ہیں۔ گنتی آتی ہے؟" وہ مسکرا کر جان جلا رہا تھا۔

"اور یہ مطربہ کیا نام ہوا۔ جیسے لیکسلا، بلڑ۔ مگر کچھ زمانے بھی خوبصورت نہیں ہوتے۔"

"کام تمام" وہ بھڑک کر بولی۔

"کرو گی؟" وہ بہت شوخ تھا۔

"امی جی سے شکایت کروں گی اگر زیادہ بات کی۔" وہ مزید بھڑک گئی۔

"کیا کہو گی؟" اس نے دلچسپی سے اس کا سراپا جانچا۔

"یہی کہ آپ کا مجھے مجھ پر ہاتھ ہے۔" وہ اسے گھور رہی تھی۔

"مطربہ نام عارف ہے۔ ایک ہی نام ہے بس۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"آئندہ مجھے مخاطب کیا تو میں بڑی سے بات نہیں کرتی۔" وہ پیروں سے آگے بڑھی۔

"مرے بھی بڑے خوش ہوں گے اگر زیادہ بات نہ ہو۔ یہ تمہیں والی لگے۔ وہ انتظار کر رہی ہوگی۔" عارف نے کھلونا اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس میں کیا ہے؟" وہ تیزی سے پلٹی۔

"سانپ بچھو ہیں۔ آنٹی تمہیں کیسی اچھی طرح کھلائیں گی نا۔"

"عارف" مطربہ غرائی۔ "تم بدتمیز ہو۔ وہ الگ بات تھی مگر اب بدتہذیب بھی ہو رہے ہو۔"

"تم بھی اتنی بھولی ہو یا بنتی ہو۔" عارف کا قہقہہ گونجا۔

"خالہ! خالہ! یہ لڑکا۔" اس نے شور مچا دیا۔

"کی سول والو۔ عجیب لڑکی ہو۔" وہ ہال کی طرف بھاگ گیا۔

"کیا ہو گیا ہے لڑکی کو؟" وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔

"کیا ہوا؟" وہ بھی گھبرا گئی۔

"تم کہہ رہی تھیں۔" وہ جھینپ گیا۔

"بچوں کی اولاد ہے بھائی۔ تمیز تو ابھی سیکھ رہی ہے۔ ہماری ہی بیٹیاں ہیں۔" جمیل علی خان نے تقریر شروع کی۔

"آہستہ۔ ابھی ابھی دن لیں۔ ابھی کل ہی گھر بسا ہے اور بیٹے سے کاپ رہی تھیں۔" نادین نے ہاتھوں پر انگلی رکھ کر آہستہ سے کہا۔

"مگر یہ بچہ۔ ااا یہ کس نے بتایا۔" وہ مزید بوکھلا گئے۔

"انہیں بتانے کی کسی کو ضرورت نہیں۔ انہیں گھر جیسے ہی سب پتا ہے۔" نادین ہنسی۔

"یہ بڑی گڑبڑ ہے بھائی۔ آپ انہیں نادیجے کی مگر یہ شوہر ہے مگر سات گز کا دوپٹا اوڑھتی ہے۔"

"میں سات گز نہیں جھوٹ نہیں بول سکتی۔" نادین نے صاف انکار کیا۔

"مگر یہ تو بھائی ہے۔ اور بھائی سگی ہوتی ہے۔" جمیل نے دلیل دی۔

"مگر میں اپنی سیدھی سادی ساس کے ساتھ مشکوک قسم کی بھائی نہیں کر سکتی۔ آپ اپنا مفاد خود دیکھ لیں۔" اس نے واضح طور پر معذرت کی۔

"وہ بھی بچہ سیدھی ہے۔ ہم نے اسے بتایا۔ ہماری ماں کو پانے بہت پسند ہیں۔ کھانے میں تو کہے گی۔ پتے میں کتنی کریموں کا ضرر ہے؟"

نادین ہنس ہنس کر دوہری ہونے لگی۔

"مطربہ ماما کا بابا وہ سوپ لے کر ہال میں داخل ہوئی تھی۔ جمیل علی خان بھاوج کو جتا کر مسکراتے ہوئے سر کھجانے لگے۔

مطربہ نے تپائی پر ٹرے رکھ دی۔

"وہ کیا ہم ہے تمہارا لڑکا۔ کہاں گیا وہ؟" جمیل علی خان یکدم سنجیدہ ہو گئے۔

"کچھ لوگ نام کے معاملے میں بڑے غیر محتاط ہوتے ہیں۔ حالانکہ نام ہی انسان کی آدھی شخصیت ہوتا ہے۔ ہمارے بہت سے مسائل ہوتا ہے۔

وہ لوگ کسی کے دل میں ہوتے جاتے ہیں۔ ان کے منہ سے نکلا ہوا نام اضافی ایک مخالفت لگتا ہے اور اگر وہاں ہم ہوئے تھیں تو اس اپنی نظروں میں نفی کو بہت بے توقیر لگتا ہے۔

"خان ... اصفہان میں بہت خوبصورت گھوڑیاں ہیں۔" اس نے ایک پیالے میں دہی ڈالا۔

"پھر ...؟" وہ بولے۔

"ان کے بہت خوبصورت نام ہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔ زرین بھی بہت غور سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"پھر ...؟" ان کا پارہ چڑھنے لگا۔

"ان کے نام خانوں کو ایک دلچسپ یاد دہانی ہوتے ہیں۔ آپ مجھے بھی کوئی گھوڑی سمجھ لیں۔" اس نے تیاگی ان کے نزدیک رکھ دی۔

زرین بغور خسروی اس کی شکل دیکھنے لگی۔ تیمور علی خان خاموش سے ہو گئے۔

"یہ سب ہے مالے نے بتایا ہے۔ آپ کیلئے چائے بنا کر لاؤں چھوٹی بیگم۔" وہ زرین کی سمت مڑی۔

"نہیں ... میں اس وقت چائے نہیں پیتی۔ البتہ وزیر صاحب سے پوچھ لو۔ وہ اپنے بیڈ روم میں ملاقاتی کر رہے ہیں۔" اس نے ملامت سے کہا۔

سطریہ ایک لمحہ رکے بغیر باہر نکل گئی۔

"کچھ سمجھ نہیں آئی۔" اس نے تیمور علی خان کی چپ کو بہت محسوس کیا۔

"ویسے خاصی بے وقوف ہی ہے۔ آپ جانے دیجئے۔ کچھ کہیے گا نہیں۔" اس لمحہ سطریہ کے خنجر کی تیز دھار تھی۔

"اس کو تو ابھی آپ نہیں دیکھنا چاہیے۔ بھائی ... وہ گئی ہو گی۔" وہ بہت ناراض سے انداز میں گویا ہوئے۔

"کبھی کبھی پتہ ہے۔ بے حیثیت انسان کتنا ہی کمینہ اور گھٹیا ہو مگر سچے پیار کا بھوکا ہوتا ہے۔ اسے پیار ملے تو وہ ہر گز کرنے والی کی بات ہے۔ رہنے میں سمجھا دوں گی۔ آپ ریلیکس ہو جائیں۔" وہ زیر لب مسکرائی اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی۔

خانخانیں یا آخر تیمور علی خان کے دائیں کے سامنے بے بس ہو ہی گئیں۔

اماں جی تو خیر پہلے ہی تیار تھیں۔ تیمور علی ان سے پہلے زرین کا نکاح پڑھوانا چاہتے تھے۔ وہ بھی ایک اہم فرض ادا کرنے میں شریک ہو جائیں۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ انسان جس سے خیر مقدم و محبت کرتا ہے وہاں محبت ہی سب سے بڑی دلیل بن جاتی ہے۔ وہ ہونے کی وجہ سے دلوں کے حریف ہو گئے تھے۔ پھر یہ کہ زرین کی خیر خواہی کے جذبے لے ان کی سوچ کو متحرک کر لیا تھا۔

نکاح بے حد سادگی سے ہوا تھا۔ صرف گھر کے افراد اور چند بہت قریبی دوست احباب شریک تھے۔

زرین نے ضد کی تھی کہ رخصتانہ نکاح سے پہلے کی کوئی تقریب نہیں ہو گی۔ وہ اس پر بھی راضی ہو گئے۔ خانخانیں آئے اس کا پیغام لے کر وہ واپس چلی گئیں۔ ہوسف کا یہ عالم تھا کہ گویا پیر اس سے

ہوا میں اڑا جا رہا ہے۔

"سنئے وہ ہوا ... وہ اس نے اصلی ہیرے کے نیکلس میں گوہر جڑا۔ خوشی بھی سیدھے سادے انداز سے چھلک رہی تھی

"وہ پیچھے تو نہیں ہے نا؟ یہ کام ہے۔ وہاں کام کرو گی تو صبح تک فی وہ کو بھی اسٹری کر لوں گی۔"

"وہ نا بچو سے اسٹری اور بچانے کیلئے وہی چادر وغیرہ دینے چلی گئیں۔"

اتنی دیر میں تیمور علی خان باتھ روم میں بند ہو چکے تھے۔

وہ خاموشی سے واپس آ کر اسٹری کرنے لگی۔ انگلیوں سے اٹھتی مہندی کی مہک سے اس کا دل بھر آیا۔ ماضی کی یاد ہمیشہ تکلیف دہ ہی ہوتی تھی۔

امی بھی کتنی اچھی تھیں۔ دادا کام کرنے کیلئے بلانے آئی تو امی نے کتنی محبت سے کہا تھا۔ "کام پر بھیج کر کیا کرنا ہے دادا سے۔ مہندی پیسنے کی عمر ہے۔ عریبہ کی سب سے بڑی تو وہی ہے۔ انہیں تو بالکل بھی نہ بھیجیں۔" وہ خاموشی سے سر ہلاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

تیمور علی خان غسل سے فارغ ہو چکے تھے اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے تولیے سے سر رگڑ رہے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے وسیع آئینے میں وہ بالکل واضح نظر آ رہی تھی۔

کبھی دوپٹے سے ناک پونچھتے ہوئے کبھی آنکھیں — وہ چونک کر مڑے۔

"کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟"۔

وہ بڑا سا کمرا دیکھنے لگی۔ اپنی دانست میں تو بڑی "احتیاط" سے کام جاری تھی۔

"کچھ نہیں — اسے بوکھلاہٹ میں کوئی مناسب جواب نہیں سوجھا۔

"ہمیں اپنی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار پسند نہیں۔ کیا مسئلہ ہے؟" وہ واقعی برہم تھے۔

"کک — کچھ نہیں خان — وہ — بس"۔

"اتنا عذاب لگتا ہے تمہیں کام کرنا کہ رو پڑی ہو۔ ہمیں ڈیکوریشن پیس نہیں چاہیے۔ ہم ماں جی سے کہہ دیں گے کہ ہوتے ہی واپس چلی جاؤ۔ جہاں سے آئی ہو۔ ہے وہ پیچھے تو نہیں؟" وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔ وہ برہم ہوئے۔

"اٹھو یہاں — نہیں کروانا ہمیں تم سے کام"۔ وہ برہم ہوئے۔

"خ — خان — میں کام کی ہو جاؤں گی نا۔ وہ دراصل"۔ وہ اٹک اٹک کر روہانسی ہوئی۔

"مائی فٹ — پھر کس مرض سے رو رہی ہو۔ سچ سچ بتاؤ ورنہ ہم سچ کو تمہاری صورت نہ دیکھیں گے"۔ وہ سیدھا ہونے کے بجائے پریشان تھے۔

"وہ — ہم — مہندی — لگائی تھی ہاں"۔ اس نے ہتھیلیاں پھیلا کر وضاحت کرنا چاہی۔

"مائی گاڈ فٹ — کیا مہندی وہ مارہ ہمیں لگ سکتی؟" وہ متاسف ہوئے۔

اس نے سٹپٹا کر ہاتھ ہلانے میں ہلیوں جیسے انسان کو دیکھا ہے۔ دیکھا۔

شوق کی ایک ان چھوئی کھڑکی ہوتی ہے اس میں خوشی کا جو ہرا جھانکتا ہے۔ اس گھڑی کو ادھر ادھر نہیں ہونا چاہیے۔ اس

کے بعد دل چاہے جتنی مرضی ہمیں ہو، ہمیں گھڑی ہاتھ سے جا چکی۔

اس سے ہر کام کرنے کیلئے طاقت، قوت چاہیے اور طاقت اور قوت کی گھڑیوں سے ہی آتے ہیں۔ خوشی کے لمحے سے کھینچے ہیں۔ خوشی وہ واحد شے ہے جو ہمیں جاگتے میں بھی خواب دیکھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس نے بھی خوشی کے لمحے کھینچ لیے تھے۔ خواب دیکھنے کیلئے۔ ہمت کیلئے۔ کچھ کر گزرنے کی۔

تیمور علی خان اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔

یہ کیا ہے؟ کیا کسی خوشی کی قربانی کا کوئی دن آیا ہے؟

وہ کچھ نہیں بولے۔ غیب سے اس کیلئے سلامتی سے دعا ہو گئی۔ اب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"ہم واقعی معذرت خواہ ہیں کہ ہم نے آپ کو غلط سمجھا"۔ وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ٹیلی فرانک سرخ پانی ہوئے اور وہ پیچھے ہٹی۔ وہ بہت مطمئن تھی۔

وارث آنے میں ابھی بہت وقت تھا۔ وہ دن کیلئے گھر سے جا چکی تھی۔ کہاں؟ نہیں۔

"تو یہاں بیٹھی ہے؟" وہ تعجب سے مڑے پھر ٹھٹھکا کر روکیں۔

"اور کہاں بیٹھوں — وہ چونک کر بولی۔

"کیا تھک گئی؟"

"کہاں؟" وہ اکہرے لہجے میں گویا ہوئی۔

"کام کرانے کا نہیں ارادہ کرنے کا ہے — پھر پوچھا تھا۔ وہ حیران سے گویا ہوئی۔

"اوہ" بنانے کی پھر ٹھان لی۔ "کیسی پاگل ہے تو۔ کس نے کچھ کہا ہے؟"

"کوئی بھوکا تھوڑی ہی کہا ہے۔ ہم اس قابل ہیں کہ ہمیں کوئی کچھ کہے۔ کمزور کمزور ہوتے ہیں لڑکے" — وہ خاصی مدھم سی آواز میں سرگوشی کی۔

"کون ہے؟ — تیاریاں چل رہی ہیں سب تیار۔ تیار ہو کر ہی مرچی محل پر جانا ہے۔ چھوٹی بی بی ہیں وہاں پر۔ چھوٹی بی بی جان"۔

"ہیں — وہ ایک ساتھ گھومی۔ "کون؟" وہ حیران ہوئی۔

"یا تو وہاں کام کر بھیجے اسے یا یہ۔ کیوں؟ کچھ دے اپنی زندگی سے نکالی ہو"۔ جلدی سے وہ اٹھ کر وہاں چل دیں۔

اس نے جھولی کے پھول وہیں باسکٹ میں ڈالے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

اب جب آئی تو گھر کی خواتین اور مہمان خواتین نے خوب شور برپا کر رکھا تھا۔ اس کے داخل ہوتے ہی سناٹا چھا گیا۔ مہمان خواتین اسے حیرت سے دیکھنے لگیں۔

"وہ ہے معظر۔۔۔ معظر سلام کرو۔۔۔ مہمان ہیں"۔۔۔ دلاور بیگم نے اسے سامنے کھڑے دیکھ کر کہا تو وہ اس کے
پاؤں کی طرف جھکا۔

"بھئی بڑی تعریف ہو رہی ہے تمہاری آواز کی۔ یہ سب مہمان تمہارا گیت سننا چاہتی ہیں"۔۔۔ دلاور نے کہا۔

"جی"۔۔۔ وہ شرما گئی۔

"اب جی کی مت کرو۔ جلدی سے کوئی اچھا سا گیت سنا دو۔ بارات بھی آنے والی ہے"۔۔۔ عالیہ نے کہا۔
وہ ان کا قصبہ نما کیسے اندازہ کر کے ان کے قریب بیٹھ گئی۔ اور اپنی جھنکی رنگت والی ہتھیلی پر مکھڑی ٹکا لی۔

"کوئی خوشی والا سنانا"۔۔۔ کسی طرف سے فرمائش آئی۔

"خوشی"۔۔۔ اسے ایک دم کھوئے سامان کی طرح خوشی یاد آئی۔

وہ خوشی کے گیت یاد کرنے لگی۔ ماحول سے بھانپ لیتے جا رہے تھے۔

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا

ایک تو تیرا ساتھ ساری دنیا چھوٹی
پھر بھی تیرا من ساری دنیا لگتی

کتنی میٹھی مدھر آواز تھی۔ سب ہی کو موہ چکے تھے۔

گیت ختم ہوتے ہی ایک اور گیت کی فرمائش دور دور سے ہونے لگی۔ تبھی علی خان بیگ اتر کر باہر کی سمت آتے ہوئے
نظر آئے تھے۔ تھک کر رک گئے

ارمانوں کے تاروں کا یہ آنچل
جیون میں پا گئی میں نے پاگل۔۔۔ او او او
آج مدھر سُروں کی ڈولی کو اٹھا
رے پیا آ آ آ آ

آج پھر جینے کی تمنا ہے
آج پھر مرنے کا ارادہ ہے

اتنی دلفریب آواز۔۔۔ اتنی رواں اور جیتی جاگتی کہ کوئی پاگل ہی ہو گا جو اس کی طرف نہ کھنچے۔ عارف بھی ان کے
ساتھ کی طرف بڑھتے ہوئے محظوظ ہوا کہ آج اس طرف مہمان خواتین بھی تھیں۔

اس دم ماہ بلی والوں کی طرف سے اعتراض ہوئے۔

"او۔۔۔ ایک گیت چوتھے مل سکتی ہے"۔۔۔ انہوں نے ڈولی کو لیے کھڑے کہار سے کہا۔

"کیوں انوں خان۔۔۔ بھئی لالی۔۔۔ کیا آپ پیچھے کر رہے ہیں؟"

"جی۔۔۔ باغ کی طرف جا رہا ہوں پاگل۔۔۔ نہیں ہیں۔۔۔ او تو کیا۔۔۔ ہاں جا رہا ہے"

ڈولی کا رخ پیاں اسی طرف کیں کیا تھا۔ تبھی علی خان کے ہونٹ پر دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔

"یہ تو معظر ہے"۔۔۔ وہ بے یقینی سے گویا ہوئے۔ جیسے یہ کوئی معمول کی بات ہو۔

"معظر"۔۔۔ انہیں اچھنبا ہوا۔

"جی چچا جان۔۔۔ وہی آواز۔۔۔ واقعی ماہ"

"لی جان۔۔۔ جی تو معظر ہے۔ اور خوب صورت آواز بھی ہے۔ بھئی سبحان اللہ۔ ہمارے خاندان میں ایسی
سریلی آواز کے گیت ہیں"۔۔۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

وہ بھی کسی دھیان میں گم ہوا کی طرف دھتے کانوں میں نازلی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

آج پھر جینے کی تمنا ہے آج پھر مرنے کا ارادہ ہے

کیا خطرناک آواز ہے۔ ایک لمحے کو بھی نظر نہ جھپکی جا سکتی۔ جی تو چاہا وہ گیت پھر سنے۔ مگر یوں سر راہ کھڑے
ہونے میں بھی قباحت تھی۔

"کیا بات ہے عارف! کیا سوچ رہے ہو"۔۔۔ یاور علی خان بڑے تھکے تھکے انداز میں اپنے چیمبر کی طرف جا رہے
تھے۔ عارف کو ادھر ادھر جھانکتا پا کر پوچھ بیٹھے۔

"وہ۔۔۔ خان بابا۔ سوچ میں ایک خوبصورت آواز آئی ہے۔ گونج رہی ہے۔ تار سا دے آنے کی بھاگتی سے لگا ہے"۔۔۔ اس نے بڑے
سلیقے سے اپنا انداز بیان مرتب کیا۔

"اوہ۔ کون بلا ہے؟"۔۔۔ ان کا کھلا انداز اس جملے اور جملے میں گم ایک دم مشتعل ہو گیا۔

"وہ خوبصورت آواز ہے۔ اسے بھی بلا لائے۔ اس کے ساتھ دو آدمی بھی ہیں۔ خوب بلے گے ہے"۔۔۔ عارف
نے مزید اصلاح پیش کی۔

"یاور علی خان پر حکم چلاتے ہو؟"

"جلدی دیکھتا ہوں"۔۔۔ وہ آگے بڑھنے کی جسارت کرتے ہوئے دلاور کے کمرے کی طرف چلے۔ عارف بھی ان کے پیچھے لپکا۔
بھاگتے ہوئے آگے تو یاور علی خان وہاں ان سے پہلے موجود تھے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا تھا۔ ڈولی اٹھائی ہونے کی
حالت میں نیچے رکھی جا رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے تو۔۔۔ کون ہے یہ؟" انہوں نے بھائی سے سوال کیا۔

"بھئی میں پوچھ رہا ہوں۔ پہلے کیا اسے بتایا ہے کہ معظر کو بلا رہی ہے"۔۔۔ دلاور علی خان نے بھی بھری نظروں سے ان
کی سمت دیکھا۔

"السلام علیکم"۔۔۔ یاور علی خان ڈولی کے پردوں میں آ کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔

"وعلیکم السلام"۔

www.Paksociety.com

"جی فرمائیے ۔۔۔ کیا مسئلہ ہے؟"

"یہاں حویلی میں ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی ہے۔ مجھے اس سے ملنا ہے۔ آپ کی بہت مہربانی ہوں گی اگر آپ کے ہاں کی خواتین میں سے کوئی بھی اس کے پاس جائیں ۔۔۔ جی اس کی ذات کی ہے۔ اس کا نام علی الاصبح ہے۔"

شاہانہ مدارات میں بیٹھی ہوئی عورت نے بڑے عجیب انداز میں کلام کیا۔

"آپ کو اس سے کیا کام ہے؟" یاور علی خان نے پرتشویش انداز میں سوال کیا۔

"آپ اسے لا سکیں تو ٹھیک ۔۔۔ نہ چل جائے گا سب۔"

"ہم معذرت خواہ ہیں ۔۔۔ اس طرح اسے یہاں نہیں بلا سکتے ۔۔۔ آپ اندر تشریف لے آئیں۔ اور اس سے ملاقات کر لیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

تیمور علی خان نے اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے پہلوان نما آدمیوں پر نگاہ ڈال کر جواب دیا۔

عورت نے کچھ دیر سوچا پھر گاڑی سے اتر آئی۔

"خیر ست خان ۔۔۔ ابھی آتے ہیں ہم۔" اس نے دونوں آدمیوں میں سے کسی کو مخاطب کیا پھر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"چلئے۔" یاور علی خان اور تیمور علی خان اس کے آگے پیچھے چلنے لگے۔ اور وہ ان کی ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ مالک ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

تیمور علی خان نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر داخل ہو کر تمام لائٹس آن کر دیں۔ اور پنکھے بھی چلا دیئے۔ وہ بیٹھ گئے۔ سلیبی بیگی ساڑھی میں ملبوس باریوں میں گہنوں میں سجے کے گھر سے پتے۔ انتہائی قیمتی خاص میں ملبوس وہ ایک انتہائی طرح دار عورت نظر آئی۔ میک اپ اتنا بھرپور اور نفاست سے کیا ہوا تھا کہ اس پر حسن کا گمان غالب آ جاتا۔ سو کے بوڑھی سے دو چار میں آئی ہو۔

سو سے پاؤں تک اگی ہر حرب۔ ایک لمحے کیلئے تو نیچوں کے حواس ہی جواب دے گئے۔

"تشریف رکھئے۔" یاور علی خان نے مستحکم کر صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

"عطریہ بھی غلام زادی ہے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" تیمور علی خان کے ذہن میں یہ سوال ہتھوڑے کی طرح برسا تھا۔

"جاؤ عارف! عطریہ کو بلا لاؤ ۔۔۔" یا تو فراہیوں نے عارف کو حکم دیا۔ وہ جیسے منتظر ہی تھا۔ فوراً ہی پلٹ گیا۔

یاور علی خان نے تیمور کی جانب دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں میں تھے کہ اس سے کیا بات کریں۔

"آپ سے تعارف ہو جاتے تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا۔" عورت نے باری باری دونوں کی جانب دیکھا۔

"ہم دونوں بھائی ہیں ۔۔۔ [illegible]

یاور علی خان نے [illegible] تعارف کرایا کہ ہمیں آپ سے [illegible]

[illegible] تو اپنے ظاہر سے وہ پڑھی لکھی معلوم ہوتی تھی۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔ بتائیے ناں کہ یہ شرافت کہاں ہوتا ہے کہ اس کی خاطر آپ کیسے ہیں [illegible] وقت نکالنے کی ضرورت ہی ہوتی ہے اور خود بے تاب نہیں آ سکتے وہ اپنی کمین کو۔ بلکہ خادمہ کو بھیج دیتے ہیں۔ لگتا ہے [illegible] ہے۔ ہیں نا؟" وہ ہنسی۔

"یا خدا وہ تو ۔۔۔" دونوں بھائی سٹپٹا گئے۔ بظاہر طرح دار عورت کس قدر [illegible] معلوم ہو رہی تھی۔

"وہ معذرت خواہ ہے یہاں نہیں پہنچ گی۔ بلکہ ہماری والدہ نے اپنی [illegible] ہے۔ آپ مکمل وضاحت میں فیصلہ کر لیں۔" یاور علی خان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"اوکے ۔۔۔ یہ تو بہت اچھی بات بتائی آپ نے ۔۔۔ بلکہ ایک طرح سے [illegible] عورت نے پرس کھول کر رومال نکالا اور چہرہ تھپتھپانے لگی۔

دونوں بھائیوں نے اس کی حرکات و سکنات سے تیز نگاہی کر یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے طور پر اس عورت سے کوئی بات نہیں کریں گے۔

اسی وقت دروازے سے سلیبی کے بجائے خادمہ سوا آئے نمودار ہوئی۔ عورت کو دیکھ کر ان کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ انہوں نے فوراً دروازے میں یاور علی خان اور تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"بہت ۔۔۔ تم کیوں آئی ہو؟" وہ حواس باختہ سے کہہ رہی تھیں اور خفگی دونوں بھائیوں کی دیکھ رہی تھیں۔

"بھابی! باہر سے اوباش ہو جاتا چاہتی تھی مگر تمہارے مالک نہ لے۔ میرے لئے یہ کوئی اچھی بات نہیں ۔۔۔ ساری زندگی ایسی ہی آ رہی ہے۔ جو کچھ بھی ہو اپنی۔" وہ قہر سے گویا ہوئی۔

دونوں بھائی اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے بڑی ترکیبی محسوس کرنے لگے۔

"محترمہ! آپ شرافت کی کیا بات کیجئے۔" تیمور علی خان کا لہجہ تلخ تھا۔

"کس سے کروں؟ شرافت ہوتی تھا تو آتی نہیں۔" اس نے کوفت بھرے انداز میں جواب دیا۔

"وہ بھی آ جائے گی۔" خادمہ نے تلخی انداز میں جواب دیا۔

"جس جہاں تم مرتے ہو عزت پڑتا کھاتے ہو پھر سے پیچھے سے پیدا ان کا [illegible] اس کی پیدائش کا [illegible] میرے ہاں ہوا ہے۔ پر یہ کنواری تمہارے [illegible] تو جیسا خوار ہو جائے گی۔" وہ چنگاری۔

"تو کیا میں آ کے کر لو۔ یہاں بھی محنت کر کے کماتی ہوں۔ جتنی میری بھی بیٹی ہیں اون گی۔" خادمہ نے بھی [illegible] جواب دیا۔

"چپ جا گیر داروں پر چھوٹی ہی ہو۔ انہیں بھی پھنسوا دوں گی۔" وہ زہریلے لہجے میں گویا ہوئی۔

"تیمور علی خان نے [illegible] کہا۔

"آپ کہیں تو [illegible] کیا ہے؟" یاور علی خان کی جانب [illegible] متفکر نظر آتی تھی۔

www.Paksociety.com

"خالہ" ۔۔۔ یہ مطلب کو لینے آئی ہے"۔ خالہ نے نہایت ہمدردی سے عورت کی جانب دیکھا۔

"کیوں ۔۔۔ کس حیثیت سے"۔ سوال میں الجھن تھی۔

"ماں اولاد اس کی"۔ دروازے میں کھڑا عارف بدحواس سا ہو گیا اور عورت کو گھورنے لگا۔ باقی لوگوں نے اس عورت کا جائزہ لیا ۔۔۔ ہاں"۔

آخر عمر چور عورت؟

"اگر آپ اس کی ماں ہیں تو یہ نوبت ہی کیوں آنے دی کہ وہ حویلی میں چلی آئی"۔ تیمور علی خان نے تلخی کی کوشش نہیں کی۔

"فراڈ کیا ہے ان لوگوں نے میرے ساتھ ۔۔۔ راتوں رات اسے یہاں پہنچا دیا"۔ عورت نے غضبناک نظروں سے خالہ کی جانب دیکھا۔

"مگر انہیں نے ایسا کیوں کیا ۔۔۔ بظاہر تو اس میں ان کا کوئی فائدہ نہیں؟"

تیمور علی خان کی استدلالی قوت پوری طرح کام کر رہی تھی۔

"کیوں ۔۔۔ پیسے نہیں دیے ہوں گے آپ نے اس لالچی عورت کو"۔ عورت نے جان جلا کر کہا۔

"دیکھئے محترمہ! آپ ذرا احتیاط سے گفتگو کیجئے۔ ہمارے نانا کے خاصے ملازمین وہ ہیں جن کے باپ دادا ہمارے بزرگوں کے ملازم تھے۔ ہم کبھی سنڈی سے انسان نہیں بدلتے۔ وہ ایک الگ وہ ہیں جن کو کہیں بھی ملازمت نہیں ملتی۔ ہمارے ہاں کام مل گیا تو یہاں رہنے لگے۔ یہ جب چاہیں نوکری چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ ان پر کوئی زور وغیرہ نہیں ہے۔ باقی رہی ہیں ۔۔۔ ان کے تمام پچھلوں نے حویلی میں کام کیا ہے"۔

یاور علی خان نے خود پر کنٹرول کر کے وضاحت کی۔

"اب بھی تسلی نہیں ہوئی ۔۔۔؟" خالہ نے خود اختیاری کی نئی رمق اپنے اندر محسوس کی۔

"تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ آپ فی الفور میری بیگی کو میرے حوالے کیجئے۔ یہ دیکھئے میں تو اسے بریف کیس پر چھوڑ جانے آئی ہوں"۔

عورت نے چیک بک پرس سے نکال کر ان کے سامنے لہرائی۔

"خان! اگر آپ جج اکبر کا ثواب کمانا چاہتے ہیں تو اللہ کے واسطے ان لوگوں کو اس کے ساتھ مت بھیجئے گا"۔ خالہ نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"مت بولو خالہ ۔۔۔ تمہیں بیچ رہا کس نے ہے؟" عورت غرائی۔

"خان! آپ کو اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ یہ کون ہے ۔۔۔ خان اوہ بیگی بہت معصوم ہے"۔ خالہ کی آواز بھرا گئی۔

"ہوں ۔۔۔ ہوں ۔۔۔ ایک منٹ"۔ یاور علی خان نے انہیں خاموش کرا دیا۔

"دیکھئے ۔۔۔ آپ کو کہیں بہت غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس کیلئے ایک حل درمیانی ہے کہ اگر وہ آپ کی بیٹی ہے تو آج خود آپ

سے ۔۔۔ کیوں نہ ہی اور آپ عدالت سے پہلے کیوں نہ اس کی ماں ہونے کا ثبوت دیں"۔

عورت کی صورت حال سے اس کی بدحواسی نہیں چھپ رہی تھی۔ مگر اس کی ہر بات کا مدلل جواب دینا مشکل ہو رہا تھا۔

عورت نے ساری کی قال وقت کرتے ہوئے بے چارگی سے کہا ہے۔

"اگر وہ حاضر نہیں کر دیا جائے ۔۔۔" تیمور علی خان بولے۔ عورت کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ مچل گئی۔

"آپ تو کہہ رہے تھے ہم انسان خریدنے والے نہیں جاتے؟"

"یہ وہ آزاد کرنے کا معاملہ ہے۔ خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ اس کی بچی بیمار ہے۔ وہ آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ آپ کا معاملہ اس پیچیدہ مناسب نہیں ہے"۔ یاور علی خان آپ مکمل پر مطمئن ہو کر بات کر رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں اصل بات آ گئی تھی۔

"ہم آپ کو مجبور کر سکتے ہیں کہ ہماری آپ سے کوئی سودے بازی نہیں ہوئی"۔

"وہ میری اولاد ہے۔ "بیٹا" نہیں ہے۔ کیا آپ کو شک ہے؟ اگر میں آپ کا شک دور کر سکتی ہوں"۔ عورت ہار کھوئے گی۔

"نہیں ۔۔۔ نہیں ہمیں کوئی شک نہیں"۔ تیمور علی خان نے جلدی سے کہا۔ ان کے کانوں میں سریلی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

آج پھر بھیجنے کی تمنا ہے آج پھر ۔۔۔ کا رادہ ہے

"آپ لوگ خوامخواہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اسے اصل تو میں ہر قیمت پر کروں گی۔ ہم بازاری لوگوں کی پروا نہیں کرتے۔ انہیں لوگوں سے تو ہمارا روز ہی واسطہ پڑتا ہے"۔ عورت کے لہجے میں بے کی خفت چھپی تھی۔

یاور علی خان کے تیور دیکھ کر ۔۔۔ عورت کے تیور بدلنے لگے تھے۔ وہ محض ایک ملازمہ کی خاطر حویلی والوں کے پیر میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔

بابا صاحب تک ۔۔۔ معاملہ پہنچانا نہیں چاہتے تھے۔ مگر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ عارف معذرت کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

"عارف اطمینان کر لو کہ بچہ ہے کہ اس سے پوچھا جائے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اور خالہ آپ کو بھی اس کا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں"۔ انہوں نے ایک نئے سرے سے فیصلہ کن سرا تھامتے کیا۔ یہ سر سروں بیچ کا معاملہ ہے

تیمور علی خان نے کچھ بولنا چاہا تو یاور علی خان نے انہیں خاموشی کی تلقین کر کے عارف مطہر کو اشارہ کیا۔

"اگر اس نے آپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تو؟ آپ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کریں گے"۔ یاور علی خان نے عورت کو مخاطب کیا۔ خالہ ایک دم چیخ کر رو پڑی تھیں۔

"کیوں میں اس کی ماں ہوں ۔۔۔ وہ ایسا بھی کر سکتی ہوں"۔ اس نے غم سے نڈھال ہو کر کہا۔

www.Paksociety.com
www.Paksociety.com

"شکر مانو اتم وقت ضائع کر رہی ہو۔ یہ تمہارے ساتھ نہیں جائیگی"۔ خالہ نے ناگواری سے روکھے پن سے بات کی۔

"تم چپ رہو۔ میں کون کر رہی ہوں۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ ابھی اسے کچھ پتا نہیں تو سمجھا کیا کرے گی"۔ عورت نے خالہ کو ڈانٹ دیا۔

"مجھے پتا ہے یہ بری بات۔ مجھے ہاتی نے بہت پہلے سمجھا دیا تھا کہ ۔۔۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی"۔ مطربہ نے اور پر قابو پا کر قدرے سکون سے جواب دیا۔

"یہاں غلاظت ہے میری جان اور جہاں میں تجھے لے جا رہی ہوں وہاں تیری باداشت ہوگی۔ راج ہوگا۔ تیرے پاؤں تلے سینکڑوں تیرے پاؤں چومیں گے۔ موٹا بھدا وہ خانساماں تجھے کیا دیتا ہوگا۔ میرے پاس تو جو ہے وہ اس سے تیرا ہے۔ تو راج کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہے۔ غلامی کرنے کیلئے نہیں۔ میری اپنی ماں نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ میری پھول جیسی بچی کو بیگار پر لگا دیا ہے۔ میرا تو کلیجہ پھٹتا ہے۔ ماں کا یہ حال ہو جوئی اپنے ہاتھ سے نہیں پیٹتی اور جنی دوسروں کی ہوتیاں سیدھی کرتی ہے"۔ عورت نے بچے میں بڑا دکھ سمو کر کہا۔

"ماں ایسی نہیں ہوتی۔ مجھے ماں کے بغیر رہنے کی عادت ہے۔ اور میں خوش ہوں"۔ اس نے خالہ کا بازو نرم کر بہت سکون سے جواب دیا۔

"اپنا ایک کھلونا سیدھا کرنے کیلئے خوب پٹی پڑھائی ہے میری لاڈو کو۔ خالوں کو خوش کرنا تھا خود ہی کر لیتی ایک بیٹی ہونہہ۔ حلوائی کی دکان پر دادا جی کی فاتحہ ہو رہی ہے"۔

عورت نے غصہ ناک لہجے میں خالہ پر چڑھائی کی۔

"دھیان سے بات کرو بی بی۔ منہ سنبھالو (سنبھالو) میں نے کسی کو کوئی پٹی نہیں پڑھائی۔ تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ تمہارے پیٹھ پیچھے تمہارا ذکر کیا جائے"۔

خالہ نے ازحد زبان کر جواب دیا۔

"ہونہہ ۔۔۔ میری ماں کی سوچ تھی ہو۔ اگر نہ گیا حیثیت ہے تمہاری۔ تمہارے جیسی دو ہیں میرے پاس۔ نیچ ٹاپ مل کرتی ہیں میرے سر اور بدن کی۔ چلو لڑکی بہت ہو گیا۔ باہر گاڑی میں بیٹھو"۔ عورت نے ایک دم پینترا بدلا۔

مطربہ خوفزدہ سے انداز میں اس موٹے کے پیچھے کھڑی ہوئی جس پر دونوں خالہ بیٹھے ہوئے تھے۔

"دیکھیے محترمہ۔ زبردستی کچھ نہیں ہوگا۔ اگر یہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو جا سکتی ہے۔ اگر نہ جانا چاہے تو تم کوئی اسے برداشت نہیں کر سکتا"۔

تیمور علی خان نے لہجہ بدلا۔ نرم لہجے میں دلالت کی۔

"تو پھر ابھی فاتحہ کو بلواؤ اپنے اور میرے سامنے نکاح کر لیتے اس سے"۔

ڈرائنگ روم میں دل دہلا دینے والی خاموشی طاری ہو گئی۔ اتنا غیر متوقع مطالبہ کہ خالہ کو مارے خوف کے چپ لگ گئی۔ مطربہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

تیمور علی خان نے بچا ہوا حوصلہ ان کے چہروں سے اڑتی ہوائیوں سے اکٹھا کیا۔ وہ کرسی پر پھیلنے لگا۔

تیمور علی خان ایک لمحے کو پریشان ہوا۔ مگر فوراً ہی سنبھل کر اعصاب ہوئے کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

"ہاں لڑکی کی رضامندی ہونا ضروری ہے۔ وہ اگر کوئی بچی نہیں ہے اس لیے آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ ہاتھ سے نکلنی نہیں چاہیے۔ اس طرح کا موقع اس وقت ہوتا ہے جب یہ اپنے گھر والوں کی ہوا پر ہوں۔ اگر یہ آپ سے ناراض ہو کر چلی گئی تو پھر یہ ہاتھ سے نکل جائے گی۔ بیٹا آپ اپنے والدین سے بات کریں۔ بعد میں پچھتانے سے کیا فائدہ"۔

تیمور علی خان نے بڑی اہانت سے موضوع سنبھالا۔

"اچھا تو اس بارے آپ خاموش رہیں۔ اپنی ہوس پوری اپنے پاس رکھیے۔ یہاں تک کا معاملہ ہے"۔

عورت نے بڑی شاطرانہ حکمت سے ایک حساب سے تیمور علی خان کو ڈانٹ دیا۔

"او لڑکی اوقات۔ تم قصوری بے وقوف۔ یہ کھیلے کھائے لوگ۔ ماں پر بھروسا کرو۔ تو شاباش"۔ عورت نے اپنا ہاتھ بھی کرسے ہلکا سا۔

"خان"۔ مطربہ نے بدحواس ہو کر تیمور علی خان کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہم ۔۔۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ جہاں خالہ ہوں گی میں بھی وہیں رہوں گی"۔

"ہوں ہوں ۔۔۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے"۔ تیمور علی خان نے بڑے وقار سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا دیے۔ اس بے ساختہ اضطراری حرکت پر ان کا کوئی ردعمل نہیں تھا۔ وہ اس کی کیفیت محسوس کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔

"جاؤ مطربہ اپنا کام کرو"۔ تیمور علی خان نے حکمیہ انداز میں کہا۔

خالہ کے چہرے کی رونق پلٹنے لگی۔

"یہ میرے ساتھ جائے گی۔ یقین کریں جاگیردار صاحب آپ کو بڑی مہنگی پڑے گی۔ کیوں خود کو مشکلات میں ڈال رہے ہیں؟"۔ بڑے مطمئن انداز میں دھمکی دی گئی۔

"جاتی کیوں نہیں ہو۔ کیوں کھڑی ہوئی ہو؟"۔ تیمور علی خان نے اسی انداز میں پیٹھ پیچھے کھڑی مطربہ کو رحم بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔

"مطربہ نے یوں دروازے کی جیسے گھوڑا اپنے اگلے پاؤں اٹھا لیتا ہے۔ دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرا ہوا مارشل فورس ایک طرف ہو گیا ہوتا تو یقیناً زمین بوس ہو جاتا۔

عورت جذبہ بے رحم نظروں سے گھورتی رہی۔ پھر ایک جھٹکا سا لگنے سے بھیگی آنکھوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بہت اچھا ۔۔۔ اگر آپ کے پاس فالتو وقت ہے بیکار ضائع کرنے کیلئے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اتنا وقت ہے تو ٹھیک ہے۔ مگر ذرا (ذرا) رکے"۔ وہ بڑا استہزائیہ مسکراتی ہوئی بولی۔

خالہ بھی پیچھے پیچھے ہی پڑیں۔ انہیں خاتون سے بہت خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ خود کو مہمان خانے کے قالین میں پاؤں

وہ بادیوی کے سر پر تھال تھا اور مطربہ کے ہاتھ میں باسکٹ۔ دونوں خلکھڑاتی ہوئی بے چارگی کی طرف دوڑ رہی تھیں۔ فتح کا تاثر ابھی قائم تھا۔

"بھول خان!" جمیر علی خان نے سختی سے پکارتے ہوئے بیٹے مالی کو آواز دی۔ وہ کسر باقی پھینک کر دوڑا آیا۔

"جی خان!"

"دیکھو وہ کالے کپڑوں میں ہو لڑکی ہے اسے پکڑو۔" انہوں نے انگلی سے اشارہ کر کے بتایا۔

"وہ تو زخمی ہو گئی ہے سرکار۔"

"ہاں ہاں ... وہ جو کوئی بھی ہے پکڑو۔" وہ بھاگے۔ مالی دوڑتا ہوا ان دونوں کی طرف گیا اور انہیں روک کر جمیر علی خان کی سمت متوجہ کیا۔

مطربہ نے ٹوکری وہیں رکھ دی۔ شاید وزنی تھی اور قدرے آرام سے انداز میں ان کی طرف چلی آئی۔

"السلام علیکم خان!" اس کی آواز سہمی ہوئی تھی۔

"ہوں ... کہاں جا رہی ہو؟" انہوں نے اس کے سلام کا نوٹس نہیں لیا۔

"وہ جی ... ملکوں کے گھر جا رہے ہیں۔ کچھ کمانے پینے کی چیزیں ہیں۔ اماں جی بھجوا رہی ہیں وہاں۔" اس نے بوجھل ثابت آواز میں بتایا۔

"دماغ تو خراب نہیں ہے تمہاری؟ تمہاری عمر کی لڑکیاں اتنی احمق بھی نہیں ہوتیں۔ حویلی سے باہر قدم بھی نہ رکھنا اور کیا تم رات کا واقعہ بھول گئیں؟"

ان کے انداز میں ناراضگی تھی۔

"نہیں جی ... وہ مگر۔" وہ ہکلا کر یکدم خاموش ہو گئی۔ خالہ کی ہدایات یاد آ گئی تھیں۔

"اٹھا کر لے جائے گی وہ عورت بھیں۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہیں تو سیدھے راستے سے اس کے ساتھ چلی جا۔ ہمارے لئے کیوں دردِ سر پیدا کرتی ہو؟"

وہ اسی آف سوا میں بات کر رہے تھے۔

"میں کیوں جاؤں اس کے ساتھ۔ خالہ کہہ رہی تھیں وہ ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے اپنی سادگی اور معصومیت سے کہا تھا۔

جمیر علی خان کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

انہوں نے ایک اچٹتی سی نگاہ اپنے اطراف میں ڈالی پھر ایک لمحہ کو اس کی سمت نظر اٹھائی۔ پھر فوراً ہی واپس موڑ لی۔

"تمہیں پتا ہے صحیح غلط کا کیا مطلب ہے۔" ان کی آواز لطیف سی تحریک ہوئی۔

"جی پتا ہے میں نے خالہ سے۔"

"پھر بھی تم نے ان کی بات نہیں مانی۔" جمیر علی خان نے مجھے پوچھا تھا۔

"پہلے اپنے پاؤں کا علاج کرو۔ پھر اپنے کام کرنا۔ ایک تو بیوقوفی کرتی ہو اوپر سے زبان بھی لڑاتی ہو۔"

جمیر علی خان کے ہونٹوں پر ناراضگی ابھی تک کسمسا رہی تھی۔ سر جھٹک کر وہ اندر کی طرف مڑ گئے۔

"وہ حویلی خبر نہیں ہے۔ ماں نے تمہارا پوچھا۔" انہوں نے اس کا دامن پھر دیکھا۔

"نہیں خان ... ماں ایسی نہیں ہوتی۔ مالی کہتی ہیں کہ جب میں ڈھائی سال کی تھی تو کاں میں پھول دیا نکلی تھی اور میں مرنے والی تھی۔ مالی نے بتایا کوئی سواری نہیں تھی وہ دیکھے بغیر کر چکوں پیدا چلی تھی۔ آگے وہ خود ہی کہتی ہیں اس وقت مر جاتی تو ... مالی نے مجھے بہت سمجھایا تھا کہ لڑکی میں کسی کو بھی محبت جیتی ماں نہ کرے تو کسی اور سے توقع نہیں کرنا۔ تو ہے ماں کی ہے۔ میں ہی تیری ماں ہوں۔ میں ہی تیرا باپ ہوں۔ بس ... سردار ماموں نے بھی مجھے یہی بتایا ہے کہ میرے ماں باپ نہیں ہیں۔ اب میں بھولی تھی بہت بھولی۔ محبت آتی تو مالی مجھے پاؤں میں گھسیٹ دیتی تھی یا سردار ماموں کے پاس۔"

"یہ سردار ماموں کون ہے؟" گفتگو میں دوسری مرتبہ سردار ماموں کا تذکرہ آیا تو انہوں نے پوچھ لیا۔

"میں شروع سے ان کو سردار ماموں کہتی ہوں۔ ماموں ہی ہوں گے۔" اس نے غیب سے سر دیا سا جواب دیا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ وہ تمہیں کیوں لینے آئی تھی؟" انہوں نے خاصی دلچسپی سے اس کی شکل دیکھی۔

"نہیں ... میں تو خود حیران تھی کہ یہ مجھے کیوں لینے آئی ہے۔ شاید اس سے گھر کا کام نہیں ہوتا ہوگا۔"

کیا سادگی تھی جو جمیر علی خان تک میں جھانکنے لگی تھی۔

"بہرحال لوٹ کر تو تم حویلی سے باہر قدم کتنا ہی ضروری کام ہو نہیں جاؤ گی سن لیا؟"

"جی ... آپ نے تو جی اس کی باتوں کا بہت برا مانا ہوگا۔" اس نے چوری چوری جمیر علی خان کی سمت دیکھا۔

ان جیسے ذہین آدمی کیلئے اس کی بات کہہ سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ وہ کتاب کے صفحے پلٹنے لگے۔

"جاؤ وہ بادیوی کو کہہ اکیلی چلی جائے۔ وہ کھڑی ہوئی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

انہوں نے واضح اشارہ دیا کہ وہ اس موضوع پر اس سے اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔

وہ آہستگی سے پلٹ گئی۔ جمیر علی خان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں مگر وہ کتاب کی سطریں نہیں اس کے دھیرے پاؤں دیکھ رہے تھے۔

ہائی خالہ سہاس تھی میری۔ ہاتھ چھوٹ بھی بہت تھی۔ جو چیز ہاتھ میں آتی کھینچ مارتی۔ چار بالشت کا گھونگھٹ گوبر میں پاپڑ سلور کا دبائی کھینچی مار اس لیے گھونگھٹ میں روٹی بھی جاری ہوں۔ وہ ٹیاں بھی پاپڑی جا رہی ہوں۔ اور جو بھی ناک سڑ سڑ کر جاتی تو صلواتیں بھی شروع کہ کون مر گیا ہے کس کو رو رہی ہے۔"

خالہ سوڑ آنے نے چاول چھٹکتے ہوئے سسرالی مظالم کا تذکرہ کیا۔

"تو جی ... اللہ کو جان بھی تو پیاری ہوتی ہے مرنا ہاں نہ ہا تو گوں کو۔" اپنی ہی بات پر وہ ہنسنے والی ہو گئی۔

"آپ لوگ تو بہت خوش قسمت ہیں کہ اماں جی جیسی عورت آپ کی ساس ہے"۔
خالہ سوا آنے نے عالم باب اور بارعین کو خوش قسمتی کا احساس دلایا۔

"ارے ـــ بہوئیں تو گھر کی رونق ہوتی ہیں۔ گھر کی بہار ہوتی ہیں۔ مجھے تو اپنی بہوئیں بہت پیاری ہیں۔ شہ آرا، روشن آرا اور رعنہ کو کہتی ہوں کہ تم دوسرے گھروں کی رونق ہو۔ میرے تو بہوئیں اس لئے بھی پیاری ہیں۔ یہ بیٹوں کو ادھیں یعنی کی یاد دلیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں تو جو بھی کرنا ہے اسی گھر میں کرنا ہے۔ اللہ سے دعا کیا کرو۔ اللہ تمہارے گھروں کی خیر بھری بھرتی رکھے"۔ اماں نے اپنے مخصوص سادہ انداز میں کہا۔

"اماں جی! میری امی بہت شفیق اور محبت والی ہیں۔ میں ان کے لئے ایک ان لیس راحی تھی۔ مگر آپ نے مجھے سگی بیٹی سے بڑھ کر محبت دی ہے۔ میں آپ کو کبھی نہیں بھلا پاؤں گی"۔ عالم باب نے ساس کو دیکھا۔

"اللہ انہیں خوش رکھے۔ اچھی تیمارداری ہے تمہیں۔ بات کرتی ہو تو لہجے میں ملائمت بڑھ جاتی ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں پیار میں ملائمت ویسی ہی آتی"۔

اماں جی نے ہاتھ بڑھا کر نازنین کے سر پر پھیرا۔

"میں تو اپنی نوکرانیوں سے اونچی آواز میں بات کرنا پسند نہیں کرتی۔ بہوئیں تو اس گھر کی شان ہیں۔

"یہ عالم باب اتنا کام کرتی ہے۔ بہت کہتی ہوں کیوں اپنی جان ہلکان کرتی ہے' بہوئیں کام کے لئے تو ہوتی ہیں جب ذمے داری پڑتی ہے تو سب ہی اچھا برا کر لیتی ہیں۔ کام اور عالم کے پیچھے کیا تھکنا کرنا جس کا ہو گا وہ کرے گا۔ نا ہو تو سب کام منہ چاتے ہیں"

"تو بہ اماں جی۔ میری ساس تو خالی بیٹھا رہ ہی نہیں سکتی تھی۔ بچے کو ۱۱۱ھ پلاتے پلاتے کبھی اوپر کو اٹھی اپنی ذمہ داری مار کر اٹھاتی تھی۔ کہ تم ہاتھ نہ لگانا۔ کام کیلئے آتا ہیں رہنے دو۔ تھکم آئے گا تو کیا بیت چلے گا"۔

خالہ نے ایک اور یاد تازہ کی۔

"اے ہے ہی ہی"۔ اماں جی کو بہت ہی دکھ ہوا۔

"بچے والی عورت کی تو جان یوں بھی تھکی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ توبہ"۔

"بچہ بھی چلا گیا اللہ کے پاس۔ داری کی کل کل ختم ہو گئی اسے۔ پھر تو گھر بڑی ہی نہ ہو گئی"۔ خالہ آزردہ ہو گئی۔

"یہ بچے بھی عجیب ہیں ہوتے آتے ہیں۔ آج تک تجھ سے تو کرائی بھر کر تو زباں سے بات کی کبھی نے؟" اماں جی کو خالہ کی بھرائی آواز پر تعجب ہوا۔

"اماں جی! آپ نے تو ہی کی ہوئی کو سر پر بٹھایا ہے"۔ عالم نے آنکھیں پھیلیں

"ہاں خالہ! جیسی تو تم مستی اچھی لگتی ہو۔ ۱۱۱ دن کو گاؤں گیا تھا میں تو حویلی ہی سونی ہو گئی"۔ رعنہ بھی بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"یہ جون یا تو نظر نہیں آتی صبح سے"۔ عالم نے گھڑی دیکھی۔

"میں نے کہا ہے اسے بازار ہی کے ساتھ ملکوں کے ہاں"۔ اماں جی نے جتایا۔

اسی وقت جون اندر داخل ہوئی۔

"آ گئی؟ کچھ کہہ کر بھی گئی تھی؟" اماں جی نے پوچھا۔

"میں نہیں کہا' خان نے باہر جانے سے منع کر دیا ہے۔ وہ باہر ہی اکیلی گئی ہے"۔ جون خان کے قریب بیٹھتے ہوئے بے یقینی سے بولی۔

"خان نے آپ سے خان نے؟" اماں جی متعجب ہو گئیں۔

"جی ہاں خاں نے"۔ اس نے بے یاری سے کہا۔

"ہائیں ـــ کیوں؟ اس خان کو کیا ہو گیا"۔

"وہ کہہ رہے تھے"۔

"ہاں ـــ ہاں ہر تجربہ کار اپنے تجربے بتاتے ہیں۔ اس لئے منع کر دیا ہو گا خان نے"۔

خان نے اپنی حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً ہی لگا دی اور جون اس کے گھٹنے پر زور سے مکا مار کر گویا خاموش رہنے کی تنبیہ کی۔ مظہر نے چونک کر خان کی شکل دیکھی اور ہاتھوں میں ہاتھ مارنے لگی۔

"ہائے ـــ یہ تیمور کہیں سے استاد سردار ہو گیا"۔ اماں جی کو جیسے بہت خوشی ہوئی تھی۔

"بہت پیچھے ہوئے ہیں۔ انگلستان میں رہتے ہیں اماں جی بھرپور دنیا کو سلام کر کے بھی نہیں تھکتے"۔ نازنین اس کے گویا ہوئی۔

"واقعی بچے تو بہت ہی ہوشیار ہوتے ہیں"۔ اماں جی نے تائید کی۔ مگر تیمور میں چالاکی والا کیڑا بہت سمجھ جاتے ہیں"۔

"سب ماؤں کو اپنے بچے ایسے ہی لگتے ہیں اماں جی"۔ مظہر بیگم شرارت سے بولیں۔

"لو ـــ تو تم نے بھی دیکھا ہے اس میں۔ ایک کو لئے پھرتا ہے۔ دنیا بھولتی ہے تو اس جیسا بھائی سے تو اللہ بچائے چھوڑ کر لیتا ہے"۔ اماں جی ذرا خفا دکھائی دینے لگیں۔

"ہائے اماں جی ـــ اماں گستاخی؟ آپ کا بیٹا ہے تو میرا بھائی ہے۔ بہنوں کو کبھی اپنے بھائیوں میں کوئی برائی نظر نہیں آتی"۔ مظہر بیگم نے ماں کے غصے میں بالکل ڈال دیں۔

"مظہر بولتا کیسے ہیں تیمور خاں"۔ نازنین بیگم کو بھی یہ چونچلے بھلے لگے۔

"مجھے تو کبھی ان سے بات کرنا ہی نہیں پڑی"۔ وہ بے پروائی سے بولی۔

"لو اتنا تو خوبصورت ہے میرا بھائی"۔ مظہر بیگم مصنوعی ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

"کس کی تعریف ہو رہی ہے؟" تیمور علی خان کا بھی ہاتھ میں لئے ہال میں داخل ہوئے۔

"ماشاءاللہ بڑی عمر ہے" عالم نے جملہ مکمل کیا۔

www.Paksociety.com

"مگر بھئی ہونا چاہیے۔ یہی بھی اہم چیز ہیں۔ وقت کیا فائدہ بھی تو ہو۔" وہ ماں کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

"ماشاءاللہ۔ اچھی ہی گزر رہی ہے۔ کوئی نہیں بولتے ہیں۔" اماں جی نے شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آخر ہوا کیا تھا کس سلسلے میں اور کیا تھا؟" انہوں نے بہن کی سمت دیکھا۔

"ارے یونہی الٹی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ ان کی عقل چالی۔ لو اس بچی سے پوچھ رہی ہیں۔ اصل معاملہ تو ان کو کہتے ہیں؟" اماں جی نے اپنے سیدھے پن میں ٹھیک ٹھیک رپورٹنگ کی۔

تیمور علی خان کی آنکھوں میں الجھن اور ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے ہمشیرہ کی سمت دیکھا۔

"او۔ ڈی کو بھی دیکھو سوال گندم جواب چنا۔ کہہ رہی تھی مجھے تیمور خالہ سے ڈر لگتا ہے۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ مارتا ہے تمہیں؟" اماں جی مزید گویا ہوئیں۔

مطربہ کے چہرے پر شرمندگی کا عکس جھلکنے لگا۔ وہ مزید تیزی سے چاولوں میں ہاتھ مارنے لگے۔ تیمور علی خان صاحب نے بچے کے بارے میں اس کا صحیح اور شرمندہ شرمندہ سا چہرہ ایک لمحے کو دیکھا۔

"لیکن ہمارے کریکٹر خوفناکیت پر اتنی اہم اسٹیپ لگانے کی ضرورت کس سلسلے میں پیش آئی"۔ ان کا انداز بھی طرح پر استفہامی تھا۔

ارے ویسے ہی فنی مذاق ہو رہا تھا۔ ان لڑکیوں کی تو عادت ہی ہے اوٹ پٹانگ باتیں کرنے کی۔" اماں جی نے قصہ کوتاہ کرنے کا انداز اختیار کیا۔

"کیوں بھئی۔ تمہیں کیوں ڈر لگتا ہے ہم سے؟" تیمور براہ راست مطربہ سے مخاطب ہوئے۔

وہ خاموش رہی مگر دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"اب بتاؤ نے کیوں ڈر لگتا ہے؟" خالہ نے بھی زور ڈالا۔

وہ چپ چاپ اپنا کام کرتی رہی۔

"ارے بتاؤ۔۔۔ بچی ہے ویسے ہی کہہ دیا ہوگا۔ کیوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے غریب کے۔" اماں جی کی پرخلوص ڈانٹ تکلیف دہ بوجھ بن رہی تھی۔

"نہیں نہیں اب تو بتانا ہی پڑے گا۔" نازنین نے شرارت سے تیمور کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا پتا کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔ ہر وقت ہمیں لاجواب کرتے رہتے ہیں۔" وہ ہنسی۔ "ہاں بتاؤ ناں مطربہ۔"

"آپ سے زیادہ تو نہیں اشتیاق ہو رہا ہے بھائی جان۔" تیمور علی خان بھانپ جانے والے تھے۔

مطربہ اسی طرح خاموش رہی۔

"نہیں بولے گی اب شرما گئی تو۔" طاہرہ تاب گویا ہوئیں۔

"ابھی بلواتا ہوں۔ ایک دو گیم کھیلتے ہیں میرے ساتھ۔" تیمور علی خان گرمجوشی سے مخاطب ہوئے۔

"وہ۔۔۔ کیا نام ہے تمہارا بچی؟" وہ بائیں کہنی کے سہارے اس سے مخاطب ہوئے۔

"آپ" لڑکی ہی کہہ پائی تھی۔" ۔۔۔ بلوچستان سے ہیں۔" اماں جی نے وضاحت کی۔

"ہاں میں نے سنا تھا۔ لیکن بتایا سب ہی نے تھا۔ کہ مطربہ ہیں اماں جی اور خالہ کو تھیں اور حیرت سے سب کو دیکھنے لگیں کہ بھلا بتانے کی کیا بات ہے؟"

"کوئی بے وقوفانہ جواب ہی سوجھا ہوگا۔" تیمور نے عالم تاب کے سامنے بائیں ہاتھ کا پنجہ لہرایا۔

"جی نہیں۔ پہلے یہ بتایا جائے کہ یہ تم سے ڈرتی کیوں ہے؟" وہ بھی اپنے دھن کی ایک تھیں۔

"یہ بالکل بے تکا سوال ہے۔ ہم کیوں ڈراتے لگے ہیں۔ کیوں مسز خواجہ؟"

"میں بھی اصل بات پتہ چلانا چاہتی ہوں۔ بھائی تیمور ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" بیگم نے انصاف کا ساتھ دیا۔

"چلیں یہ بھی کر لیتے ہیں۔ ہاں بھئی کیوں ڈرتی ہو ہم سے؟" وہ اس سے مخاطب ہوئے۔

"آپ بالکل ہیں ہی اور باقیوں سے سب ہی ڈرتے ہیں۔" وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔

"یہ تو بے تکا سب ہی سنانے میں رہ گئے۔

"اوہ اوکے۔ خوامخواہ بچی کو پریشان کر دیا۔ کیا کہتی ہے غریب؟" اماں جی کو نہایت دکھ ہوا۔

"اسے اصل سنانا کہتے ہیں۔" وہ ہنسی سے گویا ہوئیں۔ "چپ کر جا بچی۔ چل اٹھ۔ جا شاباش۔ پانی پی جا۔ تھوڑی دیر میں تم لوگوں سے بے ماں باپ کی بچی ہے۔ خیال کرنا چاہیے۔" ان کا انداز ہونٹوں پر تھا۔

"آپ کو کس نے بتایا کہ بے ماں باپ کی ہے؟" تیمور علی خان نے خاصے پرسکون انداز میں اماں سے سوال کیا۔

"لو ہوگی اس بات ہے ماں باپ ہوتے تو ڈرائے کے ساتھ کیوں بھیجتی۔ کیوں بھلا؟" وہ سخت سے اکتائے ہوئے لگے۔

خالہ خاموش رہیں۔

"مطربہ آنسو پونچھتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"اچھا بھئی ہم بھی چلتے ہیں۔" تیمور اٹھ کھڑے ہوئے۔ "اماں جی ہم ایک رات کیلئے سرائے جا رہے ہیں وہاں سے دوستوں کے ساتھ شکار کریں گے ہم۔"

"جیتے رہیں بے زبانوں کا خون بہاتے ہو۔ جیسے وہ جب اللہ نے انہیں زندگی دی ہے۔ تمہیں کیا حق ہے۔ کیا کہہ رہے ہیں تم۔"

تیمور نے مخاطب اماں جی نے بساط بھر دل لگانے کی کوشش کی۔

"تیمور ہنس دیئے۔

"اماں جی یہ جو عورتیں لوگ ہیں ناں۔ ایک کھیل کھیلتے ہیں جوئے کی طرح کا۔ دونوں پارٹیوں کے حصے میں کچھ نہ کچھ آتا ہے۔ اندھا دھند بھاگتے ہیں۔ بچا آدھا کھاتے ہیں۔ بچا آدھا ہے تو ادھا سے بھی کم رہ جاتا ہے۔ جس کا نمبر سب سے آگے نکل جاتا ہے وہ

جیت جاتا ہے۔ اور جب اولاد خیر کی سے بھاگ رہے ہوتے ہیں تو بچے گمراہی جاتے ہیں۔ اور اولاد بیمار کو دوا دیتے ہیں۔ معصوم بچے اپنے کیلئے خطرہ ہو جاتے ہیں"۔

"ہائے میرے اللہ"۔ اماں جی سینے پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ تخت پر بیٹھ گئیں۔

"کون ظالم اپنے بچے ان کو دیتے ہیں۔ کیا اندھیر ہے"۔

"دے گا کون؟ یہ الگ کاروبار ہے' بچے اغوا کر کے قتل کر دیے جاتے ہیں۔ بعض ملکوں میں اتنی غربت اور بھوک ہے کہ ماں باپ خود اپنی اولاد کو بیچ دیتے ہیں"۔ تیمور نے حربے معلومات بہم پہنچائیں۔

"میں نہیں مانتی۔ یہ اغوا والی بات تو خیر سچ ہو سکتی ہے۔ مگر ماں باپ اپنی اولاد کو بیچ دیں تو یہ کرنا اتنا ضروری ہو گیا ہے کیا؟ اوں ہی دال کر دو گے"۔

"کیا واقعی تیمور؟" عالم باب نے بھی دکھ اور تعجب کا اظہار کیا۔

"جی۔۔۔ بھائی بیگم۔ یہ سب ہو رہا ہے"۔ انہوں نے یقین دلایا۔

"کیا قیامت ہے۔ لوگوں' بچوں کا دھیان رکھا کرو۔ اللہ اپنا کرم کرے سب پر"۔ اماں جی کو یوں تو اس پر نواسیوں کی فکر پڑ گئی۔

"اچھا بیٹے! جب بچے معذور ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا کیا کرتے ہیں"۔ اماں جی تو اپنے سب کام بھول بیٹھیں۔

"کیا کرتے ہوں گے یتیم خانوں میں ڈال دیتے ہوں"۔ تیمور کو اندر ہونے لگا کہ حق ماں کے سامنے بولا تھا۔

"اللہ کسی کو اولاد کا دکھ نہ دکھائے سب کی مامتا ٹھنڈی رکھے"۔ وہ ہاتھ پھیلا کر دعا کرنے لگیں۔

تیمور نے ماں کے ہاتھ تھام کر چوم لئے۔ "دنیا میں جتنی روشنی نظر آتی ہے' شاید ماؤں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے"۔

اماں جی شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"اا۔۔۔ سفریہ نظر نہیں آئی صبح سے"۔ تیمور نے دفعتاً سے نظریں اٹھا کر اماں جی کی سمت دیکھا۔

"وہ تو چھوٹی بہن اور بڑی بی بی جان کے ساتھ بازار گئی ہوئی ہے کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں"۔ اا زرتج سمجھتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں۔

"بازار گئی ہے۔ کب گئی کیسے یہ لوگ بازار؟" انہوں نے اختیار سے پوچھ لیا اور قدرے غصے سے گویا ہوئے۔

"وہ تین گھنٹے۔ مالی گئی نہیں۔ کیا خریدنے گئی ہیں ایسا؟ اور کون لوگ ہیں ان کے ساتھ گیا ہے"۔ وہ تھوڑے ہوئے۔

"جی۔۔۔ یہ تو مجھے پتا نہیں"۔ اماں نے لاعلمی ظاہر کی۔

"موتی بازار گئی ہیں؟" وہ اضطراری انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"شاید"۔ اماں اب پریشان ہو گئی۔

"اسے ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی' اسے کیا خریدنا ہے"۔ وہ الجھ رہے تھے۔

"۔۔۔ ان کی بچی ہے ساتھ"۔ اماں کو ان کی کیفیت سے اندازہ ہوا۔

"اچھا بازار' بھائی سے گاڑی کی چابی لے کر آؤ"۔ وہ بھڑکے۔

اماں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تیمور کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔ وہ باہر نکل گئی۔

تیمور کمرے میں ٹہلنے لگے۔

"اماں جلدی آئیں"۔ کہتی تھی۔ اس نے پانی تیمور علی خان کو تھمایا۔ وہ پانی کی ٹیوی سے باہر نکلا تھا۔

اماں کی طرح الجھ گئی تھی۔ اسے بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟

وہ بچے کا ہم عمر ہونے کے باعث ضرور مشکوک تھی مگر یہ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر سفریہ کے بازار جانے میں کیا قباحت ہے؟

اسی دم مہوش راہداری سے گزرتی نظر آئیں۔ سفریہ نے دونوں ہاتھوں میں سامان اٹھا رکھا تھا۔ وہ ان کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ماہ نور یہ ماجرا دیکھ کر اماں کے پاس آ گئی۔

"بی بی جان۔۔۔ وہ تیمور خان آپ کو ساتھ میں نہیں لے گئے؟"۔

مہوش کی نیچیں اپنی جگہ لٹک گئیں۔

"خیریت؟" سفریہ پریشان ہو کر پوچھنے لگیں۔

"وہ آپ لوگوں کو لینے بھیجے ہیں شاید"۔ ماہ نور نے جلدی سے کہا۔

"ہمیں لینے؟ مگر کیوں تم نے بتایا نہیں کہ ہم زارا بیجر کے ساتھ گاڑی میں گئے ہیں؟" مہوش نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ ہی انہیں پتا ہے"۔ ماہ نور کی سمجھ میں خود نہیں آ رہا تھا کہ اپنی بات کس طرح سمجھائے۔

"جی۔۔۔ کیا ہو گیا ہے ماہ نور مسئلہ کیا ہے؟" سفریہ پریشان ہو گئیں۔

"وہ جی۔۔۔ انہوں نے سفریہ کا پوچھا تھا۔ میں نے بتایا آپ کے ساتھ بازار گئی ہے تو غصہ کرنے لگے کہ اس کے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر پوچھا آپ لوگوں کو گئے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے۔ جب میں نے بتایا۔ وہ تین گھنٹے ہو گئے ہیں تو بہت غصے ہوئے اور خانساں کی گاڑی کی چابی منگوائی اور فوراً حویلی سے چلے گئے"۔ ماہ نور نے تفصیل سے بتایا۔ وہ دونوں سفریہ کی شکل دیکھنے لگیں۔

"مجھے کوئی کام کرنے کہا تھا؟" سفریہ بیگم کو بھائی کی ناراضگی کا دھیان آیا تو سفریہ سے پوچھنے لگیں۔

"نہیں جی۔ میں ان کے کسی کام میں دیر نہیں کرتی"۔ اسے کیونکر احساس تھا کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا اس نے نظریں جھکا کر آہستہ سے بولی۔

"پھر؟" وہ تینوں اور بھی الجھ گئیں۔

"تو ضرور اس کا کوئی اہم کام بھول گئی ہو گی"۔ سفریہ بیگم کو اس کی یاد اشتعال پر ختم ہوا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں نے تو صبح سے انہیں دیکھا بھی نہیں"۔ وہ بھی طرح تھمہ دی تھی۔

"اچھا ہے۔ ہال میں سامان تو رکھ لو۔ اور اماں جی کو دوا دے دو۔ کل سے کوئی نہ کوئی ہم کام ہوتا ہے۔

www.Paksociety.com

بیگم کی سوئی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی بات ان کے دھیان میں نہیں آ رہی تھی۔

مغرب آگے بڑھ گئی ہے۔ دماغ پر زور ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسے سب طرح کا یہ سب کچھ کیسا لگا ہے۔ اسے خوف محسوس ہوا کہ معلوم نہیں تو عدیل خاناں اس کے ساتھ کس طرح پیش آئے گی؟

اس نے سرخ مخمل کی چادر اور گاؤ تکیوں سے آراستہ تخت پر تھیلے پھیلنے کے انداز میں رکھے اور چادر اور گرگابی ایک طرف رکھ دیا اور پنکھا جھل کر پسینہ سکھانے لگی۔ تھکاوٹ بھی بہت تھی۔

تھوڑی دیر بعد گھر کی تقریباً تمام خواتین ہال میں چلی آئیں۔ کی ہوئی شاپنگ پر ابھی تبصرے باقی تھے۔

"مغرب! افطار بنوا لو۔ تم پہلے ہی کافی لیٹ ہو گئے ہو"۔ بیگم ایک صوفے پر لیٹ گئیں۔ "اور ماما سے کہو چائے جلدی بنا لے"۔

وہ دوپٹا سنبھالتی باہر چلی گئی۔ راہداری میں اس نے ادھر ادھر دیکھا اور جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور دو تین گلاس پانی پینے کے بعد ماما کی طرف چلی۔

"ماما! بی بی جان کب سے ہی ہیں کہ چائے ذرا جلدی بنا لو"۔

"میرا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟ کیا تھک گئی؟" ماما نے ہمدردی سے پوچھا۔

"ماما"۔ اس نے ماما کا سوال یکسر انداز کر دیا۔

"ہوں؟" ماما سر سے پاؤں تک متوجہ تھی۔

"کیا تیمور خاناں غصہ میں تھے؟" وہ دل سنبھالنے کے جتن کر رہی تھی۔

"تھے تو غصہ میں۔ بات کیا ہے مغرب! مجھے بتاؤ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟" ماما اس کے قریب چلی آئی۔

"کوئی بات نہیں ماما۔ اس تم خانہ کو ذرا سمجھا دو کہ مجھے گاؤں بھجوا دیں۔ میرا دم گھٹنے لگا ہے یہاں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے، جیسے کوئی گناہ کر کے چھپے پھر رہے ہیں"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔

مغرب کی نماز کی وجہ سے حویلی میں ایک مقدس خاموشی طاری تھی۔

وہ اماں جی کے کمرے میں چلی آئی۔ اماں جی ابھی ابھی نماز میں مصروف ہوئی تھیں۔ وہ دروازے کے قریب جائے نماز کے اوپر ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

اماں جی نماز سے فارغ ہو کر طویل دعا میں مصروف ہو گئیں۔ وہاں سے پہلو کی طرف آ کھڑی ہوئی۔

"اماں جی! آپ کے پاس تو سب ہی کچھ ہے آج دعا میں کیا مانگ لیں؟" اس سے رہا نہ گیا اور بول پڑی۔

اماں جی نے جلدی جلدی اعوذ باللہ کی تسبیح پر ہاتھ پھیرا اور نماز ختم کر کے ہاتھ اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے؟"

"اماں جی! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے"۔ اس کی آواز میں بھی آنسوؤں کا اثر تھا۔

"کس سے؟" وہ حیران ہوئیں۔

"تیمور خاناں سے"۔ اس کی آواز میں بھی آنسوؤں کا اثر تھا۔

"آ... اچھا چلیے میرے پاس"۔ اماں جی کے چہرے پر فکرمندی جھلکنے لگی۔

"وہ کافی دیر ہو گئی۔ آپ کی نماز کی تسبیح ہے ابھی ہو سکتی ہے"۔ اس نے ہاتھ پر بیٹھے کہ تو ٹال گئی۔

"کیوں لڑکے ہے تم سے؟" وہ بہت تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔ اس کا سین پیر والیں ہونے لگا۔

"وہ میں بی بی جان کے ساتھ بازار چلی گئی تھی"۔

"تو کیا وہ اس سے پہلے بھی تو گئی تھی"۔ ان کا ذہن ادھر ادھر بھٹکنے لگا۔ کل بھی اس نے وہ بیوی کے ساتھ جانے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے تو آج تک کسی بات کے آنے جانے پر پابندی نہیں لگائی۔ حتیٰ کہ کبھی روکا بھی نہیں۔ وہ اس کی قوت ارادی ایک عمر دیکھا ہے۔ وہ یکسر ہوش میں آ گئی تھیں۔

"آپ کریں کہ آئندہ نہیں جاؤں گی میری توبہ"۔ وہ روہانی ہو گئی۔

"ہے اللہ رحم۔ کہو وہ کی بھلا اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ پاگل تو نہیں ہے۔ کہاں جانے کا تھا۔ یہ سمجھ بھی تو نہیں چلے کہ وہ تیرے باہر جانے پر غصہ کیوں کرنے لگا ہے"۔

ان کی تحویل جاگی۔ واقعی اور یہ انسان ایک معمولی ملازم پر اتنی توجہ کیوں دے رہا ہے۔ کچھ تو بات ہے ضرور اس کی بلا سے سارا گھر باہر کو نکلنے لگے تو وہ نہ جائے۔

"آپ خود ہی پوچھ لیجئے اماں جی۔ میں تو آج آپ کے کمرے سے باہر نہیں جاؤں گی۔ یہیں پر نماز پڑھوں گی"۔

"خدا کا خوف کرو بی بی تم نے جیسا ہے تم پر پاگل کہیں کی"۔ وہ ناراض ہو گئیں۔

"اماں جی مجھے کسی کا غصہ بھی برداشت نہیں اور خان کا تو بالکل بھی نہیں۔ مجھے ہر کسی کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ اللہ کی قسم اماں جی"۔

"تو ہے زبان ماں تو اور ادائی کا پیار جتا رہی ہے۔ کہو وں گی میں اس سے کہ تجھ سے آرام سے بات کیا کرے۔ تیرا دل کمزور ہے۔ جا اب۔ شاباش کام کر"۔

وہ کیونکہ حقیقت حال سے بے خبر تھیں اس لئے یہ ہی بات کہہ سکتی تھیں۔

اسی دم ماما اندر داخل ہوئی۔

"تیمور خاناں بلا رہے ہیں تجھے"۔ وہ مغرب سے مخاطب ہوئی۔

"اماں جی!" اس نے بے چارگی سے ان کی طرف دیکھا۔

"تیمور کو بھیجو وہ"۔ اماں جی نے اپنی نماز کی چوکی پر بیٹھ گئیں۔

مغرب بے پاؤں باہر نکلنے لگی۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com

"تو کہاں چلی۔ ٹھہر ابھی۔ تیرے سامنے ہی پتا کروں گی سب کچھ۔ آخر مجھے بھی تو پتہ چلے کہ ساری کا پلہ کیوں بھاری ہو رہا ہے۔" وہ خفگی کی لے کے ساتھ بڑبڑائیں۔

وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔ چند منٹ گزرے کہ تیمور علی خان داخل ہوئے۔

"کہاں ہے وہ مصیبت؟" وہ محسن کی بہت سنا چکے تھے اور شاید وقت سے وہاں پہنچے۔

"کیا بات ہے بیٹے! کیوں غصہ کر رہے ہو اس بے ماں باپ کی بچی پر۔ نوکر کو خود بھی پتا ہوتا ہے کہ وہ نوکر ہے۔ جو کام وہ کرتا ہے۔ وہ کام ہی اسے یاد دلانے کو کافی ہے کہ وہ نوکر ہے۔ اس حویلی میں کوئی بھی خریدا ہوا نہیں ہے۔ ہمارے نوکر ہی پشتوں سے چلے آ رہے ہیں لوگ کہتے ہیں ہم نے خرید رکھے ہیں۔

تمہارے بابا صاحب بڑا سے دو لڑکیاں لائے تھے۔ مول۔ ایک اور بھی تھی۔ گوری گوری چھوٹے چھوٹے قدموں کی۔ میں نے تو تمہارے بابا صاحب کی جان کھالی۔ ایسی کبوتروں کی طرح سہمی ہوئی تھیں کہ میرا تو دل ہی بھر گیا۔ وہ واپس بھیج دیا تھا میں نے تو۔ وہ جیسے بھی ہوئے تھے کہ تمہاری خدمت کو لایا تھا۔ میں نے کہا میں نہیں پلنی ایسی کی خدمت سے۔ میں بھیجے کو کیس اوپر سے دکھاوے کو خفا ایانی پالیں۔ مور چھل جھلائیں۔ نہ بابا۔

جس کا خدمت کرنے کو جی نہ چاہے۔ چلا جائے حویلی سے ہم روکیں گے نہیں۔ اگر اس کا کام میں دل نہیں لگے گا تو سول آنے سے کہہ دوں گی واپس گاؤں چھوڑ آ۔ بس۔

بیٹے اگر اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو آسمان نہیں ہو گی۔ اب تم میرے پاس بیٹھ کر کوئی خوشی کی بات کرو۔ جاؤ چائے کرنے کا خان کہلے۔"

اماں جی نے اس کی فاختہ کا رول یوں ادا کیا جیسے کوئی یاد کیا ہوا سبق سناتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اپنی آواز میں اور اپنے جملوں سے گھبراتی تھیں۔ اس لئے بھی مستقل بولنا مشکل کر رہی تھیں۔

"اماں جی!" تیمور علی خان زچ سے ہو گئے۔

"اب آپ کو کچھ پتا ہی نہیں تو کیوں اس احمق اور گنوار کی حمایت کر رہی ہیں۔"

"ہاں تو پھر پتا کرا دو ناں مجھے؟" وہ جھلا گئیں۔

"تمہیں ہم نے کہا تھا ناں کہ حویلی سے باہر قدم نہ نکالنا۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا؟"

وہ ماں کو جواب دینے کی بجائے اس سے مخاطب ہوئے۔

"میں اکیلی نہیں تھی خان۔ بی بی جان اور"۔

"شٹ اپ۔ جب تمہیں کہہ دیا تھا تم باہر نہیں جاؤ گی تو اکیلی ہو کسی کے ساتھ۔ حویلی یہاں عزت کی علامت ہے۔ کوئی تماشہ ہوا تو گاؤں والے بابا صاحب کے بارے میں کیا سوچیں گے کہ وہ کن لوگوں سے تعلقات رکھتے ہیں۔ وہ ایک طرف سے تم جہنم میں جاؤ مگر ہم تمہیں اپنے خاندان کیلئے معیوب نہیں بنا سکتے۔" وہ اٹل تھے۔

"کیا بات ہے بیٹے! مجھ سے بھی تو بتا۔ آخر معاملہ کیا ہے۔ خدا خیر کرے کیا بات ہوئی ہے کہ تم اتنے"

"...تا نہیں خود سنبھال لوں گا۔"

ماں جی تیمور کے غصے سے پہلے ہی پریشان ہو گئیں۔

"اب ہی تجھ کو غصے سے بولنا کیا کہہ رہے ہو؟ خاندان کی بات ہوتی ہے اس کے گھر سے لوگ ہمارے گھر میں کیا کہیں گے؟"

"جب خاندان سے نالی تھیں آپ نے دفع کیا تھا کہ پھلتی ہے اس کی بھتیجی کو۔ اس کے گھر والے کیوں میں کیا کہیں گے؟" وہ ماں کی طرف پلٹے۔

"بیٹا وہ کیا کرے تھا بیٹے وہ تو سال سے حویلی میں ہے۔ عزت دار ہے گھر عزت ہے۔ آج تک کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوئی۔ عزت کرکے جاتی ہے۔ خوش خوشی خدمت کرتی ہے۔ کھتی ہے۔ اس سے معاملہ کیا ہے کے سوال کا جواب کرتی ہے۔ اماں جی نے خاصی حیرت سے ان کی صورت دیکھی۔

"لیکن جب کوئی حویلی میں آئے آپ کو اس کا اتا پتا معلوم کرنا چاہیے۔" تیمور نے اسی انداز میں کہا۔

"میں پتا تا ہے کہ یہ سول آنے کی بھانجی ہے۔ اور سول آنے نے ایک اصیل دکھی عورت ہے۔" اماں جی نے سادگی سے جواب دیا۔

"تجھے بچی کی کوئی غلطی دکھی ہے؟" سادہ پوچھ گچھ پر چیخے تھیں۔ تجھ نہ سوجھ رہے۔

"اماں جی! انہیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ یہ بہت کم عمر اور بے وقوف ہے۔ اور کوئی بھی سمجھ سوجھ رکھنے والا انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ زیادتی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ تو پھر ان حویلی کی ملازمہ ہے۔ اگر اس کے ساتھ زیادتی ہو گی تو ہمیں بہت دکھ ہو گا۔" وہ اٹھ کر کہہ کر باہر چلے گئے۔

مطربہ کچھ یہ جملہ بڑی محبت کی کمائی لگا۔ یہاں وہاں رنگ برنگی آنچل بازی چھوٹی محسوس ہوئی۔

جن کا دھیان وہ خیال ہر آن رہتا ہو۔ ان کی خیر گیری کے انداز محسن کے ہمارے کو کافی رہے ہیں۔

"کوتا وا بھلا کر کھو دیا ہے مجھے۔ جیلی معرسیدھا کرتی رہوں۔ تو تا اگر کوئی بات ہے۔" سیدھی سادی اماں جی بہت الجھ ہی تھیں۔

مطربہ نے نظریں اٹھا کر ان کی سمت دیکھا۔

"آپ خالہ سے پوچھ لیتا اماں جی! مجھے تو خود بھی کچھ پتا نہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"میری بات تجھے نہیں پتہ تو سول آنے کو کیا تک پتا ہو گی۔" اماں جی جھلائیں۔

"آپ یقین کریں اماں جی! میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے نہیں آپ کے پاس؟" وہ ہار گئی طرف پلٹی۔

"ہاں ہاں۔ بھیج رہے۔ تو بیٹھ تو سہی کتنا کام ہے۔" اماں جی نے سر تھاما۔

"آپ نے بلایا ہے ماں جی؟" خالہ گھر سے میں داخل ہوئیں۔

"ہاں۔ سول آنے۔ بیٹھ۔" اماں جی نے بھی شکوے کا آدھا ادھورا اظہار کیا۔

"جی۔" خالہ قالین پر بیٹھ کر پائیاں کا بڑا گھر لے کر بیٹھ گئیں۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com

www.Paksociety.com

"سولہ آنے تو نہیں بتایا تھا اس لڑکی کے ماں باپ مر گئے ہیں۔" اماں جی نے ناگواری سے کہا۔

خالہ ایک دم لپک کر گئیں مگر نظریں نہیں اٹھائیں۔

"مرے ہوئے ہی سمجھ لیں۔ خیریت؟ آپ کو یہ کیا دھیان آیا۔" ان کے لہجے میں فکرمندی کا تاثر تھا۔

"یہ خاصید جواب دے سولہ۔ کیا کہوں۔" اماں جی کا تو ویسے ہی سر دکھنے لگا تھا۔ انگلی سے بولیں۔

"کوئی بات ہوگئی اماں جی؟" خالہ کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"مجھے تو نہیں پتا لیکن لگ رہا ہے کہ کوئی بات ہوگئی ہے۔ تبھی تو ضد کر رہے تھے۔ زرجان بالو کو اور بار بار یہ کہہ رہے ہیں کہ گھر سے باہر نہیں جانا تجھی۔ کیا کہہ رہے ہیں ایسا۔ تجھے ضرور پتا ہوگا۔" اماں جی گویا ہوئیں۔

خالہ سر جھکائے سوچتی رہیں۔ پھر گلا صاف کر کے بولیں۔

"اماں جی آپ کو تفصیل اس لئے نہیں بتائی تھی کہ بچی کو موبلی دا... لیکن لگتے ہیں... وہ تو معلوم ہے بے قصور ہے۔"

"ہیں؟" اماں جی گاؤ تکیے سے لگی ہوئی تھیں، چونک کر الٹا بیٹھیں۔

"یہ بھری سگی بھانجی نہیں ہے۔ مگر ہے بہت مظلوم۔ ہندوستان میں اس کی نانی کا گھر سرحد کے بالکل قریب واہگہ سے جڑا ہوا تھا۔ دونوں گھروں میں۔ پاکستان بنا تو ہجرت بھی ساتھ کی۔ پھر ایک ہی جگہ رہے۔ اس کی نانی اغوا کیے جانے کی واردات میں گرفتار ہوئی تھی۔ مشتری اغوا کرنے والی کے نام سے ساری عمر ہندوستان میں مشہور تھی۔

ایک سید زادہ اس پر فدا ہو گیا۔ نانی کے رشتوں میں سے ایک تھا اس کا گھرانہ۔ اس نے زرجان کی نانی سے چھپ کر شادی کر لی تھی اور کہا تھا کہ آہستہ آہستہ راستہ بنا کر اپنے خاندان میں لے جائیگا اس سے شادی کے بعد مشتری اغوا کرنے والی نے رکنا تو کجا اور گنہگاری میں چلی گئی تھی۔ مگر تھی بالا خانے میں ہی اپنی ماں کے پاس۔ بہت عمر تھا تھا جس اس کی ماں کا بھی تو نہیں ہوئی تھی۔

وہیں زرجان بالو کی ماں شہر بانو پیدا ہوئی۔ مشتری کی ماں "ماں تو آپ کی نانی لالچی ہوتی ہیں۔ یہ عورتیں اس کی تو ہوں بھی روح فنا ہو رہی تھی کہ کیسے وہ مشتری کو جب اپنے ساتھ لے جائیگا تو طوطے کی طرح کیسے چھین کر لے جائیگا۔ نانی چھپا دیتی اس کے آدمی کو کہہ دیا کہ لڑکی پیدا ہوتے ہی مر گئی۔ مگر فرار ہی مر گیا۔ آپ بالو اماں جی ان عورتوں کی جو اگیاں۔ کچھ عرصے بعد مشتری کو اس کا مرد لے گیا۔ مگر اس بدنصیب کو چار دن بھی خوشی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے مرد کو کسی نے دشمنی میں گولی مار دی۔ اس کے گھر والوں کو تو مشتری ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ اکلوتی اولاد کے سامنے جھک گئے تھے۔ جب ذرا قابو پایا تو وہ کیا تھی۔ ان کی عمر بھی پوری کر لے نہیں دی گھر سے گھر سے، کپڑوں میں نکال باہر کیا۔ یوں وہ دربدر ہوتی ہوئی آ آباد ہوئی۔ بھرے اپنے لیکن کہنے کو یہاں ہم سب سے پوچھ بھی گچھ لگے۔ عمر بھر مزدوری کر کے پیٹ پالتی رہی۔

ایک روز ولی میں اسے اپنے وہاں کا خواجہ سرا اکثر گیا۔ اس نے بھید کھول دیا پھوپھی پر۔ اس کے وہاں تو اکثر آتی جاتی ہوئی تھی اور وہ زندہ ہے اور تیری ماں اس کی لڑکی کر رہی ہے۔ پھوپھی کے تو چھکے چھوٹ گئے۔ اس نے سید زادے کے سامنے ہاتھ اٹھایا تھا کہ مر جائے گی مگر وہاں نہیں جائے گی۔ اب اس کی اولاد وہاں تھی۔ اس سید زادے کی تو

وہ ہو گئیں۔ ایک دن گھر سے نکلا کر اپنا بچی کو لے کر بھاگ گئی اور وہ کار بھی اس کی پیچھے۔ پھر یہی پھوپھی نے اس کی پرورش کی۔ اگر وہ اس کی تربیت بھی کرتی۔ پھوپھی بے چاری کیا کرتی۔ عمر بھر اگر سر پیٹتی رہتی۔ اگر وہ اس کی بات کا اعتبار کرتے۔ گواہیاں دیتے۔ وہ تو الٹا ہتھکڑیوں لگتے سو رہا تھا۔

"اس بے چاری نے اول پھر کیا تھا۔ جل کر آتی تھی تو ماں روتی تھی۔ سنا ہے باپ کے آگے اس کی پیش نہیں چلتی تھی اس عالم نے کہ بچی سے ماں کو ہی کھلوانے لگی۔ یوں شہر بانو اپنی ماں کو پہچانے لگی۔

وہ لوگ اسلام سے گھر بھر کر کے سندھ میں آباد ہوئے تھے۔ پھوپھی والی پالی چھوٹی تھی بچی سے بڑے کیلئے۔ وہ اس آجانے تو وقت سے پہلے ہی بہت بڑی ہو گئی تھی۔ غربت اور پھر مستقل غم۔ بیوگی اور محبت کی شادی کی ہوئی۔ شہر بانو کا گھر اس کے پیار کی پہچان تھی۔ اس نے یہ جتن کیے کہ شہر بانو اس ماحول سے نکل آئے مگر کچھ نہ ہو سکا۔

شہر بانو نے اپنے آپ کو دریافت سندھ کے ایک لڑکے سے کالج میں شہر بانو ہو گئی۔ چھپ کر نکاح کر لیا۔ مگر وہ شہر بانو کے باپ جیسا سرکش تھا۔ پھوپھی شہر بانو کے اپنے مزاج کا بھی مکمل مکمل تھا۔ گاؤں چلی گئی اپنی نانی کے پاس۔ وہیں زرجان بالو پیدا ہوئی۔

پھوپھی نے کہی تو اس کی اپنی ماں کا آخری وقت تھا۔ کہتا تھا۔ پھوپھی کہ میں کر بچی کو میں پال لوں گی۔ اسے کیا لگتا ہے زرجان بالو کو ساتھ لے آئی۔ شہر بانو کو گزرے اور اکیلی ماں سے لطف ہو سکتا تھا۔ اس کی تو جیسے جان چھوٹی اسے تو بے فکری مل رہی تھی۔ محبت بچی ماں کے حوالے کر دی۔ سوچ رہی ہوگی کہ ماں پال پوس کر جوان کرنے کی ذمہ داری اٹھائے۔ دکان پر لگا دے گی۔

اب پھوپھی اتنی بھی سیدھی نہیں تھیں کہ اپنے طور پر کچھ سوچ ہی نہ سکیں۔ زرجان بالو ابھی بہت چھوٹی تھی کہ پھوپھی نے مجھے کہا تھا کہ جب یہ بڑی ہو جائے تو اسے جو بیاہ لے جائیگا وہیں اس کی شادی کر دینگے۔ پھوپھی کو اس ماحول سے نفرت ہو گئی تھی۔ پھر گاؤں میں لوگوں نے اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ گاؤں کے پٹواری کی بیوی سفید ہو گئی تو اس کی اولاد کو بھی پھوپھی نے پالا پوسا۔ انہوں نے پھوپھی کا بہت خیال رکھا۔ پٹواری کے تینوں بچے پھوپھی نے پالے۔ تینوں پھوپھی کو اپنے اپنے کی بہن سمجھتے ہیں۔ پھوپھی کہتے ہیں۔ "ایک لڑکا ہے سردار، وہی خیال رکھتا ہے۔ اب پھوپھی کا۔ اسی کو زرجان بالو سردار ماموں کہتی ہے۔ تجھ سے بڑی بچوں والا ہے۔"

خالہ اب خاموش ہو گئیں۔

اماں جی بھی سالن بھرے کٹورے کی طرف ہی تھیں۔ خالہ کے چپ ہوتے ہی چونکیں۔

"سولہ آنے... اچھے بھلے باپ کی اولاد ہے زرجان بالو۔ مجھے پتا نہیں کیوں ہے وہ ویسا۔" اماں جی کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"بالے اماں جی اس نے اپنے ددھیال والوں کو دیکھا ہی نہیں۔ ایسے میں ماں کی پرورش ہی ہوتی ہے۔ پھوپھی نے بھی اپنی اولاد کی طرح پالا ہے۔ کچھ تو اثر ہوگا ہی۔" خالہ نے اپنی دانست میں بھی بات کہی تھی۔

"آپ بھی عجیب ہیں۔" خالہ نے اپنی دانست میں بھی بات کہی تھی۔

www.Paksociety.com

"تو کیا فلاح کے بعد سے پتا نہیں چلا ہوگا کہ اس کی عورت کے کچھ ہونے والا ہے؟" اماں جی کو یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"اب کیا پتا ان کے چکر ہوں گا۔ ایسی غیرت مند ہوتا تو خواہ کر عورت کو اس ماحول میں چھوڑا ہی کیوں؟" خالہ نے کہا۔

"ہے تو بہت کچھ والی مولا نے"۔ اماں جی نے خالہ کی کھوپڑی کو بڑی فراخدلی سے سراہا۔

"تا تو یہاں وہاں اپنی اولاد چھوڑتے پھرتے ہیں۔ کیسے سر سے اولاد شیر ہوتے ہیں لوگوں کے۔ تجھ سے تا رہا خاص ملکوں میں اتنی غربت ہے کہ لوگ پیٹ کی خاطر اپنی اولاد بیچ دیتے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا مگر اب آ رہا ہے۔ پتا ہے قرآن کے کلام میں بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے دل پر مہر لگی ہوتی ہے اور سچ سچ کہتا ہے اللہ ایسے لوگوں کو۔

ﷺ ﷺ ﷺ — تا تو بے قصور ہے بچے۔ میرے بچوں کو بخار چڑھ جائے تو مجھے ساری رات نیند نہیں آتی۔ روزہ سے حشر کی آخری چار آیتیں پڑھ کر اپنے بچوں پر دم نہ کروں تو چین نہیں آتا۔ میں تو دم کیے بغیر بچوں کو باہر نہیں نکلنے دیتی۔ تجھ بڑی آگ ہوتی ہے اولاد کی۔ کتنا بھاگ ہوتا ہے سہاگ کا جوڑا۔ اسے پہننے کے بعد عورت اپنے لئے کب راضی ہے۔ تا لاؤں کیسے کیسے لوگ ہیں دنیا میں۔ کس قدر حسین بچی اور کتنی بدنصیب"۔ اماں جی کی جان کو ملال لگنے لگے۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں اماں جی؟" خالہ نے دبے لہجے میں کہا۔

"کس بات پر؟" وہ حیران ہوئیں۔

"زلیخاں بانو کے حویلی میں رہنے پر؟" خالہ نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا۔

"بھلی لوگ۔ بے تو میرے اوپر بچے نصیب ہیں کہ کسی دکھیا بے آسرا کو میری چھت کے نیچے امان ہے۔ اللہ جزا دے ان لوگوں کی بھلا کرے۔ یہ توفیق خوش بختوں کو ملتی ہے۔

اس کی ہانی کے نام کی روٹی بھی بھجوا دیا کر ہر جمعرات کو غریبوں میں۔ بیاز کا تھیلا بھی دلایا کر اس کے نام کی۔ ولی علوم ہوتی ہیں یہ عورتیں۔ معلوم نہیں کیا کیا بھیجتی ہوں گی انہیں۔ مجھے پتا نہیں رہنے کا حال۔ کتوں کو سوئے پر مارتے کھلاتے ہیں۔ اور ان عورتوں کی چاندیں ٹوٹا تو ہے ہیں۔ اور پھر — اب کیا کہوں سوا آنے۔ بہت بری ہے ایسا ایک میری اکیلی جان۔ اور اتنے دکھ۔ اور اچھا ہوا۔ یہ بھی کسے پتا چلا۔ تو نے بتایا تھا؟" اماں جی کو گمان آیا۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی اماں جی۔ پر حوا آئی تھی اوہ بدنصیب"۔ خالہ نے بے زاری سے کہا۔

"کون؟" اماں جی سمجھیں نہیں۔

"وہی — تصور بانو — اس کی ماں"۔ خالہ نے ناگواری تاثرات کے ساتھ بتایا۔

"ہیں — کب — تو نے مجھے کبھی بتایا"۔

"بس مجھے یہی خیال تھا کہ حقیقت کھلنے پر کہیں بے چاری اور بدنہ ہو جائے جو اسے اتنی قدر اور عزت ملی ہے تجھ سے۔ چاہے اب اس اماں جی آپ سے یہی درخواست ہے جو پہلی تھی اور کسی کو کچھ نہ بتائیے گا"

"ارے مجھے کیا بتانے کی ہے۔ اچھی بات ہے جو ہوا اچھا ہوا۔ اب بھی نہیں سمجھی مجھے۔ تجھ پر تو بڑا کہر ٹوٹا تھا کہ یہاں آئی تھی وہ یہاں؟" اماں جی نے تعجب سے سوال کیا۔

"بس ان کو ترجمانی کو لیے آئی تھی۔ مگر اصل بات کچھ اور ہی ہے کچھ اور ہی ہوگا"۔ وہ حل نہ کر سکیں۔

"تجھ پر انتظار — کہیں پہلی تھیں مصروف ہیں۔ کتنی بھر ہوتی ہیں عورتیں۔ سمجھ کیا سکا"۔

"تجھ بتا اماں اور یاد رکھنا اس نے صاف جواب دے دیا کہ ہماری ملازمت ہے ہماری مرضی کے علاوہ کہیں نہیں جا سکتی"۔

"یاد رکھی ہو گی اس عورت نے"۔ اماں جی چڑ گئیں۔

"جی — دونوں بھائیوں نے بات کی تھی"۔ خالہ نے جواب دیا۔

"پھر بھائی"

"پھر کیا — دھمکی دینے لگی۔ غصہ کھانے لگی۔ تب یاد خالہ نے کہا کہ دھمکی دو کو ٹھکرا کر پچھتاوا جاتی ہے وہ لوگ"۔

"تو تا — اسے بیچ میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو بے شعور ہے جو ساتھ چل پڑی۔ تو مجھ سے کچھ نہ چھپایا کر سمجھا آئے"۔ اماں جی کو غصہ آ گیا۔ "تا تا کیا کہا تھا اس نے؟"

"اس نے انکار کر دیا۔ بولی میں تو اس عورت کو نہیں جانتی"۔

"شرم نہ آئی"۔

"پھر کچھ نہیں بولی اس کی ماں؟"

"دھمکی دے کر چلی گئی تھی کیا"۔ خالہ نے کہا۔

"اچھا تب ہی تجھ واپسے کر رہا ہے۔ ٹھیک ہی کر رہا ہے۔ کیا بھروسا ایسے لوگوں کا۔ کیوں —؟" اماں جی نے کہا۔

"جی — ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ میری تو اس دن سے نیند یں ہی اڑ گئی"۔ خالہ فکرمندی سے بولیں۔

"تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ مالک ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ دونوں بھائیوں کو یہ سارا قصہ پتا لگ گیا۔ تجھے شک جان کر پتا لگ جاتا تو اس عورت کا دماغ اسی وقت ٹھیک کر کے رکھ دیتے۔

جس نے لقمہ کرم کیا۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو تو بیچ کام کر"۔

اماں جی پرسکون ہو گئیں۔ خالہ نے اطمینان کا سانس لیا۔

[illegible] آئی ہوئی تھی خبر۔ [illegible] ہوئی تھی۔ سب باغ میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ یاور علی خان کی ضروری کام سے جانا پڑا۔ جا رہے تھے۔ زارین کو بھی ساتھ لے جانا تھا۔ مگر وہ باغ میں ہی آموں کو دیکھتی رہ گئی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تاکہ یاور علی خان تیار ہو رہے تھے۔

www.Paksociety.com

"اماں جی! ٹھیک نہیں کہتی تھیں۔ کہتے اچھے ہیں تھوڑا تھوڑا ایک ایک مرکب سے فائدہ ہے کوئی نہ کوئی تو لگ ہی جائے گی۔"

رفیعہ بیگم نے بہت ہی پیار سے آئل پلیو کرنا شروع کر دیئے تھے۔ ہلکی ہلکی مالش کرتی ہوئی وہ بولیں۔

"شروع میں تو سب ہی اچھے ہوتے ہیں۔" ثمرین ہنسیں۔

"پھر وہی بدشگونی کی باتیں۔" اماں جی نے ٹوکا۔

"اچھے خوش ہوتے ہیں تو بس خوش ہوتے ہیں۔ الٹا پلٹا کچھ نہیں سوچتے۔" ثمرین نے ثمرین کی ٹھوڑی کو محبت سے چھوتے ہوئے ان کے رخسار پر چٹکی بھری۔

"چھوٹی بھابی کو دیکھ کر تو فرشتے دنیا کے بارے میں "سب اچھا ہے" کی رپورٹ لکھتے ہوں گے۔" ثمرین نے شرارت سے کہا۔

"اماں جی! آج آپ نے ہمارے لئے کیا پکوایا ہے۔ وہاں سسرال میں تو ہمارے تکلیف کے مارے برا حال ہے۔"

"ہے ناں بدشگونی۔ کیوں کرتی ہے تکلف۔ تیرا گھر ہے وہ۔"

"ہائے اماں جی! اتنے مہمان رکے ہوئے تھے وہاں کیا کہیں۔ مجھ سے نہیں کھایا جاتا لوگوں کے سامنے کھانا۔"

"جب اکثر سب اچھا ہو تو باہر بھی سب اچھا نظر آتا ہے۔" ثمرین نے شوخی سے نہیں چھیڑا۔

"دعا دیں میرے بھائی کو۔ مجھوں میں عالم فاضل بنا دیا ہے آپ کو۔" ثمرین نے بھی جوابی کارروائی کی۔ ثمرین کے پیر سے پر چیا کے رنگ بکھر گئے۔

"کون سے والے بھائی کی بات کر رہی ہیں آپ؟" ثمرین ان سب کو اوجھل ہوتے ہوئے وہیں آ گئے تھے۔

"جن کا یہ سامان ہیں۔ ظاہر ہے اچھی خاصی بات کریں گے۔ تمہارا کام دیکھنے کا شوق ضرور ہے مگر ابھی اس میں دیر ہے۔" ثمرین کھلکھلائیں۔

"نہیں! آپ حکم کریں تو ابھی ابھی دکھا دیتے ہیں کام۔" وہ دل کی سعادت مندی سے گویا ہوئے۔

"جی نہیں۔ ہمارے ہاں جوتیاں سیدھی کرنے کا رواج ہے۔ آپ بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کریں۔"

"بعض اوقات انقلاب بہت ضروری ہوتے ہیں بابا۔" ثمرین نے مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی۔

"بابا والا لے تو بہت رہا ہوگا۔" رفیعہ بیگم نے ٹھوکی دی۔

"آپ لوگوں کو نئے نویلے جوڑوں پیڑوں کا اتنا ہی شوق ہے تو فکر نہ کریں ہم بابا آپ کے لئے بھی بہت سے لائیں گے۔ انکل بابے پیڑ نہیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ وہاں سے بھجوا دیں گے۔"

"اماں جی! ماہا چھوڑیں میں کھانا لگاؤں۔" سفریہ ثمرین کی پشت کی طرف کھڑی اماں جی سے مخاطب تھی۔

"مردانے میں لگوا دے ابھی تو لڑکیاں ملنی ملانی کر رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد لگانا۔ وہ باری کو ساتھ لگا کر کہاں لے گئی ہیں؟"

"اماں جی! مجھے تو گڑبڑ کی بو آ رہی ہے۔ بس آپ تھوڑا کا لاج تو رکھ لیں۔ وہ ہمارے ہاں جلدی ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور مطالبہ ہو اٹھا لیں۔" ثمرین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تھوڑا پیچھا سلیٹ گیا تو مسئلہ ہو جائے گا۔ اماں جی کو اس عمر میں انگلش سمجھنا پڑے گی۔ کہیں کہ وہ ہماری اماں جی کو اٹھ کے سامنے ہی نہ کھڑا ہونے دیں۔" ثمرین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے آگے لگے اس انگریزی کو۔ اتنی مشکل سے تو جان چھوٹی ہے کھانے سے پہلے بھرے باپ کے پاس بیٹھیں ہوتی انگریزوں کی۔ گوشت کی طرح جگتی ہے بھرے ہاضمہ۔" اماں جی نے ناگواری سے بولیں۔

"جب ہی تو کہتے ہیں اس مرتبہ ہو کر آئیں۔"

"چلو تم لوگ تاؤ دے کے بھاوج ماں کی۔ خاندان بھلے والے سب ہی کی لڑکیاں دیکھ بھی ہیں تم لوگوں نے۔" اماں جی نے مسکرا کر گویا شرارت میں ثمرین کو بھی ساتھ لپیٹ لیا۔

"جاؤ بچے مردانے میں۔ کھانا لگ رہا ہے۔ پہلے کھانا کھا لو۔" اماں جی نے کہا۔

"بھوک نہیں ہے ابھی۔ ہم پر ہلکا سا ہاتھ رکھوا رہے ہیں۔ ایک گھنٹے بعد اکٹھے ہی کھانا کھا لیں گے۔"

"اس اندھیرے آنگن اور کالا سمندر میں تنہا رہنے لگی۔"

"اماں جی! کراچی سے ٹیلی فون آیا ہے۔" سفریہ پھر آ گئی تھی۔

"کس کا؟ کون سے ٹیلی فون پر پوچھا تھا تو نے۔" اماں جی کھڑی ہو گئیں۔

"تھوڑا ناں کے کوئی دوست ہیں۔" وہ جھجکی سے بولی۔

"پاگل ہے پاگل۔ مجھ سے پوچھ کر کے تیرے ناں کو دے۔" اماں جی دانتے پر ہاتھ مار کر وہاں سے چلی گئیں۔

"اسے تھوڑا سمجھ آتا ہے ہاں اس لئے آپ کی اماں پر بات اٹھا دی ہے۔" ثمرین ہنسیں۔

تھوڑا کا تکیہ پر ہاتھ ٹکا کر وہ بیٹھنے لگی تھی۔ سفریہ ان کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

اس کا دم نکلے جا رہا تھا۔ پرتگالی کہانیاں چلنے کی آواز آئی۔ تھوڑا کی ماں جو سفریہ کو اپنے پیچھے محسوس کر چکے تھے۔ یکدم تیزی سے پلٹے۔

"تھوڑا بھائی ہے یا لڑکی؟"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سطریں تو گویا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی۔

ہال میں بیٹھی ہوئی دیگر خواتین میں بھی کھلبلی مچ گئی۔ وہ اسی طرف حویلی کے پچھلے حصے کی طرف دوڑ گئیں۔ جبکہ تیمور علی خان اماں جی کا بازو تھامے کھڑا تھا۔ لوگوں میں گویا بھگدڑ مچ گئی تھی۔ اماں جی بلند آواز سے آیۃ الکرسی کا ورد کرتی جا رہی تھیں۔

"ارے یہ گاؤں بھی اتنے بازار جیسا ہے۔ کہیں چاقو کی طرف دھیان گیا ہو۔ مارکوں کی فوج آ گئی۔ اللہ رحم کرے۔" اماں جی کو یک دم سلطنت علی خان کا خیال آیا۔

"اب اسے بھی اکیلی کہیں جانے دو تیمور۔ اماں جی کیا ہوائی پستول چلا سکتے ہو؟ کون سا بندوق اپنے ساتھ لٹکائے پھرتے ہیں۔" ہاجرہ نے جواس پر قابو پا کر ساس کو تسلی دی۔

"ارے اس کا کوئی بھروسا نہیں آگے پیچھے بھی دیکھتا۔" اماں جی کی پریشانی کم نہیں ہوئی۔

"آپ اندر تو چلیں۔" نازیہ نے بھی جھلا کر کہا۔

دوسری طرف تیمور علی خان احمد سے گن لے کر واپس بھی آ چکے تھے اور تیزی سے چاقو کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جبکہ احمد حواس قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب کہ اس کے بائیں بازو سے آدھا کلائی خون بہتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"خان! آپ اندر چلیں۔ ہم لیٹ لے گا۔ صرف دو ہیں۔" چوکیدار نے اونچی آواز میں تیمور علی خان کو مخاطب کیا۔

"تم زیادہ ہوشیار ہے۔ تم اندر جا کر دیکھتے ہیں۔" تیمور علی خان کا انداز فیصلہ کن تھا۔

اسی دم ایک گولی فائر ہونے کی آواز سے ان کی طرف آئی۔ صرف ایک لمحے کی دیر تھی۔ اگر تیمور علی ایک طرف نہ ہوتے تو گولی سیدھی پیشانی پر لگتی۔

"خان۔۔۔ لگتا ہے کہ آپ اندر جا۔۔۔ خان ہم کو گولی مارے گا اگر آپ کو کچھ ہوا۔" چوکیدار نے احتجاج کیا۔

"ایسے کچھ نہیں ہوگا۔ تم اس بحث میں بلکہ کچھ ہو جائے گا۔" تیمور علی خان چڑ کر گویا ہوئے۔

"اماں جی (ابو جی) پلیز خان۔" چوکیدار کو احمد اور اس سے زیادہ "ڈنے خالیہ" کا خوف تھا۔

اسی دم بابا صاحب لالٹین کے ساتھ باہر آتے نظر آئے۔ ساتھ ہی باہر سے فائرنگ پھر شروع ہو گئی۔

"تیمور! اندر آؤ۔ ابھی۔" بابا صاحب کی گرج دار آواز سنائی دی۔

"کاکا جان۔۔۔ خون۔" گھگھیائی فراک پہنے ننھی گیند مارتی بھتیجی کو برآمدے میں آتی دیکھ کر چوکیدار کے بازو سے بہتا خون دیکھ کر ایک دم ہراساں ہو گئی۔

ایک لمحے کو تیمور علی خان کی تمام احساسی قوت ایک دم ہوا ہو گئی۔ ایک طرف بابا صاحب کا حکم، دوسری طرف چوکیدار پھر بھتیجی تھی۔

"بابا صاحب۔۔۔ پلیز آپ بچوں کو اندر لے جائیں۔۔۔" اس وقت سب سے بڑی ذمہ داری کی وجہ سے آواز خاصی اونچی ہو گئی تھی۔

چوکیدار ایک دہری گرفت میں آ چکا تھا۔

"ٹھک۔۔۔ گولی چلی تھی اور گر تیمور علی خان کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی۔ سالک جانتا تھا کہ کلہاڑے پر تیمور علی خان کی گرفت تھی اور مقصد انہیں زخمی کرنا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ سنبھلتے، وہ اور دیگر افراد جو پیچھے تھے، چاقو کا نشانہ بنا چکے تھے۔ چوکیدار کا اندازہ غلط تھا۔ وہ دو نہیں چار تھے۔ دو نے چاقو کے وار پر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تیمور علی خان اور چوکیدار کو گرفت میں لے چکے ہیں۔

بابا صاحب۔۔۔ لالٹین رکھ کر اندر بھاگے تھے۔ اس وقت ان کی عمر کا لحاظ کیے بغیر وہ ان پر حملہ آور ہوئے تھے۔

"گولی چلانے سے پہلے اتنا سوچو۔ میں نے کہا تھا۔۔۔ بچوں کو اندر لے جاؤ۔۔۔ اب تم کو گولی چلانا ہی ہے۔۔۔ اور تم گولی چلاؤ گے۔" بھاگتے ہوئے تیمور علی خان نے ہانک لگائی۔

"کون ہو تم لوگ؟" کیا تمہارا دشمن تمہارے گھر کی عورتوں سے واقف تھا؟" بابا صاحب کا ایک پاؤں برآمدے کی اونچی سیڑھی پر اور دوسرا نیچے تھا۔ انہوں نے قدرے بلند آواز سے تیمور علی خان کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہم سے پوچھو۔ اس سوال جواب کا ٹیم نہیں ہے خان۔ لڑکی اور بچے کو اندر لے کر۔" کہتے ہوئے تیمور علی خان نے ایک جست سے ایک۔ نے زخمی کیا۔

"لڑکی ... کون لڑکی"۔ اسے اونچے طبقے والوں کے ہاں سے اچھی خاصی کھلاڑی کی طلب ... ایک لمحے کو اس کا دل بیٹھ گیا۔

"زرتاج بانو ... شہر بانو کی لڑکی ..."۔ فوراً جواب آیا۔

"کیا بک رہے ہیں یہ لوگ تیمور؟" بابا صاحب گرجے۔ (اس قدر تیز انگیز ہے اس لڑکی کا حسن؟)

"وہ ہماری نوکرانی ہے تمہیں اس سے مطلب؟" وہ اپنی الجھن پر قابو پا کر تند و تیز انداز میں گویا ہوئے۔

"چاشنی (زیادتی) کرتا ہے تم اس کے ساتھ ... اس کی ماں کا چار و ناچار ... وہ بالکل اسامان ... وہ بھی کہ اس کا مزاج (مذاق) نہیں اسے تمہارے ساتھ بارا"۔

"وہ مت عمر لڑکی ہاہر لاؤ تو دت خان کو گولی مار دیگا" بھاگ کر کمرہ عدالت میں داخل ہوا۔

"کیا بک رہے ہیں یہ لوگ تیمور؟" بابا صاحب غضب ناک ہوئے۔

"زرتاج بانو کو لینے آئے ہیں"۔ تیمور علی خان نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔

"مگر کیوں؟" ان کی مجال کیسے ہوئی کہ وہ حویلی کی کسی لڑکی کا نام اپنی زبان پر لائیں۔ خواہ وہ ہماری نوکرانی ہو یا کوئی اور ... دونوں حویلی کی عزت ہیں"۔

بابا صاحب غصے سے جھاگ اڑانے لگے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فائر کر دیں۔

"ریلیکس کرو خان ... ریلیکس ہے"۔ ایک غلام نے خشونت بھرے انداز میں کہا۔

"بابا صاحب ... نہیں ... آپ اسے باہر نہیں لائیں گے"۔ تیمور علی خان بلا کے خود اعتماد اور بے خوف تھے۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ امام زادہ بس گھسے دو اسے۔ خان کو ساتھ لے جاؤ اسے ... لڑکی کو اس کے گھر پہنچاؤ ... اور یہیں سے لے جائیگے۔ ابھی خون خرابہ کرنے کا آرڈر نہیں ہے۔ اگر وہ دن میں لڑکی نہیں پہنچا تو ام بڑی عزت کے ساتھ خان کا سر اور چوڑ جائینگے۔ اب کچھ بولنے کا نہیں۔ چلو خان"۔

ان میں سے ایک نے اپنی بات مکمل کر کے تیمور علی خان کو آگے دھکیلا۔

مقدمہ ہال کمرے کی کھڑکی سے ناگ لگائے باہر کی کارروائی بغور دیکھ رہی تھی اور تھر تھر کانپ رہی تھی۔ گمان یہی غالب تھا کہ بس بابا صاحب اب ہلوانے ہی والے ہیں۔

مگر باہر کا پورا منظر دیکھ کر جانے کیا ہوا۔ باہر کی جانب سرپٹ دوڑ لگی۔

"رکو ... رکو ... تیمور ... خان کو چھوڑو ... میں چل رہی ہوں تمہارے ساتھ"۔

بابا صاحب کیلئے یہ اچانک افتاد تھی۔ وہ سنبھلنے بھی نہ پائے کہ وہ چاقو پر جھپٹ پڑی تھی۔ اس سے قبل کہ وہ کوئی اگلا اقدام کرتا ... وہ دو دو غلاموں کی گرفت میں تھی۔

جب تک جب اطلاع نہیں ہو گی انہوں نے تیمور علی خان کو نہیں چھوڑنا۔ بابا صاحب گن اٹھانے کے بارے میں سوچنے لگے۔ جب دیر ہے تو آگے بڑھی۔ دونوں غلاموں نے تیمور علی خان کو چھوڑ کر پیچھے کر دیا۔

تیمور علی خان بہت کچھ سوچے ہوئے تھے۔ مثلاً اپنی اپیل کو رد کیے جانے کے بعد انکے قریبی لوگوں سے اپیل کی سماعت کے بارے میں رابطہ کیا جائیگا۔ اس کی وکالت کرنے والے آئینگے۔ اس کے بجائے چچا کی اچانک آمد نے سب کچھ الٹ پلٹ کر دیا تھا۔

بابا صاحب کو کتنی جرأت اور ہمت کی اس لڑکی کو بچانے کے لئے کرنی پڑی ہے۔ اس کا اندازہ تیمور علی خان کو نہیں تھا۔

کیس جیتنے والے اس طرح کے معاملات بہت آسانی سے ڈیل کر لیتے ہیں۔ اس لئے دونوں باپ بیٹے اس واقعہ کا کوئی اثر نہیں لیتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ کس طرح بچنا خون بہا کرنا ہے۔

"خان ... اس بے وقوف لڑکی نے ساری محنت اکارت کر دی"۔ تیمور علی نے تکلیف پہنچاتے ہوئے بہت بری طرح محسوس کیا تھا۔

دونوں خاموش رہے جیسے انہوں نے کچھ کہا ہی نہیں۔

خواتین اندر آیات کا ورد کر رہی تھیں۔

"یا اللہ ... کیسی ہنگامی ہے ... پتا تو کرا کہ تیمور اور تمہارے بابا صاحب کہاں ہیں۔ اس اہل بہت گھبرا رہا ہے۔ کماؤ کی فصل کٹ رہی ہے حویلی کے سارے لوگ آج کل حویلیوں پر ہوتے ہیں۔ گھر پر صرف تیمور اور تمہارے بابا صاحب ہی تھے۔ تمہارے اور بھیجو شہر کی طرف گئے ہوئے ہیں"۔

اماں جی کے دل میں تو جیسے پھپھولے پڑے ہوئے تھے۔

"تو آپ عربانے میں کھانا کس لیئے لگانے کو کہہ رہی تھیں؟" نازنین نے پوچھا۔

"تمہارے بابا صاحب تو وقت پر کھاتے ہیں ظہر اور عصر بھی پڑھ کر گئے تھے کہ وہ کھانے کے وقت تک واپس آ جائینگے۔ پھر بھوجو بھی سرائے جا رہا تھا اس لئے کہہ رہی تھی"۔

اسی دم ماما لطیفی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔

"اماں جی ... بابا صاحب آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں"۔ اس نے پیغام دیا۔

"تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے پیغام خبر اندازہ کے بعد فوراً ہی اگلی فرصت میں ملنے کی بابت دریافت کیا۔

"خان جی وہیں ہیں"۔ ماما نے جواب دیا۔

"اماں جی ... آپ جائیں ناں ... پتا نہیں بابا صاحب نے آپ کو کیوں بلایا ہے؟"

"چلے" کہہ کر نورا بعد اماں جی کی چھٹی حس کی طلبی بری معنی خیز تھی۔ فطری طور پر حسنہ خانم کو تجسس تھا کہ آپ سے کچھ پریشان ہونے والے واقعے کا پتا کیا ہے؟

"خیر تو ہے ناں بابا؟" اماں جی کی چھٹی حس جیسے بیدار ہو گئی تھی۔

"ہوا آپ نے ابھی تک نہیں آئی ہو اوران کے ہاں گئے"۔ انہوں نے ماما کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں آئی"۔ اماں جی نے سر ہلا کر نفی میں جواب دیا۔

"تائی۔۔۔ اندھیر ہو گیا اس کی باتیں سنتے ہوئے۔ ہائے اللہ کیا کر گزریں گولیاں کون چلا رہا تھا؟"

"پتا نہیں اماں جی"۔ بابا کا جواب مضمحل آواز تھا۔

"توبہ۔۔۔ میری تو جان نکل گئی۔ سچ ہی تو بات ہے، مجھے اپنے بچے کی فکر ہو رہی تھی کہ اسے جوش کے باہر نہ نکلے ہو۔ شکر ہے میرے رب کا۔ میرا بچہ محفوظ ہے۔ ہائے اللہ کل کی خیر ہو۔" وہ بولتی ہوئی رکیں، دروازے پر کھڑے ہوئے بابا صاحب کے کمرے میں داخل ہو گئیں۔

"آؤ رئیس کی ماں"۔ بابا صاحب نے آگے بڑھ کر انہیں گلے سے لگا لیا۔

"خیریت تو ہے"۔ اماں جی نے پریشان نظروں سے باری باری باپ بیٹے کی طرف دیکھا۔

"یہ کون گولیاں چلا رہا تھا۔ میرے تو بچے ابھی سکتے سے نہیں نکلے ہیں"۔

اماں جی تیمور کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔ کمرے میں ایک عجیب سا کیا جانے والا معنی خیز سناٹا طاری تھا۔ فضا میں ایک عجیب غیر معمولی پن چھایا ہوا تھا۔

"یہ خان بابو کس حوالے سے تعلق رکھتی ہے؟" بابا صاحب نے دھیمے لہجے میں سوال کیا جو اماں جی کے دماغ میں دھماکہ مچا سکتا تھا۔

وہ بری طرح چونک گئیں۔

"خیریت؟" سوال آنے کی بھی تو ہے۔ اسی کے گاؤں سے تعلق ہے"۔ ان کے دل میں عجیب سا خدشہ جاگزیں ہونے لگا۔

"سوال آنے کا مرحلہ ہے؟ اسے بلوائیں"۔ بابا صاحب کا لہجہ قطعی اور تاثر فقدان تھا۔

"آپ مجھ سے پوچھیں جو پوچھنا ہے۔ مجھے سب پتا ہے"۔ وہ بے حد پریشان ہو گئیں۔

"کیا پتا ہے؟ کیا آپ کو یہ بھی پتا ہے کہ اس کا کسی شہر بانو نامی عورت سے کوئی تعلق ہے؟" ان کی آواز قدرے بلند تھا۔

"جی۔۔۔ پتا ہے"۔ وہ مجرموں کے سے انداز میں بولیں۔

تیمور علی خان نے چونک کر ماں کی شکل دیکھی۔ خان زادہ علی خان بھی الجھے۔

"ماں لگتی ہے وہ رخسانہ بانو کی"۔ وہ بہت آہستہ آواز میں گویا ہوئیں۔

"تو کیا ماں ہیں اس طرح جلیوں کو فسادوں سے اٹھواتی ہیں؟" ان کے انداز میں غصہ سی کی جانے والی تھی۔

"ہیں؟" اماں جی ڈھیل کر رہ گئیں۔ "کک کہاں ہے رخسانہ بانو؟"

"وہ گولیاں اسی لئے چل رہی تھیں اماں جی"۔ تیمور نے بہت حتمی سی آواز میں انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی۔

"کک۔۔۔ کیا مطلب؟" اس کا چہرہ فق سے مٹیالا پڑنے لگا۔

"لے گئے ہیں وہ اسے"۔ تیمور علی خان نے مطلع کیا۔

"ہائے میرے اللہ"۔ اماں جی نے سر پیٹ لینے والی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کی۔ "آپ لوگوں کے سامنے؟" انہوں نے تیمور سے غور کی سمت دیکھی۔

"یہاں سے نکلنے کے بعد پہلے تو صدقہ بانٹنے گا اپنے بیٹے کی جان بچ جانے کا۔ شکر ادا کرنے کی خاطر آپ کے سامنے ہی سے آپ اپنے طور پر جسے چاہتے کام الہام دیتے۔ انسان کو کسی معاملے میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اچھی طرح اطمینان کر لینا چاہیے۔ آپ نے ہمیں اندھیرے میں رکھ کر جو کیا اس کا کیا نتیجہ ہو سکتا تھا اماں جی؟"

خان زادہ علی خان کے انداز سے خفگی واضح طور پر جھلک رہی تھی۔

"خدا خیر کرے۔۔۔ وہ بھی بے آسرا لڑکی ہے"۔ وہ بے پناہ دہشت کرتے ہوئے بڑبڑائیں۔ "کیا کہتی ہے گولیاں چلا کر؟"

"ہمیں اور ہمارے اعوان انصار کو ہلاک کرنا چاہتی ہیں۔ کیا ہم پر تمام الزام گولیوں کی اندھا دھند ہے؟"

"میں اس بات سے الجھن ہے کہ یہ خدا مارے ہوائی کیوں؟ اس کی خبر اندھا دھند ہی آپ پر آتی ہے"۔ بابا صاحب کو بس روکھے پن سے بات کرنا ہوئی تھی۔

"جب آپ نے اسے عورتی میں رہنے کی اجازت دی تو کیا آپ اس کے تمام حالات سے باخبر تھیں؟" انہوں نے بیٹے کے نرم اور پریشان چہرے پر ایک چبھتی سی نگاہ ڈالی۔

"پتے تو نہیں تھی باخبر۔۔۔ البتہ بعد میں سب کچھ معلوم ہو گیا تھا"۔ وہ دھیرے سے گویا ہوئیں۔

"کیا کیا معلوم ہوا بعد میں؟" خان صاحب نے کریدا تھا کہ وہ اس سادہ مزاج اور بھولی صورت کے سامنے کھل کر ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اماں جی نے تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"بتائیے تم تائی اماں اپنے بابا صاحب کو"۔ وہ بھرائیں سے کہہ رہی تھیں۔

"لیکن اماں جی۔۔۔ مجھے بھی تو صرف اتنا پتا ہے کہ وہ شہر بانو کی بیٹی ہے اور بس"۔ تیمور علی خان نے انہیں بتانا چاہا تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"جانے دیجئے اب اس قصے کو۔۔۔ وہ بدنصیب تو اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اب ان باتوں سے کیا حاصل ہائے۔۔۔ اس کی قبر بھی بہت دور ہے۔ اس بے حس سے اللہ سے ملائے"۔

"تائی۔۔۔ آپ دونوں کے سامنے وہ اسے لے گئے؟ کیسی ہولناک پل تھے۔ رونے والی۔۔۔ کیا حال ہو گا اس کا۔۔۔ کیا کھاتی ہے وہ موت سے؟۔۔۔ کیسا جگر دل ہے اس کا"۔ اماں جی کی آواز بھرا گئی۔

"تائی۔۔۔ لڑکیاں تو کتنا پیار کرتے گی تھیں سب اس سے۔۔۔ کم از کم ہمیں بے وفائی کی زندگی سے تو بچا لیتا"۔ اماں جی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ آنسو پونچھے گئیں۔

"تیمور! جاؤ بیٹے اپنا کام کرو۔ اب کیا ہو سکتا ہے"۔ بابا صاحب نے کہا۔

تیمور کسی گہری سوچ سے چونک کر اٹھا۔ کمرے سے باہر نکل گئے۔

www.Paksociety.com

"آپ ادھر آ گئیں ہمارے پاس"۔ بابا صاحب نے اماں جی کو اپنے پاس بلایا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی ان کے قریب کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"یہ ہے ہمارا وطن جہاں آپ کی بہترین خوبی ہے، وہیں آپ کی شخصیت میں خامیاں بھی ہیں۔ لیکن یوں بھی کہیں ہونا چاہیے کہ انسان اصول لے کر ہی بیٹھ جائے۔ اگر انہیں آپ سب کچھ نہ بتاتیں تو ہم کیا کر لیتے۔"

"بس غلطی ہو گئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ سب بھی ہو سکتا ہے"۔ وہ جیسے جرم کا اقرار کر رہی تھیں۔

"کیا آپ کچھ نہیں کر سکتے اس کیلئے؟" انہوں نے مدطلب نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

"کچھ لوگوں کے ساتھ معاملہ ہوتا تو بہت کچھ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن بھول! آپ نے کر تو کچھ نہیں لیا اس کی اپنی ماں کی جان بھی خطرے میں ڈال دی۔ اگر کچھ لوگوں کی مالک عورت اپنے ہاتھ سے چلا بھی جاتی ہے تو بھی وہ کسی مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔ چار کوٹھی

"ہیں — اتنے جلدی اور کیسے؟" یہ مطربہ بھی اپنی جگہ سے نظر نہیں آئی۔ "کچھ پتا چلا کہ یہ بخار کیسے ہوا؟"

"چھوٹے خان سے پوچھ لیں ابی جان۔" ماما نے پیغام دینے سے معذرت کرلی۔

نزہت آپی خود پر آپی متوجہ نہیں کہ وہ ماما کے غیر معمولی انداز پر دھیان دینے لگیں۔ اور سوچتے ہوئے انداز میں تیمور کے کمرے میں جانے کیلئے زینے کی طرف بڑھیں۔ کمرے کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر سوچا بہت آہستہ سے دستک دی۔

"ہوں — کون ہے؟" تیمور علی خان کے انداز میں جھلاہٹ تھی۔ نزہت آپی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں۔

"آپ — آپ ہے آپا۔" تیمور بستر پر نیم دراز سر کے نیچے ہاتھوں کا تکیہ بنائے جانے کس دھیان میں تھے۔ ایک دم سیدھے اٹھ بیٹھے۔

"گئے نہیں؟" وہ زیر لب کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"کہاں؟" وہ گم صم انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"سرائے — اور کہاں؟ کہاں تو تم پر سوار تھا کہ گھاٹا بھی نہیں گھمارہے تھے۔"

"ہوں — بس — ویسے ہی موڈ نہیں بن رہا۔" وہ نظریں چرا کر گویا ہوئے۔

"یہ ٹائرنگ کیسی تھی تیمور؟ وہ ادھر ساری خواتین ابھی تک سہمی بیٹھی ہیں۔"

وہ جانے کیوں ٹھٹک گئی تھیں۔ اس پر سے تیمور کا روکھی بیزاری کرنا۔ گم صم سا نظر آنا۔ ان کے بے وجہ پریشان کررہا تھا۔

"ایک حادثہ ہو گیا ہے آپا۔ حیرت ہے آپ ابھی تک بے خبر ہیں۔ کسی ملازم نے بھی نہیں بتایا۔" وہ بہت آہستہ آواز میں بات کررہے تھے۔

"کیا؟ کیسا حادثہ؟" وہ ڈر کر بھائی کی صورت دیکھنے لگیں۔

"مطربہ کو اس کی ماں کے "کارندے" اٹھا کر لے گئے ہیں۔" انہوں نے گویا دھماکہ کیا۔

"ہیں — اس کی ماں کے کارندے؟ کیا کہہ رہے ہو؟ اس کی کوئی ماں وں نہیں ہے۔" انہیں تیمور کی ذہنی حالت پر افسوس ہوا۔

"آپ کو دراصل حقیقت حال کا علم نہیں ہے۔ اس لئے آپ ایسا کہہ رہی ہیں۔ اس کی ماں بھی ہے اور باپ بھی۔ اور وہ اسے لے گئے ہیں۔" وہ پرسکون انداز میں بہن کی معلومات میں اضافہ کررہے تھے۔

"پتا نہیں کہاں سے سن کر آرہے ہو۔ خالہ سوا؟ نے کبھی بھی ہم میں سے کسی کے ساتھ ایسی باتیں نہیں کیں۔" بہن بھائی طوفان کے تیار ہو گئیں۔

"ہو سکتا ہے انہوں نے اماں جی کو بتایا ہو اور آپ سب سے چھپایا ہو۔ اماں جی خاتون اسی قسم کا اعتراض والی ہیں۔" صاحب کے کمرے میں وہ اس وقت آئیں تو کچھ پتا چلے گا۔" تیمور نے بڑا دو ٹوک فیصلہ سنایا۔

"ٹھیک ہے ماں جی کی اس کی ماں کو اس طرح سے لے جانے کی خبر ہو گئی تو ہنگامہ ہو جائے گا۔ ماں جی سے بات کرکے لے جانا تو کون سا ماں جی اسے رکھ لیتیں۔" نزہت آپی کی الجھن کی طرح ختم نہیں ہو رہی تھی۔

"وہ تو سیدھے طریقے سے لینے آئی تھی مگر ہم نے اور وہ بھائی نے اس کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔"

"آپ لوگ ہے ہیں اس سے "کب" "کہاں" نزہت آپی سر سے پاؤں تک متفکر ہو گئیں۔

"ہیلی میں — ابھی تھی وہ۔" تیمور نے جواب دیا۔

"تو ہمیں کیوں نہیں بتایا؟ ہم اسی کو دیکھنے دیکھنے ہی تو آئے تھے۔" نزہت آپی کے انداز میں شکوہ در آیا۔

"جیسی اس علاقے کی طوائفیں ہوتی ہیں۔" تیمور علی خان نے بہن سے نظریں چرا لیں۔

"کس علاقے کی؟" نزہت آپی کی سوئی وہاں تک نہیں پہنچی تھی کہ کس طرف تیمور علی خان اشارہ کررہے تھے۔

"آپ نے اس کے گیت سنے ہیں۔ کیسی آواز ہے اس کی؟" انہوں نے سوال کردیا۔

"اف — بہت خوبصورت آواز ہے۔ میں تو سن کر حیران رہ گئی تھی۔ کیا تخلیق دی ہے اللہ نے۔ آنکھیں کھولے کر لے۔" وہ متفکر انہ لہجے میں بولیں۔

"اس کی ماں کارندی ہے نا آنکھیں کھولے۔" تیمور علی خان نے وضاحت کی۔

نزہت آپی کچھ سناٹے میں رہ گئیں۔

"تیمور۔"

"جی — سچ ہے آپ کچھ گئی ہوں گی۔"

"ہوں — کچھ گئی ہوں — کچھ نہیں۔ اس کی نانی تو خالہ سوا؟ آنے کی بھوپی ہے۔ اور خالہ سوا تو سرے پاؤں تک۔" "سچ" ہیں۔ اس علاقے میں خالائیں تو ہو سکتی ہیں مگر پھوپھیاں نہیں۔" وہ حقیقت ڈھونڈ رہی تھیں۔

"کتنے خالہ اماں جی کو سب کچھ بتا چکی ہیں۔ اماں جی کو سب معلوم ہے۔ عزیز معلومات ان سے مل سکتی ہیں آپ کو۔" تیمور نے انہیں الجھن سے نکالنے کی کوشش کی۔

"وہ اسے زبردستی مطربہ دمول لے کر گئی ہے۔ جب کہ مطربہ اس کے ساتھ جانے سے انکار کرچکی تھی۔" تیمور گویا ہوئے۔

"پتا نہیں — ان عورتوں کا بھروسا نہیں۔ کتنا پیسا لے گی؟ کتنا کمائے گی؟ کون سا خاندان بنا کر بیٹھی ہے کہ آل اولاد کی فکر میں گھلی جارہی ہو۔ ہیں ہیں۔ یہ مطربہ تو بہت معصوم بہت ہی بیوقوف ہے۔ بڑی زیادتی ہو گئی اس کے ساتھ۔" نزہت آپی کو بہت سے سوال ستانے لگے۔

"اگر وہ ان کو کہیں جانے دیتی تو اور بات تھی۔ یہ لالچی اور حریص لوگ۔ یہ لوگ تو نشہ بھی بہت کراتے ہیں۔ کتنی بھولی بھالی بچی ہے۔ کم بخت کو ابھی پروا بھی تو نہیں آئی۔ تیمور! کچھ ہو نہیں سکتا؟ مجھے تو بہت ترس آرہا ہے غریب پر۔" نزہت آپی پھر وہ گئیں۔

www.paksociety.com

"ہاں بیٹی کو سمجھانا ہو تو بہت کچھ کہنا پڑتا ہے۔ اب تو سو گئی ہے"۔ بیوی نے ہاں کرنے میں ہاں ملا دی۔

"ہائے — تجھ پر تو بہت کام پڑا ہوا۔ GS"۔

"اب کیا بھی کیا جا سکتا ہے"۔ "وہ اس سے اتفاق میں کر پا رہے تھے۔

"تو بہ — کتنا ڈرتی تھی تم سے۔ ملازمت گزار تھی۔ آدھی رات ہو یا دن۔ ایک سا اعتماد تھا کام کرنے کو۔ ہاں کو بھی ہوں۔ دونوں ہی دل پر لے لیتی ہوں گی"۔ اب انہیں ماں کی فکر ہو گئی۔

"کھانا بھیجوا دوں؟" وہ دروازے کے قریب جا کر رک گئیں۔

"نہیں — صرف ایک گلاس دودھ بھجوا دینا کافی ہے"۔ وہ بیڈ سے اتر کر واش بیسن کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

تو نہیں باہر نکل گئیں۔

تھوڑی دیر بعد واش بیسن کے نزدیک لگے کوٹ ہینگر سے کوٹ کے ساتھ لٹکا ہوا ہولسٹر اور پستول کو چھو کر دیکھتے ہوئے وہ باتھ روم سے باہر نکلے۔ پھاٹک کے نزدیک ایستادہ مرکزی کھمبے کی روشنی میں پورچ تک منظر واضح تھا۔

ایک لڑکی لنگڑے پاؤں دوڑتی ہوئی جیپ میں بیٹھ رہی تھی۔ بار بار اس منظر کی کھڑکی سے ان کا وہم ختم ہونے لگا۔

وہ اس کا وہم اندازہ — نظر کے خوف انداز — وہ دروازے سے ہٹ گئے۔

"اوہو — ہو — کچ کھچے چاچا۔ کوئی ذرا ادھر ادھر ہو جاتی۔ ہو گیا تھا تمہارا تو کام"۔ عارف چوکیدار سے تھکا ہوا رپورٹ وصول کر رہا تھا۔

"ام چوڑ تو گھبی۔ ادھر وہ بڑا خان آ گئی۔ ام ذرا ادھر ہو گیا۔ غلط وقوع لائدہ اٹھا گئی۔ اُسوں کا بات ہے ادھر اون ہے کار گئی۔ پیچھے کری تو پھر بھی چلا گیا۔ بڑا خان بتانے پر تھی وہ ادام سمجھ لیتی۔ اپی ام بڑھاپے پر اپنی تئیں "ٹرپ کو ذرا اپنی ساکھ بحال کرنے کی کوشش میں لیے چلا جا رہا تھا۔

"مگر جب بڑے خان گن اٹھائے ہوئے تھے تو لڑکی کیسے چلے گئی لالہ"۔ عارف نے ٹوکا اٹھایا۔

"بس وہ اندر سے بھاگتا ہوا آیا اور جیپ میں بیٹھ گیا"۔ چوکیدار نے بڑے معصومانہ انداز میں بتایا۔

"فوری"۔ عارف کی حیرت بڑھ رہی تھی۔

"فوری — اور کیا تھا وہ گیا بس"۔ چوکیدار نے آنکھیں جھپکا کر کہا۔

"خان نے پیچھا نہیں کیا؟" عارف نے اٹھ کر سوال کیا۔

"بڑا تیز بھی میں سوار ہوا۔ کچھ سمجھا ہی نہیں نا"۔ چوکیدار نے سادگی سے جواب دیا۔

عارف چوکیدار کے گھومتے سر کو دیکھتا رہا۔

اسی دم وہ پاروتی اپنے مخصوص گھر سے میں ملبوس سر پر ٹوکری بغل میں دبائے پھاٹک سے اندر داخل ہوئی۔

"وہ پاروتی اندر سے آتے ہوں گی انہیں کو معلوم آتا ہے"۔ عارف نے چوکیدار کی بات کاٹ دی۔ وہ پاروتی کی طرف بڑھا۔

چھ سات سال پہلے پاروتی کی شکل بھی خاصی پاروتی کھائی دیتی۔ اس کی چال سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت ڈھال ہے۔

"ہاں بیٹے کوئی بات ہے —" وہ قریب آ کر مجھے انداز میں بولی۔

"میں نے سنا ہے کل؟"

"ٹھیک سنا ہے بیٹے۔ تو ڈیا کے نصیب پھوٹ گئے۔ کہاوت ہے ناں اس نکمیاں پھلاں۔ ایک اس طرح بھی ماں ہوتی ہے بے فکر ہے فکر ہے"۔ وہ رونے لگی۔

"ارے میں تو تیری ماں کی خیریت پوچھنے گی۔ کیا سے باتیں کرنے میں پڑ گئی۔ ادھر سب ٹھیک ہو گیا"۔ وہ پھر بھڑک کر رونے لگیں۔

"اس کو کوئی اپچ نہیں تا ہے۔ مجھ کرتا ہوں"۔ وہ بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"میں صدقے"۔ خانم نے بے اختیار اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"پرانے وقتوں کی طرح کو ٹھے تو ڈھا دی جاتی ہے۔ نے فیشن سے وہ حویلی آتی ہے۔ بڑے بڑے سرکاری افسروں سے تعلق ہے۔ تو اس کے آگے کل کا چھوکرا۔ اللہ تیری ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے"۔ انہیں عارف پر پھر ماں پیار آ گیا۔

باوجود یکہ عارف کے دماغ میں گولا گھمانے والے بیان گھومتے ہوئے تھے اور وہ بے حد بیزار تھا۔

"لیکن خانم — اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا تو اس کے ساتھ بہت زیادتی ہے" وہ بہت غور سے کہہ رہا تھا۔

"آپ سمجھا اس کی ماں کا پیار دیں، وہ بھی کچھ کرے گی"۔ وہ پھر رو پڑیں۔

"ہائے — اس کے پاس چلے بھی نہ جانا۔ قریب بیٹھے ہی دم نکلے گی۔ اس کی تو ساری محنت خاک ہو جائے گی"۔ خانم نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"تو یہ ہوا کہ اس کی ماں سندھ، بلوچستان، سرحد، پنجاب چاروں صوبوں میں سے کسی میں رہتی ہے"۔ اس کی سوچ شاید کسی نتیجے پر پہنچ رہی تھی۔

خانم نے مشکوک سے اس کے سنانے پر ہاتھ رکھا۔

"پہلے کہاں تو کچھ بتاتا تیرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ پھر تو وہ جو ہو گیا ساری زندگی پورا نہیں کر سکتی تھی۔ ایسا ہو گیا۔ ہاتھ لگانے کا نہیں۔ قتل ہو گیا ہے"۔

عارف کا ذہن ایک دم الجھ گیا۔ خانم کی آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"اماں جی — آپ نے ہم سے یہ سب کچھ کیوں چھپایا تھا؟" نوشین نے گلہ کیا۔

"اسے میں نے کہا "بات نکلے گی تو بات چلے گی۔ کیا کسی کے دکھوں سے سرے لینا۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہوتی"۔

"سولہ آنے تو غلط نہ کہہ۔ میرے بڑے خان سے کہا ہے میں نے کہ کچھ کریں"۔ وہ اٹھتا ہاتھ کچھ ضرور کریں گے"۔

اماں جی نے سبزی بناتی ہوئی خالہ کو اب بتا دینا ہی مناسب سمجھا۔

"آہ — ہا — اماں جی — کھیل تو پورا ہو گیا۔ اب تو یہ خود کو بھی کاٹنے والی باتیں ہیں۔ اس کے نصیب کی خرابی بھی ہمارا آپ کا کیا دھرا؟" خالہ نے قطعی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا۔

"نہ — مایوس نہیں ہوتے۔ اللہ کے پاس ہر مشکل کا حل ہے۔ مشکل تو اتنا کون کیلئے ہوتی۔ بس دعا کر۔ اللہ پاک اپنے حفظ و امان میں رکھے" آمین"۔ اماں جی کی فطرت میں مایوسی کا عنصر کبھی بھی نہیں آیا تھا۔

"ایک عورت ہی تو ہے خالہ۔ کیا کر سکتی ہے۔ ٹھیک ہے" اس نے اپنا سارا زور دکھا دیا۔ چاچا جب بابا صاحب کچھ کریں گے تو ظاہر ہے کچھ اچھا ہی بندوبست کریں گے"۔

نوشین نے بھی انہیں مایوسی سے نکالنے کی کوشش کی۔

"وہ عورت بہت پہنچی رکھتی ہے۔ بڑے بڑے لوگوں سے ملاقاتی لیتی ہے اپنے جھوٹے پر"۔ وہ تلخی سے مسکرائیں۔

"کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے۔ تھوڑا بہت اللہ سے ڈرتا تو نہیں ہو سکتا نا۔ اگر وہ کسی کی مدد کرے تو کوئی روکے گا اسے۔ بری بات۔ اللہ پر بھروسہ کر تو نے رات بھی کھانا نہیں کھایا۔ کچھ کھا لے"۔

اماں جی کا دل ان کی حالت پر پگھلے جا رہا تھا۔

"بھوک ہی نہیں لگ رہی۔ نہ نیند آ رہی ہے۔ جیسے سکتہ سا ہو گیا ہے۔ میرا تو سوچنے کی نہیں اب کہ اس کی ہائی کو تسلی کر تیرا آبدار موتی"۔ ان کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

"آپا — وہ میرا بلیو سوٹ کیس ہے ناں — اس کا لاک خراب ہو گیا ہے۔ کوئی اچھا سا سوٹ کیس ہو مگر مہنگا نہ لینا دیں پلیز"۔

تیمور علی خان دالان میں داخل ہو کر بہنوں سے مخاطب ہوئے۔

"ابھی تو چار پانچ روز میں تمہاری روانگی میں — ابھی جلدی پیکنگ شروع کر دی"۔ نوشین نے تعجب سے ان کی سوٹ کیس دیکھا۔

"اس دوران جو کچھ یاد آتا رہے گا" دور کرتا رہوں گا۔ کسی چیز کے مس پلیس ہونے کا خطرہ تو نہیں رہے گا۔ پھر بھی بہت وقت ہوتی ہے"۔

"تمہارے بابا صاحب کے کمرے میں دو تین سوٹ کیس ہیں۔ بہت خوبصورت ہیں۔ اور بڑے بڑے ہیں ان میں سے کوئی لے لو"۔

"کہاں جا رہے ہو اس وقت؟" تیمور علی خان کھل سوٹ کیس ہوئے تھے اس لئے اماں جی نے پوچھا۔

"آپ دوست کے ہاں — بہت ضروری کام ہے" ماں سے سر سری نگاہ ڈالتے ہوئے بولے۔

"بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں تمہارے جانے میں۔ زیادہ سے زیادہ وقت میرے پاس بیٹھا کرو۔ بعد میں تو زندگی بھر کا کیا لوٹ جانے کے بعد ماں کی شکل دیکھنے بھی نصیب نہ ہو گی"۔

"اماں جی — ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ جہاں ہم پڑھتے ہیں ماں باپ دنیا کے کونے کونے سے آ کے وہیں پڑھنے کیلئے۔ اور ان سب کی مائیں ہیں۔ جو اس فرقت میں جدائی برداشت کرتی ہیں کہ ان کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔ ہم تو مرد ہیں اماں جی۔ وہاں تو دوسرے ملکوں سے لڑکیاں آئی ہوئی ہیں پڑھنے کیلئے۔ وہاں وہ بہت فری ہیں۔ لڑکیاں بھی ہماری کلاس فیلوز ہیں"۔ تیمور نے نوشین کی طرف دیکھ کر جیسے وضاحت بھی کر دی۔

"ایک تو مشہور ایڈورڈین یونیورسٹیز کی بنی ہے۔ دوسری ڈگری ہے۔ نسلاً انگلش ہی ہے مگر یہ اٹلی میں پیدا ہوئی تھی۔ اٹلی کے کسی دور افتادہ گاؤں میں ہوتی ہے اس کی ماں۔ دیکھیں اماں جی وہ بھی تو وہاں ہے"۔

"بیٹے تمہیں کیا ضرورت ہے لڑکیوں کو سہیلیاں بنانے کی۔ ان کے چونچلے نہیں پتا تمہیں؟"

اماں جی کو یہ لڑکیوں کے ساتھ دوستی کی بات بالکل نہ بھائی۔

"اماں جی دوست سہیلیاں تو ہمیں خود بخود بن جاتے ہیں۔ اچھا ہم چلتے ہیں اور ہو جائے گی"۔ وہ ویسٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کمرے کے پہلو سے ہاتھ گزرتے ہوئے۔

"بیٹے — وہ اپنے بابا صاحب پر دباؤ ڈالو خالہ دیکھو خالہ کا کیا حال ہو گیا ہے نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے نہ سوتی ہے"۔

اماں جی کو یہ اطمینان تھا بابا صاحب ان کی بہت سنتے ہیں۔ تیمور علی خان نے بائیں بازو پر جھکا کر کن انکھیوں سے خالہ کی سمت دیکھا۔

"کیا ہم بھی آپ سے وہی جملہ کہیں جو سب کہہ رہے ہیں کہ" فکر نہ کریں" دیکھئے وہ اس حویلی میں کام کرتی تھی سب اس سے خوش تھے۔ اس کی خدمات کے صلے میں اس کا حق بنتا ہے ناں کہ اس کیلئے کچھ کیا جائے"۔ تیمور علی خان کے لہجے میں ان کا آہنی وقار جھلک رہا تھا۔

خالہ نے گھبرا کر رکھی اور تیزی سے اٹھ کر تیمور علی خان کے ہاتھ تھام کر چوم لئے۔ ان کی آنکھوں سے چند قطرے بھی تیمور علی خان کے ہاتھوں پر ٹپک گئے تھے۔ سب نے خالہ کو تسلی دی تھی مگر یہ مضبوط دل کا سائیں ہے یہیں آیا تھا۔

"آپ کی خوشیاں دے رب العلمین آپ کو کہ آپ سے سہیلی دیا ہیں"

"آمین"۔ اماں جی نے بے ساختہ کہا۔

"تھل دعا میں دیتی ہے تو سوا لے میرے بچوں کو — تو نے تو خریدا ہے مجھے"۔ اماں جی نہال نظر آئیں۔

"ہائے نہیں اماں جی۔ آپ کے پیر کی جوتی ہوں"۔ خالہ نے آنکھیں پونچھیں۔

تیمور علی خان صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"اچھا — کچھ اور بابا صاحب کے علاوہ اور کوئی ایسی قوتیں ہیں" یاور علی خان سنڑ کی تھیں یاد کر کے بولتے ہوئے تو

نازنین نے انہیں متوجہ کیا۔ وہ ایک دم خاصے پریشان نظر آنے لگے۔

"لیکن وہ لوگ پہ کیدار بابا صاحب اور تیمور کے آتے ہوئے اندر کیسے آ گئے؟ صرف عقبی دروازے کی طرف تین بتی (بند وغیرہ) لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور ہر گزرنے والے نے پہلے وہیں سے گزرنا ہوتا ہے۔ اس پر گیٹ پر موجود گارڈ بھی وہ وہ گن مین سے الجھے ہوں گے۔ اتنی دیر اندر موجود لوگوں کیلئے کافی تھی۔ اب کہ تیمور اور بابا صاحب تو بچ ہی گئے ہیں"۔

یاور علی خان کو اس سمجھنے پر خت الجھن ہو رہی تھی۔

"پہ کیدار سے چارہ تو جلد ہی نکل ہو گیا تھا"۔ نازنین نے تاسف سے کہا۔

"تو کیا وہ بابا صاحب اور تیمور کو قابو کر کے اندر گھس گئے تھے؟" یاور علی خان درحقیقت بہت گہرائی نظر آ رہے تھے۔ اس معصوم سی لڑکی کے ساتھ زیادتی کا انہیں بھی بہت دکھ تھا۔

"وہ اندر نہیں آئے۔ مطربہ خود بھاگ کر ان کی جیپ میں بیٹھ گئی تھی"۔ نازنین نے کہا۔

"یار ——" یاور علی خان نے بے بسی سے نازنین کی طرف یوں دیکھا۔ گویا اس کی ذہنی صحت پر شبہ ہو۔

"یہ ساری بات تو سمجھ —— یہ اپنی شیطان —— گلوکی پٹی اس طرف آ نکلی تھی۔ اس نے شور کر دیا۔ اس اتنی سی بھاگ نے فائدہ اٹھا کر انہوں نے تیمور پر قابو پا لیا۔ بابا صاحب بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ لوگ تیمور کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ بس شاید اس وجہ سے مطربہ خود ہی باہر آ گئی۔ بہت ہی احمق حلال نکلی اس نے سوچا ہو گا۔ کیوں اپنی وجہ سے لوگوں کا نقصان پہنچائے۔ ایسی بزدل دکھائی دیتی تھی۔ مجھ حیران کر گئی"۔

نازنین نے چائے تیار کر کے یاور علی خان کے سامنے رکھی۔

"وہ جذبہ بہت ہی طاقتور ہوتا ہے جو دوسروں پر کسی کی خاطر جان کی بازی لگانے پر آمادہ کرتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

یاور علی خان نے بیوی کی سمت تائید طلب نظروں سے دیکھا۔

"وہ بیوقوف ضرور ہے۔ میرا خیال ہے مگر تھی بھی نہیں —— آپ نے اتنی بڑی بات کس بنیاد پر کہہ ڈالی"۔ نازنین نے الجھ کر پوچھا۔

"اتنی ڈرپوک سی لڑکی۔ جو کسی قیمت پر بھی ماں کے پاس جانے کیلئے راضی نہیں تھی۔ ادھر اس پر کوئی پریشر بھی نہیں تھا۔ اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ بے وقوف لوگوں کی سے اس طرح کی اعتقاد و بے سروپا عقیدتوں کی توقع کی جا سکتی ہے"۔

یاور علی خان سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر جیبوں میں ماچس ٹٹولنے لگے۔

"وہ تیمور کا پاگل والوں کی طرح احترام کرتی ہے۔ لگتی تو بندہ جاتی ہے ان کے سامنے"۔ نازنین نے ان کے خیال سے بالکل اتفاق نہیں کیا۔

"ہاں جی —— ہم آپ سے بہت متاثر ہوئے ہیں اس نے سامنے والی کو کسی طرح بھی بھٹکنے سے بچانا ہو تو مشکل کر لیں گے کسی بھی طرح تک۔ سامنے والی کا اعتماد حاصل کر لیں۔ جس مشکل میں ہے اسے نکالنے کی کوشش کریں"۔

"پہلی بات تو اس عمر سے کا وہ لڑکا کسی کو اعتماد کرنے کی حد تک بھی معلوم نہیں ہوتا۔ بے چاری خاصی پریشان دکھائی دیتی ہے۔ بہت ہی مظلوم ہے جان کی"۔ نازنین نے افسوس سے کہا۔

"ہاں جب بے گناہی ثابت ہو جائے گی تو وہ کی واپسی ہو گی"۔ یاور علی خان نے سگریٹ سلگا کر لمبا سا کش لگایا۔

"تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے جانے کس وجہ سے چونک کر سوال کیا۔

"پتا نہیں —— وہ کی دوست تیاری کے ساتھ باہر لگے تھے۔ اور جانے وہاں آپ کیلئے؟" نازنین نے الجھ کر اپنے قریب کرنے کی نیت سے ہاتھ بڑھائے۔

"نہیں —— کیا کسی کو بھی پتا نہیں ہے؟" یاور علی خان کی تو دل ایک جگہ سر کو تھی۔

"نہیں —— شاید بابا صاحب کو علم ہو"۔ نازنین نے جواب دیا۔

"ہوں —— اچھا ابھی آتے ہیں —— بابا صاحب کو سلام کر لیں" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

نازنین نے افسوس کیا کہ وہ بلی خود پر بہت الجھے ہوئے ہیں۔

تیمور علی سامان کی پیکنگ کے عمل سے فارغ ہو گئے تھے۔ اس لئے کمرے کی لائٹ بجھا کر دروازے میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ ان تین چار دنوں میں ایک سے کو بھی وہ مظلوم ان کے ذہن سے محو نہیں ہونے دیتی تھی۔

سلیقے سے اوڑھنی سر پر جما کر گاہے بگاہے جھک کر بات کرنے والی —— اس کی دوشیزگی ہی تو اس کا اثاثہ تھی۔ اس کے اخلاق کی تو کوئی قیمت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

ان کے گھرانے میں تو خواتین کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ بابا صاحب تو اس معاملے میں زیادہ گہرائی میں جاتے ہوئے بھی دہلائے گئے۔ لیکن ان کے والد صاحب اور اماں جی خواتین کی عزت و احترام کے متعلق اتنے حساس تھے کہ بچوں کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ دنیا میں اس سے زیادہ اہم بات ہی کوئی نہیں۔

سامان کی نظر پہ کیدار پر پڑی۔ وہ گیٹ کی سمت جا رہا تھا۔ انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس وقت کون آ سکتا ہے۔ وہ دلچسپی سے گیٹ کی طرف دیکھنے لگے۔

گیٹ کھلتے ہی گولی اندر داخل ہوا اور ایک دم فائرنگ کرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ چوکیدار بھی دوڑا ہوا گیٹ کے قریب بیٹھ گیا۔ فوارہ اور چوکیدار میں کیا گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ سنا ہونے کی وجہ سے سن نہیں سکتے تھے۔ بلی کی سی تیزی سے اپنے کمرے سے نکلے تھے اور جنگلے میں پہنچ کر طریقا

"کیا ہوا خان بابا؟ —— کون ہے یہ؟" پہ کیدار اپنی گولی کی طرف جا رہا تھا۔ تیمور نے وہیں سے ہی پوچھا۔

"بچہ ہے —— لڑکی ہے —— اپنی لینے کے لئے ہے"۔

تیمور علی خان کو گویا زبردست شاک لگا تھا۔

"ارے بھائی..... کیا نام ہے وہ اعتماد بلوچ"۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"پ۔۔۔ پ۔۔۔ پانی....." اس نے جیسے کسی کی کوئی بات سنی ہی نہیں۔

"یہاں سے تو اٹھو..... پانی بھی ملے گا"۔ وہ جھلائے اور خود آگے ہو کر گلاس لے کر اس کی طرف بڑھایا۔

وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"پ۔۔۔ پانی..... میں مر رہی ہوں خان..... پانی....."۔

"اسی دم خان بابا بیڈ سے گلاس میں پانی لے کر بھاگتا ہوا آ گیا۔ اور جھک کر مطربہ کو گلاس تھمایا جو زاہی اس نے ہاتھ سے جھپٹ گیا۔

"پانی گندا نہیں..... اٹھو" تیمور علی خان نے اس کا بازو تھام کر اٹھایا۔

"بابا..... پانی بیڈ روم میں لے آؤ"۔

وہ ڈریسنگ کمرے کی طرف بڑھے۔ مطربہ ان کے ساتھ جیسے گھسٹتی جا رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہو کر وہ وہیں ڈریسنگ ٹیبل پر بے دم انداز میں بیٹھ گئی۔ چوکیدار بھی پانی لے کر پہنچ چکا تھا۔

"خان بابا..... خود پلاؤ اسے" تیمور علی خان نے کمرے کی لائٹس آن کرتے ہوئے کہا۔

چوکیدار نے تعمیل کی..... اتنا بڑا گلاس مطربہ ایک ہی سانس میں پینے لگی۔

تیمور لائٹس آن کر کے پلٹے تو بری طرح چونک پڑے۔ مطربہ کے ہونٹوں کے دونوں کناروں پر خون جم کر بدبودار کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس کے سارے چہرے پر ورم محسوس ہو رہا تھا۔

"چاچا..... ایک گلاس اور" وہ تیز تیز سانس لینے لگی۔

چوکیدار ایک دم تیزی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

تیمور دو قدم ہو کر اس کے قریب بیٹھ گئے

"وہ..... کیا نام ہے..... مطربہ..... کیا ہوا ہے؟ کہاں سے آ رہی ہو" وہ بغور اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"خان بابا تیز کرو..... آگ لگ رہی ہے اندر"۔ اس نے دوپٹہ اتار کر دور پھینکا۔

تیمور علی خان روبوٹ کے انداز میں اٹھے اور پنکھے کی اسپیڈ بڑھا دی۔ پھر دوبارہ اس کی طرف چلے آئے۔ اتنی دیر میں چوکیدار بھی اندر داخل ہوا۔ مطربہ ہتھیلیاں کارپٹ پر جماتے بے دم انداز میں جھکی ہوئی تھی۔

"رحمان بابو..... لو پانی پیجے..... اوہ چچا خان..... اس کا منہ تو خون سے خراب ہے"۔ چوکیدار گلاس ان کے ہاتھ لگاتے ہوئے بدحواس ہو کر بولا۔

تیمور علی خان نے اس کی پشت کی طرف نگاہ کی تو واقعی سامنے میں وہ گئے۔ "گندا ہے"۔

انہوں نے غور سے ہاتھ بڑھا کر اس کی نبض دیکھی۔ پھر ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم ابھی آتے ہیں"۔

ان کے چہرے اچانک فکر مندی جھلکنے لگی تھی۔ وہ تیز تیز قدم بھرتے کمرے کی طرف بڑھے۔

ان کی دستک میں غضب کا شور تھا۔

"کون؟" ان کے بیٹے کی آواز آئی۔

"ہم ہیں تیمور..... بی بی جان کو بھیجیے"۔

تھوڑے سے توقف کے بعد دروازہ کھلا تھا۔ بیگم تیمور بھری بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"خیریت..... کیا ہوا ہے تیمور؟" وہ پریشان ہو گئیں۔

"ہمارے ساتھ آیئے"۔ وہ پلٹ کر چل دیئے۔ بیگم تیمور حیران پریشان ان کے پیچھے چل پڑیں۔ وہ تینوں ان کے پیچھے چلتے ہوئے بیڈ روم میں داخل ہوئے۔ مطربہ نیم حال انداز میں کارپٹ پر ڈھیر ہو چکی تھی۔

"یا اللہ"۔ بیگم تیمور نے ہاتھ منہ پر رکھ کر جیسے چیخ ضبط کی۔ "یہ مطربہ ہے تیمور"..... وہ بدحواس ہو گئی تھیں۔

"جی..... بی بی جان یہ بہت زخمی ہے۔ اس کے کپڑے تبدیل کرائیے۔ خون لگا ہوا ہے۔ ہم ڈاکٹر کو بلواتے ہیں۔ اور کوئی ہیلپ لائن ہو تو دیکھتے ہیں"۔

وہ بیگم تیمور کو ششدر چھوڑ کر باہر چلے گئے۔

"بی بی جان۔ اس کو بہت خون لگی ہے۔ کمزوری ہو گیا ہے"..... چوکیدار نے دکھ سے کہا۔

"مطربہ..... " بیگم تیمور نے اس کا بازو ہلایا۔ کتنی جلدی سب کے منہ پر اس کا نام چڑھ گیا تھا۔

"مطربہ..... دیکھو۔ میں ہوں تمہاری بی بی جان"۔ ان کے لہجے میں بلا کی محبت تھی۔ مطربہ نے ذرا سا کروٹ لے کر آنکھیں کھول کر ان کی صورت دیکھا۔

"بی بی جان"۔ اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"ہاں..... ہاں بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ ابھی وہ آتے ہیں۔ فوراً آرام آ جائے گا۔ ہمت رکھو"۔

"ہمت کرو۔ اس طرف آ جاؤ۔ ہم کشن رکھ دیتے ہیں۔ تمہارے سر کے نیچے۔ آرام ہو گا"۔

انہوں نے مطربہ کو اٹھنے میں مدد دی۔ اور اسے بیڈ کے نیچے لا کر لٹا دیا اور صوفے سے کشن اٹھا کر اس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔

"بی بی جان..... میں مر رہی ہوں"۔ اس کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔

"نہیں نہیں..... ایسے نہیں کہتے۔ بری بات..... تمہارے کپڑے تو حالہ کی کوٹھری میں ہوں گے۔ تھری پیس سوٹ ہوں گے۔ لاتے ہیں"..... وہ باہر نکلنے لگیں تو تیمور آ گئے۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں"..... انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"کپڑے لینے جا رہی ہوں۔ جگہ جگہ خون لگا ہوا ہے"..... وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"خان بابا! کسی بڑے برتن میں پانی لائو ۔۔۔ بابا کرم کرے ۔۔۔ بی بی جان اس کے زخم صاف کریں گے۔ اور ہاں ایک گلاس میں پانی پہلے دے جاؤ۔ پیاسا بھی کھا ہے"۔

مطربہ نے آنکھیں موندے موندے نجانے کون کی مہربان آواز کی تمام دستکیں اپنے اندر اتار لیں۔ سیاہ دھندلی خان تو ہرگز بھی نہیں تھے جن کے چہرے پر برف جمی رہتی تھی۔ جن کے حافظے میں اس کا نام محفوظ نہیں ہوتا تھا۔ جو اسے کتنے پیارے لگتے باندر نظر آتے تھے۔ وہ اسے "لاکی" کہتے ہوئے۔

چوکیدار پانی لے آیا تو انہوں نے دو گولیاں اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اس کے سامنے کیں۔

"لو یہ کھالو ۔۔۔ درد کم ہو جائے گا"۔

وہ کہنیوں کے بل اوندھی ہوئی' بمشکل پہلے ان کی ہتھیلی سے ایک گولی اٹھا کر منہ میں رکھی اور پانی کے چند گھونٹ لیے۔ پھر دوسری گولی اٹھائی۔

"خان بابا۔ ہم اپنے کمرے میں جا رہے ہیں۔ بی بی جان آ رہی ہیں۔ ان سے کہنا کسی طرح کوشش کر کے اسے اوندھا لٹا دیں۔ چھاتی میں تالا ڈالو۔ اب چھاتی اس وقت تک نہیں کھلے گا جب تک ہم اجازت نہ دیں"۔

وہ اپنے مخصوص لب و لہجے میں حکم دے کر باہر چلے گئے۔

صبح کو ہال کمرے میں ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ مختلف آوازوں سے ایک شور سا ہو رہا تھا۔ خالہ کہہ رہی تھیں۔ جیسے اسے سامنے دیکھ کر یقین نہ آ رہا ہو۔

"ثناؤ ۔۔۔ بچی کا کیا حال ہو گیا۔ بچی! کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے؟" اماں جی اس کی حالت پر بہت افسوس کر رہی تھیں۔

"یا اللہ رحم تجھے آئے گئے؟" خالہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

"بہت مارا ہے انہوں نے"۔ مطربہ نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔

"اے ہے ۔۔۔ ستیاناس ہو کم بختوں کا۔ یہی منہ کیا ہے پھول سی بچی کا"۔ خالہ آبدیدہ ہو گئیں۔ "لے یہ چائے' اول دن کھائے"۔

"رات تو میں انتوان میں پڑ گئی اماں جی۔ کپڑے زخموں سے چپکے ہوئے تھے"۔ رحیمہ بیگم نے بتایا۔

"تو یہ تو بتا ان خونیوں سے بچ کر کیسے آ گئی؟ بڑی ہمت دکھائی تو نے"۔ اماں جی کہہ رہی تھیں۔

"وہ بھی میں کوئی فکشن تھا۔ وہ چڑیل ادھر گری ہوئی تھی۔ اس کے کٹے سینے میں بے ہوش پڑی ہوں اور اتنی زخمی ہوں کہ مجھے اٹھا بھی نہیں جائیگا اور مجھ سے واقعی اٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ پتا نہیں کہاں سے اتنی ہمت آ گئی"۔

"ہاں' بس اللہ ہی ہمت دیتا ہے"۔ اماں جی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"مگر انہوں نے تجھے مارا کیوں؟ تو کیا بھاگتے ہوئے پکڑی گئی تھی؟ تو یہ کیں بھی تم ہم حالت میں باہر آ گئیں۔

"وہ مجھے اغوا کر رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ میں کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ میں نے اپنے کلائی سے ہاتھ چھڑا لیا تھا۔ وہ اور غصے میں آ گئی اور مجھے زمین پر پٹخ لے لگی۔ میں نے اس کے سر پر ہتھوڑا مار دیا"۔

حاضرین نے جیسے ہی لفظ "ہتھوڑا" سنا اپنے سروں میں لفظ پڑی محسوس کی۔ اماں جی کے اس "کارنامے" پر سب حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

"پھر؟" نازنین نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر اس نے اوندھا پڑے پڑے ۔۔۔ آہ ۔۔۔ مطربہ کراہی۔

"میں نے بھی کہہ دیا کہ اللہ مجھے کفن پہنا کر ہی بھیجے گی اس "اٹھیلے" کے گھر۔ بالے بی بی جان میرا سودا کالا ۔۔۔ آدھا کچا۔ وہ تو بہت پچھتا رہا تھا جب میں بھی بڑی چالاک ہوں۔ آہ ۔۔۔ ہائے"۔

"تیری چالاکی ہوشیاری کے تو گھنے پیٹ رہے ہیں"۔ خالہ نے اس کے بازو پر مرہم لگاتے ہوئے جھڑکا۔

"میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ تمہاری اچھا ہے تم خود کر لو نکاح۔ کیوں اماں جی صحیح کہی ہے؟"

سب کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"ہاں ۔۔۔ ہاں صحیح کہی ہے؟" اماں جی نے شفقت سے اس کا دل رکھا۔

"وہ تو جیرے" آپا نیتے" پر بڑی خوش ہو گی"۔ نازنین نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے کہا۔

"کہاں بی بی جان۔ وہ تو لگا دیئے ہال"۔

"چل لعنت بھیج اس کالے" موئے پر۔ میں نے تیرے لئے بڑا اچھا لڑکا دیکھ لیا ہے۔ تیرے جوڑ کا ہے۔ تگ بھی کھاتا ہے۔ اب تیرے والا بھی بہت ہے"۔ خالہ نے نوالہ بنا کر ایک طرف رکھتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

سب ہی ایک لمحے کو بھونچکا رہ گئے۔ مطربہ تو اپنی تکلیف ہی بھول گئی اور پھٹی آنکھوں سے خالہ کو دیکھنے لگی۔

"خالہ ۔۔۔ کیا کر رہی ہو پیچھے پیچھے۔ ہم سے بھی چھپا لی ہوا؟" نازنین نے شاکی انداز میں کہا۔

"یہ تو بڑی نئی بات ہے۔ آپ سے کیوں چھپاؤں گی؟ جو کروں گی آپ سب کی اجازت سے ہی کروں گی"۔ خالہ نے رسمیت سے جواب دیا۔

"کس کا لڑکا ہے؟" اماں جی بھی خوشگوار حیرت سے پوچھ رہی تھیں۔

"بتاؤں گی اماں جی ۔۔۔ فکر نہ کریں"۔

مطربہ نیم غنودگی میں ڈوبنے لگی تھی۔ اور جیسے اپنی تکلیف ہی بھول گئی تھی۔

"چلو بھئی ۔۔۔ اچھا خبر ہے ہوا آئے۔ جتنی جلدی ہو سکے تیرا وزن کم ہو"۔ اماں جی نے فطری خلوص کا اظہار کیا۔

"اب تو خوش ہو جا ۔۔۔ گھر والے سے تیری شادی کر رہی ہیں خالہ"۔ رحیمہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔

مطربہ خاموش رہی۔

"ایسے ایک بات ہے۔ بات ہو گیا کہ کیا تو بہت ہے۔ جواب کر دو ہے"۔

www.Paksociety.com

نرجس نے ایک گلاس کے دانتوں پر ڈالی۔

"ماری تنظیم ساری" آپا ہوتی ہے لی لی جان۔" "ہنا" ہنا کو دوڑا کر بھائی کو اندر بھیجا ہے۔ بہت کمزور اور ڈرپوک ہوں"۔

اس نے اتنی سچائی سے کہا کہ سب بے ساختہ اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"تو تو بڑی ہو کر بڑی گھریلو باتیں کرنے لگی"۔ لالہ نرجس نے مسکراتے ہوئے گویا داد دی۔

"وہ کہاں کی فرمانبردار ہے اس کی تو ہانڈی نہیں گلتی ہے"۔ نرجس گلاس کے کنارے پر لگی نمک بھرت تھی۔

صفریہ خاموش رہی۔ بس آنکھیں جھکا لیں۔

"نرجس! اچھا نہیں لگتا۔ ہر وقت کسی کا کوئی نہ کوئی عیب نکالتی رہتی ہو۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے"۔ اماں جی نے ہلکے سے بات کہنا چاہی تھی۔

تیمور علی خان کو وہ سب سے اچھے لگے تھے اس طرف آتے ہوئے۔ وہ اس کا جملہ سن کر تحمل سے دانے کاٹنے لگا تھا۔

"وہ گیا ہے نہ وہ سب کرنا پڑتا ہے۔ وہاں بھی تو ملازموں کی ضرورت رہتی ہے یہ بہت تھی ہے بچی کی دیکھ بھال بھی اچھی طرح کرے گی۔ اشرف کی ماں وہاں پہلے مل لے۔ یہ بھی نہیں ہے کہ وہاں پیا کیلی ہوگی وہ اس کی دیکھ بھال کرے گی اور یہ گھر بھی کی ہوگی۔ ہم آپ کو یہ بتانے آئے ہیں کہ ہم سوچ رہے ہیں۔ دات ایک بجے تک ہی واپس ہو جائیں گے۔ عزیلی پر پیرہ ہے۔ اطمینان رکھئے"۔ وہ اتنا کہہ کر اماں پلٹ گئے۔

"پیر باللہ کا بیٹا ہے۔ تمہیں بھی اللہ کی امان میں دیا"۔ اماں جی نے دعا دی۔

"میں اکیلی رہوں گی کیا بی بی؟" صفریہ خائف آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"اور کیا بارات لے کر جائے گی۔ اشرف اور اس کی ماں گاؤں کے ہیں اپنے۔ بھلی عورت ہے"۔ خالہ نے کہا۔

"مگر مما تو دل نہیں لگے گا"۔ وہ گھبرائے ہوئے بولی۔

"جان کی خیر ہو۔ جان کے ساتھ ہیں دل لگانے کے سودے"۔ خالہ نے ڈانٹا۔ "کیا کم ہے گھر اٹھا دیتے تالا ہے۔ لگا کیوں دل" "وہ ہے نا"

"پیار کیاں تو آتی جاتی رہتی ہے۔ لڑکے تو چھوٹی بہن بھی جاتی ہوتی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے اماں"۔ اماں جی نے سمجھایا۔

"تو میں بھی ایسے خاندان کی بہو بنی مرے پیچھے ہو جائے گی۔ آہ۔"

"بڑی نیلی ایک اچھلی پڑی ہے۔ مگر دل ہے گر شادی بیاہ میں آنا پڑتا ہے"۔ خالہ نے کہا۔

"لیکن میں گھر پر کس کے ساتھ رہا کروں گی؟"

"جیسے ہمارا مسئلہ ہے تو کیا اس کا بھی مسئلہ ہے؟" نرجس بگڑ گئی۔

"اماں جی۔ آپ مجھے بہت یاد آئیں گی۔ دعا کیجئے گا۔ واپسی ہو گی۔

"تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ میرا بیٹا کہہ رہا تھا۔ گولی مار کر تھوڑی ہی گئی ہے۔ بے ہوش کیا ہے"۔

خالہ نے اسے سمجھایا۔

"میں نہیں کروں گی بات۔ وہ مجھ سے کہتا ہے"۔ وہ روہانسی ہوئی۔

"ان والی ہیں اماں جی۔ اس حال میں بھی کسی کا برا نہیں چاہ رہی ہے۔ بچا نہیں کر سکے تو کیا کرے گی؟" خالہ ناراض ہوئیں۔

"دیا ہی اپنے بھی تو لوگ ہوں گے۔ دیا ہی ایک ہاتھ کام نہیں کرتے چلتے ہیں"۔ اس نے پھر بڑبڑایا۔

"چھوڑیں آپ۔ اس وقت اس کا بھی اچھا نہیں ہے۔ کیوں اپنی جان جلا رہی ہے"۔

اماں نے تو حاصل بحث سمجھا۔ مگر خالہ جانے کیوں خفا ہی تھیں۔

ایک تو لڑکیاں شرمیلی ہیں۔ شادی بیاہ سے متعلق کاموں میں مکمل بن بلائے مہمان تھا۔ مگر وہ اماں جی کی وجہ سے چاہنے کے باوجود کچھ بول نہیں پائیں۔

"بابل صفریہ کا خیال رکھیئے گا"۔ خالہ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

وہ بڑا اکرا گئی تھی۔ چہار سو اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ خوفزدہ ہی ہو گئی تھی۔ "کیا ہم صبح جا رہے ہیں خالہ؟"

سامنے کے سامان چارج رہے ہیں۔ لی لی جان نے ایک ایک دیا تھا۔ میرے پاس پانچ جوڑے اس میں رکھ دیے ہیں۔ یہ سامان رکھ لیں۔" خالہ نے دو بیگ اس کے ہاتھ پر رکھے۔

ایک تو اس کی پوری نیند پوری نہیں ہو گی تھی۔ اس پر سفر اور اوپر سے

"مگر کہاں؟ کپڑے تک تبدیل نہیں کئے ہیں۔ اور یہ سامان کیا کروں؟"

"بیٹی۔ تجھے تیمور علی خان نے اپنی بہن سے کم پیار نہیں دیا ہے۔ خالہ نے کہا۔

"ہائے" ساری نیند کافور ہو گئی۔ ایک عجیب سے احساس نے اس کی مگر وہ بے حس لاتعلقی طاری ہو گئی۔

"دیا ہی ہو گی اس کے پاس۔ میں رکھ لوں۔ خالہ۔ میرے پاس تو کوئی بیگ نہیں ہے"۔ اس نے چادر پانی سے اٹھاتے ہوئے کمزوری آواز میں کہا۔

"صفریہ بھی خالہ۔ بھوکے ہاتھ سے تو کوئی کام نہیں ہوتا ہے"۔ اس نے پانی سے کہا۔

خالہ نے تحمل سے کہا۔ سامان لیا اور ٹہل خانے کی طرف چلے گئے۔

خالہ نے ہی دھلوا کر پھر سے ہدایت کی۔

"کپڑے سوکھے ہیں۔ اب دونوں کی ہوا لگوا کر تہہ کر لیں۔ وہ اس نے سلام پھیر کر کہا۔ اپنے سے کہا

www.Paksociety.com

ہے۔ اسے اچھی طرح لیٹ لے۔ میں پیر تک میں رکھ دوں"۔

خالہ اس وقت مشین کی سی تیزی سے کام کر رہی تھیں۔ اس نے چادر سنبھال کر اطمینان والی لمبی سانس لی۔ خالہ کا بازو تھام کر وہ بہت آہستہ آہستہ چلتی آئی تھی۔

"اب تم سو جاؤ۔ ہم لوگ ہیں"۔ اس نے سختی سے خالہ کی مٹھی بھینچ رکھی۔

"کوئی بات نہیں ۔۔۔ چار دنوں کی تو بات ہے۔ کیوں بے آرام کرتی ہو ۔۔۔ بی بی جان جاگ رہی ہیں تو اسے لے کر سو جائیں"۔

بی بی جان ڈرائیور کے ساتھ کھڑی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

"اگر بیٹھنا مشکل ہو تو پیچھے لیٹ جا"۔ نسیمہ بیگم نے اس سے کہا۔

ڈرائیور نے جیپ کا دروازہ کھولا۔ خالہ نے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔

"دیکھو گھبرانا نہیں۔ وہ بھی ہمارا اپنا گھر ہے"۔ نسیمہ بیگم نے اسے تسلی دی۔

"اشرف کی ماں بہت اچھی عورت ہے۔ بہت خیال رکھے گی تمہارا"۔

"بی بی جا! اللہ آپ کو تا حیات اولاد کی خوشیاں دکھائے ۔۔۔ کتنے بھلے لوگ ہیں آپ۔ ایک بے کس بچی کیلئے جو آپ نے تکلیف اٹھائی ہے اللہ ہی اس کا اجر دے گا"۔

خالہ کا دل بھر آیا تھا۔ کچھ جذبہ سپاس سے اور کچھ اس کی جدائی کے خیال سے۔

"خالہ رو نہیں ۔۔۔ ورنہ میں سارے راستے روتی جاؤں گی"۔ مظہر کو خود بھی رونا آ رہا تھا۔

"آ گئی وہ؟" اسی دم تیمور علی خان سیاہ کوٹ پینٹ میں ان کے قریب آ گئے۔

"ہاں بیٹھ گئی"۔ نسیمہ بیگم نے جواب دیا۔

"میرا بیگ رکھا ہے؟" وہ کس سے پوچھ رہے تھے

"ہوں ۔۔۔ رکھا ہے۔ اب بس بیٹھ جاؤ۔ وقت بہت ہو گیا ہے"

وہ پیچھے جیپ ہوئے نظر بہت آرام دہ انداز میں اگلی سیٹ پر بیٹھ چکے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جیپ دھیرے دھیرے چلنا شروع ہو گئی۔ خالہ بے تاب سے انداز میں ۔۔۔ ساتھ ساتھ چلے گئیں۔

"آؤ خالہ! اندر بیٹھیں"۔ نسیمہ بیگم کو ان پر ترس سا آ گیا۔

خالہ بے ساختہ آگے ہوئے اگلی پر بچھے گئیں۔ "اللہ۔ تیری امان میں دیا"۔

تیمور علی خان بونٹ کار کے سلسلے میں کار کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بھی ہوئی شیشے کی دیوار سے گھر کا ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ درختوں کی بہتات ایک سے ایک خوش لباس، خوش شکل زن و مرد بڑے معروف انداز میں آ جا رہے تھے۔ اپنے لباس پر نظر ڈال کر بڑی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ حالانکہ نوفیہ لباس پر اس نے بہت خوبصورت مخمل کی چادر لپیٹ رکھی تھی جس سے آدھا چہرہ بھی چھپا ہوا تھا۔

"آؤ"۔ تیمور علی خان کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ لان کی طرف جا رہے تھے۔ وہ گھبرا کر ان کے پیچھے ہو لی تھی۔ تھوڑا بھاری جسم ہونے کے باوجود وہ لان میں ایک تیز رفتار لڑکی کی طرح چلتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہو گئے تھے۔

www.Parsociety.com

وہ تین بچوں کے ساتھ بکارڈم بکارڈی شروع کر رکھا تھا۔ یہ سے واقع میں لگا رہے تھے۔ وہ دونوں ہی
پیچھے تھے اس کی پشت پر آ کر ایک بچے نے گیند ماری۔ وہ دونوں ہی بوکھلائی ہوئی تھی ایک دم سنبھل پڑی۔ بلا ایک
ہی شرمندہ ہو گئی۔ اس وقت تو بچے گھروں میں بے خبر سوئے ہوتے ہیں۔ اور جو جیسے ٹیک ہو رہی تھی۔
معاف کا احسان مانتے ہوئے والی اپنی لیکسس کی طرف گیا اب وہ متوجہ ہوئی تو وہ مسلسل نگاہیں جمائے
تھی۔

"یہ خان اشتیاق کسی کا بچہ کھو گیا اعلان ہو رہا ہے"۔ وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔
تیمور علی خان نے گہری سانس لے کر سر موڑا تھا۔ گویا اپنی بھلا ہونے پر قابو پایا تھا۔
"بھی اردو میں بھی ہونے لگی۔ گھر سے کون لیتا"۔ وہ اس خیال سے گویا ہوئے تھے کہ وہ حریفہ گورنر الطافی کی بہن
کیونکہ اس کے پہلو میں ایک بڑی فیشن ایبل خاتون گود میں شیر خوار اٹھائے براجمان ہو چکی تھی۔ اور اس کے پہلو میں ہم
ان کی بہن تھی۔ دونوں کی شکل میں خاصی مشابہت تھی۔
"ایکسکیوزمی اگل! آپ کے اس سائیڈ میں کوئی ہے"۔ ایک بچہ گھٹنوں کے بل جھکا ہوا صوفے کے نیچے جھانک
رہا تھا۔
"ہوں ہوں۔ وہاں کیا کر رہے ہو تیمور؟" سامنے صوفے پر بیٹھی ایک طرح دار خاتون نے بچے کو پکارا۔
تیمور علی خان نے دلچسپی سے اپنے ہم عمر بچے کو دیکھا اور ایک طرف کو ہو گئے تا کہ بچہ آسانی سے اپنی بال نکال لے۔
"سوری اگل۔ ادھر نہیں ہے آپ کی آنٹی کے پاؤں کی طرف ہے"۔ بچے نے تیمور سے بے نیاز ہو کر
طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا کر گیند اٹھانے لگا۔ پھر ایک دم اٹھا۔ اب اس کے ہاتھ میں ربڑ بال کی بجائے بلا تھی۔
"ٹھیک ہے آنٹی"
"اچھا بابا۔ یہ اگل کی آنٹی نہیں ہیں آپ کی آنٹی ہیں۔ اگل کی تو خالہ"۔ "ہاں"۔
سفریہ کے حسن سے مرعوب ہوا میں بیٹھی ہوئی عورت نے کھسیائے ہوئے مسکرائی۔ جو بھی ہو خاصی مسکرایا۔
"کراچی جا رہی ہیں آپ؟" وہی خاتون سفریہ کے پیرہن کے پر شوق نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
"جی"۔
"شادی شدہ ہیں ناں؟" اس مرتبہ اس نے پروقار بہت شاندار سے تیمور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔
سفریہ نے نفی میں گردن ہلا دی۔
"پھر یہ آپ کے کون ہیں؟" خاتون بچوں کو دیکھتے ہوئے سخت سے پر شوخ نظر آئی۔
سفریہ خاموش رہی۔
"کزن ہیں؟"
سفریہ خاموش رہی۔

"بولے حالی ہیں؟"
سفریہ پھر خاموش رہی۔
تیمور علی خان نے بے تکلفی سے پوچھا۔
"میاں ہم لوگ ہیں۔ وہ سے یہاں کی زیادہ تر خواتین اور لڑکیاں دیکھی ہوئی ہیں۔ یہ صرف شادی
یہاں جاتی ہیں"۔
"سوری فار دیٹ"۔ عورت قدرے ہی ہو کر یک سے پانی کی فیڈر اٹھانے لگی۔
سفریہ اسی اطمینان کا سہارا لیے بیٹھی رہی۔
اسی وقت کوئی خاتون کیلئے اونچے سٹیج پر بنے ہوئے پہلو میں بچھی ہوئی دو کرسیوں کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔
"اب کوئی بات کرتا ہے تو جواب دینا پڑتا ہے۔ بھی وہ اپنے میاں کو کہہ کر سکیسل والوں کو خاصی رقم کی ادائیگی
کے کر رہی ہے جانی جا رہی ہے۔ ان سے۔ بیوقوفی ہے ہم"۔ تیمور علی خان کی طبیعت ہی ناک رہم ہو گئی۔
ان کے تو وہم پر بھی اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔
"خان! مجھے محسوس نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا جواب دوں؟" وہ بے بسی ہو گئی اس خوف سے گر جائے کب تک وہ خاص
رہے۔
"اگر کوئی اور پوچھے تو کیا جواب دوں؟" وہ بے بسی سے نچلے ہونٹ میں پوچھ رہی تھی۔
"اس اب کوئی نہیں پوچھے گا۔ فلائٹ کا اعلان ہو رہا ہے"۔ وہ اسی طرح آلتی پالتی مارے گویا ہوئے۔ وہ چادر درست کرنے
لگی۔
"خان! وہ ٹیک تو آپ نے اتنی اچھا ہے۔ اس میں تیمور سے زیادہ پیسے بھی تھے۔ کہیں وہ اگل نہ لیں"۔ وہ
پریشان ہو گئی۔
"پیسے تھے میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی"۔ وہ بھولے۔
"میرے پاس کوئی بٹوہ نہیں ہے۔ مجھے پیسوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ابھی بھی سب بکھر دیتی ہیں۔ کبھی پیسے
جانتا ہی نہیں ہیں"۔ وہ ادا سے اترا کے کہہ رہی تھی۔
تیمور علی خان اس کی آواز کے زیر و بم میں الجھ گئے۔ پھر سر جھٹک کر ٹیک طیبہ کو اس کی سمت دیکھا۔ سفید چہرہ، معاف کا بچہ
جوتا، چوڑا فیک خاک کو گھورتے۔
لمحہ بن کی انتظار میں مل کر خاک ہو گیا۔
"اب نہیں۔ کوئی نہیں لائے گا۔ اگلے فلائٹ میں اگلی جہاز نہیں ہوتی"۔
وہ شکستہ سے پاؤں خیر صبح سے آنے والے دیکھنے لگے۔
اسے اور تو کچھ سجھ نہ آیا سوائے اس کے کہ پیسے کوئی نہیں لائے گا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

"اور یہ دوسرا پرچہ۔ سے پاکستان آنے کہاں ہے۔ ٹھیک ہی کہ رقم بھیجے ایک جوڑی سونے کے بندے بھیجے ہیں۔"
تیمور علی خان نے منظر خاں کو اس کا پرچہ دیکھا۔
"خالہ نے دیئے تھے۔ خانہ کرنا کی نے دیئے تھے۔ اور بالی تو۔"
"کالی نمبر ون (مسلسل سفر) ۔ لائف پلیز۔ اب کراچی جا کر تجارت کرو۔ جان چھڑاؤ ان سے۔ آوارہ یا لفنگ بات کرنے والے تیمور علی خان جی کو بھلا کر رہ گئے۔
وہ گم صم کر خاموش اور رہی۔ اور دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ جاتے ہی اشرف کی ماں کے حوالے کر دے گی۔

وہ ویسے تھوڑی میں داخل ہوئی تو سراپا حیرت تھی۔ راستے میں جھاگ اڑاتا سمندر دیکھ کر تو وہ دم بخود رہ گئی تھی۔ اتنے بڑے سمندر کو پہلی بار دیکھا تھا۔ اور دیکھنے والے جسم بھی اتنا بڑا سمندر۔ اللہ خدایا۔
وہ کوٹھی میں داخل ہوئے تھے اشرف منتظر تھا۔
"خان آپ کے دوست رات کو آئے تھے میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ آپ صبح آئیں گے۔"
"اچھا۔ کیا ہوا ہے؟"
"جی ۔۔۔ رات کو لیٹ شو دیکھ کر آئے تھے۔ زیبا محمد علی کی فلم لگی ہے ناں اتوار سے وہی دیکھ کر آئے ہیں نا۔"
مظہر نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ ٹھیک ٹھاک حالت بری رہی تھی چہرے پر۔
"بات مختصر کیا کرو۔" تیمور علی خان ناگواری سے ٹوک کر آگے بڑھنے لگے۔ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہی چل پڑی۔
اچانک دم ایک سمت سے ایک دلیر عمر عورت نمودار ہوئی۔ اور بہت ادب سے جھک کر تیمور علی خان کو سلام کیا۔
"یہ تمہارے ساتھ رہے گی صابرہ۔ اس کا خیال رکھنا تمہاری سب سے خاص ذمہ داری ہے۔ باہر کے کسی کام سے یہ نہیں جائیگی۔ یہاں کے کاموں میں تمہارا ہاتھ بٹائے گی۔ باقی ہدایات اماں جی فون پر تمہیں دیدیں گی۔ ہم بہت تھکے ہوئے ہیں آرام کریں گے۔ ہمیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔" وہ گول چکردار زینے کی جانب بڑھ گئے۔
اشرف کی ماں دم بخود کھڑی مظہر کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔
"تت ۔۔۔ تمہیں خان حویلی سے لائے ہیں؟" عورت کا ذہن اس کا حسن دیکھ کر کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔
"ہوں ۔۔۔ میں وہاں کام کرتی تھی۔ خالہ سوا آنے کی بھانجی ہوں۔" اس نے آہستگی سے بتایا۔
"اوہ ۔۔۔ تو سوا آنے کی بھانجی ہے۔ میں سمجھے۔ پھر تو تیری بھی بھانجی ہے۔ سوا آنے نے کہاں چھپا کر رکھا تھا یہ ہیرا۔" صابرہ نے اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔
"آہ ۔۔۔ آ ۔۔۔ خالہ میرا جسم بہت درد کر رہا ہے۔" وہ اذیت سے دوہری ہو گئی۔
صابرہ نے بدحواس ہو کر اسے ایک دم خود سے الگ کر دیا۔
"ہم ۔۔۔ کیسے آئے بچہ بیٹی؟" وہ فکری طرح پریشان دکھائی دینے لگی۔

"بتاؤں گی خالہ ۔۔۔ پہلے تو مجھے کچھ کھانے کو دیں گی۔ سب کچھ بتاؤں گی۔" اس نے صابرہ کی فکر میں اضافہ کیا۔
"ہائے میرے جواب دو۔"
"اچھا ۔۔۔ تو یہاں بیٹھ جا۔" اس نے صوفے کی جانب اشارہ کر کے صوفے پر بٹھا دیا۔
"بتاؤ اب کیسے آئے؟" وہ اس کی پریشانی سے دل سمیت کر بہت محبت سے پوچھ رہی تھی۔
"نہیں ۔۔۔ بس میں سو جاؤں گی۔ بتاؤں گی۔ میں کر لیا تھا۔ بہت تھکن ہو رہی ہے۔ پاؤں سخت سوجھ گئے ہیں۔" اس کی آواز میں اچھا خاصا گھن آ گئی۔
"چل آ جا پھر ۔۔۔ میرے بستر پر آرام سے سو جا۔ اور جتنا مرضی سو۔ تجھے کوئی نہیں اٹھائے گا۔ جب تو سو کر اٹھے گی تو میں تجھے بہت اچھا سا پراٹھا اور انڈا بنا کر کھلاؤں گی۔ اس کی مرغی دا۔"
جانے اس کی صورت میں کیا جادو تھا کہ وہ موم کی طرح پگھل رہی تھی۔ اس سے بہت محبت کی محسوس ہو رہی تھی۔
"یہاں کام بھی کتنا ہوتا ہے بچی۔ کام تو خدا کی سے ہوتا ہے۔ جب چار جہازیاں ادھر آتی ہیں تب ہوتی ہے بڑی رونق۔ رات ایک ایک بجے تک سونا نہیں ملتا۔ وہ زیادہ ہی پریشان ہو جاتا ہے۔ وہ آتی ہیں تو میں بڑی خوش ہوتی ہوں۔ اماں جی کہتی ہوں صابرہ دھکر چکا کر رکھا کر۔ کہ بسا ہوا نظر آئے۔ تم ادھر ادھر رکھ لیتا۔ اس پاس کی کوئی کوٹھی ہماری کوٹھی کی طرح نہیں چمکتی۔ جیسے آج ہی ملی ہو۔ بڑے خان دو سال میں ایک دفعہ تو لازمی پوری کوٹھی میں رنگ و روغن کراتے ہیں۔ میری دلی ہوئی ہے جب کراچی (کراچی) آتی ہے تو مرمت کرتی ہے کہ اماں یہ تو تیری کوٹھی ہے۔ خانوں کا تو بس نام ہے۔ یہی ہوتی تو ہے اس میں۔"
صابرہ سامنے کمرے سے نکلے جاتے ہوئے ایک دم اشرف کی طرف چل پڑی تھی۔
"اور آج سے تو پھر کر۔ یہ تیری بھی ہے۔" صابرہ قہقہہ لگا کر کہتی ہوئی چلی گئی۔
(ہائے ۔۔۔ آگے پیچھے کوئی نہیں ہے میرا ساتھ۔ مگر دل ہولیاں کوٹھیوں پر راضی ہی کب ہے۔ یہ تو وہ حلوائی بچہ ہے جو ماں کی دی ہوئی مٹھائی چھپک کر خود ہڑپ کر جاتا ہے اور وہ منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اس سے سوچ رہی تھی۔

وہ شام پانچ بجے کے قریب سو کر اٹھی تھی۔ مگر کوئی بستر سے جانے کی ہمت نہ پا رہی تھی۔ اسے سمجھ ہی نہ آ رہی تھی کہ کہاں ہے۔ خاصی دیر بیٹھ کر سوچتی رہی۔ پھر ایک دم اٹھ بیٹھی۔ اور باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔ سامنے ہی ڈریسنگ ٹیبل میں واش بیسن لگا تھا۔ وہ اسی سمت بڑھ گئی۔ وہاں نل بھی تھے۔ اس نے بمشکل منہ ہاتھ دھویا۔ بالوں کو برش کیا۔ کمر میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ وہ کراہ کر سیدھی ہوئی تو محسوس ہوا کہ اس کولہی اور بھی موجود ہے۔ وہ چونک کر مڑی سامنے تیمور علی خان چھوٹا سا بیگ پکڑے کھڑے تھے۔
"اس میں تمہاری دوا ہے۔ یہ کس نے دی ہے۔ اشرف کی ماں سے کہہ کر گرم پانی سے ٹکور کرو۔ ہیٹنگ پیڈ بھی ہے۔ کیسے حال کیا ہے؟" وہ ایک نظر اس پر ڈال کر بیگ کرسی پر رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔
"اماں تو اب بھی ہے۔ خان اللہ الاماں [illegible] دیا ہے۔" وہ بیٹھ کر دوا نکالنے لگی۔ [illegible]

ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اوں"۔ وہ بمشکل سن پا رہے تھے۔

"تو ویسے ہماری حیرت کسی طرح کم نہیں ہوئی کہ اس رات تم نے اتنی بڑی بات ہم سے چھپائے رکھی۔ تمہاری ماں کا گھر حویلی کے نزدیک تو نہیں ہو سکتا۔ پہلے تم شہر آئی ہو گی پھر وہاں سے اتنی دور کوہستان کو چل دی تھیں"۔

"میں پہچان نہیں آئی تھی خان"۔ اس نے قدرے مرعوب علی خان کی بات کاٹ دی۔

"مگر — اتنی رات کو تمہیں سواری مل گئی تھی؟" وہ متعجب ہوئے۔

وہ خاموش بیٹھی رہی۔

"بولو"۔ وہ چیخے۔

"مجھے ایک آدمی چھوڑ کر گیا تھا خان"۔ وہ بہت آہستہ بول رہی تھی۔

"تمہاری ماں کی طرف کا آدمی؟" وہ حیران ہوئے۔

"نہیں — جب میں دیوار کود کر باہر آئی تو ایک آدمی اپنی دو بیویوں کی دکان بند کر کے گاہکوں کا حساب کتاب کر رہا تھا۔ میں نے اسے چھپ کے دیکھ لیا تھا۔ وہ دکان چھوڑ کر بھاگ کر میرے پاس آیا۔ وہ سمجھا تھا کوئی چور ہے۔

شہر والوں کو ادھر سب جانتے ہیں۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ یہ عورت مجھے اغوا کر کے لائی ہے اور میں بہت ڈری ہوئی ہوں۔ میرے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ بے چارے کو بہت دکھ ہوا۔ کہنے لگا "یہ عورت بہت خطرناک ہے۔ میں تمہیں کسی اسپتال لے جا سکتا ہوں نہ اپنے گھر۔ میرا بھی جوان بیٹیوں کا ساتھ ہے۔ بیٹھی میرا گھر ہے لیکن کوئی اور ٹھکانہ میں بتاؤ۔ وہاں ضرور پہنچا سکتا ہوں جہاں سے تم آئی ہو۔ میں اپنی بیوی کو بتا کر آتا ہوں اور گاڑی بھی لے کر آتا ہوں اپنی تو سچ ہو دکان کے اندر بیٹھ جاؤ۔ میں باہر سے بند کر کے جاؤں گا۔ گھبرانا نہیں"۔

پھر خان میں دکان میں بیٹھ گئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ مجھے تو خود بھی سے معلوم نہیں تھا۔ میں نے کہا وہ اسے چلو۔ وہاں سے تو میں بتا سکتی ہوں۔

تھوڑی دیر میں وہ آ گیا تھا اس نے مجھے دکان سے نکال کر گاڑی میں بٹھایا۔ پیچھے اور دکان میں [illegible] بہت دور ہے اس کا گھر۔ بہت دیر لگا دی۔ میں تو ڈر رہی تھی کہ کہیں سو گئی تھی یا بے ہوش ہو گئی تھی۔

راستے میں اس نے گاڑی میں پٹرول بھی ڈلوایا تھا۔ میں تھکی ہوئی تھی۔ پیچھے مجھ سے بولا نہ کر بیٹھا کہ کہیں کی تھکن [illegible]

"خان — وہ بہت نیک آدمی تھا۔ اس نے مجھے حویلی سے تھوڑی دور اتارا تھا۔ میں نے اسے کہا تھا کہ آپ ہمارے خانوں سے مل لیں۔ وہ بہت اچھے ہیں۔ کہنے لگا اپنی بھلائی کا کام نہیں۔ نیکی کے پیچھا ہے۔ ایک تو تم اغوا کی پھر اس پر اس قدر زخمی۔ اس کے اللہ کا نام لے کر اطمینان سے [illegible]

"واقعی وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ یاد کریں تمہاری کہ (قصہ نامکمل) بھی ہے اس [illegible]

آسان بات نہیں تھی۔

"یہ نہیں خان قسمت اچھی ہے۔ قسمت اچھی ہوتی تو کہیں اور ہوتے ہوئے"۔

پھر اس عورت نے بہت دل کی بات کہی۔ تو علی خان تو بھڑک کے کھڑے ہو گئے۔

"یہ بھی اچھی قسمت کی علامت ہے کہ تم جہاں پہنچ گئی تھیں وہاں کسی نے تمہارے ساتھ بدتمیزی نہیں کی"۔

"اس نے تم پر ہاتھ کیوں نہیں اٹھایا تھا؟" وہ چلتے چلتے پھر رک گئے۔

"ایک ہونے والے بچے کی ماں کو مارنا بھی کسی کتاب میں لکھا ہو گا وہاں اس پر بھی یہ واضح تھا۔ ایک چنداں بڑھیا بھی تھی وہاں۔ اس نے بھی ڈانٹا تھا کہ ایک اکیلی عورت کو اس طرح مارتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اس نے کہا تھا کہ ایک دفعہ اس پاگل کو اس کے حوالے کر دیں۔ پھر دیکھیں کیسے ٹھیک ہو جاتی ہے۔ ساری اکڑ فوں بھول جائے گی۔ سارا اللہ بن جائے گا۔ اس

"اچھا... آجا" صاعقہ [illegible]

صاعقہ اللہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی [illegible]

[illegible]

"جی... تشریف لائیے آپ کون؟" [illegible]

"جی... وہ جی... السلام علیکم" وہ گھبراہٹ میں [illegible]

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ بیٹھئے" اس شخص کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"وہ جی... تیمور خان ادھر نہیں ہیں؟ میں چلتی" وہ چلنے لگی۔

"سنئے" اس شخص کی [illegible] سماعت سے ٹکرائی۔

"آپ تیمور کی کون ہیں؟" وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

[illegible]

"میں جی... کوئی بھی نہیں ہوں ان کی" وہ بہت گھبرا رہی تھی۔

[illegible]

"آپ یقین کریں"

[illegible]

وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ پیچھے آئی۔ [illegible] وہ کچن میں چلی آئی۔

[illegible]

"کہاں چلی گئی تھیں خالہ! میں تمہیں [illegible] پریشان ہو گئی تھی"

وہ روہانسی ہو کر صاعقہ کے گلے سے لگ گئی۔

[illegible]

"ہاں وہاں کوئی مہمان ہے" [illegible]

[illegible]

"تیمور خان ابھی پتا نہیں کہاں چلے گئے" [illegible]

[illegible]

"کون ہے؟ مہمان ہے" [illegible]

[illegible]

گی۔

اس کے سامنے حویلی کی صبح کا منظر ابھر گیا تھا۔ کیسی بارونق سی ہوتی تھی صبح کی۔ ماں ... وہ ابا کی آواز سنتے ہی کام میں لگ جاتی تھی۔ ایک فراوانی کی ان کے دامن پر بچھ جاتی تھی۔

"آپ نے خود ہی چائے کیلئے کہا تھا"۔

وہ اسی طرح اچھل پڑی تھی۔ مہمان نوازی اور میزبانی کا گویا کی رگوں میں ہاتھ والے سامنے کھڑا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مڑی تھی۔

"السلام علیکم جی"۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر ہی کہہ پائی۔

"وہ چائے ... ویسے وعلیکم السلام"۔ وہ پرشوق نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"وہ ... خالہ نے کرتو گی تھیں"۔ اس نے معذرت کی۔

"مگر مجھے خالہ کی بنی ہوئی چائے سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے تو چائے کیلئے آپ نے کہا تھا"۔ وہ اس کی پریشانی کا مقابلہ کر رہا تھا۔

"مگر ... خالہ مجھ سے اچھی چائے بناتی ہیں"۔ وہ اس کی نگاہوں سے بہت گھبرا رہی تھی۔

"اچھی بری کا سوال نہیں ہے۔ چائے بنانے اور پلانے والے کا مسئلہ ہے"۔

"آپ خان کے رشتے دار ہیں؟" اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا اور ساتھ ہی لاشعوری کوشش کی۔

"آپ خان کی کون ہیں؟" وہاں سے اتنا سوال کر دیا گیا۔

"میں ان کی ملازمہ ہوں"۔ وہ بڑے سکون سے اور اعتماد سے گویا ہوئی۔

"اوہ!" مہمان نے تن جانے کے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔ اور پہلے سے زیادہ بے خوف انداز میں اس کے سراپے کا جائزہ لیا۔

"بڑے خوش قسمت ہیں یہ خان زادے۔ میں حسد کی آگ میں جلنے لگا ہوں"۔ مطربہ کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں ابھر ہونے لگی تھیں۔ اس بدتمیز سے محسوس ہو رہا تھا وہ۔ اس کے بڑھتے آنچل کی آگ اس کا تن من جھلسا رہی تھی۔

"ویسے ایک بات بتائیں۔ ہم بھی خان زادے ہی ہیں۔ بس قبیلے کا فرق ہے۔ مگر تم خان زادوں میں ہی کوئی چیز پسند آئی؟" وہ ... وہ ... یہ تم کیا کہہ گیا تھا۔

سرخ و سفید روئی پھولوں کا گویا شعلہ اور سر پر خوبصورت کڑھائی والا سیاہ آنچل۔ صبح کے نوخیز اجالے میں اس کی آنکھ چھوئی کی طرح چمک رہی تھی۔

"ایک بات بتاؤ"۔ وہ جیسے سنگریزے کا پرکٹ اور لاشعور کا لئے ہوئے اس کے پیروں پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

وہ خاموشی سے اس کی بات کا انتظار کرنے لگی۔

"تم خان سے ... کتنا پیار کرتی ہو؟" اس کا انداز عجیب سا تھا۔

"جی یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ سب جانتے ہیں"۔ وہ اپنی لگاوٹ کا اظہار کر رہی تھی۔

"میں سمجھ سکتا ہوں گی کہ کس طرح کا خیال رکھتے ہیں؟" وہ جانے اس کے چہرے کی کیا کیفیت تھی۔

"جیسا کہ کہنا چاہیے۔ میں اس بات سے اپنے خانوں کی بہت عزت کرتی ہوں کہ وہ عورتوں کی عزت کرتے ہیں ..."

اس نے اپنی طرف سے بڑی بات بہت سمجھداری سے کی۔ شاید وہ مہمان کی نظروں سے اپنی آنکھوں میں چھلکتی ہوئی محبت کو چھپانا چاہتی تھی۔

"شاید تمہارے خانوں کی نذر کیلئے نظر کمزور ہے"۔ اس نے سرخ آنچل پر نظریں جمائے کہا تھا۔

(تمہاری اس بات سے تو مجھے کسی اور ہی طرح کا خلق ہے) وہ صرف سوچ کر رہ گئی تھی۔

"میں امید کروں؟" اس نے گلابی چھپاتے ہوئے خادمانہ انداز میں اجازت چاہی۔

"اس شرط پر کہ اب چائے لے کر تم آؤ گی"۔ اس نے بھاری بھرکم دھیرے دھیرے اٹھا لیا۔

"جیسا آپ سے سوال ہوا میں گی۔ خالہ صبح کرتی ہیں"۔ اس کی تابعداری محو کر آئی۔

"کون خالہ ... وہ کی بی جو ادھر کام کرتی ہیں؟" اس نے مہمان نے گہری نظر سے پوچھا۔

"جی"۔ وہ ... ہیر ... سے بولی

"اوں ... تمہی خالہ ہے تمہارا"۔ لہجہ ... کھڑا کھڑا تھا۔

"جی ... مگر ماں جی نے انہیں میرا خیال رکھنے کو کہا ہے"۔ وہ اسی بات پر اصرار بھی کر گیا ہوئی۔

مہمان کے دل پر تو گھڑے ... کھڑے ہوا کہ پہلا ایسا ہوا تھا کہ ... خاص اصرار۔

"اماں جی ... تمہاری والدہ"۔ مہمان نے ... لہجہ۔

"جی"۔ وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"یعنی خالہ تمہارا خیال رکھتی ہیں۔ ہوں ... اچھی بات ہے۔ وہ اب پہلوانوں کے گرد خادم ہوا چاہیے اماں کی بھی کچھ ذمہ داری ہوتی ہیں"۔

"جی ... ماں حافظ سے انہیں اللہ نے بڑی عقل دی ہے"۔ وہ شرم سے لکھنؤ کی طرح ... میں ہو گئی۔

اسی سوچ گی۔ کہ مہمان کو کیا ہوا گی۔ جانے اپنی کس کس سوچ پر۔

"ٹھیک ہے ... تم جاؤ ... ہم تمہارے چائے کیلئے نہیں کہیں گے"۔

اس نے تحمل سے مہمان کی شکل ... تھی۔ بہت ہی حساس کی جانکاری ہو رہی تھی۔ وہ اجنبی ... کیا ہے کا تاثر پڑ کرنے گی۔

وہ یہیں تھی کہ خالہ نے کہا اسے تیمور خان بلا رہے ہیں۔

وہ جیسے روتی ہوئی دنیا میں آئی تھی۔ پورے ہوش و حواس کھلے ہوئے تھے انہیں دیکھتے ہوئے۔

"جی — جی خان" — وہ اندر داخل ہوئی تو اس کی سانس پھول رہی تھی۔

"اماں جی تم سے بات کریں گی"۔ تیمور علی خان جو کسی سے فون پر بات کر رہے تھے ان کے ہاتھ میں ریسیور تھا۔ آگے بڑھے

اماں جی — بات کریں"۔

"ہائے اللہ — اماں جی"۔ — وہ زور زور سے گرتی پڑتی آگے بڑھی۔

"السلام علیکم اماں جی۔ اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں جی۔ جی۔ نہیں آپ فکر نہ کریں۔ صابرہ خالہ بہت اچھی ہیں۔ جی۔ مجھے تو ان کل سے رکھائی نہیں دیتے۔ پھر خیال کیا رکھوں۔ انہوں نے کل گھر میں کچھ کھایا کھایا نہیں تھا۔ ہاں جی جائے تو پی تھی۔ کوئی مہمان بھی ہے ان کے گھر میں اس کے ساتھ۔

جی مجھے نہیں پتہ۔ شاید خان کے دوست ہیں۔

نہیں ہیں — بالکل نہیں روئی۔ بس آپ بہت یاد آ رہی ہیں۔ جی خان تو باہر چلے گئے ہیں"۔

"اچھا — خدا حافظ"۔ اس نے اداس سی کیفیت میں ریسیور رکھ دیا۔

وہ باہر آئی تو تیمور کی طرف بڑھنے لگی۔

"سعدیہ"۔ اسے پشت سے آواز آئی۔

وہ چونک کر مڑی "جی خان"۔

"زخم کیسے ہیں اب؟" — وہ عام سے لہجے میں پوچھ رہے تھے

"پہلے سے کہیں بہتر ہیں مرہم بہت اچھا ہے"۔ — وہ خاکساری کے انداز میں گویا ہوئی۔

"وہ ایک ہاتھ سے" — وہ کچھ کہتے ہوئے جھجک رہے تھے۔

"جی خان — حکم"۔

"دیکھو — کوئی نہیں ادھر ادھر نہیں گھومنا۔ بس صابرہ کے ساتھ رہو اور اپنے کام سے کام رکھو"۔

"جی خان"۔

"اوپر کسی نہیں جانا جب تک ہم یہاں ہیں" — وہ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔

اس نے چونک کر تیمور علی خان کا چہرہ دیکھا۔ دل بہت تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

"جی تو نہیں نہیں اوپر"۔ وہ جاتے جاتے پلٹ پڑے۔

"وہ گڑبڑا گئی۔ ملک جیسے ہوگی"۔ — وہ — جی — جی نہیں — نہیں تو — وہ — جی مجھے تو کوئی ضرورت ہی نہیں تھی

اوپر جانے کی"۔ اس کی آواز تھرا گئی۔

تیمور علی خان اپنے کسی خیال میں گم تھے۔ اس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس کی طرف سے بے نیاز ہو گئے تھے وہ جی چاہا کہ اگر کچھ نہ کہیں تو ٹھیک ہے چلی جائے۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے"۔ — وہ اپنی رائے دینے لگے۔

"بہت اچھے ہیں — بس سے کرتی ہیں۔ — وہ بڑی آنکھوں سے پوچھ رہی تھی۔

اور جو حجت عمل کیں ہے اور ہر ایک میں تو کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ کام کے وقت تو کوئی نہیں بھی ہو سکتے ہیں جی چلی جاتی ہیں۔ اس کی بچہ کچھ نہیں آتا۔ — لکھے لکھے لکھے

www.Paksociety.com

ہوں۔ آل ریڈی شادی شدہ ہوں"۔

"اوں ہمر — سوسائٹ — لو یو الم"۔ تیمور علی خان بے چارگی سے گویا ہوئے۔

"مجھے بے وقوف بنا رہے ہو — میری جان — یہ لندن وایمرہ نہیں ہے۔ بیٹی دینے والے بال کی کھال نکالتے ہیں اور شک کا کانٹہ ترازو میں رہتے"۔ علی نے تھکی سے سگریٹ اٹھا کر ڈبہ سے ٹیبل پر دے مارا۔

"ایک بچے کا باپ۔ جس سے اس کے خاندان والے نہیں ملتے"۔ "کیوں نہیں ملتے۔ اس لاجواب ملک پر کوئی پابندی تھوڑی ہی لگی ہے۔ اور اس جیسے سارے جواب میں ملک کی سوشلیٹیز وزٹ کر لی جائیں گی۔ جو ہمارے لئے ممکن بھی نہیں کی گئی ہوں گی۔

یاد رکھیے پاکل ہوا کہ وہ اتنی جلدی بھروسا نہیں کرتی۔ اتنا وقت ہی نہیں ہے۔ پھر بھی تو کہتے ہیں کہ ان کی جان کو خطرہ ہے"۔

"اوہ مائی پارٹنر — خوامخواہ وہم نہ کرو۔ فرانکی کرو"۔ تیمور علی خان اتنی باریکیوں سے پریشان سے ہو گئے۔

"بھئی جب تم غیر ہو کر بھروسہ نہیں کر رہے تو سچائی کی قدر کرنا چاہیے"۔ وہ حیران سے تھے۔

"پتا نہیں کون سی دنیا میں ہو تم۔ بہر حال لگتا ہے اچھی دنیا میں ہو"۔ علی نے تھکی تھکی سانس بھری۔ "خوش رہو"۔

"اس طرح تو بات نہیں بن رہی۔ پرابلم لیس کرو۔ سولوشن نکالو یار پارٹنر"۔ تیمور علی خان نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اچھا تم کرو ماں پرابلم حل"۔ علی نے سونے پر لیم دراز ہو کر اطمینان سے کہا۔

"تم بتا دیکھو ہم مدد کرنے کو تیار ہیں۔ اگر ہمارے اختیار میں ہوا"۔

"بس اب تم تمہارے اختیار کی بات ہے ڈیئر"۔ علی نے بات مکمل ہونے سے پیشتر کاٹ دی۔

"اوہ"۔ حیرانی سے تیمور علی خان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں یار — بات تھوڑی سی غیر معمولی تو ہے مگر"۔ علی نے یکدم توقف کیا۔

"ہوں ہوں — کہو"۔ تیمور علی خان اچھلنے سے قریب آ گئے۔

"یار — قسمت نے اسے خلا زادہ بنا دیا ہے۔ مگر کسی طرح خلا زادہ لگتی نہیں"۔ علی نے بات کرتے کرتے نکتہ بھا لیں۔

"کون؟" تیمور حیرت میں گھر گئے۔

"نام تو مجھے پتا نہیں۔ البتہ بھلا سا لگتا ہے"۔

"یار — کیوں ابھار رہے ہو"۔ تیمور چڑ گئے۔

"واقعی — مجھے اس کا نام نہیں معلوم۔ اس کا نام تم بتاؤ گے۔ بہت چھوٹی عمر ہے۔ گھبرائی بھی ہوئی ہے۔ بات کچھ کہتی ہے۔ کچھ کہتی"۔

تیمور علی خان چونکے۔ بڑے سنجیدہ اور سنسنی سے علی کی شکل دیکھنے لگے۔

"مطلب"۔ ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"مائی گڈنس — واٹ اے لیجنڈ — سوری الم"۔ علی تڑپ کر بولا۔

"کیا واقعی چالاک ہے۔ بہت ہی ذہین ہے کسی سے کسی بات کا بدلہ لینا چاہتا ہے"۔ علی کی نگاہ بھٹک گئی۔

"نہیں — ہے — کہتی ہے پالنے والے سے پیار"۔ وہ جیسے گہرے کنویں سے بول رہے تھے۔

"تو پھر کیا چیل ہے۔ کوئی تو بات ہے تو کہی ہے اس نے۔ اصل کی تلاش جاری کرنے کی تھی"۔

"نہیں — کوئی قباحت نہیں ہے۔ ہم سب تو خود اس کی ہمدردی پر تیار ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کی شادی کل کی ہوتی آج ہو جائے۔ پرابلم سارا ہے جائیگی۔ یہ وہی سیریس بات ہوتی ہے۔ تمہارا خون ہے۔ کیا واقعی تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" تیمور علی خان نے الجھی ہوئی نظروں سے علی کو دیکھا۔

"ابھی کر لو یار"۔ علی کا جواب بڑا سادہ تھا۔

"بہت ہی سنلی بیفکل ہو۔ دراصل ادھر بھی کچھ پرابلم ہے۔ پہلے حقیقت جان لو۔ پھر غور کر کے ایڈمٹ کرنا"۔

"مجھے غور نہیں کرنا بس شادی کرنا ہے۔ یار کام سے لگ رہے ہیں"۔ علی نے جھلا کر کہا۔

"یہ نہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اب تو اپنی فرانکی کے طور پر ہمیں ہمارا ایمان بھی قبول نہیں کرتا۔ اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ جلد از جلد اس کی شادی ہو جائے مگر۔ تم پہلے تسلی سے حقائق جان لو"۔

"تمہیں اتنا اصرار ہے تو جلدی سے جلدی بتا دو اور ختم کرو مجھے کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مجھے ان باتوں سے چڑ کے مجھے نارمل لگ جاتا ہے"۔ علی کے انداز میں بڑی بے صبری تھی۔

تیمور علی خان نے جانچتی نظروں سے علی کی طرف دیکھا۔ "اتنی بے تابی۔ کہاں دیکھ لیا تم نے اسے؟"

"بھول جاؤ یہ قصہ۔ حقائق بتاؤ"۔ علی نے کوفت بھرے انداز میں کہا۔

"اس کا ٹیک کیئر آف "ریڈ لائٹ ایریا" سے ملتا ہے۔ مگر وہ بہت اوسط ہے۔ وہ اس ماحول میں رہی نہیں گزرون اپ (پرورش) ہوئی۔ اس کی نانی نے پالنے سے گاؤں میں اسے پالا۔ شاخ ہوا تھا اس کے بچپن کا۔ ہماری بہت پرانی ملازمہ کے تعلقات ہیں اس کی نانی دیہر وے۔ اس کی نانی نے ہماری عربی میں کام کیلئے بھیج دیا۔ کیونکہ وہ اسے اس ماحول میں بھیجنا نہیں چاہتی تھی۔ البتہ اس کی اپنی ماں، ریڈ لائٹ ایریا کی فکسڈ ویلیو میں اپ گی بڑی ہے۔ وہ اسے پالنے داری ہو لی آئی تھی مگر یہ اس کے ساتھ گئی نہیں۔ مگر بعد میں وہ اسے اغوا کر کے لے گئی۔ فی الزا سے وہ لی گئی۔ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی اور حویلی واپس آ گئی۔ اس کی ماں کی وجہ سے ہی اسے کرایہ کی شفٹ کرایا گیا۔ اب مگر میں سب ہی یہ چاہتے ہیں کہ اس کی جلد سے جلد شادی ہو جائے۔ اسی صورت اس کا پیچھا اپنی ماں سے چھوٹ کیلئے بھی ہو سکتا ہے"۔

"چلو پھر آج ہی گریٹ ہیں شادی"۔ علی نے گہری سوچ سے چونک کر بڑی ہی بشاشت سے کہا۔

"واقعی؟" تیمور علی خان نے سنسنی کر پوچھا۔

"ہاں — آف کورس — شی از — اوسط ویسٹ اف (وہ معصوم ہے کیا کوئی ہے؟)"۔

"مجھوئی الحال تو وہ ابھرا (ابھی) ہے۔ تمہیں پرابلم ہو گی"۔ تیمور علی خان شرارت سے مسکرائے۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

علی نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا۔ "جی"۔

"بھائی کے معاملے میں آپ کیا ان لوگوں سے بھی زیادہ ہیں"۔ تیمور علی خان نے پوچھا۔

"واقعی جی۔ لوگوں نے"۔ علی نے الجھ کر پوچھا۔

"ورنہ ریلیٹو پرابلمز"۔ تیمور علی خان نے وضاحت کی۔

"یار۔۔۔ گھر بے چاروں کی مرہم پٹی بھی اور کی ہے نا"۔

"ایک دن میں اس قدر تبدیلی"۔ تیمور علی خان قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"یار! تمہاری رضامندی کے بعد اب تو جانا ہے"۔ علی کامیابی کے نشے سے سرشار تھا۔

"ٹھیک۔ یہ بات طے ہم پاپا سے بات کریں گے اور کوشش کریں گے وہ ماری آمد کی واپسی سے پہلے پہلے یہ کام ہو جائے"۔ تیمور علی خان نے مزید تفویت بہم پہنچائی۔

"یار تمہارا ایک۔ بات ہے یہ بھی ذہن میں آئی ہے۔ تم بھی۔۔۔ دیکھ لینا۔ میں اپنی پیشگوئیوں سے کوئی مقابلہ چاہت مجھے اپنا تک نہیں کر سکتا"۔

"ہوں"۔ تیمور علی خان بھی سنجیدگی سے متاثر ہوئے۔

"ابھی تم کہہ رہے تھے کہ اس کے بڑے بھائی نے لو میرج کی تھی اور اس کا باپ"۔

"وہ سندھ کی کوئی بڑی آسامی ہے۔ جاگیردار ہے۔ بیوی بچوں کو اس نے کراچی میں رکھا ہوا ہے۔ وہ خود وہیں رہتا ہے۔ یہ سب معلومات ہمیں پاپا صاحب سے ملی ہیں اور انہیں اماں جی سے"۔ تیمور علی خان نے وضاحت سے کی بات ایک لی۔ "مطلب یہ کہ بس ہے"۔ جمشید نے شرارتاً کہا۔

"اتنی گنجوئی بھی اچھی نہیں ہوتی انکل جی تو ہیں۔ ماشاء اللہ"۔ علی کی خوشی اس کے ایک ایک انداز سے جھلک رہی تھی۔

"اگر سندھ کی طرف سے چلو تو پھر ماشاء اللہ کہنا بنتا ہے۔ سوٹ کیس ہے"۔ دونوں کے مشترکہ قہقہے سے کمرہ گونج اٹھا۔

"ویسے ہم تو یہ بھی جھوٹے موٹے سرکاری افسر ہیں۔ تم ہمیں رشتہ دینے کا ارادہ رکھتے ہو تو تم کو اس کا بھی اندازہ رکھنا چاہیے"۔

"ہمیں کمال دو پرسنٹ یقین کرو ہم خاصے ٹھیک ٹھاک ہیں"۔ تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بیس کے قریب خاندان کا بھی ایک چکر۔ دیکھیں کے تمہارے لگ جائے"۔ علی نے چڑا کر کہا۔

"فکر ہی کوئی نہیں"۔ تیمور علی خان نے اطمینان سے جواب دیا۔ وہ تو صورت ہی کو ہی پلے کے لیے ہوئے تھے۔

"خان۔۔۔ دروازے پر دستک ہوئی اور صارم کی آواز آئی۔

"ہوں"۔

"کھانا لگ گیا ہے۔ اور وہ کی مہمان اپنے کمرے میں بھیج دیں"۔ صارم نے حکم دیا۔

"ہم ایک دعوت میں وہ چکے ہیں کہ کھانا یہاں ہے"۔ علی نے ایک ایک ادا سے بھرپور انداز میں اطلاع دی۔ تیمور علی خان کو اس پر غصہ آنے کی جرات نہیں تھی۔

وہ صفائی کپڑے ہاتھ میں لٹکائے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی تھی۔ تیمور علی خان فون پر مصروف تھے۔ خالی جگہ پر وہ آگئی۔ صارم نے تو اسے بہت صاف کیا تھا اور اہم کی تو کیا کمی تھی۔

"ایک منٹ پلیز"۔ تیمور علی خان نے فون کرنے والے کو مخاطب کیا۔

"وہ۔۔۔ کیا کام ہے ابھی ہم فون کر رہے ہیں۔ بعد میں آئیے"۔

اس نے ایک الجھن کی کیفیت میں گھما کر واپس کاریڈور پر کھلنے والے دروازے سے باہر نکل گئی۔

"جی پاپا صاحب! اچھا۔ فون پر کسی آپ کو ڈسٹرب کیا گیا اور بات ہوئی تھی؟

اچھا۔۔۔ اچھا۔ ہماری تو فوتی حیثیت کر دی ہے۔ لیکن ہم اسے اپنے لیے ایک اچھے الفاظ۔

یہ پارٹنر۔ اچھا۔ عارف اچھا لڑکا ہے۔ لیکن ابھی میچیورٹی نہیں ہے کہ کیا کرے گا۔ عمار اطمینان ہے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ جی وہ تو ٹھیک ہے۔ وہ طلاق ہے۔ تعلیم۔ لیکن اب وہ اپنے سارے بیک گراؤنڈ سے واقف ہے۔ اس کی جان بچانے کیلئے شادی کا ڈرامہ کھیل گیا۔ بہت بے وقوفی کی بات ہے۔ اور ایسا ہے۔ تمام حالات سے باخبر ہونے کے بعد اس کی بیٹی لئی (طرز فکر) بہت پیچیدہ ہو گئی ہوگی۔ اور وہ اتنی آسانی سے کہیں جانا قبول نہیں کرے گی۔ عمار سے پوچھ لیجئے گا۔ اس نے اس کی آپ سے آنے کی بات کی ہے۔ ہم تو خود ابھی آپ کو فون کرنے والے تھے۔

"جی جی۔ بتا رہے ہیں۔ وہ بھی ہے ہاں۔ جی جی۔ سمجھ لی۔ اس کو بہت پسند آگئی ہے۔ رات ہی اس سے بات ہوئی ہے۔ جی نہیں نہیں۔ وہ گھر بتا رہا ہے۔ ہم نے اس سے تفصیلی بات کی ہے۔

جی اسے سب بتا رہا ہے۔ اسے لڑکی پسند ہے تو وہ خود بہتر سمجھتا ہوگا۔ ہم نے تو اس سے کچھ نہیں چھپایا۔ کیا برائی کرے گی اور جی۔ عمار اور علی کا خاندان حسب نسب ڈسٹرنٹ ہے۔ آپ اتنی گہرائیوں میں مت جائیں۔ بات آگے بڑھ چکی ہے۔ اگر سب کی اجازت ہو تو شادی کر لے۔ وہ اپنی عاقبت نا اندیشی کا خود ہی ذمہ دار ہوگا۔ ہم تو اس کے ماضی کے ہونے کی بات کی۔ نہیں کی۔

نہیں نہیں۔۔۔ ماشاء اللہ وہ سیریس ہے۔ اگر وہ دوست پر بھی اتنی جان دیتا ہے۔ وہ اس سے شادی۔

نہیں۔ ابھی اسے نہیں بتایا۔

جی جی۔۔۔ بہت اہم ہوگا۔ وہ ان سے کہہ کر عمار کی واپسی میں کسی بہانے روک لیں گے۔ ٹھیک ہے جب آپ کہیں۔ ہم بات کر لیں گے۔ اماں جی کو بھی ساتھ لے آئیں۔ خلوص ہے۔ اتنی خالہ کہتی ہے۔ وہ بھی ضرور آئیں گی۔

اچھا اب ٹھیک ہے۔ ہم اس سے بات کر لیں گے۔ سمجھ کر کوئی مشکل نہیں ہوگی۔

او۔کے"۔

انہوں نے بہت رقیبانہ انداز میں دیکھا اور لاؤنج سے باہر آ گئے۔

"صابرہ"۔

"جی خان!" صابرہ فوراً کہیں سے نمودار ہو گئی۔

"دیکھو۔ اسے تکلیف ہے۔ اس سے کام مت کراؤ۔ اسے دیسی دوا دارو کھانے پینے کیلئے اچھی چیزیں اور جگہ ازحد حسین ہوتی ہے۔ ہمارا مطلب ہے۔ طاقت آتی ہے۔ اسے جلد سے جلد فریش ہونا چاہیے۔ لگی پر بہت اچھی چائے تیار کرنا۔ تاکہ مہمان خوش ہو"۔

"انکا خیال کر رہے تھے تیمور خاناں اس کا۔ اسے اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ جیسے بیاہ جو کر دیپے والی روشنی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

انگ انگ میں سرمستی سی اترنے لگی۔

"اماں جی اور بابا صاحب۔ ممکن ہے رات کو آ جائیں اور نہ صبح کو ضرور آ جائیں گے۔ ان کا کمرا چیک کر لینا ہو گے۔ ہم باہر کام سے جا رہے ہیں۔ جلی واپس آئے تو اسے کہنا کل پر ملاقات ہو گی"۔

وہ جیب میں چابیاں ٹٹولتے آگے بڑھ گئے۔

"ہائے اللہ — اماں جی آ رہی ہیں"۔ سلمہ تو جیسے خوشی سے اچھل پڑی۔

"جو بات سب سے پہلے بتانا چاہیے تھی وہ بعد میں بتائی۔ تیمور خاناں بھی بس۔ اماں جی کو انڈے آلو والی بھاجی بہت پسند ہے۔ میں خود بناؤں گی۔ اماں جی کیلئے۔ انہیں کھچڑی اور پودینے کی چٹنی بھی بہت پسند ہے۔ یہ بھی بنائیں گے۔ ٹھیک ہے ناں خالہ"۔ وہ سر سے پاؤں تک خوشی سے چور تھی۔

"ہاں — ہاں کیوں نہیں۔ ہماری مالکن تو بہت ہی سادہ ہے۔ کتنا لمبا دسترخوان ہے حویلی کا۔ اور اماں جی کے کھانے میں بھی سادگی۔ میں تجھے غور سے دیکھ رہی تھی ابھی۔ تجھی محبت کرنے لگی ہے تو اماں جی سے"۔

صابرہ نے اس کی شکل خوشگوار حیرت کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اوہو — وہ ہیں ہی اتنی اچھی۔ مگر لگی ریتی ہیں۔ ساد پیار ہوتی ہیں۔ غلطی ہو جائے تو انجان بن جاتی ہیں۔ اکیلے میں سمجھاتی ہیں۔ اگر اماں جی مجھے کہیں کہ ساری رات بیٹھی دبا تو میں ساری رات دباؤں"۔ وہ سادگی سے گہری سوچ میں گم سی ہو گئی۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اماں جی بہت اچھی ہیں۔ مگر تو بھی بڑی اچھل ہے۔ لوگوں کی قدر کرنا سیکھ۔ اللہ تیرے نصیب اچھے کرے۔

سب کاٹ کر دوں۔ کھانے لگی۔ تیمور خاناں کہہ کر گئے ہیں تجھے اچھی چیزیں کھلاؤں"۔ صابرہ نے فرمائش کرتے ہوئے کہا۔

"پر کہیں گوں سے کھانے میں بھیجیں گے بھیجے خان۔ خالہ کی طاقت کا لیا کروں گی میں؟" وہ شرارت سے بولی

ہوئے دانت نکوسنے لگی۔

صابرہ ہنس پڑی۔

"بے وقوف! کبھی طاقت بھی کوئی ہوتی ہے"۔

"اچھی بھلی کڑی ہوں۔ اماں جی کہتی ہیں کہ نظر سے بچاتی ہوں۔ تھکتی نہیں ہوں"۔

"پہنچی ہوئی طرح حد بھر کرتی ہیں بولتے۔ اللہ کا شکر کرتے ہیں۔ اپنی بھی نظر لگ جاتی ہے بابا ہے"۔ صابرہ نے بات بدل کر کہا۔

"سب جی کی نکالی پالی کا کمال ہے۔ اچار مربے کھانے کہیں ایسی تھی کہ کھانی دیدہ کھانے سے دل بھی بھر جاتے ہیں۔ عورت جلدی ہی مل جاتی ہے۔ جیسی روٹی پکھنی کا ہاتھ صبح کھانی تھی اور چوہدرائن کر دیتی جاتی تھی کہ سارا کھانا پڑے گا۔ چائے بھی کہیں پیتے رہتی تھی کہ کون جاتی ہے۔ میں جیب کر سردار ماموں کے ہاں پی آتی تھی"۔

"خالہ"۔ وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔

صابرہ جو جذبے سے اس کی باتیں سن رہی تھی ایک دم چونکی۔ "ہوں؟"

"خالہ میں اپنی ہونی کو کب دیکھوں گی؟" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ "میں نے خالہ سوار آنے سے بھی پہلے کہا تھا کہ ہونی کو ہونی ہی ہونا تھا۔ اماں جی بے چاری تو سمجھا بھی نہیں کہیں گی"۔

"پھر کیا ہوئی سوار آنے؟" صابرہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کیا ہوتیں۔ یہی کہ ہانی کہتی ہیں پورا گاؤں بھوار اٹھنے وار ہے مر کر ہی یہاں سے نکلوں گی"۔ وہ ہانی کو یاد کر کے یکدم اداس نظر آنے لگی تھی۔

وہ سونے کیلئے لیٹ گئی تھی جب ہی صابرہ آ گئی۔

"نینی — خالہ بلا رہے ہیں۔ وہ رائٹنگ روم میں ہیں"۔

"خیر ہیں ہیں؟" وہ کچھ چونکی۔

"لگتا نہیں۔ غصے میں تو نہیں لگ رہے"۔ صابرہ سوچتے ہوئے بولی۔

وہ دوپٹا سر پر جما کر رائٹنگ روم کی طرف چل پڑی۔

ڈرتے ڈرتے اس نے قدم اندر رکھے تھے۔

"آؤ بھئی — وہ ہی؟" تیمور علی خان دروازے کے مقابل صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"جی!" اس نے دھک دھک کرتے دل کو قابو میں کرتے ہوئے جواب دیا۔

"دل لگ گیا ہے یہاں؟" وہ عام سے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

اس نے نظریں اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔

"اماں کی اور خالہ بہت یاد آ رہی ہیں"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

www.Paksociety.com
www.marsociety.com
www.Paksociety.com

"آج رات یا کل صبح وہ یہاں آ جائے گی۔ تمہاری لائف بچ ہو جائے گی تو سب کچھ نارمل ہو جائے گا۔"

"اچھا ۔۔۔ یہ بتاؤ ۔۔۔ تم اوپر کیسے گئیں؟" وہ اصل موضوع پر آ گئے۔

مطربہ کا دل بے اختیار دھڑکا۔ وہ بھی نہیں کا پہلے کہہ چکی تھیں۔

"آپ نے توسیع کر دیا ہے"۔ وہ بمشکل کہہ پائی۔

"خالہ! مارے توسیع کرنے سے پہلے تم اوپر کا چکر لگا آئی تھیں"۔ وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

مطربہ کی پیشانی پر موتی چمکنے لگے۔ (خان کو کیسے پتا؟)

وہ خاموش رہی کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"جواب دو بھئی"۔

"جج ۔۔۔ جی۔ وہ خالہ کو اوجھڑی تھی"۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"کوئی ملا تھا تم سے؟" وہ سینے پر بازو لپیٹے اطمینان سے پوچھ رہے تھے۔

"نن نہیں تو"۔ ڈر سے اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

"جھوٹ بول رہی ہو تم"۔ وہ ناراض ہوئے۔

"خان! اللہ کی قسم مجھے تو پتا نہیں تھا۔ خالہ نے منع کر دیا تھا۔ ورنہ میں چائے لے آتی"۔ وہ رو پڑی۔

"چائے ۔۔۔ خان سنس! یہ چائے کہاں سے آ گئی؟" وہ الجھے۔

"چائے ہی کی تو بات ہوئی تھی۔ مہمان نے کہا تھا کہ چائے خود بنے گی۔ مگر خالہ کہنے لگیں۔ خان لوگ تو بے وقوفوں کے سامنے مت جایا کرو اسی لئے میں نہیں گئی تھی۔ خالہ چائے خود بنانے گئی تھیں اور انہوں نے اسی بات پر آپ سے میری شکایت لگائی ہو گی"۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

ہم سے کسی نے شکایت نہیں کی"۔ تیمور علی خان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"تیما"۔ وہ ہکا بکا ان کی شکل دیکھنے لگی۔

(یہ کیا کر دیا اس نے خود ہی ساری بات کھول دی)

"تم نے اندازہ لگایا کہ کیا ہے، فضیں؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

وہ خاموش عزی آنکھیں صاف کرتی رہی۔

"کچھ پوچھ رہے ہیں ہم تم سے"۔ وہ پھر گویا ہوئے۔

وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ "وہ آپ کے مہمان ہیں آپ برا مانیں گے"۔ وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"نہیں، ہم بالکل برا نہیں مانیں گے"۔ انہوں نے اطمینان دلایا۔

"وہ ۔۔۔ پتا نہیں کیسی باتیں کرتے ہیں، دل کو اچھی نہیں لگتیں، کل صبح واپس جائیں گی"۔ وہ بولتے بولتے ایک دم رو پڑی۔

"ہوں، تو یہ ہے وہ خاتون جن سے ملاقات ہوئی ہے"۔ تیمور کا لہجہ تلخی لئے تھا۔

وہ بول کر اٹھ گئے۔

"وہ ۔۔۔ وہ جا رہے ہیں"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"مطربہ! اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے میں یہ بتانے کیلئے رکا ہوا تھا کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے اس مہمان کے ساتھ۔ یہ تمہاری گناہ گار زندگی کا کفارہ ہے کہ ایک شریف النفس شخص تم سے شادی کا خواہشمند ہے۔ ہم تمہیں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ تم ہم پر احسان نہیں کر رہیں۔ تمہیں ایک بہت بڑے ٹریجڈی سے بچایا ہے۔ اس کیلئے تمہیں بہت محنت کرنا ہو گی۔ اسکا مطلب ہے کہ جلد ہی وہ ہمارے اصل روپ سے واقف ہو جائے گی۔ تمہیں ایک بہت بڑی اداکاری کرنا ہو گی۔ شادی ایک ڈرامہ اور ایک فل ٹائم جاب ہے۔ اس وقت وہ صرف تمہارے حسن سے اسیر ہے اور اس شادی کی بنیاد ہی تمہاری صورت ہے لیکن جب اس کا یہ بھرم ٹوٹ جائے گا کہ وہ کیا کچھ کھو بیٹھی ہے تو صورتحال بدل جاتی ہے۔ حسن صورت بیک گراؤنڈ میں چلا جاتا ہے۔ تب ضروری اور تکلیف دہ مسئلے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ تو سوال یہ ہو جاتا ہے کہ ہمارے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ابھی تک جب ایک ایسا ساتھی تمہیں مل رہا ہے تو اسے کسی موڑ پر پچھتاوے کا احساس نہ ہونے دینا۔ مضبوط شادی تمہارے اپنے حق میں ہر طرح سے بہتر ہو گی۔ تمہیں اس ٹیم فل بیک گراؤنڈ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔ تم پڑھنا لکھنا شروع کر دینا۔ تمہیں پڑھنے والی بچی اور خواتین سے گھلنے ملنے کی کوشش کرنا تاکہ تمہارے ساتھی کو زندگی میں کبھی بھی اپنے فیصلے پر ندامت محسوس نہ ہو۔

وہاں گاؤں میں بھی ایک پڑھا لکھا لڑکا تمہارے لئے ۔۔۔ شاید تم نے اس لڑکے کو دیکھا بھی ہو۔ عارف نام ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ جو قسمت کے ہاتھوں ظلم ہوا ہے، بھی کے ذمہ دار تمہارے والدین ہیں۔ اس میں ہمارا اختلاف ہو۔ اگر تمہیں ایک اچھی زندگی گزارنے کا موقع مل رہا ہے تو تمہیں زیادتی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ آخر اس میں ایک بے قصور کی اولاد بھی ہے۔"

وہ گلاس کے چاروں طرف بنے ہوئے مختلف رنگوں کی مچھلیوں کو دیکھنے میں محو تھی۔ ان کی حرکت دیکھ رہی تھی۔ ڈرائنگ روم کے نرم روشنی میں آنکھیں لگنے لگی تھی۔ کمرے میں تھوڑی سی خنکی تھی۔

اسے تیمور کی صورت میں محسوس ہو رہی تھی جیسے کوئی سفاک دیو ہے جو جب چاہے کسی کو مار کر پھینک دے۔ جسم کے بکھرے ٹکڑے کر ڈالے۔

"خان! اس کی آواز جیسے کسی گہری کھائی سے آ رہی تھی۔

"اوں ۔۔۔ ہوں؟"

"خان! میں ایسی عورت تھی تو حویلی کی نوکر کیوں ضروری" کی قسمت پر کہاں سے آ گئی؟ کیسے کہاں سے اتنی جرات ہو گئی تھی؟ ایک نئے کو تیمور علی خان بھی پکڑ کر رکھتے۔"

"حویلی میں تم خود اپنی خوشی سے آئی تھی فضیں! کوئی جبر کیا گیا تھا تم پر؟ تمہارے ماں باپ نے تمہیں بیچا تھا۔ تم نے خود بھی کوشش کی تھی کہ کوئی اور راستہ تلاش کر لو۔ حویلی میں ہر لڑکی کی قسمت میں یہی لکھا ہے کہ وہ کسی کی ہو جائے۔ وہ تم ہو ۔۔۔ کسی اور کی ۔۔۔"

"مگر مجھے تو کہی رہنے دیجئے۔ میں اسی میں خوش ہوں"۔ انہی کے جیسے ایک جواب کی تھی۔

(مجھے صاف ستھرا بھی کہتے ہو خان تو مجھے آدمی کی بیٹی ہو۔ لے کا تھا۔ بھی کرنے ہو پھر بھی تھر سے لے کر اپنے ہو۔ کہیں ذکر کریں جا بات کی ہے مجھ میں آگئی رہ پاؤ ہی۔ ہو مان کی مورتی کے آگے ہاتھ جوڑتی ہے تو روتی ہے اللہ میں۔ اتنا اللہ کو دھیان میں رکھتی تو اللہ والی ہو جاتی۔ بیماروں کو پانی دم کر کے دیتی تو اس حد اور ہاں۔

کون سے سمندر سے پیاسی ہے ہو۔ کبھی کچھ احساس نہیں ہوا؟)

"ہم نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تمہیں فیصلہ کرنا ہے اور آخری فیصلہ۔ تم اپنی کوئی تجویز پیش کرو گی۔ تمہیں پتا ہے تمہاری ماں وہاں حویلی میں بابا صاحب کو تو ہر روز دھمکی دے رہی ہے۔ تمہاری وجہ سے لوگوں کی نظر میں معتبر ہو رہی ہے۔

تمہارے اصل پن کی انجانے میں ہے کہ تمہیں اپنی خوش قسمتی کا اندازہ نہیں ہے"۔

"خان! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہے۔ میں۔ اضیاء اور عزت والی زندگی ہی گزاری ہے ایک بات کی کمی عمر بھر ستائے گی"۔

تیمور جی خان کو وہ یکلخت ہی بہت بردبار اور بڑی محسوس ہوئی۔

"ایک ٹھیک ٹھاک بندے سے تمہاری شادی ہو جانا ہر طرح سے تمہارے حق میں ہے۔ تم بھیجہ کیلئے اس کو راضی کر لو گی"۔

"خان!"

"مشہ اب مطریہ! تمہارے پاس دو ہی راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمہاری شادی ہو جائے یا پھر یہ کہ تم اپنی ماں کے ساتھ واپس چلی جاؤ۔ ہم ڈائجسٹ جا رہے ہیں۔ حسیر بھائی زیادہ تر سفر میں ہوتے ہیں۔ یاور بھائی ادھر ادھر رائس ہوتے رہتے ہیں۔ ہم بابا صاحب کیلئے مفت کا ڈرائیور چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے۔ بڑے بھائی ہیں تو وہ یوں بھی بہت سیدھے سادھے ہیں۔ صبح اماں جی آجائیں گی۔ دونوں میں سے جو تجویز بھی پسند آئے۔ اماں جی کو بتا دینا"۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"خان۔ کوئی تیسرا راستہ؟" اس کی آواز بھرا گئی۔

"بہت۔ بلکہ سب سے آسان ہے۔ مگر ہمارا ضمیر ہمیں اجازت نہیں دیتا۔ ورنہ یہ آسان راستہ ہم تمہیں خود بتاتے۔ بی اجمال۔ رات پڑی ہے۔ دونوں راستوں پر خوب غور کرو۔ حویلی میں کسی کا انٹرفیئر نہیں ہوا۔ تمہاری وجہ سے انٹرسٹ ہوئے ہیں۔ نوکر بننے پر اصرار تو کرتی ہو مگر نوکر بنا نہیں آیا تمہیں۔ اس میں ہماری غلطی ہے۔ اماں جی کی غلطی ہے"۔

وہ اس کے وسیع الثار پر حیرت بھری نظر ڈالتے ہوئے چلے گئے۔

"ہم نے اپنی زندگی میں اتنا احمق کوئی نہیں دیکھا"۔ وہ یہ کہہ کر ہنس پڑے۔

وہ بے حد متاثر انداز میں کاریڈور میں بیٹھ گئی۔

"مجھے پتا ہے خان کہ تم نے جھوٹ بولا ہے۔"

ہاں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ رو دی تھی۔

رات کی رات کہیں بھاگ جانے کو جی چاہا تھا۔

کہیں جا کے تو سکے کہ آرام کی تھی۔

اسے کوئی نہیں تھا۔ ماں باپ بھائی بہن۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کا اپنا بھی ہو۔ اس سے محبت کرتا ہو۔ اس کے لئے فکر مند ہوتا ہو۔ اس کے لئے پریشان ہوتا ہو۔ اس کے لئے رات بھر جاگتا ہو۔ اس کے لئے دعا کرتا ہو۔ اس کے لئے آنسو بہاتا ہو۔ اس کے لئے تڑپتا ہو۔ اس کے لئے بے چین ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے قرار ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے کل ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے تاب ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے حال ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے سکون ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے آرام ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے چین ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے قرار ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے کل ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے تاب ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے حال ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے سکون ہوتا ہو۔ اس کے لئے بے آرام ہوتا ہو۔

ایک لمحے کو اک احساس زیاں تمام عمر کا حاصل رہا۔

وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ آنسو تھے کہ آنکھوں سے ساون بھادوں کی طرح برسنے لگے۔

اسے کبھی اماں جی نہ ملیں۔ کبھی ان کی ممتا کی چھاؤں میں سر رکھ کر رونا نہ ملا۔

اس نے ڈائجسٹ کو سلام کیا اور اماں جی کے سامنے سر جھکا دیا۔

انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"طبیعت ابھی نہیں سنبھلی۔ بہت کمزور لگ رہی ہو۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ تم بالکل ٹھیک ہو کر آئی ہو گی"۔

"جی اماں جی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے"۔ اس نے جھک کر ان کے پاؤں تھام لئے اور فرش پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہو گیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"زخموں میں بہت درد ہو رہی ہے۔ کیوں؟" اماں جی نے حیرانی اور تشویش سے اس کی صورت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی اماں جی۔ آج زندگی میں پہلی بار کسی نے مجھ پر ترس کھا کر جھوٹ بولا ہے۔"

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"پاگل نہ ہو تو جب چوٹ لگی تو روتی نہیں تھی۔ اب اتنا رو رہی ہے؟" اماں جی نے سر ہلا کر اس سے کہا۔

"آ ہو لگے گی ظالم کو تیری۔" خالہ سولہ آنے بھی بگن سے اس کی پشت پر آ گری ہوئی تھی۔

"بس چپ ہو جا۔ مت بلا مگر خود کو اللہ نے تیرے بھاگ جگا دیے۔ سب کچھ بھول جائے گی۔ کیا گھر، کیا بر۔ کیا پڑھائی، کیا لکھائی۔ پولیس والا ہے۔ خوب دہشت ہو گی تیری۔ پولیس والی کیا کریں گے لڑکے۔"

تزئین نے اسے چھیڑا۔ وہ خاموشی سے آنکھیں پونچھتی رہی۔

"یہ تو جی آپ لوگوں کا بڑا پن ہے اور اس کے بھلے نصیب ہیں۔" خالہ سولہ آنے جذبات سے چور لگیں۔

"اماں جی کیا شادی کرنا اتنا ضروری ہوتا ہے؟" اس نے ناک پر پھیلتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

تزئین کو گڑبڑی ہوئی۔ مگر اماں جی کے لحاظ میں کچھ بولی نہیں تھی۔

شادی تو عورت کی طاقت ہوتی ہے۔ بلیسنگ کہتے ہیں۔ عورت پوری ہوتی ہے۔ گھر میں بچے کھیلتے ہیں۔ اور سب سے بڑی خوشی کی پہچان ہوتی ہے۔ اس کا مرد اس کا سنگھار بھی ہوتا ہے اور ڈھال بھی۔ اس لئے ضرور کرنی چاہئے شادی۔" اماں جی نے ملکے سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"شادی تو ہونے دے پھر پوچھیں گے تجھ سے۔" تزئین کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"اللہ اسے عقل دے۔" خالہ سولہ آنے بھی مسکرائیں۔

"اماں جی، ابھی ملنے کے تو آثار نہیں ہے۔ ایسے ہی رہنا ہے گی یہ؟" تزئین نے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے اسے تو اللہ نے سجا کر بھیجا ہے۔" اماں جی نے محبت سے کہا۔

"ان کو بھی کہلوا دیں کہ رشتہ بھیجیں۔" تزئین نے تزئین کو چھیڑا۔ دونوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

اماں جی تو ان کی شرارت نہیں سمجھیں۔ البتہ خالہ مسکرا کر یہ کہتے ہوئے واپس پلٹ گئیں۔

"صدقے گئی بھولی بچی۔"

شام کو وہ تیار ہو گیا تھا۔

علی کے جھوٹا دروازہ ہونے میں اس نے۔ "ہیلو ہیلو" سنا تھا۔ تزئین کی آواز تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی وہ اپنی ٹانگ کے درد کو بھول گیا تھا۔ بیک اپ کے آنے پر اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

تاج بیگ، علی اور تیمور علی خان کے چار پانچ دوست بھی آئے تھے۔ وہ بھی شام میں شریک ہونے والے تھے۔

اس کا پیر فلحال ہے اتنا تھا کہ چل سکے کی کوشش کر سکتا تھا۔ وہ کسی شام میں شریک ہو سکتا تھا۔

تزئین اور تاج بیگ اسے بات دے کر بھیجا گئی تھیں۔ وہ بیٹھ گئیں جانے کیا سوچتی رہی۔ پھر اپنے ہم [illegible] لے آئی۔ مجلس بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔ وہ [illegible] کھول کر بیٹھ گئی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

نظر کے سامنے بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ ایک طلسم ہوا۔ ایک طلسم ہوا۔ اس کے بعد [illegible]

وہ ایک بہادر لڑکی تھی۔ تنکے تنکے نفسوں کی طرح اکٹھا کی تھیں۔ وہ ٹھیک باندھ کر سامنے گھورنے لگی۔ سولہ سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ جس کے لئے تھیں۔ اس سے نظر ملا کر بات کرنا۔

"وہ بھی۔ کیا دم ہے تمہارا۔ یہاں کیوں کھڑی ہو؟" تیمور علی خان کے لہجے میں ہلکی حیرت تھی۔

"کوئی ایک دلہا میں ہوں پر تھوڑا۔ اور اکیلی بالکل نہیں۔ بیٹھ۔"

دھکی ایک نئی لہر اس کا وجود گھیر گئی۔ اس میں ان کی طرف دیکھنے کا یارا نہ تھا۔

"کیا پوچھ رہے ہیں ہم؟" وہ بولے۔

"ٹھنڈی ہوا میں کھڑی ہوں خان۔ آگ لگی ہوئی ہے میرے اندر۔" اس نے بے تاثر لہجے میں ان کے سوال کا جواب دیا۔

"وہ بھی بات ہے کہ اس طرح نہیں کھڑے ہوتے۔"

وہ قدرے الجھ کر گویا ہوئے جیسے اپنی بات کہنے میں الجھن بہت دقت ہو رہی ہو۔

"کس طرح خان؟" اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی مسکراہٹ ابھری اور نورانی معصوم ہو گئی۔

"بھی وہ تمہاری شادی ہو گی ہے۔" وہ اپنی بات کہہ نہیں پا رہے تھے۔

"شادی کے بعد کیا ٹھنڈی ہوا میں کھڑے نہیں ہوتے؟" اس کا لہجہ زہریلا تھا۔

تیمور علی خان کی شکل کے بڑھتے تاثر سب مگر انہوں نے بہت ضبط کیا۔

"ہم سمجھ رہے ہیں۔ اس کی کمرے میں جا۔" انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

وہ اس سے کس نہ ہوئی جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

"آپ مجھے بگھو نہ کہیں خان اور نہ میں آپ کو بھائی لگا ہوں گی۔" اس کے انداز سے جیسے آگ اگل رہی تھی۔

"ان کس۔ نہایت احمق اور احسان فراموش قسم کی لڑکی ہو۔ شاید ہم غلط جگہ پر بھلائی کر بیٹھے ہیں۔"

"جو یاد ہی آپ نے میرے ساتھ کی ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔"

وہ ایک جھٹکے سے مڑی اور غرور سے میں اکھڑی کھڑی، تن چل گئی۔

www.Paksociety.com

کاوش علی خان ابھی تک دم بخود سے کھڑے رہ گئے۔ ایک ہماری پھپھو، ان کے اصلاب پر بارگی تھی۔ انہی بھی
نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب کہہ گئی ہے۔

وہ بھی اسی طرح کھڑے رہے پھر آگے بڑھ گئے۔

علی بچوں کا ہاتھ ہاتھوں میں تھامے کتنی دیر سے اسے تک رہا تھا۔

"خوش فہمی کا یقین نہ آئے تو کیا کرنا چاہیے مسٹر علی؟" وہ آہستہ چلتا اس کے قریب آیا۔

جواب میں سکوت طاری رہا۔

"یہ تو کچھ مشکل ہوا ہے۔ سنا ہے لوگ تو عشق کی راہ میں بڑے کشٹ کرتے ہیں پھر بھی کوہ کنی کو ہر حسینہ کا مقدر نہیں بنا سکتے۔ واقعی آپ میرے سامنے بیٹھی ہیں دیکھنے کے بعد سیدھا حیدرآباد میں ہی تو گیا تھا۔ وہاں ایک خوش گوار احساس ہوا تھا۔"

"ٹھہریے! ابھی چھوڑ دیجئے گا۔ شاید پھر یقین آ جائے"۔ وہ آہستگی سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے بھگتنے کی"۔ وہ جیسے چیخ پڑی تھی۔

"واہ۔ کیا بولی ہیں۔ ویسے بتا دوں کہ آپ زخمی ہیں۔ مگر خیر کوئی بات نہیں۔ اب مرہم رکھنے کیلئے ہم بھی ہیں۔ اس
سے مرہم دھیان سے کہ زخم پھول نہ جائے"۔ وہاں ایک شرارت ہلکورے لے رہی تھی۔

"یقین کیجئے۔ آپ نے تو ہمیں مار ہی دیا ہے"۔ اس نے مطربہ کا ہاتھ تھام لیا۔

مطربہ کو جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا۔ ایک دم اچھل پڑی تھی۔

"آپ مجھے ہاتھ نہیں لگائیں"۔

"اتنے سستے میں کون ہاتھ لگانے کی اجازت دیتا ہے۔ جان سے کی دعا داری لی ہے عمر بھر کیلئے۔ اگر چہ جناب کے
حساب سے بہت معمولی سی بات ہے۔ آپ تو موتیوں میں تولنے کے لائق ہیں۔ سچ تو یہ ہے"۔ وہاں اختیار ہو گیا تھا۔

"دیکھئے! پچھلی بات تو یہ ہے کہ میں آپ کو بالکل نہیں جانتا"۔

"میں آپ کو اس بات کی اجازت بالکل نہیں دوں گا کہ آپ مجھے اپنی چھری سے زخم کریں اور مرہم کوئی اور لگائے"۔

علی تو اس کے انداز پر اپنے حواس ہی کھو بیٹھا۔ اور اس کی بات بے ساختہ کاٹ ڈالی تھی۔

"دیکھئے۔ میں بہت دکھی ہوں"۔ مطربہ نے کہنی سے چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر بھوت بھوت کر رو دی تھی۔

"آپ کے ایک ایک دکھ میں شریک ہونے کا وعدہ کرتا ہوں۔ عمر بھر کیلئے آپ کو اپنایا ہے"۔ وہ اٹھلائے جا رہا تھا۔

"آپ میرا دکھ دور نہیں کر سکتے"۔ اس نے بچے اطلاع صاف کئے۔

"ہم کرنے کی کوشش تو کر سکتے ہیں"۔

علی جیسے حاضر جواب ہیرو کے سامنے اس کی سادگی بے بسی میں بدلنے لگی۔

"مجھے آپ کے تمام حالات کا پتا ہے۔ یہ بھی کہ ایک لمحہ بھی کروڑ پتی لڑکی معمولی خاندان کے لڑکے پر دل و جان سے
فدا ہو گئی ہے۔ آپ کے اس جذبے نے تو جیسے مجھے مرعوب ہی کر لیا۔ ایسا مردانہ وجیہہ کی کو غصے میں بھی نہیں آیا تھا۔ مجھے ہی کر لے اگر

پھر بھی نہیں۔ سمجھے تو اپنی اس پہلی نظر پر فدا ہو گئی ہے جو مجھے آپ پر پڑی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں بھی آپ پر
فدا ہو گیا ہوں۔ آپ کے خلوص میں ہے اس سے بھی زیادہ آپ کے دامن کی آرزو ہے۔ مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہو رہا ہے کہ
اس ہوائی کو بجھانے والی پہلی روشنی کی کرن میں ہوں۔

بھئی آپ کو بہلانے پھسلانے کا وعدہ نہیں کرتا۔ مگر پریشان رکھوں گا کہ آپ کی خوشی میرا مقصد ہو گی۔ میرا ایک
وعدہ ہے۔ آپ کو پا لوں گا۔ بہت جلد ہے ابھی۔ بہت پیارا لگ رہے ہیں آپ اس ناراضی میں۔ میرا ہاتھ نا لیں گی تو نہیں چھوئیں
گے تو آپ کا مطربہ نہ کہلوں گا اور یہ ہاتھ ہی کہہ دے گا کہ بدلے میں آپ کو ہر طرح سے قبول کر سکوں۔

اسے ابھی ٹھیک طرح سے بولنا نہیں آیا۔ وہ آپ کو ابھی کہے گا تو آپ کو بہت اچھا لگے گا۔ آپ اسے پیار دیں گی تو
بہن اور پیار لی ہو جائیگی۔

اس نے آج تک لفظ "امی" نہیں بولا۔ مجھے خوشی ہے کہ جب وہ ہوش کی عمر میں آئے گا تو اس کے پاس سب کچھ ہو
گا۔ ماں باپ اور دنیا کی دوسری ڈھیروں نعمتیں۔ ہماری دنیا اب بہت حسین اور خوبصورت ہو گی۔ میرا خواب ہے کہ آپ کو
میرے گھر میں ہر طرح کا آرام ملے"۔

اس نے باتیں کرتے کرتے ایک خوبصورت انگوٹھی اس کی انگلی میں ڈال دی۔

مطربہ پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔ بمشکل اس کے لب پھڑپھڑائے۔

"آپ کا بچہ۔ کہاں ہے وہ؟" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"یہ پہلی رات تو آپ کی ہے۔ وہ بھلا یہاں کیوں آ سکتا ہے۔ کسی نوخیز لڑکی کیلئے خوابوں کا حاصل ہوتی ہے یہ
رات۔ میں کم از کم یہ بدذوقی تو نہیں کر سکتا تھا آپ کے ساتھ۔ وہ حیدرآباد میں ہے اپنی آیا کے پاس۔ جب ہم حیدرآباد
جائیں گے تو وہ اپنی خوبصورت محبت کے ساتھ ہمارا استقبال کریگا۔ وہ اچھا بچا ہے کہ شاید آپ اسے بھول جائیں گی لیکن
آپ ایسا کریں گی تو بہت بڑی ہو گی"۔

علی نے اس کا ہاتھ تھام کر پہلی بار اپنے استحقاق کی سرخوشت کی۔

مطربہ کی جان کانپ کر رہ گئی۔ اسی لمحے وہ عجائب و غرائب کی کیفیت میں مبتلا تھی۔

"آپ کا بچہ۔۔۔ تو آپ کی بیوی؟" اس کا دل جانے کیوں ڈوب رہا تھا۔

"وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اگر وہ ہوتی تو خان زادہ واقعی آسمانی سے آپ کو میرے حوالے کیسے کرتے؟" علی
نے گہرا سانس لیا۔ اس کے بچے سے پوچھا۔

"خان زادہ؟" مطربہ نے چونک کر پلکیں اٹھائیں۔

"تو علی خان۔ میری جان! آپ بھی نہیں جانتیں؟" وہ ہنس دیا۔

مطربہ کا چہرہ جیسے کاغذ کا سا ہو گیا۔ وہ ٹکٹکی لگائے علی کی ایک ایک لہر بدلتے چہرے کو تکنے لگی تھی۔

"ایک بات ہے"۔ اس کی آواز نقاہت سے لرز رہی تھی۔

"بسم اللہ۔۔۔ ارشاد ہو"۔ علی گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے کروٹ لیتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

مطربہ نے ڈر کر پہلی مرتبہ اس کی سمت دیکھا۔ نیلا ہوا سرخ رنگ، وحشت سے پھٹی پھٹی آنکھیں۔ گہری تراش کے فراک کے نمایاں کٹاؤ پر سیاہ گھنی موچھیں بھی ہوئی تھیں۔ اس نے مطربہ کو اپنی سمت دیکھتے پا کر بلا کی شرارت آنکھوں میں سمو کر جوابا اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"سائی پسند آیا؟" بہت اعتماد سے سوال ہوا۔

مطربہ نے جھینپ کر پلکیں جھکا لیں۔ "پھر؟" اس نے کیوں نے تجسس کی۔ اس کے حساب سے ابھی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔

"پھر یہ کہ ہم نے پہلی فرصت میں شادی کر لی۔ میں نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دوران چھوٹی موٹی ملازمت بھی کرتا رہا۔ دو برس بعد ہمارے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ اور ٹھیک اس کی پیدائش کے ایک سال بعد وہ مجھے اور اپنے بیٹے کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ کر اپنی حقیقی منزل کی طرف لوٹ گئی۔

مجھے اس کے چلے جانے کا بہت دکھ تھا۔ وہ مجھے چاہے جانے کے عظیم جذبے کی لذت سے آشنا کر گئی تھی۔ اس نے صرف مجھے دیا۔ مجھ سے کبھی کچھ مانگا نہیں۔ انہی دنوں کی اس بیتی میں اس نے مجھے ہر برس موت کا بہت اہم ہونے کا احساس دلایا تھا۔ بہت خود پسند بنا دیا تھا اس کی محبت نے مجھے۔ میں نے اسے بھلانے کا جب بھی سوچا تو محسوس ہوا کہ میں قوال بال اس کا مقروض ہوں۔ قرضے اترتے تو مجھ سے کے مرحلے آتے۔ اس سے بے وفائی کرنا کیا مجھ ہوتا وہ چلی گئی۔

آپ بھی تو مجھے اس کے حوالے سے ملی ہیں۔ اس رات وہ اپنی جذباتی طاقت سے مجھے قطعے سے دوانی تو میرے آپ کے ملنے کے لیے کو کر آئے۔ ایک بڑا سا پیکٹ اور ایک بے حد حسین اور سادہ جیون ساتھی۔ یہ اسی کی طرف سے آئے ہوئے تحفے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس پر وہ کی ہوئی بہت اچھی عورت سے کبھی رقابت محسوس نہیں کریں گی۔"

"جی؟" مطربہ سمجھی نہیں۔

"مطلب یہ کہ آپ کو اس کا ذکر کرنا گوارا تو نہیں گزر رہا؟" علی کے انداز میں تشویش تھی۔

"وہ بھولی اور بہت دل نہیں تھی۔ اتنی اچھی عورت تو ہوتی ہی نہیں ہے۔" اس نے سادگی سے کہا۔

علی نے بے ساختہ ان کا مہندی سے سرخ ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"جشنے کا صاف بال دیکھا ہے؟"

مطربہ نے سر جھکائے خاموش رہی۔

"آپ کو دیکھ کر اس کا خیال آتا ہے۔" وہ پھر پہلے جذبے سے سرشار تھا۔

"آپ مجھے آپ کہاں کھو رہے ہیں؟" اس نے ہنکھارتے ہوئے ٹوکا۔

"وہ حسن کے آگے بے بس ہوں۔" وہ شریر ہوا۔

"آپ کو میرا لیا گیا عہد یاد ہے۔ میں صرف آپ سے محبت نہیں کروں گا بلکہ آپ کی عزت بھی کروں گا۔ ہمیشہ۔ یہ میرا پہلا اور آخری وعدہ ہے آپ سے۔"

"اب آپ مجھ سے بات کریں تو حویلی کے کسی شخص کا ذکر بیچ میں نہ لائیے گا۔"

اس کی آواز میں کسی پامال کی سی گہرے دکھ کی بات تھی۔

عجیب تاثیر ہے تاج کے چند بولوں کی وہ اجنبی رفاقت کی ہر لہر کو دل سے گزرتا محسوس کرنے لگے تھے۔ قرشیہ اپنی

حالانکہ اس نے کتنا مصمم ارادہ کیا تھا کہ وہ علی کو ہر طرح سے مایوس کرے گی۔ قرار دے گی۔ بیگانگی برتے گی۔

اور علی کے وارفتہ اور اپنائیت بھرے لب و لہجے نے اسے بے حد گزور کر دیا تھا۔ اس پر سے وہ "نفسیاتی الجھن" ہو

عموماً دیکھی کو دی جاتی ہے۔ ترکین نے اسے یہاں بھیجنے سے پہلے جانے کتنی قسم کی نصیحتیں کی تھی۔ علی کیلئے اس کے دل میں ایک دروازہ بے آواز کھولنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت تو وہ بغاوت و نفی کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ ترکین کا ایک ایک لفظ اسے چبھتی کر رہا تھا۔ مگر علی کے لب و لہجے کی خوب پر در علاوت یادداشت کے خفیہ گوشوں سے ترکین کے لفظ تلاش کر داؤ پیچ ڈھونڈ لائی تھی۔

ایک بے توقیر اور حقیقی رشتوں کی محبت سے محروم اور پھر بے حد کم عمر اتنی پختگی کہاں تھی کہ ایک بھرپور مرد کا مقابلہ کر پاتی۔

اس پر عشنزا وایک بے ماں کے معصوم بچے کا ذکر۔ اس کی تمام تر دنیا کمرے کے اندر گردش کرنے لگی۔

"آپ کی بیوی"۔ اس نے کچھ بولنا چاہا۔

"وہ تو اب آپ ہیں"۔ وہاں سے برجستہ جواب آیا۔

"میرا مطلب ہے کہ"۔ حیا نے اس کی قوت مشتعر کر کے رکھ دی۔

"وہ عشق کرتی تھی مجھ سے۔ میرے اپنے قبیلے کی تھی۔ بچپن کی منگ تھی مگر پھر ایسا ہوا کہ ہمارے خاندانوں میں قتل کی وجہ سے دشمنی ہو گئی اور دشمنی بھی ابدی ورثے کی۔ اس وقت میں پڑھ رہا تھا اس دشمنی کے چکر میں ہماری منگنی بھی ختم ہو گئی۔ دکھ تو خیر مجھے بھی بہت تھی۔ میں کیونکہ مرد تھا اور میرے باپ دادا مجھے ہمیشہ شام غیرت امر اگی جس کا مطلب خون کے بدلے خون تھا۔ کا سبق پڑھاتے تھے۔ اس لئے میری توجہ کی جگہ بٹ گئی تھی۔ مگر اس کی توجہ صرف ایک سمت تھی۔ یعنی میری طرف۔ وہ مجھ سے جدا ہونے پر کسی قیمت پر راضی نہیں تھی۔ ایک رات وہ ڈھیروں سونا بین کر میرے گھر سے نکل گئی اور فرار ہونے کیلئے حامی کی۔ اس کی شادی کہیں اور طے کر دی گئی تھی۔ وہ بہت جذباتی اور ضدی تھی۔ میں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے مجھے بزدلی کا طعنہ دیا اور کہا اگر میں نے اس کا ساتھ نہ دیا تو وہ کنویں میں چھلانگ لگا دے گی یا اپنی شہ رگ کاٹ لے گی۔ وہ جس انتہا پر پہنچ چکی تھی، کچھ بعید نہیں تھا وہ یہ کچھ کر گزرے گی۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے اس کی ضد و محبت نے سب کچھ بھلا دیا۔ پانچ ہزار روپے اور ایک رائفل لے کر میں اپنے قبیلے کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ کر آ گیا۔ ہمیشہ کیلئے اس لئے کہ اس اقدام کے بعد نہ میں انہاں کیلئے قابل قبول تھا اور نہ اس کے رشتہ دار۔ ان کے لئے آج بھی وہ میرے سر کی قیمت لگائے ہوئے ہیں۔"

www.Paksociety.com

"...کیا کر رہی تھیں۔ اتنی دیر سے اس پاگل کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہیں۔" وہ بہت خفا نظر آتی تھیں۔
سطریہ کو ان کی ناراضگی کے خیال سے ہی رونا آ گیا تھا۔
"ہوں... ہاں تو اب تم اس کے ساتھ اپنی ماں کے پاس بھی مت جانا۔ اب تمہیں یہ بچہ کر ہمارے ساتھ بھلائی کی ہے نا پرائی"۔ تیمور علی خان کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔
"اصل انسانوں پر کی مشکلیں آپ ہی تو کہتی ہیں کہ انہیں بھلائی برائی کی تمیز ہی نہیں رہتی"۔
وہ غصے سے انہیں ایک نظر دیکھ کر ایک طرف دیکھنے لگی۔
"ویسے تو بہت ہے سطریہ! کوئی حیرت کی بات نہ ہوتی اگر تم یہ کہتیں کہ ہمیں بھلائی کی امید ہی نہ تھی۔" تیمور علی نے اپنی حیرت کو خفگی میں چھپایا۔
"اسے تم لوگ یہاں لائے ہو تا۔ سطریہ بھی ہے۔ اس کا سامان وامان بھیجو۔"
"تمہارے اس نے تمہارے بابا صاحب سے کہا صاف کہ کوئی تعلق نہ رکھیں اپنی طرف سے۔ تمہاری ضرورت کی چیزیں سطریہ اپنی پاس سے لے لے گی۔ اب اتنی جلدی کیا ہو سکتا تھا"۔
"ماں جی! وہ سو رہے ہیں میرے پاس"۔ وہ سادگی سے بولی۔
نازنین کے قہقہے بلند اور ماں جی اور تیمور علی خان کی مسکراہٹیں گہری تھیں۔
"مگر یہ اچھی طرح پہچانتی ہیں نا ان دونوں کو سے"۔ تیمور علی خان مسئلے پر بولے تھے۔
"ماں جی!

"کون سی بات اماں جی؟"

"جی اماں جی"۔

"اللہ بھاگ بھاگے رکھے۔ نصیب اچھا کرے۔ حویلی کے دروازے کھلے ہیں۔ جب چاہے شے آ جایا کرے۔ بڑا دل بہت آ جائے مجھے۔ بڑی خدمت کی ہے میری"۔

"اماں جی! آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ مجھے رونا آ رہا ہے"۔ وہ رونے کو ہو گئی۔

"اچھا اچھا، دھیان سے اپنی بچی پر رکھ لے۔ کبھی بھار میں پریشان ہو۔ بھولی بھلی بہن۔ وہ شال بھی زیادہ لے کر آئی تھی۔ ساتھ ہی رکھ لے گی۔ کبھی بھار میں دھیان دے دے"۔

"وہ رکھ دی ہے اس کے کپڑوں میں"۔ نازنین نے جواب دیا۔

"یہ بلی کہاں گیا ہوا ہے؟" معاً انہیں دھیان آیا۔

"باہر میں تو صبح سے اور نہیں گئی"۔ وہ اپنی مخصوص سادگی سے بولی۔

"کیوں؟" نازنین نے شوخی سے سرگوشی کی۔

وہ حیا آمیز انداز میں خاموشی سے کپڑے تہ کرنے لگی۔

"پاگل ـــ کیوں نہیں گی اوپر۔ اس کا سامان نہیں باندھے گی"۔ اماں جی مسکرائیں۔

"اصل سامان تو ساتھ بندھا چلا جا رہا ہے"۔ نازنین بہت سروں میں گنگنائی۔

"یہ چلی جائے گی تو تم بھی اپنے میکے ہو آنا"۔ اماں جی نازنین سے مخاطب ہوئیں۔

"جی اماں جی۔ امی بھی فون پر پوچھ رہی تھیں کہ کب آؤ گی۔ نازنین بھی رات کو اپنے سسرال جائے گی پھر آپ اکیلی کیا کریں گی؟ آپ میرے ساتھ چلئے گا"۔

نازنین نے ساس کو بہت محبت سے دیکھا۔

"ہاں خیر، ملنے تو مجھے بھی جانا چاہیے۔ چلوں گی"۔ وہ بولیں۔

"آپ کے کپڑے استری کر دے دوں؟" نازنین بولی۔

"ہماری بھی سن لیجے۔ سیٹ کنفرم ہو گئی ہے ہماری پرسوں رات کی فلائٹ ہے۔ آج ہم حویلی جا رہے ہیں۔ پرسوں شام کو پہنچیں گے، واپس۔ ہم سے الوداعی ملاقات جس جس کو کرنا ہے۔ ابھی کر لو"۔

"پرسوں ـــ بس جا رہا ہے؟" اماں جی نے دل گرفتہ انداز میں دیکھا۔

"جانا تو ہے اماں جی!"

"مجھے بھروسہ نہیں آتا بیٹا"۔ وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

"اماں جی ـــ پھر وہی ـــ ہم ہمیشہ کیلئے تو نہیں جا رہے۔ آنے کیلئے جا رہے ہیں۔ جہاں اتنی محبت اکٹھی ہے تم دیکھ لینا اور سمجھ لینا"۔

وہ ماں کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

"میں اماں کی محبت سمیٹ لوں گی اماں جی بھر بھر کے"۔ ان کی آنکھوں میں پانی مچلنے لگا۔

سلیم کا بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ مڑ کر مجھے گلے لگا کر بچے کی طرح رویا تھا۔ وہ بھی بے تحاشہ رونے لگی تھی اور ان کی سمجھ سے بالکل بالاتر تھا۔

وہ رات کے سوا بارہ بجے تھے۔ سارا محلہ نیند کی آغوش میں تھا۔ نجمہ علی خان نے گاڑی سیدھا ان کے ساتھ کی تھی۔

پرانی وضع کا گھر تھا۔ اس کے باہر ایک زرد رنگ کا بلب لگا ہوا تھا۔ دستک پر ایک بوڑھی عورت کی آواز سنائی دی تھی۔

"کھولو اماں۔ میں ہوں علی"۔

دروازہ فوراً ہی کھل گیا تھا۔ جس شوق سے بوڑھی عورت دروازے میں آئی تھی اسی حیرت سے پیچھے ہٹی تھی۔ کالی سفید سوٹ اور سفید بارڈر والی چادر، پھولوں کی خوشبو۔ جھریوں سے بھری کنپٹیاں۔ اور کھلی ہوئی آنکھیں۔ اس پر متشرع حسن بھی غیر معمولی۔

"اندر آنے نہیں دو گی اماں۔ گھر صاف ہونے کی ضرورت تھی۔ آپ کے بیٹے کیلئے ماں کا پیار ہوں"۔

علی کے انداز میں اس کی فطری شوخی جھلک رہی تھی۔

عورت پیچھے ہٹ گئی مگر حیرت اپنی جگہ برقرار تھی۔

"اماں! راستہ بہت تھک گیا ہو گا۔ بیٹھک کھول دو اور اسے چائے پانی کا پوچھو"۔

"وہ تو پوچھ لوں گی۔ مگر یہ"۔

"اوہ۔ یقین نہیں آیا ابھی تک جب ہی تو بہن کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا نہیں دی۔ تمہاری تم اماں۔ تلاش کیا ہے"۔

بڑی بی نے احسان دراعمال ہوئے۔ وہ آگے بڑھیں اور سلیم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کہاں سے لی یہ چاند سی دلہن۔ سارے گھر میں روشنی ہی ہو گئی ہے"۔ وہ بہت پرشوق انداز میں جائزہ لے رہی تھیں۔ "آؤ بیٹی۔ یہاں بیٹھ جاؤ"۔

انہوں نے اسے تمام کرایک کرسی پر بٹھا دیا۔

"میں نے آپ کو بتایا نہیں اماں۔ یہ تو نہیں مانا۔ دراصل علی سیاں نے میری عادت بگاڑ دی ہے۔ ہوں تو میں تو کزن مگر مجھے ماں کی طرح عزت دیتے ہیں"۔

"تو اماں! تم بھی تو ہمارا میرا مطلب ہے ہم آپ بیٹے کو اتنا خیال رکھتی ہو جیسے سگے کہتے ہیں"۔

اس کی تو خود کزن سے بڑی اور پکی دوستی ہو گئی تھی۔ اس نے اٹھا کر اب اپنی ملازمہ کو دیکھا۔ ایک دم جانے کیوں دل بھر آیا۔ وہ جھری سے بھیگی پلکیں جھپکا کر مسکرانے لگی۔

"علی میاں! دلہن بہو بنا کر لائے ہو۔ اللہ مبارک کرے تمہیں بھی بچے"۔ وہ دعا دیتے ہوئے باہر نکلنے لگیں۔

www.Paksociety.com

"کہاں جا رہی ہو؟" علی نے کوٹ اتار کر ہینگر میں لٹکاتے ہوئے پوچھا۔

عطیہ نے دوپٹہ ٹھیک کیا۔ "آپ کے لئے کھانا گرم کرنے۔ آج تو بہت دیر ہو گئی۔"

"نہ تو بیٹھا کرو۔ دلہن پہلی بار گھر آئی ہے۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

وہ علی کا کوٹ ہینگر پر لٹکا کر ہاتھ دھونے کی جگہ سنبھال کر رکھی تھی۔ نظروں کی نظروں میں۔

"اتنا قیمتی روپ سنبھال کر رکھیں گے۔ محترمہ بلڈ بھی ہو سکتا ہے۔ میں تو یوں بھی ابھی خواب و خیال کے سلسلوں میں بھٹک رہا ہوں۔ ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔" علی نے اپنے بازو اس کے شانوں پر پھیلا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اماں آ جائیں گی۔" اس نے گھبرا کر دروازے کی سمت دیکھا۔

"تو کیا ہے آنے دو۔" علی نے شرارت سے مچلتا ہوا لہجہ والہانہ تحکم دبایا۔

"شرم نہیں آتی آپ کو۔" حیا سے اس کی حالت غیر ہو گئی۔

"دھیان نہیں دیا کبھی اس پہلو پر۔" اس نے قہقہہ لگا کر بازو ہٹا لئے۔ عطیہ سے جھکیں اٹھاتا دوچار ہو گیا۔

"تی الحال تو یہی ہے گھر میں۔ شام کو بچے کیلئے یہ کسٹرڈ بنایا تھا۔" اماں نے اٹھائے تھوڑی دیر ہوئی اندر آ گئی تھیں۔

"اماں! تم نے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا؟ بہت سامان آیا ہے کھانے پینے کا ان کی طرف سے کھانا بھی ہے۔ چل بھی ہیں۔ دعوتیں منعقد ہیں۔ صبح اٹھ کر محلے میں بانٹنا شروع کر دینا۔ کل دن میں بٹے گی۔ تب جا کر ختم ہو گی۔"

علی نے قمیض کے اوپری بٹن کھول کر کسٹرڈ پیالی میں ڈالتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"ماشاءاللہ بڑے دل والوں کی اولاد ہے۔"

عطیہ کا چہرہ یکلخت سفید پڑ گیا۔ ان دیکھے روشن چراغوں کی لویں لمحے لگیں۔

"یہ بچہ محترم۔" علی نے بہت غور سے اس کے سانسیں جانچی کی۔ اس پر اماں کے جملے نے کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ پھر اسے اپنے احساسیہ انفعال پر بہت کنٹرول تھا۔

عطیہ نے پیالی تھام لی۔

"کھانے کیلئے دلی ہے۔" علی نے اسے پیالی کی سمت گھورتے دیکھ کر پوچھا تھا اور وہ حقیقت میں چونک پڑی۔

"کس دھیان میں ہیں آپ؟ یہ دنیا بڑے دل والوں کیلئے ہے۔ چھوٹے حوصلے اور چھوٹے دل والے ان خوشیوں سے بھی محروم رہتے ہیں جن پر ان کا حق ہوتا ہے۔ بہت تنگ کرتی ہے انہیں یہ دنیا۔ کسی قسم کی فکر خود پر طاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو ہمیشہ خوش دیکھوں۔ کبھی ان کسی غم میں مبتلا نہ دیکھا۔ بہت تڑپی ہوں۔ اور اب پھٹ جائے گی۔ ڈال کر سو جایا کروں گا۔ لوگ پوچھیں گے کہ باہر گیوں اور وہاں تو صاف کر دیا کروں گا کہ بیوی کھانا نہیں مانتی۔"

عطیہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔

"ابھی ہم آپ کو اپنے پیٹے سے لگائیں گے۔ بڑا اچھا کل (وقت کا پابند ہے۔ سونے ہی سوجاتا ہے۔ صبح جو بچے سے پہلے ہی جاگ جاتا ہے۔ بڑی تو نیچاں کی ہی عادت ہے۔ کہتا ہے پاکستان بھی جائے گا اور باقاعدہ پڑھائی بھی کرے گا۔

بڑا ہو کر۔"

"بچے ہیں ابھی اس لئے۔" عطیہ نے جھرجھری لے کر کہا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"ابھی ہم آپ کو ایک اور سرپرائز دیں گے۔ ہنی مون پر جانے سے پہلے ہی۔ اماں کے ساتھ ہی رہیں گے۔ ایسی باتیں کرتی ہیں کہ پتا ہی نہیں چلتا وقت کیسے گزر گیا۔ بہت اچھی ہیں۔ بہت نرس ہیں۔ آپ کو بھی بہت اچھی طرح سنبھال لیں گی۔ بہت اچھی ہیں۔"

عطیہ نے پیالی واپس رکھ دی تھی۔

"آئیں بیٹھیں۔ پہلے اپنا ہونہار بھانجے ہیں آپ کو۔" علی نے اٹھ کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

وہ پیچھے ہٹنے لگی تھی۔

علی اسے اپنے کیلئے اپنے کی طرف بڑھا تھا۔

وہ بھی اس کی تقلید میں اپنے بڑھنے لگی۔

ریڈ کرتے ہی پلیٹ کی خالی جگہ کے بعد سامنے ہی کمرا تھا۔ علی آہستگی سے دروازے پر ہاتھ ڈال کر داخل ہو گیا۔ اور پھر وہ بھی۔

چھوٹا سا کمرہ بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ دیواروں پر خوبصورت پھول اور جانوروں کی تصویریں اور دل پسند چیزیں۔ بچے کے تولیہ کھلونے کا بستر پر اور ننھے چھوٹے چھوٹے جوتے۔ کھڑکی پر لٹکتی جالی کا پردہ۔ دیوار کے ساتھ چھوٹا سا سنگل پلنگ اور اس کے ساتھ ہی دیوار کے ساتھ لگی کھڑکی کے ساتھ لگی سفید میز پر بچے کی تصاویر کے فریم۔ ایک بچے کیلئے اس قدر اہتمام پر اس نے حویلی میں بھی کہیں دیکھا تھا۔ وہاں ایک کمرے میں کم از کم دو محلوں کا اہتمام ہوتا تھا اور وہ بھی حسب ضرورت۔ ہر روز تبھی بھی ہوا کرتی تھی۔

"آپ بچے کے لئے بہت۔۔۔ بہت آپ بہت دیں گی وہاں کے جائیں ہوں گے۔"

"ہائے اللہ۔" عطیہ کہتے کہتے نرم ہو گئی۔ "بچی تو ہنس کھیلتے ہی چلے جاتے ہیں۔"

"وہ بھی۔۔۔ رک کیوں گئیں۔۔۔ کیسے کیسے خواب سجا رہے ہیں۔ باپ کی تو زبردست خواہش ہے۔"

عطیہ نے بچے پر نگاہ ڈالی۔ دو سوا سال کا نہایت صحت مند اور خوبصورت بچہ تھا۔ بے خبر سویا ہوا۔ اسے بے ساختہ پیار آ گیا کہ وہاں بچوں میں سے تھا جنہیں راستہ چلتے ہوئے بھی پیار کرتے ہیں۔

اس نے آہستگی سے اس کی پیشانی سے بال سمیٹے اور جھک کر پیار کر لیا۔

"محترم عبدالباری صاحب کے کیسے کیسے اچھی اولاد لائے ہیں آپ کیلئے۔" علی نے عطیہ کو شانوں سے تھام کر سیدھی کی۔

پلکوں کے گوشے پر ٹھہرے اس کو نہایت بھاری تھا۔ پھر محترمہ والدہ نے اسے دیا تھا۔ سمجھنے کی کوشش آسان نہ تھی۔

خواب کے جھرمٹ اکثر سال سے کب جان چھوڑتے ہیں۔ محترمہ حیات ہی ایک قیامت ہے۔ اضطراب ہے۔ شریک حیات

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

"کیسا لگا آپ کو ہمارا بچہ؟"

"ماشاءاللہ۔ بہت پیارا ہے۔" اسے واقعی بچہ بہت خوش شکل لگا تھا۔

اسے حیدرآباد میں رہتے ہوئے تقریباً ایک ماہ ہو رہا تھا۔ دس دن پہلے علی اسے بائی سے ملوا کر لایا تھا۔ بائی بہت بیمار تھی۔ اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ اس نے کہا بھی تھا کہ وہ ساتھ چلے اب تو اس کا اپنا گھر ہے۔ مگر ان کی "ہاں" کو وہاں میں نہ بدل سکی تھی۔

سردار ماموں نے علی کی بہت آؤ بھگت کی تھی۔ زندگی میں پہلی بار مطہر کو گلے سے لگایا تھا سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ پھیے ہوئے ایک جوڑا اور نقد روپے بھی دیے تھے۔ اور ساتھ ہی کہا تھا کہ تھوڑے بہت پیسے اس نے کفن دفن اور مزار کے پھول کیلئے الگ رکھے ہیں۔ کفن دفن کا سن کر اسے بہت رونا آیا تھا۔ وہ بہت بوجھل دل کے ساتھ واپس ہوئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ اس کی آخری ملاقات تھی بائی سے۔

چلتے ہوئے بائی نے کہا تھا۔

"بخشو بالو۔ علی تیرا مرد ضرور ہے مگر یہی تیری عمر بھر کی کمائی ہے۔ عمر بھر کوشش کی کہ اس کا احسان بھول کے اور پرایا ہو اپنی محنت مزدوری کی روٹی کھاؤں مگر سولہ آنے اور حویلی والوں نے جو احسان کیا ہے میرے پاس اس کا بدلہ نہیں ہے۔ سوائے اس دعا کے کہ حویلی کی بیٹی بیٹیاں ہیں۔ اللہ ان کے نصیب اچھے کرے۔"

وہ حیدرآباد آ کر بہت دن اداس رہی پھر ایک روز علی نے اسے خوشخبری سنائی کہ بصیر علی خان کی شادی ہو رہی ہے۔ آج آفس میں اماں جی کا ٹیلی فون آیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ پہلی فرصت میں مطہر کو حویلی بھیج دوں۔ اسے بصیر علی خان کی شادی کا بہت انتظار تھا اور یہ بھی کہ کوئی تیاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اس کیلئے کپڑے بنوا لئے ہیں۔

اماں جی کے اس اپنائیت بھرے پیغام پر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بہت مطمئن و بے فکر کی بیٹی ہے۔

علی نے تو کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا کہ وہ بچے کو ساتھ لے کر جائے اس نے خود کہا تھا، بچے کو ساتھ لے کر جانا۔

اور جب وہ گلابی سوٹ اور سرخ چادر میں بچے سمیت حویلی میں داخل ہوئی تو وہاں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ایک لمحے کو تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ حویلی والوں کو اتنی پیاری ہے۔

"واہ مطہر۔ کیا ریٹی سیٹ اولاد دی ہے۔ ماشاءاللہ کتنا پیارا بچہ ہے۔"

نوشین نے بے اختیار بچے کو چوما۔ اور رخسار چوم لیا تھا۔

"ماشاءاللہ۔ بڑی جلدی مل گیا تجھے۔" بچے نے سر اٹھا کر مطہر کی طرف ہاتھ بڑھائے تو اماں جی بہت خوشی سے کہا۔

"اگر کسی باپ کی اولاد ہے۔ تو اس سے ایک لمحے کو مل گیا تھا۔" نوشین کی آواز بھرا گئی تھی۔

"اچھی تو ہے؟" اماں جی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے اسے دیکھا۔

"آپ کی دعا ہے اماں جی۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

"بڑی خوش رہے۔ ایک اطمینان سے مطہر کو تیری جان لگ گئی۔" وہ بچے کو لیے اندر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

"آج کل تو بڑا کام ہو گیا ہے حویلی میں۔" اس نے بچے کو چھپتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ مگر ہم تجھے کام نہیں کرنے دیں گے۔ میرے سر کی قسم ہے تجھے۔" اماں جی نے نرمی سے اسے تنبیہ کی۔

"نہیں اماں جی۔ میں تو اب بھی آپ کی باندی ہوں۔" وہ جیسے تڑپ کر بولی تھی۔

"باندیاں تو میری بارہ پشتوں میں ہوتی آئی ہوں گی۔ ایک تو آزاد ہے۔ تھی پر۔"

"میں بارہ پشتوں کا ایک اچھے کا رزق نہ کھایا ہے۔ میں کیا پتوں ان کا۔" وہ جیسے احتجاج سے کہہ رہی تھی۔

"دیکھا اماں جی! ایک مہینے میں ہی کتنی سنجیدہ باتیں کرنے لگی ہے۔" نوشین نے ہنس کر کہا۔

"نہیں سمجھ والی تو ہے یہ۔" اماں جی نے شفقت آمیز انداز سے اسے دیکھا۔

"مگر جیسے ہی کہتے ہیں کہ سر سے گزر جاتی ہیں اس کے ناری باتیں۔ بہت آسان انداز میں بات کرنا پڑتی ہے اس سے۔" وہ ہنسی۔

مطہر جیسے ایک دم چونک پڑی۔ یہ تو خیال ہی نہیں آیا کہ زبان سلسن۔ اتنی کہنے والا اب اس حویلی اس ماحول ہی میں نہیں ہے۔

اسے حویلی میں کیا کیا بہت بڑی کمی کا احساس ہوا۔

چوڑی پوٹوں کی چرچراہٹ۔ زیور اترتے ہوئے کپڑوں کی مخصوص دھمک ان کی آمد سے قبل ہی ان کی آمد کا اعلان ایک مخصوص خوشبو کی زبانی۔ ایک خاص انداز کی کھنکار۔

جانے کیا کیا کم ہو گیا تھا حویلی میں۔ اس کے اندر وحشت کے بگولے ناچنے لگے۔ اسے محسوس ہوا کہ علی کی ذات اسکی بیگانہ پرور اور پرجوش دلربا شوہر کے گزرات کے بند دروازے کھلنے کی فرصت اور مہلت نہیں ملتی۔ محض اتنی ہی دیر کی نے اندر کھلبلی مچانا شروع کر دی تھی۔

اس نے گھبرا کر بچے کی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔

"بچے کا نام کیا ہے۔" اماں جی کو وہ بہت اچھی لگی۔ بچے کو پیار کرتے ہوئے۔

"داؤد۔" اس نے دوبارہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"ماشاءاللہ بڑا پیارا نام ہے بچے کا۔" نوشین نے بہت خوش ہو کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

"مجھے خیال میں تو بچہ کا نام عبدالباری ہوگا۔" وہ پھر گویا ہوئیں۔

"کیا۔ عبدالباری محمدی۔" اس نے ناسمجھ کر تے ہوئے پوچھا۔

"واہ صاحب! کیا مارکیٹ نام ہے۔" نازلی نے بچے کا رخسار چوم کر کہا۔

"اسے نیند آرہی ہے۔ اوپر سلا آؤں۔ پیچھے تم بہت شور مچاتے ہو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سونا آنے کی کوشش میں نہ چلی جانا۔ اماں جی نے اوپر آ کر والا کمرہ کھلوایا ہے۔" عالم اب بھی وہیں تھا۔

"وہ تو بعد کا ہے پہلے آرام سے سو جائے گا۔" اماں جی نے جواب دیا۔

"اسے کاپاتی ہوگی۔" نگین نے شرارت سے کہا۔

"جی۔" وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"اس عمر میں تو بیوی بھی اپنا نہیں لگتا ہے۔" اماں جی مذاق نہیں سمجھیں سیدھے پن میں کہہ گئی تھیں۔

"ہیں۔ اماں جی ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔" وہ نہیں ہنسی تھیں۔

"ارے میں بچے کی بات کر رہی ہوں۔ ماشاء اللہ دو سال کا تو ہو گیا ہے ہاں؟" اماں جی نے پھر سادگی سے وضاحت کی۔

"جی ــــ" یہ بتا رہے تھے کہ دو سال کچھ مہینے کا ہو گیا ہے۔" وہ بولی۔

"ہائے ظالم کیا آفت لگی ہے۔" "ہا" "ہا" "ہا" کہتے ہوئے۔ اب بتا، بہت دیر ہی تھی کہ شادی نہیں کریں گی۔" نگین نے کھنچائی کی۔

واقعی لگ رہا تھا کہ ہیں تاج کے وقت انکار کر دے گی۔" وہ نہیں بھی گویا ہوئیں۔

عطریہ کا چہرہ ایک دم بے تاثر ہو گیا۔ سلسلے سرے سے جیسے خوابوں پر برف پڑ گئی۔ اس کی نظریں بے ساختہ ان درست کی طرف اٹھ گئیں جہاں سے چھپ کر اس نے دل کی دیوانگی کا پہلا سرا سلجھایا تھا۔ وہ خیرہ ان پر پہلی بار پھر تھا۔ سبزے کے شوق میں جیسے زمین کو روندے جانے کی تکلیف نہیں ہوتی یا یہ کہ روئیدگیاں پھوٹنے کی لذت ہر الم بھلا دیتی ہے۔ ایسی روئیدگیاں پھوٹی تھیں کہ بے پھل پھول کے جھاڑ اگے تھے۔

اس نے خود پر قابو پا کر بیچے کو شانے سے لگایا اور اندر کی سمت بڑھ گئی۔

حسین علی خان کی رسم اٹھن کا ہنگامہ تھا۔ وہ بچہ ماما کی کو تھما کر اپنی تیاری میں مصروف تھی۔ بال میں موتیے کے گجرے استری شدہ کپڑے اٹھائے آئی تھی۔ تقریب باہر باغ میں ہو رہی تھی۔ تی الحال سب اپنے اپنے کمروں میں تیار ہو رہے تھے۔ وہ کپڑے بیڈ پر پھینکا کر باہر کی طرف بڑھی ہی تھی کہ خون کی کمی بجنے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر خون اٹھایا اور اپنے مخصوص انداز میں پوچھا۔

"کون؟"

"کون ہیں تیمور علی خان۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ وہ جیسے اچھل پڑی۔

"السلام علیکم خان۔"

"عطریہ؟" وہاں سے استفسار ہوا۔

"جی خان۔" اس کا لہجہ مرد ہو گیا۔ (شکر ہے آپ کو میرا نام تو یاد ہوا۔)

"جی کہیے۔"

(کہیں گی تب کچھ کہیں گے کہ کچھ کہنا بھی ہے۔)

"جی ٹھیک ہیں۔"

"اچھا۔ تو پہلے زرمالی کو بلا کر ہمیں چار سو کے کھلے کے بھجوا دیں جی کہ بلا۔"

عجیب طرح کا پیغام تھا اس نے بیسیور رکھ دیا۔ عجیب ہی لمحے نے اس کے دل میں داخل ہوئی۔

"آپ کا فون ہے۔ خان نے۔" اس نے بتایا گیا ہے کہا۔

"وہ ــــ تیمور۔" بازیں بلا شوق سے آگے بڑھی۔ "ہیلو تیمور۔ ویلکم اسلام۔ اچھا۔ ٹھیک ہو ہاں؟ ہاں ــــ ہاں۔"

وہ بولتے بولتے ایک دم رکی اور باؤنڈری پر بیٹھ کر عطریہ کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ وہیں بھی جانے والی تھی۔ اماں جی کو بلانے۔ ہدایت کے مطابق دعوت کا وقت گزار رہی تھی۔ جب اٹھتے ہوئے انداز میں وہ اماں جی کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

تیمور کی آواز نے ایک مرتبہ پھر اس کا اعصابی نظام کھینچ کر کے رکھ دیا تھا۔ علی کی سماعتوں سے ٹکرائے احساس کے ساتھ آج وہ سنورنے کا بے شوق ہو رہا تھا۔ مگر اب ایسی کیفیت ہو رہی تھی گویا کوئی لمبی بیماری کاٹ کر اٹھا ہو۔ وہ اپنی سوچوں میں گم اماں جی کے کمرے میں آئی تھی۔

"اماں جی ــــ چھوٹے خان کا فون ہے۔" اس نے عام سے انداز میں اطلاع دیا۔

"اچھا۔" وہ ایک دم پلنگ سے اتر آئیں۔ "تاؤ۔ بچوں اور رک جاتا۔ بھائی کی شادی میں شریک ہو جاتا۔ اس لڑکے کی بھی اپنی الگ دنیا ہے۔ تیری بات ہوئی تھی تیمور سے؟" خوشی سے وہ جیسے اپنا آپ بھول رہی تھیں۔

"جی۔" وہ ان کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"بہت خوش تھا تیرے بیاہ سے۔ کہ اماں جی۔ بہت اچھا کام کر دیا ہے اللہ نے میرے ہاتھوں۔ عطریہ لڑکے پر بھی گیا۔ اتنا خوش تو میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ یوں بھی گھر بسانا وہ بھی کسی بچھڑے کا بسے تو ثواب کا کام ہے۔ بھلی بیٹی ہے بھرے بچے ہے ــــ اللہ اسے خوشیاں دے۔"

اماں جی ساتھ چلتے ہوئے کون جا رہی تھیں۔ دعائیں دے رہی تھیں اور وہ زمان و مکان سے ماورا۔ جہاں میں بھی تھی اسے دعا کی چھاؤں میں لیے ہوئی تھی۔

تمنا ہے۔ اللہ ہے کسی کی مطیع خوشی کسی کا عظیم اکٹھا جیسے ایک تصویر کے دو رخ۔ تمہاری خوشی اور ہمارا سرور ہے۔ علاوہ۔ صحرا دانہ کی ہوئی ہے کوئی کسی کو تنہا سمجھا سکتا ہوگا۔ جتنا میں خود کو سمجھاتی ہوں علی۔ بے بسی کے عالم میں بھی کشتی، جھاگ، طلاح۔ سالگرہ میں اس پر قربان ہونا چاہتی ہوں۔ میں اسے خوشیاں ہی خوشیاں دینا چاہتی ہوں۔ مگر مجھے اپنی کچھ نہیں آرہی۔

وہ اماں جی کو بال تک چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑی تھی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ویسے کی شام وہ روایتی کام کے اور ہلکا شلوار کرتے میں ادھر ادھر بھاگتی پھرتی باری کو گود میں اٹھائے بالکنی سے باہر کھڑی علی کو اشارہ ہی کر رہی تھی جو صبح کی سیر کو نکلا تھا۔

"خیریت سے ہو عطریہ؟" ایک جانی پہچانی آواز پر وہ چونکی بائیں جانب سے عارف یوسف اور عطریہ قریب میں کھڑے تھا۔

"ہوں۔ خیریت سے ہوں"۔ اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"تم تو بڑی خوش ہو گی۔ سنا ہے۔ کسی پولیس والے سے شادی ہوئی ہے"۔ وہ اس کے سراپے کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

"جس طرح انسان پیدا ہوتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے اسی طرح ایک دن سب کاموں کی طرح شادی بھی ہو جاتی ہے۔ اس میں خوشی غمی کا کیا سوال۔ انسان کو خوش رہنے کا شوق ہو تو شادی کر کے بھی خوش رہ لیتا ہے اور نہ ہو چاہے تو شادی سے بھی کیا ہوتا ہے"۔

اس نے قدرے سرد مہری سے اسے دیکھ کر جواب دیا۔

"لیکن وہ تو اپنی شادی پر بہت خوش ہوتا ہو گا جسے اپنی مرضی کا ساتھی ملتا ہو گا۔ جیسے کہ تمہارا خاوند"۔ وہ پھیکا سا مسکرا رہا تھا۔

"شاید۔ مجھے تو یہاں بھی یہاں اوہاں ہر شخص ہی خوش دکھائی دیتا ہے"۔ اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"ہاں ــــ دراصل تمہیں غور سے دیکھنے کی عادت نہیں ہے"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"تو ضرورت بھی کیا ہے۔ اور ہاں سنو تم مجھے تم تم نہیں کہو۔ میرے میاں نے سن لیا تو برا مانیں گے۔ وہ بھی مجھے تم "نہیں کہتے۔ گھسیارے نہیں ہیں۔ خاندانی ہیں"۔

اس نے ناگواری سے ٹوکا۔ اسے عارف کا یوں تفصیلی بات کرنا بہت کھل رہا تھا۔

"تمہاری چال سے لگتا تھا کہ تم بہت اونچے خواب دیکھتی ہو گی۔ خوشی کی بات ہے۔ خواب پورے ہو گئے"۔ وہ بھی سادہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"شاید تمہیں میرے اونچے خوابوں پر اعتراض تھا"۔ وہ قدرے تلخی سے مسکرائی۔

"آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔ کیا تنگ کر رہا ہے؟" علی کسی سست سے صوفہ دار ہوا اور باری کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ تنگ تو نہیں کر رہا۔ میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ آپ کہاں گھومنے جائیں گے۔ میں انجمان سے کھا لوں گی"۔

"میں آپ سے کہہ بھی رہا تھا کہ اماں کو ساتھ لے جائیں۔ خیر۔ ٹھیک ہے۔ اور ہاں آپ کو اس طرح باہر نہیں کھڑا ہونا چاہیے۔ ابھی ابھی حادثہ ہوا ہے۔ جزائنٹ قتی کو راؤ آپ کے ماتھے پر لگا ہوا نظر آیا ہے"۔

وہ پھر شوخ ہوا چاہتا تھا۔ مگر ایک دم سنبھل گیا۔

"آپ کی تعریف؟" اس نے عطریہ سے سوال کیا تھا۔

"یہاں کا اس میں ہی رہتے ہیں پڑھنے لکھنے کا بہت شوق ہے انہیں۔ ہو بھی نہیں گی؟ آتے جاتے ہیں۔ ان کے والد سے ملوانے کے خاص آرڈر ہیں۔ سمجھ تا ہے ناں؟"

وہ کھلکھلائی۔ علی کی ایک نظر بتاتی نگاہ نے بھانپ اسے نہلا دیا تھا۔

"بالکل سمجھ تا ہے"۔ وہ مجھے لہجے میں بات کرتا تھا۔ بہت غور سے اس نے علی کا جائزہ لیا تھا۔

"اچھا چلیں اب آپ اندر جائیں۔ باہر آنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔ ٹھیک؟"

وہ بشاشت سے کہتا گیٹ کی سیڑھیوں میں ہاتھ ڈال کر کھلنے کے انداز میں مڑنے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

عطریہ بھی عارف پر نگاہ ڈالے بغیر پلٹ گئی تھی۔

اور عارف جوتے کی نوک سے گھاس مسلتے ہوئے جانے کس دھیان میں تھا کہ ایک دم کچھ کہنے کے لئے اسے مخاطب کیا۔

"یہاں کیسے گزرے گی سوچ رہے ہو یار؟"

وہ بہت دھیرے سے مسکرایا تھا

کتنی آوازوں کے اسرار تھے پنہاں ان میں
آج تک سوچ رہا ہوں وہ سریلی آنکھیں!

علی کو آئے کئی دن ہو گئے تھا۔ عطریہ کو خاندان آنے لے دو تین دن کہیں روک لیا تھا۔ شادی کا ہنگامہ سرد پڑ چکا تھا۔ محلوں کی رونقیں اتر رہی تھی۔ بہت جلد سب پہلے کی طرح ہو جاتے تھے۔ وہ گرم پانی کا تھرماس لے کر اوپر چھت کی طرف سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔

"عطریہ"۔

"جی"۔ وہ رکی تھی۔

"بچے سو گیا یا سلا رہی ہو ابھی؟" جیب چیئر پر بیٹھی بہنی کا سامان سمیٹ رہا تھا۔

"وہ تو جی سو چکا۔ کوئی کام؟"

"ہاں ــــ وہ ہے کہ تمہارے خاندان سے کون آئے گا۔ بہت تھوڑے تم کہیلے اور یاد مجھے یار ہے میں اس لئے میں ہال میں نہیں بیٹھ سکتی۔ ماما اور بابا ہیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اماں جی کو پتا چل گیا تو ان کا جی برا ہو گا کہ تمہاری ان سے بات کیوں نہ کرائی۔ دراصل یہ فنکشن نہیں ہے۔ کیا تم گھنٹہ آدھ گھنٹہ یہاں ہال میں بیٹھ سکتی ہو؟ بچے کے پاس نہیں رہا یا بیوی کو بھیج دیتی ہوں۔ ٹھیک ہے"۔

"ٹھیک ہے جی"۔ وہ اور حقیقت یہ کہ بھی نہیں تھی۔

"ہاں۔ آپ مجھے بلا لیجئے گا۔ میں بچے کو سلا کر آ جاؤں گی"۔

"جی"۔ اب وہ ذرا بے پریشانی اس کے چہرے پر پھیلنے لگی تھی۔

www.Paksociety.com

وہ کہیں وہ پرسکون انداز میں آگے بڑھ گئی۔

اور وہ صوفے پر بیٹھی سوچنے لگی کہ بظاہر کسی کام کے نہ ہونے پر بھی کیسے جیا جا سکتا ہے؟ اس نے کارپٹ سے نظر اٹھا کر صوفے پر رکھے اخبار کو دیکھا۔ دلچسپی میں بے تحاشہ سنسنی محسوس کرنے لگی۔

وہ تو اپنے حق میں ہر امید ہی کھو چکی تھی کہ تیمور علی خان وطن میں نہیں تھے۔ ان کی موجودگی اسے کتنا بے سکون ضرور کرتی۔

مگر اب پھر ان کی آواز سننا تھی۔ جو وہ اب کبھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

وہ جانے کیا کیا سوچتی رہی اور جانے کب اونگھ آ گئی۔

فون کی بیل جانے کب سے بج رہی ہوگی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی اور بدحواس انداز میں ریسیور اٹھایا تھا۔

"جی خان..... السلام علیکم۔" جی میں کافی دیر سے انتظار ہی کر رہی تھی آپ کے فون کا" اس کی آواز میں غصہ کا تاثر ابھرا تھا۔

"کون سے خان کے فون کا انتظار کر رہی تھیں۔ حد ہوتی ہے اب تو صرف میرے فون کا انتظار کرنا چاہیے آپ کو۔"

وہ ہتھے سے اکھڑ گیا دوسری طرف علی تھا۔

"آپ؟" اس کے حواس بس یہی بول سکے۔

"کوئی شک؟ کیا میرا فون آنا کوئی حیرت کی بات ہے؟" وہ دوسری طرف بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں تو۔ وہ جی۔ بس۔ وہ یہ ہے کہ"۔ وہ گھبراہٹ میں بے ربط ہو گئی۔

"باری کہاں ہے؟" وہ بہت بدلے ہوئے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"سو رہا ہے"۔

"کیا اس کی آپا کو یہاں چھوڑ گئی ہیں آپ؟"

"نہیں۔ وہ وہ پاپا کے پاس ہے اس کے پاس"۔ وہ جانے کیوں اس کے بدلے ہوئے انداز پر گھبرا رہی تھی۔

"کام کیا ہوا ہے اس وقت؟" وہ اپنی نیند کا اندازہ کرتا پوچھ رہا تھا۔

"حیرت ہے؟ آپ کو نہیں پتا؟ باری کی وجہ سے اس وقت فون کرنے کا خیال آ گیا تھا"۔

"کہاں سے فون کر رہے ہیں؟" اس نے پوچھ لیا۔

"اسلام آباد سے آج ابھی تک یہاں ہی ہوں۔ ہو سکتا ہے میں کچھ عرصہ یہاں ہی رہوں۔ بچے کا خیال رکھنا۔ مجھے ہوم ورک ہے۔ خدا حافظ"۔

وہ ہکا بکا رہ گئی۔ وہ بدل سا گیا تھا۔ آج کچھ بھی نہیں تھا۔ جن کو پھر پور جاہت ملنے کا ادراک ہوتا ہے وہ کمی جیتنی کا ادراک اس سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں۔ اس کا گم سم ہونا عین فطرت تھا۔ یہ چند دنوں کی قربتیں اس کی زندگی کا اہم سرمایہ تھیں۔ سادہ سے سادہ عورت کو بھرپور مرد کی بھرپور رفاقت جو شعوری ترقی دیتی ہے وہ کسی کے سکھائے پڑھائے سے بھی نہیں آ سکتی۔ اس صلے پر دل سے رنجیدہ رہ گیا تھا۔

ریسیور رکھتے ہی بجھی بجھی تھی۔ اس نے فوراً ریسیور اٹھایا تھا۔ [illegible]

"[illegible] بھی اتنا ناراض ہو سکتا ہے آپ سے۔" وہ حیرت سے جانے کچھ بھی خان کہہ رہے تھے۔

"[illegible] کرتی ہوں خان۔ ہولڈ کیجئے"۔

اس نے کوئی بات کرنے اور سننے سے پہلے ہی ریسیور ہولڈ کر دیا اور تیزی سے بابر علی خان کی خواب گاہ کی سمت بڑھ گئی۔

بہت آہستگی سے دستک دی تھی۔

"ٹھیک ہے میرے بچے۔ آ رہی ہوں۔ ایسا کرو تم اوپن ہو جاؤ"۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آتے آتے اپنی بات مکمل کر چکی تھی۔

مطلب کچھ بولے بنا ہی اپنے راستے پر چل پڑی تھی۔

رات اس کی بہت قبل کی تھی۔ نہایت فطری امر تھا کہ ایک محض اس کی زندگی کا اہم حصہ بن چکا تھا۔ وہ اپنے والہانہ رویوں پر پچھتا رہے تھے۔ چاہے جانے کی تعظیم کیفیت سے آشنا تھا۔ صرف "وہ" "کیا ہوگیا ہے" تھی آگہی تھی۔ پھر اس کا وہ انداز اس پر کیسا گراں گزرا ہوگا۔

صبح ہی اس نے اماں جی سے کہہ دیا تھا کہ اسے جانا ہے۔ آپ بھروا دیں۔

"ہیں ایسا کیا ہو گیا؟" وہ چادر دیکھتے تو تو اپنی توتی سے رکی تھی۔ نہیں رکنا تھا تو علی کے ساتھ ہی چلی جاتی۔ پھر سفری سے بولی تھیں۔

"اس ماں کی اسپرانل چلا رہا ہے جانے کا"۔

"اچھا!" تو ہیں شرارت سے مسکرا دیں۔

"اب پیچھے پڑے کے ساتھ اکیلے سے تو رہی۔ علی نے کیا تھا عالم الدین کے ساتھ بھیج دیتے کل۔ میرے آنے سے پہلے ہی جانے کی ضد کر رہا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ میں تیرے خان سے بات کرتی ہوں۔ تو فکر نہ کر۔ تیرا تو جو بھی سے زیادہ کھیل میں ہی نہیں لگتا تھا"۔ اماں جی مسکرائیں۔

"بہت تنگ کر رہی تھی کہ شادی نہیں کروں گی"۔ ہیں نے بھیجا۔

اس نے جانے کی اجازت سے چونک کر ہیں کی سمت دیکھا۔ پھر خالی خالی نظروں سے اماں جی کو باری باری دیکھا۔

"کیا کیا ہوا ہے۔ کسی کو پتا تھوڑا ہی ہوتا ہے"۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

ہیں کو اس میں کوئی خاص بات محسوس ہوئے تھی۔

"اچھا اچھا۔ فکر نہ کر۔ کرتی ہوں بندوبست۔ اس سے اچھی کیا بات ہے کہ تجھے اپنے گھر کا دیکھ لے"۔

"جی کی۔ کیا کوئی بات ہو گئی ہے؟ مجھے تو دل چپ چپ سی لگ رہی ہے" [illegible] سے پوچھا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

"کہیں بی بی جان اور بچے ٹھیک ہیں۔ کچھ طبیعت کی خراب ہے۔" اس نے خالی خالی نگاہوں سے زمین کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اماں جی! میں زمان باندھ رہی ہوں۔ اس آپ مجھے بھجوا دیں۔"

"ہاں ہاں۔ کہہ تو دیا۔ تیرے سفر کا انتظام ہو جائے تو علی کو بھی ڈھونڈ کر واپس بھیج دینا ٹھیک ہے۔ تسلی رکھ۔"

"علیم الدین کو بھی تیری وجہ سے جلدی جانا پڑے گا۔ تیرے دے خان! کیلی کو تو بھیجیں گے نہیں۔"

وہ خاموش رہی۔ اسے کسی اور کے مسئلے سے دلچسپی نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ اس مختصر وقت سے ایک مرد کو پھر دیکھنا چاہ رہی تھی جو اس کے سوکھے دھان جیسے وجود پر ابر بن کے برس رہا تھا۔ اتنا گہرا سمجھ بوجھ والا ہمدرد کہ اس کی پیار کی طلب بڑھ گئی تھی۔ ضرورت طمع بن گئی تھی۔ اسے کچھ دیئے بغیر بہت کچھ لے رہا تھا۔ ایسا نفع کا سودا کرنے کے خیال ہی سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

علی اس کو لینے آیا تھا۔ جیپ ڈرائیو ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس لئے رسمی بات چیت کے علاوہ انہوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی تھی۔

مگر رسمی بات چیت کے دوران بھی علی اسے بہت دور محسوس ہوا تھا۔ اس لئے اس کی ہمت نہیں پڑی تھی کہ وہ اس سے کوئی عام سی بات بھی کر لیتی۔

حالانکہ اسے بہت تھکی تھکی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر پھر بھی اس نے کھانا خود بنایا تھا۔ علی اس کو گھر چھوڑ کر واپس اپنے اسٹیشن جا چکا تھا۔ اور یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ گھر واپس کب آئے گا۔

وہ باری کو سلاتے سلاتے خود بھی سو گئی تھی۔ حالانکہ ایسا ارادہ تو نہیں تھا۔

رات کو اچانک آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ دریچے پر لگے وائر میش پر نگاہ ڈالی۔ رات کا سوا ایک بج رہا تھا۔ اس نے باری کے ہاتھ پاؤں درست کئے اور اٹھ کر فرش پر اوٹی لیمپ کا رخ پرماں بے خبر سو رہی تھی۔

وہ آہستہ سے دریچہ اٹھا کر اپنی خواب گاہ میں آئی۔ خواب گاہ میں روشنی تھی۔

علی جاگ رہے ہیں؟ وہ حیرت سے سوچنے لگی۔

اور دھیرے سے دروازہ کھول کر جھانکا۔ علی اپنے دفتری کام میں مصروف تھا۔ مگر اس نے دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز سن لی تھی اور سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔

"باری کو سلاتے سلاتے میں خود ہی سو گئی۔ پتا ہی نہیں چلا۔" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے غیر اہم سی وضاحت دی۔

"کھانا بھی نہیں کھایا تھا آپ کے انتظار میں۔ آپ نے کھا لیا ہے ہاں؟"

وہ اور ڈریسنگ سے علی کا پسندیدہ خوابی کا لباس نکالتے ہوئے بولی۔

"ظاہر ہے آدھی رات گزر چکی ہے۔ کیا کرتیں کھا کے۔ صبح ہم نے ہی ہر حال ناشتہ کرنا ہے۔"

وہ مصروف انداز میں اس کی سمت دیکھے بغیر بولا تھا۔

"آپ نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟" وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"میں نے سوچا۔ آپ تھکی ہوئی ہیں۔" وہ اسی طرح مصروف انداز میں فائل کو دیکھتا رہا۔

وہ لباس تبدیل کر کے واپس آئی تو علی کمرے میں نہیں تھا۔ طبیعت اور بھی پریشان ہو گئی۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر اس کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی۔

تقریباً آدھ گھنٹے بعد وہ اور علی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟" وہ بہت شرمندگی محسوس کرنے لگی۔

"بھوکے کیوں سوتا۔ آپ کھانا نہیں کھا سکتیں۔ کچھ اچھا نہیں لگا۔" علی نے ٹرے بیڈ پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اس طرح نہ کریں آپ میرے ساتھ۔ میں اس قابل نہیں تھی۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

علی جواب میں خاموش رہا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ تھوڑا سا سالن پلیٹ میں نکال کر کھانے لگی۔ حالانکہ دل تو بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔

"آپ۔۔۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" وہ ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"الحمدللہ۔ بالکل ٹھیک ہوں۔" وہاں سے برجستہ جواب آیا۔

"پھر ٹینشن ہے۔" اس نے تجزیہ کیا۔

"کوئی بات نہیں۔ کیوں؟" وہاں انداز لفظی سادہ تھا۔

"جب انسان کچھ گنوا دیتا ہے نا تب ہی اس طرح ہوتا ہے۔" نجانے اس کے منہ میں کیا تھا۔

"مثلاً کس طرح کا؟" وہ بہت پرسکون تھا۔

"جس طرح آپ ہو رہے ہیں؟" وہ دکھی ہو گئی۔

"اچھا۔" مسکراہٹ بہت معنوی تھی۔

"کوئی بات نہیں ہے تو آپ فکرمند کیوں ہیں؟" بہت مکمن سے سوال ہوا۔

"فکرمندی کی توہین ہے۔ آپ بہت بے۔۔۔ لاپروا محسوس ہو رہے ہیں۔" وہ بہت مدت کر رہی تھی۔ مگر لہجہ بھرا گیا تھا۔

"وہم ہے آپ کا۔ دراصل معروفیت بہت ہے۔" علی نے سادہ لہجے میں کہا۔

"نہیں وہم نہیں ہے۔ دراصل وہ جو تین باتیں اور خاتون کی تھیں۔ وہ نہیں وہم ہے ان کا۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا؟" علی نے قدرے دلچسپی ظاہر کی۔ مگر اس کی طرف دیکھا نہیں۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"وہ میرے پاس آئیں اور یہ لیں۔ شہروز خان کا فون؟" وہ گھبرا گئی۔ بچے کے پاس روپیہ پیسہ کی کمی نہیں تھی۔ یہاں ہال میں بیٹھی رہیں فون؟ اسے تو مجھے بلانا تھا۔ اور کسی کو پتا۔ پہلے کہہ چکے تھے شہروز خان کا فون آیا تھا۔" وہ ایک تواتر سے بول رہی تھی۔ علی بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا اور ہر طرح کی ماضی کی تلخیوں سے عاری تھا۔

"ہوں۔۔۔ پھر؟" علی کا چہرہ اس کی گہری سوچ کا مظہر تھا۔

"میں کار سے سامان لے کر اندر آنے لگی۔ جب آپ کا فون آیا تو میں کچن میں تھی۔۔۔ پھر خان کا فون آیا ہے؟" وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"ہوں" علی کی ہوں بہت لمبی اور گہری سوچ کا اظہار تھی۔

"کچھ غلط ہوا ہے کیا ہماری طرف سے؟" علی کا سوال تھکا تھکا سا تھا۔

"بیٹھ شریف آدمی ہیں۔ دیکھے ہیں۔ آپ کو کیوں؟ آپ کے کزن ہیں" وہ حیران ہوئی۔

"میں بھی مراد ہوں" وہ کہا۔ ایک مرد ہے ایک عورت کی رشتے سے ہوں تو کوئی عورت اسے کس رشتے سے یاد رکھتی ہے؟" علی کا لہجہ عاجز سا تھا۔

"میں نے تو ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جیسے بریلی کے دوسرے مرد ہیں ویسے ہی ہیں" وہ سچ سچ بولے کہہ رہی تھی۔

"ابھی۔۔۔ بابا صاحب کی طرح نا واقف ہیں۔ عقل دیر سے آتی ہے" وہ طنزیہ گویا ہوا۔

"وہ بھائی کی شادی تو ان کے سامنے ہی ہوئی ہے۔ بریلی میں پہلے سے آنا جانا تھا ان کا؟" علی کا سوال بڑا عجیب سا لگا اسے۔ وہ الجھ کر اس کی سمت دیکھنے لگی۔

"میرا خیال ہے نہیں۔ جب میں بریلی آئی تھی تو اس وقت پورے خاندان کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ بھائی بھی ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کہ کس سے پتا چلتا۔ وہ بریلی میں پہلے بھی آتی تھیں۔ میرا خیال ہے وہ لوگ بالکل نہیں ہیں۔ بھائی کی ایسی تو کوئی فیشن ایبل بہنیں ہیں ان کے بال بھی سنگے ہوئے ہیں۔ وہ بڑی بڑی چادریں اوڑھتی ہیں۔ بریلی میں تو ایسی ہی عورتیں ہیں۔ یہ چیزیں نہیں جانتی ہیں۔ ان سے لگتا ہے کہ وہ اکثر بریلی سے باہر نہیں گئی ہیں۔ کیوں؟ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں آپ؟" وہ الجھی۔

"یونہی" علی مسکرا دیا۔

"آپ مسکرائے کیوں؟" وہ کچھ سمجھی نہیں۔

"پہلے نہیں مسکرا رہا تھا میں؟ کتنا اچھا لگتا ہوں مسکراتے ہوئے؟"

"نہیں" وہ جھینپ گئی۔

"اچھا لگتا ہوں؟" وہ شرارت کے موڈ میں آ چکا تھا۔

سفر سے تھکے ہوئے جسم جیسے کوئی جادو کا جھونکا چھو کر گیا تھا۔ اس نے کیا کہا تھا اندازہ نہیں ثابت میں سر ہلا رہا تھا۔

اور پھر وہ بے حد مصروف ہو گئی۔ علی نے بھی تربیت کے لیے کئی دن کی چھٹیاں لی تھیں اور اس کے ساتھ سے وہ بھی بہت خوش تھا۔ اب وہ اس کی ضرورت بن چکی تھی۔ علی کی محبت کا یہ روپ اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ بریلی میں وہ ایک مرد تھا۔ ایک ایسا مرد جو اس کی ذات کی تکمیل کرتا تھا۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھت

ہے تھکان سی ہو گئی۔ اور پھر تقریب بھی گزر گئی تھی۔ رسمی سے تواریخی معمولات کی ادائیگی سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں جانے کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی ضروری شاپنگ بھی کر لی۔ ایک عرصے کے بعد اس نے ساتھی میں قدم رکھا تھا۔ سب کچھ ہی نیا تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ اماں جی تو اسے دیکھ کر نہال ہو گئیں جیسے برسوں بعد عاقل اولاد لوٹی ہے۔

وہ نہیں ہاں بیٹھ کر بکھر اور نکھر گئی تھی۔ دوسرے بچوں کا بھی خاندان میں اضافہ ہو چکا تھا۔ نزہت کی بھی اسی طرح جلترنگ بجا رہی تھی۔

ہاری کے ساتھ کھیلنے کو اب کئی بچے تھے جنہیں گود میں رکھا تھا، بھاگتے بھاگتے کی ایسے بھی انہیں بیکلی بار دیکھ رہی تھی۔

اسے اسی گیسٹ روم میں ٹھہرایا گیا جس میں اس نے شادی کی پہلی رات گزاری تھی۔

"تو۔۔۔ مظہر۔۔۔ تو تو بالکل ہی نکمی نکلی۔ تیری قسمت میں تو کچھ نہیں لکھا ابھی تک؟" نزہین نے چھیڑا۔

"تو۔۔۔ یہ بھی جان!" وہ بھری محفل میں تو کے جانے پر لال لال ہو گئی۔

"علی نے تو نہیں کہا۔ ایک ہی ٹھیک ہے"۔ روشن آرا نے اصل نکتہ اٹھانے کی کوشش کی۔

"نہیں، وہ تو نہیں کہتے۔ وہ تو کہتے ہیں"۔ وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئی جیسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔ کیا کہتے ہیں"۔ نازنین نے اس کی بات گاڑی۔

"کچھ نہیں"۔ اپنی حماقت پر وہ بری طرح خجل ہو رہی تھی۔

"ہمیں بھی تو پتا چلے گا"۔ نزہین نے مصنوعی خفگی ظاہر کی۔

"وہ خاموش رہی۔

"مجھے پتا ہے، وہ کیا کہتا ہو گا"۔ روشن آرا نے اطمینان سے کہا۔

"کیا؟" وہ سب تجسس کی سے ان کی سمت دیکھنے لگیں۔

"یہی کہ بھابیوں نے مجھے اپنے حلیے سے نکال دیا۔ اب میں اپنا حلیہ الگ بناؤں گا"۔ وہ اتنے اطمینان اور سنجیدگی سے بولیں۔ گویا ان کے سامنے ہی یہ بات ہوئی ہو۔

بے ساختہ قہقہے بلند ہونے لگے تھے۔

"تو آپا! دیر کس بات کی ہو گئی ہے۔ اتنی دیر سے حلیہ بنانا شروع ہوا تو مسئلہ ہو جائے گا۔ اسے تو بیٹھے ہی رنگ کا کرنا چاہیے تھا"۔ نزہین فکرمندی سے گویا ہوئیں۔

ایک مرتبہ پھر ہنسی کا طوفان رہا ہوا تھا۔ مظہر کا چہرہ لال ہو گیا۔

"ارے نزہین! کتنے بچوں کا چچا بنے گا؟" اماں جی ذرا تنگ ہو کر دروازے میں داخل ہو کر بے تکلفی سے پوچھ رہی تھیں۔

"اماں جی! بات وہ بچے کی نہیں ہے۔ کہ بیٹھے بیٹھے انہیں چار بچے چاہئیں۔ آپ آرام سے ہو جائیں"۔

نزہین نے انہیں پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ مظہر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اماں جی کو بھی ہنسی آ گئی تھی۔ واقعی ایک لمحے کو تو انہیں بھی مشکل ہو گیا تھا۔

بادل پر بلکہ دھند سی چھا گئی۔ اسے اپنے آپ سے خوف آنے لگا۔ وہ روشن آرا کی کوئی بات ہی سمجھ نہیں پائی تھی۔ نہ جان پھیلے دن سے کچھ مختلف ضرور آیا تھا۔ دن کی مکمل روشنی کی بکھری ہوئی تھی۔ اسے اچھا لگا۔ وہ سکون کے لمحے گزرے تھے کہ سفر کیوں نہیں کیا جاتا۔ وہ سوچتا ہے۔

کبھی کبھی کیوں نہ کہیں اس کے مختلف رنگ میں کے ساتھ موجود رہنے کا احساس ہوتا ہے۔

اس نے دھیرے سے آنکھیں موند لیں۔ پلکوں پر بھی کرنیں بکھری محسوس ہونے لگیں۔

"کہاں چل دیے مظہر؟" وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہاری کو دیکھتی ہوں۔ کہیں اٹھ نہ گیا ہو"۔ وہ اٹھتی سے گویا ہوئی۔ اسکول کی وین کا ہارن بھی قریب ہی سنائی دیا تھا۔ اسے اسکول سے پہلے کی تیاری کروانی تھی۔

"خالہ سوا آئے دیکھا آپ نے۔ آج تو ہم تھے سے کھائیں گے"۔ نزہین کے انداز میں سفر تھا۔

"نہیں، جب وہ جاگ جاتا ہے تو مجھے بہت گھبراتا ہے"۔ اس کا انداز ابھی تھکا تھا۔

"یوں کیوں نہیں کہتی کہ تجھے خود نیند آ رہی ہے"۔ وہ ہنسی سے گویا ہوئیں۔

"روشن آرا بی بی جان! مجھے نیند آ رہی ہے۔ سفر کی وجہ سے تھکن بہت ہے"۔

"ابھی تک تو پہلے تو بہت فریش لگ رہی تھی"۔ نازنین نے حیرانی سے کہا۔

"بلڈ تو جیسے ہے۔ پیچھے کر تھوڑا سی آتی ہے"۔ وہ بے بسی سے مسکرا دی۔

"ارے ہوئے دو سے۔ کیوں زور ڈال رہی ہو"۔ اماں جی نے محبت سے اس کی سمت دیکھا۔

"تو بھی تھکے گی مظہر؟" خالہ جان نے خوشی سے پان لگاتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔

"انسان ہی تھکتے ہیں خالہ"۔ وہ اداسی سے مسکرائی تھی۔ گھر سے باہر کے لوگوں کے لئے ذرا کی ذرا کوشش۔

"ہاں۔ ہم تو سوچ رہے تھے کہ تھے سے گانا سنیں گے"۔ روشن آرا نے ہاں اندازِ نشست کا اندازہ لگایا۔

"گانا تو میں نہیں سناؤں گی۔ سوچ لیں"۔ اس کا انداز واضح اور قطعی تھا۔

"ہیں۔۔۔ وہ کیوں؟" سب کی سب بھچکی رہ گئیں۔

"کچھ بھی وجہ نہیں ہے۔ بتول اماں جی کہ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگڑ جاتے ہیں"۔ وہ بچوں جیسے انداز میں بات کر رہی تھی۔

"خدا خیر کرے"۔ اماں جی نے دل کر رہ گئیں۔

"تو۔۔۔ علی کو تانے کا کون کرے گا سنائیں؟" نازنین نے کہا۔

"پھر کبھی۔ ان سے چوری تو ہوئی ہوں؟"

ایک دم بجلی روشن ہو گئی۔ وہ بے اختیار ہوا۔ ایک طمانیت اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔

"آپ لوگ مجھے معاف کر دیجئے۔ پھر ملاقات ہوں گی کل ان کا فون آئے گا تو میں بتا دوں گی۔" وہ ساتھ سے کہہ کر باہر نکل گئی۔

"واہ صاحب! کیا اطاعت ہے۔ سیدھی جنت میں جائے گی۔" روشن آرا نے ہنس کر کہا۔

"ہاں تو ابھی بات ہے ناں۔ اپنے مرد کا خیال رکھنا چاہیے۔" اماں جی نے اس کی اس خوبی کو سراہتے ہوئے کہا۔

"بہت ہی سیدھی ہیں اماں جی! آپ بھی۔ اس طرح کی گھریلو عورتوں میں تو سب جگہ بکتا ہے۔ کسی کی آواز بھی ہوتی ہے تو اس سے گھبرا جاتی ہیں لگتا ہے کہ یہ بہت گھریلو ہو گی ہے۔ اپنے لیے اندر سے اداس۔ اس کی" پیشگوئی اس کا سب سے بڑا سکھ تھی۔"

ترکین کا تجزیہ دل کو لگ رہا تھا۔

محفل میں عجیب اداسی اتر آئی تھی۔

رات بھیگ چلی تھی۔ اور صبح باری کے جلد اٹھ جانے کی وجہ سے اسے بھی اٹھنا پڑا تھا۔ کوٹھی میں سناٹا طاری تھا۔ یوں لگتا تھا سب سو رہے ہیں۔ وہ باری کی انگلی تھام کر کچن میں آ گئی تھی۔ صائمہ معمول کی مصروفیات میں مگن تھی۔

"جاگنا کر گئی مظہر؟" وہ اس کی شکل دیکھتے ہی گویا ہوئی۔

"نہیں خالہ! مجھے تو بس ایک کپ چائے دیدو۔ البتہ باری کو جاگنا کرا دوں گی۔ ایک اللہ والی رات ہے میں تو میں سمجھتی ہوں۔" وہ کھلے کھلے انداز میں باری کو کرسی پر بٹھا کر اوون آن کرنے لگی۔

"میں کر لوں گی سب۔ رہنے دو۔" صائمہ نے ٹوکا۔

"کوئی بات نہیں خالہ۔ اتنے میں تم ایک کپ دودھ گھٹنہ کر لو۔ بچی ہلکی ڈالنا۔" وہ اسی کیفیت میں گویا ہوئی تھی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں لگتی تیری۔" صائمہ غور سے اس کی شکل دیکھ کر بولی۔

"نہیں ٹھیک ہوں۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی۔

"گھر والا یاد آ رہا ہو گا؟" صائمہ نے ماحول خوشگوار کرنے کی کوشش کی۔

"وہ بھولتا ہی کب ہے۔ وہی تو سانس لینے کی وجہ ہے۔ کیسے بھولوں۔" وہ یاسیت سے گویا ہوئی۔

"آج تو سب دیر سے اٹھیں گے۔ تھکے ہارے رات جاگتے میں پڑے آئے تھے۔ سچ کہ تو ہے۔ سب دیکھنا شکتے پڑے ہوں گے۔" صائمہ جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔

اس کا دل بھر بھر کی زور سے دھڑکا۔ "آ گئے۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"ہاں ماشاءاللہ بڑی اچھی صحت بنا رہی ہے۔ بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ کالے کوٹ پتلون میں۔" صائمہ کے انداز میں جانا پہچانا پن تھا۔ اس کے لہجے سے لوٹ آنے کا تاثر تھا۔

"اس کے سامنے دیوار پر ایک تصویر روشن ہو گئی۔ وہ جذباتی سے باری کی سمت آئی۔ بچہ کھڑکی میں کی سرگرمیاں کو

دیکھ رہا تھا۔ اس کے جذبات سے بے نیاز وہ باری کو اٹھا کر پیار کرنے لگی۔ اس نے باری کو گھما پھرا کر دیکھا۔

"اللہ نظر سے بچائے۔ بڑا خوبصورت بچہ ہے۔ قسمت سے ہی ایسی ماں ملتی ہے۔" صائمہ کو اس کی بے تکلفی اچھی لگی۔

"بچے قدرت کے تحفے ہوتے ہیں اس کے باپ نے بھی بہت دعائیں مانگی ہوں گی اس کے لیے۔" وہ مسکرائی۔

"ہوں۔ کچھ ایسا ہی ہے۔" صائمہ نے بھی مسکراتے ہوئے جیسے اس کی تائید کی۔

"ویسے قسمت والے ہیں اس کے باپ کے لیے بھی۔ بہت خوبصورت ہے بچہ۔" وہ بچے کو پیار کرتے ہوئے بولی۔

"بھی تو خوش ہیں اماں جی؟ آپ بھی۔ اس طرح کی گھریلو عورتوں میں تو سب جگہ بکتا ہے۔ کسی کی آواز بھی ہوتی ہے تو اس سے گھبرا جاتی ہیں لگتا ہے کہ یہ بہت گھریلو ہو گی ہے۔ اپنے لیے اندر سے اداس۔ اس کی" پیشگوئی اس کا سب سے بڑا سکھ تھی۔"

ترکین کا تجزیہ دل کو لگ رہا تھا۔

محفل میں عجیب اداسی اتر آئی تھی۔

رات بھیگ چلی تھی۔ اور صبح باری کے جلد اٹھ جانے کی وجہ سے اسے بھی اٹھنا پڑا تھا۔ کوٹھی میں سناٹا طاری تھا۔ یوں لگتا تھا سب سو رہے ہیں۔ وہ باری کی انگلی تھام کر کچن میں آ گئی تھی۔ صائمہ معمول کی مصروفیات میں مگن تھی۔

"جاگنا کر گئی مظہر؟" وہ اس کی شکل دیکھتے ہی گویا ہوئی۔

"نہیں خالہ! مجھے تو بس ایک کپ چائے دیدو۔ البتہ باری کو جاگنا کرا دوں گی۔ ایک اللہ والی رات ہے میں تو میں سمجھتی ہوں۔" وہ کھلے کھلے انداز میں باری کو کرسی پر بٹھا کر اوون آن کرنے لگی۔

"میں کر لوں گی سب۔ رہنے دو۔" صائمہ نے ٹوکا۔

"کوئی بات نہیں خالہ۔ اتنے میں تم ایک کپ دودھ گھٹنہ کر لو۔ بچی ہلکی ڈالنا۔" وہ اسی کیفیت میں گویا ہوئی تھی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں لگتی تیری۔" صائمہ غور سے اس کی شکل دیکھ کر بولی۔

"نہیں ٹھیک ہوں۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی۔

"گھر والا یاد آ رہا ہو گا؟" صائمہ نے ماحول خوشگوار کرنے کی کوشش کی۔

"وہ بھولتا ہی کب ہے۔ وہی تو سانس لینے کی وجہ ہے۔ کیسے بھولوں۔" وہ یاسیت سے گویا ہوئی۔

"آج تو سب دیر سے اٹھیں گے۔ تھکے ہارے رات جاگتے میں پڑے آئے تھے۔ سچ کہ تو ہے۔ سب دیکھنا شکتے پڑے ہوں گے۔" صائمہ جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔

اس کا دل بھر بھر کی زور سے دھڑکا۔ "آ گئے۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"ہاں ماشاءاللہ بڑی اچھی صحت بنا رہی ہے۔ بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ کالے کوٹ پتلون میں۔" صائمہ کے انداز میں جانا پہچانا پن تھا۔ اس کے لہجے سے لوٹ آنے کا تاثر تھا۔

"اس کے سامنے دیوار پر ایک تصویر روشن ہو گئی۔ وہ جذباتی سے باری کی سمت آئی۔ بچہ کھڑکی میں کی سرگرمیاں کو

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"وسلام۔ ٹھیک ہے۔ لگتا ہے بہت دوستی ہو گئی ہے بچے سے؟" انہوں نے بچے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"دوستی تو ہماری اس اپنے آپ سے ہے۔ دوستی بہت جلدی ہو جاتی ہے سب سے"۔ وہ خود کو مستحکم کر چکی تھی۔ آواز میں گویائی تھی۔

"علی کیسا ہے؟" انہوں نے میز کرسیوں میں الجھے بالوں والی مطربہ کو غور سے دیکھا تھا۔

"اچھے ہیں۔ خوش ہیں"۔ اس نے خاصی بے نیازی سے جواب دیا۔

"یعنی تم نے خوش رکھا ہوا ہے۔ گڈ"۔ انہوں نے کسی استاد کی طرح شاباش دی۔

"آپ کا اماں جی کا حکم ہے"۔ اس نے سہمی سہمی سی کے ساتھ جواب دیا۔

"یعنی تمہارا دل نہیں چاہتا کہ اتنے اچھے شوہر کا خیال رکھو"۔ انہوں نے تعجب سے سوال کیا۔

وہ خاموش رہی۔

"ہماری اس سے دو تین بار خون پر بات ہوئی۔ میں نے جان کر بہت غرض ہوئی تھی کہ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے کہ اس کے بیٹے سے بہت پیار کرتی ہو"۔

"انکا بیٹا اچھا ہے۔ اسے تو سب ہی پیار کرتے ہیں۔ پھر میں کیوں نہ کروں گی کہ یہ اس شخص کی اولاد ہے جس نے مجھے عزت دی"۔ وہ دھیرے لہجے انداز میں مسکرا رہی تھی۔

تیمور علی خان نے اس کی سمت متحسن نظروں سے دیکھا۔ ان کے سامنے وہ الجھی مطربہ نہیں تھی بلکہ ایک سمجھدار سے دار لڑکی کھڑی تھی۔

"چلیں بات سمجھ میں آ گئی۔ اچھی بات ہے"۔ وہ اخبار رول کرنے لگے۔

"بعض لوگ دوغلی باتیں گزارتے ہیں جان بوجھ کر۔ عقل کے ساتھ۔ ایک دل کے ساتھ۔ اور یہ بہت مشکل کام ہوتا ہے۔"

وہ کھسک اس پر بیٹھ کر باری کے گھوڑے کو تھپکنے لگی۔

تیمور علی خان ایک تابعے کو دم ہلاتے دیکھ رہے تھے۔ انہیں ہر گز یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ مطربہ ہے۔ وہ کی اختیار ہے بے خوف۔ مگر بہت ذہین لڑکی ہے۔ کیوں؟

وہ کھلے جنگل میں دوڑ چکل سکتے تھے مگر اس کے لئے سراے انہیں بھیجنا پڑتا۔ وہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ باش سے بھی گزر نہیں چاہتے تھے۔ تھوڑی بہت توڑ پھوڑ تو سب ہی کو چاہیے۔

"تو یہ بے وقوفانہ حرکت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیوں خود کو مشکل میں ڈالتی ہو۔ اسے اچھے پیار سے بھی زندگی بہت آسان ہو سکتی ہے"۔

وہ اپنے خطری مالکانہ سبھاؤ سے گویا ہوئے حالانکہ اب وہ ان کی کنیز نہیں تھی۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بچے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ تیمور علی خان کو اس کے اس انداز سے اس توہین اور تکبر کا احساس ہوا کہ اس مقام تک وہ اسے خود ہی تو لائے تھے۔ وہ بھی اپنی

اپنی جگہ اعلیٰ مخلوق کی تکبر تھی۔ نفس مضمون عرض تھا۔ وہ الجھ کر رہ گئے۔ وہ یوں تھی۔ کی جیسے وہ وہاں موجود ہی نہیں تھے۔

وہ اماں جی کو اطلاع دیتی ہوئی اندر ہال میں آئی تھی۔ ہال میں ہر طرف ہلکی پھلکی تیمور علی خان اور ہاذنین آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ وہ جھجک کر رک گئی تھی۔

"آؤ مطربہ۔ کوئی کام؟" ہاذنین فوراً متوجہ ہوئی۔ کسی بات پر دونوں مسکرا رہے تھے۔ مسکراہٹ کا چشمہ ابھی تک ہاذنین کے چہرے پر تھا۔

"جی۔ وہ اماں جی کو دیکھنا تھی"۔ وہ جانے کیوں گڑبڑا گئی تھی۔

"کہاں چلی گئیں اماں جی۔ ابھی بچے کے آنے میں تو تھیں"۔ ہاذنین نے کہا۔

"جی بچے تو کہیں نہیں ہیں۔ سب جگہ دیکھ لیا"۔ وہ پلٹنے لگی۔ اسی دم ڈائننگ روم میں رکھے ٹیلی فون سیٹ کی گھنٹی بجی۔

"مطربہ ذرا فون سننا۔ شاید امی کا ہے"۔

ہاذنین نے حکم کرا سے مخاطب کیا۔ ڈائننگ اور ڈائننگ کے بیچ صرف ایک پردہ تھا۔ وہ بھی بٹا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو"۔

"کیا حال ہے بیگم صاحبہ کے"۔ دوسری طرف علی کی شوخ آواز ابھری۔

"السلام بیگم"۔ خوشی کا مخاطب جانا سا وہ سا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ اماں جی تو اب مجھ سے کوئی کام کراتی نہیں ہیں۔ یہاں والوں کا خیال ہے آپ بدنام ہیں گے"۔ وہ بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھی۔

"بالکل بدنام ہیں گے۔ بہت کھوٹے ہیں حویلی کے لوگ"۔ اسی سابقہ انداز میں علی کی ہنسی تھی۔

"جھوٹ بات تو ہے مگر یہ سب لوگ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں"۔ وہ مسکرا دی۔

"آپ کی محبتوں کا ٹھیک ٹھاک اندازہ ہے سوائے اداکاری محبت ہے"۔ وہ دھیما پیار کرنے لگا۔

"اوں ہوں۔ اکیلی نہیں ہوں میں ادھر"۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

"کون کون بیٹھا ہوا ہے؟" لاپرواہی کے انداز میں سوال ہوا۔

"تیمور خاں آئے ہوئے ہیں۔ اپنی بھابی سے باتیں کر رہے ہیں"۔

"نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

"پھر فون کیوں اٹھایا۔ ڈاکٹر کو"۔

"آپ کو بلا رہے ہیں"۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

www.Paksociety.com

"کون؟" وہ اٹھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"یہ میں۔" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا اور پھر وہیں بیٹھ گئی۔

"خاندان تو پوچھا تھا۔ نام بھی پوچھ لیا تھا؟" تیمور علی خان نے مسکرا کر محظوظ ہونا چاہا۔

"کیا مطلب؟" علی کے لہجے میں حیرت آمیز استفسار تھا۔

"مطلب یہ کہ آپ کی گرامر صاحبہ سے پوچھا۔ خان پر کون ہے تو فرماتی ہیں۔ "ہ" (noun) کو ضمیر (Pro Noun) سے گزارا جا رہا ہے۔"

"بکس یار! تم تو اسے بھی اداسی کہتے ہیں۔ اس قدر حسین ہو تو پھر پریشانی کیسی ہے۔" علی کا قہقہہ بلند ہوا۔

"بس اپنی اپنی قسمت لگی ہے۔ تم تو ڈارلنگ کہہ کر اٹھا منٹ بلائے جاؤ گے اور یہاں "یہ" "وہ" پر گزارا کرنا پڑتا ہے۔"

وہ تیمور کو ہنستا مسکراتا اور ڈریسنگ روم کا دروازہ بند ہونے کا منتظر چھوڑ کر باہر نکل گئی تھی۔

سائکلو کا ہنگامہ رات گئے تک جاری رہا۔ اس نے کھانا بھی لیٹ کھایا تھا اور شاید پانی پیے بغیر ہی سو گئی تھی۔ اس لیے کہ وہ نہایت گہری نیند سے چونک کر جاگی تو دھیان آیا شاید پیاس لگی ہے۔

اس نے ٹیبل پر رکھے جگ کی سمت دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اس وقت نہایت شدت سے پانی پینے کی خواہش ہو رہی تھی۔ وہ باہر آ کر یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ لاؤنج اور ڈرائنگ روم کی لائٹیں روشن تھیں اور دھیرے دھیرے باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ دل تو پہلے ہی گھبرا رہا تھا اس کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

اس نے کمزوری کے شدت سے ہونی چلتے چلتے سنبھالا تو تیمور سے ٹکرا گئی۔

اماں جی، بابا صاحب اور تیمور علی خان نہایت فکرمند سی بلکہ سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر ان کی حیرت میں اور اضافہ ہو گیا تھا اور وہ اسے دیکھتی اندر داخل ہو گئی تھی۔

"کیا ہو گیا اماں جی۔ آج رات ہو گئی آپ سوئیں نہیں ابھی تک؟"

اسے ان کا چہرہ دیکھ کر ڈر لگنے لگا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ سر بھائی ہوئی کہ ابھی تک اس کے بالوں میں پھول اٹکے ہوئے تھے۔ جلنے سے جاگنے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ بچے ہوئے بوسے تھے۔

"ادھر آ میری بچی۔ میرے پاس آ۔" اماں جی کی آواز بھرا رہی تھی۔

"اماں ـــ ہوں۔ کیا کرتی ہیں آپ۔ بڑے ہے رات کا وقت ہے۔" بابا صاحب کا سکتہ ٹوٹ چکا تھا وہ قدرے سے بولنے لگے۔

اس کا دل بیٹھ گیا۔ "کیا ہوا اماں جی؟" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

"تم نہیں۔" بابا صاحب نے تیمور کی سمت دیکھا۔

"یہ تو ہیں۔ آپ سب اتنی رات کو کیوں جاگ رہے ہیں؟" اس کا دل جیسے حلق میں آ گیا تھا۔

"اسے بھی بتا ہی دیتے ہیں آخر کیا کالے چور کوتوال کھا جائیں گے۔" اماں جی کے لہجے کو بیزاری محسوس کر رہی تھی۔

"بتائیے ناں خان! کیا ہوا ہے؟" اس کی نظر ایک دم ہوا میں لہراتی تھی اور تیمور علی خان کو پھیل گئی تھیں۔ جانے کیوں اس کا دھیان کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ کچھ ہو گیا ہے اس کی اماں سے متعلق ہے۔

"بات یہ ہے کہ علی زخمی ہو گیا ہے۔ اکرام بتا رہے تھے۔ وہ آپریشن میں ہے۔ تھوڑے کی بات بتائی ہے۔" تیمور علی خان نے مختصر تعارف کرانے کے انداز میں بتایا۔

اسے رضی کو ان کی بات پر یقین نہیں آیا۔ اماں جی کے چہرے پر بکھرا درد، غم چیخ چیخ کر بتا رہا تھا۔ وہ مشتعل تھی نظروں سے صرف رضی کی تصویر دیکھ رہی تھی۔

بعض اوقات چہروں سے اعتماد، فخر اور تحمل جھلکتا ہے کہ انسان کھو کھلے اور بے جان محسوس ہوتے ہیں۔ وہ بھاگ کر اماں جی کے نزدیک آئی اور ان کے گھٹنوں پر بیٹھ کر ان کے گھٹنے تھام لیے۔

"اماں جی! مجھے سچ سچ بتائیے۔ کیا بات ہے ناں؟" اس کے حلق سے بمشکل آواز نکل رہی تھی۔

اماں جی کی آنکھوں سے چند قطرے ٹپک کر گھٹنوں میں گم ہو گئے۔ اور اسے ڈر کے مارے چکر آنے لگے۔ وہاں بیٹھ گئے۔ اس پر سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی۔

"صفریہ بیٹی! حوصلہ رکھ۔ خبردار جو تو نے کسی کے کہنے پر جو ڈیاں اتاریں۔ یہ سب بعد کے رسم و رواج ہیں۔ کتنی بھی ہیں تیری کلائیاں ان رنگ برنگی چوڑیوں سے۔" اماں جی اسے بیٹے سے لگا کر بلک بلک کر رو پڑیں۔

وہ ایک پتھر کی سل کی طرح ان کے بیٹے سے لگی ہوئی تھی۔ آنکھیں صحرا کی طرح خشک تھیں اور تیمور علی خان پر جمی ہوئی تھیں۔

"ابھی بتایا ہے تو اسے رلا دیا۔ وہ زخمی ہے اس کی جان کے لالے بھی پڑ سکتے ہیں۔"

بابا صاحب نے اس آواز میں گمبھیر خاموشی توڑی۔

"صفریہ۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"بیٹی! بہت سی عورتیں یہ دکھ اٹھاتی ہیں اور پھر تیز دھوپ میں بڑے حوصلے سے راستہ کاٹتی ہیں۔ دکھ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو سہنا پڑتا ہے۔" اماں جی نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر گلوگیر آواز میں سمجھایا۔

"علی چلے گئے اماں جی؟" اس کی آواز بہت کمزور سے کنویں سے آئی۔

"صبر نے جانا ہے بچی!" وہ رو پڑیں۔

"وقت جانا ہے جانا ہے۔ مگر آپ خان سے پوچھیے۔ انہیں کھینچنا کیسے ہی تھی؟ آپ انہیں کوئی بڑی سی گولی دیتیں۔ اماں جی۔ یہ تیمور۔ دل کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔ ذرا ان کی طرف دیکھیے تھائی تھرا رہے ہیں۔ اماں جی انہیں بڑی بات پسند ہے جس سے میرا دل کانپ جائے۔ جس سے میری آواز گلوگیر ہو جائے۔ جس سے میری آنکھیں خون روئیں۔ جو مجھے راتوں کو ڈرانے لگے۔" آپ کہا ہے آج ان کی خوشی سے بڑی عاجز ہو گی۔ اماں جی

اس میں وہ ہو رہی ہوں"۔

وہ ہلک ہلک کر رو دی۔

تینوں اپنی جگہ دم بخود سے بیٹھے تھے جیسے حرکت محال ہو۔ بابا صاحب الجھی الجھی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"اماں جی! مجھے تو جینے کا شوق تھا۔ یہ روگ کیوں پل گیا ہے؟ اماں جی! میں بیٹے کی کلیاں بھاؤں گی۔ میں کیسے بھاؤں گی۔ خبیث کہیں کے۔ خان۔ میری جان کے دشمن۔ اللہ کرے"۔

"ہوش کر مطربہ!" اماں جی نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔ کلیجہ کانپ کر رہ گیا تھا ان کا۔

"بیٹی وہ کسی سے پوچھ کر تھوڑی لکھتا۔ میرا خان اسے میرے لئے خوشی مانگا کرتا تھا۔ میرا گھر بسا تھا جی"۔

"میرا اول اجاڑا تھا اماں جی"۔ وہ چیخیں مار مار کر رونے لگی۔

بابا صاحب کو ایک گہری چپ نے گھیر رکھا تھا۔ جھریوں بھی انگلیاں بیقرار ہے تھے۔ نہایت اضطراری کیفیت تھی۔ شاید کوئی اور موقع ہوتا تو دلاور علی خان اس کی زبان جڑ سے اکھاڑ کر رکھوا دیتے مگر اب یہی سمجھا جا رہا تھا کہ اپنے صدمے سے اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔

"کیوں لائے تھے اسے میرے لئے۔ انہوں نے قسمت کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ تو یوں بھی کوئی کے خانے پر تھے۔ اچھے کہتا تھا کہ حویلی کی اس کے نام کی گوئی سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ وہ مجھ سے مذاق میں کہتا تھا۔ کبھی بھی خفا ہوتا تو کہتا ہوں۔ ہر ملاقات کو آخری سمجھا کرو۔ وہ ڈاکوؤں کی گولی سے نہ مرتا تو بھائی سے مار دیتے۔ اماں جی انہوں نے میرے اجاڑنے کیلئے بنایا تھا۔ اماں جی انہیں مجھ سے بہت چڑ ہے۔ انہیں میرا نام بھی پسند نہیں تھا۔ پتا نہیں کہاں کہاں کا غصہ ہے انہوں نے مجھ پر۔ ہائے میرے اللہ۔ جی"۔

وہ بری طرح دھاڑیں مار مار کر رو دی۔

"حویلی!" بابا صاحب کی آواز بہت اونچی تھی۔

"جی بابا صاحب"۔ وہ کسی دھیان سے چونکے۔

"بیٹے! تم اس کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ جاؤ اور جا کر دیکھو یہاں سب خیر سے ہیں"۔

وہ بہت دھیمی آواز میں بول رہے تھے مگر اس نے سن لیا۔

"میت ہائے اماں جی!" وہ چیخ کر قالین پر گر گئی تھی اور اسی لمحے دوسرے گھر والے اندر داخل ہوئے تھے۔ سب سے آگے بدحواسی کے عالم میں خالہ سلمیٰ آئے تھیں۔

"کیا ہوا اماں جی؟" تشویش ان کے چہرے سے نمایاں تھی۔

"پانی لاؤ سلمیٰ۔ اسے ہوش میں لاؤ"۔ اماں جی نے جیسے تشویش کی بات نہیں سنی۔ خالہ سلمیٰ پانی لینے گئیں۔

"اماں جی! یہ بابا صاحب کیا ہوا ہے؟" انہوں نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

"حلی ہے۔ اسے دیا میں نہیں رہی"۔ بابا صاحب نے بہت ہلکے سے مطربہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ سب کے سر ہاں میں ہلے تھے۔

"اماں جی! کیا؟" مطربہ نے آواز پہچان لی تھی۔

"کہاں ہے؟" انہوں نے بہت غور سے مطربہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کون بابا صاحب کے حضور بے ادبی سے پیش آیا ہوگا۔ خان کے بیٹے یہاں کا لہجہ بولتے تھے"۔ انہوں نے بہو کی بہت اپنے انداز میں وال کر جواب دیا۔

"جیسی بہو کہہ رہی ہے بیٹی کو گالی ہے۔ جتنا غور کریں۔ وہ اتنا بھر بھر کر سامنے آتی ہے"۔

"اللہ بے صبر دینے والے۔ دل شکنے والے کے ساتھ صبر جمیل فرمائے۔ مجھے تو فکر ہو گئی ہے۔ اس کا دماغ نہ چل جائے"۔ اماں جی بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھیں۔

اسی دم خالہ سلمیٰ نے جگ گلاس لئے ہوئے حویلی کے اندر داخل ہوئیں۔ رحیمہ بیگم نے جگ ان کے ہاتھ سے لے لیا اور جلدی جلدی اس کے سر پر چھینٹے ڈالنے لگیں۔ تو حویلی بھی اور الوداع کرنے کے انداز میں ہلکے ہلکے کراہنے لگی تھیں۔

"مطربہ! اٹھو۔ دیکھو۔ یہاں سب ہیں۔ دیکھو اماں جی کیسے پریشان ہو رہی ہیں۔ شاباش"۔

محروقت سے مس لئے ہوئی۔

"ہوش میں آیا۔ اس طرح کام نہیں چلے گا۔ ہم بیٹھ جائیں گے۔ تم تھوڑا پانی پر اسٹ کرتے ہیں"۔ تھوڑا پر نکل گئے۔

"ہائے۔ کیسی مشکل ہوئی ہے بچی پر"۔ اماں جی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"آپ اپنے آپ کو سنبھالیں۔ کیسی بات کر رہی ہیں۔ بچی کو سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے"۔

دلاور علی خان کو بیوی کے بیٹے آنسوؤں سے اس طرح کی پریشانی اچھی نہیں لگی تھی۔

"میرا تو دل پھٹ رہا ہے۔ شام کو کیسی ہشاش بشاش بھری ساری میں کیسی جچتی کھلتی پھر رہی تھی۔ اور کی طرف کیسی صورت کر رہی تھی۔ ایسا تھا کیا۔ دیکھا۔ کہیں کوئی کمی نہیں۔ نظر لگی ہے غریب کو"۔

"اماں جی۔ پلیز آپ خاموش ہو جائیں"۔ تھوڑا علی خان اندر داخل ہوتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"طبیعت تو دوبارہ بے ہوش ہو گئی"۔

"تھوڑا تھوڑا ہے۔ بیٹے کی ماں ہے"۔

تھوڑا نے دل میں کہا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئے تھے۔ مطربہ نے تڑپ کر چہرہ ادھر ادھر کیا تھا۔ پھر دوبارہ ساکت ہو گئی۔

تھوڑا نے پھر بھی دو تین بار مطربہ کے جسم میں زور سے جھٹکا دیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ تھوڑا نے اطمینان کا سانس لیا۔

"مطربہ! اٹھو شاباش!" تھوڑا نے بہت پیار سے کہا اور اسے سہارا دے کر بٹھایا۔

www.Paksociety.com

"بی بی جان!" وہ ان کے شانے سے لگ کر پھر ملک ملک کر رو دی۔ تزئین کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔

جہور علی خان فوراً باہر نکل گئے۔

"یہ کہاں گئے ہیں۔ کیا کسی کو پکڑنے گئے ہیں"۔ وہ زور سے بولی۔

اماں جی اپنی جگہ سے اٹھیں۔ "خود کو سنبھال بچی! میں ابھی آتی ہوں"۔

"ٹھہرو"۔ رجیہ بیگم نے بھی اسے اٹھایا۔

"بی بی جان! اسے اوپر لے کر جائیں۔ بچہ اٹھ گیا تو اور مشکل ہو جائے گی"۔ تزئین نے رجیہ بیگم سے کہا۔

"ہاں ٹھیک کہتی ہو چلو اسے میرے کمرے میں لے چلو"۔ تزئین نے رجیہ بیگم کے ساتھ مل کر اسے اٹھوایا۔

"بی بی جان! ابا جی کو بتا دیں کہ اس کا باپ تیزی دکھا گیا۔ ہائے اماں جی میں بچے کا کیا کروں گی؟" وہ بے ربط ہو گئی۔ وہ سب خاموش رہیں۔

"کیا کرتے ہیں بچے کا۔ تیرے مرد کی اولاد ہے۔ تو رکھے گی اس کا خیال اور کون رکھے گا"۔ اماں جی نے دکھ سے کہا۔

وہ باہر آئیں تو دیکھا جہور علی خان پشت پر ہاتھ باندھے برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔

"وہ بچہ مجھ سے زیادہ ان کا ہے۔ انہیں دیدیں۔ جو لائے تھے ناں؟ انہوں نے ہی پالا ہو گا۔ ان کے ہوتے ہوئے کا ہے وہ بچہ۔ میرا کچھ نہیں لگتا"۔

وہ تیور علی خان پر نظر پڑتے ہی پھر بڑبڑانے لگی۔

"اب دیکھے گا۔ اگلے چند دن میں ہی اپنے بچے میں مصروف ہو جائے گی۔ دیکھ لیجیے گا آپ کتنا خوش ہوں گے"۔

وہ پھر بے ہوش ہو کر رجیہ بیگم کے بازوؤں میں آ رہی۔

جہور علی خان نے ماں کی طرف دیکھا۔

"میں نے تو اسے بتا دیا تھا کہ میت نہیں آ رہی ہیں۔ اچانک دیکھتی تو اور برا ہوتا"۔ وہ فرحدگی سے دھاڑنے لگیں۔

قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ چند لوگ برآمدے میں تھا محفل دوا جا رہا تھا ماحول میں کافور اگر کی خوشبو دھواں بسیا ہوئی تھی۔

عطریہ بڑی سی کالی چادر پہنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ اور بچے ہی کا انتظار ہو رہا تھا کہ وہ آئی تو انتظامات مکمل ہوں۔ تزئین اسے دو مرتبہ لینے آ کے گئی تھیں اب اور کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اسے لاتا۔

بابا سامنے بار بار گھڑی دیکھتے تھے پھر اماں جی کی طرف۔ دیکھتے دیکھتے تنگ ہو کر وہ کیا کرنے لگیں۔

آدھا گھنٹہ اسی کشمکش میں گزر گیا۔

باری تعالیٰ سلام پھیرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب بچے کو گود میں لیے برآمدے میں آ گئے۔ سب نے چونک کر دیکھا تھا۔ بچہ سو رہا تھا۔ سب کے سامنے سوتے ہوئے بچے کو دیکھ کر وہ بری طرح تڑپ گئی۔ سب کے دل بھر بھر آنے لگے۔

پھولوں سے سجے گھر میں اچانک ہی اداسی چھا گئی تھی۔ گویا ہر شے سوگوار ہو۔ اس نے جھک کر بچے کو دیکھا۔

"اتنی خوبصورت بچی! کیسی کیسی باتیں کرتی ہو گی۔ کیسی کیسی ضد کرتی ہو گی۔ کیا کھیل کھیلتی ہو گی۔ کیا کھاتی ہو گی۔ کیا پیتی ہو گی۔ کیسے سوتی ہو گی۔ کیسے جاگتی ہو گی۔ کیسے روتی ہو گی۔ کیسے ہنستی ہو گی۔ کیا کیا پاتی ہو گی۔ کیا کھوتی ہو گی۔ کیا کیا خواب دیکھتی ہو گی۔ کیا کیا خواہشیں ہوں گی۔ کیا کیا آرزوئیں ہوں گی۔ کیا کیا تمنائیں ہوں گی۔ کیا کیا ارمان ہوں گے۔ کیا کیا حسرتیں ہوں گی۔ کیا کیا ہوں گی۔ کیا کیا ہوں گی۔ کیا کیا

"اماں جی اب کوئی ضرورت ہو تو سب سے زیادہ اسکا اس کی ماں کو ہوتا ہے۔"
اماں جی خاموش رہیں۔
"پتا نہیں وہ سب بھی کہاں پڑے ہیں جنہیں واپس آنا چاہیے۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔
"اماں جی اعلیٰ کو یہ لوگ کب لے جائینگے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔
سب نے چونک کر اس کی شکل دیکھی اور شکر ادا کیا کہ وہ بے خبر ہے۔
شاید جنازے کی روانگی کے وقت وہ والی طور پر ماحول سے کٹی ہوئی تھی۔
حالانکہ کلمہ پڑھنے کی آوازیں دیر تک اور آتی رہی تھیں۔
"لے جائیں گے آرام سے۔ تم یہاں بیٹھو۔" ثمرین نے کہا۔

سوئم کے بعد وہ لوگ حویلی واپس آ گئے تھے۔ جبکہ روشن آرا اور ثمرین اپنے اپنے سسرال چلی گئی تھیں۔
وہ کہیں بھی ہوتی تھی اسے ثمرین ہمیشہ بروقت یاد آتی تھیں۔ ان کی شوخ طبعی چھیڑ چھاڑ کرنے کی عادت کی
تھیں بھتیجی تھیں۔ اماں جی تک سے سہیلیوں کی طرح مذاق کرتی تھیں اسی وجہ سے ان کی غیر موجودگی بہت محسوس ہوتی تھی۔ اور اب تو ہر طرح کا موسم تھا۔
اسے ایک گہری چپ لاحق ہو چکی تھی۔ جانے کیا سوچتی رہتی تھی۔ جہاں بیٹھتی تھی بس بیٹھی رہ جاتی۔ خاموشی سے
ہی باری کو سنبھال رہی تھیں یا وہ اماں جی کے پاس رہتا تھا۔
اتنے عرصے میں اس کا چہرہ سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ یوں بھی عدت میں تھی۔ اماں جی کی ہدایت تھی کہ کوئی
نوکروں کے بھی سامنے نہ آئے۔ اسے نیچے آخری بالکل کونے کا کمرہ ملا ہوا تھا۔ جہاں وہ زیادہ وقت گزارتی تھی
باقاعدگی سے قرآن پاک پڑھ رہی تھی تاکہ ایصال ثواب کیلئے۔ آخر عدت پوری ہوئی مگر اس کے طور طریقوں میں
تبدیلی نہیں آئی۔ اب بھی اس کا زیادہ وقت اسی کمرے میں گزرتا تھا۔ اماں جی اسے بہت کہتی تھیں کہ سب کے ساتھ
بیٹھ کر کھانا کھایا کرے۔
آج وہ سورج چھپنے سے کچھ دیر پہلے باغ میں آئی تھی۔
باری بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ کسی بچے کے ساتھ شرارت کرکے بھاگتی ہوئی اس کی طرف آیا۔
"امی امی"۔ وہ اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔
"باری اتنے تنگ نہیں کرتے۔" اس نے افسردگی اور بیزاری کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے پیچھے ہٹایا۔
مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ پہلے سے زیادہ گرمجوشی سے لپٹ گیا۔
"ہٹو باری اٹھ اکیلے میرا پیچھا چھوڑو۔" اس نے بازو ایک طرف جھٹکا اس کے پاؤں سے لڑھک کر گیا۔
پہلی مرتبہ اس کا یہ مصروف روپ بچے نے دیکھا تھا۔ سہم کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ اسی دم ثمرین بھابی اس کی طرف
سے سامنے آئے۔ اور باری کا ہاتھ تھام کر ان کے متوازی کھڑے ہو گئے۔

سہم کر یہ سب برداشت نہیں کر سکتے۔ "میں اماں جی کو بتاؤں گا اس سے بچنے کی کوشش کرو۔"
اور پھر کسی ایسے شیطان کی طرح جو جنگ کے دوران کافروں کے ہاتھوں شکست کھا گیا ہو وہ بھی وہیں
فنا ہو جانا چاہتا ہے مگر اس کا رنگ اور ہے۔ تباہی طاری بھی کسی اور سے ہے۔ اچھل کر بھاگتا ہے
فنا ہو جانا چاہتا ہے مگر اس کا رنگ اور ہے۔ تباہی طاری بھی کسی اور سے ہے۔ اچھل کر بھاگتا ہے
ہے۔ ہاں۔ ہم اس کے ساتھ معمول سی زیادتی بھی برداشت نہیں کریں گے۔ جانتا ہو اس کے باپ سے ہماری دوستی
سب سے پرانی تھی۔ سب ہم پلہ سال کے تھے۔ گھر کے بڑے بچوں اور ماما صاحب کے ساتھ خوب آنا جانا تھا۔ بچپن گزرا ہے
جانے تھے۔
جس طرح اس نے تمہیں دھمکیاں دی ہیں سب سے زیادہ وحشت ہی۔ اس کی ماں سے اس طرح کی بدسلوکی کرے گی؟"
"میرا دل بہت پریشان ہے جان! مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا۔ آپ کو ہی کچھ کرنا ہوگا۔ آپ کو ہی کچھ سوچنا ہوگا۔ آپ پر شادی کی بربادی کا الزام
میرے سامنے بھی نہ دیکھے گا۔ آپ سے درخواست ہے۔ اتنی خوبیوں کو ستانا بھی جانتی ہیں۔ کیا میں آپ کی محبت میں
سے بھی کچھ گزاری ہوں؟"
وہ بچی کی دی ہوئی شناخت کے بعد اب بہت اعتماد سے بات کرتی تھی پھر حویلی میں بھی اس کی "ترقی" ہوئی تھی۔
اس کا اثر بھی اس کی چال پر تھا۔ اور وہ "بیٹی اصیل" عورت جو اس کی ماں تھی۔ اس کی ذات میں حلول ہو رہی تھی
تھی۔ جس کی وجہ سے ذات میں ایک سفر کرے پا رہتا تھا۔ اس کا اثر بھی چہرے سے جھلکتا تھا۔ جبور "بہت بچہ" کے خول بھی
اتار رہے تھے۔ اس نے برداشت کا عمل ایک اصولی بات تھی۔
بچے ان کے ارد گرد کھڑے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔
"کیا جان! باری کی پٹائی کیوں ہوئی؟" ایک بچے نے المناک لہجے میں دریافت کیا۔
"جاؤ کھیلو آپ لوگ۔ جاؤ بیٹا آپ بھی"۔ انہوں نے باری کا ہاتھ چھوڑ کر نرمی سے کہا۔
"حویلی میں رہنا ہے تو بچے سے بہت پیار کرنا ہوگا۔ اب تم اسے جو چاہے کہو لو۔ تم حویلی میں کوئی اور اس کے
ساتھ معمولی سی بدسلوکی کرتا پایا گیا تو اسی دن سے ہماری اس سے دشمنی طے ہوگی۔ یہ ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ تمہیں پتہ
چلے کہ یہ بچہ ہماری نگاہ میں کتنا اہم ہے امید ہے بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔"
وہ اثبات میں سر ہلا کر بچوں کی طرف بڑھ گئے۔

اسے اب کوئی کام کیلئے تو نہیں کہتا تھا۔ وہ خود ہی کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔ آج اس نے ہال میں بچھے تمام پردے
کے پھول سرف کے جھاگ میں بھگوئے تھے۔ اور باغ میں سکھانے تھے۔ اب سمیٹ کر ہال میں لائی تھی۔ جو وہ اسے ہی
سمجھا سے ڈانٹیں گی۔
"تم وہاں کیا کر رہی تھیں اس وقت؟" اس نے رک کر پوچھا۔
"جی اٹھے تو نہیں بتایا۔ اب تو مجھے اوپر کوئی کام بھی نہیں ہوتا۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر اندر داخل ہو گئی۔
"اچھا ہم اوپر آتے ہیں۔ بلیز مجھے بھی چائے بنا کر دیں۔" وہ عقب سے اندر آتے ہوئے بولا۔

"خان کے گھر سے ہیں؟" اس نے جاننا ضروری خیال کیا۔

"جی وہیں"۔

وہ کچن کی سے آگے بڑھی۔ عطیہ کی کام کا آف ایبائٹ یا خاصا اس پر بہت اخذ رہا تھا۔ وہ پہلے کی طرح اٹھا کر چولی پشت پر لٹکا رہی تھی۔ چال میں لگ بھگ سرمستی دے رہا تھا۔ عطیہ نے گیری ساس کا ڈبہ نکالا اور چائے کا کپ ڈال کر چائے بنانے کیلئے کچن میں آگئی اور بجائے ماما خالہ سے کہنے کے خود چائے بنانے لگی۔

"کس کیلئے بنا رہی ہو؟" ماما نے پوچھ لیا۔

"پھوپی (نجن) نے کہا ہے"۔ اس نے جواب دیا اور کپ میں پتی رکھنے لگی۔

"کوئی میں بنا لیتی ہوں"۔ ماما نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیوں اتنا تکلف کرنے لگی ہوں ماما۔ میں ہی ہوں کم ذات"۔ وہ تلخی سے مسکرائی اور اپنا کام کرنے لگی۔

ماما نے خالہ کی سمت بہت دکھ بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ مگر خاموش اور ہی تھی۔

اس نے بہت اہتمام سے چائے بنائی اور ٹرے اٹھانے سے قبل ماما کی طرف بڑھی۔

"ماما! دیکھیں بچوں کی بیٹیاں بیوہ ہو کر میکے واپس آجائیں تو کرکے کھاتی ہیں۔ میں تو پھر"

وہ اداسی سے مسکرا دی اور ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

حالانکہ وہ بڑی سیدھی اور صاف نیت سے چائے تیار کرکے لائی تھی۔ مگر تیمور علی خان کے کمرے کے قریب پہنچ کر جانے کیا ہوا۔ دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔ یہ شاید اسے خود بھی پتا نہیں تھا۔

"مجھے تو اس کی آواز ہی اتنی پیاری لگی تھی کہ بس کیا بتاؤں۔ ویسے بہت دبی ہو گئی ہے۔ آپ کو اب گھر میں لانا چاہیے"۔ نازنین کہہ رہی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ بابا صاحب کے ہاں تو ہر بھی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اصل فکر تو ہمیں اماں جی کی ہے۔ یقین کریں عطیہ بچی ہے"۔ تیمور کی آواز بہت سنجیدہ تھی۔

"آپ بابا صاحب کو ڈیل کر لیں۔ باقی وہ خود سنبھال لیں گے"۔ نازنین نے حکم سمجھایا۔

"ہوں۔ یہ تو ہے۔ اماں جی بہت اموشنل ہیں۔ کچھ بات بہت سیریس نہ ہو جائے"۔

"آپ کی تاری کی بات پر تو شاید اتنی سیریس نہ ہوں لیکن یہ جان کر انہیں بہت دکھ ہو گا کہ ان کا بہت پیارا سا پوتا آپریشن کے بعد دنیا میں نہیں رہا۔ اس کے دادا دادی اس معصوم کی شکل تک نہ دیکھ سکے"۔

نازنین نے بہت افسردہ لہجے میں کہا۔

عطیہ کی آنکھیں بھر رہی تھیں۔

"شادی ابھی"۔ اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔

تیمور خان کی شادی بھی ہو چکی۔ بچہ بھی ہو گیا۔ وہ گم صم کھڑی تھی۔

"اس دن اس سے بات ہوئی۔ بہت خوشی ہوئی شرقی اداؤں کی سفرل لڑکی ملی ہے۔ آپ سے تو عشق کرتی ہے۔

میرا خیال ہے ہمارا کرداروں سے بڑھ کر ہیں۔ اسے ہے کہاں کی پرواہ آپ تھی"۔ نازنین کی آواز آئی۔

"ہاں تو ہم بھی ہے تھی۔ وہ بھی اصرار کر رہی ہے۔ بچے کی وجہ کے بعد طبیعت ان ہو گئی ہے۔ ابھی ٹائم دے دیں۔ ہم بھی ہے تھی۔ بہت مشکل تھی"۔ تیمور علی خان کی آواز میں تھکن تھی۔

"پہلے تو وہاں بچے کی آواز نہیں تھی۔ کچھ تھی ہو گیا ہو گا۔ پاکستان میں ہو گا۔ ہم نے فون کھولا کر بچے کے ساتھ تو بیت کا سرمہ آسانی سے لے ہو سکتا ہے۔ تیمور پھر کچھ کہی تھی۔ مگر ہوا دھیمی ہو گئی تھی۔ عطیہ کی نگاہوں کے سامنے تیمور علی خان کے عکس اور گھومنے لگے۔ جس کا دل جگہ جگہ آباد ہے۔ اسے اس کی ترقی قیاسوں کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے؟ اس کے دل سے ہوک سی اٹھنے لگی۔ وہ پکڑا ہوا تھا۔ اس نے بے اختیار سر دیوار سے ٹکرا دیا۔

"عطی"۔ تیمور علی خان کی آواز آئی تھی۔

وہ اندر داخل ہو گئی۔ دونوں دیور بھابی ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے تھے۔ کمرے میں دھواں سی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک آنے والے تیسرے کیلئے ہوتی ہے اور مخلص اپنے تسلسل کیلئے اس تیسرے فرد کے واپس جانے کا انتظار کرتی ہے۔

"ارے تم کیوں لے آئیں۔ تمہاری تو طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کسی سے کہہ دیتیں"۔

وہ ٹرے لے کر جھکی تو سے کھنی ہوئی عطیہ کو مخاطب کیا۔

"کوئی بات نہیں۔ خالی بیٹھے سے تو طبیعت اور الجھ جاتی ہے"۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"جانے ماؤں؟" وہ خود کو کہتے میں بوجھل محسوس کر رہی تھی۔ جیسے وہ دونوں اس کے باہر جانے کا انتظار کر رہے ہوں۔ اسے یقین تھا کہ نازنین کچھ کہی تو ضرور خود ہی جائیں گے اور وہی ہوا۔ نازنین نے کب کہا تھا کہ وہ خود ہی جانے لگی۔

عطیہ نے سوچے کھڑی ہو کر آنچل درست کیا اور تیمور علی خان پر ایک نگاہ ڈالی۔

دل ان کی طرح آباد ہو تو بندے کو ادھر ادھر دیکھنے کی کب فرصت ہوتی ہے۔ وہ نین گھر ثروت اور فیملی بیک گراؤنڈ میں بہت نکھرے نکھرے محسوس ہو رہے تھے۔

اسے کیا پتا تھا آگے کون سے کمپلیکیشنز کی کھائی ہے۔ اسے تو نازنین کے پراسرار انداز ہی چونکا رہے تھے۔ آج پتا چلا۔ وہ سب تو ہم داری کی ادائیں تھیں۔

وہ خاموشی سے باہر آگئی۔ جانے کیوں تیمور کی آواز پر دل ہی مضطر ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں اس طرح کا ہیجان برپا ہو گیا جس طرح کا حل کے انتقال والی رات ہوا تھا۔ وہ سیدھی باغ میں آگئی اور گھاس پر لیٹ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔

تیمور علی خان اپنی بیوی کے ساتھ اسے باغ میں چہل قدمی کرتے نظر آنے لگے۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ ایک نور ان کے وجود پر طاری تھا۔ وہ دنیا کے مطمئن ترین انسان دکھائی دے رہے تھے۔

اسے ان کے لیے کی رتی رتی سخاوت یاد آئی۔ دل کے سامنے گھومتی کہ جیسے دینے والے کو دعاؤں کے ہاتھ اٹھانے کا ڈھنگ آتا ہے۔ اسے اپنی شادی کی پہلی رات بھی یاد آئی۔ جب وہ ہونٹ کی آگ میں جل رہی تھی۔

www.paksociety.com

اور نہ ہی کر مر جانے کا کوئی چانس تھا۔

کاش اماں ہی ہاں کر دیں۔

اس کے دل میں شرارے اٹھنے لگے۔ دل کی سادگی اور سچائی پر وہ کس طرح ان میں سوسو بار مری تھی۔ اس کو بھولے کے بوجھ سے آج تک اس کی کمر ٹوٹی جاتی تھی۔

وہ ابھی تک سیاہ لباس پہنتی تھی۔ سیاہ رنگ سوگ کا رنگ اور آج تک بجھے ہوئی تھی کہ وہ رنگ کی خواہش کیا ہے؟ اس کا جی چاہا، جلد سے جلد انکشاف ہو جائے۔ اور تیمور علی خان ہمیشہ کیلئے موت کے گال میں چلے جائیں۔ اسے زعم تھا کہ وہ اس کے دھوکے پر غور کرے گی۔ رابطے کا یہ سلسلہ بھی ہوتا رہے گا۔ کسی طرح تو وہ ان کے سامنے آئے گی۔

"مطربہ! یہاں کیا کر رہی ہے؟ یہ باری اتنی دیر سے تجھے اموشنل بلیک میل کر رہا ہے۔ بہت مار پڑے گی۔"

خالہ سولہ آنے کی آواز اسے خیالات کے جہنم سے باہر کھینچ لائی۔ وہ باری کی اگلی قسط کے سامنے کھڑی تھیں۔ باری کے رخساروں پر اشک رواں تھے۔ وہ ہچکیاں بھر رہا تھا۔

"یہ مجھے جانتے نہ پہچانتے تو دکھ محسوس کرتا ہے۔ کتنا گہرا رشتہ ہے میرا اس کے ساتھ۔" اس نے باری کا ہاتھ تھپکا۔ اسے اپنے سینے سے لگایا۔

"کیا ہوا میری جان! کیوں رو رہا ہے؟" وہ اس کی پیشانی سے بال ہٹا کر پیار کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"آپ کہاں چلی گئی تھیں امی؟" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں آپ کے لئے بہت پریشان ہو گئی جان۔ آپ کو پتا نہیں۔ تو پھر آپ کیوں روئے؟ اس طرح مجھے دوبارہ پریشان ہو جاتی ہیں۔"

"یہ تیری ذمہ داری ہے اب۔ دھیان رکھ کر۔ میں دیکھ رہی ہوں۔ تو بہت آگے لگ رہے گی ہے۔"

"یہ زندگی تو خود بھی بچے کی طرح میرے کندھوں پر سوار ہے۔ اس پھول کا کیا بوجھ خالہ۔" وہ ہنسی۔ مسکرائی۔ اور باری کا رخسار چوم لیا۔

"اللہ کرے ابھی تیری عمر ہی کیا ہے۔ قسمت کا لکھا تو ہو کر ہی رہتا ہے۔ جن والوں نے تو اپنے غرور میں تیری بچی چاہی تھی۔ کسی کی دشمنی تو نہیں تھی تیرے ساتھ۔ ایک عمر ہو آئی ہے یہ باتیں۔ اب تک تو کیا کچھ جانتیں کہ ہم پر بیتی ہوئی؟" وہ اسے ڈرانے لگی تھیں۔

مطربہ خاموش رہنے لگی۔

"خالہ! اصل تو کھوٹا ہوتا ہے بات میں عزت جاتی ہے۔ وہ اچھائے ہمیں پرے لیا کرتے تھے۔"

"پتا نہیں کیسی واہیات کرتی ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتیں۔" وہ جھنجھلا کر بولیں۔

"خالہ! اسے دودھ کے ساتھ کچھ دیا تھا؟" اس نے باری کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ہاں اس ایجنٹ نے جو کھانا دیا تھا کہتے ہیں کہ اس کی نیند ہوتی ہے۔ وہ صبح پر دے لائے تھے۔"

"اچھا بتا کیا۔"

"باری (ابے) آپ کو سکول میں داخل کروا رہے ہیں اور سکول جانے والے بچے روتے تھے ہیں۔ بڑے ہو جاتے ہیں۔" وہ بہت شفقت بھرے لہجے میں اس سے ہم کلام تھی۔

"ہاں واقعی۔ سب ٹھیک ہو جاتے ہیں اس سے۔ بڑے خان جو مرغیوں کے بچوں کو ساتھ لے کر پھرتے ہیں۔ وہ بھی اسے ہر جگہ ساتھ لے جاتے ہیں۔ سب کتا کہتے ہیں بڑے خان سے۔ یہ نہیں کہتے کہ بڑے خان کے گھر سے کتا چرا لیا ہے۔ کہتا ہے۔ "خان! کھوتے کی سیر کرا دیں۔"

"بڑے خان کہتے ہیں بیٹا! آپ ایسی واہیات کیوں نہیں کہتے۔ خان کہاں کہتے ہیں۔" خالہ نے اصلاح کی۔

"کہتے ہیں امی تو آپ کو خان کہتی ہیں۔" بڑے خان بہت ہنسے۔ بڑے خان کہتے ہیں ہمارا ایمان ہلکا ہے۔

"اس کا باپ کم حاضر جواب تھا کہ بیٹوں کو ہرا دے۔ مجھے تو اس کے سامنے جواب ہی نہیں سوجھتے تھے۔ بڑے جواب سوجھتے بھی تو منہ نہیں آتا۔ اس سے جھوٹ بولا رہی ہوں۔ اس لئے چپ لگا رہی گی۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔ پلکوں سے آنسو چھلکے اور باری کے سیاہ بالوں میں جذب ہو گئے۔

"اس طرح اکیلی نہ بیٹھا کر۔ دودھ پیو جیسے کہا جاتا ہے۔" خالہ نے اسے سمجھایا۔

"یہ پھولی (اس) پتا نہیں کہاں ہیں۔ بڑے خان دو تین مرتبہ ہو چکے ہیں۔" انہیں اٹھتے بیٹھتے دھیان آیا۔

مطربہ نے خالی خالی نظریں خالہ کے چہرے پر جما دیں۔

"وہ ظہرانے میں شریک ہیں۔ نواب کہا رہی ہیں۔" اس کی آواز بھی بے تاثر تھی۔

"ہائیں!" خالہ سولہ آنے تعجب سے اسے دیکھنے لگیں۔ "کیا بولی؟"

"کچھ نہیں۔ آؤ باری اندر چلیں۔" اس نے باری کو گود سے اتارا اور کھڑی ہو گئی۔

وہ باری کو سلا کر دوبارہ لاؤنج میں آ کر بیٹھی تھی جانے کن سوچوں میں مستغرق تھی۔ سارہ بیگم اور تیمور علی خان کی شام کی گفتگو بار بار دماغ میں دھماکے کر رہی تھی۔

دل نے زور زور سے دھڑکنا شروع کر دیا۔

"ماں جی آ رہی ہیں۔" اس نے بیٹھم بیٹھی۔

مطربہ نے کان پر رکھے ہاتھوں کی سمت دیکھا۔ رات کے ان پہر کے تھے۔

"چلو آتی ہوں۔" وہ باری کی طرف آئی۔ اسے درست کیا۔ اوڑھنی پھیلا درست کی۔ وہ کھوئی کھوئی سی اماں تھا کے کمرے میں چلی آئی۔

"جی اماں جی۔" وہ ان کے قریب جا بیٹھی۔ ماں کی تسبیح چلتے چلتے رک گئی۔ انہوں نے اشارے سے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

www.Paksociety.com
www.urdunovels.net
www.Parsociety.com

www.Paksociety.com

وہ ماں سوئل ہو کر اپنی انگلیاں چٹخانے لگی۔

"ہاری سو گئی؟" اماں جی نے تسبیح پوری کر کے چوتھی بار ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"جی"۔ اس نے مختصر سے کہا۔

"تیری طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کیا ہوگا"۔ وہ تلخی سے بولی۔

"اللہ نہ کرے۔ عمر پڑی ہے آگے۔ اپنے آپ کو سنبھال۔ ماں بھی اپنے مرے ہوئے بچے کے ساتھ قبر میں جا کہاں لیٹتی اور دنیا میں ماں کی محبت سے بڑی کوئی محبت نہیں۔ کیا مجھے احساس ہے کہ تیری یہ لالی چادر مجھے کفن کو کھاتے"۔ اماں جی نے بہت دکھ سے کہا۔

"اب کیا کریں۔ اس میں اختیار تھوڑی کیا"۔ وہ بے دلی سے بولی۔

"ٹرکیاں نہیں سکتے۔ اللہ کی ذات دکھ دینے والی ہے"۔ اماں جی کا انداز تنبیہ بانٹنے کا سا تھا۔

وہ چپ تک کران کی شکل دیکھنے لگی۔ دل وسوسوں میں گھرنے لگا۔

"شریعت میں حکم ہے کہ بیوہ اور طلاق والی عورتوں کے گھر بسانے میں جلدی کرو"۔

اماں جی نے کہنا شروع کیا۔

اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ اب کیا ہونے والا ہے اب کون قیامت لے کر آ گیا ہے؟

"پڑوسن آئی تھی میرے پاس۔ عارفہ نام ہے اس کے لڑکے کا۔ پہلے بھی پیغام دیا تھا اس نے مگر تیرے کہنے زیادہ بہتر ہے۔ اس کی زندگی خطروں میں گھری ہوئی ہے۔ اسے کوئی مضبوط سہارا چاہیے۔ [illegible] ہوتا۔ علی کی موت والے دن تو جو بولی سب کے سامنے۔ وہ تو شاید تجھے یاد نہ ہو۔ تجھے ہوش ہی کہاں تھا۔ مگر پھر اللہ کی بات ہے دیوانے پن میں ہی منہ سے نکل جایا کرتی ہے۔ تو نے اپنے سارے دکھ کی ذمہ داری تیمور کے سر ڈال دی تھی۔ مگر انجانے کی عداوت ہو یا اللہ کی۔ بھلی بات خاتمہ ہو گی کہ اس نے تیرا بھلا چاہا تھا۔ تو اس گھر کی نوکرانی بن کر آئی تھی۔ تجھے اس نے اپنے دوست کی بیوی بنایا تھا۔

میں نے تیمور اور تجھ سے ذکر کیا تھا۔ تیمور بہت خوش ہوا کہ اللہ نے تیرے آباد ہونے کا پھر سے آسرا پیدا کیا۔ کہے لگا اماں جی وکیل فرصت میں نکاح کر دیتے"۔

"یہ کیا تھا خان نے؟" اس نے سہانے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں یہی کہا تھا۔ کیوں؟" وہ تیزابی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"کچھ نہیں بے اُنس میری خوشیوں کا"۔ اس کا انداز بہ شور تھا۔

"کیوں فکر ہے اسے سب کی خوشیوں کا احساس رہتا ہے"۔ وہ خوش ہو کر بولے لگی تھیں۔

"تو پھر سب سے زیادہ اُنس اپنی ماں کی خوشیوں کا احساس کرنا چاہیے۔ کیوں؟"

وہ تھوڑا سا مدہم سی مسکرائی۔

"پاگل۔ بہت خیال رکھتا ہے میرا اپنے۔ اللہ خوشیاں اکھالے"۔ وہ دعا گو ہو رہے تھیں۔

"پیار کر رہی تھی کہ بھائی اپنے بچوں کو بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں چاہے۔ اس لئے تو یہ ہے کہ اس کی شادی کسی طرح تیرے ساتھ ہو جائے۔ پر شرط یہ ہے کہ"۔

وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

"پر شرط؟" وہ طنزیہ لہجے میں پوچھ کر مسکرانے لگی۔

"ہاں۔ ہاں۔ یہی کہہ رہی تھی۔ تیمور اور تیرے بچے خان بچے کو تو شاباب کبھی حویلی سے نہ جانے دیں۔ اب تو سب کا بچہ ہے تو فکر کر"۔

"اس سے کہیے گا۔ پر شرط کی بات نہ کرے۔ معاملات میں زیادہ ہی سیانی آ گئی تو ری تو کر کھا گ جا"۔ اس کے لہجے پر بہ بہر تلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"ہیں۔ کیا باتیں کر رہی ہے؟ سب سمجھ پتا ہے انہیں۔ خدا خواستہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی کہ ڈیا سے چھپاتے پھریں۔ جیوں اماں تو اس کے سامنے ہی آئی تھی"۔ اماں جی کو غصہ بھی آ گیا۔

"مجبور کر رہا تھا کہ بس جلد سے جلد کر دیں۔ سب سے الگ تھلگ رہنے لگی ہے۔ کہیں وہ مریض نہ بن جائے۔ کیا کہتے ہیں"۔ وہ دماغ پر زور ڈالنے لگیں۔ "ہاں نفسیاتی"۔

"وہ کہہ رہا تھا۔ اس سے بہت مسئلے ہو جاتے ہیں"۔ وہ سادگی سے بولیں۔ وہ خاموش رہی۔

"کچھ تو بول"۔ اماں جی کو اس کی گہری خاموشی کھلنے لگی۔

"اماں جی مجھے بہت گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔ باری کو بھی اکیلا چھوڑ کر آئی ہوں۔ جاؤں"۔ وہ یوں گویا ہوئی جیسے ان کے درمیان کوئی خاص بات نہیں ہو رہی تھی۔

اماں جی نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ ان کی اتنی اہم بات کا جواب دیا تھا۔

"اچھا۔ جا آرام کر۔ غور کر لینا"۔ وہ بجھا بجھا سی پڑ گئی تھیں۔

وہ کچھ کہے بغیر باہر آ گئی۔ اس کے قدموں کا رخ اپنے کمرے کے بجائے تیمور علی خان کی خواب گاہ کی طرف تھا۔ دروازے کے اوپر آئی۔ پتھر کے بت کی طرح کھڑی رہی پھر آہٹ سے دروازے پر دستک دی۔

"کم۔ دروازہ کھلا ہے"۔ تیمور علی خان کی آواز سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ مصروف ہیں۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم خان!"

"وعلیکم السلام"۔ وہ دراز کھلی پر مصروف تھے۔ اس کی آواز پر وہ لمحہ بھر کا رخ اس کی سمت موڑ کر وہ تھوڑے حیران سے اسے دیکھ رہے تھے۔

www.paksociety.com

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"السلام علیکم خان!" اس کا لہجہ تھکی ہوئی بات تھا۔

"وعلیکم السلام۔" انھوں نے جواب دیا۔ کہ وہ ان کے سامنے گئی والی سڑک کی طرف بڑھ گئی۔

"خیریت؟" ان کی ایک ایک ادا میں استعجاب تھا۔

"جب سے حویلی میں آئے ہیں۔ خیریت کے علاوہ سب کچھ ہے۔" وہ دروازے کی برکھڑی تھی اور ایک ٹانگ اندر کیے ہوئی تھی۔

تیمور علی خان نے کالی چادر میں لپٹی سفید کی سمت ایک نظر دیکھا اور قلم کا کیپ لگا کر قلم میز پر رکھا جیسے کہ ہوں کہ ہاں اب بات کرو۔

"کیا ہوا؟" انھوں نے اس کے غیر معمولی حلیے پر پریشان نگاہ ڈالی جیسے راستے کے سفر جیل کو سرسری دیکھتے ہیں۔

"میں نے آپ سے درخواست کی تھی خان۔ کہ اب میری شادی کی بات نہ کیجئے گا۔" اس کی آواز پست اور نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"واقعی ہو تو۔ مگر یہاں تمہاری طرح کا کوئی اور دوسرا تو نہیں۔ کیا سمجھیں؟" وہ اپنی کرسی کھسکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں آپ سے رحم کی درخواست تو کر سکتی ہوں۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"عارف پسند نہیں ہے تمہیں؟" ان کے ذہن میں ایک خیال سرعت سے آیا تھا اور انھوں نے چونک

کر پوچھا تھا۔

وہ خاموش رہی۔

"ہاں ٹھیک۔ اتنا تو ہم سمجھتے ہیں کہ جیل جیسے کو ایسا لڑکا ہضم نہیں ہوتا۔ ان جیسا ہی ہضم کر رہا ہے تمہیں تو فی الحال کیسے لگ سکتا ہے۔"

وہ کرسی ایک جھٹکے سے پیچھے کر گئے تھے۔

"یہ بات بھی نہیں ہے خان!" اس کی آواز بھیگ گئی۔

"پھر۔" وہ قدرے حیران نظر آئے۔

"خان۔ میں نے عارف کو جیل سے بھی اوپر کے بندے کے پیچھے لگے ہوئے کے ساتھ بھی دیکھا ہے مگر جیل کے ساتھ بھی دیکھا ہے مگر اب اگر اس سے کہوں۔ رویے تو کیا ہوا؟ میرے انکار کی وجہ یہ نہیں ہے۔" اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

تیمور علی خان کی گہری خاموشی طویل ہوتی چلی گئی۔

کمرے کے سناٹے میں سفید کے بھیگے کے مسلسل شور پیدا کرنے لگے۔ کہ جیسے کسی کھڑکی کی چٹخنی کھلنے کی آئی۔

چند لمحے بھی کھڑکی سے باہر گزرے۔ تو تیمور علی خان نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

"تمہاری آمد کا مقصد؟" ان کا انداز قدرے سخت و سنجیدہ تھا۔

"آپ کی یہاں بہت سنی جاتی ہے۔ اماں جی اور بڑے خان آپ کی بات نہیں ٹالتے۔ اگر آپ انہیں کہیں گے کہ وہ میری شادی کا ذکر بھی نہ کریں تو وہ کبھی نہیں کریں گے۔ اور پھر آپ کو کیا میں ایسے رہوں یا ویسے۔" اس کا لہجہ بکھرنے لگا تھا۔

"ہم سے کام بھی کرانا ہے اور ہم سے الجھنی بھی ہو۔ بات کرنے کا سلیقہ سیکھ لیا۔" وہ برہم ہو گئے۔

تمہاری رائے ہمیں میں سمجھی ہیں تھا۔ غلطی ہو گئی۔

"الجھ کہاں رہی ہوں خود پر اختیار نہیں رہتا۔ دکھ بھی تو بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"تمہارے دکھ تو ہم کر رہا ہو رہے ہیں۔" تیمور علی خان نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔

"اگر میں ہاتھ جوڑ کر آپ کے پاؤں پڑ جاؤں تو پھر؟" وہ روہانسے سے پوچھ گئی۔

"تمہیں ابھی اپنے بڑے بھلے کا ہوش نہیں ہے۔ صرف جذباتی ہو رہی ہو۔ کوئی تمہیں برائی کا سکھ دے تو سب بھول جاؤ گی۔ نیلی زندگی ہے۔" وہ لاپرواہی سے کہہ رہے تھے۔

"ایسا نہ کہیں۔ آپ بڑا تو ہیں ماں کے خان؟" وہ بلکھ اٹھی۔

"بولو۔ کہو پہلے تم نے ہمارے بڑا بنانے کی پروا کی ہے؟"

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

"ایک دم چونک نظر آنے لگے۔ ان کے لہجے سے تو ناراضی ظاہر ہو رہی تھی)

"اگر آپ کی شادی زبردستی کر دی جائے تب آپ کہیں اور شادی کر سکتے ہیں۔ اگر ہم آپ کی مدد کریں تو کیا آپ ہم سب کی جان بچا سکتے ہیں گے؟ آپ کے دل کا کیا حال ہے؟"

وہ بہت غور غور کر کے بے حد نرم انداز میں بول رہی تھی۔

مجھ علی خان کیلئے یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ ایک لمحے کو تو چکرا کر رہ گئے۔ پھر سے تحمل کی سطح کو چھو چکے تھے۔

"تم کہاں گرفتار ہو آئی ہو؟" انہوں نے جذبات اپنے مضبوط اعصاب ہونے کا ثبوت دیا۔ لہجے میں واضح برہمی تھی۔

حلیمہ نے ایک نظر سے کو ان کی سمت دیکھا۔ بہت خوبصورت سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ جو بہت جلدی ہی ان کو دل کے اندر جگہ دینے لگی تھی۔ صرف اس کے حسن کی بدولت نہیں بلکہ اس کی سادگی اور معصومیت کی بدولت بھی۔

"کہیں نہیں خان۔ کہیں بھی نہیں"۔ وہ بے ساختہ بول پڑی تھی۔

"ہم جانتے ہیں تمہارا دکھ بڑا ہے اور اب انسان بہت کچھ ہو اور بہت خوش ہو اس کا باقی تو ان تمام نہیں ہو سکتا۔ اس کے فیصلوں پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ فی الحال تم آرام کرو۔ اصل بات کی وجہ سے تم جانے سے پہلے سے کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہو۔ ہم اس بچے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں"۔

"وہ بچہ ہے تو کیا ہوا میرے بھائیوں کی اولاد میں بھتیجی ہے۔ میں شادی نہیں کروں گی خان آپ یقین کیجیے"۔

"وہ تو تمہیں کرنا پڑے گی"۔ خفا ہو گئی تھی۔ وہ ایک دم گھبرا گئے۔ احسان تو نہیں ہے ان کا پورا سارا وجود۔

"اماں جی نے آپ کیلئے شاہ زیب کی لڑکی پسند کی ہے؟ آپ وہاں شادی کر لیجیے۔ پھر جہاں آپ کہیں گے میں چلی چلا کروں گی۔ وعدہ"۔ وہ ہنسی سے مسکرائی۔

مجھ علی خان دم بخود سے اس کی صورت دیکھنے لگے۔

"تم جی کی بات کر رہی ہو؟ ان کے بارے میں تو ہم نے سنا ہے بہت ظالم ہیں۔ عورت کو کبھی اپنی کسی طرح کے حق۔ ایک بے حیثیت لڑکی کے ہم تمہاری خاطر ان سے ٹکر لیں گے۔ یہ صحیح ہے اور ان کی سوچ کو بدل بھی سکتے ہیں"۔ وہ واقعی فکر مند تھے۔

"ہم نے بہادری کے بہت سے کارنامے سنے ہیں۔ آپ کیا خیال ہے کہ ہم ان کو اپنی زندگی سے نکال دیں گے۔ ہم ان کی طرف سے ہمیشہ محتاط رہیں گے۔ اور کبھی ان کے سامنے نہیں آئیں گے۔ احسان فراموش نہیں ہیں"۔

(احسان کرتے تو سہی آپ کے لفظوں میں اثر رکھ پائے پھر بھی نہ رکھ پائے)

ایک احسان فراموش لڑکی اپنے سے کئی گنا کے ساتھ بھی کرے وہ احسان۔ کاش کبھی یہ عام سی لڑکی کو کوئی یہ بتا جاتا کہ احسان کا بدلہ احسان میں قبول کیا جاتا ہے۔ کبھی کسی پر احسان کیا ہے اس کے دل کا کیا معاملہ ہے۔ یہ احسان کا بدلہ ہے بھی یا نہیں۔ اپنی ذات میں احسان کرنے والے کو معلوم کس طرح سے ہوتا ہے۔ کیسی آگ ہوتی ہے آپ کے سامنے کبھی نہ آئے۔

وہ پھر اداس ہو کر رونے لگی تھی۔ ان کا دل پگھلنے لگا۔ ان کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ ان کی عزت کی خاطر اپنی جان کی پروا نہ کی تھی۔ ان کے لئے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا تھا۔ ان کی خاطر اپنے بھائیوں کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ ان کی خاطر اپنے گھر کو چھوڑ دیا تھا۔ ان کی خاطر اپنے بھائیوں کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

وہ بچہ کہتے تھے۔ ان کی خاطر اپنی جان کی پروا نہ کی تھی۔ ان کی خاطر اپنے بھائیوں کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

حلیمہ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ آج وہ کیسے عجیب سے لگ رہے تھے۔ جیسے ہوش کھوئے ہوئے تھے۔

آنکھیں۔ گہرائی۔ گہرائی۔ گہرائی کا عام بھاری بوجھ کے قابل بنے ہوئے تھے۔

"یہاں بھی ہے۔ لے لیتا۔ سب اسے ڈھونڈ رہے ہیں تھے"۔ پاشا ان خان سوار آنے کے ساتھ باتیں کرنے میں بھی مصروف ہو چکی تھی۔

اس نے ہی سے جسم دانتوں سے پاشا ان خان سوار آنے کو دیکھا اور پاشا کی باتیں سننے لگی۔

"ایک بات سلام کر"۔ خان سوار آنے نے کہا۔

"مت خوش ہو کہ خان اپنے چھوٹے بھائی کو معاف کر دیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمہارے دل میں باقی ہے"۔ اس کا موڈ ایک دم سے خراب ہو گیا تھا۔ سلام بھی نہیں کیا تھا۔

حلیمہ نے جواب دیا۔ اللہ نے چاہا تو محبت بھر ہو جائے گی۔ یہ جو چھ دنوں کا فاصلہ ہے ان کے ساتھ ہے ہماری بیٹی آپ دونوں نے آتے ہوئے کہ اس کا چہرا انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے دھویا اور پونچھا تھا۔

وہ گردن موڑ کر حلیمہ کی صورت اس کی پیشانی پر بوسہ دے رہی تھی۔ وہ ہنسی۔

"صحیح۔ صحیح۔ اس کو اپنی بیٹی کی صورت دیکھ کر آرام آ گیا ہے۔ اب اس کو اپنے بھائیوں کی یاد آ رہی ہے۔ ہمیں کیا پتہ تھا یہاں بھی ہے۔ چلو اور چلو۔ سب تمہارے منتظر ہیں چلتے ہیں کہ بیٹا کہاں گئی"۔ پاشا نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"چلو۔ ٹھہرو۔ سے کہ اس قصہ کی بات ہے"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کمر کھولی ہوئی تھی۔

"باری کہاں ہے؟" اس نے خان کی طرف دیکھا۔

"وہ سے خان کے ساتھ گیا ہے"۔ خان نے باری کی طرف سے اس کی تسلی کی۔

"اچھا"۔ وہ کسی وہم میں مبتلا ہو گئی۔ وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔

باہر کھڑے ہوئے وہ آدمے میں آ گئے تو وہ علی خان اور مجھ علی خان اور ان سے کچھ فاصلے پر باقی کھڑے ہو گئے۔

"کہاں ہے آپ کی بیوی؟" پاشا علی خان نے قدرے حیرانی سے پاشا کی طرف دیکھا تھا۔

"مجھے بتایا نہیں تھا۔ خان!" خان نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"یہ کیا مذاق ہے۔ ان سے ہماری کیا دشمنی ہے۔ وہ ہمارے بھائی ہیں"۔ وہ غصہ ہو گئے تھے۔

www.paksociety.com

"ہاں ۔۔۔ اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ بہت الگ تھلگ رہنے لگی ہے"۔ یاور علی خان نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"خیال رکھنے کی کوشش تو کر رہے ہیں۔ بچاری اسے بھی سمجھ گئی ہے"۔ خالہ نے جواب دیا۔

"سمجھ سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں تو میں کچھ کہہ رہا تھا"۔ وہ پھر گفتگو سے آگے بڑھے۔

وہ چاروں ایک لمحے کو خاموش سے ہو کر رہ گئے۔ اس کا گتاخانہ انداز یاور علی خان نے پہلی بار دیکھا تھا۔ انہوں نے ایک اچٹتی نگاہ بھائی پر ڈالی تھی۔

"ایز یور سیلف"۔ تیمور علی خان نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔

"میرے خیال میں امی جی کا فیصلہ درست ہے"۔ یاور علی خان نے چاروں کی طرف دیکھ کر اپنے کہے کی تیچ پر بچھی کرلی۔

"ہمارا بھی یہی خیال ہے"۔ تیمور نے تائید کی۔

"ہمارا خیال ہے؟ آج کہیں"۔ تیمور علی خان کے انداز میں الجھن تھی۔

"جو کام آخر ہونا ہی ہے اس میں پھر آج اور کل کیا؟"۔ یاور علی خان نے حیرت سے کہا۔

"سنئے ہے۔ یاور بھائی اپنی انا کی خاطر یہ بھی ضد پر تلا ہوا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں ہر طرح سے والا ہو گئی ہے۔ فرزانہ بہت آتا ہے مگر اس بچے کا اندازہ کر کے برداشت کرنا پڑتا ہے۔

لیکن جلد تبدیلی اسے جلد تبدیل کر دے گی۔ یہ سب تو کچھ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یاور علی خان کیونکہ طفلی تجربہ جانا رہے اس لئے ان کا ذہنی رویہ بہت واضح تھا۔

"ہوں ۔۔۔ تو کوشش کر دیکھیے"۔ تیمور نے گویا اتفاق کر لیا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ اماں جی بھی یہاں ہیں"۔ یاور علی خان نے اپنی فکر میں دیکھتی دونوں خواتین کو گویا احساس دلایا کہ انہیں یہاں سے اب چلے جانا چاہیے۔

دونوں فوراً وہاں سے آگے بڑھ گئیں۔

چاروں تو یاور علی خان کی صورت اتنے احساک سے دیکھ رہی تھی کہ گویا ابھی دان تاریخ دیں گے۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے تیمور؟"۔ یاور علی خان نے گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔

وہ پارٹی تیمور علی خان کے کمرے میں یہ پیغام لے کر آئی تھی کہ اماں جی نے فوراً بلایا ہے۔

وہ چونک پڑے تھے۔ جب انسان خود اپنے اندر بے وجہ کا خوف لئے پھر رہا ہو تو ہر بات پر چونک پڑتا ہے کہ کہیں کسی کو بھنک تو نہیں پڑ گئی۔ وہ بھی ہوا بھی کیفیت میں ماں کی طرف آئے تھے۔

لیکن کمرے میں پہنچتے ہی انہوں نے گہرا سانس سینے سے خارج کیا۔ خطرہ سطح پر نہیں تھی اور وہ بے حد اپنے آپ کو صاف کر رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ معاملہ کیا ہے۔

"جی ۔۔۔ اماں جی۔ کیسے یاد کیا؟"۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر ماں کے چہرے پر ڈالی تھیں۔

"آؤ ۔۔۔ بیٹا۔ ایک بات ہے۔ میں چاہتی ہوں تمہارے والد صاحب کے پیچھے یہی کمرے میں رہنے لگ جاؤ"۔

وہ چونک کر ماں کو دیکھنے لگے تھے۔

"جی بہتر"۔ انہوں نے نظریں جھکا لیں۔

"میرے بچے! قسمت ہر ساتھ نہیں دیتی۔ ایک ہی بچہ ہے۔ اپنی ماں کا اور بیماری بھی بہت سی ساتھ ہے۔ باری ہوتے ہو رہی ہے (ن)۔ لڑکا بھی خوش نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ماں ہوں۔ دیکھے جا رہی ہے۔ اور کچھ نہیں کر سکتی تو دیکھ تو سکتی ہوں۔ بہت بے وقوف ہے یہ"۔

اماں جی نے اپنی بات کی تفصیل سے بیان کی۔

"بے وقوف تو ہے یہ اس میں کوئی شک نہیں۔ آپ اس کے اکاؤنٹ پر جائیں اور کچھ رقم مناسب طریقے سے منتقل کر دیں۔ ہو جائے گا سب"۔

"ٹھیک ہے پھر اماں جی! مجھے کہا گیا ہے۔ میں ایک ذمہ داری ہوں۔ مجھے اپنی اوقات بھی نبھانا چاہیے تھی۔ مگر آپ لوگوں کے رویے نے مجھے اپنی اوقات بھلا دی تھی۔ علی کی موت کے بعد گورنمنٹ نے جو پیسہ دیا ہے۔ وہ میں آپ لوگوں کے حوالے کرتی ہوں۔ اسے میری آزادی کی قیمت سمجھیں یا بھوار۔ بس مجھے جانے دیں"۔

وہ چادر سنبھال کر آنکھیں پونچھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ نے مجھے بہت پیار دیا۔ میں کبھی نہ بھول پاؤں گی"۔

"کیا مطلب؟"۔ اماں جی بھی بھی اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"مطلب یہ کہ جو بیٹی میں میرا اندر پل رہا تھا"۔ اس نے قدم بڑھا دیے۔

"ایک قدم آگے بڑھایا تو ٹانگیں توڑ دوں گی تیری"۔ اماں جی کی غصہ ناک ہو گئیں۔

"ایسا بھلا انسان کیا کسی جنگل پر بنے ہیں مثل پر۔ مال بیچ رہیں"۔ انہوں نے ڈانٹا۔

"اماں جی! آپ سب جو کام مجھ سے لے رہے ہیں۔ وہ میری طاقت سے بہت زیادہ ہے۔ مجھ میں طاقت نہیں ہے اماں جی۔ میں اندر سے بالکل ختم ہو چکی ہوں"۔ وہ اماں جی کے پاؤں پر جھک کر بلبلا کر رو دی۔

"بھلا اس میں طاقت ہمت کی کیا بات۔ مگر اس جائے کا تیزاب کھانے لگے گی"۔

وہ بھی طرح روئی تو اماں جی کا دل بھی پگھل گیا۔ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"بھوسہ بیٹے اسے بھلا"۔

"بس بھر سے جانے میں مت ڈالے ہمارے اللہ کہیں سے یہ بھی جلد ہو جائے۔ شاہ ربیع کی لڑکی سے شادی کر لیں۔ آپ کو ان کی شادی کا بھی تو بہت ارمان ہے"۔ وہ بچ بڑی۔

اماں جی تو ایک لمحے کو پسپا کر رہ گئیں۔ بھلا اس وقت شاہ ربیع کی لڑکی کا ذکر کیا معنی رکھتا تھا۔ شدید بے عزتی ہوئی ہے۔

www.paksociety.com
urdunovels.net

www.Paksociety.com

"اماں جی! اس سے کہیے کہ وہ مجھ سے اتنی سفارشات میں مداخلت نہ کرے۔" تیمور علی خان کا پارہ چڑھ گیا۔

"اسے یوں نہ کہو۔ اسے بھی تو اپنے بھولے خان کے بیاہ کا ارمان ہوگا۔ اس نے کہا تھا نہ کہ اسے لڑکی پوچھی تو پسند نہیں کرلی۔ صورت سیرت تعلیم و تربیت ماں باپ سے میل کھاتی ہے بلکہ وہ تو ہمارے ہاں کی بھی لگتی ہے بھلا کیوں انکار کرے گا۔ ابھی کہوں تو ابھی چل دے گا۔"

اماں جی کے لہجے میں بلا کا مان اور فخر تھا۔

"تو پھر رہنے دیجیے۔" وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک کر اٹھنے کی تیاری میں گم ہوگیا۔

"لے بتا کہوں تو جب کہ بھلے مانس ہو۔ تو اپنی بات کر۔" وہ مسکرائیں۔

"گویا ہیلپ۔" تیمور علی خان ہنسا کر کھڑے ہوگئے۔ "ہمیں اس محاذ کے معاملے میں صرف اپنے اماں جی۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہم چلتے ہیں۔ آئندہ آپ اس سے متعلق کوئی بات ہم سے نہیں کیجیے گا۔" انہوں نے قدم آگے بڑھا دیے۔

"محمود۔۔۔ بیٹے۔۔۔ اس نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی کہ تم برا مان کے جاؤ۔" سیدھی سادی اماں جی متفکر ہوگئیں۔

"ہم نے کہا ناں اماں جی۔ ہماری طرف سے یہ ہم میں جانے۔ اس آئندہ آپ اس کے معاملے میں ہم سے کوئی بات نہ کیجیے گا۔ بلکہ ہم آپ کو صحیح مشورہ دیں۔" وہ بولتے بولتے رک گئے۔

"ہاں ہاں۔۔۔ بولو۔" وہ بہت تاؤ کھا گئیں۔

"آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔" وہ بولے۔ آواز میں محظوظیت تھی۔

"کیا ایسے کیسے چھوڑ دوں۔ میں نے تو وہ پاگل ہوئی تھی کہ اس کا ہاتھ تھاما ہے۔"

"اچھا۔۔۔ دھیان رکھو۔۔۔ جاؤ آرام کرو۔ ہادی کو دیکھ کر بات کریں گے تھک سے آئے ہوں گے۔ تم یہاں بیٹھو۔ ہادی کے پاس۔"

انہوں نے بات ختم کرتے ہوئے بیٹے کو تھپکا۔ اس کا لہجہ سرد پڑ گیا تھا۔

تیمور زمان کے قریب جا بیٹھے۔ وہ بالکل آئی کی طرح تھا۔ کیسے کہہ سکتا تھا کہ اس کی ہوتی ہوئی ماں کے ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ آخر اس کی زندگی بھر کی بات تھی۔ اتنی حساس طبیعت کیوں نہ ہوتی۔

"اماں جی! ہادی کا میں اسے گھر سے اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیدھے سبھاؤ ان لوگوں کو بلائیں۔ اور پڑھوا دیں۔ ایسی کون سی اہمیت کی حامل لڑکی ہے۔ بے ایجوکیٹڈ ہوگی نہ ہی باشعور اور باوقار ہے۔ ایسی لڑکیاں بہت آسانی سے ہر جگہ میں مل جاتی ہے۔ شروع شروع میں ذرا مشکل ہوتی ہے۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ سنبھال لوں گا۔"

محمود کی بات ان کے دل کو بھی یوں لگی۔ پھر پوتی کی محبت میں ہولے ہولے سر ہلانے لگیں۔

"ہاں کے لوگ اس کی ایک خبر کی خبر لیں گے۔ اس نے ہمارے خاندان کو ہتک سے دوچار کیا ہے۔ ہم اس کی ہتک کا بدلہ لیں گے۔ ہم اس کی ہتک کا بدلہ لیں گے۔ ہم اس کی ہتک کا بدلہ لیں گ

اماں جی نے اسے باتوں میں لگا کر کرنا چاہا۔

"اماں جی! میں کاکا جان جیسی بی والی (جی والی) بالکل بھی نہیں ہوں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"ہاں ہاں... مجھے پتا ہے بھی نہیں کرتی۔"

"اور میں کاکا جان والے خطرناک (شوخ) بھی نہیں ہوں۔"

"تو بتا... تیرے کاکا جان کی تو نہیں بھی آنے والی ہے۔ تو تو کہے تو بھی نہیں بھی ایسی ویسی اماں ہوں گا۔" خانم اماں نے ہنس کر کہا تو سب ہنسنے لگیں۔

اماں جی بھی مسکرانے لگیں۔

اسی دم تیمور علی خان ہاں کو خوش کرتے ہوئے دالان میں چلے آئے۔

"ماشاءاللہ اتنے مزے میں ہیں یہاں۔ مگر جب دم سے کاکا جان کا۔" خانم نے تیمور علی خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا ہوا ہے یار خانم؟" تیمور علی خان نے پیار بھرا کارٹسا چھوا۔

"بھگ کر بیٹھا ہے ماں کو۔ کپڑے تبدیل ہو رہا تھا کہ کاکا جان جیسا سوٹ پہنوں گا۔" اماں جی نے بتایا۔

"ارے ہم ضرور ہوائیں گے اپنی جان کے سوٹ۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہارا باپ تمہارے لیے بہت کچھ لایا ہے۔ سلیکٹ کر دیا یار خانم۔"

تیمور علی خان نے اس کا سر تھپتھپایا۔ اور ایک جتاتی ہوئی نظر خانم پر ڈالی۔

"اماں جی! آپ غور فرمائیں کی چھ کے کپڑے سلوائیں۔"

"بیٹے! بچوں کو بہلایا کرتے ہیں۔ ہر خصلت پوری نہیں کرتے۔ تمہارے مشکل ہو جاتی ہے۔ کل تمہارے بچے ہوں گے تو اتنی توجہ اس پر دے سکو گے؟"

"اگر ایسی بات ہے تو ہمارا بیٹا بھی ہوگا۔ اماں جی! ہماری اتنی گہری دوستی کبھی کسی سے نہیں ہوئی۔ اس دوستی میں کسی کے بچے کا آنا رکاوٹ ہے۔ ہر طرح کے حسب نسب کے بچے کی ساری ذمہ داری میری تھی۔"

"جلو باری... آنکھوں... اپنی دادی پر گئی ہے۔" تیمور علی خان نے کہا۔

"اسے کہاں لے جاؤ گے؟"

"گاؤں جا رہے ہیں ہم بابا صاحب کے ساتھ۔ ہم تو پھر وہاں سے شہر چلے جائیں گے۔ بابا صاحب کے ساتھ اماں آجائیگی۔ چلو یار خانم۔"

باری خانم آنکھ سے اوجھل ہو گئی۔

"کاکا جان اچھے لگے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ دیکھا جو اپنی کالی چادر درست کر رہی تھی۔

"نہیں... چلیں... وہاں اچھی نہیں ہیں۔"

"امی کہاں جاتی ہیں؟" اس کی نگاہوں میں معصوم سی حیرت تھی۔

"امی گھر والی ہیں۔" وہ دھیرے سے گویا ہوئے۔

"وہ کیا ہوتا ہے؟" اس نے تجسس سے استفسار کیا تو علی خان کی نظر اس کے معصوم چہرے پر ٹھہر گئی۔

"بڑا ہو کر خود ہی سمجھ جائے گا۔" تیمور علی خان نے فیصلہ سنایا۔

"ہاں... ہاں... ہاں۔" خانم بیگم نے تیمور علی خان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ہاں

"کب تک آنے کو کہا ہے؟" نازنین کی فکر مندی بھانپ لے بھی۔

مظہر نے بوک کر ان کا چہرا دیکھنے کی کوشش کی۔

"لندن سے آیا ہوگا"۔ اس نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

اس بار نازنین نے بوک کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ (اسے کیسے پتا؟)

"لندن سے"۔ اماں جی نے دہرا کر پوچھا تھا۔

"نہیں۔۔۔ اماں جی۔۔۔ لندن سے نہیں ہے"۔ وہ عجلت میں کہتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ ظاہر ہے دوسرا مطلب کریدنا بھتر نہ تھا۔

"ہونہہ۔۔۔ چھوٹی بہن آپ کے چہرے پر لکھا ہے کہ فون لندن سے آیا ہے۔ اور بھیا بیگم صاحبہ کا ہوگا"۔

اس کے اندر الاؤ بھڑکنے لگے۔ آنکھوں سے تپش آنے لگی۔

وہ بال کی صفائی کی غرض سے جھاڑن ہاتھ میں لئے اندر آئی تھی مگر ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ تیمور علی خان نہایت روانی سے انگریزی میں فون پر بات کر رہے تھے۔ اس کی آمد کا انہوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ انگریزی یوں بھی اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ مگر ان کا انداز دلرانہ اپنائیت بھرا انداز مخملی کھا رہا تھا کہ وہ کس سے مخاطب ہیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ کسی کے کان میں سرگوشی کر رہے ہوں۔ عجیب سے رنگ ان کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ جو اس نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ یہ چہرا جو کئی بار خواب میں اسے اپنے قلب میں تڑپتا نظر آیا تھا۔ ہوش کی دنیا میں اجنبی رنگوں کے ساتھ کہیں اور تھا۔

وہ بے خبری کیفیت میں انہیں دیکھتی رہی۔

"وہ بھلی کیا نام ہے۔ کیسے۔ کہاں ہو؟"

وہ ہاتھ میں پر ہاتھ رکھ کر مردانہ لہجے میں مخاطب ہوئے۔

وہ چونک اٹھی۔ "کام کر رہی ہوں خان۔ آپ فکر نہ کریں میرے انگریزی سمجھ میں نہیں آتی"۔

وہ طنزیہ مسکرا کر ریکویزیشن پیپر پر کچھ اچھلنے لگی۔

"تو کیوں تیمور علی خان بھنا کر رہ گئے۔ پھر کچھ سوچ کر وہ پھر فون میں مصروف ہو گئے۔

"تو۔۔۔ تو۔۔۔ وار لگ۔۔۔ ڈارلنگ بیٹر۔۔۔ بی نیو پیٹر۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہاں"۔

"دل کسی تڑخے شیشے کی طرح چٹخا تھا۔ اس نے جھاڑن دوست کی اور کام ادھورا چھوڑ کر باہر آ گئی۔

"مظہر۔۔۔ تیمور کو دیکھا ہے کبھی؟" سامنے ہی اسے یاور علی خان مل گئے۔ بہت ڈیوٹ سوٹ میں ملبوس تھے۔

"خان ہال میں ہیں ماسٹر صاحب"۔ وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

"اوکے۔۔۔ وہ پھر ایک کپ چائے میرے کمرے میں بھجوا دیں"۔

وہ چائے کے لئے کہہ کر چلے گئے تھے۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ یہاں سے جانے والے ہیں۔

"جی۔۔۔ خان"۔ وہ جھاڑن ایک طرف رکھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ وہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

ماما نی نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ کچھ بتایا نہیں تھا۔ جانے ان کہاں تک باخبر تھا۔

ایک خوبصورت مرد کے ساتھ شادی شدہ زندگی گزارنے کے بعد وہ اس قسم کی لاپروائی سمجھتی تھی۔ قرائن کے مطابق ہم اس پہنچ چکے تھے۔ جب ساحل اس پر طاری تھا۔ اس نے بہت اہتمام سے چائے بنائی تھی۔ پھر یاور علی خان چائے میں کچھ بہت ہلکا کرتے ہیں۔

اس نے قصے میں کاکا کی کوئی بات میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ اور ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

یاور علی خان صوفے پر بیٹھے کوئی فائل دیکھ رہے تھے۔ وہ کاپ پٹ پر چائے رکھنے لگی۔

"بھلی بی بی کیا نام ہے خان؟"

اس۔۔۔ ہاں۔۔۔ شاید۔۔۔ پتا نہیں"۔ وہ اپنی مصروفیت کے دوران قدرے چونکے۔

"آپ کو نہیں پتا؟" وہ تعجب سے مسکرائی۔

"وہ خود حویلی میں بہت مصروف رہتی ہیں۔ پتا ہے"۔ وہ اسی انداز میں گم سم ہوئے۔

"جی آپ کے ساتھ تو وہ کم ہی نظر آتی ہیں۔ میرے خیال میں تیمور علی خان سے ان کا اخراج زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لئے بس انہی کے ساتھ رہتی ہیں"۔

وہ بے تاثر لہجے کے ساتھ ان سے مخاطب تھی۔

"ہوں۔۔۔ یہ تو ہے"۔ انہوں نے اسی مصروف انداز میں تائید کی۔

"ایک ان کی بھتیجی تھیں کہ تیمور خان اس گھر میں نہ ہونے تو حویلی میں رہنے کا کوئی جواز نہ ہوتا۔ وہ بچے کتنے پیارے ہیں اور باتیں بھی بہت اچھی کرتے ہیں۔ پھر یہ لیں۔ کاش حویلی کے سب مرد تیمور خان جیسے ہوتے"۔

اس نے چائے کا کپ یاور علی خان کے سامنے رکھتے ہوئے سادگی سے بتایا۔

"ہوں"۔ یاور علی خان کے انہماک میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"اماں جی سے کہہ رہی تھیں کہ یاور تو اس جوگ نے رہے ہیں۔ یہ بات کتابیں اور فائلیں"۔

وہ یاور علی کہتے کہتے رکی "اگر ان کی شادی تیمور خان سے ہو جاتی تو جوڑ بہت بہتا"۔

"شٹ اپ۔۔۔ وائے اسٹوپڈ"۔ یاور علی خان نے فائل سوٹے پر پٹخ دی۔ "آئی ہیٹ یو۔ تمہیں یہی بھی بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کہ کس سے کس طرح کی بات کرنا چاہیے۔

اف۔ یاور علی کو بھیجا ادھر۔ (دماغ اس کا بھی خراب ہے)"۔ یاور علی خان بھی غصہ سے ہو گئے تھے۔ "ان کو کہاں کی اتنی بصیرت"۔

تحسین کی ادا کی کہ ان سے کئے گئے اس پر کوئی اثر نہیں تھا۔ اس وقت ان کی کیفیت میں تھی جیسے کوئی بات ہی نہیں تھی۔

"جاؤ تم یہاں سے۔ بڑی آپا"۔۔۔ وہ ای آف ہوا میں کہہ رہے تھے۔

"خان ۔۔۔ حویلی کے سامنے تو کبھی سیدھے منہ بات نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ ادھر بہت کم ہوتے ہیں۔ لوگوں کو بہت کم ملتے ہیں۔ کسی کو بھی نہیں بخشتے"۔۔۔ وہ اٹھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اچھا میں چلا"۔

"خان آپ غصہ ہوں۔ مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں کہ آپ کو مفت میں پریشان کریں۔ بھلے آپ تیمور خاناں سے پوچھ لیں۔ وہ کبھی بھی شیخ رفیع کی لڑکی سے شادی نہیں کریں گے۔ بلکہ آپ لوگ گرامیں کہیں کہ وہ پاکستان کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لیں تب بھی نہیں کریں گے"۔۔۔ وہ یہ کہہ کر رکی نہیں بلکہ تیزی سے باہر نکل آئی۔

"بیسولوٹلی ال لٹریری گرل۔ اتنا بھی نہیں پتا۔ پاکستان میں بادشاہت نہیں"۔ انہوں نے جھاڑ کر خدمت سینا شروع کر دیئے۔

ہال کمرے میں عجیب شور و غل مچا ہوا تھا۔ روشن آرا بیگم کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ چند روز سے بھی اماں جی کے پیچھے سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے گھر میں غیر معمولی چہل پہل تھی۔ مگر آج بھی خاص اہتمام تھا۔ عالم تاب اور اماں جی کا بیٹا باورچی خانے میں بھی چکر لگا کر آئی تھیں۔ یاور علی خاصان شہر سے آئے تو ان کی آمد کا سن کر سیدھے ہال میں ہی چلے آئے تھے۔

نازنین ۔۔۔ اماں جی کے دوپٹے پر کروشیے کی نئی بارڈر بنا رہی تھیں اور ہلکے ہلکے باتیں بھی چل رہی تھیں۔

"یہ تیمور بھلے پر ہاتھ ہی دھرنے نہیں دے رہا۔ اب تم بہنیں جا کر وہیں مل کر اسے گھیرو۔ شیخ رفیع کے گھر والے بھی کئی بار جتا چکے ہیں کہ ان کی لڑکی کے بہت پیام آ چکے ہیں۔ وہ لوگ جلد کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہے ہیں"۔ اماں جی نے روشن آرا سے کہا تھا۔

"اے چھوڑیں اماں جی۔ ایک منٹ میں سمجھا لیں گے انہیں۔ فکر ہی نہ کریں۔ مگر وہ ہیں کہاں آپا دائیں انہیں بلا کر دیکھیں کیا تماشا دکھاتے ہیں آپ کو بھی"۔

روشن آرا کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

"ارے رو پا دیوی۔ دیکھنا میرے چھوٹے خان کدھر ہیں؟ کہنا گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں"۔

اماں جی نے رو پا دیوی کو برتن اٹھا کر باہر جاتے دیکھا تو ساتھ ہی نیا کام بتا دیا۔

"ان کے انداز دیکھ اور کہہ رہے ہیں "بلاوہ محنت کر رہے ہیں آپ لوگ"۔ نازنین نے دھاگے کا لچھا بنا کر سوال کر ڈالا تھا۔

یاور علی خان نے لاشعوری طور پر بلا ایک لمحے کو نازنین کے چہرے پر جما دی تھی۔

"ارے یوں نہ کہو اماں جی کی تو جان اٹکی ہوئی ہے شیخ رفیع کی لڑکی میں"۔ عالم تاب نے کہا۔

"تم سے کس نے کہا ہے؟" اماں جی پریشان ہو گئی تھیں۔

"کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نیرمان سے بات کریں"۔

نازنین کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔ یاور علی خان کی نظریں مسلسل اسے تک رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد تیمور علی خان اندر داخل ہوئے۔ ہال میں داخل ہوتے ہی انہوں نے سب کو سلام کیا۔

"آپ ۔۔۔ آپ ۔۔۔ تم کب آئے؟ ہم تمہارا ۔۔۔ انتظار کر رہے تھے"۔

عالم تاب نے بھتیجے کی طرف بہت محبت و شفقت سے انہیں مخاطب کیا۔

"بعد میں یہ بھی بات کریں گے۔ آنے کی ضرورت تھی۔ آ گئے ہیں۔ روشن آرا نے بھائی میں اسامت پیدا کی۔

"ہیں۔ کون کی بات؟" تیمور علی خان کے ماتھے پر بل چڑھ کر کچھ جیران نظر آئے۔

"آپ کی منگنی کی رسم ادا کرنے آئے ہیں۔ سب چلنے کا عالم ہے۔ اب فوراً آپ بھی کچھ ایسی ویسی نہ کر بیٹھیے گا"۔

یاور علی خان بغور بھائی کی "دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہے تھے۔

"منگنی!" تیمور علی خان کو گویا شاک لگا تھا "وہاٹ"۔

"کیوں اس میں حیرت کی کیا بات ہے کیا لوگوں کی منگنیاں نہیں ہوتی" ۔ یاور علی خان نے بھائی کی حیرت کا مذاق اڑایا۔

"بیٹھیے ۔۔۔ بیٹھ جائیں۔ ہال کی اچھا نہیں ہے"۔ تیمور علی خان کے لہجے میں بلا کی ناراضی تھی جیسے انہیں درحقیقت اس قسم کے مذاق سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"تو اسی لئے کہتے تو آپ کو یہاں بلوایا گیا ہے"۔ نازنین کے چہرے پر شرارت کھیل رہی تھی۔

تیمور علی خان کے چہرے سے یکدم سنجیدگی جھلکنے لگی۔

"سوری ۔۔۔ بی اماں ہم اس ٹاپک پر بات کرنا پسند نہیں کریں گے۔ کوئی اور بات کریں آپ لوگ"۔ وہ غیر معمولی سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔

"واہ ۔۔۔ کیوں اور بات کریں۔ ہم نے تمہیں یہاں بلوایا ہی اس لئے ہے کہ تمہیں یہ خبر سنائی ہم سب شیخ رفیع کے ہاں جا رہے ہیں۔ اور ہمیں" اماں جی کا انداز قطعی فیصلہ کن تھا۔

"بی اماں ۔۔۔ بی اماں ہم ابھی واپس جا رہے ہیں۔ ابھی شادی منگنی کا ارادہ نہیں ہے۔ آخری پیغام کے طور پر اماں جی آپ سے عرض کر رہے ہیں۔ آپ کے سلسلے والوں میں کہیں کوئی لڑکی ایسی نہیں جس سے ہم شادی منگنی کریں۔ پلیز"۔

"خواہ مخواہ ہے وہ نہیں جس انگوری بیل کی ہے اور گوبھی پھول آ گئی۔ کون سے عرب کے پار گئے ہوں گے اس میں؟"

www.Paksociety.com

اماں جی کا خواب چکنا چور کیا ہر لمحے سے ان کا ابر قہر برسانے لگا۔ انہیں جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

یاور علی خان کی صوتی تاثرات میں کسی پر اگی ہوئی تھی۔ حالانکہ کوئی بات بھی تو نہیں تھی۔ اس سے پہلے دو مرتبہ ایسی قسم کی بات ہوئی تھی۔ مگر وہ آج بات بات پر چونک رہے تھے۔ انہوں نے وہ گھڑیاں بھگتا بھی گن ڈالی تھیں۔ جو انہوں نے اس کے ساتھ گزاری تھیں۔ اور وہ بھی گنا تا نہیں کی تجوری کے ساتھ گزاری تھیں۔ انہیں ازبر تھا۔ وہ واقعہ یاد آ رہا تھا۔ جب وہ اس کے گھر میں موجود ہونے کے باوجود تجوری کے ساتھ تنہا بھی رہی تھی۔ مگر یہ — اس نے زندگی میں کوئی واردات نہیں کی ہوگی۔ کم از کم ان سے تو ہرگز بھی نہیں۔ اتنی ڈرپوک "بزدل لڑکی۔ اتنی بڑی بات بلا سبب کیسے اس سے کمال سکتی ہے۔ وہ اس کی داستان پناہ بن چکا ہے۔

"اچھا تو یہ شرط ہے کیا کہ تمہاری دلہن بالکل چھوٹی بھابی جیسی ہونا چاہیے" روشن آرا نے استفسار کیا۔

"ان کے جیسی تو شاید ہی کوئی ہو۔ مشرقی کا نادر نمونہ۔ جب اس سیروزنی کام کا سوٹ پہن کر انگریزی میں بات کرتی ہیں تو بس دیکھنے والی چیز ہوتی ہیں"۔

تیمور علی خان نے اپنے مزاج کے مطابق بہت کھل کر اپنے تاثرات بیان کیے۔

سب خواتین کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔ "میرے خدا ان پر زنی کام کا سوٹ"۔ عالم تاب کی بھاوج شگفتہ اس پر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔

"آپ کوئی تبصرہ نہیں کریں گے یاور بھائی! آپ کی تنہم کی تعریف میں زمین آسمان ایک ہو رہے ہیں"۔ روشن آرا نے موج میں گم یاور علی خان کو چھیڑا۔

"ایسا تو بہت عرصے سے ہو رہا ہے۔ شاید ہم لوگوں نے دھیان نہیں دیا"۔

"ہماری چھوڑیے اپنی کہیے۔ آپ نے واقعی دھیان نہیں دیا ہوگا۔ آپ کو اپنی کتابوں سے فرصت کہاں۔ کتابیں سامنے ہوں تو آپ بندوں سے گزر جاتے ہیں"۔

روشن آرا نے تنقید کی۔ یاور علی خان کا جملہ درمیان ہی میں کٹ گیا تھا۔

"واہ آپا۔ کیا شاعرانہ وزن میں جملہ کہا ہے"۔ تیمور علی خان نے بے ساختہ داد دی۔

"اچھا۔ تم باتیں نہ بناؤ۔ مجھے بھی بتاؤ۔ سچ سچ بات کرو۔ کیوں نہیں کرنا چاہتے شادی"۔ اماں جی نے درمیان میں آنے والے جملے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ان کا دھیان تو ایک نقطے پر اٹکا ہوا تھا۔

"کہہ تو رہا ہے اماں جی۔ ابھی کہیں کر رہے ہیں ہم شادی۔ جب کرنا ہوگی ہم خود کہہ دیں گے"۔

"پھر کب کرو گے۔ مجھی تو کہیں اتنی آسانی سے بھی نہیں ہنسی۔ اپنی بہنوں، بھاوجوں سے پوچھو۔ بھی ہوتی ہے انہوں نے۔ کیوں نا؟" انہوں نے گھوس کیا کہ سب سے مطمئن ہو گئی ہیں تو نہیں کی ہو سکتی ہے۔

یاور علی خان نے قہر برساتی نگاہوں کی سمت دیکھا۔ وہ خاموش تھیں اور یاور علی خان کو اس کی خاموشی پر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔

"اماں! وہ تو ہم نے شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں کیا ہوا تھا"۔ انہوں نے اس مرتبہ پھر دوٹوک انداز اختیار کیا۔

"اوہ ہاں۔ یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔ تم نے کہا تھا۔ تم کسی کو پسند کر چکے ہو"۔ عالم تاب کی بھاوج شگفتہ نے تصور کا دھاگہ سلجھانے کی کوشش کی۔

(پھر کیا نہ ہو سکتا ہے) یاور علی خان یہ سوچ کر بھابی کا چہرہ بغور دیکھنے لگے۔

"آپ لڑکے پر سختی کیوں نہیں کرتیں بھابی کا نام نہ لیں"۔ ان کا سوال آف لے لگا تھا۔

"ہمم۔ بھابی کر چکے ہیں۔ بڑی خوشی سے یہ سوال پیش کرتے ہیں"۔

اماں جی کی آواز میں غصے کی کیفیت محسوس کی جا سکتی تھی۔

"اماں جی! ہو جائے گی آپ کی خواہش پوری۔ فی الحال میری خوشی کی خاطر یہ معاملہ ختم کر دیں"۔ وہ روٹھ کر بچوں کی طرح بولے۔

"ختم کر دوں"۔ اماں جی بڑبڑانے میں رہ گئیں۔

"جی"۔ تیمور علی خان کے انداز میں فیصلہ کن تاثر واضح تھا۔ یاور علی خان بہت جانچتی نظروں سے بھائی کو دیکھ رہے تھے۔

"چلو ٹھیک ہے۔ فی الحال معاملہ تو ختم کر رہے ہیں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ کب کرو گے ہاں شادی؟ یا ابھی ارادہ نہیں ہے؟"

انہوں نے بہت رسانیت سے تیمور علی خان سے سوال کیا۔

"بتاتا ہوں بھائی۔ ابھی بھائی ہیں۔ سب ہی کی شادیاں ہو چکی ہیں اور دھوم دھام سے ہوئی ہیں۔ ہم نہ کریں تو کیا کمی ہے۔ شادی تو انسان کی اپنی ذات کیلئے ہوتی ہے۔ جب وہ راضی ہی نہیں ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے؟"

بہت مدلل وکیلانہ اور مہذب جواب تھا۔

"شادی کا مقصد سے کیا تعلق ہے؟ ماں باپ کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ وقت پر اپنے بچوں کے فرائض سے سبکدوش ہو جائیں"۔

اماں جی کے لب و لہجے سے تلخی محسوس کی جا سکتی تھی۔

"آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپ نے تو اپنی طرف سے فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اب قبول ہونا نہ ہونا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اچھا ہے یا برا ہم خود ہی ذمے دار ہوں گے ان کے۔ آپ پر تو کوئی الزام نہیں ہے۔ پھر آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ ایکسٹرا اماں جی! آپ اتنا سیریس نہیں ہوا کریں"۔

تیمور علی خان نے ماں کے ہاتھ تھام کر گویا انہیں منانے کی کوشش کی۔

"ایکسٹرا بننے کی ضرورت نہیں ہے میرے سامنے۔ میں تمہیں آنے والی تمہاری بیوی کے ہاتھوں میں"۔

انہوں نے بے ساختگی سے خود کو روکا۔

"اماں جی! کبھی بھی کوئی بات ہونے سے پہلے نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ہوتے ہوئے ہوتی ہے۔ بہت دیر ہے کہ تیمور علی خان

نے پھر ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"کوئی خیال نہیں ہے تمہیں میرا۔ بس اپنی ہی سوچ رہے ہو"۔ ان کی ناراضگی اتنی آسانی سے کیسے ختم ہو سکتی تھی۔ ایک انسان جس کی ہر امید اللہ نے پوری کی ہو اگر کسی معاملے میں خلاف امید کچھ ہو جائے تو سمجھانے سے کم نہیں ہوتا۔

"آپ سمجھائیں ناں یار بھائی پلیز"۔

"ضرور سمجھائیں گے۔ مگر پہلے تو بتائیں۔ موصوف"۔

یاور علی خان کی ذہنی کیفیت اعلیٰ درجے کے انتشار سے دوچار تھی۔ وہ "سب اچھا ہے" سننے کے عادی تھے۔ انہیں کچھ سننے کی آرزو تھی۔ وہ یہ خوفناک اکھاڑ پچھاڑ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں طلبگار تھی کہ "سب اچھا ہے"۔ جلتے جلتے رہ جائے اور وہ مطربہ کو سر عام کوسنے لگیں۔ انہوں نے بہت اچھی امید کے ساتھ بھائی سے بیٹی مانگی تھی۔

تیمور علی خان نے ایک نظر کوازین کی سمت نظریں اٹھائیں۔ "سوری ابھی ہم کوئی ریزن نہیں دے سکتے"۔

یاور علی خان کے دل میں کچھ ہوا۔ وہ ایک دم اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا۔ سب ایک روز سامنے آ جائے گا آپ لوگ کیوں بے کار کی بحث کر رہے ہیں"۔ وہ جیسے انداز میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

تیمور علی خان اور کوازین ان کے اس انداز پر چونک سے گئے تھے اور خاصی حیرت سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

آج وہ سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہے تھے۔ حال ہی میں انہیں یہ لت لگی تھی مگر آج تو جیسے اسموکنگ ہی کر رہے تھے۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ کسی دھیان سے چونک پڑے۔

کوازین تو نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی خراب گاڑی میں دھکے دے کر کیوں آنے لگی۔

"یس — کم ان"۔ وہ دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

دروازہ کھلا اور مطربہ اندر داخل ہوئی۔

"تجربت"۔ وہ بہت عرصے بعد ان کے بیڈ روم میں ان بلائے داخل ہوئی تھی۔

"جی۔ سب کیلئے چائے بنائی تھی۔ خیال آیا کہ آپ تو رات دیر تک لکھتے پڑھتے کا کام کرتے ہیں۔ آپ کو بھی پلا دوں"۔

"ہوں — ٹھیک ہے لے آؤ"۔

وہ واپس مڑ گئی۔

"مطربہ"۔ انہوں نے بے ساختہ بلند آواز میں آواز دی تھی۔

"جی خان"۔ وہ پلٹی۔

"تم... کی چھوٹی دلہن کیا کہہ رہی تھیں"۔

"وہ"۔ ایک لمحے کو کچھ سوچنے کے انداز میں کھڑی ہو گئی۔

"ہاں... وہ تو بچوں کے ساتھ ٹھنڈے کھیلنے پر چل گئی ہیں۔ بہت دیر ہو گئی۔ میں بھی چلوں۔ بچے جاگ جائیں گے تو کھیلیں گے"۔

"ٹھنڈے کھیلنے کا وقت؟"

"ہیں کوئی ضروری تھیں۔ ٹھیک ہے تم جاؤ اور ہاں سنو"۔ انہیں کچھ یاد آیا۔

"جی"۔

"باقی لوگ سو گئے؟"

"نہیں سب جاگ رہے ہیں۔ اماں جی اپنے کمرے میں اماز پڑھ رہی ہیں"۔

"اچھا ٹھیک ہے"۔ وہ سگریٹ کا کش لینے لگے۔

مطربہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"پتا نہیں جواب لینے کیلئے پیچھے پیچھے آ رہی ہے۔ دیر سے آئی غلطی ہے۔ اب کیا جواب دوں؟ اس کی تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی"۔

اماں جی آج خود ہولی پیں کر تیمور کے کمرے میں آئی تھیں۔

مطربہ نے پچوان کو بھی دیکھ لیا تھا اور اماں جی کو بھی تیمور کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ فوراً سے پیشتر دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہو گئی تھی کہ آخر اسے اپنی اوقات اپنے اختیار کی حدود کا پتا تھا۔

"ایک بات سیریس لڑکی کو آپ نے دو سر ملا دیا ہے۔ بات اسے بتانی ہے تو اس سے کہیں وہ بات جا کر آپ پچوان کو حمراء یا تھوڑی بات لانے کا کہہ دیں۔ ایجوکیشن آل"۔ وہ جھلا کر گویا ہوئے۔

"یہ گھر بڑی میں اتنا آسان لگ رہا ہے نا... وہ میں اتنا آسان نہیں ہے"۔

اماں جی کی جان جل کر رہ گئی تھی۔ جھلا کر بولی تھیں۔

"تو پھر بلوا لیں ناں... آپ کو ضروری سمجھ کا کہنا ہے تو بلوا لیں۔ میرا مطلب ہے ہم ہیں۔ کیا کرے گی جب اس کے تمام وقت سکے ہو جائیں گے اور ہول ایئر موسٹیز"۔

"اٹھ کا واسطہ تیمور۔ میرے بالوں میں اگر سفید ہوتے ہیں۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس سے تو بہتر ہے تم مجھ سے مشاورت کی بات بول لیا کرو۔ کم سے کم بڑی سمجھ میں تو آتی ہے"۔

"اوکی اماں جی۔ ہمارا مطلب ہے آپ ہمیں ڈانٹ لیں کر دیں اور پچوان سے کہیں کہ وہ ہمارے ساتھ کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے خاموشی سے جا آئیں کی بات ہے"۔

"اوکا ہیں واقعی اس لئے"۔ اماں جی کا دل چاہا کہ ان کا سر پھاڑ دیں۔

www.Paksociety.com

"ثبوت کریں گے ہم اسے۔ اسے اٹھنے دیں تو سہی۔ آج نہیں ہے تو کیا ہوا کل تو ہوگی۔ ہمارا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے۔ ہم نے اسے بہت پیار سے پالا ہے۔ اس کے ساتھ ایسا کیا تھا یار۔ اور وہ بھی اس کی ماں نہیں ہے۔ اگر اسے ہوا کچھ گئی کر دیتی" فارس نے بات بگاڑ دی تھی۔ یوں بھی اس کا مزاج ہی ایسا ہے۔ بچہ ہے تو وہ کون سا اس کا اپنا ہے"۔

"فخر یہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے۔ مگر ایک سوچ یہ آتی ہے کہ اللہ جانے دوسری شادی سے کیسی اولاد ہو۔ کہیں کوئی اور جن نہ ہو اور وہ ہمیں کہنے پر اتر آئے"۔ اس کی اعداد ابھی تک فیصلہ کن نہیں تھی۔

"ہم آپ کو کہہ رہے ہیں ناں۔ چلیے۔ ہم خود بابا صاحب سے بات کرتے ہیں۔ وہ خود کہیں گے پہلی سے بہتر نہ آپ ذرا آپ پرسکون ہو جائیے اور ذہن سے ہر قسم کا بوجھ اتار دیجیے۔ باقی ان سے کہہ دیجیے گا بابا صاحب خود لیں گے وہ اب زحمت نہ کرے۔

آیئے۔ بہت وقت ہوتی ہے ہمیں دیکھ کر کہ ایک خوامخواہ کی پریشانی میں مبتلا ہیں آپ۔ آپ چلیے اپنے کمرے میں ہم بابا صاحب کے پاس جا رہے ہیں"۔

صفریہ فورا اٹھنے والے سے بہت کر سیڑھیوں کی طرف بھاگی اور بھاگتی ہوئی سیدھی باغ میں جا کے گی اور گہری گہری سانس لینے لگی۔

"بیٹے کو نکاح ہوگا میرا۔ اس سیکنڈ سلائی پڑھانے کے ساتھ۔ بچے کے ساتھ۔ توں کر میں نے مفتی پیر کی آواز نہ اور میرا نہیں"۔

جتنا تیز سانس چل رہا تھا اس سے ہزار گنا تیز اور باغ میں جھٹکے چل رہے تھے۔

"اب میں اپنے دل کے ساتھ زبردستی نہیں ہونے دوں گی۔ اب کسی کے پیچھے میں بیٹھ کر میں نہیں بھاگوں گی علی خان۔ اب یہ نہیں ہوگا کہ کوئی قریب ہو اور میں تمہاری خوشبو محسوس کروں۔ تم چاہے دولی ماں کے احساس کو ختم کر دیتے تو پھر میرے کیا تھے تھے؟

اس بچے کو تمہارا نکاح ہوگا کیا خوب تھا نا ہو۔ دل سرخ جا گیر دار ہی کا ہوتا ہے۔ اب بچہ نہیں ہوگا۔ ہو نا تو وہ ہے"۔

ایک الاؤ بھی آگ کے شعلوں میں وہ جل کر خاک ہو رہی تھی۔

"تم ..... اس وقت" یاور علی خان نے چونک کر گھڑی دیکھی۔

"علی خان ..... آپ کو دیکھنے آئی تھی۔ آپ بھوپا مجھوتی دلہن کا انتظار کر رہے ہیں" وہ ہولے سے بولی تھی۔

یاور علی خان ہونقوں کی طرح خاموش رہے۔

"خان ..... آپ بہت اچھے ہیں۔ بہت اچھے آدمی ہیں۔ مجھے بھی آپ کے ساتھ اس زبردستی کا رشتہ

سے ڈر لگتا تھا۔

"کون سی زبردستی" وہ چونکے۔

"میرے خاص کر آپ کے ساتھ کچھ کرنا چاہیے۔ انہیں ایک سے ایک۔ بڑھ کر خوبصورت بیویاں مل سکتی ہے۔ آپ ان کے بھائی ہیں۔ سگے بھائیوں کی طرح ہے"۔ صفریہ کے انداز میں یاسیت تھا۔

"کیا کہہ رہی ہو؟" یاور علی خان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"آپ غصہ کریں گے خان۔ میں جانتی ہوں میں نے ہوں ہوں آپ تو اسے اٹھنے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ زبردستی کی نہیں کر سکتی۔ آپ یہ دیکھیں کہ میں پیچھے ہٹ کر بھائی بھائی کر رہی ہوں۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں بھولی تھی۔ بھولی ہوں۔ آپ کے سامنے کبھی آ کر کچھ نہ کہوں گی۔ اور مجھ سے کبھی نہ ملیں گے۔ میں ان دونوں کے سامنے جواب دوں گی" یاور علی خان ہر ایک سکتے کی کیفیت میں اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔

"آپ چاہیں تو ابھی چلی جاؤں۔ میں سمجھتی ہوں آپ نے کہا ہے میں" وہ بہت سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"میں اب بھی تمہاری بات نہیں سمجھا"۔ یاور علی خان کی شریانوں میں طوفان برپا تھا۔

"سمجھ تو رہے ہیں خان۔ مگر آپ کو یقین نہیں آ رہا۔ ابھی کیسے سکتا ہے۔ یہ بھولی بھی بات نہیں ہے۔ آپ ان دونوں کو ابھی میرے سامنے بلوا سکتے ہیں"۔

اکلوتی لڑکی۔ یہ سب کہہ رہی تھی۔ سامنا کرنے کو تیار تھی۔ ان کی ہنسی کا مطلب کیا تھا نہیں سمجھ نہ ہوئی۔

"کیوں کر رہی ہو تم یہ سب؟" وہ بمشکل اتنا ہی پوچھ سکے تھے۔

"اس لئے کہ آپ بہت اچھے ہیں۔ کسی کو برا نہیں کہتے۔ میں آپ کی سب سے بڑی خامی ہیں۔ میں آپ سے محبت نہیں ہوا ہے۔ سب"

"کیا ہو گئی ہو تم ..... تمہیں بھی نہ ہی ہے۔ وقت لڑکی ہو تو وہ کسی اچھی آس میں جاگتے تھے۔

"بے وقوف نہ بنیں خان۔ میں چھوٹی سی بچی نہیں ہوں۔ سمجھداری کی تھی آپ لوگوں نے بیوی۔ ایک تھوڑا کے ساتھ" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے اچانک سے؟" وہ دکھ سے پوچھ رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا ہے۔ حقیقت کی بات ہے۔ مجھ سے نہیں ہوا جائے۔ مجھے نہیں کوئی بھی مار سکتے ہیں۔ میں سب آپ کو بتانا نہیں چاہ رہی تھی۔ میں نے تو آپ کو موقع دیا کہ آپ خود دیکھ لیں سب کچھ اور میں اس سامنے میں نہ ہوں مگر آپ" وہ دوبارہ بولنے لگی تھی۔

"میں ہر ہے یہ تلخی والی بات ہے۔ اگر غلط بات ہوئی تو مجھے ہوا کیا ہوگا؟" انہیں اتنی آسانی سے یقین آ رہا تھا۔ حالانکہ بہت سارے واقعات ان تمام باتوں کے حق میں جانے محسوس ہو رہے تھے۔

"ٹھیک ہے خان۔ مجھے پرواہ نہیں ہوگی" وہ بولی۔

www.Paksociety.com

دلاور علی خان تو جیسے کوما میں چلے گئے۔ ایک لڑائی سے فرحانہ کو پہلے والی لڑکی ایک دم اجنبی لگنے لگی۔ یہ تو بہت ہی اور معصوم لڑکی ہے۔ اور حقیقت جو بھی ہو وہ کہہ گئی وہ کوئی بے وقوف ہی کہہ سکتا ہے۔ وہ نہ دیکھے انہوں کی صورت نہیں ہو سکتی کہ اسے اختیار لوگوں کے سامنے ایسی حقیقت پیش کر سکیں۔ جوگی ہونے کے باوجود الہی تصدیق پہچان سکتی ہے۔

"سنو"۔ یاور علی خان نے اسے مخاطب کیا۔

"جی خان"۔

"آئندہ ہم سے اس قسم کی بات نہ کرنا۔ ہم میں اتنی برداشت ہے وہ ہم کر چکے۔ مگر ہو سکتا ہے ہم آئندہ یہ سب نہ کر سکیں اب تم جاؤ"۔

وہ ان کے تیور دیکھ کر ایک لمحے کو واقعی خوفزدہ ہو گئی تھی اور جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔

"آپ نہیں چلیں گے خیر آباد؟" نازنین نے کوفت بھرے انداز میں یاور علی خان سے پوچھا۔

"نہیں۔ نہیں کا مطلب نہیں ہوتا ہے نازنین"۔

"دیکھیے اماں جی۔ یہ کراچی بھی نہیں گئے تھے میرے ساتھ۔ دو دن کی تو بات ہے۔ آپ کہیے ناں انہیں"۔ اس نے انداز میں زبردست اصرار تھا۔

"چلے جاؤ یاور۔ ہر وقت اپنی نہیں کرتے"۔ اماں جی نے بھی ہو کا دل رکھا۔

"تیور جا رہے ہیں ناں۔ بس ٹھیک ہے"۔

"یہ لیجیے۔ آپ آپس میں تیور تیور ہیں۔ ہم آپ کو اسٹرب نہیں کرتے تو اس کا مطلب ہے آپ بالکل ہی بھلی پہلے جائیں"۔ وہ اسوری

"مگر یہ اماں جی کے پیچھے بھلی خان کے کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ اور ان کی نظر اسے بے نیاز نظر آ رہی تھی۔

"دل اداس ہو جاتا ہے۔ ادھر ادھر بہلا کر تفریح کرنے سے۔ یہ چار دن تو بہت کی سوت ہے۔ ہم تم نے"۔ اماں جی نے قدرے ناراضگی سے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے اماں جی۔ ان کی بیرونِ ملک پر ہماری بیرحاضری سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جبکہ ابھی تو ہنی مون کر رہا"۔ وہ بہت بے دلی سے کہہ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے پھر میں نہیں جا رہی"۔ نازنین کا موڈ آف ہو گیا۔

"بیٹے۔ بہو دوسرے ملک سے ہے کیوں جان جلاتے ہو اس کی۔ ایک دو دن سے ہو گیا ہے تو"۔ اماں جی کا انداز سمجھانے کا سا تھا۔

"تیسری بار ان کی ملاقات ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ رات کو ہوتی ہے۔ جب کہ یہ لوگ ہر وقت ایک دوسرے کو باقی رہتے ہیں۔ یہ تو فضول کی ہوتی ہیں۔ بھئی فضول کی ہوتی ہیں"۔

"جب سے یہ لوگ آئے ہیں ہر وقت کا ہنگامہ ہے۔ کبھی یہ کبھی وہ۔ پتہ نہیں کیا کیا ہو گیا ہے۔ ہم نے تو کبھی ایسا نہیں کیا۔ ہم نے بھی کیا کرنا ہے"۔ اماں جی کا لہجہ کے ساتھ ساتھ دل کا حال بھی بیان کر رہا تھا۔

"اب کے سامنے یہ حساب کتاب اچھا نہیں لگتا۔

"ہاں بیٹا تو ہے۔ مگر اس طرح سب کے سامنے مطلب دے پڑتا ہے"۔ وہ بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

"ہم کہیں اور چلے جاتے ہیں اماں جی۔ کچھ عرصے کے لیے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ ہی کہیں"۔ وہ اس کے ہاتھ تھام کر بولا۔

وہ اسے بالکل ہی دستک ہوئی اور دروازہ خود بخود کھل گیا۔ یاور علی خان سے چونک کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا۔ حیرت زدہ سی سامنے اماں جی تھیں۔ وہ ایک دم سٹپٹا گئے۔

"آپ اماں جی۔ خیریت۔ مجھے بلوا لیا ہوتا آپ نے کیوں زحمت کی؟"

"بیٹا ہے۔ مرد کی شادی ہوتی ہے تو بیوی کے پیچھے سب بھول جاتا ہے۔ مگر جس کو بیوی دھیان نہ رکھتی ہو وہ ماں باپ کا کہاں دھیان کرتا ہوگا۔" آنسو لگے اس بڑھاپے کو تم نے دور محسوس ہوتے ہو کر لندن گیا تھا تو تیور قریب لگتا ہے"۔

وہ روتے روتے بولتے ہوئی ان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

"بہت ہی بیمار لگ رہی ہیں"۔ وہ زبردستی مسکرائے تھے اور ماں کو بہت محبت سے دیکھا تھا۔

"بیمار نہ ہوں تو پھر کیا کروں۔ کتنی بار بات کی تم نے مجھوتی نہیں کے ساتھ۔ اس نے رو رو کر برا حال کر لیا ہے۔ نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ سب کے سامنے اس نے اپنی بہت بے عزتی محسوس کی ہے جسے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اظہار کے اور بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔ مجھے تم سے ایسی بے تکی حرکت کی امید نہیں تھی۔ وہ میری پسند ہے۔ جسے ہم لوگوں سے بڑھ کر لائی تھی۔ اور یہی بات مجھے اپنی پسند پر کبھی پچھتاوا نہیں ہوا۔ اتنی اگریمنٹ پڑھی ہوئی ہے مگر حویلی کے اصولوں پر چلتی ہے۔ کتنے نوکر ہیں گھر میں مگر میرے کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنے ہاتھوں میری مالش کرتی ہے پتہ نہیں کہاں کہاں طاقت کی چیزیں ڈھونڈ کر مجھے کھلاتی ہے۔ [illegible] اگر میں اس کی جذبات مجروح ہو چکی ہیں۔ بہو سے پوتے کہاں ہے۔ پہلے تو اس کا شکر گزار ہوں کہ اس نے ہم سے رابطہ کر لیا ہے۔ ہم سے بات کر لیتی ہے تو اسے مجھے تکلیف ہوتی ہے"۔

وہ بہت کچھ کہہ گئیں۔

"کی اماں جی۔ اب تو سب بھرم ہی کا اس گھر سے واسطہ ہے۔ مگر آباد ہو جائے تو خاص بات نہیں ہوتی۔ دل آباد ہو جائے تو زندگی مکمل ہو جاتی ہے۔ انسان قیامت تک کیلئے پرسکون ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات اگلی کا معاملہ آ گیا ہوتا ہے کہ انسان کی خوشی اگر جنت دوزخ دنیا آخرت سب اس دل سے شروع ہو جاتی ہے۔ پھر انسان کسی طرح سمجھانے کی پروا نہیں کرتا

www.Paksociety.com

دلاور علی خان تو جیسے کوما میں چلے گئے۔ ایک لڑائی سے فرحانہ کو پہلے والی لڑکی ایک دم اجنبی لگنے لگی۔ یہ تو بہت ہی اور معصوم لڑکی ہے۔ اور حقیقت جو بھی ہو وہ کہہ گئی وہ کوئی بے وقوف ہی کہہ سکتا ہے۔ وہ نہ دیکھے انہوں کی صورت نہیں ہو سکتی کہ اسے اختیار لوگوں کے سامنے ایسی حقیقت پیش کر سکیں۔ جوگی ہونے کے باوجود الہی تصدیق پہچان سکتی ہے۔

"سنو"۔ یاور علی خان نے اسے مخاطب کیا۔

"جی خان"۔

"آئندہ ہم سے اس قسم کی بات نہ کرنا۔ ہم میں اتنی برداشت ہے وہ ہم کر چکے۔ مگر ہو سکتا ہے ہم آئندہ یہ سب نہ کر سکیں اب تم جاؤ"۔

وہ ان کے تیور دیکھ کر ایک لمحے کو واقعی خوفزدہ ہو گئی تھی اور جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔

"آپ نہیں چلیں گے خیر آباد؟" نازنین نے کوفت بھرے انداز میں یاور علی خان سے پوچھا۔

"نہیں۔ نہیں کا مطلب نہیں ہوتا ہے نازنین"۔

"دیکھیے اماں جی۔ یہ کراچی بھی نہیں گئے تھے میرے ساتھ۔ دو دن کی تو بات ہے۔ آپ کہیے ناں انہیں"۔ اس نے انداز میں زبردست اصرار تھا۔

"چلے جاؤ یاور۔ ہر وقت اپنی نہیں کرتے"۔ اماں جی نے بھی ہو کا دل رکھا۔

"تیور جا رہے ہیں ناں۔ بس ٹھیک ہے"۔

"یہ لیجیے۔ آپ آپس میں تیور تیور ہیں۔ ہم آپ کو اسٹرب نہیں کرتے تو اس کا مطلب ہے آپ بالکل ہی بھلی پہلے جائیں"۔ وہ اسوری

"مگر یہ اماں جی کے پیچھے بھلی خان کے کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ اور ان کی نظر اسے بے نیاز نظر آ رہی تھی۔

"دل اداس ہو جاتا ہے۔ ادھر ادھر بہلا کر تفریح کرنے سے۔ یہ چار دن تو بہت کی سوت ہے۔ ہم تم نے"۔ اماں جی نے قدرے ناراضگی سے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے اماں جی۔ ان کی بیرونِ ملک پر ہماری بیرحاضری سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جبکہ ابھی تو ہنی مون کر رہا"۔ وہ بہت بے دلی سے کہہ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے پھر میں نہیں جا رہی"۔ نازنین کا موڈ آف ہو گیا۔

"بیٹے۔ بہو دوسرے ملک سے ہے کیوں جان جلاتے ہو اس کی۔ ایک دو دن سے ہو گیا ہے تو"۔ اماں جی کا انداز سمجھانے کا سا تھا۔

"تیسری بار ان کی ملاقات ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ رات کو ہوتی ہے۔ جب کہ یہ لوگ ہر وقت ایک دوسرے کو باقی رہتے ہیں۔ یہ تو فضول کی ہوتی ہیں۔ بھئی فضول کی ہوتی ہیں"۔

"جب سے یہ لوگ آئے ہیں ہر وقت کا ہنگامہ ہے۔ کبھی یہ کبھی وہ۔ پتہ نہیں کیا کیا ہو گیا ہے۔ ہم نے تو کبھی ایسا نہیں کیا۔ ہم نے بھی کیا کرنا ہے"۔ اماں جی کا لہجہ کے ساتھ ساتھ دل کا حال بھی بیان کر رہا تھا۔

"اب کے سامنے یہ حساب کتاب اچھا نہیں لگتا۔

"ہاں بیٹا تو ہے۔ مگر اس طرح سب کے سامنے مطلب دے پڑتا ہے"۔ وہ بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

"ہم کہیں اور چلے جاتے ہیں اماں جی۔ کچھ عرصے کے لیے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ ہی کہیں"۔ وہ اس کے ہاتھ تھام کر بولا۔

وہ اسے بالکل ہی دستک ہوئی اور دروازہ خود بخود کھل گیا۔ یاور علی خان سے چونک کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا۔ حیرت زدہ سی سامنے اماں جی تھیں۔ وہ ایک دم سٹپٹا گئے۔

"آپ اماں جی۔ خیریت۔ مجھے بلوا لیا ہوتا آپ نے کیوں زحمت کی؟"

"بیٹا ہے۔ مرد کی شادی ہوتی ہے تو بیوی کے پیچھے سب بھول جاتا ہے۔ مگر جس کو بیوی دھیان نہ رکھتی ہو وہ ماں باپ کا کہاں دھیان کرتا ہوگا۔" آنسو لگے اس بڑھاپے کو تم نے دور محسوس ہوتے ہو کر لندن گیا تھا تو تیور قریب لگتا ہے"۔

وہ روتے روتے بولتے ہوئی ان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

"بہت ہی بیمار لگ رہی ہیں"۔ وہ زبردستی مسکرائے تھے اور ماں کو بہت محبت سے دیکھا تھا۔

"بیمار نہ ہوں تو پھر کیا کروں۔ کتنی بار بات کی تم نے مجھوتی نہیں کے ساتھ۔ اس نے رو رو کر برا حال کر لیا ہے۔ نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ سب کے سامنے اس نے اپنی بہت بے عزتی محسوس کی ہے جسے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اظہار کے اور بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔ مجھے تم سے ایسی بے تکی حرکت کی امید نہیں تھی۔ وہ میری پسند ہے۔ جسے ہم لوگوں سے بڑھ کر لائی تھی۔ اور یہی بات مجھے اپنی پسند پر کبھی پچھتاوا نہیں ہوا۔ اتنی اگریمنٹ پڑھی ہوئی ہے مگر حویلی کے اصولوں پر چلتی ہے۔ کتنے نوکر ہیں گھر میں مگر میرے کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنے ہاتھوں میری مالش کرتی ہے پتہ نہیں کہاں کہاں طاقت کی چیزیں ڈھونڈ کر مجھے کھلاتی ہے۔ [illegible] اگر میں اس کی جذبات مجروح ہو چکی ہیں۔ بہو سے پوتے کہاں ہے۔ پہلے تو اس کا شکر گزار ہوں کہ اس نے ہم سے رابطہ کر لیا ہے۔ ہم سے بات کر لیتی ہے تو اسے مجھے تکلیف ہوتی ہے"۔

وہ بہت کچھ کہہ گئیں۔

"کی اماں جی۔ اب تو سب بھرم ہی کا اس گھر سے واسطہ ہے۔ مگر آباد ہو جائے تو خاص بات نہیں ہوتی۔ دل آباد ہو جائے تو زندگی مکمل ہو جاتی ہے۔ انسان قیامت تک کیلئے پرسکون ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات اگلی کا معاملہ آ گیا ہوتا ہے کہ انسان کی خوشی اگر جنت دوزخ دنیا آخرت سب اس دل سے شروع ہو جاتی ہے۔ پھر انسان کسی طرح سمجھانے کی پروا نہیں کرتا

www.Paksociety.com

ہے۔ ایک عمر شوہر میں گزار لینے کے بعد وہ یہاں آکر میں رہ رہی ہیں اس طرح جیسے ہمیشہ یہیں کی باشندہ رہی ہوں۔

"اسے فارق کیا پڑا ہے جہاں کی۔ دنیا کی ہر عورت کا یہی مسئلہ ہوتا ہے۔ کھانوں میں کیا پکائے کیا نہ پکائے۔ کپڑے کون سے بھلائے جائیں۔ وہ اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہ رہے ہوں۔

"تمہیں کوئی شکایت ہوگی ہے اس سے؟" اماں جی نے گہری نظروں سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میں دراصل بہت معروف ہوں۔ میرے دیگر مسائل ہوتے ہیں"۔ انہوں نے کہا ہی لیں۔

"ہمیں اگر کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ"۔ وہ شاید گہرے جذبات کے تحت بات کر رہی تھیں۔

"اماں جی! کوئی بات نہیں ہے۔ آپ فکر مند نہ ہوں"۔

"فکر مند کیسے نہ ہوں۔ میری بہو پریشان سے زیادہ ہے۔ حد کرتے ہو تم"۔ وہ ناراضگی سے بولیں۔

"اٹھو چلو میرے ساتھ۔ اپنے ساتھ یہاں لے کر آؤ"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں "چلو"۔

"آپ چلے جائیں۔ پھر میں سنبھال لوں گا"۔ وہ جھجک رہے تھے۔

"نہیں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ اٹھو شاباش۔ کوئی ناک کی بات نہیں ہے۔ ایسا کرنے سے گھر معمور ہوتے ہیں۔ خوشی ملتی ہے۔ آؤ"۔

"اماں جی کے اصرار میں قطعی حکم تھا۔ وہ ناچار بیڈ سے اتر آئے۔

اماں جی چل پڑیں اور وہ ان کے پیچھے ہو لیے۔

ان کا خیال تھا کہ اماں جی ہال کی طرف جائیں گی مگر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

"واقعی بہت ذہین ہو نازنین بیگم"۔ وہ دل ہی دل میں گویا ہوئے۔

اماں جی کے پیچھے وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ مگر پھر دھیرے دھیرے گھر گئے۔ نازنین اماں جی کے بستر پر گم صم بیٹھی تھی اور شہریار خان کرسی پر ان کے قریب بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ جھوک رہے تھے۔ نازنین کی آنکھیں رو رو کر متورم ہو رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟ طبیعت خراب ہے؟" وہ یکسر انجان بن کر پوچھنے لگے۔ آواز بالکل سپاٹ تھی۔

نازنین خاموش رہی۔

"یہاں اماں جی کے کمرے میں کیوں لیٹی ہو؟ اٹھو کمرے میں چلو"۔ وہ پھر اسی سرد سپاٹ انداز میں گویا ہوئے۔

نازنین پھر خاموش رہی۔

"ہاں بیٹی۔ جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو۔ میرے کمرے میں تو سب کا آنا جانا لگا رہتا ہے"۔

اماں جی بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اماں جی! میں ٹھیک ہوں"۔ اس نے دھیرے سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ناراضگی سے کہا۔

"ہوں۔ ٹھیک کر رہی ہیں آپ کا بیٹا آپ کو۔ ہمیں نے کہا۔ دوسرے ہفتے تو یہاں کوئی ذکر بھی نہیں لیتے آپا کا۔"

"ہاں بیٹی۔ آپ کا کیا ہوا ہے۔ آپ بھی چلیں اور کھانا کھا لیں"۔ اماں جی نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ بھی چلیں اور کھانا کھا لیں"۔ اماں نے دہرایا۔

"اوکے۔ جیسے آپ کی مرضی"۔ وہ ناچار شرارت سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہی نہیں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ آپ سے باتیں کریں گے"۔ اماں کے ذہن میں بھی کوئی بات تھی۔

"ہاں چلو بیٹا۔ ابھی ابھی ان کی سب سے بات ہوئی ہے۔ سب خیریت سے ہیں"۔ وہ نازنین کو بھی ساتھ لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تو اس میں شک بھی کیا ہے"۔ وہ نازنین نے منہ ہی منہ میں کہا۔

"اگر کسی کے دل میں کچھ ہو تو بیٹا۔ بتا بھی دینا چاہیے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ بات کھل کر ہو سکتی ہے"۔

تیمور علی خان اس وقت محض شرارت کے موڈ میں تھے۔ واقعی بات کہہ رہے تھے۔

تیمور علی خان اس کے منہ سے جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی نکل گئے تھے۔

"بات بڑھانے کا کیا فائدہ۔ اس سے وہ کچھ کر کہہ رہے ہیں"۔ اماں جی نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"اماں جی ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی۔ بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔ آپ کو تو پتا ہی ہے۔ غلط فہمی کی بنیاد پر کوئی بھی رشتہ ٹوٹتا ہے"۔

انہوں نے بھی ماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"بہت دعا دو ہوں گی ہیں دادو۔ اگر آپ جیسے کا نکاح اور سوئٹ ہیپی لوگ ہوتی ہیں ہوتے تو میں بہت پریشان ہو جاتا"۔ وہ ہنسی سے کہہ کر تالی پڑی۔

"کیا بولی اس؟" اماں جی نے الجھ کر تیمور سے پوچھا۔

"آپ کی تعریف کر رہی تھیں"۔ تیمور علی خان مسکرا رہے تھے۔

"ہاں۔ تعریف کے ہی لگی؟" ان کی فکر مندی بڑھ رہی تھی۔

"تو یہاں اور کیا ہو رہا ہے آپ کی ماں"۔ تیمور علی خان نے وضاحت کی۔

"مجھے لگتا ہے سرداری کے بیٹے ہے کوئی رہیں اور کیا چاہیے تھے۔ بادشاہ ہیں ہاں کی۔ اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ ٹھیک ہو جائے تو بات کرے گی۔ خود کو بات کرنے سے اماں جی نے سمجھایا۔

اماں جی نے تیمور علی خان کو اس طرح کہتا سن کر اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

www.Paksociety.com

"کچھ نہیں ہوتا اماں جی۔ بھائی اتنی اچھی ہیں کہ وہ بھائی ان سے زیادہ تر اس لڑکی کو ہی سنبھالتے ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے گا، چند سال چلا جاؤں گی۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

کوئی سایہ کھڑکی سے گزرا تھا۔ جس کا گماں انہیں تھکن سے چور ہونے کا ہوا تھا۔

"اماں جی اپنے ذہن سے نکال ایک مسئلہ حل ہو جائے۔ ابھی بہت اول بھلائے نہیں ہے وہ ماضی پر پشیمان ہو رہا ہے۔"

مطربہ کا وہ بات پر آنکھ پانی مارنے پیچھے تھی اور وہ ہی کو بیچ سے کوئی ایسا خبر بھلا رہی تھی۔

اماں جی نے خوشگوار حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"جیسا اول جی تو بھلانے لگا ہوا ہے ہیں۔ بے بھلا نہ ہو گیا ہے"۔ خالہ نے ہنس کر کہا۔ وہ بھی پیچھے کو ہو کر اپنا کھوس کرنے لگی تھیں۔

"وہ تو ظہیر جا سکتی ہے وہ تو ہمیں ہی جلدی ہے"۔ اماں جی نے بہت معنی خیز انداز میں کہا۔

"آپ کو کیوں جلدی ہے"۔ اس نے قدرے شک بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہمیں تو تھکے کپڑوں میں فٹی کھلائی اچھی لگتی ہے۔ ان کالے کپڑوں میں تو بہت بے رونق ہو گئی ہے۔" اس کے انداز میں بھی بہت محبت و اپنائیت تھی۔

"اماں جی بعض اوقات رنگ تو دوسروں کی کیلئے ہوتے ہیں۔ کسی کو کیا پتا چلے کہ تم تو مجبوراً میں بھی اپنا چہرہ اپنے دیکھنے کا اتنا اعتبار بھی نہیں ہوتا چاہیے۔ غریب کا حال اللہ جانتا ہے یہ بھی تو نہیں کہہ دیا کسی نے؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر اپنے آپ پر اس ہمدردانہ کو خوشی دینے سے بھی انسان کو بڑی خوشی مل جاتی ہے۔ ایسی ہی خوشی کے پاؤں بھی ہوتے ہیں جو کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ تیری عمر کیا ہے ابھی تجھے زندگی پوری سمجھ نہیں آئی"۔

اماں جی نے پوری سنجیدگی کو محسوس نرمی سے کہا۔

"ایسا نہیں ہوتا۔ یہ واقعات ہوں کی وہ تلخ تین ہوتے ہیں کہ ہم کی ہیں تھکاوٹ کر لیتی ہیں" اماں نے تھکے تھکے سے لہجہ میں کہا۔

"بس چھوڑ اس بحث کو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ تم اپنے میں اپنا اس سمجھاں کو اور سنبھالو۔ میں بہت ہے کہ "ہاں" پر تو آئی"۔

اماں جی نے بات سمیٹنے کی کوشش کی ان کے حساب سے بہت اس پر ہو گزری تھی بہت تھکن بھی ہو رہی تھی۔

کہ کھانا لے آئے۔

"اماں جی اب آپ چھوٹے خان کی شادی ابھی جلدی سے کرنے کی سوچیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی مہم پر ان کا آنا جانا ہو جائے"۔ مطربہ نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیا۔

"میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ بھی تھکن ہے ہمیں نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ وہ بھی ہو گیا ہے۔"

"کیا کہتے ہیں؟" وہ ہاتھ دھو کر اپنی سے پوچھ رہی تھی۔

"کرنا کیا ہے۔ کچھ بھی نہیں ہوا ہے"۔ وہ اس کی سے بولیں۔

"ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے کون سا گھر چلانے کیلئے نوکری کرنا ہے۔ یہاں خان" کو بھلا دیں۔ ہم ان ہوتے ہیں۔ انہیں مصروف رہنے والے وہ ہوتے ہیں۔ ہم ان کے مالک نہیں بن سکتے۔ ہمیں کے ہاں باپ ہیں۔ ان کا بھلا سوچنے والے۔ اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانا کوئی آسان نہیں"۔ خالہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"آپ کو پتا ہے خان کو کیا پسند ہے؟" اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"ابھی جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ وہ خود سمجھدار ہے۔ وہ خود ہی اپنے لئے انتخاب کر لیں گے۔ انسان کو اپنی حیثیت کے ساتھ بات کرنی چاہیے۔ اچھی خوبی سے انسان کی عزت نہیں ہوتی۔ انسان اپنا مقام پہچان کر بات کرے تو سب جگہ اس کی عزت ہوتی ہے بھلے ہیرا ہو کر غریبہ"۔

"خالہ نے بھی انداز اختیار کیا۔ انہیں کچھ اچھا نہیں لگا تھا کہ وہ خان کی شادی کے موضوع پر اماں جی سے بات چیت کرے۔

"کیوں بولا رہی ہے؟ سمجھ ہی بچی ہے۔ اسے اپنے خان کی شادی کا ارمان ہے۔ اس میں بھلا کیا برائی ہے؟" اماں جی نے ان کا دل رکھا۔

"یہ کہہ رہی ہیں۔ اس نے تو اپنی اماں جی کا دل توڑا ہے۔ مجھے تو بہت پسند نہیں تھی۔ تو نے دیکھی ہے ہو۔ آتے ہی ظہیر کی لاکی انہیں تو اپنی ہاں میں ہاں ملانا بھی نہ آتا تھا۔ کیا بگڑی" اماں جی کا ہر مضمون ہو گیا

(ہاں اماں جی ــــ جو ہاں کا دل توڑ دے وہ کس کا ہوا؟ کہاں کی ہو گی؟ کہاں کی کو ہاں میں بھر کر کھڑی ہو گئی

"یہ کیا تو سر گود میں لے لیا ہے؟ شادی ہو گئی ہے؟ بچہ ہے یہ؟" خالہ نے پوچھا۔

"ہاں مجھے اچھا لگتا ہے۔ سارے غصے گھل چکے ہیں۔ اسے بانجھ کر کے زندگی کو یقین نہیں ہے۔ بہت کچھ ہے" مطربہ نے ہاتھ کا کہا؟ تسلی سے پوچھا۔

"بچہ ہے ہی۔ اتنی بڑی بات کرنا اسے کہاں سے آتی"۔

خالہ نے ہی جواب دیا پہلے سے اماں جی کو بتا چکی تھیں۔

"وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے بھولے۔" اماں جی نے گہری سوچ کے ساتھ اپنی رائے دی۔

"جا اسے تو نے خان کے پاس بھیجو۔ وہ تو اپنی بنانے میں ہی لگا ہوا ہے۔ اور کھانے پر بلا لے خان نے بھی کوئی کو بلایا ہے"۔

"اسے بھولے آئے۔ اسے کام کو کہا کر۔ بچوں کو بھیج کر تو بھی کتنا ہے۔ اب یہ اماں جی کی ذمہ داری ہے۔ اس کے بیٹے کی اماں ہے۔ اپنا گھر بھی کے اپنی خوشی سے بچوں کو بھیجا ہے۔ اماں جی نے خالہ کو ٹوک دیا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

"سلیم بابا کے کی عمر یاں بارش کی طرح برستی ہیں۔ مگر جب اس کی چاہت ہے کہ کوئی اس کی بھی بات سنے
دعا سے بہم بھی کا حد ضروری ہوتا ہے تو ہی مرہا تا ہی ہے۔ اب یہ خدا سے کرتی ہے۔"
اس کے لہجے سے مایوس یوں خارج ہو رہی تھی۔ بعد استطاعت ہار ایک اہم بات کہہ گئی۔

"سلیم بیٹا"۔ وہ بڑے اچھے گھر سے ہے پر کوشیا کی اصل ہے۔ ہی تھی۔ یاور علی خان کی آواز پر تھر پا اٹھی۔ پھر
دم کھڑی ہو گئی۔

"جی خان"۔ اس نے آنچل سر پر ڈال کر مودبانہ جواب دیا۔

"کام کر رہی ہو؟" وہ ایک کرسی پر اطمینان سے بیٹھ گئے۔

"جی ۔۔۔ بس ایسے ہی"۔ وہ انگلیاں مروڑنے لگی۔

"ہوں ۔۔۔ وری کہاں ہے؟" انہوں نے سرسری انداز میں پوچھا۔ جیسے خاص بات سے پہلے تمہید باندھنی ہو
ہے۔

"وہ جی بڑے خان کے پاس ہے۔ دیا وہ اکثر ہی کے پاس رہتا ہے۔ بہت پیار کرتے ہیں خان اس سے۔"
اس نے قدرے الجھ کر ان کی جانب کھوجتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"وہ پڑھائی وائی کیسی چل رہی ہے؟"

اس نے بڑی حیرت سے یاور علی خان کی شکل دیکھا تھا۔ اپنے کام سے کام رکھنے والے یاور علی خان ان کے اس
معاملات میں اتنی دلچسپی لے رہے تھے کہ خود چل کر آئے تھے۔

"ٹھیک ہی کیا خان"۔ وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

"ہوں اچھی بات ۔۔۔ اچھا ہے تم جلد سے جلد پھر سے شادی شدہ ہو جاؤ۔ تمہاری ہاں سے تو ہر وقت کا خطرہ ہے۔"
وہ خاموش رہی۔

"اور کوئی بات تو نہیں ہوئی تمہارے ساتھ"۔ وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"کیسی بات خان؟" وہ نے سر سے تیز ان ہوئی۔

"کسی قدر بے وقوف لڑکی ہو۔ ہماری زندگی میں آگ لگا کر کتنی معصومیت سے پوچھ رہی ہو کیسی بات۔ ایک بات
بتائے دیتے ہیں تمہیں۔ اگر تمہاری اطلاع غلط ثابت ہوئی تو پھر شرمندہ ہونے والے چوک پر تمہارے کوڑے لگوانے سے بھی گریز
ان کا انداز برہم بھی تھا اور شکوہ بھی۔

"خان ۔۔۔ بھلا مجھے ایسی بات کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیا مجھے اندازہ نہیں ہے کہ آپ کی ہوں۔ پھر آپ سے
مجھ سے کیا بات کی ہے۔ اگر میں جھوٹ بولتی تو آپ سے یہ نہیں کہتی کہ مجھے جھوٹے ثابت ہونے کے سامنے شرمندہ
نہیں ہونا۔"

"میں تو شاید یوں خارج ہو جاتی اگر آپ وہاں نہ ہوتے۔ یہ خطرہ کے لئے کہ ہو سکتا ہے۔"
"علی نے؟" یاور علی خان کے ابرو میں بل پڑے۔ وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔
"علی ۔۔۔ کیا کہا تھا علی نے؟" ان کی آواز میں ہلکی سی تشویش تھی۔

"وہ میں خود ہی آپ سے بات کرنے والی تھی ہوں۔ جب بھائی نے خان اصل میں تھے۔ ایک رات جھوٹی ان کے پاس آئی تھی
تھیں۔ یاور جاگ رہے تھے۔ میں نے کہا کہ میں ہاں۔ اس نے کہا کہ ہاں سے کچھ کہنا ہے۔ تم سو جاؤ۔ میں کہا
ہاں چھوڑ کر ہال میں بیٹھ جاؤ۔ جیسے ہی تمہارے خان کا فون آئے مجھے جگا دینا۔ مگر مجھے جگانا نہیں۔ اور وہ چلی گئی۔ میں کسی کو بتانا نہ چاہتے تھے
خان کا فون اس سے آیا تھا۔ میں تو بھلی خان کے فون کا انتظار کر رہی تھی کہ اتنے میں ہی فون آ گیا۔ میں سمجھ گئے
خان ہیں۔ میں نے "جی خان" بول دیا۔ علی فلک بھی پڑ گئے کہ آخر رات کو میں کس خان کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔ جب
میں بتائی گئی تو وہ چپ چپ تھے۔ جب میں نے ساری بات ان کو بتا دی۔ انہوں نے مجھ سے کئی سوال کئے پھر کہنے
گئے۔ ہاں تمہارے خان کا بہت ادب کرتا ہے۔ مجھے لگتا ہے اس کے لیا تھوڑا وابستگی ہوئی ہے۔ اب تو شاید وہ زندگی بھر شادی نہ
کرے۔"

وہ ایک تو اترے ہوئی جا رہی تھی۔ یاور علی خان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کو تخت جھٹکے سے سرک رہا تھا۔
"اور"۔ ان کی آواز کسی پاتال سے ابھری تھی۔
"اور کچھ نہیں خان اور کچھ تھا وہ میں پہلے بتا چکی ہوں"۔ وہ آہستہ سے بولی تھی۔
"مگر ۔۔۔ جانے کیوں دل نہیں مانتا"۔ وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"جلدی مان جائے گا ۔۔۔ آپ ساتھ عزت کے اپنی جان چھڑا لیں خان۔ پھر دیکھیں تھوڑا ناں کیا کرتے ہیں۔ آپ
رکھ لیجئے گا۔ وہ جو بھی چھوڑ دیں گے۔ چھوٹی بہن کی خاطر آپ نے دیکھا نہیں وہ ایک سے لاکھ تک شادی پر راضی نہیں
ہیں ماں بھی کہتی ہیں۔ شیخ فیملی کی لڑکی بہت خوبصورت ہے۔ بہت پڑھی لکھی ہے بھی کسی سے پیار بھی ہو سکتے خان راضی نہیں۔"

"بس خاموش ہو جاؤ سلیم۔ سر پھٹ جائے گا میرا"۔ واقعی ان کا سر گھوم رہا تھا۔
"خان ۔۔۔ یہاں میں ایک بے حیثیت لڑکی ہوں۔ اپنی اوقات بھی جانتی ہوں۔ پھر بھی آپ سے یہی کہوں گی کہ آپ
جلدی فرصت میں بات حاصل کریں۔ اگر آپ دونوں سے کسی ایک سے بات کریں گے تو وہ بھی نہیں مانیں گے۔ آپ ایسا کیجئے
کوئی نہیں بلکہ آپ خود بھی بات کریں مجھے بتا دیں۔ میں نے ہی بات شروع کی ہے۔ پھر آپ کیوں دے رہے ہیں؟"
یاور علی خان نے بغور اس کی شکل دیکھی۔ اتنی ہمت اس کی۔ کہاں سے آئی اس میں؟ بھلا اس سامنے تھے نہیں
اس کا اپنا کیا مفاد ہو سکتا ہے؟

"پھر انکا بیٹا اکبر و سول کیوں لے رہی ہو۔ تمہیں شوٹ بھی کیا جا سکتا ہے۔" انہوں نے دلی دانست میں اہم نکتے کی
طرف توجہ دلائی تھی۔

"بھلے ۔۔۔ ہاں بھی یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے"۔ وہ بے زاری سے خفگی سے گویا ہوئی۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

www.Paksociety.com

"ہوں"۔۔۔ وہ ان کی بات کا جواب دیتا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"اور کیا کہنا چاہتی ہو؟" وہ سنجیدہ ہو رہے تھے۔ بے وقت لڑکی کے بات بے وقت کی۔

"کہنے کو تو بہت کچھ ہے خان۔ مگر کہنے کی اہمیت نہیں ہے"۔

وہ خود فراموشی کے عمل میں تھی۔ وقت سے دم سے گھر میں کی ہوئی حق کے قصے دہرا رہی تھی کہ تیمور علی خان کے تیور

یاور علی خان سمجھے سمجھے قدموں سے باہر نکل گئے۔

وہ بے حس سے انداز میں دوبارہ کہنے لگی۔

"بھئی وہ کیا نام ہے تمہارا۔ ہاں سلیم۔ اور کھولا دن سے فون آنے والا ہے۔ کوئی فون پر بات کرے تو زبان بڑی نہ رکھنا۔ بہت مشکل ہو جاتی ہے"۔

"تم بھی ہو ناں یہاں پر؟" وہ جانے جا چکے تھے۔

"جی"۔۔۔ وہ ان کے بغیر گویا ہوئی۔

"او کے۔ فون پر کوئی خاتون ہو گی۔ وہ مجھے بلائیں گی۔ سمجھ گئی ہو ناں؟" وہ پھر اسی جلالت بھرے انداز میں گویا ہوئے۔

"جی"۔

تیمور علی خان تیزی سے باہر نکل گئے۔

"ہونہہ۔۔۔ خاتون۔۔۔ جانتی ہوں۔ کون خاتون ہوں گی۔ کاش تم سے پوچھ سکوں تیمور علی خان۔ کیسی لگی ہے اب؟ کیوں پگھل رہے ہو ہمارے مارے۔ سارے سکھ چین لندن میں گروی رکھ کر آئے ہو۔ قرض بہت ہے دوسرے لیکن از بار دل تو سب کا ایک جیسا ہوتا ہے۔ تیمور علی خان تمہارے بھی دل پر نہ لگائی تو تم نہیں۔ اس کی آگ میں آگ رہے گی تم بھی"۔

"تم کچھ نہیں کر سکتے مگر کسی کو اس کے حال پر تو چھوڑ سکتے ہو"۔

وہ سر جھکائے ٹہل ٹہلتی رہی۔ سوچتی رہی۔ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ اسے اس کی خبر نہ ہو سکی۔

فون کی بیل ہوئی تو چونک پڑی۔ اور تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔

دوسری طرف کسی مرد کی آواز تھی۔

"آصف حسین خان اسپیکنگ۔ تیمور ہیں؟ لندن سے کال ہے"۔

"بلاتی ہوں"۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ یہ تو کوئی آدمی ہے۔ خان تو کہہ رہے تھے کسی عورت کا فون آئے گا۔ وہ الجھی ہوئی تیمور علی خان کو بلانے چل پڑی۔

وہ بھی شاید انتظار کی کوفت سے بے زار ہو کر خود ہی آ رہے تھے۔ راہداری میں ہی مل گئے۔

"فون آ گیا ہے خان!" وہ بات بیچ میں بولی۔ "مگر کسی آدمی کا ہے"۔

"اچھا۔۔۔ آصف ہو گا"۔ وہ جیسے خود سے کہتے تھے۔ دل کو اطمینان ہوا تھا۔

وہ بھی پیچھے پیچھے چلی آئی۔

تیمور علی خان نے ہاتھ گاؤ میں رکھا تھا۔

"ہوں۔ ہیلو۔ ہاں۔ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ بات کرو۔ سن رہا ہوں"۔

پھر وہ اس کی جانب پلٹے۔

"وہ کیا ہے کہ قیوم بیچارا"۔

"کوئی بات نہیں خان۔ تیمور چاہے آپ اپنی اگر بیوی سے بات کر لیں۔ مگر ذکر نہ کریں۔ مجھے اگر بتانی ہوئی تو بتا دیں گے"۔

وہ شکوہ انداز میں شکوہ کر رہی تھی۔ یاور علی اور آصفہ کی بے اعتنائی سے کافی دل برداشتہ تھی۔ اس نے تیمور علی خان کے تاثرات دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی اور اسے سر سے ٹال دینے لگی۔

"تیمور علی خان بہت آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے اور دوسری طرف شاید بات کچھ میں نہیں آ رہی تھی اس لئے خان کو بات دہرانا پڑ رہی تھی"۔

تین چار منٹ بعد انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا کہہ رہی تھیں تم"۔ اسے پشت سے ان کی غصیلی آواز سنائی دی۔

"کب؟" وہ چونک کر پلٹی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے۔ تم کیا کہہ رہی تھیں آپ"۔ وہ چبا چبا کر کہہ رہے تھے گویا یوں کہہ رہے ہوں کہ کیا کہہ ڈالی تھی آپ نے"۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں خان۔ آپ تو ہر بات جانتے ہیں۔ بھلا اور کیا بتاتی"۔ وہ کاٹ دار انداز تھا۔

"آپ سے تو بھروسہ رکھنا ہی فضول ہے۔ میں کہتا ہوں"۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"اس طرح کی باتوں کی تصدیق کی اہمیت کیا ہوتی"۔ وہ بے حد دل شکستہ تھے۔

"آج بھی کہتی ہوں خان۔ مجھے چاہے اماں کی دوا نہ لا کر دیں۔ اگر آپ انہیں بتا دیں تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔ تھوڑا سا پریشان ہو کر رو لیں گی پھر انہیں صبر آ جائے گا"۔ وہ بے حد پرسکون تھی۔

"کس نے دی ہے تمہیں یہ اطلاع؟" آگ جھلسے سے ان کی مٹھیاں بھنچ جاتی تھیں۔

"تم بھلا ان لوگوں کہاں کوئی کسی کو خبر دیتے ہیں"۔ اس نے دھماکا اگلی میں پھینکتے ہوئے بہت سکون سے جواب دیا۔

"اور اسی بہت آرام سے یہاں اپنا ٹھکانہ کھونے پر تل گئی ہو؟" وہ بمشکل طوفان کو روک رہے تھے۔

"مجھے پتا ہے۔ آپ کو غصہ ہے کہ مجھے اتنی اہم خبر کیسے نہ ملی۔ بھول رہے ہیں آپ کی رازداریاں۔ مگر جب وہ اپنے منہ سے بتا چکی ہیں تو مجھے کیسے نہ ملتی۔ کس اطلاع کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ آپ ان پڑھ تھوڑی ہیں"۔

"بکواس"۔ وہ ضبط کی حد سے گزر رہے تھے۔

"ہاں بکواس ہی سہی۔ ہوتے ہوتے اس نے کہا تھا کہ آپ کے ساتھ" کی سیاہ چادر اس کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بہت تروتازہ محسوس ہو رہا تھا۔ ہولے سے مسکرائی تھیں۔

"آپ پاگل ہو گئی ہیں۔ بچوں کی بات سے بھلا کون بچتا ہے۔" وہ اس سے پہلے باہر نکل گئے۔

وہ بادی کو بہت خوبصورت لوری سناتے اسے تھپکتے رہی تھی۔ دن بھر کے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے یکے بعد دیگرے گزر رہے تھے۔ اس کے بچے پر بڑا سکون تھا۔ اسی دم دروازے پر دستک ہوئی اور وہ اپنے احساسات سے چونک پڑی۔

"گروٹ سے کروٹ لے کر وہ اسے ہی دیکھے گی۔ گہرے سبز کپڑوں میں ملبوس نازنین اندر داخل ہو رہی تھی۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"آپ۔۔۔ مجھے بلوا لیا ہوتا۔" وہ گہری نظروں سے نازنین کا چہرہ دیکھتے ہوئے بہت احترام سے کہہ رہی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔ آج کل تو تم ہم سب پر حکومت کر رہی ہو۔" نازنین ہلکی اور بہت ظریفانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"تعریف آپ کی وجاہت کی ہے۔" وہ پھر بڑے احترام سے اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"تعریف کہاں۔۔۔ بھئی اس تیمارداری کا سہرا تو آپ کے سر ہی جاتا ہے جو تم میں آگئی ہے۔" وہ بہت محظوظ ہو رہی تھی۔

"کیوں ہراساں ہیں؟ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔" وہ بڑے بھولپن سے پوچھ رہی تھی۔

"غلطی تو ہم حویلی والوں کی ہے کہ ایک تم ظرف پر اپنا خلوص لٹا رہے ہیں۔ انسان شناسی سے محروم ہو کر ہم اصل کی بجائے نقل کو گلے لگاتے ہیں۔ بنا رنگ و بو کا پھول۔ کبھی کبھی ہمیں لے پالک کی بڑی بہت واضح ہو گئی۔" نازنین کی بڑی بہت واضح ہو گئی۔

"آپ مجھے گالی نہ دیں۔ ملاح کی تھا میرے باپ۔ نہ میری ماں سے اور میرے نانا نے میری مائی سے۔"

"ملاح گانو کی طرح ہوتا ہے۔ کہ اندھیرے میں چھپ کر ہوں تو ملاح نہیں ہوتے دل کا بہاؤ روک لیتے ہیں۔"

ملاح وہی ہوتا ہے جس کی گرفت وہ دریا تک پہنچنے۔ نہ لیتی بھرتی ہو حویلی میں۔ حویلی والوں کو اپنی میں لانے کی کوشش کرتی ہو۔ کیا سمجھتی ہیں ایسی حرکتوں سے؟" نازنین بھپنے پھٹ ہی پڑی۔

"بروقت سودے بازی نہیں ہوتی۔" وہ طنزیہ مسکرائی۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ مجھ سے کیا حرکت ہو گئی ہے۔ آپ کیوں مجھ سے خفا ہو رہی ہیں؟"

"خفا۔۔۔ کیوں۔ بدتمیزی کی تم نے حویلی سے۔ اس محسن سے جس نے تم پر احسان کی انتہا کر دی۔" وہ بہ مروت کھلی ترش سے۔" نازنین کا لہجہ واقعی بہت اپنا سا محسوس ہوا تھا۔

"میں غلام ہوں حویلی والوں۔ میری کیا مجال؟" وہ پھر بڑے بھولپن سے گویا ہوئی۔

"ہاں تو پیچھا لو اپنی ہوا سے۔ کہ یہ ہاتھوں کے دیئے ہوا سے بہتر کرتے ہیں۔ سرداروں کی ادا تمہاری آنکھ میں ہوئی تو بہت ہی اچھا ہو۔ تم تو کسی سردار کی ماں بن کر ہمیں گلے سے لگا لیتی۔"

"آپ کیا ہماری ماں بننے جا رہی ہیں کیا؟" وہ بڑے اطمینان سے سوال کر رہی تھی۔

"زیادہ انجان بننے کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف یہ جاننے کی ہے کہ تم نے تجھ سے بدتمیزی کہاں کی؟" نازنین نے اپنی بکھری ہوئی سانسیں سمیٹیں۔ "تم نے ہوا سے سوال جواب کرنے والی؟"

صغریٰ ہونٹ بھینچے رہ گئی۔

"انہوں نے شادی کی ہے تم سے بات نہیں کی۔ یہ بات ہے کہ انہوں نے بھی اس طرح کی شادی کی جس طرح کی میرے ماں باپ نے کی تھی اور آپ تو ایسی شادیوں کو مانتی ہی نہیں ہیں۔" وہ بہت آرام سے گھریاں چبا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے انہوں نے شادی کی۔ تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔ تم نے کس حیثیت سے ان سے کیا بات کی۔ تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ تمہیں تمہارے اصل مقام پر رکھا جائے۔ یہ پھر تمہارے حوالے کر دیں۔ ہم خود پال لیں گے۔"

نازنین نے آگے بڑھ کر بادی کو اٹھانا چاہا۔

"نہیں کیجئے ہاں۔۔۔ آپ کو مان نے اس کام کیلئے بھیجا ہے۔ طے ہو گئی۔ آخر میں نے کیا کیا ہے؟ صرف ان کی شادی کو پسند کیا۔ جائے گا اور گنا بھی جائے۔ شادی کوئی بری بات تو نہیں ہے۔"

وہ نازنین کے غصے کی پروا کئے بغیر بہت سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"یہ جادو ہے۔ تمہیں بتلان ہونے کی ضرورت نہیں۔" نازنین جھلے بن پڑی۔

"اچھا لاؤ۔ بادی کو مجھے دو۔ تمہارے پاس چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں۔" نازنین نے بادی کو اٹھانے کی کوشش کی۔

"آپ اسے نہیں لے جا سکتیں چھوٹی ماں۔ خان سے کہہ دیجئے۔ بچہ میرے حوالے ہے۔ وہ بہت دوست ہے اور خوب خوب ہے۔ اس لاڈ سے میرے حق سے یاد دلائیں۔" اس نے بادی کو گود میں بھر لیا۔

"یہ ان کا حکم ہے۔" نازنین چیخ پڑی۔

"میں ان کی نوکر نہیں ہوں۔ عبدالعلی کی بیوی ہوں۔ وہ خود ہی تو کہتے ہیں۔" وہ کوری سے کہہ رہی تھی۔

"محترم دوسری جگہ شادی کی حامی بھر چکی ہو۔ اب تمہارا حق کی چیزوں پر اس کی اولاد پر کوئی حق نہیں ہے سمجھیں۔" نازنین چڑ گئی۔ اس سے یہ گستاخی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"کہاں سے کیا؟" وہ خوفزدہ انداز میں مسکرائی۔

"کیا؟" نازنین کچھ نہ سمجھیں۔

"بلکہ کہ میں اس سے کچھ سے شادی کی حامی بھر چکی ہوں۔" صغریٰ کا انداز خون کھولا دینے والا تھا۔

"تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ حویلی سے تمہاری چھٹی بھی ہو سکتی ہے۔" نازنین نے دھمکی دی۔

"کہاں بھیجیں گی۔ جلی بھنی ہوں میں بچے کو دے کر۔" وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

"بچہ کہ بچہ وہ کہاں ہے۔ یہ تمہارا نہیں ہے۔ تجھ تو [illegible] ہو گا وہ جیسے

www.Paksociety.com

"..."

ہارون نے غصہ سے اسے دیکھا۔

"مجھے مت ڈرایئے۔ اب مجھے کسی بات سے ڈر نہیں لگتا"۔ وہ بے خوفی سے بولی۔

"ٹھیک ہے میں بتاتی ہوں تمہیں۔ وہ لوگ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں"۔

"آپ اتنی ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔ مجھے تو ان کی شادی کی بات کرنے سے پتا چلا ہے۔ میں نے تو کچھ نہیں کیا اگر پتا ہوتا تو منع کر سکتی تھی"۔

وہ جان چھڑانے والے انداز میں گویا ہوئی تھی۔ ہارون سلگ کر رہ گیا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ لائبریری سے باہر چلی گئی۔

مطربہ ہارون کو کاریڈور سے نکلتے دیکھ کر لائبریری سے باہر آئی اور اماں جی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ بہت دیر اماں جی کے کمرے میں بیٹھنے کے بعد واپس اپنے کمرے میں آئی تھی اس کا خیال تھا تیمور علی خان اس کی جاسوسی کرنے جلد ہی آ جائے گا لیکن خاصا وقت گزرنے کے بعد اب محسوس ہوا کہ وہ نہیں آئے گا تو اطمینان سے لائبریری میں آ گئی تھی۔

اسی وہ پاور ہاؤس کمرے میں چلی آئی۔

"تیمور خان تم لوگوں کو بلا رہا ہے"۔

"کہاں ہیں؟" اس کا دل دھڑک اٹھا۔

"اپنے کمرے میں"۔ وہ روبوٹ کی طرح پیغام دے کر باہر نکل گئی۔

مطربہ نے ہاری پر ایک نگاہ ڈالی اور جاوید اٹھا کر تیزی سے مڑ گئی۔ تیمور علی خان کے کمرے میں چلی آئی۔

"علی خان"۔ اس نے دستک دے کر ان کی اجازت کا انتظار بھی نہیں کیا تھا اور نہ ہی اندر آ گئی تھی۔

"سنو۔۔۔ کیا نام ہے تمہارا۔ ہم تمہیں سزا دے رہے ہیں۔ اب تم جا سکتی ہو۔ ہو گی۔ تیاری کر لو۔ صبح تمہیں ادارے چھوڑ آئے گا۔ اور پھر دس تک ہم تمہارا انتظار نہ کریں۔ تم واپس نہیں آؤ گی"۔

"میں۔۔۔ میں خان؟" وہ ایک لمحے کو بدحواس ہو گئی۔

"ہاں صرف تم۔۔۔ ہاری نہیں جائے گا۔ وہ یہیں رہے گا"۔ وہ حتمی انداز میں گویا ہوئے۔

"مگر وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا"۔ وہ بھی فیصلہ کن انداز میں گویا ہوئی۔

"اب وہ اپنی ماں کے بغیر رہ سکتا ہے تو تمہارے بغیر بھی رہ سکتا ہے۔ اب ہم تمہارے کوئی عذر یا بہانے نہیں سننا چاہتے۔ تم جا سکتی ہو"۔

وہ سخت ناراض لہجے میں جھلا رہے تھے۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ اب مجھے یہاں سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ایک قدم بھی کسی نے اٹھایا تو"۔

وہ بے خوفی سے گویا ہوئی۔

"میں کوئی اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم نے وہ صاف بتا دیا ہے۔ یہ تم جانو اور تمہارا کام۔ ہاں اگر تم ہار مان جاؤ تو"۔ وہ مشکل اپنے سامنے رکھ رہے تھے۔

"ہاں نے مجھے صاف کہا ہے آپ یہ پوچھیں ان سے"۔ وہ فراڈ انداز میں ہاتھ جھاڑ رہی تھی۔

"یہ سچ کہا ہے"۔ لمحے کی تاخیر کئے بغیر کہہ دیا۔

"یہی کہ میں حویلی سے کہیں نہیں جاؤں گی۔ آپ یہ پوچھیں ان سے"۔

"یہ ہو نہیں سکتا"۔ وہ مشتعل ہو گئے۔

"آ۔۔۔ ہو سکتا ہے"۔

وہ بجلی کی سے تیزی کے ساتھ ان کی طرف بڑھے اور بائیں انداز میں ان کے پیچھے چل پڑی۔

تیمور علی خان اس سے کہیں پہلے یاور علی خان کی طرف لپکے تھے۔ وہ ان سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔

"وہ۔۔۔ وہ ہاری نے کہا تھا"۔

"وہ بھاگ گیا ہے؟" تیمور کا انداز زائل ہوا تھا۔

"ہاں۔۔۔ چلا گیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے خبر سے پہلے کہیں پھر مطربہ کو دیکھا۔

"بھاگ گیا ہے۔ اس نے ایک خط لکھا ہے"۔ انہوں نے مضطربانہ انداز میں مٹھیاں بھینچ لیں۔

"کوئی بات نہیں۔ آخر وہ مگر ہے یہاں کیا کر سکتی ہے؟"

ناز نگاہ نے ہاری کی نظر اس پر ڈالی۔ اور وہ اسے کے ایک طرف ہو گئی۔ وہ علی خان آوازوں کے سب سے قریب ہو چکے تھے۔ تیمور کو سامنے پا کر چونک سے گئے۔ ہونٹوں کا پیراگی غیر معمولی طور پر کانپ رہا تھا۔ مطربہ نے ہاری کی انگلی پکڑ لی۔ وہ بھی اس کے ساتھ چلتے ہوئے رکا۔

"تیمور۔۔۔" انہوں نے بھی ہوئی آواز سے صدا کی اور پھر اپنے کی کوشش کی۔

"تمہارے پاس نہیں ہے۔ کس طاب کو دل کیا طالبان نے حویلی بھیج"۔ وہ وہی سے گویا ہوئے۔

"کیا ہو گیا؟" وہ پھر بولے۔

"ہمارے سر پر بیٹھا ہے تیمور حویلی میں پراسرار کی اسے کر رہی ہے۔ اپنے ساتھ ہوں لگی ہے۔ تمہارے آپ نے اچھی طرح کیا ہے کہ یہ حویلی سے باہر نہیں جا سکتی"۔

"ٹھیک ہے خان"۔ وہ علی خان سے مخاطب ہوئی تھی اور پھر ہاری سے گویا ہوئی۔

www.Paksociety.com

"جی ہاں۔ مجھے بھی ان کی گفتگو بہت اچھی لگی۔ وہ بہت سادہ دل انسان ہیں۔" ناہید نے کہا۔

"آپ نے خلاص کر ہم لے لیا ہی"۔ انہیں یاور علی خان کا بات کرنا بہت اچھا لگا تھا۔

"جی ہاں۔ اس لئے کہ مخلص ہیں۔ اچھے انسان ہیں"۔ ناہید کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"یاور بھائی پلیز۔ آپ بہت سادہ دل انسان ہیں۔ آپ کو پتا نہیں کہ"۔

"مجھے پتا ہے کہ بہت اچھی ہوں۔ بتانے کی ضرورت نہیں"۔ یاور علی خان نے خفگی لہجے میں کہا۔

"پلیز یاور! آپ غصے کی بات نہیں تو سمجھ"۔ ناہید کو یوں لگا کہ یاور علی نے بھائی کی بجائے پورا نام لیا ہے۔

"ناہید۔ آپ کی ہر بات پر میری رائے ایک ہے۔ ایک بے ہیئت سی لڑکی کیا تخلیق کر رہی ہے آپ کو اس سے ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے کیا تخلیق ہے کسی کو؟"

ان کا انداز تحکم بہت چبھتا ہوا تھا۔

"آپ فرصت نکالیں تو ہم بتائیں کہ مصنفہ کیا ہے"۔ ناہید نے برا مان کر کہا۔

"مجھے یہ بات واقعی فرصت نہیں ہے۔ بس سے میری درخواست یا سفارش سمجھ لیا جائے کہ اسے کہیں دکھانے جانے"۔

"یاور بھائی۔ اس نے ہماری عمر بھائیوں کا مطلب بہت غلط لے لیا ہے اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو"۔

"تم نے تو اسے احتیاط سے کہنا چاہا تھا تاکہ تمہاری محنت رائیگاں نہ ہو مگر بے چاری کی قسمت ہی کھوٹی ہے"۔

"انہوں نے بہت اہم بات کہی ہے"۔ یاور علی خان کی بات کاٹ دی۔

"آپ کو اندازہ نہیں ہے یاور بھائی"۔

"اوہ اچھا۔ غریب ہو وہ پلیز"۔ یاور علی خان بھڑک اٹھے۔

"آپ بھی اس لڑکی کے بارے میں اسٹیٹ نہیں رکھیے۔ یہیں تجربہ ہے آپ ہماری بات سنیے کے بعد مراد کی بات کا اعتبار ہے"۔ ناہید علی خان کے غصے سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوئی تھی۔

"بات یہ نہیں ہے۔ مسئلہ کی بات ہے۔ کہاں تو اس پر اتنی سرمایہ کاری ہو گئی۔ کہاں یہ سلوک کہ کیوں اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔ یہ کہیں بھی ہے یہ طریقہ ہوتا ہے"۔ یاور علی خان کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"پہلے آپ تو میری بات سن لیں"۔ ناہید نے کچھ کہنا چاہا۔

"آپ سے نہیں سنیں گے۔ ایک ہی بات ہے۔ تو وہاں اور ایک ہندی پن تھا۔"

"یہ وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں"۔ ناہید نے احتجاج کیا۔

"اور پھر بھی اتنے بے وقوف نہیں ہیں جتنا آپ لوگ سمجھ رہے ہیں"۔ یاور علی خان نے ایک کتاب اٹھا کر پڑھنی شروع کر دی اور کرتے ہوئے انگلی کھڑی کر کے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ کیا ہوتا ہے آپ کو۔ پہلے تو کبھی آپ نے ایسے نہیں کی"۔ ناہید کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"ضروری نہیں ہوتا۔ ہر چیز پہلے جیسی ہو۔ یہ بدلتی رہتی ہے۔ یہ بدلتی رہتی ہے کہ ہم لوگ یا اپنے حالات

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ آپ نے خود ہی اندازہ لگا لیا ہے۔ وقت گزر گیا ہے۔ چلیں اب کھانا کھا لیتے ہیں۔ بہت بھوک لگ رہی ہے"۔ ناہید نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"چلیں۔ کھانا کھا لیتے ہیں"۔ یاور علی خان نے ناہید کی بات کاٹ کر بے زاری سے کہا۔

"میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کہاں جا رہی تھیں؟" ناہید کہاں جا رہی تھی۔

"جی ہاں۔ میں آپ کو بتانا چاہتی تھی۔ میں کہیں نہیں جا رہی تھی"۔

"پھر یہ کیا ہے؟ یہ بیگ کیا ہے؟" یاور علی خان نے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ بیگ۔ یہ بیگ میں نے آپ کے لئے تیار کیا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ آپ کے جانے سے پہلے آپ کو دے دوں گی"۔

"اوہ۔ اچھا۔ تو یہ بات ہے۔ آپ نے اپنے لئے تیار کیا ہے"۔ یاور علی خان کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"آپ کو اچھا لگے گا۔ میں نے بہت محنت سے تیار کیا ہے"۔

"اوہ۔ اچھا۔ اچھا۔ ٹھیک ہے۔ میں دیکھ لیتا ہوں"۔ یاور علی خان نے بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"یاور بھائی۔ آپ اس طرح ہماری انسلٹ نہیں کر سکتے"۔ ناہید کی آواز بھرا گئی۔

"یاور بھائی۔ یہ شرٹ مجھ سے پہلی بھیجی ہے"۔ ناہید نے آنسو روکنے کی کوشش کی۔

"مجھ کو بھی معلوم ہے۔ پہلے کے تو میں نہیں تھی تو پہلے اس پر محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" یاور علی خان کی پیشانی پر بل نمودار ہو گئے۔

"دیکھیں یاور بھائی آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ بھائی کا خیال کیجیے"۔ محمود علی خان جذبے کے مرحلوں سے گزر رہے تھے۔

"آپ کا خیال رکھنے کا ہی یہ نتیجہ ہے۔ ہونا چاہیے۔ ہونا چاہیے"۔

"یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو"۔ ناہید نے کہا۔

"آج کل۔ آج کل ہوا ہے۔ اس سے پہلے آپ کی آنکھ کبھی بھی نہیں کھلی"۔

"مراد نے کہا تھا کہ آپ کو اچھا لگے گا۔ ہم نے صبح سے بہت محنت کی ہے"۔

محمود علی خان واقعی سنجیدہ ہو گئے۔

"مراد کی وجہ سے ہی آپ کو اتنی اہمیت دی جا رہی ہے۔ ورنہ آپ کی کیا حیثیت ہے۔ جب کسی کے پاس کچھ نہیں ہوتا نا۔ تو ایسے ہی ہوتا ہے۔ ہم اس گھر کے مالک ہیں۔ یاور علی خان نے بہت غصے سے کہا۔

ناہید نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ"۔ ناہید نے بے یقینی سے کہا۔

"جو کہہ رہا ہوں۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ہم نے کہا نا۔ ہم اس گھر کے مالک ہیں۔ یاور علی خان نے اپنی بات دہرائی۔

"یاور بھائی۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ ایسے نہیں تھے"۔ ناہید کی آواز بھرا گئی۔

"ہاں۔ ہاں۔ ہم ایسے نہیں تھے۔ ہم ایسے نہیں تھے۔ ہم ایسے نہیں تھے

ہاشم علی خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کمرے میں گہری گھمبیر سی خاموشی چھا گئی۔

بھائی۔۔۔ بی اماں اسے کچھ اپنی طرف متوجہ کرنے۔ بی تو بولا ہے اس کا دل پر جو اب چھلک رہی۔" بیگم ہاشم علی خان نے استہزائی نظروں سے کہا۔

مطربہ نے ان کو بولنے کی زحمت نہیں دی اور جھجکی سے اٹھتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ذکا اٹھاؤ تیمور علی خان ۔۔۔ انسان کو دکھ بھی اٹھانے چاہیں۔ کوئی بوجھ نہیں" کمرے سے باہر نکلتی ہوئی زرنین کی آواز سنائی دی۔ جیسے اس کا دل تو ان کا بوجھ اٹھا رہا ہو۔

"بھوکے اور بھکشے میں کیا فرق ہوتا ہے بھابی۔ وہ بھی پوچھ لیا ہے"۔

وہ بے خود انداز میں ہوتی ہوئی اپنے کھانے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"بچہ سمجھ سکتے ہیں؟ اسے تو میں تمہاری طرف کا جرمانہ سمجھتی ہوں۔ میرے دکھوں کا حساب ہوگا اس کے ذمے"۔

زرنین تیمور کے پیچھے پیچھے نکل آئی تھی۔

"تیمور کیا ہو گیا ہے انہیں؟" وہ روہانسی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"کچھ نہیں بھابی! ہم سب نے زبردست دھوکا کھایا ہے"۔ وہ درحقیقت بہت پریشان تھے۔

"کیسا دھوکا؟" وہ حیران ہوئی۔

"یہ لڑکی بہت ہوشیار نکلی ہے سب سے۔ بہت انویسٹ کچھ رہے تھے"۔ وہ فکرمندی سے گویا ہوئے۔

"یاور اس کو اتنا سپورٹ کیوں کر رہے ہیں؟ وہ تو اس سے بات بھی نہیں کرتے تھے"۔ وہ عجیب سے اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔

"پریشان نہ ہوں۔ ہینڈل کر لیں گے"۔ وہ جیسے اس کے دل کی بات سمجھ رہے تھے۔

"کس قدر توہین کی ہے انہوں نے میری بھی اور تمہاری بھی۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ ایسے کیوں ہو رہے ہیں۔ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"تیمور۔۔۔ کچھ یہ جنس بھی تو بہت ہے"۔ زرنین اندیشوں سے دوچار ہو رہی تھی۔

"بھابی! کیا سوچنے لگی ہیں آپ؟ بھابی ایسے نہیں ہیں ہمارے مینٹر"۔ وہ جیسے اس کی دل جوئی کر رہے تھے۔

"اماں جی کا اندازہ غلط ہے تیمور۔ یہ شادی یاور کی بھی رضامندی سے نہیں ہے۔ مجھ سے اس نے غور کیا۔ کیا مطلب ہوا اس کا؟" وہ بکھر کر گویا چیخ اٹھی تھی۔

"کچھ مطلب نہیں ہے۔ بھابی۔ ہم یاور بھائی کو جانتے ہیں۔ وہ اس طرح کی کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔ آپ دم جاں گسل کو اور ان پڑھ لڑکی۔ یاور بھائی اس طرح کی کوئی بھی حرکت کر ہی نہیں سکتے۔ یہ ان کے حسن سے کیا ہوتا ہے؟" وہ سمجھانے کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"مگر یہ انہیں مجھے کہنا تو لازم تھا۔ کیوں نہیں کہا؟ کیا ضرورت تھی اس طرح کا ڈرامہ کھیلنے کی؟" اس کا دل پریشان تھا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم بات کریں گے۔ اب اس کی حرکتیں ہمارے سامنے ہیں تو بہت کچھ صاف ہو گیا"۔

"میرا تو سر پھٹ جائے گا۔ یاور نے کبھی اس طرح نہیں کیا"۔ وہ رو دی۔

"یہ چل جائے گا۔ بھابی کیوں کر رہے ہیں"۔

"آپ ریلیکس کریں۔ پہلی فرصت میں اپنی شادی اکسپلین کر دیں اس طرح اس کی وائلڈ میتھڈ سے نجات ہو جائے گی۔ ہم دیکھ لیں گے"۔ وہ بھابی کو تسلی دینے کے انداز میں گویا ہوئے۔

"ہماری شادی کا اس سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ مگر پھر بھی یہ بھی کر لیتے ہیں۔ کچھ دن بعد کی۔ آج کی شام"۔ انہوں نے گویا زرنین سے اتفاق کرایا۔

"ہمیں بس اماں جی کا خیال تھا۔ باقی تو آسانی سے ہینڈل کیا جا سکتا ہے"۔ وہ سوچتے ہوئے بولے۔

"آخر ایک دن تو اماں جی کو سچ بتانا ہی ہے۔ میں دھوکہ کروں۔ میں اور یاور کا یہ کھیل برداشت نہیں کر سکتی"۔ وہ باغی ہو گئی۔

"بھابی! ریلیکس ہو جائیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ وہ تسلی دے رہے تھے۔

"آمین۔ اللہ کرے"۔ وہ بے ساختہ بولی۔

"اچھا اب آپ اپنے کمرے میں جائیں۔ اور فریش ہونے کی ٹرائی کریں"۔ انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے یاور سے۔ پھر کوئی بات نہ ہو جائے"۔ وہ اتنی خوفزدہ تھی۔

"اوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ کچھ نہیں ہوگا۔ آپ فکر نہ کریں۔ کوئی مسئلہ ہو تو ہم حاضر ہیں۔ آپ اکیلی تو نہیں ہیں"۔ وہ اس میں حوصلہ پیدا کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔

زرنین نے چند لمحے سوچا پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے میں داخل ہوئی تو ہاشم علی خان سوئی ہوئی سات میں اٹھائی دیئے۔ اس نے حکم کا گہرا سانس لیا۔

اماں جی بہت فکرمند سی یاسمین کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

یاسمین باپ کے پہلو میں اخبار کھولے بیٹھے تھے۔ ہاشم علی خان اپنی چھڑی سے ٹانگیں رگڑ رہے تھے۔

"کل آنجو تو ہے۔ اتنی جلدی کیوں بلایا؟" وہ ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"اس بھروسی کا کام ہے کہا ہے آپ نے"۔

وہ دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ پیشانی پر شکنوں کا جال بن گیا تھا۔ ایک دکھ کا سا تاثر چہرے۔۔۔ واضح تھا۔

"کل کیسے"۔ وہ سمجھ کے ان کا اول اور دوسرے پڑھ سکتے تھے۔

www.Paksociety.com

"آپ نے چھوٹی دلہن کو یاد کیسے کیا تھا۔ کیا بات ہوئی تھی آپ کو؟"

وہ کچھ سوچتے ہوئے لگا رہے تھے۔

"جی ۔۔۔ کیا مطلب؟ یہ کیا سوال ہوا۔ ساری دنیا ہی ماں کی بیٹیاں پسند کرتی ہیں۔ میں نے کون سا انوکھا کام کیا تھا؟"

وہ بہت ہی حیرت سے شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔

"بھئی آپ ان کے حسن و جمال سے متاثر ہوئی ہوں گی"۔ وہ جیسے فوری کسی نتیجے پر پہنچ گئے۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ حسن و جمال (جھوں ماروں) کیا کم ہے؟ صرف حسن دیکھ کر اتنے بڑے فیصلے نہیں ہوتے۔ ماں باپ بھی پڑھی ہوئی ہے اور خاندان بہت اچھا ہے۔ وہ نسلوں سے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ ان کی ماں بہت شیریں گفتار ہے۔ بولنے سے پہلے وہ ہمارے ہاں آ کر رہیں۔ آپ سے بھی بات چیت رہی۔ اب کہہ تو ان سے آپ کی بہن رہی ہوں گی۔ آپ نے نہیں دیکھا کتنی مہذب اور طریقے کی عورت ہیں۔ اور شادی کے اتنے دنوں بعد بھائیوں سے ملنے جلنے کی جو عادت ہوتی ہے وہ بھی ان میں نہیں ہے۔ یہ آپ کو کیا سوجھی؟" ان کی حیرت سوا تھی۔

"خاندان تو خیر بہت اچھا ہے یہ تو ہم بھی جانتے ہیں"۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"یہ بتائیے۔ کیا وہ معزہ کو پسند نہیں کرتیں؟" انہوں نے بالکل ہی مختلف سوال کر دیا۔

اماں جی ہکا بکا ان کی صورت دیکھنے لگیں۔ "کیا مطلب؟ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ معزہ تو ان سے بہت محبت کرتی ہے۔ ان کے کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ دلہن کے بال بال موتی پرو دے"۔ انہوں نے وضاحت کی۔

"پتا نہیں آپ کون سی دنیا میں رہتی ہیں؟ اتنی محبت ہے۔ جب ہی اس کا وجود حویلی میں برداشت نہیں"۔ وہ خفا سے بیزار نظر آئے۔

"ہیں؟" وہ پھر دھک سے رہ گئیں۔ "نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوگی ہے"۔ انہوں نے اپنی اور بیٹے اور شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور بھلا معزہ سے کسی کو کیا بیر۔ دشمنی میں دے تیرہ نہیں۔ صفر ہوگی"۔ انہوں نے پریشانی سے ہاتھ مارا۔

"ہوا کیا ہے؟ کبھی آپ چھوٹی دلہن کی بات کرتے ہیں۔ کبھی دلہن لوگ۔ سیدھی سیدھی بات تو کھل کے"۔ وہ پریشانی پھیپھیا رہی تھیں۔

"بھول آپ کے وہ چھوٹی بہن سے بہت محبت کرتی ہے۔ پھر چھوٹی دلہن اس کی دشمن کیوں ہوں گی بھلا"۔ بابا صاحب نے وضاحت کی۔

"کیا دشمنی ہوگی ہے۔ کل دوپہر تو وہ دونوں بالوں میں تیل ڈال رہی تھی۔ دونوں ابھی ہنستی باتیں کر رہی تھیں"۔ وہ اماں جی کا خیر سے دماغ ہی خراب کر رہی تھیں۔

"کل دوپہر کی نہیں کافی دن پہلے کی بات ہوگی۔ آپ شاید بھول رہی ہوں"۔ اماں جی نے یاد دلایا۔

"صدقے صدقے۔ کہیں سٹھیا تو نہیں گئی ہوں"۔ اماں جی بڑبڑائیں۔

"بھلی مانس کی بات ہے تو وہ سے حویلی سے نکالنے پر اصرار کیوں کر رہی ہیں"۔ انہوں نے بالآخر اصل مدعا سامنے کر دیا۔

"ہیں!" وہ پھر چپ سی رہ گئیں۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کہ نوبت یہاں تک پہنچے۔ کچھ تو ہوا ہے۔ کچھ نہیں۔ صرف خیال ہی نہیں رہیں۔ کچھ اس سے لے بھی رہی ہیں"۔ بابا صاحب نے خوفناک انکشاف کیا۔

"پر تو اس کے مرد کا ہے کوئی کیسے لے سکتا ہے اور بچے سے اسے کیا لینا۔ اس کا اپنا بچہ اس کی گود میں کھیل رہا ہے۔ کسی کے دوسرا بھی دنیا میں آنے والا ہے"۔ ان کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"ہم نے آپ کو اس لئے بلایا تھا کہ آپ سے ضروری معلومات حاصل کریں گے۔ مگر یہاں تو بے خوابی کی بیماری ہے"۔ وہ کسی دھیان میں گم کہہ رہے تھے۔

"بابا بیٹے ۔۔۔ کیا بات ہوگئی ہے۔ تمہارے بابا صاحب تو مجھے الجھا رہے ہیں۔ صحیح حال یوں بھی بہت کمزور ہے"۔ وہ یاور علی خان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"بابا صاحب کو سب علم ہے یہی آپ کو بتائیں گے امی جی۔ صحیح تو اپنا دماغ پیچھے کو ہے"۔ ان کی آواز سے شدید تکلیف کا اظہار تھا۔

"ہیں"۔ اماں جی دہل کر رہ گئیں۔

ان کا دل خوفناک اندیشوں سے سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ یاور علی خان کی نوٹ بک ان کے ایک ایک طبق ہلا گئی تھی۔

"معزہ اور چھوٹی دلہن کی قسمت پر بھی معزہ کو حویلی میں رکھے بیٹھی ہیں۔ ان کا بس چلے تو وہ ابھی اس کا ہاتھ پکڑ کر حویلی سے باہر کر دیں"۔

"ہیں ۔۔۔ اب سمجھ میں آیا کیا بیچ میں"۔ اماں جی نے بابا صاحب کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی بے تابی سے کہا۔

"بھلی بات آپ کو سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ بات کچھ اور ہوگی ہے۔ ان دونوں کو معزہ کا وجود حویلی میں گوارا نہیں ہے۔ یہ واضح بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ وہ بچہ اس سے کیوں لینا چاہ رہے ہیں"۔ بابا صاحب نے وضاحت کی۔

"دوسری بات ۔۔۔ یاور کہہ رہے ہے اب وہ حویلی میں نہیں رہ سکتا"۔ انہوں نے بہت دکھی انداز میں اماں جی کو مطلع کیا۔

اماں جی حیران پریشان داماد علی خان کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ دستیاب اتنا ہی تھا کہ وہ کچھ ہونے کے قابل نہ رہی تھیں۔

"آپ معزہ کو بلاؤ ۔۔۔ اپنے پاس اکیلے میں ۔۔۔ اس سے بات کرو۔ ہم چھوتحقیقت کیا ہے اس لئے کہ ہم نے جو کچھ سنا ہے اس کا یقین نہیں کر پا رہے اور خدا کرے جو سنا ہے وہ غلط ہو"۔

"بیٹے ۔۔۔ دلہن اگر بری پڑھی ہوئی ہے۔ تھوڑی آوارہ قسم کی ہے۔ شہید میں ذرا خفت اور لاپرواہی ہے۔ تم اس کے آگے بھاری پڑ سکتے ہو"۔

www.parsociety.com

دلاور علی خان نے یاور علی خان کے ٹانگے پر بیٹھ کر بہت تفصیل سے بتایا۔

"میں قیامت تک اس طرح کی کسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر بابا صاحب مطہر جیسی بے وقوف اور نادان لڑکی کے اندازہ نہ ہو سکا کہ کیا ہونی بات دہرانے کو تیار ہے۔ اس کا کیا مطلب ہوا؟ وہ بے وقوف بے خبر اتنی نہیں کہ اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ کیا کہہ گئی ہے اور بات غلط ہوتے ہوتے پر آپ کے ہاتھوں اس کا کیا حشر ہو سکتا ہے۔ آپ اس بات پر غور کریں۔" یاور علی خان نے سمجھے سمجھائے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"اسی بات نے مجھے بے حد پریشان کر دیا ہے۔" وہ ہارے ہوئے انداز میں گویا ہوئے۔

"اماں جی!" نہایت سہمے ہوئے انداز میں دونوں کو دیکھ رہی تھیں ان کا اعصاب کسی نہایت بڑے خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ جس کے سبب ان کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔

"اب یہی ہے کہ تمہاری ماں مطہر سے تنہائی میں حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد ہی سوچا جا سکتا ہے کہ آگے کیا کرنا چاہیے۔"

"کیا پوچھنا ہے تنہائی میں ہم سے؟" اماں جی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"یہی کہ وہ بات جو اسے آپ سے کرنا چاہیے تھی اس نے یاور سے کیوں کی؟ کیوں اسے پریشان کیا؟ ہو سکتا ہے وہ بچی اس نے سمجھا ہو صرف اسی کی اتفاقیہ سوچ ہو۔"

طوفان سر پر بپھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا مگر وہ طوفان ٹالنے والے کسی ہمدرد کی ہوتی ہے۔ مجھ والی وہ ہوا لگے ہی نہ تھے۔ اب خان دلاور علی خان مطہر کے سر پر آ گئے تھے۔ انہیں اب صرف مطہر چاہیے تھا۔ ایسے میں غور طلب ہی بڑا مرحلہ ہوتی ہے مطہر کا۔

"کیا بات کی اس نے یاور سے؟" اماں جی کی معصوم آنکھوں سے خوف اور تشویش رسنے لگی۔

حالانکہ وہ بات ہوا ان کے پہنچنے والی تھی اس نوعیت کا خیال تو انہیں بہت گہرائی میں جا کر بھی نہ آ سکتا تھا۔ ان کا ذہن کسی اور ہی سنگین جرم کے جرم کی طرف آ رہا تھا۔

"یہی کہ نازیہ کے ساتھ خوش نہیں ہے اور۔۔۔"

"ارے۔ آسمان پھٹ جائے۔ مجھ پر خوف خدا کریں۔"

ان کی حساسیت تو اتنی پوچھ گچھ نہیں کر رہی تھی کہ ادھوری بات سے انجوائے کرتے پوری کہانی اخذ کر لی۔

"لاحول ولا قوۃ۔ میں عزیٰ نہیں تو بیوہ ہو جاؤں۔۔۔ اے میرے اللہ۔" وہ ایک طرف ڈھے گئیں۔ دونوں باپ بیٹے ان کی طرف تیزی سے بڑھے۔

"یاور اپنی ماں کو سنبھالو۔" دلاور علی خان نے خادم کو بلانے کیلئے گھنٹی بجائی۔

"یہی مطہر تھا یہی۔" وہ کہہ رہے تھے۔

"یاور! تمہاری ماں کا دل بہت کمزور ہے بیٹے۔" وہ کہتے گئے۔

"مجھے یہی بات کا خطرہ تھا۔ بابا صاحب۔ اسی لئے تو آپ سے کہا تھا مجھے تنہائی سے تفصیلی بات کرنے دیں۔" وہ کہتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"مگر اب کیسے کریں۔ تم دونوں ہو ہماری۔ پتہ ہوا کیا اور ہو گیا۔"

وہ اماں جی کے سر پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ یاور علی خان ماں کے قدموں سہلا رہے تھے۔ پھر کچھ دیر بعد وہ باری کمرے میں داخل ہوئی۔

"یاور۔۔۔ باری بی بی کو بلاؤ۔ ذرا ایک گلاس پانی گلوکوز ڈلا کر لائیں۔" دلاور علی خان نے فوراً حکم دے کر سب کو باہر روانہ کیا۔

مطہر سوپ لئے دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی۔ مگر قدم قدم پر ایک دم سن سن کھڑے ہو گئے۔ سامنے ہی تیمور علی خان ماں کے بالکل قریب بیٹھے تھے۔ انہوں نے دروازے کھلتے ہوئے دیکھا پھر مطہر کو اندر آتے ہوئے۔

دروازے تنہائی پر کھلا کر اماں جی کو ہوش دیکھنے لگی کر آیا جاگ۔ ہلی ہیں یا سو رہی ہیں۔ تیمور علی خان نے کوئی رد عمل نہیں دکھایا۔ خاموش بیٹھے ماں کا ہاتھ سہلاتے رہے۔

"اماں جی! آپ جاگ رہی ہیں؟" اس نے براہ راست اماں جی کو مخاطب کیا۔ تیمور علی خان کو مخاطب کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

"کون؟ نازیہ بانو!" اماں جی نے آنکھیں کھول دیں۔

"جی۔۔۔ سوپ بنایا ہے بڑی بیگم نے آپ کیلئے۔" وہ دھیمی آواز میں کہے گئی۔

"لے جاؤ سوپ وپ۔ میری نہیں کرنا کسی چیز کو۔" وہ بیزاری سے گویا ہوئیں۔

"تھوڑا سا لے لیں۔۔۔ آپ نے دوپہر کو کھانا بھی نہیں کھایا۔ عزیٰ کا سوپ ہے۔" وہ حسرت کے انداز میں گویا ہوئی۔

"عزیٰ کا ہو یا اونٹ کا۔ کھڑ پڑاں۔ میرا دل نہیں کر رہا۔ لے جاؤ یہاں سے۔" وہ اسی سابقہ بیزار کن انداز میں گویا ہوئیں۔

"لے لیجئے اماں جی۔۔۔ کمزوری ہو جائے گی۔ پلیز۔" تیمور علی خان نے بہت خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"یہ تو آپ پر پریشانی لے کر آئے ہیں۔ پہلے آپ کیوں پریشان ہیں۔" تیمور علی خان نے محبت سے ماں کا ہاتھ دبایا۔

"کچھ نہیں۔ جاؤ تم بھی اپنا کام کرو۔ میں ٹھیک ہوں۔" انہوں نے بیزاری سے جواب دیا۔

"ایسے کیسے چلے جائیں۔ اتنی دور سے چل کر آئے ہیں کہ آپ کو کیا پریشانی ہے۔ آپ تو بتائیں گی تو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔"

وہ کھلا پاؤں آزمانے والے تھے۔ وہ نا عزیٰ کے کوئی مراعات لیتے تھے۔

"مجھے بتاؤ تو واشگاف نہیں ہوتی کہ وہ تم اس سے آخر اپنی کونسی پریشان کر رہے ہے۔ کیوں ہلکان ہے ہوئے

حویلی سے"۔ وہ جیسے بہت پریشان ہوئی۔

"اماں تو نہیں رہے ہیں سرائے بھیج رہے ہیں۔ پیا گھر نہیں آ رہے مطلب ان کا دل ہے اب آپ کو کیا بتائیں اور کیا نہ بتائیں"۔

"اس کی جگہ کوئی اور انسان ہوتا تو وہ ہمارے لئے لمحہ بھر نہ پاتا۔ ہمیں بھی سکون نہ پانے دیتا اور خود بھی سکون سے نہ رہتا۔ مگر اسے مجبوریاں راس نہیں آئیں۔ ہم تو لندن چلے جائیں گے۔ مگر پھر یہ آپ کیلئے مسئلہ بن جائے گی۔ اماں جی آپ نے بھی اس کے ساتھ کی۔ ہم سب کو بھگتنی پڑ رہی ہے۔ یہ اپنا آپ بھول بیٹھی ہے۔ برا ہی کرے گی ہے۔ ٹھیک ہے ہم اسے لے آئے تھے۔ مگر کبھی اس کو بھی تو سوچنا چاہیے۔ آپ نے اس کی گفتگو نہیں دیکھی۔ اصل دیکھی نہیں ہے"۔

"میرے ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے کیا کہہ رہی ہے کسی کو"۔ اماں جی نے ان کی بات کاٹ دی۔

"کاش ایک کونے میں پڑی رہنے والی ہوتی۔ حویلی کے معاملات میں مداخلت کرنے لگی ہے۔ یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے"۔

☆—☆—☆—☆—☆

تیمور علی خان ماں کی حالت کے پیش نظر اٹھ کر تو آ گئے تھے مگر بہت الجھ گئے تھے۔ پتا نہیں انہیں کیوں لگا تھا کہ ماں یہ وہ کوئی بڑا اقدام تحریک ہے جو سامنے آنے والا ہے۔

وہ پھر سے کل انداز میں ماں کے پاس دوبارہ آ گئے تھے۔ یہاں کیلئے صرف ایک بات اہم تھی کہ ماں بھر نہیں تھی۔

اماں جی آنکھیں موندے لیٹی تھیں وہ خاموش انداز میں ان کے قریب پڑی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔

"مجھے اچھا ایسا نہیں لگتا۔ اللہ کے ہاں تو تقدیریں بھی سر اٹھا کر گزارتی ہیں۔ اور بڑی آہ و کے ساتھ پالی جاتی ہیں"۔ وہ بے اختیار بڑبڑا رہی تھیں۔

"میرے اللہ تو مان رکھنے والے میرا۔ میری عزت رکھ لے"۔ وہ پھر بڑبڑائیں۔

تیمور علی خان بری طرح چونک پڑے۔ جانے کیا کیا ان پر الہام ہونے لگا۔ مگر کبھی پوتے کا دامن پیچھے سے پکڑا ہے؟ نہایت حساس اعصاب ہونے کے باوجود ان کی نگاہوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی۔ دل ڈوبنے لگا۔

وہ اٹھ کر باہر لان میں آ گئے تھے۔ ٹہلنے لگے۔ مگر کیا بات کرتے کہ ماں کی بات کی تردید ہو جائے۔ کیا کہتے کہ کسی طوائف سے نکاح کرنے والا بیٹا دراصل تیمور علی خان ہوتا ہے تو نکاح ہوتے ہیں ہوتا۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.Paksociety.com

"خالی کاغذ کی نصیب سے کیا ہوتا ہے۔ لیکن تو دیا سلائی نے کر نقوش سے بھرا کوئی نسب نامہ۔ آج کی بے اعتنائی سارا کی ساری خطیر جائداد اور مال۔ یہ ہم لوگ کمانے والے انسان ابھی تک نسب کی حقیقت سمجھ ہی نہیں پائے ہیں۔ یہ بات ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر کاردوائی کا آغاز کس سے ہونا چاہیے۔ ہم کہیں سے چھوڑیں گے۔ اسے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

"اماں جی! ہم خاصے آزاد خیال، تھوڑے سے بے فرمان اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے سلسلے میں تھوڑے سے لچک اور سنگدل ضرور ہیں۔ مگر اس درجہ کینے اور گھٹیا نہیں ہیں"۔

وہ خود پر کنٹرول کھو چکے تھے اور کچھ اس بات کی بھی جلدی تھی کہ ماں کو تکلیف دہ سلسلے سے نجات دلا دیں۔ جس کے سبب ان کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ انہوں نے بے اختیار ماں کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ان کی آواز شدت جذبات سے لرز رہی تھی۔

اماں جی نے چونک کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ تیمور کے بیٹے نے انہیں تڑپا کر رکھ دیا تھا۔

"ہاں! مجھے یقین ہے میرا بیٹا ایسا نہیں ہو سکتا"۔ اماں جی کی آنکھوں میں لمحے سرے سے تبسم کا بہت آ گیا۔

"اب آپ کو یقین ہے تو پھر آپ کی یہ حالت کیوں ہوئی؟" تیمور علی خان کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"یہ تو اس بات کا صدمہ ہے کہ میرے گھر میں اس طرح کی بات ہوئی کیوں۔ خدا خواہ مخواہ۔ ہمارے ہاں ایسی بات کا کبھی بھی تصور نہیں کیا جا سکتا"۔

اماں جی میں لمحے سرے سے توانائی آتی محسوس ہو رہی تھی۔

"تو پھر جھگڑا کیا ہے۔ جب کوئی بات ہی نہیں ہے۔ پڑی ہوئی ہے ایک طرف تمہارا کیا لینا ہے بیٹے۔ چھوڑو اسے اس کے حال پر"۔

وہ تیمور علی خان سے گویا سفارش کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہو گئی اماں جی ـــ ابھی بھی آپ کی اس کی سفارش کر رہی ہیں۔ اب تو آپ کو چاہیے کہ پہلی فرصت میں اسے یہاں سے شفٹ کر دیں تاکہ آئندہ اس قسم کا کوئی مسئلہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔ اتنی گھٹیا الزام تراشی وہ بھی ہم پر۔ غصے اور دکھ کی ملی جلی کیفیت تھی اس وقت ان کی۔

"کم عقل ہے ـــ سمجھ لیں گی اسے۔ پرسہارا بچی ہے۔ اسے میرے گھر میں رہنے کا حق ہے بھی نہیں اور حقوق کی فراکتوں تک اس کے دماغ کی پہنچ نہیں۔ جانے کس بات کو کس رنگ میں لے بیٹھے۔

"میں تمہارے ماما صاحب کو بھی سمجھانا چاہ رہی تھی کہ اس طرح غصے اور جذبے میں نہیں سوچیں۔ میرا تیمور اپنی اداؤں کی بھی عزت کرتا ہے شاید ہی کبھی دیوانے نے کبھی کی ہو۔ ہی از مین کول ایبر کرے پڑے گھر کی ہے جہاں گدھے گھوڑے ایک ہی بھاؤ ہے ہوں"۔

"یہ خانہ پری کا اس قصے میں کیا کردار؟" تیمور علی خان نے تعجب کا مظاہرہ کیا۔ آگے چل کر کہیں ہم گرفتار ہو جائیں۔ اماں جی ان کی شکل غور سے دیکھنے لگیں۔ (تو پھر کس کا کردار؟) مگر وہ سوال نہ کر سکیں۔

دونوں اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے۔ وہ اس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے۔ وہ اس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر شرمندہ تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے سامنے آنے سے کترا رہے تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو سمجھانے کی کوشش کر

www.Paksociety.com

آیا۔

مگر تیمور علی خان کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

اسی دم عطیہ باری کی اگلی قطار سے ایک عورت بیداری میں نمودار ہوئی۔ وہاں کی صورتحال پر قدرے خفگی سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"تیمور علی خان اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عطیہ کے حواس اسے پر کس لمحے کہ وہ آن کی آن میں بہت کچھ سمجھ گئی۔

وہ باری کو وہیں چھوڑ کر بابا صاحب کے کمرے کی طرف سرپٹ بھاگی۔

دادا یاور علی خان ٹیلی فون پر کوئی بہت ضروری بات رازدارانہ انداز میں کر رہے تھے۔ وہ دادا یاور سے گلے اور عطیہ تڑپتی اندر جھانکتی نظر آئی تو انہوں نے مخاطب کو مطلع کئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا ہوا میری بچی؟" وہ حیران بھی تھے اور ناراض بھی مگر صرف ناراضگی ظاہر کر رہے تھے۔

"ج۔۔۔ خان!" وہ ان کے ریڑھ کی پشت پر آ کھڑی ہوئی۔ "خان وہ تیمور خان ہیں۔ مجھے بچا لیں۔"

ابھی وہ اتنا ہی بول پائی تھی کہ تیمور سست قدموں سے اندر داخل ہوئے۔ آپ کا ہونا ہونی کو شاید وہ کسی بھی حوالے میں نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ عجیب بے کسی ان پر چھا گئی تھی۔

ادھر اماں جی نے "امدادی کارروائی" کا کورم پورا کرنے کی غرض سے یاور علی خان کو پکار لیا تھا۔

"کیا ہوا بیٹے۔ ہوش میں آؤ۔ عورت ذات ہے۔"

وہ بہت ہی گھبرائے ہوئے انداز میں تیمور علی خان کو سمجھا رہی تھیں۔ یاور علی خان بھی بابا صاحب کی خواب گاہ میں داخل ہوئے۔

"یہی بھول ہم سب سے ہو گئی ہے۔ یہ عورت ذات نہیں ہے۔"

عزت نفس پر ایسی کاری ضرب لگی تھی کہ سارا اکتساب۔ ساری سیکھ ان پر بھلا دی گئی تھی۔ اب تو عطیہ پر ایک خوف الگ جان لیوا رہا تھا۔

"بیٹے اس نے کچھ نہیں کیا۔ کچھ نہیں کہا۔ تم میری بات تو سنو۔" اماں جی پھر اگلی اندر تیمور علی خان کی گھبراہٹ کم کرنے لگیں۔

"بچھو اس نے کچھ نہیں کیا۔ مگر ایسا کیا ہے کہ یاد عطیہ باری باری کل سے بار بار ہیں۔ بات اسی کی سمجھ میں آئی ہے۔" وہ شوہر پر جھکے ہوئے بھنکل گویا ہوئے۔

"ہمارا بہت کچھ تیمور۔ ہم تم سے پہلے اسے مطلع کر چکے ہیں کہ غلط بیانی ثابت ہوئی تو اس کا انجام اسے بھگتنا ہو گا۔ ہم کچھ نہیں کریں گے۔ یہ بے وقوف خود ہی پچھتائے گی۔" یاور علی خان کا لہجہ فیصلہ کن اور حتمی تھا۔

"آپ لوگ جائیے۔"

"بابا صاحب کی پر جلال آواز گونجی۔ اماں جی تو جیسے بچے کی طرح سہم بیٹھ گئیں۔ اس کا اس میں کیا قصور تھا۔ اس طلاق سے بچانے کیلئے کوئی بھی ہر ممکن اقدام کرنے والے ہیں۔ ان کی ذات تک محدود اس فقرہ کا ادراک وہ بدرجہ اتم کر چکی تھی۔

یاور علی خان باپ کے قریب پائنتی کرسی پر آ بیٹھے۔ تیمور علی خان بالوں کو ہاتھ سے سنوارتے پریشان سے۔

"تم پھر آ گئے لڑکی۔۔۔ ہمارے سامنے کھڑی ہو۔"

وہ اپنی کھڑی پر دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑے تھے۔ عطیہ حرکت کیے انہوں نے مخاطب کیا۔

عطیہ سر پر چادر ٹھیک آہستہ چلتی ہوئی ان کے بہت قریب آ کھڑی ہوئی۔ اس زاویے سے کہ بابا صاحب کی بھی دقت آمیز قصان پہنچانے کی کیفیت میں آپائیں۔ بابا صاحب سے گزرے عطیہ اس تک نہ پہنچ سکیں۔

بابا صاحب کا بیڈ داخلی دروازے سے کافی فاصلے پر بیڈ کے بالکل سامنے تھا۔ دیوار اور بیڈ کے درمیان بمشکل آدھ گز کا فاصلہ تھا۔ جہاں کچھ دیر قبل عطیہ بیٹھی ہوئی تھی۔

جس صوفے پر تیمور بیٹھے تھے۔ وہ داخلی دروازے کے بالکل سامنے تھا اور جس کرسی پر یاور علی خان بیٹھے تھے۔ وہ کسی بیڈ کی پائنتی کی طرف تھی۔

تبھی یاور علی خان اور عطیہ کے درمیان بابا صاحب سر و قد کھڑے تھے۔ اماں جی یاور علی خان کے قریب بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور نہایت حواس باختہ تھیں۔ کبھی اضطراری انداز میں وہ یاسمین کی شکل دیکھتیں۔ کبھی یاور کی شکل۔ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

"تمہیں ذرا ادب خلائی آتے ہیں ذرا ادب عطیہ۔ اے بدنصیب لڑکی تمہیں اتنی جرأت ہوئی کیسے کہ تم یاور علی خان سے اس قسم کی بات کر سکو۔ جرأت کو بھی نظر انداز کر دیں تو ہوں کیوں۔ نہ کہیں کہ تم اس قدر بے حیا ہو گئی ہو۔ عورت کے پاس حیا کے علاوہ اور کون سا سہارا ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں خاک اگر کسی قسم کی سن گن تمہیں مل ہی گئی تھی تو کیا تمہیں یہ سب زیب دیتا ہے کہ تم بالغ بچے ہوتے ہوئے گھر کے بڑوں سے بے ہودہ بات کرو۔"

"بچی یا غلط فہمی بھی اس کی وجہ میں اتارو جس نے تمہاری بھلائی کیلئے سب سے زیادہ جدوجہد دکھائی۔ بچھلی کام کیا؟ کس کی قسم نے یہ جرأت؟" وہ بغیر نگاہ اٹھائے عطیہ سے مخاطب تھے۔

وہ خاموش کھڑی انگلیاں مسلتی رہی۔

"کیا تمہیں دھرم پتنی نے کہا تھا کہ یاور علی خان سے تم خود بات کرو۔" وہ پھر خاموش کھڑی رہی

"دیکھ رہے ہیں آپ اس کی ڈھٹائی؟" تیمور علی خان نے شعلہ مارتی آنکھوں سے عطیہ کو گھورا۔

عطیہ نے نگاہیں اٹھا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"شش بچے کا کان کھولتی تھی خان۔ تمہارے شیخی میں بگھارنے لگے۔ [illegible] ہو کر تمہارا [illegible] ہے۔ تم نے ہمارا احسان لیا۔ ہمارے سے لگے ہوئے ہو اس والد۔ خود تو تم نے کبھی سوال نہیں ہونے دیا مگر کوئی بھی ہے جو تمہاری کھڑی ہوئی خاموشی کی کتاب پڑھ لیتا۔ کوئی بھی ہے جو تمہاری کھڑی ہوئی خاموشی کی کتاب پڑھ لیتا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

اور نہیں تو میرا دکھ کون کیا تھا۔ علیزہ آواز کے تو بغیر کچھ دیر ایک طرف ہو جاتے تھے۔ لیکن۔ تم کچھ دیکھتے تھے۔ اسی لئے مجھے سزا دی گئی۔ خاندان کے پہلے اور آخر سے تھے۔

محبت اتنی سستی دعا گیا ہے۔ میرے دل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ میں علیزہ خوشی کے دے سکتی ہوں تو اور سب کیوں نہیں دے سکتے؟ جب تک دیا دعا کر سانس لے سکتی ہوں تو اور دوسرے ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ میں ہوں کہ کھلی آنکھوں سے کی پیٹھ دیکھتی ہوں۔

اگر یہ سب بے قصور ہیں تو میں بھی بے قصور تھی۔ ان کی کوئی اور دنیا اور کوئی اور خطا نہیں ہے۔

تمہیں کیا پتا خان۔ اپنا وجود پیش کرنا محبت کی سب سے بڑی علامت اور سب سے بڑی بات ہے۔ مگر یہ بار عرشی کی اور محبت گھاب اگاتی ہے اور سرخی کی ہے تو اس ذات پر کبھی خود کو سمجھ نہیں کرتی۔ میرے اندر آگ دہک رہی ہے۔ میرا بہت نقصان ہوا ہے۔ میں کسی پر رحم نہیں کھاؤں گی۔ سب کچھ جلا کر خاک کر دوں گی۔ جب میں رو سکتی ہوں تو دوسرے کیوں نہیں رو سکتے۔ جب میں مر مر کے جی سکتی ہوں تو اور کیوں ایسا نہیں کر سکتے۔

جب میری ہنسی کے علیزہ آس پاس خوشی برس سکتی ہے۔ جب علی کے علیزہ اس کے بیٹے ہی اس کے ماں باپ اور بھائی ہیں۔ جب اس کے علیزہ اس کا عظم چل سکتا ہے۔ جب میرے علیزہ میری ماں زندہ رہ سکتی ہے۔ جب میرا باپ اپنا سب کچھ عوائف کی جھولی میں ڈال سکتا ہے تو پھر سب کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ میرے ہاتھ آئے پھر تاؤں گی اسے بھی بھول کی قیمت۔

"بے ادب ۔۔۔ کیا ہو گیا ہے۔ کیا پوچھ رہے ہیں میرے جیسے خان؟"

اماں جی نے اس کی مسلسل خاموشی پر جھنجلاہٹ ناراضگی سے ٹوکا۔

"کیا؟" وہ بری طرح چونکے۔ کر ان سب کی صورتیں دیکھنے لگی۔ "جی خان ۔۔۔ کیا پوچھا آپ نے؟"

"تو نے یاور علی خان سے کیا الٹی سیدھی بات کی۔ تم نے پوچھا ہے تھے خانوں سے اس طرح کی بات کرتے ہوئے؟"

اماں جی کو اندازہ تھا کہ یاور علی خان اس وقت غصے کے گھونٹ پی رہے ہیں لہٰذا انہوں نے شریک حیات کی حمایت کی۔

"یاور خان بہت مہربان بہت نیک انسان ہیں۔ وہ سب کی عزت کا خیال رکھ کر بات کرتے ہیں۔ مجھے پوچھنا تھا کہ ان کا اپنا بھائی ان کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی کر رہا ہے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔"

کمرا بلا تھا یا پوری حویلی۔ یا بہت سر پر آ رہی تھی۔

کمرے میں اس طرح کی خاموشی تھی جیسے کسی مرنے والے کی آخری ہچکی سے پہلے ماحول میں سکوت چھایا ہوتا ہے۔ ہچکی اس کے بعد کے پاس ہر طرح کا رشتہ موجود ہوتا ہے۔ ہر کرب ختم ہوتا ہے۔

تیمور علی خان بیٹھے سے کچھ پیچھے کی تھی۔ کر بیٹھ ہوں جیسے وہ بولنا بھول اور چاروں اور بول بھول گئے ہوں۔ یا پھر انہیں مخاطب کیا ہو۔

"آپ خود تو نہیں دے خان اٹھی یا ہو اور کسی سے کہاں کہتی ماں کا کیا تاوان ہوتا ہے؟ وہ خان ہیں ہی اپنی ہوتی ہے

بات کر سکتے تھے۔ میں بہت ملنے کے کچھ کی تھی۔ وہ سب مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وہ تو میں نے ہی ان سے کہا تھا۔"

یاور علی خان نے جھکے کی کوشش کی تو سلا پھر ایک جھٹکے سے تو کر گل کے۔

اماں جی سمجھنے کی کیفیت میں دل پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھیں۔

تیمور علی خان کو اور حیرت سے نظر آ رہے تھے۔

یاور علی خان اتنی شفیق اور مہربان ہیں بیوی کے پیٹھ میں بیٹھ گئے۔

ہاتھ اور پھر علی پر مضبوطی سے ہاتھ گرفت جمائے ہوا تھا۔

"بیٹی کی ماں! اس سے پوچھو یہ ایسا کیوں کہہ رہی ہے؟"

اپنی کی کمزوری آواز کمرے میں ابھری۔ اگر ایسا کچھ تھا بھی تو اسے بیان نہیں کرنا چاہتے تھے وہ سب کچھ بھول جانا چاہتے تھے۔

اماں جی خالی خالی آنکھوں سے علیزہ کی شکل دیکھتی تھیں۔

چند لمحے بعد تیمور علی خان اپنی جگہ سے اٹھے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے علیزہ کے قریب آئے۔ یاور صاحب نے اپنے اداشت میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اماں جی میں سکت نہ تھی۔

علیزہ اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

تیمور علی خان تیز و پڑ ہدایت کی جلتی ہوئی چنگاریوں اور بس کر شرت میں ملبوس بالکے خوبصورت اور پر کشش نظر آ رہے تھے۔

"کیا پوچھا ہے تمہیں؟" ان کی آواز میں کوئی اور چیز جھلک رہی تھی۔

علیزہ سر جھکائے سوچ رہی تھی۔ یاور صاحب کی موجودگی میں تھوڑی بہت تفصیل ضرور تھی مگر تیمور علی خان سے اس وقت وہ طرح کی بات کی جا سکتی تھی۔

"ہم پوچھ رہے ہیں تم سے کچھ۔ کیا پوچھا ہے تمہیں؟" یاور صاحب اماں جی اس وقت یہاں موجود ہیں ہم تمہیں اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم میں کوئی بھی تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ تم ہم سب کی موجودگی میں صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں کیا چاہیے؟ ارمین ۔۔۔ عریبل ۔۔۔" وہ تھوڑے جھجک کر رکے۔ "یا تیمور علی خان!"

علیزہ کا دل پھر اچھلا تھا۔

تیمور علی خان کی آواز میں کسی قسم کی سختی یا تلخی نہیں تھی۔ اس کی بجائے وہ کچھ نرم ہونے لگا تھا۔

علیزہ سر جھکائے پیچھے ہٹ گئی۔

اماں جی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔ جیسے وہ کہیں گر کر بکھر جائیں گی۔

یاور صاحب پہلے سے زیادہ سنجیدہ اور وقار سے صورتحال کا سامنا کر رہے تھے۔

"ٹھیک ہے لڑکی! تم اٹھ کے اکیلی جاؤ گی۔ دیکھیں یہ اپنا کیا کرتی ہیں۔ اماں کا پیٹا گھر صدقہ روٹی کے بعد دیکھ کہ موسا کی شیر اس کی ہدایت ہو۔ دل کی تمام تر اداسی اس کے بعد آتی ہیں اور ہوتی ہیں۔ ہم نے ان کا بندوبست کیا تھا۔ جیسے یہ ان کا

www.Paksociety.com

رہی ہیں یہ سب کچھ ہو تو ہم تمہاری دوسری شادی کر دیں گے۔ یہ بے شرم علم الفعل کی یہ آواز سنی تو بے ساختہ
"تاؤ بابا صاحب کو کریا عمل میں نہیں کیا جائے۔ تاؤ؟"
انہوں نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی لگا کر چہرہ اوپر کیا۔
اس کی حیرت سے پھیلی آنکھیں تیمور علی خان کے چہرے پر ٹک گئیں۔
"تاؤ" بے چاری" کے ماتم کرنے کے عادی ہو گئی۔ مگر یہ ان کی توقع سے بڑھ کر تھی۔
پہلے کہیں ایسا بھی ہوا ہے تو دیکھتیں یہ مقام کیوں دیکھیں۔ اس کی تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ اس نے یوں تیمور علی خان کو
دیکھا جیسے قربان ہو جائے گی۔
"یہ تم اس سے کس طرح کی باتیں کرنے لگے تیمور؟" بابا صاحب زیادہ دیر خاموش رہ نہ سکے۔ وہ تو ابھی حالات
سمجھ رہی تھی۔
"تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ ہم تم پر تھوک ہی دیں۔ تاؤ۔ بابا صاحب کو پیار بھائی کو بھائی کہو۔ تم نے ایسا کرنے کی
حرکت کس لئے کی؟ بولو۔ خاموش کیوں کھڑی ہو؟" ان کی آواز بہت سرد تھی۔
"تاؤ۔۔۔ وہ تو ہم تمہارا حشر کریں گے"۔
ایک زناٹے دار تھپڑ انہوں نے مطربہ کے گلابی رخسار پر جڑ دیا۔ پانچوں انگلیوں کے نشان واضح طور پر ابھر آئے۔
اماں جی کانپ کر کھڑی ہو گئیں۔ اور مطربہ اور تیمور علی خان کے درمیان کھڑی ہو گئیں۔
"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ تم نے کبھی ایسا نہیں کیا"۔ انہوں نے تیمور علی خان کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔
"پہلے کبھی ایسا ہوا بھی تو نہیں۔ اماں جی! ہم کھڑے کھڑے لٹ رہے ہیں۔ آپ درمیان میں نہ آئیں۔ پلیز"۔
وہ بمشکل خود پر قابو پا کر مخاطب تھے۔
"آپ ادھر آرام سے بیٹھ جائیں"۔ بابا صاحب نے بھی انہیں ٹوکا۔
مطربہ رخسار پر ہاتھ رکھ کر نظریں جھکائے چپ کھڑی تھی۔
"تم بھی ادھر آؤ تیمور۔
جتنی بات ہم کہتے ہیں اس حوالے سے ہم خود اس سے بات کرتے ہیں"۔ تیمور علی خان بھڑکی ہوئی نظروں سے
گھورتے ہوئے۔
"یہ مقام ہمارا بچائی ہوا کی۔ یہ وہ جاگیر ہے جسے انگلستان کا کوئی لارڈ بھی خوشی سے جیتی رہے گا"۔
"تم نے یہ سب ارادہ کر لیا تھا تب ہی یہ گندا ارادہ تھا۔ کیا تیمور کہنا چاہتے ہو؟ ہم جھوٹ کہتے ہیں؟"
وہ بہت سراسیمگی سے پوچھ رہے تھے۔ مطربہ نے نظریں اٹھا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔
نفرت سے اس کا چہرہ اجنبی لگ رہا تھا۔ پھر اس نے بابا صاحب کی سمت دیکھا۔
"جو بات آپ کے اس بیٹے کو پہلے بتانی چاہئے تھی وہ آپ نے مجھ سے کیوں نہ کہی؟ میں نے آپ سے کہا تھا

کہ آپ کو کل بتاؤں گی۔ آپ نے کہا تھا
اس کی عقل پر وہ بھی پچھتا رہے تھے کہ وہ سب کے سامنے بات چیت کیوں کر رہے ہیں۔ اماں جی کو بھی یہ سب
سخت ناگوار گزرا تھا۔ بابا صاحب کے سامنے انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا مگر بعد میں کہا تھا۔
"بہو بیگم کے سامنے بات کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ہم نے تو یہ سوچا ہے کہ تمہیں بہو بنا کے لے آئیں۔ اگر ہم
ہی نہ رہے تو یہ بات کرنے کا کیا فائدہ؟ تم ہمارے سامنے بات کرو۔ ہم سمجھا دیں گے"۔
"لیکن ایک بات اور ہے کہ ہم کبھی تمہیں اپنے سامنے نہ دیکھیں۔ اگر ہم مر جائیں تو ہمارے جنازے میں تمہیں ہونا
نہ چاہئے"۔
وہ تیمور علی خان نے اپنے اعلیٰ درجے کا غضب بہت دھیمے اور نرم لہجے میں بیان کیا تھا۔
"مگر کیوں خان؟ میں نے تو کبھی کہا کہ میں نے جو کیا غلط کیا ہے۔ یہ ہونا چاہئے کہ مجھے یا ہر خاں کے بجائے اماں جی کو
کہنا چاہئے تھا"۔
اس نے رخسار پر ہاتھ رکھ کر نہایت سنجیدگی سے تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔
"جو ہونے والا تھا وہ ہو گیا۔ اب کیوں کیا۔ کیوں کیا کہہ کر کیا ہو گا؟ کس کے ہاتھوں میں؟
کھلونا بنا تھا وہ ہنسنے کھیلنے کیلئے۔ میرے رونے کی وجہ سے ہی کاوہ احساس اس روز ہے جب میں رونے لگی تھی
مرنے لگی تھی۔ اب ہم ایک جیسے ہیں۔ کوئی خوش نہیں ہو گا۔ اگر کوئی بھول کر خوش ہوا تو میں اس پر تیل چھڑک کر آگ لگا دوں
گی"۔
بلیا اس کا لہجہ تو ان کو بھی لگا تھا۔
اماں جی نے تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔
"سن رہے ہو کیا کہہ رہی ہے"۔
"اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ لوہے کی سلاخ سے اس کا جسم داغ دیا جائے۔ پھر تڑپ کے رہے گی"۔ وہ خونی لہجے میں
غرائے۔
"اسے تو یہ کیا آفت آئی اب یہ بھی ہو گا۔ یا اللہ کھڑے سے بھی گیا کیا ہو گیا"۔ اماں جی نے اپنا ماتھا
پیٹ لیا۔
"بابا صاحب! تیمور علی خان اپنے مخاطب ہوئے۔
"تیمور! تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ ہم خود دیکھ لیں گے۔
"یہاں سے اس وقت ہی جائیے گا جب اپنے ماں باپ کی نظروں سے مرحوم ہوں گے۔ یہ بہت سکھ ہے۔ ایسی جرم
نہاں بھی سکھائے آپ پیار کریں۔ ہاں مگر وہ بیٹیاں جن کی عزتیں لوٹی جائیں عورتوں کی سیاست میں تبدیلی
جائے۔ وہ عورت کانٹا کی اور جج شکست میں بدل گئی۔ حالانکہ بہادر کی تھی کی وہ ہاتھیاروں میں"۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بابا صاحب اور اماں جی چونک کر تیمور علی خان کا چہرہ دیکھنے لگے۔ دل تو یہی کہتا تھا کہ تیمور سب کچھ چھوڑ کر سیدھا سفریہ کے ہاں جائے اور اسے ہمیشہ کے لیے اپنا بنا لے۔ جس کے بعد کبھی جدائی نہیں ہونا تھا۔ مگر یہ دل کی آواز تھی۔ اب کیا وہ ان کو بھی بتا دیں۔ اس خیال سے وہ ڈر بھی گیا۔ شرما بھی گیا کہ وہ اپنے ان سوچے سمجھے منصوبوں کو بتا کر دادا علی خان سے ہمیشہ کے لیے بگاڑ لے۔ بابا صاحب اور اماں جی کو بھی وہ ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کچھ تو بولو۔ ہم پوچھ رہے ہیں تم سے یہ گمان کیوں ہوا ہے کہ ڈیڈ حیات ابھی بھی پردہ میں ہیں۔"

"کچھ بھی پختہ نہیں ہے بابا صاحب۔ ہم اس کی تمام سیاست کہہ چکے ہیں۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"وہ ہم اس سے قبول کروا لیں گے مگر یاور کے سامنے۔ جاؤ بیٹے آرام کرو۔ ہم تمہارے ساتھ کسی قسم کی زیادتی برداشت نہیں کریں گے۔ آپ بھی آرام کیجیے۔ اس بات کا خیال رہے کہ اس واقعے کی ہوا بھی باہر نہ جائے۔"

بابا صاحب نے اماں جی سے بہت نرمی سے کہا۔

"جی۔۔۔ اب کیسا آرام۔ ہمارے دادا جان یا تو بھی نیکی کی بیخ تو نے ہمارے ساتھ۔"

اماں جی کی ادھ روئی آواز پھوٹ ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

ایک لمحے کو سفریہ کے دل کو کچھ ہوا۔ اسے ساتھ اس کا بھی چاہا۔ اماں جی کے پاؤں تھام کر معافی مانگ لے۔ مگر پھر خانوں کی سخت نگاہوں کی تاب نہ لا کر رہ گئی۔ اب تو زندگی کی شرط ہاں یا نہ پر ٹھہر رہ گئی تھی۔

پھر تیمور علی خان کی محبت میں تو دیوانی تھی ہی۔ بہت بزدل بھی تھی۔

"اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔" سفریہ نے گہری سانس لے کر تیمور کی سمت دیکھا تھا۔ "اب ہم عالم بابا صاحب کے گھر کی ہو کر رہیں گی۔"

"اماں جی! ذکی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ میں نے ارایہ سے گاڑی نکلوانے کو کہا ہے آپ بھی چلیے۔"

اریبہ کی آہٹ پر وہ کھڑی ہو گئی۔ "یاور کہاں ہے؟"

"وہ تو کہیں دکھائی نہیں دے رہے ہیں آپ جلدی کیجیے۔ ابی ایمبولینس بھیج رہے ہیں۔" اریبہ نے جواب دیا۔

"ہاں ہے بھائی گاڑی نکالو۔" وہ اتنی پریشان تھیں کہ انہوں نے گھر کے کسی فرد سے سوال جواب کی طرف بھی توجہ نہیں دی تھی۔

"اور اماں جی کی سمجھ میں بات آتی ہے انہوں نے بابا صاحب کی طرف دیکھا۔

"مجھے چھوٹی بس کے ساتھ بابا صاحب آپ گھر کریں۔ ہم ذکی کو لے کر ہسپتال جاتے ہیں۔" وہ عالم بابا سے کہتی ہوئی اماں جی کے پیچھے لپکی تھی۔

"لڑکی تم بھی جاؤ۔۔۔ یاور کو ہمارے پاس بھیج دو۔ آج سے اس کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو تم نے ساتھ کیا کرنا چاہیے سوچ کر کرنا بیٹے۔"

"بابا صاحب کا لہجہ اٹل حد درجہ سپاٹ تھا۔

"اب تم چپ لگی اور ہم جو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اس کی ولی عہد تم ہو۔" اماں جی بولتی ہوئی تیز تیز باہر نکل گئی۔

"ہاں اپنا مال ہے۔ یاور کا اس سے بہت ضروری بے گھر ہو رہے ہیں؟" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

تیمور علی خان خاموش رہے۔

بابا صاحب پتہ نہیں کچھ سوچ رہے تھے یا کچھ اور۔

ہسپتال کا وہ پرائیویٹ وارڈ ایک سے پھیلا بھی نہیں تھا کہ تیمور علی خان ایک بہت خوبصورت بچی کے بھی باپ بن گئے ہیں۔ بچے کی پیدائش کے بعد بچی کی طبیعت بہت خوشی کے ساتھ سنبھلنے لگی۔

مگر سب خوشی منانے والے افراد کے درمیان بابا صاحب اور تیمور علی خان بہت پریشان تھے کہ رات سے اب تک یاور علی خان کا کچھ پتہ نہ تھا۔

تمام محکمہ جاتی خانوں کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ مگر سب جگہ سے لاعلمی کا اظہار کیا گیا تھا۔ تیمور علی خان بار بار یاور علی خان کا پوچھ رہے تھے۔ صورحال سنگین ہو رہی تھی۔ تیمور علی خان بہت پریشان تھے کہ ان کے حواس بے حال تھے۔ وارثی کو بابا جی کے پاس بھیجا گیا۔ انہوں نے سفریہ کا کمرا بتا دیا تھا۔ ان کو جو ان کے بھی سگے رہا تھا۔ وہ بھتیجی تو دیکھنے ہسپتال بھی نہیں آئے تھے۔ بچے کی پیدائش کے ساتھ جانے کا حوصلہ وہ خود میں نہیں پا رہے تھے۔ ایک دم ہی اس سے بہت کا صدمہ محسوس ہونے لگا تھا۔

ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ یاور علی خان کو کمرہ نہ دیکھیں کہ ان کے اندر سے محسوس ہو رہا تھا کہ انہیں سفریہ سے عشق ہے اور اس میں حیرت کی بات بھی کیا تھا ایک کمزور لڑکی اتنے سفید پوش گھرانوں کے درمیان اچانک جرات سے بھرے ہوئے فولاد سے ٹکرا جائے تو کچھ نہ کچھ تو ہو سکتے ہیں۔

اس وجہ انہیں بھائی کی طرف سے بہت پریشانی اور ہی تھی۔ وہ کچھ بھی کام کرنے کے قابل نہیں تھے۔

انہیں ہسپتال سے کئی فون آ چکے تھے۔ اماں جی اکیلی ہو رہی تھیں۔ باقی خواتین وہاں کا طریقہ آ چکی تھیں۔

اب کچھ فیصلوں کا وقت تھا۔ ان کو اور اس وقت کا تقاضا تھا کہ کوئی فیصلہ کر سکے کا اور آگے۔ اپنے گھر سے بالکل کی جائیداد اور تمام سے بیٹے پر سوچ وچار کر کے اس ہسپتال کا رخ کیا جہاں وہ زیر علاج تھی۔

وہ آدھے گھنٹے میں اماں جی کی مل گئیں۔

"تم لوگ اور اطلاع دے بہت ذمہ داری والی ہے۔" کتنی کھلی ہوئی تھی اس کی آواز۔

"کیسی ہیں اماں جی۔۔۔؟ آپ کو بھی بہت فکر ہو رہی ہے۔" اس کا انداز بھی کھا جانے والا تھا۔

"ہاں کوئی اطلاع آئی؟" اماں جی۔ اس کی شکل نہیں دیکھی۔

انہوں نے کہنی میں سر چھپا لیا۔

اماں جی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"مجھے تو ناز کے سامنے جاتے ہوئے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اللہ اسے ہر بری چیز سے بچائے رکھے۔ تم ہی اسے کہو کہ اپنا کلف ضروری کام سے حسن ابدال جا رہی ہے۔ کوئی سرکاری سلسلہ ہے ایک دو دن میں آ جائے گی۔" ماں نے راہ سجھائی۔

"وہ زندگی موت کی جنگ لڑ کر فارغ ہوئی ہے۔ اسکو کس پر طرح سے پرسکون کرنا ہے۔ سمجھ سے باہر ہے۔" ان کا انداز درخواست گزار کا سا تھا۔

"جی ــــ جی۔ آپ فکر نہ کریں۔ کس طرف ہے ہاں کا کرنا؟" انہوں نے اپنے حشر دماغ کو مشکل سے کام پر لگایا۔

"آؤ ــــ میرے ساتھ"۔ اماں جی نے اپنی چادر درست کر کے چراغ داہاب تراشیک طرف کو چل پڑیں انہوں نے بھی تقلید کی۔

طویل راہداری میں دائیں بائیں دروازوں کا ایک طویل سلسلہ تھا اماں جی ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ انہوں نے اندر قدم رکھتے ہوئے پھر لمحے رک کر کچھ سوچا تھا اپنے چہرے پر مشکل سے تحریر سجانے کی کوشش کی تھی۔ اندر داخل ہوئے تو نازیہ کو ہاتھ روم کے دروازے سے باہر آتے دیکھا۔ ایک نرس اس کو سہارا دیئے ہوئے تھی۔

اس کے سر پر دبیز سا تیل بھیا اماں جی کی ہدایت پر ہی ڈالا گیا تھا۔ غسل کر کے چوٹی بندھی ہوئی تھی۔ ہلکے سرخ کپڑوں میں وہ بہت ہی زرد محسوس ہو رہی تھی۔

کان ناک گردن ہر طرح کی بیماری سے آزاد تھے۔ حتیٰ کہ کلائیاں تک سونی پڑی تھیں۔ اس کے باوجود اس کا چہرہ اسی طرح دمکتا تھا جس طرح سجی بنی حالت میں ہوتا تھا۔

وہ تیمور کو دیکھ کر بڑے پھیکے انداز میں مسکرائی۔

"السلام علیکم"۔ تیمور نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام"۔ تم تو بڑے لمبے ہو گئے ہو۔ کیا بھتیجی کی پیدائش سے خوشی نہیں ہوئی۔ ایک اور بھتیجا چاہیے تھا؟"۔

وہ نقاہت بھری آواز میں بولتے ہوئے بیڈ سے لگ گئی۔

"ایسی نہیں ہے۔ بتایا تھا کہ آپ کی طبیعت خاصی ناساز ہے۔ سنبھلنے کا انتظار کر رہا تھا"۔ انہوں نے جلدی سے جھینپ کر جواب دیا۔

"چلو خیر۔ تم تو پہنچ ہو کر بھی آ گئے۔ ابھی تک ہوش نہیں"۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے مسکرائی۔

"کیسی باتیں سوچتے لگی ہیں بھابی۔ ایسے حادثے بھی ہماری زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔ آتے ہی ہوں گے ہوش بھی جلدی دل دعا بھی کرتے"۔

"اچھا ناں بھیجے۔ کیا تھوپ رہا تھیں ان کا سودا کیسا ہوا رہا تھا؟"

"یہ تو بھی باتیں ہوتی ہیں بھابی! آپ خواہ مخواہ ایسا ذہن نہ الجھائیں ابھی کیا ضرورت ہے"۔ وہ کہتے ہوئے کاٹ کی طرف بڑھے۔

اماں جی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے بڑے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"بتا" کتنے معصوم ہیں بھرے ہیں ــــ ان کے ذہن کا خلوص ہدایت کی روشنی رکھتے"۔ ماں کا دل بھر آیا۔

"اماں جی! آپ بیٹھ جائیں"۔ نازیہ نے کہا۔ اماں جی نے چونک کر اس سے کہا۔

"میری بچی اتنا اچھا کہ ــــ وہ کی طرف سے تو پریشان نہ ہو۔ اس کی تو بیٹھے سے عادت ہے ہو گئی ایک دم کیسے ہل پڑا ہے۔ اپنا تو مجھ میں اس کے کام آتے ہیں۔ تم بیٹھ کر تو ہی سوچی ہے۔ تو ہی سمجھنے کی کوشش کر"۔

انہوں نے آگے بڑھ کر نازیہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اماں ہاتھ پھیرنا غضب ہو گیا۔

وہ اماں جی کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"اماں جی! وہ مجھ سے بہت ناراض ہیں۔ پتہ نہیں کتنے عرصے سے بہت ناراض ہیں۔ مجھے لگتا ہے اسی لئے میں مرتے مرتے رہ گئی۔ کمرے میں سوتا سی پھوڑ دیا تھا۔ اس پر گر گیا تھا۔ کھل ہوا کا جھونکا تھا"۔

"ہوں جی بھر (تصور کیا ہے)"۔ وہ بڑبڑ کر رہ گئی۔

"میں صدقے واری جاؤں اپنی بچی کے۔ میری بچی بہت اچھی ہے۔ زندگی میں چھوٹی موٹی پریشانی تو آتی ہی رہتی ہیں صدقے واری جاؤں اپنی بچی کے۔ میری بچی بہت اچھی ہے۔ زندگی میں چھوٹی موٹی پریشانی تو آتی ہی رہتی ہیں سب ٹھیک ہو جائے گا تو اپنا دل سنبھال۔ وہ دھ پتے والی بچی گود میں آ گئی ہے۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔ تو خوش ہو گی تو بچی کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا"۔

وہ بہت خلوص و محبت سے اس کی پشت سہلا رہی تھیں۔

"کیسے خوش رہوں اماں جی؟" وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بھائی بہت اللہ بات ہے۔ آگی جلدی بات بارتی ہیں۔ یہ سب وہمی ہے۔ دیکھنے آپ کی روتی ہوئی آواز سن کر گڑیا نے بھی رونے والا منہ بنا لیا ہے۔

ہمیں پتا چلا ہے ابھی تک آپ لوگوں نے اس کا نام بھی نہیں رکھا

بس اے پر ہم ــــ اماں جی ہم آپ کی اجازت سے گڑیا کا نام رکھ رہے ہیں کیسا ہے صدیقہ ہے۔ رکھ لیں۔ رکھ لیں۔ رکھ لیں۔ ہے اس کا بہت اچھا نام؟"

"واہ خوب صورت نام رکھا ہے بچی کا۔ سب سے اچھا تھا۔ کیوں بچی؟ دیکھے تو بہت اچھا لگا"۔ اماں جی نے خوش ہو کر نازیہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

"ایسے تو وہ گھبراتے ہیں ہوا کھاتے ہوتے ہیں۔ مولی میں ہنستے ہیں۔ سب خیر سے ہوتے ہیں۔ تیری خوشی کی خاطر سب کر رہے ہیں"۔

"خدا خیر کرے ہوں ــــ اماں جی کا سامنا ان کے اپنے دل کی گواہی کے ساتھ ساتھ تھا۔ نہیں کا وہ ایسی کیلئے اوائل زندگی کا وقت تھا۔ گزرے دنوں میں کیا ہوا کیا ہے۔ اس وقت ان کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔

"تو ہوں ــــ ٹھیک کر رہی ہیں اماں جی اے ٹھیک آپ کی بچی رونے کو دیر ہو گئی ہے ایک ایک لڑکا ہے سکتے ہیں

www.Paksociety.com

خان لندن اور کچھ دوسرے ساتھ رہتے تھے عالم زیب کے بھولی بھٹیارہ ہے کام ہے۔ ایسے لوگوں میں حویلی میں ڈال خاموشی اور فرصت ہی ہو آ کرتی تھی۔

"بے بھائی..... آج تو بہت مغرب ہو رہا ہے سب سے ایک ہو گئی بھائی میں آپ کی چھوٹی ہیں تو سب کی ہیں کہاں ناں کہاں کر آ گئے ہو گئی۔"

نازنین نے روٹی کا بڑی کو میں اور گرم چنے کھانے لگے۔

"تجھے بھی نہیں ہے۔ بڑی بھوک لگی ہے۔ بھائی؟" وہ نازنین سے مخاطب ہوئے۔

"ہاں بے بھائی نہیں کھلائے ہو گے اپنی بہن کو کھانے" نازنین نے منہ پھلا کر کہا۔

"یہ مت ہو، کچھ بیٹھے بھی ہوئے ہوں گے سب حساب ہی کرنا ہے تو ہی ادا کرنا۔"

نازنین نے اپنی بھی گھنٹوں کے کرنا پانا منہ چھپا کر مسکرا کر کھانا کھانا۔

اسی وہم اماں جی نے کمرے میں آ کر اطلاع دی کہ تیمور علی خان آئے ہیں۔ نازنین نے چونک کر ان کے چہرے کی طرف ایک لمحہ میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اماں جی جیسے کامل کتاب جیسی عورت کچھ چھپانے میں کامیاب ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

نازنین نے اپنے اندر کوئی کمزوری سی محسوس کی۔

"ابھی ہم لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ بھائی تو اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ہمیں کھانا کھا لینے دیں۔ کیا کہہ رہے ہیں تیمور؟ ہم سے ملنے بھی نہیں آئے۔"

نازنین نے روٹی کو اماں نازنین کی گود میں ڈالا اور بیٹھے سے اترتے ہوئے غصے کے انداز میں کہا۔

"تم ابھی بیٹھو۔ بھائی تھکا ہوا آیا ہے نا۔ کہا ہو گا اس نے کھانا کھا لیا ہو گا۔"

اماں کی آواز کی لرزش صرف نازنین محسوس کر سکتی تھی۔

اس نے بمشکل اپنے آنسو روکے تھے۔

"جا۔ بیٹھ اماں تم ہاں کہلا۔"

اماں کے قدم بوجھل سے بھر کے ہو رہے تھے چلتے چلتے ایک دم کہا۔

"مجھے بھی بھائی..... ملک خان آیا ہے۔ بہت سے کھلونے ہیں۔ بھائی کہلوا رہے تھے اس لیے۔ اماں کو دل بہلے گا۔"

نازنین نے حیرت سے کہا۔

"کتنی ہوں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔"

اماں بھی اتنی دیر جاری بھت جانے کہاں سے آ گئی تھی۔ بہت مطمئن محسوس ہونے لگی تھیں۔

اماں کی اداسی کو کھانا کھلا رہی تھیں۔ وہ بہت خوش ہو رہا تھا۔ "اماں بی! آپ کو کیا ہوا ہے؟"

"مطمئن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اماں بی نے کہا۔ نازنین نے کہا۔

تم ہے۔ کیا کھلونے ہیں آپ بھائی کی طرف؟ آپ نے کہہ کر بھیجنے کی کوشش کرے۔ اس کا کوئی ہم کھلونا اماں کھلائے گے۔

اب اگر آپ کہہ دیں تو بہت غلط بات ہو گی۔ اس کا مطلب ہو گا آپ یہاں خود کو بہن سمجھتی ہیں۔ دیکھیے ہم کہ کر بھائی کو واپس کر کے آپ کے حضور پیش کریں گے۔ سمجھی ناں تم سے وہ آپ سے آپ اماں سے معذرت کر لیں گے۔ تھوڑی عقل رکھا کیجیے گا تاکہ آئندہ اس قسم کی زیادتی کرنے سے پہلے سوچ لیا کریں۔ سمجھے؟"

وہ نازنین کے قریب آ کر بیٹھا پیار سے اسے سمجھا رہے تھے۔

"مگر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" اس کی الجھن برقرار تھی۔

"آپ اس بات کو اہمیت نہ دیں۔ ہم آپ سے کہہ رہے ہیں ناں۔ انشاء اللہ آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔"

"اماں بی کا دل بہت گھبرا رہے۔ بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہیں۔ اماں کی خاطر ہی کچھ سنبھال لیجیے۔"

نازنین وہ پلے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اماں بی سے لگ گئی۔

"اچھا یہ بتائیے۔ آپ کا کھانا پینا ہوا تھا یا نہیں؟ ان ہوا؟ تو کہ ہم ماما سے کوئی اچھی سی ڈش بنوا کر بھیجیں۔"

"نہیں۔ کیا چہ کہ ہری پائے کھلائے گے۔ بھی اس کو اور کچھ نہیں کھایا بس۔ بھی بھلکی طبیعت کی ہیں۔"

"میں نے اپنے ہاتھوں سے گوندھا ہے۔ دیکھا کیا گھوڑوں کی ہی طاقت آپ میں ہے؟"

اماں بی نے تیمور کو بڑی تفصیل سے بتایا۔

"پھر تو ہم بھی کھا سکتے ہیں؟" تیمور نے پوچھا۔

"پہلے..... اس طرح کے کام تو کرو۔" اماں بی نے مسکرا کر بیٹی کے پھیلے ہوئے کپڑے بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔ پشت پھیر کر مسکرائے تھی۔

تیمور علی خان کھسیا کر سر کھجانے لگے تھے۔

نازنین پچھلی نہا تھی۔ حویلی میں عید کا سماں تھا۔ خیرات کا کھانا باہر بٹ رہا تھا۔ اور اندر کچن میں گھر والوں کھانے کا انتظام تھا۔

نازنین پچھتی کی دان کا گمان ہو رہا تھا۔ بشارے کات میں اور جواد اس کی گود میں تھا اور ماں کے پہلے کپڑوں سے بہت پریشان تھا۔ اپنی بات سمجھا کر انہیں کے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ ہزار تو وہ خود بھی تھی مگر اماں بی کی خاطر یہ بھی برداشت کر رہا تھا۔

نازنین اور دانیہ آ رہی تھی آئی ہوئی تھیں۔ ابھی انہیں یہ علی خان کی غیر موجودگی کی تسلی ہو معلوم نہیں تھی۔ وہ حویلی کے معمولات کا حصہ تھا۔ بعض اوقات تو حویلی کے سب ہی مرد کہیں نہ کہیں لگے ہوتے تھے۔ جب سے کراچی کے کسی کام سے [illegible]

اماں جی نے دور صوفے پر بیٹھے ہوئے تیمور علی خان کی سمت دیکھا جو ٹیلی فون پر مصروف تھے۔

"ہوں"۔ انہوں نے ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

"کیا ہوگیا؟" تزئین نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ایسے ہی بخار ہو رہا ہے"۔ وہ جھوٹ بولتے ہوئے بہت الجھن محسوس کر رہی تھیں۔

"بہت ہی غم لگا لیا ہے اس نے اپنی جان سنبھال نہیں پا رہا"۔ تزئین نے دکھ سے کہا۔

اماں جی خاموش رہیں۔

"یاور بھائی کب تک آجائیں گے؟ اگر تیمور آگئے تو ان سے تو ملاقات نہ ہو سکے گی"۔

اماں جی کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

"لے بیٹا! تھوڑا سا اور کھا لے۔ شاباش"۔ اماں جی نے توجہ ادھر کی۔

"اماں جی! بھائی کچھ گم صم سے ہو گئے ہیں اس مرحلہ۔ کہیں ان کی پیدائش پر خوش نہیں ہیں؟"۔

"نہیں۔ تمہارا وہم ہے۔ کمزوری ہے۔ نڈھال ہے۔ دو چار روز میں ٹھیک ہو جائیگی"۔ اماں جی نے تولیہ کر باری کے حوالے کر دیا۔

"آپ کہتی ہیں تو مان لیتی ہوں۔ مگر مجھے تو کچھ اور محسوس ہو رہا ہے۔ روشن آپا بھی کہہ رہی تھیں"۔ تزئین کو یقین نہیں آرہا تھا۔

اسی دم ماہا ہال میں داخل ہوئی۔

"بی بی جان! آپ کو بڑی بیگم اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں"۔

"اچھا۔ چلو۔ آرہی ہوں"۔ وہ دوپٹا تہائی پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جی۔ شیروانی صاحب۔ جی تیمور علی خان بات کر رہا ہوں۔ بتایا تھا آپ کے پی اے نے؟"

"جی جی۔ ہاں"۔

"پرسوں۔ کچھ بتایا نہیں کہ پھر کہاں چلے گئے؟ ہوں۔ ٹھیک۔

اب کب آنے کا امکان ہے؟ کچھ اندازہ تو ہوگا؟

"جی۔ جی۔ ٹھیک ہے۔ تھینکس۔ اوکے"۔

تیمور نے ریسیور بے دلی سے کریڈل پر ڈال دیا۔ اماں جی تو کان کھڑے کیے بڑی توجہ سے سن رہی تھیں۔

"پرسوں کہاں آیا تھا؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھیں۔

"نوشہرہ بھائی"۔ انہوں نے نہایت اختصار سے جواب دیا۔

"اب کہاں ہے؟" اماں جی تو اس احساس سے ہی خوش تھیں کہ یاور علی خان کو کسی نے دیکھا ہے۔ ان سے ملا ہے۔

"پتا نہیں چلا جانے کا مقصد کیا ہے؟" وہ سنجیدہ انداز میں گویا ہوئے۔

"اماں جی"۔

"اماں جی نے جانے کیا کہا ہے بچے؟" وہ چپ کر گئیں۔

"اماں جی۔ بھائی اتنا بڑا واقعہ سنا کر ایک بے قرار لڑکی اس قدر مطمئن"

"وہم ہے بھرکیے تو۔ خوش کر دیتے ہیں۔ مگر اب ہو کر رہے ہیں۔ اس کے بعد کیا کہا جائے کچھ

نہیں سمجھ میں آرہا اندازہ بھی ہے؟"

ان کے انداز میں بے کلی تھی۔

"وہ ایسا نہیں ہے۔ بھروسہ ہے کہ ساتھ نبھائے گا۔ یہ چھوٹی بات ہے۔ اس کی وجہ کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ ایک

گئیں۔

"بچے ایسا تو نہیں کہ صدمے سے ذہن ماؤف ہو گیا ہو۔ ایسے میں فرق آگیا ہو۔ ایسا ہونے سے خود بھی نہ بچ ہو کر وہ کیا کر رہی

ہے"۔ ایک دم ان کے ذہن میں نیا خیال آیا۔

"دیکھا نہیں علی کی موت والے دن بھی اس کے حواس جواب دے گئے تھے۔ کتنے بچکانے تھے اس کے

گویا ہوئیں۔

تیمور علی خان نے سلگتی ہوئی نگاہ ماں پر ڈالی۔

"بہت سوچتی ہیں اماں جی آپ۔ ہم سب آپ کا کیا کریں"۔ وہ قدرے تلخی سے گویا ہوئے۔

"اگر ہمیں بھائی کا خیال نہ ہوتا اس کا فون تو آج بند کر دیں۔ مگر ہم نہیں چاہتے کہ بھائی کے ذہن میں اس قسم کی

کوئی بات بھی پہنچے۔ اماں جی نے بغور بیٹے کی شکل دیکھی۔

جارح کی نیک فطرت کا اندازہ لگانے والا کیا رد بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟

"تم سمجھے ذہن ماؤف کرنے کی چال ہے۔ میں اس سے پوچھوں تو کہ اس نے اس طرح کی بات کس دشمن کی شہ پر منہ

سے نکالی"۔

"پکار ہے اماں جی ہم خود فیصلہ کریں گے۔ بس دعا یاور بھائی ہاتھ لگ جائیں۔ ان کے ذہن سے اصل کچھ بھی نہیں

ہوگا۔ ہمیں کوئی بھی موجود ہو بہت ضروری ہے"۔ وہ بہت الجھے ہوئے تھے۔

عشاء کا وقت ہو رہا تھا۔ اماں جی نماز کیلئے اٹھنے والی تھیں۔ انہوں نے رومال سے باری کا منہ صاف کیا۔

"جاؤ بیٹے! کاکا جان سے باتیں کرو۔ اماں جی اسے میں نماز پڑھ لیں۔ میرا پھول سا بچہ جانے کہاں کیسا مارا گیا

ہے"۔

انہوں نے باری کی پیشانی سے بال سمیٹتے ہوئے نہایت دکھ سے کہا۔

"ادھر آؤ پارٹنر"۔ تیمور علی خان نے باری کو بلایا۔

وہ ہنستا ہنستا چلتا ہوا ان کے قریب چلا گیا۔

www.Paksociety.com

اماں جی نے دور صوفے پر بیٹھے ہوئے تیمور علی خان کی سمت دیکھا جو ٹیلی فون پر مصروف تھے۔

"ہوں"۔ انہوں نے ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

"کیا ہوگیا؟" تزئین نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ایسے ہی بخار ہو رہا ہے"۔ وہ جھوٹ بولتے ہوئے بہت الجھن محسوس کر رہی تھیں۔

"بہت ہی غم لگا لیا ہے اس نے اپنی جان سنبھال نہیں پا رہا"۔ تزئین نے دکھ سے کہا۔

اماں جی خاموش رہیں۔

"یاور بھائی کب تک آجائیں گے؟ اگر تیمور آگئے تو ان سے تو ملاقات نہ ہو سکے گی"۔

اماں جی کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

"لے بیٹا! تھوڑا سا اور کھا لے۔ شاباش"۔ اماں جی نے توجہ ادھر کی۔

"اماں جی! بھائی کچھ گم صم سے ہو گئے ہیں اس مرحلہ۔ کہیں ان کی پیدائش پر خوش نہیں ہیں؟"۔

"نہیں۔ تمہارا وہم ہے۔ کمزوری ہے۔ نڈھال ہے۔ دو چار روز میں ٹھیک ہو جائیگی"۔ اماں جی نے تولیہ کر باری کے حوالے کر دیا۔

"آپ کہتی ہیں تو مان لیتی ہوں۔ مگر مجھے تو کچھ اور محسوس ہو رہا ہے۔ روشن آپا بھی کہہ رہی تھیں"۔ تزئین کو یقین نہیں آرہا تھا۔

اسی دم ماہا ہال میں داخل ہوئی۔

"بی بی جان! آپ کو بڑی بیگم اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں"۔

"اچھا۔ چلو۔ آرہی ہوں"۔ وہ دوپٹا تہائی پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جی۔ شیروانی صاحب۔ جی تیمور علی خان بات کر رہا ہوں۔ بتایا تھا آپ کے پی اے نے؟"

"جی جی۔ ہاں"۔

"پرسوں۔ کچھ بتایا نہیں کہ پھر کہاں چلے گئے؟ ہوں۔ ٹھیک۔

اب کب آنے کا امکان ہے؟ کچھ اندازہ تو ہوگا؟

"جی۔ جی۔ ٹھیک ہے۔ تھینکس۔ اوکے"۔

تیمور نے ریسیور بے دلی سے کریڈل پر ڈال دیا۔ اماں جی تو کان کھڑے کیے بڑی توجہ سے سن رہی تھیں۔

"پرسوں کہاں آیا تھا؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھیں۔

"نوشہرہ بھائی"۔ انہوں نے نہایت اختصار سے جواب دیا۔

"اب کہاں ہے؟" اماں جی تو اس احساس سے ہی خوش تھیں کہ یاور علی خان کو کسی نے دیکھا ہے۔ ان سے ملا ہے۔

"پتا نہیں چلا جانے کا مقصد کیا ہے؟" وہ سنجیدہ انداز میں گویا ہوئے۔

"اماں جی"۔

"اماں جی نے جانے کیا کہا ہے بچے؟" وہ چپ کر گئیں۔

"اماں جی۔ بھائی اتنا بڑا واقعہ سنا کر ایک بے قرار لڑکی اس قدر مطمئن"

"وہم ہے بھرکیے تو۔ خوش کر دیتے ہیں۔ مگر اب ہو کر رہے ہیں۔ اس کے بعد کیا کہا جائے کچھ

نہیں سمجھ میں آرہا اندازہ بھی ہے؟"

ان کے انداز میں بے کلی تھی۔

"وہ ایسا نہیں ہے۔ بھروسہ ہے کہ ساتھ نبھائے گا۔ یہ چھوٹی بات ہے۔ اس کی وجہ کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ ایک

گئیں۔

"بچے ایسا تو نہیں کہ صدمے سے ذہن ماؤف ہو گیا ہو۔ ایسے میں فرق آگیا ہو۔ ایسا ہونے سے خود بھی نہ بچ ہو کر وہ کیا کر رہی

ہے"۔ ایک دم ان کے ذہن میں نیا خیال آیا۔

"دیکھا نہیں علی کی موت والے دن بھی اس کے حواس جواب دے گئے تھے۔ کتنے بچکانے تھے اس کے

گویا ہوئیں۔

تیمور علی خان نے سلگتی ہوئی نگاہ ماں پر ڈالی۔

"بہت سوچتی ہیں اماں جی آپ۔ ہم سب آپ کا کیا کریں"۔ وہ قدرے تلخی سے گویا ہوئے۔

"اگر ہمیں بھائی کا خیال نہ ہوتا اس کا فون تو آج بند کر دیں۔ مگر ہم نہیں چاہتے کہ بھائی کے ذہن میں اس قسم کی

کوئی بات بھی پہنچے۔ اماں جی نے بغور بیٹے کی شکل دیکھی۔

جارح کی نیک فطرت کا اندازہ لگانے والا کیا رد بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟

"تم سمجھے ذہن ماؤف کرنے کی چال ہے۔ میں اس سے پوچھوں تو کہ اس نے اس طرح کی بات کس دشمن کی شہ پر منہ

سے نکالی"۔

"پکار ہے اماں جی ہم خود فیصلہ کریں گے۔ بس دعا یاور بھائی ہاتھ لگ جائیں۔ ان کے ذہن سے اصل کچھ بھی نہیں

ہوگا۔ ہمیں کوئی بھی موجود ہو بہت ضروری ہے"۔ وہ بہت الجھے ہوئے تھے۔

عشاء کا وقت ہو رہا تھا۔ اماں جی نماز کیلئے اٹھنے والی تھیں۔ انہوں نے رومال سے باری کا منہ صاف کیا۔

"جاؤ بیٹے! کاکا جان سے باتیں کرو۔ اماں جی اسے میں نماز پڑھ لیں۔ میرا پھول سا بچہ جانے کہاں کیسا مارا گیا

ہے"۔

انہوں نے باری کی پیشانی سے بال سمیٹتے ہوئے نہایت دکھ سے کہا۔

"ادھر آؤ پارٹنر"۔ تیمور علی خان نے باری کو بلایا۔

وہ ہنستا ہنستا چلتا ہوا ان کے قریب چلا گیا۔

www.Paksociety.com

"کیسی پاگل ہو رہی ہے یہ حسانی لڑکی۔ ہنستی ہے تو ہنستی ہی چلی جاتی ہے۔ سر پر جاتے ہیں۔"

"کاکا جان! وہ کس بے ہنر ہے۔ وہ تو نیا (دعا) ہے۔ انھیں سیام کہتے ہیں۔" وہ بچی سے بتا رہا تھا۔ اپنے اعصاب تھکن ماحول میں مسکراہٹ کا تصور بھی محال تھا۔ مگر وہ اپنے ہونٹوں پر آتی ہوئی مسکراہٹ کو نہ روک سکے۔

"دیکھا — ماشاءاللہ کیسی پیاری باتیں کرتا ہے"۔ اماں جی بھی مسکرا دیں۔

"کاکا جان"۔

"میری جان؟"

"امی! آپ لڑکے کے پاس سے کب آئیں گی؟" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"آجائیں گی — پارنفر — یہ اچھے سارے لوگ آپ کے پاس ہیں۔ آپ اکیلے تو نہیں ہیں۔" انھوں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر جھکا کر کہا۔

"ہم آپ کو گھوڑے کی سیر کرائیں گے۔ آپ کو شیر دکھانے لے جائیں گے۔"

"کتنے؟ بہت سارے شیر؟" بچی کے اندر ایک دم ایک دم جوش پیدا ہو گیا۔

"بہت سارے تو نہیں۔ ایک شیر، ایک شیرنی اور ان کے دو بچے"۔

"شیرنی بچوں کی امی ہوتی ہے؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بیٹا — وہ چار، دو امی امی پارنفر۔ اس کے بعد تو تمہیں مامی بنا دیں گے کہ آگے چل کر تم دوسروں کا سہارا بنو گے۔ ہمارے آس پاس رکھوالا بنو گے۔" وہ پھر کسی خیال میں ڈوب گئے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں تیمور؟" اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اماں جی جانے جانے کیا کچھ اور بہت کچھ سوچ سوچ کر گویا ہوئیں۔

تیمور علی خان بڑی تھکی سے مسکرائے تھے۔ جس اسی لمحے نازیں نے اندر قدم رکھے تھے۔

وہ بالکل سادہ سوتی لباس میں تھی۔ اس کے بالوں میں تیل چمک رہا تھا۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کچھ دیر قبل ہی اس نے غسل کیا تھا۔ بال بھیگے ہوئے تھے۔ سوائے ناک میں چمکتی ہیرے کی لونگ کے کسی قسم کے زیور کا نام و نشان نہ تھا۔ پاؤں میں وہی چپل تھی جو ہاتھ روم کے استعمال کیلئے مخصوص تھی۔

"اماں جی! کہاں ہے وہ منحوس؟" اس کے انداز میں ایک برہمی تھی۔

"کون بیٹی؟ کیا بات ہے کسی کو منحوس نہیں کہتے"۔ اماں جی نے گھبرا کر اسے ٹوکا۔

"کہاں بھیجا دیا ہے آپ لوگوں نے اسے۔ اگر میں تو پھر جان لیجیے کہ وہ واپس نہیں جائے گی"۔ وہ بچوں کی طرح مچل رہی تھی۔

"خاص کا بچہ ہے خدا وند کا۔ اماں جی دیکھیے گا۔ میں اس کا کون کا بن جیسے کھلوں گی؟ آئے تو سہی میرے سامنے

"آپ کو بھی بات کرنا نہیں آتی۔ کچھ بولیے ہیں۔ ان سے [illegible] سامنے [illegible] کہ ہم نے [illegible] بھیجا ہے۔ ان کے [illegible] کی تھی۔ [illegible] بھیجا ہے۔ [illegible] کہاں ہے؟ [illegible] بھیجا ہے۔ [illegible] ہے حقیقت۔ اماں جی۔ مجھے وہ واپس چاہیے۔ مدرسے جانے سے پہلے میرے سامنے کی شریان پھٹ جائے گی"۔

وہ رکی۔ پھر گہری سانس بھری۔

"اماں جی! وہ صرف ایک معصوم سا بچہ ہے۔ اور تو کسی چیز میں وہ میرے برابر نہیں ہے"۔

اماں جی اور صرف ایک معصوم سا بچہ ہے۔ اور تو کسی چیز میں وہ میرے برابر نہیں ہے"۔

بازنین کمار بھی کے شانے سے سر ٹکا کر بہت بھوت کر رو رہی تھی۔

"پاگل نہیں تو۔ یہ کیسے دم بتانے کے لئے بیٹی اولاد والوں کو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تو کیسے تو میں قسم کھاؤں کی جھوٹی قسمیں"۔

اماں جی نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تیمور! آپ کہاں چلے گئے۔ بتائیں کیا ماں اماں جی کو کسی اصل بات کیا ہے؟ آپ بڑی بھرپور خاموشی ہے اس وقت آپ کی۔ مجھے اس وقت آپ کی معمولی سپورٹ کی سخت ضرورت ہے لیکن آپ ہیں کہ چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ بتائیں کیا اماں جی کو کچھ ہوا تھا؟"

"آپ ہم میں سے کسی سے بھی بدگمان نہ ہوئیں۔ یہاں موجود ہر شخص دل و جان سے آپ کا خیر خواہ ہے۔ پھر آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں"۔

تیمور علی خان نے بہت سلاست سے صورتحال پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"نہیں نہیں۔ آپ میرے سامنے بتائیں اماں جی کو"۔ وہ ایسے کچھ سننے کو تیار نہ تھی۔

"بیٹی! مجھے سب پتا ہے۔ یقین کرو بات وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو"۔

"تو پھر بات کیا ہے؟" اس نے یقین سے اماں جی کی بات کاٹ دی۔

اماں جی تیمور کی صورت ایک نگاہ ڈال کر خاموش ہو گئیں۔

"نہیں بات بتائیں۔ پھر وہ کہاں ہے۔ ہاں اکیلا کیوں ہے؟ آپ نے اسے کہاں بھیجا ہے؟ آپ کیوں اسے کہاں بھیجا ہے آپ نے اسے کی صورت اختیار کر کے کہا۔

"آپ لوگ مجھے کی تو شش کریں۔ یہ اس کے خون کا تقاضا ہے۔ کچھ ہوئی نہیں ہوئی۔ پھر ابھی اس کی عمر ابھی اس کی عمر ابھی اس کی عمر کا تقاضا ہے"۔

"بری بات بیٹی! ایسی کسی کے نام سب کو بھلی نہیں ہوتے"۔

"اماں جی نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے خفا کرنے کی کوشش کی۔

اس کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"تیمور علی خان جہان پر یشان ہاری کو سونے کی کوشش کرنے لگا کہ ان دونوں کی سسکیاں سنائی دیں۔

"بابا کا اچانک اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم آپ کو ان سے ملوا دیں گے۔ وہ بالکل ہے ہمارے بابا"۔ نازنین نے بے یقینی کے انداز میں ان کی سمت دیکھا۔

"کہاں ہے؟" اس کی سے بے تابی قابل دید تھی۔

"بابا صاحب نے اسے حویلی سے بے دخل کر دیا ہے۔ اب یہاں چلتی پھرتی وہ نظر نہیں آئے گی۔ البتہ ہم آپ کو اس سے ملوا دیں گے"۔

مگر بابا صاحب نے اسے بے دخل کس وجہ سے کیا ہے؟ کیا وجہ ہے ماں جی میں کہہ رہی ہیں؟"

"نہیں — بات کچھ اور ہے — بابا کا — پلیز آپ میری زبان کا اعتبار کریں"۔

"پلیز تیمور — آپ مجھے بتائیں کہ کیا بات ہے؟ بابا کا ایک پلیز"۔

اماں جی بلا ارادہ تیمور کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ مگر تیمور کو ان کا دیکھنا بہت محسوس ہو رہا تھا۔

وہ نگاہ چرا کر ایک طرف ہو گئے۔ دکھ سے اماں جی کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ یہ کیسا وقت ہے۔ کیسی بات ہے جو زبان سے ادا ہو سکتی ہے۔ اور وہ بدنصیب کتنے آرام سے کہہ گئی۔

"آپ مجھے ابھی اسی وقت اس سے ملوائیں"۔ نازنین بچوں کی طرح مچل گئی۔

"ایزی — بھابی۔ ایزی پلیز۔ ہم کہہ رہے ہیں نا کہ ضرور ملوائیں گے۔ آپ کو ہماری زبان پر اعتبار کرنا چاہیے"۔ بابا صاحب نے اس سے ملنے پر پابندی اٹھائی ہو گی ہے۔ وہ اس سے کچھ اگلوانا چاہتے ہیں"۔

"دیکھئے یہ باری بھی ہمارے پاس ہے۔ پلیز آپ آرام کریں"۔ وہ اسے پرسکون کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کیا اگلوانا چاہ رہے ہیں بابا صاحب آپ سے ماں جی ہم سوچ رہے ہیں"۔ نازنین نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔

"ہرگز نہیں۔ جو آپ سوچ رہی ہیں وہ تو ہرگز بھی نہیں ہے۔ اماں جی آپ بھابی کو لے کر ان کے کمرے میں جائیں۔ آؤ باری۔ باہر چلتے ہیں"۔

انہوں نے سہمے ہوئے باری کی سمت ہاتھ بڑھایا تو وہ جلدی سے صوفے سے اتر آیا۔

تیمور علی خان اسے لے کر باہر نکل گئے۔ اور ان کے پیچھے اماں جی نازنین کو سنبھالتی ہوئی سے تھام کر چل پڑیں۔

"ماما مسز بہ کے کمرے کی چابی آپ کے پاس ہے کھانا تو آپ ہی لے کر جاتی ہیں"۔

تیمور علی خان مگن کے دروازے میں کھڑے ماما سے مخاطب تھے۔

"جی خان — آپ فکر نہیں کریں میں ابھی کمرے سے ہو کر آتی ہوں"۔ ماما وہاں سے رخصت کرتی باہر نکل گئی۔

تیمور علی خان راہداری میں رکھی نشست پر ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ماما واپس آ گئی۔ اور چابی انہیں تھما دی۔

تیمور علی خان ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سیڑھیاں طے کر کے اوپر چلے گئے۔ وہ جانتی کرنے میں مصروف تھے۔ [illegible]

اندرونی سلسلہ تمام ہو چکا تھا اور ایک دروازہ اس کمرے کا رہ جاتا تھا۔ جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ [illegible] کے لئے مخصوص ہے۔ تیمور علی خان نے چابی لگا کر دروازہ کھولا۔ اور ایک طرف ہٹ کر راستہ دیا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ تو سامنے ہی ایک طرف بڑا سا بیڈ نظر آیا۔ اس پر ایک وجود چادر میں اوپر تک لپٹا ہوا تھا۔ اس کے سر کے بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے۔ تیمور علی خان کو دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کے بے ساختہ منہ سے نکلنے والی چیخ کی آواز پر باہر موجود گارڈ بھی دوڑ کر اندر آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول نظر آیا۔ اس نے تیمور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔

"دیکھو لڑکی — وہ کیا نام ہے تمہارا۔ ہم تمہارے پاس آخری بار آئے ہیں۔ خود پر رحم کرنے کا یہ آخری موقع ہے۔ اس کے بعد ہم کچھ نہیں کریں گے۔ خود بھی ختم ہو جاؤ گی اور ہمیں بھی ختم کر دو گی۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ صرف سچ بتا دو۔ ہم سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش مت کرنا۔ ہم تمہارے ساتھ بہت برا کریں گے"۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے خود بھی کسی سے کوئی بات بھی نہیں کرنے دی۔ آپ کے پاس دولت اور خاندان کی طاقت ہے۔ آپ اسی سے کام لیں"۔ وہ بھڑک کر بولی تھی۔ ان کا دماغ درست ہونے کے بجائے اور زیادہ خراب ہو چکا تھا۔

"کیا بکواس ہو رہی ہے"۔ وہ بہت ضبط سے کام لے رہے تھے۔

"سب کچھ نہیں بتایا گیا"۔ وہ سابقہ لہجے میں چلائی۔

"دیکھو نا بھابی کی حالت بہت خراب ہے۔ انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ انہیں کس بات کی سزا مل رہی ہے۔ ہم نے تمہاری خاطر ہی ایک بہترین انسان سے"۔

"ہاں بھی کریں خان اور آپ نے بہترین تو ان لیا۔ شکر ہے کہ لڑکی بھی تو بہترین ہے۔ کیوں فضول نہیں ہے وہ آپ کو۔ اگر یہ لڑکی سے نکاح کرتے ہوئے آپ نے سوچا تھا کہ اماں جی کو اس پر کتنا اعتراض ہو گا۔ مگر اپنے دل سے ہار گئے تھے ماں بھی دل جیت گیا۔ کیا دل صرف آپ خان کے پاس ہے؟"

"اگر وہ اگر یہ لڑکی ہماری بیوی ہے تو صرف اس کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ بھی ہمارے لئے اچھی ہی ہو۔ ہے مسئلہ ہے جسے ہم اس کے ساتھ ہیں۔ یہ دونوں طرف کی بات ہے۔

تمہیں اپنے [illegible] پر ضروری اعتماد یا غرور تھا۔ اسی وجہ سے تمہارا دماغی توازن بگڑ گیا ہے کہ تمہیں غرور بھی پاگل پن کی علامتوں میں سے ایک ہے۔ صرف حسن سے بات نہیں بنتی مسز بیگم"۔

تیمور علی خان کے انداز میں واضح خفگی جھلک رہی تھی۔

"ہم تم پر مر کر بھی ظاہر نہ کرتے کہ ہم تمہارے دل کی بات شروع سے ہی سمجھتے ہیں۔ مگر تم نے اپنی خود غرضی کی آگ میں ہمارے بھائی کا گھر بھی جلانے کی کوشش کرا لی ہے"۔

"مسز بیگم ایسا نہیں ہونا چاہیے تم سوچا کرو۔ تمہیں [illegible]

انتہا درجے کی تحقیر کے ساتھ کہیے جہاں نظر آئے اسے گھر سے نکال دیں گے۔ تم نے ہمیں کیا سمجھ رکھا ہے؟ ہم اتنے سنگین جرم کیا ہے اس پر جو سزا ہے کم ہے۔

"ہم اس وقت صرف تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں یاد دہانی کرا دیں کہ تمہیں اپنے بھائی کے سامنے معذرت کرنا ہوگی۔ ہاں اور ہو سکتا ہے کہ قسم لے کر اپنی تسکین کیلئے یہ جملے ادا کرنے لگے۔ صرف ہم سے انتقام لینے کی خاطر ہے۔

"اور انتقام بھی اس بات کا کہ تمہارے محسن کو فراخ ہم نے خود کیوں نہیں دیا۔ علی جیسے سادہ اور پرخلوص انسان سے تمہارا رشتہ کیوں ہو۔ یہی بات ہے ناں؟

"اگر تم ایسا کرو تو ہم تمہیں ضمانت دیتے ہیں کہ ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔ کوئی بھی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔"

"رہنا تو پھر بھی مجھے اپنی غلطیوں کے ساتھ ہے۔ جب میں یہ کام خود ہی نہیں کر سکتی اور تو دوسرے کیوں کر سکتے ہیں۔"

"میرے نقصان پورے نہیں ہو سکتے خان۔ بلکہ آپ کو دیکھتے ہی ایک ایک نقصان یاد آنے لگتا ہے آپ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے تو میرے دل پر زور کیوں پڑتا ہے۔ اگر یہ اتنا آسان کام ہوتا تو آپ نہ کر لیتے؟ یہ تو اتنا مشکل کام ہے کہ انسان ہی پیدا ہوا ہی نہیں کرتا۔"

وہ زہر سے زرد ہونے لگی۔

"مطربہ! تمہیں یہ کرنا ہوگا۔ ہم اپنے بھائی کا گھر بچانے کیلئے یہاں تک کرنے کو تیار ہیں کہ اپنی بھائی کو بھی واپس اماں جی کی پسند سے شادی کر لیں۔ مگر تمہیں یاور بھائی کے سامنے قسم کھانا ہوگی کہ تم نے ان کے اور بھائی کے ساتھ دولت کا لالچ دے کر یہ ڈرامہ کیا ہے۔ یہ حلف اٹھانا ہوگا۔ مگر بس پردہ جو تم نے ڈالا ہے وہ بھی تفصیل سے بتانا ہوگا۔ سن رہی ہو تم ہماری بات؟"

وہ ہمہ تن گوش ہو رہی تھی۔

"یہ تو صرف آپ کے نقصان پورے ہوتے ہیں۔" وہ مضمحل سی بولی۔ "جو علی خان کا بھی چاہا اس پر واپس کر دیں۔

"ہم اپنا گھر برباد کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ صرف اپنے گناہ بھائی کی خاطر۔" اتنی بے مایہ لڑکی نے انہیں کیوں متاثر کیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ بہت سنجیدگی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ بہت گہری نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہے تھے۔ جیسے یقین کی کچھ کمی تھی کہ وہ چال چل رہے تھے کہ کسی طرح وہ حقیقت بیانی پر آجائے اور یہ طوفان تھم جائے۔ یا علی خان کے حویلی واپس آنے سے پہلے پہلے وہ صورتحال کنٹرول کرنا چاہ رہے تھے تاکہ جب وہ واپس آئیں تو حقیقت ان کے سامنے ہو اور اس گھر کا بچا کھچا سکون حاصل ہو۔

مطربہ نے ان کی سمت ایک اچٹتی نگاہ ڈالی۔

(مجبوری میں شادی بھی کر لے تو شاہ رفیع کی لڑکی کے ساتھ میں کم ذات اپنے نقصان کے ساتھ ہی جگ ہنسائی بلکہ شاید یاور علی خان یا پھوپھے خان کی گولی کھا کر قبر کے اندھیرے گڑھے میں)

جھرجھری سی لے کر ایک بھیانک سوچ اس کے ذہن میں لہرائی تھی۔

مگر اب سامنے کھڑا انہیں بھی چبا رہا تھا اور انگاروں پر بھی چلا رہا تھا۔ تو ایک سے تو جیسے گئے۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"آپ جا سکتے ہیں خان۔ اب مجھے کچھ نہیں کہنا۔" وہ بے بسی سے سمت کی جانب دیکھنے لگی۔

"اور میں بھائی والی بے قصور اور مظلوم بنوں اور بھولی بھی۔ ہم سے انتقام ہی لینا تھا تو کوئی اور طریقہ سوچ۔" وہ ایک

www.Paksociety.com

دہشت حال نظر آئے۔

"میں کہوں کسی سے انتقام لے رہی ہے"۔ وہ خود سے کہتا ہوا پلٹا تھا۔

ایسا عظیم الشان ساجا گیر دار اس کے سامنے بے بس کھڑا تھا۔ اور کہیں سلگتے کوئلوں کی بو آئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

"کیا ہمیں اپنے بھائی کا گھر بچانے کیلئے تم سے فریاد کرنا چاہیے؟" وہ اگلی آمائی سے آنے والے کو دیکھ رہے تھے۔

ملازم نے چونک کر پوری قوت سے محترم کرن کی سمت دیکھا تھا۔

سگے میں گلابی سے وہ اسے یہ حسین شہزادہ اسے محبت سے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

مگر باوجود کوشش کے یہ قصہ سمجھ نہ سکا۔ یہ مسکرائے گا؟ ہرگز نہیں ایک ادا ایال جرم کی سزا ہے اس کا کیا مسلم سے روح کھینچی جائیگی۔ یہ جاگیردار ہیں۔ بچانے والے انہیں دیا نہیں آتا۔ یہ احسان کرتے ہیں تو لوٹتے ہیں دیتے نہیں ہیں۔ دیتا تو یہ ہے کہ جواب میں کوئی طلب نہیں ہو۔ احسانات سے بوجھل کا ہوتے ہیں۔ تحکم کرنا ان کی عادت آرائش ہیں۔ عیب ہیں وحشت ہیں۔

"آخر کار انجام یہ ہے کہ میرا اس نسل کو دان کو کھلایا جائے گا۔ جب بچنے ہے تو آپ کیوں اپنے خاندان سے پیچھا چھڑا رہے ہیں؟" دوسرا دبیات لہجے میں کہہ کر پھر پلٹ گئی۔

"یہ تو بہت "مختلف" گئی ہے"۔ انہوں نے اپنے کھولتے ہوئے لہو پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"ہم تمہیں آسان موت سے مرنے نہیں دیں گے۔ اگر نقصان ہوئے کہ ہوا ہی کھیل ہوئے ہیں قوم کو ان بدکرداروں کو نقصان سے بچانے کیلئے اپنی حیثیت تک فراموش کر دی۔ مگر ۔۔۔ دیکھو ابھی وقت ہے"۔ وہ مشکل راستوں سے گزر رہے تھے۔

"کیا چاہتے ہیں آپ؟" وہ ان کی طرف سے پشت کئے کھڑی تھی۔

"پتا ہے تمہیں کیا چاہتے ہیں ہم"۔

"مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ سزا سنا دیجئے۔ جو بالآخر آپ نے سنانا ہے"۔ اس میں کسی طرح کی کوئی لچک محسوس نہیں ہوتا تھی۔

"ازروئے حساب جو سزا تمہاری بن رہی ہے وہ تو یہ ہے کہ تمہیں اس طرح زندہ رکھا جائے کہ موت کے دروازے تم پر بند کر دیئے جائیں لیکن تم اس طرح جیو کہ سوائے موت کی دعا مانگنے کے تمہیں کچھ یاد نہ رہے"۔

تیمور علی خان اپنے بیٹے کی مستقل اور دلی کیفیت پہچان چکے تھے جو پہلے روز سے ان کے اعصاب پر طاری تھی۔ محسوس ہوا کہ وہ اس کے وجود کے ایک ایک ٹیلے کو موت و زندگی کی کشمکش میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں یہ بھی محسوس ہو رہی تھیں۔

"اب بھی اس سے کم نہیں ہوا"۔ وہ بے عزتی سے کہہ رہا تھا۔

"پتا چلا تم تھیں۔ حضرت تھیں، اسی وقت کرنے کو تھی جاؤ دیکھ کر تمہارے بھائی کی خیر ہو جائے گی"۔ انہیں سے اس بچے کے قریب ہے۔ قوم بھلا کر کے ایک حد تک اصلاح و تعلیم کی جا سکتی ہے۔ کہ اس صورتحال میں ہوئے ہوئے کہ ہوں کی قیمتی ہوئے ہیں۔ مگر وہ بھی ایسے کہ تمہیں مجبور کر کے ہم اپنی مرضی کا جان لے رہے ہیں۔ ہم گمان ہیں لیں جان۔ تم تو کیا بچ ہو

"حوصلہ رکھو تیمور سب ٹھیک ہو جائیگا"۔ بابا صاحب نے شفقت کے ساتھ بیٹے کو تسلی دی۔

"ہم نے زندگی میں کبھی کامیابی نہیں سنی۔ یہ کیسی نئی کامیابی ہے؟" وہ سر جھکائے ہوئے بڑبڑایا تھا۔

"اس لڑکی کے بارے میں سب کے اندازے غلط ہو گئے۔ ہماری سات پشتوں میں ایسا فتور نہیں ہوا۔ مگر اب ہم اس پر قابو پا لیں گے"۔ بابا صاحب نے پُرعزم سے کہا۔

"مگر کیسے؟ دلاور بھائی نے تو صاف ہی کر دی ہے۔ وہ ہماری بھلائی چاہتے ہیں' ہم انہیں اچھا جانتے ہیں۔ ان کی تو ہمارے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی بھی نہیں ہے پھر وہ ایسا کیوں کرینگے"۔

"کوئی بات نہیں۔ دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں ساتھ رہنے والے ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان لیں۔ بابل تو ایک ہی ہوا میں پلی تھی پھر اس کی کی خصلتیں کیسے ہو گئیں۔ اس کی منفی خصلتیں ہیں وہ سب ماحول کے حوالے سے ہی موسوم ہیں۔ باہر کے آدمیوں سے نہیں' ہوتا کی بابل کچھ بتاتی ہے۔ حتیٰ کی بابل کچھ کہتی ہے ہماری تھے۔ بظاہر کے ساتھ تھے۔ کیا یہ بھی پیغمبر کو نہیں رکھتے تھے۔ وہ آسمانی پیغام کی شکلوں میں کیسے تبدیل ہو جاتے تھے؟"

بات سمجھ آنی تھی کہ بظاہر باپ کے انسان کا جنم کیسے ہو گیا؟ سمجھ میں نہیں آئی تو حسب توفیق دماغ کو استعمال کرکے تسلی کر دی۔ سب کے پاس الگ الگ دماغ ہے۔ سب اپنے اپنے حساب سے سوچتے ہیں۔ ہم سوچنے سے ہو گئے ہیں کے بجائے اس سے ہمدردی محسوس کرو۔ اصل عذاب تو اس کی جان پر پڑا ہے"

تیمور علی خان باپ کے قریب ہی جا بیٹھے تھے۔ بابا صاحب نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا تھا۔

"انشاء اللہ وہ جلد آ جائیگی۔ اچھا ہے۔ تمہارا تو سہولت سے خرچہ نکل گیا"۔ وہ آخر میں مسکرا دیئے تھے۔

"بابا صاحب! آپ سے ایک بات کرنا ہے۔ اصولاً تو کوئی ٹینشن والی بات موجودہ صورتحال میں کرنا ایک کارِ لغو ہے مگر۔۔۔ مگر یہ بات ہم آپ سے کرنے جا رہے ہیں' اس کی اہمیت کا تعلق موجودہ صورتحال ہی سے ہے"۔ وہ کہتے کہتے رک گئے۔

بابا صاحب نے بیٹے کے لہجے سے بھانپ لیا تھا۔ ان کے خواص ایک دم گھبرا گئے کہ حوالہ سوداسلف کا ہو۔

"ہاں۔ ہاں۔ کہو"۔ وہ بظاہر بہت پُرسکون نظر آ رہے تھے۔

"ہم ایک بات فرمائی کر بیٹھے ہیں۔ شاید آپ ہم سے ہمیشہ کیلئے ناراض ہو جائیں"۔ وہ پھر رک گئے۔

دلاور علی خان پکیں جھپکنا بھول گئے۔ ان کا لاڈلا بیٹا فرمائی کا اعتراف کر رہا تھا۔ کون سی اصابت تھی جو بابا صاحب کی ناراضگی پیدا ہونے کا سامان کسی چھوٹی موٹی بات سے تو ہو سکتا تھا۔ وہ بولے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ بولنے کا انکار کرنے لگے۔

"بابا صاحب! ہم وہاں ملتان میں شادی کر بیٹھے ہیں۔ دراصل موجودہ حالات ایسی ہو گئی تھی کہ ہمیں یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا"۔ وہ پھر خاموش ہو گئے۔

کمرے میں شور مچا تھا۔ تھوڑا سا تحرک ہوا تھا۔ بابا صاحب نے دو تین مرتبہ سر کو اثبات میں ہلایا تھا۔

"کون ہے وہ؟" ان کی آواز کمرے میں گونجی۔ وہ بالکل سپاٹ تھا۔

"مگر ہے۔ ہاں ہوس ہے۔ باپ مگر ہے تھا"۔ تیمور علی خان کی آواز گھروں کی طرح بجھی تھی۔

"تو اتنا کیا مطلب؟" بابا صاحب کا انداز بالکل سپاٹ تھا۔

"وہ لڑکی تھا۔ جہاز کے ایک حادثے میں بچ گیا تھا۔ وہ ایک ٹیلنٹڈ لڑکی ہے اور پڑھی لکھی بھی۔ اس کے علاوہ اس کی فیملی بیک گراؤنڈ بھی ہے"۔

"صورتحال کیا تھی؟" اس مرتبہ بابا صاحب کے انداز میں تجسس تھا۔

"اس کی ماں نے دوسری شادی کر لی تھی۔ کسی شخص سے اس نے شادی کی تھی۔ اس نے دبئی میں رہنا تھا۔ رات کے وقت میں دوسری شادی کر لی تھی۔ مگر یہ اپنی دولت کے زعم میں تھا۔ جب یہ بات کھلی تو وہ ساری دولت کے ساتھ چلا گیا۔ بے وقوف دولت کو وفا سمجھ بیٹھا تھا۔ اس کی زندگی اس طرح گزر رہی تھی کہ وہ ہر وقت ہمارے ساتھ رہتی تھی۔ ہماری ملاقات لائبریری میں ہوئی تھی۔ سب لوگوں کی اس کا ٹیلنٹ لیڈی کا تھا۔ اس کے ساتھ ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔ یہ بعد میں پتا چلا کہ حقیقت وہ گداز اس کے سوتیلے باپ کے ساتھ گزار رہی تھی۔ یہی ایک ہمدردی محبت میں بدلتی گئی۔ وہ اس قدر شاطر ذہن کا آدمی ہے کہ اپنے ہاتھ صاف رکھتا ہے۔ کاغذوں کو مکمل رکھا ہے۔ اس کی ماں کی حیثیت اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی سی تھی۔ وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ جو کچھ اس نے کہا ہم نے یہی سمجھا کہ وہ کچھ نہیں نکالا تھا۔ کتنی ہے۔ مجھے تو ہر وقت محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی دیوار سے کان لگائے کھڑا ہو۔ اور وہ ہر وقت کن پٹا لگ رہا ہو"۔

"ہوں"۔ بابا صاحب نے ہنکارا بھرا۔ "کیا نام ہے لڑکی کا؟"

"لیزا۔۔۔ ہمارا مطلب ہے شاہدہ تبسم بروہان"۔

"کیا قسم لے اس سے چرچ میں شادی کی ہے؟" دلاور علی خان نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"کیا؟ کیا مطلب"۔ تیمور علی خان کچھ سمجھے تھے۔

"ہمارا مطلب ہے اس نے اسلام قبول نہیں کیا؟"

"پہلے اس نے اسلام قبول کیا۔ بعد میں ہمارا نکاح اسلامک سنٹر میں ہوا تھا"۔ انہوں نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"مگر پھر اس کا نام مسلمانوں والا کیوں نہیں؟"۔

بابا صاحب کے پرسکون سے انداز سے تیمور علی خان کے اعصاب کا تناؤ ڈھیلا پڑنے لگا۔

"نام تو اس کا ہم نے عائشہ رکھا ہے۔ جس وہ ماحول سے لیزا بالکل جاتا ہے"۔ وہ ہچکچا کر بولے۔

"تو تم اسے اپنے ہمراہ لے آئے۔ میں سمجھ گیا کہ یہاں آ کر ہم سے اتفاقات گزارتے ہوئے تم نے شادی کر لی۔ کیا لڑکی ہے؟"

دلاور علی خان دھیمے انداز میں کہہ رہے تھے جیسے ان کے درمیان کوئی اہم یا غیر معمولی بات نہ ہو رہی ہو۔

www.Paksociety.com

"اسے بچپن ہی سے نفسیاتی عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس کی کھلی یاد داشت ہو کر رہ گئی تھی۔ مگر شدید ذہنی تناؤ کی وجہ سے وہ کوئی مستقل نہیں ہے۔ بشیر بھائی! آپ خود بھی ذہنی طور پر مضبوط اور پر اعتماد ہوں۔ ہم نے اپنی آنے والی نسل سنبھالنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارا وہاں ایک ہم وطن دوست سے بار بار ملنا ملانا ہوا ہے۔ اس کی بیوی بھی پاکستانی ہے۔ وہاں ہم اسی کے ساتھ رہتے ہیں۔ لیزا بھی انہی کے پاس ہے۔ ڈیوڈ اکنر نے اس کا نفسیاتی علاج کیا ہے۔ اس نے کافی حد تک حافظہ حاصل کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اب لیزا خود بھی اتنی پر اعتماد ہے کہ یہاں رہ سکتی ہے۔ وہ یہاں آپ لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ ہم اس مرحلے سے گزر آئے ہیں کہ حویلی میں اس کی تلخ یادیں واپس نہ آئیں گی۔ ہم نے کوشش کی۔ مگر اماں کی جانے سے ہر بار رک جاتے تھے۔ وہ بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہیں۔ اور ان کی صحت کا سوچ کر رہ جاتا ہے۔ آج سے پہلے ہم نے کبھی فیصلہ کیا تھا آپ کو سب کچھ بتا دیں گے پھر آپ خود ہی اماں جی کو سنبھال لیں گے۔ ہم نے کبھی فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو سب کچھ بتا دیں گے۔ پھر آپ خود ہی اماں جی کو سنبھال لیں گے۔ ہم اللہ سے دعا سے بات کریں گے ہی نہیں۔ ہمیں پتا ہے ہمارے اس اقدام سے آپ کو صدمہ ضرور پہنچا ہوگا۔ مگر بابا صاحب! دنیا میں انسان کا سب سے زیادہ پر اعتماد رشتہ ہوتا ہے۔ دو انسانوں نے ایک عمر ساتھ گزار لی ہوتی ہے۔ اعتماد کرنے والوں کا کیا سہارا ہو سکتا ہے؟"

تیمور علی خان نے اعتراف خطا کے ساتھ ساتھ اپنی صفائی کا بھی بندوبست کیا۔

"ہوں"۔ بابا صاحب نے ہنکارا بھر کر خط گزرا دیا۔

"صدمہ تو نہیں واقعی ہوا ہے کہ ہمارا اعتماد چکنا چور ہو گیا۔ گھر لیا کر بیٹھ گیا اور ہمیں پتا تک نہ چلا۔ اپنے بچوں کی ادائیں جاتے ہوئے ماں باپ کے حواس سات دبقات ہوتے ہیں۔ وہ فطرتی جذبہ لہا کے باپ کو ہوتی ہے وہ تو ہر باپ کا آنچل اور جائز حق ہے۔ بڑے انتظار کے بعد ماں باپ دادا دیکھتے ہیں۔ اپنی زندگی ہی میں اس سے محروم ہونا۔ بڑی کمی ہوتی ہے۔ بیٹے زندگی میں۔"

"شکر ہے کہ تم نے ولایت میں ہی نام نسب والوں ہی سے رشتہ جوڑا۔ اگر کسی ویسے سوکم کی لڑکی کو اپنی بنا لیتے تو شاید یہ دکھ بھی قبر میں لے جاتا۔ جو ہوا سو ہوا۔ اب کیا کریں؟ کیا کہیں۔ اتنا بڑا طوفان حویلی میں اٹھ چکا ہے کہ ہر عورت اس سے کچھ نہ کچھ متاثر ہوتا ہے۔ تم ایسا کرو جتنی جلدی ہو سکے سارہ کو حویلی میں لے آؤ۔ اب یہ بہت ضروری ہو گیا ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ یاور سے کسی طرح رابطہ ہو اور ہم اسے تمہاری لو میرج کی اطلاع دیں۔ اب یہ فیصلہ جلد از جلد کیا جانا ہی بہتر ہے۔"

تیمور علی خان کی بھرپور حمایت کی بات آ گئی کہ اگر بشیر بھائی اور علی خان نے اسے ہیرو کے روپ کا سٹیٹس دیا کیا گیا۔ ہیرو کی واپسی پر حویلی کے لوگ کیسی کیسی امداد بات اور کی تھی۔

عورتوں سے وہ جس حالت میں ملا تھا۔ وہ ایک دم ہوا ہو گیا۔ انہیں محسوس ہوا وہ گھٹن سے نکل کر ایک کھلی پر فضا جگہ آ گئے ہیں۔

"ہم لیزا کو اسی نام کے ساتھ قبول کرتے ہیں"۔ وہ جذباتی ہو کر بشیر بھائی سے لپٹ گئے۔

"ماشاء اللہ"۔ بابا صاحب نے کہا۔

"سبحان اللہ"۔ محمد علی خان نے تسبیح گھمائی۔ پھر سر جھکا لیا۔

"بشیر بھائی کی تو خیر ہے اماں جی! مگر ہماری اماں جی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" بابا جی اماں جی کے بازوؤں میں مچل گئیں۔

"ہاں میں کہاں نہیں مانتے۔ بچے اپنے سے بھول جاتے ہیں۔ بات کو نہ میں گئے تو ہاں" اماں جی نے پیار سے اس کی پیشانی پر بوسہ ثبت کیا۔

"یاد رکھو دل میں کہانی نہیں سنا دی تھی۔ اماں جی کی بھول ہے۔"

وہ پوری طرح زمین کے سر میں سما گئی تھی۔ ماں جی بال کھرے کے دوارے کے قریب بیٹھی بیٹھی دھیرے دھیرے کیڑے گن رہی تھیں۔ خاندان کے صدر بھی چھالیہ کتر کتر کر منہ میں ڈال رہی تھیں۔

"اماں جی! آپ بزرگ ہیں میں پاؤں پڑ کے آپ سے بڑے خان سے سوالی مانگ لوں۔ اللہ سے دعا کر رہی ہوں۔ اللہ میرا بیڑا پار لگائے گا"۔ ان کی آواز بھرا گئی۔

اماں جی نے خار کو لہو کا مار کر اشارہ دیا کہ زمین موجود ہے۔ خاموش رہو۔

"کیوں آپ کو کیا ہوا ہے؟ آفت تو ہم پر ٹوٹی ہے"۔ سارہ نین نے توجہ کر کہا

"نار پھر پھر اکر وہ تھکے مگر اماں جی کی تاکید کے سبب خاموش رہیں۔

"ہماری تو عمر بھر ان ہے۔ ہار جیسا سوہر بندہ۔ آخر ایسا کیا ہو گیا ہے۔ ایسے تو کہیں بھی نہیں ہوتا"۔ وہ بڑبڑانے کے انداز میں گویا ہوئی۔

"تمہارے دماغ پر بہت بوجھ ہے۔ بچی پر برا اثر پڑے گا۔ اللہ بہتر کرے گا"۔

"بچی صرف میری تو نہیں اماں جی۔ جو بیٹے بہو سے اثر کا صرف میں ہی سوچوں؟"

وہ بہت جھنجھلاہٹ اور بدحواسی کا شکار ہو رہی تھی۔

"ہاں کے کام بڑے ہیں اس لئے ڈرنے لگی ہے۔ اللہ تمہیں ہر طرح کی خوشیاں دے۔ آمین"۔

اماں جی اس کی بات سے دل نہیں بہل رہا۔ عجیب سے وسوسے ستا رہے تھے۔

وہ یکدم پریشان خاطر ہونے لگی۔

"ماشاء اللہ عمر بھی بھلی ہو۔ پریشان ہونے کی کیا بات ہے"۔ وہ تسلی دینے سے زیادہ کیا کر سکتی تھیں۔

"اس عمر والات سے پہلی ایک مرتبہ بات تو کریں اماں جی۔ ذرا ہم بھی تو حالات سمجھ کر مالک پر رکھ گی۔ تجھے پتا نہیں کیا ہو جاتی ہے۔ ڈرتا کیسے ادا کرتا ہیں۔ میرا جیسی ہی ملاقات چاہتے تو"۔۔۔

نازنین کی اتنی عاجلانہ گزارتے وقت کے ساتھ ساتھ گرگوں ہوتی جا رہی تھی۔ ایک تو پھانسی سے اتنی دور صفائی کی

www.Paksociety.com

دوسرے یا تیسرے دن ہی پیدائی۔ جب کہ نورانیہ بچے کا باپ بچے کے چہرے پر سکراتی نظر ڈالے بچے کی ماں کی گود میں اترتی۔ بچہ تولد ہونے سے پہلے ہی قبول کر لیا جاتا ہے۔ جب ہی تو بچہ باپ کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر انسانی زندگی کے کچھ ایسے جھمیلے جذباتی سودا ہیں جن سے گزرے بغیر اندر کی تشفی دور نہیں ہوتی۔

"ہیں۔ یہ کیا اول فول بولے جا رہی ہیں؟" اماں جی بھونچکا سی رہ گئیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں میری بچی۔ تو کہے تو قسم اٹھا لوں"۔

اماں جی اپنی جگہ سے اٹھ کر نازین کے قریب چلی آئیں۔

"تو پھر کیا بات ہے۔ اتنا تو خیر میں محسوس کر سکتی ہوں کہ بات بھی ہے تو آپ کو بابا صاحب کو اور تیمور کو بتانے میں کیا حرج ہے اپنا ذہن دوڑا دوڑا کر تھک گئی۔ سر پلا تھ نہیں آیا"۔ نازین نے سر تھام لیا۔ "وہ کیا بات ہے جو آپ لوگ مجھ سے چھپا رہے ہیں"۔

اماں اس بحث میں گتھی بھول گئی۔ ایک لمحے کو ساس بہو کی طرف دیکھا۔ پھر دوبارہ سے کپڑے گننے لگی۔

دو چار بچی اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی کہ کب نازین اپنا قصہ ہوا سرا آزاد کرے اور وہ پھر سے سماج شروع کرے۔

"اماں جی! چھوٹی دلہن آپ سے لڑائی کر رہی ہیں؟"

باری اماں جی کی پشت پر کھڑا ہوا تھا اور قدرے پریشان کن انداز میں دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اماں جی نے اسے کھینچ کر اپنی گود میں بھر لیا۔

"ماں صدقے۔ تجھے نہیں پتے لڑائی تو گندے لوگ کرتے ہیں۔ ہم تو بات کر رہے ہیں"۔

"چھوٹی دلہن کہہ رہی تھیں باورچی خانہ راستہ بھول گئے ہیں۔ آپ نے انہیں ان میں کہانی سنائی تھی اماں جی؟"

وہ آنکھ اٹھا کر بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ ایک لمحے کو وہ سب دم بخود ہو گئیں۔

"ماشاءاللہ۔ اللہ نظر سے بچائے۔ کتنا ذہین ہے۔ ہر بات پر دھیان دیتا ہے"۔ اماں جی نے اس کا منہ چوم لیا۔

خالہ سولہ نے منہ اٹھا کر بے اختیار رونے لگیں۔

"اماں جی! مجھے معاف کر دیں۔ وہ غصہ میں ہی لے کر آئی تھی"۔

"سولہ آپے سے گئی گزری ہو گئی۔ پیغمبروں کے ہاں بھی صرف پیغمبر نہیں ہوتے۔ نوح کا بیٹا بھی نافرمان تھا نہ اللہ نے طوفان میں غرق کر دیا تھا۔ وہ کون سا تیری اولاد ہے۔ جو تجھے کوئی کہے گا کہ ٹھیک سے نہیں پالی اور وہ بھی بچی ہے۔ بے وقوف۔ کم عقل۔ اپنی کم عقلی کا احساس ہو گا تو خود ہی معافی مانگنے کی شرمندہ ہو گی"۔

"باجے میں اسے میں برباد ہو جاؤں"۔ نازین تلخی سے گویا ہوئی۔

"اللہ نہ کرے۔ اللہ میرے بچے کو سلامت رکھے۔ اس سے تجھے ہر ہر خوشیاں ملیں۔ آمین۔ بری بات بیٹی ایسے نہیں کہتے۔ میرا دل بہت کڑھ رہا ہے"۔

انہوں نے نازین سے ہاتھ تھام لئے۔

"جب ہی تو آپ کو کڑھنا چھوڑنا ہو گا۔ کہہ کے نکلیں نہ کر لینے سے بچی بھاگ نہیں جاتی"۔

"بھابی جان! آپ اماں جی سے اس طرح بات نہیں کر سکتیں۔ آپ کو طریقہ سے بات کرنی چاہیے"۔ محمد علی خان بھی بول اٹھے۔

"کوئی بات نہیں بیٹے۔ بچی ہے پریشان ہے۔ اس کا دل رکھنے کو ہے۔ میں اس کی باتوں کا برا نہیں مانتی"۔ اماں جی نے بہت اسودگی سے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" انہوں نے تب تک سے تیمور علی خان کو کھڑا دیکھا۔

"جی۔ ہم کو بات جا رہے ہیں۔ پاکا ہے یاد۔ بھائی پر سوں وہاں پہنچ جانا"۔

"اچھا!" اماں جی کے چہرے سے خوشی چھلکنے لگی۔ "وہاں پہنچتے ہی فون کرنا اور یاد سے خیریت سے پہنچنے کی اطلاع ضرور کرنا"۔

"جی ضرور۔ انشاءاللہ۔ بس ہم آپ کو یہی اطلاع دینے آئے تھے"۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔ تیمور کی خیر اور اللہ کی امان میں دیا"۔

"کاکا جان! وہ باورچی خانہ راستہ بھول گئے ہیں۔ اماں جی نے انہیں ان میں کہانی سنائی تھی۔ ہے ناں اماں جی؟" باری نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

تیمور علی خان نے الجھی ہوئی نظروں سے ماں کی سمت دیکھا۔

"کاکا جان! میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ باورچی خانہ کا ہاتھ پکڑ کر لے آؤں گا۔ مجھے راستہ پتہ ہے"۔

باری اماں جی کی گود سے نکل کر تیمور علی خان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"نہیں ہم لے آئیں گے۔ آپ یہاں دادی کے پاس رہو۔ وہ رونے لگے گی"۔ انہوں نے اس کا سر چھو کر کہا۔

"کاکا جان! دادی آئس کریم کیوں نہیں کھاتی؟ آئس کریم تو اچھی ہوتی ہے"۔ اس نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔

"جب وہ آپ کی طرح بھاگنے لگے گی تو آئس کریم بھی کھانے لگے گی"۔

"اور لیگ پیس (مرغی کی ٹانگ) بھی؟" وہ ان کی بات کاٹ کر بے تابی سے بولا۔

"اوہ۔ تیمور۔ یار نفر۔ ضرور کھانے لگی"۔

"اچھا ہم چلتے ہیں۔ بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ خالہ آپ سب کا خیال رکھیے گا"۔ وہ خالہ سولہ سے مخاطب ہوئے۔

"بیٹے! میں تو یہاں کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہیں ہوں"۔ وہ رکتے ہوئے لگے سے مخاطب ہو گئیں۔

"ایسا نہیں ہوتا۔ کوئی بات نہیں۔ اچھا اماں جی۔ بھابی۔ خدا حافظ"۔

"خدا حافظ کاکا جان!" باری لڑکی بیداری سے مخاطب ہوا۔

"خدا حافظ یار نفر۔ اماں جی کو پریشان نہیں کرنا۔ ٹھیک؟" وہ باہر نکل گئے۔

"پھر شکر ہے پتہ چلا کہ وہ کہاں ہے"۔

اماں جی نے سکون کا سانس لیا مگر تاثرات کا چڑھاؤ اسی طرح برقرار رہا۔

"سب سے لڑکیاں (روشن آرا تبسم) گئی ہیں گھر بالکل ہی سونا ہو گیا ہے۔"

اماں جی عالم تاب سے مخاطب ہوئیں۔

"بابا صاحب نے بلایا ہے آپ کو۔ وہ کہہ رہے ہیں شام کی چائے آپ ان کے کمرے میں ہی پئیں گے۔"

عالم تاب نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنی سوچوں سے باہر آ کر سر کو جنبش دی۔

اماں جی کا دھیان پوری طرح سلیم کی طرف گیا۔

"کیا کچھ بول پڑی زبان اس کی؟ کیوں اسے کمرے میں بند کر رکھا ہے۔ کہیں کچھ ہو جائے گی وہ۔"

"اماں جی! کسی بچے کے ساتھ آپ کی ذرا سی رعایت نیکی نہیں بہت بڑا گناہ ہے۔ آگ نگاری ہے، وہ جو بیلی میں ہوا آپ سے کہہ۔"

عالم تاب کی آواز سے ناراضگی واضح تھی۔

اماں جی سہمے بچے کی طرح ٹھہر کر چپ ہو گئیں۔

"اچھا میں عصر کی نماز پڑھ لوں۔ اپنے بابا صاحب کو کہلوا دو۔ آتی ہوں ابھی۔"

وہ دھیمی آواز میں کہہ کر وضو کرنے چل پڑیں۔ عالم تاب نے ملازمہ کو بلا کر بابا صاحب کو پیغام پہنچانے تھے۔

اماں جی نے عصر کی نماز کے بعد معمول کے مطابق تسبیح پڑھی۔ اپنے کانپتے دل کو قرار آنے کی دعا کی اور بابا صاحب کے کمرے میں آ گئیں۔

"آؤ فرخندہ کی ماں۔ بہت دیر لگا دی۔"

"نماز پڑھ رہی تھی۔" اماں جی نے سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"آؤ بیٹھو۔ بہت سی باتیں جمع ہو گئی ہیں جو آپ سے کرنا ہیں۔"

بابا صاحب نے اپنے پہلو میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اتنے سے دنوں میں کتنی باتیں جمع ہو گئیں۔" وہ بے موضوع اور حیا آمیز لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"ایک تو آپ ساری عمر شکنجے کا سامان بنی رہیں۔ آپ سے کوئی بات کرنا ہو تو ہر طرف سے انتظام کرنا پڑتا ہے۔" بابا صاحب نے آج واقعی جھلا کر کہا تھا۔

اماں جی سہم کر رہ گئیں۔

"کوئی شکایت ہو گئی مجھ سے؟" وہ سادگی سے پوچھ رہی تھیں۔

ولاور علی خان اٹھ کر بھاگنے کی طرح پھر بیٹھ گئے۔

"نہیں بی اماں۔ بیٹھو۔ بہت وقت ہے۔ بروقت مرضی کی خبر لیں گے۔"

"یہاں ہر کسی کو کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ اور ایسا آج سے نہیں ہے۔ اللہ نے ہمیں [illegible] ہے۔ ہر ایک دوسری کو [illegible] ہیں۔ بعض اوقات اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ کسی بھی طرح کے حل نکالنے کا احساس تک ختم ہو جاتا ہے۔ مسائل ہوتے ہی ہیں دوسروں کے ساتھ شیئر ہو جانے کے لیے۔"

"بڑے طرح کے جھمیلے ہیں۔ بڑھتیاں ہیں تو ان کے اپنے اخراجات۔ دوائیاں ہیں تو ان کے اپنے اخراجات۔ ڈاکٹر کی فیس کے ساتھ ساتھ لاڈ کے بھی مسئلے مسائل۔"

"کہیں یہ سب لکھیں ہے تو دولی کا مسئلہ ہے۔ بھوکا مسئلہ ہے۔ کہیں یہ کچھ بھی نہیں ہے تو۔ بے اولادی کا دکھ ہے۔ زندگی ہی مسئلے مسائل تو چلتے رہیں گے۔ انسان کو ہمت سے کام لینا چاہیے۔"

"آپ کیا ہو گیا؟" اماں جی کا دل گھبرا گیا۔ بات سے پہلے اتنی کسی قسم کی فکر نہ کرنے کی تلقین کرنے لگے۔

"کچھ نہیں ہوا۔ خیر تو ابھی ہے۔ آپ سے ایک اور دوسری بات ہے۔" ولاور علی خان نے کہا۔

اماں جی کے دل کو کچھ تقویت پہنچی۔ وہ خیر کا انتظار کرنے لگیں۔

"ماشاءاللہ ہمارے چار بیٹے ہیں۔ تین بچیوں کی آپ بارہا تمنا کرتی رہیں۔ اللہ نے وہ بھی عزت دی۔ ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اب اگر تم اپنی پسند سے وہیں ولایت میں شادی کر لے تو کیا حرج ہے؟ وقت اور زمانہ صرف ہمارا نہیں ہمارے بچوں کا بھی ہے۔ سب سے بڑھ کر اگر کسی مشین کے ذریعے آپ کو ٹھیک ٹھیک بتا دیا جائے کہ آپ کا بچہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی حاصل کر چکا ہے تو یہ بات خوشی کی ہونا چاہیے نہ کہ افسوس کی۔ بچوں کی خوشیاں تو ماں باپ کی عمر بھر کی کمائی ہوتی ہیں۔"

"مجھے پتا ہے وہ شہ ریخ کی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اگر آپ اس کی مرضی پر خوش ہیں تو میں بھی خوش ہوں۔ مگر یہ کہنا ستم ہے میں اپنی آنکھوں کی تارے کی زبان سے کبھی دکھ کی بات نہ کر سکوں گی۔ وہ تو اگر چوٹ بھی لگا لے تو۔" وہ آنکھوں پر آنچل رکھ کر رونے لگیں۔ وہ اپنے دکھ پر کبھی اور بہانے سے رو رہی تھیں۔ ولاور علی خان نے انہیں شانوں سے تھام لیا۔

"ہمارا بیٹا انگریزوں میں الحمد جیسا ہے۔ حسن کا کوا نہیں ہے۔ وہ اسے اردو سکھائے گی۔ وہ آپ سے اردو میں بات کرے گی۔"

"آپ کو کسی نے ہم بہاولپور سے یہاں لاتے تھے۔ کیا چھٹی ہوئی اردو بولتی تھیں۔ اب کس طرح ستیاناس ہوئی بولتی ہیں کہ اپنی اصل زبان بھول چکی ہیں۔ ہمارے منے پر آپ کی بھابیوں اور بہنوں نے کتنا اعتراض کیا تھا کہ ننھا اعجاز چھان گھنی دے کر آپ کے گھر والے کتنا کہہ کر رہے ہیں۔ ان کی تو حسن موقی ہوئی ہے۔ مگر میں کہتی ہوں آپ بہو پشتو بولی جاتی ہے۔ مگر آپ کو اردو کے علاوہ کوئی زبان نہیں آتی تھی۔

ہمارے خاندان میں آپ کے علاوہ کوئی باہر کی [illegible] نہیں تھی۔ مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ [illegible] تھیں؟"

ولاور علی خان مزاج آشنائی کے بعد [illegible] سوال کر رہے تھے۔ اب جب اماں جی بہت پرسکون انداز سے

www.Parsociety.com

ساتھ بہت تن گوئی تھیں۔

"پھر آپ مجھے اجازت دیجئے تجمو کے ساتھ۔ خود اپنے ہاتھوں جلادوں گی۔ شیخ ربیع کا گھر کی۔"

"اس آگ کے بعد شیخ ربیع کی لڑکی کا ذکر ان معنوں میں ہو گا کہ نہیں ہو گا۔ فلم کرو اس قصے کو۔ تجمو کی ماں۔" دلاور علی خان نے ظفیت سے کہا۔

"پتا نہیں اس کی مار میں کیسی ہوں گی۔"

ان کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا۔ خلاف توقع خبر پر عجیب طرح کی بے اختیاری تھی۔ وہ تو دلاور علی خان کا پرسکون اور دبنے کی حمایت میں دلائل کے ساتھ کی گئی جتی بندی کی وجہ سے ان کے اوسان خطا نہیں ہوئے تھے۔ مگر جانے کیوں اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔

"زنیرہ کی ماں! ہمارے بیٹے کا گزارا اس کی عادتوں سے ہو سکتا ہو گا۔ تب ہی تو اس نے اتنا بڑا اقدام اٹھایا ہے۔" انہوں نے سمجھایا۔

اماں کی سر جھکا کر کسی سوچ میں گم ہو گئیں۔

"آ... آپ نے۔ اس طرح کی باتیں کبھی پسند نہیں کیں۔ کبھی کچھ کہیں۔ جب آپ کو پہلے پہل یہ خبر ملی ہو گی تو کیا آپ کو صدمہ نہیں ہوا ہو گا۔ حالانکہ میرے حساب سے تو آپ کو غصہ آنا چاہیے۔"

وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد گویا ہوئی تھیں۔

دلاور علی خان جواب میں خاصی دیر خاموش رہے۔

"آپ ہماری شریک حیات ہو۔ شریک راز ہو۔ اللہ سے دعا ہے کہ وقت آخر بھی اخلاص بھرا چہرہ آنکھوں کے سامنے ہو۔ ایک بات بتاؤ ہے ہیں آپ کو؟" وہ بہت گہری سوچ میں ڈوب کر مخاطب ہوئے تھے۔

"جب زنیرہ بالو نے ہمارے سامنے زبان کھولی اور بعد میں تجمو نے اس پر الزام لگایا... ہمارے آپ کے سامنے۔ تو ہمارے دل کو بہت وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔

یہی خیال دل میں جم رہا تھا کہ تجمو سے غلطی ہو سکتی ہے۔ وہ ابھی کم عمر ہے۔ سمجھ داری کی ہمارے سامنے اس طرح کی حرکت کم از کم نہیں کر سکتی۔ یقین جانو۔ تجمو کی ماں! اس رات ہم ایک لمحے کو بھی نہیں سوئے۔ اگرچہ ہم نے معصوم بچی کا خون نہ کیا کہ ہم تجمو کو بالکل بے قصور مان چکے ہیں۔ جو غلط ہے اس لڑکی کی ہے۔

اس سنگین واقعے کے پیچھے بھی بہت سی حقیقتیں ہیں۔ تجمو مانتا۔ اللہ موجود لوگوں میں سب سے حساس اور ذہین انگلستان میں رہتا ہے۔ بات کرنے کا اعتماد جانتا ہے۔ اس پر کسی کا دل آ جانا کوئی انہونی بات نہیں۔ مانتی ہو گی زنیرہ بالو سے کم عمر لڑکیاں ہیں۔ غلطی ہو سکتی ہے۔"

"اللہ سے پناہ مانگتی ہوں خان صاحب۔" وہ جیسے ایک جھرجھری لے کر بولی تھیں۔ "اماں کی فکر کر رہی تھیں۔

دلاور علی خان بیچ میں ٹوکتے وہ کہاں سے لائیں۔

"آپ بات تو مکمل ہونے دو۔ اماں ہی ہے۔ اسے تو آگر گزرنا ہی پڑتا ہے۔ پھر اللہ سے اولاد کی صورت میں ہی کی بات ہے۔ آ گئی۔

اب پڑھ آپ جو بیلی کے پیچھے پیچھے پھرتی ہیں کہ تجمو کے بعد بالو اپنی اماں انگلستان سے لائے گی۔ تجمو خود تو تمام عمر اس بات سے ڈرتا رہے گا کہ اس لڑکی کو پتا نہ چلے ورنہ وہ اس کے ساتھ کیا کرے گی۔ اس لئے یہ سب کیوں کیا۔ وہ کیا چاہتی ہے؟ اب عدالت اور صرف وہ اللہ جانتا ہے۔ سوچنے کا مقام ہے جس بات سے ڈرتے وہ سے کی شکل میں کل ہمارے سامنے آ گئی۔ یاد کی کیا حالت ہو گی۔ بات بتانے پر... تجمو بے وقوف ہے۔ آسان سے گر سکتے ہیں آتے ہوئے کھجور میں اٹکے رہتے ہیں۔ کم وصلا ہو تو شاید خود کو گولی مار لیتا۔ اس لڑکی نے تجمو کو جرم کرنے کے لئے اکسایا ہے

www.Paksociety.com

"جب آئے گی تو مجھ لینا۔ ان کو تو سب کے ایک ہی طرح پڑھنا ہوتی ہے۔ خواہ ان کی قوم کا ہو۔"

"خیر، قرآن تو میں اسے خود پڑھاؤں گی۔ ہماری حویلی کی لڑکیوں کو قرآن میں نے ہی پڑھایا ہے۔" وہ خاصی پرسکون محسوس ہو رہی تھیں۔

"اچھی بات ہے۔" داؤد علی خان نے سنتے کا پائپ اٹھا کر کہتے لگا۔ "آپ کہاں چلیں گی؟ آپ کہیں نہیں جائیں گی۔"

"وہیں دیکھنے جا رہی ہوں کیا کر رہی ہے مالی۔" وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے چل پڑیں، مگر ایک مسکراہٹ ان کی چال سے واضح تھا۔

نازنین کمرے میں بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔ مالی نے ایک سلیقہ سا خط اسے لا کر دیا کہ آپ کے نام ہے۔ یہ خط اسے اس کے ہوم ورک آیا معمول کی بات تھی۔ اس نے خط لے کر سرسری نگاہ ڈالی اور روشی کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"تھوڑا سیکھے؟"

"نہیں ابھی تو نہیں آتے۔" مالی نے بہت بجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"جیسے ہی آئیں مجھے فوراً اطلاع دینا۔" اس نے کہا۔

"جی بہتر۔" مالی نے مودبانہ کہا اور باہر نکل گئی۔

نازنین نے خط کرنے کے بعد روشی کو آنکھ سے کاٹ میں اشارہ اور لفافہ اٹھا کر اٹ پلٹ کرنے لگی۔ دل ایک دم سہم کر تیزی سے پھیلا تھا۔ حیرت و خوشی سے اس نے "سعدیہ" کا نام پڑھا۔

"یاد۔ اوہ مائی گاڈ!" اس نے بے تابی سے لفافہ چاک کیا۔ کئی کاغذ نکل کر گود میں گر پڑے۔

اس نے لیٹر پیڈ کا کاغذ اٹھا کر کھولا۔ اس کے نام لکھا تھا۔ وہ ایڈریس تھا اب پڑھنے لگی۔

محترم نازنین عبید احمد!

السلام علیکم۔!

آپ کی خیریت مطلوب کی نیک۔ آگے کے ساتھ بات بڑھاتا ہوں۔ ممکن ہے حویلی میں میری غیر حاضری سے بہت پریشانی ہو رہی ہو۔ مگر میں اس ماحول سے دور اس لئے چلا آیا تھا کہ میں بہت کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ اس طرح کی کوئی فضا کسی کی زندگی میں پہلی بار داخل ہو اور کچھ سے کوئی بہت بڑی بھول سرزد ہو جائے۔

یہ تو میں شروع ہی سے محسوس کرتا آ رہا ہوں کہ آپ تیمور کی بچپن کی حویلی میں سب سے زیادہ پسند کرتی ہیں۔ یہ بات ہو خوشی کی بات تھی کہ میں اس تعلق کو پاکیزگی اور تقدس کے رشتے سے دیکھتا اور محسوس کرتا تھا۔ ہم بھائیوں میں جو بچپن ہی سے "اس میں اماں جی کی شدید خامی شامل ہے۔ اس لئے تیموست تک کوئی ایسی سیچوئیشن نہیں بنی تھی کہ میں آپ کو حویلی کا ایک بہت معلوم اور اجنبی کردار سمجھتا۔ وہ ایک معاون اور اپنی لڑکی ہے جس کے ایک ایک اقدام سے کاروباری خلوص ظاہر ہوتا ہے۔ ہماری اس سے بہت کم بات ہوئی ہے اس نے کبھی ہمارے غیر ضروری باتوں کی مالی نے

میں الجھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ایک پیشہ ور لڑکی تھی۔ ہمارے سامنے اپنی ہنر کا مظاہرہ کر کے اپنے ہماری ذہانت کے وقت ہونے کی خدمت کی یہ ادا بہت اچھی لگی تھی۔ کیونکہ میں پہلے یہ طے کر چکا تھا کہ میں اس سے کبھی نہیں ملوں گا۔ ہماری اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھنے والی لڑکی میں نے کبھی عمر سے اپنی عادات کے حساب میں کبھی قسم کی رعایت نہیں مانگی۔ رات بارہ ایک بجے تک ہماری چائے کا دھیان رکھنے والی نے ہم سے علاوہ کبھی کوئی بات کرنے میں پہل نہیں کی۔

جب تیمور علی خان نے اپنے والدین سے اس کے تاج کا تذکرہ کیا تو میں اپنی خوشی ہوئی تھی کہ ہمارے بھائی نے ایک طرح سے بہت بڑی انسانیت کی خدمت کی ہے۔ اتنی اچھی لڑکی کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

پھر آپ کے ساتھ اس کا پیار۔ وہ آپ کیلئے پاگل ہو جاتی تھی۔ ہم نے اسے آپ سے بہت محبت کرتے دیکھا ہے۔ وہ آپ کی دوست محسوس ہوتی تھی۔ ہمیں اس بات کی خوشی تھی کہ حویلی میں آپ کو بھی کوئی مل رہا تھا اور آپ خوش تھیں۔

ہم نے تو یہ دیکھا کہ حویلی کا ہر فرد عشرت سے پیار کرتا تھا۔ تیموست وہ بہت ڈرتی اور گھبراتی تھی۔ مگر جب تیمور نے اپنے دوست کہلانے سے پہنچ کیا تو ہمیں تیمور کے بھلے انتخاب پر بہت خوشی ہوئی تھی۔

لیکن پھر ایسا کیا ہو گیا؟ آپ اور تیمور اس کے دشمن بن گئے۔ اس کے نام سے آپ دونوں زہر اگلنے لگے۔ وہ بے قصور، معصوم لڑکی ایک دم آپ کے عتاب کا شکار ہو گئی۔

میں نے اس میں کوئی "چھوٹی بات" نہیں دیکھی جس نے عزت دار زندگی حاصل کرنے کیلئے اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی۔ آج بھی اس کے جذبات کے بیان اس کی نیت کی گواہی دے رہے ہوں گے۔ وہ موم جیسی نرم لڑکی آپ دونوں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ کیوں؟ ہم اس بات کی طرف آ رہے ہیں۔

وہ جب حویلی تو شروع دن سے کھٹکی تھی مگر اس نے حویلی رکھنے میں صدق کر دی۔ ہمیں حقیقت کے دروازے تک لے آئی۔ اس لئے کہ شاید وہ اتفاقی خیر خواہ ہے۔ اس کا فوت ہے کہ خدا بات اس نے میرے سامنے کہی، اپنی تیمور اور آپ کے سامنے کہی۔

ہم ابھی وہاں کر آپ کے انتظار میں گھنٹہ بھر رہتے دیکھا مگر آپ تیمور کو کھینچ دے رہی تھیں۔

تیمور اس کو اس پیش کر لیں ان کے رستے میں بچھائے جانے لگے۔ ہمیں اپنے بھائی کو اتنا کمزور نہیں پاتا تھا کہ آپ ہیں۔ محبت کی آماجگاہ کے لئے عمر کی کوئی قدیم کار گر نہیں ہو سکتی۔

عمر کی وجہ اس کے جیت جانے کی علامت ہے۔ عمر کی بڑھوتری کے تمام دن کے علیحدہ حسن ہوتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میری موجودگی میں آپ بہت چپ ہو گئی تھیں۔ بچپن کھیلنے کے ساتھ آپ کو اتنا خوش اور مطمئن دیکھا کہ کسی اور کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا۔ مگر جب بھی عمر سے ہٹ کر میں کوئی نگاہ خیال اس لئے نہیں آیا کہ مجھے خود پر بھروسہ تھا۔

www.Paksociety.com

مظہر نے غصے اس کی طرف بڑھی تو وہ ڈائی تو میں نے مظہر جاوید بابا کو بلایا۔ شکر کہ بلیٹن میں وہ سچ کہہ رہا تھا۔
اس رات تو اچھا خاصا یقین ہو چلا تھا جب آپ دونوں مظہر کو حویلی سے نکالنے کے درپے تھے۔ کہ یہ ہماری حویلی میں ہونے والی
مظلوم جنتیں سے بالکل تھی اور اسی وجہ سے آپ دونوں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔
مگر اس رات بھی میں نے خود کو سمجھا لیا کہ ابھی مجھے مزید تحقیق سے کام لینا چاہیے مگر جس روز اس نے تجھ کے سامنے
بابا صاحب سے ۱۹۷۱ء کے الفاظ میں اپنی پاسداری کا ثبوت دیا تو پھر میں کیا کہہ سکتا تھا کہ اب کیا وہ چاہتا ہے؟
کوئی لاکھ بے وقوف ہو مگر خان زادہ علی خان کے سامنے بغیر ثبوت بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ ایک
کمزور، بزدل اور بے ایمان لڑکی۔ سوچنے کی بات ہے۔ مجبور تو اس نے کس کو کیا۔ ان کے وسیلے سے تو اس نے بااختیار
"عزت دار زندگی کی لذت چکھی۔ وہ بھی کیوں کر رہی تھی؟ پھر آپ سے تو اس کی بڑی دوستی تھی۔ مگر بے وقوف انسان ایسا
غیر ذمہ دار ہوتا ہے مصلحتوں سے عاری ہوتا ہے

فلسفہ مصلحت ہیں سے دور رہ بادہ خوار اچھا

یا شاید وہ مزاج داں تھی کہ کسی کے ساتھ کوئی خوفناک زیادتی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔
نازنین حبیب احمد!
میرا وسطہ دن رات قانون دان حضرات کے ساتھ رہتا ہے۔ میں انصاف کے تقاضوں سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ مگر
حویلی کی عظمت کے تکبر سے اٹے بیٹھے ہیں وہاں گواہیاں تبدیل جائیں گی۔ اس قسم کا انصاف ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا
جس سے حویلی کی عظمت پر آنچ آتی ہو۔ میں جانتا ہوں بابا صاحب اپنے حسب نسب کی زیبائش میں کسی قسم کی کوئی کمی
برداشت نہیں کریں گے۔ وہ اپنی اولاد کو قربان کر دیں گے مگر باپ دادا کی عزت کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔
ان میں اتنا دم آتی قوت ہے کہ وہ تیور کو راتوں رات ہوا میں اڑا کر بھیج سکتے ہیں۔ اور اپنے قبیلے کا ایک ایک فرد جانتا ہے کہ ایک
مجھے اور آپ کو ایک جگہ جانوروں کی طرح باندھ رکھنے پر صرف صبر اور علی نہیں کریں گے۔ بلکہ ایسا کر کے دم لیں گے۔ مگر میں یہ
اذیت تا دم زندگی نہیں گزار سکتا۔ ایک بار اسی پھانس چبھ جائے تو دل کام سے اٹ جاتا ہے۔ یہ عمر بھر کا ساتھ ہے۔
مجھے افسوس ہے کہ میرا ساتھ اتنا مختصر رہا۔ اسی لئے میں نے کوشش کی ہے کہ اس مختصر رفاقت کے سبب سے کوئی سنسنی پھیلا
حملہ آپ کیلئے استعمال نہ کروں۔ بابا صاحب کے نام ایک الگ لفافہ ہے۔ اس میں بھی لکھا ہے اور آپ سے بھی استدعا ہے
کہ اس مظلوم پر اتنا بھروسہ (ناقابل) نہ کیا جائے کہ وہ خود فراموش ہو کر بیچ بازار ہی چھوڑ جائے۔
آپ کا خیر خواہ سے فارغ التحصیل ہیں۔ حویلی کا ماحول یوں بھی آپ کیلئے نہ تھا۔ میں نے کوشش کی تھی کہ
آپ کو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، تہذیب سفر کا اختیار حاصل ہو مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی آپ کے ساتھ پالی ہوئی ہو اور مجھے آپ
نے اپنے آئیڈیل سے بہت مختلف پایا ہو۔ کتنی حیرت کی بات ہے ہم چار بہن بھائی ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہیں۔
نازنین حبیب احمد! کیا آپ یقین کریں گی کہ آج میں بہت دنوں بعد خود کو بالکل پرسکون محسوس کر رہا ہوں جیسے برسوں
دھوپ میں چلنے والا سائے میں آ بیٹھا ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے آپ سے معذرت کرنا چاہیے یا آپ کو مبارکباد دینا

چاہیے۔ کیونکہ کائنات پہلے تیار کرنے میں عاجلانہ میں لکھا ہوا ہوں۔ اس لئے میں نہیں سمجھ پا رہا۔
بھی ہے اسی وجہ سے آپ کو ذہنی طور پر کمزور سمجھتے ہیں۔ مجھے امید ہے آپ اس سوچ میں مجھے نہیں لکھیں گی۔ جب عورت تکلیف دہ لمحوں میں ماں کا
پیار بھرے ہیں۔ مجھے امید ہے آپ اس سوچ میں مجھے نہیں لکھیں گی۔ جب عورت تکلیف دہ لمحوں میں ماں کا
کردار ادا کرتی ہے تو دوسری ذمہ داریوں کی سے فرست ہی کب ہوتی ہے۔ اللہ حافظ
زاد علی خان
چائے نازنین نے پیا تو اطمینان کی ہوش ہو اس پر سایہ تھا۔ میاں ماں میں چھڑا گئی تھی۔ ماں کو دیکھنے آئی تو نازنین
چھڑکاؤ کی ہوئی تھی۔ خط اس کے ہاتھ میں تھا۔
ماں تو بھی کبھی کہ وہ اطمینان سے بیٹھی ہے اسے کوئی ذہنی کام کر رہی ہے یا وہ علی خان کی چیزیں سنبھال رہی ہے۔
"رشی سو رہی ہے چھوٹی بہن بھیجے خانوں اور ان کی بہن کراچی سے آ گئی ہیں۔ اماں جی نے کہلوایا ہے "آپ ماں کی
کے کمرے میں آ جائیں۔ ساری حویلی میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ حمد۔ خانوں کی بہن اگرچہ ہے۔ وہ اسے لینے چاہے ہیں۔
اس یاد خانوں کا انتظار ہے"۔
ماں نے سوئی ہوئی رشی کے بھورے بالوں پر محبت بھری نظر ڈالی۔ اٹھے وہ بے پروائی سے بڑبڑائی۔
"اماں جی کہہ رہی تھیں کہ انہیں خبر کیسے ہوئی کہ وہ کب آئے گی میری پریشانی کا کسی کو کوئی احساس نہیں۔ اپنی اپنی پڑی
ہے"۔
جواب میں پھر خاموشی تھی۔
"بھیجے خانوں کی بہن کی صحت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی ہے۔ ماشاء اللہ۔ اب تو سب سے باتیں بھی کرنے لگی ہیں۔
پہلے تو بہت چپ چپ رہتی تھیں"۔
اس مرتبہ ماں بولی۔ جواب میں کوئی ردعمل ہوتا یا نہ ہوتا۔ وجود میں کوئی حرکت تو ہوتی جو انسان عام حالات میں فطری
طور پر کرتا ہے۔ ماں قریب چلی آئی۔ مگر خوفزدہ ہو کر نازنین کو دیکھنے لگی تھی۔ نازنین کے دونوں ہاتھ چہرے میں خط تھا۔ کھلے ہوئے
رکھے تھے۔ روز انداز میں وہ الجھی ہوئی تھی اور گھنیں وال پیپر پر گرتے آبشار بنی ہوئی تھیں۔
ایک لمحے میں تو کسی بچے کا گمان ہوتا تھا۔
"چھوٹی بہن"۔ ماں نے خوف و تعجب سے اسے پکارا۔
اب وہ الجھے ہوئے سر پر ہاتھ جما گئی تھی۔ عالم اضطراب سامنے سے آتی نظر آ گئیں۔ وہ ماں کی پکار پر چونک کر
مڑ گئی تھیں۔
"کیا ہوا ہے اماں؟" وہ پریشان نظر آئیں۔ وہ زاد علی خان کے ہاتھ چلے جانے سے یوں بھی ایک دم کا سہارا کھو بیٹھی
تھیں۔
"بڑی بیگم اور چھوٹی بہن کی طبیعت خراب ہو گیا ہے؟ آپ جلدی کریں"۔

www.Paksociety.com

ماما نے بے اختیار انداز میں عالم تاب کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ عالم تاب ایک لمحہ ضائع کیے بغیر چل پڑا۔
نازنین ان کی نگاہوں کے سامنے سوتی کی طرح نصب تھی۔
"نازا" انہوں نے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا۔ وہ ازحد کمزور ان کی گود میں آ رہی۔ عالم تاب ایک جھٹکے سے رو گئیں۔
"ماما! جلدی سے کہو کہ چھوٹی دلہن کو اسپتال لے کر جانا ہے' جلدی کرو۔"
وہ کودیں کرتی نازنین کے ہاتھ پاؤں درست کرنے لگیں۔
ماما فوراً دوڑ گئی۔
پندرہ بیس منٹ بعد ہی بڑے ابا (عالم تاب کے شوہر) اور بصیر علی خان اندر تیزی سے داخل ہوئے۔
"کیا ہوا بھابی بیگم؟" بصیر علی خان پریشانی سے پوچھ رہے تھے۔
"ہوا ایک طرف"۔ بڑے ابا کے اعصاب شاید سب سے زیادہ مضبوط تھے۔ انہوں نے نازنین کو بازوؤں میں اٹھایا۔
"آپ کوئی چادر لے کر گاڑی میں آؤ"۔ انہوں نے ماما کی سست رو بیٹھتے ہوئے بیوی کو مخاطب کیا۔
قدموں کی دھمک سے راہداری اور پورچ گونج اٹھے۔ گاڑی کے دروازے کھٹاک کھٹاک کھلنے کی آوازیں بھی شامل تھی۔ جو شور مچا ہوا تھا۔ عالم تاب پچھلی سیٹ پر نازنین کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ آگے بصیر علی خان اور عالم تاب کے شوہر بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی پھر ایک شور کے ساتھ موڑ کاٹا اور دوڑ پڑی۔
اتنی دیر میں گھر کے بہت سے لوگ پورچ میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ اور حیران پریشان دھول اڑاتی گاڑی کو سامنے سے غائب ہوتا دیکھ رہے تھے۔
نازنین کے ہاتھوں میں ابھی تک کھنچاؤ تھا۔ عزے عزے انداز میں عالم تاب نے بہت دھیرے سے ان کے ہاتھوں سے آزاد کرایا اور تہہ کر کے اپنے گریبان میں رکھ لیا اور بہت افسردگی سے نازنین کا چہرہ دیکھتے ہوئے ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔ گاڑی پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔

پورے گھر میں موت کا سا سکوت طاری تھا۔ امی جی اور بابا صاحب بھی اسپتال گئے ہوئے تھے۔ رشی نے رو رو کر ایک الگ مسئلہ پیدا کر رکھا تھا۔ ماما نے گود میں لے کر بہلانے کی کوشش کی تھی۔
عشاء کی اذانوں سے کچھ دیر پہلے جمیل علی خان نے حویلی میں قدم رکھا تھا۔ ماما سے ہراساں ہو کر پوچھا۔
"السلام علیکم بھائی جان"۔
"وعلیکم السلام۔ یہ؟" انہوں نے رشی کی سمت اشارہ کر کے کچھ پوچھنا چاہا۔
"روشانے ہے نال"۔ وہ افسردہ سے انداز میں گویا ہوئی۔
"بھائی کہاں ہیں؟" جانے کیوں ایک وسوسہ سا لمحہ بھر اندر در آیا تھا۔

"اسپتال ہیں"۔ ماما نے مختصر جواب دیا۔
"کیا ہوا؟" دھڑکنوں کا شور گاہے کے دل ان کے قلب پر خون کی بوندوں کی طرح ٹپکنے لگے۔
"ہوا ہے نال"۔ وہ بھی ماما کی آواز میں اس طرح کو سب سوالی جیسے ان سے بھی زیادہ پریشان ہو گئے ہیں۔ "کچھ بولتے نہیں ہا"۔ وہ رشی کی آواز میں اس طرح کو سب سوالی جیسے ان سے بھی زیادہ پریشان ہو گئے ہیں۔
"کیسے؟ وہاں۔ کیا ہوا بھائی کو؟" ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح ان کے ذہن میں لپکا۔
"نہیں شاید اسی صدمے سے"۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر بے ہنگم کا اضافہ کرتے ہوئے اسے بات بدلنا پڑی۔
"کیا ہوا تھا؟ کب کی بات ہے؟"
دو تک وہیں رکھ کر پوچھنے کی جیسوں ہمت جمع کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔ پریشانی کی ایک ایک لہر ان کے چہرے سے واضح تھی۔
"پانچیں بجی میں تو روشی بی بی کو دیکھنے گئی تھی۔ چھوٹی دلہن بہت سے کاغذ لے کر بیٹھی تھیں۔ میں سمجھی وہ ان کاغذوں کے کاغذ سنبھال رہی ہیں۔ میں نے ان سے دو چار باتیں کی۔ وہ کچھ بولیں نہیں پھر میں نے انہیں دیکھا تو چکرا سی گئی تھیں۔ میں بوکھلا کر بڑی بیگم کو بلا لائی۔ وہ بولیں نہیں' بول تو سکتے میں ہے۔ بڑی بیگم اور میاں خان (بڑے بابا) انہیں موٹر میں ڈال کر اسپتال لے گئے۔ بصیر خاں بھی ساتھ ہیں۔ موٹر وہی چلا رہے تھے۔
بعد میں جب ٹیلی فون آیا تو باقی لوگ بھی اماں جی کے ساتھ چلے گئے۔ بڑے خان مغرب کی نماز کے بعد گئے تھے"۔ ماما نے تفصیلی رپورٹ پیش کی۔
"خانزادے آئے تو وہ اسپتال جا رہے ہیں وہ بھی چل رہی"۔ ماما نے حریفانہ انداز میں کہا۔
"ہوں"۔ جمیل علی خان نے گہری سوچ میں ڈوبے ڈوبے ہنکارا بھرا۔
"بڑے بھائی کو اسپتال لے جانے کے بعد کوئی بڑے بھائی کے بیڈ روم میں گیا تھا؟"
وہ کچھ سوچتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔
"جی۔ بی بی جان (زبیر بیگم) گئی تھیں"۔ ماما نے ان پر زور دیتے ہوئے بتایا۔
"بی بی جان کہاں اسپتال گئی ہیں؟" جمیل علی خان نے قدرے چونک کر پوچھا۔
"وہ گئی تھیں بصیر خاں کے ساتھ۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے واپس آئی ہیں۔"
"بصیر بھائی کہاں ہیں؟ آپ ان آئے ہیں کرایہ لی سے؟"
"تو بھیجے اندر کمرے میں پہنچا دیا۔ ہم بی بی جان کے پاس ہیں۔ اسپتال سے فون آیا تو بھیجے دیا۔" وہ بتاتے ہوئے تھوڑا سا دائیں سمت کی طرف بڑھے تھے۔
زبیر بیگم کے کمرے کا دروازہ بند کھلا ہوا تھا۔ اور وہ چائے کے ٹرے پر جھکی ہوئی باہر ہی سے جھانک رہی تھیں۔

www.Paksociety.com

"...نہیں۔ معاف کیجئے گا۔ آپ کی بات پر یقین نہیں آتا۔ آپ کی ایک ایک بات سے ظاہر ہے آپ ہم سے کچھ چھپا رہی ہیں۔" وہ دھیرے سے اٹھ کر ان کے قریب آ گئے۔

"میں کیا چھپاؤں گی بھری جان۔ میرے بچے!" وہ تیمور کے کاندھے سے وہیل لگائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

تیمور علی خان کی ساری اضطرابی قوت دھیرے دھیرے ڈھیلی پڑنے لگی۔ انہوں نے انہیں کو اپنے بازو کے حصار میں سنبھالا۔

"آپ ہمیں بتا دیں پلیز۔ جو کچھ بھی ہے ہم اطمینان سے سنیں گے۔"

"کچھ بھی نہیں ہے۔ بس ناز کی طبیعت خراب ہے۔ ہاں تو دل بہت پریشان ہے۔" وہ پلو سے آنکھیں پونچھنے لگیں۔

"آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں بی بی جان؟ مجھ بات آپ برداشت کر سکتی ہیں۔ کیا ہم نہیں کر سکتے؟" وہ بے کسی سے گویا ہوئے۔

"اب کوئی بات ہی نہیں تو کیا تاؤں۔ ناز کی وجہ سے۔"

"بی بی جان! ہم کوئی دودھ پیتے بچے نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے جس کی وجہ سے ہمارے گھر کا سکون برباد ہوا ہے مجھے بھی آپ کے سامنے اسے خون ہی اپنا لینا چاہیے۔ آپ اسی خوف کے سبب حقیقت چھپا رہی ہیں ناں۔ تو دیکھئے۔"

انہوں نے دائیں طرف کی جیب (پینٹ کی) ہاتھ ڈالا۔ جدید وضع کا دو نالی پستول ان کے ہاتھ میں چمک رہا تھا۔

رضیہ بیگم ہائیں ہائیں کرتی رہ گئیں تو انہوں نے اسی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا کہ وہ بس بے بسی سے انہیں کمرے سے نکلتا دیکھتی رہیں اور پھر لگے پاؤں ان کے پیچھے دوڑی تھیں۔

"تیمور... بات تو سنو۔" مگر وہ آندھی طوفان کی طرح باہر کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ رضیہ بیگم بھی شاید زندگی میں کبھی اتنا تیز نہ دوڑی ہوں گی۔

باہر کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ تیمور علی خان نے دہشت بھرے انداز میں ایک فائر کیا۔ پھر دوسرا کیا اور پھر تیسرے دروازہ کھلا۔ اگلے ہی لمحے رضیہ بیگم بھی ان کے قریب جا پہنچی تھیں۔

علیزہ پہلے فائر پر تو سمجھی نہیں تھی مگر دوسرے فائر پر اس نے سامنے کی دیوار کی طرف ایک شعلہ جذب ہوتے دیکھا تو بجلی کی تیزی سے ساری صورتحال سمجھ گئی۔ ایک سرعت سے اس نے دروازے کے پٹ کھولے اور چوکھٹ پر ہاتھ ٹکا کر اچھلنے کی کوشش کی مگر مطلوبہ کارکردگی دکھانے کی شکل میں گل ہو گئی تھی۔ آنکھوں کے سامنے موت کا اندھیرا چھانے لگا۔

تیمور کے پستول سے شعلہ نکلا اور اس کے باغی شانے میں جذب ہو گیا۔

"تیمور!" رضیہ بیگم کے حلق سے ایک چیخ ابھری اس چیخ میں علیزہ کی چیخ بھی شامل ہو گئی۔ ایسی دردناک چیخ کہ دل بیٹھ جائے اس کر۔

رضیہ بیگم نے تیمور کو دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔

"بی بی جان! ہم کہہ رہے ہیں نہیں ہونے دیں گے تو کچھ۔ میرے ہوتے ہوئے۔ میرا بیٹا صاحب!"

پھر بھی انہوں نے اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ ناز جان کے بہنوئی کرنے کے کسی چکر میں ہو سکتے ہیں۔

رضیہ بیگم روتے روتے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھیں۔ دفعتاً چونک پڑی تھیں۔

تیمور کو دیکھ کر ان کی نظریں جھک گئیں۔ جھکی نظریں بڑا معنی رکھتی ہیں۔ بعض اوقات تو سوال کی ضرورت ہی ختم کر لیتی ہیں۔

"ہم اندر آ سکتے ہیں۔" وہ بچن کی آواز سن کر جلدی سے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتے تھے۔

"ہوں۔" وہ بس ہوں کہہ کر رہ گئیں۔

"آپ اپنا کام پورا کر لیں۔ ہم بیٹھتے ہیں۔" وہ بظاہر اطمینان سے گویا ہوئے۔

"کر لیا ہے میں نے اپنا کام۔ تھرمامیٹر کہاں ہے۔ پچھلے... لگا تھا ہوئی یا نہیں؟"

وہ جائے نماز کا کونہ موڑ کر ان کے قریب چلی آئیں۔

"ہوئی آئے ہیں۔ اب کیا ہوا ہے بی بی جان؟" انہوں نے آدھے سوال کا جواب دے کر الٹا ان سے سوال کر دیا۔

"بس اب تو کھیل ختم ہو گیا۔ اب تو بس سنے آ جاؤں گے فی الحال تو وہ تک پریشان نظر آتی ہے۔"

وہ بھائی کے پہلو میں بیٹھ کر نہایت دل گرفتہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"کیا مطلب؟ ناز بھائی؟" ایک خوفناک خیال سے ان کی جڑیں تک ہل گئیں۔

"فی الحال تو سوت سے لڑ رہی ہے۔" وہ دکھ سے بولیں۔

"پھر... آپ کی بات کا کیا مطلب لینا چاہیے؟" وہ بے قراری سے پہلو بدل رہے تھے۔

رضیہ بیگم نے جیسے خود پر قابو پایا۔ ایک خیال یوں تھا اچانک آ گیا تھا جو سراسر بھلائی جس کے تحت تھا۔

"بابا صاحب تو نہیں آئے ہیں ابھی؟" یہ سوال اسی خیال کے تحت تھا۔

"شاید نہیں۔" تیمور نے جلدی سے کہا جیسے کہہ دینا چاہتے ہوں چھوڑیے اس بات کو اصل بات فرمائیں۔

"ہوں۔ میرا خیال ہے رات ختم ہونے سے پہلے ناز کو ہوش آ جائے گا۔"

"آپ ہماری بات کا جواب دیجئے بابا جان... [illegible]

جیسے پتا چلا ہے جب ان کی یہ حالت ہوئی تو وہ کچھ کاغذات لے کر نکلی تھیں اور ان کے اسپتال جانے کے بعد صرف آپ ان کے کمرے میں گئی تھیں۔ کیسے تھے وہ کاغذات آپ نے اٹھائے ہوں گے۔ پڑھے بھی ہوں گے؟ بتائیے ہمیں۔" وہ خفگی اور خفگی کے بیچ میں ان سے مخاطب تھے۔

رضیہ بیگم بری طرح گھبرا گئی تھی۔ انہوں نے اپنے لاڈلے داماد کے لائق فائق خوبرو جیسے بھائی کو بھی ہولی نظروں سے دیکھا تھا۔ ان کی جان تو اسی دن ہولی سرک گئی تھی جب ان کی ماں نے بڑی بیٹی کی حیثیت سے انہیں شریک جرم کیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ پیچھے سے ادھر ادھر [illegible] مگر پڑھی تو مجھے کوئی خاص نہیں آئی۔ میں نے سمیٹ کر بابا صاحب کو دے دیئے تھے۔" وہ نظریں چرا کر کمزور سی آواز میں گویا ہوئیں۔

www.Paksociety.com

وہ پوری قوت سے انہیں دور ادے سے ہٹا کر مظہر کو بھاگنے کا موقع دے رہی تھیں۔

"چھوڑ دے بی بی جان! آپ ہٹیں"۔

ان کے پستول سے ایک شعلہ اور نکلا۔ مگر رضیہ بیگم کی کوشش کی وجہ سے نشانہ خطا ہو گیا مظہر نے شانے پر ہاتھ رکھا اور خون ابل ابل کر بہہ رہا تھا۔ خوف سے وہ سفید پڑ چکی تھی۔

"خان۔۔۔ مجھے ایک موقع دیں۔ میں۔ آپ"۔

"شٹ اپ"۔ ایک فائر اور ہوا۔ مظہر نے بستر کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ گولی اس کی ران میں گھس گئی تھی۔ اس نے ہوا تک چیخ ماری تھی۔ رضیہ بیگم نے اپنی پوری قوت صرف کر کے تیمور علی خان کا ہاتھ موڑا۔ ان کے اندازے کے مطابق اس وقت پستول میں ایک گولی باقی ہوئی تھی۔ وہ چاہتی تھی یہ گولی کسی طرح ضائع ہو جائے کہیں دیوار میں گھس جائے۔ ان کو آتشی اسلحے کے استعمال کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ مگر اس وقت ان کا ذہن کارکردگی کے لحاظ سے اپنے تمام پرتو تھا۔ انہوں نے تیمور کے ہاتھ پر وار ڈال کر گولی دیوار پر ضائع کرنا چاہی۔ یہ تو وہ جان چکی تھیں کہ تیمور کو ان کے ارادے سے باز رکھنا ممکن نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ تھوڑا اس طرح کھڑے تھے کہ مظہر بھاگ کر کمرے سے باہر بھی نہیں جا سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

رضیہ بیگم کی کھینچا تانی کی وجہ سے تیمور علی خان جیسا نشانے باز کامیاب ہو کر نہیں دے رہا تھا۔

مظہر بے ہوش ہو کر ادھر میں ایک طرف لڑھک گئی تھی اور تیمور علی خان کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے پھر پستول لہرایا۔ اسی دم ماما جھلی مارتی ہوئی ان سے آ کر لپٹ گئی تھی۔ اب رضیہ بیگم اور ماما دونوں اکٹھی ہو کر دروازے سے باہر جانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کی مزاحمت سے تیمور علی خان زخمی شیر بنے جا رہے تھے۔

"تیمور! ہوش کی دوا کر۔ اس کی ماں زخمی ہے۔ کچھ ہو گیا تو خدا کو منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑے گی۔ وہ اکلوتی شاعر محبت کا مجھ خاموش نہیں بیٹھی ہے۔ خدا واسطے کی عاقبت کی سوچ ہوگی۔ اس بدنصیب کی خاطر کیوں مصیبت کو آواز دے رہے ہو۔ میرے چاند میرے بھائی اپنے اوپر نہ سہی ہمارے اوپر رحم کر۔ کوئی ایسے ویسے پاگل جاتے ہیں۔ بھائی۔ ہمارے روگ لگ جائیں گے کسی سے۔ ایسا ظالم خون سوار ہے تو مجھے مار دو گولی۔ میں بھائی ہو کر کیسے بہنوں کی"

وہ تیمور علی خان کے بھتیجے سے لگ کر بری طرح رو پڑیں۔

تیمور علی خان نے نہایت بے رحمی سے اپنا بھتیجا بہن کا ہاتھ ہٹا۔

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

انہیں گھورتا پا کر بیگم تیمور نے بڑی سرعت سے بوا خیراں کے ہاتھ سے لیا۔ اور ماما کو حیرت کی تاریکی کے تھوڑے سے کنویں میں گرا کر باہر نکل گئیں۔

"کچھ ہو جاتا تو اچھا تھا بی بی جان اب یہ آگ ہمیں عمر بھر سے کل رہے گی۔" وہ خفگی سے اندر ہی کہہ رہے تھے۔

"اور جو ہمیں عمر بھر کے روگ لگ جاتے اس کا حسیبہ کو احساس نہیں۔" وہ اسی انداز میں گویا ہوئیں۔

"اچھا اب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ ہمیں اب اکیلی چھوڑ دو۔ خون بہت بہہ رہا ہے۔ کہیں واقعی کوئی سنگین صورت حال نہ بن جائے کے پیش نظر کہہ دیا۔

تیمور علی خان دھیرے سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ان کی آواز سے ان کا اپنا ذہنی خلفشار بہت واضح تھا۔

رفیعہ بیگم ہالے پاؤں مطلوبہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ماما نے اسے دیکھ کر واویلا اور اپنا سر پیٹ پیٹ کر بہتے ہوئے خون کو روکنے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔

مطلوبہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کا زرد چہرہ آہستہ آہستہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ بیگم تیمور کے قدم انہوں کے بھاری بھرکم ہو رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا پہلے باپ کو مطلع کریں یا کسی ڈاکٹر کو۔ ایک ڈاکٹر جو حویلی آتا تھا اس کا نمبر بھی یاد نہیں تھا۔ عجیب طرح کی بدحواسی ان پر طاری اور حاوی تھی۔ وہ حویلی سے باہر تھی۔ جو مرد ملازم تھے وہ اس وقت کی چوپال پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حویلی کے اندر یوں بھی انہیں بے تکلف آنے کی اجازت نہیں تھی۔

معاذ کے ذہن نے بالکل درست کام کیا کہ وہ باباصاحب کو مطلع کریں اور کہیں کہ وہ ڈاکٹر ساتھ لیتے آئیں۔

وہ بڑی تیزی سے ہال میں آئیں وہاں باسل کا نسخہ ڈال کر کہ وہ باباصاحب کو مطلع کریں اور کہیں کہ وہ ڈاکٹر ساتھ لیتے آئیں۔

وہ بڑی تیزی سے ہال میں آئیں اور اس باسل کا نسخہ اکل کیا جہاں وہ نہیں ایمرجنسی تھی۔ ایک ایک لفظ پڑھ رہا تھا۔

حالانکہ کمرے دو منٹ میں خان داور علی خان کی آواز کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔

"باباصاحب۔ میں ریسٹ ہاؤس سے بات کر رہی ہوں۔ آپ جلدی سے گھر آئیں۔ کسی ڈاکٹر کو ساتھ لے کر۔ ماما کے گولی لگ گئی ہے۔"

"لگ گئی ہے یا کسی نے ماری ہے؟"

ان کی سپاٹ آواز رفیعہ بیگم کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہم آ رہے ہیں ہم بتائیں گے کہاں ہے؟" انہوں نے جیسے چونک کر پوچھا تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے۔ بس آپ جلدی آ جائیں۔" انہوں نے ریسیور رکھا اور تیز تیز چلتی ہوئی واپس مطلوبہ کے کمرے میں آ گئیں۔

"ماما خون بہت بہہ گیا ہے۔ کچھ کیا وہ لے کر ڈاکٹر کا انتظار ہو گئیں۔"

"ماں ہو کر تمہیں بیٹی کا خون بہتے دیکھ کر ترس نہیں آیا۔ تم نے اس کے ساتھ ایسا کیا ہی کیوں۔ اس کے ساتھ ایسا کیا ہی کیوں۔ اس کے ساتھ ایسا کیا ہی کیوں۔

وہ بے تھے۔ ان کا بیٹا وکٹر بھی ان میں سب کو تین ماہ تک پڑھاتا رہا تھا۔ بعد میں ریگنی نے اس کے بجائے ایک اور ٹیچر کا انتظام کر لیا تھا۔

دلاور علی خان نے اجنبی کی آواز پہچان لی تھی۔ یہ ڈاکٹر وہی تھا جو اس کے بچوں کو پڑھانا چاہتا تھا۔

"نیئر صاحب مزاج پرسی۔ آپ کیسے ہیں؟"

"جی خان۔ آج ادھر کوئی جوتی میں کنکری نہیں آئی۔ اپنی عیادت کے لئے آپ کا انتظار تھا۔ حضور خان شاہ آرام کر رہے ہیں۔" اس نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ جاؤ تم۔" انہیں اس کی بے خبری کی طرف سے اطمینان ہوا۔ بیماری میں بیگم بچوں کی طرف سے جتنی بے نیاز ہو جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر کو دیکھ کر فوراً چوہدراہٹ کرنے لگتی تھی۔

"اپنے کمرے میں ہے وہ۔ باہر صاحب بیٹھے ہیں۔" وہ مطلع کر کے رستے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ بچوں کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ ایک لمحے کو رکی۔ کیا کچھ سوچ کر آگے بڑھ گئی۔

ڈاکٹر ابتدائی علیک سلیک کے بعد فوراً اصل مدعا پر آ گیا تھا۔ جو بات اس نے بتائی تھی اس کا ان پر بہت برا اثر ہوا تھا۔

ایک لمحے کو تو خان زادہ دلاور علی خان سوچ میں پڑ گئے۔ سیاسی صورت حال خاصی سخت جا رہی تھی۔ ایوب خان کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ یحییٰ خان مسند اقتدار پر متمکن ہو چکے تھے۔ ایک جرنیل گیا تھا دوسرا آ گیا تھا۔ یہ سیاسی اصطلاحیں ہم تک اخبار و رسائل کے استعمال بہت احتیاط کا تقاضا کر رہا تھا۔ یہ ڈاکٹر کسی کے اہم مہرے تھے جو ملک کے نوجوان طبقہ میں اثر و رسوخ رکھنے والے بھی کم اختیار ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ ہوش میں آ کر کچھ بول پڑی تو اب تو اسے انتظام لینے کا ارادہ تھا۔ وہ اچھا خاصا سوچ میں پڑ گیا۔

"بہتر ہے کہ اسے مرنے دیا جائے۔ اس طرح قصہ ہی تمام ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ مر گئی تو اس کی ظفر باک روڈ جائیداد والوں کو کسی مصیبت میں نہ پھنسا دے۔"

انہیں بہت دور تک سوچنا تھا۔ وہ گہری سے جا کر کا انتظام چلا رہے تھے۔ وہ کوئی پہلو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ معاملہ تو ایک مسئلے کی شکل میں تبدیل ہو چکی تھی۔

"کیا سوچنے لگے خان صاحب؟ کشتی ڈوب ہو گی اتنی مشکل ہو جائے گی۔"

ڈاکٹر انہیں سوچ میں ڈوبا دیکھ کر قدرے جز بز ہوا۔ کہاں تو انہیں اتنی جلدی تھی۔ ایک معمولی سی بات پر انہیں اشتعال نہیں ہو رہا تھا۔

"ہوں۔ معاملہ نازک ہے۔ اچھا چلتے ہیں۔ ہم آدمی کو بھیجتے ہیں۔ تم ڈاکٹر سے کہہ کر کوئی دوا پتے کر کے بھیج دو۔ لو ہمارے پاس چیک بک ہے۔ جتنا خرچا ہو۔ وہ چیک اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے بولے۔ "ہم اللہ فضل سے کہہ کر ہی گاڑی لگا رہے ہیں۔"

وہ جھکی کی لگاتے ہوئے بیماری کے مورچے سے غائب ہو گئے۔ ڈاکٹر ان کے پیچھے چل پڑا تھا۔ بیگم ہال میں ملی

تھیں۔ باہر کا دروازہ بند ہو جانے سے سنبھل گئی تھیں۔ ڈاکٹر کے ساتھ ہی کی طرف سے بھی اطلاع کر دی گئی تھی۔ ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ باہر کا دروازہ بند ہو جانے سے سنبھل گئی تھیں۔ ڈاکٹر کے ساتھ ہی کی طرف سے بھی اطلاع کر دی گئی تھی۔

دلاور علی خان نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اس وقت سے بے چین ہے۔ اب تک دونوں بہن بھائی سر جوڑے سرگوشیوں میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ بیگم نے ایک دو بار پوچھا تھا۔ "باہر صاحب خفا ہو کر گئے ہیں؟" تو دلاور علی خان نے جواب میں پوچھا تھا کہ ڈاکٹر کی طبیعت کے بارے میں باہر صاحب نے کیا کہا تھا۔ بیگم کو یہ پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا کہ باہر وہ کیا جواب دیتے۔

کتنی دیر دونوں بہن بھائی خاموش بیٹھے رہے۔ ایک دوسرے کے وجود کو محسوس کرتے رہے تھے۔ کبھی کبھی باتیں کرتے ہوئے بچے کی آواز ان کی سماعت میں داخل ہو جاتی تھی۔ وہ دونوں بچوں کی آواز سنتے ہی آواز پہچان گئے تھے۔ سب سے پہلے اماں جی نماز سے فارغ ہو کر آئی تھیں۔ بیگم کو بیٹھا دیکھ کر ان کی طرف بڑھیں۔

"کیسی طبیعت ہے اماں جی کی اب؟"

"اچھی ہے۔ ٹھیک ہے۔ سو گئی ہیں۔" وہ قدرے حال سے اتار میں گویا ہوئیں۔

تیمور علی خان انہیں دیکھتے ہی آگے بڑھے اور ان کے پاؤں چھونے لگے۔

"بیٹے! کہاں جا رہے ہو۔ بہت رات ہو گئی ہے۔ صبح چلے جانا۔"

وہ پلٹ کر تیمور علی خان سے مخاطب ہوئیں۔

"اسے زاکو بھی! کیسی ایسی ہوا سے ڈھیر کر ہاری حالت ہو گئی ہے۔"

وہ بہت کمزوری محسوس ہونے لگی تھیں۔

"ٹھہرئے باہر صاحب آ گئے کیا؟ پتا نہیں اسپتال سے ایک دم کہاں چلے گئے تھے۔"

"ہاں بھوا۔ اماں جی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ صبح چلے جانا۔"

"بہت صبح کی گاڑی کا سوال نہیں ہے۔ چلے جانا۔ کمال تو ہے آپ۔"

وہ بھائی کے سمجھانے پر اماں جی کو سہارا دے کر بستر پر لٹانے لگے۔ پھر کچھ سوچ کر بیگم کی طرف مڑ گئے۔ بیگم نے ان کی آنکھوں میں ہونے والی تحریر کو پڑھ لیا تھا۔ وہ سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تیمور علی خان باہر کی طرف بڑھ گئے۔

پہلے تو ڈاکٹر نے اپنی تشخیص کی تھی کہ اسے دماغ کی جھلی کا بخار ہے۔ پھر اسپتال کے ڈاکٹروں نے بھی یہی کہا تھا۔ لیکن اب انہوں نے کچھ اور ہی کہا تھا۔ کچھ اور ہی بتایا تھا۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ تو ایک ناقابل یقین بات تھی۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا کیسے ہو گیا۔ یہ سوچ سوچ کر ان کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
urdunovels.net
www.Paksociety.com

اماں جی کا لہجہ تھکے تھکے سے بے جان محسوس ہو رہا تھا کہ اب حد ہو گزری ہے اور انہیں کچھ ہونے والا ہے۔ روبینہ کی آنکھیں دودھیا سے آئی تھی۔ اور اپنی حماقت میں انہیں مطربہ والے معاملے کی اطلاع کر گئی تھی۔ انہوں نے رضیہ بیگم کو بلا بھیجا تھا۔ ان کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔

رضیہ بیگم تھکے تھکے قدموں سے ماں کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"آپ نے بلایا اماں جی؟" وہ ماں کے قریب بستر پر بیٹھ گئیں۔

"ہاں۔ تم لوگ کیا مجھے بچہ سمجھتے ہو جو اتنی اہم باتیں چھپاتے ہو۔" وہ ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں اماں جی! آپ تو ویسے ہی پریشان تھیں۔ سوچا اور کیا پریشان کریں۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"تمہیں میری قسم۔ بتاؤ وہ زندہ ہے۔ خون تو نہیں ہو گیا میرے بیٹے سے؟" وہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

"اللہ نہ کرے اماں جی۔ وہ تو شکر کریں گھر میں، میں موجود تھی۔ ورنہ تو جیسے پاگل خون سوار تھا سیدھے منہ بات ہی نہیں آ رہا تھا۔"

وہ یاسیت سے بولیں۔

"تو اسے تم نے بتا دیا تھا کہ۔" ان کی آواز بھرا گئی۔

"میں کیسے بتا سکتی تھی۔ باہر ماما جی سے سوال جواب ہو رہے تھے۔ انہی سے اس نے بکرا چھین کر نکال لیا ہوگا۔ پہلے تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا پھر۔" وہ بولتے بولتے رک گئیں۔

"پھر کیا؟" اماں جی نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر کیا اماں جی! آپ کو پتا چل ہی گیا ہے۔" رضیہ بیگم جیسے تھکن سے چور چور تھیں۔

"کچھ تو بتائے گی ناں۔ کرمی کہاں گئی۔" وہ خود کو ضبط کرتے ہوئے بولیں۔

"ہاں۔ اللہ نے کرم کیا۔ میری سمجھداری میں نہانے خطا ہوتے رہے۔ میں ایک سیکنڈ کی اگر دیر کر دیتی تو۔" وہ ہانپتے ہانپتے بتا رہی تھیں۔ رضیہ بیگم نے ویسی آواز میں بتایا۔

"بتاؤ۔ ناحق کسی کا خون سر لگ جاتا۔" اماں جی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"خیر ناحق تو نہیں۔ حشر تو اس کا بہت برا ہونا چاہیے۔ چاروں طرف آگ لگا دی ہے۔ خون نے ہمارے گھر کے سکون کی سانس کو تو ہے۔ زندہ اسے نہ چھوڑے۔ ہم تم میں کیڑے پڑیں۔ اس بے حیا نے اللہ نے میرے بھائی کا خون نہیں لگایا۔"

"ہاں خدا کو سونپ دیتی ہے کسی کو اپنے انجام کو تم کیوں اپنی زبان خراب کرتی ہو۔ بدی کا قوی بھی انجام برا ہی ہے۔ قدرت کا اصول ہے۔"

اماں جی اپنی فطرت سے مجبور تھیں۔ دل کی بھڑاس نکالنے لگیں۔

"یہی فطرت کا اصول ہے اماں جی! انسان کو دکھ پہنچاتا ہے تو اس کے حصے کی خوشیاں بھی اسے ہی مل جاتی ہیں۔ جن کو ہم چھیننے والوں سے لے کے بانٹ دیتے ہیں۔" رضیہ بیگم پُرسکون لہجے میں بولیں۔

اب مرحومی جائے تو کہاں جائے۔ وہ تو ہونی ہو کے رہنی تھی۔ ہو گئی۔ ناں بابا۔" گل نے۔

رضیہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اماں جی نے آنسو روک کر بیٹی کی کمر سہلانے لگیں۔

"میری طرف بھی نکلو۔ غم آ جائے تو ہی ہوتا ہے۔ کٹ ہی جائے گا دن۔ اب ادھر سے مٹی جائے کہاں تک پہنچا ہے۔ میری بچی بھی ہوتی ہوں۔ سمجھتی ہوں۔"

ان کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ رضیہ بیگم ماں سے لپٹ گئیں۔ دونوں طرف خاموشی آ گئی۔ یوں تک تک کر روئیں کہ گھر میں کوئی نوحہ گری ہو گئی ہو۔

"ہم لٹ گئے اماں جی!" رضیہ بیگم کی چیخیں نکل گئیں۔ "اماں جی میرے بھائی۔ ہائے اماں جی میرے بھائی۔" وہ دونوں روئی تھیں۔ آنسو پونچھنے والا کوئی نہ تھا۔

"اور نہ جانو بانو۔ کیا ہو گیا تجھے۔ یا اللہ میرے کس گناہ کی سزا ہے۔" اماں جی سسکیاں بھرنے لگیں۔

ماما کسی کام سے کمرے میں آئی اور الٹے پاؤں بھاگ گئی اور صبر علی خان کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا۔ وہ چند لمحوں بعد اماں جی کے کمرے میں تھے۔ ان کی بیوی بھی ان کے پیچھے آنے لگیں تو انہوں نے وہیں کمرے میں رکنے کو کہا کیونکہ ابھی ان کے اور حویلی کے درمیان پردے سے حجاب تھے۔ ان کے سامنے مکمل کپڑے میں ہوتی تھیں۔

"کیا ہوا اپی جان۔ چپ ہو جائے۔ دیکھئے اماں جی کی حالت خراب ہو جائے گی۔" انہوں نے بمشکل ماں بہن کو چپ کیا۔

"خیر کیا انہیں پتا چل گیا ہے۔" رضیہ بیگم کراہیں۔

"مگر اس طرح بھی تو بدلہ نہیں بنتا گی اپی جان۔" وہ بہن کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

"بات تو مجرم کی سزا کی ہے نہیں بنتا گی۔"

وہ اسیر علی خان کے شانے سے بے تابی سے لگا کر رونے لگیں۔

"میرے بھائی مظلوم تھا۔ مظلوم رہا۔ ذرا سوچ کیا ہو گیا ہمارے ساتھ۔"

"اس طرح پریشان ہونے سے بھلا کچھ ہو سکتا ہے؟ حوصلہ کیجئے۔ اماں جی کی طرف دیکھیے انہیں حوصلہ دیں۔ اپی جان۔"

صبر علی خان نے بڑی بہن کو پیار سے سمجھایا۔

"مطربہ کا بھی اتنا قصور نہیں ہے۔ بہت خوبصورت ہے۔ بہت خوش مزاج کا پیشہ ہوتا ہے۔ قربانی کا بکرا دیکھ کر اچھا خاصا عداوت کر لیتا۔ ہماری خاطر اپنے بچوں کی خاطر۔ اتنا بڑا اقدم اٹھا لیا۔ اسے کسی کا خیال نہیں آیا۔ اپنی بوڑھی ماں کا بھی کہیں؟" وہ ہار سے رو پڑے۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بصیر علی خان کی قوت گویائی جیسے سلب ہو گئی۔ وہ بہن کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

"ساری جاگیر ان کو دے کر بھی نقصان پورے نہیں ہو سکتے۔ ذرا سوچو بصیر۔"

"تم جیسی اولاد دے بھی اللہ روک لے گا۔ میری خاطر چپ ہو جاؤ۔ مجھے کچھ ہو جائے گا۔ اماں کی نے بڑی ہمت سے اپنے آنسو روکے۔

"دیکھو تیمور آتا ہوگا۔ غور کو سنبھالو۔ جانے کیا کہہ دی ہوگی وہاں۔ کس حال میں گھر آئے۔ جاؤ تم اپنے گھر میں۔ ماما سے کہنا تمہارے ابا صاحب آ جائیں تو مجھے بتا دے۔ پتا نہیں کس پریشانی میں ہوں گے۔ چلو اٹھو شاباش بیٹی۔"

اماں جی کی ہمت کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ جس کی امید کسی کو بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

"بصیر! تم تیمور کا راستہ دیکھو۔ بھائی کو سنبھالو ہوگا بیٹے۔ بڑی گرانی ہے اس پر۔"

"ٹھیک ہیں اماں جی! آپ فکر نہ کریں۔ ادھر ہی تھک میں ہوں ہیں۔ آپ آرام کیجئے آپ کی بی بی جان۔ آپ بھی آرام کر لیجئے۔

بصیر علی خان نے انہیں زبردستی لٹایا تو وہ لیٹ گئیں۔

اماں جی اپنی نماز کی چوکی کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کی چال سے لگتا تھا کہ یہ غم کو ہضم کر رہی ہوں۔

بصیر علی خان نہیں کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ اماں جی سمجھیں کہ ماما روپا دیوی ہے۔ انہوں نے رخ موڑے بغیر ہی اندر آنے کی اجازت دی۔ وہ اندر جائے نماز پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز تو آئی مگر آنے والا کچھ بولا نہیں۔ کمرے پر قدموں کی چاپ تو محسوس ہوئی تھیں۔ وہ خود ہی بولیں۔

"ہاں۔ کیا بات ہے آ گئے تیرے ماں؟"

"جی ہیں اماں جی۔" تیمور علی خان کی آواز بہت دھیمی اور شرمندہ تھی۔

ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اماں جی جواب میں کچھ بولے بغیر دوبارہ تسبیح پڑھنے میں مصروف ہو گئیں۔

وہ چند قدم آگے بڑھا کر چوکی کے بالکل سامنے کارپٹ پر بیٹھ گئے۔

"ایک تو آپ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے گویا میں حرم میں داخل ہو رہے ہوں۔ عبادت کا تقدس محسوس ہو جاتا ہے اور اگر اس پر آپ کا جائے نماز کریں تو آنے والے کی توجہ سے ہی جواب دے جاتی ہے۔ اماں جی آپ ہم سے ناراض ہیں؟"

تیمور علی خان کو جواب نہیں دے سکیں۔ بڑی ہمت دی ہے تمہیں اللہ نے تیمور علی خان۔ تو نے ہر دل کو گھائل کر دیا ہے۔ چلتے ہوئے خنجر سے ان کا وجود چھلنی کر دیتے ہو۔ اس کی کمال ادا سے ہو کر اپنا سب کچھ ہار کر بھی کمال سے جیتے ہو۔

مرنے والے تیر پر ہو گئے۔ کر قصہ تمام کر کے ہو کر اسے بڑی سادگی سے کہہ دیا کہ اللہ والے کمرے کی دیوار پر لگے ہوئے مونگل والے کلہاڑی جہاد کی دعا دیتے ہیں۔ قصہ تمام کر دیتے ہیں۔ تمہاری ہمت کیسے جواب دے سکتی ہے؟"

اماں جی! یوں نہ کریں۔ خاطر جمع رکھیں۔ آپ کا مال ہوں۔ ویسے اماں جی! کمزور بھی بہت ہو گئی ہیں۔

اماں جی کہیں۔

"اللہ والے کو پتا ہے بیٹا کہ ہم کمزور نہیں ہوئے۔"

"اماں جی! ہم انسان ہیں فرشتے نہیں ہیں۔"

"بیٹے! ہم پر رحم کرو۔ صدمہ ہو گیا ہے۔"

"آپ کو پتا ہے اماں جی! تیمور علی خان مرجانے کو بھی جا رہا ہے۔ جب ہمیں ہاری بھائی نے کہا کہ اس نہیں آ سکتا وہ بھائی نہ کہیں۔ آپ کو پتا ہے اماں جی!"

ٹھیک ہے تو کہہ دیا۔ ہے وہ بھائی۔ اس کے ساتھ ہمت ہارنا۔ ہمارا فرض ہے۔ اس کی ہمت ٹوٹ گئی ہے۔ اس وقت بھی وہ کمزور ہی تھی۔ آؤ بیٹا! مجھے سہارا دے کر اٹھنے میں۔ چلو۔ بڑی تھکن ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔"

انہوں نے تیمور علی خان کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ وہ ایک دم گھبرا گئے۔ ان کو سہارا دیا۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ان کو سہارا دیا۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ان کو سہارا دیا۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"مائی بی بی مجھے اماں جی!"

اماں جی نے تھکی ہوئی مسکراہٹ سے اور دوبارہ مجھے پر سر ڈال دیا۔ پھر گھر سے باہر نکل گئیں۔

"...کیا تمہارے ابا صاحب آئے ہیں؟ اب تو بہت دیر ہو گئی ہے۔ جانے کن حالوں میں ہیں۔" اماں کی آواز ہونٹوں میں گھٹ کر رہ گئی۔

"بیٹا! تم دیکھتے رہنا۔" جانے کس احساس کے تحت ان کی نظریں جھک گئیں۔ "آپ کے ابا کو بھیج دیں گے۔ پہلے طبیعت ٹھیک تو ہے ناں اماں جی؟"

"ہاں۔ میں ٹھیک ہوں تم اپنے ابا کی فکر کرو۔ جاؤ بچے۔" وہ بمشکل بھرائے ہوئے لہجے میں کہہ سکیں۔

حویلی میں اگر انسان آدمی داخل ہوتا تو پہلا تاثر یہ ہوتا کہ یہاں کوئی نہیں رہتا۔

سجا سجایا باغ، تراشیدہ گھاس، پھولوں کے تختے، گھنے سایہ دار درخت۔ سفید سنگ مرمر کے برآمدے دھلے دھلائے ہوئے جیسے ابھی دھوئے گئے ہوں۔ دیواری مائل چم چم کرتے ہوئے دروازے جو مقفل سہی اور گزرگاہوں کا پتا دیتے ہوئے تھے۔ سرخ بجری والی گزرگاہ جو شاندار پورٹیکو تک جا کر تمام ہوتی تھی۔ شام کا سناٹا پہن رہا تھا۔ حویلی کا ہر حصہ خوبصورت اور مرتب سلیقہ۔ صفائی اتنی کہ تنکا پڑا نظر آئے۔

اس کے باوجود اتنی گہری خاموشی اور ویرانی تھی کہ بعض اوقات مکینوں کے دل وحشت سے پھڑپھڑانے لگتے تھے۔ مستقل طور پر حویلی آ گئی تھیں۔ ان کے شوہر وہیں کہیں سینٹ فیلکری لگا رہے تھے۔ وہ اپنی دونوں بیٹیاں (ولی اور ولی کی گود میں تھی) کے ساتھ وہیں آ گئی تھیں۔ اس میں اماں جی کے اصرار کا بھی بہت دخل تھا۔ نرگس اپنے شوہر کے امریکہ چلے جانے کے بعد خاص طور پر دونوں بچیوں سے اور حماد کو لے کر معمول سے اداس رہنے لگی تھیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ گن تاریکی گھڑیوں میں انہوں نے حویلی میں قدم رکھا ہے۔

ہر طرف ہو کا عالم محسوس ہوتا تھا۔ اس تو بڑی بات تھی مسکراہٹیں تک گم ہو گئی تھیں۔ ہر فرد یوں کان دبائے بیٹھا تھا جیسے کوئی دھماکہ ہونے والا ہو۔ کھانے کے وقت ابتدائی مرحلہ خوبیوں کے سلسلے میں ہوتا صرف اس وقت کچھ چہل پہل اور شور محسوس ہوتا تھا۔ بچوں کے گھروں میں گھستے ہی پھر سکوت طاری ہو جاتا تھا۔ صرف برتنوں کی کھڑ پڑ باقی رہ جاتی تھی۔

سلیم کے بارے میں خان داور علی خان کسی سوال کا جواب نہیں دیتے تھے۔ بازمین کمرے میں محصور ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر کوئی اس کے پاس جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ باری کو روشنی آرا ہی سنبھال رہی تھیں۔

تیمور علی خان ان کی روشنی میں رہتے تھے۔ وہ بچوں کے لئے جان چھڑکتے تھے۔ مگر ابا صاحب سے اجازت لئے بغیر وہ کہیں نہیں جاتے تھے۔ ہر کسی کو خود کو مصروف رکھنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

یاور علی خان اور ولی کے مرنے کی خبر ابھی انہیں نہیں دی گئی تھی۔ وہ کسی کے پاس بھی نہیں جا رہی تھیں۔

ان ہی دنوں میں ایک ہفتے کے دن گزرتے رہے صرف اماں جی ہی تھیں جو کمرے میں آتی جاتی تھیں۔ وہ اماں کی خدمت کرتی تھیں مگر وہ بالکل خاموش رہتی تھیں۔ کبھی کبھار بیٹیاں اکٹھی بھی ہو جاتی تھیں تو یوں خاموش رہتی تھیں مگر یہ خاموشی کے بعد ایک سناٹے کے حال ہے والی خاموشی ہوتی تھی۔ کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ کوئی کسی سے کچھ نہیں پوچھتا تھا۔ سب کو سب کچھ پتا تھا۔

زرین بی بی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کریں۔ کیا نہ کریں۔ کوئی بات کرنے سے روک دیتی تھی۔

ہاں سے ان کے دہان اماں جی کی بیٹی ہوتی تھیں تو کبھی کبھار سلیم کو بھی لے آتی تھیں۔ مگر تیمور علی خان کو دیکھتے ہی پھر اپنی بیٹیوں کو لے کر چلی جاتی تھیں۔ پھر یہی طریقہ رہ گیا تھا۔

یہ سب کتنا اس ویرانی اور خاموشی کا تو ذکر نہیں ہے۔ ہوا تھا۔ زرین کو ایک ہفتہ لگا تھا۔ زرین کو ایک ہفتہ لگا تھا۔

اپنی کی عورتوں کی آمد و رفت ختم ہونے کے بعد وہ ہوئی تھی۔ مہمانوں کا آنا جانا بھی کھلے دل کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک ہفتے میں ہی حویلی کا ہر فرد چاہتا تھا کہ گھر میں مہمان نہ آئیں۔

حویلی کی عورتوں کی آمد و رفت ختم ہونے کے بعد وہ ہوئی تھی۔ مہمانوں کا آنا جانا بھی کھلے دل کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک ہفتے میں ہی حویلی کا ہر فرد چاہتا تھا کہ گھر میں مہمان نہ آئیں۔

حالت ان جاتی۔ حویلی کا ہر فرد چاہتا تھا کہ گھر میں مہمان نہ آئیں۔

حالت غم ہونے میں چند دن باقی رہ گئے تو داور علی خان نے ایک رات تیمور علی خان کو بلا بھیجا۔ حال ہی میں اس نے اپنے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ خان صاحب اس حادثے کے بعد کھانا اپنے کمرے ہی میں کھاتے تھے۔

"جی ابا!" تیمور علی خان کا سر احترام کی طرح جھکا ہوا تھا۔

"ابھی تک ہار کے واقعہ میں کوئی اطلاع نہیں پہنچی۔ یہ قتل ہے۔ کراب کیا اطلاع ملنے تک انتظار کریں۔ چوبیس گھنٹے میں عالم فاضل ہیں۔" تیمور علی خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"ان کے ڈیکٹ کا انتظار کریں۔ چوبیس گھنٹے میں عالم فاضل ہیں۔" تیمور علی خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

خان صاحب اپنا سر اور ذرا جھکا کر بولے۔ "ہم نے اپنے بیٹے کے قتل کا بدلہ لے لیا۔ اور بدلہ لے کر ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔"

"اس طرح مسئلوں کے حل نہیں نکلتے۔ اب کیا کرنا ہے۔ کچھ کرنا ہے تمہیں؟"

"میرے بچوں کے لئے آپ اس مسئلے میں گرفتار نہیں ہیں۔ آپ بتائیں کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

انہوں نے اگر نرمی سے کہا تو وہ باپ کی بات کاٹ گئے۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ میرے ہاتھ کو اس حادثے سے منقطع کر دیا جائے۔ ان کے قاتل وہاں ہیں۔ تمہیں فون آ چکے ہیں۔ تمہارے ہاتھ کو زخم لگے ہیں۔ ہر مرتبہ عالم اب بھی کی ان سے بات ہوئی۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ پیش کرنے سے ہاتھ کھینچ لے۔ اور ان کا خیال ہے وہ ہمارے ساتھ ان سے عزت کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ بات کرتے کرتے خاموش ہو گئے۔ تیمور علی خان کو دیکھ رہے تھے۔

"ظاہر ہے وہ انہیں طبی امداد دینے کے لیے فون کرتے ہیں۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ تیمور علی خان بات آگے بڑھانے کا انتظار کرنے لگے۔

مختصر یہ ہے کہ اس کے ہمدرد بچوں کو لے کر یہاں سے چلے جائے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ بچے حویلی سے باہر نہ جائیں۔ بیٹا آ کر کے رہیں۔

www.Paksociety.com

اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ہمارے وارث کی ماں باہر کے کسی آدمی کے ساتھ دوسرا نکاح کرے۔ وہ بچے کو لے کر چلی جائے۔ کچھ لوگ ہیں اس بات کا بہت خطرہ ہے کہ وہ قانون کے راستے سے بچے کا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ مگر ہم اپنے خون کو ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ اٹھا کہہ کر پھر خاموش ہو گئے اور سوچ میں پڑ گئے۔

"ہاں تو ٹھیک ہے۔ بچوں کے نانی گرامی والد کو آنے دیجئے۔ ان کا انتظار کیجئے۔ ان سے قانون دانوں کے ساتھ مشورے ہیں۔ یہ آخری صائب مشورہ دے سکتے ہیں آپ کو۔"

تیمور علی خان گویا ہوئے۔

"یہ وقت بھولے بھولے کا وقت نہیں ہے تیمور! حقیقت کا سامنا اور مقابلہ کرنے کا وقت ہے۔"

"آپ کے خیال میں ہم کیا رول ادا کر سکتے ہیں؟" وہ جیسے زچ ہو کر پوچھ رہے تھے۔

پھر ایک بے معنی خاموشی دونوں کے درمیان حائل ہو گئی۔

"ہمارے ہاں پچھلے بزرگوں کی دو دو تین تین بیویاں رہی ہیں۔ مرد جوان ہو اور بیوی ہو تو بچہ آسانی سے ہو ہی سکتا ہے۔"

بہت مشکل بات تھی بہت مشکل سے کہی گئی۔

تیمور علی خان نے بے تحاشا چونک کر باپ کی صورت دیکھا۔ جیسے انہیں سماعت کا دھوکا ہوا ہو۔ ان کی زبان ہی سن ہو گئی۔

"ہم نے بہت سوچا ہے تیمور۔ بڑی راتیں جاگ کر سوچا ہے۔ دیکھو۔ بچے کے ساتھ زیادتی کی صورت ہو گی ہے۔ اسکی روک تھام کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔"

"کیجئے بابا صاحب! ضرور کیجئے۔ مگر ہم بھی اتنے ہی بے قصور ہیں جتنی کہ ناز بھابی۔ آپ تو کم سے کم ہمارے ساتھ زیادتی نہ کیجئے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹے بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" خان صاحب نے بڑی نرمی سے کہا۔

"بابا صاحب! ہمارا بھی چاہ رہا ہے۔ ہم بھی بھائی کی طرح نابینا ہو جائیں۔ پھر بابا صاحب بھائی کی بھولی بھالی گھر میں آپ شریک ہو جائیں۔ دعوں، دوائیں آپ سے عمر بھر کے لئے شکایت ہو جائے گی۔ ہو کچھ ہوا ہے وہ بھی زیادتی کی بات ہے اور جو آپ کہہ رہے ہیں یہ اس سے بھی بڑی زیادتی ہے۔ مفادات سے ہٹ کر دل والوں سے سوچئے۔ شادی شدہ انسانوں کے لئے نہیں ہوتے۔ ہمیں آپ کی بات سے شکایت ہوا ہے۔ ہم یہاں نہیں کر سکتے۔ ہمیں چلانے دیجئے اور یہ بھی بھی کی آخری بار آپ ہم سے اس طرح کی کوئی بات کبھی نہیں کریں گے۔"

"بیٹھ جاؤ تیمور!" دلاور علی خان کی آواز میں حکم تھا۔

تیمور علی خان نے بے کلی سے باپ کی شکل دیکھی۔

"تم اپنی عمر کے حساب سے ٹھیک ہو مگر ہماری بات بھی نکالنا اندازیں کی جا سکتی نہ ہی ہمارے حوالی سے باہر رکھے گی اور ہم پہلے سے بچے کے پیدا ہونے والے ہیں۔ ہم اس کا بندوبست کر لیتے ہیں۔"

"بہت حساس ہے بچہ۔ ذرا سی بات ہوتے ہی تیمور! اقتباری اختیار چلنے لگتا ہے۔ اس کے بعد ایک لمبے میں ختم ہو جاتا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ بہت سی اطلاعات مکمل طور پر نظر انداز کر دی جاتی ہیں مگر اس طرح کی خوبیوں والے کو اختیار کرنے کی ادائی ہوتی ہے۔

ہماری طرف دیکھو تیمور! ہم بھی اس کی اجازت لگانے لگے ہیں۔ ہمارا سکھ بھی حرام ہو چکا ہے۔

"اس کے باوجود آپ اس کی جان چھڑا رہے ہیں۔ ظالمی کے بجائے آپ اس پر ہمارے گلے پر چھڑا کیوں کیا جائے۔"

"ہم نے جو کہا تھا کہ یا۔ اس لیے نہیں کہ تم سے تمہارا فیصلہ آج ہی سنیں۔ تم غور کرو۔ بہت وقت دے رہے ہیں۔ پھر بات ہو گی۔ تم جا سکتے ہو۔"

خان دلاور علی خان نے بیٹے کا پاپ ختم کرتے کہا کر گویا زبان بندی کا اشارہ دیا۔ تیمور علی خان نے بے بسی سے باپ کو دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

انہیں ایسا لگا جیسے سچ کی صعوبت میں اب گھرے ہوں۔ جی تو چاہ رہا تھا۔ اماں جی کے سامنے جا کر بے تحاشا رو لیں۔ غریب ماں کی عمر اس تکلیف دہ زیادتی کو برداشت کر پائے گی؟

دکھ ہی دنیا نے سارے ہوا گیا شمار ہے۔

دو مکمل اور ولی زندگی۔ بابا صاحب ہمیشہ سے ہمارے لئے بہت اہم رہے ہیں۔ ہمیں وہ اپنے ہاتھ سے کمائی دیتے ہیں تو ہمیں اچھا لگتا ہے۔ ابھی تک یہاں عورت اتنی کمزور و بیکی سمجھی جاتی ہے کہ ابھی تک عوامل کی تکمیل سے لئے کر سوالی چادر کا نسب ادا نہیں ہوا۔ قابل عمر دماغ ہے۔ ظرف بڑھ جاتی۔

ابھی یہاں عورت کو وہ احترام ہی کہاں دیا گیا ہے۔ اس کی گرانی کی جاتی ہے کہ وہ خاندان کی عزت پامال تو نہیں کر دے گی؟ اسے یہ احترام دے کر پروان نہیں چڑھایا جاتا کہ دوسرے اس کی گرانی کیوں کریں؟ وہ اپنی گرانی خود کیوں نہ کرے۔ اسے یہ کیوں نہیں یقین دلایا جاتا کہ عورت کی بھی حیثیت، عزت حاصل کرنے والے بھی اتنا ہی اختیار رکھتی ہے جتنا مردوں کو حاصل ہے اور چادر اور کا بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا مرد کا۔ ہم اپنی عورت کو تعلیم دیتے ہیں اختیار نہیں دیتے۔ اس کی گرانی کرتے ہیں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کی طرف سے چوکس رہتے ہیں۔ کہیں کوئی اس بھی کوئی کو چھیڑ سے لگ نہ جائے۔

www.Paksociety.com

اس کو یہ شعور۔ یہ احساس کیوں نہیں دیتے کہ وہ اپنی عزت نفس کی حفاظت کے معاملے میں تمام تر خود اپنے سامنے جواب دہ ہے۔ انسان خود سے زیادہ کسی کو نہیں پہچانتا۔ اس لیے اپنے بچاؤ کا معاملہ اس سے بہتر کوئی دوسرا کیسے طے کر سکتا ہے۔

اس حقیقت کا ثبوت دو کیل ہے کہ پھر یہ جذباتی اندھیرے کہاں سے آتے ہیں۔ خون خون سے اتنا خوف کیوں کرتا ہے؟ گہرائی و پیمائش کے بارے میں دنیا کی واحد اداروں کے ماہر مجسمے کیوں لگا جاتے ہیں۔ جیتی جاگتی زندگی کو ناکارگی کی عبرت بنا جانے سے بچانے کے لیے یہ اقدام کہاں کیے جاتے ہیں؟

تربیت یہ نہیں کہ باہر سے نگرانی کریں۔ تربیت یہ ہے کہ اپنی نگرانی انسان خود کرے۔

ابھی ہم نے اپنی عورت کو یہ شعور نہیں دیا۔ اس لیے جب چاہیں اسے ننگی گالی دے دیتے ہیں۔ اس کا حوصلہ توڑ دیتے ہیں۔ اس کا اعتماد چھین لیتے ہیں۔

دوسروں کی دیکھا دیکھی ہم اپنی عورت کو پڑھا رہے ہیں۔ اکیلا نکلنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ اس کی گرد حیاتی ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ اور اپنے شعور کی گرد پر دھیان نہیں۔

جب عورت پر اس طرح کی ذمہ داری آتی ہے۔ ہم پہلی فرصت میں یقین کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ ہم نے ابھی تک اس حقیقت کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ یہ بھی اس کائنات کا باشعور اور اچھائی اصل ہے۔

یہ ابھی زندگی کا عذاب ہے۔ ہم یہ بھی ابھی تک اعتماد، اعتماد تعلیم یافتہ عورت کی جگہ نہیں بنا سکے۔ اور اس وقت تک نہیں بنے گی جب تک ادھر کے مرد یہ امر تسلیم نہیں کر لیتے کہ باشعور عورت عام عورت سے زیادہ محفوظ و صاحب بردار ہوتی ہے۔

یہ ادھوری سوچ کا عذاب ہے۔ اندر کی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ وہ گہرا تجزیہ کرتے کرتے اپنے گھر کے بیچ گئے تھے۔

کوئی بھی اپنی جگہ حقیقت اپنی جگہ۔ بابا صاحب نے انہیں سمجھنے کا جو آسان راستہ دکھایا تھا۔ اسی مشکل بات تھا بہت آسانی سے کہہ گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسی ہوئی بات کس طرح ذہن سے کھرچ ڈالیں۔ اور پرسکون ہو جائیں۔ یہ دل تو ان کی عادت سے زیادہ محسوس اور ذکی تھی۔ وہ اس بات پر الجھتا رہے تھے کہ ایک عمر دیار غیر میں بسر کرنے کے بعد وہ یہاں آ کے کیوں؟

ادھیڑ سلسلہ وار جاری تھی۔ کوئی ایسا حل نہیں تھا جس سے یہ سلسلہ ٹوٹ جائے۔ کچھ ہونے کا امکان۔ واقعی ہو۔ وہ سب نہیں سکتے تھے۔ کبھی ان میں ٹوٹنے لگتے۔ کبھی وہ پہلے میں آن کھڑے ہوتے۔

"تو یہ بے رسوائی ہی رسوائی ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ اسی رسوائی کو برداشت کر لیں۔"

اماں جی نے بڑے تحمل پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار کہا تھا۔

"بھری ہاں۔ وہ ابھی کم عمر ہے۔ اللہ نے عقل اچھی دی ہے۔ باپ کے پاس پیسے کی کمی نہیں۔ اگر وہ یہاں سے چلی جاتی ہے تو اس کے ماں باپ ضرور اس کا انتظام کریں گے۔ وہاں سے وہ لوٹ آتی ہے پھر وہ خیر خانوں میں بیٹھا

جاتی ہے۔ اگر وہ یہاں کسی کو پسند کر لے تو شادی ہو جائے گی۔ تو پھر یہ سب کچھ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔"

"وہ یہ کیا کہے گی۔ ایک بھلی نے عقل کی بات کرنا چاہی۔ اس مشکل کو سمجھنے کی۔"

اماں جی کی آواز گہری ہو گئی تھی۔

"اب کیا صفحوں کی ناطر اپنی اولاد کو گنوا دیں؟ کسی غیر مرد کے حوالے کر دیں۔"

"میں یہ بات پھر کہتی ہوں کہ یہ زندگی کا بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔ ہمیں اس پر بہت سوچ بچار کرنا چاہیے۔" وہ دھیرے سے بولے۔

"آپ صورت حال سمجھنے کی کوشش کریں۔ جو ہو چکا ہے اس کو بدلا نہیں جا سکتا۔ ہمیں اس وقت مشکل یہ ہے کہ"

"مدد کی قسم کی بات ہے خان صاحب۔ جو بھی اس پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔" وہ کہتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ "ہاں مشکل میں ڈال دیا ہے تم نے ہمیں۔"

"یہ کرامت ہے اس میں یہ حوصلہ چاہیے۔ آپ عورتیں ہیں، بہت جھٹ سے دل کی مولی ہو جاتی ہیں۔ وہ کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ وہ تجھ کی سوچ پر غور کریں۔" وہ دھیرے خان سے زمی سے سمجھایا۔

"کاغذ کے بعد ہم اسے سرائے بھیج دیں گے۔ وہاں رکھیں گے۔ آپ اس تک ہماری بات پہنچا دیں۔ اسے کاغذ کھا دیں۔ ساتھ میں یہ بتا دیں کہ ہم اسے اس صورت میں یہاں سے جانے دیں گے جب وہ دوسرا نکاح نہ کرنے کا وعدہ کرے۔ ہر صورت میں ہم اسے بچے ساتھ لے جانے نہیں دیں گے۔ بچے اب یقیناً اللہ کی ہم اس کے حصہ دیں۔ وہ بچے نے اسے جو زخم لگایا ہے۔ ہم اس پر مرہم رکھنا چاہتے ہیں۔ اسے اپنا سمجھتے ہیں۔ اس کے تحفظ اور بہتری ہی کے لیے یہ سب کرنا چاہتے ہیں۔" وہ حزیں گو ہوئے۔

"میں تو اسے اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہوں۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسے ایک نظر میں دیکھنے کے لیے بلایا تھا۔ میں کب چاہتی ہوں کہ وہ یہاں سے جائے۔ آپ اسے سمجھائیں گے تو یہاں نہیں سکے گی۔ میرا کلیجہ پھٹتا ہے۔ مجھ سے بات تک نہیں کرتی۔ میں جانتی ہوں، دل سوزی ان جاتی ہے۔ میرے دکھ کو اسے یقین نہیں آ سکتا۔ وہ حساب کر سکتی ہے جب وہ سمجھے گی کہ مرد سوتیلی ہے تو تو بھی ہی دل پر پڑتی ہے۔"

اماں جی کی آواز بھرا سی گئی تھی۔

ایک بھاری خاموشی ان کے درمیان بھی گہرا سے گئی۔

"اگر آپ سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو ریحانہ بہن سے کہو۔ وہ بات کریں گی۔"

انہوں نے دھیرے سے کہا۔

"بے کار ہے وہ بھی سمجھائے گی۔" اماں جی آنکھیں پونچھتی ہوئی بولیں۔

"ہم کوشش کریں گے۔ ہم کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتے۔ ہمیں سوچنے کا وقت دیں۔ ہم سے کہا ہے کہ وہ چاہتے ہیں۔ جو بچہ ہم سے اختلاف کرے۔ وہ بچہ گمراہ ہے۔ ہمیں اس کو سمجھانا ہے۔ وہ بچہ ہم سے دور ہو جائے۔ ہم نے اس کو کھو دیا ہے۔"

www.Paksociety.com

خان دلاور علی خان۔ اب حریہ ضبط سے کام نہ لے سکے اور اپنی خالہ کا ہاتھ پکڑ کر سسکنے لگی۔ نازک کی والدہ بھی رو دیں۔

"اس حادثے سے پہلے تک کی ساری ذمہ داری تھی اور مصلحت یہ تھی کہ یہ حادثہ نہ ہو مگر حادثہ ہو چکا ہے اب کم از کم انتظامات کی تعمیل کرائیے۔ بس۔"

خان دلاور علی خان اس وقت پوری طرح حواس میں آ گئے تھے۔ اماں جی گھڑی ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کی بات پہنچا دیتا ہوں۔"

"پہلے اوپچ اور مصلحت بتاؤ۔ نہ مانے تو صرف ہمارا غم بٹاؤ۔ جس کو ہمارے فیصلے سے اختلاف ہو اور ہمارے ساتھ نہ دے۔ اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔"

گنجائش رکھ کر بات کیجئے خان صاحب۔" اماں جی ہار گئیں۔

"ختم ہو گئی گنجائش۔ الفتنة الا کبر من القتال (فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے) یہ اللہ کا فرمان ہے۔ ہم ایک فتنے کو روک رہے ہیں۔ حادثہ ہوا ہے۔ بڑے حوصلے سے بڑے فیصلے کرنے ہیں یہ کل کے بچوں کی بات نہیں اب آپ ہاکاروں سے کہہ دیں کہ ہو۔"

دونوں نزدیک سرکا کر کوئی نمبر ملانے لگے۔

اماں جی چل پڑیں۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

رقیہ بیگم کی تو ہوش نہیں پڑی تھی وہ کمرے کے پاس جانے کی کوشش کر رہی تھیں اور روتی تھیں کہ بھائی کی طرف سے ان طرف جو غبار ہے وہ ان پر ڈال دیا جائے۔ اور تحفی نہ رہ جائے۔

لہٰذا عالم تاب تنہا کمرے میں آئی تھیں۔

نازو ستانے کو کاٹ میں نکال رہی تھی۔ الجھی ہوئی چوٹی سے ظاہر تھا کہ کئی دنوں سے سر میں کنگھی نہیں ہوئی۔

اس نے دروازے کھلنے کی آواز پر گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ مگر بولی کچھ نہیں۔ عالم تاب چپ چاپ اس کے سرہانے بیٹھ گئیں۔

"آپ کو ابھی بلوانے ہی والی تھی بھابی بیگم!" وہ بے تاثر آواز میں کہتی ہوئی ان کی طرف پلٹی عالم تاب کے دل میں کچھ اٹھنے لگا۔ وہ کچھ کہے بغیر اس کی سمت دیکھنے لگیں۔

"محسوس تو یہی ہوا ہے کہ آپ لوگوں نے میری بدبختی کی خبر میرے ہی پاپا کو نہیں پہنچائی۔

اگر ایسا ہے تو بہت مہربانی آپ سب کی۔ یہ اندازہ مجھے اس لیے ہو رہا ہے کہ اگر انہیں اطلاع ہو گئی ہوتی تو وہ اب تک آ چکے ہوتے۔

دیا سلائی جلا دیں بھی ہوئی ہیں بلکہ گیاں بھی ہو جاتی ہیں مگر پاپا نے میرے ساتھ یہ شرمناک مذاق کیا ہے۔ میں ابھی

مجھے بری لگ رہی ہے۔ وہ میرے لیے ان کا باپ کو کہنا کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ میں نے کہا ہے آپ لوگ نہیں سمجھیں گے۔ آپ لوگ نہیں سمجھنے چاہئیں۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ ہمارا فرض ہے۔

ایک مرد کی ادا کے لیے ہتھیار دیتیں۔ بھابی بیگم میرے اندر ایک آگ دہک رہی ہے۔ ایک بیٹی کی جان سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اس کا تحفظ کرنا ہے۔ اور آخر وہ اس قسم کا قدم اٹھانے کے لیے مجھ میں کیا کمی دیکھ رہے ہیں۔ آسمان سے گواہی آئی

نازنین نے اپنی خوبصورت آنکھیں اٹھا کر ان کے چہرے پر گاڑ دیں۔ جیسے کہنا چاہ رہی ہو

"واہ صاحب! کیا خیال ہے اگر تم اپنے والدین کے پاس بھی گئے تو وہ ضرور تمہاری دوسری شادی کرا دیں گے۔ ہمارے ہاں ہمارے ادروں کی ماں غیر خاندان میں نہیں جاتی۔ خواہ وہ بیوہ یا طلاق یافتہ ہو۔ تم سے ہو گا تو تمہارے گھر میں ہی رہے گا پھر اس پر کسی اور خاندان کا حق نہیں رہتا۔

تمہاری بیوی اگر مر گئی ہے تو وہیں رہے گی۔ تمہارے دوسری بیوی یہاں رکھ سکتا ہے۔"

بات بہت مشکل تھی اور بڑی مشکل سے کہی گئی۔

☆...☆...☆...☆...☆...☆...☆

عالم اب تو جیسے ہوا کے پر لگا کے اپنی جگہ سے گم ہو گئے تھے۔ ان کی بھی کھڑکیوں کا اضطراب عجیب تھا۔ انہیں طویل ہوتی خاموشی سے خوف سا آنے لگا۔ پھر آواز بھی نہ لگی۔ انہیں اندازہ تھا کہ وہ کیا کہہ چکی ہیں کہ شعلوں کے بعد اس طوفان کی زد میں آ رہے ہیں۔

نازنین نے نظریں اٹھائیں۔ سر پر اپنی چھتیاں نوچ رہے تھے۔ چیخ رہی تھی۔

"آپ کو اندازہ ہے بھابی بیگم؟ آپ کیا کہہ گئی ہیں؟" پھر آواز خاموشی میں ڈوب گئی۔ نازنین کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

عالم اب بھی خاموش تھے۔

ایک عجیب پُرسکون سی کیفیت درمیان خاموشی حائل ہو گئی۔

"ابھی مجھے کچھ سوچنے کا وقت دیں۔ آپ لوگ انتظار کریں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

عالم اب نے کمال حیرت سے اس کی صورت دیکھی۔ ان کا تو خیال تھا کہ ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو گا۔ وہ چیخے گی چلائے گی۔ خاندان اب کی بدنامی پر رونے کی دھمکیوں کے ساتھ ان سے التجا کرے گی۔ وہ وہ کچھ بھی نہیں جو ہو رہا تھا۔ جیسے کچھ ہوا

www.Paksociety.com

نہیں تو ہو جانے کا ارادہ ایک لمحہ سے لئے وہ دی حویلی سے کرنے سے آزاد ہی کی تھیں۔

وہ کئی بار روشانے کو گود میں اٹھا کر کمرے سے باہر تو نکلی مگر پھر وہ بار بار واپس آ گئی انسانی اعصاب کی کیفیت تھی جس میں انسان کو خود اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

چند لمحوں بعد جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئی اور روشانے کو گود میں اٹھا کر ہال کی سمت آئی اور وہ وہاں سے ملازمہ نظر نہیں آئی تو وہاں سے دالان کی طرف بڑھی، وہاں روپا دیوی فرش پر سوئی نظر آ گئی۔

"روپا۔!" اس نے اپنی تمام منتشر قوت کو یکجا کر کے آواز دی۔ اپنی دھن میں مگن روپا دیوی نے چونک کر اور ادھر دیکھا پھر نازنین کو دیکھ کر جھاڑو پھینک کر دوڑی آئی۔ کتنے عرصے بعد اس نے نازنین کو پہلی بار اس بے تکلف حالت میں دیکھا تھا۔

"ہاں چھوٹی دلہن جی۔؟"

"تم جاؤ اماں سے کہنا، چھوٹی دلہن نے بلایا ہے۔ اور یہ بھی کہنا وہ سب بھی آ جائیں۔ دن میں آنے میں دقت ہو گی وقت آنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ روپا دیوی کے تاثرات دیکھنے کے لیے رکی نہیں بلکہ یہ کہتے ہی دالان پار کر گئی۔ ابھی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی ہی تھی کہ روپا دیوی کھول کر کھڑی ہی ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"ہوں۔ کون ہے آ جاؤ۔" وہ اسی مصروف انداز میں گویا ہوئی تھی اور فوراً ہی دروازہ کھل گیا تھا۔

اس کا خیال تھا۔ روپا دیوی کوئی جوابی پیغام لے کر آئی ہے۔ مگر جب آنے والے پر نظر پڑی تو وہ حیران پریشان کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

مگر ایک دم ہی یہ حواس ہو گئی۔ جانے سارے اعتماد و اختیار کہاں گم ہو گئے تھے۔

تیمور علی خان پشت پر ہاتھ باندھے نظریں جمائے کھڑے تھے۔ نازنین کی کمزوری عیاں پر عیاں ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم۔!" انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور پہل کی۔

"وعلیکم السلام۔ بیٹھیے۔" اس نے دوپٹہ درست کیا۔

تیمور علی خان نے اعتماد سے آگے بڑھ کر بات میں لیٹی روشانے کے رخسار چھو کر پیار کیا اور صوفے پر بیٹھ گئے۔

نازنین جیسے کسی لمحے میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک بے خبری کی کیفیت تھی۔

"آپ بیٹھیے نا۔ پلیز۔!" وہ رکے تو پلٹتے پلٹتے ایک دم رک گئے۔ نازنین جیسے گہری نیند سے جاگی اور اپنا پلو پکڑ لیا۔

"آپ نے پلیز کہا تھا۔" وہ اس کی خاموشی سے الجھنے لگے۔

"جی۔ جناب۔ آپ کو بھی یاد رہا علی خان سے آتی ہی نکالتی ہیں۔ عمر بھی ہیں۔ آپ تو بڑے رکھ رکھاؤ کے آدمی ہیں۔"

اس طرح کی ادا کا انداز نہیں تھا۔

"ہمیں ان کے ذکر میں کوئی دلچسپی نہیں۔" تیمور علی خان کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"یہ مسئلہ ان کے ذکر کے بغیر حل نہیں ہو گا۔ بات پہلے اس نام سے شروع ہوئی تھی اسی پر ختم ہو سکتی ہے۔"

اس نے اٹھا کر تیمور علی خان کو دیکھا۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ چند لمحے ان کی سمت دیکھتی رہی۔ وہ اس کی نظریں محسوس کر رہے تھے اس لیے نظر اٹھا نہیں رہے تھے۔ لگاوٹ والے کا سرطب ایسا ہی ہوتا ہے۔ شک تھا۔

"بابا صاحب نے ایک پیغام دیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے؟" نازنین نے بیٹھتے ہی دھیمی آواز میں کہا۔ تیمور علی خان گو مو سالے میں رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس موضوع پر اس سے بات کرے گی۔ وہ اب اسے بغور دیکھنے لگے۔

"میرے خیال میں بہت ہی مناسب حل نکالا ہے۔ انہوں نے اس کرائسس کا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟" وہ نارمل انداز میں بولی۔

"ہمارا خیال ہے اب تو حویلی میں اور دور تک خلاق کا سوال نہیں ہے۔" ان کا انداز اس مرعوب شوہر سے مختلف تھا جو سامنے والا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ نکاح شادی کی باتیں عدالت میں صرف پیچیدگی ہی کرتے ہوں گے۔ میرے اس فیصلہ سے آپ کا بوجھ کا حصہ ہے۔ میری زندگی کے بگڑے مرحلے آپ کے نام آپ کی ذات کے ذکر کے بغیر کیسے طے ہو سکتے ہیں؟" اس کے لہجہ میں بھی ٹھہراؤ کے آثار جھلکنے لگے۔

"لیکن ہم قسم کھا سکتے ہیں کہ ہم نے کبھی آپ کو نقصان پہنچانے کا تصور تک نہیں کیا نہ کر سکتے ہیں۔"

وہ کچھ مضطرب محسوس ہونے لگے۔

"تو پھر میرے بارے میں بھی قسم کھائیے کہ میں نے کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کا نہ کبھی بیان بلکہ ارادہ کیا ہے۔" وہ بے پروا ہی۔

تیمور علی خان کچھ نہ بولے خاموش سے ہو کر رہ گئے۔

"پھر اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟"

"مسئلہ کسی کے لیے ہے ہی نہیں۔ مسئلہ تو ہے ہی صرف میرا۔ حل بھی مجھے چاہیے۔ حویلی کے ہر فرد کی اپنی اپنی ایک محفوظ اور پرسکون زندگی ہے، کچھ عرصہ میرے نقصان پر سوگ ماتم کر کے پھر مگن ہو جائیں گے۔ آپ الحمرا شفٹ ہو جائیں گے۔ وہاں آپ کی دنیا ایک الگ زندگی شروع ہو جائے گی، میں حویلی سے صرف اتنا پانی پاتی رہوں گی اور گاہے بگاہے میرے ذکر سے کھلوں میں روشنی ہو جایا کرے گی۔ یہ ہے میری پانی بانہ زندگی کا خلاصہ۔"

وہ گہری سنجیدگی سے ان کی بات کاٹ کر ایک تسلسل سے بولی۔

"ایسا نہیں ہے۔ آپ کی زندگی بھی نئے سرے سے شروع ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہو چکا ہے۔ وہ سے

زمین کا پیار اللہ لکھتی ہے۔ دوسری شادی کسی اور سے آپ کی ہو سکتی ہے۔"

"ہاں ہو سکتی ہے مجھے طلاق ہوئی ہے۔ عورتوں کو طلاق ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اس طلاق کے پیچھے جو کہانی ہے آپ کی سوسائٹی کی نظر میں اس عذر پیچھے ہے کہ بہت دولت سے مجھے اپنے دامن کی آلودگی مجھ سے اس طلاق کا اور ہی رہے گا۔

میں کسی ایسے شخص کی رفاقت برداشت نہیں کر سکتی جو رات کو میرے ساتھ سوتا ہے یا دن بھر ساتھ رہتا ہے ساتھ ملکوک زندگی گزارنے سے بہتر یہ سمجھتی ہوں کہ اپنے بچوں کو لے کر ایسی عورتوں کی زندگی میں گم ہو جاؤں کہ دنیا رونے والوں میں کوئی اضافہ ہو۔"

بولتے بولتے زرنین کی آواز بھرا گئی۔

"صرف اور صرف آپ ہی واحد انسان ہیں، جس کی آنکھ میں میری اصلیت روشن ہے اور وہ مجھے وہی سمجھتا ہے جو میں ہوں۔ کیا تو میری اتنی مدد کیجئے کہ مجھے خوشی سے یہاں کے ساتھ بھیج دیں۔ کہ وہ بھی مجھ میں کچھ اچھا دیکھ سکے۔"

وہ خاموش ہو کر آنسو پینے لگی۔

"یہ گھر میں تو قریب کی شناسائیاں نہیں ہیں، ادھر تو صرف آپ کے والدین ہیں اور وہ بھی تو۔"

"جی ہاں وہاں میرے والدین ہیں۔ جن کی آنکھ میں پیار کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ کہ وہ بھی مجھ میں کچھ اچھا دیکھ سکے۔ صرف دولت کی شکل بدلے دولت عزت میں نہیں بدلے گی۔ وہ جانتے ہیں دولت ہو تو انسان بدلے کے بھی گزر جاتا ہے۔ میں اسے ٹھوکر دیئے ہوئے تھی ہو کر کیوں مجرموں کی طرح شرمندگی کی زندگی گزاروں؟"

وہ پھر رونے لگی۔

"بالفرض ایسا ہو جائے تو کیا زندگی میں کبھی آپ کو افسوس نہیں ہوگا کہ ہمارے ساتھ آپ نے بہت زیادتی کر دی ہے؟" تیمور علی خان نے بہت تشویش انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔ اس لیے کہ آپ نے اپنے بھائی کو سمجھے بغیر اپنی زندگی کے اصول نہیں بدلے۔ دکھ آدھا ہو جائے گا۔ وزن کم ہو جائے گا۔ میرے لیے دعاؤں کا کام کم پڑ جائے گا۔ بددعا صاحب سے نہیں دی جاتی، دکھا دل خود ایک بددعا کی طرح ہوتا ہے۔"

وہ بہت روئی تھی۔ تیمور علی خان گم صم بیٹھے تھے۔

(کتنا فرق کر دیا ہے زندگی کا ہمارے چند غلط فیصلوں کا۔ آہ ہماری طرف سے۔)

وہ ہاتھ ملنے لگے۔

"ہمارا خیال ہے آپ کی بات ہم تک پہنچ گئی ہے۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

زرنین نے سر نہیں اٹھایا اس آنچل سے آنکھیں پونچھتی رہی۔

تیمور علی خان بہت آہستہ آہستہ دروازے کی سمت بڑھے تھے۔ جیسے وہ کوئی شیری مجرم بن جانے کے لیے ان کو آواز دے

گی۔

رہے تھے۔ ابھی سرشام کھانا کھانے کا سلسلہ ابھی تمام ہوا تھا۔ تیمور علی خان باپ کے پیچھے پیچھے کمرے میں آ گئے تھے۔ بابا صاحب نے قرآن مجید رکھے ہوئے تھے۔ اور اس میں سر جھکائے کچھ پڑھ رہے تھے۔ ایک طرف تسبیح رکھی ہوئی تھی۔ اور اس طرح ہاتھ پھیرے گئے تھے جیسے کچھ تلاش کر رہے ہوں۔

پھر بھی اندر کوئی طاقت کا ایک اشارہ ہوا کرتا ہے کہ انسان سے بہت بڑے تجربات کرا لیا جاتا ہے۔

تیمور علی خان بیٹھے ہوئے ہاتھ اپنے اس باپ کے متعلق تھے کہ کب ان کو بیٹھنے کا حکم ملے۔

"بیٹھ جاؤ۔ کھڑے کیوں ہو۔" بابا صاحب نے کہا۔

"کیا بات ہے۔ کچھ کہنا چاہتے ہو؟ اتنا تو وہ بھی ادراک کر سکتے تھے کہ بیٹے کو جس امتحان میں ڈال چکے ہیں۔ وہ کوئی چھوٹا امتحان نہیں ہے۔ جس میں حواس بھی گم ہو سکتے ہیں اور الفاظ بھی اس لیے بات کی ابتدا میں حوصلہ بڑھانا بھی انہی کے ذمے کا کام ہے۔

"جی"

"ہوں۔ تو پھر کہو۔ جو بھی کہو گے ہم بہت غور سے سنیں گے۔ تمہارے سامنے تو یوں بھی ہم بہت کمزور پڑ جاتے ہیں۔ تم بھی اپنے سب بھائیوں میں سب سے زیادہ قریب ہو۔ یہ بات ہمارے بھی سمجھ میں نہیں آئی آخر کیوں؟ تمہاری ماں کہتی تھی۔ تاوان لے کر تم سب سے چھوٹے ہو۔ شاید وہ ٹھیک کہتی ہوں۔" وہ یوں مخاطب تھے جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہے ہوں۔

"بھائی نے بلایا تھا ہمیں۔"

"عاطف نے؟"

"جی نہیں۔ زرنین بھائی نے۔"

"اب وہ تمہاری بھابی نہیں ہے۔" بابا صاحب کا لہجہ سے پشت لگا کر تلخ سے ہو گئے۔

"یہ مسئلہ بہت مضبوط ہو کر منقطع ہوا ہے۔ وہ اور بھائی کے بچوں کی ماں ہیں۔ بچے ہمارے بھی بھتیجے ہیں وہ ہمارا خون ہیں۔ وہ ان کی ماں ہیں۔ اس لیے۔"

"تم پھر وہ تم اس بات کو۔ یہ کہو اس نے کیوں بلایا تھا؟"

"آپ کی بات ان تک پہنچ گئی ہے۔" وہ نظریں جھکا کر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

"انہوں نے تو مجھے تحمل بلکہ پریشان کر دیا ہے۔"

بابا صاحب نے حیرت آمیز انداز میں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

تیمور علی خان اس طرح خاموش ہو گئے جیسے الفاظ ترتیب دے رہے ہوں۔

"ہم آپ کی بات سمجھ کر پریشان ضرور ہوئے تھے مگر اس قدر نہیں جتنے اب ہیں۔ ہمارا خیال تھا وہ آپ سے کسی بھی بات کو بھلی فرصت میں مسترد کر دیں گی اور معاملہ از خود ختم ہو جائے گا۔ ہم آپ سے بغیر ضروری بحث کیوں کریں گے۔"

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئے۔

بابا صاحب اسی طرح خاموش تھے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر گویا تیمور علی خان کو بات جاری رکھنے کا اشارہ دیا۔

"انہوں نے آپ کے بڑے بیٹے سے اتفاق کر لیا ہے۔ اور جو بات طے ہیں ہم انہیں تسلیم نہیں کرتے۔ ہمارا ان سے وہ یا اور بھائی سے انتقام لینا چاہتے ہیں، اسی لیے انہوں نے یہ پروپوزل منظور کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔" انہوں نے اپنی بات تمام کی۔

"ہوں۔ وہ جو بات کیا بتاتی ہیں؟ یہ جان کر بھی ہم تم سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ تمہارا خیال درست ہے۔"

انہوں نے کروٹ بدل کر مکمل طور پر ان کی طرف رخ کر لیا۔

تیمور علی خان نے اسی انداز میں بلکہ مزید آہستہ آواز میں زارین کی کہی ہوئی ایک ایک بات دہرا دی۔

"ہوں۔!" بابا صاحب نے سوچنے کے انداز میں ہنکارا بھرا۔

"ہم تمہارے خیال سے اتفاق نہیں کرتے، کوئی بھی بات ہو ہمیشہ کے لیے فٹ نہیں ہوتی۔ کبھی بھی سامنے آ سکتی ہے جو امکانات اس نے ظاہر کیے ہیں ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

"اب تمہارا کیا خیال ہے؟ اسے حویلی سے نکلنے میں مدد دو گے یا حویلی میں رہنے کا بندوبست کرو گے؟"

انہوں نے بہت رسانیت سے سوال کیا تھا۔

"بابا صاحب! ایسا تو آسان نہیں ہے۔ پلیز، ہمارا خیال کیجیے۔"

"تم بھی ہماری اولاد ہو تیمور جواد اور روشانے بھی ہمارا خون ہیں ہمیں ان کا بھی خیال کرنا ہے۔ ہم یہ بات نہیں سمجھ سکے اس بات پر مجبور تو نہیں کر رہے کہ تم عائشہ (لیزا) کو چھوڑ دو۔ بلکہ تو نے فیصلہ تم اس کے رہو اور دوں فیصلہ تو دیں گے۔ یہاں کی خاطر، ہماری خاطر ہم تو تمہیں یہ بھی نہیں کہتے کہ تم یا یہ ہمیں کے خرچ حساب کتاب سمجھ لو کہ ہم تمہیں اس ذمہ داری سے بھی سبکدوش کرتے ہیں۔" بابا جان کے سوچ تیمور۔"

"لیزا کسی صورت میں نہیں مانے گی۔"

"ہم سمجھا لیں گے اسے۔" بابا صاحب نے فوراً بات کاٹ کر کہا۔

"آپ اسے نہیں سمجھتے، ہم بتا رہے ہیں ناں آپ کو وہ اور طرح کی لڑکی نہیں ہے، اس سلسلے میں وہ بالکل نارمل ہے۔ وہ خود کشی کر سکتی ہے۔" انہوں نے گویا باپ کو ہوا دی۔

بابا صاحب نے قدرے پریشانی سے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"تو پھر اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ اس کو چھوڑنے میں کوئی نقصان نہیں ہے اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔" انہوں نے

بالآخر فیصلہ سنا دیا تھا۔

تیمور علی خان ساکت سے ہو کر باپ کی شکل دیکھنے لگے۔

یہ کیسے کیوں آخر وہ اس طرح ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"تیمور! وہ نقصان ہوا ہے تو ہو، خاندان اچھے ناموں میں لیکن کر دوست کی زندگی میں بھول جاتے ہیں۔"

تیمور علی خان جیسے خود سے کہہ رہے تھے ایک دم جاگ گئے۔

"وہ بابا کی جگہ کہاں ہے وہ ہمارے لیے؟"

"اب کسی کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ عزیزہ کہہ ہے کہ ہم سے اس کے بارے میں کوئی بات نہ کرے۔ سمجھ لے کہ ہم سے اس کا رشتہ ختم ہو گیا۔"

"مگر ایسا نہیں ہے بابا صاحب! ہماری طرف سے تو ہم نے بھی ایسی عزیزہ آزمائش میں ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

تیمور علی خان تاسف سے بولے۔

"پتہ نہیں ایسا ہونا ہے بابا صاحب! ہماری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بہت پہلے اس دنیا سے جا چکی ہوتی۔ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا کیا ہوا۔ اس کے ساتھ بھلائی تو ہوئی تھی۔ وہ اس کی حیثیت تو پوچھی گئی اسے کسی کی، ہو کیا ایسا سانس کے لیے وہ جا رہا ہے ہم نے جو کیا وہ بھی تجزیہ کی بنیاد پر۔"

تیمور علی خان نے خود ہی خاموشی کو توڑ کر بہت اداس اور بے زاری سے جواب دیا۔

"لیکن جب بگڑ ہو چکا ہوتا ہے تو نقصانات پر غور کرنے کا وقت ضائع کرنا حماقت ہوتی ہے۔ نقصان کا تو ڈھونڈ کیا جاتا ہے۔"

بابا صاحب نے زندگی میں بہت اہم اور بڑے فیصلے کیے تھے، عمر بھر وہ اس کی عادی ہو چکی تھی وہ اتنی آسانی سے جذباتی طور پر سے اتفاق نہیں کر سکتے تھے۔

"ہماری آپ سے درخواست ہے کہ آپ فی الحال کوئی حکم صادر نہ کریں اور سوچ کر غور کریں۔ پلیز۔" انہوں نے نرمی سے کہہ کر اٹھنے کا ارادہ اختیار کیا۔

"ہوں۔ ہم غور کر لیں گے۔ جب غور کرنا پڑ رہا ہے تو پھر کچھ نہیں ہوتا۔ ہم تمہیں مشورہ دیتے ہیں کہ سکون سے تھوڑا غور کرو اور خاندان کو سامنے رکھ کر غور کرو۔ جذباتی اشتعال کی بنیاد پر نہیں۔ دانائی کا تقاضا یہی ہوتا ہے۔ اب تم جاؤ۔ آرام کرو۔ ہم بہت تھک چکے ہیں۔ اپنے تھوڑا سکون محسوس کر رہے ہیں۔ کہہ کر انہوں نے ہمارا سانس کر دیا ہے۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور پاؤں لٹکا کر لیٹ گئے اور آنکھیں موند لیں۔

تیمور علی خان بے بسی سے اوٹ کاٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم اطمینان سے بھی اتنا وقت نہیں گزار سکتے جتنا ہم نے آج یہاں گزارا ہے اور وہ بھی بے سکونی کے عالم میں کیا فرق پڑتا ہے۔"

انہوں نے کہا اور جیدی سے کمرے سے نکل گئے۔

"اچھا!" اماں جی کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ "میری تو نیندیں اڑی ہوئی تھیں کہ یہاں کون لے کر وہ چلا جائے گی۔ وہ بھی خیر لک۔ بچوں کو زیادہ ہوئی مربہ اس گی۔"

"مگر یاور۔؟" ان کی آواز بھرا گئی۔ اس کی صورت کیسے دیکھوں گی، بہت یاد آتی ہوگی ہے اس کے ساتھ۔"

"اس نے اپنے ساتھ خود زیادتی کی ہے۔ ہم میں سے کسی پر اعتبار کرتا، مجھ کو بتا سکتا تو بات سنبھل بھی سکتی تھی۔" بابا صاحب نے متفکر گزر لیا۔

اگر یہ سب ہو جاتا ہے تو وہ۔"

اس نے اپنی اولاد کی فکر نہیں کی۔ وہ بھی نہیں کرنا پڑ رہی ہے۔ مگر خوف آتے گا اسے ایک دن ہوش، مگر انہوں وہ اکیلی رہ جائے گا۔"

بابا صاحب نے واقعی بہت تاسف سے کہا۔

"ایسا تو نہیں بات اور بگڑ جائے؟" وہ پھر خدشات میں گھر گئیں۔

اب بگڑنے کو کچھ نہیں بچا جب ہی تو یہ کا ذیر سمجھوتا کر رہے ہیں۔"

انہوں نے پائپ منہ میں سے ہٹا کر بہت بردباری اور متانت سے جواب دیا۔

پھر تو شاید وہ کبھی گھر نہ آئے۔" اماں جی کو بتایا آیا تو وہ سب کچھ بھول بیٹھیں۔"

"آئے گا۔ ضرور آئے گا۔ اس کا بھی بندوبست کریں گے کہ وہ بے دھڑک یہاں آنے لگے۔ آپ بے کار پریشان نہیں ہوا۔ فی الحال تو مشکل حل نہیں ہوئی۔ تیمور راضی نہیں ہے۔ وہ ایک مرتبہ یا ٹیا فیصلہ کر چکا ہے۔ اس کی انجمن ٹوٹ چکی ہے۔ اب صرف آپ ہی اس سے بات منوا سکتی ہو۔ بھی سمجھانے کے لیے آپ کو بلایا ہے۔"

انہوں نے اماں جی کی طرف بہت تجویاتی نگاہ سے دیکھا۔

"میں کمزور سی عورت۔ میری کون سنے گا۔؟" وہ شکست سے انداز میں بولیں۔

"انسان ہار کا اعادہ کر کے میدان میں اترے تو ضرور جیتتا ہے۔ آپ کے پاس بہت کی وہ طاقت ہے جسے آپ کمزوری کہہ رہی ہو۔" بابا صاحب نے نکتہ سمجھایا۔

"اب تک تو یہ طاقت میرے کسی کام نہ آئی۔ زندگی بالو جی کو دیکھیں۔ کیا خوب انعام دیا ہے میری محبت کا۔" اماں کی آنکھوں میں اشک چھلکنے لگے "آپ مجھے پتہ تا میں کہ وہ ہے کہاں۔"

"اب کوئی ہم سے اس کے سوشوع پر گفتگو نہ کرے۔" بابا صاحب کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ "سب کو علم ہے آپ نے ورطہ است ہے۔" بابا صاحب کو اماں جی کی سسی اولی حرکت پر تکلیف ہوئی تھی۔ انہوں نے لہجہ نرم کر لیا۔

"زندہ ہے ناں!" وہ ڈرتے ڈرتے بولیں۔

"زندہ ہوتی تو کچھ پتا نہیں ہوتا ہے۔ آپ کرتا رہے ہیں کی کوشش ہے۔ عربی کے آس پاس ملک میں سے باہر کے لوگ نظر آتے رہتے ہیں۔ ٹرک بتاتے ہیں کہ وہ دبئی کے علاقے میں ہیں۔ اگر یہ بھی جھوٹ ہے کے کوئی چال چلتی ہے تو ہم اس کا بھی بندوبست کر چکے ہیں۔ اور یہ بندوبست اس وقت تک ہوتا رہے گا کہ وہ زندہ ہے۔ اب ہے آپ کی تسلی ہو گئی ہو گی۔"

کہہ کر وہ اٹھنے کو پر تولنے لگے۔ "اماں جی بول کر دیں۔"

بار بار خیال ہے کہ اس کو اپنی ماں ہونے کی فکر لگی ہے کہ کب سے وہ یہاں نہیں آئی تھی۔ اس طرح کے معاملات میں آدمیوں کی فکر بھی نہیں آتی تھی۔ اس طرح کی عورتوں کی بہت بیٹی ہوتی ہے۔ جن کے پاس بہت پیسہ ہوتا ہے وہ ان عورتوں کو اپنے بیٹے یا بھائی بھتیجے بنا کر قسم وہ ات محفوظ کرتے ہیں۔"

بہرحال یہ سب آپ کے کھیلے نہیں ہیں۔ اس آپ تو ہم پر مہربانی کر دو۔ بیٹے کو کسی طرح راضی کر لو۔ ہم تھوڑے کم کام کروا سکتے ہیں۔ لیکن پھر کام کرے گا۔ پھر اس میں اپنا کوئی مفاد ہو گا اور ہماری بھاگ دوڑ ہے کار ہو جائے گی۔"

بابا صاحب نے مٹھے کو پائپ دوبارہ منہ سے لگا لیا۔

"کوشش کروں گی۔ بات نے بھی کچھ اس کا سوچا ہو گا۔ وہ نہ اتنی آسانی سے کیسے راضی ہو جاتی؟" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔"

بابا صاحب جواب میں خاموش رہے۔

"میں چلوں۔ کوئی کام تو نہیں ہے کسی سے؟" وہ اٹھنے کے انداز میں بولیں۔

"نہیں۔ بس یہی کام ہے جو آپ سے کہا ہے۔" وہ کہہ کر حقہ گڑگڑانے لگے۔

تیمور اماں کے جانے کے بعد کچھ دیر سوچتے رہے کہ ان سے وہ کیا بات کریں گی مگر یہ بھی خیال تھا کہ شاید کوئی اور بات ہو۔ اور ابھی بات ان تک مکمل طور پر پہنچی بھی نہ ہو اور ان کا دل ان سے چاہا رہا تھا کہ اماں کے سامنے دل کا غبار نکال دیں کہ وہ کچھ کہنے والی ہیں۔ زندگی بہت الجھن میں پھنس گئی تھی۔ وہ تیمور ان سے باز پرس کی جھنجھلاہٹ نہیں دی تھی۔ اس ناراضی تھی جیسے بہتا پانی ایک جگہ ٹھہر گیا ہو۔ اماں کے پیار بھرے لہجے، ماحول میں اپنائیت کا احساس پیدا کر رہا تھا۔

انہوں نے کھلے ہوئے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اماں جی اپنی نماز کی چوکی پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر ان کے استقبال کو چل دیے۔

بہت طویل دعا ہوئی تھی اماں جی کی۔ تمام زندہ اور مرحومین کا ان کی دعا میں نام تھا۔ اس لیے تیمور علی خان بہت عمر ہو کر ان سے ان کی دعا مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگے

تھوڑی دیر بعد اماں جی نماز کی چوکی سے اٹھ آئیں۔

"السلام علیکم اماں جی!"

اماں جی نے ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

"وعلیکم السلام کہاں ہو تم؟ دن بھر دکھائی نہیں دیے؟"

"ابھی تک اس قید خانے میں پھر رہا ہے یہ آزادی کے دن بہت یاد آ رہے ہیں اماں جی!" ان کے لہجے کی شکستگی پر اماں جی چونک اٹھیں۔

"یہ شکر ہی ہے بیٹھے، مگر میں ہوں یہاں سب ہی تم سے محبت کرتے ہیں۔"

"رہنے دیجیے اماں جی! ہم بازآئے ان محبتوں سے بہت تلخ گھونٹ ہے یہ ہم ان محبتوں کا۔" انہوں نے جھرجھری کھائی۔

یک لخت اماں جی خاموش سی ہو کر رہ گئیں۔

"آپ نے ہمیں یاد کیا" ماں کی خاموشی پر جیسے وہ کسی احساس جرم میں مبتلا ہو گئے۔

"یاد تو ہر وقت ہی آتے ہو۔ کیسی مشکل پڑی ہے میرے بچوں پر۔" اماں جی نے اداسی سے کہا۔

"یہ اس نے بچے کی وجہ سے دوسرے بچے پر۔" نجم ولی خان کے لہجے میں زہر گھل گیا۔

"ہوں نہ بولو بیٹے! زہر اگلنے لگتا ہے۔" اماں جی کی آواز رندھ گئی۔

"دیکھو بیٹے! مشکل بڑی ہے، مگر زندگی کا راستہ بھی اسی میں سے نکلتا ہے۔"

اماں جی نے ان کا شانہ تھام کر نرمی سے کہا۔

"ہم سمجھ گئے آپ نے ہمیں کیوں بلایا ہے کم از کم آپ ہم سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں ہم آپ کی بات نہ ٹالیں گے۔"

وہ باہر آنے والے حالات کی گویا ہوئے۔

"مت مار دو مجھ کمزور کو تم سب چاروں طرف سے۔" اماں جی بھی خلاف توقع ہراساں ہو گئیں۔

"اب تو میری اور تمہاری بات ہو گی تو نہیں اور اس وقت سب ہوں گے تب تم ہمیں نہیں کر سکو گے۔"

ہم اپنا مان اپنے گھر میں رکھنا چاہتے ہیں۔"

وہ اسی طرح تھکا تھکا سا بولے۔

"کیسے باتیں کرتے ہو بیٹے! ایسی باتیں نہیں کرتے ہم بالکل بے گناہ ہیں آپ کی قسم اماں جی!" اس بار لہجہ نمی سا تھا۔

"تو تمہیں یقین دلا کون رہا ہے۔"

"تو پھر سزا کیوں دے رہے ہیں آخر تو قصوروار کو دی جاتی ہے۔" وہ خفگی بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"میری زندگی ماں تو تیرے دکھ پر اداسے مر رہی ہے مگر دکھ کتنے ہی بڑے ہوں، اس نے زندگی کسی نہ کسی

ہے۔"

اماں جی نے ان کے شانے دبا کر انہیں تسلی دلاسے بھرے جملے کہہ دیے۔

"یہ بے اختیار ہی ہر ماں کی زبان پر ہوتا ہے جب بچے پر کوئی مشکل آتی ہے تو ماں کا دل ہی جانتا ہے کہ اس پر کیا گزرتی ہے۔ ہم ماں ہیں نا ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ تم بے گناہ ہو۔"

(باقی)

تمہارے پاپا نے بچپن میں کیسی سزا دی تھی؟ کوئی ماں آپ سے ملنے آئی تھی۔ انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ میں نے بھی وہ سزا کاٹی ہے۔ آپ کو یاد ہے کہ ایک ماں کے لیے ایک آرمی ہیں مگر کسی وقت ہر ماں سے جواب دے جاتی ہے بیٹے! بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں گھر کھلا رہا ہے۔ اس وقت جس کو ہماری ضرورت ہے اس پر ہماری بھی ہوئی ہے۔ بیٹے! وہ گھر ہے۔ اس کی اماں، ماں کہتی ہے۔ بچے سب ہم سے لگے ہیں۔ وہ ہماری ہو گئی ہیں ہم میں سے نہیں ہو سکتی مگر یہ تو اب ہماری ہے اسے تو ہمیں دیکھنا ہے۔"

"یہ کہنے کو بھی ہمارے لئے کیوں وہ اور وہ بچے ہیں ان کی ذمہ داری کچھ نہیں؟" نجم ولی خان بات کاٹنے لگے سے بولے۔

"بیٹے! اصول ہے کہ پانی اونچائی کی طرف بہتا ہے۔ اس طرف احسان نہیں ہے جو حالی ہے تمہاری سمجھ میں بات آ سکتی ہے اور سمجھ ہو سکتا ہے۔"

اماں جی بہت سمجھے سمجھائے لہجے میں دلیل سے آگاہ کیا۔

"پاپا آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ ہماری سمجھ میں بات آ سکتی ہے۔ نہیں آ رہی ہماری سمجھ میں بات۔" انہوں نے جھلا کر کہا۔

"جان کر انجان بن رہے ہو تو اور ہی بات ہے۔" اس مرتبہ اماں جی کا لہجہ بہت شاکی تھا۔ "آپ یقین کریں اماں جی! ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ وکیل نے بات کی ہے وہ ہمارے ساتھ اس ریلی میں تھی آسانی سے شریک ہو گئیں۔"

"وہ" کا صیغہ استعمال ہوا تھا وہ اس بات کی علامت تھا کہ ان میں چلتے چلتے کوئی جھگڑا ہوا ہے وہ اسی سے کہہ رہے تھے۔

"وہ غلط ہے بیٹے! اس کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا ہے۔ اس وقت سنبھالنے والا چاہیے اور سہارا بھی۔"

اماں جی نے ابھی تک ہار نہیں مانی تھی نہ ان کا لہجہ تبدیل ہوا تھا۔

"اماں جی! آپ یہاں ہیں ہماری، ہماری طرف بھی دیکھیں۔"

تمہاری ماں ہوں ان بچوں کی بھی تو کچھ ہوں۔"

"کیوں ہوگا اماں جی! بچوں کے باپ میں اتنے کلیس ہیں کہ وہ بچوں کو اپنی کسٹڈی میں لے سکتے ہیں۔"

"اس کا کیا کروں وہ تو بیمار ہے بچہ تو ہے نا اپنے ماں باپ کے پاس جانے کو۔" اماں جی نے بے چارگی سے سر

ہلایا۔

"اعصاب کا ایشو ہے ان کو وکیل کر سکتے ہیں مگر آپ لوگ ان کا بھی تو سوچیں۔" ان کا انداز خفگی سا تھا۔

www.Paksociety.com

"ٹھیک ہے بیٹے! تم اس کی ذمہ داری پر سکون سے رہو۔ کچھ عرصے میں تمہارے ابا سے بھی تمہاری بات کروں گی۔ اب تم جاؤ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

انہوں نے پاؤں اوپر کر کے اپنے کام کا اعلان کر دیا۔

یہ علیم الحق خان کی انگلی کا اشارہ واضح انداز میں تھا۔ تیمور علی خان نے اتنی بے تکی فرمائش کی کوئی توقع نہیں کی تھی۔ وہ سست سے انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ بولے بغیر باہر نکل گئے۔

عصر کی نماز کے بعد حویلی میں چہل پہل شروع ہو جاتا روزانہ کا معمول تھا۔ گاؤں کے باسی بچوں کی بھیل کود اپنے بزرگوں کی مختلف سرگرمیاں دیکھنا بہت۔

اس لیے سب نہیں تو حویلی کے بہت سے لوگوں نے باغیچے کے کمرے سے سامان اٹھتا دیکھا۔ تو چوک پر ایک جماسا ہو گیا۔ ایک ایک، دو دو کر کے لوگ چوک کے سامنے کھڑے تانگے کی طرف لپکنے لگے۔ سیاہ بڑی کی چادر میں آدھا چہرہ چھپائے گود میں روشانے کو لیے ہوا کی انگلی تھامے باغیچے کے کمرے سے نکل کر اماں جی کے کمرے کی طرف بڑھی مگر اماں جی درمیان ہی میں مل گئیں۔ تانگے پر اسباب باندھا جا رہا تھا۔ پیچھے پیچھے عالم تاب اور پیچھے پیچھے روشن آرا تھے۔

اماں جی نے ثمینہ کی طرح جہیز کر ہوا کو اپنی جانب کھینچا۔

"کہاں جا رہی ہے بی بی! بتائے بغیر کچھ لے۔"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں مخاطب ہوئیں۔ ان کا پورا وجود کسی پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

"مجھے اس گھر سے کوئی رشتہ نہیں اماں جی اگر میں آپ کی محبتوں کی مقروض ہوں۔ میں بچوں کو آپ سے ملانے کبھی کبھی آیا کروں گی۔ مگر اس شرط پر کہ آپ لوگ میرے ماں باپ کو اس معاملے کی اطلاع نہیں دیں گی۔ اگر آپ لوگوں نے ایسا کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ملوں گی اور نہ بچے آپ سے۔"

اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"مگر آپ جا کہاں رہی ہیں چھوٹی بھابی؟"

روشن آرا نے آگے بڑھ کر ہوا کے شانے تھام لیے۔

"کہاں کہہ رہی ہیں آپ مجھے چھوٹی بھابی۔ کانٹ لگی ہے میری شکل پر۔ ایسی عورت سے کسی کو رشتہ قائم کرنے میں کوئی خوشی نہیں ہوتی۔"

وہ اسی طرح سر جھکائے گویا ہوئی۔

"جیسی بھابی ہے تم ویسی ہو۔ ہمیں تم پر فخر ہے کہ اسے آزاد ماحول میں پرورش پانے کے بعد بھی تم نے خود میں تبدیلی نہ ہونے دی۔ یہاں کے برتاؤ سے تمہارے تاثرات کو بھانپ لیا ہے کہ ہم سب کے دل میں تمہارے لیے

بیکراں محبت ہے۔ ہم تمہیں کہیں نہیں جانے دیں گے۔"

"کہاں بھابی جان کے تاثرات کو اس کی خوبی قرار دیا گیا ہے۔ میں اس کی مذمت کرتی ہوں۔ ایک عام قسم کی عورت آدمی کی بیوی ہوں۔ وہ اس وقت کیا محسوس کرتی ہے؟ آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ اگر میرا کریکٹر ڈھیلا ہوتا تو میں کیا کر لیتی۔ کچھ بھی ن

www.Paksociety.com

"ہمارا مطلب یہ نہیں تھا۔"

"تیمور، تم ہمارے معاملات میں حصہ نہ لو۔ کیوں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہو۔" رضیہ بیگم نے بھی بھاوج کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔" تیمور علی خان نے بہت اخلاق سے نازنین کو مخاطب کیا۔

"پھر کس طرح کرنا چاہیے۔ حریم صفت کی رائے کا انتظار کرنا چاہیے؟"

اس مرتبہ اماں جی بولی تھیں اور نازنین نے ان کی طرف عداوت حقیقت وحیرت سے دیکھا تھا۔ اس کے لوں بھی جملہ اماں جی نے کہہ دیا تھا۔

"خدانخواستہ، اگر یہ اپنے گھر جانا چاہتیں تو ہم خود سارے انتظامات کرتے مگر اس طرح تو ہم بھی انہیں نہیں جانے دیں گے۔ پلیز آپ اپنے کمرے میں چلئے، اماں جی سامان اتروایئے۔"

"ہم جواد کو لے کر باہر جارہے ہیں۔" انہوں نے جواد کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"میں بچی نہیں ہوں، جو آپ کے الفاظ کے پیچھے چھپے معنی نہ سمجھ سکوں۔ آپ مجھے یہاں رکھ کر پریشان نہ کریں۔ حق مہر کا چیک میرے پاس ہے میں بچوں کی کسٹڈی کا مقدمہ لڑ سکتی ہوں۔"

آخر جواد اس نے بیٹے کو پھوپھی کی گود سے اتارنے کی کوشش کی۔

"ہم بابا صاحب کو لے کر آتے ہیں تب تک آپ انہیں روکیے۔" تیمور علی خان کو یہی حل سوجھا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے بابا صاحب کو بلانے کی۔ بات نہ سمجھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔" آخر اس نے ہار ماننے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

رضیہ بیگم نے روشن آرا کو آنکھ ہی آنکھ میں اشارہ کیا کہ وہ بابا صاحب کو بلا لائیں۔

"اس طرح جانا مناسب نہیں ہے بابا۔ آرام سے بیٹھ کر بابا صاحب سے بات کرو۔ وہ تمہاری ہر شکایت دور کردیں گے۔ تمہاری بات سنیں گے۔ کوئی ایسا حل نکالیں گے جو تمہارے حق میں ہر طرح سے بہتر ہوگا۔"

رضیہ بیگم نے بہت نرم لہجے میں بہت اپنائیت کے ساتھ اسے سمجھایا۔

روشن آرا اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کھسک گئی تھیں۔

تیمور علی خان اب خاموش کھڑے تھے۔

"آؤ بیٹی، تم میرے کمرے میں چلو۔ آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

اماں جی نے اسے تھام لیا۔

"مجھے معاف کردیجئے اماں جی! آپ بس سمجھ جائیے۔" نازنین کی آواز میں ضد پوشیدہ تھی۔

"ہاں تو ٹھیک ہے، ہم تمہیں یہاں نہیں روکیں گے۔ مگر تھوڑا سا انتظام کرنے دو گے۔" عالم اب نے بچانے کے انداز میں کہا۔

نازنین علی خان نے اکبر عالم اب کی طرف دیکھا۔ انہوں نے محسوس نہیں کیا۔ وہ تیمور علی خان سے کہہ رہے تھے۔

"تیمور، تم ایسا کرو، ڈرائیور کو ساتھ لے جاؤ۔ اس کے ساتھ جاکر ٹکٹ کنفرم کروا لاؤ۔ ان کے لئے بھی ایک ٹکٹ لیتے آنا۔ ہم بھی ان کے ساتھ کراچی جائیں گے۔"

نازنین انہیں ایک ٹک دیکھے گئی۔ اس نے آج صبح ان سے بھی وہ درخواست کی تھی۔

"کیا ہوگیا۔ آپ کو اچانک کیا ہوگیا ہے۔" وہ ان کے قریب آئے۔ اس نے اپنے ہاتھ سے انہیں صوفے پر بٹھایا تھا۔ وہ بیٹھ گئے تھے۔ ان کا سر چکرانے لگا تھا۔ اور کانوں کی لوؤں سے گرم گرم لہو نکلنے لگا تھا۔ نازنین کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"چاچا کے کانوں سے اور ناک سے بھی خون نکلا تھا۔ اس وقت سے ہی میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"سب کے کھانے ہو جائیں گے۔ تم تیمور کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔" نازنین نے بے بسی سے کہا۔ ان کی آواز بھرائی تھی۔

"ہم انہیں اس طرح کیسے جانے دے سکتے ہیں؟ اگر انہیں کچھ ہوجاتا ہے پھر بھی ہم ہی الزام لگائے جائیں گے۔" انہوں نے مشکل سے جملہ پورا کیا تھا۔

"اگر وہاں اس معاملے کی اطلاع ہوئی تو میں زہر کھالوں گی۔"

بابا صاحب ایک جملے کو حاصل ہو کر رہ گئے۔ سب کھڑے ہوئے اور ان کی شکل دیکھنے لگے۔ "تم نے قصور ہو۔ غلطی کی ہے اور اب ہم چاہتے ہیں کہ کسی بھی صورت تمہارے غلط کا خاتمہ کریں۔ تم خاندان کے سوا سے اپنے ساتھ لے کر چلی گئیں۔ تو ہم خود کو کبھی معاف نہیں کرسکیں گے۔"

"عزت کے ہونے کا نقصان کبھی پورا نہیں ہوتا۔ یہ بھی بہت بڑا نقصان ہوتا ہے بابا صاحب۔"

نازنین کے نظر دوں پر اشک رواں ہو گئے۔ چہرے کی طرف بھیگ گیا۔ وہ چھپا گئی۔

"آپ اسے اپنے کمرے میں لے کر چلیں۔ اس کو اپنے کپڑے پہنائیں۔ خوش کریں۔ ان شاء اللہ" وہ ان کی بے قراری سے۔

"بابا، تم بھی ابھی آرام کرو۔ سفر کی تھکاوٹ کے درمیان تمہارا لگاؤ ہے۔ بچے ہیں، ان کی خوشیوں کو دیکھ کر "ماشاء اللہ" کہنے میں ہچکچاہٹ کیسی ہوتی ہے۔" کہتے ہیں ایسا ہی جملہ ہوتا ہے۔ خوشی کی تعریف میں خوشی نظر آنا چاہیے۔ اسے ہمارا گھر کہا جائے۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس پلٹ گئے۔ تیمور علی خان تو سکتے کی کیفیت میں باپ کو جاتا دیکھتے رہے۔ رضیہ بیگم نے روتا ہوا اپنی گود میں لے لیا۔

نازنین کی کیفیت اس کی اپنی سمجھ سے بالا تر تھی۔ اس کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے وجود کی کانچ کرچی کرچی ہو رہا ہے۔ وہ کچھ اور طرح سوچنے لگی تھی۔

آخر کار یہی ہماری زندگی کی تلخ یاد عالم اب خاندان کا بھی سب کچھ جدا ہے۔ قرنے

www.Paksociety.com

ہوئی ہے، مجھ سے بہتر سے سر سے چادر اتار دی تھی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح صدر سے اس کی عدالت میں سماعت ملتوی ہو جائے۔ اور یہ نوبت ہی نہ آئے میں مجبور ہو گیا ہوں۔ مجبوری یہ ہے کہ میں اپنے اندر کی گھٹن کو ختم نہیں کر سکا۔ یہ گھٹن ہی ہو گی جب تمہاری بیٹی کی جگہ میں حرام ہوں گی۔"

"آؤ بیٹی اندر چلتے ہیں۔" اماں جی نے اسے تھام کر بہت محبت سے کہا۔

نہ جانے کیوں تیمور کی طرف دیکھ کر انہیں یوں محسوس ہوا تھا۔ کہ ان کا دل کسی اندیشے میں مبتلا ہو رہا ہو۔

"اگر میں ایسی ہوں جیسا تم نے سمجھا اور مجھ پر طلاق کا داغ لگایا تو پھر ایسی ہی سہی۔"

وہ اماں جی کے ساتھ چلتے ہوئے سفاکیت سے سوچ رہی تھی۔

"آج ہی کیوں۔ دو چار دن بعد چلے جائیں گے۔" اماں جی نے تیمور علی خان کی طرف دیکھا۔

"نہیں آج ہی۔ آج کہانی کا باب مکمل ہوا۔ نئی کہانی۔ نئی جگہ سے۔ آپ اگر کچھ دن ان کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں تو ان کے ساتھ چلی جاؤ۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔ نئی اماں ہم بچے ان کے ساتھ نہیں بھیج رہے کہ وہ دونوں بچوں سے بالکل تنہا رہیں۔ اور ایک دوسرے کے لیے گنجائش پیدا کریں۔ اور حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔ دور تک کی سوچیں۔

ہمارا خیال ہے ان دونوں کے درمیان آپ کی موجودگی انہیں اپنی اہمیت کا احساس دلانے میں کارآمد ثابت ہو گی۔"

وہ کچھ گہرا اس طرح خاموش ہو گئے جیسے اب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔ اماں جی زینے کی طرف بڑھ گئیں۔

تیمور علی خان کا کمرہ کھلا ہوا تھا۔ رئیسہ اور بصیر علی خان کی دلہن دروازے ہی میں کھڑی تھیں۔

"تم بہت اس طرح کیوں دروازے میں کھڑی ہو۔" وہ حیرانی سے بولیں، آواز میں فکر مندی کا تاثر بھی تھا۔

"بہت رو رہی ہے بیچاری۔ وہ مرجانے ہوش ہو چکی ہے۔ ابھی اسے سکون کی دوا دے کر لٹایا ہے۔"

دیکھ لو اسے ہوش تو نہیں ہے۔" اماں جی گھبرا گئیں۔

تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ ابھی تو سوٹ کیس پیک کر رہے تھے۔" بصیر علی خان کی دلہن بولیں۔

اچھا میرے بچی دو تین جوڑے رکھ دو۔" اماں جی بھی وہاں نظر آ رہی تھیں۔

"آپ رکیں گے کیوں؟" تیمور حیران ہوئیں۔

تمہارے پاپا صاحب کہہ رہے ہیں۔ کہ مجھے ساتھ جانا چاہیے۔"

اسی لمحے تیمور علی خان بیڈ کی سائیڈ پر جھک کر کچھ اٹھاتے دکھائی دیے۔

انہیں دروازے میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹکے، پھر ہاتھ کے اشارے سے راستہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے قریب آئے۔

داخل ہو گئے۔

وہ سب بھی ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گئیں۔

وہ بیڈ پر خاصے جھکے ہوئے تھے۔ لیکن بیٹے کی کوئی علامت اس کے چہرے پر نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ بال ماتھے پر پھیلے ہوئے تھے۔ تیمور علی خان وارڈ روب کھول کر کچھ تلاش کر رہے تھے۔

"سر کی چوٹ دیکھا ہے تم نے، تم پہلے کھانا کھا لو تیمور۔" رئیسہ بیگم نے انہیں متوجہ کیا۔

بھوک نہیں ہے انہیں نے وہیں سے کہہ کر پھر ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگے۔

"تھوڑا سا دودھ ہی پی لیجیے۔ طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔" اماں جی کا انداز خوشامدانہ تھا۔

تیمور علی خان نے کچھ نکال کر وارڈ روب کی ایک الماری پر لگے لیور پر ڈالا۔

"طبیعت ٹھیک ہو گی بی جان، اگر ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہے گی۔"

اب تو بہت دنوں تک اس کی طبیعت اسی طرح رہے گی۔ تھوڑا سا ٹانک ہوا ہے۔ اس کے ساتھ دوا کی مقدار بھی بڑھا دی جائے گی۔ تم فکر نہ کرو۔"

انہوں نے دکھ بھرے انداز میں تسلی دی۔

تیمور علی خان نے ان کی طرف دیکھا۔

"خوش ہیں ناں اماں جی آپ؟" ان کے انداز میں جانے کیا تھا۔ اماں جی تیزی سے آگے بڑھیں۔ اور ان کا سر سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ "بیٹھے خان کیا ہے تو وار بار نہ جانا اماں جی مر جائے گی۔"

"اماں جی۔ چپ ہو جائیں۔" رئیسہ بیگم نے گھبرا کر پہلے ان کی طرف دیکھا، پھر دونوں کو الگ کیا۔

"اب بیٹھے بھی کیجیے نہیں ہیں اماں جی! کہ آپ سے بہلے لیں۔" تیمور علی خان نے انگلیوں کی پوروں سے آنکھوں کے اشک صاف کیے۔

"میں صدقے جاؤں اپنے بچے کے۔" وہ پھر رونے لگیں۔

"تم تھوڑا سا کھانا کھا لو تیمور۔" رئیسہ بیگم نے اصرار کیا۔ "ورنہ اماں جی دل چھوٹا محسوس کریں گی۔"

"ٹھیک ہے ہم کھا لیں گے آپ فکر نہ کریں۔" وہ اپنا سوٹ کیس بند کرنے لگے۔

"اور کوئی سامان رکھنا ہے تیمور؟" اماں جی نے پوچھا۔

"نہیں وہ تو سارا ہم ہی کو رکھوایا تھا۔ ماما ساتھ جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ وہ سب سنبھال لے گی۔" انہوں نے اماں جی کو تسلی دی۔

انہوں نے یقین کر لیا تھا۔ اور سر جھٹک کر چاروں طرف دیکھنے لگیں۔

"کیا تم ہوا ہے؟ میں کہاں ہوں؟" وہ گھبرا کر پوچھ رہی تھی۔

وہ سب تیزی سے ان کی طرف بڑھیں۔

www.Paksociety.com

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ تمہارے کمرے میں۔" بھیگتے ہوئے زبیر کے دل کو کچھ ہوا۔

اور وہ زین کو ایک دم گود میں اٹھا کر آگے بڑھ گئی۔ "اماں جی اور شانے کہاں ہے؟"

"وہ عالم صاحب کے پاس ہے بیٹی۔ وہ دوا پی کر سو چکی ہے۔"

"اماں جی میں بچوں کو یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ مجھے واہم آ رہے ہیں۔"

اس نے اماں جی کی طرف التجا کے انداز میں دیکھا۔

"ارے نہیں زینی۔ بچے اپنے گھر میں ہیں۔ تمہارے بابا صاحب کی تو جان ہے بچوں میں۔ جب وہ واری کو آتا کرتے ہیں تو پھر روشی اور شانے ان کی اولاد ہیں تم فکر نہ کرو۔"

اماں جی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"میرا دل نہیں مان رہا۔" وہ ضد کے انداز میں گویا ہوئی۔

"تمہارے بابا صاحب کا حکم ہے بیٹی؟ انہوں نے سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا" انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"جو بھی ہو پھر بھی ہو سکتا ہے اماں جی اور شی بہت چھوٹی ہے مجھے یہیں نہیں آنے چاہئے۔"

"اماں جی! آپ بچوں کو ساتھ لے جائیں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

تیمور علی خان نے مداخلت کی۔ "اور پھر سب کچھ بچوں کے دم پر تو ہوا ہے۔ ہم بھی بچوں کو یہاں چھوڑنے کے حق میں نہیں ہیں۔"

وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئے۔

کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

"کتنا اچھا ہو گیا ہے، ایک مرا تو دو۔ کیسا سب سے چھوٹی اولاد ہے پیاری۔ سب کا پیارا۔ آنکھوں کا تارا۔ کام بڑے پڑ گئے ہیں اس پر۔"

اماں جی روتی ہوئی بڑبڑاتی ہوئی خود بھی باہر نکل گئیں۔

سرائے آئے انہیں ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔ زینی اماں جی بچوں کے ساتھ ہی رہتی تھیں۔ زارا زینی اور تراب کے روم میں بھاگتی تھی۔ تیمور علی خان دن کی روشنی میں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ رات کے پہلے پہر ان کی جیپ پورچ میں داخل ہوتی تھی۔

آج تو کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی تھی۔ پریشانی فطری تھی۔ وقتی کوفت دیکھ کر جب وہ واپس آئی تو دل بڑا اچاٹ سا تھا۔ وہیں دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

تیمور علی خان جانے کب خاموشی سے اوپر چلے آئے تھے۔

"خیریت۔ یہاں اس طرح کیوں کھڑی ہیں آپ؟" وہ چونک پڑے۔

"آپ کب آئے؟" وہ گھبرا کر سیدھی ہوئی۔

"آپ کہاں گئی تھیں؟" انہوں نے بھیگے بالوں کا جوڑا کھول کر بال پیچھے کی طرف اچھالے اور پوچھنے لگے۔

"کہیں نہیں جانا چاہتی۔" انہوں نے کوٹ اتار کر بیڈ کی طرف اچھالا۔ جوتے اتارتی وہ زینی نے آگے بڑھ کر اٹھائے اور چلنے لگی۔

"سب آپ کو پوچھ رہے تھے۔"

تیمور علی خان نے ٹوالی کی گرہ کھولتے ہوئے قدرے چونک کر زینی کی سمت دیکھا۔ زارا کرتے سے پیٹ کے بل بیڈ پر اوندھی لیٹی ہوئی تھی۔ بھیگی سیاہ گھنے بال۔ سیک آپ سے عاری چہرہ۔ گھر ہوئی، بکھرا بکھرا سا حلیہ۔ وہ بدل گیا تھا۔ پہلے والا انداز بھی بدل گیا تھا۔ کسی طرح بھی وہ بچوں کی ماں محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وقتی طور پر صرف کاندھے پر تولیہ ڈالے وہ ان کے سامنے کھڑی تھی تو آسانی سے نہیں ہٹے۔

انہیں باتھ لیا دے کر ناشتے کے بعد اس سے ملاقات کی کس درجہ بے قراری تھی۔ ایک ایک پل پہاڑ بن کر گزرا تھا۔ بیڈ ان کی شدتوں پر تھرا اٹھی تھی۔ باقاعدہ اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔ زارا وہ اس کی اس ادا پر نثار ہو کر رہ گئے تھے۔

مغربی لڑکی کا کس انداز مشرقی حیا آمیز انداز تھا۔

بارہ سے ان کے ناشتے کو سات بج گئے تھے۔ رات کے آخری پہر بستر پر آتے ہوئے وہ ایک نامعلوم سے احساس تحفظ میں گرفتار ہو جاتے تھے صبح آنکھ کھلتی تو وہ بستر پر نہیں ہوتی تھی۔

بار بار ان کے اس طرح دیکھنے پر گھبرا گئی تھی۔

"کیوں بابا۔ میں کیوں چلا جانا چاہئے؟"

"وہ آپ کا ان گن گن کر انتظار کر رہی ہوگی۔ اور پھر سب کچھ تو یہیں آ چکا ہے۔ یہی میرا گھر ہے۔ یہی میری جنت ہے۔ میں ہمیشہ ہمیشہ آپ کی سلامتی دعا مانگتی رہوں گی۔ اور اطمینان رکھیے۔ کبھی بھی آپ کی پرسکون زندگی اور خوشیوں بھری زندگی میں کوئی الجھن ڈالنے درمیان میں نہیں آؤں گی۔ میرے لیے یہ احساس ہی کافی ہے کہ میں بے لمحہ نہیں ہوں۔ یہ میرا سے گھر والوں کے لیے۔ میرے احساس تحفظ کو قائم کرنے پر ایک بار پھر آپ کی مشکور ہوں۔

میری ذات سے کوئی توقع یا غرض وابستہ نہیں کرنا۔ آپ نے مجھ سے نکاح کر کے مجھ پر بڑے چھپے بہت سے راز کر دیے ہیں۔ اس حد تک کہ نفسیاتی طور پر میں جس احساس کمتری کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہو گئی تھی وہ دور ہو چکا ہے۔ اب آپ مطمئن چلے جائیں اور اپنی بہتر زندگی گزاریں۔"

وہ کہہ کر رکی اور پھر پیچھے کے بل کھڑی ہو گئی۔

"کیا؟" تیمور علی خان نے ابھی بستر پر اچھالی وہی اور شرٹ پہنتے تھے۔ وہ بات سن کر ساکت رہ گئے۔ وہ بات ختم کر کے خاموش ہو چکی تھی۔ چہرے پر گہرا سکون چھا گیا تھا۔ جیسے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو۔

"کیا۔" وہ حیرت کے انداز میں گویا ہوئے۔

www.Paksociety.com

"نکاح ایک ذمہ داری کا نام ہے۔ اسے کھیل تماشا نہیں سمجھتے۔" وہ دو ٹوک انداز میں کہہ گیا تھا۔

"مگر یہ نکاح اور طرح کا ہے۔ اس میں بیچارہ یا بے آپ سے کوئی تقاضا نہیں کر رہی۔"

اسی لیے خون کی کمی تھی۔ اسی وجہ سے کمزوری کی وجہ سے وہ بار بار غش کھا کر گر رہی تھی۔

یہ بھی طے ہو چکا تھا کہ وہ کسی اور ذریعے سے خون وغیرہ نہیں لے گی۔ اس لیے وہ اسی انداز میں بیٹھی رہی تھی جس انداز میں ڈاکٹر ہمدانی آئے تھے۔ وہ آگے بڑھ کر خون اٹھا چکا تھا۔

"ویلکم۔ السلام علیکم۔ کیا حال ہیں۔ اسی وجہ سے خون کیا آپ نے خیرات۔؟"

"کب۔؟ ابھی۔ ابھی۔ لگ گیا ان کا سراغ۔ ہمارے جیسے کی جگہ جن سے ڈاکٹر اب آپ ہی فرض ہے اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو یہ بے مثال ناانصافی ہو گی۔"

"جی۔ جی۔ ہم سن رہے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا وہ قیامت تک اس پر راضی نہیں ہوں گی۔ ظاہر ہے آپ کی خاندانی آن گھٹ جائے گی۔ کوئی عورت دوسرے خاندان میں آ کر واپس غیر خاندان میں نہیں گئی۔ آپ کا کام ہو گیا۔ اس لیے آپ ان کی اوقات کر رہے ہیں۔ وہ بچے ہوں گے پاس نہیں جائیں گے۔ وہ کسی قیمت پر رضامند نہیں ہوں گی۔"

"جی۔؟ وہ پریشر ائز کر رہے ہیں آپ کو۔ آپ ان سے پوچھیے پہلے ان ہوا نفس پر غور کیوں نہیں کیا تھا۔ بچے پیدا کیے ہیں تو ان سے کہیے جو کرنا ہے کر لیں۔"

"نہیں اس وقت آپ بہت کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہیں کر سکتے ہیں۔"

"جی۔ جی۔ جی ہاں۔ ہم سن رہے ہیں۔ تو ٹھیک ہے انہوں نے کمر ہی کیا جھوڑی ہے، یہ تماشا بھی کر کے دیکھ لیں۔ کر لیں گے ہم انہیں کوشش میں۔" جمور علی خان نے شدت جذبات میں ہونٹ کاٹ لیے۔

نازنین بیٹھے پریا ہاتھ دھرے ساکت و صامت کھڑی تیمور علی خان کی سمت دیکھ رہی تھی۔

جمور علی خان فون بند کر کے اس کی سمت متوجہ ہوئے تو اسے چھرائی ہوئی حالت میں دیکھ کر ایک دم کھڑے ہو گئے۔ اس کی طرف بڑھے اور بے ساختہ اسے شانوں سے تھام لیا۔

"کچھ نہیں ہو گا پریشان نہ ہوں آپ ڈاکٹر ہمدانی۔ ہمیں اندازہ تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ ہم تو منتظر تھے کہ کہاں تک پہنچے منتظر ہیں اور یہ معاملہ بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ آخر کب تک اندر گرا رہتے۔ آپ شاید نہیں جانتیں ہوٹل کی لابی آباد کر بچے ہوئے کنڈوم پہنچ گئے ہوں۔ مگر اتنا اندازہ تو ہمیں بھی ہو گیا تھا۔ بابا صاحب کے جیسے ہی بچے حویلی سے باہر نکلنا چاہتے ان کے حساب سے تو آپ بچ گئیں بچی ہیں گی۔"

"تیمور علی پر جان کی اجازت کر دیجیے۔ بچوں کا معاملہ ہے کے لیے عمل کر دیجیے۔" اس نے تیمور علی خان کی سمت کے انداز میں دیکھا۔

"آپ کیوں وقت سے پہلے ہلکان ہو رہی ہیں۔ ریلیکس ہو جائیے۔"

"جی آپ کو تو ہماری ادا پسند آ گئی ہے۔ محبوب بنانے میں مدد کریں گے بچے کی۔ ہم آپ کے بچے بھی پیدا کریں گے۔ آپ کو کمزور کمزور والی بات کرنی چاہیے۔ کہیں سے تو سیکھیں۔ ہمارے ہاں تو کہیں سے بھی ہو کر آئیں ہمارے ہاں ان کے لائق ہیں ہے ایک بابا صاحب زندہ ہے تو وہ بابا صاحب کی طرح ہیں۔ ہوں گے ہمارے ہاں ہوں گے۔ تو ہمیں انہیں سنبھالنا ہے تب ہی صورت حال تو سمجھ سکیں گی۔ سنبھال لیں گی ہوا ہاں گی ہوں۔ وہ ہمارے ہاں ہوں گے۔ تو ہمیں انہیں سنبھالنا ہے تب ہی صورت حال تو سمجھ سکیں گی۔ سنبھال لیں گی۔"

"ہم نے آپ سے کہا ہمیں آپ پر پورا ایمان ہے۔" انہوں نے ایک بھرپور لہجے میں عرض کر دیا تھا۔ "ہم آپ کی ذمہ داری ہیں کوئی آسمانی آئے ہمیں دیں گے اطمینان رکھیے۔"

جواب کی شدت سے اس کا سر چکرا گیا تھا۔

"اور کیا کہہ رہے تھے بابا صاحب؟" اس نے خوف زدہ ہرنی کی طرح تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ بچی کر رہے ہیں کہ وہ صاحب فرما رہے تھے۔ بچے اگر کسی بیماری کے ان تک پہنچ چکے ہوں تو ہمارا فوری وہ ہیں آسانی سے بچے حاصل کر لیں گے۔ اور یہ کہ مقصد ہمیں ہم کر دیا لی ہیں۔ کوئی اچھا کنٹرل مرے ہے مقصد ہے ہی نہیں۔ کہ یہ کہاں کی ہیں۔ کس خاندان کی ہیں۔ ان کے حقیقی بھائی کے نکاح میں ہے تو کر بیٹھا ہو اور ہو۔"

"جب ہمارا مقصد ہی کر دیا ہے تو آپ مجھے صفائی کیوں دے رہے ہیں؟"

"ہم یہ کامل بیٹھے ہیں۔ ہم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم نے اپنی بات کاٹ دی تھی۔"

"یہ تو ان کا جائزہ ہے غور کرنے پر یہ انکشاف ہوئے ان میں بھی آ سکتے ہیں۔ اس لیے اوپن کر دیا ضرورت نہیں رہا ہو سکتی۔ ہم دیکھ لیں گے سب۔ اب آرام کیجیے۔"

"میری تو پھر جان نکل گئی ہے۔ اور کیا انہیں پتا چل گیا ہے کہ۔"

وہ کہتے کہتے خوف زدہ سی ہو گئی۔

"ہوں۔ جب ہی تو گھنٹی سے ریکشن لے رہے ہیں۔" تیمور علی خان کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

جس جس۔ اندر کہیں دبے کچلے جذبوں کو خوں پر پانی کے چھینٹے پڑے۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے تیمور۔" اس کا لہجہ کانپ گیا۔

"کچھ نہیں ہو گا۔ ہمیں کچھ نہیں ہونے دیں گے۔ ہم آپ کو ہمیشہ کے لیے کھو دیں گے۔" وہ گویا ہوئے۔

"اس سے پہلے۔" نازنین کے لہجے نے بے ساختہ کہا تھا۔

"ظاہر ہے یہ بچے تو ہوں گے۔"

"بھی تو کہہ رہے ہیں آپ سے کہ ان کے سونے میں کھو دیا ہے۔ اللہ کرے بچوں کو ہو وہ خوش ہے جو مجھے نہیں مل۔"

وہ آگے بڑھی اور بڑھ کر ان کے شانے تھام لیے۔

تیمور علی خان یک لخت گھمبیر سے ہو گئے تھے۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

پھر دن بہت خاموشی سے گزر رہے تھے۔ گھروں میں طوفان برپا ہو چکے تھے۔ خان کی موت کی خبر نازنین کو دیر سے ملی تھی۔ جب آیا تھا۔ تیمور علی خان پہلے کی نسبت اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ اماں کی بیٹیاں کو سے کر اسی کے پاس رہتی تھیں۔ خالہ کا دل اماں جی کے بغیر نہیں لگ رہا تھا۔ یوں بھی سعدیہ کے غائب ہو جانے کے بعد سے بہت اداس رہنے لگی تھیں۔ آنے لگی تھیں۔

اس لیے دلاور علی خان سے اجازت لے کر وہ بھی حویلی آ گئی تھیں۔ نازنین کے سامنے اس طرح آنے کی تھیں۔ پہلے ان عادتے کی سب سے بڑی ذمہ دار وہی ہوں۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ حویلی میں روشنیاں جل چکی تھیں۔ نازنین اماں جی اور بچوں کے ساتھ لان میں ٹہل رہی تھیں اسی دم گیٹ پر کوئی کھاری اجنبی کی گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ برآمدے میں بارن ہوا۔ چوکیدار کسی کو لینے کے لیے لپکا۔ اور چھوٹی کھڑکی کو کھول کر باہر جھانکا۔ نازنین اور اماں جی اسی حصے میں کھڑی تھیں۔

چوکیدار کی بھرتی تاری تھی کہ آنے والا اہم اور پہچانا ہوا ہے۔ گیٹ کھلا۔ گاڑی اندر آنے کے صرف دلاور علی خان اندر داخل ہوتے دکھائی دیے۔ نازنین اور اماں جی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

دلاور علی خان چھڑی زمین پر ٹکا کر تیز تیز قدم رکھتے ان کے قریب پہنچے۔

"السلام علیکم!" نازنین نے سر پر آنچل ڈال کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ خوش رہو۔" انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

"تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر گہری فکر بھرے انداز میں پوچھا۔

"خیریت۔" دونوں ساس بہو چونک سے رہ گئیں۔

"وہ ابھی نہیں آیا۔ رات ہی کو آتا ہے۔" اماں نے بتایا۔

دلاور علی خان نے سرسری نگاہ نازنین کے چہرے پر ڈالی۔ اس کا کوئی کھنکا۔ فکر۔؟"

"جی مجھے تو پتا نہیں۔ کبھی دھیان ہی نہیں آیا۔" وہ یوں بولی جیسے کسی غلطی کا اعتراف کر رہی ہو۔

"اچھا۔ جی ہماری بات سنو۔ اصل معاملہ تو تم ہی سے ہے۔"

نازنین کا دل اور تیزی سے دھڑکنے لگا۔ یوں بھی باباصاحب کے انداز شروع سے ہی کھنکے رہے تھے۔ وہ خوف زدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"دیکھو بیٹی! پچھلے اس حویلی میں رہیں۔ اس حویلی میں جو تم ہمارے پاس ہماری نگرانی میں۔"

"کک کیا۔ مطلب!" اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"ہاں باہر جب میں نے بچوں کو لینے آیا۔ جب ہم نے سمجھنے کی کوشش کی۔ بیٹی اپنے تو وہ گھر کے اندر چلے گئے۔ مگر بیٹی آ کے تھوڑی رسوائی ہو چکی تھی۔ سگے بھائی کو۔ میں دلاور علی خان کی بہو سے بیٹھ کر بات چیت کرنے کے بعد بھی آنے کے بعد بھی انجام کو پہنچ سکتی ہے۔ اس لیے قانی فیصلہ کر لینا چاہیے۔ ہم ہوں یا کر سکتے ہیں کہ اس حویلی کو دلاور علی خان کے

میں بھائی کے کسی بھی سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ اس کے بعد اماں جی کی تربیت کر کے واپس آ گئی تھیں۔ نازنین کو دیکھ کر بھی بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس کو کھانا کھانے کے لیے بلا لیا گیا۔ پھر وہ کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں تو یہاں کی اجازت سے بھی نہ جاؤں گی۔ میں نازبرداریں ہوں جو بے جھجک میں نہ کروں (نعمان الدین) علی خان۔"

"آپ نے مجھ پر ترس کھایا۔" سلویا کی آواز لرز رہی تھی۔

"تم نے مجھے جن کے زندہ ہونے کی نوید دی ہے شاید اس لئے۔"

ماہین کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا نشان نہیں تھا۔ وہ باتوں کے دوران آئی۔ تو اس کے بعد وہ کافی دیر تک سو نہیں سکی تھی۔ اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھی تو باری اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"جلدی جاگ گئے یا سرے سے سوئے ہی نہیں میری طرح؟" اس نے دبی دبی نیند بھری آنکھوں کے ساتھ پوچھا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سلیمی سے کر رہا ہوں۔ وہ اس وقت اٹھا ہوں۔ البتہ آپ" وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

ماہین نے نظر اس کا چہرہ دیکھا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

"تمہاری طبیعت نہیں ہے باری۔ کچھ ڈسٹرب ہو۔" وہ فکر مند ہوئی تھی۔

"نہیں۔ میں تو ناشتا آنے کا انتظار کر رہا ہوں۔" وہ مسکرا دیا۔

"مگر تمہیں سے کام لے سکتے ہو اور تم نے مجھ سے ابھی بات کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر تم نے مجھ سے ابھی بات کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

وہ جیسے گرفت میں لے رہی تھی۔

"اس میں بچ جانے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ آپ کا گھر ہے۔ آپ جب چاہیں۔ جہاں چاہیں ٹھہر سکتی ہیں۔" وہ نظریں جھکا گیا۔

"مگر تم۔۔۔ میں بچے چھوڑ کر جاؤں گی۔ فی الحال تو اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ تھوڑی دیر آرام کر لوں۔ پھر ناشتا کے بعد بچے لے کر چلی جاؤں گی۔"

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

www.Paksociety.com

"آل ریڈی چلے گئے ہوئے ہیں۔ اور بھی کئی لوگ ہیں ادھر چکر لگا لے گئے ہیں۔" وہ اور کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"تابا؟ وہ لوگ ہری پور پہنچے ہوئے ہیں۔" ماہین کی آواز بلند ہوئی۔ وہ ابھی ابھی سو کر اٹھی تھی۔

یاور علی خان ٹین ون کرا چکے تھے۔ اس لیے اسے کمرے میں جاتے ہوئے تو کوئی الجھن نہیں ہوئی تھی۔ وہ ابھی آنکھوں میں نیند تھی کہ سونے کی جلدی ہو۔ وہ جلدی کر کے پہلے وضو کرتی پھر قرآن کی تلاوت کرنے لگی۔ وہ جانے کیوں پہلے سورۃ فاتحہ شروع کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے ایک دم آنسو بہنے لگے۔ اس نے سورۃ فاتحہ کی اور قرآن کو بوسہ دے کر رکھ دیا۔

اس کی کیفیت خود اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اس کا جی چاہا وہ اٹھ کر سرائے پہنچے اور نماز عشاء کے بعد گل رخ کی کھل کر رو لے۔

وہ بے قراری سے انداز میں باہر نکل آئی اور ہال کی طرف بڑھی۔ وہاں لان کے ساتھ چھوٹی سی ڈائریکٹری لگی ہوئی تھی۔ وہ بے تابی سے سرائے کا نمبر تلاش کرنے لگی۔ "ایس" کے کالم میں سرائے کے حساب سے دیکھا۔ پھر "ی" (Y) کا کالم دیکھا کہ شاید تیمور علی خان کا نمبر درج ہو۔ پھر کے (K) کا کالم کہ شاید "خان" کے حساب سے نمبر درج ہو۔ مگر کسی طرح بھی کوئی نمبر ہاتھ نہیں لگا۔ مارے کوفت کے اس کا جی چاہا ڈائریکٹری دیوار پر دے مارے۔

سوائے یہ خیال آنے کہ چلتی پھرتی ڈائریکٹری تو باری کی صورت میں موجود ہے۔ اور اس سلسلے میں تو وہ کوئی جواب دہی نہیں سکتا۔ اس کے اندر جیسے برفی روہ دکی۔ وہ مضمحل سا ہو کر ہال کی اونچی اونچی چھت کو دیکھنے لگا۔

"باری اپنے کمرے میں نہیں ہے ماہین اسے تو میں نے کچھ دیر ہوئی باہر جاتے دیکھا تھا۔" اسے یاد سے وہ لب کی آواز آئی۔

وہ چونک کر پلٹی۔ دل میں کچھ عجیب سی بیقراری محسوس ہونے لگی۔

"وہ۔ مجھے یاور صاحب سے بہت ضروری بات کرنا تھی مگر ان کا نمبر مجھ سے کہیں مس ہو گیا ہے میں نے سوچا شاید وہ کہیں ہو۔" وہ بولا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہے۔

"ہاں اسے سب نمبر یاد ہوتے ہیں مگر اس وقت تو وہ نہیں ہے۔ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں۔" وہ اور اس کا چہرہ بغور دیکھ رہی تھیں۔

"نہیں۔ بھابی بیگم! پریشانی کی تو کوئی ایسی بات نہیں ہے بس کچھ ضروری۔" وہ زبردستی مسکرایا۔

"ہاں۔ مغرب میں نماز پڑھ کر گیا تو وہ باہر جا رہا تھا۔ جانے کون کون سے کام اپنی جان کو لگا لیے ہوئے ہیں۔ اللہ ہی حفاظت کرے۔ میں تو اس اسے معمولات کی دیکھتی ہوں۔ اللہ ہی طرح چلتا پھرتا رکھے۔ سمت تھامتی ہے۔ اللہ کسی کام سے نہیں گھبراتا۔ جب ہی تو یاور علی خان اس کی اتنی قدر کرتے ہیں۔ وہ چھوٹے موٹے کام تو کرا ہی لیتے ہیں۔ ان کو بات ہے بات کہنا ہے گا تو وہ آگے سے آگے ان کو سنبھال لیتے ہیں۔"

وہ بہت بہت سے سوال لا کر رکھ گئی تھیں۔

"تم پریشان ہے باری سے تو اسے بہت معمولی آدمی سمجھتے ہیں۔" اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ وہ بولنے لگی تھیں۔ اور اس کی بھی بولنے کچھ نہ دیا تھیں۔

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ باری کا بابا تو سب ہی کے ساتھ بہت مخلص ہوتا ہے۔ مجھے آدھے کرنے تھیں۔ وہاں چلے گئے ہیں۔ وہ تو بہت مخلص ہیں ہو چکے ہیں۔ وہ چلے گئے ہیں۔" وہ بولا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے رکیں۔ ماہین چپ چاپ ان کے پیچھے چل پڑی۔

"ہماری ساس کی کوئی تصویر نہیں ہے بھائی تاکہ جرمے کی بات ہے۔" وہ ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اختیار پوچھ بیٹھی۔

عالم تاب کی حیرت نظری تھی۔ اسے دن گزر جانے کے بعد آج اسے یہ خیال آیا تھا۔ تعجب ہوا۔ انہوں نے جیب سے کارڈ نکالا۔

"اللہ بخشے ماں کی تو بہت ہی شوقین تھیں۔ کبھی تصویر نہیں کھنچوائی۔ یہ اجنت پاسپورٹ کی تھیں۔ اصل میں ان کی بہت ہی اس طرح کے ماحول میں ہوئی تھی۔ تصویر حرمت ہوتی ہیں کر کہ وہ زندگی بھی کبھی بار نہیں کھنچی۔ ان سے کبھی پوچھتے کہ آپ کا دل نہیں چاہتا کہ گھر میں ہار پر ہی خریداری کریں تو ہنس کر ٹال دیتی تھیں کہ بھئی ہمارے گھر کے کام نمٹانے ہیں۔ گھر سے اچھا کچھ نہیں ہوتا۔"

"سنا ہے وہ بہت اچھی تھیں۔ بہت ہی اچھی۔"

عالم تاب نے ایک سرد نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ "آج صبح صبح ماں کی کیسے یاد آ گئی؟"

"خواب۔ کل رات خواب میں آئی تھیں ماں جی؟" وہ کچھ ہچکچا رہی تھی۔

"یہی کہو لیں۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"ہاں وہ بہت بھلی عورت تھیں۔ ملنساری چھائی۔ بہت کا سمجھ۔ عزیزی کا احساس۔ ہمیں بھولتے تھے کہ سب نہیں۔ حسرت ہی رہی کہ ان کی خدمت کرتے۔ بس ایک رات سوتے ہی میں چل بسیں۔ بڑے خان کو پہلے اتنی جلدی نہیں آنا تھا۔ وہ بھی ان میں۔ کہتے تھے کہ حضرت تو بہت آنا تھا مگر اس بھلی عورت کی موجودگی کے احساس سے خود کو بھاگ کی طرح بڑھ جاتا تھا۔ ان میں شور خود ہی آواز۔ بہت دل چسپ تھیں۔ ان کے باوجود گھر کے کونے کونے میں محسوس ہوتی تھیں۔"

"وہ سے کیا تھے جو ہمیں لے کر گئے تھے؟" ماہین نے ان کے جملے پر کراہت کی تھی۔

"ڈوبتی ہوئی ہیں گھروں کی۔ جب سے بچوں کا تو بہت غم کرتی تھیں۔" عالم تاب کہیں اٹھے۔ تعزیت کیلئے بھیجے اگر ہمیں جانے کی جلدی ہو۔

"بہت خوش قسمت لوگ ہیں جنہیں ان کے ہاتھوں کا بنا ہوا" ماہین نے ان کے جملے پر کراہت کی تھی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

عالم تاب خاموش ہو کر اپنی انگلیاں مروڑتے دیکھتی رہیں۔ یہ حرکت فراری کرتی تھیں، دیکھ رہی تھیں۔

"اچھا میں نے ایک بات پوچھنے کی کوشش بھی نہیں کی، ہاں تو بتائیں آپ کی شادی کیسے ہوئی تھی؟ کیا شوق تھا؟" جانے کیوں ماما اداس سے مسکرائیں۔ عالم تاب کو ان کی مسکراہٹ بجھتی محسوس ہوئی تھی۔

اسی دم ماما بیڈ سے اٹھنے لگیں، اٹھل ہوئی۔

"ماما باری نکلو۔ آپ سے کہتا ہوں باہر بارش ہو رہی ہے۔ انہیں کوئی کام ہے۔" عالم تاب نے ماما کو روکا تھا۔

ماما خاموشی سے چلنے لگیں۔

"ہاں بس، حویلی میں روانج نہیں ہے عورتوں کی تصویریں وغیرہ بنانے کا۔ ہوں تو میں بس رکھی ہوں گی اور ہر دیکھوں گی میں۔"

وہ گلے کے انداز میں جواب دے رہی تھیں۔

ماما نے کہا۔ اٹھا کر پہلے عالم تاب کو تھپکایا پھر مائین کو۔

"جس زمانے میں بچہ پیدا نہیں تھیں۔ اس وقت تو مامانی ایک دم جوان ہوں گی۔ کیوں بھائی جگر؟"

مائین نے دلچسپی سے ماما کا سراپا دیکھا۔ "شادی کیوں نہیں کی ماما تم نے؟" اس نے ماما کے لرزتے چہرے کو بغور دیکھا۔ "تمہارے تو بہت رشتے آتے ہوں گے؟"

"ضروری تو نہیں کہ ہر عورت کی شادی ہو۔ شادی کرتے نہیں ہیں مائین بی بی شادی تو ہوتی ہے۔ اب دیکھیں آپ اتنا وقت یہ گھنٹہ ہیں گزرا۔ کتنے لوگ ہوں گے جو آپ کو یہاں پسند کرتے ہوں گے مگر آپ کا دانہ پانی تو حویلی میں لکھا تھا کیوں بڑی بیگم۔" ماما بہت شفیق انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

"بڑی موتیوں میں تولے جانے والی بات کہی ہے ماما تم نے؟" عالم تاب نے تائید کی۔

"کبھی دل تو چاہا ہوگا ماما کہ تبدیلی آئے۔" مائین نے ماما کو چھیڑا۔

"دل کے چاہنے کو چھوڑیے مائین بی بی۔ دل تو جانے کیا کیا چاہتا ہے۔ دل کے چاہنے پر بھلی تو زندگی بسر نہیں ہو جاتی ہے۔ جو لکھا ہوتا ہے گزر جاتے ہیں۔" ماما ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج مائین بی بی کو جانے کیا کیا خیال آ رہے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے عالم تاب سے مخاطب ہوئی۔

"بھئی میں سوچ رہی ہوں۔ دراصل آج کل یاد نہیں ہیں تنہائی میں غور و فکر ہو جاتا ہے۔" عالم تاب بھی مسکرائے۔

"باری کا اچھا خیال رکھا ماما۔ نے تو کہا مائین بی بی بلا رہی ہیں۔" عالم تاب نے حریت کی۔ حیرت سے ماما نے کہا۔

"جی اچھا۔ ویسے مشکل ہے خان اگر باہر گئے ہیں تو دو ہفتے سے پہلے نہیں آئیں گے۔ انہیں باہری باتوں سے علاقہ رکھنے کا شوق ہے۔ شکار انہوں نے بھی کیا تھا۔ تاریخ تھے۔" ماما باہر نکلتے ہوئے بولی تھیں۔

"جائیں جو۔ کوئی بات نہیں اگر میں ہو گئی تو انہیں۔ کہ کر بھیجا آپ نہیں۔ تو ویسے بھی ادھر ہاں میں ہی ہیں۔" مائین نے آنکھ مارنے کا انداز اپنایا۔

"کیا سے کیا آرام ہے یہاں دنیا سے دور۔" عالم تاب سے مائین نے سوال کیا تھا۔

"کچھ بس پیدائش کی آئی ہے۔" اس نے کندھے جھکا کر جواب دیا۔

"باری کی طرف سے فکر ہو گی۔ مگر فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عالم تاب نے خود ہی تسلی دی۔

"بہت صدمہ ہے اس کی عمر کے لڑکے میں۔ ابھی نہیں سنبھلتی ہے۔ کی تو خاصا عرصہ لگے گا۔ اسے سمجھنے کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسے سمجھنا۔ باہر بھی بہت اکیلی ہے اور باپ سے بھی تو یوں بھی کوئی اچھی بات نہیں ہوئی۔" عالم تاب نے باری کی اصلاح کے لیے پیار کرنے کی کوشش کی۔

"بات تو سننا چاہیے بھائی جگر۔ عورت مرد کا فرق کیا تھی۔ ملا ہے تو دونوں ہی کے مشترکہ لگتے ہیں اور باپ کا عامل بھی پڑھی اور سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ کی وہ سمجھنے کی پالیاں میں آ سکتا ہے۔"

مائین نے نرم انداز میں اختلاف کیا۔

عالم تاب نے ایک نظر مائین کو دیکھا اور مصلحت آمیز خاموشی اختیار کی۔

شام اترنے میں کچھ دیر تھی مگر حویلی میں مکمل اندھیرا پھیل چکا تھا۔ جب عالم تاب باری نے حویلی میں قدم رکھا تھا۔ ہال کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں نہیں جا سکتا تھا۔ خون کی تلاش اس کے باری میں قدم رکھنے سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔ اس نے کھلے کھلے دروازے میں دروازے کی

سمت دیکھا اور اندر داخل ہو کر ریموٹ اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"کون باری؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔

باری کے ہونٹ بھینچتے جبڑے سخت ہوئے۔ "ہاں باری ہے۔ مائی گاڈ۔"

"جناب!" خود کو ذرا سا خجل شرمندہ ہو گیا۔

"جناب کے بچے۔ یہ طریقہ ہے بات کرنے کا۔ کیا کہا تھا میں نے۔" باری کے لہجے میں ناراضگی تھی۔

"سر۔ جناب سے بھول ہو گئی اب تو سب ہی بھول ہیں۔ مگر یہ تو بتائیے ان کو سلسلے میں کرنا چاہیے تھا۔ میں کچھ سمجھا نہیں؟"

"باری انہیں دور کر دیں گے ہو گی ہوں۔ مجھے حریم تنگ نہیں کرنا۔" وہ دو ٹوک ہو گئی۔

"سر۔ آپ کو تنگ کرنے والے کے ہاتھ کاٹ دیتا ہوں گا۔ مگر آپ بتائیں کہ ان کو کیوں کرنا چاہیے تھا۔" بھلا ہو خود کو اختیار سے باز رکھ کر مسکرایا۔

"باری آپ کو ہال جانا ہے میں ہم جاتا ہوں۔"

www.Paksociety.com

"واہ صاحب! کیا دل ہے آپ کا۔ موت بھی دیکھ چکا اور ہنسے جا رہے ہیں۔" آنس کریم کھاتے ہوئے وہ بولی۔

"تم بھی تو میری جان جلانے والی حرکتیں کرتے رہتے ہو۔ بھوکی بلی کی طرح سر پر گولی کھائے ہوئے۔" وہ ہنسا۔

"سر کٹانے کی بات ہی ہوگی۔" وہ بڑی سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے اس کی بات تو سمجھ میں نہیں آئی۔ کاغذ کے ٹیبر ہو۔ یہ تو میری ہڈیوں کا نتیجہ ہے۔"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی جیسے کوئی اور خیال آ گیا ہو۔ توقف کے بعد پھر بولی۔

"باری! میں بے لگام نہیں ہوں اور میں نے کسی خلوصیت سے قدم کبھی پیچھے نہیں ہٹائے تھے۔ میں تو کاکا جان کے پاس اس لئے گئی تھی کہ وہ مجھے سمجھیں پھر حویلی والوں کو سمجھائیں۔ مجھے پتا ہے بابا صاحب کاکا جان کی بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ سب تو کاکا جان نے خود۔" اس نے جیسے خود کو روکا۔

باری بہت توجہ اور دلچسپی سے اس کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ اس لمحے اپنے جذبات کو محفوظ کرتی روشنی من کر اس کے حواسوں پر چھانے لگی۔

"آپ کیا ہیں؟ کس طرح کے ہیں مجھے سب پتا ہے۔ آپ کیوں خود کو ناحق الجھاتی ہیں میری جان؟"

اس نے بہت آہستگی سے اسے تنگ کرنے کی ابتدا کر دی تھی اور زیر لب مسکرا رہا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" روشنی ایک دم اس بات پر خفا ہی ہو گئی۔ محسوس ہوتا تھا کہ دل پسلیاں توڑ کر باہر نکل بھاگے گا۔

"مجھ سے آئندہ اس طرح بات مت کرنا۔" اس نے ناراض انداز میں درحقیقت مچل کر فون بند کیا تھا۔ باری ریسیور کان سے ہٹا کر سر جھکائے ہوئے ریسیور کو دیکھ رہا تھا۔ پتا نہیں کیا کہنا چاہتی ہو گی کیوں فون کیا تھا۔

"غلطی ہو گئی میڈم۔ مگر معاف کیجئے گا، پاگل ہے کار میں آپ سے ایک جملہ بھی نہیں سہہ سکتیں۔"

اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور پنسٹ کی جیبوں میں ڈال کر سیٹی پر کوئی خوبصورت سی دھن بجاتا اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ سارا اضمحلال، تھکاوٹ اڑن چھو ہو گئی تھی۔ چال بتا رہی تھی کہ طبیعت بہت ہلکی ہے۔

"خان! آپ کا فون ہے۔" سرہوتی نے دروازے سے جھانک کر باری کو مخاطب کیا۔

باری نے چونک کر کتاب بند کی۔ "کس کا ہے؟" اس کا دھیان روشنی کی طرف گیا تھا۔

"جی یاور خانان کا ہے۔ گرلی سے۔" وہ اتنا کہہ کر پلٹ گئی۔

باری سوچنے لگا، کیا خبر ہے۔ خود ہی بات کر لیتا ہوں۔ وہ تو بات ہی چھپا رہی تھی، انسان ہو... ہوتے خود ہی ڈر کے مارے کھلنے لگتے ہیں۔

وہ بڑی تیزی سے ریسٹ کرنے کے لیے آیا تھا۔

"السلام علیکم خان۔" اس نے وہ تھوتھیں میں کہا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہے باری کہ تمہیں بڑی یاد آ جاتا ہے۔ وہاں میرے پی... ے اس نے کہا کہ وہ جو...

...ہوت والا سوال... ہیں کی بات نہیں کرتے تھے۔ اماں کی والی تھیں... سے پی... ہیں... بھی... ہو... پاگل ہے... ہوں... ہے... ہو... ہے... ہو... ہے... ہو

"واہ صاحب! کیا دل ہے آپ کا۔ موت بھی دیکھ چکا اور ہنسے جا رہے ہیں۔" آنس کریم کھاتے ہوئے وہ بولی۔

"تم بھی تو میری جان جلانے والی حرکتیں کرتے رہتے ہو۔ بھوکی بلی کی طرح سر پر گولی کھائے ہوئے۔" وہ ہنسا۔

"سر کٹانے کی بات ہی ہوگی۔" وہ بڑی سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے اس کی بات تو سمجھ میں نہیں آئی۔ کاغذ کے ٹیبر ہو۔ یہ تو میری ہڈیوں کا نتیجہ ہے۔"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی جیسے کوئی اور خیال آ گیا ہو۔ توقف کے بعد پھر بولی۔

"باری! میں بے لگام نہیں ہوں اور میں نے کسی خلوصیت سے قدم کبھی پیچھے نہیں ہٹائے تھے۔ میں تو کاکا جان کے پاس اس لئے گئی تھی کہ وہ مجھے سمجھیں پھر حویلی والوں کو سمجھائیں۔ مجھے پتا ہے بابا صاحب کاکا جان کی بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ سب تو کاکا جان نے خود۔" اس نے جیسے خود کو روکا۔

باری بہت توجہ اور دلچسپی سے اس کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ اس لمحے اپنے جذبات کو محفوظ کرتی روشنی من کر اس کے حواسوں پر چھانے لگی۔

"آپ کیا ہیں؟ کس طرح کے ہیں مجھے سب پتا ہے۔ آپ کیوں خود کو ناحق الجھاتی ہیں میری جان؟"

اس نے بہت آہستگی سے اسے تنگ کرنے کی ابتدا کر دی تھی اور زیر لب مسکرا رہا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" روشنی ایک دم اس بات پر خفا ہی ہو گئی۔ محسوس ہوتا تھا کہ دل پسلیاں توڑ کر باہر نکل بھاگے گا۔

"مجھ سے آئندہ اس طرح بات مت کرنا۔" اس نے ناراض انداز میں درحقیقت مچل کر فون بند کیا تھا۔ باری ریسیور کان سے ہٹا کر سر جھکائے ہوئے ریسیور کو دیکھ رہا تھا۔ پتا نہیں کیا کہنا چاہتی ہو گی کیوں فون کیا تھا۔

"غلطی ہو گئی میڈم۔ مگر معاف کیجئے گا، پاگل ہے کار میں آپ سے ایک جملہ بھی نہیں سہہ سکتیں۔"

اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور پنسٹ کی جیبوں میں ڈال کر سیٹی پر کوئی خوبصورت سی دھن بجاتا اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ سارا اضمحلال، تھکاوٹ اڑن چھو ہو گئی تھی۔ چال بتا رہی تھی کہ طبیعت بہت ہلکی ہے۔

"خان! آپ کا فون ہے۔" سرہوتی نے دروازے سے جھانک کر باری کو مخاطب کیا۔

باری نے چونک کر کتاب بند کی۔ "کس کا ہے؟" اس کا دھیان روشنی کی طرف گیا تھا۔

"جی یاور خانان کا ہے۔ گرلی سے۔" وہ اتنا کہہ کر پلٹ گئی۔

باری سوچنے لگا، کیا خبر ہے۔ خود ہی بات کر لیتا ہوں۔ وہ تو بات ہی چھپا رہی تھی، انسان ہو... ہوتے خود ہی ڈر کے مارے کھلنے لگتے ہیں۔

وہ بڑی تیزی سے ریسٹ کرنے کے لیے آیا تھا۔

"السلام علیکم خان۔" اس نے وہ تھوتھیں میں کہا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہے باری کہ تمہیں بڑی یاد آ جاتا ہے۔ وہاں میرے پی... ے اس نے کہا کہ وہ جو...

...ہوت والا سوال... ہیں کی بات نہیں کرتے تھے۔ اماں کی والی تھیں... سے پی... ہیں... بھی... ہو... پاگل ہے... ہوں... ہے... ہو... ہے... ہو... ہے... ہو

مائین کا چہرہ دیکھ کر اندازہ لگانا چاہا کہ سچ کے بعد کیا جذبہ ابھرا ہے مگر وہ بالکل بے حس محسوس ہوئی۔

"باری۔"

"جی؟"

"وہ تمہارے تیمور خانان جو ہیں۔ ان کی حویلی کا فون نمبر ڈائریکٹری میں نہیں ہے۔ میں نے بہت تلاش کیا۔ تم تو اس حویلی کے آپریٹر بھی ہو۔ تمہیں تو زبانی یاد ہوگا۔" مائین نے بہت محبت سے کہا تھا۔

"تیمور خانان۔ آپ کیا بات کرنا چاہتی ہیں ان سے؟" وہ الجھی تھی۔

"کیوں۔ کیا میں ان سے بات نہیں کر سکتی؟ وہ باری صاحب کے حقیقی چچا نے ہیں۔ سگے ان سے بھی قریبی رشتے داری ہے۔"

مائین نے تیکھے انداز میں جواب دیا جس کی وجہ سے باری کو بات کرنے میں دشواری محسوس ہوئی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں۔ تو ایک بات کہوں آپ سے؟" وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"جب بات کہے بنا چارہ نہ ہو تو یہ پروا نہیں کرتے کہ کوئی مائنڈ کر جائے گا۔ بس بات کر دینا چاہیے۔"

وہ بہت ناراض محسوس ہوئی۔

"وہ بات صرف اتنی ہے کہ آپ تیمور خانان سے بات کرنے سے پہلے یاور خانان سے اجازت لے لیں۔ بہتر یہی ہے اگر آپ نے ان کی اجازت کے بغیر بات کر لی تو وہ ناراض ہوں گے۔ میں آپ کو کسی خواہ مخواہ کی الجھن سے بچانے کے لیے ایڈوائس دے رہا ہوں۔ یا پھر آپ بڑے خان سے ڈسکس کر لیں۔"

"کیوں؟ یاور صاحب کیوں اعتراض کریں گے۔ میں فضل عمیر ہوں۔ کسی دوسرے قبیلی عمیر سے بات کرنا کیا جرم ہے۔ یہ تو روحین لائف کا ایک حصہ ہے۔"

وہ قدرے بھی ریل دینے میں ایکسپرٹ تھی۔ فوراً فلاسفرانہ انداز میں گویا ہوئی۔

"آپ ابھی سمجھ نہیں سکیں۔ دونوں بھائیوں کے تعلقات ٹھیک نہیں ہیں۔ اس لیے آپکو یہ مشورہ دیا تھا۔ وہ خفا ہونے لگا۔

"کیوں؟ کس وجہ سے؟" اس نے باری کے چہرے پر نگاہیں جما دیں۔

"شاید پراپرٹی وغیرہ کا مسئلہ ہوگا۔ کچھ اس طرح کا ہوگا۔ بتا نہیں۔" وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"پاپا صاحب کی موجودگی میں اس طرح کا مسئلہ تو نہیں ہو سکتا۔ کوئی اور بات ہوگی۔" وہ جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔

"میں تو اندازے سے بات کر رہا ہوں۔ حقیقت کیا ہے، وہی جانتے ہوں گے۔" وہ جان چھڑانے والے انداز میں گویا ہوا۔

"باری! مجھے فون نمبر چاہیے۔" وہ قطعی انداز میں بولی۔

"آپ یقین کریں یہ مناسب نہیں ہے۔ کہیں مجھے حویلی سے نکلوا نہ دیں۔" وہ بیچارگی سے انکار کر رہا تھا۔

"کچھ نہیں کہیں گے۔ وہ صاحب تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے۔" وہ صاحب تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے۔

"ٹھیک ہے۔ میں ان سے بات کر لیتا ہوں۔ مگر آپ کہیں گی۔"

"ہاں۔ اگر ضرورت پڑی تو میں تمہارے حوالے سے بات کرنے کے بعد آپ کو ریفر کر سکتا ہوں۔"

اس نے جان چھڑانے کے لیے ایک راستہ نکالا۔

"اوہ۔ مائین واقعی اس کے دام میں آ گئی۔

"ٹھیک ہے تم ابھی تیمور خانان سے بات کرو اور مجھے نمبر دو۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔" وہ اس کی بات سے پہلے ہی

بولی۔

"ویسے آف دا ریکارڈ آپ تیمور خانان سے بات کیا کرنا چاہتی ہیں؟ ہو سکتا ہے میں کچھ ہیلپ کر سکوں۔" اس نے قدرے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"ساری حویلی میں صرف تم ہی پر میں ہیلپ کر سکتے ہو۔ مگر افسوس تم کر نہیں سکتے۔ فی الحال تو یہ ہیلپ بھی بڑی کرم چھے تیمور علی خان کا نمبر دے دو۔" وہ بے کل ہو کر بولی۔

باری ایک دم کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

ایک طویل راہداری دوسرے مائین کا جانا پہچانا انداز پھر اس کا تیمور علی خان کے فون نمبر کے لیے اصرار۔ بری پر پیچھے پیچھے اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ ساری سرمستی ہوا ہو چکی تھی۔ رات کو اس بے وہ بری پر بیٹھا تھا۔ بڑے کی کثرت نے ہوش میں رات کے وقت گھر سے اندر بھیج دیے تھے۔ وہ کوٹھی میں داخل ہوا تو صرف ایک ملازم جاگتا ہوا ملا۔ اس کی خاطر ہی وہ ادھر ادھر بھٹک کر ملازم پر آ کر ٹھہر گئیں۔

"سب سو گئے؟"

"جی خان۔ سر نہیں ہوتے تو سب جلدی سونے چلے جاتے ہیں۔" ملازم نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"اور وہ تمہاری روشی بی بی؟" اس نے ذرا بے تکلفانہ انداز میں پوچھا۔

"وہ جی۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کمرے سے باہر نہیں نکلیں۔ آج تو انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا اور رات کا بھی نہیں کھا رہی ہیں۔"

ملازم کا انداز بہت پر خلوص تھا۔

"ہائے ڈیئر روشی!" باری کی پریشانی چہرے سے ظاہر ہونے لگی۔

"کچھ کھا کر انہوں نے تو دروازہ نہیں کھولا۔"

"مالکن کیسی ہیں۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ وہ ایک دم بہت پریشان ہو گئی۔

"جی خان۔ صاحب دونگ دیوان تو ٹھیک ہیں۔ کوئی ضرورت تھی اس طرف آنے کی۔" ملازم نے فکر مندی سے

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

جواب دیا۔ "میں ناشتہ کر رہا تھا۔ جلدی سے آ گیا۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ..." وہ سہم کر چپ ہو گیا۔

"اچھا تم ایسا کرو۔ کھانا گرم کرو۔ میں زرا تمہارے ابو سے ملاقات کر کے آتا ہوں۔" وہ تیزی سے کچن سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ ایک رات ہی تو تھی اس کے پاس۔

جلدی جلدی ہاتھ دھو کے کر شب خوابی کا ڈھیلا سا لباس پہن لیا تھا اور تولیے سے بال خشک کرتے کرتے کندھے پر پھینک لیا اور ہال کمرے میں داخل ہوا تو آ گیا۔ ملازم ٹرالی لیے اسے دھکیل رہا تھا۔

"کس طرف ہے بی بی کا کمرہ؟"

ملازم نے ایک سمت اشارہ کر دیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ملازم ٹرالی گھسیٹتا پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

ہاری نے کمرے کے سامنے رک کر ملازم کی طرف دیکھا جو ٹرالی پر چھوٹا موٹا کھانا سجا رہا تھا۔

ملازم نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

ہاری نے دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے دوبارہ دستک دی۔ جواب میں وہی خاموشی۔ ہاری نے دروازہ دھکیلا۔ دھکیلا۔

"کیا بات ہے بی بی کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" روشی کے بھاگنے کی کیفیت میاں تھی۔

ہاری نے پھر دروازے پر دستک دی۔

"تم وہاں مجھے پریشان نہیں کرو۔ جاؤ یہاں سے۔" وہ پہلی طرح دھاڑی۔

"بی بی خان آئے ہیں آپ سے ملنے۔" ہاری کو مسلسل خاموش دیکھ کر ملازم سے رہا نہ گیا تو بول ہی پڑا۔

"تم نے بتایا نہیں تھا۔ بابا کو کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" روشی کی تھکی تھکی سی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ روشی ایک دم چونک کر پیچھے ہٹی تھی۔

وہ اس طرح ہاری کو دیکھ رہی تھی جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

ہاری نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے روشی کے بازو تھام کر اسے کھینچ کر اندر لے آیا۔

کمرے میں تیز روشنی ہو رہی تھی۔ روشی ابھی تک حیران پریشان سی آنکھیں جھپک رہی تھی۔

"پہلے یہاں بیٹھ جاؤ اور جا کر ایک کپ لائی بنا کر لاؤ۔" ہاری نے ملازم کو مخاطب کیا۔ وہ مؤدبانہ انداز میں سر ہلاتا ٹرالی کمرے کے درمیان میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

روشی ابھی تک جیسے ساکت ہو گئی تھی۔

ہاری "تم جا کر دروازہ بند کر دو۔"

"دروازہ تو پہلے بھی بند تھا۔" ہاری نے اپنے آپ کو یاد دلایا۔ پھر دروازہ بند کر کے وہ واپس مڑی۔

ہاری نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ ہاری کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے بولا۔

"کیا بات ہے روشی؟ تم اتنی پریشان کیوں ہو؟"

"پتہ نہیں۔" روشی نے سر جھکائے جھکائے آہستہ سے کہا۔

"واقعی پہلے آپ کبھی نہیں گھبرائے۔" ہاری ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ٹانگوں پر بازو ٹکا کر آگے کو جھکتے ہوئے بولا۔

"یہ بے چینی کوئی اور ہے۔ کوئی اور وجہ ہے۔ تمہارے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ پہلے کبھی تمہیں گھبراتے نہیں دیکھا۔ لوگوں کا بھی کیا بھروسہ۔ دوسروں کے پیر سے بھی گر جاتے ہیں۔"

روشی نے سر گڑتے ہوئے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"کس نے کہا تھا آنے کو۔ میں نے تو منع کیا تھا۔ اپنے کسی کام یا مطلب کی وجہ سے آئے ہو گے۔ یقیناً میری وجہ سے یا میری خاطر تو زحمت نہیں کی۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں۔"

وہ دانت پر دانت جما کر کچھ کہتے کہتے رہ گئی تھی۔

ہاری نے اس کی سمت قدرے تعجب سے دیکھا تھا۔ اس کی گھبراہٹ کا انداز ٹھیک ٹھیک لگانے لگی۔

"اچھا چلو تم نہیں۔ کھانا کیوں نہیں کھایا؟" ہاری نے اس کا دھیان ادھر ادھر کرنے کی کوشش کی۔

"آ گئے ہو تو کھا لو۔ میں نے کیا۔ کھلانے والے۔ جاؤ ہاری یہاں سے۔ تمہیں۔ یہاں دیکھ کر مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔ خون کھول رہا ہے میرا۔" وہ آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اب کیا غلط ہو گیا؟" وہ ٹھہر کر ریسٹ ٹیبل کی طرف گیا اور ٹرے اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اجازت ہے؟"

اس نے جیسے جل کر پوچھا تھا۔

"پلیز آپ کھانا کھا لیں۔"

"باہر ٹرالی بند ہے۔ اسے اندر لے آؤ اور چلے جاؤ یہاں سے۔ مجھے اداکاری کے احسان کے ساتھ نہ دیا ہے۔ مجھے کچھ چاہیے کسی کی ہمدردی۔ کسی کا ساتھ۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

ہاری کچھ کہتے کہتے رہ گیا۔ اس کی کیفیت کا اندازہ لگا کر بولا "کیا بات ہے؟ تم کہو تو ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے آنسو پیتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"کوشش نہیں کرو۔ ٹرالی لے آؤ۔ کھانے والی ہیں۔ جتنا کھا سکو گے۔ اتنے پیسے ملا کر دیں گے۔ مجھے سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ آنسو پیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"یا اللہ۔ اب کس بات کا غصہ ہے؟" وہ اس کے سامنے سے اٹھ کر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

www.Paksociety.com

"ہونہہ۔۔۔ بہت۔۔۔ جیسے آپ نے کبھی کی ہو۔" اس نے دل میں کہا۔

"زندگی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ وہ اپنے بڑی تکلیفوں سے بچنے کے لیے چھوٹی موٹی تکلیفیں برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ وقتی خوشی کی خاطر مستقبل کی راحتوں کو قربان کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔"

"بہرحال یہ فون ڈائریکٹ لیتی ہے۔ اور میں بڑا بھائی کی بہادری دکھا کر آپ کو مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔"

"مجھے احساس ہے آپ نے فون کی ہر گھنٹی پر دوڑ لگائی ہوگی۔ ہادی کا فون ہوگا مریم سے سنے آپ کے جوابات احساسات کا اندازہ ہے۔"

"صد ہو گئی خوش فہمی کی۔" روشی نے ناک سکوڑی۔

"اچھا۔ کوئی بات نہیں۔ ہو جاتی ہے انسان کو۔ یہ بھی ایک مرض ہے۔ خیر آپ کھانا کھائیں۔ میں چلتا ہوں کرتا ہوں۔ ابھی ہو جائے گی حویلی پہنچتے پہنچتے۔ بابا صاحب پریشان ہو جائیں گے۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا جیسے بہت جلدی میں ہو۔

اس وقت؟ کیا صبح نہیں ہوگی۔ رات ہے ساتھ میں؟" وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔ سب بھول بھال گئی تھی۔

"نہیں۔ خطرناک رات ہے کی تھی۔ خیر آپ کھانا کھائیں۔ میں چلتا ہوں۔" وہ قدرے بھرے انداز میں گویا ہوا۔

"کیا تو کر ہو حویلی والوں کے۔ یہ کوئی انسانیت ہے۔ رات کے اندھیرے میں دو لڑکیوں کو اکیلے بھیج رہے ہیں۔ اتنی طویل ڈرائیو۔ بلکہ ریشہ و نقطہ کے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اس وقت جانے کی۔ صبح بھی تو جا سکتے ہیں۔ کیا ضرورت ہے ہادی کی تابعداری کرنے کا بیکار ہی شوق ہے۔ کتنے بجے چلے تھے وہاں سے؟ کھانا کھایا تھا؟"

وہ متفکر نظر آ رہی تھی کہ ہادی نے خود کو مشکل کنٹرول کیا۔

"کہاں کھانا کھایا۔ دو سکنٹ کھائے ہوئے ہیں شام سے۔" وہ بڑی سادگی سے بولا۔

"یہ کھانا ہے؟ کیوں نہیں کھا رہے؟" اس کے انداز سے بڑی اپنائیت جھلکنے لگی

"جب آپ کھائے بغیر رہ سکتی ہیں اور یہ آسان کام ہے تو میں بھی یہ آسان کام کر سکتا ہوں۔" ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ روک کر کہا۔ روشی کی حالت ہی ایسی ہو رہی تھی کہ جیسے کسی عظیم مشکل میں پھنس گئی ہو۔

"آپ کھائیں گی تو تھوڑا سا ہم بھی کھا لیں گے۔" اس نے گویا اس پر احسان کیا۔ انداز تو ایسا ہی تھا۔ روشی چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اور ایک خالی پلیٹ اس کے سامنے رکھ دی۔

"ویسے اس وقت اگر کاجان آ جائیں تو خوب مزا آئے۔ وہ بھی مل کر ایسے ہی طرح کھانا کھاتے ہیں۔ مل جل کر۔" وہ قدرے اداس سی لگا۔ روشی کا دل بھر آنے لگا۔ ہادی کی فکر سے اب تک محسوس ہونے لگی۔

"کھانا شروع کیجیے نا۔" وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"میں کھا لوں گی تمہارے ساتھ۔ مجھ سے نہیں کھایا جائے گا۔" اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"ہاں میں بھی نہیں کھا رہا۔"

"میں کھا لوں گی۔ ہادی۔ آپ کے پیر سے پٹیا کے لگے ہوئے ہیں۔" وہ اس کے پیر سے پٹیا کے لگے ہوئے تھے۔

"آپ کو مطلب پتا ہے؟" ہادی نے اپنا نوالہ اس کے سامنے پھینکا۔

روشی نے اپنی نظروں کو اس پر جمنے سے روکا۔ وہ اس کے سامنے اپنے ہاتھ پر سر ٹکائے بیٹھی تھی۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ آپ سب دعوہ کھانا کھائیے"

"تھوڑا سا تو کھا لو۔" روشی کے تو جیسے سارے کس بل نکل چکے تھے۔ (اتنی جلدی ہار مان گئی)

"میں کھا چکا ہوں۔ ابھی تھا۔ آپ کی خاطر رکا ہوا تھا۔ مگر آپ تو ہار مانے بیٹھ گئی تھیں۔ ساری عمر ساتھ ہی کھانا ہے۔ کبھی کبھی یاد آتا ہے تو ساتھ نہ کھایا تھا۔ مگر آپ کے ساتھ گزارا کرنا ہے۔"

روشی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ کیسے کیسے طنز کیے تھے اس نے۔

"اچھا۔ گھر جا کر کھا لیں گے۔ صبح ناشتے پر ملاقات ہوگی۔ اب آپ آرام سے کھانا کھائیں۔ فی الحال میرا قیام آپ کی نگاہوں کے سامنے ہی ہے۔"

روشی منہ کھولے اس کی سنسنی دیکھ رہی تھی۔ وہ خوشی جو جیسے اسے بے چین کیے ہوئے تھی آنکھوں سے عیاں تھی۔

"ٹھیک ہے ایک بات" اس نے ذرا سی جھجکتی کی ایک طرف کر دی۔ "ایسا ہوتا ہے۔ کیا یہ کھانا ہے۔ میں نے تب؟" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"ایسا کیا تھا۔ کیا کیا کھا لیا ہے؟" وہ دوبارہ چیئر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

"ویسے یاد رکھنا۔ کبھی کبھی کیا عجیب انسان ہیں۔ دل سے دعائیں نکل رہی ہیں۔ اللہ ان کے دل کو بھی ایسے ہی خوش رکھے جیسے انہوں نے میرا دل خوش کیا ہے۔ کیا ماحول ہے۔ اتنی بڑی کوٹھی۔ سوئے ہوئے ملازم۔ دیسی پھولوں کی مہک۔ گھنی رات اور بڑی زبردست چیز۔"

وہ ایک دم کھڑا ہو کر جمائیاں لینے لگا۔ روشی کی جان میں جان آئی۔ کتنا گیا تھا اس کا وہ ڈر ہی گئی تھی۔

صبح آٹھ بجے وہ ہادی خان کی رہائش گاہ سے نکلا تھا۔ مریم حویلی پہنچنے کی اسے بہت جلدی تھی۔ روشی سو رہی تھی۔ اس نے اسے آرام کرنے کا کہا تھا۔ اسے نکل لے کر وہ حویلی خان سے پہلے مریم حویلی پہنچنا تھا۔ اسے اندازہ تھا وہ اس سے ملے بغیر نہیں جائے گا۔ اگلی ملاقات میں اس کا کیا مشورہ ہوتا ہے۔

مریم حویلی تو اسے ہی جیسی لگی۔ وہی ہادی خان کی حویلی۔ اس میں ہادی خان ہی رہتا تھا۔

"السلام علیکم" اس نے قدرے اطمینان کیا۔

"وعلیکم السلام محترمہ" وہ طنز سے کہتا ہوا۔

"آپ کا ہادی خان سے [illegible]

www.Paksociety.com

بہت محسوس ہوا تھا۔ مگر اب صورتِ حال بہت تبدیل ہو چکی تھی۔ ان کی اصل خیر خیریت سے ہونا ہی نہیں تھیں۔ اس لیے بھی تھیں۔

"یا اللہ۔ میری ان سے ایک بات نہیں ہوئی۔ اگر کہیں ملاقات ہوئی تو پوچھ لوں گا۔" اس نے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"وہ یاور خان آ گئے؟" وہ کچھ سوچ کر پھر حلیمہ کی طرف پلٹا۔

"نہیں۔ بڑی امی بابا سے کہہ رہی تھیں وہ آنے والی ہیں۔ اب جو بچا ہے نہیں۔ ویسے یاور ماموں کو یہیں کر جانا چاہیے تھا۔ بے چاری روشی اکیلی تنہا ہی مال دیدہ۔ ممانی کو بھی ساتھ ہی بھیج دینا چاہیے تھا۔ اب انہیں روشی کے ساتھ ہی جانا چاہیے۔ یاور ماموں تو ویسے بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کا بیلٹ کس پر ہیں گھنٹے چلا رہتا ہے کہ پتا نہیں کب کیا کر کے نکل کھڑے ہوئے۔"

"تیرے باپ بیٹی کا معاملہ ہے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" ان نے جان چھڑائی۔

"ویسے غم بھی کمال ہو۔ یہاں روشی کی اتنی بڑی فکر تھی اور تم نے تایا تک نہیں کہ دوسرے میں ہے۔ بابا صاحب نے تمہیں آڑے ہاتھوں لیا۔"

حلیمہ کی تیز نگاہیں اس کے وجود کے آر پار ہو رہی تھیں۔

"ہیں گے۔" وہ ہنس دیا کر مسکرایا۔

"بہت ظالم ہو گئے ہو۔ کیا ہوا ہے؟" حلیمہ کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس ایک ہلکا سا جھٹکا لگا ہے۔ ہو جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر ایک میں ہو۔ یہ حالات ہی تھے جنہوں نے آڑے ہاتھوں لیا۔"

"ہیں گے۔" وہ ہنس دیا کر مسکرایا۔

"بہت ظالم ہو گئے ہو۔ کیا ہوا ہے؟" حلیمہ کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس ایک ہلکا سا جھٹکا لگا ہے۔ ہو جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر ایک میں ہو۔ یہ حالات ہی تھے جنہوں نے آڑے ہاتھوں لیا۔"

حلیمہ کی تیز نگاہیں اس کے وجود کے آر پار ہو رہی تھیں۔

"آپ کدھر چلے مستری ہاری تعریف کیجئے"

ہاری کے چہرے پر قدرے سکون کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"ایک کام بگڑا ہوا ہے آپ کے آنے سے شاید آپ سنبھل گئے۔" وہ کپڑے ہاتھوں میں لے کر سیدھی ہو گئی۔

ہاری یکدم گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر جیسے کسی الجھن سے چونک کر ماہین کو دیکھنے لگا۔

"آپ ناشتہ کریں تو ایک گزارش کروں۔"

"یہاں تو ہر وقت ہر لمحہ کوئی نہ کوئی بات کرنا ہوتا ہے اگلی فکر کرو۔" کہہ کر وہ قدرے بے لحاظانہ انداز میں گم ہو گیا۔

"آپ کیا کریں گی چھوٹے خان کا لیبر لے کر۔ جب بادشاہ خان ان سے تعلق ختم کیے ہوئے ہیں تو آپ کا ان سے کیا حساب بن رہا ہے۔ یہ میں نہایت معصومیت دل سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کسی الجھن میں نہ پڑیں۔ ملک کا کوئی اور سیاسی بندہ ہماری بات پر غور کیجئے۔" وہ نرمی سے اسے بات کر رہا تھا۔

"حساب تو بہت بن رہے ہیں۔ مسٹر عبدالباری محمندی۔ آپ تو بس یہ بتائیے آپ ہماری یہ بہت بڑی خدمت کریں گے یا نہیں۔ تاکہ ہم کوئی دوسرا راستہ تلاش کریں۔ آپ کے انکار کی صورت میں۔"

"آپ اس راستے کی طرف نہ جائیں۔ میرا یہ خلوص مشورہ ہے۔" اپنا پورا نام ماہین کے منہ سے سن کر وہ دلی طرح چونک پڑا تھا مگر یہ اس کی اپنی سیاسات کنٹرول پاور سے کام لیا تھا اور بہت سکون سے اس سے ہم کلام ہوا تھا مگر اندر عجیب سی کھلبلی شروع ہو گئی تھی۔ "میں چودھراہٹ میں خلوص دل نہیں آتا ہے۔ میں اسکی دلدل میں آ پھنسی ہوں کہ آس پاس کوئی گہرا ہوا ہے۔ شک نہیں ہے کہ کوئی انسان دشمن ہے سرحد ہزار اور دشمنے کا مشورہ بادشمن جو مجھ سے بے جھجکے کسی الجھاؤ میں پھنسے سے روکنے کی ہے۔ میں اب اپنے ان یاروں کو فلسطری محبتوں سے مزید محروم نہیں کرنا چاہتی۔ ان کی اتنی محرومیاں ہے۔ جنہیں ہتھیاں بنے گزر رہے ہیں۔ میں ان کے تعلیم، رکھوں اور محرومیوں پر بہت سارا رونا چاہتی ہوں۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔

ہاری کا خود پر اختیار اب ختم ہو چکا تھا۔ وہ حیرت سے ساکت اور جامد اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"آپ۔" اس نے بمشکل کہا تھا۔

"مجھ سے کوئی اور بات نہیں کرنا۔ میں یہ لیبر لے کر جا رہی ہوں۔ دیکھیں بہت کون سے وہ سب کچھ کر سکتی ہوں جو میرے اس بس میں ہے لیکن اگر مجھے مسلسل بدظنوں سے گزارا تو میں تم سب مصلحتیں بالائے طاق رکھ دوں گی جو اور روشانے کے سر پر ہے اس کی ذمہ میں آ سکتے ہیں۔" وہ دبا دبا سا لہجے میں گویا ہوئی۔

"آپ ایسا کریں ہاں خان سے اس سلسلے میں مکمل گفتگو کریں۔ یہ بہت آسان راستہ ہے۔"

"وہ اچھا یہ مخلص ایک بیٹے میں جو سے پہلے کر کھڑے ہو گئے۔ اور مجھے اس کام پر بہت ہے۔" اس نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

"یہ آپ مجھے اس کی کمی کیوں ہیں کہ مجھے اپنے کام کے بارے میں بتا رہی ہیں۔ وہ آپ ہی ہیں آپ کی

"وہ پہلے کر سکتا ہے آپ سے کوئی بات نہیں ہے۔ مگر اب میں یہ کام کر رہی ہوں آپ سے کوئی کر لیں۔"

"میں۔ مجھے کسی سے کچھ غرض نہیں کوئی کام کرے۔ ماہین نے بات کو ختم کرنا چاہا تھا۔

اس وقت سرمولی وہاں آ گیا۔

"آپ کو دے خان ہاں نے بلایا ہے۔"

"مجھے؟" اس نے ہاری کی طرف دیکھا۔ "بلوفر کہہ آتی ہوں۔"

"وہ کپڑے ہوتے ہاں کر کھڑی ہو گئی۔" ہاری مجھے آن پر صوفے میں لپٹا ہے۔ وہ تھا صاف لگا۔"

"وہ ہدایت کر کے اندر چل گئی۔ سرمولی اس سے پہلے نکل چکی تھی۔

ہاری کی آنکھوں سے پریشانی جھلکنے لگی تھی۔ وہ سیدھا صوفے میں چلا گیا۔

اب وہ سیریس نظر آ رہا تھا۔

"خان جی؟" وہ واقعی بہت کہہ رہا تھا۔

خان لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ خان کی آواز اندر تک میں ابھری تھی۔

"ہاری بات کرو۔ ہاں خان عربی ہے۔" اس نے دور بیٹھے ہوئے قدرے آہستہ آواز میں کہا۔

"خان۔۔۔ وہ ماہین بی بی آپ سے کوئی مشورہ کرنا چاہتی ہیں۔ اور آپ کا لیبر لکھ سے مانگ رہی ہیں۔ کسی طرح سے اس معاملے میں بات نہیں کریں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"لیبر۔۔۔ وہ ان سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہاری تم ان کی رہنمائی کرو۔ کوئی مسئلہ ہے تو ہم حل کریں گے ہم۔"

"مگر خان ان کے لیے آپ کا حکم ہو سکتا ہے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے گویا ہوا۔

"وہ آپ کی خوش فہمی ہے کہ میرا نفع نقصان سوچ سکیں۔ تم ان سے۔۔۔ تم لیبر۔۔۔ تمہیں کوئی رہنمائی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاری۔۔۔ کے۔"

انہوں نے مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

ہاری ریسیور ہاتھ میں تھامے کچھ سوچنے لگا۔

"آج کل بہت سوچنے لگے ہو۔" وہ مخملی آواز پر چونک کر پلٹا تو حورت قریب سے آئی تھی۔

"سوچنا سمجھنا تو اچھی بات ہوتی ہے" وہ مسکرا کر پاس ہی تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ جیسے کوئی بوجھ اس نے اتار دیا ہو۔

ہاری اس کے پاس سے آگے نکل کر دریچے کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔ حورت اس کے قریب آ گئی تھی۔ ہاری کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ پلٹا۔ وہ اپنی مخصوص نرم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہم تمہیں بہت دنوں سے محسوس کر رہے ہیں۔ ہاری کیا بات ہے آخر ہو۔ بتاؤ کیا ہے؟ ویسے وہ ماہین تو اس طرح کی لڑکی نہیں لگتی تھی جیسا تم نے بتایا تھا۔ اب تو اس کی طرف سے اس کے کافی خط لکھے جا رہے ہیں۔ کتنی سے تو کافی کر رہی ہے۔ پہلے بھی۔" وہ نظر ہٹا کر سے گویا ہوئی۔

"آپ فکر مند نہ ہوں، وہ ٹھیک ہی ہوگی۔ سے سمجھ آ گئی ہے۔ وہ سمجھدار بچی ہے۔" وہ اس طرح بولیں جیسے ان سے مخاطب ہوں۔

"ہمم۔ کیا واقعی؟ یہ تو اگوٹان رہ نوش ہے۔ مگر کیا ہی طرح؟ کیا وہ سوال بھی پوچھیں گی؟" وہ اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچ رہی تھیں۔

جواب میں باری کا قہقہہ بھی انہیں سنائی دیا تھا۔

"یہ پوچھ لیجئے گا ان سے، ہمارے ہاں کی بات نہیں ہوتی ان سے؟" اس نے پوچھا۔

"بات۔ ایک کال اور بات کی وڈیو بھیجے۔ صرف۔ آواز ہی سن سکتے ہیں اس طرح سے تو۔" وہ پھر اس پر جھکیں۔

"کیا واقعی وہ خوش ہے؟" انہیں جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"فون کر کے دیکھ لیں۔ وڈیو کال۔ بہت خوش ہے۔" اس نے ہاتھ کے لیے قدم بڑھائے۔

"مگر کیوں؟" گھر کی حیرت بجا تھی۔

"ویسے ہی کہہ رہا ہے۔ خوش محسوس ہوئی تھیں۔" اس نے ٹال دیا۔

"کچھ کہہ رہی تھیں؟"

"نہیں۔ زیادہ بات نہیں ہو سکی۔ بھتیجی کی بارات تھی۔ صبح سے میں وہاں تھے۔ واپس ہوتے ہوتے دیر ہو گئی تھی۔"

"ویسے طبیعت کیسی تھی؟ کمزور تو نہیں لگ رہی؟"

اگلی باتوں کے دوران پانی نے چائے بنا کر ٹرالی تیار کر لی تھی۔

"وہ کی، ماہین لی لی کہاں ہیں؟"

وہ دونوں آواز کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اپنے کمرے میں ہوں گی۔" گھر نے جواب دیا۔

"نہیں وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔ بابا صاحب کے کمرے میں ہیں۔ وہاں بابا، ماما بھی ہیں۔" باری نے مطلع کیا۔

"یہ ابھی تک یہیں ہے؟" باری کے گھر سے متعلق کہنے پر۔

"ہوں۔ بلکہ بہت خیال ہے۔ ممانی اسے اپنی بیٹی کی طرح رکھیں گی۔"

"کوئی خاص بات۔ اظہار کیے کر لیا اس نے؟"

"اب کیا کہتے ہیں، ویسے تو ہونی ہی ہے کی سادی لڑکی ہے۔" گھر نے کہا۔

"اب یہ سیدھے سادے لوگ۔" باری نے تبصرہ سنا۔

گھر نے چونک کر باری کی طرف دیکھا۔ کچھ تو گھر پر ہوئی ہیں

سامان لوڈ کی ہیں۔ کھانا بابا صاحب کے ہاں کھا کر ہی آئے تھے۔ اور اسی وقت ملاقات کر لی تھی۔ ماہین کی ماں کی وفات کے بعد سے ہی وہ ان کی ذمہ داری تھیں۔ کیونکہ ماہین اپنی ماں کے آخری دنوں میں ان کے پاس ہی رہی تھی۔ ان کی وفات کے بعد بھی وہ ان کے پاس ہی رہی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ماہین کی طبیعت میں بہت زیادہ چڑچڑا پن آ گیا تھا۔ وہ کسی سے بھی بات نہیں کرتی تھی۔ ان کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ ان کے کمرے میں ہی اپنا کھانا منگوا لیتی تھی۔ ان کے علاوہ کسی کو برداشت نہیں کرتی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ماہین کی کیفیت میں بہت کمی آ گئی تھی۔ وہ کسی سے بات کرنے لگی تھی۔ کسی کو برداشت کرنے لگی تھی۔ حالانکہ ابھی بھی وہ کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔ مگر اس کی حالت میں بہتری آ گئی تھی۔

"کی۔ وہاں بھی تو ملازمہ کی ضرورت ہوگی بابا صاحب کو۔ وہاں تو سب مرد ہی ہیں۔ بچے ایک دم سے بڑے ہو جائے گی۔ یوں بھی بے سہارا ہے۔ بابا نے کہیں کہاں ٹھکرا دیں گے۔" باری نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اس طرح کی انسان پر بھروسا ٹھیک نہیں ہوتا۔ آگے پیچھے دیکھ لیا کرو۔" ماہین آ رہی تھی۔ باری نے گھبرا کر کہا۔

"کی میں سمجھتی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔" وہ ان کے اس طرح کے اشارے اب بھی نہ سمجھی۔

"بعض لوگ بہت سیدھے نظر آتے ہیں مگر ہوتے نہیں ہیں۔"

صبیحہ خانم کی بات نے بھی تھوڑی دیر کو ان بیٹیوں کی ماں تھیں مگر آج بھی صبیحہ خانم کی بات کہلوائی تھیں۔ وہ جانتی کیا کرتی تھیں بلکہ سمجھتی تھیں کہ ہم آپ کو کیسے ہی کہا کریں گے۔

"کی ہمارا جان ایسا بھی ہوتا ہے۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ماہین نے اختلاف نہیں کیا۔

"فون آتی رہتا ہے یہاں سے تو سب فون کرتے ہیں۔ ہوتی رہتا ہے۔ اگر رہتا ہے تو پھر آ پڑتا ہے۔ جو اطلاع دینا ہے کی کی ہی ہے۔" ساری صورتحال (عالم آب کی بھاوج) نے بیٹھتے ہوئے بتایا۔

"کی۔ میں فون کرتی ہوں گی۔" ماہین نے کہا۔

"وہ بہت غصے ہو گی ہے۔ اس کو ٹھیک سے ہینڈل کرنا۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ علاقے سے باہر اس کی شادی ہو جائے۔ وہ کوئی نہ کوئی ایسا ہی ہے اس سے بلیک کر رہے ہیں۔" عالم آب فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

"کی آپ فکر نہ کریں۔" ان کے پاس سے آ کر باری نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔

"سامان کھا ہے لی لی۔ بابا صاحب بلا رہے ہیں۔" گھر نے آ کر مطلع کیا۔

"ہمیں بھی تو بلا لیا ہوتا۔" باری نے کہا۔

"ہمیں بھی تو بلا لیا ہوتا۔" باری نے کہا۔

"کی کھائیں۔" باری نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"کی بات ہے ابھی تک آواز آ رہی ہے۔" عالم آب نے باری کی بلند آواز پر کہا۔

"وہ گھر پر کچھ ہو گیا ہے۔ اس کی بھابی کا فون آیا تھا۔" گھر نے بتایا۔

www.paksociety.com

ساتھ باتوں میں مصروف پایا۔ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ بہت تھکا دینے والا دن گزرا تھا۔

اسے آتا دیکھ کر یاور علی خان فوراً سیدھے ہو بیٹھے۔ ڈرائیور نے اندر کی طرف کا دروازہ کھولا اور وہ اندر کی طرف کا کھول دیا۔ ماہین مایوں گاڑی کی طرف بڑھنے کے بجائے باری کی طرف بڑھی۔

"وہ ایک درخواست کرنی تھی آپ سے۔" اس نے قدرے ہچکچانے والے لہجے میں کہا تو آگے سے باری کی آواز آئی۔

"بلا تکلف انسانوں پر ظلم نہیں کرتے۔ کہو کیا ہے؟" وہ بیٹھے بیٹھے ہی بولا۔ ماہین نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ آپ کی کتاب۔ واپس لائی۔" اس نے ایک پلاسٹک کی کتاب اس کی طرف بڑھائی۔ "اس میں آپ کا نمبر بھی ہے۔" وہ مسکرا دی۔ کتاب کی جلد اور کاغذ کی حالت بتا رہی تھی کہ اسے بہت احتیاط سے پڑھا گیا ہے۔

باری نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں۔ میرے پاس ہی تھی۔ بہت اچھی کتاب ہے۔ تم نے پڑھی؟"

"جی۔ بہت اچھی تھی۔ بہت سی باتیں ایسی تھیں جو میں نے پہلے کبھی نہیں سوچی تھیں۔ بہت سی باتیں ایسی تھیں جو میں نے پہلے کبھی نہیں پڑھی تھیں۔ بہت سی باتیں ایسی تھیں جو میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ بہت سی باتیں ایسی تھیں جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں

www.Paksociety.com

ہی پہلے سے پہلے اسے رہنے والے کا پتہ ہوتا ہے۔

"کوئی محبت اس نہیں ہے بات اس کے لیے بہت برا کیا ہے اس نے۔" ان کے لیے یہ ایک انوکھی بات تھی۔

"اپنے خون... وہ بھی جس سے بڑی ہی کی ہو، اس طرح دھکے تو نہیں دی جاتی ہو سکتا ہے اسے واقعی شرمندگی ہو۔ دیکھ گیا ہوں میں نے بیٹے میں آج اس سے غلطیاں ہو رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ اسے سے کبھی بھی رابطہ نہ کرے۔ میں نے بھی قدرے آف ہونا میں جواب دیا۔

"آپ اس کی وکالت نہ کریں۔ اب میں جو کر رہا ہوں۔ مجھے کرنے دیں۔" انہوں نے فیصلہ کن انداز اختیار کیا۔

بیٹی خاموش ہو گئی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

"میں ہوتی ہوں، انسان ہے کہ ہم کو محل سرا دے دو ہو گا کہ پھر اسے زیادتی راس آ جاتی ہے۔ ہمارا واقعی سنا ہوتی۔" وہ بمشکل فقرے کے بعد گویا ہوئی۔

وارثی خان کے لبوں سے آہ نکل آئے گی۔ ان کے کانوں کی لوؤں سے گویا خون چھلکنے لگا۔ انہی وہ ہی بات کہہ رہی تھی جس سے وہ بھی بہت آرام سے۔ مگر انہوں نے ان کی بیوی کی سوچ بھی نہیں کہا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

"اتنی برداشت تو نہیں ہونی ہماری کہ کہنے کوئی طرح عورت بات نہ کر پائی ہو۔"

"کہاں ہے یہ شادی۔ یہ تو کوئی پابندیت ہے۔ جس پر آپ مرحومہ اور ہم کر رہے ہیں۔" وہ بات کاٹ کر تلخ آواز میں بولی۔

"بچے ہیں ہی ماں باپ۔" ان کا لہجہ بھی نرم پڑ گیا۔

"سب نہیں۔ ہمارا اور وہ شادی کی ہوتی ہیں کبھی اس جیسے پر بچتا دے کا احساس نہیں ہو سکتا میرے بیٹے عمر سے اپنے عمر سے قریب ہیں۔" وہ پھر سے مسکرائی۔

"عمر کی تو کبھی سمجھ کی نہیں ان میں۔ پر اہمیت تو پھر آپ کا ہوا!" وارثی خان کے لہجے میں واضح تلخی تھی۔

"وہ بات کی تھی تو ایسا ہی ہوا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر مرحومہ سوتیلی مناسب ہو۔ ویسے آپ کیا بات کر رہے تھے۔"

"آپ سے بات ہو چکی ہے۔ بہتر ہے بات گھر پر ہونا چاہیے۔"

وارثی خان کی تمام حسیات شدید ہو کر بھڑکنے لگی تھیں۔

بیٹی خاموش ہو گئی۔

بیٹی سے ہوئی یہ پہلی ملاقات تھی جس سے وہ بری حالت ہو چکی تھی۔ مگر وہ کسی کو سامنے پا کر جیسے وہ ایک دم چوکنا ہو گئی تھی۔ کمرے کے باہر گیلری میں بیٹھے ہوئے کے درمیان کوئی بات ہوئی تھی۔ وہ اس کے حسن کا ایک حصہ محسوس ہوئی۔

"بہت اداس ہیں آپ اب آ رہی ہیں؟" وہ بیٹی کے گلے لگ کر رقت زدہ ہوئی۔

"کہیں پہلے ہیں۔ پہلے وہ کوئی تو ہے۔ استقبال کے لیے موجود ہو۔" وہ گرم جوشی سے ملی کر رہی تھی۔

"اب نہیں۔ آپ آئی ہیں تو لگتا ہے کہ گھر بسنے لگا ہے۔" وہ اسی طرح بیٹھے کہہ رہی تھی۔

بیٹی خاموش ہو گئی۔

وارثی خان نے بیٹی سے گلے ملتی ہوئی بیوی کو دیکھا۔ وہ بھی ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وارثی خان نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ وہ بیوی سے آگے بڑھ گئے۔ بیٹی نے باپ کی طرف دیکھا۔ وارثی خان نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ وہ بیوی سے ملتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ بیٹی کی آواز بھرا گئی۔

"ایک بار بیٹے... وہ جو ماں کو ہمیشہ کے لیے کھو دیتے ہیں۔ ان کا کیا جاتا ہے۔ وہ کتنے ہی بڑے ہو جائیں۔ مگر ہیں نہیں۔ میں ایک بار کے لیے گئی تو ان کا بیٹے... کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ ہمیں ہی ہر بار کیوں ہر بار ہی ہیں۔ شاید آپ سے کبھی پوچھیں۔ ان سے کیوں ناراض ہیں۔ لگتا ہے یہ تو ان سب ہی سے ناراض ہیں۔ شاید آپ سے بھی۔" وہ بمشکل گفتگو انداز میں کہہ رہی تھی۔

بیٹی خاموشی سے سنتی رہی۔

"بری بات ہے۔ وہ کسی ایسے باپ سے... وہ کوئی نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے باپ کا مر جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔"

بیٹی کا اخلاقی فرض تھا۔ وہ ماں کو حوصلہ دیتی۔ ان کے درمیان فاصلے بڑھتے دیکھ کر وہ ماں کو سمجھانے لگی۔

"کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کو یہاں آ کر لگے گا کہ بہت محنت ہے۔ مگر وہ اپنی مرحومہ اول تو بھلے ہیں کہ مطمئن ہو گیا ہے بھول۔"

وہ اس طرح بولی کہ بیٹی بے ساختہ مسکرا دی۔

وارثی کی طرف وارثی کے ہمراہ جاتے ہوئے وہ اپنی باتوں کے گفت چوکنے پائی۔ وہ کتاب میں تھے۔ وارثی خان کا فون نمبر ہے اور کتاب پڑھنے کے ریلیف میں ہے۔ بیٹی وہ اب سب سے پہلے مل کریں گے۔ بہترین موقع ہے کہ کتاب پر بات کہیں سے شاید جا سکتی ہے۔

شام کے چھ بج رہے تھے۔ مگر بادلوں کی کثرت کی وجہ سے شام گہری محسوس ہو رہی تھی۔ بیٹی کا دل چاہا کہ اس رات ہونے والی بارش کے گم صم ہی... بیٹی کی طرف دیکھا۔

"بیٹی... جانا ابھی کہیں پہنچا ہے۔ سب کہ میں آپ سے ملتی ہوں۔"

وہ کچھ کہنے آئی تھی۔ مگر بیٹی میں کرسی پر بیٹھے ہوئے وارثی خان کی شخصیت ان کی نگاہوں میں رہا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے

جائے ابھی بنیں گے یا کھانے کے بعد۔" اسے ایک دم جواب سوجھ گیا۔

"کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی یوں بھی ہو جاتا ہے۔ آپ چائے منگوا لیجیے۔" ان کا انداز پرسکون تھا۔

"ماہین۔" ان کے سرد سے انداز نے لمحاتی طور پر اسے گڑبڑا دیا۔

"جی۔"

"آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ وقی علیم الدین کے ہاں رشتے پر کیوں رضامند نہیں ہوئی؟"

یہ اس کا غیر متوقع سوال تھا۔

"جی۔۔۔ وہ مجھے کیا پتا۔ شاید علیم اسے پسند نہ ہو۔" اس نے گڑبڑا کر جواب دیا۔ ان کے سامنے جھوٹ بولنا کتنا مشکل تھا۔

"کیوں کیا وہ اس کے جوڑ کا نہیں؟" ان کے ماتھے کی شکنیں گہری ہو گئیں۔

"میرا خیال ہے شاید وہ اس سے کچھ چھوٹا ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے ان کی سمت دیکھا۔

"نان سنس۔ عمر بھی کبھی چھوٹا ہوتا ہے۔ وہ اس سے جوک کر ایز یو سی۔ اگر ایسا ہے بھی تو وہ کون سا اولاد نرینہ ہے جو زیادہ گیپ ہو نہیں ہے۔ اس کی شادی ویسے بھی بڑی پور میں ہو گی۔ آپ اس کا ماسٹ میک اپ کریں۔ ساتھ شادی کی تیاری بھی۔ جو وہ کہے اسے اگنور ایم فتم ہو لے دیں۔ اسے بھی ہم بہت بزی رکھ رہے ہیں۔ ویسے بھی میں اسے مزید تعلیم یہاں نہیں دلانا چاہتا۔ وہ ولی رپ جانا چاہتا ہے۔ تعلیم کے لیے اور میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ جلد میں ولی رپ ہو جائے اوکے۔"

وہ یہ کہہ کر کش لگانے لگے۔

ماہین خاموشی سے سنتی رہی۔

"میرا خیال ہے زیبا صاحب سے مشورہ کر کے وقی کی شادی اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو طے کر دیتے ہیں۔"

"احساس ذمے داری کے تحت ایسا چاہ رہے ہیں یا اسے خود سے دور رکھنے کے لیے طے کر رہے ہیں۔ یہ فیصلہ کر لیں۔" ان کی بات کاٹ دی۔

"کچھ بھی سمجھ لیں۔ شادی کوئی بری چیز نہیں ہوتی۔ اچھا ہے وہ اپنی عملی زندگی کا آغاز جلد سے جلد کر دے۔"

"اتنی جلدی تو شاید وہ۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔ میری ساری زندگی پر اتھم نہیں کرنے میں گزری ہے۔ اب میں نہیں چاہتا ہوں کہ آپ بھی گزار دیں۔"

بعض اوقات انسان کے پرامر اس کی اپنی کسی غلطی کی وجہ سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کا ماضی دوسروں سے چھپا لیں لیکن خود سے نہیں چھپا سکتے۔ ماہین کے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔

"وہ بات۔۔۔ پھر کبھی بھی تو انسان کو وہ بات کرنی چاہیے۔ اگر میں غلط ہوں تو آپ مجھے سمجھا لیں۔ میں سمجھ جاؤں گی۔" اس کا لہجہ التجائیہ ہو گیا۔ "پلیز ابھی نہیں۔ ابھی تو نہیں کریں۔" وہ اٹھ کر اس کے پاس آ گئے۔

ماہین سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ گڑبڑا گئی۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس آ گئے۔

اسی لمحے ملازم نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ۔" ماہین نے فوراً موضوع بدلنے کے لیے کہا۔

ولی علی خان بھی ہاتھ دھو کر کپڑے بدل کر آ گئے۔

ملازم نے ٹرے میز پر رکھی اور کھانا لگانے لگا۔ وہ خاموشی سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"ہوں۔ اس جاؤ تم۔" ماہین نے ٹرے لے کر آگے رکھی اور ملازم کو جانے کا اشارہ کیا۔

"یہ بہت خوب۔۔۔ وقی کہاں ہے؟" اس نے پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے ملازم کو روک کر سوال کیا۔

"جی میم صاحب نے بلایا ہے اور وہ وہیں پی رہی ہیں۔" ملازم نے مودبانہ جواب دیا۔

"اب تو زیبا اور وقی پر کھانا وہاں بھی کسی کو بھی کھلیں میں آ لے انہیں بتیں صاحب۔ کہہ لیے۔"

وہ بڑبڑائی۔ گڑبڑا گئی۔ ماہین نے بے ساختہ ولی علی خان کی سمت دیکھا۔

وہ بہت صاف ستھرے کھانے کی طرف متوجہ تھا۔

ملازم ایک مؤدب حرکت کر باہر چلا گیا۔

"باپ کا گھر آخر باپ کا گھر ہوتا ہے۔ یہ احساس آپ کی بیٹی بھی اس سے نہیں چھین سکتی۔" ماہین چائے بناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"باپ کے گھر کا احساس کر سکتی ہے۔ باپ کا نہیں۔" وہ تلخی بھرے انداز میں کہہ کر سگریٹ کیس باہر نکالنے لگے۔

"بدگمانی حد سے بڑھ جائے تو انصاف کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ حق چھپ جاتا ہے۔ فریب چھا جاتا ہے۔" ماہین نے چائے میں شکر ملاتے ہوئے خفگی سے لہجے میں کہا۔

"آپ کا میٹل لیول اتنا اچھا ہے کہ سمجھ نہیں کر پاتا۔" ولی علی خان نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

ماہین خاموشی سے چائے میں شکر ملانے لگی۔ پھر اس نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھایا۔ ولی علی خان نے کپ تھام لیا۔

ماہین کی نگاہ کھلے ہوئے بریف کیس کی طرف پڑی۔ جو دوائیوں کے پیکٹوں میں رکھا تھا۔ اس میں سے کاغذات جھانک رہے تھے۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ مبادا انہوں نے کتاب نکال کر پھر رکھ دی ہو۔ مگر اسے کتاب نظر نہ آئی۔

وہ بیگ کھول میں سے کتاب تو نکال دیجیے جو باری نے دی تھی۔" "کتاب بالکل میں لیجیے گا یہ موقع وہ گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

ولی علی خان نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ بیگ کے پیچھے سے کتاب نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"یہ ہی عام سی کتاب ہے مگر آپ بار بار کیوں اتنی اگزائٹڈ ہو رہی ہیں؟" انہوں نے عام سے لہجے میں کہا اور دوبارہ چائے کا کپ اٹھا لیا۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

ماہین نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ ملازمہ کھانا اور کتاب رکھ کر چلی گئی۔ وہ کچھ دیر سے سامنے آ جائے۔ مگر کل پھر ایسا ہی ہوا۔ وہ ہر کام کے بعد اس کا انتظار کرتی رہی مگر وہ نہیں آیا۔ اس نے کتاب اٹھا لی۔ وہ اس میں اتنا کھو گئی کہ اسے وقت کا احساس ہی نہ رہا۔ اس نے کتاب رکھ کر گھڑی دیکھی تو رات کے دو بج رہے تھے۔ اس نے کتاب کے نیچے سے وہ ورق نکالا جو اس نے بک مارک کے طور پر رکھا تھا۔ کسی وکیل صاحب کا پتہ تھا۔ اس نے ورق کو پلٹا تو اس پر ایک فقرہ لکھا ہوا تھا۔

"اگر آپ کو کتاب پسند آئی ہو تو مجھے ضرور بتائیے گا۔"

ماہین نے ورق کو دیکھا اور پھر اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ اس پر کسی کا نام یا پتہ نہیں لکھا ہوا تھا۔ اس نے ورق کو واپس کتاب میں رکھ دیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس کتاب کے بارے میں اس سے بات کرے۔ مگر اس کا نام اور پتہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے کتاب بند کر کے رکھ دی اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ کتاب کے کردار اس کے ذہن میں گھومنے لگے۔ وہ ان کرداروں کے ساتھ اتنا کھو گئی تھی کہ اسے ان کرداروں کی زندگی اپنی زندگی سے زیادہ دلچسپ لگنے لگی تھی۔ وہ ان کرداروں کے ساتھ ہنستی، روتی، غصہ کرتی اور پریشان ہوتی رہی۔ اس کی آنکھ فجر کے وقت لگی تھی۔ اس لیے وہ دیر تک سوتی رہی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ وہ اٹھ کر باتھ روم میں گئی۔ فریش ہو کر باہر آئی تو ملازمہ اس کے لیے ناشتہ لے آئی۔ ناشتہ کرنے کے بعد اس نے ملازمہ سے کہا۔

"میں نے کتاب ختم کر لی ہے۔ اسے واپس کرنا ہے۔ کیا تم اسے بلا سکتی ہو؟"

"جی بی بی جی۔ میں ابھی بلا لاتی ہوں۔" ملازمہ نے کہا اور برتن اٹھا کر چلی گئی۔ ماہین نے کتاب اٹھا لی

www.Paksociety.com

وہ بہت اداس اور افسردگی سے کہہ رہا تھا۔ اس کی اداسیت نے ماہین کے دل پر بہت اثر کیا۔

"ہاں خوش دل! اب مجھے صرف اسی کا خیال کرنا ہے۔ میرا تو اور کوئی نہیں ہے۔ میرا اس کال تو اس کا ایک بیٹا ہے۔ کہو تو اس کا نام کروں۔ میں ان کی دوسری ماں ہوں اور یہ خیال بہت گزرا ہے کہ میں ان کی سگی خالہ بھی ہوں اور یہ خیال بہت مطمئن ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ ٹھیک ہو جائے گی وہ۔"

اس نے آج تک کسی گھریلو ملازم سے اتنے قریب ہو کر بات چیت نہیں کی تھی۔ مگر اس لمحے میں اس نے بڑی اداسی محسوس کی تھی۔

"دراصل وہ کیفے میں گھبرا گئی ہوگی۔ اب آپ آ گئی ہیں تو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

خوش دل نے ماہین کے انداز سے بہت اچھی امید باندھ لی تھی۔ اس لیے مطمئن انداز میں کہا تھا۔

سارا دن کی ادھیڑ بن سے اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ یاور علی خان اپنی باتوں میں مگن تھے۔ وہ کافی دیر ادھر ادھر ٹہلتی رہی۔ روشی اس لیے ہی کمرہ بند کر چکی تھی۔ اس کا اپنا سونا بھی نہیں تھا۔ باتیں کرنے کا کمرہ دروازے پر دستک ہی دے سکتی تھی اور روشی کو باتوں میں لگا سکتی تھی۔

دوسرے آپشن کا خیال آتا کہ وہ بے باکانہ باہر چلی آئی۔ یاور علی خان سے یہ کہہ کر روشی کے پاس جا رہی ہے اور آپریٹر کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

آپریٹر ماہین کو دیکھ کر سراسیمہ کھڑا ہو گیا۔ "السلام علیکم میڈم۔"

"وعلیکم السلام۔ آپ کی ڈیوٹی ہوتی ہے آپ کی؟" وہ سامنے پڑی لمبی سی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جی نہیں۔ ایکچوئلی میں پانچ بجے آف ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد گل صاحب آ جاتے ہیں۔ مگر آج ان کے ساتھ ایک ایشو ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ کبھی ان کے ساتھ کبھی میرے ساتھ وہ جو بادشاہ ازم میں جواب دے کر مسکرایا۔

"ہوں"

"کبھی کبھی تو یہ لائف باؤنڈری محسوس ہوتی ہے۔ ہم بھلا ہے اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھتے ہوں اور کوئی کال کرنے کا مزاج بنا لے۔"

اس نے بند مٹھی کھول کر کارڈ اس کے سامنے کیا جو اس نے دراز سے نکال کر پہلی فرصت میں اپنے ہاتھ میں رکھ لیا تھا۔ محض بے نیازی ظاہر کرنے کیلئے یاور علی خان کے سامنے دراز میں ڈال دیا تھا۔

"یہ میرا نمبر جو ویٹر انٹرنیشنل میں ہے۔ یہ ملازم ہے۔"

"آپ نے زحمت کی آپ اپنے بیڈ روم سے مجھ کو بلا لیتیں۔ میں ملازم۔" آپریٹر حیرانی سے کہہ رہا تھا۔ "نہیں۔ بس میں ذرا پریشانی میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ بھی یہ نمبر نوٹ کر لیجیے گا۔" اس نے قدرے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔

"یس میڈم۔" وہ نمبر نوٹ کرنے لگا۔ پھر اس کا بتایا گیا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ماہین کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔ وہ نمبر ملا کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ماہین نے سر ہلا دیا۔ اس نے نمبر ڈائل کر دیا۔

"جی۔ ہیلو۔ ڈرائنگ روم کی ٹیلی فون ہے۔ یہ لیجیے میڈم سے بات کیجیے۔" اس نے ماہین کی سمت دیکھا۔

"شکریہ۔" ماہین اس کے ہاتھ سے ریسیور لے چکی تھی۔ آپریٹر کے سامنے سے ہٹ کر بات کرنا چاہتی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی دور جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ آپریٹر نے نظریں جھکا لیں۔ ماہین کی سمت دعا بھی اور خود کو بہت سمجھا کر کمرہ سے باہر نکل گیا۔

ریسیور میں ہیلو سنائی دے رہا تھا۔

چند لمحوں بعد رسیور سے نسوانی آواز ابھری۔ "جی بیگم السلام علیکم۔"

ماہین کا دل خوشی سے دھڑکا تھا۔ ایک لمحے کو جیسے گویائی ہی سلب ہو گئی تھی۔

"ہیلو۔ ہیلو" دوسری جانب سے تشویش بھری آواز سنائی دی تھی۔ ماہین کی دھیمی آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم۔" اس نے مشکل سلام کیا۔ دل کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ آپ کون؟" ماہین کی دھیمی آواز محسوس کر کے وہ بری طرح چونک پڑی تھی۔

"میں جو کوئی بھی ہوں۔ کیا آپ سے بات کرنے کی سعادت حاصل کر سکتی ہوں۔"

"آپ کون؟" وہ سنبھلتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر پوچھ رہی تھی۔

"آپ کے بھروسے پر بند تو نہیں کر دوں گی؟" ماہین بہت دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

لائن میں خاموشی چھا گئی۔

"ہیلو" ماہین کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

www.Paksociety.com

"جی۔ کون صاحب بات کر رہی ہیں؟" معاً بعد سے تیمور علی خان کی آواز ابھری۔

ماہین کی طرح شیتل بھی۔ اس کے بے ساختہ بلاتکلف انداز پر وہ حیران کن کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"ہیلو!" تیمور علی خان مسلسل ہیلو ہیلو کر رہے تھے۔

اس کی خود اختیاری اختیار میں بدل چکی تھی اس لیے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ فون بند کر دے اور یہاں سے کسی طرح سوچ کر پھر کوئی قدم اٹھائے۔ اس نے ہاتھ کے تھامے ہوئے اسباب کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھا تو ہاتھ لرز رہا تھا۔ اسے آپریٹر آپن یاس کہیں رکھا نہیں دیا۔

دروازے کے قریب ہی کھڑے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ "آپ کا نام؟" ایک نفس ہو جانے والی آواز نے اس کا سانس روک دیا تھا۔

"ایکسکیوزمی میڈم۔ یہ آپ کا رول۔" اسے پشت سے آپریٹر کی آواز آئی تو اس نے گویا اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ غلط بات، جو کی ہو تو اس طرح کے ہاتھ کے کام کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہوتا۔

تھینکس۔" اس نے کارڈ اس کے ہاتھ سے لے کر چند قدم کے فاصلے پر موجود اپنے بیڈ روم کے بند دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی اور گویا اطمینان کا سانس لیا تھا۔

نہ آئی تو یار علی خان انوار اپنے کام میں مصروف تھے۔ سیاہ ٹائٹ سوٹ میں ملبوس گریبان کھولے بالوں کو جھٹکا دیتے گویا وہ دریا وہ ماحول سے بے خبر تھے۔ انہوں نے اس کی آمد کو محسوس تو کر لیا تھا مگر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ بس ہلکے قہقہے کی رفتار میں کوئی فرق آیا تھا۔

وہ اندر آ رہی ہے اپنا شب خوابی کا لباس نکال کر ڈریسنگ کی طرف بڑھ گئی۔

واپس آئی تو ادھر انداز ہو چکا تھا۔ وہ ریش افگن کپڑوں میں جا چکے تھے۔

ڈریسنگ ٹیبل بیڈ کے بالکل برابر میں تھی وہ ان سے بہت کم فاصلے پر کھڑی آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔

"روشنی کو وہ سب بتا دیا جو میں نے آپ سے کہا تھا۔؟" یار علی خان نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

"ہوں۔" وہ ان کی باتوں کی کیفیت سے دوچار تھی

"سو گئی وہ۔؟"

"آپ کی بلا سے۔" وہ بے ساختہ انداز میں بڑبڑا دی تھی۔

"کیا بات ہے پھر لالی کا موڈ ہے؟" آئی ایم سوری۔ مجھے افسوس ہے میں نے بہت دنوں سے آپ کو تنگ کیا ہے۔ بس آج صرف اپنی باتیں کریں گے۔"

انہوں نے واقعی ان کی سمت کروٹ لی۔ ظریف گھاگ۔

بے چینی کے باوجود ان کا یہ انداز شاید سے لوٹ لیتا مگر آج ان کا انداز ہی کچھ اور تھا۔

یوں بھی آج حلاوت پر صرف ایک آواز کی دستک ہوئی تھی۔ "آپ کا نام؟"

"مجھے لیرا۔ لیرا ہے میرا نام۔" اس نے سر جھکا دیا تھا۔

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ سنیں گی؟ آپ کے پاس ہونے کے بعد سے یہ احساس مجھ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ سنیں گی؟ آپ کے پاس ہونے کے بعد سے یہ احساس

لیرا۔

"کیا بات کرنی ہے؟" اس کے لہجے سے آ جی آ گئے تھے۔

"کرنی تو آپ کو بہت سی باتیں ہیں۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر بجلی لیمپ آف کر دیا۔

ماہین کا جی چاہا تھا ان سے دور بہت دور بھاگ جائے۔ وہ اسے بہت غیر محفوظ سی محسوس ہونے لگے تھے۔ آپ عجیب سی دہشت نے اسے گھیر لیا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔

یار علی خان نے پہلے نائٹ لیمپ آن کی پھر کمرے میں تیز روشنی کر دی۔ وہ خاصے پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ ماہین کے رونے کا انداز بہت غیر معمولی تھا۔ جس کا غیر معمولی پن وہ اپنی تمام حسیات سے محسوس کر رہے تھے۔

"ماہین؟" وہ اسے شانوں سے تھام کر بولے تھے۔

"کیا ہوا ہے؟ مجھے نہیں بتائیں گی تو پھر کہ بتائیں گی؟" وہ اس کا سر اپنے شانے سے لگائے بہت نرمی سے مخاطب تھے۔

"کچھ نہیں۔ بس ویسے ہی احسان بھائی بہت یاد آ رہے ہیں۔" اس نے خود پر بمشکل کنٹرول پا کر جواب دیا۔

"بس اتنی سی بات ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ اگر وہ کراچی آئے ہیں تو آپ چلی جائیے گا یا کہیں تو وہ آ جائیں۔ روشنی بھی اپنے ساتھ لے جائیے گا۔ یہ بھی کوئی مسئلہ ہے۔ اوہ نو بی بی کل۔

اچانک ہی ماہین کو بھی احسان کو یاد کرتے کتنی مرتبہ روئی۔ وہ پیچھے کے پیچھے سے رومال نکال کر اس کے آنسو صاف کرتے تھے۔

کافی دیر کے اور بعد درمیان وہ سب بکھرنا ہوا ہوتا جو ہو چکا ہے تو یہ آنسو پونچھنے والے ہاتھ تھے نوازنے والے تھے۔ جن کو محبت سے پرورش دینے کے لیے انسان کتنے نقصان کے سودے بخوشی کر لیتا ہے۔ وہ نقصان جو ہوتے اور انہوں کے درمیان پھیلا دیتے ہیں کہ کبھی کبھی وہ ناپید ہو جاتے ہیں۔ آ جاتے ہیں۔ محبت کا وہ عظیم ادراک جو ایسے لمحے کا متقاضی ہوتا ہے جسے پا کر جان سے گزر جانے کو جی چاہے اس لاجواب اور کامل لمحے کے بعد کی بدصورت واقعات کا سامنا ہو جائے۔ ایسے ادراک کے بعد اندر کا ہر لطف کھوکھلا اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ حکیم الشان محبت کا ادراک حکیم الشان ہی ہو سکتا ہے۔ پھر اس سے کچھ دور بھی کیا جا سکتا ہے؟

"میں سوچ رہا تھا اس ہالیڈے کا پروگرام کینسل کر دیتے ہیں۔" اس نے اچانک کے انداز میں کہا۔

کہتے "یار علی خان کو اس کی بات ادھوری رہنے کی وجہ سمجھ نہیں آیا تھا۔ انہیں محسوس ہوا تھا کہ بات کچھ اور ہے۔ مگر ان کا ان لمحات میں اس سے کچھ اور کہنا سننا کچھ اور کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ ہاتھ انہوں نے روک لیا۔ اور

www.Paksociety.com

بابا صاحب نے باری کو بلایا تھا۔ ان کا رات کے بارہ بجے کوئی سبق رکھا تھا۔ وہ سوچوں میں الجھا ہوا ان کی طرف آیا تھا اور بہت آہستگی سے دستک دی تھی۔

"ہوں۔ آ جاؤ۔" بابا صاحب کی آواز آئی۔

وہ اندر داخل ہو گیا۔

"علی خان۔ آپ نے یاد کیا۔"

"ہاں بھئی۔ ہم نے علی یاد کیا۔ آؤ بیٹھو۔" وہ نیم دراز لیٹے ہوئے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ باری ان کے پائنتی کی طرف بڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آج شام یاور کا فون آیا تھا۔" وہ یہ کہہ کر رک گئے جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔ باری ان کی بات آگے بڑھانے کا انتظار کرنے لگا۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ روشی کی شادی اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو ٹھہرا دیں۔ مگر ایک الجھن جو ہمیں پریشان کر رہی ہے یہ کہ تیمور ہمیں دو تین مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ اب روشی کی شادی میں جلدی نہ کریں۔ ہم نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے۔ کچھ عرصہ تنہا رہیں گے ہماری پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ تیمور اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں اور وہ کیا وجہ ہے جو ہمیں معلوم ہے اور کسی کو معلوم نہیں یاور علی خان روشی کے باپ ہیں۔ البتہ اگلی بات کی ہے۔ ہم ان کی بات کیسے ٹھکرا دیں گے۔ تم بتاؤ ان تینوں سوچ سوچ کر تھک چکا ہے۔ تم ہی بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

وہ بڑے بے بس سے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"آپ کاکا جانی سے کہہ دیں کہ یاور علی خان کا یہ ارادہ ہے اس لیے جو وجہ ہے وہ وہ ہمیں بتا دیں۔"

باری نے قدرے جھجکتے ہوئے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"ہوں۔ یہ درست ہے لیکن فرض کرو اگر تیمور نے ایسی وجہ بتائی جس سے شادی میں حرج نہ ہو سکتی ہے تو اس کو کس طرح سمجھایا جائے گا؟"

"یہ تو وجہ ظاہر ہونے کے بعد خود بخود واضح ہو جائے گا کہ اب کیا کرنا ہے؟" باری نے بڑی حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا۔

"ہم سوچ رہے ہیں۔ وجہ کیا ہو سکتی ہے کہیں ناز جین۔ آفروہ بھی تو اس کی ماں ہے۔" بابا صاحب نے اپنی آہستہ آہستہ میں کہا گویا وہ یہ باتیں خود سے بھی احتیاط کر رہے ہوں۔

باری خاموش رہا۔ اس کے اور داد و علی خان کے مابین آج تک ناز جین کے موضوع پر کبھی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

جب کبھی سرائے جاتے تھے تو اس کے ساتھ جاتے تھے کہ باری کل صبح سرائے جانا ہے بھابی بھی ساتھ چلیں۔ وہ بھی تیمور تو خود ہی آ جاتے ہیں ہم سے ملنے کے لیے۔ یہ کیس الجھ کر ناک زندگی کا سوال بن گیا ہے۔ ہمیں کچھ کرنا چاہیے۔"

وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

"باری آپ کا تجربہ بھی بہت ہے۔ دنیا بھی دیکھی ہے۔ کچھ سوچیں۔ کچھ کریں۔ ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے تو وہ اول ہوتا ہے کہ ہماری عقل ہی ماری گئی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" بابا صاحب کی آواز گلے سے بوجھل تھی۔

ایسے وقت آواز و اختیار محض کی حالت ہے کہ باری نے بھی خاموشی اختیار کیے رکھی۔ دل ہی دل میں اسے بھی ان تینوں پر ترس آنے لگا تھا۔

مگر مسئلہ یہ ہو گیا تھا کہ وہ ان کی الجھن کے لیے موجب اتنا وہ استعمال کرنے لگے تھے اسی وجہ سے باری نے اپنے بارے میں اس کے اپنے انداز اس کے۔ نپے تلے بن سکتے تھے۔ وہ کرسی پر کسی طرح سر جھکائے ہوئے اس بیٹھا رہا۔

"باری۔ بیٹے! ہم کیا کریں۔ بتاؤ۔ تمہاری کوئی تدبیر ہو۔ ہمیں کوئی بھائیوں کے بچوں کے واسطے کچھ نہیں کر سکتی۔ ہمیں جو سمجھ آتا ہے وہ بچوں کے دماغ میں ہم اگلی سمجھ نہیں سکتے۔"

"آپ اتنا کیوں سوچتے ہیں۔ میں فون کر دیتا ہوں۔ کاکا جانی کو بلا لیتا ہوں۔" وہ آپ سے بات کریں گے تو شاید کوئی حل نکل آئے گا۔" باری نے تسلی دی۔

"صرف ایک پریشانی تو نہیں ہمیں۔ ہو سکتا ہے ہمارا وہم ہو۔ مگر ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ تیمور بھی علیزہ کے ہاں پڑھنے کے لیے پر رضامند نہیں ہے۔ اور اس کے رضامند نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی رضامندی نہیں ہے اور اسے اختیارات اپنی ہاتھ میں ہیں۔ ہم اپنی بات دوستوں سے منوا سکتے ہیں۔ کل کو روشی کو رخصت کر سکتے ہیں۔ لیکن حیثیت باپ یہ احساس ہمیں بے اختیار کر دیتا ہے کہ کہیں ہمارے بچوں کے دلوں میں حرج نہ ڈال دے۔ اور وہ ہم سے نفرت کرنے لگیں کہ ہم نے ان کی خوشیوں کے بعد ہمیں ایسا سوال تو اب پوچھنے کے لیے ہمارا ذہن کورا کریں۔"

ہم تیمور کے سامنے بہت کمزور پڑ جاتے ہیں باری۔ جو زور وہ ایک بار اپنی خود غرضی کے سبب اس کے ساتھ کر چکے ہیں۔ وہ خود غرضی ہمیں اندر سے دیمک کی طرح آج بھی چاٹ رہی ہے۔ اس بے ثباتی کے بعد سے آج تک ایک لمحہ ثابت کوئی گھر ہم سے نہیں گیا۔ نہ اپنے کسی دکھ کا اظہار کیا۔ وہ عائشہ کے پاس لندن چلا گیا تھا تو ہم نے کچھ محسوس کیا تھا۔ مگر محبت بہت بے رحم ہے۔ بے وفا بھی ہے۔ اذیت ناک بھی اس نے۔ خوشی دکھوں کے سودے کر لیے ہمارے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔

باری! یہ بھی گمان آتا ہے وہ روشی کے سامنے میں مداخلت کر کے کہیں یاور کا ہاتھ نہ روک لیں چاہتا کہ ان کو نہ ہے۔"

"نہیں خان۔ وہ ایسا کام نہیں کر سکتے۔ وہ بھی روشی بی بی کے ساتھ ہوں گے ہمیں یقین ہے۔" باری نے بے ساختہ کہا۔

اس لمحے اسے وہ بھی یاد آیا تھا۔ وہ ناصر علی خان نے کہا تھا۔

"ہماری تو نیند ہی اڑ گئی ہے۔" وہ الگ کمرے میں کروٹیں بدلتے رہے تھے۔

"صبح آپ کو جہان کو بلانا ہیں۔ بے فکر ہو جائیں۔ وہ ضرور آپ کا خیال کریں گے۔" ہاری تھکی تھکی سے لہجے میں اطمینان دلا رہی تھی۔

"ہاں کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ کاش یہ شادی پہلے ہو جاتی اور یہ فیاض مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔" وہ خود سے گویا ہوئے۔

ہاری اٹھ کھڑا ہوا۔

"مسئلوں کو ختم کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک فیصلے کے سوا کچھ نہیں ہے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں کہتا باہر چلا گیا۔

"ہم اس لیے منع کر رہے ہیں ان کو شتے سے کہ وہ اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔" تیمور علی خان ثمر سے پہلے ہی آ چکے تھے اور اب باپ بیٹا بند کمرے میں بات چیت کر رہے تھے۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے ہاں ان معاملات میں لڑکیوں کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" بابا صاحب نے ان کا موقف یکدم مسترد کر دیا۔

"مسئلہ ہے بابا صاحب! انابیہ نے صاف کہہ دیا ہے کہ اپنی بیٹی کے ساتھ اور اچھا سلوک وہ برداشت نہیں کریں گی۔ وہ بچی عاقل و بالغ ہے۔ وہ جو قدم اٹھائے گی وہ حیثیت کا ذمہ دار ہم کو سمجھے گی۔" تیمور علی خان سادے لفظوں میں بتا رہے تھے۔

"شدو بے وقوف لڑکی عاقل ہے اور نہ بالغ۔ اس کی گارجین۔" بابا صاحب نے پیچانی پر تعداد ڈال کر جواب دیا۔ "اسے یاد دلایا ہوتا کہ وہ خود کو بچوں کے لیے مار چکی ہے۔ اب وہ ہے ہی نہیں تو یہ مداخلت کیا معنی؟" وہ ناراضگی سے غرا رہے تھے۔

"لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ زندہ ہو۔ اور اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی پر ردعمل کر سکتی ہیں۔"

"یہ زیادتی ہے؟ اپنے گھر میں شادی کر رہے ہیں ہم اس کی بچی کی۔ اٹھتا لڑکا ہے وہ۔ سب کچھ اسی کا ہے۔ معمولی عمل تعلیم سب کچھ تو ہے۔" وہ خود کو دلائل دیتے ہوئے بات کر رہے تھے اور تسلی پا نہ سکے۔

"مگر اس طرح کی ہونی اور ان کہی لڑکی کی زبردستی شادی سے خاندان بہت مسائل کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔" تیمور علی خان نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ یہ سب شادی سے پہلے کی باتیں ہیں۔ شادی کے بعد لڑکی معصوم اپنے اندر محبت کی تبدیلیاں پیدا کرتی ہے۔"

"یہ لڑکی ایسی نہیں ہے۔" تیمور علی خان نے باپ کی بات کاٹ دی۔ ان کے انداز میں ہونی مضبوطی اور تعلی پن تھا۔

"یہ مجھے آپ سے امید تھی۔" بابا صاحب اپنی بات پر اسی طرح قائم تھے۔

"یہ ہے ہمارے ہاں کا ماحول۔ آپ جانتے ہیں ہم نے جو ماحول بنانے کے لئے جدوجہد کی ہے۔ وہ کسی کی ذاتی زندگی میں کسی کی مداخلت نہیں کرتا۔ ہم نے اس کے قریب آنے کی کوشش کی تھی۔ وہ الگ تھلگ رہا۔ ہم نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ مگر اب معاملہ ہے اس بات کا کہ اس کا حال ہمارے ساتھ ہے۔ کہ وہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ ہمارے پاس ہونا حاصل کرنے آئی تھی۔ جس پر ہمیں آج بھی فخر ہے کہ اس نے ہم سے کچھ نہیں لیا۔ وہ اپنا خرچہ اپنی جیب سے کرتا رہا۔ ہم نے اس کو کبھی نہیں روکا۔ اس کے ان میں یہ سمجھتے آیا کہ ہم اس کے لیے کر رہے ہیں۔ تیمور علی ہمیں سمجھا رہے تھے۔

"اس قسم کی مدد لینے کی بھی اس کو ضرورت ہے؟" بابا صاحب کا لہجہ ایک دم تبدیل ہو گیا۔ وہی شکوک ان میں تھی۔ جن سے وہ ڈرتے تھے۔

"جی کہ ہم آپ سے کہہ کر ہیں سے اس کا ذکر ختم کر دیں۔" تیمور علی خان نے یہ جملہ بہت مشکل سے کہا تھا۔

"تم سے یہ وراثت کہا تھا اس نے؟" بابا صاحب حیرت سے ساکت ہو گئے۔

تیمور علی خان گہری سانس لی۔ اور بہت آہستہ سے کہا۔ "جی۔"

کمرے میں یکدم بھاری سکوت طاری ہو گیا۔ دونوں باپ بیٹے خاموشی کا تواف کرنے لگے۔

"اور تم کل کی لڑکی کی بات ہم سے منوانے آئے تھے۔ کیا فرض بنتا تھا تمہارا کہ اس کو سمجھاتے۔ ہاری کے اس کھاتے۔ بچوں کے فیصلوں پر اعتماد کا درس دیتے۔ الٹا ہمیں قائل کرنے کے چکر میں پڑ گئے۔" بابا کی ناراضگی تھی۔ وہ علی خان کے لہجے میں۔

"بابا صاحب! بہت محدود ہونے کے باوجود ایک بہت بڑی کمی ہے ہماری زندگی میں۔ اور یہ کمی ہم سے کہیں اور وراثت نہیں ہوگی اور وہ بھی اپنے بچوں کی زندگی میں۔

"آپ نے اور بھائی جان نے ہمیں جتنی دلایا تھا کہ نظری کی شادی کے بعد فلک ہونے کے ناتے ہاں پر سنگ پتھر ہیں۔ سیدھا بگل کے مطابق اسے کوئی خوبیاں پر اہم نہیں ہے۔ ہم نے بھتیجے کے لیے خود غرضی کا مظاہرہ کیا۔ اور آپ کی بات مان لی۔ مجھ پر آپ کے حوالے کردی کی اس کا باپ دس ہزار روپے میں سالانہ سال کے بعد لڑکے سے اس کا نکاح کر چکا تھا۔ ہم نے سوچا کہ تھوڑے دنوں کی تکلف کے بعد نسلنا اچھا ہو گا۔ پیسے تو مل جائے گا۔ تھوڑا سا وقت بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔ مگر جو معاملہ جس طرح ہوتا ہے۔ ویسے ہی ہوتا ہے۔ ہم تھوڑا سا گھپلا کر رہے تھے۔ بہت تھوڑا سا۔

مگر ہونی نے تو ایک رات میں اکیس سال پہلے کے تیمور علی خان کو زندہ کر دیا۔ وہ بے بسی جو ہم نے اپنے آپ سے تمام لیے تھے اور ہو گئی تھی۔ اس لڑکی نے توڑ ڈالی ہے۔

ہاری ذات اس لڑکی کی بہت سی مجبوریاں کی اسے ہے وہ ہاری اولاد ہے ہاری اولاد سے ہاری بیٹے سے ہاری خاندان نے کبھی اسے کھل کے خوش نہیں ہونے دیا۔ اس کے والد محترم سے بڑے اخلاق کے ساتھ ملے تھے مگر کیا کبھی کسی نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ہم نے آپ کے باپ سے ہاتھ جوڑ کر آپ کی غلطیوں کی معافی مانگی ہے کبھی کسی نے ان کو اپنا سمجھا ہے۔ اپنے گھر ہوں کا احترام کرتے ہیں۔ ہاری اولاد سے ہاری اگلی

کوشش تو کر سکتے ہیں؟"

تیمور علی خان کے لیے یہ تجویز آسان نہیں تھی۔ دلاور علی خان کا ایک لاؤ تھا جس میں کراچی ہو کی بکھوں کی طرح بچی ہوئی تھی۔ دلاور علی خان تو جیسے سانس لینا ہی بھول گئے تھے۔

"ہم اپنے الفاظ واپس تو نہیں لے سکتے۔ آپ ہمیں معاف کر دیں۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ دونوں کے درمیان ایک بے معنی خاموشی چھا گئی۔

"تم خیر خواہ کی حیثیت سے اسے اچھا سمجھا تو سکتے ہو تیمور۔" دلاور علی خان نے چند لمحوں بعد خاموشی کا قفل توڑا۔

"ہم نے چچا کی بات سمجھ لی ہے۔ اس لیے یہ کافی ہے۔ مجھے ہونا چاہیے تھا۔ یا تو وہ ہماری بات سمجھتے یا ہم ان کی بات سمجھ لیتے۔"

"یعنی تمہارا مطلب یہ ہے کہ علیم الدین کو جواب دے دیا جائے؟ مگر کیا تم ہمیں یہ بتانا پسند کرو گے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟" بابا صاحب نے سوال کیا۔

"ہم آپ کے احسان مند ہوں گے۔ آپ پہلی فرصت میں یہ رشتہ ختم کر دیجیے۔ آپ کے عمل سوال کا کوئی محل نہیں ہے۔"

"اب یہ اتنا آسان نہیں ہے تیمور۔ یاور خود اسے بیشتر اس کی شادی چاہ رہے ہیں۔" دلاور علی خان۔ بات بولے تھے۔

"آپ رشتہ ختم کر دیں گے تو وہ کیا کر سکیں گے۔ رشتہ طے بھی تو آپ ہی نے کیا تھا۔"

تیمور علی خان تہ فیصلہ کن حالات میں تھے اس لئے ان کا ہر جواب دو ٹوک اور بے حرک تھا۔ ہر قسم کی لچک سے عاری۔

"کیا یہ طے ہے ہو جیسے ہم سے؟" دلاور علی خان نے جیسے گفت سان لی۔

"اسے برے گمان کرنے سے پہلے اپنی ہی نظروں میں نہ گرائیے بابا صاحب۔ بس اتنا چاہتے ہیں کہ بکھوں کا سلسلہ کہیں جا کے۔" تیمور علی خان کا لہجہ بھی شکستہ تھا۔

"بہت مشکل ہو جائے گا تیمور۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔" بابا صاحب کو یاد آئے۔

اگر اس مسئلے کا نتیجہ کسی حقیقی خوشی کی صورت میں اٹھتا ہے تو بابا صاحب مسئلہ ہو جانے دیں۔" وہ اپنے الفاظ پر ٹھہر ٹھہر کے تھکے تھکے انداز میں کہہ رہے تھے۔

دلاور علی خان نے آنکھیں موند لیں۔ ان کی شکن آلود پیشانی سے ظاہر تھا وہ کسی گہری سوچ میں ہیں۔

"ہم ڈاکٹر بابی جان سے مل لیں۔ وہ کل دنوں سے ہمیں بلا رہی تھیں۔" تیمور علی خان اٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

"ڈاکٹر بابی؟" دلاور علی خان نے نائب دائی کی کیفیت سنی بیکار اچھرے تیمور علی خان کمرے سے باہر آ گئے۔ حویلی کی دالان میں ملا تھا۔ وہ پیر کا وقت تھا۔ صاحب اپنے کمرے میں بند ہو چکے تھے۔ ملازمین اپنے

سے پڑھ رہے تھے۔

تیمور علی خان کے چہرے کی جھریاں اس خاموشی میں بہت واضح تھی۔ باری کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اس جھریاں ہی سے اندازہ لگایا تھا کہ تیمور علی خان اس کے کمرے کی طرف ہے۔ مستعد ہو کر کس سیدھا ہو گیا تھا۔

وہ چند لمحوں بعد۔ تیمور علی خان واقعی وہ والے میں تھے۔

"ابھی کچھ پر وسیڈ نہیں ہوا باری۔ اپنا کام حسب معمول رکھو۔"

"جی۔"

وائٹ پاجامہ، کرتا اور سفید کلف لگی شرٹ میں ملبوس تیمور علی خان کا انداز بہت پرسکون تھا۔ باری نے ان کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا تھا اس کی نظریں ان کے وائٹ کرتے پر اٹکے ہوئے جوتوں پر جمی تھیں مگر اس نے محسوس کر لیا تھا کہ کوئی "گڑبڑ" نہیں۔

"ہم بابی جان کے کمرے میں ہیں۔ کوئی بات ہو تو کہہ سکتے ہو۔" وہ چل دیے۔

"جب کچھ پر وسیڈ" ہی نہیں ہوا تو بات کیا کریں خان۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔ دل ہی دل میں کہہ کر۔ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں بابا صاحب آپ؟" یاور علی خان تو جیسے سناٹے میں آ گئے۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ اپنے سر میں مساج کر رہی تھی۔ اس کے گرداں کرتے ہاتھ رک گئے۔

"مگر کیوں؟ کل تک تو اس رشتے میں دنیا جہان کی خوبیاں تھیں؟ انہیں واقعی یہ اتنا ناک پسند آیا۔ بابا صاحب سے یہ سن کر کہ وہ علیم الدین کو جواب دے چکے ہیں۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کل تک تو سب ٹھیک تھا آناً فاناً سب غلط کیسے ہو گیا۔" وہ اپنی کھلاہٹ پر مشتعل ہو رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ آپ ہاں کر دیجیے۔ بابی جی۔ سب خیریت ہے۔" انہوں نے بے دلی سے شناسا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا ہو گیا؟" ماہین اٹھ کر قریب چلی آئی۔

"علیم الدین کو جواب دے دیا ہے۔ وجہ بھی نہیں بتائی۔ عجیب بات ہے۔ کیا وہ لڑکی ہے۔ مسئلہ ہو سکتا ہے۔" انہوں نے ناسمجھی کی حیرت لٹا کر دھر دی۔

"کوئی تو وجہ ہو گی۔ جانیں گے تو پتا چل جائے گا۔ فکر کرنے سے کیا ہوتا ہے۔"

ماہین تو جیسے اپنی طرف سے بات ہی ختم کر چکی تھی۔ دل چاہا یاور کا ایک تھپڑ کھینچ کے مارے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ یہ تو اس کے علم میں ہونی چاہیے۔ وہ اس کے شوہر ہیں۔

"کس۔ اچھرے ہوتی ہے ہر بیوی۔" وائٹ کے الفاظ۔

www.paksociety.com

www.Paksociety.com

اس اب کوئی خاص دلچسپی نہیں رہ گئی تھی اس کی۔ وہ بہت اداس ہو گئی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ ابھی اسی وقت ماہین کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈ کر اس کے فرض سے سبکدوش ہو جاتی۔ شادی وہ دوسری طرح بھگتا رہے تھے۔

ماہین کھلی کی برش بند کر کے تھوڑی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ عروبہ نے اس کی جانب سے بے پروائی سے منہ پھیر لیا تھا۔

اس نے دروازے پر ہاتھ ڈالا تو وہ کھل گیا۔ روشی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی۔ ماہین کو دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

"آ جاؤں خالہ؟ یا ابھی آپ کو اجازت نہیں دی؟"

"اچھا بند کرو یہ چلتے پھرتے لطیفے۔ ایک تو مجھے غصہ آ رہا ہے اور تم ہو کہ۔"

"اچھی خبر۔ ادھر بھی ایسا ہونے لگا ہے؟" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

"پاپا صاحب کا فون آیا تھا۔ ابھی تمہارے پاپا کے پاس۔"

روشی کے کان کھڑے ہو گئے مگر بظاہر بے تاثر چہرہ لیے کھڑی رہی۔

"بھئی مجھے تو نہیں آرام سے بات کرنا دیں پاپا۔ افسوس کریں۔ ماہین اس کے مسخرے پن کے انداز میں بولی۔

روشی بدستور خاموش رہی۔

"تمہارے پاپا تو جیسے قسم کھا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"کیوں سسپنس کری ایٹ کر رہی ہیں۔ آپ روشی عزیز صبر نہ کر سکی۔

"علیم الدین صاحب کی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے ای ہی صاحب ان کے سر پر پانی پھیرتے رہ گئے۔ افسوس۔" ماہین نے مسکرا کر افسوس کا اظہار کیا۔

روشی نے حیرت آمیز خوشی سے ماہین کی سمت دیکھا۔ "کیا سچ خالہ۔؟"

"بالکل سچ۔ کیسی لڑکی ہو تم۔ منگنی ٹوٹنے پر خوش ہو رہی ہو؟" ماہین نے گویا ملامت کی۔

"اگر یہ خوشخبری ہے جو آپ سنانے آئی ہیں۔ تو آپ کے منہ میں گھی شکر۔ مگر یہ بتائیں بات ختم ہو گئی ہے یا ابھی کچھ طرف بڑھ رہی ہے۔ اگر بڑھ رہی ہے تو یہ خبر کچھ اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ پھر کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔" روشی نے پاس آ گئی تھی۔ ماہین کے قریب آ بیٹھی۔

"ہر خوشی کا اختتام کسی دکھ پر ہوتا ہے۔ تو خوشی پر سے اعتبار ہی اٹھ جاتا ہے۔ ابھی یہ تو علم نہیں کہ پاپا صاحب ابھی تک اس طرح کا فیصلہ کس بنیاد سے کر گئے۔ مگر کوئی فیصلہ ان کا ہے اس لیے یہ بات بہت اہم ہے۔" ماہین نے بال سمیٹے۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" روشی نے سوچتے ہوئے کہا۔

اب اس بات کا تجسس ہے کہ بات کیا ہوئی ہے۔ یہ فیصلہ کیوں کیا گیا؟" ماہین کے لہجے میں گہری سوچ کی

پرچھائیاں تھیں۔ روشی کے ذہن میں بھی ایک دھماکا ہوا تھا۔ تجسس بھی تھا اس کے تحت کے بارے میں جاننے کے لیے۔ اس نے خود کو سنبھالا۔ اس کی تھوڑی سانس لی۔

"سر کریں یا چھوڑیں کی کا کیا جائے لے۔؟" اس نے بے خیالی میں سوال کیا۔

"کا کا جان نے۔" ماہین نے تجسس سے پوچھا۔ "کا کا جان کا کیا ذکر۔" وہ ذہنی کشمکش میں مبتلا روشی کو دیکھنے لگی۔

"ان ہاں۔ وہ تھوڑا مطلب ہے پاپا صاحب نے۔" روشی ایک دم جھجھک گئی۔

"تمہارے ان میں کا کا جان کا کیا خیال کیسے آیا؟" ماہین نے کھوجتی نظروں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"پتا نہیں۔ روشی خفا سے لگ گیا۔" روشی نے قصداً سے انداز میں بات بنانے کی کوشش کی۔

"وہ ہر شخص کے خیال میں آسانی سے آ سکتے ہیں۔ مگر تمہارے والد صاحب جو اور تمہارے خیال میں ذرا دیر نہیں آ سکتے۔" ماہین دراصل حقیقت کی تہہ تک پہنچ چکی تھی۔

دونوں چند لمحوں کے لیے اپنی اپنی جگہ خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔ مگر کی اہم بات کے دوران اچانک آ جانے والی خاموشی جیسی ہوا کرتی ہے۔ دونوں سوچ میں گم تھیں کہ اب کیا بات ہو۔

"روشی۔!" ماہین نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"کیا بات ہے مجھے بتا دو۔ تم سے زیادہ کر دھوکہ نہیں ہو گی۔" ماہین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی نرمی سے پوچھا۔

"آپ پوچھیں۔ میں آپ سے کیا بات چھپاؤں گی۔" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"تم ہمارا بھی تھیں۔" وہاں کی ان ظلموں کی بھی تھیں۔ وہاں کسی سے ملیں؟"

ماہین سوال تو کر رہی تھی مگر جیسے جواب سے پہلے جانتی تھی۔ اگر روشی ذرا بھی سے ملی ہوتی تو اس کی زندگی میں ذرا سی بھی تبدیلی آ چکی ہوتی۔ اگر اس سے چھپ کے دوسرے کسی سے ملتی ہے تو اس کا پتہ ضرور چل جاتا۔ وہ ایسا نہ تھا۔

کم از کم اس کے سامنے ضرور کھل جاتی۔ کسی نہ کسی زاویے سے پھر بھی جانے کیوں اس نے پوچھ لیا تھا۔

"کسی سے نہیں۔ وہاں تھا کون۔ کا کا جان کی بیٹی تھی صبا خان اور وہ بھی کا کا جان کی رائف میں الجھیں تو ہم نے کبھی دیکھا نہیں۔ پھر آ رہی تھیں کہ جب ہم ہوٹ چھوڑنے لگے تو ایک مرتبہ جھلی آئی تھیں۔ اماں جی کے گھر کا کا جان کی شادی پر ذرا الجھی تھیں اس لیے شاید وہ ہمارے پھر کسی خوشی میں نہیں آئیں۔ پھر پاپا نے بتایا تھا۔ کہ ان کا نام لیا تھا۔ مگر کا کا جان نے ان کا سوائی نام رکھ دیا تھا۔ شاید۔ اماں جی کا کالی دیوی ٹیچر الجھوں نے بلند نہیں کیا ہو گا۔ مانند کیا ہو گا۔ اس لیے دوبارہ کبھی نہیں آئیں۔ خیر۔ وہ تو گاؤں ہے جو ہر کسی کے سب حال لوگوں سے نا واقف ہیں کہ گھر میں جیتے جاگتے انسان کی سزا سے کم نہیں وہ گھر سے نہیں نکلتیں۔"

روشی نے پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

www.Paksociety.com

ماہین گویا سانس روکے اس کی بات سن رہی تھی۔ روشی نا محرم ہوئی تو اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے انکار کیا۔

"تو کیا وہ اتنے دن گھر بند کر کے بیٹھی رہیں؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ البتہ مجھے حویلی کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میں گیسٹ روم میں تھی یا پھر باغ میں ہی چہل قدمی۔ ملازموں سے میری ملاقات باغ ہی میں ہوئی تھی۔ بڑی کیئر ٹیکر ہے۔ کاکا جان کی۔ ان کے لیے کھانا بھی وہی بناتی ہے۔ بہت چھوٹا تھا۔ ایک مرتبہ جب بابا صاحب اسے حویلی میں لائے تھے۔ انگریزی میں بات کر رہے تھے۔ اور ان لوگوں میں گزارے لائق انگریزی بھی نہیں آتی تھی۔"

روشی اپنی بات کے اختتام پر ہنس پڑی۔

"بہت نخرے کیا تھا تم نے۔ بڑا مغرور آیا تھا۔ چھوٹی بی بی جان (توتیاں) سے ہمارا تعارف کراتے ہوئے۔"

وہ بھی ہنس پڑی۔

"تم نے کوشش بھی نہیں کی ان کی واقف کو دیکھنے کی۔؟"

ماہین کے چہرے پر اس کی ہنسی کے جواب میں مسکراہٹ بھی نہ آئی۔

"میں اتنی پرسنل تھی کہ اس بارے سوچا ہی نہیں تھا۔ اور پھر آرام کاکا جان کا تھا اور میں ان کی ذاتی زندگی کا تجسس کیسے ہو سکتی تھی۔" وہ بڑی روانی سے جواب دے رہی تھی۔

"ہوں۔ ملازموں سے بھی تم نے ان کی واقف کے متعلق بات چیت نہیں کی۔؟"

"ملازم۔؟" روشی ہنس پڑی۔ "جتنے پراسرار کاکا جان نظر آتے ہیں۔ ان کے ملازم ان سے زیادہ پراسرار لگتے ہیں۔ بدوضع جیسے۔ چند بات سے ماری ایک دم ملنگ۔" وہ اب بات بات پر ہنس رہی تھی۔

"اچھا صراحت سے تمہاری کیا بات چیت ہوئی؟" ماہین کسی دھیان سے چونک کر پوچھ رہی تھی۔

"وہ خالہ کیا یاد آیا۔ کیا بدرست بگی ہے۔ اتنی پیاری باتیں کرتی ہے کہ دل چاہتا ہے اس سے باتیں کیے جاؤ۔ اس پر اس کے کاروبار۔ نصیب کی تیز چمک۔ کیا یاد آئی خاتون ہیں کاکا جان کی واقف۔ کل آپ تو آپ مجھے لگا کاکا جان سے حسد کروں گی کہ وہ مجھے ان سے ضرور ملوائیں۔ کیا بدرست تھی ہے ہمارے خاندان کا۔"

"آہستہ بولو۔ مت کرو کاکا جان کا۔ جیسی بھی ہیں تمہارے بابا ان کا احترام کرتے ہیں۔" ماہین نے اسے ٹوک دیا اور وہ اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

"واہ اے جنگ۔ ہم نے بہت اہم بات مس کی ہوئی ہے۔ اور وہ کیا بات ہے کوئی نہیں بتاتا۔ بابا صاحب تک اتنا تعارفی بھی دوناں بھائیوں کا پر اہم سوتو نہیں کر سکتی۔ یا اللہ۔ کیوں خالہ؟"

"اچھا۔ تمہیں اتنا فضولیات ہونے کی ضرورت نہیں۔" ماہین نے اسے سختی سے ٹوک دیا۔

"اوہ۔ واقعی کی بن گئی ہیں۔ ڈانٹے بھی گئی ہیں بابا سے کہوں گی۔" روشی نے منہ بناتے ہوئے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"پلیز۔" ماہین نے جھک کر مسکراتے ہوئے منت کی۔

"اچھا نا۔ نہیں کہتی۔ آپ کا کیا چلتا ہے کاکا جان کو۔ مجھے تو ان سے باتیں کرنے کا بہت شوق ہے۔" روشی ابھی تک اس کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے تھی۔

"نہیں مجھے کوئی فون نہیں۔" ماہین نے اس کی بانہوں کا حصار توڑتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

"کی۔ آپ ڈانٹے گا۔"

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے سب تم نے حویلی میں ہمارے لیے بابا صاحب کا تعارف کرا دیا ہے۔ سب پتا چل گئے ہیں۔"

"مجھے آپ کاکا جان سے اچھا کوئی نہیں لگتا۔" روشی الٹا کر دوبارہ آ کے کے سامنے بیٹھ گئی۔

"اسی بات پر خاموش تم سے تھا۔ سویا۔" ماہین کے لہجے میں بے اختیار ہی اداسی در آئی۔

"کوئی بھی باپ اپنی اولاد سے دور خاموش رہ سکتا۔ میں کبھی نہیں سمجھ سکتی۔ کاکا جان ان کے سگے بھائی ہیں۔ وہ بھی کاکا جان ہیں۔ قربانی کی بھینٹ چڑھا دی ہے۔"

"اچھا اب خاموش ہو جاؤ۔ میں تو تمہیں خوش خبری سنانے آئی تھی۔ بابا صاحب بہت اصرار کر رہے ہیں گے۔ گڈ نائٹ۔ اللہ نگہبان۔"

ماہین ایک دم گمبھیر سی نظر آنے لگی تھی۔

"بہت سمجھ ہیں آپ۔ بابا کو صاحب کہتے ہوئے۔" روشی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "ویسے بڑی اوف فرینکس قارپن لگا۔"

"گڈ نائٹ اب والی ڈیر۔" ماہین زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی اور باہر نکل گئی۔

اگلے ایک ہفتے میں وہ واپس آئی تھی کہ حویلی سے کاکا جان کا ایک زبردست خط آیا تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ماہین کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔ کاکا جان کو اس کا نکاح ہو جانا ہے۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا ہے کہ ان کا نکاح کے بندھن میں باندھ کر روانہ کیا جائے۔ کاکا جان کو ماہین کے ماضی میں کیے گئے اقدام کی وجہ سے اب ہمارے والد کا خصوصی خیال رکھا جانا تھا۔

روشی تو سنتے ہی رو پڑی۔ "خالہ اداس ہو گئی۔ وہاں کتنا مزہ آ رہا تھا۔ اور یہ فالتو نکاح کی کیا تک ہے۔ کچھ پاگل مسعود بھائی کے ساتھ ہی بھیج دیں۔ پاگلوں کے ساتھ پاگل ہی رہتے ہیں۔"

"یہ وہاں جا کر کیا پتا چلے گا کہ صرف نکاح کیوں ہو رہا ہے۔ رخصتی کیوں نہیں ہو رہی۔"

"فلسفیانہ کتنی دور کی ہے حویلی بکواس ہیں۔ پلیز خالہ۔"

ماہین مکان کے کام سے فارغ ہو کر ڈائننگ میں اپنے حساب کتاب سے الماریوں میں برتن سیٹ کر رہی تھی۔ روشی جھاڑ پونچھ کے اس کے پیچھے پیچھے ملنگ کے انداز میں پھر رہی تھی۔

"وہ کہہ رہے تھا اہم ہیں نکاح والے۔ دوبارہ آئیں گے۔ وہ بہت بڑی ہیں۔" ماہین نے بہت مصروفیت کے عالم میں

www.Paksociety.com
urdunovels.net

جواب دیا۔

"فرسٹ کزن کا نکاح ہے۔ جملے کی تمنا ہی تو نہیں ہے۔ جاؤ گی۔" وہ روکھی طرح بولی تھی۔

"ہاں تو صبح سے پہلے جائیں گے۔ اب وہ عام آدمی تو نہیں ہیں کہ جب چاہے منہ اٹھا کر چل دیں۔ ایک معاشرتی رتبہ ہے۔ ان کی۔ میں اصرار کروں گی تو یہی کہیں گے کہ بچہ کو کر جاؤں ان کی۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تو آپ ان سے یہ کہیں وہ ہمیں ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیں۔" روشی کے انداز میں ضد تھی۔ سب کچھ جانتے ہیں۔ آپ تو انہیں اریں آپ کی بات تو وہ ٹال نہیں گے۔"

"وہ مجھے فیصلہ سنا چکے ہیں مجھے تو وہ ڈرائیور کے ساتھ بھیج سکتے ہیں مگر تمہارے بارے میں ان کا کہنا ہے تم ہماں ہو گی ان کے ساتھ جاؤ گی۔"

ماہین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تو پھر میں نکاح والے دن بھی نہیں جاؤں گی۔" وہ ضد سے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ہو سکتا ہے آنے والے کل میں تمہیں ان سے اس سے بھی زیادہ اہم بات منوانا پڑ جائے۔ ان کا غصہ ہوا تو پھر ہی مشکل میں پھنسو گی۔"

"اب بھی کونسی آسانی ہے۔ جیل میں ڈال دیا ہے اٹھا کر۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

ماہین الماری کھلی چھوڑ کر تیزی سے اس کے قریب آئی۔

"بری بات ہے روشی! اتنا قنوطی ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی بیٹی کو بس ہر جگہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں تو برائی کیا ہے۔ انہوں نے تمہیں پڑھایا لکھایا ہے۔ تمہاری شادی بھی اچھی جگہ کریں گے۔ تمہیں زندگی میں خدانخواستہ سرد و گرم ہوا آئیں گے۔ تو وہ حال نہیں گے۔ کوئی تمہارے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کرے گا تو اس سے لڑیں گے۔ تمہیں سخت سست کہہ لیں گے۔ مگر کسی دوسرے کو کبھی اس طرح کی حرکت کی اجازت نہیں دیں گے۔ حتیٰ کہ اگر میں بھی تمہارے ساتھ زیادتی کر بیٹھوں تو وہ مجھے بھی معاف نہیں کریں گے۔"

وہ اسے گلے سے لگا کر بہت محبت سے سمجھا رہی تھی۔

"آپ کو اتنا پیار سے بہت محبت ہے۔ اور مجھے اس بات پر احساس نہیں۔ بلکہ خوشی ہے اس لیے کہ میرے باپ نے ایک طویل زندگی ویران اور بے رنگ گزاری ہے۔ بہت اچھی وکیل ہیں آپ پیا کی۔"

روشی نے روپٹے سے آنکھیں پونچھیں۔

"بدتمیز نہیں تو۔" ماہین نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

"اس طرح بولتے ہیں اپنے باپ سے" پھر مسکرا دی۔ "ہے تو ضد۔ اور میں تمہاری ان کی وکالت نہیں کروں گی۔ جس طرح کہو گی ویسا ہی کہوں گی۔ وہ ہنس پڑی۔ "چلو سوا ٹھیک کرو۔ پھر شاپنگ کرنے چلیں گے۔ تمہیں نکاح پر پہننے کے لیے کوئی اچھا سا سوٹ دلوا دیتے ہیں۔"

"نہیں ماہین! آپ مجھے نہیں لے جائیں گی۔" وہ ضد پر اتر آئی۔

"اچھا میں ان سے بات کرتی ہوں۔ میں موبائل اس طرح بھیجوں گی کہ ان کو پتا نہ چلے۔ وہ کہاں کہاں گئی ہے۔ ٹھیک ہے تم کل کو لے جانے والے تو کوئی نہیں۔ ٹھیک۔ وہ پیار سے اسے سمجھا رہی تھی۔ "ویسے مجھے پتا ہے کہ تمہیں موبائل بھیجنے کی جلدی کیوں ہے۔" وہ ہنس کر شرارت سے بولی۔

"بہت ہی" کھل کر اقرار کیا گیا۔

"ہاں۔ آپ شادی سے پہلے بھی اتنا ہی کام کرتی تھیں۔ یا وہ گھر کی آپ کو بہت یاد آتی ہے۔ کیونکہ اب آپ آئی ہیں تو یاد آنا شروع ہو گئی ہیں۔" اس نے فوراً جواب دیا۔

"نہیں بھئی نہیں۔ گھر تو بہت خوبصورت ہے۔ اس پوتی کو اچھی کر کے دیکھ لی ہیں۔ ویسے یاد ہونے سے تو انکار نہیں ہو سکتا۔" ماہین نے اسے شرارت سے چھیڑا۔

"پھر شاپنگ کے لیے کب چلیں گی۔"

"بتا دوں گی۔ پہلے تمہارے پیا سے ایک دن پہلے جانے والی بات تو تصفیہ ہو جائے۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو خود ہی شاپنگ کے لیے جانا پڑے گی۔"

"ہاں اس پر بات طے ہو گئی۔ وہ میں واپس نہیں جاؤں گی۔"

"اچھا بابا۔ ویسے تم اپنے پیا سے سوری ضرور کرو۔ کتنی بری بات ہے وہ تم سے ناراض ہیں۔ اور تم نے ابھی تک ان سے سوری نہیں کیا۔ اس طرح کی بات بڑھتی ہے تو بڑوں کا غصہ اور بڑھتا ہے۔"

"کروں گی سوری۔ مگر میرے سوری کرنے سے ان کی ناراضگی ختم نہیں ہو گی۔ کیونکہ خالہ کا کا جان کی خواہش کا ہے۔ اور مجھے ان سے بہت سے سوری کرنا ہے۔ لکھے کروں گی۔" اس نے دھیمی قدرے شرمندہ سی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" ماہین نے بری طرح چونک کر اس کی صورت دیکھی تھی۔ اسے وہ بہت عجیب سی محسوس ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں۔" وہ بوکھلا کر ایک لمحے کے لیے ہار گئی۔

"سوری تو ڈی۔ سی خاصے کتنوں کے آپ پر احسان ہیں کیا کروں کبھی آپ پر ترس آنے لگتا ہے اور کبھی دل چاہتا ہے کہ پھینکے کے لیے؟ آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں گی پتا نہیں ہم دونوں بہنوں کی۔ ساری عمر میں کھل کر خوش ہونا نہیں لکھا۔ ویسے کچھ چیزیں" ہنس دی اس پر۔

معصوم کی جگر بندیوں سے پریشان دل لگانے سے بیاں ڈرانے لگتا تھا۔

بہت عرصے بعد ہاشم علی خان نے فون پر ماہین اور روشی کو بتایا تھا کہ وہ اور روشی کو دیکھنے آ رہے ہیں۔ ماہین نے یہ خبر بھی روشی کو نہیں سنائی تھی۔

"کیسے لگا ہے جناب شہزاد کا"

"وہ تو ان کے ساتھ ہی آئی تھی۔ میں نے دیکھا ہی نہیں اس کی طرف۔ بھلا ہو ان کا جو ہمیں بتا گئے۔ ورنہ ہم تو اسے بھی نہ دیکھ پاتے۔ ہاں ٹھیک ہی لگا تھا۔ بہت اچھا لڑکا ہے۔ ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ ہمیں بھی اچھا لگا ہے۔"

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.Paksociety.com

www.Paksociety.com

یاور علی خان کی موجودگی میں اب وہ پہلے سے زیادہ محفوظ محسوس ہو رہی تھی۔

کوشش کرتی تھی کہ ان سے کم سے کم سامنا ہو۔ بس کچھ لمحوں کے چور ہوتے ہیں جو ان کی نظروں میں آ جاتے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ سکتا ہے مگر بار بار جانچ کر ان کی طرف دیکھنا خود کو مشکوک بنانا ہے۔ اسٹیج گھر کے پرانے مضبوط بانس تھے۔ ایک ایک شے سے ملاقی لگاتار جھلک رہی تھی۔ کسی کی آنکھوں کی محسوس ہوتی ہوئی ایک دم ہٹ جانا۔ یا ہٹ کر رک رہنے والی آنکھیں روشنی پر اس اندازہ میں بھی تھیں کہ یہ ہم محسوس ہو رہی تھی۔

ایک دم اس کا دل بھر آیا۔ اس کا دل چاہا جہاں بار کر باپ کو بتا دے۔ آنسو ایک تو تر سے رخساروں پر بہنے لگے۔ ماہین کانپ کر آنسو روکنے کی کوشش کرتی رہی۔

"روشی کچھ کھانے کو ہو تو بسکٹ سے لے لیں۔ بہت بھوک لگی ہے۔" ماہین نے گردن موڑ کے مدھم سے کہا۔

"وہ ہاں۔ ہی۔

"وہ اسنوکر کی چاکلیٹ تم نے نکال کے نہیں کھائی۔" ماہین کو ایک اور خیال آیا۔

"جی۔" روشی نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

ماہین کو یہ فکر بھی ہو رہی تھی کہ وہ بولتا رہے تو اس کے آنسو نہ نکلیں۔ اس لیے وہ بات بنانے بات بھی کر رہی تھی۔ اور اسے ہاتھ کرنے کا حوصلہ بھی مل رہا تھا۔

"وہ بیگ رکھ لی تھیں تم نے جو تم کہہ رہی تھیں کہ ہیں۔" ماہین نے پھر ایک سوال کیا۔

"جی۔" اس نے جلدی سے رخسار اور آنکھیں چادر سے پونچھ لیں۔ جبکہ ماہین گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھ لے۔

یاور علی خان نے مڑ کر میں دیکھ لیا تھا۔ ان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ دل تو چاہا تھا کہ پوچھیں کہ کیا دکھ لا رہا ہے۔ مگر گھر والی طبیعت نا کہ مخصوص سکرین پر لگا۔ چادر میں لپٹی روشی تیور علی خان کا بازو تھامے ان کے سامنے سے گزر گئی تھی۔ ان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہونے لگی۔

ماہین اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔ "گھر کی اہم تقریب ہے کیا تیور علی خان شریک ہوں گے؟"

رات گہری ہو چکے قریب وہ حویلی پہنچے تھے۔ باہر کا تو کوئی مہمان نہیں تھا۔ حویلی کے کچھ ہی مانوس لوگ اکٹھے بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے تو عام حالات میں تقریب کا گمان ہونے لگتا تھا۔

خان اور قمر گیٹ پر استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ ماہین کو دیکھ کر بہت خوشی سے مسکرائے تھے۔ اور یاور علی خان کی موجودگی کو محسوس کر کے وہ حیران بھی تھے کہ ماہین سے تو وہ خفا ہیں۔

باہر والوں کی آمد کا سن کر بھاگی چلی آئی۔

"السلام علیکم ماہین بی بی۔ آپ تو کہہ رہی تھیں کہ وہ ایک دو دن میں آئیں گی۔"

اس نے کچھ کہنے کی ٹھہرا کیا۔ اس دوران وہ چادر تھی مگر یاور علی خان نے ماہین سے کہا تھا اس سے کہ کر بات نہ بتائے۔ وہ کہہ کر کے تھی مگر صورتحال میں حیران ہی نہیں آیا۔

"اس بھلی۔ اصل میں صورتحال میں الجھ گئی تھی۔ تم اب چلا۔" اس نے تسلی دی۔ وہ ماہین کی طرف دیکھ کر کہنے کے لیے پہلے تھے۔ پھر آئی تھیں۔ اس انتظام سلام کر کے اندر داخل ہو گئی تھی۔

جہاں اگر یہاں تھا اس کی آمد کی خبر نے چونکا دیا تھا۔

یاور علی خان بھی اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کہ ایک اور گاڑی پورچ میں داخل ہوئی ماہین آنا اور ایک طرف ہٹ گئی تھیں۔

"وہ تیور۔" روشن آنا نے گویا صرف گاڑی پہچان کر کہا تھا اور بے ساختہ اندر کی طرف جاتے ہوئے یاور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔ ماہین نے پیچھے اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ قدم روک لیے تھے۔ روشن آنا نے ماہین کی سمت دیکھا۔ وہ کچھ پریشان سی نظر آنے لگی تھیں۔

تیور علی خان پھیلا ہوا دروازہ کھول کر باہر آ چکے تھے۔ سن پر نظر پڑی تو ان کی طرف ہی چلے آئے۔

"السلام علیکم بی بی جان۔" سامنے ہی ماہین کی سمت دیکھا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" انھوں نے اتنی پریشانی کے انداز میں جواب دیا۔

"السلام علیکم ماہین۔" اس نے مسکرا کر بہت ہی زیادہ انحصار سے کام لیا۔ وہ بہت دلچسپی سے تیور علی خان کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

"السلام۔" تیور علی خان نے گویا الجھ کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ انھوں نے نظروں ہی نظروں میں سمجھ لیا تھا۔ یاور علی خان آئے ہوئے ہیں۔ کیلی فونک رابطے سے انہیں حویلی کی سب خبریں ملتی رہتی تھیں۔ دوسرا ذریعہ یاور تھا جن کی حویلی میں مستقل ہوتے تھے۔ وہ اس طرف آنے سے احتراز ہی کرتے تھے۔ کہ نظروں کے سامنے سے ہٹ کر کچھ کھلنے کے سوا اس نے بھلا سے اور کیا تھا۔

"ہم اندر گیسٹ روم میں ہیں بی بی جان۔ آپ بابا صاحب کو بتا دیں۔"

انھوں نے ماہین کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

www.Paksociety.com

☆—☆—☆—☆—☆—☆—☆

"آؤ بابین۔" روشن آرا نے گم صم سی کھڑی بابین کو مخاطب کیا تو وہ اسے تاثرات سے عاری نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

اندر کا موسم بھی اور تھا۔ روشنی کے اپنے چہرے پر اتنے رنگ تھے کہ وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔

بیگ کس لمحے چل رہا تھا کہ وہ اسے کھولی کر لیا جائے۔ اس کے لگے ہی بابین اسے بتانے والی تھی۔

"دیکھ لیجیے مسافی جان۔ کیا حال ہو گیا ہے بے چاری کا۔ کتنی دنوں اور راتوں سے وہ ماموں کو دعائیں لکھتی۔" بابین نے سلام کے فوراً بعد روشن آرا سے شکوہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

"بعض لڑکیاں دیکھنے میں اچھی آتی ہیں اور وہ ایسی ہوتی ہیں جو ہوا یا خوشبو کی علامت کہا جاتا تھا۔" بابین نے روشنی کی طرف اشارہ کیا۔ "ان کی طرف دیکھتے ہوئے لگتا ہے جیسے ہوا میں خوشبو ہی نظر آ رہی ہیں۔ جو ہوا میں خوشبو ہی نظر آ رہی ہیں۔ بظاہر اپنی حاضر دماغی ظاہر کرتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

"لگتا ہے بابین آپی ہی خود بہک" روشنی کو بے چینی ہوئی۔

"ابھی دیکھی ہے ہم نے لوگ نظر نہیں آتے ہیں۔ معصوم بچی چلی ہوئی دل میں ہی ہوں۔ آداب کرنا بھول گئی ہو میں ہاتھ ہلا کر بابین کو سلام کیا اور اپنی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

پھر وہ بیگ لیے باہر کی طرف چلی گئی۔

"بابین آپی اسے کیا ہو گیا ہے؟" روشنی کی نگاہ کے تعاقب میں بابین آپی اسکرین پر نظر آنے والی اسکرین کو دیکھ کر رہ گئی۔

"کتنے دن سے لگا رہی ہو تم لوگ۔ روشنی کے بھر۔ سے والی اسکرین کو دیکھ کر رہ گئی۔

"بیٹ سے اطلاع ہوا ہے" تابیے نے وضاحت کی۔

"اور کتنے دن ہیں تم لوگوں کے۔"

"ایک تو چھٹ بھی ہوتی ہے" ثنا نے اطلاع دی۔

"ہاں گاؤں سے جوش و خروش سے بھاگی تھی نا۔" بابین ہنس پڑی۔

"ہم جیسوں میں گرفتاریاں ہیں تو یہی حال ہوتا ہے۔" ثنا نے بھی حصہ لیا۔ عجیب سی بات تھی اس کے لہجے میں۔

بابین کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی جانے اسے کیا یاد آ گیا تھا۔

"کھوہاں کی اموگی تھی اسے اموگی کے پیسے دیے اور گھر کیلئے رنگ سے منگوائی۔" روشنی نے قصہ گوئی کیا۔

"کس سوچ میں گم ہو گئیں؟" ثنا نے روشنی کو ٹوکا۔

"یہ کہ میں سوچ رہی ہوں ایک شادی پر اگر دو اموگیاں خرچ ہوں گی تو لوگ دو بے گھر ہیں گی اموگیوں کا خرچہ ہے۔" روشنی سنجیدگی سے گویا ہوئی۔ لفظوں میں بڑی بے ساختگی تھی۔

روشنی ایک دم خیالوں سے اموگی کی طرف بڑھی تھی اور وہ بیٹھ کر اسے ڈانٹ کرنے لگی تھی۔ لفظوں میں وہ پیار سمیٹ کر بھیج رہی تھی ساتھ ہی کھینچا کر تالی بھی پیک کر رہی تھی۔

"مسافی سے تو کہتا ہے روشنی کو" بابین بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں بھی اموگی بیوقوف آتی ہے اسے سمجھانی بھی جائے گی تو دیکھیے گا اسے فون بھی بہت اچھا آتا ہے۔" اموگی کی تعریف بابین نے دلچسپی کی تھی۔ "کون سا گانا تھا وہ؟" روشنی نے ثنا کی طرف دیکھا تھا۔

"اموگی اموگی ہے۔ ہاں۔ سے والے کون سا گانا تھا وہ؟" روشنی نے ثنا کی طرف دیکھا تھا۔

"اموگی اموگی ہے۔ ہاں۔ سے والے کون سا گانا تھا وہ؟" روشنی نے ثنا کی طرف دیکھا تھا۔

"کر رہے ہو بے کہ شادیات ہو رہے تھے۔" بابین نے ہنسی کی تیز حرکت سے ان کی مست دیکھا۔

"کچھ کرنا چاہا کرتی ہیں؟"

"بیٹے گھر" بابین نے ایک جملے سے بہت اصرار کیا ہوتی ہے۔" روشنی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"بابین آپی سب کی آنکھ مشاقی نظر آنے لگی تھیں۔

اے مصورِ شیخ تیری تصویر ادھوری ہے ابھی

ان کے ہاتھ میں گانا کرتا بابین کے پہلو میں بیٹھی روشن آرا کو دیکھا۔ ایک دم جھینپ گئی۔

"سوری پلیز جانا" اس نے تکلیف سے الفاظ ادا کیے۔ بابین نظریں جھکا کر ہنسی۔

ایسی کیا خاص بات ہے اس میں جانے اس کے لیے بھی عالی کا ذکر ہے۔" بابین نے سوچا۔

"بہت خاص بات ہے اس میں ہمارے مصور بھائی بھی ادھر کام کر رہے ہیں یعنی صرف لائٹ ہاؤس کا ہی نہیں ہے" روشی نے بڑے تاسف سے کہا۔

"یعنی مطلب یہ کہ تمہیں لائٹ ہاؤس ہے عاشرین غور سے سن لیں بلکہ فوراً نوٹ کر لیں" روشی نے چہرہ دائیں بائیں گھما کر گویا اعلان کیا۔

"چلو ٹھیک ہے کتنا ہی شارٹ نوٹس کیوں نہ ہو روشی کا صرف لائٹ نہیں کریں گے بلکہ دلچسپی بھی ظاہر کریں گے" روشن آرا نے مسکراتے ہوئے کہا اور گویا اپنی کیفیت میں تبدیلی پیدا کرنے کی شعوری کوشش کی۔

"امید ہے مہمان آ گیا ہوگا۔ آخر بی بی جان نے کہا ہے بڑی مشہور مالکن ہے" زری نے شرارت سے کہا۔

روشی یک دم چپ ہو گئی تھی اور لگا جیسے بے ساختہ دروازے کی سمت اٹھ گئی تھیں کہ جیسے وہ وہاں سے ہو کر ہی گزرتا رہتا ہو۔

"میرے خیال میں ہال میں سانپ آ گیا ہے" بیبے نے سنجیدگی سے کہا۔

لڑکیاں گویا اچھل پڑیں "کیا مطلب" وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں ہال میں بھی کبھی کبھی سانپ نکل آتے تھے جس کی وجہ سے عالیہ کا خدشہ نکلیں بھی تھیں۔ روشن آرا اور ماہین بھی تشویش بھری نظروں سے ہال میں نظر دوڑانے لگی تھیں۔

"بھئی روشنی پھر گئی ہو گی ہے نہیں بھی سانپ سونگھ گیا ہے۔"

"بدتمیز" سب ہنس کر دوبارہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں۔

"امی بتا رہی تھیں ایک مرتبہ کاکو جان کو بھی سانپ نے ڈس لیا تھا۔ بہت حالت خراب ہو گئی تھی ان کی" زری نے اطمینان کا سانس بھرتے ہوئے گویا اپنے ڈر جانے کی توضیح پیش کی تھی۔

"ہیں بی بی جان" تانیہ نے پھر بھی سے تصدیق چاہی۔

"ہوں" روشن آرا نے ٹالنے والے انداز میں ہنکارا بھرا اور ماہین پر اچٹتی ہوئی ایک نگاہ ڈال کر دھیمی آواز میں ایک مرتبہ پھر وہ گم صم سی نظر آنے لگی تھیں۔

"آؤ ماہین۔ اوپر بھائی نعیم کے پاس چلتے ہیں" وہ بہت شدت سے تم لوگوں کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں" کچھ برا ہونے کی محسوس کی تھی ماہین نے ان کے لہجے میں۔ اب تو وہ حویلی والوں سے اچھی واقف ہو چکی تھی کہ کبھی اندازہ ہو جاتا تھا اور نہ الجھن میں پڑتی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت حویلی میں کسی قسم کی کھلبلی مچی ہوئی ہے شاید دوسری خواتین کو ساتھ بھیجی ہوں گی۔ وہ اطمینان بھرے انداز میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

کھانے سے فراغت کے بعد لڑکیوں نے جلدی جلدی عشاء کی نماز پڑھی تھی اور دعوتی کے کر بیٹھ گئی تھیں ہوا عالم باب کے تمام خواتین بھی وہیں آ گئی تھیں۔

روشنی کچھ کہنا کرنے سے گھبرا رہی تھی اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ خاصا سر درد ہو رہا تھا۔ تھکن سے ہوئے تھے

"روشی بتاؤ کہاں سانپ گھسا ہے؟" بڑی دادی کا اندازہ غلط تھا اس نے روشی سے تصدیق چاہی۔

"دادی اماں کا کمرہ ہے اس کے پیچھے کی جانب" روشی نے بڑی بوڑھی کی طرح سے کہا۔

"ہائے اللہ اماں کا کمرہ" دادی اماں کے کمرے کی جانب کی کھڑکی کھلی رہتی ہے اس طرف سے ہی آیا ہوگا" بڑی دادی نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"سوہنا لیمپ لا کر مجھے دے شانے سے لگ گئی۔ مجھ کے پیرے پہان محبت لگ گھر گیے۔

"بہت شیطان ہیں یہ" تانیہ نے آہستہ سے کہا تھا۔

"پھر بی بی جان سے پوچھ لیں بہت گانے آتے ہیں" لالی نے کہا تھا۔

"تمہاری امی کو بھی کم نہیں آتے تھے" بڑی دادی کی ہوتی راتی تھیں اور یہ گھر کی شادیوں میں بھی دعوتی جاتی راتی تھیں" سوہنی نے بڑی کر روشن آرا کو چھیڑا۔

"ہیں بی بی جان سچ کہہ رہی ہیں امی؟" لالی نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"ارے توبہ کرو مجھے کہاں آتے ہیں گانے وانے۔ اسے ہی سلمہ بھابی نہیں راتی تھی نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا بھی اوقی جاتی راتی تھی" روشن آرا نے مسکرا کر ماہین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"چھاتا نہیں۔ آپ کے زمانے میں جب حویلی میں شادیاں ہوتی تھیں تو سب سے اچھے گانے کون گاتا تھا" حوریہ نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

خواتین کے چہروں سے مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی تھی نزہت نے روشن آرا کی طرف سے سامنہ دیکھا تھا۔ ایک دلخراش سی خاموشی ماہین نے ماحول میں محسوس کی تھی اس نے سب کے چہرے پر باری باری ایک بہت ہی گہری نگاہ ڈالی تھی اور اٹھ رہی تھی وہ پڑھ رہی تھی۔

"تائی جان ہاں امی؟" روشی نے روشن آرا کو مخاطب کیا۔

"اے کیا بے کار کی باتیں کرنے لگیں بچوں کے سامنے" روشن آرا نے جھلا کر کہا۔

"کوئی خرے دار سا گانا یاد نہیں آ رہا" حوریہ ماہین پر زور ڈالنے لگی روشی دعوتی پر تھاپ لگانے لگی۔ بیبے وہ جانا نوٹ کر لیا۔

"کھڑکی سے ہوا اندر آ رہی ہے لگتا ہے کوئی کھڑکی کھلی رہ گئی ہے" تانیہ نے جھرجھری لی۔

"ماہین بھائی سے پوچھ لو" سوہنی نے سہیلی کو مشورہ دیا۔

"ہاں ماہین تم تو گھر کی ہی ہو گی ہو گی یاد ہوں گے یا" "ہمیں" بھی یہ گھر بھی گھن بھی ہوں گے" روشی نے بھی اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

ہال میں پھر جلترنگ بج اٹھے۔ گا رہے تھے۔ ہوا نے راکھ سے ایک چنگاری جو ہوا دی تھی وہ پھر راکھ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ماہین کے ہونٹوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

اندر ایک مستقل سی کیفیت کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ وہ بظاہر ہال میں تھی مگر ذہن کبھی اپنے بیڈ روم میں پہنچ جاتا کبھی گیسٹ روم میں۔ مگر آگے کا لمحہ سراسیمہ کر دیتا۔ اس نے روشی کی سمت دیکھا۔ ننھی بچی جھولے کے پینگوں میں ایسی مگن تھی کہ اس کی آنکھوں میں روشنیاں اتر آئی تھیں۔

"یہ باری کہاں ہے۔ ابھی تک واپس نہیں آیا۔" وہ کسی وسوسے سے چونک پڑی۔ تب ہی کوٹھی کی بتیاں روشن ہو گئیں۔ روشی کے دل پر اس نے بڑی شکر گزار نظروں سے ماہین کی سمت دیکھا۔ اتنی دیر میں کسی نے اس کا نام تو لیا۔

"خوشی کی تقریب ہے۔ آپ تو مصروفیات میں گم ہو گئیں اتنا نہ ہو گیا تھا صبح کے بہت لوگوں کا بھی آنا ہوا۔"

"صبح مصور کے ساتھ ہی دیکھا تھا باتیک پر جا رہے تھے دونوں کہیں۔" رفیعہ بیگم نے بھاوج کو جواب دیا بہت ضروری خیال کیا۔

"خوشی کا موقع ہے بی بی جان جھومر کو بھی ادھر ہوا لیا کریں۔" ماہین کو مطرب کی نحیف آواز کا دھیان آتے ہی جھومر کا خیال آیا۔

"بابا صاحب نے بچہ والوں کیلئے اسے کو ہاٹ بھیج دیا ہے۔ ظفری کو اپنی ہسپتال میں داخل ہو گیا ہے۔ ہاں وہ تین چار دن اسے وہاں رکنا پڑ جائیں گے۔" رفیعہ بیگم بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں۔

"کوہاٹ میں اس کا کیا کیس ہے؟" ماہین نے دریافت کیا۔

"کیس ہی سمجھ لو۔ بڑے ہوتے ہیں خود ہی کہا تھا وہاں جانے کو۔" رفیعہ بیگم بولیں۔

"کس سے بابا صاحب سے؟" ماہین نے جانے کیا سوچ کر پوچھا۔

"ہیں۔ بھابی بیگم سے کہتی ہے بھروسہ کچھ کو ہوتا ہے۔" وہ تزئین کی سمت دیکھتے ہوئے بڑبڑائیں۔ تزئین کی کنپٹی میں کہرام مچا تھا۔

اس لمحے لڑکیوں نے گیت چھیڑ دیا۔

ن ری سکھی موہے جانا بلائے

وہ سب یکدم لڑکیوں کی سمت متوجہ ہو گئیں۔ بلکہ تزئین تو گھوم کر خود بھی گانے میں شریک ہو گئیں اور اشارے سے فضہ کو بھی قصہ لینے کہا۔ ساتھ ہی ماہین کو بھی اپنے برابر آ بیٹھنے کیلئے اصرار کیا۔

فضہ تو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئیں ماہین نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ہلا کر معذرت کر لی۔

اسی دوران باری اندر داخل ہوا تھا۔ روشی اسے دیکھ کر اٹھ جانے میں اور سُر تال ملانے میں اسی سبقت تھی کہ اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے باری کو نہیں دیکھا تھا اور جب وہ رفیعہ بیگم کو باہر آنے کا کہہ کر ایک بھرپور نگاہ روشی پر ڈال کر واپس پلٹا۔ تو روشی جیسے کسی خواب کے محل سے باہر آئی تھی مگر اب اس کی سمت باری کی پشت تھی وہ کھیل کھیل کے تکیے فوارہ سے ہٹا رہا تھا۔ کپڑوں پر پڑی سے تمام تکیے اس کی دن بھر کی مصروفیت کی چغلی کھا رہی تھیں۔ رفیعہ بیگم بھی اس کے ساتھ ہی پائنتی سے تکیے ہٹانے لگی تھیں۔ تب ہی بابا صاحب نے طلب کیا تھا۔

"ارے علی باس کر دیا گانے کا اور ایک بھی سر سدھ ہو رہے ہیں۔" لڑکیوں سے مخاطب ہوئے۔ "آؤ بچو کچھ ہو جائے۔" وہ بھی کچھ ہی لمحے روشی

کو دیکھ پائی تھی جیسے وہ بھی اسے ایک لمحے کو دیکھ پایا تھا۔ وہ بظاہر سنجیدہ تھا۔ روشی نے ماہین سے پوچھا۔

"بی بی جان گانا کیا ہوتا ہے؟" ماہین نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

ماہین کے ہونٹوں پر پہلی مرتبہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

وہ گانا گانے لگیں۔ روشی کے کان ان پر مرکوز ہو گئے۔ ماہین نے بتایا تھا۔ وہ بابا صاحب کی بیٹی ہیں۔ روشی کو یہ بات بہت اچھی لگی تھی۔ اس نے ماہین کی سمت دیکھا۔ وہ بھی اسی کی سمت دیکھ رہی تھی۔ روشی نے ہونٹوں پر پہلی مرتبہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

ماہین ن

"ابھی آجاتی ہوں آپ بیٹھے بیٹھے تھک بھی جاتی ہیں" اس پر کسی کے اصرار کا مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکل آئی تھی عجیب سی بے کلی تھی جی چاہ رہا تھا کہ وہ سارا بیٹھا جائے۔

کافی کا کہہ کر آئی تھی کافی تو بنانا ہی تھی مگر کچھ سوچنا بھی تھا بہت سی خواہشوں سوچوں سے کیف کشید کرنا وہ بڑی بے خبری کی کیفیت میں مگن میں داخل ہوئی تھی مگر مسرت کے احساس سے جیسے محروم کی گئی۔

ماما لیڈ پر بڑی ڈائننگ ٹیبل کے سامنے ہاری بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ یہ تو اس کے وہم میں بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے ماما بولا اور گلوبند ان کے سامنے کھڑی جانے کن خوش گمانیوں میں مصروف تھیں مسرت کے سامنے تھرکتی تھرکتی رہ گئی تھی۔

"خیریت روشنی پی پی۔ ہم اب بھی تو ایک جگہ اکٹھی ہو گئی وہاں آواز دیں ہم آ جاتی ہوں گی" سب سے پہلے ماما کی نظر دروازے میں ایستادہ روشنی پر پڑی "ایک دم گڑبڑا کر گویا ہوئی۔

"کوئی نہیں بلا رہا میں تو کافی بنانے آئی ہوں" وہ ماما کی کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھی میز سے ٹرے اٹھائی۔

"میں بنا لیتی ہوں کافی۔ سب پئیں گی؟" ماما نے اپنے مخصوص خاموش انداز میں کہا۔

"دو تین کے علاوہ تقریباً سب ہی پئیں گی۔ مگر کافی میں خود بناؤں گی آپ لوگوں کو ہمارے گانے اچھے لگتے ہیں جب ہی بچن کو" بائے پاہو" بنا لیا۔" وہ مسکرا کر نظروں ہی نظروں میں ٹیبل پر کھل مچاتی ہوئی گویا ہوئی۔

"ہم تو گانے سننے کیلئے ہی بچن کا کام جلدی جلدی سمیٹ رہے تھے" آپ لوگ تو بہت اچھا گاتے ہیں ہمیں اپنے گانے آتے ہیں آپ کو" ماما نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"ہم نکلنے ہی والے تھے یہاں سے کہ خان آ گئے ان کیلئے کھانا گرم کیا مسرت کہہ رہی تھی کہ ان کے بغیر ہمارے نکلیں۔" گلوبند نے مزید تفصیل بیان کی۔

"ہاں بھئی۔ خان تو ہیں ہی سرے پاؤں تک بے ترتیب کوئی وقت ہی نہیں جب دل چاہا کھا لیا۔ جب دل چاہا سو گئے" باری بالکل ہر کھانے میں بہت سلیقہ تھا مگر اس کی ساری توجہ اسی ستم گر کی طرف تھی ہوا اس کی روح کی غذا بن چکی تھی۔

"بے مہار تقلید بھی بے لاابالی میں شمار ہوتی ہے" عمر خضر فرماتے ہیں عورت بے لاابالی ہو تو گھر سے برکت اٹھ جاتی ہے" اس نے کانٹے میں گھیرے کا ٹکڑا پھنساتے ہوئے بڑی تیز مسکراہٹ کے ساتھ حصہ بنایا۔

مسرت تو خاک نہیں بھی۔ ماما کی صرف آنکھوں تک مسکراہٹ محدود رہی البتہ بالو وہ اپنے میں سمٹ گیا۔ روشنی کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ تو بڑا "حوالات مند" ہو گیا ہے۔ ان کا مذاق موں کے سامنے ہی شروع ہو گیا۔

"خان امرشہ نے تو یہی کہلے گیا ہو گا ہر عورت کیلئے تھوڑا بہت اسی طرح کی باتیں تو گھر والی کے بچے کی ہوتی ہیں" اس نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے گویا کی۔

"ہیں؟ ہو سکتا ہے آپ ٹھیک فرما رہی ہوں مگر یہ یاں اگلی بے ادب کہاں ہوتی ہیں کہ ان کیلئے اس طرح کی باتیں کی جائیں" وہ بڑی سادگی سے کہہ رہا تھا بیٹھی بیٹھے کی اچھا کر دی تھی۔

"سب ایسی قسمت والی ہوتی ہیں" اس نے اپنے حساب سے بھیجے سے تھپڑ سے کیلئے کہا تھا۔

"مگر جس بے چارے کی قسمت میں ایسی بیوی لکھی ہو اس کی روح کیسے تڑپتی ہو گی" اس نے کھلے دل کے ساتھ اپنے سب سے چھوٹے بچے کو داد دی تھی۔ بالو بیچارہ کیا سمجھتا کہ اس کی ماں اس کے باپ کے بارے میں کیا کہہ رہی ہے۔ وہ تو بس اپنی "حوالات مندی" کی شرارت ظاہر کر رہی تھی۔

روشنی کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی "ماما تم کبھی نہ سدھرو گی" ہونہہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"آپ تھرڈ کریں حالانکہ آپ نے بڑا اچھا "ہوا" دیا تھا" مسرت نے اس کو چھیڑا تھا۔

"تھرڈ تو حق ہے ماما۔ تکلیف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ناقابل دوسری سزا۔ ایک انسان کو اس کی تکلیف ناقابل برداشت ہوتی ہے اور سزا کی تکلیف عذاب ہوتی ہے اور ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ سمجھیں روشنی پی پی" اس نے اپنی دانست میں بڑی مدلل بات کی تھی روشنی نے اس کو بری طرح مخاطب کیا۔

"مجھے کیا پتا۔ آپ کے پاس تو ہر قسم کے پرابلمز کیس کا حل لے کر حاضر ہوتے ہیں کبھی ہمارا مسئلہ بھی لے کر آئیں ہمارے پاس نہیں آتے۔" اس نے جیسے جل کر جواب دیا۔

"اللہ کسی کی پرسنل لائف خراب نہیں کرتا" آپ کوشش کرتی رہیے شاید آپ کے پاس بھی آنے لگیں" اس نے بہت محظوظ ہوتے ہوئے کہا تھا اور وہ تین چمچے کھا کر نیپکن سے ہاتھ پونچھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کافی پئیں گے خان۔" گلوبند نے پوچھا

روشنی اس کے کافی اصرار پر پہلے ہی مل کر خاک اور ہی تھی اب اور جانے کیلئے اس کا جھکاؤ اس کی طرف نہیں ہوا تھا۔ وہ تو بس روانگی کر رہا تھا اب وہاں سے اٹھنے کا کہے۔

"ارے نہیں بھئی۔ میری عمر کے ساتھ بڑی اذیت ناک بے جلدی ہوا چاہتا ہوں آج۔ بہت تھکن ہے۔ آپ لوگ میں بیٹھ کر گپ شپ لگائیں۔ یوں بھی رات کو چائے کافی پینا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی" سارا دن ہوتا ہے کھانے پینے کیلئے رات سونے کیلئے ہوتی ہے" وہ ہوشیاں ہی رات کو جاگتی اچھی لگتی ہیں۔ ایک الو دوسرا ساتھی۔ نہ بھی الو ہوں الو ساتھی۔ حالانکہ دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے"

"توبہ خان آپ تو پوری کتاب ہی پڑھ کر سنانے لگے۔ سیدھے سیدھے "نہ" کریں" ماما کی بھی بھوک گئی تھی روشنی کا تو اس نے صوفے پر ہی ڈھیر ہو کر پھر سے دراز ہونا شروع کر دیا تھا۔

اس کی نیند یہیں کے کام اس کے کام وہ اس سب کے بعد ہے۔ کیا ماما پر ہونا اس سب کے بعد ہے۔ کیا ماما پر ہونا اس سب کے بعد ہے۔ کیا ماما پر ہونا

"روشی بی بی! ابھی یہ نہیں جانتا خود ہی تو کالی ماتا بھی نہیں تب خود ہی بھوڑ کر چلی گئیں" ماما نے باری کی طرف دیکھ کر ہونے جیسے بڑے سمجھدار انداز میں کہا۔

باری ابھی کسی گہری سوچ میں تھا۔

"حویلی کی ساری لڑکیاں بڑی سادہ اور معصوم ہیں۔ حویلی میں شہزادی تو صرف روشی بی بی ہے۔ وہ اکثر باہر جاتی ہے اور شاہوں کے ہاں انویٹیشن ہوتی۔ ہوا ہوتا ہے" وہ مسکراتے ہوئے ماما کو سمجھا رہا تھا مگر یہ سوال ہنوز اس کی حیرت کو ختم کر رہا تھا۔

"یہ تو بچے سمجھنے شروع ہی سے ان سے ڈرتا ہے یہ وقت تھا خوف کی نظر آتی ہیں" کہتے ہوئے باری کی آواز میں اداسی تھی۔

"اب پتہ نہیں ظرا کوئی فیئس کی پالتیں" ماما خود کلامی کرتے ہوئے کوئی بڑبڑانے لگی باری کچن سے باہر جانے لگا۔

ماہین تو اپنے اندر کی اداسیوں سے گھبرا کر ہال سے باہر آئی تھی یاور علی خان کو دیکھنے کو تو یہاں آنا تھا۔ اب اس کی نظریں گیسٹ روم کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ چاہ رہا تھا بھاگ کر وہاں جا پہنچے اور تیمور علی خان کو بتا دے کہ وہ سب جانتا ہے مگر فرصت میں اپنی بہن سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ تو اسے سرائے لے چلیں" ابھی اسی وقت۔

وہ دو آدھے کی سیڑھیاں اتر کر گھاس پر چلنے لگی وہ انتظاری انداز میں اپنے ہاتھ مسل رہی تھی۔

اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس حساب میں اتنی عجلت سے کام لے رہی ہے زیادہ سے زیادہ یاور علی خان کے بھائی کی اتنا ہے ہوگی کہ وہ اسے چھوڑ دیں گے۔

ذہنی عذاب تو یوں بھی ہے اور یوں بھی۔ روشی کی شادی ہو جائے گی جو اور ہو جائے گا اسے تو اب یہاں رہنا ہی رہنا ہے۔ کم از کم اتنا تو ہو جائے گا کہ بچے اپنی ماں سے مل لیں۔ نادیہ اپنے بچوں کو ایک بار دیکھ لے گی۔

وہ بے اختیاری کیفیت میں گیسٹ روم کے دروازے تک چلی آئی تھی اس احساس سے بے خبر کہ کسی نے اسے اس طرف آتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔

اس نے دروازہ نوک کیا۔

کوئی آواز سنائی نہ دی اس نے دروازہ دوبارہ نوک کرنا چاہا ابھی ہاتھ فضا میں ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ تیمور علی خان درحقیقت شاک لگا تھا۔

"اندر آ جاؤ اتی ہوں" اس نے نگاہوں میں نگاہ ڈالا کرتے خوشی سے کہا۔

"تکلیف نہ دیجئے" انہوں نے الجھن بھرے انداز میں ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا۔ وہ اندر چلی آئی۔ پیٹ گرا دروازہ بند کیا بلکہ لاک لگا دیا۔ تیمور علی خان اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہے تھے۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے اجازت طلب کی۔

"اوہ شیور۔ پلیز بیٹھیں" انہوں نے بہت مہذبانہ انداز میں صوفے کی طرف اشارہ کیا وہ چلتے آ رہا تھا۔

وہ بیٹھ گئی۔ ضروری تمہید میں الجھنے کی بجائے اصل بات کرنا چاہتی تھی۔ "آپ کو پتہ ہی ہوگا۔ ہے کہ میں کون ہوں" وہ کہنے لگی۔

"پلیز آپ بھی تکلیف نہ کریں۔ اس طرح مجھے بات کرنے میں دشواری ہوگی" تیمور علی خان ایک طرف ایک پیڑ پر بیٹھ گئے۔ ماہین ان کی نظروں سے الجھنے لگی تھی۔

"ایک درخواست ہے آپ سے" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"جی فرمائیے" ہے تو ان سے۔

"آپ مجھے میری امی سے ملوا دیں پلیز کر لیں اگر میں ان سے ملنا چاہوں تو مجھے ملنے دیں گے پلیز"

تیمور علی خان اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ چہرہ کچھ سرخ ہو گیا سانس کا زیر و بم بڑھ گیا۔

"جی۔ لیکن۔ آپ" ان کے پاس جیسے الفاظ ختم ہو گئے وہ رک گئے۔

"جی میری حقیقی ماں ہے گاؤں اور گھر میں ہیں۔ وہ بیس سال سے علیل ہیں۔ آپ ان کی فکر میں ہیں۔ ان کا پتہ رہے ہیں۔ آپ یہ صرف آپ ہی تو نہیں سمجھ سکتے تھے کتنی زیادتی کی ہے آپ نے یہاں کے ساتھ" اس کی آواز بھرانے لگی۔

تیمور علی خان کی گرویلی سلب ہو گئی۔ وہ اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ کتنی ذہانت تھی اس میں نازنین کی جب ہی تو ایک لمحے کے لیے بھی جذباتی نہیں ہونے دیتی تھی۔

"بیس سال بعد اچانک حویلی والوں کو کیا ہو گیا؟ آپ کے ساتھ یہ حویلی کس نے کی تھی؟ اگر آپ ان سے ملی بھی نہیں تو کیا ہوگا۔ وہ خود تو کسی سے ملنا نہیں چاہتیں" تیمور علی خان بہت غور غور کر بول رہے تھے۔

گرے ہائٹ سوٹ پر سلور پرنٹ کا گاؤن پہنے گوری سوچوں میں گرفتار وہ آج بھی اتنے جلال اور حسین نظر آ رہے تھے جتنا بیس سال پہلے مغرب کے ہوٹل اڈانے کیلئے تھے۔

"ان کا چاہنا جھوٹ ہے جھوٹے چاہنے پر توجہ فرمائیے۔ ماہین بے ساختہ کہہ رہی تھی۔

"ہماری will کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ہم آپ کی خواہش ان تک پہنچا دیں گے اور جو بھی ان کا جواب ہوگا آپ تک پہنچ جائے گا۔"

"خواہش نہیں بھیجنا ہے۔ اصرار کریں گے۔ التجا کریں گے۔ پریشر ڈالیں گے۔ وہ مجھ سے ملنے جائیں گی۔ ہاں ہے روشی کے بیاہ سے پہلے ایک بار ملوا دیں" ماہین کا انداز تضاد جاتی تھا۔

"ہم نے کہا ناں۔ ہم اپنی کوشش ضرور کریں گے۔ آپ کا اطلاع ہو جائے گی۔ انہوں نے قدرے پرسکون انداز میں کہا "حویلی میں کسی کو معلوم ہے آپ یہاں ہیں؟" وہ قدرے ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں اس نے کہ حویلی میں کسی کو یہ بھی پتہ نہیں کہ مجھے معلوم ہے۔ نازنین خود بتانا چاہتی ہیں" اس نے نظریں جھکا لیں۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

تیمور علی خان چونک پڑے۔ "پھر آپ کو کیسے پتہ چلا؟" ان کی حیرت بجا تھی۔

"ماہین سکندر اللہ تعالیٰ کی ولی" کیا کریں گے جان کر۔ اور پھر فائدہ بھی کیا؟"

"ہم آپ سے ایک بات کہیں گے اور ضرور رکھیے گا" تیمور علی خان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی فرمائیے" ماہین نے قدم روک لیے۔

"زندگی سے سودے بھی ہے ہر تبدیلی پرانی ہو چکی ہے "تسلسل اسی طرح رہتے دیجئے" سے اللہ تعالیٰ بہت سے فوائد حاصل ہوں گے۔ اگر کچھ ہوا بھی تو یہ کہ انسان کی فطرت تبدیل ہو جائے گی"

"شکریہ ہم ضرور غور کریں گی" اس نے گہری سوچ میں ڈوبے کہجے میں جواب دیا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی تھی۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بہت دنوں سے کوئی بوجھ اٹھائے پھر رہی تھی آج اچانک ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

"مہندی لگانے میں تو خالہ سواتے باہر تھیں خود بھی مہندی لگانے اور پھول پہننے کی بہت شوقین تھیں ماں کی کمی تو یہ سوا آنے تو ہر وقت پوری کی ہے۔ انہوں نے کبھی مرتے دم تک یہ حقیقت تسلیم نہیں کی کہ وہ یہاں ہیں۔ ہر طلبگار تھا کہ اس کے شوہر فسادات میں لاپتہ ہو گئے ہیں اور ایک روز انہیں اچھوتے ہوئے ضرور آ ملیں گے۔"

"مگر انہیں چوڑیاں مہندی کی تعریف تھی" ثریا نے مگر کے مہندی سے سجے ہاتھوں کو تعریفی نظروں سے دیکھا تھا۔

"انہیں خالہ سواتے کیوں کہتے تھے۔ "ایک روپیہ" کہاں تھیں کہتے امی جی اماں" ثانیہ نے آج پوچھ لیا۔

ثریا کی ہنسی چھوٹ گئی "بھئی ان کا تکیہ کلام تھا سواتے۔ جو بھی ان سے کہتا روپیہ دو انہیں خالہ سواتے کہہ کر پکارو تو خوش ہو جاتی تھیں۔ کیا پھر خوش ہوتی انہیں بھیجتے تھے۔ انہیں۔ ثریا تکیہ کلام ترک کر دو مگر ان کے پیسوں کا وعدہ کرو تو بھاگ کر آتی تھیں۔ خالہ میں کہا کرتے تھے مگر اس کی تو دنیا میں ہے نہیں سوا آنے کہتی تھیں۔

کوئی ایسی عمر بھی نہیں تھی۔ برسات کے موسم میں انہیں ڈائریا ہو گیا تھا اور وہی موت کا بہانہ بن گیا۔

یوں بھی اماں جی کی رخصتی کے بعد وہ بہت تنہا رہ گئی تھیں۔ بہت محبت کرتی تھیں اماں جی سے اور اماں جی کو بھی بہت لگاؤ تھا ان سے۔ ہمیشہ انہیں تاکید کی کہ خالہ کا احترام کریں انہیں نوکر نہ سمجھا جائے۔ گھر کا فرد سمجھیں۔ ثریا کی خواہش میں ان کا بھرپور دل ہوا تھا۔ سنبھل جائے گیا کیا ماتمی تھیں اماں مہندی میں۔ دایاں کے ہمجولیاں دلہن کے دھانے سے خوشبو میں بھیگتی رہتی تھیں۔ ثریا کی اداسی کو سوا آنے کی موجودگی سے خاصہ سوا آنے کا ذکر کرتی تھیں۔

"جانے کہی وہ کافی تھیں کہ کسی بات کی ان کی ان نے ہم سے بولی ہیں۔ کھوا ایک دانہ اور کانوں میں پہنا دے گا ہو جائے گا" انہوں نے گھر سے کہا۔

"جی بی بی جان۔ بس ٹھیک ہے" وہ سر جھکا کر دھیرے سے گویا ہوئیں۔

"ہو کیا بی بی جان۔ کیوں بے چاری کھوا پا کو ہاتھ کر رکھا ہیں۔ کون سا رسم ہو رہی ہے" سوا نے کہا۔

"کاکا جان آئے تھے کیا پتے گئے ہیں بی بی جان؟" ثریا نے پوچھا۔

"اختر بھائی کے لیے کیسے پتے جا کیں گے" سوا نے تو سے پوچھا۔ ثریا خوش ہو گئی۔

"ہو بھی سکتا ہے وہ کب سے بیوی نہیں سنبھالے ہیں سر پر کی۔ اماں سے کہاں محسوس ہوتے ہیں۔ بھائی بھی ہیں کہاں ان سے کہا رکھتے ہے وہ اماں سے بھی زیادہ" سوا نے بھی تصدیق کی۔

ثریا اداس سی ہو گئی تھی

"وہ ہاں ہوں اسے اٹھتے ہیں پھر وہ تھی کا کا جان سے ان کی ان کہاں ہے آج تک کسی نے نہ پوچھا تھا کہ کسی پر بھروسہ کرتے ہیں" ثریا نے حساب کیا۔

"اماں تو پھر یہاں کا کیا ہوگا۔ کوئی ضروری ہے یہاں کو ہو بات تالی ہوئے" اس مرتبہ ثریا نے تو سب سوا کے عادت اختیار کر لی تھی۔

ثریا ان تو آف سوا کو کچھ کر خاموش ہو گئیں۔ اگر پہنانے کے لیے کی بات نہیں تھی تو بے بھی کسی وہ اس موضوع پر اتی تھیں انہیں اسی طرح ٹوک دیا جاتا تھا۔

"گھر تم ہیا کرتا ہو۔ پھر تمہیں چوڑیاں بھی پہنا دیں" تمہیں چوڑیاں بہت شکل سے چڑھتی ہیں" ثریا جیسے کسی جالے سے ہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھیں۔

"چوڑیاں تو ہم سب نے بھی پہنا دیں بی بی جان۔ سوا کل کل کرتے آج کا دن آ پہنچا" ہیے نے یاد دلایا۔

"میرے خدا۔ وہ اسے چوڑیوں کے جوڑے بھیج رہے ہیں۔" ثریا نے گویا سر پیٹ لیا۔

"وہ تو سب پرانی ہیں آتی اہم تقریب ہے کیا پرانی پہنیں گے؟" وہ حیران ہوئی "آپ بھی بس حد ہے سوا ہی سے کہا ہیے وہ بھی آپ کی طرح کہہ دیں گی کہ وہی پرانی کی وہی پرانی ماں لا" ثریا نے جیسے خوشامد کی۔

"اچھا ٹھیک ہے دیکھتی ہوں۔ ماہین کو کہتی ہوں وہ تم لوگوں کے ساتھ چلی جائیں گی ایسے تو اسی تک ہو جائے ہاں نکل جاتا ہے کھا بھی نہیں لیں"

"خالہ سوا آنے بھابی ہیں" ثریا شرارت سے بولی۔

"ہاں اب تم خانہ کی تکہ سنبھال لو" ثریا ہنستی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"سوا سے وہی کو تو دیکھو۔ اسے نہ بھول جاؤ وہ سوا آف کر کے ساری تقریب کا ستیاناس کر دے گی۔ ثریا نے تو ہے ہوئے۔

"کہی جاتی ہوں۔ اس کے لیے کیا سوا آنے کا ہے ہاں کر دیں گی۔"

تھوڑی دیر بعد اطلاع ہوا کہ باہر گاڑی تیار کھڑی ہے ثریا کیوں تو جیسے خوشی سے دیوانی ہو گئی تھیں۔ ماہین کو گلے لگا کر۔

روتی اور۔ بی بی ہو گئیں تو ہم ان کی کھیا تھی ہو چکی تھی۔ ابتدا ماہین کے ہاتھ دلہن بیت اللہ تھی۔ ماہین بھی اچھی خاصی گھبرائی تھی کہ اتنی بھی تو تقریب پہلی تھیں۔ ہمیشہ اور گھر کے بڑے۔

"تم اندر آ جاؤ" ماہین نے ہاتھ پکڑ کر اندر لا کر بٹھا دیا۔ ثریا کے آنسو رکنے کا نام نہ لیتے تھے۔

www.Paksociety.com

دہ اگلے دن تک بحال ہو گئیں۔ "کاش ایسے موقعوں پر کیمرہ ہی ساتھ ہوتا" روشی نے دہائی دی۔

"کوئی بات نہیں، اگر دودھ گرم شیر ہے تو چلے گا۔ بچے دونوں کی گود میں بیٹھ سکتے ہیں" زاری نے بھائی کو چھیڑا۔

اسی خوشگوار ماحول میں پتا ہی نہ چلا۔ بلیو ٹھنڈ یکلخت شدت میں بدلیں۔ آسمان پر ایک گہرا سرخ حصہ نمودار ہوا۔ سب کی نظریں اسی کی طرف اٹھ گئیں۔ ساتھ ہی سب کی نظریں جھک گئیں۔ سب دعا میں مصروف ہو گئے۔

"روشی یہ کیسا ڈرامہ ہے؟" پیچھے سے سونا کی آواز آئی۔ روشی تو پہلے ہی تڑپ رہی تھی۔ آواز سنتے ہی بے اختیار اس کی طرف ہوئی کہ زاری نے روک لیا۔

"دروازہ کھول کر باہر جاؤں گی؟" وہ جھلائی۔

"کوئی ضرورت نہیں، یہ کوئی بلیو نہیں کہ ابھی پہنچ جائے گا" پیچھے سے ہمدرد نے ڈانٹا تھا۔

چوکیدار گیٹ وا کر کے اندر گھسا تھا۔ زاری نے گاڑی تیزی سے بیک کی اس پر گویا لڑکیوں کے حملے زاری کا اثر نہیں تھا۔

زاری نے پیچھے سے گاڑی گزار کر گیٹ بند کروایا تھا۔ بہت دھیمے سروں کی غزل تھی۔ آواز بھی بہت آہستہ تھی۔

"ماری آواز تو سنیے کہ وہ کیا صرف روشی کو بلا رہے ہیں" سونا نے زاری کو ٹوکا۔

"نہیں میں خود ہوں، ہاں ابا صاحب کو پتہ چلا کہ لڑکیوں کو فلمیں سناتا ہوا زاری لے گیا تھا تو کورٹ مارشل ہو جائے گا میرا۔"

"تو پھر روشی روبی کو روکی لے وہ اپنے کانوں میں ٹھونس لیں گی" کچھ نہ کچھ تو دونوں سن ہی رہی ہوں گی" لالہ نے پھر جل کر کہا۔

"کیا خیال ہے؟" آگے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی زاری نے روشی کو مخاطب کیا۔

روشی کی آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ "غلطی میری ہی ہے میں نے اسے خوامخواہ میں اہم بنا دیا ہے اپنے سے متعلق کر کے باوجود اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ پہلے سے بھی زیادہ دور اور اجنبی ہو گیا ہے۔

زندگی یوں تھی کہ جیسے کا سہارا تو تھا
ہم نفس نہ سہی اجنبی تو تھا

سلمیٰ آپا کی آواز میں زاری کی غزل کے اشعار سماعت سے ٹکرا رہے تھے روشی نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ آف کر دیا۔

"بند کر دیا کیوں بھئی؟" پیچھے ٹیپ دوبارہ شروع ہو گئی۔

"روشی کو غزل پسند نہیں آئی" روبی نے اطلاع پہنچائی۔

"چلو باری تم غزل ہی کچھ سنا دو" مانی نے فرمائش کی۔

"صحافی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ روشی کی ٹیپ ریزے ریزے" لالہ بولے۔

"سنو ہے؟" زاری نے کہا کر پیچھے کی طرف سوال اچھالا۔

"بات نہیں کرو مجھ سے" وہ غرائی۔

"ناراض ہو رہی ہے عمالی" روبی نے پیچھے اطلاع پہنچائی۔

"وہ ان کو ڈرامہ لگ رہا ہے۔ زاری بھائی کو ہیرو بنا کر پیش کیا ہے نا۔ بچہ تو وہ ہے اللہ بہت بڑا کرے گا اسے۔" لالہ نے قانون کے تحت بات کرنا مناسب سمجھا۔

"بہت غلط کیا ہے مطلب بگل جائے تو لوگ بچانے سے بھی انکار کر دیتے ہیں" زاری نے انگلی سے کہا کر طرف روشی کی طرف اشارہ کیا۔

اس کا بھی تو بھائی اس کا لے کر چلا گیا تھا تب سب شیطان کی خالہ کی اس طرف متوجہ تھے۔ روشی کو کھونے کا خوف ہی اسے کمزور کر رہا تھا۔ زاری کی شرارت بھی گیا تو کہ جھوٹ میں پتہ بھی نہ چلا۔

وہ سب روبی سرخوشی کی کیفیت میں اتر رہی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا سوگوار رنگ شامل کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گرش کے بار بار آ رہا تھا۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ اس نے کیا کہا، کیا سنا تھا۔ اسے بھی کہنا چاہتے تھے۔ وہ بھی کہنا چاہتے تھے۔ روبی اندر ہی اندر تڑپ رہی تھی۔

مگر جیسے جان نکل کر۔ گئی۔ روبی نے گھبرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کی ہتھیلی سے ہاتھ کھینچ کر کسی ٹھنڈی کی طرح اس کی حرکت پر ساکت ہو گئی تھی۔

روشی خود بھی بے حس ہو گئی تھی۔

زاری کے ہاتھ سے اٹھتی ہوئی ٹھنڈی سی مہک اسے آگ کی طرح محسوس ہونے لگی۔ اس کے ہاتھ کی گرمی سے روشی کا وجود سلگنے لگا۔

"بہت دن ہے گھر میں۔ میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میرا دل بہت خفا ہو گیا ہے بہت ہو گئی اگر آپ بات کو چھوڑ کر گھر سے نہیں آئیں تو میں چھوڑ کر چلا جاؤں گا" اس کی سرخوشی کی آواز سے اس کے ہونٹ ملنے لگے۔

"میں ہی نادان ہوں بے قصور ہونے کے باوجود" وہ کھو رہا تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑ دیں کیا سوچ رہے ہیں لوگ" اس نے کھینچنا چاہا تھا اس کے لیے میں۔ "سب دیکھ رہے ہیں"

"دیکھنے دیں۔ میں خود چاہتا ہوں دیکھیں قسمت والے ہو تو ایسے ہو" فخریہ ہو گیا تھا۔

"میں کا کیا بیان سے کروں گی" اس کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے تھے

"اسپول نے علی تو یہ ہاتھ میں دیا ہے" اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"لعنت ہو تم پر گرش" یہ روشی نے آہستہ کہا تھا جو صرف وہ سن سکا تھا۔ غصے سے ان کی طرف دیکھا۔

"روشی زاری بھائی کا کیا گیا ہے ہوش میں آپ لوگ ہیں کہ ہوش کھو بیٹھے ہیں"

www.Paksociety.com

www.paksociety.com

www.Paksociety.com

"ہم تو آپ کے لیے گفٹ لائے ہیں۔ ورنہ ہم تو ستارہ بیگم کے گروپ میں آل ریڈی شامل ہیں۔" تیمور کے انداز سے شوخی چھلکنے لگی تھی۔

"دوسری بات یہ کہ ہم اپنے ساتھ آپ کو بھی لے جا سکتے ہیں۔ اب تک وہاں آپ کا تعارف تو ہو چکا ہوگا۔ اور آپ نے کیا سوچا ہے؟" میں اس کا انداز دیکھ رہی تھی۔ تیمور علی خان نے فیروزی کرتا پہنا ہوا تھا۔ بھاری مردانہ وجاہت سے آراستہ چہرہ میں کی سحر انگیز مسکراہٹ۔ اچھی لگ رہی تھی۔

"میں کراچی بھی جاؤں گی۔ کچھ دن کے لیے آپ ہمارے کو وہیں لے آئیے گا۔" اس نے بہت خوش ہو کر تیمور علی خان کو دیکھا تھا۔

"اگر وہ رضامند نہیں ہوئیں؟" تیمور علی خان نے امکان ظاہر کیا۔

"اف امی بگڑ ہو چکی ہیں۔ بچے۔" ماہین نے بڑے دکھ سے یہ جملہ کہا تھا۔

"تو پھر میں وہاں سے ائیر ٹکٹ مرائے خود بھیج دیتا ہوں۔" اس نے فوراً دوسرا راستہ بتا دیا تھا۔

"بالفرض میں آپ کے ساتھ یہاں سے بھی جا سکتی ہوں۔ مگر یہاں بہت خوفناک زلزلے کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اب ایک کام سکون سے ہو سکتا ہے۔ تو بلا وجہ کی ٹینشن کرنی ایئر کرنے کا کیا فائدہ۔ سکون ہو گا تو ہو سکتا ہے کچھ ریلیف الاؤنس مل جائیں۔ یوں بھی ٹینشن ہو تو پریشر بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ اس تکلیف دہ کیفیت کے لیے میں ایٹم بم تک کھل رہا ہوں گی۔ آپ کی۔"

اس کے سر سے گویا بہت بڑا بوجھ سرک گیا تھا۔ وہ بہت پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔

"اب بھی نہیں بتائیں گی کہ جو بیلی میں کون آپ کا انتظار کر رہا ہے۔" تیمور علی خان کے ذہن میں اس سوال کی چھاپ اپنی جگہ تھی۔

"بتا دیں گے پھر کسی اچھے وقت میں۔" وہ مسکرائی۔ ہنسی کی تمام کہانیوں کے تک۔ وہ تیمور علی خان کے ہمراہ گھر آ رہی تھی۔

سامنے اس کی نظر سامنے ذینے کی طرف بڑھتی ہوئی ماہین خان آخری اسٹیپ سے واپس پلٹ رہے تھے۔

ایک لمحے کو تو جیسے وہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔ اپنے کیے پر شرمندگی کے سب اس کا سر جھکتا چلا گیا تھا۔ وہ بھی بھول گئی تھی۔ تیمور علی خان اس کی کیفیت دیکھ کر پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اگلی ہی پل تیمور علی خان اپنے سامنے کے موڑ پر گم ہو چکے تھے۔

"کون تھا؟" انہیں کچھ مزید غلطی کا احساس ہوا تھا۔ وہ لمحہ درمیان میں کھڑے ماہین سے گفتگو کر رہے تھے۔ ماہین نے تو انہیں بتایا تھا کہ یاور علی خان آئے ہوئے ہیں تو پھر ماہین نے کس کو دیکھا تھا۔

"وہ صاحب۔" ماہین کے لب سے نکل آواز تھی۔

"اوہ۔" تیمور علی خان نے گہری سانس لی ماہین کا چہرہ دیکھا۔

"ڈونٹ وری آپ فکر نہ کریں۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ کہہ گئے ہیں کہ میں آپ سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا۔ میں آپ کی ہر خواہش پوری کروں گا۔ آپ سے کچھ نہیں کہوں گا۔ وہ بہت مخلص لگتے ہیں۔ آپ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ کہہ گئے ہیں۔" تیمور علی خان کی پیشانی پر شکنوں کی لکیریں واضح ہو رہی تھیں۔

ماہین کا کوئی عزیز دوست ہو گا۔ وہ ویزہ میں مدد کرنے والے بہت سی باتیں کر کے جا چکا ہو گا۔ اس کی شریف طبیعت کی بیوی سے ہمدردی کرنے کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کر سکتا تھا۔ تیمور علی خان کو یہ سمجھنا مشکل نہیں لگا تھا۔

آپا۔ ہو گیا ہے وہ سب کچھ جس کے اندیشوں سے آپ لرزتی رہتی تھیں۔ اب میں آپ کو بتاؤں گی کہ میں نے اس کو پہچان لیا تھا۔ وہ اس نے پہچان لیا ہو گا۔ آپ نہ کریں اس سے ملنے جاؤں گی۔ آخر وہ میرا شوہر ہے۔ غیر مشکوک اور ملنسار ہے۔ میرے بچے سے بھی پیار کرتا ہے۔ میں نے دل و جان سے اپنا لی ہے۔

مگر آپا۔ کبھی یہ سب سن کر تم پر ایسا جنات لوشش میں آ کر وہ ہو گیا تھا۔ یہاں سے وہاں تک یہی بے مقصد گھومتی رہی تھی۔

عجیب عجیب سے خیالات کی یلغار تھی۔

اس کے ہاتھ کی گرفت ابھی تک ماتھے میں تھی۔

یہ بہت خراب ہے۔ گمان تو نہیں ہے ایسا۔ یعنی ہم خود سے ان کے پاس ہوں تو انہیں بری بری سوجھنے لگے۔ کبھی خود سے یہ نہ کیا کہ کچھ احوال پوچھ لیا جائے۔ میں کیوں جاؤں؟ قیامت تک کہیں وہ جیسے خوامخواہ ہی ادا کی جگہ میں پھنس گئی تھی۔

ہوا کا اب عاصب۔ گھوڑے سے اتر کے تو بھر کے پھٹکے پر اچھال آ گیا۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے باری تمہارے دوائے ام تمہاری ضرورت ہے۔ تمہارا خلوص تمہاری شدت۔ میں تمہیں چاہوں یا نہ چاہوں۔ مگر تم صرف مجھے چاہو۔ جب تک مجھے تمہارے خلوص اور اپنائیت کا یقین نہیں آ جاتا۔ میں یونہی بے کل بے قرار بھٹکتی رہوں گی۔ ہو سکتا ہے مر ہی جاؤں۔ بہم ہی والی عمر آپا۔

"بھولی! یاد ہے وہ بچپن کی بھولی؟" مجھے بابا نے آپ سے مکان میں اور کیوں تھیں۔ غالباً وہیں سے راجدھانی میں نمودار ہوا تھا۔

"بھولی؟ یہ پکارا تمہیں تو پسند ہے۔" اس نے کسی بے حد محبوب کو پرشوق نگاہوں سے دیکھا لائٹ بلب جیسا آواز اس میں وہ آواز حقیقت بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

"تم روٹھ گئے بالکل تنہا۔ کوئی بات ہو گئی ہے آؤ وہ اسے نظروں میں تولنے لگیں۔

"کچھ نہیں ہوا۔ ایسے ہنسنے لگ گئی تھی۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"ہاں کہ ہمارے ہوتے ہوئے کسی اور سے تمہیں محبت ہو جائے۔ ہم تمہارے ہوتے ہوئے کسی اور کو اپنا لو۔ ہم تمہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے

"بھوپھی۔" اب وہ انہیں کیا کہتی۔

"ماہین حسان تو تمہاری بھی خالہ ہیں۔ دوستوں کی طرح ہیں کوئی بات ہے تو ان سے کہو۔" انہوں نے اطمینان دلایا۔

وہ چپ چاپ کرن کی صورت دیکھتی۔ آج تو بڑی ہی غیر طرحدار محسوس ہو رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں ہے پھپھو آپا۔ آپ گیٹ تک ڈراپ کر دیں۔ میں بھی آتی ہوں۔ پھپھو اپنی غیر طرحداری کے باوجود بہت بھاری محسوس ہو رہی تھیں۔

"وہ کچھ لائر سے لڑ کر آئی۔ اپ سیٹ کم ہو جائے گا۔" وہ جانتے جانتے پھر مشورہ دے گئیں۔

اس نے بھی پورچ میں ہلی خان کو باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ جانے کیا یاد آ گیا تھا۔ بھوپھو کی حالت اس وقت بھی ایسی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر پھپھو کے کمرے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ آئینے کے وینٹل پر دادا دادی کی تصویر کھل گیا۔ اس نے سر اٹھا کر کے بھائی تو بہت سی ہلی خوشیوں کے جھونکے اس تک آئے۔ بھوپھو پہلے ماہین تیار ہوئی تھی۔ خوشیوں کی تیاری کی گواہ تھیں۔

سامنے سائیڈ ٹیبل پر داد اور ہلی خان اور ماہین کی شادی کی تصویر بڑے خوبصورت فریم میں لگی ہوئی تھی۔

وہ کشاں کشاں اندر چلی آئی اور تصویر اٹھا کر وہ پہلے سے سنبھالنے لگی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہیں آپ پیارے ساتھ۔ مگر۔ میری امی کی تصویر بھی تو دوسرے کونے پر ہونا چاہیے۔ انسان بھی کے جسم اٹھا دیتے ہیں تصویریں تو نہیں۔ جانے کیوں کیا محسوس ہوتا ہے۔ امی تصویر کی صورت کمرے میں نہیں ہیں۔ کہیں بھی نہیں ہیں۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکے اور فریم کے شیشے پر آ گئے۔ اس قدر بدقسمت لڑکی ہے کہ ماں کی محبت کا۔ ماں کا سب ہی محبت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر مجھے جیتی جاگتی نہیں آتا۔ ایسا لگتا ہے فرض ادا ہو رہا ہے۔ بے اختیاری اور بے ساختگی محسوس نہیں ہوتی۔ وہ جس کو محبت سے ہمیشہ دور رکھا گیا ہے۔ بھی کا سایہ اٹھتے ہی پڑ کر سو جاتا ہے۔ اگر کبھی اس کی خواہشوں میں اتر آتی۔ وہ بے پناہ کو بار بار نہیں کیوں بلایا جاتا ہے۔ دل آنسو ایک تواتر سے بہے

جی چاہتا ہے اپنی مظلومیت پر ہلی سے لپٹ کر روؤں پھر کبھی کبھی اس کی خواہشوں میں کمی نہ ہونے دوں۔

ماحول میں اتنی اداسیت گھل گئی ہے۔ تنہائی اور خوبصورت لمحوں کی موجودگی کے باوجود۔

وہ اپنی کیفیات کو کہاں تک پار لگاتی۔ عادت کسی ہوتی ہے۔ جب انسان اپنی خلیدہ خواہشوں کی تسکین کے بارے سوچنا دیکھتا ہے تو محروم رہتا ہے تو اس پر غالب آنے لگتے ہیں۔ اور کبھی ایسی قسم کے ہوا لے جانے لگتے ہیں اور وہ ان قسم ہلنے کی انکار میں پریشان ہو جاتے ہیں۔ آنسو اس قدر تواتر سے بہے ہیں۔ کہ اگر اس نے جھک اپ کیا تو وہ تو سب ہل جائے گا۔ آپ نے بیٹا۔ عمر کی تھکن کے باوجود رہتے آپ کے علم میں نہیں آ سکتے۔ میرے حواج کے لیے گھر بسانے

آپ کی ہدایتوں میں رہنا ہوا ہے۔ میں ہوا ہے۔

وہ پیچھے سے چونک پڑی۔ وہ دروازے پر کھڑی تھی۔

"کون؟" وہ جلدی جلدی پیچھے سے پوچھنے لگی۔

وہ بھی اس پر چونک کے ساتھ وہ ہوا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر آنے والے کو دیکھا تھا۔ پھر سے رونے والی ہو گئی تھیں۔ اس لیے اس نے بیگ کھول سے کھینچ پا اسٹ کیا تھا۔ جو کچھ کہ وہ ہوا تھا۔ سے ہوا تھا۔ وہ بھی ہوا تھا۔

اصل میں تو میں یاد خاں کی آواز بھی پہچان گیا تھا۔ مگر آپ کی آواز اتنی تو مظلوم اجازت دے کھلوا لیا آئی۔ وہ ہوئی۔ "پھوپھو سے ہیں آپ؟" وہ بے محسوس تر ہے ہیں ہوا تھا۔

وہ بہت اضطراب سے پوچھنے لگی کہ کچھ اس کے لیے لائی ہوں۔

"میں نے تحریر سے پوچھی ہے۔" وہ بھلا کر آنے والا تھا۔

"اپنی محبت اپنے پاس رکھیں۔ بہت لوگ ہیں۔ جو کہ یہ چاہتے ہیں۔" اس کی آواز اس کے آنسوؤں کی بھیگی ہوئی تھی۔ وہ ہی جھک پڑا تھا۔ دونوں کے درمیان ایک بے حسی کی خاموشی سی گل رہی تھی۔

وہ واپس پشت کیے کھڑی تھی۔

"کیا یہ وہی ہیں۔ یاد خاں نے مجھ سے کہا۔" وہ بھیگی سے پوچھ رہا تھا۔

نہیں کیا۔" وہ جھک کر گویا ہوئی۔

"کب میں آپ کو کیا تاثر کے لیے ہے۔ وہ ہے۔" وہ بے حد شفقت کے ساتھ میں آ رہا تھا۔

"اچھا اس ہوئی۔ دیکھ تو لیا کریں ہیں ادھر۔" اس نے آنکھ پونچھ کر تصویر والی میں رکھتے ہوئے کہا۔ وہ بے حد ہی بے ساختہ سے تھا۔

"مجھ سوال اپنی جگہ ہے کہ کیوں ہوا ہوں۔ مطلب کہ وہ تو کھلی ہی کر پا ہے کہ ان کا کام ہوا ہے اور ان کے ساتھ کیا ہوا ہے کہ ہلی خان کی لڑکیاں روتی ہیں اور بہتر تو نے ہوا ہوں۔ جیسے آپ ہو گئی تھیں۔" وہ بہت قریب سے اس کے لیے ہوا تھا۔

مطلب کہ اس اعتماد سے کیا۔ "ہم موت ہوئی زندگی میں آپ کے ہوا ہے اور یہ ہے۔ مگر وہ پوچھ ہے مگر کچھ محسوس کیوں کی ہوا ہوا ہے۔ قطعی۔ ایک اور کچھ کیوں محسوس کیوں ہوا؟"

"مگر ہوا کہ ہوا ہوا قائم کو ہم تک وہ ہوا ہے۔ آپ اور گھر ہوا ہے۔ کہ کھٹی میں ہوا ہو گئی ہیں۔ دیکھیں پہلے اندازہ ہے۔ ہم پھپھو ہوا ہوا تو یہ چاہ رہا ہے پہلے آپ کی کھٹی پار لگے۔ ہوا ہوا ہو گا۔ ہم پہلے آپ کا ہوا ہے۔ ہوا کا حوصلہ کیجیے۔"

"اس اوکی کر سکتے ہوا ہو کر بھی کیا سکتے ہو۔" اب کے لہجے کے وہ ہوا ہوا بول گئی۔

www.Paksociety.com

باری کا تعلق سے ساختہ تھا، وہ تجربہ ہو کر رہ گیا۔ باری کے تعلق نے اس اداسی کا احساس بھی کم کر دیا۔

"عقل مند وہ ہوتے ہیں جو گر کے دکھاتے ہیں اور عبرت ہو جاتے ہیں۔ پہلے سے دام لے لیں کہ ہم کو گرنے کی اجازت دے دیں۔ بچے۔ یہ پیار خاتاں کا کرایہ ہے۔ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ وہ میں نے اپنے کرم میں بتایا تھا آپ کو۔" وہ جاتے جاتے مزاح کر گیا ہو۔ اس کو پشتارے کی کروٹ بھی یاد آئی تھی۔ اور وہ بھی حسرت سے سنا رہی تھی۔ کچھ لطف اٹھا رہا تھا۔

"ایسا ہی ہوتا ہے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں کہ پی کی چھب دیکھ کر اپنی بھول جاتے ہیں۔ باری تو میں کھو رہا تھا۔ آپ کی آپ ہا؟"

"کیوں؟" وہ چونک کر بولی۔ "پہلے تو تم نے مجھ سے کبھی اس طرح بات نہیں کی؟"

"پہلے۔ سمجھتے داری نہیں تھی اب تو بڑی قریبی۔ سمجھتے داری ہے۔" وہ اٹھنے والوں سے بولا کر متکریا۔ ایک بار میرا مان کر تو کھا لیجے۔ تاکہ ہمیں بھی اپنی خوش قسمتی کا یقین آ جائے۔" اس نے دروازہ وا کرتے ہوئے پھر سے پکارا۔

"میں نہیں آ سکتی۔ یہ کوئی آسان بات ہوتی ہے؟" جانے کیسے اس نے رازداری کا مظاہرہ کر دیا تھا۔

"پھر آسان بات کیا ہوتی ہے۔ دوسرے کو بات بات پر آزمانا؟ احساسات کی اہمیت جتانا؟ حاصل کا، پر کوئی خوش رنگ چمکیں ہوں۔ جسے آپ نے فون کیا تھا۔

جی بھر کر بے اختیاری کا اظہار کریں کوئی پابندی نہیں۔ لیکن پہلے آپ کو بات ہونا ہے مجھ پر۔ میں کیا ہوں آپ کے لیے کیا ہوں مجھے کوئی جلدی نہیں ہے بتانے کی۔

میں تو۔ ویسے ہی تنگ کر رہا تھا آپ کو۔ میں کیوں آپ کو کسی مشکل میں ڈالوں۔ مگر آپ مجھ اس طرح تو نکاہ کر گئیں کہ مان رہ جاتا۔ صبر ہی نہ کر پاتا۔ جا پہنچا خاکسار نہیں ہوں۔ بس کچھ انسان کے اپنے اپنے سلیقے ہوتے ہیں۔

میں آپ کی پاسداری میں ہوں۔ جو آپ نے دیے کا کا جان سے فرمائش کر کے حاصل کر لی تھی آپ کا۔ ملبوسات میں پہلے پہنچ گئے۔ اصل طور پر تو وہ ہے۔ بار بار کہوں سر جھکے۔"

وہ اداس معمولی سا کھلا ہوا تھا اور اس نے ہلکے سے سر جھکا کر گویا اوسان جاتے رہے۔ سامنے باور علی خان کھڑے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

باور علی خان نے باری کے چہرے پر جو تاثر دیکھا تھا، وہ بالکل بارگھی نہ اس میں سرجھری تھی۔ نہ کوئی سوچ۔ یقین باری کو وہ معمول کے مطابق بھی محسوس نہیں ہوئے جیسی کوئی تبدیلی تھی اور جو اس بات کا بھید دیتی تھی کہ انہوں نے کچھ سن لیا ہے۔ رازی کے تو جسم کا سارا خون نچڑ گیا تھا۔ وہ لاکھ بہادر سہی مگر اس طرح کی بے ساختہ صورت حال میں تو پہ اس کا تجربہ کار نہ تھا۔

باور علی خان اس طرح ایک طرف کو ہو گئے جیسے باری کو جانے کے لیے راستہ دے رہے ہوں۔

باری اندر ہی دل میں خیران تجوری سے آگے بڑھ گیا۔ باور علی خان نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ روشنی اندر سکنے کی بیٹھک میں گھڑی تھی۔ باپ کو دروازہ بند کرتے ہوئے دیکھا تو قدرے پوکھیری۔ اب اس کی باتیں کا پتہ چل گئیں۔

باور علی خان گہرے تفکر کے ساتھ ٹہلائی کی بات اصلی کرتے ہوئے ٹہلنے لگے تھے۔

"کہاں گڑبڑ ہو؟" ان کے لیے میں جیسے اہمیت کا سارا زیادہ آیا تھا۔ اسے جائیں نہ جائیں وہ تو جاتی تھی۔ دل چاہا تھا بچے کہیں گہرائیوں میں اترتے رہے۔

وہ خاموش رہی۔ جیسے وہ سہمے ہوئے بچے تھے۔ پھر اچانک وہ جو یہاں اسے گھڑی گھڑی سنا رہا تھا، اس کے احساسات

خاک سے ملوں کر دیا تھا۔ وہ قیامت کیا اسے سمجھ نے کم تھی کہ ایک اور آفت آن پڑی تھی۔

وہ خوف کی اس انتہا پر تھی جہاں سب سوچ جمود ہونے لگتے ہیں۔ اور بے بسی اجابت کا راستہ نکال لیتی ہے۔

"روشانے۔"

"جی چچا۔" بمشکل اس کی آواز نکلی تھی۔

"تم مجھے اپنا فیصلہ سنانے کو تیار ہو یا کوئی شک ہے؟" ان کا لہجہ سرد تھا۔

اس نے رخ موڑ کر ان کی صورت دیکھی۔ بھلے جس نے تو پہلے ہی طے کر دیا تھا کہ اب ضرور کچھ ہوگا۔

"میں کچھ نہیں چچا۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

"چچا اس وقت میری بھتیجی والی حالت ہے۔ آپ اس طرح کی باتیں نہ کریں۔" کسی طرح بچھتاوے پر قابو پاتے ہوئے اس نے اپنی آواز کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"تو پھر تم میرے کچھ پوچھنے کا انتظار نہ کرو۔ خود ہی بتا دو جو بات بھی بتانے والی ہے۔ ورنہ میری تشویش بھی بڑھ رہی ہے۔"

یاور علی خان کے لہجے میں کوئی اشارہ چھپا تھا مگر وہ اسے سمجھ نہ پائی۔ بات آئی ہوئی تھی کر لیتا تو بہتر تھا کہ کیا کچھ ہو چکا ہے۔

"آپ نے اگر یاری کی بات سن لی ہے تو پھر یہی ہے کہ آپ جو سمجھے ہیں وہی ہوا ہے۔"

"اچھا کیا ہوئی؟" یاور علی خان نے تیزی سے بات کاٹی تھی۔

روشی خاموش رہی۔ اور حقیقت اس کی سمجھ میں یاور علی خان کا سوال نہیں آیا تھا۔

"تمہاری شادی یاری کے ساتھ کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے؟ تم نے خود تیور سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ سراسر غلط سلط ہوا ہے یا کچھ اصل پر بھی ہوا ہے؟" یاور کی روانی تھی طنز تھا مخاطب میں۔

روشی ہنوز خاموش تھی۔

"روشانے امید ہے وقت ضائع نہ کرو۔" اس مرتبہ وہ برہم ہو کر بولے تھے۔

"ناح ہوا ہے چچا۔" اس کی جان ہونٹوں کی مدد سے نکل پائی تھی۔

کوئی جواب نہیں ہوا تھا۔ بھلا ایک ہولناک سناٹا گھر کے بیچ بچھ آیا تھا۔

"صرف نکاح ہی ہوا ہے ناں؟" یاور علی خاں نے خاصی دیر بعد خاموشی توڑی تھی۔ ان کی آواز بھی گہری سوچ میں گم تھی۔

"صرف" وہ بھی لفظ دہراتے ڈرنے لگا۔ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"جی۔ بس نکاح ہوا ہے۔" اب اسے کچھ تو کہنا تھا۔

"لڑکا۔ مرنے کیا ہوا تھا۔ پھر اعتراض ہے کچھ ہوئی ہو گی میں؟" یاور علی خان کس قدر غیر یقینی انداز میں بولے

تھے اسے حیران کرنے کو کافی تھا۔

"جی"

"یہ کیسے شریک ہوا تھا؟" اس مرتبہ ان کا لہجہ گہری تشویش کی جھلک لیے ہوا تھا۔

"جی بس۔ بابا جان اور ان کے دوست تھے بس۔" خوف سے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

"مگر کسی دوسری کوئی خاتون؟" یاور علی خان کے انداز میں کچھ الجھن تھی۔

"نہیں تو۔ کوئی خاتون نہیں تھیں۔ بابا جان کی دو اک تو مجھ سے ملی تھیں۔"

اس نے پھر ڈرتے ڈرتے ان کی سمت دیکھا۔ وہ بڑی گہری سوچ میں ڈوبے نظر آئے۔ اس کی بات مکمل ہوتے ہی چچا جیسے سناٹے میں آ کر بیٹھ گئے۔

"تم پھر کچھ نہیں کہنا چاہتیں؟" انہوں نے ابرو اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"اور کے اب جو بھی بات تھی تمہارے سر۔" ان کے انداز سے پھر سرد مہری چھلکنے لگی۔

روشی کا دل زور سے دھڑکنے کی طرح پھر پھڑپھڑانے لگا۔ وہ بہت تن گئی تھی۔

"تم سرکشی دکھا چکیں۔ اپنی ہی کر چکیں۔ ایک احمق انسان سے صرف حماقت ہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ تمہارے پاس عقل ہوتی تو یہ سب کیوں ہوتا؟ ٹھیک؟"

"آپ پہلے کہہ چکے ہیں۔" "ہاں یاد ہے۔" "تمہیں ہمیشہ کے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔" وہ جتا کر کہنا نہ بھولے تھے۔ اپنا مخاطب انہوں نے کس سکون سے ظاہر کیا تھا اور اپنے فیصلہ کن ہونے کا ثبوت دیا تھا۔

"آپ پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔" اس کی آنکھوں سے اشک بہنے لگے۔

"تم چاہے کچھ کرو۔ اپنا باپ کی ادا کا خیال رکھو۔ اس کی سانسوں کی روانی کا احساس ہمیں کوئی نئی چوٹی بات یا تحریر نہیں کرنی ہوگی۔ مجھے جواب ابھی چاہیے۔"

مخاطب بڑا کٹھور انداز رکھتا تھا۔ جس انتہائی فیصلے پر اصرار تھا وہ سوچ کر ہی روشی کی روح تک لرز اٹھی تھی۔

"چچا جان۔" وہ ہاتھ جوڑنے لگی۔

"یہ خودکشی ہے۔ باقی اور ان بگڑے باپ کی ادا۔ اگر تم یاور علی خان کے بیٹے کے لیے کسی پرپس کا رشتہ بھی لاتے تو میں قبول نہ کرتا۔ اتنا انتظار تو تم کر ہی سکتی تھیں۔ کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی۔ اور اگر یاری کا ساتھ منظور ہے تو اپنا آخری فیصلہ سنا دو۔" ان کی آواز میں اس مرتبہ بہت تلخی تھی۔

"چچا پلیز۔ ابھی مجھے کچھ کہنا ہے۔ آپ بابا صاحب سے تو دشمنی رکھیے۔"

"تم اور صاف۔ تمہارے آدھے سے زیادہ کیس کرنا ہمارا۔ ہم قبول بان سکتے۔ مجھے تمہارا جواب چاہیے۔ ابھی کے

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

سے دیکھا اور پھر جواب کی تلاش میں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

یاور علی خان خود پر قابو پاتے ہوئے اشتعال کم کر رہے تھے۔

"بیٹا! آپ ساری بات سنے بغیر آخری نتیجہ نہیں اخذ کر سکتے۔ یہ انصاف نہیں ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کاریڈور پر ٹہلتے ہوئے ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"پاپا! مجھے پہلی بات یہ بتائیں کہ آپ نے اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ میں آپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ آپ کی ہر خوشی میرے لیے اہم ہے۔ آپ کی ہر تکلیف میرے لیے تکلیف دہ ہے۔ فیصلے کرنے کی طرح میں بھی تمہاری۔" تم نے میری رائے معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں بہت چھوٹی ہوں۔ فیصلے کرنے کی طرح میں بھی تمہاری۔ "تم نے میری رائے معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں بہت چھوٹی ہوں۔ فیصلے کرنے کی طرح میں بھی تمہاری۔"

www.Paksociety.com

ہچکیوں میں۔ "مایوں نے سر تھام لیا۔

"بھلی کہ میری بیٹی شادی شدہ ہو چکی ہے۔" وہ تیزی سے گویا ہوئے۔

مایوں بھیگی آنکھوں سے ان کی شکل دیکھنے لگی جیسے اسے سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہو۔

"جی؟" اس کا چہرہ یکدم سفید پڑ گیا تھا۔

"جی!" وہ محظوظ ہوتے ہوئے اسے گھورنے لگے۔ مایوں نے تاب نہ لا کر نگاہیں جھکا لیں۔ دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔

"اس لیے دیر کی شناسائی نہیں ہوتی۔ بہت کچھ جاننا پڑتا ہے۔" اس کی آواز غم کی طرح پھیلتی چلی گئی۔

"آپ جس طرح چاہے تحقیق کر لیں۔ میں ثابت ہو جانے کا کہ میں فضل الاعظم اور بے گناہ ہوں۔ بلکہ سب سے بڑی تو ہین اور دکھ کی بات ہے کہ مجھے اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ میرا اعتبار کیا جاتا۔" کہیں کے لہجے میں واقعی دکھ تھا۔

"کیا آپ مجھے سزا پسند کریں گے کہ ایسا کیسے ہوا۔ کب ہوا اور وہ کون ہے۔" وہ اتنی شرمندگی سے بولی تھی گویا اس سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہوا ہو۔

"مجھ سے یہ سوال نہیں کرنا۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تمہیں یہ سب معلوم ہی نہ ہو۔ اتنا بڑا کام دو ماہ کے عرصے میں کرنا نہیں ممکن۔" یاور علی خان نے بڑی ناگواری سے اسے ٹوک دیا۔

"آپ کو یقین دلانے کا کیا طریقہ ہے؟ کون سی قسم کھائی جائے کہ آپ کو یقین آ جائے۔ یہ لیجئے جھٹی شناختی آپ نے لے لیے ہے آج ہی میرے لیے۔" مایوں نے بے بسی سے کہا۔ "اگر ایسا ہوا ہے تو اس نے کم از کم میرے ساتھ بہت ہی ناانصافی کی ہے۔ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں۔" وہ بہت دکھ سے کہہ رہی تھی۔

یاور علی خان نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ بغور دیکھا۔ جہاں صرف تشنگی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے۔ وہ کون ہے؟ جس نے اسے اتنا بہادر بنایا۔ کہ اسے بابا صاحب تک کا خوف نہیں رہا۔" اس نے صدمے کے تاثر نہیں کیا۔

"اسے بڑی مضبوط ایک ملی ہے۔ انتقام لیا گیا ہے مجھ سے۔ گھر میں یہ ایکسیم لیل کر دوں گا۔ جتنا ہو سکا کروں گا۔" غصہ ناک ہو کر کہہ رہے تھے۔

"آپ کسی ملازم سے کہہ کر باری کو بلوا لیجئے۔ ابھی بات کر لیتے ہیں آپ۔" مایوں نے تجویز دی۔

"ایسی تمہاری ہمدردیاں کی اٹھ کھڑی ہوئی۔" باری ادھی بلوا لیتی ہوں۔"

وہ تیزی سے باہر کی سمت بڑھی۔ اس کے انداز سے محسوس ہوتا تھا کہ اسے بہت کچھ جاننے کی بہت جلدی ہے۔

چند لمحوں بعد وہ واپس آ گئی تھی۔ "بابا گئے ہوئے ہیں۔ اس نے اطلاع دی اور صوفے پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگی۔ یاور علی خان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

پاری کے بارے میں بتانے لگے۔

"آ جائے گی۔" مایوں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

یاور علی خان اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

دروازہ کھلا اور باری اندر آ گئی۔ اس کے قدم چوکھٹ کے اندر ہی جمے ہوئے تھے۔

"السلام علیکم!" اس نے یاور علی خان کی سمت دیکھ کر سلام کیا۔ یاور علی خان نے سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ گھورتے رہے۔

"باری نا!" مایوں نے اپنے قریب کی نشست کی سمت اشارہ کیا۔ باری خاموشی سے آ بیٹھی۔

"یہ مایوں تمہاری اور رشنا کی کار گزاری سے آگاہ ہیں۔ اور انہیں تحقیق ہے بتاؤ۔" یاور علی خان نے کہا۔

مایوں کا سر جھکا سے جھکا ہوا تھا۔

"باری۔" وہ حیرت سے کس ان کا منہ تکنے لگی۔

باری خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"خاموشی توڑ بھی ہے باری اسادل اعظم ہو چکی ہے۔ مایوں کا کہنا ہے کہ یہ کچھ کہیں جا تیرے تمہارے سامنے ہوا ہے۔ تصدیق ہو گی کہ یہ غلط کہہ رہی ہیں یا درست۔"

یاور علی خان نے سر کرسی میں باری کو مخاطب کیا۔

"درست کہہ رہی ہیں۔ مایوں کچھ معلوم نہیں۔" باری کی آواز کمرے میں گونجی۔

"مگر مجھے یقین نہیں۔ ہو سکتا ہے یہ بھی کوئی سکت ہو اور تم انہیں بچانے کے پابند ہو اس کشت ہونے کے۔" یاور علی خان کو کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یہ بچی ہے۔ انہیں کچھ پتا نہیں۔ مجھے رشنا نے بی بی کو کہا جان اور ان کے دوست اور ہیں۔ کسی کے علاوہ کسی کو اس واقعے کا علم نہیں۔"

اس نے اس مرتبہ بہت پرسکون انداز میں جواب دیا تھا۔ شام سے اب تک وہ ایک لائن جواب دے رہا تھا۔ کبھی کھل رہا تھا کہ دشمنی کے ساتھ یاور علی خان نے کیا سلوک کیا۔ اور حیرت اس بات پر تھی کہ بابا صاحب کے دربار میں اب تک اسے دشمنی کے لیے کیوں نہیں بلوایا گیا۔ اور اب آخر کار وہ گھر سے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ مگر اس کے باوجود پرسکون تھا کہ یہ سب کچھ کی کشمکش والی اذیت سے نجات مل گئی تھی۔

"تم سے تو یاور علی خان نے کس طرح کہا۔ اور کس انداز میں تمہیں اس کے لیے تیار کیا۔ تم جو تو بابا صاحب اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ تم نے یاور علی خان کی سازش کا حصہ بنتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ اس کے بعد بابا صاحب تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ تم نے اتنی آسانی سے یاور علی خان کی بات کس طرح مان لی آخر کیا چیز تمہارے ہم کرنے کا باعث بنی تھی اس نے تمہارے ساتھ۔ بابا کی ناراضی۔"

www.Paksociety.com

"پلیز۔ یاور خاناں۔ تحمیل جانے بھتیجے اور بھرادر اب شے بھتیجے آپ بات کو یہیں روک دیں۔ پلیز۔" اس نے بے اختیار ان کی بات کاٹ دی۔

ماہین سنسنسدی بھلی کسی یاور علی خان کو دیکھے تھی۔ کبھی باری کو اس کے اپنے حلقے میں تو بہت بڑا سا گورنمنٹ یا خاندان بات کرنے کے قابل تو کیا کوئی گھرانے کے قابل بھی نہیں تھی۔

"آپ اس پوائنٹ پر بھی غور کیجئے کہ روشی بی بی سراسر خود اپنی مرضی سے آئی تھیں۔ کسی دباؤ میں سے شادی کرنے پر تھی آمادہ نہیں تھیں۔ اور ان کا اپنا حویلی کے تمام اہم لوگوں کے علم میں تھا آپ سمیت۔ کاکا جان ان کو پہلی فرصت میں واپس حویلی واپس بھیجنا چاہتے تھے کہ حویلی میں ان کی غیر موجودگی سے قیامت برپا اور بلی ہوگی۔ انہوں نے حویلی واپس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ لاکھالہ کاکا جان نے ریزن طلب کی اور روشی بی بی نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نعیم سے شادی نہ کرنے کی وجہ تم تھے؟"

یاور علی خان نے برہم انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

باری ایک لمحے کا خاموش سا ہو گیا۔

"آپ یقین نہیں کریں گے پھر بھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ میری ان سے کبھی کسی قسم کی کوئی کمٹمنٹ نہیں ہوئی تھی۔ میں تو اپنے معمول کے کام سے سرائے گیا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ روشی بی بی وہاں ہو سکتی ہیں۔ سال لے گا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

وہ لمحہ بھر کو رکے۔ دم سادھ لیا۔ ماہین نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ اور ایک گہری سانس لی اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اس کے اعصاب تن گئے تھے، یا ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

"تو پھر وہ شادی جو روشی بی بی کو تمہاری وجہ سے نعیم کے ساتھ شادی کرنے پر راضی نہیں ہو رہی تھیں۔ انہوں نے تمہاری خدمات کے اعتراف میں کھڑے کھڑے تمہارا نکاح پڑھوا دیا۔ یہی حد ہو گئی۔ کیا خیال ہے تمہارا۔ گھاس کھاتا ہوں میں؟" یاور علی خان برہمی کی انتہا کو پہنچے تھے۔

"وہ ان کو سمجھا بجھا کر لے جانے آئے تھے۔ ان کی بات نہیں ہوئی۔ کاکا جان نے مجھ سے تفصیلی بات چیت کی تھی۔"

"تو انہوں نے تمہیں بہت خوبصورت خواب دکھائے اور بہت سے تمہیں اس نیک کام کے لیے آمادہ کیا۔" یاور علی خان نے تلخی سے کہا۔

"نہیں انہوں نے میرے ساتھ کسی قسم کی زبردستی یا زبردستی سے کام نہیں لیا۔ میں اگر چاہتا تو اس رشتے سے بہت قبل انکار بلکہ یہ میری خواہش کی تکمیل سے بچتے۔ کس طرح یہ سب ہوا یہ میرے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ میری خواہش قیامت تھی۔ میری زبان یہ آ سکتی تھی نہ ہی میرے چہرے کی کسی سے ظاہر ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود کہ میں بہت سالوں سے اپنے جذبات کو چھپائے رکھنے کی مشق کر رہا تھا۔ مگر یہ صاحب نے جو خاکے بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں ان طرح کی کوئی بات یہ ہونے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ خواہش بہت طاقتور تھی مگر میں حویلی والوں سے بغاوت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

ہے۔ حویلی میں کسی قسم کا فتور نہیں ہونا چاہئے تھا۔ بہت سے خفیہ رشتوں کے بھید اب کھلنے کی راہ نکل سکتی ہے۔ بھرم ٹوٹنے کے بعد جانے تعلق کے بھید بھی کھل کر سامنے آ سکتی ہے۔ اپنا میں بہت سے لوگ گزارتے ہیں۔

مگر روشی بی بی نے سب بگاڑ دیا۔ میں سے بات آ گئی تھی کہ اگر حویلی والوں کو کسی بھی بہت سے انسان میں ڈال سکتی ہیں۔ جو کچھ ہوا ہے وہ اس سے بہت کم ہے جو وہ کر لے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ کراچی میں سوسائٹی (خود کشی) کی کوشش کر چکی ہیں۔ ان کے بارے کوئی بھی بات ہے کاکا جان نے تو بہت سنبھال لی ہے۔"

"پتہ نہیں کیا جانتا ہوں کہ موصوفہ نے بات کتنی سنبھالی ہے اور کتنی بگاڑی ہے۔

کچھ لگتی تم بہت زبردست ہو تم نے بہت سفید جھوٹ بولا ہے۔ بہت چالاکی کی ہے۔ مگر میرے لیے یہ بہتر ہے کہ تم میرے سامنے ہو۔ میرے لیے اس کے علاوہ کسی بھی بات کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ تم حویلی واپس جاؤ گے۔ تم حویلی حویلی میں ہو گے۔ تم صرف اس کے آدمی ہو بلکہ اس کے خاص آدمی ہو۔"

یاور علی خان کی شریانوں میں جو جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا وہ ان کے مزاج کے برعکس تھا۔ آج "تم" تھی اور تھیں علی خان بھی "اس" "اس" ہو رہے تھے۔

باری ساکت و صامت بیٹھا رہا کہ وہ آدمی ان کے خیالات تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ اختلاف پر ان وقت تھی پر تبدیل چھڑنے کے مترادف تھا۔

"میں آپ کو اتفاق کرنے یا اختلاف کرنے میں اپنی طرف نہیں ہوں۔ یہ صرف سازش اور انتقام ہے۔ کھل کھیلنے کا کھیل لیا ہے۔ مگر آپ سب کو بہت مایوسی ہوگی۔

مجھے..." وہ ماہین کی سرد نظروں سے الجھ گئے۔ "آپ کو میں نے تحمیل علی خان سے خود بات کرتے دیکھا ہے۔ مجھے اب بھی اسی حد تک کا تحمل یقین ہے کہ آپ اس سارے قصے سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ اس میں آپ کا دل

آپ کا اندازہ اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ تحمیل علی خان سے آپ کی دوستی کا تعلق ہے۔

باری صاحب کی موجودگی میں یہ راز اپنے حلق میں اتار کر پچھتاوے کا گھونٹ تحمیل خان کے لیے کڑوا کر دیا ہے گا۔ انہوں نے گویا فیصلہ سنا دیا۔

"سب دیکھیے یہ خواب۔ نکاح اس کی اپنی مرضی سے سکے پچا کی موجودگی میں ہوا ہے۔ میں جا رہی ہوں بھائی بھجم کے گھر میں باب آپ۔ گھنٹہ پچی بات ہے گا اور خاتمہ بخیر ہو جائے گا۔ جب میرا فون بند ہو جائے۔"

ماہین نے شب خوابی کا پرس اٹھایا وہ چابیوں کی ڈبیا میز سے اٹھائیں اور بھرا بھرا سا چہرہ لیے تیز تیز سے چلنے لگی۔

باری اور یاور علی خان چند لمحے خاموش بیٹھے رہے۔ پھر یاور علی خان نے کہا۔

"یاری! ہجرت ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ تم اسے آزاد کر دو۔ وہ تمہیں ملے گی کسی نہ کسی شکل میں ضرور ملے گی۔ یہ صدی اس کا سوال ہے۔ اس وقت میری جو ذہنی کیفیت ہے اس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔ کہ میں اپنی زندگی کی بہترین قیمت دینے کو تیار ہوں۔ تم ہو تو اس جوہڑ کی بہت بڑی مچھلی ہو۔ کیا اس کو دیکھ کے اس آگ میں کس قدر اشتعال ہوتے ہو تم۔"

یاور علی خان کے لہجے میں تاسف بھی تھا اور رحم بھی۔

"میری ذہنی رضامندی تھی، روزی گم۔ میں تو یہ کون ہوتا ہے۔" یاری نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر اور گردن جھکا کر بہت دھیمی آواز میں گویا اعتراف جرم کیا۔

"یہی سے تو اشتعال کھا ہے تمہیں۔ وہ یاور علی خان کی بیٹی ہے۔" یاور علی خان نے بڑی سختی سے کہا۔

"مگر خیر۔ اگر کسی نے یاریت کا کھیل شروع ہی کر دیا ہے تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اس میں کسی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ روشی بی بی کی فیصلہ کن نجیر کا بس سب سے اہم سوال ہے۔"

"سب دن اس پر وال کر اپنی جان چھڑا رہے ہو۔ کاش یہ جملہ وہ بے وقوف اپنے کانوں سے سنتی۔" یاور علی خان بڑبڑائے۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو ان کا شکر گزار ہوں۔ اب اگر طوفان بارش کی طرح برسیں تو مجھے پروا نہیں۔ روشی بی بی کا رول تو اب ختم ہو چکا ہے۔ اب تو صرف روزی کا سوال ہے۔ وہ بہت بہادر اور فیصلہ کن ہیں۔ میں گمراہی کو دہرانا نہیں کروں گا۔ ان کے لیے سول سپورٹ حاصل کروں گا۔ قصور وار چھٹیل۔ میں ہر جرم کی سزا کے لیے خود کو بھی تیار کر چکا ہوں۔ آپ جو چاہیں میرے لیے سزا تجویز کریں معاف کر دیں مگر میں انہیں آزاد کر دوں۔"

وہ کھڑا ہو گیا اور یاور علی خان کی کسی اگلی بات کا انتظار کرنے لگا۔

"فوکس انفینٹس حاصل کرنے کے لیے صبح سے شام تک جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز کرتے رہتے ہیں۔ تم بھی کسی کے لیے خود کو برباد اور شوکر لوٹو کیا فرق پڑتا ہے۔"

یاور علی خان بے بسی سے کہا اور سگار سلگانے لگے۔ یاری نے ہونٹ کاٹتے ہوئے ان کی سمت دیکھا۔

"میں نے آپ سے کبھی کوئی غیر ضروری بات نہیں کی۔ مجھے افسوس ہے کہ آج میں بہت کچھ کہہ بیٹھا ہوں مگر کیا کروں۔ یہ داستان بھی میرے سر میں پڑتا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا۔ یاور علی خان کا اندازہ بھی یہ تھا کہ کل کا گیا ہوا خدا جانے کب آئے گا اور اب وہ کچھ آگے کی سوچ رہے ہیں۔

تیمور علی خان رات گئے گھر لوٹے تھے۔ ان کی گھریلو نیند سولی تھی۔ دستک پر وہ اونگھتی جھوتی اٹھی تھی اور دروازہ کھول کر بستر میں دبک گئی تھی۔ انہوں نے بھی اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ بہت احتیاط سے دروازہ بند کیا تھا اور باتھ روم کی طرف چلے گئے تھے۔ لباس تبدیل کر کے باہر آئے تو ہاتھ میں گف لفس اور ریسٹ واچ تھی ہوئی تھی۔ انہوں نے

بیڈ سائیڈ ٹیبل سے سگار کیس اٹھایا تھا۔ ساتھ ہی ایک نگاہ بیڈ کی آغوش میں بکھری ہوئی زلفوں پر ڈالی تھی۔ وہ سوچنے لگے تھے۔ وہ آخر کب تک خود سے چھپتی رہے گی۔ ایک نہ ایک دن اسے سامنا کرنا ہی پڑے گا۔ اس کی ہچکچاہٹ اور ادھیڑ بن کو وہ سمجھ رہے تھے۔ اس لیے وہ کچھ اس رویے میں بولنا نہیں چاہتے تھے۔ حالانکہ ان کا دل بہت چاہ رہا تھا۔ کہنے والے کہیں کچھ بھی کہتے رہیں مگر وہ اس کے دل میں خود کی جگہ دیکھ چکے تھے۔ اور اس کے حوالے سے جانے کیا کیا خیال آ رہے تھے۔

یاری نے خاموشی اور بھی محسوس کر لی تھی۔ جانے تیمور علی خان کے کس مزاج داں کی تربیت تھی کہ اس کی چھٹی حس بھی قوی تھی۔ اس نے نیند بھری آنکھوں سے اپنے پیٹھ میں نظر دوڑائی تھی۔ جہاں کی منافرت سے وہ خائف ہوا تھا۔ جس پر جان چھڑکتا تھا وہ چوکنی ہو رہی تھی اور کمرے میں نظر دوڑانے لگی تھی۔ سات بجے کی مختصر سی تمہید کے بعد تیمور علی خان اسے کسی دھیان میں گم کھڑے ملے۔

"خیریت ہے آپ رہے ہیں؟" اس کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز کمرے میں ابھری تھی۔

"ہوں۔" انہوں نے صرف یہ کہا تھا۔

"روشی آئی تھی؟" اس نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا تھا۔

"ہوں۔" انہوں نے پھر یہ کہا تھا۔

"اور وہ نصیب۔" اس کی آواز نیند کے سبب بھاری تھی۔

"ہم کون ہوتے ہیں کسی کے نصیب کا فیصلہ کرنے والے۔" تیمور علی خان نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

یاری کی نیند جھٹکے سے اڑ گئی۔ آج پھر اسٹائل بدلا ہوا تھا۔ گویا پھر سے محبت چڑھنے لگی ہے۔

رشتے عرصے سے یہی تو ہوتا آیا تھا۔ وہ اس موڈ میں آتے تھے تو اسے تلخ باتیں سنانے لگتی تھیں۔ ان کی خاموشی کو وہ ایک مرحلہ سمجھ لیتا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔

"طبیعت کیسی ہے؟" اس نے بہت سمجھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ سو جائیں۔ ٹھیک ہیں ہم اور اب جیسی بھی ہو کیا ہوگا۔ بہت ہو چکا ہے ہمارے ساتھ۔"

"مجھے اس سے اختلاف نہیں کہ آپ کے ساتھ بہت ہو چکا۔ مگر اب سگار سے تمباکو سے نیند یں ہوا بن کرنے کا کیا فائدہ؟ سو جائیں آپ بھی۔" وہ کچھ تلخی نظروں سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں ہوئی؟" وہ بستر کراس کر کے قریب چلی آئی۔

"کچھ نہیں ہوا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ پلیز۔" وہ مختصر سا بولا تھا۔

"کاش تجھے معلوم ہے کہ آپ کی یہ کیفیت بیچین ہوتی ہے۔ ذہنی کوفت ہوتی ہے تو اپنے نقصان پر کڑھتا ہے اور آپ کا ہے۔ مگر آپ کی اس کیفیت سے جو دوسرے کچھ پر اثر انداز ہوتا ہے تو میری گھبراہٹ بڑھنے لگتی ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہوگا۔"

تیمور علی خان یکدم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

www.Paksociety.com

"آپ کی طبیعت یوں بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ اتنا لمبا سفر میں کیوں چلی جاتی ہیں۔ میں کیوں نہ آ کر آپ کو لے جاؤں۔" ہر عام سے انتظامات ہوتے ہیں وہ ہم آپ کو مہیا نہ کریں گے۔ بلیز آپ آرام کریں۔"

وہ نازنین کو تمام کر بیٹھ گئے۔ زیرہ یار کے جانب کی روشنی میں ان کا چہرہ سیاہ کالی پتلے ہوئے بالوں میں بہت معصوم لگ رہی تھی۔

"یہ سیاہ مرغ یہ نا کریں۔ اس سے ڈپریشن ہوتا ہے۔" وہ اسے لاتے ہوئے بہت سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"قسمت کا رنگ سیاہ ہو تو کیا کرتے ہیں؟" وہ آہستہ آہستہ زندگی سے پوچھ رہی تھی۔

"یہ تم اپنی اور بکٹ آپ ہماری کتابوں کی نشان دہی کر رہی ہیں۔" وہ اس پر کمبل ڈالتے ہوئے بہت سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"آپ کو تو لیبر پین ہے؟" وہ اس کی پریشانی بھانپ کر تشویش سے گویا ہوئے۔

"پتا نہیں کب لمحہ آ جائے۔ بہت درد ہے۔" نازنین نے بے کسی کے انداز سے بتایا۔

"بہت اذیت برداشت کرتے ہیں۔ کسی طرح وہ نام بتا دیا جائے جس نے یہ اذیت دی ہے۔" سائیہ تحمل کی ادا سے کوئی مجسمہ بناتے ہوئے جیسے کھو سے کہہ رہے تھے۔

ایک گلاس میں پانی تک سے اٹھایا جو بیڈ کے سرہانے ہی رکھا ہوا تھا۔

"یہ پیچھے چھپائے ہے۔" انہوں نے اسے اٹھنے میں مدد دی۔ "ایک تو یہ آپ کے کیسوے ہوتے ہیں آدھا پانی تو صرف انہی کے لیے واقف ہوتا ہے۔"

وہ احتیاط سے اس کے بال ایک طرف ہٹاتے ہوئے اسے پانی پلانے کی جنگ لڑ رہے تھے۔

"لگتا ہے ان ہی کی محبت ہے زندگی میں۔ نہ کسی کے ایسے بال ہیں نہ ایسی قسمت۔"

اس نے بے نیازی سے ان کی ہتھیلی سے گلاس اٹھا کر منہ میں رکھی۔ اور گلاس ان کے ہاتھ سے لے کر دونوں گھٹنے کھڑے کر کے ان پر ٹکنے کے انداز میں وہ بیٹھ گئی۔

"اچھا تھک کر آپ آئے ہیں جائے آرام کرنے کے بجائے پریشان کر بیٹھے۔ اس کا مطلب کچھ ہوا ہے وہاں۔"

اس کی سوچ ایک ہی جگہ ٹھہر گئی تھی۔

تیمور علی خان سر کے بال کھجا کر بہت کچھ سوچ کر بہت آہستگی سے کہہ رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا۔ جو خوشگوار واقعات ہمیں پیش آتے ہیں ان کے متعلق نہیں بتاتے۔" وہ بے تاثر لہجے میں گویا ہوئے۔

"خوشگوار؟" کس قدر خوبصورت لگتا ہے اس کے حسن کی اہمیت کو کوئی ہم سے پوچھے۔"

"آپ تو اس گھر میں روشنی مسرت آپ کی ہوتے ہے۔ کیوں عمر بھر کی ریاضتوں کو غیر اہم کر رہی ہیں۔ آپ فیصلہ دینے کی اتھارٹی رکھیں گی تو کچھ میسر ہو سکے گا اگر چھوڑ دیں گی تو کیا ملے گا۔ آپ کی زندگی تو خالی ہاتھ کی طرح رہ جائے گی۔ اب اپنی طرف کی دیکھیے۔ کچھ ہوا ہے کیا میاں ہوں پیچھے۔" تیمور علی خان کے لیے میں ہوا کی

ہوں۔" سائیہ بہت بھولی ہے۔ آپ کی قابلیت کو سمجھ کر اس کی طرف بڑھیں۔"

"بات ہے آپ کے لیے تو ہر طرح سے ہوتے کا وہم اس دلاتے ہیں تیمور۔ فضولی کے ساتھ آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں قدر میں کے لیے تو اس کے لیے جو اذیت کی طرح کی ایلیٹ رکھی ہیں۔ بلیو ہے آپ کی قدر والوں کا رویہ ہے کہ میں نے فضولی پاسے وقت ہی ہے۔ مگر میں کیا کروں۔ زندگی ہوں ہوں ہوں

"کچھ نہ کہو بی۔ ادھر آ کر میرے پاس بیٹھو۔" ماہین نے اسے مخاطب کیا۔

"وہ پپا جانی کے ساتھ ہیں ابھی۔"

"اتنا سب کچھ کر کے بیٹھی ہو اور مجھے پتا تک نہیں۔ میرے لیے کتنی مشکلات کھڑی کر دی ہیں تم لوگوں نے۔ جب دل کی بات بتانی تھی تم لوگوں کو تب خاموشی کی زبان میں سے کسی نے کچھ بھی نہ بتایا۔ اب تم لوگ میرے اور تمہارے لیے کھڑی ہو گئیں۔ بھلا اب تک تو بہت سارے حل بھی نکل چکے ہوتے۔"

ماہین واقعی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"وہ کچھ نہیں تو دل کا گمان ہے۔ کیسے یقین دلاؤں گی۔ کیسے سمجھا لوں گی یہ سب۔ یہ کوئی ایسی نہیں پہلے سے کسی کہانی ہے۔ کیا ضرورت تھی اس طرح سے کرنے کی۔ ادھر تو پہلے ہی آسمان کا دان پڑا ہوا تھا۔"

ماہین شدید ناراضگی کا اظہار کر رہی تھی۔ اور روشی بس ہاتھ مسلتے ہوئے سنے جا رہی تھی۔

"خالہ امی اس لیے باہر نہیں لائی تھی۔ ملیحہ ہی۔" پاکر اس نے لب کشائی کی۔

"اسی بڑی بات بغیر سوچے سمجھے پروگرام بنائے بغیر کیسے ہو سکتی ہے؟ اب اتنا پاگل بھی نہیں ہوا۔" ماہین نے برہمی سے کہا۔

"خالہ! آپ کو کاجان سے ساری بات پوچھ لینی۔ ان کا تو اختیار کریں گی ہاں آپ۔" اسے معقول جملہ سوجھ گیا تھا جس سے ماہین کی برہمی میں کچھ کمی آئی تھی۔

"ان کا کیا ذکر۔" ماہین نے تفصیل جاننے کے شوق میں الجھن ہضم کیا۔ باری کے انتظار میں ساری تفصیل سن چکی تھی۔

"ان ہی کی وجہ سے تو یہ اتنا مکمل سا کام انجام کو پہنچا ہے۔" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"مگر ان تک تمہارے دل کی بات پہنچی کیسے؟" ماہین کی حیرانی بجا تھی۔

"پتا نہیں۔ وہ تو خود ہی سمجھ گئے تھے۔" اس نے قدرے جھینپتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"سبحان اللہ۔ بڑے ولی اللہ ہو گئے ہیں تمہارے کاجان۔" اس بار بھی ماہین نے جل کر کہا تھا۔

اب روشی سے ماہین کی یہ بے اعتنائی برداشت نہیں ہو سکی۔ وہ ماہین کے گلے لگ کر بہت بری طرح رو دی تھی۔

"خالہ امی! خدا کے واسطے میں آپ کو ایسے نہ دیکھوں۔ مجھے تو کاجان نے منع کیا تھا کہ ہم کسی سے کہہ کر اس کار خیر کو ضائع نہ کریں۔ وہ خود ماحول فٹ کریں گے یہ سب کچھ۔ مجھے بھی تاکید کی تھی اور باری کو بھی۔ آپ ناراض ہو کر ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہی ہیں؟" وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"کیسے کروں۔ کوئی سر پیر ہے بھلا۔ کاجان کو لڑا بھڑا تھا کہ ہم باری میں انٹرسٹڈ ہو؟" ماہین کی حالت ایک عجیب سی ہو رہی تھی۔

"صحیح طریقے سے تو بتایا نہیں کچھ بھی۔" اس کے اس بری طرح رونے سے ماہین پریشان سی ہو گئی۔

"کیا بتاؤں۔ کون سی بات بتاؤں؟" وہ روتے روتے کہہ رہی تھی۔

"روشی اپنے آپ کو سنبھالو۔ تحمل سے بتاؤ کیا ہوا ہے۔ کیا کہا ہے کاجان نے۔" ماہین نے اسے پیار سے مخاطب کیا۔

"کہا ہے کہ میری شادی ہونے والی ہے۔ تمہارے پپا کو ایک بیٹی میں بتانے والا ہوں۔ اب وہ بیٹی کون ہے۔ کیا کرتی ہے۔ کچھ بھی نہیں بتایا۔ بس یہ کہا ہے کہ وہ بہت اچھی ہے

"باپ ہونے کے ناتے وہ بہت سے حقوق کلیم کر سکتے ہیں۔ وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتے۔ پہلے ان کے سامنے اپنا سب کچھ مثبت کرنے کے لیے پیش تو کیا جاتا۔ اب کہیں جا کر اس اقدام کو جواز بنایا تھا۔"

ماہین نے کچھ راستہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔

"اگر ایسا ہوتا تو وہ محض ضد میں خیر آباد کہنے کی بجائے واپس آ جاتے۔ کوئی جان بھی تو نہیں جانتے ہیں آخر ان کے بھائی ہیں۔ کوئی جان بھی آسانی سے ان کی نافرمانی معاف کر سکتی ہے کہ ان میں بھی قصہ بیا کا رویہ بھی زیادتی ہوگی۔" اس نے گویا فیصلہ سنا دیا۔

حیرت سے ماہین کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "کچھ جان بھی ہے اس کا۔ حقیقت کو کھوجے جانے بغیر اس نے کیسے نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔

"روشی! اس طرح یہ سب ہوا ہے اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تم نے اگر یہ سب کرنے کا ارادہ کر لیا تھا تو کم از کم مجھ سے مشورہ کر لیتیں۔ میں اپنے طور پر کچھ تو کرتی۔ مجھے پہلے ہی بہت کام پڑے ہوئے تھے۔ بہت گڑبڑ کر دی ہے تم نے۔ بہت کر بھی سکتی ہو۔ پاپا صاحب اتنی آسانی سے شکست تسلیم نہیں کریں گے۔"

ماہین زچ ہو کر کہہ رہی تھی۔

"پاپا صاحب کچھ نہیں کر سکتے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اگر وہ چاہیں تو یہ پوزیشن سنبھال سکتے ہیں۔" اس بار اس کے لہجے میں اطمینان تھا۔

"وہ بھی کیوں سنبھالیں گے۔ اب تو مزہ پچھانے کا موقع ملا ہے انہیں۔" ماہین نے تلخی سے مسکرا کر کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں کلیئر کر دوں گی کہ اس تمام قصے میں آپ کی کوئی انوالومنٹ نہیں ہے۔ وہ آپ کو ذمہ دار ہرگز نہ ٹھہرائیں۔" اس نے ماہین کی تھوڑی چھو کر کہا۔

"تم کہو گی اور جیسے وہ یقین کر لیں گے۔ تمہیں ہے تم انہیں نہیں سمجھ پائیں ابھی تک۔" وہ افسردہ لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"وہ تو خود ہی ظاہر ہو جائے گا۔ ظاہر ہے اب معاملہ پاپا صاحب کے سامنے پیش ہوگا۔ اور تمام تفصیلات سامنے آئیں گی۔" روشی نے اطمینان سے کہا تھا۔

"یہ تو خیر جانتے ہوں گے وہ کہ میں اس معاملے میں شریک نہیں تھی۔ مگر یہ خیال ان کے دل سے کیسے نکلے گا کہ تم نے بھاگنے کے بعد تم نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ اور میں نے خاموش رہ کر تمہیں سپورٹ کیا ہے۔ ناراضگی کا سب تو یہی ہے ناں۔" ماہین نے جیسے تھک کر کہا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ بلکہ اب آپ نے مجھے جو مدد کرنا ہے۔ جو چاہ رہے ہیں۔ وہ میں نہیں کروں گی۔" اس نے فیصلہ دیا تھا۔

"مگر ہماری پوزیشن کیا ہوگی۔" ماہین نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ایسا نہیں کریں گے۔ اگر وہ ایسا کرنے کی نیت ظاہر کریں گے تو میں خود پریشر کے لیے ایکٹو ہو جاؤں گی۔"

میری پوزیشن واضح ہوگی۔ اس کے لیے میں نے آواز اٹھائی تھی۔ اس کی وجہ سے ہی میں نے یہ گھر چھوڑا تھا۔ میں کسی کی خاطر اپنا مستقبل برباد نہیں کر سکتی۔ اگر وہ اس طرح کا رویہ رکھیں گے تو پھر میں بھی ان کی خاطر اپنا مستقبل برباد نہیں کروں گی۔ میں اپنی غلطی تسلیم کر لوں گی۔ اور ساری زندگی عذاب کے ساتھ گزار لوں گی۔"

اس کے لہجے میں تلخی تھی۔ ماہین الجھ کر رہ گئی تھی۔

"کسی کے ثابت ہونے کا یقین نہ ہو تو زبردستی کیسے کیا جا سکتا ہے۔ تم کیا کرو گی۔ تمہارا سچ تو صرف تم جانتی ہو۔ اور وہ تو ہے ہی بہت پیچیدہ۔ پھر بھی پیشاری لہجے سے وہ جانتا ہے۔ اب یہ قسمت کی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ بھی نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ بات پتا چل جائے۔ اب تو ہر جگہ پر تمہارے کالج کی بھی ہوا ہوگی۔ پھر یاری کو بھی خواہ مخواہ کہ وہ کس حد تک ذمہ دار ہے۔ خیر۔ تم فکر نہ کرو۔ میں بھی اپنی کزنز میں ہوں گی۔ وہ اچھے سے اندازہ لگا لیں گی۔"

وہ اپنے گاؤں میں داخل ہوئی تو تیمور علی خان کو اپنے کمرے کے سامنے کھڑے ہو کر کسی کا انتظار کرتے ہوئے پایا۔

وہ ہلکی گلابی شلوار سوٹ میں ملبوس بہت نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔

"یہ کیا آپ تو کہیں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ نے تو کہا تھا کہ صبح کو بڑی حویلی میں پیش آنے والے واقعات کا تفصیلاً جائزہ لیں گے۔" ناز نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا۔

"نا کریں گے۔ صرف تھوڑی دیر کے لیے جا رہے ہیں۔ پولیس انسپکشن تک۔" انہوں نے نارمل سا رہتے ہوئے لہجے اور انداز میں کہا۔

"آپ مجھ سے چھپا نہیں سکتے۔ آپ کچھ اور ہی بتا رہے ہیں۔ آپ کو کیا پتا کہ صبح کے انتظار میں رات کیسے کٹی ہے۔"

وہ ان کی بات کی طرف جا کر کھڑی ہوئی اور انہیں آہستہ سے دیکھتے ہوئے مخاطب تھی۔

"روشی آپ کو کیسی محسوس ہوئی۔ خوش یا اداس؟" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"ظاہر ہے وہ تو خوش ہی ہوگی۔ ماہین کی موجودگی میں وہ خوش ہی نظر آتی ہے۔"

"ہاں۔ ماہین کے متعلق آپ نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ کاش مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ سب بھی ممکن ہو سکتا ہے تو کوئی حل نکال لیتی۔ کوئی راستہ نکال لیتی۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرے لیے تو یہ سب ایک خواب کی طرح ہے۔ ایک ایسا خواب جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے کبھی گمان میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس طرح اچانک سے میرے سامنے آ جائے گا۔ اس طرح اچانک سے میرے سامنے آ جائے گا۔ اس طرح اچانک سے میرے سامنے آ جائے گا۔

بہادر ہوتے رہیں گے۔" آخری آواز روتے ہوئے۔ بکھرانے لگی۔

تیمور علی خان نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اب ان سب باتوں کا فائدہ۔ کئی بات تو یہ ہے کہ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"ہم۔ مجھ سے۔؟" وہ مارے حیرت کے دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ سب سمجھتا چکے ہیں اسے۔ یہ آپ نے کیا کیا؟ ساری ریاضتیں ہی مٹی میں ملا دیں۔ مجھے سب پتہ تھا تو وہ سب کیوں کیا تھا؟ انتقام کے لیے یا انتقام کا بوجھ ہلکا ہے؟ اب تو وہ جوان ہیں۔ اب تو انہیں ماں کی نہیں ماں کی شفقت کی ضرورت تھی۔ مگر تیمور علی خان میں تماشا نہیں ہوں گی۔ یوں بھی زندگی مجھ سے ناراض ہو رہی ہے۔ بہت مایوسی ہو گی سب کو۔ یہ آپ نے کیا کر دیا۔؟"

وہ نڈھال سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔

تیمور علی خان نے دوسری کرسی کھینچ کر اس کے مقابل کی اور بیٹھ گئے۔ ان کی سیاہ چادر اور آنکھیں نازنین کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"یا تو کسی کو سمجھنے کا موقع نہیں کرتے اور جب موقع مل جاتا ہے تو غلط فہمیاں رکھ کر بات کرتے ہیں۔ ہم بھلا ان سے ایسے قریب کس حساب میں ہوں گے؟ اور کیوں اپنی الجھی ہوئی زندگی میں مزید پریشانیاں مول لیں گے۔"

وہ اپنی بھاری اور جذب ہونے والی آواز میں اس سے دھیرے دھیرے مخاطب تھے۔ نازنین نے الجھ کر ان کی سمت دیکھا۔

"آپ ہی کی طرح ہمیں بھی یہ سوال پریشان کر رہا ہے کہ ان کے سامنے حقائق سے پردہ کس نے اٹھایا ہے؟ کسی پرانے ملازم کی تو یہ جرأت نہیں ہو سکتی؟ حویلی کے ذمہ دار افراد یہ حرکت نہیں کر سکتے۔" وہ سوچتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

نازنین کو ڈراؤنا اعتبار آ گیا تھا۔

"آئی۔ ایم۔ سوری تیمور علی خان! ۔۔۔ پھر کس نے کی یہ حرکت؟

اگر" وہ" زندہ ہوتی تو میں سمجھتی یہ شر و فساد پھر اس کی طرف سے آیا ہے کہ اس کا خمیر ہی شر سے بنا تھا۔" اس کی رگ رگ میں آگ اترنے لگی۔

تیمور علی خان چونک پڑے۔ (مائی گڈنیس۔ بے بی یاسمین)

ظاہر ہے یا تو علی خان تو یہ سب کچھ نہیں کر سکتے۔ اس سارے واقعے میں سب سے زیادہ قصوروار وہی تھے۔ وہ پھر یہ کس طرح مایوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں؟ اس میں تو سراسر نقصان ان کا ہی دکھائی دیتا ہے (دیٹس امپاسبل) انہوں نے ایک نگاہ نازنین کے چہرے پر ڈالی۔ ایک الجھن سے چہرہ بھیگ گیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ ڈر کر پھر چھپائی بات کے انکار پر اتر آئی ہو۔ نازنین نے بکھرا بکھرا آ گئی ہو۔ نازنین نے حالات کو سمجھنے اور اپنے اعصاب کو قابو میں کرنے کی کوشش کی۔

"اچھا! آپ اسے ایک طرف بٹائیں اور ہماری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔" انہوں نے سمجھانے کے انداز میں مخاطب کیا۔

"آپ کی بات بھی ٹھیک ہے۔ مگر آپ اس سے ملنے کے لیے کیوں کہہ رہے ہیں۔ اس نے تو آتے ہی ہمارے بچوں کو ہم سے چھیننے کی کوشش کی ہے۔ مجھے نہیں پتہ کہاں ہیں تیمور۔ صرف حرم سرا کی ملازمہ ہی میں آپ کو کیسے بتا دوں

گئی۔

"میری بیٹی باہر باتھ میں نیل رہی تھی۔ اور میں اسے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اس ۔۔۔ خدا کے اس ۔۔۔ خیال سے کہ آنے والی ہوں ذہن کے پیش آنے کے خوف سے لوگ خدام اور کشی کرنے کا سوچنے لگتے ہیں۔ مجھے خود پر حیرت کرنے میں مہارت ہو گی ہے۔ آپ یہ سب باتیں تو سمجھا دیجئے" کیونکہ وہ صرف ملاقات کرنے نہیں آئے گی۔ مکمل بہت ہی ہدایتوں کے منصوبہ بنا کر لائے گی۔ ابھی اس نے دیا آنکھیں کھول کر دیکھی نہیں ہے اس لیے اس کی بڑی خوش گمانیاں ہوں گی۔ اسے کہئے وہ اس کی زندگی کا ہے۔ جو فیصلہ کر کے بیٹی میں داخل ہوئی ہے اس فیصلے کی آبرو رکھ لے۔ وہ بیٹی کا خیال رکھے۔ اور یہ کفالتی کا باپ اس کی خوشیوں میں حائل ہو تو اسے اس کے حق میں قائل کرے۔ وہ کم عمر جانتا ہے تھوڑی سی کوشش سے اپنی مانند بنا سکتی ہے ہنس رہے ہیں ناں آپ۔ اسے بیوقوف کر دیجئے گا یوں بھی ہم تو اب گئے گزرے ہی ہیں۔"

اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

"انسان اپنے گھر میں پالتو جانور رکھتا ہے تو ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پیار دیتے ہیں تو ان کا حق ادا کرتا ہے۔ ان سے اپنائیت محسوس کرتا ہے ایک حسین خاتون جو ہمارے گھر میں عرصے سے ہے وہ جس رشتے میں بندھ کر ہماری حویلی میں آئی تھی وہ رشتہ تو ہمارے اور اس کے درمیان تلخی کے پتھر سالوں پر کھسک کرتا ہے۔ اور جو دوسرا رشتہ ہے وہ تو ہماری حویلی رفاقت کا سلسلہ ہے۔ اصل رفاقت تو مینٹل لیول پر ہوتی ہے۔ اس میں ڈسٹینس ایشوز نہیں ہوتا۔ ہم اپنے قلمدان کھول کر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کیوں بار بار یاد دلاتی ہیں۔ اللہ سے رحم مانگتے رہتے ہیں۔ کیا آپ سے بھی اس قسم کی درگاہ پر کیا کریں۔ فار گاڈ سیک۔"

گزرے ہوئے بیس سالوں میں ایک مرتبہ بھی انہوں نے نام لے کر مخاطب نہیں کیا تھا۔ اس طرح سے مخاطب ہوئے تھے۔ کہ نام استعمال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

"ڈرائیور بہت دیر سے ہارن دے رہا ہے۔ ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ پھر آئیں گے۔ آپ کو ہم سے یاد کرنی ہو گی۔" وہ ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر باہر نکل گئے۔

"اچھا۔ تو ہا قاصد والی بھی بن گئے ہو۔ ہاں واللہ۔"

وہ جھنجھلا کر آواز پر تیزی سے پلٹا تھا۔ وہ مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔

"ہم دوں دوستوں سے دوستی رکھنا چاہیے۔ تم دوران ہوتے ہیں۔ اچھا سوگ کرنے پر دعا دیتے ہیں۔"

"بھئی تمہیں تو ہم سے بھی دعائیں دینے ہوں گے۔ تمہیں دعاؤں کی بھلا کیا کمی ہے۔" وہ جھلا سا گیا۔

"آپ صبح صبح تشریف لے آئیں اس کا مطلب ہے۔ خدا خیر ہے گاڑی میں بیٹھیں ہوں گی۔ بڑی جلدی واپس ہو گئی؟" باری نے پاپ سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی اہم کام رہے کی عادت ہو جائے تو چھوٹے گھروں میں دل نہیں لگتا اور یہیں تو ہے اصر اور مشت سے حویلی

والوں نے قبول کیا ہے۔" وہ پھر جھلسا کر اس پر ہنسی۔

"اس میں کیا شک ہے۔" باری بھی مسکرا دیا۔

"ارے صاحب سنا ہے کل دیا کی خوشی کی تقریب ہو رہی ہے۔ کیا کیا ہو رہا ہے۔ ہمیں بھی بتائیں۔ ویسے بھی یہاں کوئی محفل ہے۔ حویلی والوں کا انتظار بھی ہو گا۔ وہ تو ہمیں ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے۔ ہم نے تو اب آنے کے لیے ہی ہاتھ پاؤں مارے تھے۔" پارٹی نے آگے کر اس کی سمت دیکھا۔

"خیر چھوڑو یہ بتاؤ کیسی گزر رہی ہے آپ کی۔ بیٹی بیٹی کے کیا حال ہیں؟" وہ بھانپ کے اور ہنس پڑا۔

"صرف بیٹی بیٹی کے۔" وہ بھی ایمان لا کر مسکرا دیا۔

"ہمیں سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے بھابی ہر حال سے اچھی ہی چھپا ہوتا۔"

بیٹی کی آواز بہت قریب سے سنائی دی تو دونوں چونک پڑے۔ اس نے اوپر ہی سے دونوں کو باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ وہ نیچے چلی آئی تھی۔

باری نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ تھکے تھکے سے چہرا جس کی شب بیداری کی چغلی کھا رہا تھا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

☆—☆—☆—☆—☆—☆

"چلو تم ہی سے پوچھ لیتے ہیں تمہارا دل۔ بتاؤ کیسی گزر رہی ہے۔ شکر ہے حویلی میں بھی خوشیاں لوٹ آئی ہیں۔ لگتا ہے تمہاری روانگی بھی شروع ہونے والی ہے۔ وہ اپنی نشانوں کے اکلوتے وارث صاحب۔ کیا خیر خبر ہے ہماں کی؟"

اس نے گہری نگاہ روشی کے چہرے پر ڈالی۔ ہاری پائپ کھیلتا وہیں چلا آیا۔

"لگتا ہے ہاری کو یہ منحوس بننا نہیں۔ حد لینے کا ارادہ نہیں۔" جھومر پھر کھلکھلائی تھی۔ "ہے چاچا ہاری اور کر بھی کیا سکتا ہے۔ تم نے وہ غزل تو دیکھی ہی ہوگی۔ جس کی آنکھوں پر چمڑے کے "ڈھکن" لگے ہوتے ہیں؟" جھومر کا اشارہ ہاری اور چارہ مادہ تھا۔

"مگر یہ ہاری بے غزل نہیں ہے۔" روشی نے محظوظ کر جواب دیا۔

"مگر مجھے تو کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوتا۔" جھومر نے اس کو غور سے دیکھتے ہوئے ہاری کو دیکھا۔

روشی کا چہرہ سب سے پہلے لگا۔ جھومر کی حسین صورت سے اسے وحشت ہونے لگی۔

"اس سے آپ کا کیا لگتا ہے بھائی جو آپ اتنی الجھن کر رہی ہیں؟" وہ کچھ بار دہ لگی۔

"ہائے یہ تو وہیں کہ بلائیں تو گلے سے لگ جائیں۔" جھومر نے ایک آہ سرد کھینچی۔ روشی کا خون جواب دینے لگا۔

"یہ تو بہت ہی گری ہوئی بات ہے بھائی۔ آپ کو اپنے مقام کا تو خیال کرنا چاہیے۔"

"پاگل۔ وہ اپنا بنا کام ہے ہمارا حویلی میں۔ بلکہ اسے ایک نئے قصہ چاہیے۔ جس کو لکھ کر میں حویلی کی ایک نئی تاریخ رقم کروں گی۔ خوف خاندان کے اختتام کا پتا نہیں لگا پاؤں گی۔ فلم مکمل کر لی گی۔ ایک نئی فلم نہیں بنائی۔ اپنے حصے کی خوشی اس حویلی میں رہ کر سمیٹوں گی۔ سنا ہے کہ لیاقت ولی گیا۔ واپس آکر وہ ہم سب کو بھی لے جائے گا۔ مجھے ہاری سے محبت ہے۔ عجیب جوان لڑکا ہے کہ اپنا وہ تعلق نہ ہے۔ روانی لمحے لگا ہے نہ کہیں چھپا جائے۔ کوا ہن جائے۔ تیر کی کمان سے کوئی نہ نکالے۔" جھومر ہنسی سے بولی۔

"آپ نے بچپنے ہاں ہے حویلی۔" روشی کی نگاہ میں حیرت تھا۔

اسی دم سوئی ان کی سمت چلی آئی۔

"ہاں ہاں بڑی بیٹھ بیٹھ بیٹھ بیٹھ۔" وہ جھومر سے مخاطب ہوئی۔

"بیٹھ جاؤں گی بھی ہوں گی بڑی بی۔ مگر مجھے سب پڑھنا آتا ہے۔ اڑھیں لگتا۔" وہ ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

روشی جھومر ہاری کے قریب پہنچی۔

"تم اندر کیوں نہیں جا سکتے تھے۔ تم پانی نہیں دو گے پودوں کو تو پھر پانی کون لے گا؟ کیوں انکار کرتے ہو حویلی والوں کے حکموں پر کفر کی ہے؟" وہ ذرا طرح سے بولی۔

"کس حساب میں آپ میرے کان اینٹھ رہی ہیں۔ ابھی ہم اور آپ کا تعلق فضا ہے۔ مجھ سے پرہیز کریں۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ نگاہ بار بار شعور پر ہوں پر تھی۔

"وہ تو شروع ہی سے فضا ہے۔ کوئی بات کیا ہے؟" وہ جل کر بولی۔

"کم از کم ایک بات پر تو اتفاق ہوا تھا ناں۔ سرائے میں چار گواہ موجود ہیں۔" وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔

روشی ایک دم پیچھے کو لا جواب کی اور چپ ہو گئی۔

"خدارا آپ اندر جائیے۔ کسی کی نگاہ پڑ گئی تو آج ہی سوٹے فائل کروانے کے باوجود ناں۔ اور آپ سے بڑی آسانی سے اقرار کروا لیں گے عدالت میں کہ یہ نکاح جبری ہے۔"

"ہونہہ کہلوا ہی نہ لیں کہیں۔" وہ ناک سکوڑ کر نخوت بھرے انداز میں بولی۔

"اور جو کہلوا لیا؟" وہ مسکرایا تھا۔

"تب دیکھیں گی جو وہ کہلوائیں گے اور وہ کیوں گی جو ہم کہہ گے۔"

"مگر اس طرح کے کسی بھی تنازعہ سے تو بچنا ہی نہیں۔" وہ ذرا حیران ہوا۔

"بچنا ہے۔ مگر میں تمہیں کیوں بتلاؤں۔ تاکہ وکیل صاحب پہلے سے تیاری کر لیں؟"

"ابھی وکیل صاحب کہاں۔ ایڈووکیٹ اپنے نام کے ساتھ اس دن لگائیں گے جب حویلی والوں سے آپ کو چھٹی ملے گی۔ وہ ڈگری اور پریکٹس سرٹیفکیٹ دونوں کو ایک ساتھ لگائیں گے۔"

اس نے جواب دیا۔ کیاری میں جھکا وہ اور اس کی صورت دیکھ کر بہت دل آویز انداز میں مسکرایا۔ ہم کہیں کھڑی تھی

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا ہو۔

"جو کسی کی جتنی میں ہوتے ہیں ان کے سکون میں بھی بے قراری ہوتی ہے۔ جو کچھ ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ کچھ محسوس تو ہو۔ میں تو آج تک جو محسوس کرتی رہی ہوں وہی بعد میں سچ بھی نکلا ہے۔ مثلاً میں کہتی تھی کہ میں خود کو اکیلا سے بدگمان رہی ہوں۔ ان کے بارے میں میرے احساسات غلط ہیں وہ مخلص دل انسان ہیں شاید مجھے محبت ہو رہی ہے کہ وہی ہیں جو میں محسوس کرتی تھی۔"

"ذہن پر بہت زیادہ دباؤ ہو تو انسان وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی will ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے ہاں فیصلہ کی پختگی وہی ہوتی ہے جو سچ کو جان رکھنے والے پُرسکون انسان کے "یقین" کی ہوتی ہے اس طرح کے وہمی امراض میں مبتلا ہونے والے بعض اوقات اسے آؤٹ آف کنٹرول ہو جاتے ہیں کہ ڈاکٹری کے پڑھے کر بیٹھتے ہیں۔ اپنے خیالات و احساسات پر حقیقت کو Base مت کیجئے نفسیاتی مریض بن جائیں گی۔"

ہادی نے اس کی بات کاٹ کر سمجھانے کے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"جو چیز آپ کے فہم میں نہ آئے اسے فہم میں لانے کی کوشش بھی ہمت کی ہاری جاتی ہے ہندے کی۔" اس نے جرح کی۔

"تمہیں تو تسلی دینا بھی نہیں آتی۔" اس کے مشتعل انداز پر ہادی کو ہنسی آ گئی۔ اسے اندازہ ہی نہیں کہ وہ کتنی پر یقین ہے۔

"ہم تسلیوں" پر نہیں رکھتے۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔ روشنی کو نہ جانے کیوں اس کے لہجے پر ٹوٹ کر پیار آ گیا۔

وہ آگے بڑھ گیا تھا مگر اس کے اپنے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

دل کی دھڑکن بھی غیر معمولی طور پر تیز ہو چکی تھی۔ پاؤں کس کے لیے رکتا ہے سعت حیات کرتی اور طریب ساتھی۔ وہ بھی دھیرے دھیرے قدم بڑھانے لگی۔ معاً وہ اپنے دھیان سے چونک پڑی ماہین سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

"یہ دنیا کی سب سے خوبصورت جگہ ہے۔ ایسی گون سی ایسی حتمی تھی کہ پاؤں پاؤں چل کر میں اس سے باتیں کرتے تھیں۔ اس طرح کی خواہش کروں تو فوراً ہی بات بھی بگڑ جائے گی۔ اسے تمہاری سرکشی سمجھ کر سب بڑے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیں گے۔ ایک حساب سے یاور صاحب ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ اس طرح کے فیصلہ کن اقدام کرنے کی ہمت تھی تمہاری۔" ماہین سخت ناراض نظر آ رہی تھی۔

"وہ مجھ سے بھلائی اس سے باتیں کر رہی تھیں مجھ سے رہا نہیں گیا تو میں بھی اس طرف آ گئی۔"

اسے اس بچی جواب سوجھا۔ نظریں جھکا کر شرمندگی سے کہہ رہی تھی۔

"مجھ سے اس طرح بات کرتی ہوا۔ وہ بھی میری طرح خوبی کی ہو ہے۔ کسی سے بھی بات کرتی ہے۔ تمہیں کیا فرق پڑتا ہے اس کی بات سے۔" ماہین نے ناراضگی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"آپ لوگ سمجھتے ہیں انہیں ہمدردی ہے۔ وہ ہمیں دانستہ خود کو یہاں کی بتا رہی تھیں۔" وہ خفا ہو کر کہہ رہی تھی۔

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں ان معاملے میں الجھنے کی۔ تم صرف اپنی فکر کرو۔ اور جو ہے انہیں ہمیں بھلا دو۔ اب کیا تم اس کو یاد کرتی رہو گی کہ وہ تمہارے علاوہ کسی سے بات بھی نہ کرے۔ حد ہو گئی۔ پہلے اختیار کا مسئلہ پھر انا کا مسئلہ۔ ہادی جا رہا ہے کہیں۔ یاور صاحب مجھ سے کہیں زیادہ کو لحاظ اور خوبصورت خواتین سے صبح سے شام تک ملتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب

ہے کہ میں ان کے پیچھے سر پٹخ پٹخ کر روؤں۔ اس طرح کی باتوں سے نکلنا سیکھو۔ ورنہ زندگی بھر تم ہر ایک سے الجھتی رہو گی۔ ہر ایک سے بدگمان ہوتی رہو گی۔ ہر ایک سے بدظن ہوتی رہو گی۔ تمہارے ساتھ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ تمہارے اپنے ہی تحت شعور میں ان کے بارے میں بدگمانی ہے۔ اسی لیے ایسا ہو رہا ہے۔ سمجھ رہی ہو نا تم۔" ماہین بہت سنجیدہ تھی۔

"مجھے پتا ہے سارا مسئلہ کیا ہے۔ اب اور تنگ نہیں ہوں گی میں۔ ہادی صاحب اس ہفتے کے آخر میں جا رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے جانے کے دو دنوں میں مر گل ہے کچھ کی بات سے خوف نہیں آئے گا۔ میں ان کے واپس آنے سے پہلے ہی اپنا سامان پیک کر لوں گی۔ پھر آپ کے پاس واپس آ جاؤں گی۔ تب آپ پھر یہ والی بیسٹ کر سکتی ہیں۔"

روشنی کے لہجے میں ناراضگی اور تلخی کی مصلحت کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے تمہاری والی بیسٹ ایسے ہی سہی۔ مجھے ہنسنا ہے۔" ماہین جھلا گئی۔ "مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں کوئی قدیم جنت کا نہیں بلکہ حماقت بیسٹ کا مظاہرہ کر رہی ہوں۔ خود سے خفا ہو رہی ہوں۔ مجھے اپنا دماغ ٹھنڈا کرنے دو۔ جاؤ اندر اور اپنے سکون میں رہو۔ اور تب تک کام پر واپس نہ آنا جب تک کام پر واپس آنے کی ضرورت نہ ہو۔" ماہین کا انداز حتمی تھا۔ روشنی چند لمحے کھڑی سوچتی رہی پھر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

ماہین بھی بگھوڑ کی دھیان میں رہی پھر جیسے کوئی فیصلہ کر کے اندر کی سمت بڑھی۔ سامنے ہی ہادی فون پر مصروف نظر آیا تھا۔

"ہادی!" اس نے آواز دی۔

"کیا ہوا ہے ماہین!" وہ اپنی بات ختم کر چکا تھا۔

"کچھ نہیں۔ ہادی! دیکھو باہر کے کمرے میں بیگ رکھا ہوا ہے کپڑوں کا اور اسے گھٹیا اور خان باہر گئے ہوئے ہیں۔" وہ اٹک اٹک کر اپنے کہنے کی وضاحت دے رہی تھی۔ "اور خواب گاہ میں داخل ہو کر دروازے میں جا کھڑی ہو گئی۔"

فخر یا پاؤں کے بل بیٹھا ہوا دروازہ بجا رہا تھا۔

"اوں۔ آ جاؤ۔" وہ عجیب سے انداز میں کہہ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ ہادی قدرے محتاط انداز میں کمرے میں داخل ہوا۔

"آ گئے ہادی! کہو۔" ماہین نے مسکراتے ہوئے انداز میں مسکراہٹ۔

ہادی اس طرح کا سوال پر قدرے حیران ہوا تھا۔ اور پھر کچھ اس کے خاطب ہونے پر بیٹھ گیا تھا۔

"خیریت؟" اس نے الجھتے ہوئے ماہین کی سمت دیکھا۔

"ابھی تک کچھ واضح نہیں ہے۔ ہادی! تم جا رہے ہو کچھ اندازہ ہے کب تک آؤ گے؟" ماہین کے لہجے میں واضح تشویش تھی۔

ہادی الجھ سا گیا تھا مگر کچھ بولا نہیں۔

"ایکچوئلی مجھے مختصر عام پر آپریشن ہے۔ تیسرے خان اور میں ہفتہ سوا ہفتے کا شیڈول بنا رہے ہیں مگر تم لوگوں کی وجہ سے کنفرم نہیں کر رہے ہیں گی۔ کیا ضرورت تھی اسے۔ لڑکی بیچ میں گھسیڑنے کی۔ تم تو اس کے بارے میں جانتے ہو

ہو۔ سر پہلے کو دل چاہ رہا ہے مورد۔" ماہین نے بدستور ناراض انداز میں کہا۔

"مجھے تو واقعی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو ویسے ہی انتظار کر رہا تھا۔ پہلے بھابی آ گئیں پھر "محترمہ"۔"

باری کے ساری بات سمجھ میں آتی تو اس نے سکون کا گہرا سانس لے کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھو باری اصورت حال تم پر واضح ہے کتنی نازک پوزیشن ہے۔ معمولی سی غلطت بہت سارے لوگوں کی زندگی برباد ہو سکتی ہے اور ایسے بگاڑ بھی پیدا ہو سکتے ہیں جو کبھی ٹھیک نہ ہوں۔ خاندان۔" ماہین فکرمند انداز میں گویا ہوئی۔

"آپ فکر مند نہ ہوں۔ میری جانب سے آپ بے فکر رہیں۔ اس محترمہ کو خود اٹھا کر دے دیں گے۔ باقی خیر ہے مجھے بات کیا کوئی اور بات باقی ہے بھابی؟" وہ اٹھتے ہوئے ماہین سے مخاطب ہوا۔

"نہیں۔ بس یہی فکر تھی کہ کیا کرے رہے ہو تم لوگ۔ اور "محترمہ" سے تو خیر میں نبٹ لوں گی۔ مگر ایک بات تو ہے محترمہ کی گون ہی خوبی ہے جس نے سارج سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔ تم جیسا گھرا اور گمبھیر بندہ صرف شکل وصورت کی بنا پر تو اس طرح آگ میں نہیں کود سکتا۔" ماہین بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ مچل رہی تھی۔

"کئی بار یہ سوال میں نے اپنے آپ سے بھی کیا ہے۔" وہ بھی شرارت بھرے لہجے میں جواب دے رہا۔

"ان کے پاس جانے کی ایک راہ ہے غالباً۔ یہ جس حصت بھی زخم کرے گی غالب ہو جائے گی۔ وہ بہت کام بہت تیزی سے کرتی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتے کہتے یکدم ہنس پڑا۔

"کام؟" ماہین بھی بے ساختہ مسکرا دی۔

"چلو اتنا تو یہاں الزام ہے جو تم اس پر لگا رہے ہو۔ تمہیں احساس ہے؟" ماہین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"وہ یہ الزام مجھ پر لگا کر حساب برابر کر سکتی ہیں؟" اس نے پھر مسکرا کر جواب دیا۔ اب وہ بہت سوچنے والے انداز میں کھڑا تھا۔

"اچھا؟ بہت ذہین ہو۔ مانتے ہیں۔ کیا قیامت ہے اور کس قیامت کا سکون ہے تم میں۔ کامیابی سے پہلے اگلی راہ بنانے خود ایک خوشی و سکون ہے۔ مجھے حیرت ہے باور علی خان جیسا حلیم اور بہت گہرائی میں سوچنے والا شخص جو تمہیں بہت پسند کرتا رہا ہے۔ اس نے اور فیصلے پر ساری دنیا سے جنگ کرنے کے درپے ہیں۔ شاید روشی کا یہ خود اعتمادانہ انداز ان کے لیے فیصلہ کن ہے۔ ہاں۔ یہی بات ہو سکتی ہے۔"

اس نے خود ہی اپنے خیال کی تائید کی۔ "بات سے بھی غلط۔ ابھی بارجن تھا اتنی جلدی اگلی قدم نہیں اٹھاؤ گے تم۔" بہر حال وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔

"یہ بات نہیں ہے۔ بارجن نہیں تھا اور نہ کم از کم میں ان کے اس اگلے قدم میں ان کا ساتھ نہ دیتا۔ اور یہ بھی آپ بہت اچھی طرح جانتی ہیں گو یہ ناممکن سا لگے سب کو۔ لیکن یہ ناممکن تو نہیں ہے کامیابی کے امکانات بھی ہیں۔ اس لیے ہم میں تاور خاندان کے بہت سے لوگ اگلی اولاد ہوں۔ ان کے حساب سے تو یہ کمپرومائز اتنی کی اولادوں۔ یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ بہت غمزدہ تھا۔

آپ خود ہی سوچ کر مجھے بتائیں۔ کیا کریں مجھے پھر نہیں لگتا۔ میں یہ زندگی آپ کے ساتھ گزار سکتا ہوں۔"

ماہین تھوڑی دیر تک اس کی اداس سی گہری سوچ میں ڈوبے چہرے کو دیکھتی رہی۔ پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہوئی کمرے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

"کبھی اوہ بھی کہتے کی لڑکی کو دیکھ کر ہوئی ہے آپ کو؟" وہ بضد تھا۔

وہ ان نے چڑ کر کھڑکیوں کی جالی کھینچی۔ "دل ہوتا تو کچھ کہتی۔ دل ہی نہیں ہے میرے پاس۔"

"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ ہر وقت غصے میں رہتی ہیں۔" ہاشم نے خفگی سے کہا۔

"یہ شاید۔ مائی ارلنگ۔" نازنین نے طرح دیا۔ ہاشم کچھ نہ سمجھا۔ "ارلنگ آپ نے کسے کہا۔ ہمیں یاد ہوتا ہے؟" عصوفی نے گھوم کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تیری بات۔ بڑی ہے تم سے۔ باقی کہہ سکتی ہو۔" باقی کہہ سکتی ہو۔" نازنین نے گہرے سے انداز میں لہجہ نقل کیا۔

"آئی ایم سوری۔ وہ دوبارہ بھی آئی تھیں؟ یعنی ان بالکل ایب نارمل۔ (میری فیئر سوچ رہی ہیں؟" اس نے لمحہ بھر توقف کیا اور وہ سوال کیا جو ہاشم پوچھنے کا متحرک تھا اور درمیان میں گم ہو گیا تھا۔

"نہیں"

"وہ تو بہت اچھی بہت ہنس مکھ آپ نے بتایا تھا مجھے ان سے ملنے سے پہلے۔ کیا ہوا؟ وہ تو بہت ویل مینرڈ ہیں۔ بہت تمیز دار ہیں۔ باری بھائی نے بھی بچپن کے ساتھ کا حوالہ دیا تھا اور خود وہ بار ان کے گھر میں رہے تھے۔ ہم نے اوپر بالکنی سے خود دیکھا تھا۔"

"کیوں پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ اتنی پرانی بات؟ کتنے سینے ہو گئے۔ جب بھی بچپن کسی بات سے منع کرتے ہیں تو بچے مانتے نہیں ہیں۔ ایسا ہی کیا ہو گا۔" نازنین نے جھلائے ہوئے انداز میں سر جھٹکا تھا۔

"جب ہم نے بھی ان سے بات نہیں کرنا اور آپ نے بھی تو پھر وہ دوبارہ گھر کیوں آئی تھیں؟ کیا ان کے بچے نہیں ہیں؟" عصوفی اس کی تحریر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

نازنین خاموشی سے عصوفی کی جرابیں لے کر تہ کرنے لگی۔

"کیوں پریشان کرتے ہو بچا ناں کو۔ آل ریڈی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" تیور علی خان تولیے سے سر رگڑتے ہوئے باتھ روم سے برآمد ہوئے تھے۔

نازنین نے جھٹکے سے عصوفی کی نظر بچا کر صاف کیے۔

"بچوں کو بچوں کے معاملے میں (بیچ) نہیں ہونا چاہیے۔" انہوں نے ایک اچٹتی نگاہ نازنین پر ڈالی۔

"بچا؟ کیا وہ ہماری بھائی کی کزن ہیں؟" کبھی نہیں بس ایک رشتہ ہے۔" عصوفی نے

www.Paksociety.com

نازنین نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا اور پھر ٹرے پر رکھے چھری کانٹے پر نظر پڑتے ہی تیسرے لقمے کی نیت سے ہاتھ اٹھایا تھا کہ تیمور علی خان نے درمیان ہی میں تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے ضوئی کو اپنی طرف کھینچا جو ڈر کر ان سے لپٹ گئی تھی۔ اور بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"تمہارے تو خاندان کی عادت ہے بچے کو ڈرانا۔" تیمور علی وحشت زدہ نازنین کے چہرے پر برسنے لگے تھے۔

ضوئی باپ سے لپٹی تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ "پاپا امی بہت گندی ہیں۔"

"میری جان امی کو ایسے نہیں بولتے۔ امی کی طبیعت خراب ہے جب امی کسی بات سے منع کرتی ہیں۔ تو بچوں کو مان جانا چاہیے۔"

"جاگیرداروں کے ہاں جاگیردارانہ ذہنیت ہوتی ہے۔ اپنی منوانے والے۔ اپنی منوانے والے۔ خواہ مخواہ میں باہر سے ہی لے آئیں۔ مٹی نہیں ہلے گی۔ اسے اچھی طرح سمجھا دیجئے۔ آئندہ مجھ سے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرے۔"

نازنین کے سانسوں کی بے ترتیبی بتا رہی تھی کہ اس وقت وہ اپنے حواس کھو چکی ہے۔ تیمور علی خان نے ہاتھ میں پکڑے نیپکن سے ضوئی کا چہرہ صاف کیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ جو تیزی سے سسک رہی تھی۔

"آؤ بیٹا! آپ کے کمرے میں چلتے ہیں۔" انہوں نے ضوئی کا ہاتھ تھاما اور وضع داری فراموش کر کے ہاتھ گاؤن میں ریسٹ روم سے باہر چلے گئے۔

نازنین چیئر پر گرنے کے انداز میں ٹیک گئی۔ اس کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ جبلی مرد جس کے لیے بال نے ہاتھ اٹھایا تھا۔ اب اس کا اپنا دل کٹ رہا تھا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

پندرہ بیس منٹ کے وقفے کے بعد تیمور علی خان اندر داخل ہوئے۔

"آئی ایم سوری تیمور! پتا نہیں میں کیا اول فول بول گئی۔"

تیمور علی حسب حال خاموش رہے اور وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالنے لگے۔

"بہت ہی سوال جواب کرنے لگی ہے۔ تنگ آ جاتی ہوں میں۔ میرے اپنے اندر کیا کم سوال جواب ہوتے رہتے ہیں۔"

تیمور علی خان بدستور خاموش رہے۔

"اب مجھے آپ کی ہمدردی کی بھی پروا نہیں۔ اب میری خوشی تو ایک اچھا لیڈی کی ضرورت تھی۔ اب میں بے فکر ہو جاؤں۔ میں آئی میں چلی جاؤں گی۔ مجھے اپنی ہمدردی کے گھر سے مزید بوجھ نہیں بننا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"جو آپ کا دل چاہتا ہے آپ وہی کرتی ہیں۔ لہٰذا جو دل چاہ رہا ہے کر ڈالیں۔" تیمور علی خان نے بہت آہستہ آواز میں اور بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔

تحریب بچوں کرنے کے اختیارات دیے ان کے اندرونی غضب کا عجیب تھا۔

"آئی ایم سوری۔ میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے۔ میں نے آئی جنرلی ایسی نہیں ہوں۔ ہم ایک دوسرے کے لیے سمجھ

رہے تھے۔ پاکیزگی کی حد سے مستعمل ہو چکے تھے۔ مگر کیا ہے یہ ہم کرنے کے بعد؟

ہم اپنی اولاد کے سامنے ایسے بے ہودہ ثابت نہیں کر سکتے۔ آپ اپنی الجھنیں دور کرنے کے لیے دوسری شادی کر لیں گی۔ ہماری شادی بہت بھونڈی ہے بہت تکلیف دہ۔" تیمور علی خان کے لہجے سے شدید تاسف نمایاں تھا۔

"میں بھی تو یہی کہتی ہے کیا میرا اس پر کوئی حق واختیار نہیں۔ مانا میں نے ہی تحریک کی بیوی کے سامنے ایسی بات کرنے کی مگر اب وہ بات ہو چکی ہے۔" نازنین نے بھی بے ساختگی سے جواب دیا۔

"وہ صرف ہماری بیٹی ہے۔ آپ نے حقوق والا کام تو صرف ہم ہی نے کیا ہے۔ آپ تو صرف ہمارے جذبات کو اپنی اداؤں سے مشتعل کر کے ہمارے جذبات کو ایکسائٹ کرنے کی عادی رہی ہیں۔"

وہ ڈریسنگ کی سمت بڑھ گئے۔ نازنین ساکت ہی بیٹھی رہ گئی۔ ان کے ایک جملے میں کی گئی سختی اٹھانے کی عادی نہ تھی اور بھی تھی۔

"شکر ہے کہ زندگی کا بہتر حصہ ہم بیت چکا ہے۔ ہمارے بعد دیکھیں کون آگے یہ عجیب بکھیڑے سنبھالے گا۔ کیا پتا یہ بوجھ اس کے سر۔"

اس نے قدرے اونچی آواز میں تیمور علی خان کو سنانے کی غرض سے کہا اور پاؤں کے چھالوں جیسی رحمت والے پاؤں سینڈلز میں پھنسا کر دروازے میں آ کر رکی اور بھی بڑبڑاتی ہوئی خواب گاہ سے باہر نکل گئی۔

تیمور علی خان ڈریسنگ سے باہر آئے تو ان کی پیشانی پر بھی شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ حیرت کے گہن بکھرے ہوئے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔

باتھ روم سے غسل کر کے ابھی باتھ روم سے باہر آئی تھی کہ بیڈ روم کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" اس نے باتھ گاؤن میں لپٹے اپنے سراپے پر نگاہ ڈالی اور قدرے الجھ کر پوچھا۔

"میں ہوں بی بی۔ آپا ہوں۔"

"اوہ ہوں۔ آپا۔" اس نے قدرے سے بال کو آواز کرتے ہوئے جواب دیا۔

دروازہ آ گیا۔

"خیریت۔ کوئی کام؟" نازنین نے الجھن سے بال سلجھانے شروع کر دیے۔

"نہیں۔ بی بی۔ آپ سے جانا۔ لے لینے آئی ہوں۔ اب میں ہرگز نہ رکوں گی۔ اور نہ یہاں رہوں گی۔"

"کیوں اماں۔ کیا ہوا۔ کیا تم ہم سے خفا ہو گئی ہو؟ اور تمہاری کٹھ حجتی کیا تھی کہ تم اب ہمارے ساتھ رہو گی۔" نازنین نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا۔

"نہیں جی۔ میں اور نہیں ٹھہروں گی۔ اس گھر میں جانوں گی جس نے اور بہت کیا ہے۔" [illegible]

"عارف کے پاس۔ کہاں کیا تھا کسی لیے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے؟" مایں نے قدرے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"ساری بات سمجھ میں آ گئی ہے بی بی اور تو اب اس کے کسی کلام کی نہیں۔ کوشش کروں گی کہ اس سودائی کی خواری ختم ہو جائے۔"

"سودائی وہ کم تم زیادہ ہو۔ لال خان تم سے عمر میں بہت بڑا ہے تو عارف کو تم سے برا کہتا ہے۔ اس میں کیا خاص بات ہے؟ فلمی ہیروئن مت بنو۔ بچے کے سر پر اس کے باپ کا سایہ ہے اسی میں عافیت ہے۔" مایں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اس کی عمر کا بھید تو اب کھلا ہے مجھ پر۔ مگر جی آپ بھی اسے دیکھو تو حیران ہو جاؤ۔ ذرا پتا بالکل لڑکوں جیسا لگتا ہے بالوں میں بھی سفیدی نہیں۔ جی۔" بالو کے پاس جواب تیار تھا۔

"کیا کہا تم نے بھئی وہ تو آج سے اس سال پہلے بھی جوان تھا۔ بالور کو ولی کرتا ہوگا۔ تیور علی خان سے کچھ ہی چھوٹا ہوگا۔ ان کے بھی سر میں ہلکی ہلکی سفیدی جھلکنے لگی ہے۔" وہ بے تجسب سے تجزیہ کرنے میں الجھ گئی تھی۔

"کیا کرتا ہوگا؟" بالو کی سمجھ میں نہیں آیا تو پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

"میرا مطلب ہے بالوں کو رنگ لگاتا ہوگا۔" مایں نے وضاحت کی۔

"ایسا تو میں نے نہیں دیکھا پر کیا خبر جی۔ دنیا دھوکے کی ہے۔" بالو نے اس سے اتفاق کر لیا۔

"ایک بات کہوں بی بی! آپ ناراض تو نہیں ہوں گی؟" بالو نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"ہوں۔ پوچھو۔" مایں نے پرتجسس سے بال سلجھانا شروع کر دیے ساتھ ہی اندازہ بھی لگا رہی تھی کہ وہ کیا سوال کرنا چاہ رہی ہے۔

"یاور خان کبھی تو آپ سے ملنے بہت آتے ہیں مگر آپ تو بہت خوش ہیں۔"

مایں کے کروش کرتے ہاتھ یکدم رک گئے۔ پھر اکتاہٹ سا ہو گیا۔

"یہ تو بہت اچھی خبر ہے میرے لیے کہ میں بہت خوش نظر آتی ہوں۔" وہ خیال سے باہر آ کر ہلکی سے مسکرائی۔

"بالو!" یکلخت وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"جی بی بی!" بالو ہمہ تن گوش تھی۔

"بالو۔ شادی بس ایک اشتیاق ہے۔ یا ایک سودے بازی ہے۔ جو کبھی سستی سے ہوتی ہے کبھی مہنگی ہے۔ مثلاً ہم ایک لاکھ روپے کے مالک ہیں۔ اگر بیوٹر سے ایک لاکھ کے ہیرے خریدتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ کسی ہم نے بہت خوش سے خرچ کیا ہوتا ہے۔ اگر یہی پیسے ہم اپنے گھر کے بل کا علاج کراتے ہیں اور یہ پیسا اسپتال میں خرچ ہوتا ہے تو خوشی کی بجائے ہمیں تمام عمر ایک غم رہتا ہے کہ ہمارا اتنا سارا پیسا اسپتال میں لگ گیا۔ جیسے ہیرے لیتے تو خوشی کی بات ہوتی ہے۔ سمجھ رہی ہو۔

"بالو" "محبت" نے ہر دور میں ایک ہی تعریف پائی ہے۔ ایک ذات کی ضد ہے۔ ایک ذات کی ضد ہے۔ محبت میں ڈوبا ہوا انسان ہر کسی کو اچھا لگتا ہے۔ اب تم کون سے محبت کی بات کر رہی ہو؟" مایں نے پوچھا۔

"بی بی اول تو کبھی آواز ہوتی ہے۔" بالو کی آواز بھرا گئی۔

"چھوڑو اس دل کا ویسا۔ بڑی خواری۔ مجھے تو نہیں لگتے ضروری کام ہو جاتے ہیں اس دل کے بغیر۔ ہو سکے تو اس کو کر لو صرف ماں بن کر سوچ۔ اب کبھی سمجھ نہیں لگا سکے گی۔ بچہ اسے پیاری ہوتی ہے۔ دل دیوانے کو نہیں دیکھتا کہ کون ہے؟" مایں کے لہجے میں ترحم آ گیا تھا۔

"بی بی! اللہ آپ کو بھی خوش رکھے۔ آپ کا دل آباد رکھے۔ یاور خان کی بھی عمر ہے۔ آپ کا دل آ رہا ہے۔ حال بتا رہا ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟" بالو نے جوتے سے کہا۔

"میں تجھے کیسے سمجھاؤں بالو۔ تیرے اندازے غلط ہیں۔ میرے اندر ابھی ماں بھی تک نہیں جاگی ہے۔ اس لیے بچے سے زیادہ کسی کا خیال نہیں ہوتا ہے۔ چاہے محبت خوشی سے ملے یا مجبوری سے "ماں" کے سوا کچھ نہیں بنا پائیں۔ سمجھ رہی ہے ناں میری بات؟

محبت آخر کار صرف ماں بنے پر ہی محبت ماں نہیں ہوتی۔ ماں ہونے کو محسوس نہیں کرتی۔ اس کی قسمت کے آخر تک مرنے دم تک وہ نہیں ہوتے سکون کیا سمجھتی ہے میں ماں نہیں ہوں؟ میں اپنی نکمی کے بچوں کی ماں ہوں۔ تو کہہ رہی ہے میں ان سے خوش نظر آتی ہوں۔ میں ان بچوں کی وجہ سے خوش ہوں۔ ان کو ملنے والی خوشیوں کے خیال سے خوش ہوں۔ میں بچوں کے باپ کی وجہ سے خوش نہیں ہوں۔" مایں نے پھر سے بالوں میں برش چلانا شروع کر دیا۔

"تو آپ کی شادی زبردستی ہی ہوئی تھی یاور خان آپ کو پسند نہیں؟" بالو نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"شادی تو زبردستی ہی ہوتی ہے۔ کبھی دل زبردستی کرتا ہے کبھی گھر والے۔" مایں عجیب سی تلخی کے ساتھ ہنس پڑی۔ بالو اس مہم جو اب پرائی کی صورت دیکھ کر رہ گئی۔

"ایک بات اور پوچھوں بی بی! آپ غصے تو نہیں ہوں گی۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ہاں ہاں پوچھو۔ بہت سوال پیدا ہونے تھے تم تمہارے ذہن میں بھی اٹھ رہے ہیں۔" وہ پھر سے عملی انداز میں مصروف ہو گئی۔

"مجھے اور سرسوتی کو باہر بھیج کر وہ آپ کو کیا باتیں بتاتی تھی۔ سرسوتی تو یہی بتا رہی تھی کہ بی بی تو بہت دن سے اس کے ساتھ رات کو جاگ رہی ہیں؟"

"کمال ہو جاتا آپ دیکھو پھر اس طرح کی بات تیری زبان پر آتے۔ سرسوتی کو بھی پتا ہے کہ اس کی طرح اور بھی ہمدرد ہیں اس کی۔ ہو جا۔" مایں نے اسے ڈانٹ کر خاموش کروا دیا۔ "تیرے سوچنے کرنے کی باتیں نہیں۔ میں تم لوگوں کو دیکھ کے ہی سمجھ جاتی تھی۔ حویلی کے بھیدوں میں عقل نہ لڑایا کر۔ حویلی کے نوکروں کے دھیان نہیں ہوتی۔"

www.parsociety.com

"بی بی امی کب حویلی کی نوکر ہونا چاہتی ہوں۔ بس آپ تو مجھے واپس جانے کی اجازت دے دیں۔" بالو نے ملتجی سے کہا۔

"میرا دل چاہ رہا ہے۔ مگر اس حالت میں تمہیں حویلی سے نکالنے کو میرا دل نہیں مانتا۔"

"آپ اپنے دل کی نہ سنیں۔ میری جان لیں مجھے جانے دیں۔" بالو نے منت کی۔

"ہاں مجھے پتا ہے۔ تجھے کچھ نہیں آتی۔ اسی کے بتر میں تجھے بھیجنا چاہ رہی ہے۔" مایا نے بے ساختگی سے کہا۔

بالو خاموش، وہی پہیلی سمجھ رہی ہو۔

"کیا سوچ رہی ہے؟" مایا نے بالوں کو جھٹک کر ان کے خشک ہونے کا اندازہ لگایا۔

"کچھ نہیں بی بی۔ انسان کے ماتھے پر کیا لکھا ہوتا ہے کوئی نہیں جانتا۔ میں سوچ رہی ہوں۔ جیسے حواس اس کا نصیب ہو۔ آگے کا نظر نہیں پڑتا اور کی کھوج رہتی ہے۔ جو مل جاتا ہے اس پر دھیان نہیں ہوتا جو نہیں ملتا اس سے دھیان نہیں ہٹتا۔ میرا بھی یہ اچھا گھر تھا۔ سارے سکھ تھے۔ اس کے کئی کمرے تو میں نے کھول کر بھی نہیں دیکھے تھے ساری سہولتیں تھیں۔ یہاں حویلی میں تو بہت پانی ہے۔ میرے گھر میں پانی کا مسئلہ تھا۔ مگر لال خان موٹر لے آیا تھا۔ میرے باورچی خانے میں بھی ساری مشینیں تھیں۔ آٹا گوندھنے والی، سبزی کاٹنے والی، جوس بنانے والی۔ گیلا مسالا پیسنے والی الگ۔ سوکھا پیسنے والی الگ۔ قیمہ بنانے والی، آلو چپس بنانے والی، پانچ صوفے تھے تین ڈرائنگ روم میں ایک ٹی وی والے کمرے میں جو باورچی خانے کے ساتھ تھا ایک اس کمرے میں جہاں ہم سوتے تھے۔

کیا کھویا گھر تھا بی بی پر مجھے وہاں نیند کیوں نہیں آتی تھی؟ میرے باپ کا آدھا کچا گھر تھا۔ وہاں تو مجھے بہت نیند آتی تھی۔ ماں چٹائی بچھا کر سوتی تھی۔ کمرہ دادا کا تھا سو کر بھی ہوتی ہے۔ مگر میں تھکی کب تھی۔

کہاں گئی میری نیند بی بی؟" وہ بلک کر رونے لگی۔

مایا کے دل میں بھی ہوک سی اٹھنے لگیں۔

"چپ کر جا بالو۔ دل کی کر کے تو بعض اوقات جسم میں دوا پڑ جاتا ہے۔ کبھی وہ وقت تھا کہ تجھے قدم قدم پر کچھ نہ کچھ نظر نہیں آتے۔" اس نے بڑے دکھ سے بالو کی صحت دیکھا۔

"ایسی ویسی بی بی اوشت تو اب بھی وہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ دیا کچھ دور سے دھندلی آتی ہے۔ مگر وہ صاف تو کرتی ہے۔"

"بابو! اس بچے کی خاطر خود کو روک لے بس۔ ایک خاندان کی امانت ہے تیرے احسان مند ہوں گی۔ سب ملک۔ سدا بس چلے تو تیرے پاؤں باندھ کر بچھوا دے دال دوں۔"

مایا کو بھی اداسی نے گھیر لیا تھا۔ کسان و دہقان میں بھلائی تو سب سے پہلے ساتھ چھوڑتی ہے۔ مگر ایک امید کے سہارے کا لالچ انسان اٹھا ہی لیتا ہے۔ اس نے بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"بی بی! وعدہ کر اگر یہ باپ پر نہ ہوا اگر یہ باپ پر چلا گیا تو میں اس سے محبت کیسے کروں گی؟" بالو کے انداز میں بلا کی معصومیت تھی۔

"مجھے تو یہ لگتا ہے کہ کہیں یہ بات تو اس کے حواس میں گڑ نہ گئی ہو۔"

مایا بی بی سرسری سا سوچ کر بولی۔

"ہائے اللہ ایسا بھی ہوتا ہے۔" بالو نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہوں۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ گالی دے کر بچہ ہونے سے بہتر ہے کہ بچہ ہو ہی نہ۔

اب حویلی کے مردوں کے سامنے نہ جانا۔ باوا صاحب کو مطمئن کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مجھے کام ہوتے ہی میں تو بی بی کے بھائی کے گھر چلی جاؤں گی۔"

"آپ بھجوا دیں۔" بالو نے پھر اصرار کیا۔

"میرا بھائی ابھی گھر پر نہیں ہے۔" مایا نے بتایا۔

"تو کیا آپ مجھے اپنے بھائی کے پاس بھیجیں گی؟ میں آپ کے بیٹے جانے کے لیے تھوڑا سا کھانا بنا دوں گی۔ میں اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔" بالو نے وضاحت کی۔

مایا بی بی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بالو نے دروازہ کھول کر مالکانہ بے تکلفی کے ساتھ باورچی خانے میں داخل ہو گئی۔ وہ ضرورتوں میں ہمیشہ قریب میں ہی ہوتی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ حویلی میں موجود تھی۔

مایا بی بی طرح گزیدہ کی طرح بستر پر بیٹھی رہی۔ بالو کا اندر آنا اچھا لگا تھا۔ اس کا پیر دروازے کی طرف تھا۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ گھر جانے کے باوجود بھی وہ بستر سے اٹھ نہ سکی۔ اور بے شکل کھڑی ہوئی تھی۔ چھوٹا سا چاول دان اس کے ہاتھ میں تھا جو اس نے اپنے ہاتھوں سے ہلانا شروع کر دیا تھا۔ غیب سے خوف نے اسے پسینے میں بھگو دیا تھا۔

"السلام علیکم بی بی۔" اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

داور علی خان نے اس پر ایک نگاہ ڈالی تھی ان کی ایک نگاہ بھی بہت تھی۔

"کون ہے یہ۔۔۔؟" انہوں نے عام سے انداز میں مایا سے دریافت کیا۔

"بالو ہے۔ ایسے ہی لیبر یرلی طور پر حویلی میں کام کرتی ہے۔" مایا کی آواز بہت آہستہ تھی۔ اسے اپنی آواز سے ہی وحشت ہو رہی تھی۔

داور علی خان بھی طرح دیتے کر باہر چلے گئے۔

داور علی خان صوفے پر بیٹھے تھے وہ وہیں کھڑی تھی۔

"کس نے کی تھی یہ پیر یرلی ایبارشن؟" ان کا لہجہ بہت تحمل تھا۔

"کرامت آئی تھی حویلی کا پتا پوچھتی ہوئی۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے میں نے بھابی جیسے سمجھا دیا تھا۔"

"کل صبح ہو گی۔ کتنے دن سے قیام ہے حویلی میں کرامت کا؟" داور علی خان کا لہجہ سخت تھا۔

"آج دوسرا دن تھا۔" مایا نے اسی طرح کھڑے کھڑے جواب دیا۔

www.Paksociety.com

"یعنی آپ کی عمر سے میں جو بیلی کرانی لڑکیاں دیکھ چکی ہوں۔ کیا تنگ گریبان ہے اس کا۔ اگر یہ کہیں سامنے آ جائے تو دم گھٹ جائے یا اس سے دور اس علاقے میں کس حساب میں یہاں نظر آ رہی ہے۔"

"پھر لڑکی ہو چکی ہے۔ ماں باپ کی غریب۔"

"یعنی کوئی بھی خاتون اس حال میں اس حویلی میں آرام سے قیام کر سکتی ہیں۔ صدمہ ہو گی۔ نکاح ہو رہی ہیں اور شادی رہی ہیں مجھے۔۔۔ مجھے یاد آیا۔ خانزادہ بی کو ہری پور ساتھ لے جانے کے لیے آپ کہہ رہی تھیں۔ اس وقت میں نے اس کیس پر توجہ نہیں دی تھی۔ مگر مجھے آپ سے اس قسم کی حماقت کی امید نہیں تھی۔"

وہ مشرقی شوہر ہونے کی حیثیت سے بیوی کو محفوظ رکھتے تھے کہ سب سے بڑی بیوی کو پامال ہونے کا احساس ہر دم دلاتے رہو۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت کا شوہر تو بہت بے تاب رہتا ہے کہ کسی طرح ثابت کر دے کہ بیوی کا شعور اور دانائی سب سے بڑی بیوقوفی ہے اس لیے کہ عورت ہے۔

احساس توہین سے چند گھڑیاں لب بستہ رہ کر گزریں۔

"کیا نام بتایا ہے اس نے اپنے بچے کے باپ کا؟" یاور علی خان کی آنکھوں سے نظر مندی جھلک رہی تھی۔

"ڈول خان۔ معمولی پڑھا ہوا کاروباری آدمی ہے۔ ٹھیک ٹھاک پیسے والا ہے۔" ماہین نے تاثر سے انداز میں کہا بولی۔

"وہ پیسے والا ہے اور یہ یہاں اس حال میں جھک مار رہی ہے۔ کوئی سر پیر ہے اس اسٹوری کا؟" یاور علی ذرا طیش میں آ گئے۔

"بتایا تو ہے سچویشن ہو گئی ہے۔" ماہین نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

"اور ہاں۔۔۔ ایک پوائنٹ تو مس ہو رہا ہے۔ حویلی کا پتہ کیسے کیوں آئی ہے۔ کیا حویلی میں اس کا کوئی ملنے والا ہے۔" یاور علی خان ایک دھیان سے چونکے۔

"غلطی ہو گئی مجھ سے۔ ذرا سا بھی اعتماد نہیں ہے مجھ پر۔ کٹہرے میں آ کھڑی ہوں جیسے۔ نوکروں سے کہا دو تھپڑ دھکے دے کر حویلی سے باہر نکال دیں جیسے کہ آپ کے ہاں کا دستور ہے۔" اب ماہین کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"اس قسم کی ہمدردیاں گلے پڑ جاتی ہیں۔ کیوں نہیں سمجھ میں آتی یہ بات آپ کو؟" یاور علی خاں بیلک کنفرمیشن کا اظہار کر رہے تھے۔

"ڈول لارڈز ہمارے سسٹم میں جرگا قانون و بندش سے آزاد ہوتے ہیں۔ کوئی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے اگر محترمہ تو ہی بے چاری کا بگاڑے گا۔" ماہین نے تلخ انداز میں جواب دیا۔

"ڈول لارڈز کی کوئی پرابلم بھی ہوتی ہے" یاور علی خان نے مزید ٹکل دی۔

"ہونہہ۔ پرابلم" کہتا ہوا لکڑی پر بیٹھی چاہے پرابلم بنوالیں۔" ماہین کا سودا تو گویا ہیجان کے لیے آگ ہو گیا تھا۔

"میں بہر حال کہہ چکا ہوں کہ یہ لڑکی ایک دن بھی یہاں نہیں ٹھہرے گی اور آج دو کوئی لڑکی عورت وارث ہے

"ایک بیوی میں آپ سے شروع کی تھی تو سوچا تھا ایک فرینڈلی ریلیشن شپ کو ایک حد تک لے کر چلیں گے۔ کیا پتہ کہ کسی دن کوئی لڑکی آپ کی زندگی میں آ جائے۔ مگر مجھے آپ سے اس قسم کی حماقت کی امید نہیں تھی۔"

"سب کچھ پہلے سوچا تھا۔ اس کو ایک حد تک آگے بھی سوچا ہوتا۔" ماہین نے تحمل سے کہا۔

"عورت سے بہت کمزور ہیں۔ مگر سے گوں میں بہتوں کو ایک لڑکی کا وجود سب سے بڑا خطرہ نظر آتا ہے۔ کیوں ہو جاتا ہے ایسا۔ ہماری کمزوری کا پتہ ہے کہ کسی سوئے ہوئے شعلے کو بھڑکا دینا کتنا آسان ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ہمیں ہمیشہ کمزور ہی رکھنا چاہتے ہیں۔"

گویا چار بن شیئر کھل گئی تھی۔

ماہین سر جھکائے سن رہی تھی۔

"ایک بیوی میں آپ کی طرح کی کس سے بڑی کی ہوتی ہے۔ کسی بیوی میں ساس میں آپ جتنے فرینڈلی ایک آدھ بھی اپنے وجود میں سما سکتا تھا۔"

"مجھے یاد آ رہا ہے کہ بات کے سلسلے میں یاد داشت پہلے بھی بات ہوئی تھی۔ مگر مجھے آپ نے ایسا کوئی خاص اشارہ نہیں دیا تھا۔ اب یہاں کا معاملہ کہاں لگا جا رہا ہے۔ کس بات پر غصہ ہے وہ بات کیجیے ہاں۔" وہ بہت تحمل سے کام لے رہے تھے۔

"اب آخری فیصلے کے جذبات کے علاوہ دوسرے جذبات دینے کہاں ہیں۔ سات تولیوں بھی تم کا مائل ہے۔ کیا ہو گیا ہے تم کو کہ کس لگانے لگے۔"

ماہین نے چونک کر ان کی صورت دیکھی۔

"تم۔۔۔ کون ہو تم؟" اس کی آنکھیں سوال تھا۔

"یا صاحب غصے آ رہے ہیں۔ آرام کریں۔ ڈاکٹر آ گئے ہیں۔ دوائی کا معاملہ ہے۔ کل ہو جائے گا۔ آپ ہماری کے لیے کوئی بلیک ماری ظاہر کریں گے تو ان سے بھی اس موضوع پر دوبارہ کبھی بات نہیں ہو گی۔ پھر کسی کی میں مصلحت ہے کہ وہ اس لڑکی کی بات کیا ہے۔ کیا نام ہے اس کا۔ مجھے محترمہ بتا سکتی ہیں آپ نے ایسی لڑکی کو پناہ دی ہے اور ہاں بیٹھ ایسی بیٹھ ہیں بہت پہلے لیا۔ کھلے گریبان کا ڈیزائن آپ کو بہت عمر میں لانا چاہیے تھا۔ مگر آپ تو کھلے بالوں سے بھی چھپنے کی عادی ہیں۔ کبھی اتفاق یا مائنڈ شپ سے ہمارے ہاں اتوار کو آنے کی کس تکلیف کی ہے۔"

انھوں نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں آپ کو یقین دلانے کی حد تک کوشش ضرور کروں گی کہ رافی کے کیس میں پیشے کا حکم آپ کی خواہش کے برعکس تھا۔ ہاں یہ ایک علم ضرور تھا کہ وہ علیم سے شادی پر رضامند نہیں ہے۔"

"جو ہو چکا ہوتا ہے میں اس پر زیادہ غور نہیں کرتا۔ جو کرنے کا ارادہ ہوتا ہے کمر کی ساری لچک اس پر ہوتی ہے۔" یاور علی خان نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "پتا ہے بھئی۔" ماہین بڑبڑائی۔

"مگر یہ آپ کی بیٹی کا معاملہ ہے۔ انسان غور کو جانتا ہو تو اپنی اولاد کو بھی ٹھیک ٹھیک انداز لگا سکتا ہے۔ دل کا کھلونا نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اپنی اولاد کو آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کو جانے بغیر آپ کورٹ میں جائیں گے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔" ماہین نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"اتنا ناداں میں بھی نہیں ہوں۔ اسے سیٹ کر لوں گا پھر کورٹ میں جاؤں گا۔ اس لیے کہ یہ ایک مضبوط دلیل ہے۔ بازی کی بیک بھی بہت مضبوط ہے۔ میں سب سمجھ رہا ہوں۔" یاور علی خان نے جتانے والے انداز سے کہا۔

"مثلاً۔ کیا سمجھ رہے ہیں؟" ماہین نے گرم لوہے پر چوٹ لگانے کی کوشش کی۔

"میں اس موضوع پر آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ اہلیہ محترمہ کی تاکید ہے ان کا کہنا ہے۔ آئندہ ماہین اپنے بیٹے سے بات کرے۔ آپ نے انھیں کچھ نہیں بتایا تو کیا خیال ہے وہ اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ میں بیٹے کے روم میں سوجھوں گا اور آپ بیٹے کا روم چھوڑ کر کہیں اور رات گزاریں۔

میں آپ کی ذہانت سے خائف نہیں ہوں۔ مگر معاملے کی تہ تک پہنچنے سے پہلے آپ سے ہارنا بھی نہیں چاہتا۔ بہتر ہے کہ اس موضوع پر ہماری بات نہ ہو۔ یہ ہم دونوں کے لیے ہی اچھا نہیں ہے۔"

یاور علی خان اٹک اٹک کر بول رہے تھے۔

"بات تو میرا خیال ہے مجھ سے ہی ہوگی آپ نہیں کریں گے تو یاور صاحب کریں گے۔ مگر میرے ہاتھ صاف ہیں۔ مجھے عشق کی بات کی پروا نہیں مگر کوئی مجھ سے اس موضوع پر بات کرتا ہے یا نہیں۔"

ماہین نے بھی قطعی انداز میں بات کی۔

"میرا آپ سے خود بات کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ میں اس معاملے میں میرے سے آپ کو الجھانا نہیں چاہتا۔"

"اوہ اچھا تو آپ مجھے ڈرا چکیں یہ کہہ کر کہ میں اس پاگل میں شامل ہوں۔" ماہین نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"بات آگے بڑھے گی تو جان جائیں گے کہ آپ شامل ہیں یا نہیں۔ اس سے پہلے میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔"

یاور علی خان اٹھ کر میز کی طرف بڑھے جیسے کچھ تلاش کر رہے ہوں۔

"لگتا ہے اگر یہ ہو گیا کہ میں اس معاملے میں شامل نہیں ہوں تو آپ کو مجھ سے معذرت کرنا پڑے گی۔" ماہین

بڑبڑائی۔

"جی ہے۔" یاور علی خان نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

"ایک بات پھر کہوں یہ نقصان ہو سکتا ہے آپ کو۔ تو تم ہمیشہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتے ہو یہ کیا پہلی بار ہے؟" ماہین بولے بنا نہ رہ سکی۔

"مگر میں بھی ہوں تو میرے لیے بھی ہوتا۔ مگر ایک بار ہی۔"

آپ کا کیا مطلب ہے؟" وہ سمجھ کر سوالیہ انداز میں اس کی بات کہہ رہے تھے۔

"اس پر آپ غور کریں گے۔ میں نے یہ کہا ہے نا کہ ابھی مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ یاور علی خان کچھ سوچتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ماہین گہری سوچ میں گم تھی۔ اس کی آواز پر چونک پڑی۔

"باتوں کی بات کر رہی ہیں آپ بی بی! میں نے سوسوتی سے کہا تھا کہ بیچارے کے پیچھے لگا ہے اس سے کام نہ کرا۔ مگر بی بی اور خواہی نہ خواہی تو باز نہیں آتی۔" گلو نے سفائی پیش کی۔

"کوئی بات نہیں گلو۔" وہ رافی کے بارے میں کھل کر بات پر پھیلے آڑے نہیں آنا چاہتی تھی۔

"ایک تو تجھے بات کرنے کا ڈھنگ جانے کب آئے گا۔" وہ جھلا کر بولی تھی۔

گلو حیرتوں کی طرح اس کی شکل دیکھنے لگی کہ ٹھیک تو بات کی ہے پھر اعتراض کیا تھا۔

"میں اوپر اپنے کمرے میں جا رہا ہوں میری چائے وہیں پہنچا دینا۔" وہ کرسی گھسا کر کھڑا ہو گیا۔ رافی نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"کل آئندہ میرا کھانا، ناشتہ پاپا صاحب کے ساتھ ہوگا اور چائے میرے کمرے میں اور ناشتہ بھی۔ مجھے میٹنگ میں جانے کی جلدی ہوتی تھی کہ کھانے پینے جیسی فضول چیز کو مقرر نہیں فرمایا۔ مگر اب میں نے سیٹ کر لیا ہے۔ ماما کو بھی میری وجہ سے بہت پریشانی ہوتی تھی یا آخر میں پڑھنے کے لیے باہر جا کر تو تم لوگ اور پریشانی پیدا کرو گے۔" وہ بلا کا مسکرایا اور باہر نکل گیا۔

رافی حیران پریشان اس کے الفاظ پر غور کرتی رہ گئی۔ کچھ اور سوچنے کی ہمت نہیں کر رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ "ہالی کے لیے باہر" بس یہی بازگشت تھی۔

"آپ چوٹ تو نہیں گئی بی بی؟" گلو نے اس کے کھڑے ہونے کی تیاری دیکھ کر پوچھا۔

"جہنم میں گئی چائے۔" وہ جھلائی ہوئی باہر کی طرف بڑھی۔

چند منٹوں کے بعد وہ اس کے کمرے کے دروازے پر تھا۔ اندر سے آتی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ دروازے پر دستک دینے کے بعد وہاں کھل گیا۔

"ہائی گاڈ! — سامنے کا منظر دیکھ کر وہ چلایا تھا۔

"آپ کو اب اس طرح نہیں آنا چاہیے۔" اس نے پہلے سامنے کھڑے ہوئے کی سمت دیکھتے ہوئے ناراضی ظاہر کی۔

"کس طرح آنا چاہیے۔ مجھ سے پوچھ کر بیل کو بجایا کریں!" وہ اس کے سراپا پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

"آپ سمجھتی کیوں نہیں۔ کس قدر ٹینشن ہے ماحول میں۔ ہماری جان سے۔ بات کو کسی واضح سمت لے کر تو کرتے ہیں۔ حریہ الجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ سب اچھے ہوتے ہیں۔ حریہ الجھنوں کے دم گھونٹنے والے ماحول میں ان میں کیا کر سکتے ہیں۔" وہ اس کی عادت تھی کہ جب کسی مسئلے میں الجھتی تھی تو ہر مصلحت بالائے طاق رکھ دیتی تھی۔

"یہ صرف آپ کا خیال ہو سکتا ہے۔" بارق دروازے میں رکا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ کسی طور پر اسے کمرے میں آنے نہیں دے گا۔

"ہاں ظاہر ہے اس لیے کہ میں آنسٹ (Honest) ہوں۔ جو آنسٹ ہوتا ہے اس کے پاس اسٹریٹجی بھی ہوتی ہے اور Will بھی اسی کی ہوتی ہے۔ تم تو چڑھائی کے بہانے یہاں سے فرار ہونے کے چکر میں ہو۔ صرف پیسے سے ایک سٹیٹس ہوتی ہے اور تمہاری" بارس پاور" ہوا ہو گئی ہے۔

مگر میں تمہیں بتا دوں کہ میں تم سے بہت اچھی طرح نمٹ لوں گی۔ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔" اس کا چہرا یکدم سرخ ہو گیا۔

مجھے ٹھیک ٹھیک اندازہ ہے کہ میں کس طرح گرفتار ہوا ہوں۔ میں فی الحال کہیں فرار نہیں ہو رہا۔ آپ فکر نہ کریں۔ اب پلیز آپ طریحہ یہاں نہ کھڑی ہوں۔ کیس اور مشکل ہو سکتا ہے۔ سمجھیں آپ۔"

"اب کیا مشکل ہے اچھا بھلا ہے بات کھل گئی۔ میرا تو دم گھٹنے لگا تھا۔ اتنا بہادر شوکرنے کی ضرورت کیا تھی جب اچھی خاصی تھرکاپ رہے ہو۔ میں کاکا جان کو بتاؤں گی۔ کہاں اس لیے تو نہیں گئی تھی۔ تم اکیلے کر سکتے تھے۔ کیوں نہیں کیا؟ مجھے بھی اس بات پر یقین نہیں کر سکی کاکا جان کی۔ تم تو ہم میں کسی طرح کی زیادتی کر سکتے ہیں۔"

"آپ نے لیا کیا۔ کیا میں اپنے کمرے کا دروازہ بند کر سکتا ہوں؟" بارق نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ اس کیفیت کا اسے سامنے بتانا چاہتا تھا۔

اگلے لمحے سرسوتی اس کی طرف سے خبردار ہوئی۔

"ٹھہراں ہوں بولے خان فاماں۔" وہ بارق سے مخاطب تھی۔

روشنی سرسوتی کی آواز پر سامنے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے کوئی بھی بات کرے گا۔" اس کے بارے میں کہے گی نہیں۔ ظاہر ہے سوال میں تھا کہ کس

"ہی ہیز ہیلپلیس۔ اس۔"

روشنی نے چونک کر بارق کی سمت دیکھا۔ وہ چلتی اس کے پیروں سے لپٹنے لگی۔

بارق نے اسے پیچھے کر کے دروازہ بند کر دیا۔

"اپلوڈم آ ہوں۔" اس نے سرسوتی کو تھپکنا شروع کیا۔

آپ بھی بیٹھیں۔ آرام کریں۔ اور دعا کریں۔ کہ ہماری آگ بجھی کمرے سے باہر نہ جائے۔ بند کمرے کے اندر ہوں۔ بارق کا ذہن اس کا کمرے سے گھر یا اور پھر ادھر کو کر بارق کا اول موم ہو گیا۔ وہ بہت سہما سہما لگ رہا تھا۔

"وہ صاحب ہمارے ساتھ چلے گا کہاں لے کر یں۔ ہم بھی چلوں۔" وہ گھر جانے کی ضد کر رہی تھی۔

"آپ تو یوں میں گولے لیں گی۔ کیوں پریشان ہوتی ہیں یہ تو ایک دن چلی آئی تھا ہمیں دن تھے سے لگا ہے وہ چلا گیا تھا۔ سر پر کفن باندھ کر گیا تھا۔

محترمہ روشنی — عربی میں ایک بامحل لڑکی ہے جس کا دل بہت بے ایمان ہے۔ اس لڑکی میں بیٹھ جانے کے سارے محل موجود ہیں۔

"بارق — اوہاں اوہاں میں بھی اور بابا صاحب بھی۔" اس کا دل چیخ چیخ کر کہنے لگا تھا۔

"وہاں اور دوسرے بھی ہو سکتے ہیں۔ آ سکتے ہیں۔ خطا ہے تا۔ ہاں۔ اگلا۔ صبر۔ بیٹے۔ اور دوسرے گھر بانٹ کرتے ہیں۔" وہ اٹل تھا۔

"وہ تمہیں ہرٹ کریں گے۔" روشنی دہشت سے بولی تھی۔

"ابھی تک تو صرف ایک ہستی ہی ہمیں ہرٹ کر سکی ہے۔" وہ مسکرایا اور آگے بڑھا۔ "بارق!" اس نے جاتے ہوئے بارق کو آواز دی۔

"اوہ جانے دیں مجھے۔ "اوہر" جائیں گے تو "اوہر" آ ئیں گے۔" وہ بہت نے سکون لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔

"کاکا جان کو نہ کریں۔" بارق کی آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ اس کی نظریں خود بخود جھک گئی تھیں۔

"صاحب گی۔ ایسے تو ہی تو پیچ تی ہیں۔ ہمارے کہ ہم ظالم ہیں۔ اور ہیرو کر کلسن میں ہوتا ہے۔ پیار کھل ہی سے آپ کی۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے گویا ہوا۔

"مجھے آپ کی فکر ہے کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ ہو۔ لوگ بہت خطرناک ہیں۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"کتنا بے موقع بات کرتی ہیں کہ نہ ہو۔ ابھی ابھی ہو سکتا۔ ہمارے جوان بھائی کو کسی نے چھپا چھپا کر مارا ہے۔ کوئی اسے چھپا چھپا کر مارا ہے۔ کوئی اسے چھپا چھپا کر مارا ہے۔ کوئی اس

"السلام علیکم!" پارسی کی آواز سے دروازہ وا ہوا اور باری اندر داخل ہوا۔

بابا صاحب نے اشارے سے جواب دیا۔ یاور علی خان نے اتنی دیر بھی نہیں کی کہ گھر سے نکل کر گھوڑا گاڑی تک پہنچنے کی تکلیف اٹھائی۔ خاموشی چھائی رہی۔

"باری۔!" بابا صاحب کی آواز میں عجیب سی بے رونق تھی۔

"جی خان۔" وہ ہنوز کھڑا رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے مقابل بچھی کرسی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ باری ادھر ادھر دیکھے بنا خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"عمر بھر اور حویلی کے تمہاری عمر کے کتنے وارث ہیں۔ ہماری حویلی ہیں؟ کسی پر اتنا اعتماد اور اعتبار نہیں کیا گیا۔ یہ اعزاز تمہیں اس لیے دیا گیا تھا کہ وفاداری اور فرض شناسی کا جو ہر جو تمہارا خاصا ہے۔ بہت بچپن میں ہم نے اسے جانچ لیا تھا۔ اور وفاداری جانچ تمہاری عمر کے ساتھ ثابت ہوتی گئی۔

مگر یہ کیا کر دیا۔ ہمیں یقین نہیں آ رہا۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یا تو ہم سے خواب میں مخاطب ہوئے تھے۔ کیا ہم نے جو سنا ہے درست سنا ہے؟"

دلاور علی خان دکھ کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ چند لمحوں کے لیے ماحول میں سکوت سا چھا گیا۔

"آپ نے جو جانچ پرکھ کی تھی وہ بھی صحیح ہے اور جو سنا ہے وہ بھی درست ہے۔" باری کا گلہ گویا بیٹھ گیا۔

"ہمیں یقین کیوں نہیں آ رہا؟" دلاور علی خان نے بے بسی سے یاور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔

"کیسے؟ سنا ہے۔ کوئی معمولی دکھ ہوتا ہے جب اختیار ٹوٹتا ہے۔ اور سانپ آستین میں سے نکلتا ہے۔" یاور علی خان کے لہجے میں بلا کی تلخی تھی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔" باری نے بابا صاحب کی سمت دیکھا۔ جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

"حویلی کی چار دیواری کے اندر جو قانون اور ضابطے ہیں۔ ان کے حساب سے یہ نہایت سنگین جرم ہے۔ لیکن بحیثیت انسان میرے تمام حقوق اسی طرح محفوظ ہیں۔ جیسے کہ دوسرے انسانوں کے اگر آپ نے بچپن ہی میں میرے ایک پاؤں میں بیڑی ڈال دی ہوتی تو میں کتاب اٹھانے کے بجائے ہتھوڑا اٹھاتا۔ اس وقت تو مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کون ہوں اور میرا باپ کون ہے۔ مگر آپ نے تو میرے ہاتھ میں کتاب دی تھی۔ کتاب سے تو انسان کی "میں" کا آغاز ہوتا ہے۔ میں نے اپنی "میں" استعمال کرنے کی اجازت کس سے مانگنی تھی خان۔ اگر پتا ہوتا کہ میں یہ بتیس ہو جاؤں گا کہ آپ اور یاور خان تھوڑے سے ٹینشن کے ہو جائیں گے تو میں وقت کا سہارا لے کر انتظار کرتا۔ لیکن مجھے اور کاکا جان کو بہت اچھی طرح پتا تھا۔ کہ آپ اگلے تیاست تک رضامند نہیں ہوں گے۔ اس لیے۔"

"اس لیے تم نے بغاوت کے جھنڈے گاڑ دیے۔" یاور علی خان نے کہا تھا۔

"بات تو ہماری سمجھ میں آ گئی ہے۔ تھوڑی دیر میں ہمارے دماغ میں بھی نئی نئی باتیں آئیں گی۔ ہے ہمیں آ گئی

کیا تمہیں انداز ہے جو تم نے کیا ہے؟" یاور علی خان نے ایک لمحے کو اپنی نگاہ اٹھا کر باری کو دیکھا تھا۔ پھر سامنے دیوار پر لٹکی تصویر کو دیکھنے لگے تھے۔

"ایک عدد حسین و جمیل شوہر ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس میں عمل کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ بیوی کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر بیوی اپنے ساتھ ہونے کا احساس نہیں کر سکتا۔ اور یہی کمی اور بے بسی کے ساتھ۔ یہ صرف اتنی سی بات ہے کہ آپ نے یاور علی خان کے ہونے کو تسلیم کیا تھا۔ اور ہم نے اس کی کمی کو محسوس کیا تھا۔ ہم نے کبھی بھی اس کو اپنی بیوی کے لیے کچھ پیش نہیں کرتے۔ جب کہ اس کی ایک ایک حرکت پر ہم اپنا دل ہتھیلی پر رکھ دیتے۔"

باری بہت اداس اور غمگین لہجے میں کلام کر رہا تھا۔ بیٹی ہونے کی خبر کو اسی دن سے شروع ہو گئی تھی جس دن سے اس کی ماں کا انتقال ہوا تھا۔ اس دن سے اس کا ایک ایک لمحہ تکلیف میں گزرا تھا۔ جب تک جیا تھا تکلیف میں ہی جیا تھا۔

"عمر بھر ہمارا یہ خلوص ہے جسے تم نے اعتراف کر کر تم نے ایک بھیانک جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ جسے ہم کبھی بھی معاف نہیں کر سکتے۔ واقعہ بہت دنوں کے بعد ہماری استطاعت و حوصلے سے بہت زیادہ ہے۔ مگر اس واقعے سے پہلے جو اعتماد تھا ہمارے ساتھ۔ یا جو فیصلہ کن حیثیت میں آنے سے روک رہا ہے۔ تم میں ایسی کوئی خامی نہیں تھی کہ ہم تمہیں یکلخت نظر انداز کر دیتے۔ تم قابل غور ہو سکتے تھے۔ مگر وہ وہ شائستگی کے سرپرست ہیں۔ اس کے باپ ہیں انہیں یہ اختیار دیا جانا چاہیے۔ ہم اس کمرے میں بیٹھ کے لیے یہ واقعہ بھلا دیا جاتے ہیں۔ کسی بھیانک خواب کی طرح۔ امید ہے تمہاری بات سمجھ چکے ہو۔"

دلاور علی خان سارا منظر ان تمام باتوں میں استعمال کر رہے تھے۔ سارے تجربات کا نچوڑ پیش کر رہے تھے۔ وہ انتہائی دھیمے انداز میں ان سے ہم کلام تھے۔

"اس واقعے میں سرائے کے مکین بھی شامل ہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں میں کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ بات بھلے یا پہلے میں ان کی موجودگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مگر میں سرائے کے مکینوں کو اپنی بیٹی کے معاملات میں مداخلت کی اجازت کسی طور نہیں دوں گا۔ اپنی بیٹی کا معاملہ نمٹانے کے لیے میں اکیلا کافی ہوں۔ آپ کو میرے سامنے سرائے کے مکین پیش کیا جائے۔" یاور علی خان نے ناگوار لہجے میں اپنی حتمی رائے پیش کی۔

"یا آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔" یہ میرے لیے بھی انتہائی اہم معاملہ ہے۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں اس واقعے کو کبھی بھی نہیں بھلا سکتا۔ مگر چاہتا ہوں کہ آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ سب پھر غور کریں۔ بچوں سے بھی ایک بار کھل کر بات کر لیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بہتر حل نکل آئے۔" باری بہت تحمل و متانت سے اپنا مدعا بیان کر رہا تھا۔

"ہمیں کچھ نہیں سوچنا۔ فیصلہ ہو چکا ہے۔ بات یہاں ختم کرتے ہیں۔" یاور علی خان نے حتمی لہجے میں کہا تھا۔ دلاور علی خان نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

"بات کیسے ختم ہو سکتی ہے۔ اس کیس کا اہم ترین ہماری میٹنگ میں شامل نہیں ہے۔" باری کے اندر پھر کوئی دھماکہ ہوا وہ مسکرا رہا تھا۔

"باری۔ مجھے دیکھنے دو۔ میں تمہارے ساتھ زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔" بابا صاحب کے اندر امید کی شمع جگمگائی تھی۔

"دکھ کی بات تو میرے لیے ہے۔ آپ کی عزت افزائی صرف ایک سلام کے لیے تھی۔ یہ اعزاز کس قدر تضحیک آمیز ہے۔ میرے دکھ کی کوئی حد نہیں۔"

"بابا صاحب! مجھے کچھ نہ کہیں۔ پہلے سنیے۔ یاور علی خان نے غصے بھرے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

"دراصل میرے ذہن میں اس طرح سے کبھی نہیں آیا تھا کہ مجھے کبھی اس موضوع پر آپ سے اور خان سے بات کرنا پڑے گی۔ میں جانتا بھی نہیں تھا کہ کیس پر آپ سے براہ راست بات کروں۔ بابا کا جان کی ایڈوائس تھی کہ میں ان کی اجازت کے بغیر کسی سے کوئی بات نہ کروں اس لیے آپ لوگ اس وقت مجھ پر ناراض ہوں مگر میں ناراض نہ ہوں گا کہ کوئی سزا بھی نہ دیں۔ تب بھی میں کوئی فیصلہ آپ کو نہیں سنا سکتا۔ فقط اس کارنر سے میں آپ کو اطمینان دلانا چاہتا ہوں۔ کہ میری جانب سے کوئی گستاخانہ عمل نہیں آئے گا۔"

وہ پرسکون لہجے میں اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"من لیا بابا صاحب؟ اب بھی آپ کو کوئی شک ہے کہ یہ پاگل نہیں ہے۔ کتنی واضح بات ہوئی ہے۔" یاور علی خان نے اپنا خیال درست نکل آنے پر باپ کی سمت فخریہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"باری! ہمیں تم سے یہ امید نہیں تھی۔ تمہیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ پھر گھوڑا دوڑانا بتایا۔ تمہیں اپنے دل میں وہ مقام دیا۔ جس کا تصور بھی ایک بے نام و نشان انسان نہیں کر سکتا۔" دلاور علی خان کی آواز میں عجیب سی شکستگی تھی۔

"میں بے نام و نشان نہیں ہوں خان! مہندی سرداراں میں کسی نمبر پر میرا بھی نام ہے۔ میرا نشان تو اتنا گہرا تھا کہ آپ نہ چاہتے ہوئے بھی عزیزی میں مجھے جگہ دینے پر مجبور ہوئے۔ میں نے کتنی مرتبہ آپ سے اپنے قبیلے والوں سے ملنے کی اجازت مانگی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ وہاں میری جان کو خطرہ ہے اور آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ مجھے کھونا نہیں چاہتے۔" وہ آہستہ آواز میں بولتے بولتے رکا اور قمیض کی جیب میں کچھ ٹٹولنے لگا۔ پھر ایک کارڈ نکال کر بابا صاحب کے سامنے کیا۔ "یہ میرے والد عبدالعلی مہندی کے گلے کا کارڈ ہے۔ ایک مرتبہ کاکا جان کے ہاں کاکا ڈات سیٹھے ہوئے تھا۔ ان کی لائبریری میں۔ اس وقت میں ساتھ کا اس میں تھا۔

اکثر ایسا ہوا ہے کہ مجھے خود اپنے بے نشان ہونے کا گمان ہونے لگا۔ اس لمحے میں یہ کارڈ نکال کر دیکھ لیا کرتا ہوں۔ اور میرا اعتماد بحال ہو جاتا ہے۔"

وہ بے اعتنائی سے کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہے آدمی کا وہ دست بھی کٹے جو تجھ پر اٹھا۔ تمہارے باپ نے بھی کسی کی لاڈی گوہر کیا تھا۔ خون کی ولی تا قیامت قرض رہتی ہے۔" یاور علی خان نے تلخی سے کہا۔

کمرے کی فضا سوگوار ہونے لگی جیسے وہاں موجود ہر شخص کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

دلاور علی خان کے لب کہنے سے میں اس طرح ہوئے تھے۔ مگر اب انھوں نے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ باری کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ جذبات میں طلاطم برپا تھا کہ اچانک اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر جان اس واقعہ ختم کرنے کی بات کر رہی تھی۔ مجھے کچھ اور نہیں کہنا تھا۔ مجھے اور نہیں سننا تھا۔ میں نے فیصلہ خود ہی کر لیا تھا۔ اگر فیصلہ آپ ہی نے کیا ہوتا۔ مجھے انسان ہونے کا احساس دلایا گیا۔ اگر مجھے یہ تو عزت دی جاتی۔"

"ان تمام باتوں سے آپ کو قبل ہی آگاہ کر چکا ہوں۔" یاور علی خان کا لہجہ سرد تھا۔

"اگر پہلے تو میں اس وقت کہاں تھا۔ جب اپنی شناخت کے لیے تڑپ رہا تھا۔ یا جب میرا بچپن آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔ ہماری گفتگو سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔" باری کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

"تمہارے مفادات اسی عزیزی سے شروع ہوئے۔ یاور علی خان کے صرف دو بچے ہیں۔ ایک تم اور ایک وہ۔ سب کچھ تم دونوں بچوں کا ہے۔" یاور علی خان پھر تحمل بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

"مجھے اندازہ تھا کہ مجھے یہ سب بھی سننا ہوگا۔ مگر اس سے بھی زیادہ۔ آپ مجھے اجازت دیجیے۔ میرے لائے ہوئے پیکٹ میں ہیں۔ اصولاً تو مجھے وہیں ہونا چاہیے تھا۔ میرا اگر تعلق لاہور سے ہوتا چاہیے تو وہ جگہ میرا ہے۔ کیونکہ وہاں میرے سوا آپ کا دوست ہے۔"

"تمہاری روشانے سے شناسائی کے متعلق بات چیت کتنا عرصہ قبل ہوئی تھی۔ کیا اس کی تعلق سے پہلے۔ یا کراچی میں جب اس نے فرار کی کوشش کی تھی۔ اس سے بھی پہلے۔"

دلاور علی خان کی خاموشی بھی بہت کچھ ظاہر کر رہی تھی۔ شاید باتیں ہو رہی تھیں۔ کہانیاں سنائی جا رہی تھیں۔

"شناسائی یا تعلق کے موضوع پر ہماری بابا سے کبھی بات نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی ہمارا یہ مقصد ہے۔ میں آپ کے اطمینان کی خاطر عرض کیے دیتا ہوں۔" باری کا انداز حتمی تھا۔

دلاور علی خان اور یاور علی خان دونوں ہی بری طرح چونک پڑے۔ وہ آج اپنے صاحب سے جانے ان کی کتنی عجیب و غریب کارکردگی سنانے والے تھے۔ کسی کو میرے کامیاب عزائم سے مزاحم ہونے کے بعد ہی آتا ہے۔

"شناسائی کی تم صاف اٹھانے کا مطلب نہیں جانتے۔" بابا صاحب نے برہم انداز میں اس کی سمت دیکھا۔

"میں کیونکہ طرم خاں ہوں اس لیے برا ماننے سے صاف کر دیا آپ کا حق ہے۔" باری نے سنجیدگی سے کہا۔

"کتنی آفر ہے کیوری کی طرف سے؟" یاور علی خان نے پہلو بدل کر طنزیہ پوچھا۔

باری۔ خاموش رہا۔ پھر سوچتا رہا۔

"خان۔ ایسٹرن کھاؤ۔ ویسٹرن کپڑے اس یہاں مجھے بھیجا ہے۔ مریم کو ہائیڈ کرنا ضرورت کے وقت استعمال کرتا رہا ہوں۔ لاکھوں کو گیش یہاں وہاں لے کر گیا ہوں۔ وہ اسماعیل خان میں ایک کروڑ کی ڈکیتی میں میرے ساتھ تھے۔ وہ کراس فائرنگ میں مارے گئے۔ یہ ہم تین ہی تھے جو زندہ بچے۔ میں نے ہر ایک کے گھر والوں کو اطلاع دی۔ ان کے بچوں کی ذمہ داری لی۔ ان کے گھر والوں کے ساتھ رابطہ رکھا۔ ان کے بچوں کی تعلیم کا ذمہ لیا۔ ان کی بیواؤں کی شادی کی۔ ان کے بچوں کی شادی کی۔ ان کے گھر والوں کے ساتھ رابطہ رکھا۔ ان کے بچوں کی تعلیم کا ذمہ لیا۔ ان کی بیواؤں کی شادی کی۔ ان کے بچوں کی شادی کی۔

www.Parsociety.com

مگر کالج کے بعد تو ملنے میں پابندی لگ گئی۔ آپ اسے اس کے ادا کیے جانے والے حقوق پر غور کرنے کی دعوت دیں۔
آپ سے درخواست کر رہا ہوں میں۔"
دادی نے بڑی ہمت کر کے بادل خان کو مخاطب کیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لیکن ان چیزوں کے کبھی نہ کبھی بھرجانے کا امکان تھا مگر اب تم نے مستقل طور پر اپنے وجود کو ختم کرنے کا اہتمام کرنے کی کوشش کی تھی۔" بادل خان نے پھر خنجر کا تیر چھوڑا۔
"مجھے افسوس ہے کہ مجھے سب بھول رہا ہے کہ مجھے اپنی عزت بچانے کی خاطر یہ طریقہ کی تو میں نے اختیار کیا ہے۔ میں نے "اس" کو ہمیشہ ان کرائسس میں استعمال کرنے کا نہیں کروں گا سامنے اور کہا تھا تو اس کی وجہ تھی"
زندگی میں پہلی بار ہادی نے روشانے کے لئے لفظ "اس" استعمال کیا تھا اور اس استعفا کی آواز تھی۔
"آپ اسے کورٹ میں لے جا سکتے ہیں۔ اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے مگر میں خود یہ گواہی دینے کے لیے اس کو کبھی آپ کے سامنے نہیں لاؤں گا۔ جتنی زندگی کی سانسیں باقی ہیں وہ اس کرائسس میں وہ اللہ سے مل جانے میں کہ جب بھی سامنا ہوتا ہے تو وہ شرمسار کرتے ہیں۔ یہ اللہ ہے جتنی لمبا ہو سکے تو زندگی پیچھے گا۔ اپنا نامہ اعمال سے گزار کر پچھتاوا بہت ہی بڑا ہے۔"
باپ کے چہرے کے بھیگے رنگ اور سرخ آنکھوں کی صورت دیکھی تھی زندگی میں پہلی بار اس کا غصہ اور نفرت کی جگہ ترحم نے لے لی۔ حقیقت کی آنچ میں یہ کوئلہ جو ہوا ہے۔ ان کی محبت سے اپنا باپ کے خون کے رشتے کی شدت محسوس ہوئی تھی۔
"کہاں ہے وہ، بیٹے اسے بھیجو آگے بات کرنے ہے۔"
مجھے نہیں پتا آگے بات ہوئی تھی یا نہیں۔ بادل خان سے اپنا بیٹا ہونے کی وجہ سے

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
urdunovels.net

میں اس طرف کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ اور جو کچھ ہوا ہے۔ جس کے بعد تو جو فیصلہ کرے گا ہمیں منظور ہوگا۔"

"بابا!" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ بابا سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

"جی خان؟" اس کی نگاہیں اٹھی تھیں۔

"کیا ہے کہ فی الحال تم سر سے الگ ہو جاؤ۔ باقی باتیں ہم تم سے بعد میں کریں گے۔" ان کا انداز حکمیہ اور لہجہ کرخت تھا۔ یاور علی خان بے بسی سے پہلو بدل کر رہ گئے۔

ہادی اٹھ کھڑا ہوا۔ یوں محسوس ہوا جیسے تیسے سے رہا ہو۔

"خدا حافظ۔" اس نے جیسے بہت دکھ سے کہا تھا۔

یاور علی خان کی آنکھوں کی سرخی بڑھ گئی۔ وہ روایتی انداز میں بلکہ باغیانہ انداز میں باپ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ہادی کمرے سے باہر جا چکا تھا۔

روشنی بھر کر خواہش کے باوجود اندر ہوتے والی گفتگو نہ سن سکی تھی کہ دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہوتی تو دوسرے کمرے کے مکین آتے جاتے اسے دیکھتے اور لازماً اس سے کھڑے ہونے کی وجہ دریافت کرتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی اسے "کی ہول" سے کان لگائے دیکھ بھی لیتا۔ اگر وہ پیچھے کی طرف جاتی تو کوئی فائدہ نہیں تھا کہ وہاں کھڑکیاں اور دروازے نہیں تھے لازماً صبح کے وقت ہی کھلتی تھیں۔

وہ بے بسی سے تڑپ کر رہ گئی۔ مرسوتی سے پتا چلا تھا کہ ایمن اور بھائی بیگم کے پاس ہے۔ وہاں اسے متعلق کرنے بھی نہیں جا سکتی تھی۔

ایک ایک گھڑی وہ پیسہ کانٹوں پر چلی تھی۔

وہ دروازہ کھلا اور گویا اس کا دل بند ہوا تھا۔ وہ دیوار کے سہارے کی وجہ سے کھڑی ہوئی تھی۔ سرخ و سفید ہادی باہر آیا تھا اور اس نے باہر آتے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ اس نے بہت غور سے ہادی کی شکل دیکھی۔ بظاہر تو کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا سوائے اس کے کہ کسی گہری سوچ کے سائے کی جھلک تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اس کے پاس آئی تھی۔

"خیریت ہے ناں؟"

"اوہ!" وہ جیسے خیالوں سے چونک پڑا۔ "فی الحال تو خیریت ہے لیکن اگر آپ نے بیچ راہ میں خیریت پوچھنے کا سلسلہ ترک نہ کیا تو خیریت" کو یقین خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔"

وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ کیا کہہ رہا تھا۔ وہ بھی مرجھائی سی اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

"میں کچھ سمجھی نہیں۔ کیا اعتراض ہے آپ کو؟ بابا نے تو صاف صاف کہا ہے وہ آپ کے ہیں۔"

وہ پیچھے پیچھے چلتی جا رہی تھی۔ "میرا نام ہادی ہے۔ جسے میرا نام پسند نہیں ہے وہ مجھے اپنا نہیں سمجھتا۔"

ہادی ٹھہر گیا اور اس کی طرف پلٹا۔

"ہم اپنا تو کوئی نام نہیں رکھتے۔ ہمارے نام تو اطمینان کر کے پیدا ہونے والے بچے کے لیے آسمانوں پر لکھے جاتے ہیں۔ ہم تو آپ کے ہیں۔ فی الحال میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے پاس کوئی ایسا نہیں ہے جو آپ کو اپنا کہہ سکے

اس نے عجیب اور بے تکے انداز میں ماہین کی مدد بھی کی تھی۔ "تیمور علی خان کا سلام ہو۔"

"مطلب یہ کہ وہ ان کے دوست کا بیٹا ہے۔ اس موضوع پر میں اس سے زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ تمہاری دلی اُمنگ کو دیکھتے ہوئے اس کی پذیرائی بھی ضروری ہے۔ کیا اور بات کہ تمہیں اس طرح کی معلومات سے کوئی دلچسپی نہیں۔" ماہین نے بے نیازی سے کہا اور اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"یہاں تو تمنا یہ بات کی کوئی پتا آپ کو کیسے چل گئی؟" رومی نے حیرانی سے سوال کیا۔ "یہاں تو وہاں کھا جا رہا ہے کہ جیسے بابا صاحب اسے خط لکھ کر لائے تھے۔ اور وہ کا جان کا دوست تو زاہد علی کے ایٹیلس کا اور کیا کہتے ہیں اسے پرنل۔" رومی سر تا پا سوال ہو رہی تھی۔

"میں نے کہا ناں۔ مجھے اس موضوع پر فی الحال تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔ لیکن ہر حال یہ بہت اچھا ہوا کہ وہ یہاں آ جا رہا ہے۔ یہ بہت اچھی شروعات کی ہے۔ میں عجیب سا سکون محسوس کر رہی ہوں۔" ماہین کے آواز میں حیرت تھی۔

"لیکن خالہ یہ بھی تو پتا چلے کہ بابا صاحب نے اس سے کیا معاملہ کیا ہے۔ اسی سے تو پتا چلے گا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ بتائیں ناں آپ؟"

"کچھ نہیں کہے ہم۔ جب بات بڑوں تک محدود کی گئی ہے تو اب یہ تمہاری دلچسپی کی نہیں رہی۔ میں جا رہی ہوں اس کے پاس۔ تمہیں اٹھنے کی ضرورت نہیں۔" ماہین نے پاؤں نیچے کر کے سلیپر پہنے۔

رومی خاموش رہی مگر فکر مندی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

ماہین باہر آ کر سیدھی پارچی کے کمرے کی سمت بڑھی۔ دروازے پر دستک دی اور جواب آنے پر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

پارچی سوئے کیس پر جھکا ہوا تھا۔ چونک کر اٹھا تھا۔ ماہین کو دیکھ کر خفیف سے انداز میں مسکرایا۔

"پیلا جنگلیں۔ کہاں کی تیاری ہے؟" وہ بھی ہمیشہ کی طرح مسکرایا۔

"اپنے لنگی لاہور کے پاس۔" اس نے مسکرا کر کہا اور سوٹ کیس میں چیزیں رکھنے لگا۔

"یہ کیا ہوتا ہے؟" وہ بیڈ پر بکھرے سامان پر نظریں دوڑا رہی تھی۔

"خانہ پاپ کا دوست ہوتا ہے۔" وہ شرارت سے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"ہمیں ہم قانون کے" بے عاطف علم" ہیں مگر تمہاری اپروچ ٹھیک نہ کے قصہ راجر شمار ہوتا ہے مگر بابا صاحب سے جڑے معاملے لیئے ان کرتے ہو۔ کیسے آ دھمکیں ہی ہاں؟" وہ ایک طرف چل کیسے پوچھ گئی۔

پارچی نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور گلاسم ہو گیا۔ "خانہ آپ کو بیٹا اوپن لگی ہیں۔ خان لیئے ناتے ہیں ہفتے ہیں۔ وہ تو شہر ہی ہے اور بیٹی دراصل کھریا گئے اس وہاں اور فلاں ناتے ہیں۔"

"یا اللہ اتنا سے تو ایک ایک ٹیلے میں دکھا جا رہا ہے۔ بہت بڑا معاملہ لگ رہا ہے۔" ماہین نے سر کھجا کر کہا۔

"اب یہ بتاؤ۔ تم پر ان کے بجریہ قوانین میں سے کون سی دفعہ لگتی ہے۔ جو یہ بھاگ رہی ہے؟" وہ اصل بات کی

طرف آئی۔

"سے اعلیٰ کی دفعہ ۳۰۲ الف ہی ہو گی۔" وہ سوٹ کیس بند کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہاں یہاں سے آنے کے پہلے سے ہی اعلیٰ کے قانون کی تکرار ہے۔" ماہین نے ظریفانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے یہاں کا آنے کی جلدی جیسے اعلیٰ کی آ گیا۔ خیریت ہے۔" اس نے جلدی جلدی کپڑے سوٹ کیس میں ٹھونسے۔

"ایسی ایسی ریگ یا ہے۔ سوال دا ہے دا ہے۔ سوال نہ کرو۔" ماہین نے توتے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

"سوری۔" پارچی بے ساختہ ہنس دیا۔ "بعض اوقات وقت کی کمی کے سبب جان بوجھ کر انجان بنا پڑتا ہے سو اس وقت بھی ایسی ہی صورت حال ہے۔"

"تمہارا اطمینان دیکھ کر رشک پیدا ہو رہا ہے۔ اتنا اختیار ہے اپنی ذات پر؟" ماہین نے حسرت سے پوچھا۔

"ذات پر نہیں اللہ پر۔ اللہ ہو تو ذات کی ایسی تیسی ہو جاتی ہے۔"

"ماشاءاللہ کیا فلسفہ ہوا ناں ہے۔ کبھی اپنے دادا کی اس اضافی خوبی پر بھی سند ہوئی۔" ماہین خاصی اریٹیٹ ہو گئی تھی۔

پارچی عجیب کر مسکرا رہا تھا۔

"وقت سکھا دیتا ہے ٹھوکریں ہی بہترین اساتذہ ہوتے ہیں۔" اس نے قدرے اداس لہجے میں کہا۔

"سوری میں نے۔ تمہاری اس طرح دکھتی ہے جس طرح میری ہے؟" ماہین نے اچانک اس سے بے موقع سوال کر دیا۔

پارچی چند لمحوں کو بے ساختہ ہو گیا تھا۔ سوٹ کیس بند کر کے اس نے ماہین کی سمت دیکھا تھا۔

"کی فیصلہ۔ خان کے بچوں سے۔" اس سے جھوٹ نہ بولا گیا۔

"کتنے بچے ہیں خان کے؟" ماہین جیسے کسی گہری نیند سے جاگی۔

"دو بیٹے معظم اور چھوٹے خانہ آپ کو پتا ہے۔" ان کے اس سے تھوڑی بڑاتے ہوئے سوال کیا۔

"کس اتنی کی سوتیلی اماں مشن نہیں ہیں ہمارے یہاں۔" ماہین نے قدرے افسردگی سے جواب دیا۔ "کیا نام ہے ان کے اور کتنی عمر ہیں؟" اس نے سوتے سے ناخن کھرچتے ہوئے سوال کیا۔

"بیگم بی صورت علی خان نام ہے۔ سوا ستاسی عمر تھا یا سو سال۔"

"خان کی بیوی کے بچے ہیں؟" ماہین نے بے ساختہ انداز سے سوال کیا تھا۔

پارچی نے چونک کر اس کی صورت دیکھی تھی۔ لمحے اس طرف اس طرح کی نگاہ تھی کہ اس کی آنکھیں جھک گئیں۔

"بیگم ان کی فارن بیوی کا ہے اور بیٹی۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com

"زندہ رہو گی بیٹی۔" ماہین نے طنزیہ انداز میں اس کا سر، جھڑکتے ہوئے کہا۔

"چلو پھر۔ بہت خوشی ہوئی یہ جان کر کہ ان کا کوئی مقصد ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تم بیٹھو۔ ہم چلتے ہیں سراسے۔"

اگرچہ باری گھٹنا تھا مگر اس نے پیر سے بچھ ظاہر ہونے نہیں دیا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔ بالآخر

"باری!"

"جی!"

"جب تم وہاں جاتے ہو تو کیا محسوس کرتے ہو؟" ماہین نے تھوڑی دیر سوچ میں ڈوبے رہنے کے بعد اس سے پوچھا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ بس کبھی کبھار وہاں کوئی ضروری کام ہوتا ہے تو وہاں چلا جاتا ہوں۔ خالی سے ملنا ہوتا ہے اور اس۔"

"خیر اور بس تو نہیں۔ وہ تو عنقریب ہم خود ہی دیکھ لیں گے۔" وہ باری کو ادھورا جواب چھوڑتے ہوئے نظر انداز کر گئی تھی۔

"چلو وہ ان سب باتوں کو چھوڑو۔ ان کی بات کرتے ہیں جو گزر جانے کے بعد بھی ہمارے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے بعد تم پر تو کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مجھے اندازہ ہے کہ انہوں نے کس انداز میں تم سے بات کی ہوگی۔ اس کا ثبوت بھی یہ ہے کہ تم حویلی سے ہو آئے ہو۔ اگر تم اس سے خود کو نارمل ظاہر کر رہے ہو اور حقائق کو چھپا رہے ہو کہ ہم پریشان ہوں گی تو میری صاف یہ غلط ہے۔ اس لیے تم مجھے سچ بتاؤ گے تو خود مشکل میں پھنس جاؤ گے۔ میں تمہاری مدد، پھر مدد بھی کر سکتی ہوں۔ اس لیے کہ اگر تم ہی میری مدد نہیں کرو گے تو میں اپنی ماں کی مدد کیسے کروں گی۔ وہ تو ہم اس فضل پر وقت کو شناسائی نہیں دے سکتے تھے۔ مگر اب تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں اپنی مدد کروں اور تم سے کہوں کہ باری بتاؤ۔ کیا ہوا ہے؟"

وہ بالکل غیر متوقع بات پر چونک گئی تھی۔ باری کو امید نہیں تھی کہ وہ یہ بات کہے گی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں اس کی بے چینی ظاہر ہو رہی ہے۔

وہ بیٹھا تھا۔ دوم کی طرف بڑھ رہا تھا شاید کچھ کی چیزیں اٹھانے کی غرض سے۔ مگر ماہین کا سوال سن کر اس نے قدم روک لیے۔

"کچھ بھی نہیں۔ بہرحال ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کہ خان کا انتقال ہو جائے۔ اصل میں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ شاید خالی نے کہا تھا کہ وہ سیپٹک ہارٹ اٹیک سے آگے بڑھ گئے۔ باری سمجھ گیا تھا کہ ٹوٹے کے لیے وہ خان سے بات ہوگی پھر اس کے بعد وہ اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔ اس لیے وہ سوچ سوچ کر بولتے ہوئے لگ رہا تھا۔

"باری! یہ ٹھیک ہے کہ میں سمجھدار ہوں۔ دنیا اور دنیا کی چیزوں کی پہچان اور ادراک ہے۔"

"کیوں کس بھی لگ رہا ہے کہ خان کا سیپٹک ہارٹ اٹیک سے خان کے بارے میں نہیں آیا۔ اس لیے وہ خان بھی اور مجھ سے اس قدر متاثر ہوئے ہیں کہ ان سے بولا بھی نہیں گیا۔ معمولی سی بات ہے۔ میں اپنے حساب سے دست بھی تو ہو رہا ہوں۔ ٹھیک ہیں۔ یہ ہمارا آخری سفر ہے۔ اس لیے ہم ہر چیز کو ٹھیک کر کے جانا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے بعد کوئی ہمارے بارے میں غلط رائے قائم کرے۔ ہم ہر چیز کو ٹھیک کر کے جانا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے بعد کوئی ہمارے بارے میں غلط رائے قائم کرے۔

سب سے پہلے اس کا دماغ سوچنا شروع کرتے ہیں۔ اس پر اس کی ذہانت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنی حرکتوں سے صرف اپنی کے لیے نہیں ہوتے ہیں ہر شخص کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے۔ اور ہمارے پاس تو ماضی کو جاننے کا ہمارا حاصل ہر شخص چھپا ہوتا ہے۔ ایک شک کی عادت ہوتا ہے۔ اس کی وفا کا امتحان ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنا ماضی ہمارے حوالے کرتا ہے۔ ہمارے ساتھ وہ اپنے ماضی کو شیئر کرتا ہے۔

اس لحاظ سے تو وہ اپنی جگہ درست ہیں۔ تجور خان نے مجھ سے انسان ہونے کا تقاضا کیا ہے۔ باری اندر سے بھی مجھے نہیں معلوم لیکن لفظوں نے مجھے محسوس کیا ہے کہ میں ان سے الگ نہیں ہوں۔ بیوی بچے کی ہے۔ اصل شخص میرا تجسس چاہتا ہے۔ لیکن بڑے خان نے بھی مجھ سے بہت محبت کی ہے۔ اور محض ان کی محبت کی وجہ سے ہی شروع سے حویلی میں ہوں۔ تجور خان کو تو میں بہت فاصلے پر محسوس کیا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے بڑے خان مجھے خود اپنے گود میں اٹھا کر گھوڑے پر بٹھاتے تھے۔ میری باتوں پر ہنستے تھے۔ خوش ہوتے تھے۔ غلام سے تو مالک اتنا بے تکلف نہیں ہوتا۔ اب بھی مجھے یقین ہے کہ بڑے خان واقعی میں مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اگر نہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو جانے کیا کچھ ہو چکا ہوتا۔ انہوں نے لڑکی سے پہلے آ کر یاور خان کے غصے کو بڑھا دیا ہے۔"

باری ماہین کے مقابل بیٹھ کر بہت تحمل سے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔ شاید پہلی بار۔ اسی لیے ماہین کے بہت سے سوالات کے جواب بھی موجود تھے۔ وہ بہت غور سے سن رہی تھی۔

"اور حقیقت یہ ہے کہ اندر کی لڑائی سے میرے "کال" کو سخت نقصان پہنچا رہا ہے۔" وہ مسکرایا اس جملے سے واضح تھا کہ وہ جانتا ہے ماہین کہاں تک پڑھ رکھتی ہے۔

"باری! ابھی تو جا رہا ہے ہیں کسی تمہارے ساتھ ہیں۔ بگھ دنی کو بھی ساتھ لے جاؤں۔ وہاں حویلی میں کیا کام کر سکتا ہے۔ صرف دنی کی خوشی مجھے بہت محتاط ہونا پڑ رہا ہے۔ یاور علی خان کی صف میں کھڑے ہو کر مجھے دنی کی جنگ لڑنا ہے۔ یہ ظلم اس کے ساتھ ہوا ہے بہت گہرائی میں سوچنے لگتی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ کہیے دل بند ہو جائے گا۔"

"مجھے جانا تھا کہ رات کے پچھلے پہر آپ حویلی کے پچھواڑے ہوتی ہیں۔ میں جان کر انجان بنا رہا کہ تاوقتیکہ آپ کی جانب سے وہ بدگمانی کی دور ہو جائے۔ میں کسی بے گناہ کو اس کی نسل سے بے گناہ کو ایک ساتھ قتل کر رہے ہیں۔" باری نے ماہین کو جملہ مکمل کرنے نہیں دیا۔

"میں نے بہتر سمجھا کہ جانے سے پہلے آپ کو بتا دوں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"باری! اچھا ہی رکھنا۔ مجھے شدید بے چینی ہے اور صاحب تجسس ضرور کریں گے۔"

"اللہ کرے۔ اللہ سے دعا کریں کہ آپ حویلی میں جا کر بتا سکیں۔" باری نے بے ساختہ کہا تھا۔

"آمین۔ ثم آمین۔" ماہین نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"ویسے دوسری باری بہت مطمئن ہے۔ اس نے حویلی کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ چار سو چالیس گز کے دائرے میں گھومنے والی جنگ کو محدود کر دیا ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

"ہوں۔ تو یہ ہے کہ مسکراہٹ ساتھ نہیں چھوڑتی۔ وہ فیصلہ کن انداز میں سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی ادا پر ماہین کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اداؤں کا آئینہ ہوتی ہے۔ اگر اس آئینے میں اپنی صورت ابھی محسوس نہ ہو رہی ہو تو پھر مسکراہٹ کا کیا فائدہ۔" ہاری نے سنجیدگی سے کہا۔

"قرآن میں واضح لکھا ہے کہ اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی۔ ہر شخص کی ہے ہر شے اپنی فطرت پر چلتی ہے۔ ہاں بھی ہوتا ہے کہ کئی پشتوں کے بعد کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ اپنے پچھلے کسی دادا کی شکل پر ہوتا ہے زبان کی شکل کا۔ لوگ تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ اپنے فلاں دادا پر گیا ہے۔ سنتے تھے کی بات ہے لوگ صورت پر تو تبصرہ کرتے ہیں عادات کی مماثلت پر کم تبصرہ دیتے ہیں۔ اب یہ کہانی لیں۔ یہ کہ باپ دادا سے مماثلت رکھتا ہے۔ ہوتا کبھی ہے اور کبھی ہے اب یہ اس کی صفت ہے۔ کیوں؟" ماہین بہت کچھ بولی تھی۔

"اختلاف کے لیے آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے نا۔ آپ کے پاس تفکر کرنے والا دماغ ہے؟ آپ نے ضرور اس طرف غور کیا ہوگا۔" ہاری نے خوبصورت انداز میں اتفاق کیا۔

"ہمیں تو گوگل کی ایجاد کی نے شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے۔ کوشش کر رہے ہیں مدد اکر سکیں اپنی کم علمی کا۔" اس نے اٹھ کر سوٹ کیس لاک کیا۔

"ابھی چلے جاؤ گے؟" ماہین نے پوچھا۔

"ظہر پر۔" وہ ہاتھوں سے اپنے بال سیٹ کرنے لگا۔

"بہت پیچیدہ ہے ہاری۔ اللہ تمہیں صحت دے۔ اور دعا کرنے کہ یہ سامنہ باحسن طریقے سے خوشگوار انجام سے ہمکنار ہو۔" ماہین اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں اب تو یہی دعا کر رہے ہیں کہ" ہمکنار کر باحسن انجام کو۔" وہ ہنس دیا اور وزنی سوٹ کیس کھینچ کر لیجانے لگا۔

"کوئی پیغام تو نہیں دینا اس طرف؟" ہاری نے سوٹ کیس اٹھا کر اس کا وزن جانچتے ہوئے پوچھا۔

"تو تھینکس۔ اب ہم خود ہی پہنچیں گے۔ اچھا میں بھی چلتی ہوں۔ روشی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔" ماہین نے سر پر دوپٹہ درست کیا۔

ہاری کسی خیال میں گم ہو گیا تھا۔

"بس ایک بات ہے پسند فرمائیں تو پہنچا دیں گے۔ کوشش میں کمی نہیں ہوگی لیکن جو نتیجہ سامنے آئے اسے قبول کریں اور علیحدہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو حویلی والوں کے لیے ناقابل برداشت ہو۔ کسی کے حال کی بات کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں۔ بحیثیت انسان ہم اپنے حق کے لیے صرف جدوجہد کر سکتے ہیں۔ بس۔"

"فی امان اللہ" وہ سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔ ماہین لب بستہ کھڑی تھی۔

اتنی لمبی ڈرائیو کے بعد تو ہر ایک کا ہی ریلیکس ہونا فطری سی بات تھی۔ کھانا کی اکھاڑ پچھاڑ سے بھی احساب شکل بچے ہوئے ملازمین سے بھی کوئی بات چیت نہیں کی۔ ان میں سے ایک کو سوٹ کیس اپنے کمرے میں پہنچانے کا کہہ کر حویلی سے

باہر نکل آیا تھا۔

"حسن کریم" کے حصن کا نشے ہوا میں تھا۔ اس کا کریم اصاف ستھرا اٹھا ہوا تھا۔ اس کی آمد کا مقصد بھی سب جانتے تھے۔ اس کا بیٹا زخم بہت سالوں سے عام سا تھا۔ ایک سرائے کی چھوٹی سی حویلی تھی۔ اس کی خراب کھیتی باڑی تھی۔ کھیتوں سے فارغ ہو کر یہاں آ جاتے تھے۔ خراب گاؤں کی ایک چوپال بیٹھک اس کے پاس ہوتی تھی۔ اب کبھی کبھی رات کو یہاں آ جاتا تھا۔ ہر ایک آدھ ملازم ہی گوں کی آمد کی خبر دے پاتی تھی۔ وہ گیٹ کے اندر داخل ہو کر اندازی پر نیچے میں پیچھے کر سیدھے گھر کی طرف بڑھ جاتا تھا۔ دن بھر کے کھیتوں کا اطلاع طلبی تھی کہ باری آیا ہے۔

آج ابھی رات نہیں ہوئی تھی تو خبر یا ملازمین نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس کا حلیہ کیس کرنے میں لگی ہوئی تھی کہ یاں دارالدوب میں بھی اس کے کپڑے سوجھتے تھے۔ وہ شب خوابی کا لباس نکال کر راہی باتھ روم میں چلا گیا تھا۔

نہا نے دھونے سے طبیعت میں بحالی کا احساس بیدار ہوا تھا۔ وہ قریبی کمرے میں آ کر کھڑے ہیکے والوں کے ساتھ سوٹ کیس کھول کر کاریٹ پر دوزانو بیٹھا اپنی پہننے کی چیزیں نکال کر ایک طرف ڈھیر کرتا جا رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟ آ جاؤ۔"

دروازہ کھلا اور سرائے کی بہت پرانی اور بوڑھی ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

"سلام خان!"

"ہوں وعلیکم السلام۔ شیدہ کیسے آئی ہو بے؟" وہ مصروف انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"صاحب خان۔ سیاسی آئے ہوئے ہیں۔ میں کیا روٹی پوٹی بھیجوں اس؟" ملازمہ نے ادب سے جواب دیا۔

"بھوک نہیں لگے۔ اس ایک گلاس گرم دودھ کا پیالہ بنا دو۔" وہ کپڑوں کے کام میں مصروف تھا۔

"جی خان۔" وہ سر ہلا کر کہتی الٹے پاؤں پلٹ گئی۔

اسے گئے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ اس نے سمجھا کہ دودھ لے کی جلدی دوسرے آئی۔ یہاں سے کپڑے بیچنے میں پانچ منٹ لگ جاتے تھے۔

"اس کھلا ہے آ جاؤ۔" سوٹ کیس کا سامان کاریٹ پر بکھیر رہا تھا۔

"اگر ہم چور ہوتے تو اب تک تمہیں بھاگ جانے کا کہہ چکے ہوتے۔ ہم تو ابھی تک تمہیں بھاگتا دیکھنے کے منتظر ہیں۔" ایک بھاری بھرکم آواز پر وہ ٹھٹھک کر سیدھا ہوا۔

ملازمین کی آواز پر وہ ایک دم سر اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم۔" وہ شخصیت سامنے آ گیا تھا۔

"میں سمجھا کوئی ملازم ہے۔" اس نے دانت پیسے۔

"بیٹے نے ہی نے مجھے بتایا کہ تم بہت عمدہ اسٹائل سے" نبیلہ" میں لائے ہو۔ اور کھانا کھانے سے انکار کر رہے ہو۔ کیا راستے میں کھایا تھا؟ جس وقت وہاں سے چلے ہو گے تو شام ہو گی۔ اور راستے کے کھانے کا وقت بھی نہیں ہوتا۔" نازنین دروازے ہی میں کھڑی تھی۔

"کھایا تو نہیں ہے مگر بھوک نہیں ہے۔ دودھ پی لوں گا۔ اب تو یوں بھی سونے کا وقت ہے۔ خاں ہو گئے؟"

"مجھے کیا پتا۔ دن سے نہیں دیکھا انہیں۔" اس کا سوا یکلخت بول گیا۔

"کہاں گئے ہوئے ہیں؟" وہ اس کے انداز سے الجھن میں پڑ گیا۔

"خدا معلوم۔" وہ لاپروائی سے گویا ہوئی۔

پاری خاموش سا ہو گیا۔ اسے ماحول میں ٹینشن سا محسوس ہوا تھا۔

"اور کیا خیر ہے۔ تمہارا سامان دیکھ کر عجیب عجیب سے وہم آ رہے ہیں۔ رونی مائیں وہیں ہیں یا پاری پھوپھی کی ہیں؟" وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

"وہیں ہیں۔ شاید کل پرسوں چلی جائیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ریڈنگ روم کے گاؤن میں وہ اسے بہت زیادہ سفید محسوس ہوئی۔ بال کھلے ہوئے تھے۔ چہرے پر اطمینان واضح تھا۔

"بابا صاحب نے تمہیں طویل قیام کی اجازت کیسے دے دی؟ تم تو راستے میں ہی ہوئے ہو اور ان کے فون آنا شروع ہو جاتے ہیں۔" اس کے انداز میں ایک کھٹک سی تھی۔

"کبھی کبھی وہ بھی ہوتا ہے جو کبھی نہیں ہوا ہوتا۔ اب کی بار ایسے بھی سہی۔" وہ ہنس دیا۔

"کچھ بتاؤ۔ کچھ ہوا تو نہیں؟" وہ بنوز ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی۔

"نہیں بھائی! کچھ نہیں ہوا۔ آپ زیادہ وہم شہم کیا کریں۔ اس پر آپ کی طبیعت یوں بھی سیٹ نہیں رہتی۔"

نازنین کچھ سوچ کر بے ساختہ مسکرا دی۔ "تمہارے منہ سے بھائی نکلنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ ابھی تم پر لاڈ ہی سہ رہے تھے کہ مجھے سب کی دیکھا دیکھی بھابی کہنا شروع کر دیا تھا۔ یہاں میں تو کوئی بھی مجھے بھابی نہیں کہتا تھا۔ وہ تمہارے جب تم بھابی کہتے تھے تو سب ہنسنے لگتے تھے کہ اسے منع کرو۔ لوگ کہیں گے تمہاری ساس کے ابھی تک بچے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر بھی تم باز نہیں آئے۔ خالو تک میں تو کسی رشتے سے بھی تمہاری بھابی نہیں ہو سکتی۔"

وہ جانے کتنے عرصے بعد مسکرا رہی تھی۔

"کیا کریں۔ اب تو عادت ہو چلی ہے۔" پاری نے مجبوری ظاہر کی۔

"چلو خیر۔ یہ تو طے ہے کہ تم اتنے سارے سامان کے ساتھ آنے کی ہرگز نہ آئے گی۔ تم سے کہہ دیا ہے کہ میں چلتی ہوں۔ اب بے سے دودھ کے لیے کہہ دوں گی۔"

"جی ساتھ ہی لے آئی ہے۔ آپ کی دعا ہو جائیں۔" پاری نے جلدی سے کہا۔

پاری۔" وہ ہنسنے لگی۔

"جی؟"

"آپ کا جہاں سے گزرا وہ مجھے اکھڑ دکھائی دیں۔ مجھ سے ساتھ ہمدردی ہو جاتا کریں۔ تب ہی تو وہ ہنسنے لگے ہیں۔ کل بھی مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔"

وہ لاڈ کی کے انداز میں کہتی ہوئی وہاں چلی گئی۔ پاری چونکنے کے لیے ساکت سا رہ گیا۔

وہ جب سے تیمور علی خان اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئے تھے اور نازنین سے کوئی بات کیے بغیر کپڑے لے کر باتھ روم میں چلے گئے تھے۔ نازنین بیڈ پر کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ ان کی حرکات و سکنات سے اپنا ذہن بھی وہ اس نے خود بھی انہیں مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سوچوں کی یلغار سے یوں بھی اعصاب سے شل ہو رہے تھے۔ سے ہی تھکن محسوس ہوئی تھی۔

وہ تقریباً بیس منٹ بعد باتھ روم سے باہر آئے تھے اور باتھ کے بعد کے اعمال سرانجام دے رہے تھے۔ اس دوران کی مکمل خاموشی میں بجتے گی۔ ان کی آواز بھی کم کی ہوئی تھی اس وجہ سے کمرے میں معمولی سرگوشی بھی۔

تیمور علی خان نے ریموٹ اٹھایا تھا۔

"السلام علیکم۔ جی فرمائیے۔ آپ سے ہے۔ ابھی گھر ہی ہیں۔"

وہ لیٹے ہوئے بیڈ پر بیٹھنے کی جگہ ہوائی کرنے لگے۔ نازنین بالکل سیدھے ہی لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے تیمور علی خان کو سامان لیا تھا اور پیچھے کھسک گئی تھی۔ تیمور علی خان بیٹھ گئے۔

"کی۔ کب۔ آج۔ نہیں میری ملاقات نہیں ہوئی۔" انہوں نے ایک نگاہ نازنین پر ڈالتے ہوئے فون پر جواب دیا۔

"دراصل ہم خیر آباد سے ابھی تھوڑی دیر ہوئی واپس آئے ہیں۔ ہوں پتا چلا ہوگا اپنے کمرے میں ہوں گے۔ ہم بات کرتے ہیں۔"

نازنین خاموش لیٹی ان کے چہرے کے تاثرات سماعت کر رہی تھی۔ وہ فون کرنے والے کی طرف مکمل طور پر متوجہ تھے۔

"وہ۔" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"آپ کی نگاہ بالکل بجا ہے۔ برحق ہے۔ لیکن آپ کو تمام صورت حال معلوم نہیں۔ آپ یہیں موجود ہیں کہ ہم کچھ گزار کر لیں۔" ان کی آواز سے ان کے اندر کی جھنجلاہٹ عیاں تھی۔

"ہمارا بھی یہی خیال تھا لیکن آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کئی اعمال حویلی بیٹھ کر بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کو صورت حال کا علم نہ ہو۔ ایسی صورت میں ان کا کیس بہت کمزور ہوگا۔"

"ہم سمجھ گئے ہیں آپ کی۔ وقتی صورتحال میں کمزوری کو ختم کرنا ہی بہتر ہے۔ ہم ابھی ہی واپس جا رہے ہیں۔"

ان کے لیے بے حد اہم تھا۔

"وہ کیس بھلی بھلی پر ہی ہار جائیں گے۔ اور یہ شکست ان سے برداشت نہیں ہوگی اور جو کچھ ہوگا اس کا ذمہ دار آپ ہی کو ہوگا۔" وہ بہت سنگین عمر کے لیے میں کلام کر رہے تھے۔

نازنین اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ وہ بے چینی سے ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

"آپ ان کے وکیل ہیں۔ وہ آتے ہی ہمیں مطلع کیجیے ہم پہلی فرصت میں حاضر ہوں گے۔"

"بابا صاحب! خوف کرائسس کی ہمارے ہاں گنجائش نہیں۔ ہمارا ایک ایک قدم نظر میں رکھ کر اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ہمارے کو سائل اصول کسی وقتی مصلحت سے پیدا ہوتے ہیں ایک تھیوری اصول کا ادراک پیدا ہوتا ہے اور اس سے ہی کرائسس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ آپ خود کو ٹینس ہونے سے بچائیے۔ ہر گز ہمیں یہ سب ابھی اگر ہماری سوچ کی انتہا نہیں۔ اگر یہ ان کا خدا بھی وہی ہے جو ہمارا ہے۔ ہم نے کہا ہاں ہم ضرور حاضر ہوں گے۔ خدا حافظ۔"

نجم ولی خان ریسیور ہاتھ میں تھام کر جانے کیا سوچنے لگے۔

"روشی کو کچھ ہوا تو میری حویلی کو عدالت میں کھڑا کر دوں گی یہ بھی کہہ دیجیے۔ ادھر۔ اس کی سمت سے مخاطب ہے اس کی قسمت بھی مجھ سے مختلف ہونا چاہیے۔ نازنین کا حویلی میں کوئی نہیں تھا مگر روشانے حویلی ہی کی ایک حصہ ہے۔"

"کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہم حویلی میں پولیس بھیج کر روشی کو یہاں بلا سکتے ہیں مگر بابا صاحب کی سوچ گہری ہے ہم کو بابا صاحب سے کام کرنا چاہیے ہیں۔ ان کو قائل کرنے وقت کی نزاکت کا احساس دلا کر۔ اس وقت کی نزاکت کو سمجھنا بہت ضروری تھا۔"

"آپ کی ہم سے وارفتگی اس کیس پر اثر انداز تو نہیں ہوگی؟" ان کی بات کے اختتام پر نازنین نے فوراً کہا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ جس بات پر ہمیں وارفتگی جائز تھی جب وہاں نہیں ہوئی تو۔ کبھی کبھی ہوتا ہے واقعی آپ سے بات کریں۔ مگر اب تو نظرت ہمیں ایکسپائر کر رہی ہے۔"

وہ شانے سے تولیہ اٹھا کر بال خشک کرنے لگے۔

"بابا جی کب بھیجا کچھ پتا ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"کیا وہ بچے سے پہلے بھیج گیا تھا۔ وہ تو میں پہلے ہی ملک گئی تھی کہ اتنا سامان لے کر تو وہ کبھی نہیں آیا۔ اب بابا صاحب کے فون سے میرا خدشہ درست ثابت ہو رہا ہے۔ کیا ہوا ہے؟" وہ ان کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔

"وہی جو ایک روز ہونا ہی تھا۔ روشی کے والد صاحب۔ کو پتا چل گیا ہے۔ روشی کے کوائج کا۔ اب وہ ہم پر مقدمہ کرنے والے ہیں۔ وہ ان کی صاحب اس گمان میں ہیں کہ وصیتیں ان کی جیب میں ہیں۔ ہو سکتا ہے مگر بیٹی ان کے ہاتھ نہیں ہے۔"

"مگر وہ کچھ کریں گے تو۔" نازنین نے بے یقینی ظاہر کی۔

"تو پھر اب آپ گھریں گے۔ اس مرحلہ حساب کتاب دوسرا ہے۔ مقابل کوئی اور نہیں اپنی ہی آنکھ ہے ہم

ڈالنے میں ان کے ساتھ ملائی کی ہے۔ وہ ان کا وہ سایہ تھا جو ہم نے دیکھا تھا۔ اور ہم نے نہیں دیکھا۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ہمارے ساتھ بھی نقصان پہنچا سکتی تھی۔ انہیں بابا جانوں کی حفاظت کرنے کے لیے ہمیں بابا جی سے ہمیشہ ان کی ضرورت ہے۔ اگر بابا جی کا مسئلہ ہوتا تو ہمیں پھر بھی ایک امید ہوتی کہ بابا صاحب کی حفاظت سے ہٹا سکتا ہے مگر اب بابا صاحب کی صاحبزادی کے لیے بابا جی کو دوست دشمن بھی ان کے تھے کیونکہ اس کا باپ حادثہ سے قبل مر چکا تھا۔ اس کی ماں تھی۔ اور وہ بھی بچپن میں پولیو ہوئی تھی کہ سب کو یقین تھا صحت یابی کی کوئی امید نہیں۔ اس کا باپ بابا جی سے ہی علاج کروا رہا تھا۔ اور وہ بھی ان کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ مگر ہم نے کبھی اسے علاج سے بھی محروم نہیں کیا۔ اور اس کی ایک علاج کی وجہ سے ہی اس گھر میں داخل ہوا تھا۔ مگر ہم نے کبھی اسے علاج سے بھی محروم نہیں کیا۔

"میرے سامنے ہاتھ ملا کر یہ کیا کریں اس کے ساتھ۔" نازنین نے تلخ لہجہ کا شکار ہوئی۔

"ہر بڑی کتاب میں روشن باب کے ساتھ ساتھ یا واقعتہ تاریک باب بھی ہوتا ہے اور ہر بڑا ایک ہی جگہ میں ہوتا ہے۔" نجم ولی خان نے تحمل سے کہا۔

"مگر میں نے کچھ دیکھا نہ سوچا اگر سوچا تو صرف یہی کہ میری بیٹی کو خوشی ملنا چاہیے۔ اسی لیے میں نے آپ پر وہ الزام اپنے خاندانی معاملات کی صفائی کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ بھی کہا کہ باری مجھے ہمیشہ سے پسند ہے وہ اس لیے اس سے ہمدردی ہے کہ مجھے ہمیشہ سے یہ خدشہ رہا تھا کہ قاتل روشی کی شادی اس سے ہو سکتی ہے۔ میری بیٹی کو کوئی بھی نقصان پہنچانا چاہے۔ تجھ دیکھیں اب میرے بچاں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر خدانخواست روشی کو کسی تحقیق کا شبہ بھی ہے تو میں تمام سہولتیں بالائے طاق رکھ دوں گی اور نجم ولی خان کے حق میں ہٹ جاؤں گی۔ جس طرح کروں گی سب سمجھ۔" ہارے جذب کے اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔

"بیٹی کی۔ ایز کی۔ آپ اتنا کانفیس نہ ہوں۔ میں اندازہ ہے کہ شکست کیا ہوتا ہے۔" نجم ولی خان نے تحمل سے کہا۔ اور اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

"خوشی کا ہوا کیا ہے بتائیں آپ۔"

"بچے اپنی ماں سے زیادہ دیر ہوا آف نہیں کرتے۔ آپ خواہ مخواہ اتنا اموشنل ہو گئے تھے۔ میں بھی سوچ نہیں کرتا آپ کو۔ کتنی اذیت ناک گزری ہیں یہ بھلا کیا میں۔" نازنین کی آواز بھرا آئی۔

"کتنی بیماری کتنی الوسٹیڈ ہے ہماری بیٹی۔ ہم اس پر ہارڈ ہو سکتے نہیں کر سکتے۔ ہمیں علم ہے آپ نیچ کو کبھی ہارڈ نہیں کریں گی ایک حساب سے ہمارا خیال کیا جائے گا۔ اس کے کیس میں آپ بیسٹ کانفیڈنس ہوں گی۔ خوشی کو خوشی اپنی محبت سمجھتے ہوئے جیسا چاہیں کی سوک کرائیں گی۔ مگر خوشی بھی نیچ کی طرح صرف ہماری بیٹی ہے۔ آپ نے خود پر ظلم کرنے خود کو سزا دینے کے لیے خود کو زخم اپنے چاہا۔ اس طرف بھڑکائی تھی۔ اس میں ہمت کرنے تھے ہم نے۔ کہ خدا خواہ اس کی وجہ یہی ہو کہ ہم اس اذیت ناک احساس سے نجات چاہتے تھے کہ ہمیں ہمت ہے دوسری سے استعمال کیا گیا ہے۔ ہمیں کسی طرح کا کوئی افسوس چاہیے تھا۔ کہ ہمیں محبت پر اعتبار کرنے ہمارا دل واپس پھیر دے۔ اور ہماری سے کا اعتبار تھا۔ جیسے اس سرمایے میں وہ جوتے اکھڑ گئی تھی۔ دوسرے لوگوں کے الزامات سے اپنی اذیت نہیں بچنی تھی جتنی اس الزام سے بچنی تھی

www.Paksociety.com

فوراً ناراض ہونے کی عادی ہیں۔ بہت سمجھایا تھا اس نے پیٹھ پر کر لینے اور خاموشی کی اصول کے بعد محبت کا آغاز تو صرف ایک ایسا ریشہ تھا۔ جو بہت کمزور تھا۔ اب یہ حال تھا۔ کہ زرین اکثر وہاں لندن میں ہمارے بیڈ روم میں پروفیسر ہوتی تھی۔

ہم نے وہ جو ذرا سا فرق تھا۔ اس کے پاس موجود۔ اس کی عمل داری میں اور اسے ہمارے ہونے کا یقین نہیں تھا۔ کچھ دن محبت ہے۔ محبت کے اس سراب سے گزرنے کے بعد تو ہم بالکل خالی ہاتھ تھے۔ دولت جا کر بھی خالی ہونے کا احساس۔ واپس آئے تو ایک خالی وجود کے خالی پن کو اس طرح محسوس کیا جیسا کہ محسوس کرنا چاہیے تھا۔ وہ خالی وجود جو خود ساختہ حصار میں قید تھا۔ جسے اپنے نقصانات کھٹکے کے دوران کبھی ہمارے نقصانات کھٹکے کا خیال نہ آیا۔ پھر وہ خوشی پر اپنا حق بتائے تو ہمیں کیسے غصہ آئے۔"

نازنین حیرت سے تیمور علی خان کو دیکھ رہی تھی۔ ایسا اور اتنا تو وہ کبھی نہیں بولے تھے۔ بڑی سے بڑی بات پر ان کے ہاں خاموشی ہوتی تھی۔ جتنی بڑی بات اتنی گہری خاموشی۔

"یقین کریں ہم نے تو کبھی آپ سے کچھ نہیں چاہا۔ بس انتظار چاہا تھا کہ دکھ دینے والے کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے ایک آگ بھڑکا دوں مگر آپ لندن میں اپنے پارٹنر کے ساتھ خوش رہیں۔ میں تو مر کے لگی تھی ناں اس حویلی سے یہ اور بات کہ والدین سے لڑ کر بھی یہاں آ کر بھی کچھ عرصہ جاری رکھی۔ اپنی موت کا پیغام بھی خود بھجوایا اور پھر بابا صاحب کو بھیج کر یہ بلوا لیا۔ مجبور کیا۔

تو اس میں حیرت کیا۔ یاور علی خان نے تو میرے وجود سے روح اسی دن کھینچ لی تھی۔ جس دن۔" وہ یکدم خاموش ہو کر آنسو پینے لگی۔

"مگر ہم نے تو آپ کو زندہ وجود تسلیم کیا۔ جو آپ کا حق بنتا تھا وہ دینا چاہا۔ مگر نہ لیزا کے سامنے آپ کے وجود کو ذلیل کیوں کرتے تو آپ نے خود کو بے روح دوسروں سے تسلیم کروایا تھا ہم سے نہیں۔ مردے نکاح نامے پر دستخط نہیں کرتے۔"

تیمور علی خان کے لہجے سے تلخی ٹپکنے لگی۔

نازنین۔ چند لمحے کو خاموش سی ہو کر رہ گئی۔

"نکاح کے وقت جو سوچ آپ کی تھی وہ صرف آپ کی تھی ہماری نہیں۔ جو کچھ ہوا جن حالات میں ہوا۔ اس کے لیے ہم نے عرصے تک اپنا مائنڈ میک اپ کیا ہے۔ اپ کیا سوچتی ہیں۔ آپ کیا کرنا چاہتی ہیں ہمیں اس سے کوئی مروکار نہیں۔ وہ روشنی کا معاملہ۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔ ہم نیس بھی کریں گے وسائل بھی کریں گے۔ ہم جلد ہی حویلی پہنچیں گے۔ مگر اب آپ کو احساس ہو جانا چاہیے کہ انسان فرض کر لینے سے نہیں مرتا۔ آپ زندہ ہیں۔ ابھی کراچس میں یہ حقیقت بھی سامنے آ سکتی ہے۔ اس کے بارے میں سوچا ہے؟"

تیمور علی خان باتوں میں نوشی کر۔ تو ہم نے سوال کر رہے تھے۔

"مجھے کن گواہ۔ چھوٹے بس یہ کہ اوامی چاہتا ہے۔ میرا جواب اب بابا جان کی ذمہ داری ہوگی وہ جانیں کو وصول کرتے رہیں گے۔

مجھے تھے۔ وہ ان کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو جائے گی کہ ان کی بابا کے کمرے میں کوئی واردات تھی۔ ایک صبح اٹھ کر وہ بچوں کی کوشش کی تھی مگر وہ کی حالی ہے۔

میرے پاس بہت بھی ہے اور ایک بہت حساس کمرے والا لگ بالکل خاموش۔ کمرے سے آنسو میں پونچھ اس کے اس پر گرتے ہے ہیں۔ وہ روتا تو احساس تو کمل سے میں پاگل ہو کر گلیوں کی خاک چھانتی۔ میں اپنی مطلقہ ہو گئی کہ مجھے اندھوں کی عزت افزائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں اس خواب کے ساتھ اس گھر میں آئی تھی کہ آپ اندھوں میں وقت گزاریں گے اور میں روشی اور جواد کے ساتھ رہوں گی اور بی کہ کتاں کی اور بابا صاحب کی موجودگی میں بچے کو کوئی نہیں بھیجے گا۔ مگر کسی نے بھی کچھ نہیں کیا۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ "تو پھر جیتے جی میں نے مر جانا چاہیے جاتا۔ کہ کس حد سے بچوں کا سامنا کروں گی۔ ایسی شرمناک باتیں سنیں گے تو ذہنی طور پر اذیت ہو جائیں گے۔ اس کی موجودگی میں ان کی گردنیں جھکی رہیں گی۔ یہ سب اس شخص کو سوچنا چاہیے تھا مگر مجھے سوچنا ہے آپ کے لیے مجھے ہر کیے جانے پر دوسرے ہے ہیں جبکہ مشکل کو آسانی میں۔ اسلیے دیکھ کر میں خوشی سے سرشار ہوتی ہوں۔"

"یہ تو خود غرضی ہے۔ خود غرضی ہے۔ نوشی کی خاطر بھی آپ کے اندر جینے کی امنگ پیدا نہیں ہوئی؟" تیمور علی خان فاصلے پر پڑی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔

"رشتے اور تعلق کے بارے میں بہت بہتر نوشی کا باپ ہے میرے علیحدہ ہو سکتے ہیں تو پھر نوشی خود ہی ماحول میں ہے۔"

"آپ ان دائل سے خود کو بہلا سکتی ہیں۔ مگر ہم اسے صرف آپ کی خود غرضی کہیں گے۔" وہ اٹھے اور بیڈ کی دوسری طرف آ گئے۔

"آپ کی ہر بات سنی ہے۔ یہ تو بے معصوم سا الزام ہے۔" نازنین پر گویا کوئی اثر نہیں ہوا۔

"ماہین بھی کبھی کبھار بس یہاں کھنچنے والی ہیں۔ اس طرف۔ کچھ سوچا؟"

انہیں معلوم تھا کہ یہ موضوع کبھی مکمل نہیں ہوگا اسلیے انہوں نے موضوع ہی بدل دیا۔

"بے چاری ماہین۔ کیا عمر ہے اور کیا جو کھٹن زندگی وہ جا گئی وہ اس نے بھی ہے۔ بچے میں الجھن کی ہوئی الجھی ہیں۔ کیا دیکھا تھا اس نے۔ کیا چاہ کر آ گئی۔ کچھ بھی نہیں پایا۔ اس ایک بات کی ہے جس پر دل گواہی دیتا ہے۔ اس شخص کے اندر ایک انتقام کی آگ۔ دشمن تھی۔ جس سال ہے کہ میں نے اس الزام کو سچ کر دکھایا تھا۔ میں نے تو اس لیے کیا تھا کہ اس نے وقتی میری چاہت کی تھی مگر اس نے میری جان کو گھیر کر میں سال بڑا قرض چکانے کی کوشش کی ہے۔ اس شخص کے اندر ظاہر صرف ایک شخص ہیں اور وہ ہے انتقام۔"

"کیا کہہ رہی ہیں آپ ان باتوں کو بار بار دہرانے کا۔" تیمور علی خان بگڑ چکے تھے۔ انہوں نے پھر گفتگو کا سلسلہ دراز کرنے کی کوشش کی۔

"کل ہماری آواز ہے اس کی۔ وہ آتی ہوگی۔ جانے کہاں ہے وہ۔ میں نے اسے بھیجا دیا ہے۔ گمان ہے حویلی میں

اس کا اندازہ مگر یہ اور دادی اس وقت کہاں تھا جب ڈی ای صاحب اس سے شادی کر رہے تھے۔ بچے ہی پہلی اولاد ہوتے ہیں ہاتھ تھی ہوں۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ بھی مجھے لعن طعن کرنے آ رہی ہو؟" ایک نیا خدشہ سر اٹھا۔

"بالی گزر گئیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں کیا ہم نے۔ وہ بتا تو رہی تھیں اپنا سمجھ رہی تھیں ہم انہیں کچھ کہہ رہے تھے۔ فی الحال یہ کچھ پریشان ہیں۔"

تیمور علی خاں نے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

"پتا نہیں میرے اندیشے کہاں جا سوئے ہیں۔ کچھ بھی تو نہیں جانتا اندر۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"اوہ نو۔" مونا کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔ "تم نے خود سنا؟" روبی سوفی سے دریافت کر رہی تھی۔

"یہی اتنی سمجھ بچا کی کی ذہن سے باہر کی کر رہی تھیں۔ اوپر والا ہاتھ میں۔ بچی ہیری تو تھیں کا پتے تھیں۔"

"بالی کا۔ یہ نہیں پتا چلا کہ یہ عظیم واقعہ کب ہوا۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حویلی میں روشنی اندھیرے کے ساتھ ہوتی ہے۔ اکیلی کہیں بھی نہیں جاتی۔ ہر گھڑی پورے میں ہاری نہیں ہوتا۔" مونا نے خود کو دلاسا دینے کی کوشش کی۔

"اوہو۔ پوری بات تو سنیں مونا باجی!" سوفی جھلا گئی۔

"کاکا جان کے ہاں نہیں کوئی تھی روشنی آ اس نے سوالیہ انداز میں دہرایا۔

"ہوں ہاں۔" یک دم گئی آوازوں نے تائید کی۔

"ان دنوں کی بات ہے۔" سوفی نے بات مکمل کی۔

"لیکن۔ ایسا کیوں ہوا۔ کاکا جان نے تھے کیوں کیا وہ تو یاد ماموں سے نہیں ملتے بھر روشنی۔" کالی نے ایک اور نکتہ اٹھایا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں نے تلاش کر کے کاکا جان کے ہاں پناہ حاصل کی ہو۔" مونا کی سوچ ایک اور انداز میں ظاہر ہوئی۔

"کوئی تلاش بھی کل کے بارے ہو گیا کہ ضرور دن کو پناہ کی تلاش ہوئی۔" ثانیہ اس خیال پر سب سے زیادہ محظوظ ہوا۔

"ہائے ثی۔ میں تھا مر جاواں۔ ایسے گوئی چاچوں نے نہیں۔"

عریم نے شوخی کے پردے میں اپنی حیرت ظاہر کی اور زور سے سینے پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

"اچھا اسی لیے وہ عظیم کاکا کر تھک شناسا نہیں کرتی تھی۔ اب سب کو اس کے موت کی وجہ سمجھ آ گئی ہیں۔"

"اوہ۔ مجھے تو چکر آ رہے ہیں۔" نازک طبع مونا نے سر تھام لیا۔

"گھوڑا کہاں ہیں۔ انہیں بھی تو پتا چلنا چاہیے۔" مونا نے سامنے گھوڑی کی طرف متوجہ کیا۔

"ہے بی بی اصطبل۔ انہیں آل رہتی ہیں ہوا ہو۔ گھر کی خواتین انہیں باہر کی دنیا سے بے نیاز رکھتی ہیں۔"

روبی آپی۔ کہیں آپ بھی تو پہلے سب طرح نہیں تھی۔" ثانیہ نے پوچھا۔

"ہاں مگر میں تو کبھی تھے سے پہلے سے ہی اس سے بچھڑ گئی تھی۔ کہاں سے وہ کہانی پڑھ لی۔"

اپنی محرومیاں یاد آ گئیں۔ جس میں سے گزرتے گزرتے وہ اس کی عادی ہو گئی تھی۔ یہ سب کا دکھ ایک تھا۔ کہ وہ کسی نہ کسی طرح اکیلی ہو گئی تھیں۔ کوئی نہ کوئی ایک دوسرے میں ہاری تھی۔ کسی نہ کسی طرح سے ایک دوسرے کی ضرورت تھیں۔ ایک دوسرے پر انحصار کرتی تھیں۔ ایک دوسرے کو سنبھالتی تھیں۔

"اب آ رہی ہیں اب خبر لگی نا؟" مونا نے ان میں تھوڑی روانی کی کوشش کی۔

"چلیں اب کوئی تاویل؟ سے تو جاری ہوا ہوتا۔" وہ ہنسی ہوئی دوستوں پر جا گئیں۔

"کاکا کے بعد تو گویا اندھیرا ہی روشنی ہو گیا۔ کہ اس کے سامنے تھیں ہوئی تھیں۔ سوفی کی آنکھوں میں اندھیرا ہی خوف بھی ہوئی۔

"آپ تھیں کہاں تھے سے؟" ثانیہ نے غیر ضروری طوالت کا اندازہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہیں ہاں کہ اپنی جا رہی ہیں۔ ان کی ہیلپ کر رہی تھی ہیلنگ میں۔ اس سے پہلے اپنی امی کا ہاتھ بٹا رہی تھی اور اس سے بھی پہلے راکن خالہ کے ساتھ کپڑے کو رہی تھی اور۔"

"بس۔ بس۔ سمجھ آ چکا ہے اس سے پہلے آپ حکومت کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ کیا کہنے آپ کی سرکاری ہمدردی کے سرکاری مصروفیات کے۔" مونا نے چڑ کر کہا۔ "مگر کسی کام کی نہیں آپ کی ہمدردی ہے۔ وہ کے پیچھے سے لات ہی مارے گا۔" جانے کون سی حرکت سے کا اور وہ لگا گیا تھا۔

"کتا چھوٹا سا واقعہ تھا؟" وہ سکتے میں۔

"روبی بھی جا رہی ہے کہانی کے ساتھ۔" ثانیہ نے پوچھا۔

"نہیں وہ ماموں کے ساتھ ہوں ہوں ہاں جا رہی ہے۔" کھوئے جواب دیا۔

"کہانی کے ساتھ کیوں نہیں جا رہی اب کون سا اس کے ذمہ کام ہیں۔ یا رخصت ہونے سے پہلے تو اس کی خدمت کا حق ادا کرنے کا ارادہ ہے۔"

"آپ کے ذہن میں یہ نہیں آیا ہو گا کہ عریم کے ساتھ رخصت ہونے والی ہیں مختصر سی نہیں انہیں ہاری صاحب عالم جلتے سے دولے جانے والے ہیں۔" مونا کو کھوئے بات چھپانے کی بہت جلدی تھی۔

"بھلی لڑکی کو کسی نہ کسی کے ساتھ رخصت تو ہونا ہی پڑتا ہے۔ عریم نے بھی ہاری۔ کھوئے ایک اور چھکا لگاتے ہوئے بہت رسانیت سے جواب دیا۔

"دیکھا تم تو پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ آپا کو پتا ہو گا۔ انہیں ہوا اندازہ حاصل ہے حویلی شاہ کی کل رخصت میں عمر تو ہاری ہے۔"

"اچھا، آپ سے پتا ہے آپ کا؟" نتیر یا سب کی شکل سے گھبرانے لگی تھیں۔

"آنا ہی چاہیے۔" ان کے چہرے پر تفکر سے سلوٹیں نمودار ہونے لگی۔

"آپ کو تجربہ نہیں ہوتا؟" عنایہ نے تعجب سے پوچھا۔

"تجربہ نہیں ہوگا۔ کہ اتنا پیار کرتی ہے روشی مجھ سے اور اس نے اتنی اہم خبر پہلی زندگی کو اہم واقعہ مجھ سے چھپایا۔" کچھ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"ایسی باتیں تو کبھی چھپتی نہیں ہیں۔ ہم تو برس پا پہلے جانتے تھے کہ ایسا کچھ ہوگا۔"

ھھ ہیشہ کی طرح بولتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔ کن سوئیاں لینے کی عادت میں اتنی یاد نہیں کہ اندر داخل ہونے سے پہلے ہی بہت کچھ سن لیا کرتی تھیں۔

"نرسوں سے زیادہ رسم ہوگی آپ کی۔ ہم نے تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔"

روبی کو ان کا یہ جملہ محض نمبر بنانے کی ایک فضول سی کوشش محسوس ہوا۔

"یار، ماموں سخت غصے میں ہیں۔ باری سرائے جا چکا ہے۔ کاکا جان آنے والے ہیں۔" موٹے نے فضول سی اطلاع فراہم کی۔

"کاکا جان کی الوالوحشت کے معنی سمجھ میں نہیں آ رہے۔" زری نے گھور کر دیکھا۔

"میرے اللہ! اتنی بڑی بات روشی کب سے پیٹ میں لیے پھر رہی تھی اس کا پیٹ بھی نہیں پھولا۔ اگر وہ لالچ ہوتا تو ہمیں تو ہر ایک کو بتانے کو جلدی ہوتی کہ اب ہم سے تو چلا نہیں رہے۔"

"گھٹیا۔" تانیہ نے روبی کے ہتھے میں گرہ لگائی۔ تذکیر و تانیث کی خامی پر متوجہ کیا۔

"اسے ذرا ہمت کرو۔ روشی کو تو بلا کر لاؤ۔ اس کی تھپائی کرتے ہیں۔ پھر تو وہ ہری ہری چلی جائے گی۔" مریم نے کہا۔

"تایا ڈانٹے نہیں۔ تو؟" عنایہ نے سوال کیا۔

"تو پھر ہم چپکے سے اس کے کمرے میں۔" ہیے نے فوری حل دیا۔

"اس بے چاری کا کیا قصور۔ باری نے اسے کیسے پالیا۔ اسے بابا صاحب کا خوف بھی محسوس نہیں ہوا۔" صوفی ہمیشہ کی طرح اداس ہوئی تھی۔

"اسے خدا کا خوف نہیں آیا۔ قبر بابا صاحب کی بات کر رہی ہو۔ جن خیالی میں گھما کر اس میں چھید کر دیا۔" ھھ کے لہجے کی تلخی آج بہت بڑھی ہوئی تھی۔

"یہ کون سے روبی یا انسانی قانون میں لکھا ہے کہ لالچ کرنے سے خیالی میں چھید ہو جاتے ہیں۔" موٹے نے تنک کر پوچھا۔

"لالچ کرنے سے نہیں، لالچ کرنے کے طریقہ کار سے۔" عنایہ ہمیشہ کی طرح بولنے والی تھی۔

"یار سنیں۔ روبی بتا رہی تھی۔ کاکا جان نے خود لالچ چھوڑا ہے۔" زری نے جواب دیا۔

"ماموں نے بھی ایسے کیا کرنے۔ ماموں نے اتنی بھی پوجا کی ہوگی۔ ہے نا ہے ہیے؟" عنایہ نے ہیے سے تصدیق چاہی۔

"کاکا جان زیادہ پوجا کرتے ہیں۔ زیادہ کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ زیادہ کام ہے کاکا جان کے۔" ہیے نے کام گنوائے۔

"ہاں، ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ کہ جب ماموں نے لالچ ہی کرنا تھا تو اتنی محنت سے زیادہ پوجا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کہیں بھی کر سکتے تھے۔ ایسی جگہ اس پوجا کی کیا ہوا چاہیے کہ لالچ سرائے میں کہاں ہوتا ہے؟" صوفی ہمیشہ کی طرح الجھی ہوئی تھی۔

اور یہ کچھ اب تمام لڑکیوں کے لیے کوئی اسکوٹ ہاری ہو گیا جیسے سب کچھ سوچ رہی ہوں۔

"کاکا جان اتنا کچھ کی کام کیسے کر سکتے ہیں۔ آل۔ یاری ان کے تعلقات ماموں سے زیادہ ہیں۔ خرابی کی اصل بات یہ ہے کہ باری ایسا چھپا رستم نکلا۔ سچے تو وہ ماموں کی طرح تھے۔ روشی تو اس کی زیادہ ذمہ داری تھی۔" ھھ ہمیشہ کی طرح تبصرہ کر رہی تھی۔

"یہ بھی ایک اندازہ ہوتا ہے۔" مصطفیٰ ہنسیں۔ آج تو سر سے پاؤں تک زہر سے نیلی ہو رہی تھیں۔

"کچھ بھی ہے۔ بے چارہ باری۔ روشی نے ہم سے اتنی اہم بات چھپائی۔"

"ڈرتی بھی تو ہوگی۔ اس لیے چھپائی ہوگی۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ باری ماموں اس لالچ کو صحت کے انجام تک پہنچنے دیتے۔" مصطفیٰ نے مضبوط دلیل پیش کی۔

"اللہ کرے۔ باری سے کسی کی کیا دشمنی۔ اللہ اچھا کرے۔" ہیے نے معصومیت سے کہا۔

اسی وقت ماہین اندر داخل ہوئی۔ "اچھا بھئی ہم تو چلے۔ روشی کا خیال رکھنا۔ ویسے تو وہ بھی رات کو ہری ہری چلی جائے گی۔"

زرد لپلپے کے پھولوں والے یاسوٹ میں ملبوس ماہین کو سب کے گھورنے کے باوجود بہت بھلی محسوس ہوئی۔

"واپسی کب ہوگی؟" وہ سب کھڑی ہو گئیں۔

"دیکھو۔" وہ زیر لب مسکرائی تھی۔ "کوئی اہم میٹنگ ہو رہی تھی۔" وہ اتنے قریب قریب بھی نہیں تھیں کہ دیکھنے والا بھی محسوس کرتا کہ وہ چپکے چپکے کوئی بات کر رہی ہیں۔

"روشی آپ کے ساتھ نہیں جا رہی؟" تانیہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کے پاپا کی مرضی نہیں۔ خیر۔ بہت عزا آ چکے۔ اب یہاں آتی ہوں تم لوگوں سے ملنے ہوتی ہیں۔ جلدی ملنے آتی ہیں۔"

اچانک ہی ہلکی سی ہوا اور لپلپے ماہین کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ "بی بی۔ جان کو ہے۔ ہے ہیں جلدی کریں۔"

"یار، ماموں آپ کو کراچی چھوڑنے جا رہے ہیں؟" الکوز نے پوچھا۔

"ہم پارٹ تھوڑا جا رہے ہیں۔ وہ تو جا رہی ہے میرے ساتھ۔" ماہین نے بتایا۔ "کراچی میں اس کی ماں کا بھی گھر ہے۔ اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ کر آؤں گی۔ سفر سے تھکان کو بہت عظیم ہوتی ہے۔"

www.paksociety.com

ماہین مسکرا کر باری سے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔
خدا جانے کیوں، ماہین تم ہمیشہ خدا حافظ کہتے ہو۔

روشی اور بھی الجھ جاتی اگر سوچوں میں گم ہوتی۔ دروازے پر بڑے زور کی دستک ہوئی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ماہین کے چلے جانے سے ایک تو خود کو بہت تنہا اور غیر محفوظ سا محسوس کر رہی تھی۔ کہیں بابا صاحب کا بلاوا تو نہیں آ گیا۔ وہ لرزتی ٹانگوں کے ساتھ دروازے تک آئی اور دروازہ کھول دیا۔

"اوہ!" ان سب کو سامنے پا کر اس نے گہرا سانس لیا۔ اور ایک طرف ہو گئی۔

"پھر کہیں جانے کا پروگرام ہے؟" وہ ان کو ایک ساتھ دیکھ کر یہی سمجھی۔

"ہاں۔ بیا گھر جا رہا ہے۔" روبی تیزی سے بولی۔

وہ دل ہی دل میں حیران سی ایک کونے میں جا بیٹھی۔

"عید ان مار کر کونے میں بیٹھی ہو۔" گھونے ایک دھپ لگائی۔ اور بیٹھ گئیں۔

اس نے حیرت سے باری باری سب کو دیکھا۔ کچھ کچھ سمجھ میں تو آیا۔ مگر وہم کو یقین کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ خود کو سمجھا کر کوئی اور بات ہو گی۔

"آغا سے حویلی سے بے دخل کروا کر ہی دم لیا۔" موٹا نے لاڈ اٹھنے کے انداز میں کہا۔ روشی کے حلیے میں عجیب سی وحشت بکھرنے لگی۔

"دونوں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ پہلے تم سرائے پہنچ کر وہ۔ اور پھر نکاح ہو جائے۔ مگر یہ کاجان پر کون سی جادو کی چھڑی گھما کر بھاگ کر قاضی کو پکڑ لائے۔" زری نے بھی جہاز جھاڑ میں شرکت کی۔

"فیر جب یہ ہو ہی گیا تھا تو واپس آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہاں سیاسی پناہ کی درخواست کیوں نہیں دی؟" روبی نے ایک قاش لقمے کی طرف متوجہ کیا۔

"سیاسی پناہ کی۔" لالی نے تصحیح کی۔

"چلو وی۔ اب دوبارہ کسے بارے گا۔ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں۔ حشر نشر کر دیں گے بادشاہوں۔" مریجے نے امکانی خطرے سے خبردار کیا۔

روشی سر جھکائے سب کی سن رہی تھی۔ مگر خاموش تھی۔

"تم تو اپنی ہو۔ سب سیٹ کر لیں گے۔ سیٹ ہو جائیں گے۔ وہ بے چارا تو محبت میں مارا گیا۔ کیا ہو گیا تھا تمہیں۔ اتنا بے خوف کر دیا تھا تمہیں اس نے۔ کیا خواب دکھائے تھے۔ ایسا لگتا تو نہیں تھا۔" زری نے پھر کہا۔

"ہائے اللہ کتنی روشن تھی اس سے حویلی میں۔" موٹا کو تم گشتہ واقعات یاد آنے لگیں۔

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تم لوگ مسلسل تاریکی پھیلانے کی جا رہی ہو۔" گھونے روشی کے چہرے پر نظر ڈال کر کہا

"ہے اس کا۔
"ہیں S بیٹ ایجر۔ جب من ٹھن کر بیٹھ جاتا ہے تو پھر وہ کسی کی بات نہیں سنتا۔" روبی نے سمجھایا۔
"اوں اوں تم بھی بہت بولنے لگی ہو۔" گھونے روبی کو ٹوکا۔
"تو نا۔ بڑا اچھا ہوتا ہے سب کی کو اچھا لگتا ہے۔ ہمارے ساتھ تو اس کا بی ہیو بہت اچھا رہا ہے۔" روبی نے احتجاج کیا۔
"ہاں۔ یہ تو ہے۔ تعریف کی۔ ایسا بھی بھائی نہیں ملا۔ سوچتے سوچتے اپنی ماں کا بھائی اس کے بچپن سے کوئی محبت ہی نہیں تھی۔"
بیٹی بس کر تو گئی۔ وہ سب بھی چپ ہو گئیں۔
"مگر یہ سب تو محض باتیں ہیں۔ اسے بھی تو کچھ کہنا چاہیے۔ اسے بھی تو کوئی بات کرنی چاہیے۔" گھونے کو کوئی اور بات سوجھی۔
"اصل بات تو۔" گھونے کوئی اور بات چھیڑ دی۔
"یہ تم لوگوں کو شروع سے محسوس ہوا ہے وہ بتاؤ۔ اب روشی سے پوچھتے ہیں کہ شروع سے اسے کیا محسوس ہوا تھا۔ بتاؤ بیٹے تو کیا۔"
"تو یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اسے شروع سے ہونا ہوگا۔ اس پر تو فائنل کیا ہے۔"
بیٹے لطیف کھانا اٹھایا۔ بے ساختہ قہقہے گونجے تھے۔
روشی بدستور خاموش بیٹھی تھی۔
"لوگ تمہارے احساسات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ تم بھی تو کچھ بولو۔" گھونے اسے ٹوکا دیا۔
روشی نے گھونے کے شانے سے سر ٹکا دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ "نا معلوم ہو گیا ہیں آپ لوگ۔ سب کی سب غلط آپ نے کی ہیں۔"
روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سب کی سب ایک دم سنجیدہ ہو کر ایک دوسرے سے نگاہیں ملانے لگیں۔
"کرے تم کو ہوا کیا ہے۔ ہم تو سمجھ رہے تھے۔ سچ میں تو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ واقعی وہ تو بہت اچھا ہے۔ مگر ہم تو محبت سے قریب ہونے کے قریب ہیں یا تمہارا کام کیسے ہو گیا؟"
گھونے اس کے بالوں پر بوسہ دیتے ہوئے پوچھا۔
"کچھ نہیں ہوا۔ نکاح کی کہانی تمہاری زبانی سننے آئے تھے۔ اور تمہاری بیچارگی کو سمجھ رہے تھے۔ کہ کسی زبردستی سے ہو گیا ہے۔ کیونکہ تم دونوں کے بیچ کوئی خاص رشتہ قائم ہو چکا ہے۔ وہ بھی واہ۔"
"اچھا پتہ ہے بابا صاحب نے تمہیں کیوں بلوایا تھا؟" گھونے پوچھا۔
روشی نے نفی میں سر ہلایا
"بتائیں گے تو ضرور۔" مریجے نے شوق سے کہا۔

"ظاہر ہے ڈانٹ ڈپٹ کے لیے لائیں گے۔ فیصلہ تو انہی کے پاس محفوظ ہے۔" امی نے کہا۔ "ان سے حساب لینے کا ایک قیامت ہے۔"

"کوئی محفوظ نہیں ہے۔ فیصلہ کس ہو چکا۔ ایک بڑی سیدھی سی بات تھی جو ان سب نے مل کر الجھا دی۔ زیادہ سے زیادہ ثابت کر دیں گے۔" روشی نے آنسو پونچھتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"تمہاری بات۔ اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ وہاں سب ہوا کیسے۔ آنٹی پاکستان کا تھا؟" گلو نے اپنے آنچل سے اس کی آنکھیں پونچھیں۔

مگر روشی کے چہرے سے ظاہر تھا کہ اس کا کچھ بتانے کا سوال نہیں ہے۔

"بی بی! ہوائی جہاز میں تو مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ میں تو بس کلمہ پڑھتی رہی۔ اتنا تیز اڑتا ہے مگر پتا تو نہیں چلتا۔ توبہ اللہ۔" بالو ماہین کے سر میں تیل ڈالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "مونچا بھی نہیں چلا کر آئی۔ اتنی دیر میں تو کوئی سے اور آگے پہنچتے ہیں دیگن میں۔"

ماہین مسکرا دی۔ "میں تو سمجھ رہی تھی تجھے مزا آئے گا۔ مگر میری تو جان سولی پر لگی ہوئی تھی۔"

"تو بی بی! جہاز بھی تو آسمان سے لٹکا ہوتا ہے۔" وہ سادگی سے بولی۔

ماہین نے بہت لطف محسوس کیا۔

"بی بی! اچھے بڑے گھر میں صرف تم کر... چ ہیں۔"

"ہاں زیادہ تر۔ دو تین مہینے کے لیے میرے بھائی آئے ہیں۔ یہ ان کی بڑی بی بی ہیں۔ یہ پاکستانی نہیں ہیں۔ یہ انگلی کی نامس ملازمہ تھیں یہ گنڈ ہیں۔ نعمان بھائی انہیں یہاں لے آئے۔ گھر کے مالک کی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں۔ بلکہ میری تو پوری کی ان کے ہاتھوں میں ہوئی ہے۔ وہ بوڑھا ہے۔ وہ بچوں کا ہے۔ ایک عورت صبح کو آتی ہے وہ رات کھانا پکاتی ہے۔ دیکھ کیسا چلتا رہا ہے گھر۔"

"نام کیا ہے ان بڑی بی کا؟"

"رانکا!" ماہین نے بتایا۔

"جیسے انکا ہوتا ہے۔ لو بتاؤ۔ کہاں ڈائن کہاں انکا۔" بالو اپنی فہم پر خود ہی ہنسی تھی۔

ماہین بھی مسکرا دی۔ "بھئی وہ ڈائنا نہیں ہے ڈیانا ہے۔ گیارہ بج گئے مالی کا۔ ایسا تم جا کر سو جاؤ۔ میں ایک ضروری فون کر لوں۔" وہ بڑبڑا کر کارپٹ سے اٹھی

"کہاں۔ اپنے سسرال کریں گی۔؟" بالو نے تیل کی بوتل کا ڈھکنا لگاتے ہوئے پوچھا۔

"سسرال بھی کچھ لو اور دیکھ بھی۔" وہ دوپٹا اٹھا کر فون کی سمت بڑھی۔ دل میں ایک عجیب سی دھکڑ پکڑ شروع ہو گئی تھی۔ ایک لمحے کو فون وہ جان بوجھ کر کر رہی تھی تاکہ وہ علی خان گھر سے باہر گئے ہوئے ہوں تو واپس آ جائیں۔ گیارہ بج گئے تھے

[illegible] گھنٹی بجی۔ کسی نے فون اٹھایا۔ "ہیلو۔"

"السلام علیکم۔ کراچی سے بات ہو رہی ہے۔ کیا میں ماہین سے بات کر سکتی ہوں؟"

"وعلیکم السلام۔ ماہین بات کر رہی ہیں۔ آپ کون؟"

"میں روشی بات کر رہی ہوں۔ ماہین کی دوست۔ کیا علی خان گھر پر ہیں؟"

"نہیں وہ آفس گئے ہیں۔ آپ کو کچھ پیغام دینا ہے؟"

"نہیں۔ میں خود ماہین سے بات کروں گی۔ آپ کو تکلیف ہوئی۔ معاف کیجیے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں ماہین کو بلاتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" علی خان کے لہجے سے یوں محسوس ہوا جیسے کان ہی پر ہاتھ رکھ لیا ہو۔

"آپ تک پہنچنے کے لیے شارٹ کٹ اختیار کیا ہے۔" وہ ہنسی۔

"یہ شارٹ کٹ ہے؟" علی خان اس جملے سے محظوظ ہوئے تھے۔

"جیسی آپ کی مرضی۔ آپ کے حساب سے یہ شارٹ کٹ ہوگا۔ اب پتا ہے کب تک لگتی رہیں گی یہ لائنیں۔"

"روشی۔ بہت خوشی ہوئی یہ سن کر۔ آپ یہ بتائیں کہ ماہین کو بھی لے آئے ہیں یا اس کی باتوں میں آ کر وہاں عزیزہ کھل کر رہی ہے۔"

"یہ بہت اچھی ماہین کی کتاب ہے۔ پہلی سال سے ایک ایک کر پڑھ رہے ہیں۔" علی خان بہت دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

"بہت خوب آپ کو مبارک ہو۔ ہمیں رہنے کو کل صبح تک۔ کیونکہ کل سے ہم مصروف ہو جائیں گے۔ ماہین صاحبہ کے ساتھ ہے۔ آپ کو پتہ معلوم ہی ہے کہ کس سلسلے میں۔"

"جی۔ جی۔ بلکہ ہمارا جلد بھی سلسلے ہیں بنتی جا رہی ہیں۔"

"جی۔ ماہین ہیں۔ بات کریں گی؟" علی خان ماہین کے بھائی کی اور کی سمت موڑ رہے تھے۔ ماہین کا دل بھلا تھیں مارنے لگا۔ مگر اس کے سارے وجود پر ایک عجیب سی طاری ہو گئی جس کی جذباتی کیفیت کی وہ خود بھی ایک ایک سی محسوس کر رہی تھی۔

"ہیلو۔" ایک بھاری اور اجنبی سی آواز میں۔

"السلام علیکم۔" ماہین کو خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو؟" آواز بہت دلکش تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" وہ بہت اشتیاق اور خوشی سے کلام کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں بھی۔ کب آ رہی ہو ادھر؟" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب چلی تھی۔

"آپ کو بلانا بھی آتے ہے۔ کیا وجہ ہے؟ آپ تو اس جذباتی نوعیت کے آدمی نہیں ہیں۔ کہتی ہیں۔"

www.Paksociety.com

مائیں کی آواز بھی ابھر آئی۔ دوسری طرف سے سسکیوں کی آواز سنائی دی پھر فون بند ہو گیا۔ مائیں نے بھی تحمل سے ادائیں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

باورچی خانے سے جا چکی تھی۔ مائیں انگلیوں کی پوروں سے آنسو پونچھتے ہوئے کچن کی طرف چل دی تھی۔

روشی نے بہت چھوٹا سا سوٹ کیس پیک کیا تھا۔ وہ بہت تھکی تھکی تھی۔ کچھ نے اسے یاور علی خان کا پیغام پہنچایا تھا کہ وہ ٹھیک سات بجے ان کے پاس پہنچ جائے۔

جگی وہاں سج کر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے کمرے سے نکل آئی۔ اس کے قدم بھاری اور سوجے ہوئے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف آئی۔ وہ بے تھے۔

اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

دروازہ موجے نے کھولا۔ گلوں اور پرچھائیں تھیں۔

"آؤ روشی! ہم تمہارے پاس آنے والے تھے۔ دعا وغیرہ بھی نماز پڑھ رہی ہیں۔" موجے سے بے نیاز اپنے خیالوں میں آئی۔

"مجھے آپ سے ایک بات کرنا ہے موجے جی!" روشی نے بہت آہستہ آواز میں کہا۔ وہ نماز پڑھتی ہوئی گلوں کی جائزہ لے رہی تھی۔

"ہوں۔ کہو۔" موجے نے بھی اس کا انداز دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔

"اگر ہو سکے تو آپ پاپا سے فون پر رابطہ کیجیے گا۔ انہیں کہیے گا کہ اگر اس نے ہار مان لی۔ تو میرے باپ دعا کی بھیک کے لیے بھی کھڑے ہیں گے۔ وہ بہت کچھ کر دائیں گے۔ وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کریں گے جس سے وہ مجھے دوبارہ حاصل کر سکیں۔"

"جس کے ساتھ اتنا بڑا اقدام اٹھایا ہے۔ کمال ہے اسے نہیں جانتیں۔ اس کے پاس روپیہ دولت اور ذہانت کے تین ہتھیار ہیں۔ اس کی ٹیڑھی ذہانت تمہی ہوئی ذہانتوں کے مقابل ہے اسے ملنے زور دینے تائید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

گلوں سلام پھیر کر بیٹھ گئی۔ اس کی سمت متوجہ تھیں۔ دونوں اکٹھا کر آگے رکھتوں کے لیے کھڑی ہو گئی تھیں۔

"آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ ہمت کے اندیشے مت پالو۔ چلو باقی سب سے مل لو۔"

"اوہ!" وہ دال کا لک پر نظر ڈال کر ایک دم ہوش میں آئی۔ "بہت کھوا دولت ہو گیا ہے۔" وہ موجے کے ساتھ باہر آ گئی۔ گلوں کے بے تحاشا انداز اور اعتماد بھرنے کو پاس میں لی روح پھونک دی تھی۔

"جلدی جلدی سب کو خدا حافظ کہا اور پورچ میں آ گئی۔ سامان ڈکی میں رکھا جا چکا تھا۔ یاور علی خان پچھلی سیٹ پر فروکش تھے۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ عالم جب اور بیگم وہاں موجود تھیں۔ اس نے شیشے نیچے کر کے ہاتھ ہلایا۔ عالم جب کا انداز اجنبی سرد مہری اور بیگم کا معمول کے مطابق تھا۔

گاڑی پورچ سے باہر نکل گئی تھی۔ وہ عالم جب کے انداز پر ہی غور کر رہی تھی۔

کچھ کی وہ کوٹھی یاور علی خان کا انداز سکھ اور راحت دے گئی تھی۔ اس نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سیٹ سے سر ٹکائے آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کا سارا اضطراب ختم ہو گیا تھا۔

باطنی اطمینان کیسے کیا کے چہرے میں جھلکنے لگتی ہے۔ یہ تو وہ کہ اس حالت میں بھی اس کے چہرے سے سکون کی جھلک ہے۔ اس پر اپنی خوشی کا اظہار بھی نہیں کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اس سے مخاطب بھی نہیں ہوئے تھے۔ اسے راہ میں بیٹھے ہوئے باپ سے ایک طمانیت اور تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔

آنکھیں بند کیے اس نے مسلسل اپنے دل کی دھک دھک اپنے کانوں سے سنی۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"پاپا۔ میرے پاس آپ کا کوئی فون نمبر بھی نہیں ہے۔ آپ کا کوئی پتہ بھی نہیں ہے؟"

"ہے۔ لکھ لو۔"

انہوں نے جیب سے کوٹلان بلاف فارم کی ایک چٹ نکالی اور اسے دی۔ اس نے بتی کھول کر اپنے زانوں پر رکھی پھر جیب سے پنسل ٹارچ نکالی۔ فارم کی جیب سے کھینچ کر پنسل ٹارچ کا سوئچ آن کر کے لکھنے لگے۔ گاڑی کی مدھم روشنی میں جانے وہ احتیاط کے تحت میں پنسل ٹارچ استعمال کر رہے تھے۔ اس لمحے وہ اسے اجنبی اور دشمن ہوتے کی زندگی میں کبھی محسوس نہیں ہوئے تھے۔ اندھیرے کی خیر بہت تھی۔ اس نے بہت کی ایک بے پشت نکالی کر آنکھیں خشک کیں۔ اس کے رخساروں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کے قطرے اجنبیت کے کرب انگیز لمحے میں وہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

تیمور علی خان تو صبح اس بے ہی بڑی حویلی پہنچ چکے تھے مگر وہ صاحب کہیں گئے ہوئے تھے۔ عالم جب کی خواب گاہ میں دونوں بھائی اصغیر علی خان عالم جب اور نصیر بیگم کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ وہ چاروں تیمور علی خان سے اس تجربہ ناک واقعے پر گفتگو کر رہے تھے۔

"تمہیں تو اس معاملے میں پڑنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ تم ہوائی بے تمہارے ساتھ کیا سلوک کی ہے کہ بے تھے۔

"ہم کسی ایک فرد کے لیے بھوکیں کر رہے تھے۔ ہمارے سامنے ساری حویلی کا سوال تھا۔" تیمور علی خان نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ "وہ بے وقوف لڑکی بہت کچھ کرنے کے دعوے کر رہی تھی۔ ہم نے تو بہت سے اثر ہا پے سر لے کر بہت سے لوگوں کو یقین دلایا ہے۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جن سے قیامت تک کبھی ملاقات کی امید نہیں۔

اور پھر اصولاً غیر فطری و غیر انسانی طرز عمل مشکلات ہی پیدا کرتا ہے۔ مسائل حل نہیں کرتا۔ تم ہم اسے یہاں بلا لیتے اور وہ بعد میں کہیں اور چلی جاتی تو اس شخص کو کوئی کیسے روک سکتا تھا۔ ہم جان چکے تھے کہ وہ اپنے فیصلے پر بہت مضبوط ہے اسے کیسے بدلا جا سکتا ہے۔"

"ہماری حویلی میں صرف یاور علی خان نہیں رہتے۔ بلکہ بہت سے لوگ بھی ہیں جن کی محنت سے ہماری حویلی کا نظام قائم ہے۔ غصے کے جواب میں غصہ یا کوئی رد عمل تو نہیں۔ تمہیں چاہیے تھا کہ تم اسے سمجھا کر لے جاتے۔ تمہیں اپنے سر یہ مصیبت مول لینے کی کیا ضرورت تھی۔" اصغیر علی خان نے بھی اپنی ناراضگی ظاہر کی۔

"اصغیر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" نصیر بیگم نے جلدی سے یوں کہا جیسے وہ بھی یہی کہنا چاہ رہی تھیں۔

www.Paksociety.com

"یہ صرف ہمارا فیصلہ نہیں تھا، ماں بھی سو جاتی ہے۔ جو بیٹے سے اپنے بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش ظاہر کرتی ہے، بچوں کے بھیجے جانے پر اس کی آنکھوں کی ویرانی بڑھ جاتی ہے۔ ماں نے کی ماں اسے بے اپنی حیثیت کو کیسا بھول جاتے ہیں آپ لوگ۔" وہ زچ ہو کر گویا ہوئے۔

"ٹھیک ہے پھر نہیں جایا تھا کرے۔ مرنے سے روک لیتے اسے۔ اللہ جو بلی میں بھیجنے کی ضد۔ سے کہی تھی۔" سوچے ٹالے اپنا خیال پیش کیا۔

"مجھے ہمیشہ اس لڑکی کی سرکشی سے خوف آتا تھا۔ میں وہ یا صاحب سے کہا کرتی تھی کہ زیادہ نہ کھیلا کریں، وہ بچی کو اپنے ساتھ رکھا کریں۔ اپنی گرفت میں اس کی پرورش کریں مگر وہ ہمیشہ ٹال دیتے تھے۔"

عالم خاتون نے اپنی سنہری چوڑیوں کو ہاتھ سے ادھر ادھر کرتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

"بھائی بیگم! اس طرح کے کیسز میں تو بچے کو کمپلیکس کا شکار ہو ہی جاتے ہیں۔" بصیر علی خان نے کہا۔ "ہم تو جیسے کہتے ہیں کہ انہیں ہمارا بچانا تھا۔ ہم انہیں اٹھانا چاہتے تھا۔"

"جب وہ خود کو ہمیشہ کے لیے اس منظر میں لے جا چکی ہے تو اسے ایکٹو ہونے کا کیا حق پہنچتا۔ بچے اس کے بغیر ہی بہت سے اہم مرحلوں سے گزرے ہیں۔" بڑے تایا نے خاصے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"اس نے بہت سے فیصلے جو ذمہ دار کیے ہیں اور ایسے فیصلے ہمیشہ دکھ پہنچاتے ہیں۔ گناہ گار وہ بے گناہ سب لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔" زبیر بیگم کا لہجہ تلخ تھا۔ تیمور علی خان نے بہن کا چہرہ بغور دیکھا۔

"اب ان باتوں کا مطلب بی بی جان؟ پلے ہوئے زخموں کی راکھ پر بیٹھ کر تعمیر نو کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ صرف ماتم نہیں۔"

"باور بھائی رات اسے ساتھ لے گئے ہیں۔ تعمیر نو کے سارے منصوبے خاک میں ملے سمجھو۔" بصیر علی خان نے اپنی دانست میں حقیقت کی جانب توجہ دلائی۔

"ہمارے لیے یہ اطمینان کافی ہے کہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ آتی آسان نہیں ہو گی ان کے لیے۔ کچھ وقت ضائع کریں گے۔ ہم نے ایک نگاہ میں اسے تول لیا تھا اور وہ اپنی اولاد کو نہیں سمجھ سکتے۔" تیمور علی خان کے لہجے میں گہری تلخی اور استہزا تھی۔

"یہ تو اسے عہدے والی بات ہوئی۔ یوں کہو اس راستے تم نے بھی اپنی بھی کی لہر اس لگا لیا ہے۔"

زبیر بیگم ایک کل کی لڑکی کو اتنی اہمیت دینے پر سخت برہم ہوئیں۔ تیمور علی خان نے ایک نگاہ ان پر ضرور ڈالی مگر خاموش رہے۔

"باور کو سمجھا لیں یا سکتے۔ مقدمے بازی ہو گی ایک تماشا۔ بچوں کا حاصل نہ ہو گا۔" بڑے تایا کسی گہری سوچ سے باہر آئے۔

"یہ منطق اور دلیل سمجھ میں آج تک نہیں آئی کہ انہیں سمجھا سکے۔ وہ ظلم کی بات سمجھتے ہیں۔ اور ہمیں بھلانے کو ہمارا وہ ایک کھلا ہوتا ہے۔ وہ زیادتی اور زیادتی کر گزرنے کی کوئی انہیں سمجھ نہ کر سکے۔ ہم نے یہ قدم اسی امید کے تحت اٹھایا ہے

کریں گے۔ قصور کی زیادتی کا احساس ہے کہ بچے بھی اس بچی سے اپنی ماں کی طرح بے حس ہو جائیں گے۔ ہم ان کی بھلائی کے لیے ہی ان کو ان سے الگ کر رہے ہیں۔ ہمارے بچے ہمارے ہیں۔ ہمارے بچوں کی زندگی کا ہر فیصلہ ہمارا حق ہے۔ ہم ان کی زندگی کو اکارت نہیں ہونے دیں گ

www.Paksociety.com

تیمور علی خان نے پوتی کو اٹھا کے سینے سے لگا لیا۔

"تم سے بڑوں سے پہلے ہی ایک کی قسم کھا رکھی ہے۔ ان کے غم تمہیں آج بھی غلط کرنے ہیں گے۔" وہ غمزدہ سی گویا ہوئیں۔

"اسی لیے تو اب ان کو غم کو، دوسرے کے غم دیکھنے کے خیال میں نہیں ہیں۔ غم کھایا ہے تو غم کی کھائی ہے کس کا اختیار ہے۔" تیمور علی خان کا سکون کمال تھا۔

"تمہارے پاپا کیسے آنکھ کیا تم سے جو اتنا بھاگے بھاگے پھرتے ہو۔ میرے چاند جیسے بھائی میرے صاحب اولاد ہے۔ میرے جیسے کی خشک۔ میری آنکھوں کے نور۔"

بیگم سے پانی سے ہاتھ کھڑی ہو گئیں اور تیمور علی خان کا سر اپنے سینے سے لگا کر ان کے سر پر بوسے دیتے ہوئے بھوت کرنے لگیں۔

"تم سے تمہاری بات کرتی ہوں تو احساس گناہ سے مر جاتی ہوں۔ غصہ تو اس بات پر آتا ہے کہ تمہیں اپنے آپ پر رحم کیوں نہیں آتا۔؟" وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔

"تم مجھ سے اسے بھولے ہو کر تمہارا اٹھ کھڑا کے چلنا بھی یاد ہے۔ بچپن اپنے پورے ہو کر میرے سامنے آئے تو میں نے نظر بھر کر دیکھنا چھوڑ دیا۔ اور دعائیں مانگی تھی کہ اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے۔ میرے غیر جیسے بھائی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ میرا بھائی قدم قدم پر ٹھوکر پائے۔ تمہیں۔" وہ بلک رہی تھیں۔

تیمور علی خان نے انہیں تھام کر اپنے پہلو میں سنبھالا لیا۔ اور جیب سے رومال نکال کر ان کے آنسو پونچھنے لگے۔

"بیٹے۔ بی بی جان نہ بھی ہماری اپنی ہے۔ غیر عوامل کے پیلی جذبات اس کے لیے کبھی ہو نہیں پائیں۔"

"میری جان! سمجھتا اس وقت تمہاری بڑی ہوئی ہے۔ تمہاری ناآسودگی کے احساس سے میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔"

وہ تیمور علی خان کے سینے سے لگ کر بچوں کی طرح رونے لگیں۔ سب دم بخود سے انداز میں دونوں بہن بھائی کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ ہماری فکر نہ کریں۔ ہم بہت خوش ہیں۔ مت پریشان ہوا کریں۔ آپ روتی ہیں تو ہم بہت گلٹی فیل کرتے ہیں۔ اب تو ہم بالکل بیت ہیں۔ ہمارا مقصد حیات اکارے ہے ہیں۔ ہاں انسان کا نصب العین اس کی اولاد ہی ہوتی ہے۔ باقی سب کچھ تو سنگ میل کی طرح راہ میں آتا ہے۔ اب ہم بیت ہیں۔ بڑی بڑی ڈری بورنگ (مشغلہ) ہو گئی ہے لائف۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔ وہ بہت کوشش کرتے تھے کہ ان کی گفتگو میں انگریزی شامل نہ ہو مگر ایک عرصہ یار غیر میں گزارنے کی وجہ سے ان کا مخصوص انداز گفتگو بن چکا تھا۔ وہ بچوں کو بہت آسودگی سے سمجھا رہے تھے۔

اسی دم باہلی اجازت لے کر اندر داخل ہوئی۔

"چھوٹے خان کو باصاحب بلا رہے ہیں۔" وہ کہہ کے چلی گئی۔ وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔" وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

تیمور علی خان اور بیگم صاحبہ بھی تیمور علی خان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ بیٹھیں۔ ہم ابھی آتے ہیں۔" تیمور علی خان نے ایک طرف ہو کر پہلے بیگم صاحبہ کو باہر جانے کا راستہ دیا۔ پھر خود باہر نکلے۔ بیگم صاحبہ بھی ان کے پیچھے ہو لیں۔ وہ دونوں بھائی بھی ان کی پیروی میں باہر نکل آئے۔ تیمور علی خان کو اپنے ساتھ آتا دیکھ کر باصاحب کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اٹھ کر ان کے گلے لگ گئے۔ تیمور علی خان کے چہرے پر اداسی کی لکیریں مزید گہری ہو گئیں۔ وہ بھی ان کے چہرے سے واضح تھی۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر ایک دوسرے کا سر سہلانے لگے تھے۔ تیمور کے سلام کا جواب بھی انہوں نے اثبات سے دیا تھا۔

"آؤ بیٹھو۔ بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔" ان کے لہجے میں کوئی خاص کیفیت نہیں تھی معمول کا انداز تھا۔

"اندازہ ہو گا تمہیں کہ کس کام کا بلاوا ہے؟" انہوں نے بیٹھتی ہی نظر بیٹے پر ڈالی۔

"جی!" تیمور علی خان ہی کہہ کر خاموش ہو گئے۔ وہ اور سمیر علی خان صاحب کے سامنے پڑے ہوئے بڑے صوفے پر باپ کے پہلو میں بیٹھ گئے تھے۔

"سوچ رکھا ہو گا اس کی تفصیل تو جرا نے بتا سکتی ہے۔ ہم کس عمدے سے گزر رہے ہیں۔ یہ تو ابھی ضروری نہیں۔ بات تو یہ ہے کہ اس مسئلے کا کیا حال نکالا جائے۔ تمہیں تو اندازہ کہنے سے اگر مسئلہ حل ہو سکتا تو ہم بتا دیتے۔ کیا کرنا چاہتے ہو تیمور؟" وہ دھیرے دھیرے مسلسل سے بولتے بولتے یکدم خاموش ہو گئے۔

"مسئلہ تو یہی ہے باصاحب کہ حویلی میں مسئلے تو پیدا ہوتے ہیں مگر ان مسئلوں کا کوئی باضابطہ حل نہیں نکالا جاتا۔ ایک مسئلے کے جواب میں نیا مسئلہ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ روشانے کی شادی ہو بھی اس کی ماں کی بدولت سے ہو گئی ہیں۔" تیمور علی خان کا لہجہ تلخی و دکھ اور بے سکون تھا۔

"اور نہیں ہیں۔ روشانے کا باپ زندہ ہے اللہ کا شکر اور صحت مند ہے۔" باصاحب کے لہجے میں برہمی تھی۔

"اگر اس نکاح میں پراکسی آف انگلینڈ ہے کہ اس کی ماں نے اس کیس میں حصہ لیا اس کے باوجود کہ اس نے بچی کی پرورش میں حصہ نہیں لیا تو یہ بالکل فضول ہے۔ اگر ماں نے اس کی پرورش میں حصہ نہیں لیا تو اس کے باپ نے بھی اس کے گرون اپ ہونے تک لاتعلقی اختیار رکھی۔ اس کی پرورش بڑی بی بی جان نے کی ہے۔ اگر پرورش کرنے کی پاور آف اٹارنی ہو رہی ہے اور صرف اس کا رول ہی اہم رہتا ہے تو پھر بڑی بی بی جان کے علاوہ اس کیس میں کسی کو لحاظ نہیں رکھا جائے۔"

"اسے موجودہ حالات میں یہ کوئی بھی اہم حیثیت نہیں ہے۔ ہمارے خاندان کا مسئلہ ہے جس کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں ہے۔ علیم الدین کے پاس وقت ہم نے لیے کیا تھا اور اسے وقت تھیں دیا تھا۔ صرف اطلاع دی تھی۔ اس نے تسلیم کیا تھا اس نے ہمیں ایک لکھنے کے لیے بھی اختیار نہیں دیا تھا کہ وہ روشانے کے باپ کی حیثیت سے صرف خود کو

www.Paksociety.com

فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔ اور وہ جسے ہم نے بیٹے کا درجہ دیا تھا، اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ اس نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ ہماری عزت کو داؤ پر لگایا۔ ہم سے اس موضوع پر بات کرنا تو دور کی بات ہے، اس نے ہمیں اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ ہم سے مشورہ کرتا۔ آج وہ خود کو مکمل طور پر اپنی بیوی کے حوالے کر چکا ہے۔ ہمیں بتا رہا ہے کہ اس نے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ اس کا کوئی بڑا ہمارے سر پر موجود نہیں ہے۔"

بابا صاحب کے انداز سے غیض و غضب جھلک رہا تھا۔

"یہ فیصلہ کن پوزیشن تھا جو ہم نے انہیں دی ہے۔ ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ تو ایک مٹی کے کھلونے کی طرح ہمارے ہاتھوں میں تھے۔ ہم چاہے توڑ کر رکھ دیتے۔ انہوں نے ہماری ہر بات کو سر آنکھوں پر رکھا ہے۔ ہمارے سامنے وہ سر جھکائے ہوئے تھے۔ مگر ہمیں سال کی تبدیلی کا احساس نہیں ہوا۔ ہم نے ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ہم یہ بھول گئے تھے کہ وقت کوئی معنی رکھتا ہے۔ انہوں نے تو ہمیں بھر کے

"آپ ابھی بے بس نہیں ہیں۔ فیصلہ کن پوزیشن میں ہیں۔ آپ انکار کیجیے کہ وہ اغوا کی تیاری کریں۔ کیا اس سے روک دیں۔" تیمور علی خان نے بحث سمیٹی۔

"کاش یہ اتنا آسان ہوتا۔ وہ بچے کے لیے مرنے کو چھوڑ سکتا ہے مگر۔" وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔

"تو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ جائیداد، دولت کی حرص تو ہر ایک میں ہوتی ہے ان میں کچھ فرق نہیں پڑے گا ان پر۔" تیمور علی خان کے لہجے میں بے باکی تھی۔

"تم کہہ سکتے ہو۔ بابا فراڈ ہے ہمارا۔ اس نے تو خود کو تنہا کر لیا ہے۔" بابا صاحب دکھ سے کہہ رہے تھے۔

"وہ صرف یہ سوچتے ہیں۔ کچھ جائز نہیں سمجھتے۔ ایک ہم مرد اور عملی لڑکی کو بھی وہ استعمال کر گئے۔ حد تو یہ ہے کہ ملکہ کی۔ ایک کو نواز، چڑانے کے لیے دوسرے کو استعمال کرتے ہیں۔ قدرت نے روشانے کی صورت میں انہیں بہت عذاب دیا ہے۔ اس کا رزلٹ ہم بھی بھگت رہے ہیں۔ آخر ہم بھی انسان ہی ہیں۔"

تیمور علی خان بہت سفاکی سے کہہ رہے تھے۔

"تو کیا تم نے اس کی بیٹی کو استعمال نہیں کیا۔ بھید تو بھریوں کھلتا ہے۔"

بابا صاحب نے ملتجی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

"کچھ ایسا ہوا ہے اور ہم حیران ہو گئے ہیں۔ مایوں سے اطلاع ہمیں ہوئی ہے اور آپ سے گلہ ہے۔ یہ حرکت تو آپ روشانے کے لیے کر رہے ہیں۔ مایوں کے لیے کرنا چاہیے تھی۔" تیمور علی خان شاکی نظر آئے۔

"ہم تو اس کی خبر وہیں سے رکھ رہے تھے۔ سوچا تھا وہ زندگی میں کچھ لینا چاہتا ہے تو ہم دے دیں گے۔ مگر اس میں مایوں کی اپنی خواہش کا عمل دخل بھی ہے۔"

بابا صاحب تو جیسے آج بیٹوں کے سامنے نہیں خود اپنے ضمیر کی عدالت میں جواب دہ ہو رہے تھے۔ جانے کہاں جا سوا تھا ان کا ضمیر۔

"بہرحال آپ انہیں فوراً بھیجنے کا بندوبست کیجیے اور کورٹ میں جانے کا خیال چھوڑ دیجیے۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں، روشانے ان کے خلاف ہو جائے گی۔ وہ پہلی فرصت ہی میں اڑ جائیں گے۔ خود وہ کتابی پیٹرازم کر کے روشانے کو کھو بیٹھیں گے۔"

"ہمیں اندازہ ہے۔ مگر روشانے کو خفا نہیں کرنا چاہتے۔ وہ بھی ہمارے بچے ہیں۔"

"وہ ہم کر لیں گے۔" تیمور علی خان نے تیزی سے کہا۔

"ابھی بات کھلی نہیں ہے۔ اندر ہی یہ قصہ ختم ہو سکتا ہے۔ تم اپنی جان کو خطرے میں کیوں ڈالتے ہو۔" بابا صاحب نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ قصہ ختم نہیں کرنا چاہتے۔ کچھ لوگوں کی پوری زندگی کی طوفانیاں اس قصے پر اپیٹ کر دی ہیں۔ آپ دیکھیے گا۔ کہ آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں۔"

"کچھ بات کی تو ہے اس لڑکے نے۔ آخر ان صاحبہ کو اغوا کیا گیا ہے۔ اور پھر ان کی کہانی میں آ گئی ہے۔ کل کے اخبار میں یہ خبر ضرور ہو گی۔ اور دوسرے لمحے

www.Paksociety.com

"میرا پاسپورٹ میری سوٹ کیس میں ہے۔ زین آسمان ایک کر رہا تھا۔ اس کی تعریف کرتا تو بھلے سے مانے کہ مطلب نکالنے کے لیے میں کیسی کیسی خوشامد کر رہا ہوں۔" ہالو نے دانت کچکچائے۔ "بہت غصہ آتا تھا مجھے اس پر۔"

"اب نہیں آئے گا۔" مایا ہنس دی۔

"بے فکر رہو۔ سب انتظام کرنے کے لیے چلے ہیں۔" ہالو کا موڈ بہتر ہوا آف ہو گیا۔

مایا بھی مسکرا دی۔ اچھی مناسب ہی ہو گئی۔ ہالو نے ایک معروف سڑک سے اترتی لیتے گاڑی ایک کشادہ رہائشی سڑک کے سامنے روک کر اپنا موبائل نکالا۔

مایا کو حیرت ہی ہوئی کہ یہ تو بتا رہی تھی کہ بہت مخلوط آبادی ہے۔ یہ تو ٹھیک ٹھاک مہذب علاقہ ہے۔ بہرحال وہ کچھ بولی نہیں اور انجن بند کر کے نیچے اتر آئی اور گاڑی لاک کر دی۔ ہالو بول رہا تھا۔ اس نے بھی نمبر ملا دیا۔

اس نے گرل فرینڈ کو بتایا کہ وہ اس طرف کے پارلیمنٹ کی نیل لگ گئی۔ مگر دروازہ کھلا تھا۔ وہ تیسری منزل پر جا رہی تھی۔ کھلے دروازے سے جھانکا تو اندر کوئی نہیں تھا۔ ہالو اس سے زیادہ تیزی سے پیچھے بتا رہا تھا۔ مایا کو کوئی بھی یہ سب بتا رہا تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

"السلام علیکم۔ آپ کی حویلی سے مہمان ساتھ والی ہیں۔ بڑی حیرت سے کیا دیکھ رہے ہیں۔ اندر آئیے تو سہی۔" ہالو کے انداز میں بلا کا اعتماد تھا۔

عارف کو جیسے یقین کرنا مشکل ہو گیا۔ مایا بھی ٹھٹک کر ہالو کی بات سن رہی تھی۔

"یہ عارف ہیں۔ مایا بی بی۔" ہالو نے بتایا۔

مایا بری طرح چونک پڑی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہالو اسے عارف سے ملوائے گا۔ سنسنی سی محسوس ہونے لگی۔

اس کی آواز پر عارف جیسے کسی دھیان سے چونکا۔

"آئیے۔ پلیز اندر تشریف لائیے۔" اس نے جلدی سے ایک طرف ہو کر راستہ دیا۔ مایا جیسے بادل نخواستہ آگے بڑھی۔ ہالو بہت بیکنوکلف نظر آ رہا تھا۔

"یہ مایا بی بی ہیں۔ یاور خانوں کی بیگم۔" ہالو نے اندر داخل ہو کر باضابطہ تعارف کرایا۔

"ان کی بیگم کا ہوتا۔" عارف بولتے بولتے رک گیا۔

"کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہے۔ میں ان کی دوسری بیگم ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" مایا نے جلدی سے ہاتھ ہلا کر جیسے آگے ہونے سے باز رکھا۔

عارف نے ایک [illegible] ہالو۔

[illegible]
[illegible]

ہالو کو یاد آیا ان کی مسز کھانا لے کر آئی تھیں۔ مایا نے نظر اٹھا کر ایک بار عارف کے بعد ہالو کو دیکھا۔ پھر سر جھکا لیا۔ عارف کی آواز سنائی دی۔

"یہ ہالو کون آئی ہو سکتی ہے؟" اس نے الجھتے ہوئے سر کو جھٹکا۔ مایا سے مخاطب ہوا۔

"ان سے ملائیے۔" مایا نے جواب دیا۔

"مگر میں نے تو تم سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی۔" وہ واقعی حیرت سے گویا ہوئی۔

"میں نے سوچا آپ انہیں دیکھ لیں۔ شاید آپ کچھ کر سکیں میرے لیے۔"

عارف ایک لمحے کو دروازے میں غائب ہوا تھا۔ پھر بھی بہت آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

"وہ تو اب ایسا بھی نہیں ہے۔ تمہارا کیا خاک ہوگا۔ پتا نہیں۔" مایا نے ہار مانتی سے کہا۔ "کیس والی چیز مجھے اس کے پاس۔ تمہاری حویلی میں اسی لمحے میری بات نہیں آئی۔"

"میں بے وقوف ہوں گی ہوں بی بی مجھے کھانا دلوا دیں۔ میری ماں میرا اچھا حوام کرے گی۔ میں یہی سوچ کر آپ کے ساتھ آئی تھی۔ آپ کو میری ماں کا پتا نہیں۔"

"مائی۔ سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ صرف اپنی اولاد پر عاشق ہوتی ہیں ان کی خوشیاں ہی ان کی خوشی ہیں کہ کتنی ہی حیرت کی بات ہے کہ ہر عورت میں ممتا ہوتی ہے۔ خواہ وہ [illegible] کی ضرورت نہیں۔ میں بھی تمہاری خیر خیریت لیتی رہوں گی۔"

"آپ اس سے بات تو کر کے دیکھیں۔" ہالو [illegible] ہوئے اس کی وکالت کر رہا تھا۔

"میری اس سے کتنی بار ماں نہیں ہوئی ہیں مگر تو بھی کبھی نہیں کہی۔ اور میں ایک عورت ہوں اسے جان گئی ہوں۔ اس کا دل بڑا ہوا ہے۔ جس کا دل بڑا ہوتا ہے گھر آباد کرنے سے پیچھے نہیں ہوتی۔ جس کا دل چھوٹا ہوتا ہے تو بچا کچھ بھی ہے جائیداد جانے کیسے ہی گھر [illegible] میں لگ جاتے ہیں اس کا دل ایسے ہی خراب نہیں ہے۔ مجبور ہے ہالو۔ کل اٹھوا لے گھر [illegible] مجھے تمہیں بھی اس بہت بچانا ہے۔"

بی بی ایک دکھی کو مشکل میں کیسے چھوڑ سکتی ہے۔" ہالو نے مجھے سے دلیت چھپے گی۔

"مجھے عارف کو ٹھیک کرنا ہے بھائی!" عارف کو کوٹ پہنے ہاتھوں میں فائلیں لیے اندر داخل ہوا۔ ہالو نے اس کے منہ سے بھائی سن کر وہ اجنبیت محسوس کی جس کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اس نے اور کچھ نہیں سنی تھیں۔

"ابھی تو ہوش میں آیا ہے پھر لڑائی نہ ہو جائے۔ ابھی تو ہم [illegible] پائے۔"

[illegible] خواب گزشتہ پر تو خوابی ہوئی

پھر اس کے بعد کی مکمل عید خواب

اس ایک خواب مسلسل میں وہ گزرتی گئی۔ رات ہے ایک ماں جی کبھی کبھی وہ حقیقت حال میں گھسیٹ لاتی تھی۔ وہ بھی اپنی بہشت میں واپس ہوتی۔

بالو نے چونک کر اس کی صورت دیکھی اور اسے بوتل تھما دی۔

مایاں اس کی ذہنی الجھن بھانپ کر بالو کی حماقت پر ہی پھر کر رہ گئی تھی۔

"کس قدر خوار کرتی ہیں خود کو یہ کمی رسمائی لڑکیاں۔ کہاں وہ ایک لاابالی ذہن کا مرد۔ کہاں یہ جس کی کچھ تھی اس کی سیدھی بات بھی الجھن سے آئے۔

اپنی ذات پر حکومت کرنے والا سودا۔ نقصوں سے عاری۔

کہاں یہ۔ جسے آسائش بھی چاہیے اور خوش شکل اظہار محبت کرنے والا جیون ساتھی بھی۔ اور یہ دونوں حالتوں میں حکمل مایوس کرنے والا۔

اس نے جلدی جلدی دو تین گھونٹ بھرے اور بوتل چارپائی پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو بالو! جلدی کرو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اس کا آتنے سانحہ اور فکری انداز تھا کہ بالو بڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔

"بہت اچھا ہوا۔ آپ انہیں مل گئیں۔ وہ کوئیت چلا گیا ہے۔ مگر میں سے سمجھا سکتا ہوں۔ آپ انہیں سمجھا بجھا کر ابھی کوئی لکھائی پڑھائی نہیں ہوئی ہے۔ میں کیونکہ بے ایمان نہیں ہوں اس لیے میری آواز میں طاقت ہے۔ میں اسے گمراہی سے باز کر بھی لا سکتا ہوں۔"

"کیا صورت بہت زیادہ ابھی ہو جب ہی کسی کی محبت ملتی ہے؟" بالو کمزور ہلی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے چارپائی ٹھیک کرنے لگی تھی۔

"یہی سوال لال خان آپ سے کرے تو آپ کیا جواب دیں گی بھائی؟"

عارف نے سوال کیا تو اس کی نظریں جھکی نہیں۔ مایاں نے تو یہی نظروں سے عارف کو دیکھا۔ کیا وہ سچی تھی۔

"یہ جو ہم کسی پر ایک بار مرمٹ جانے والے لوگ ہوتے ہیں ناں بھائی! بہت پارسا ہوتے ہیں۔ بہت صبر والا دل ہے ہمیں بخشا۔ اپنی وفا داری پر خود کو شاباش دیتے رہتے ہیں۔ اس کا اپنا نشہ ہے۔ اور لوگوں کو اس گھر میں وحشت ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ کوئی ہم سے پوچھے کیا روشنی ہے ادھر۔

کبھی وہ لال کپڑوں میں اس کرسی پر ہوتی ہے۔

کبھی گھر سے ہر سے لباس میں ادھر ادھر آتی جاتی ہے۔

میں سویا ہوں اور وہ میرے گھر میں گھومتی ہے۔ میں آنکھیں موند کے اس کی چوڑیوں کی چھن چھن سنتا رہتا ہوں۔

صبح آنکھ کھلتی ہے تو وہ دروازوں کو پانی دیتے ہوئے۔ خوبصورت کرتے کشادہ دامن ہوتی ہے۔

کبھی کبھی وہ روتی بھی ہے۔ آدھی رات کو ایک دم میرے پاس آ کر روتے ہیں۔ میری آنکھ کھلتی ہے۔ سے کھل جاتی ہیں۔

ایک رات وہ بہت بلک بلک کر رو رہی تھی۔ میں اس کے سامنے بیٹھا رہا۔ اس نے میرے کندھے پر سر رکھ دیا۔ میں اسے سارا رات روتا رہا۔ اور پھر میں آنسوؤں کی زبان نہ سمجھ سکا۔ اگر کہیں یہ لکھا ہے۔

"بھیا! اب وہ کبھی نہیں آئے گی۔ کبھی نہیں آئے گی۔ اب کبھی نہیں آئے گی۔"

مایاں کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو رواں ہو گئے۔ اس نے جلدی سے پھر سر اٹھا کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"آؤ بھائی!" اس نے بھائی کو مخاطب کیا۔ وہ آنسوؤں کا طوفان تھا جو ان پر ٹوٹ پڑا تھا۔

"اللہ حافظ عارف!" مایاں نے بھی کسی خواب کی کیفیت میں اپنے ہلتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ جذبے خاص لوگوں کے نصیب ہوتے ہیں۔ ان کی قدر ہونی چاہیے۔ ذات میں کمی پائی جاتی ہے۔ ذات میں کمی پائی جاتی ہے۔ اور پھر اپنے اصل کی جانب بہت خاص ہو کر بہت کھرا کر پہنچتا ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگیاں بہت نہیں ہوتے۔"

"پاگل ہو گئی ہے۔" بالو نے گم صم کیفیت سے ہوش کرتے ہوئے کہا۔

"ملی ہوئی زنجیر ہے۔ تو یہ کوئی ملنے کی دعا ہے۔ یہ راستہ جنوبی منزل کی طرف نہیں ہوتا۔ کاش تو سمجھے۔ پگلی ہے تو"

"چلے چلو۔ بی بی اگر۔ میری بڑبڑیں کا سر سے بار ہے گی ماں۔" بالو دل گرفتہ انداز میں گویا ہوئی۔

"کچھ نہیں کہے گی۔ میں جو ساتھ جا رہی ہوں۔ وہ تو اتنی پریشان ہو گی کہ جانے کتنی نہیں ہوں گی اور پھر بھی ہو گی ماں کی کھال اس وقت اچھی طرح آتی ہے جب عورت خود ماں بن جاتی ہے۔ سارے خوف ٹال پھینک دے گی۔ یہ لال خان نے تجھے تین طلاقیں دی تھیں یا کاغذ پر لکھ کر دیا تھا؟"

مایاں خاصی جز بز ہو رہی تھی۔

"اس کا اب کیا ذکر؟" بالو گھبرا کر بولی۔

"ہی کا تو ذکر ہو گیا ہے۔ اب تیری زندگی میں۔ سارے کے پیچھے وہی ہے ہوتی نہیں ہے۔

وہ تجھی کہ دل میں سفر ہے جس عورت کس جاتی ہے پھر اس دل میں کوئی اور نہیں آتا۔ وہ تو آن ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ ہے۔ اس کا گھر خالی ہے ہوا ہے۔

تیرے ساتھ معاملہ دوسرا ہے۔ تیرے دل پر اب ایک چہرہ سجے گا۔ پھر تو ہو گئے جائے گی۔

اگر پہلے بھی تجھے وہ ملتا تو تیرا دل وہ نہیں حرمت کے لیے خاص ہوتا ہے اور اب دل خاص نہیں تو "وہ رات" بھی نہیں ہے۔

پھر وقت وہ سارے تجھے خود بخود سب کچھ بھلانے پر مجبور کر دیں گے۔ سفر ہے عارف بھی تجھے یاد نہیں رہے گا۔ وہ اصل بھی ہے کہ حضرت لال خان سے۔ پیار تھی۔ اس لال کا بڑا عمل ہوا ہے۔ قریب ترین عارف ہی تھا۔"

مایاں خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

"کیا؟" بالو ٹھیک سے سن نہیں پائی۔

"کچھ نہیں۔ اب کس طرف جانا ہے اور گلی وہاں تو آ گیا۔" ماہین نے سر جھٹک کر جیسے خیالات کی یلغار سے جان چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

"مین مارکیٹ کی طرف۔ چاند بابو کے ہوٹل کے پیچھے۔" بالو چہکا تھا مگر اس کا انداز بہت ڈرا ڈرا سا تھا۔

ماہین کی گاڑی گلی میں داخل ہوئی تو کھیل کود میں مگن درجنوں بچوں نے گاڑی کو گھیر لیا۔ اچھی خاصی بھاگ دوڑ مچ گئی۔ بالو کو گاڑی میں دیکھ کر ماں کو خبر دینے دوڑ گیا تھا۔

ماہین نے گاڑی روک کر بچوں کے "اژدہام" پر ایک تشویش بھری نظر دوڑائی۔

"یہ گاڑی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچائیں گے۔" اس نے قدرے تشویش سے بالو کی طرف دیکھتے ہوئے گاڑی اتارا تھا۔

"نہیں بی بی! گاڑی اچھی ہے اس لیے شوق سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں میں اپنے بھائی سے کہہ دوں گا کہ گاڑی کا دھیان رکھے۔"

بالو یکدم بہت معصوم نظر آنے لگی تھی۔ جیسی ہنسی اور شگفتہ خود وہ تھی۔

وہ ماہین سے آگے چلتے ہوئے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گئی تھی۔ مدقوق لوہے کے دروازے پر اس نے ٹھٹکتے ہوئے ہاتھ رکھا تھا اور پاؤں اٹھاتے ہوئے پلٹ کر ماہین کی سمت دیکھا تھا۔

دونوں آگے پیچھے اندر داخل ہوئیں۔ ماں کو اطلاع مل گئی تھی وہ حیرت سے گم بالو کے بجائے ماہین کی سمت متوجہ تھی جیسے کسی کی کیفیت میں۔ ایسے سناٹے میں گھر گئی تھی جو گھنٹا بجانے کے بعد پہلی ہوا چلنے سے پہلے ہوتا ہے۔

اس کا باپ نظر نہیں آیا دوسرے بہن بھائی ماں کے ارد گرد اس طرح کھڑے ہو کر دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے بلی کی آواز سن کر بچے مرغی کے پاس دوڑتے ہوئے چوکنے ہیں۔

"السلام علیکم فقارن۔" بالو کی آواز نہایت پست تھی۔

بالو کی ماں آہستہ آہستہ گہری نیند سے جاگ گئی۔ اس نے شاید بالو کا سلام سنا نہیں تھا۔ مگر خود اس نے ماہین کو حیرت پہنچانے کی کوشش کرتے ہوئے سلام کیا۔

"کہاں سے لائی ہیں آپ اس منحوس کو؟"

وہ ایک کرنے سے مرد سا اٹھا کر ماہین کی طرف بڑھی۔ تڑاخ پٹاخ۔ کرخت آواز ہونے کے باوجود شفقت بھی اجاگر ہونے لگی۔

"ایسے نہ کہیں۔ گاڑی بات کو ملنے ہی سے زندگی میں سہولت آتی ہے۔ اگر یہ آگ اٹھانے سے تو آ گئی ہی تھی ہوتی ہے۔ ہو جاتی ہے انسان سے غلطی۔ آپ اس کی ماں ہیں۔"

"نہیں ہوں میں اس گرموں جلی کی ماں۔ ایسے کھو میں جا کر مری تھی کہ سارے محلے میں الاری عزت بن گئی تھی۔ باشرمی بدنصیب۔"

بالو کی ماں کی آواز بلند ہونے لگی۔

ماہین دروازے پر بیٹھنے کے بجائے اس کی ماں کی طرف از خود بڑھی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"بچہ ہے پاس آ گئی تھی۔ اور بچوں سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اگر یہ آپ نے نہیں کی تو اس کے لیے صرف محلے میں ہی نہیں بلکہ اس کی اپنی ماں کی نظروں میں بھی کیوں آ گئی ہے۔ آپ سے کوئی اس کا فیل نہیں کہہ سکتا۔ غلطی ہے پاپ کی۔ لوگ تو غیروں کو معاف کر دیتے ہیں۔ یہ تو آپ کا اپنا خون ہے۔ آپ اس کے منہ کو مارنے سے پہلے یہ سوچ لیتیں کہ یہ کیا ہے۔ مار دینے سے کھانے کی بات نہیں ہے۔ آپ اس کو کھانے سے پہلے کھانا کھلانے کا سوچ لیتیں۔ ماں کو ہے ہی کیا ہے۔ مار دینے سے کھانے کی بات نہیں ہے۔ آپ اس کے منہ کو مارن

وہ پلک جھپک کر رہ گئی تھی۔ ماہین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
وہ اس کا ہاتھ تھپتھپا کر تسلی دیتی رہی۔

ماہین نے چونک۔ تیمور علی خان کو تعجب کرتا پایا تھا اس لیے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا تھا۔ وہ صرف ایک چھوٹا سا سوٹ کیس ہمراہ لائی تھی اس لیے اسے کسی ڈرائی کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی۔ وہ سوٹ کیس اٹھا کر باہر آ گئی تھی۔ وہ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے تجسس نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لیا تھا۔ اپنے منتظر کو وہ دائیں جانب ہی دیکھ پائی تھی۔ سامنے تیمور علی خان کھڑا تھا۔ اس میں عجیب سا تحکم در آیا تھا۔ وہ قریب آئی تو تیمور علی خان کا سنجیدہ سا چہرہ مسکرا دیا۔

"کیسی ہیں آپ؟" تیمور علی خان نے سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ٹھیک ہوں۔ بہت خوش ہوں۔"

اس نے تیمور علی خان کے سراپے پر نظر دوڑاتے ہوئے جواب دیا۔ سیاہ شلوار قمیص، آف وہائٹ ویسٹ کوٹ، سیاہ چمکدار پشاوری چپل۔ آنکھوں پر سیاہ گاگلز لگائے سیاہ مونچھوں والا ایک قبائلی سردار کی تصویر نظر آ رہے تھے۔

"فلائٹ ایکسپرینس فائن ہو آئی۔" انہوں نے اطراف پر نگاہ ڈال کر گاگلز اتار دیے۔ اور جب میں اکٹھے لیے سورج غروب ہو چکا تھا۔ اس کا احساس شاید انہیں اب ہوا تھا۔

"مگر کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے؟" ماہین نے ریسٹ واچ دیکھتے ہوئے پوچھا اور ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

شاندار لینڈ کروزر کا پچھلا دروازہ کھول کر سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور دروازہ کھول کر ماہین کو اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔

"بس گھنٹے گھر پہنچ گئے۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے گویا ہوئے۔

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ناں؟" ماہین نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا۔

"اوہ نو کیتو۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے بڑی مہارت سے گاڑیوں کے ہجوم میں سے باہر لا رہے تھے۔

"انہیں چائے میرے ہاتھ کی آ جائے گی۔" ماہین نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ ہم نے جان بوجھ کر نہیں بتایا۔"

"کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

"بابا صاحب سے ملاقات ہو گئی؟" بالآخر ماہین ہی نہیں بول پڑی۔

"جی!" یہ مختصر جواب آیا۔

مختصر ترین جواب اس وقت بہت چبھتا ہے جب کوئی تفصیلی بات کرنے کے موڈ میں ہوتا ہے۔ جب کوئی بات کہنے کے بعد گہری سوچ میں گم ہو جائے اور دوسرا فریق گفتگو کرنے سے باز رکھنا چاہتا ہے۔ ماہین کے لیے خاموش ہو گئی کہ شاید وہ خود ہی کچھ بات کریں گے

"ہاں۔ کچھ لمحے تو اس سے بات کرنا دشوار لگا تھا۔" ماہین نے سر ہلا دیا۔
"میں بابا صاحب کی عقیدت مند ہوں گی مگر ایک قانون کی حیثیت سے اس کاروبار کو غلط نہیں سمجھتا۔ میں اس کا ایک حصہ بھی ہوں۔ بہت سے لوگ ہیں جو اس کاروبار کی مخالفت کرتے ہیں۔ کہ ہمیں بابا صاحب کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔ اس لیے ہمیں کوئی سوچ بھی نہیں ہے۔ ابھی کچھ پوسٹ نہیں ہوئے ہیں۔ مگر سب بخیر و عافیت ہو گیا ہے۔ پھر بھی دعا ہے۔"
"مگر آپ کے لیے بہت مشکل ہوتا ہو گا۔ جب بابا صاحب سے بات کرتے ہوں گے۔" ماہین نے اپنے سوال ہونے پر خود ہی سر جھٹک دیا۔
"اب تو کوئی مشکل نہیں رہی۔" تیمور علی خان کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔
"بہت خوش ہوں گے بابا صاحب؟" ماہین کا چہرہ بھی تیور مسکراہٹ سے کھل اٹھا۔
"بہت خلاف ہیں ان کے۔ یعنی ہم سب۔ بہت تنگ کرتے ہیں بابا صاحب۔" تیمور علی خان کی ایسی آواز میں بھی تشنگی در آئی۔
"روشنی چلی گئی ہو گی نا؟" ماہین کو اچانک خیال آیا۔
"جی۔ چلتے چلتے پیغام بھی سنتی ہے کہ روشنی کے والد صاحب کی طبیعت خراب ہے۔ ہم لوگ کشمور۔"
ماہین نے چونک کر ان کی سمت دیکھا۔ "مجھ سے تو انہوں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔ کس شہر میں؟"
"اسلام آباد۔"
"اچھا۔" اسے عجیب عجیب وسوسے آنے لگے۔ وہ گم صم ہی ہو گئی۔
"نارمل بات آ رہی ہیں۔ جیسے کہ عموماً ایسے حلیے میں ہوا کرتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ فون پر بات کر لیجیے گا۔"
کچھ شاید وہ سمجھ گئے تھے تیمور علی خان کی۔ وہ واقعی ماہین کی پریشانی سمجھ گئے تھے۔
"نہیں۔ میں سوچ رہی تھی۔ روشنی کو مسئلہ ہو گا۔ نئے گھر کی سیٹنگ آسان کام نہیں ہوتا۔" اس نے بھانپتے ہوئے حال۔
"آپ مجھے بتائیں۔ بابا صاحب نے کس طرح کاروائی کی آپ کے ساتھ۔ مجھے اس کے بارے میں پتا چلنا چاہیے۔"
ماہین نے اپنی کیفیت پر قابو پا کر تحمل سے ساتھ سوال پوچھ لیا۔
"روشنی کو ہم ٹیرا ماسے کے ہاں کوئٹہ میں چھوڑ آئے ہیں گے۔ اور وہ اطمینان سے کشمور چلی جائے گی۔ یہ گھر وہیں کھیل تھیں۔ مگر ابھی آپ کو شاید علم ہو جب آپ فلائی کر رہی ہوں گی تو اس کے والد کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اس نے سوسائیڈ کی کوشش کی تھی۔ اتنی معمولی سی بات پر۔ ان لوگوں میں ذرا سی بات پر مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں۔"
تیمور علی خان نے گاڑی ایک طویل شاہراہ پر ڈال لی۔
"ہوں۔ محسوس تو میں نے بھی کیا تھا کہ روشنی کو پریشانی لاحق ہے اور کچھ ہے جو مجھ سے چھپا رہی تھی۔ تاکہ اس کے

ہو یہ ہوگی کہ تمہاری ماں سے متعلق ہمیشہ سارے کڑوے کسیلے جذبات ختم ہو جائیں گے۔ مجھے روشی کو بھی محروم نہ ہونا پڑے۔ یعنی میں تو مر جاؤں گی اور وہ بھولی بھالی دو روحوں کی جان عذاب میں کر دے۔

اگر ایسے ہی خدشات تھے تو یار علی خان نے مجھے مرجانے کے لیے اپنے گھر لانے کی کوشش کیوں کی۔ اس طرح تو سب کچھ ادھیں ہونے کا خطرہ بڑھ گیا تھا۔"

مایا چپ رہی۔

"جب مرد نکاح کے عوض عورت پر اختیار حاصل کر لیتا ہے۔ تو پھر سارے خطرے عورت کے لیے رہ جاتے ہیں۔ ان کے خطرات کی حد وہاں تک تھی جہاں تک آپ ان کی دسترس سے دور تھیں۔ "اب" کریں تو کچھ کر سکتا ہے۔"

تیمور علی خان نے سادگی سے دھیمے انداز میں ہنس دیا۔

مایا کے لبوں پر بھی لطف آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اتنا تو خیر میں اندازہ کر سکتی ہوں۔ کہ وہ یار علی خان کی بیٹی ہے۔ مگر میں تو بابا صاحب کی طرف سے کی جانے والی کسی مداخلت کی بات کر رہی تھی۔"

"وہ ہمارے کسی بھی بس میں نہیں ہوئے۔ پتا نہیں ہماری لگ ہے یا واقعی وہ ہم سے بہت بڑے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے صرف ایک بار ہم پر جبر کیا۔ اور پھر اس کے بعد تو انہوں نے مدتوں ہم سے نگاہیں نہیں ملائی۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ بہت مجبور تھے۔ مگر شاید انہوں نے ابھی تک خود کو معاف نہیں کیا۔

آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ ہم کس لیے ہیں؟"

مایا کو ان کے اس جملے سے اتنی تقویت محسوس ہوئی کہ باہر کے نظاروں کی خرمستیاں دھیان میں آنے لگی

باہر ٹرک کھڑے تھے۔ سامان اتارا جا رہا تھا۔ روشی تھک کے بکھر رہی تھی۔ ملازم سے چائے کا کہہ کر وہ اندر کچن میں آ گئی۔ مایا بیٹھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ مر جائے تو بھی اچھا ہے۔ یار علی خان اسے صبح سے نظر نہیں آئے تھے۔ ملازموں ہی سے پتا چلا تھا کہ سر درد اور بلڈ پریشر کی شکایت کی تھی۔

اسے ہر لمحہ مرجانا یاد آ رہا تھا۔ خالہ ہوتیں تو وہ آرام سے پڑی سوتی رہتی۔ "انہیں تو یوں بھی گھر کی معمولی چیزیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ ملازم کی لائی ہوئی مرغیاں تک انہیں پسند نہیں آتیں۔ چاول اور مرغ کو خود ہی بیٹھ کر صاف کرتی ہیں۔ وہ تو بہت خوش ہوتیں اس اطلاع سے۔ ابھی جا رہا ہے گا کر دیں گی اسلام آباد جا کر۔ بہت سا روپیہ بھیجیں گی۔ سامان خود کریں گی آ کر۔ وہ کوفت بھرے انداز میں پاؤں کرسی پر رکھے بیٹھی تھی۔ آتے جاتے کسی ملازم نے کسی وجہ سے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی تو اس نے جھلا کر ہاتھ ہلا دیا۔

"بیٹا سے بولو کہ جاؤ۔"

باہر کسی نے اس سے گفتگو کرنے کی جرأت ہی نہ کی۔ ملازم جانے کے ساتھ یار علی خان کا پیغام بھی لایا تھا کہ بیٹے

رہا ہیں۔ وہ بیٹے سے ملنا چاہتے ہیں۔ یہ اطلاع کرنے والا تو ہمراہ تھا مگر باہر مشغول ہو گیا۔ میں روشی کو بلانے آ رہی ہوں۔"

مایا نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ روشی اور چھوٹی ہو جاتی۔ یہ کہیں گے تو وہ کہاں جائے گی۔ خدا جانے یہ ایسا کیوں سوچ رہی تھی۔ جب سے وہ ملی تھی اس نے یہ بات محسوس کی تھی۔ وہ اس کی طرف سے بہت محتاط ہو گئی تھی۔

"میں جاتا ہوں۔" ابابیل نے کہا۔ "بلکہ میں خبر کیے دیتا ہوں۔ وہ تیار ہو جائیں گے۔"

"ہاں بیٹا! آپ نے بابا؟" اس نے بغاوت کی کیا ہے۔ کی تھی اور یوں محسوس ہوا کہ وہ اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔

"ہوں۔ کوئی زیادہ بڑی بات نہیں ہے۔ یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ میں پریشان کر دیتا ہوں۔"

وہ بیٹے کے ساتھ چلا گیا تھا۔ مایا اکیلی رہ گئی تھی۔

"کس چیز کے بیچ رہیں؟" اس نے گھر اکران کی سمت دیکھا۔

بلیک پینٹ اور آف وہائٹ شرٹ وہ بلیک والی بس میں گھی تھی۔ جو اس نے پہن کر حکومت کا حکم ان کے پیر سے لگ گئی تھی۔ ساتھ کے ساتھ وہ نہایت معتدل متوازن جذب اور سوجھ بوجھ رکھنے والی لڑکی نظر آ رہی تھی۔ مگر روشی کو اصل ایک بے حفاظت سائے کی طرح محسوس ہوئے۔

"پڑھ سکتی ہو۔" وہ ایک طرف ہو گئے گویا اسے قریب آنے کا راستہ دیا۔

وہ بھی بے اختیار بیٹے کے پاس آ گئی تھی۔ بے چارگی اور خوف کی کیفیت میں اس نے فائل کھولی۔ یار علی خان اپنی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔

روشی نے فائل کھولی اور یوں مڑ کر پیچھے آئی گویا کچھ ڈھونڈ رہا ہو۔

"میں اس پر سائن نہیں کر سکتی پاپا۔ ہاں اگر آپ کہیں تو میں زہر کھا سکتی ہوں۔ خود کو ختم کر سکتی ہوں۔

مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں اپنے باپ کے گھر میں ہوں۔ اپنے باپ کے سامنے اس پوزیشن میں مجھے کہ جب کیا گیا ہے اور گھن چکر کے بعد اپنے مطالبات تسلیم کرا رہی ہوں۔ جانے سے پہلے میری بی بی جان تین دن یہاں رہ کر مجھے ان تمام باتوں سے آگاہ کر گئی ہیں جو ان کے خیال میں ہمارے لیے ضروری تھیں۔ وہ ہر روز مجھے فون پر کس کرتی ہیں۔ وہ ہر دعائیں ہیں جن سے میں آج بھی بچی ہوئی ہوں اور بہت سارے پیسے بھی جو انہوں نے مجھے دیئے ہوں۔

اگر آپ ہیں وہ بات نہ کرتی میں بھی نہ کرتی۔ آپ میرے پاپا ہیں۔ آپ جو بھی آئے تھے تو بی بی جان کہتی تھیں۔ تمہارے پاپا آئے ہیں سلام کرو۔ میں آپ کو سلام کرتی تھی۔ میرے اور آپ کے بیچ صرف "سلام" ہے۔ آپ کو احساس دلایا گیا کہ میں ظالم ہوں۔ مگر آپ کیوں میری خوشی کا احساس کریں گے۔ آپ کے گرد کی اندرونی دنیا میں کیا اچھا ہے کہ اور کیا برا ہوں میں۔ یہ کہنا ہو یہ بیٹی تھے آپ کو مخاطب کرنے کے لیے اب کیا سوچ کر بیٹھے ہیں؟"

"نہ اب۔" پوری قوت کے ساتھ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ "جانتا ہوں میں کہ تم کیا کہنا

رہی ہو۔"

روحی بے اختیار پاؤں کے بل گر کر بیٹھ گئی۔ "پاپا۔"

"روشانے۔ میں خود کو شوٹ کر لوں گا۔ تمہارے اور کسی کے سامنے نہیں آ سکتا۔ مجھے تم کہیں جانے دو۔ میں خود کو ٹھکانے لگا لوں۔ تم میری اولاد ہو۔ ضد ہی کرو گی جو میں کہوں گا۔"

"آپ کو یقین ہو گا کہ میں آپ کی اولاد ہوں مگر مجھے یقین نہیں کہ آپ میرے والد ہیں۔ آپ دونوں بھائیوں کی جنگ ہے تو آپ مجھے کیوں استعمال کر رہے ہیں۔ مل کر ایک دوسرے سے کیوں نہیں لڑتے۔ میں ایک ادھوری ذات ہوں۔ ماں کے معنی جانتی ہوں نہ باپ کے۔ ہماری بھی کچھ جیسا ہے۔ ہم میں بہت سی باتیں کامن ہیں۔ ہم شدید محبت کر سکتے ہیں ایک دوسرے کو۔

جب آپ اٹھارہ سال تک نبھانے کے لیے کہتے ہیں کہ آپ کی کوئی بیٹی بھی ہے تو باقی زندگی بھلائے رکھنے میں کیا حرج ہے۔"

اس نے وحشت بھرے انداز میں جھپٹ کر فائل سے کاغذ نوچ کر اور پرزے پرزے کر دیے۔ اور منہ ہاتھوں سے ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"پاپا۔ میری آپ سے کوئی جنگ نہیں ہے۔ مجھے صرف ایک بار خوش ہو لینے دیں۔ پاپا مجھے نہ وال سٹریٹ کا پارٹ نہیں بننا۔ مجھے اپنے کنٹریکٹر باپ پر فخر نہیں کرنا۔ مجھے تو بس خوشی کا اظہار چاہیے۔ آپ یہ سب بند کریں۔ میں آپ سے التماس کرتی ہوں کہ میں دونوں حویلیوں میں زندگی بھر قدم نہیں رکھوں گی۔

کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ کہ آپ کے سینے میں دل نہیں رہا۔ آپ مجھے ہی نہیں سب کو ایک مہمان جیسے کیوں محسوس ہوتے ہیں؟ آپ اپنے کیوں نہیں لگتے؟"

بادر علی خان پشت پر ہاتھ باندھے ہوئے اپنے ہونٹ چبا رہے تھے جیسے ان کی بچی جواب دے گی ہو۔ روحی بے ساختہ ان کے سینے سے لگ گئی تھی۔ اور ویسی ہی طرح رو رہی تھی۔

"پاپا۔ پلیز پاپا۔ یقین کریں مجھے کسی نے استعمال نہیں کیا۔ آپ کہیں گے تو میں زندگی بھر کسی سے نہیں ملوں گی۔ جب ماں باپ کے بغیر رہ سکتی ہوں تو ہر رشتے کے بغیر رہ سکتی ہوں۔ کاکا جان سے بھی نہیں ملوں گی کبھی۔ پاپا کسی طرح سے تو مجھے یقین دلائیں کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔"

اس کے آنسو بادر علی خان کا گریبان بھگو رہے تھے۔

اس کا ایک جملہ ان کی ساعتیں منجمد کر رہا تھا۔

"کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ کہ آپ کے سینے میں دل نہیں رہا؟"

وہ ان کی بیٹی تھی۔ خدا نخواستہ گرانی کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔

"روشانے! تم نے غلط جگہ سے ہٹ کی ہے۔" پاپا نے آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ان کی

آنکھوں کی نمی کو روحی محسوس کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں آج سے بعد آپ کی ہر بیٹی پاپا کی ریسپانسی لے لیتی ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کے مخالفوں کو تباہ کرنے میں کبھی آپ کی مدد نہیں کروں گی۔ آپ کو ہر بیٹی کی ضرورت ہو گی۔ میں آپ کے بیٹے کی ضرورت ہوں گی۔ لیکن دونوں حویلیوں سے بالکل دور رہوں گی۔ اسے میری بیٹی کی ضد سمجھ لیں۔ اسے میرا فیصلہ سمجھ لیں۔ اسے میرا حق سمجھ لیں۔ اسے میری خواہش سمجھ لیں۔ اسے میری محبت سمجھ لیں۔ اسے میرا خلوص سمجھ لیں۔ اسے میرا خوف سمجھ لیں۔ اسے میرا تحفظ سمجھ لیں۔ اسے میرا مستقبل سمجھ لیں۔ اسے میرا ماضی سمجھ لیں۔ اسے میرا حال سمجھ لیں۔ اسے میرا ہونا سمجھ لیں۔ اسے میرا نہ ہونا سمجھ لیں۔ اسے میرا ہونا نہ ہونا سمجھ لیں۔ اسے میرا ہونا نہ ہونا سمجھ لیں۔ اسے میرا ہون

"کوئی خوب صورت سا لڑکا ہی ہوگا۔"

مائرہ ناراضی سے پیچھے چلی گئی۔ دل کی حالت تھی اور خوامخواہ ہی کچھ ناراضی تھی۔ سامنے سے دور سے ایک بار ہی ایک بار دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔ جانے وہ کس طرح تھیں کہ جہاں مائرہ کے قدم ٹھہرے تھے۔ مائرہ نے حیرت سے آدمی چلنے والے کو دیکھا۔ جسم و جان کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی اور خود اشارے سے اسے اور بلانے کا کہہ کر واپس پلٹ گیا۔

مائرہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے کی سمت متوجہ تھی۔ مائرہ کو دیکھ کر ایک دم بجلی کی سی تیزی سے پٹھے سے اتر آئی۔ مائرہ اندر داخل ہو چکی تھی۔

"السلام علیکم!" مائرہ نے ہاتھ پھیلا دیے۔

کھلتے ہوئے زرد رنگ کے لباس میں ملبوس اپنی دراز بھیگی ہوئی پلکوں کے ساتھ مائرہ کو اس حیرت میں مبتلا کر رہی تھی۔ جو غیر معمولی حسن کے اظہار سے کے لیے محسوس ہوتی ہے۔ اس کا ہاتھ سینے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ ٹھہر کر رہ گئی تھی۔ مائرہ کی کھلی باہوں کی جانب اس کی توجہ نہیں تھی۔

مائرہ خود ہی آگے بڑھی اور خود ہی اسے گلے سے لگا لیا۔

"آپ اگر کسی خطرے سے دوچار ہیں تو کیا ہوا۔ ہم بھی تو ہیں نا بھلے۔ کبھی کسی لمحے وہ ان بھی نہیں آیا ہوگا کہ کسی اپنے کی زندگی اور اس کی جوان عمری کی اداسی پا کر کس کرب مسلسل سے گزرتی ہے۔ ایسا جانے جیسا روپ گی کو سوچتے ہوئے وہ کس اذیت سے گزرے ہوں گے۔" وہ بہت نادان تھی۔ کتنی بے رحم تھیں۔ "تم آ گئیں؟" مائرہ کے سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔

نازنین نے لفظ تم پر عجیب سی دھڑکن کا تڑانا خا۔ مائرہ اور مہین اسے تم کہا کرتی تھیں۔ اس نے تو اپنے ہوش میں مجھے دیکھا تک نہیں۔

اس نے بہت محبت سے مائرہ کے گرد اپنے بازو کا حلقہ مضبوط کیا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"بس کرو مائرہ، مجھے جان الیقین کر لو۔ ہم دونوں سے دیکھ ہو گئے ہیں۔ کہ زندہ انسانوں کی طرح کوشش کے باوجود ہی ایک نہیں کر پاتی۔"

نازنین کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔ پسینے سے اس کا چہرہ بھیگ گیا۔

مائرہ ایک دم گھبرا گئی۔ اور بھاگ کر اپنی آنکھیں پونچھ لیں۔ اور اسے تھام کر بیڈ تک لائی اور آہستگی سے لٹا دیا۔ اور سرہانے رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور اس کا سر اوپر اٹھا کر کے لبوں سے لگا دیا۔ نازنین ایک سانس میں پی گئی اور تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

مائرہ نے اپنے آنچل سے اس کے چہرے کا پسینہ پونچھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو آپ نے ہمیں کیوں نہیں بتایا۔ ہم آپ کو ہسپتال لے جاتے۔" وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوا ہے۔" وہ ہلکے سے مسکرا دی تھی۔

"مائرہ۔ بہت دنوں بعد تم سکون کا سانس لو گی۔ تمہاری بیٹی کی طرح تو بھی میں نے بڑی اذیتیں سہی ہیں۔ مگر ہر بار خدا کی رحمت آڑے آتی رہی۔ مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ سب سے بڑا تو اس بچی کا سکون تھا۔ جس پاگل کر دیتی کہ ان کی ماں ہر گز نہیں ہوسکتی تھی۔ اب وہ بچی بڑی ہو جائے گی اور حقیقت ان کے سامنے آئے گی تو کیا پتہ وہ آ جائے گی مگر۔ تم تو مجھے مکمل دیکھ کر سکو گی۔ یقین کرو اب مجھے اور کوئی تکلیف نہیں ہے۔ بہت سکون میں ہوں۔ بس کبھی کبھی کچھ ہو جاتے سے کیلی سے ہو جاتا ہے۔ وہ میرے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لیے تڑپ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے بعض تمہارے حق میں نہ ہو۔ مگر وہ کی تو نہیں کر ایک ماں کی کوکھ سے جنم لینے والے بچوں کی قسمت کی ایک جیسی ہو۔ کیوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"وہ بچے دادی امی کی حویلی میں ہیں۔ اور وہ ادھر ہیں۔ اور میری امانت ہیں تمہارے پاس۔"

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گئی اور آنکھیں موند لیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ خدا نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو۔" مائرہ بہت پریشان ہو گئی۔

"جو ہونا تھا ہو چکا۔ تمہیں مائرہ کے لیے ہمیں تو بابر کے لیے تو جانا ہے ہیں اور ہم کیلی باران کا دل رکھنے ہیں گے کہ کیا کریں گے۔" نازنین کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔

مائرہ تو جیسے سب کچھ بھول گئی۔ حواس باختہ سی ہو کر نازنین کی صورت دیکھنے لگی۔

"آپ کو کیا ہوا ہے۔ کہہ؟"

"کاش یہ نسلوں کی پیدائش سے پہلے ہو جاتا۔" نازنین کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

"اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور ماتھے ہی کھل گیا۔ تھی خان اندر داخل ہو۔ ۔۔۔ ہو گئے تو دروازے پر داخل ہو گئے تو کمرے کی صورت حال دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھے۔

"کیا ہوا۔ مائی گنگا نہیں۔ آل ہم سب ہی۔ ہمیں بالکل وہ یاد نہیں رہا کہ آپ کو کسی قسم کا سہارا نہیں دینا چاہیے۔" وہ استعمال کچھ سے کر نازنین سے قریب ہو گئے اور اس کی کوئی قسم کا نبض دیکھنے لگے۔ کی۔ پریشانی چھپ کر رہ گئی۔

"کہتے ہیں کہ کچھ کرنے کی اللہ کو بھی پیاری نہیں۔ اور بابر پالیسی کی دوائیں کھاتے ہیں۔ میں اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ کھال کھڑکی کی طرح کھل ہو جائے۔ آپ کی زندگی سے کتنی وابستگی ہیں۔ کتنی صدا ہو گی۔"

وہ تھی خان کے چہرے پر نظر ڈال کر دھیرے سے مسکرا دی۔

مائرہ نے تشویش بھری نظروں سے تھی خان کی طرف دیکھا۔ وہ بھی پریشان تھے اور مائرہ کا دل چاہنے لگا۔

"باجی شکیلہ۔ لوگوں پر احسان ہوتے ہیں ڈوبتی میں۔ بہت سارے لوگ ایسے ملتے ہیں جن کی دل چاہتے ہوں انہیں نہ تھا۔ اچھی لگنے لگ جاتی ہیں اور وہ دعا دیتے ہیں۔ اللہ سے دعا کی مثال ہے۔ کہ مائرہ اور ہم پر تو دل چاہتے ہوئے

کا بھی الزام نہیں۔ آپ کے اصرار نے اس قدر زیادہ بار گراں ہوا ہے کہ بتا نہیں سکتے۔

ماہین! میری جان! دل کا کھلنا کا تعلق کسی سے بھی سرسری ہے۔ میری بیٹی کا دل ٹھنڈا ہونا چاہیے۔ اس میں Will توبہ تو کرے تو بنتی ہے۔ اس کا دل کھل گیا۔ ہاں تو مجھ میں کامیاب ہو گئی۔ کتنی بیماری ہے میری بیٹی۔ اس کے دل میں میری تصویر اس طرح سجا کہ جب اسے میرا دھیان آئے تو وہ دل سے میری تعظیم کی ادا کرے۔ خدا رکھے میں نے دیکھا ہی نہیں۔ اپنے باپ اور بچوں کی پرواہ ہو گی۔ کچھ ایسا تھا تو سب کہتے تھے بابا صاحب جیسا ہے۔ میرا بیٹا۔ ماہین۔ میں نے سنا ہے وہ اپنی ماں سے زیادہ سلجھا ہوا ہے۔ بہت کم گو ہے۔

جوانی وہ ہے جو پوری بہار دیکھے کبھی سرخوں نہ ہو۔ بارسا ماں کا جوان بیٹا تو اصل میں جوان ہوتا ہے اسے تو بارہ اللہ کی قسم میں بے گناہ ہوں۔"

نازنین تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

"مائی گاڈ!" تیمور علی خان بری طرح سے پریشان ہو گئے۔

"آپ اس طرح نہ کریں۔ آپ کو تیمور خانوں پر رحم نہیں آتا؟" ماہین کی آواز بھرا گئی۔

"بس کریں۔ ہمارا بس چلے تو چوک پر ان کا قصہ ختم کروا دیں۔ بہت دکھ دیے ہیں انہیں ہم نے۔" وہ پھر آنسو پونچھنے لگی۔

"آپ انہیں سنبھالیے۔ ہم ڈاکٹر کو فون کرتے ہیں۔" تیمور علی خان فون کی طرف بڑھے تو فون کی بیل بج اٹھی۔ تیمور علی خان نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو"

"اسلام علیکم۔ جی ہم ہی ہیں۔"

"جی آ۔ ابھی آیا تھا؟"

"کی۔ جی اور کچھ نہیں کہا؟"

"جی ہم کچھ کہتے۔ ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔"

انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ اور پلٹ کر ماہین کی سمت دیکھا۔

"بابا صاحب کا فون تھا۔" ان کے انداز میں عجیب سی تبدیلی آ گئی۔ ماہین فون کے انداز ہی سے کچھ محسوس کر چکی تھی۔

"ہری پور سے فون آیا ہے بابا صاحب کے پاس۔ گاڑی سے کہیں وہ کراچی سے آپ کو لے کر اسلام آباد نکل جائے۔"

"مجھے۔ بابا کی۔" وہ تیزی سے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ پھر قدم آگے بڑھ کر وہ تیمور علی خان کی سمت دیکھا اور دوبارہ بیٹھ گئی۔

تیمور علی خان نے اشارے سے خاموش رہنے کی تاکید کی۔ اور خود فون پر بات کرنے لگے۔

نازنین نے ماہین کا چہرہ دیکھا اور مسکرا دی۔

"میں سب جانتی ہوں۔ سب۔ وہ سب جو آپ مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں۔ کیا آپ سے پوچھ سکتی ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ میں اس بات کو سمجھ سکتی ہوں کہ آپ کو میرا رویہ بہت ناگوار گزرا ہو گا۔ میں نے آپ کی بہت بے عزتی کی۔ آپ کو بہت برا بھلا کہا۔ آپ کو بہت کچھ سننا پڑا۔ اور ایک بہت پیاری گڑیا سی بیٹی ہے آپ کی۔ مجھے اس کا بھی بہت افسوس ہے۔ میں نے اس کو بھی بہت کچھ کہا۔ اس کا بھی دل دکھایا۔ مجھے اس کا بھی افسوس ہے۔ بہت کچھ سننا پڑا ہے۔ وہ مجھے بہت سے اچھا لگتا ہے۔

اگر میں نکاح کے بعد آپ کی بیٹی کی تصویر دیکھ لیتی۔"

نازنین کی حیثیت کیا ہے۔ کم سے کم مجھے محسوس ہو لیتا۔"

"چپ کیوں ہو ماہین؟" نازنین کے انداز میں بلا کی اپنائیت تھی۔

"پوچھیں مجھ سے۔ بہت کچھ سوچ کر آئی تھی کہ آپ سے پوچھوں گی وہ کہوں گی۔ مگر میں نے آنکھ سے نازنین کی طرف دیکھا۔

"مجھے علم ہے تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ ظلم کے جواب میں ظلم کیا ہے۔ مگر ایسا ہرگز بھی نہیں ہوا ہے۔ میں سال ڈیڑھ سال سے بیٹے کے لیے کوشش میں ہیں۔" وہ بہت کرب سے بولی۔

"جی ہے مجھ۔ ہم تو خوش ہو گئے ہیں۔ مجھ کیسے کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔" ماہین نے بہت آگے سے کہا۔

"میں تو یہ آہستہ آہستہ اپنے ہی سوچوں گی۔" ماہین کہتے ہوئے رکی۔ نازنین نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"تمہارا سوچنے میں اور سمجھنے میں بہت فرق ہے ماہین! الفاظ بے کر سکنے والے لفظ ہیں اور سمجھنے والے نے اپنے اپنے سوچ بچار اپنے اپنے حساب سے جنگ جاری ہے۔ مجھے اب کسی بات کی پروا نہیں۔ صرف یہی خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے اب کسی پر داستان سنا سکوں تو شاید یقین کر سکو۔ کہ ان کی ماں ایسی عورت نہیں تھی۔"

تیمور علی خان دوبارہ ان کی جانب آ چکے تھے۔ اور قدرے سے نازنین کی جانب دیکھ رہے تھے ان کے انداز میں اپنائیت کا واضح رنگ تھا۔ وہ ماہین کو بہت اچھا لگا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر سیاہ بھورے گھنے آنکھوں میں جو تشنہ لبی تھی وہ ان کی آنکھ کو بہت محترم بنا رہی تھی۔

"آپ باتیں کریں۔ ہم ابھی آتے ہیں۔" وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد گویا ہوئے اور باہر چلے گئے۔

"مجھے اطمینت ہے کہ تیمور علی خان جیسے بیٹے کی آپ کے لیے تھے۔ آپ تو دیکھے کی "بیٹی" ہیں۔ لوگ میں جہاں سے اس اولاد آپ کو دیکھ رہے ہیں۔"

ماہین نے ماحول کی اداسی کو ختم کرنے کی کوشش میں ہلکی پھلکی بات کی۔

"اچھا۔" نازنین اداسی سے مسکرا دی۔ "پتا نہیں انہوں نے کبھی ہمیں دیکھا بھی ہے یا نہیں کسی دوسرے کے منہ میں

فیہ کر کے دیکھتے رہے ہیں۔ مگر یقین کرو مایاں۔ ہم نے آج تک تمہارا کہیں دیکھا۔ خرابی گی سے تمہیں ان سے کہ دو۔ کوئی ایک آدھ ہو۔ ہمارے سے ان کا تو کہیں۔"

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں آنکھیں موند لیں۔

"مایاں۔ دقی کے پتا کو ابھی بھیج نہیں دینا کہ تم سب احوال سے واقف ہو چکی ہو۔ کہیں وہ [illegible] کا سلسلہ شروع نہ کر دیں اور کچھ ہو جائے۔ مجھے تمہاری موجودگی کا یقین چاہیے۔ تم مجھے خود فراہم کر سکتی ہو۔ مجھے [illegible] تمہاری موجودگی چاہیے۔ اپنے لیے بھی اپنے بچوں کے لیے بھی۔ حالانکہ ہلاکو ہوا تھا مگر اب سچ ہو گیا ہے۔ پلیز مایاں۔ یہ فیصلہ جذباتیت سے پرہیز کر کے کرنا۔ سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟"

"جی ماما۔ بس اب تو وہ ظلیم شب کا تو کن ہے ہمارے پاس۔ فی الحال تو یہ ہی گی کا مقصد بھی ہے۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"میری معذوری کی آمد سے پہلے وہ شخص بہت اچھا تھا۔ لہٰذا تم اسے تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ نہ سمجھنا۔ کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ تم اسے اپنے حق میں اچھا کر سکتی ہو۔ راستے خالی ہیں جو مل نہ ہو جائے۔ اللہ سے دعا ہے وہ شخص تمہیں نہال کرے۔"

ماہین کی آواز بھرا گئی۔

مایاں نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کا اپنا دل بھر آیا تھا۔

وہ باری کے ساتھ وہیں سے اسلام آباد روانہ ہو گئی۔ خان پور میں بہت کچھ چھوڑ آئے تھے۔ انہیں اپنی آمد کی اطلاع اس لیے نہیں دی تھی کہ اگر وہ خود لینے آ گئے تو پتا چل جائے گا کہ وہ پشاور سے آ رہی ہے۔ اور پھر اذیت و عقوبت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

یوں بھی حواس پر عجیب سی تھکن طاری ہو رہی تھی۔ حمدان علی خان نے اسے بتایا تھا کہ وہ یہیں [illegible] کے کنارے میں ہے۔ اور انتقال ایشیا ہے۔ اسے کی اطلاع تھی جو گاڑ کر کیلئر میں پہنچ گئی ہے۔

بس اتنی ذرا سی دیر کی بات تھی۔ [illegible] اور ان کے بیٹے۔ کیا خواب سا لگ رہا ہے۔ یقین نہیں آتا۔ تسویر یوں بھی کبھی دیکھا تھا وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ کیسی حسین تصویر کیسی رنگین تھی۔

"باری!" اس نے باری کی جانب دیکھا۔ جو اپنی الجھن کو سلجھانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"تم کب سے اس امر میں شریک ہو؟" اس نے باری کی سوالیہ نظروں کے جواب میں سوال کیا۔

"شروع سے۔ بچپن سے۔ [illegible] خان کے ساتھ بھائی سے ملنے آیا تھا۔ پھر جب شہ خان بی زندہ رہیں ان کے ساتھ آتا رہا کرتا تھا۔ شہ خان بی بھائی سے بہت پیار کرتی تھیں۔" وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"جب میں چھوٹا تھا تو بھائی مجھ سے روٹی اور جوتوں کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ کہتی تھیں روٹی کا خیال رکھا کرو۔"

"تم نے کیا ہو گا آپ فکر نہ کریں۔ مجھے [illegible] کے لیے خیال رکھنے کا کام سونپا ہے۔" ماہین نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

باری بھنچ کر مسکرا دیا۔

[illegible] چھوڑ آئے تھے۔ وہ ہی ہوئی میں ماہین بیٹھا سکتے تھے۔ [illegible] کیسے کر لیں [illegible] ہے کہ وہ

[illegible]

[illegible] سب ہے۔ سنا ہے بھی بہت بڑا [illegible] گئے تو انہوں نے لکھ دے کہ تھا۔ باری تم اپنے ساتھ لے جاؤ۔ [illegible] ہے۔ [illegible] کرا سکو۔ [illegible] ہے۔ تمہیں اپنے گھوڑے [illegible] ہے ہیں۔ لیکن اگر تم نے باری خوبی کے بیان کو [illegible] کی [illegible] ہے تو تم سب کچھ واپس لے لیں گے۔ [illegible] تمہیں واپس بھجوا دیں گے۔ [illegible] ہیں ہے۔

[illegible] ہو گیا تو تصویر [illegible] کے [illegible] لگے۔ اور بات کچھ میں آئی کہ تو تصویر [illegible] کی [illegible] دیں [illegible]۔ شاید آپ کو یقین نہ آئے [illegible] خان نے سب کچھ [illegible] ہے۔ ان کی آنکھیں میں آج تک کسی نے [illegible] دیکھے۔ مگر میں نے ان کی جھکی آنکھیں کی [illegible] ہیں۔ مطمئن کے لیے انہوں نے مجھے [illegible] کیا تھا۔ اس سے پہلے [illegible] اس کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ حویلی میں اور کسی کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔"

"تم نے مطمئن کبھی تمہارے باپ کے متعلق بات کی؟" ماہین نے اچانک پوچھا۔

باری ایک دم خاموش ہو گیا۔ اور انکار میں سر ہلانے لگا۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ یاور خان نے کس حد تک [illegible] اغوا کیا تھا؟" اس نے بہت غور سے ماہین کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

ماہین نے گہری سانس کھینچی۔ "اور آنکھیں بند کر لیں۔" "ہمیں بھی چلانے ہو باری آخر مرضی ہے تمہاری۔ سوچ تو میں بھی رہی ہوں کہ مجھے تو جب چاہے کال کر سکتے ہیں۔ مگر ساتھ میں تمہیں طلب کیا ہے ظاہر کرے۔ دشمن [illegible] کیا ہے۔ نہ جانے کی صورت ہے۔ تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی مرضی کا [illegible] کرنا چاہیں۔ [illegible] طرف بھی سوچا۔" ماہین نے توجہ دلائی۔

"ہی سوچا ہے۔ لیکن جو [illegible] ہے اسے تو کوئی بھی نہیں بدل سکتا۔ آپ میری طرف سے اطمینان رکھیں۔ اگر بات کسی [illegible] تو میں روشانے کو لے کر اپنے قبیلے میں واپس چلا جاؤں گا۔" وہ کن انکھیوں سے ماہین کی سمت دیکھ کر [illegible] بولا تھا۔

"ہاں۔ کسی اور سے حاصل [illegible] باری آ کی کو [illegible] کی بات۔" وہ مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

باری ہنس دیا۔ "جب لیس لڑتے ہیں تو پھر پہلے سے خود کو [illegible] ہیں۔" وہ گمبھیر ہو گیا۔

"ہاں۔" ماہین گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"تو یہ خاندانی دشمنی ہو گی۔ [illegible] سامان کو دیکھ دیکھ کر۔ پتا نہیں لوگ کس طرح [illegible] گزارتے ہیں۔ [illegible] ہو گئے تو [illegible] ہے [illegible] ہے تو کہہ دیا تھا [illegible] سے مجھے [illegible] میں پریشان کرنے کی ضرورت نہیں [illegible] گھر کی [illegible] آئیں گی تو [illegible] ہو۔"

www.Paksociety.com

فیہ کر کے دیکھتے رہے ہیں۔ مگر یقین کرو مایاں۔ ہم نے آج تک تمہارا کہیں دیکھا۔ خرابی گی سے تمہیں ان کے حوالے کر دیں۔ کوئی ایک آدھ ہو۔ ہمارے سے ان کا تو کہیں۔"

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں آنکھیں موند لیں۔

"مایاں۔ دقی کے پتا کو ابھی بھید نہیں دینا کہ تم سب احوال سے واقف ہو چکی ہو۔ کہیں وہ [illegible] کا سلسلہ شروع نہ کر دیں اور کچھ ہو جائے۔ مجھے تمہاری موجودگی کا یقین چاہیے۔ تم مجھے خود فراموش کر سکتی ہو۔ مجھے اپنی تمہاری موجودگی چاہیے۔ اپنے لیے بھی اپنے بچوں کے لیے بھی۔ حالانکہ ہلاہوا تھا مگر اب سچ ہو گیا ہے۔ پلیز مایاں۔ یہ تم کی جذباتیت سے پرہیز کرنا۔ سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟"

"جی اچھا۔ بس اب تو وہ ظلیم شب کا تو کن ہے اور ہے پاس۔ فی الحال تو زندگی کا مقصد یہی ہے۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"بری معرکہ کی آمد سے پہلے وہ شخص بہت اچھا تھا۔ خاطر اسے تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ تم اسے اپنے حق میں اچھا کر سکتی ہو۔ راستے نکل ہی جاتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے وہ شخص تمہیں نہال کر دے۔" ناصر خان کی آواز بھرا گئی۔

مایاں نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کا اپنا دل بھر آیا تھا۔

وہ بیوی کے ساتھ وہیں سے اسلام آباد روانہ ہو گئی۔ خان پیلس میں دقی کو لے آیا تھا۔ انہیں اپنی آمد کی اطلاع اس لیے نہیں دی تھی کہ اگر وہ خود لینے آ گئے تو پتا چل جائے گا کہ وہ پشاور سے آ رہی ہے۔ اور پھر استفسارات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

یوں بھی حواس پر عجیب سی تھکن طاری ہو رہی تھی۔ ناصر علی خان نے اسے بتایا تھا کہ وہ یہیں اسلام آباد کے کنٹونمنٹ ایریا میں ہے۔ اور انتہائی اسٹیٹس ہے۔ اسے کی اطلاع تھی جو گاڑ کر یہاں منتقل ہو گئی ہے۔

بس اتنی ہی ذرا سی خبر کی بات تھی۔ ہمارے اور ان کے بیچ۔ کیا خواب سا لگ رہا ہے۔ یقین نہیں آتا۔ تسویر یاں سچا دیکھا تھا وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ کیسی حسین تصویر کیسی رنگین تھی۔

"ہاری!" اس نے ہاری کی صورت دیکھا۔ جو اپنی الجھن کو سلجھانے میں مصروف تھا۔

"تم کب سے اس امر میں شریک ہو؟" اس نے ہاری کی سوالیہ نظروں کے جواب میں سوال کیا۔

"شروع سے۔ جیل عرصہ بابا خان کے ساتھ بھائی سے ملنے آیا تھا۔ پھر جب شہ خان بھی زندہ رہیں ان کے ساتھ آتا رہا کرتا تھا۔ شہ خان بی بھائی سے بہت پیار کرتی تھیں۔" وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"جب میں چھوٹا تھا تو بھائی مجھ سے روٹی اور جوتوں کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ کہتی تھیں روٹی کا خیال رکھا کرو۔"

"تم نے کیا ہو گا آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی کے لیے خیال رکھنے کا وعدہ کرتا ہوں۔" مایاں نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

ہاری بھی سنجیدہ کر مسکرا دیا۔

[illegible] ہوئے تھے۔ وہ ہی ہوئی میں ہاتھ بھی بھیج سکتے تھے۔ اتنا خون کیسے کر لیا تھا اس نے؟" مایاں کو یاد آیا۔

ہاری۔

"سب ہے۔ سنا تھا مجھے بھی ہاری مارنے لگے گئے تو انہوں نے لکھ دے کی تھا۔ ہاری قرار دیتے ہوئے اس لیے بھاگ گیا۔ میں اپنے گھوڑے لے کر آیا ہوں۔ تمہیں اپنے گھوڑے لے کر آیا ہوں۔ لیکن اگر تم نے ہاری خوبی کے بجائے ہاری کہا تو میں تمہارے لیے گھوڑا نہیں لاؤں گا۔ تمہیں ہاتھی بھجوا دیں گے۔ ہاں تمہیں ہاتھی بھجوا دیں گے۔ ہاں تمہیں ہاتھی بھجوا دیں گے۔"

پھر جیسے جیسے وہ ہنستا گیا تو تھوڑا تھوڑا کر کے اداسی ڈھلنے لگی۔ اور بات کچھ میں آئی کہ تو تمہیں ہاتھی کی ضرورت نہیں رہی۔ شاید آپ کو یقین نہ آئے بڑے خان نے سب کچھ مجھے خود بتایا ہے۔ ان کی آنکھیں میں آج تک کسی نے آنسو نہیں دیکھے۔ مگر میں نے ان کی ہچکی آنکھیں کئی بار دیکھی ہیں۔ مطربہ کے لیے انہوں نے مجھے تصویر بنایا تھا۔ اس سے پہلے وہ اس کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ حویلی میں اور کسی کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔"

"تم نے مطربہ کبھی تمہارے باپ کے متعلق بات کی؟" مایاں نے اچانک پوچھا۔

ہاری ایک دم خاموش ہو گیا۔ اور اخبار دال کرنے لگا۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ بابر خاں نے کس مواد میں کیسی اعلام آزاد فرمایا تھا؟" اس نے بہت خوبصورتی سے موضوع بدل دیا۔

مایاں نے گہری سانس کھینچی۔ "اور آنکھیں بند کر لیں۔" "کہیں بھی جانے سے پہلے ہماری آخری مرضی ہے تمہاری۔ ہو سکتا تو میں بھی رائی ہوں کہ مجھے تو اب جانے کا کال کر سکتے ہیں۔ مگر ساتھ میں تمہیں طلب کیا ہے تو ظاہر کرے۔ دشمن بھی اکیلی ہے۔ نہ جانے کی مسئلہ ہے؟ تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی مرضی کا لیٹر تم سے لکھوانا چاہتی ہیں۔ اس طرف بھی سوچا۔" مایاں نے تو دال ڈالی۔

"جی سوچا ہے۔ لیکن جو لکھے ہے اسے تو کوئی بھی نہیں بدل سکتا۔ آپ میری طرف سے اطمینان رکھیں۔ اگر بات کسی قرار نامے تک میں روشنائے کو لے کر اپنے قبیلے میں واپس چلا جاؤں گا۔" وہ کن انکھیوں سے مایاں کی سمت دیکھ کر بے نیازی سے بولا تھا۔

"ہاں۔ یہی ہونا ہے جانے ہماری آرزو کا۔" وہ مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

ہاری ہنس دیا۔ "جب لیس لڑکے ہے تو پھر پہلے سے خود کیا الجھنا۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں۔" مایاں گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"تو یہ خاندانی دشمنی ہو گئی۔ صرف سامان کو دیکھ دیکھ کر۔ پتا نہیں لوگ کس طرح [illegible] پیدا کر لیتے ہیں۔ میں نے تو کبھی یہ تاثر دموں سے مجھے ملنے میں پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر کی دالیں آئیں گی تو خاندانی

روشی ماہین کے گلے میں بانہیں ڈالے اپنے والی سے پیار کیے جا رہی تھی۔

"گھر داری کا شوق نہیں۔ بس گرہستی کا شوق ہے۔ تمہارے بچوں کو بارہ بجے ناشتا کرنا ہوگا۔ گرین ٹی پانی کے لب میں کھیلتے رہیں گے۔ لنچ جلدی ہو گی۔ سردیوں میں گرم کپڑے نکالنا کر رکھوں گی۔ تو ہمیں کوئی دقت نہیں ہوگا۔

بلال نے میرے انتظامات کا سارا کام پھیلا رکھا ہے۔" ماہین نے ہنس کر روشی کے پیشانی سہلائی۔

"لیکن خالہ! گھر میں میرے علاوہ دوسرے لوگ بھی تو ہوں گے جو بچوں کا خیال رکھیں گے۔ کم از کم باری تو ہمیں کریں گے۔" وہ جھنجھلائی۔

باری اچانک دونوں ہاتھوں میں سوٹ کیس اٹھائے ان کے قریب سے گزرتا آگے بڑھ گیا۔

"اوہ۔ آپ کے ساتھ۔؟" روشی بُری طرح گڑبڑا کر ماہین کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"جی میرے ساتھ۔" ماہین نے مسکراہٹ ضبط کی۔

"پاپا نے کہا تھا یا خود آپ۔" روشی کی حالت ہی بدل چکی تھی۔ خوشی بھی تھی اور الجھن بھی۔

"مجھے یقین ہے پاپا نے بلایا ہے۔ فیصلہ ہو گیا ہے خالہ!" روشی اسے لے کر لاؤنج کی طرف بڑھی۔

"کیسا فیصلہ؟" ماہین کچھ سمجھی نہیں۔

"پاپا نے کہا ہے۔ باری ہمارے ساتھ رہے گا۔ دوسرا لے جائے گا تو دیکھیں گی۔ اگر چاہے تو اپنے دادا کے پاس بھی جا سکتا ہے یا جو مانگے۔"

وہ تفصیل سے اپنے اور یاور علی خان کے مابین ہونے والی گفتگو ماہین کے سامنے دہرانے لگی۔

ماہین بہت توجہ سے سن رہی تھی۔

"اور گرہستی نے اس باندی کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا؟" ماہین نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے روشنی کا چہرہ دیکھا۔

"تو خالہ! آپ سمجھاتا ناں۔" روشی ایک دم پریشان سی نظر آئی۔

"بعض اوقات مرد بہت کھرا ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی کہنے کے بجائے خود سے کام لیتا ہے۔" ماہین سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تمہارے پاپا ابھی تک نہیں آئے۔" ماہین نے دائیں بائیں دیکھا۔

"نہیں۔ فون آیا تھا دو مرتبہ۔ ایک مرتبہ پوچھا تھا کہ میں نے کھانا کھا لیا یا نہیں۔ دوسری مرتبہ کہہ رہے تھے کہ میٹنگ لمبی ہو تمہاری خالہ کریں گی انتظار کی ضرورت نہیں۔" اپنی بات کے اختتام پر روشی ماہین کی صورت دیکھ کر جھنجھلائی تھی۔

"ہوں۔ خالہ نے ٹھیک کہا ہے ناں تمہارے پاپا عزم کو گھر بھیج دیں گے۔"

"وہ تو بھیجنا ہے۔ اس میں کیا شک ہے۔" روشی پھر جھنجھلا کر بولی۔

"ہوں۔" ماہین نے ہنکارا بھرا۔ اس کے انگ انگ سے ناراضی جھلک رہی تھی۔

"چلو اٹھو۔ دیکھو باری کیا کر رہا ہے کہاں بیٹھا ہے۔ کہیں تو اس سے بات کرے۔ اتنے دن کے لیے وہ ہمارے مہمان ہیں۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔ آپ ہی دیکھیں۔" روشی نظریں چرا کے گھر میں ماہین کے ساتھ میں آ گئی۔ اس کی نظریں بھی جھک گئی تھیں۔

"اچھا چلو۔ جائے تو وہ خود میں دیکھتی ہوں۔" ماہین اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں پہلے اپنے بیڈ روم کا جائزہ لے لوں۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ وہ تو پاپا نے اپنی گہرائی میں سیٹ کرا لیا تھا۔ بہت خوبصورت بیڈ روم سیٹ کیا ہے آپ کے لیے۔" روشی نے اس کا اشتیاق بڑھا دیا۔

"چلو جلدی سے میرے ساتھ۔" ماہین نے بھی بہت مسرت اور اشتیاق کا مظاہرہ کیا۔ روشی اسے لے کر بیرونی حصے میں خواب گاہ میں آ گئی۔

طبیعت واقعی خوش ہو گئی۔ باتھ روم کا بہت وسیع اختراع تھا۔ روشی اسے کمرے میں چھوڑ کر چائے کی طرف سے فوراً باہر نکل گئی تھی۔

ماہین دروازہ دھکیل کے دروازے کھول کر جائزہ لینے میں مصروف تھی کہ یاور علی خان نے اندر قدم رکھا۔ خانساماں کو ناشتا کی ہدایت دی جا چکی تھی۔ اسی لیے ان کا انتظار نہیں کیا۔

ماہین ان کے قریب ہی آ گئی۔

"السلام علیکم!" اس نے کوٹ ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بہت اپنائیت سے سلام کیا۔

یاور علی خان نے اپنی پوری حساسیت کے ساتھ اس کے اندر ہونے والی کسی تبدیلی کو محسوس کیا۔

"وعلیکم السلام۔ آرام کیوں نہیں کیا۔"

"بس یونہی۔ دیکھنا تھا کہ آپ اچانک آ جائیں تو کیا انتظام کیا ہے۔ کچھ ارینج کریں گے۔"

سیاہ بھاری اسٹک کی پالش سازی اور تراش خراش کے ساتھ ماہین کی لیکھ بلاؤز دیکھتے ہوئے یاور علی خان کی آنکھ کھلی گئی۔ ترشا ہوا بھاری لب اسٹک۔ ایک ایک چیز اس کے پرکشش اور بھرپور ہونے کا منظر تھی۔ وہ کوٹ تھامتے ہوئے ان کے بہت نزدیک آ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم بھی۔ میرا مطلب ہے خیریت تو ہے ناں؟" انہوں نے اس کے سراپے پر محو نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ وہ مسکرا دیے۔ صرف اپنے پاؤں کے لیے محسوس ہوا کرتی ہے ان کے لبوں پر نکلا تھا۔ ماہین بھی مسکرا دی۔

"آپ نے کہا تھا نا آپ سے ملاقات ہوا کرتی ہے آپ کے لیے تیار ہوئے ہیں۔"

وہ ان کی طرف کوٹ ہینگر پر لٹکانے کی طرف سے بڑھتے ہوئے ہاتھ سے کوٹ لے کر ہوئی۔

"ہاں گڈ لیس۔ جلدی سے کام ختم کرو۔" وہ صوفے پر بیٹھ کر شور مچانے لگے۔

"کیا ساری بوڑھی عورتیں ایسی ہی فضول ہوتی ہیں؟ دراصل کریانہ بھی تم بہت اچھا کرتے ہو۔" مائیں ان کے برابر بیٹھ گئی۔

"تنگ بھی بالکل نہیں ہوتے۔ جوشے، بوڑھیں دیکھی محسوس بھی نہیں ہوتی۔ خیال میں بھی نہیں آتی۔" یاور علی خان بہت سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"بچیں چھوڑیں۔ اتنے دنوں بعد ملاقات ہوئی ہے۔ اپنی باتیں کریں۔ ہمت کے لیے تو عمر پڑی ہوئی ہے۔ باری سے ملاقات ہوئی۔ آپ کی؟"

"نہیں۔"

"آپ نے بات سنبھال لی۔ بہت اچھا کیا۔ مجھے خوشی ہے اور میں ٹھیک فل بھی ہوں۔ اب میرے اور آپ کے بیچ کوئی ٹینشن نہیں آنا چاہیے۔ چاہے مجھ سے حماقتیں سرزد ہو جائیں یا میں آپ کو تنگ کروں۔ ہر صورت میں تصور آپ کو ادا ہیں۔ آپ کو مجھے منانا ہے۔ آپ کو میرا خیال رکھنا ہے۔ ساری دنیا چھوڑ دی ہے آپ کے پیچھے۔ آپ کا فرض بنتا ہے کہ میرا دل کا خیال رکھیں۔"

بے پایاں اعتماد نے اسے یاور علی خان پر غالب کر دیا تھا۔ اور اس بار تو وہ اتنی ساری کشتیاں جلا کر فیصلہ کن پوزیشن میں اتر آئی تھی۔

ایک نسب العین ایک مقصد حیات کا تعین کر کے۔ اپنی ذات کی نفی کر کے۔

"بہت خوب۔ سب کام تو تمہیں کرنا ہیں آپ کو ہار کیا کرنا ہے۔" وہ اپنی حیرت کو چھپانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

"وہ بھی کر لیں گے۔"

"مائیں!"

"جی!" وہ ان کی بلند آواز پر چونک گئی۔

"وہ کیا الحسن تھی جو اب کھو گئی ہے۔" یاور علی خان کا سوال اپنی جگہ پر تھا۔

"کچھ نہیں۔ سر۔ خود کو فنا کر دینے کی ذات سے باہر آنے کی، صاحب کتاب کی دنیا تو بہت چھوٹی ہے۔ اب کائنات کی طرف آنا چاہ رہا ہے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں کے شانے پر رکھے ہوئے سر کو اٹھایا۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

جس شخص سے بچھڑ کر توڑنے کے لیے اس نے کل ذاتیں اصطبل بنگلے میں گزار دی تھیں۔ آج اسی شخص سے اس طرح کے اظہار کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔ حالانکہ اپنی انا کے خون کے چھینٹے اسی دامن پر نظر آ رہے تھے۔ مگر اسی میں کی خاطر اپنی ذات کی نفی کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔

"میرا خیال ہے اس موضوع کو اور نہ کھولیں۔ پھر دل بھر آتا ہے۔ وہ صاحب سے ملنے کو بھی بہت بے چین ہیں۔ ان کی طبیعت بھی جلدی خراب ہوتی ہے۔"

"صرف چار دن۔ وہ صاحب کو اور سرے اوکے۔" مائیں نے چونک کر سر اٹھایا۔

"باری کے وہ لوگ۔ کچھ نہیں لگتے ہیں۔ مگر دنیا کی کتنے ہیں۔" مائیں نے احتجاج کی

"میں نے ڈرایا تھا؟ ماہین۔ تم انہیں بے حد ڈرا گئی تھیں۔" وہ دوبارہ آنکھ کھولے ہوئے بڑبڑا رہے تھے۔ ماہین کی ہنسی جیسے سسکیوں میں ڈوب گئی۔ وہ اٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔

"دو افراد جو ایک وقت لینے کی حالت میں ہوں تو دونوں سے ڈرا ہی ہوتا ہے۔ میں آپ سے اس موضوع پر کوئی تفصیلی بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں تو اب آپ کے ساتھ ہوں ہمیشہ کے لیے۔ ہم ہم تم قدم۔ ہماری تو آئی گزر بسر ہی اس رسم و رواج کی توڑنے کی روایت اب ختم کیجیے۔ بچے کچھ رہیں۔ ہر بات کے اچھے برے پہلو پر کہہ سکتے ہیں۔

آپ نے بابا صاحب کو کیا کہا تھا۔ جن کے آنے کے بغیر یہ سب ہو ہی نہیں سکتا تھا جس پر آپ کو اعتراض ہے؟" ماہین نے ایک اور بات چھیڑی۔

"ہر عمر میں ہوتا ہے ہاتھ پاؤں مارنا اس کا حق بھی ہوتا ہے اور مجبوری بھی۔ تیمور نے بابا صاحب کی بات کیوں مانی وہ بے اختیار کبھی نہیں تھا۔" یاور علی خان کے لہجے میں زہر امنڈنے لگا۔

"آپ نے بھی تو روشی کی بات مانی ہے۔ حالانکہ آپ نے تو نہ ماننے کی گویا قسم اٹھالی تھی۔" وہ ایک دم سے جھنجلا گئے۔

"کچھ ایسا ہوتا ہے کہ بات مانے بغیر چارہ نہیں رہتا۔"

"اچھا چھوڑیں۔ میں پراسس کرتی ہوں کہ یہ موضوع کبھی زیر بحث نہیں کروں گی۔ مگر آپ بھی میری ایک بات مان لیجیے۔ رابطے توڑنے کی عادت چھوڑ دیجیے۔ ہر مسئلے کا ایک ہی حل نہیں ہے کہ رابطے توڑ دیا جائے۔

اس سارے کیس میں اگر نا قابل تلافی نقصان۔ کسی کو پہنچا ہے تو وہ ہیں تیمور علی خان۔"

"نہیں۔ ہمارا بھی بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔ ہمارا ایک بہت عزیز بچہ ہمارا بھائی تھا۔ جسے ہم کھو چکے۔" یاور علی خان نے فوراً ماہین کی بات کاٹ دی۔ بابا کا کرب تھا ان کے لہجے میں۔

ماہین چپ ہو گئی۔ اسے احساس تھا کہ یہ وہ کیس ہے جس میں دو سگے بھائیوں کی غیرت کا سوال ہے۔ اور وہ کبھی ایک دوسرے سے ہاتھ نہیں ملا سکتے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اور یاور علی خان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی۔

"بہت سے نقصانات واقعی ناقابل تلافی ہوتے ہیں۔ مگر جلے ہوئے لمحوں کی راکھ پر تعمیر نو کے نئے کھیتوں کی فکر ہے۔ اب تو ساری توجہ کا مرکز آپ کے اپنے بچے ہونا چاہئیں۔ آپ کی بہترین صلاحیت اپنے بچوں کی خوشی اور تحفظ میں صرف ہونا چاہیے۔" وہ بہت ملائمت سے کہہ رہی تھی۔

یاور علی خان خاصی دیر سر جھکائے خاموشی سے سوچتے رہے۔ ماہین نے انہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔ پھر ایک خواب کی سی کیفیت میں گویا ہوئے۔

"ماہین! آپ کا دل بہت دکھتا ہے یا کوئی مصلحت ہے۔ اگر مصلحت بھی ہے تو آپ کے حوصلے کی مظہر ہے۔ ان دونوں صورتوں میں میں آپ کو ایک مشورہ دیتا ہوں۔"

وہ سنبھل گئی۔ "خدا کرے آپ کی آنکھوں کی نمی کبھی اب ختم ہو جائے۔ یہ بہت اچھی ہے آپ پر۔" وہ ہنس دیے۔

رہے گی۔

"مصلحتیں کچھ ایسی ہی ہیں۔ یہ بڑا گہرا مطلب سوال ہے۔" وہ اپنے مخصوص تکلف انداز میں ہی مسکرائے۔

"جب انسان ذات کے چھوٹے دائرے سے نکل کر کسی بڑے دائرے کا حصہ بنتا ہے تو یہ بڑا دائرہ اسے کئی سطحوں پر بہت کچھ سکھاتا ہے۔ چھوٹے دائرے میں انسان تنہا ہوتا ہے اور بڑے دائرے میں ساری کائنات اس کی ہم رکاب ہوتی ہے۔" وہ آنکھیں موندے بہت کرب آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔

ماہین اور یاور علی خان کی سرکاری ڈنر کے سلسلے میں جیسے ہی گھر سے نکلے۔ روشی بابی کو سوتی ہوئی سارے گھر میں پھیرتی پھری۔ ملازم سے پتا چلا کہ "صاحب" لان میں ہیں۔ وہ تھرکتی ہوئی لان میں آئی تھی۔

"یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔" وہ پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"مگر تو آپ ہی کے والد محترم کا ہے۔ حکم کیجیے کیوں بلایا؟ آپ کہیں تو ساحل ڈنر کے کارڈ بھیج کر بلوا لوں۔ اگر وہاں مچھلیاں پائی جاتی ہوں۔"

وہ بہت اچھا کہہ رہی تھی۔ ایک لمحے کو وہ بھی مسکرا دیا تھا۔ اس کی ذہانت پر چونک بھی اٹھا تھا۔

"تمہیں ہر وقت۔ ذاتی کی پڑی رہتی ہے۔ دیکھو سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔ مگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تمہاری طرف سے ہوگی۔ اب کیا سب کچھ میں ہی کیے جاؤں؟"

"غیر سب کچھ آپ کیلئے تو نہیں کر رہی تھیں۔ بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"بس اتنی آپ جناب میں مجھے بات کرنا اچھا نہیں لگتا۔ بس جو کہا ہے وہ تم کرو تو ٹھیک ہے۔ اوکے۔"

"یعنی وہ کہیں کہ آپ سے دشمنی رکھو جاؤں تو میں کہوں اوکے۔" وہ بہت دلچسپی سے اس کا سراپا دیکھ رہا تھا۔

روشی نے گھور کر اس کی سمت دیکھا۔

"کہہ کر تو دیکھو اوکے۔"

"لیجیے۔ آپ ہی تو کہہ رہی ہیں۔"

"دیکھو۔ اب میں تم سے بچے کی بات کے سامنے بات نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟" وہ شرارت سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"تم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ بچے نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"انکار کر دیا ہوں ان کا۔ فکر کرنے کی کیا بات ہے۔ جو ہوتا ہے، ہوتا ہے۔" وہ مزے سے مسکرا رہا تھا۔

روشی چڑ گئی۔ "تمہیں تو کوئی بھی بات ہی نہیں۔ سارا کچھ تمہیں فکر مند ہونا چاہیے تھا۔"

"اچھا۔ مجھے اکسائیز تو دیجیے کہ مجھے فکر مند کیا ہونا چاہیے۔" وہ شریر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"تمہیں مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا کہ بچے نے مجھ سے کیا بات کی۔ کیا مسئلہ ہے؟"

"وہ تو آپ کے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ کیا معاملہ ہوا ہے۔ میں آپ کی خدمت کے ساتھ ساتھ آج تک ایسا نہیں دیکھا۔ بھی دیکھا۔ اور دیکھ رہا تھا" آپ پاؤں رکھتی کہیں ہیں اور پڑتا کہیں ہے۔ خوشی سے جو حالت غیر ہے۔ مگر یہ بتائیے آپ ایسی خوشی کہاں ہیں؟" وہ بڑی سمجھ داری سے گویا ہوا۔

"مجھ سے تو کسی نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے کسی خوشی کا سراغ ملتا ہے۔ یا وہ خانساں نے بھی مجھ سے کوئی خاص بات نہیں کی۔ اس میری نیم غیریت پر پھپھی اور مجھ کو خدا حافظ کہہ کر روانہ کر دیا۔" روشی نے کہا۔

"کس قسم کا خدا حافظ؟" روشی ایک دم حواس باختہ ہو گئی۔

"پتا نہیں۔ میں نے پوچھنے کی کوشش کی تو انہوں نے کہا۔ پھر سہی۔ صرف سائن کر دو۔ تمہیں اسی کی ضرورت ہے۔" وہ بہت سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

"سچ۔ تم نے کر دیے؟" روشی کا چہرہ اچانک سے لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا۔

"تو پھر کیا کرتا۔" باری نے بڑی سادگی سے کہا۔

روشی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اس سے پہلے کہ کاکا جان نے اپنے گھر میں سائن کرنے کو بلایا تھا تو کر دیے تھے۔ یہاں پر وہ خانساں نے کہا تو ان کی بات مان لی۔ ہمیں تو نوکری کرنی ہے۔"

روشی کا ایک ہاتھ ہونٹوں پر دوسرا دل پر تھا۔ وہ گنگ سی کیفیت میں کھڑی تھی۔

"میرا خیال ہے یاور خانساں نے اسی لیے کہا تھا مجھے۔" وہ طیاں آرائی کرنے لگا۔ مگر نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"تم نے سائن کر دیے؟"

"جی۔"

روشی کی تو جیسے بے جان ہو گئیں۔ وہ بمشکل گھاس پر بیٹھ گئی۔

"ایسا اس طرح نہیں کر سکتے۔ وہ تو بہت گھٹیا حرکت کرتے ہیں۔ مگر وہ بہت اچھے ہوں گے۔" وہ دم بخود سی کیفیت میں بولے جا رہی تھی۔

"آپ کیوں پریشان ہیں؟" وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

"اس لیے کہ تم پریشان نہیں ہو۔ تم نے اتنی آسانی سے سائن کر دیے۔ تم جیسے فضول انسان کے لیے میں نے اپنے ابا سے لڑائی کی۔"

"جی۔ مگر آپ کو ان سے یہ حرکت نہیں کرنا چاہیے تھی۔" وہ معصوم سے انداز میں حیرت و تاسف کا اظہار کر رہا تھا۔

روشی نے غصے سے اٹھا کر اسے ایک لات رسید کی۔ پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک بلک کر رو دی تھی۔

"میں آج ہی مر کے پہلی جاؤں گی۔ وہ تمہاری صورت دیکھوں گی نہ پاپا اور بابا صاحب سے کبھی ملوں گی۔ سب نے مل کر میرا اعتبار توڑا ہے۔"

وہ ان کی طرح رونی کی کیفیت میں گھر آ گیا۔

"اور تمہاں تو جیل حرام کر دوں گی۔" اس نے روتے روتے دانت پیس کر دھمکی دی تھی۔

"اور سائی گا۔۔۔ وہ ٹانگے والے کو بلا لے گا۔ روشی جوگے۔"

وہ اس کے قریب ہو گیا۔ وہ تو ڈر کر اس کی آواز بھی نہیں آ رہی۔

اس کے ارادے بھانپ کر روشی نے تابڑ توڑ لاتوں سے اسے دور دھکیلا اور خود اٹھ کر بھاگ لی۔

وہ اسے اٹھا کر اندر لے گیا۔ اس کا سکتہ ٹوٹا نہیں تھا۔ وہ ملازم کو سامنے بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ جس کے دیکھنے کے بعد "واقعہ" مشہور ہوا تھا۔ خوفناک حد تک بدصورت۔

"حضور! آپ گئے تھے۔" وہ اس کے ہاتھ پیر ٹٹولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اسی دم ملازم کی نگاہ اس گوشے پر پڑی تھی۔ وہ بمشکل ان جھاڑیوں کے پیچھے سے باہر نکلا تھا۔ وہ کانپ رہا تھا۔ آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟ سانپ تو نہیں ڈس لیا۔ اور بہت سانپ نکلتے ہیں۔"

وہ روشی کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔

"صاحب کو کچھ کہا ہے؟"

"بھاگ کر ایک گلاس پانی لاؤ۔ سانپ والے نے نہیں ڈسا ہے۔ طبیعت خراب ہوئی ہے۔" ملازم تیزی سے اندر چلا گیا۔

باری تشویش بھرے انداز میں اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ عجیب سی شرمندگی اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

ملازم پانی لے کر آیا تو اس نے چھینٹے کے انداز میں اس سے گلاس لے لیا۔

"روشنائے۔" وہ پانی کے چھینٹے بھی مار رہا تھا اور آواز بھی دے رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد روشی نے آنکھیں کھول دیں اور باری کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہی ہو۔

"اوہ۔ تھینکس گاڈ۔" باری نے سکون کا سانس لیا۔ اور ملازم کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا۔

"دوست کا عیبل کھلتی ہیں اور دیا کو دشمن بھی ایسی نہیں کرتا۔ اچھے بھلے۔ وہ سمجھ گئے تو مشکل ہو جائے گی۔"

روشی اسے پاگل سمجھ رہی تھی مگر کوئی حرکت نہیں کی۔

"بیٹھیں۔ گیٹ اپ۔ اٹ واز اوفی اے جوک۔ کیا میں آپ سے معافی مانگ سکتا ہوں؟" اس نے ایک طرف پڑا ہوا گلاس اٹھا کر روشی پر پوری کی ڈال دیا۔

اور روشی جیسے حواسوں میں واپس آ گئی۔

"فول۔ جوکر۔ مائی فٹ۔" وہ اسے برا بھلا کہنے لگی تھی۔ مگر باری کے چہرے پر اس قدر شرمندگی تھی کہ روشی کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

www.Paksociety.com
www.paksociety.com
www.Paksociety.com
urdunovels.net

اگر کسی سرمایہ دار کو اس کا کوئی سرمایہ ڈبونے کی غرض سے بھی دی جائے تو اس کا بہت نفع ہو سکتا ہے۔ بہت بہت نفع بھی ہو سکتا تھا۔

وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی اور دوپٹا درست کرنے لگی۔

"کیا سمجھوں اسے اور کیا کہوں اسے۔" باری بہت تلخ روانی کے ساتھ مسکرایا۔

"اللہ تمہیں توفیق دے۔ جان نکال دی ہے کسے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"دل چاہ رہا ہے کہ پھر کبھی بات نہ کروں تم سے۔" وہ آنکھیں پونچھنے لگی۔

"بہت مشکل ہو جائے گی۔ بچے عموماً ماں باپ کے درمیان کی کڑی ہوتے ہیں۔ ان کے لیے بہت مشکل ہو جائے گا۔ یہ بھی سوچ لیں۔"

روشی کی پلکوں پر جیسے سوں بوجھ آ پڑا۔ اسے باری سے اس طرح کے فراق کی امید نہیں تھی۔ وہ جس حیثیت میں اس سے قریب تھا وہ بڑی مضبوط تھی۔

"تم مجھے بلیک میل کیوں کرتے ہو؟" اس نے جلدی سے بات کا رخ پھیرا۔

"کسی اور کو کر لے گا تو آپ پھر مشغول ہو جائیں گی۔ اگر اجازت ہو تو۔"

روشی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی نظریں ہوزجی ہوئی تھیں۔

"بچا جو کہیں مان لینا۔ کوئی گڑبڑ مت کر دینا۔ بچا کہہ رہے ہیں اگر تم اپنے فیصلے واپس نہ لو تو جا سکتے ہیں۔ تم کہہ دینا ٹھیک ہے۔"

"مگر میں اپنے فیصلے کیوں جاؤں۔ میری تمنا ہے کہ بقیہ ان تو آپ کے ساتھ پریشانی میں گزریں۔ فیصلے واپس لے لوں تو وہاں آپ کیلئے رہ جائے گی۔ آپ کو تو ہماری پہنچ کا بہت شوق ہے۔ ہمارے ہاں یہ عورت جیداری نہیں مان سکتی۔ عقیدہ کپڑے بیچتی ہے۔ اگر مرد کے بیٹے کی ماں ہو تو بیٹے کے جوان ہونے تک موتی کنڈ رہتی ہے۔ اور مکمل پردے میں حکومت کرتی ہے۔ دوسری شادی نہیں کرتی۔"

روشی آنکھیں پھاڑ کر اس کو دیکھنے لگی۔ "یہ؟"

"کہتے ہے۔ تم ہو باری!" اس نے باری کو سر سے پاؤں تک بھیگی نظروں سے دیکھا۔

"کہتی رہیے۔ ایک دن آپ کے سارے اندازے غلط ثابت ہوں گے۔ آپ کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ وہ ہاسپٹل یہ ہے کہ کام اپنے وقت پر کرتے ہیں۔ جیسے صبح اٹھ کر وقت پر ناشتہ کرتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے شیو اور پھر کپڑوں کی خریداری کرتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ اور کرتے ہیں۔ پھر دفتر کا وقت ہو جاتا ہے۔"

"اچھا اس اس۔ زیادہ ڈینگیں نہ مارو۔ اب تمہارے کی ضرورت نہیں۔ باری باری سے بوجھ نہیں کرو۔ بلیز۔ مجھے سب آسان لگتا تھا۔ بہت مشکل ہے۔" وہ بولتے بولتے رو دینے کو تھی۔

یہ کون لوگ ہے ہم آتی جاتے ہے
احساس برتری سے خلا ہو گیا ہوں میں

وہ باری سے ساتھی سے مخاطب تھا۔

"روشی نے آپ کے تو مجھے اپنی حواس پر لگا دیا ہے۔ میں خود کو وہ ہر اعتماد ہوں جس کے سہارے وقت گزر جائے گا۔"

وہ بات بیگ کے گلوز سمیٹتے ہوئے خود کلامی سے دوچار تھا۔

وزیر اگر چہ ایک بیگانہ تھا۔ سارے شہر کی کریم جمع تھی مگر ماہین کے اور وہ محسن کا دامن پکڑے اس سب ایک مستقل بے کلی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ دروازے پر نظر ڈال کر یاور علی خان کے متعلق دیکھ لیتی تھی۔ وہ ہاسپٹل کے ساتھ بات چیت بھی اسے مصروف رکھے تھے کہ انہیں شاید یہ بھی یاد نہیں تھا کہ ماہین ان کے ساتھ ہے۔

ماہین کے اندر ایک اکھاڑ پچھاڑ تھی کہ دم نہیں پڑ رہی تھی۔ پہلی بار بے بسی اپنائیت کے احساس کے ساتھ اندر ہی اندر ایک جنگ چھڑ گئی تھی۔

غالب دانائی کا یہ حال تھا کہ خالی پیٹ لے کر وہ گوشے میں کھڑی ہو گئی تھی اور غالی الذہن کیفیت میں لوگوں کو دیکھ رہی تھی جو کھانے کے متعلقے کے بارے بحث کھا رہے تھے۔ اگر یہ یاور علی خان کی نظروں پر نہ پڑتی تو شاید وہ اسی طرح کھڑی رہتی۔ یاور علی خان اسے گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اور سفید لباس میں وہ انہیں اس کے آگے ہالہ کی طرح آتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ دوپٹا کو اسے اپنے ہاتھ پر لپیٹ کر پھر گوشے میں جا بیٹھی۔ یاور علی خان کی نگاہ تک اس پر ٹکی رہی تھی۔ وہ ویٹر کو ہاتھ میں تھامے ہوئے ان کے قریب چلے آئے۔

"کھانا نہیں کھا رہیں آپ؟"۔

"کھا چکی ہوں۔" اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"کیا بات ہے۔ طبیعت ٹھیک ہے؟" انہوں نے محسوس کیا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر کتنی دیر میں چلیں گے؟"

"اس پیشہ وہ ٹائم میں چلتے ہیں۔ آپ بلاوجہ ٹینشن کی نذر ہے تھیں۔ لیکن آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ جب تو مجھے کبھی نہیں معلوم ہوا ہے۔"

"پلیز۔ اس وقت میں کسی سے نہیں ملوں گی۔ بس گھر چلیں۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔"

اس نے کسی حسرت کو ناکام نہیں دیتے ہوئے جواب دیا۔

یاور علی خان نے ایک گہری نگاہ اس کے جھکے ہوئے سر پر ڈالی اور پھر کھانے کی طرف بڑھ گئے۔

www.Paksociety.com

گاڑی میں بھی وہ آنکھیں موندے پشت تک سے لگائے گم صم رہی۔ یاور علی خان نے بھی اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

مگر آگرہ میں انہوں نے ہوٹل پہنچ کر فوراً میں شب خوابی کا لباس تبدیل کیا تھا اور بستر پر چلی گئی تھی۔ یاور علی خان اس کی کیفیت سمجھ تو گئے تھے مگر خاموش رہے تھے۔ خیالات کی یورش تو ان پر بھی تھی۔ مگر بیس سال کی بے تکی محبت نے انہیں ایک مستقل شکل میں اپنا لیا تھا۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ اسٹڈی کے دروازے کی طرف بڑھے جو بیڈ روم ہی کے ایک کونے میں کھلتا تھا۔ یہ تھے سے مڑ کر مائین کی سمت دیکھا جو کروٹ کے بل جھکنے تاکہ سونے کی تیاری میں تھی۔

"سفر سے واقعی تھکن ہو جاتی ہے۔ شام کو آپ نے حیران کر دیا تھا۔ اب قدرے بہتر لگتا ہے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنا ہیں۔ بیٹھیں آج آپ آرام کریں۔ کل سہی۔"

وہ اسٹڈی میں چلے گئے اور جاتے جاتے بیڈ روم کی لائٹ آف کر گئے۔ مائین کو بالکل اندھیرے میں سونے کی عادت تھی جبکہ یاور علی خان نائٹ بلب کی روشنی میں سونے کے عادی تھے۔ مگر مائین کی خاطر سب سے پہلے انہوں نے اپنی یہ عادت ترک کی تھی۔ ایک وقت وہ بھی تھا وہ گھپ اندھیرے میں سونا چاہتے تھے اور آج انہیں گھپ اندھیرے سے وحشت ہوتی تھی اور نیند بہت دیر میں آتی تھی۔

مائین نے ان کے آخری جملے سے جگمگاہٹ طاہر کیا کہ وہ بیڈ کی سوئچ بورڈ ہے۔ اس شخص کو چھو کر اپنے پن کا احساس دلانا گویا وہ کسی امتحان سے دوچار ہوگئی تھی۔

یہ جو مجھے محض اپنی میں سال کی دبکتی آگ کو بھڑکا کر نے کے لیے اپنے گھر میں گھیر کر لایا ہے۔ کس کس دل سے مائل محبت کروں۔ بہتر یہ ہے کہ میں تمام کو اس کے گھر میں داخل ہونے دوں۔ مگر ہر سطح پر مزاحمت کروں۔ سب سے مضبوط لوگ وہ ہوتے ہیں جو روحانی راستوں پر چلنے کی لگن رکھتے ہیں۔ مائین نے لوگوں کو کسی کی پیروی طریقت کو اختیار کرتا ہوا پایا ہے۔ جو ان وسعت الفاک کے حامل قلب کو عزیز بہت کی طرف لے جاتا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی نے بیس سال اپنے مرشد کے ہاں پانی بھرا تھا اور جب بیس سال ان کے مرشد نے پوچھا تھا۔ لڑکے تجھے کیا چاہیے؟ آتش عشق قلب میں دہک رہی تھی تو اصولی جواب یہ آتا کہ مجھے بیس سال بعد آج تم پر جو کچھ ہے میں مگر روشنی وہ ہدایت کے نور ہے مگر وہ ہوئے اپنے طرف دیکھا اور اپنی ساری سے اپنے روحانی مستقبل کا پاپا اور فوراً عرض کیا۔ معین الدین۔

بیس سال بعد آنے والے اولیا کی نظر التفات کا انتظار کرتے ہیں۔ اور شرح صدر کی خاطر بیس سال صرف پانی بھرتے ہیں۔ یہ "معین" کرو۔ بیس سال تو بڑی بات ہے ہم نے بارہ بارہ سال کی عمر میں آپ کی خاطر آپ کے کان کھینچے پھر پلٹ آئی تھی۔ کبھی کبھار اور ملی ہوئی۔ دل دیا کرنے کے لیے اور اتنا دیا کرنے کے لیے وہ سر شد کہاں کہاں سے لاؤں گی شرح صدر کا مرحلے ہو۔ طرف وہ سب تھے بیس سال وہ۔

دل ہوا ہے تھا ہے ہاں کہ انہیں کر سکے۔ کل ہو سکتے ہیں۔ یاور علی خان کا سر ہلتے ہیں۔ آپ نہا سو جائیں ہیں اور ہم کون سو ہے۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔

"یاور علی خان آپ تو اتنی بے دردی سے لکھتے ہوتے ہیں۔ کہ جیسے ہم سے ہمارا ہی دل مانگ رہے ہوں۔ بہت مشکل ہے ہوتا ہے۔ کہ ہم کسی انسان سے اس کا سکون سب چھین کر ہو کر کسی سب تھوڑے جان لگتی ہوں۔ مجھے ان میں لے جاتا ہے۔ کچھ کہنی ہاں نہیں کرتا۔ کیا صرف ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم بھاگ جانے والوں کو واپس لائیں۔ کہاں۔ کس حساب میں آئے۔"

وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھی۔ اور منہ سے پیچھے آ رہی تھی اس کے قدم اسٹڈی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی اور وہ کھل گیا۔ اسے دیکھ کر حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ یاور علی خان ہوا کر بیٹھے تھے۔ ٹیبل لیمپ کی ہلکی روشنی میں ان کی انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ دھواں نظر آ رہا تھا۔ ٹیبل پر کوئی کتاب رکھی تھی کوئی فائل موجود تھی۔ یہ سب اسی طرح اپنی جگہ تھی جس طرح چھوڑ کے گئی ہوتی ہے۔

یہی وہ اپنی "جگہ" اس موسم میں لائے تھے۔ وہی اندھیری جگہ جس سے بڑی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ جہاں یاور علی خان مگر سب سے وہ اوٹ کا انتظار کی اس جگہ میں ہوتی ہے۔ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ وہ صدا موجود ہے تھی ہے۔ سب بھی۔

وہ ننگے پاؤں تھی اور پاؤں کے پنجے کانپ رہے تھے۔ یاور علی خان کو اس کی آمد کا پتا نہیں چل سکا تھا۔ پھر اس نے اندھیرا خاموشی ہوئی تو وہ دروازہ کھلنے پر اٹھ آئی۔ وہ آہٹ سے چونکی ہوئی ان کے قریب آ گئی۔

"کیا ہے یاور علی خان۔ کچھ حساب کتاب کی باتیں کرتے ہیں۔" اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی بھی تھی اور غصہ بھی تھی۔

یاور علی خان کے لبوں پر کوئی دعا کا ہوا تھا۔ جانے خیال کے کس پاتال سے ان کو لاوا پھوٹ نکلے اور اپنی گویائی سرخ آنکھوں سے مائین کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ مائین شام کو تھی وہ اب بکھرات نظر آ رہی تھی۔ بھی۔ بالکل انجان اور غیر۔

"کیا ہوا ہے یاور علی خان۔"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ یعنی اب آپ علاج کا سوچ رہی ہیں گے۔ مگر یہ ڈر نہیں جو میرے اندر کی خان ہوا۔ کل آپ کچھ نہ ہو جائے۔ خود پر ایک خطرے کا احساس ہوا آپ کو بہت عجلت میرے ساتھ ہوا آتی جاتا ہے۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔ صرف آپ کی "ہاں" میں وہ ہو جائے کہ میں ہو جاؤں گی اور آپ کو ہر عجلت سے اختراب نہیں کروں گی۔"

وہ بے کی سے اشک پیتے ہوئے ہم کو ہم تھی۔

یاور علی خان نے بھرم ہوتے ہوئے ٹیک کر اکٹھا کیا اور مائین کا ہاتھ تھام کر [illegible]

چلے؟"

"بگو نہیں ہوں اس آپ کو ہمیشہ سے ساتھ کل ہر صورت چلنا ہے اور ضرور کی تحریر ان بھت جائے گی۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"آپ تو بہت خوش واپس آئی تھیں۔ اور اتنا بہت بگھ جان کر بھی بہت اپنی تھیں۔ پھر اچانک کیا ہوا ہے؟" ان کی تشویش بجا تھی۔

"آپ میرے ساتھ کل چل رہے ہیں یا نہیں؟" وہ اسی انداز میں مسکرائی تھی۔

"ٹھیک ہے چلتے ہیں۔ کس وقت؟" انہوں نے جیسے بگھ سوچا لیا۔

"جب آپ کی مرضی بگھ لیں۔"

"ٹھیک ہے پھر صبح ہی چلتے ہیں ارلی مارننگ۔ شام سازے چھ بجے یہاں بہت اہم میٹنگ ہے۔ باقی سازے پانچ بجے واپس آ جائیں گے۔ زیادہ دیر تک والی تو کوئی بات نہیں؟" وہ پوچھ بھی رہے تھے اور الجھ بھی رہے تھے۔

"نہیں وہاں پہنچنے کے بعد تو صرف دس منٹ آپ مجھے اسے دیکھنے گا۔" ماہین کو قدرے قرار سا آیا۔

"اوکے۔" یاور علی خان صوفے کی پشت سے پیچھے ٹیک گئے۔ "پھر آپ آرام کریں۔"

انہوں نے ماہین کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے بازو کے گھیرے میں تھام لیا۔

وہ بظاہر کسی مزاحمت کے اس کے سر پر تھپکی دیتے ہوئے پانی اٹھا کر ایک ہی سانس میں پی گئی۔

راستے بھر تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ عام سی بات چیت کے سوا کوئی اور ذکر نہیں چھڑا تھا۔ مگر ایک دوسرے کی الجھن انہوں نے سارے راستے محسوس کی تھی۔

حویلی میں بگھیا اطلاع کی آمد نے عجیب ہلچل بپا کر دی تھی۔ یاور علی خان کے تو معمولات میں شامل تھا کہ حویلی میں کبھی بھی وقت ان کی آمد متوقع کی جا سکتی تھی۔ مگر ماہین کو ابھی چند روز ہی ہوئے تھے خیال تھا کہ شائد کی وجہ سے۔ اس عرصہ ہو سکتی ہے۔ بگھ حویلی میں یوں بھی کھلبلی تھی کہ روشی اور باری کا معاملے ہوئے ہونے کی طرف بھی ہر وقت کا دھیان تھا۔ سب نے یہی خیال کیا کہ کوئی بات ہوئی ہے اور وہ دونوں بابا صاحب کے پاس آئے ہیں۔ دیر تک خواتین بگھ جانے کے شوق میں اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔ پھر جب اس نے روشی سے متعلق کوئی بات کی نہ کر کی تو آخر کار اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ بگھ میں ہوا ایک گھنٹہ باقی تھا۔ وہ ہال سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلی آئی۔

"کہاں ہیں آپ؟" بابا صاحب سے ابھی ملے نہیں گیا کہ پہلے یہ تو بتا چلے کہ آپ مجھے یہاں کیوں لائی ہیں؟"

"بھائی بگھ بتی ہی جان دیجیے ہوا تیں کرنی تھیں۔ مجھے تو وہ آپ سے زیادہ بے چینی اور جلدی ہے پیتے۔ آپ بیٹھ جائیں۔"

یہاں بابا صاحب کے پاس؟" یاور علی خان نے اظہار تعجب کیا تھا۔ ماہین نے اس کی وضاحت بھی۔

"آپ آ سکتے تو سہی۔" بگھ بھلا گی۔ یاور علی خان اس کے اصرار پر کمرے سے باہر آ گئے۔ وہ انہیں لے کر حویلی میں چل پڑی۔

حویلی میں قدم رکھتے ہی یاور علی خان نے اس کا بازو تھام لیا۔

"میں نے چاروں طرف مجھے اس کے پاس۔ مجھے اس کی حفاظت سے غرض ہے۔ کرنی وہ مجھے باہر۔ باری کے ساتھ ہوئی ہے اور اس تو تھا۔ تمہاری سب سے بڑی دشمن ہے۔"

"پتہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ حقیقتاً وہی آپ کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اس کے بعد اپنے دشمن آپ خود ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا تیسرا دشمن اس روشنے زمین پر شاید ہی ہو۔"

میں کسی وجہ سے آپ کو وہاں لے جا رہی ہوں۔ آپ کو پتہ چلے گا۔" اس کے انداز میں ضد کی جھلک تھی۔

یاور علی خان نے سوچتے ہوئے اس کی جانب دیکھا پھر گہری سانس لے کر ساتھ چل پڑے۔ یہ اسرار سے گہرائی کی ابتدا ہو رہی تھی۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں آئی۔

یاور علی خان کو بٹھا کر وہ دوسری کھڑکی کی روگی پھر جلدی سے سر پر آنچل ڈال کر سلام کیا۔ اور ماہین کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھنے گی۔

"بھوپر اس نے کمرے کی چابی کس کے پاس ہے؟"

"کمرا تو کھلا ہوا ہے چھوٹی زلیخا اور بہت جارحیہ ہو گئی ہیں۔ بے چاری کی۔ چل پھر نہیں سکتی۔"

بھوپر نے یاور علی خان کی موجودگی کے سبب بہت محتاط لہجے میں جواب دیا۔ ماہین نے یاور علی خان کا بازو تھام کر خاصے خفا ہو کر وہ موقع پاتے ہی کہیں نکل جائیں۔ مگر

وہ مگر۔ کر اس کمرے میں اس کی کوٹھری کے سامنے آ گئے۔ بھوپر نے کھڑے ہونے کے دروازے میں کھڑی روشن کو دیکھ لی تھی۔

یاور علی خان کے چہرے سے ظاہر تھا کہ بہت مجبوری میں وہ یہاں تک آئے ہیں۔ مگر ماہین کے رویے نے ان کے ذہن میں سوالات جنم لیے ہوتے تو شاید وہ کسی قیمت پر یہاں نہ آتے۔

ماہین نے اندر قدم رکھا۔ اب اس نے یاور علی خان کا بازو چھوڑ کر ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ یہ ایک انسیاتی کیفیت تھی جس نے خاموش ہوتا تھا کہ اس وقت اس کی سب سے بڑی خواہش یاور علی خان کی موجودگی ہے۔

ماہین سے زیادہ یاور علی خان اسے دیکھ کر شاکڈ ہوئے تھے۔ ان کی پیشانی پر بڑیوں کا ہجوم پڑا تھا۔ آنکھیں اُبل پڑنے کو تھیں اور خوشہ میں بھی۔

علویہ کی اصلیت تو اس حد تک جواب دے گئی تھی کہ وہ حیرت و وحشت جیسے جذبوں کا اظہار کرتے۔ مگر وہ ہل بھی نہیں رہی تھی۔ اس نے پتلی تک بالوں سے بھرا سر جھکا لیا تھا۔

www.Paksociety.com
urdunovels.net

"اس قدر بے کس ہو گئی ہے۔" مہرم کے جواب میں ماہین نے بات مختصر مگر جامع انداز میں سمجھا لی۔

"بات کریں گی آپ؟" وہ سوال ماہین سے کر رہی تھی اور نظریں یاور علی خان پر تھیں۔ آواز بے حد کمزور اور تھکی تھی۔

"اس نے کہا کہ تم نے میری معصوم بہن کو برباد کیا ہے۔ تو یاور علی خان کا لہجہ سرد ہو گیا۔ ان کا غصہ ہمیشہ ناک پر آتا ہے۔ تھوڑی سی انتی پانی ہو۔ اسی کو بہا لے جاتی ہو۔"

ماہین کی آواز رندھ گئی۔ اس نے یاور علی خان کو بھی ساتھ لپیٹ لیا تھا۔

"ان کا خیال ہے کہ بابا صاحب کے کہنے پر یا تنگ آ کر میں نے تم دونوں کو مار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے میری انا بھی اس معاملے میں ملوث ہے۔ ان کے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ جی آئی اے سیٹ میں "باغی" سے بھی کہلوا لیتے ہیں کہ میں "غیور" ہوں۔"

زمانے بھر کی تلخی ماہین کے لہجے میں اتر آئی تھی۔

سلطانہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر یاور علی خان کی طرف دیکھا۔

"یاور خان!" اس کی کمزور آواز آنسو غالب آ گئے۔ "مم۔ میں گنہگار ہوں۔ دل سے توبہ کی تھی مگر علاج تھی رہ گئی ہیں۔ مگر میں نے ناشکری کی۔ بے قدری کی۔" وہ جھک کر یکلخت خاموش ہو گئی۔ ہاتھ ابھی جڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ گوشوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"بہو رخان سے کہیے گا۔ ہماری طرح انہیں کوئی نہیں چاہیے گا۔ تلخی آگ تھی میرے عشق میں کہ یہ طرف آ گئی۔ جو سامنے آیا جل گیا۔"

وہ پھر خاموش ہو گئی۔ اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"بھولی بی بی جان کو ایک غزل سنائی تھی۔

ع شعلہ سا جل گئی ہوں ہوا میں مجھے نہ دو۔

انہوں نے اپنا بہت خوبصورت سوٹ اتار دیا تھا۔ اور اب تو واقعی جل بجھی۔ خواب کی طرح۔ کبھی کبھی شعر بھی بہت سچے ہوتے ہیں۔ تیمور خان سے کہیے گا۔"

یاور علی خان اس کی بات سنے بغیر یکلخت کوٹھری سے باہر نکل گئے۔ (بھالا) ماہین بھی ان کے پیچھے لپکی۔

راہ میں پھر ٹھہر کر کھڑی ہو گئی۔

"اگر میں اسے تھپی نالم دوا نہ کھلاتی تو آج آپ کو زمین کے اوپر نہ تھی۔" مہرم نے اپنی کارکردگی کا ذکر ضروری سمجھا۔

"میں تمہاری شکر گزار ہوں مہرم! میں تمہیں حویلی کے بچھوا ڈے سے نکال کر اپنے گھر لے جاؤں گی۔ آنکھوں والی تمی انسان کو نہیں رکھا جائے گا۔"

"اب مجھے کہیں نہیں جانا۔ پھر پالی حویلی کھول سے۔ دل تو آباد نہیں ہو سکا۔ بوڑھی نانی کی خدمت کرتے کرتے بیچ

ہوں گی۔"

مہرم تمی واقعی یہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جگہ جس میں اس نے اپنے ماں باپ کی محبت کی چھاؤں میں زندگی کے پہلے سال گزارے تھے۔ جہاں اس کی ماں کی مسکراہٹ اور آواز کی مٹھاس ہر جگہ بسی ہوئی تھی۔ جہاں کی ہر چیز سے اس کی یادیں وابستہ تھیں۔ وہ جگہ کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ اس نے اس کے آگے پیچھے کا رکھا تھا۔ کھلے میں سوگ منا رہی تھی۔ اس کے دل کی دنیا ویران ہو گئی تھی۔ اس عورت نے اس کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ اس کے باپ کو مار ڈالا تھا۔ اس کی ماں کو پاگل کر دیا تھا۔ اس کی زندگی برباد کر دی تھی۔ اس کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ اس عورت نے تو اس کی جنس کو بھی ادھورا کر دیا تھا۔ اس کی تمی

بکھرے بعد مقرر اچھا ہوا تو سامنے یاور علی خان کو پایا وہ کوٹ اتار رہے تھے۔

"کھانا کھالیا؟" وہ مایا سے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں۔ آپ نے کھالیا؟"

"ہوں۔" بہت مختصر جواب آیا۔

"تو پھر کھالیں۔ شاید وقتی بھی آپ کا انتظار کر رہی ہو۔"

"ہوں کھالوں گی۔" اس نے دلال لگاک کی سمت دیکھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

"میرا خیال ہے بہت تھک گئی ہیں۔ ویسے آپ نے بہت زحمت کی۔ جب انسان کسی کی واقعی پرواہ کرتا ہے تو حقائق روشن ہو ہی جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے۔ بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ نتائج الٹ ہو سکتے ہیں نہ کنارے۔"

وہ کوٹ اور ٹائی صوفے پر ڈالتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"یعنی آپ کا مطلب ہے کہ آپ آل ریڈی سب کچھ جان چکے تھے۔ جب ہی تو میں حیران ہو رہی تھی کہ آپ دو چونکے نہیں ہوئے۔ لیکن جب حقائق روشن ہو چکے تھے۔ تو مجھے نظام کی بھینٹ چڑھانے اور استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ ایک دم تلخ ہو گئی۔

یاور علی خان بُری طرح چونک گئے۔ "نظام؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"یہی کہ آپ نے میری بہن کو قتل کا ثبوت پہنچانے کے لیے مجھ سے شادی کی۔"

"بیسو فولی نان سنس۔" وہ غصہ کے باعث کھلتے کھلتے ایک دم ٹھٹک گئے۔

"تو پھر آپ کو ایک اور قربانی دینا چاہیے تھی۔ سنگ میل کی طرح مجھ سے صرف نظر کرتے گزر جانا چاہیے تھا۔ کیوں ٹھہرے۔ رکے پھر کیوں۔ کیا آپ کو احساس نہیں تھا کہ پھر بھی آپ سے شادی آدھر تھی یہ بھی شاکنگ خبر ہو گی؟ وہ تھی یہ بھی آپ کی الجھن میں مبتلا ہو جائیں گی؟" مایا جھنجھلا پڑی۔

"آپ یہ سب سوچنے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن آپ سے شادی کی وجہ یہ نہیں ہے۔ غلطی کے جس موڑ پر مجھے نکالا گیا تھا۔ اس موڑ پر صرف آپ کھڑی ہوئی تھیں۔ شاید خواہش خواہش ہی رہتی مگر آپ کی توجہ سے تو بہت جانا کوئی آسمان بات نہیں تھی میرے لیے۔

فائلوں "کتابوں میں مستقل رہنا کیل تھی۔ بھائیوں کی طلب پر تو ان کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے جو ہم آپ میں بہت چلے ہوئے۔

آپ مجھے اس پابند کر سکتی تھیں۔ میں آپ کو ظلم نہیں کر رہا ہوں۔ چاہے جانے کی خواہش ہر ایک شخص میں موجود ہوتی ہے۔ ایک خوبصورت "ماحول، ویل بجھ کیجوئل کی ہر مستقل انسان کو اپنا گرویدہ کر سکتی ہے۔ اور عالم دیوانگی میں تو ایک لڑکی کی جھلک (لڑکی کرتی ہے جبکہ وہ اس پابند بھی دکر رہی ہو۔ پھر کوئی مصلحت، اقدام نہیں رکھتی کہ دیوانگی کے اس مقام پر جراحت کر سکے۔ ابھی تاج کے ہوش ہو چکا تھا کہ کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔

ہوش میں لے آئی تھی۔ آنے والے کے لیے اب جگہ بنانے کی تھی۔ جو بلی کے لیے اب جگہ بنانے کی تھی۔ مجھے کوئی بات سمجھانے میں کبھی دشواری نہیں ہوئی۔ آپ نے سب سمجھ لیا ہو گا۔"

"سب نے جو کیا وہ غلط کیا۔ سب پر اس تفتیش کی بھٹک بھاری پڑ رہی ہے۔ سوائے آپ کے کہ یہ دل ہے جو آپ کی ذات میں ٹھہر گیا ہے۔" مایا کی آواز بھرا گئی پھر جملے نہ کہہ سکی۔

یاور علی خان نے غرت آمیز کھوٹے پر ڈال دی۔ مایا نے آنکھیں موند لیں۔

"جس کے ذہن میں ٹھہر آئے وہ کہہ سکتا ہے اس کا راستہ نہ ہے مگر سب حاصل کیا ہے آپ سمجھا سوچا ہے۔ دولت اور جواز کا سوچا ہے۔ آپ کے پاس کیا ہونا چاہیے سب زیور صرف کیا جا چکا ہے۔ اور اس۔ آپ کے لیے آپ کی ذات ہی ہونا چاہیے۔ آپ کو ایسا ایک شخص ہونا چاہیے۔ آپ کے مستقل قسم کے کنوئیں کا مددگار ہونا چاہیے۔ میں ہر جواب جاگیر میں غیر ضروری حصے دار ہیں۔ ان کے بیٹی فلس تو وہ تھک سکتے ہیں۔"

مایا نے ان کی طرف حیرت زدہ سے دیکھا۔

"یاور صاحب! کوئی موت کی دلیل پر آ پہنچا ہے۔ ایک مرحلہ تو اعتراف تک پہنچا دیجیے۔"

"ایسی بہتر ہو گا ایک وقت میں صرف ایک طرز کا ماحول ہو۔ کیا آپ کی آمد کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ ہمارے درمیان کچھ نہ پہنچے۔ دوسری طرف اس کے معنی اپنی اہمیت کھو چکے ہیں۔ اب آپ مجھے کسی فعل کے لیے مجبور نہیں کریں گی۔" وہ بہت شوخ حال اور شگفتہ آواز میں کہتے ہوئے دراز رو ہو کے شب خوابی کا لباس نکال رہے تھے۔

"مائی اللہ! مجھوتے کی ماہر تعلیمیں۔ کیا معلوم کسی معاہدہ حیرت زدہ آ کھڑی ہو۔"

"جب حقائق روشن ہو گئے تھے۔ تو یاور علی خان سے اس قدر نفرت کیا معنی؟ کہ ان کے دوست کا بیٹا بھی آپ کی ناپسندیدگی کی زد پر آ گیا۔"

ڈریسنگ کی سمت بڑھتے قدم رک گئے۔ یاور علی خان نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھا۔

"یہ نفرت نہیں ہے اعلیٰ درجے کی ذلت آمیز بے اعتنائی ہے۔ اس اول لمحے میں جب ہمارے درمیان کچھ نہیں تھا۔ میں نے تمہارا کیا تھا۔ اس نے عدکر دی۔ اپنے ذکر کی اہمیت کھو کی کوئی قابل اور نہ تقاضے کا ہو۔ ہے۔ شیئر ہے آپ کا ہے۔"

"سب سے اہم ذمہ داری تو یاور صاحب پر عائد ہوتی ہے۔" مایا کہے بغیر نہ رہ سکی۔

یاور علی خان نے اپنی بات کے پورے ہونے کا ثبوت دیا اور خاموشی سے ڈریسنگ میں چلے گئے۔

واپس آئے تو مایا بے آواز اشک بہا رہی تھی۔

"آپ کو تکلیف پہنچی ہو۔ اور وحشت ہونے لگی ہے۔ اور فرار چاہتی ہیں۔"

"شب تعطلے ابھی سے کسی کا پیارا بچھڑنا ہے۔ تو لوگ اللہ کی رضا کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ حق بجانب ہیں۔ مرنے والوں کو بھلا دیا ہوں کہ رات اسی بیڈ روم میں ختم کر دیں۔ احساس کرم" کا ان تک نہ پہنچنا بہتر ہے۔ ممکن ہے زندگی کی علامت ہو جائے۔ دوسرا صورت میں وہ اگر بچ کر رہ جائے گا۔ جانا چاہتے آپ کو کیا کرنا ہے۔"

www.Paksociety.com

"آنی بڑا مشکل آنی بچوں کی۔ کوشش بہت پہلے ہوتی۔ مگر تعلیم اور کیریئر کی اہمیت اولین سمجھتے ہیں۔ اگر یہاں نہ ہوتا کوئی اچھا رشتہ تو ضرور کرتے۔"

اس نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کیں اور سلیپر پاؤں میں ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

باورچی خانہ آئینے کے سامنے کھڑے باؤں میں برش چلا رہے تھے۔

"کیسا اتفاق بن گئی ہے۔ میری زندگی۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔

غلام محمد کا انتظار کرتے کرتے عورتوں کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ سب بچے ادھر ادھر پڑے سو رہے تھے۔ دور دراز سے میں باورچی خانے کے برآمدے میں بانو کی ماں ہی جاگ رہی تھی۔

بارہ بجے سے کچھ پہلے غلام محمد گھر میں داخل ہوا۔

بانو کی ماں بڑی سرعت سے اٹھی۔

"آنی دیر لگا دی۔ کہاں رہ گئے تھے۔ ایک تو حالات ایسے ہیں کہ اول ہول کر آدمی ہو گئی۔ مل گیا تھا عارف بیٹا اس کی لال خان سے؟"

غلام محمد نے کاندھے سے چارخانے والا رومال پلنگ پر ڈال کر ہاتھ اٹھایا جیسے کہہ رہا ہو صبر تو کرو دم تو لینے دے۔

"ایک گلاس پانی پلا دے۔" وہ پلنگ پر بیٹھ گیا۔

بانو کی ماں بڑی پھرتی سے پانی لائی۔ اس کی ایک ایک حرکت سے اضطراب ٹپک رہا تھا۔

غلام محمد نے پانی پی کر گلاس اسے واپس تھمایا۔ اور دونوں ہاتھ پلنگ کی پٹی پر جما کر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔

"اب تک بھی وہ عارف ملا یا نہیں؟" وہ اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"ملا تھا۔" غلام محمد اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"یا اللہ۔ پورا کیوں نہیں بول رہے؟ جواب کیا ملا؟" بانو کی ماں کا ضبط جواب دے گیا۔

"وہ ٹرخانے کا ارادہ ہے۔ کہتا ہے عرصے اقتباری ہوتی ہے۔ اسے دیکھ لو کہ اپنی عمر کی نیندیں گنوا دیں جیسے ہر وقت چوری کا دھڑکا لگا رہتا ہے جیسے ہے دروازوں کا گھر ہو۔ ہر آنے کا خطرہ کسی پل سونے نہ دے۔ ماں لے بانو کی ماں۔ ہمارے نصیب اچھے نہیں۔ ایک دار پر کو بھولی بھالی روشنی اس گھر میں آئی تھی بس۔"

غلام محمد ایک دم یوں خاموش ہو گیا جیسے اپنے ذکر پر نوحہ خوانی کرنے لگا ہو۔

بانو کی ماں بجھ سی گئی۔ اسے ایک گمان سا تھا کہ کسی نہ کسی طرح عارف لال خان کو آمادہ کر ہی لے گا۔

"عارف کہہ رہا تھا لال خان نے بچے کی اسے ذمہ داری قبول کرنی ہے۔ مہینے کے مہینے اس کا خرچہ بھیجتا رہا کرے گا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اگر بانو کی دوسری شادی ہو گئی تو وہ اپنے بچے کو آ کر لے جائے گا۔ اسے بھی اپنے ہاتھ پاؤں مارنے پڑیں گے۔"

بانو کی ماں کا چہرہ کیفیت سے بھر آیا تھا۔ "دوسری شادی؟ تم کو بھی ساتھ لے جائے اس سے کہا؟"

غلام محمد کے ساکت وجود میں تھوڑی سی حرکت ہوئی۔

"دماغ خراب ہے تیرا۔ ایسا اندھا بھی نہیں کر عمر بھر کی الفت کا سودا کرنے پر آ جائے۔ ہاں وہ سوچ ہی رہا ہے۔ بچے کے بغیر عورت۔ غلام محمد کے کردار کا حساب 55 کے سینے کے بغیر سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ وہ اور ہی قسم کا مرد ہے۔ کوئی کچھ کہہ سکتا ہے۔ اگلی چار دن میں بیاہ کر لے گا۔ اور اس کے گھر سے اس کے بچے کو لے جائے گی۔ اسے کہیں جانے کی بات نہ کرنا۔ اسے کہیں جانے کی بات نہ کرنا۔ اسے کہیں جانے کی بات نہ کرنا

روبی نے تانیہ کی ہدایت کی روشنی کو ترجمہ نہیں کیا تھا۔ اس کے سامنے گھروں کی سرزمین تھی۔ روشنی کے سلسلے تھے۔ مکانوں کا ہجوم تھا مگر بڑی گہری خاموشی تھی۔ خوبصورتی کے باوجود اس نے اداسی محسوس کی تھی۔ اسے یہ کہنا پڑا تھا۔

"بی بی جان! اس میں عجیب سی اداسی آتی ہے۔ میں مانگ لاؤں گی۔ یہ اداسی اچھی نہیں۔"

"تانیہ۔ خالص چنبیلی کے تیل میں اسے عجیب سی اداسی آتی ہے۔ یہاں میں سے کچھ اداسی آئے گی تو اداسی نہیں دے گی۔" وہ بہت بے مزا ہوگئی تھیں۔

اسے ہنگامے میں ماہین کے اچھے اچھے انداز کسی نے نوٹ نہیں کیے۔ ان چار پانچ دنوں میں اس نے دو مرتبہ سراسے فون کرکے نازنین کی خیریت دریافت کی تھی اور گھر میں ہر بلا ہونے والے خوشگوار ہنگامے کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔ گھر والوں کے کانوں نے سر سے اور عزیزوں نے کیسے۔

پرسوں روشنی کی رسمیں تھی اور آج رات گیارہ بجے نازنین نور یارک جارہی تھی۔ لڑکیاں کھانے کے بعد گانا بجانے بیٹھ گئی تھیں۔ وہ بڑی بے سکون اور بے کل سی اوپر لیٹرین میں آ کھڑی ہوئی۔ اور دور دور تک تاریکی پر خالی خالی نظریں دوڑانے لگی۔

"داد جی! آپ کی بیٹی کے پاس میں ہوں۔ میری خوشبو ہے۔ آپ ہیں تو اس کے قریب۔" اس کی آنکھیں ڈھلک گئی تھیں۔

جانے کب تک وہ بے خبری کی کیفیت میں کھڑی رہی تھی۔ یونہی خود بخود محسوس ہوا تھا کہ جیسے اس کے علاوہ بھی وہاں دوسرا کوئی ہو رہا ہے۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ یاور علی خان کھڑے تک رہے تھے۔

اسے متوجہ پا کر انہوں نے سگریٹ منہ سے نکال لیا۔

"آیئے۔ میرے ساتھ۔" وہ پلٹ گئے۔ اور ماہین کسی معمول کی طرح ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

وہ نیچے آ کر باورچی کی سمت بڑھ رہے تھے۔ اگلا دروازہ کھول کر ماہین کو اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ خود دوسری طرف سے گھوم کر آئے اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

ماہین نے انہیں سے پوچھا کہ وہ کہاں جارہے ہیں۔

چوکیدار نے گیٹ وا کیا اور یاور علی خان گیراج کی سمت گاڑی نکال لے گئے۔

صرف دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ اسلام آباد ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ رات کے منظروں میں بھی ان کے درمیان خاموشی حائل تھی۔ گیراج پورٹ پر نظر پڑتے ہی ماہین نے بے تحاشا چونک کر یاور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔ جواب میں انہوں نے ایک بار پھر اس کی سمت نہیں دیکھا تھا۔

"اگر کسی کو کوئی اہم چیز بھیجنی ہو تو یہ کارگو دیکھ لیتا ہے۔ آپ جائیے میں وہیں کر رہا ہوں۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" وہ بولنے لگی۔

"آپ جائیے کارگو آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔" بولتے ہی ماہین بہت گہرائی میں ڈوبتی محسوس ہوئی۔

سیاہ فلائنگ بوٹ میں بیٹھے تھے۔ اس نے ریسیپشن سے رجوع کیا۔ اور کارگو کھلوا کر اسے تسلی دی کہ اس کی ہدایت کے مطابق پیکنگ کرائے جائیں۔ صبح نو بجے تک یاور علی خان ادھر آ کر آپ سے مل لیں گے۔"

ماہین نے بھاگ کر اپنے کمرے میں جا کر پیکنگ کرنے کی تیاری کرنے لگی۔

تقریباً تین چار منٹ بعد نازنین اور یاور علی خان واپس آتے دکھائی دیے۔ نازنین کا دوپٹہ ہوا سے ہلکورے لے رہا تھا۔ ماہین نے نازنین کا جائزہ لیا تھا۔ کامدار سفید شرعت میں ملبوس جس پر ہیرے موتی ٹرانسپیرنٹ کے رنگ کے ستارے ٹکے ہوئے تھے۔ بھاری زرد رنگ کا دوپٹہ سینے اور بازوؤں پر پھیلا ہوا تھا۔ جس پر کامدار سفید رنگ کی بھاری بیل لگی ہوئی تھی۔ کمال کی جاذبیت تھی۔ کمال کی دلکشی تھی۔ بال سادہ چوٹی کی شکل میں بندھے ہوئے تھے۔ ہیرے موتی کے جھومر پیشانی پر روشنی کر رہے تھے۔ بائیں ہاتھ میں بیگ اور زرد رنگ کی بہت کم چوڑیاں تھیں اور بائیں کلائی پر چمکتے ہوئے گولڈن ریسٹ واچ تھی۔ خلوص کا یہ پیکر کس طور کسی سے کم نہیں تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم بھرتی باہر آئی تھی۔ سامنے ماہین کو دیکھ کر خوشی اس کی آنکھوں میں جھلملائی تھی وہ بڑی بہن کی سی محبت سے اس کی سمت بڑھی۔ اور اسے گلے سے لگا لیا۔

"مائی گاڈ۔ یہ تو بالکل غیر متوقع ہے میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بالکل۔ بہت اچھا کیا۔ کوئی تو اپنے وقت رخصت سامنے ہو کر آخری تصویر آنکھوں میں بسا رہے۔"

"خدا نہ کرے بجوا اللہ کرے آپ صحت کی خوشخبری بہت جلد سنیں۔" ماہین نے ٹوک کر اسے روکتے ہوئے کہا۔ "کتنی حسین لگ رہی ہیں۔ سب آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ خدا کرے یہ تابندگی میں تمام عمر دیکھوں۔ آمین۔"

"کیا کروں گی صحت پا کر۔" وہ افسردہ سے انداز میں مسکرائی۔

"بہت سے لوگ اب بھی آپ کی ضرورت بہت شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ یہ کفران ہے۔" وہ سمجھانے لگی۔

"ڈرائیور کے ساتھ آئی ہو؟ روشی اور نفاد کیسے ہیں؟"

"جوزف بھی آج آ رہا ہے اسلام آباد۔ روشی کیلئے۔" اس نے جلدی سے جواب دیا۔

"اچھا اپنے کسی کام سے آ رہا ہے یا ویسے ہی تم لوگوں کے ساتھ ویک اینڈ گزارنے؟" نازنین کے لہجے سے خوشی چھلکنے لگی۔ "میں نے سنا ہے۔ میرا بیٹا بہت کریئٹو ہے۔ ماشاء اللہ۔ تم کہا کرو اگلی ہوا ان لوگوں کے پاس۔ ہماری جان کو سکون مل گیا ہے۔ ان کی زندگی میں بہت سے سودے کریں گے۔ اچھے فیصلوں میں ان کی معاونت کرنا۔ آئی وِل تھینک فل لو۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر گرمجوشی سے ماہین کو گلے سے لگایا۔ کافی دیر تک صوفے پر ایک دوسرے کے ساتھ محو گفتگو رہے۔ پھر اٹھتے اٹھتے آن پہنچا۔ نازنین بہت دکھ سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو ماہین کی کمر

www.Paksociety.com

تیمور علی خان پر پڑی۔ غالباً وہ ڈاکٹر کو بلانے کی غرض سے وہاں تک آئے تھے۔ شیشے کے پیچھے کھڑے ہوئے تیمور علی خان ڈاکٹر کے ساتھ بہت ہم آہنگ نظر آ رہے تھے۔

"آپ تو آئی سی یو میں ہوں گے۔ ان کے ساتھ اتنی ان کریبل حالت گزار رہے ہیں۔"

تیمور علی خان نے الوداعی انداز میں اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو حرکت دی اور ڈاکٹر کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

ماہین جانے کس خیال میں گم رنگ فق لئے کھڑی رہ گئی۔ کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر گویا ہوش میں آئی تھی۔ اور بہت عجلت بھرے انداز میں پارکنگ لاٹ کی طرف آئی تھی۔

یاور علی خان اپنی طرف کا دروازہ کھولے۔ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ماہین نے کوئی بات کیے بغیر کار ان کی سمت بڑھا دی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

انہوں نے خود ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

ماہین نے مدھم روشنی میں ایک نگاہ ان کے چہرے پر کی۔ آنکھیں نیم وا۔ ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے۔ جانے کیوں کوئی عام سی بات کرنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ اس نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

ڈر کا انتظام بہت اچھا دیکھا نے پر تھا۔ جتنے افراد حویلی کے تھے اتنے ہی باہر کے تھے۔ ہاری تو صبح ہی سے گرفتار ہو چکا تھا۔ جی بھر کے کان کھینچے گئے تھے۔

مختلف زاویوں سے اکٹھا کیا گیا تھا۔ بال کی کھال نکالی گئی تھی۔ وہ تو عالم تاب کی بہن تھی۔ عدالت نے اس کی جان چھڑا لی تھی۔

"ہو کلپرٹ" مسٹر فرانسیسی باقاعدہ اسے سامنے کھڑا کر گیا۔

"واہ بھئی واہ تو کلاسیٹ اے۔ مسٹر فرانسیسی۔

یہ گردان جاری تھی کہ عالم تاب آ گئی تھیں۔ اور یوں اس کی جان چھوٹی تھی۔

"کاکا جان کے بعد یہ دوسری "بہت زندہ باد ہے۔" روبی نے اہم نکتے کی طرف ان سب کو متوجہ کیا تھا۔

روشی دلہن بنی ہاری کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ وہ سب نہیں تھیں کھڑی تھیں۔ تصاویر کا سلسلہ جاری تھا

"اللہ روشی تمہیں بیماری لگ رہی ہے۔" یہ نے بھی مسرت خوشی کی کیفیت میں کہا تھا۔

"ہاری او دیکھو تو تمہارا کے آنے کی طرح اینٹھے بیٹھے ہو۔ آج بیوی پارٹی کا گرفتاری کی دن تم بھی وہ۔" موہانے ہاری کو ٹھنگ کیا۔

مرتا ہوں سادگی پہ کہ غیرت کا خون ہے
میرے لیے نہ خود کو تماشا کرے کوئی

ہاری نے بڑی شریر مسکراہٹ کے ساتھ ایک اداکاری کے مصداق جواب دیا تھا۔

"او۔ او۔" ایک واہ کا ہوگئی۔

"ہی ہی ہاں ہاری ہو بھی کو ٹھنگ کرتا ہے۔" اوبی نے شرارہ کا ہے کیا۔

"ہاری! بھئی تم نے روبی کو نہیں دیکھا؟" مرجانے کیوں کہا تھا۔ دیکھیے بہت اچھی ہے۔ صرف اپنی کاوہ دیکھا ہے اور تو کوئی نظر نہیں آتا۔" ہاری نے کہا تھا۔

ماہین نے ایک کھانے کا انتظام دیکھ لیا تھا۔ شوخ و شنگ شیلی اس کے کانوں میں کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ ان کے کانوں پانے کا اور کر رہی تھی کہ تو نے آنے کی اطلاع آئی۔ وہ سب کی آوازیں سماعت میں آئی۔ جیسے انسان بھاگ کر پہنچ گیا ہے۔

"بیٹا!" اس نے ماہ تھا میں تھی کہا۔ دوسری طرف مزمل آ رہا تھا۔ شدت جذبات کی تھی کہ وہ بول نہیں پا رہے تھے۔ ماہین کے آنسو بہہ رہے تھے۔ "مسٹر تیمور علی خان آئی ہیں۔"

ماہین کا دل بری تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم۔ تیمور علی خان فرام پاکستان۔"

"جیتے رہیں۔ کیسی طبیعت ہے؟" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ٹھیک ہیں۔ پہلا جیٹ آج صبح ابھی کچھ دیر پہلے ہوا ہے۔ امید ہے آپ آرام کریں۔ ہم آپ کو اس لیے بھی فون کر رہے ہیں کہ آپ پاکستان میں ہوا کا انتظار نہ کیجیے گا۔ ہم یہاں دوبارہ کے لیے اپنی فیملی چلے جائیں گے اور وہیں سیٹل ہوں گے۔"

"ہمارا خیال ہے یہ آپ سب کے لیے بہتر ہے۔ ان کا ایمرجنسی موو کلیئر کرنا اب بہت ضروری ہو گیا ہے۔ بہتر یہاں کو لیجیے ہم دو تین ماہ کے اندر پاکستان آئیں گے ہم سے مطلب صرف ہم۔ امید ہے حوصلہ افزا خبر آپ کے لیے بھی بہت بڑی خوشخبری ہے۔"

"بی بہت زیادہ۔ جان سے زیادہ ہے۔ آپ کی اس وقت ریئل ایمانگ کیا ہے؟ آپ خوش ہیں؟"

"اوہ! ہاں ہاں واقعی یہ بہت اچھی خبر ہے۔ آپ ہماری طرف سے بے فکر رہیں۔" تیمور علی خان بہت سکون سے بات کر رہے تھے۔

آپ کے لیے ایک شعر ہے۔

پست حوصلے والے تیرا ساتھ کیا دیں گے
زندگی ادھر آ جا ہم تجھے گزاریں گے

"اس میں آپ کا "ہم" بھی موجود ہے۔" ماہین ہنس پڑی تھی۔

"موبائل تھکس۔ اور آپ کیسی ہیں یہ کیا کر رہی ہیں؟"

"دیکھ رہی ہوں اپنی صورت کو۔" اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں

www.Paksociety.com
www.parsociety.com
urdunovels.net

"آپ بجو کا خیال رکھیے گا۔ وہ وہاں جا کر آپ سے خفا تو نہیں ہوں گی نا؟"

ع اسے میری پاپ نے رلا دیا جسے گنگنو میں کمال تھا

ماہین کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ اسے گمان بھی نہیں تھا کہ تیمور علی خان شاعری بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ تیمور علی خان سے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور وہ ریسیور ہاتھ میں تھامے ہنوز ایک ہی زاویے سے کھڑی تھی۔

"بات تو پھر یہ ہوئی بجو کہ ازل سے ہمارے درمیان طویل فاصلے طے ہیں۔"

وہ ریسیور رکھ کر دوبارہ لان میں آئی تو مظہر ہنوز وہی تھا۔ روشنی کے چہرے پر پاپا کی دوری کے رنگ تھے کہ دل سے مسافت و تھکن کی دھول اترنے لگی۔

یاور علی خان مین گیٹ پر تنہا ہی کسی جوڑے کا استقبال کر رہے تھے۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی ان کے پہلو میں جا کھڑی ہوئی۔